ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ
تفسیر مدارک التنزیل
وحقائق التاویل
برکات القرآن
تصنیف
علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی
مترجم
ناشر
فرید بک سٹال

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے (یہ) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے

(البقرۃ:۲)

تفسیر مدارک التنزیل

(عربی)

وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمٰی بہ

برکات القرآن

جلد اوّل

(الفاتحہ تا التوبہ)

تصنیف

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر مدارک التنزیل (جلد اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

نحمده ونصلي ونسلم وعلى رسوله الكريم وعلى آله واصحابه اجمعين O

حمد وصلوٰۃ کے بعد محترم قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن مجید کا مؤدب و بامحاورہ اور سلیس اُردو زبان میں ترجمہ اور "تفسیر مدارک" جیسی فنی کتاب کا اُردو میں ترجمہ اور عقائد اہل سنت کی ترجمانی میں مختصر ضروری حواشی کا اضافہ بے شک میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم اور اس کی خاص عنایت و مہربانی ہے' اس پر جس قدر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں' کم ہے' مگر یہ بندۂ ناچیز بذاتِ خود پُرتقصیر اور کم علم ہونے کے اعتبار سے اس لائق نہیں ہے کہ اتنا بڑا اہم اور علمی کام سرانجام دے سکے' تاہم اللہ تعالیٰ جس سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے' اسے خود منتخب فرما لیتا ہے' اس میں بندے کا کوئی کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور اس کی مہربانی کا کمال ہے۔

اس لیے اس ترجمہ کے بارے میں چند معروضات پیش کرنا بے حد ضروری ہیں' تاکہ قرآن مجید اور "تفسیر مدارک" کا ترجمہ پڑھنے اور سمجھنے میں مزید آسانی پیدا ہو جائے۔

(۱) قرآن مجید اور تفسیر مدارک کا ترجمہ کرتے وقت احساس ذمہ داری' احساسِ کمتری اور اعتماد میں کمی کے باعث گھبراہٹ و پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ اُردو محدود زبان ہے' جب کہ عربی زبان فصیح و بلیغ اور ایک وسیع لغت ہے جس کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں' انہی معانی میں سے مناسب وموزوں کا انتخاب بہت مشکل ہو جاتا ہے' خصوصاً قرآن مجید کے ترجمہ میں یہ مشکل افزوں تر ہو جاتی ہے لیکن قرآن مجید کے مختلف تراجم خصوصاً: کنز الایمان' جمال القرآن اور نور القرآن (تبیان القرآن میں شامل ترجمۂ قرآن) وغیرہم کے تراجم کے مطالعہ کی وجہ سے ترجمہ قرآن کریم میں میرے لیے بہت آسانی پیدا ہوئی جن کی برکت سے یہ ترجمہ ان شاء اللہ العزیز بامحاورہ اور سلیس اُردو تراجم میں بہترین ترجمۂ قرآن ثابت ہوگا۔

(۲) تفسیر مدارک کا ترجمہ کرتے وقت تفسیر روح المعانی' تفسیر مظہری' تفسیر روح البیان اور تفسیر تبیان القرآن خصوصی طور پر زیر مطالعہ رہیں' ان کے علاوہ تفسیر کبیر' تفسیر خازن' تفسیر بغوی' تفسیر صاوی' تفسیر ضیاء القرآن' تفسیر خزائن العرفان اور تفسیر عثمانی وغیرہم بھی زیر مطالعہ رہیں' جن کی برکت اور مدد سے تفسیر مدارک کا ترجمہ اور اس کا مفہوم واضح کرنے میں آسانیاں پیدا ہوئیں اور مختلف قراءت کی ابحاث میں تفسیر مظہری اور تفسیر روح المعانی کے علاوہ حرز الامانی ووجہ التہانی فی القراءات السبع' بہت مددومعاون ثابت ہوئیں' نیز روایت حفص میں قراءت کے مسائل کے لیے القول السدید فی علم التجوید' سے کافی استفادہ کیا' بہر حال قرآن مجید اور تفسیر کے ترجمہ کی خوبیاں متقدمین تراجم و تفاسیر کی مرہون منت ہیں' البتہ جہاں کہیں

تقصیر ہوئی ہوگی وہ بندۂ ناچیز کی طرف سے ہوئی ہوگی۔

(۳) چونکہ ''تفسیر مدارک'' قدیم طرز کی کتاب ہے اس لیے عنوانات سے خالی ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے تفسیر سے پہلے الگ جلی حروف میں عنوانات قائم کر دیئے ہیں تاکہ پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی رہے' نیز بعض مقامات میں تفسیر مزج (ترجمہ کے ساتھ مربوط تفسیر) کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے سابق اُردو کلام کو لاحق آیات کے ترجمہ کے بعد اُردو کلام کے ساتھ مربوط و متصل بیان کیا گیا ہے' لیکن جب کوئی قاری پہلے اُردو کلام کے اختتام تک پہنچتا ہے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ یہاں کچھ چھوٹ گیا ہے حالانکہ وہ حصہ لاحق ترجمہ آیات کے بعد اُردو کلام میں لکھا ہوتا ہے' اس لیے قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ دورانِ مطالعہ جہاں کہیں ایسا محسوس کریں تو وہاں پہلے اُردو کلام کو ترجمہ آیات کے بعد اُردو کلام کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے تو سابق اُردو کلام لاحق اُردو کلام کے ساتھ مربوط پائیں گے۔

(۴) سورۃ المائدہ سے گرائمر اور قراءت کی مختلف ابحاث کو آیت کی تفسیر کے اختتام پر آخر میں لکھا گیا ہے تاکہ قارئین کرام تفسیر کے مطالعہ کے دوران تفسیر کے درمیان گرائمر یا قراءت کے مسائل آ جانے کی وجہ سے ملول و پریشان بھی نہ ہوں اور تفسیر پڑھتے وقت تسلسل میں خلل بھی نہ آئے' البتہ اشد ضرورت کے وقت گرائمر یا قراءت کو دورانِ تفسیر بعض مقامات پر بیان کر دیا گیا لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے' مثلاً ''تفسیر مدارک'' کے مصنف نے گرائمر یا مختلف قراءت بتا کر اس کے مطابق تفسیر بیان کی تو ترجمہ میں بھی گرائمر یا اختلافِ قراءت لکھ کر اس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے' نیز گرائمر اور قراءت کو بریکٹ [ ] کے اندر لکھا گیا ہے تاکہ عربی دان علمائے کرام کے علاوہ اُردو دان اہل علم حضرات کے لیے بوقت مطالعہ تفسیر کے درمیان گرائمر اور اختلافِ قراءت کی بحث تسلسل میں خلل انداز نہ ہو' نیز ''تفسیر مدارک'' کے حواشی نصف قرآن (پندرہ پارہ تک) کم ہیں جب کہ نصف ثانی کے حواشی کچھ زیادہ ہیں' لہٰذا مسلک اہل سنت کے تمام مسائل جاننے کے لیے مکمل تفسیر اور اس کے حواشی کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ آخر میں اکابر علمائے اہل سنت کی خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ قلیل اور صغیر تقصیرات سے درگزر فرمائیں' البتہ ضروری تصحیح و تنبیہ کے لیے ناشر کے ذریعہ آگاہ فرمائیں۔ شکریہ

اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل سے اس تفسیر کو مقبول عام اور مفید تام بنائے۔

میری' میرے والدین' میرے اساتذہ کرام کی اور میرے جملہ احباب کی مغفرت و بخشش فرمائے۔ آمین ثم آمین

واحد بخش غوثوی مہاروی
موبائل: 0322-4042114

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارک التنزیل اور اس کے مصنف کا تذکرہ

(از علامہ غلام رسول سعیدی)

تفسیر کے موضوع پر فقہاء شافعیہ نے بہت زیادہ کام کیا ہے' فقہاء مالکیہ' فقہاء حنبلیہ اور فقہاء احناف کی اتنی زیادہ تفسیریں نہیں ہیں' بہرحال فقہاء احناف کی تفسیروں میں مشہور تفسیر علامہ ابوبکر احمد بن علی جصاص متوفی ۳۷۰ھ کی تفسیر ''احکام القرآن'' ہے اور علامہ ابو اللیث سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ کی تفسیر ''بحر العلوم'' ہے اور علامہ نسفی متوفی ۷۱۰ھ کی ''مدارک التنزیل'' ہے' علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم حنفی متوفی ۸۸۰ھ کا ''حاشیہ ابن التجید علی البیضاوی'' ہے' علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ کا ''حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی'' ہے' علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ کی تفسیر ''ابو السعود'' ہے' علامہ احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ کی ''عنایۃ القاضی'' ہے' علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ کی ''تفسیرات احمدیہ'' ہے' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ کی ''روح البیان'' ہے' علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ کا ''حاشیۃ القونوی علی البیضاوی'' ہے' قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ کی ''تفسیر مظہری'' ہے' علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کی ''روح المعانی'' ہے' مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ کی ''تفسیر نعیمی'' ہے' علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۹۹۸ء کی ''ضیاء القرآن'' ہے اور اس فقیر کی تفسیر ''تبیان القرآن'' ہے۔

''تفسیر مدارک التنزیل'' کے مصنف علامہ ابو البرکات کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

علامہ محی الدین عبد القادر متوفی ۷۷۵ھ نے علامہ نسفی کا مختصر تذکرہ لکھا ہے' جس کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے من وعن نقل کیا ہے' اس کو ہم پیش کررہے ہیں: (الجواہر المضیہ ص ۲۷۱' میر محمد کتب خانہ' کراچی)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی' علامۃ الدنیا ہیں' الحافظ عبد القادر نے اپنے طبقات میں لکھا ہے کہ متاخرین کے زہاد میں سے ایک ہیں' فقہ اور اصولِ فقہ میں ان کی مفید تصانیف ہیں' انہوں نے ''المنظومۃ'' کی شرح میں ''المستصفی'' لکھی ہے اور ''النافع'' کی شرح ''المنافع'' کے نام سے لکھی ہے اور ''الوافی'' کی شرح میں ''الکافی'' لکھی ہے اور فقہ میں ''کنز الدقائق'' لکھی ہے (یہ کتاب درسِ نظامی میں شامل ہے اور البحر الرائق' النہر الفائق' تبیین الحقائق' رمز الحقائق اور شرح العینی اس کی مشہور شروحات ہیں) اور اصولِ فقہ میں ان کی مشہور کتاب ''المنار'' ہے (علامہ الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے ''افاضۃ الانوار'' کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے اور علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے ''نسمات الاسحار'' کے نام سے اس پر حاشیہ لکھا ہے) اصولِ فقہ میں ان کی ایک اور کتاب ہے ''العمدۃ فی اصول الدین''۔

علامہ شمس الدین اکردری سے انہوں نے فقہ کا علم حاصل کیا اور احمد بن محمد العتابی سے زیادات کی روایت کی۔علامہ عسقلانی فرماتے ہیں: ماہ ربیع الاوّل ۷۰۱ھ میں جمعہ کی شب ان کا انتقال ہوگیا۔(الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۲۴۷، دار الجیل بیروت)

مدارک التنزیل وحقائق التاویل از نسفی

تعارف مؤلف

علامہ غلام احمد حریری لکھتے ہیں:

اسم گرامی عبداللہ بن احمد بن محمود اور کنیت ابوالبرکات ہے' نسبت نسفی ہے' نسف ماوراء النہر میں ایک شہر کا نام ہے۔آپ بڑے عابد وزاہد اور ائمہ معتبرین میں سے تھے۔مسلکاً حنفی تھے۔حدیث نبوی اور فقہ واصول کے یگانہ روزگار امام تھے۔کتاب اللہ کے زبردست مفسّر تھے۔آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف بہت مشہور ہیں:

(۱) متن الوافی فی الفروع (۲) الکافی شرح الوافی (۳) کنز الدقائق فی الفقہ (۴) المنار فی اصول الفقہ (۵) العمدۃ فی اصول الدین (۶) مدارک التنزیل وحقائق التاویل

اور دیگر تصانیف جو علماء میں معروف ومتداول ہیں' آپ نے جن مشائخِ عصر سے استفادہ کیا' ان میں شمس الائمہ کردری اور احمد بن محمد عتابی جیسے اکابر کے اسماء شامل ہیں۔آپ نے ۷۰۱ھ میں وفات پائی اور علاقہ کردستان کے مقام ایذج میں مدفون ہوئے۔آپ کے تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیے:(الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۲۴۷، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۱۲)

تعارف تفسیر

امام نفسی نے اس کتاب کو''تفسیر بیضاوی'' اور''کشاف'' سے اخذ کیا۔البتہ''کشاف'' میں جو معتزلی عقائد مرقوم تھے' ان سے احتراز کیا اور مسلک اہل السنّت پر گامزن رہے۔یہ ایک متوسط القامت تفسیر ہے' نہ بہت طویل اور نہ زیادہ مختصر۔مؤلف نے اس میں وجوہِ اعراب اور مختلف قسم کی قراءتوں کو یکجا کر دیا ہے''تفسیر کشاف'' میں جو بلاغی نکات اور محسنات بدیعیہ تھے' ان کو اس تفسیر میں سمولیا گیا ہے۔سورتوں کے فضائل کے سلسلہ میں جو احادیث موضوعہ''کشاف'' میں مذکور ہیں' وہ اس میں مندرج نہیں۔بقول حاجی خلیفہ شیخ زین الدین ابومحمد عبدالرحمان بن ابوبکر بن العینی نے''تفسیر مدارک'' کا ایک اختصار لکھا ہے اور اس پر اضافے بھی کیے ہیں' مگر یہ دستیاب نہیں ہوسکا' تاکہ اس پر تبصرہ کیا جاسکتا۔

اس کی عبارت مختصر اور سلیس ہے۔یہ''تفسیر کشاف'' کے محاسن کی جامع اور اس کے نقائص سے پاک ہے۔اس میں''تفسیر بیضاوی'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے' بلکہ مفسر نسفی بعض جگہ''بیضاوی'' کی عبارت بلا ردّ و بدل یا بادنیٰ تغیر نقل کر دیتے ہیں۔مثال کے طور پر سورہ النجم کی تفسیر''بیضاوی ونسفی'' دونوں میں ملاحظہ کر کے اندازہ لگائیے کہ ان کی عبارت باہم کس حد تک ملتی جلتی ہے۔

علوم نحو وفقہ وقراءت

تفسیر زیرِ تبصرہ میں اعراب وقراءت کے مختلف وجوہ واقسام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے' تاہم اس میں نحوی مباحث دیگر تفاسیر کے مقابلہ میں کم ہیں۔صاحبِ مدارک قراءت سبعہ کا ذکر کر کے ہر قراءت کو اس کے قاری کی جانب منسوب کرتے ہیں۔آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے آیت سے متعلق فقہی مذاہب ومسالک بیان کرتے ہیں۔امام نسفی کڑی سرگرمی سے حنفی مسلک کی حمایت کرتے اور دوسرے مسالک کی پرزور تردید کرتے ہیں۔اس کی مثال مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیے:

''وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ''(البقرہ:۲۲۸)۔(تفسیر مدارک ج ۱ ص ۸۹)

"وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ" (البقرہ:۲۳۷)۔(تفسیر مدارک ج ۱ ص ۸۹)

اسرائیلیات

تفسیر مدارک کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اسرائیلیات کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے۔ امام نسفی جہاں کوئی اسرائیلی روایت کرتے ہیں' وہاں ہر جگہ اس پر نقد و جرح نہیں کرتے' بخلاف ازیں بعض جگہ تبصرہ کرتے ہیں اور بعض جگہ یوں ہی آگے گزر جاتے ہیں' مثلاً آیت قرآنی:

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ. (النمل:۱۶) سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہا: لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھلائی گئی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام نسفی نے ایک اسرائیلی روایت ذکر کی ہے جس میں مختلف پرندوں کا ذکر کر کے بقول حضرت سلیمان علیہ السلام بتایا ہے کہ فلاں پرندہ یوں کہتا ہے اور فلاں یوں' اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

قرآن کریم میں فرمایا:

هَلْ اَتَاكَ نَبَاُ الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ. (ص:۲۱) کیا آپ کے پاس دشمنوں کی خبر آئی ہے' جب وہ دیوار پر چڑھ کر حضرت داؤد کے یہاں پہنچے تو ان سے گھبرا گئے۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب مدارک نے ایسی روایات ذکر کی ہیں' جو حضرت داؤد علیہ السلام کی عفت و عصمت کے منافی نہیں' پھر کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ حضرت داؤد نے اُوریا نامی شخص کو بار بار جنگ میں بھیجا' تا کہ وہ مارا جائے اور آپ اس کی بیوی کو اپنے نکاح میں لے آئیں' یہ بات کسی صالح شخص کو بھی زیب نہیں دیتی چہ جائیکہ ایک نبی سے اس کا صدور ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جو شخص افسانہ گو لوگوں کی طرح یہ واقعہ بیان کرے گا' میں اس کو ایک سو ساٹھ دُرّے لگاؤں گا۔ انبیاء پر بہتان طرازی کی شرعی حد یہی ہے۔ (مدارک ج ۴ ص ۲۹)

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ. (ص:۳۴) اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' پھر وہ جھک گئے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام نسفی نے ایسی روایات ذکر کی ہیں' جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی پاک دامنی سے لگا کھاتی ہیں' پھر یہ لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں انگوٹھی اور شیطان کا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے' نیز یہ روایت ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان کے گھر میں بت کی پوجا کی جاتی تھی' تو یہ یہود کے اباطیل میں سے ہے۔ (مدارک ج ۴ ص ۳۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ سابق الذکر دونوں آیات کی تفسیر میں امام نسفی نے ایسے من گھڑت واقعات کی تردید کی ہے' جو انبیاء کی عصمت کے منافی ہیں اور اس طرح سہل انگاری سے کام نہیں لیا' جس طرح سابقہ مثالوں میں لیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات میں سے جو عقائد پر اثر انداز ہو سکتے ہیں' امام نسفی اس کی تردید کرتے ہیں اور جو عقائد پر اثر انداز نہ ہوں' ان کو بلا تنقید ذکر کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے' بشرطیکہ اس واقعہ میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہو۔ علاوہ ازیں عقل و شرع سے بھی متصادم نہ ہو۔ بہرکیف یہ کتاب اہل علم کے یہاں معروف و مقبول ہے اور متوسط ضخامت کے چار اجزاء میں چھپی ہوئی ہر جگہ ملتی ہے۔ امام نسفی کی دیگر تصانیف کی طرح لوگوں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

(تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۲۷۵-۲۷۶' کشمیر بک ڈپو' فیصل آباد' پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف (مترجم کی سوانح حیات)

(از قاری فدا حسین، فتح گڑھ، لاہور)

قدرت اپنے دین اسلام کے غلبے وترقی اور اپنے کلام مقدس کی اشاعت وخدمت کے لیے جس کو چاہتی ہے، منتخب کر لیتی ہے، اس میں نہ تو مالی وسائل کا عمل دخل ہوتا ہے اور نہ ہی شہرت وناموری کے اعتبار سے اعلیٰ ذاتوں وقبیلوں کو دیکھا جاتا ہے۔ قدرت بلا امتیاز جس پر مہربان ہوتی ہے اور اپنا خاص فضل فرماتی ہے، اسے وراثت علوم نبوی کے زیور سے آراستہ فرما کر اپنے مقدس کلام اور پسندیدہ دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ اور خدمت پر مامور فرما دیتی ہے اور وہ مخلوق خدا کے لیے چشمہ فیض بن جاتا ہے، جس کی علمی وروحانی سخاوت وجوادی سے لوگ فیض یاب ومستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

ایک بچہ پسماندہ علاقے اور غریب ونادار گھرانے میں آنکھ کھولتا ہے، مالی وسائل کے فقدان اور فقر وافلاس کی وجہ سے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ یہ نومولود جوان ہو کر وارثین علوم انبیاء کی صف میں شمار ہوگا اور علمی دنیا میں اسے یہ مقام حاصل ہوگا کہ اسے استاذ العلماء والفضلاء کے عظیم لقب سے پکارا جائے گا اور بڑے بڑے امراء واغنیاء اس کی زیارت وقدم بوسی کو باعث فخر وسعادت سمجھیں گے۔

چنانچہ انہی خوش قسمت افراد میں سے ایک حضرت استاذ العلماء والفضلاء، جامع المنقول والمعقول حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی دامت برکاتہم العالیہ ہیں، جن کو قدرت نے پسماندہ علاقے اور غریب گھرانے سے اٹھایا اور انہیں میراث علوم نبوی کا ایک وافر حصہ عطا فرما کر دین اسلام کے فروغ اور اپنے مقدس کلام کی تبلیغ واشاعت اور خدمت کے لیے منتخب فرمایا، سو علامہ موصوف نہ صرف علم منقولات ومعقولات کی دنیا میں ایک مقام رکھتے ہیں بلکہ عملی وروحانی دنیا میں بھی انہیں ایک مقام حاصل ہے اور آپ تشنگانِ علوم ومعارف کو اپنے بحر ذخار اور چشمہ فیض سے سیراب کر رہے ہیں۔

نام، ولدیت اور تاریخ پیدائش وجائے ولادت اور قبیلہ

آپ کا پورا نام محمد واحد بخش غوثوی ہے اور آپ کے والد گرامی کا نام کرم حسین خان ہے اور آپ ۳۰ جون ۱۹۴۹ء کو مظفر گڑھ کے مضافاتی گاؤں پنجے والا نامی بستی میں ناخواندہ اور غریب وشریف گھرانے میں پیدا ہوئے اور ذات وقبیلہ کے اعتبار سے آپ کا تعلق بلوچ قبیلہ سے ہے اور شجاعت ودلیری، غیرت وحمیت اور بہادری وخودداری بلوچ قوم کی نمایاں خصوصیات ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان خصوصیات کا عنصر آپ کی شخصیت میں نمایاں ہے۔

ناظرہ قرآن اور ابتدائی دینی تعلیم

علامہ موصوف کے والد گرامی اگرچہ ناخواندہ تھے، لیکن نیکی، پارسائی، پرہیزگاری وتقویٰ اور سادگی وشرافت کے پیکر تھے

اور دینی ذوق رکھتے تھے اور وہ اپنے ہونہار فرزند کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا شوق و جذبہ رکھتے تھے' چنانچہ انہوں نے اسی شوق و جذبہ کے تحت آپ کو اپنے ہی گاؤں میں حضرت مولانا صوفی میاں کریم الدین ہاشمی قریشی علیہ الرحمۃ (جو اپنے دور کے ولی کامل تھے) کے سپرد کیا' جن سے آپ نے ناظرہ قرآن کریم اور بعض پنجابی زبان میں دینی کتب کی تعلیم حاصل کی۔

حفظ قرآن کریم

اگرچہ ناظرہ قرآن پڑھنا بھی باعث سعادت ہے مگر قرآن کریم کو حفظ کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور اس کی ایک اپنی چاشنی اور روحانی لذت ہے' چنانچہ آپ دینی کتب کی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے حفظ قرآن کی طرف متوجہ ہو گئے' سو آپ نے اپنے گاؤں میں ابتدائی چار پارے حافظ غلام نبی صاحب' حافظ غلام قادر مہر صاحب اور حافظ غلام سرور صاحب سے حفظ کیے' پھر آپ نے سندیلہ نامی بستی میں مدرسہ تعلیم القرآن میں حافظ محمد صدیق صاحب سے بقیہ چھبیس پارے حفظ کر کے قرآن کریم مکمل کیا۔

علوم شرقیہ کی ابتداء اور مدرسہ دیوبند میں داخلہ

حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ نے گرام نامی بستی (جو" حافظ نور محمد" کے نام سے مشہور ہے) کی مسجد کے دیوبندی امام وخطیب مولوی جمال دین کی وساطت سے علوم شرقیہ (درس نظامی) کی تعلیم کی خاطر دیوبند مکتب فکر کی مشہور درسگاہ خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) میں داخلہ لیا۔ بنیادی طور پر چونکہ وہ دیوبند مکتب فکر کی درسگاہ تھی' اس لیے اس میں نصابی کتب کی تعلیم پر توجہ دینے کی بجائے مسلک دیوبند (وعقائد باطلہ) کی تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا اور مسلک اہل سنت کے طلباء کے عقائد بگاڑنے کے لیے ان پر خصوصی توجہ مرکوز رکھی جاتی تھی' جس کی وجہ سے اس درسگاہ میں آپ فارسی کی ابتدائی دو تین کتب پڑھنے کے سوا اور کچھ حاصل نہ کر سکے۔ البتہ دیوبندیت میں آپ کا ذہن ضرور پختہ ہو گیا اور دیوبندیت کے رنگ میں خوب رنگے گئے۔

عقائد دیوبند کا غلبہ اور جامعہ معینیہ میں داخلہ

یہ بات واضح ہے کہ اوائل عمری میں جو سبق پڑھایا جاتا ہے' وہ ذہن میں پتھر پر لکیر کی مانند نقش ہو جاتا ہے' اس کا مٹنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہوتا لیکن مشکل ضرور ہوتا ہے' الّا یہ کہ کوئی ماہر و مشاق اور صاحب قال وحال استاذ مل جائے تو پھر یہ مشکل نہیں رہتا۔

چنانچہ اس حوالے سے آپ اپنی کہانی خود اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس دوران دیوبندیت کی چھاپ مجھ پر اس طرح چھا چکی تھی اور اس کے اثر سے میری کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ جب اہل سنت (بریلوی مکتب فکر) کی مسجد سے درود وسلام کی آواز سنائی دیتی تو مجھے بہت غصہ آتا اور میں سوچتا کہ کاش! میرا بس چلتا اور میں یہ درود وسلام بند کرا سکتا اور انبیاء کرام کے معجزات و کمالات اور اولیاء کرام کی کرامات کے متعلق ذہن میں منفی خیالات آتے رہتے تھے' مگر کبھی کبھی دل ملامت بھی کرتا تھا' پھر یہاں سے اسی مکتب فکر دیوبند کی دوسری درسگاہ جامع مسجد تھانہ شاہ جمال میں داخلہ لے لیا۔ والدین اگرچہ ناخواندہ تھے' مگر صحیح سنی العقیدہ تھے' عقائد دیوبندیت سے انہیں سخت نفرت تھی' اسی لیے اس مذکور درسگاہ میں چند ماہ ہی گزرے تھے کہ میرے والدین نے میری ذہنی کیفیت کو بھانپ لیا اور اصرار کر کے مجھے ڈیرہ غازی خان شہر میں دار العلوم جامعہ معینیہ میں داخل کرا دیا' جہاں مجھے استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا غلام جہانیاں معینی

علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

چنانچہ جب میں مذکور دارالعلوم میں داخل ہوا تو چونکہ میں ذہنی طور پر مسلک دیو بند میں ڈھل چکا تھا' اس لیے اس دارالعلوم کے طلباء سے مسلکی اختلاف کی بناء پر نوک جھوک اور بحث و تمحیص ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ حاضر و ناظر کے مسئلہ پر دورانِ بحث میری زبان سے سخت جملہ نکل گیا' جس سے طلباء مشتعل ہو گئے اور انہوں نے مدرسہ کے مہتمم حضرت علامہ پیر غلام جہانیاں معینی علیہ الرحمۃ سے میری شکایت کر دی' حضرت صاحب نے مجھے بلایا اور اپنے جلال کو ضبط کر کے نرمی سے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب تم اہل سنت و جماعت کی مساجد و محافل کے منبروں پر بیٹھ کر اہل سنت کے عقائد صحیحہ کی ترجمانی کرو گے' سوایسا ہی ہوا' چنانچہ ڈیرہ غازی خاں میں دارالعلوم جامعہ معینیہ میں فارسی کی تمام کتب متداولہ اور صرف ونحو اور منطق کی ابتدائی کتب پڑھیں۔

جامعہ نعیمیہ میں داخلہ اور عقائد دیو بند کا صفایا

جب استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے متعلق علم منطق اور علم فلسفہ کا شہرہ سنا تو ان علوم کے حصول کے لیے جامعہ نعیمیہ' گڑھی شاہو' لاہور میں داخلہ لیا۔ قبلہ سعیدی صاحب اس وقت صدر مدرس ہونے کی وجہ سے آخری درجہ کی کتب پڑھایا کرتے تھے' ایک دن علامہ سعیدی صاحب نے اپنے کمرے میں ڈیرہ غازی خاں کے میرے ایک ساتھی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ "**قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین**" میں "**نور**" سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور "**کتاب**" سے قرآن مجید مراد ہے' میں نے سن کر کہا کہ نہیں بلکہ نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید مراد ہے' سعیدی صاحب نے فرمایا کہ وہ کیوں؟ میں نے جواب دیا کہ اس کے بعد "**یھدی بہ اللہ**" ہے' جس میں ضمیر واحد ہے' اگر نور سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہوتے تو ضمیر واحد کی بجائے تثنیہ کی ضمیر "**بھما**" ہوتی' سعیدی صاحب نے فرمایا کہ پھر نور اور کتاب مبین سے حضور اقدس مراد لی جائے تو پھر ضمیر واحد کے ہونے میں خرابی لازم نہیں آئے گی' میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا' فرمایا: اب ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں نے کہا کہ واؤ عاطفہ ہے جو تغایر کو چاہتی ہے' فرمایا: نور اور کتاب مبین سے قرآن مجید کیسے مراد لیا جائے گا؟ میں نے کہہ دیا کہ اس وقت واؤ عطف نہیں' واؤ تفسیری مراد ہوگی' علامہ سعیدی صاحب نے فرمایا: تو پھر نور اور کتاب مبین دونوں سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مراد لینے میں بھی واؤ تفسیری مراد ہوگی' اس کے بعد میں لاجواب ہو گیا اور میرے ساتھی نے علامہ سعیدی صاحب کو بتایا کہ یہ (واحد بخش) دیو بندی مسلک کو قبول کر چکا ہے' چنانچہ چند دنوں کے بعد قبلہ سعیدی صاحب نے ہماری کلاس کو منطق کی کتاب "مرقات" پڑھانا شروع کر دی اور دورانِ تدریس عقائد اہل سنت کے دلائل اور مخالفین کی کتب سے ان کی گستاخانہ عبارتوں کی تردید بیان فرماتے رہتے' جس کی وجہ سے میرے ذہن میں تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔

ایک دن "مرقات" کے سبق میں کلی و جزئی کی بحث کے دوران جزئی کی تعریف کے حوالے سے میرے ایک سوال کے جواب میں مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث فرمائی تو میں نے اسی وقت مطمئن ہو کر دوبارہ مسلک اہل سنت (بریلوی) اختیار کرنے کا باقاعدہ طور پر اعلان کر دیا۔ اس طرح اس مرد قلندر کی زبان سے نکلی ہوئی یہ بات پوری ہوئی کہ "ایک وقت آئے گا کہ جب تم اہل سنت و جماعت کی مساجد و محافل کے منبروں پر بیٹھ کر اہل سنت کے عقائد صحیحہ کی ترجمانی کرو گے"۔

جامعہ نعیمیہ میں جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا

دارالعلوم جامعہ نعیمیہ (گڑھی شاہو لاہور) میں جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا' ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ' ان سے آپ نے ''قطبی'' اور ''میر قطبی'' پڑھیں۔

(۲) شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی' ان سے آپ نے ''مرقات' شرح تہذیب' سلم العلوم' ملاحسن' حمد اللہ' قاضی مبارک' ہدایت الحکمۃ' میبذ ی' صدرا' شمس بازغہ' شرح جامی' شرح عبد الغفور' شرح عقائد' خیالی' شرح نخبۃ الفکر' بیضاوی' جلالین (نصف اوّل) طحاوی اور بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ اور نسائی'' پڑھیں۔

(۳) شیخ الفقہ علامہ مفتی عبد العلیم سیالوی' ان سے آپ نے فقہ اور اصولِ فقہ کی اکثر کتب پڑھیں۔

(۴) مفتی عبد القیوم خان ہزاروی (صدر دارالافتاء' تحریک منہاج القرآن)' ان سے آپ نے ''ہدایۃ النحو' کافیہ اور اصول الشاشی'' پڑھیں۔

علامہ موصوف کو اگرچہ اپنے تمام اساتذہ کرام سے بہت زیادہ عقیدت ومحبت ہے اور ان کا انتہائی ادب واحترام سے ذکر کرتے ہیں' مگر علامہ سعیدی صاحب سے والہانہ عقیدت رکھتے اور ان سے بہت زیادہ متاثر ہیں' اس کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ نصابی کتب میں سے معقولات ومنقولات کی اکثر کتب اور صحاح ستہ کی تمام کتب آپ نے انہی سے پڑھیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے دل ودماغ پر جو دیوبندیت کا گمراہ کن زنگ لگ چکا تھا' اس کو علامہ سعیدی صاحب نے ہی مضبوط دلائل کے نورانی ریگ مار سے صاف کر کے اہل سنت کا نورانی اور عشق مصطفٰے کا وجدانی رنگ چڑھایا۔

سندِ فراغت

ہونہار و باصلاحیت زیرِ تعلیم طالب علم نے شب وروز خوب محنت کی' جس پر قابل ترین وجوہر شناس اور صاحب بصیرت اساتذہ نے سونے پر سہاگے کا کام کیا' بالآخر محنت رنگ لائی اور ۱۹۷۴ء میں لائق ترین طالب علم نے جامعہ نعیمیہ' لاہور سے سندِ فراغت حاصل کی۔

آغازِ تدریس

جس بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی درسگاہ (جامعہ نعیمیہ' لاہور) سے آپ نے اپنی دینی تعلیم (درسِ نظامی) کی تکمیل کی' اسی ادارہ میں آپ کو (۱۹۷۴ء میں ہی) بہ طور مدرس مقرر کیا گیا' تدریس کا یہ سلسلہ (ایک سال کے وقفہ سے) ۱۹۸۲ء تک رہا یعنی آپ نے جامعہ نعیمیہ میں سات برس تک درسِ نظامی کی مختلف نصابی کتب پڑھائیں۔ فنِ تدریس میں آپ باکمال' انتہائی قابل اور کامیاب ترین استاذ رہے (اور راقم کو بھی آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے)۔ جامعہ نعیمیہ سے تدریس چھوڑنے کے بعد اگرچہ مختلف مساجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا' تاہم باقاعدہ طور پر تدریس کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

سرکاری ملازمت

۱۹۸۵ء میں آپ نے محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ ۲۹ اپریل ۱۹۸۵ء کو آپ پاکستان ریلوے (بوائز) ہائی سکول' مغل پورہ' لاہور میں بہ طور عربی استاذ تعینات ہوئے' تاحال اسی سکول میں اپنے تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ سیکنڈ ٹائم درس نظامی کی تدریس اور تالیف وتصنیف کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ساتھ ساتھ جامع مسجد قبا (نیو کینال پارک' لاہور) میں خطابت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

روحانی نسبت

آپ کو زبدۃ الصالحین حضرت الحاج خواجہ محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آف چشتیاں شریف ضلع بہاول نگر سے روحانی نسبت (شرف بیعت) حاصل ہے' جو اپنے دور کے عظیم روحانی پیشوا تھے' اسی نسبت کی وجہ سے آپ اپنے نام کے

ساتھ غوثوی مہاروی لکھتے ہیں اور روحانیت وطریقت میں آپ اپنے پیرومرشد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

شخصیت واَوصاف

آپ کی شخصیت پرسکون' پروقار اور بارعب ہے' عاجزی وانکساری اور خودداری واستغناء آپ کا شعار ہے۔ رہن سہن اور لباس میں صفائی ستھرائی اور نظافت ونفاست پسند ہے' مگر زیبائش وآرائش' نمود ونمائش اور ریاء کاری سے کوسوں دور ہیں۔ سادگی کا مجسمہ اور حسن اخلاق کا پیکر ہیں' خوش طبع' ملنسار اور مہمان نواز ہیں' آپ اپنے دوستوں اور شاگردوں سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں' خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں اور ان کا بہت اکرام کرتے ہیں' طبیعت میں جلال کا غلبہ ہے' دین کے معاملہ میں حق گوئی وبیباکی آپ کا وصف خاص ہے' آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کسی مسئلہ یا علمی اشکال کے حل کے لیے اپنے شاگردوں کی طرف رجوع کرنے اور ان سے پوچھنے میں عار محسوس نہیں کرتے' بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ الغرض وہ تمام اوصاف وخوبیاں جو ایک عالم دین میں ہونی چاہئیں' وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

آپ اعلیٰ ذہانت وفطانت اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ تالیفات وتصنیفات کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں' آپ کی متعدد کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

ترجمہ تفسیر مدارک اور فرید بک سٹال سے تعلق

فرید بک سٹال (اُردو بازار' لاہور) ایک ایسا ادارہ ہے' جو عرصے سے احادیث وتفاسیر اور دیگر عربی کتب کے تراجم اور دینی کتب کی اشاعت وطباعت میں انتہائی خلوص اور دینی جذبہ کے ساتھ مصروف کار ہے' جس کے روح رواں جناب سید محسن اعجاز ہیں' قبلہ شاہ صاحب دینی کتابوں اور عربی کتب کے تراجم کی اشاعت کا ایک ذوق رکھتے ہیں اور اس ذوق کو آپ کے خلوص نے چار چاند لگا دیئے ہیں اور وہ جس ذوق' خلوص اور دینی جذبہ کے تحت کتابوں کی اشاعت وطباعت میں مصروف ہیں' وہ آپ ہی کا حصہ ہے' آپ انتہائی قابل قدر اور مخلص دوست ہیں' وہ علماء کی دل وجان سے قدر واحترام کرتے ہیں' ان کو ایسے فاضل علماء کی تلاش رہتی ہے' جو خالصتاً دینی جذبہ کے تحت دینی کتب کی تصنیف وتالیف اور عربی کتب کے تراجم کرنے کی نہ صرف صلاحیت رکھتے ہوں بلکہ اعلیٰ ذوق بھی رکھتے ہوں اور اگر ان کو باذوق وباصلاحیت اور مخلص ودینی جذبہ رکھنے والا عالم دین مل جائے اور ان کے ادارے میں کام کرنے پر آمادہ ہو جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

سو علامہ واحد بخش صاحب انہی علماء میں سے ایک ہیں' جن کی قبلہ شاہ صاحب کو تلاش رہتی ہے' چنانچہ علامہ صاحب کی جب (راقم الحروف کی وساطت سے) شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان کا تفصیلی تعارف ہوا تو شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور بلا تاخیر ان کو اپنے ادارے کے ساتھ منسلک کر دیا اور اسی وقت ''تفسیر مدارک'' کے ترجمہ کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی' سو اس وقت علامہ صاحب ''تفسیر مدارک'' کا اُردو زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں اور وہ تکمیلی مراحل میں ہے۔

''تفسیر مدارک'' عربی ادب کا شاہکار ہے' جس کے مفاہیم ومطالب کو سمجھنا عام عربی دان کے بس کا روگ نہیں ہے' اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے' جو نہ صرف عربی اور اس کے قوانین کو جانتا ہو بلکہ عربی ادب کا بھی ماہر ہو' چنانچہ علامہ صاحب نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مذکورہ تفسیر کا اُردو زبان میں ترجمہ کر کے اس کے دقیق وپیچیدہ عقدوں کو انتہائی نفیس طریقے سے حل کیا ہے اور ترجمہ میں ایسا اسلوب اختیار کیا ہے کہ ایک کم تعلیم یافتہ بھی اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور یہ ترجمہ نہ صرف عام آدمی کے لیے مفید ونافع ہوگا' بلکہ اس سے طلباء وعلماء یکساں مستفید ہو سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کے علم وعمل میں مزید ترقیاں عطا فرمائے' ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے مشرف فرمائے'

اس کو مفید خاص و عام بنائے' ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اوران کا سایہ تادیر قائم رکھے' اوراللہ تعالیٰ سید محسن شاہ صاحب کے ذوق' اخلاص اوردینی جذبہ میں مزید اضافہ فرمائے اوران کے ادارے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' دشمنوں کی عداوت' حاسدوں کے حسد اورشریروں کے شر سے محفوظ رکھے اورتا قیامت اس کو قائم ودائم رکھے۔

آمين برحمتك يا ارحم الراحمين.

طالب دعا:

قاری فدا حسین

جامع مسجد بابا یتیم شاہ' فتح گڑھ' لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ

(از علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النفسی ٗ متوفی ۷۱۰ھ)

تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو اپنی ذاتِ اقدس میں اوہام کے اشاروں سے منزہ ہے اور اپنی صفات میں عقول و افہام کے ادراک سے پاک ہے اور الوہیت کے ساتھ متصف ہے ٗ وہی ہر موجود سے پہلے ہے اور وہی دائمی اوصاف کمالیہ کے ساتھ باقی ہے اور تمام مخلوقات کے بعد بھی وہی رہے گا اور وہ ایسا بادشاہ ہے جس کے انوارِ جلال نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے ٗ وہ ایسا متکبر ہے کہ اس کی عظمت و کبریائی نے افکار کو درماندہ کر دیا ہے ٗ وہ ایسا قدیم ہے کہ آغاز و ابتداء اور محدثات و ممکنات کی مماثلت و مشابہت سے بہت بلند و بالا ہے ٗ وہ ایسا عظیم ہے کہ مکان کی حدود سے منزہ ہے ٗ نیز وہ اجسام و ابدان اور تمام مخلوقات کی مشابہت سے بہت بلند و بالا اور مبرا ہے ٗ وہ ایسا قادر ہے کہ اس کی قدرتوں کو کیفیت و احاطہ کے ساتھ محدود و مقید نہیں کیا جا سکتا ٗ وہ ایسا قاہر ہے کہ اس سے کسی کو مکلف کرنے اور کسی پر فرائض و حقوق کو بجالانے کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنے کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا ٗ وہ ایسا علیم ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بولنا سکھایا ٗ وہ ایسا حکیم ہے کہ جس نے ایسی عالی شان کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی ہے جو تمام بدنوں اور روحوں کے لیے یکساں شفا ہے اور صلوٰۃ و سلام نازل ہو اس ذاتِ بابرکات پر جو عقل و دانش کی عیاری اور کند ذہن رکھنے والے کم عقلوں کی حماقت سے اجتناب و احتراز کرتے رہے اور فصاحت و بلاغت اور نصیحت و خیر خواہی کے میدان میں اترنے والے تھے ٗ جن کا اسم گرامی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہے ٗ جو تمام مخلوق کے رسول و نبی بن کر مبعوث ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور دین حق کی دعوت دینے والے تھے اور اللہ تعالیٰ اور حق کی طرف بلانے والے تھے اور آپ کی آل پر اور آپ کی اتباع کرنے والوں پر۔

مولانا الشیخ امامِ معظم ٗ عالم کبیر ٗ عظیم الشان مقتدا اور روئے زمین پر رہنے والوں کے استاذ ٗ سنن و فرائض کو از سر نو زندہ کرنے والے ٗ قرآنی اسرار کے حقائق کھولنے والے ٗ تفسیری حقائق کے اسرار کی چابی ٗ کلام الٰہی کے ترجمان ٗ علمِ معانی اور علم بیان کے ماہر اور اصول و فروع کے جامع ٗ منقولات و معقولات میں مرجع خلائق ٗ دین و ملت کے محافظ ٗ شیخ الاسلام والمسلمین ٗ انبیائے کرام اور مرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم کے وارث ٗ اکابر مجتہدین میں کامل ترین ٗ بڑے بڑے محققین کے سردار ٗ صاحب کرامت و سعادت ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی ٗ اللہ تعالیٰ آپ کی طویل عمر کے ذریعے دین اسلام کو نفع پہنچائے اور آپ کی بابرکت ملاقاتوں اور صحبتوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے ٗ نے فرمایا کہ مجھ سے بعض ایسے احباب نے درخواست کی جن کی فرمائش ماننا میرے لیے واجب تھا ٗ چنانچہ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں ایک ایسی کتاب تحریر کروں جو مختلف قراءتوں اور مختلف وجوہِ اعراب کی جامع ہو اور علم بدیع و علم اشارات اور دیگر علوم کے حقائق و دقائق پر مشتمل ہو اور اہل سنت و جماعت کے اقوال سے آراستہ ہو اور اہل بدعت و ضلالت کے باطل نظریات و خیالات سے

مبرا ہو البتہ اکتاہٹ میں ڈالنے والی بڑی طویل اور مفصل تفسیر بھی نہ ہو اور نہ ہی قرآن مجید کے معانی و مطالب میں خلل ڈالنے والی بالکل مختصر تفسیر ہو بلکہ ایک متوسط اور درمیانی تفسیر ہو لیکن میں یہ سوچ کر کہ اس عظیم الشان مقصد کو حل کرنے کے لیے قوت بشری قاصر ہے اور اس عظیم الشان و مقتدر اور مستحکم و مضبوط کتاب کے شہسواروں (مفسرین) میں شامل ہونے کی وجہ سے پر خطر راہ پر چلنا پڑے گا' میں کبھی قدم آگے بڑھاتا اور کبھی پیچھے کر لیتا' یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیقِ رفیق سے یہ کام شروع کر دیا' اگر چہ مصروفیات اور رکاوٹیں بہت زیادہ حائل تھیں لیکن اس کے باوجود میں نے مختصر مدت میں اس کتاب کو مکمل کر لیا اور میں نے اس تفسیرِ مبارک کا نام ''مدارك التنزيل وحقائق التاويل'' رکھا ہے اور وہی (اللہ) ہر مشکل کو آسان بنانے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے' جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

آمین ثم آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ (مترجم)

الحمد للّٰہ الذی نزل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیراOو الصلوۃ و السلام علٰی سیدنا و نبینا محمد المصطفٰی خاتم الرسل و الانبیآء و علٰی اٰلہ بررۃ التقی و اصحابہ نجوم الھدی و من اھتدی بھدیہ الٰی یوم الجزآء.

حفاظت قرآن مجید

(۱) قرآن مجید ایک ایسی مقدس و بے مثال اور ممتاز و منفرد کتاب ہے' جو روزِ ازل سے آج تک تمام کی تمام بعینہٖ محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی' اس کا کوئی لفظ' کوئی حرف' کوئی نقطہ اور کوئی حرکت و سکون کسی انسان کی پسند و ناپسند سے کم و بیش نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا' کیونکہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ یہ ہدایاتِ الٰہی کا مکمل اور جامع ترین متن ہے۔ اس کے بعد چونکہ اور کوئی کتاب نہیں آنی' اس لیے اس کو قیامت تک اپنی اصلی حالت میں رکھنا واجب و ضروری ہے تاکہ قیامت تک ہر زمانہ کے لوگ اس سے ہدایت حاصل کرتے رہیں۔ اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل اور کمی وبیشی سے بچنے کے لیے اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' (الحجر:۹) بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم خود اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔

(۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزولِ قرآن کی ابتداء ہی سے اس کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے اپنے فاضل اور فنِ تحریر میں ماہر صحابہ کرام کی ایک جماعت کو مقرر فرما دیا تھا اور نزولِ قرآن کا یہ سلسلہ تقریباً تئیس برس تک جاری رہا' پھر وحی کے نزول کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا' صبح و شام اور دوپہر کو' رات میں' سفر و حضر میں کسی وقت میں وحی کا نزول ہو جاتا تھا' اس لیے آپ نے چالیس کے قریب صحابہ کرام کاتب وحی مقرر فرما دیئے تھے' تاکہ جب بھی وحی کا نزول ہو کسی نہ کسی موجود کاتب وحی سے اسے لکھوا لیا جائے' چنانچہ جب بھی کوئی آیت یا آیات کا مجموعہ یا کوئی سورۃ یا نصف سورت جس مقدار میں نازل ہوتی تو ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کاتبانِ وحی اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے' نیز آپ یہ رہنمائی بھی فرما دیتے کہ اسے کس سورت سے پہلے یا بعد یا کس سورت میں کن آیات کے ساتھ لکھا جائے' اس طرح جیسے جیسے قرآن مجید نازل ہوتا رہا' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں آپ کی ہدایات کے مطابق تحریر کیا جاتا رہا' لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدون نہیں تھیں' بلکہ کاغذوں کے ٹکڑوں' ہڈیوں کے ٹکڑوں' کھجوروں کے چھلکوں' پتھر کی سلوں وغیرہ پر لکھی جاتی رہیں۔ مسجد نبوی میں ایک مقام متعین تھا' جہاں وہ عبارات لکھ کر رکھ دی جاتی تھیں' صحابہ کرام اس کی نقل کر کے لے جاتے اور یاد کر لیتے تھے اور

چونکہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کو فرض قرار دے دیا گیا تھا' اس لیے صحابہ کرام پانچوں نمازوں میں اس کی تلاوت کرتے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور قرآن مجید کی حفاظت کا ایک اہم ذریعہ حفظ قرآن بھی تھا' کیونکہ حضور سرور کائنات ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو قرآن کریم حفظ کرنے کا شوق دلاتے رہتے تھے اور قیامت کے دن حافظِ قرآن کو مقامات رفیعہ اور مدارجِ عالیہ پر فائز ہونے کی بشارتیں دیتے تھے' یہاں تک کہ حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی مکمل قرآن کریم اکثر صحابہ کرام' امہات المؤمنین' اہل بیت اور صحابیات کو حفظ ہو چکا تھا۔

(۲) جب حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم ﷺ پر کلام الٰہی وحی کی صورت میں نازل ہوتا تو آپ کے قلب مبارک میں محفوظ ہو جاتا تھا' اس طرح پورا قرآن مجید آپ کے قلب اطہر پر نقش ہو کر خود بہ خود یاد ہو جاتا تھا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ'' (القیامہ:۱۷۔۱۸) ''بے شک اس کو جمع و محفوظ کرنا اور اس کو پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ۝ سو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں''۔ واضح ہو کہ ان آیاتِ مبارکہ سے ایک یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ درحقیقت جامع قرآن خود اللہ تعالیٰ ہے' جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ مبارک میں قرآن مجید کو ترتیب وار جمع کر کے محفوظ فرما دیا اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس لوحِ محفوظ میں تحریر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب سے قرآن مجید حضور نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک میں محفوظ فرما دیا تھا' اسی ترتیب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے اپنے صحابہ کرام کو لکھوا دیا تھا' اس لیے اس موجودہ ترتیب کو ترتیب توقیفی کہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ماہِ رمضان المبارک میں دن کے وقت قرآن مجید کا جتنا حصہ اس سال تک نازل ہو چکا ہوتا' اسے بلند آواز سے دہرایا کرتے تھے اور ایسے صحابہ کرام جن کو لکھنا پڑھنا آتا تھا' اپنا ذاتی نسخہ ساتھ لاتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاوت پر اس کا موازنہ کرتے جاتے' اگر کوئی غلطی ہوتی تو درست کر لیتے تھے' یہی وجہ ہے کہ وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے' بغیر کسی معمولی تغیر کے' بغیر کسی ادنیٰ ردّ و بدل کے اب تک ہمارے پاس محفوظ موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ و موجود رہے گا۔

جمع و تدوین قرآن مجید

واضح رہے کہ قرآن مجید کے جمع و تدوین کے تین ادوار ہیں:

(۱) عہد نبوی ﷺ (۲) عہد صدیقی رضی اللہ عنہ (۳) عہد عثمانی رضی اللہ عنہ

(۱) عہد نبوی ﷺ

سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حضور نبی کریم ﷺ کے سینۂ اقدس میں محفوظ فرما دیا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ۝'' (القیامہ:۱۶۔۱۹) ''آپ اس (حفظ قرآن) کے لیے اپنی زبان کو تیز تیز نہ چلائیں تاکہ آپ اس کو جلد از جلد یاد کر لیں ۝ بے شک اس کو جمع کرنا اور اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے ۝ سو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ۝ پھر اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے ۝''۔

ان آیاتِ مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن مجید حضور نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک میں ترتیب

وار جمع کر کے محفوظ فرما دیا تھا' پھر خود حضور سید عالم ﷺ نے بھی اپنے فاضل اور فنِ تحریر میں ماہر صحابہ کرام کی ایک جماعت کو قرآن مجید کی کتابت کے لیے متعین فرما دیا تھا' جنہیں کاتبانِ وحی کہا جاتا تھا تا کہ نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ جمع و تدوین قرآن کا فریضہ بھی سرانجام پاتا رہے' چنانچہ جب بھی کوئی آیت یا چند آیات یا کوئی سورت نازل ہوتی تو حضور ہر آیت کے متعلق یہ وضاحت فرما دیتے کہ یہ آیت مبارکہ فلاں سورت کے شروع میں یا آخر میں فلاں مقام پر لکھی جائے' اس طرح جیسے جیسے قرآن مجید نازل ہوتا رہا' رسول اکرم ﷺ کی نگرانی میں آپ کی ہدایات کے مطابق تحریر کر کے جمع بھی کیا جاتا رہا' نیز روایت میں ہے کہ نزولِ وحی کے چوتھے روز کتابت قرآن مجید شروع ہو گئی تھی اور سب سے پہلے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو کتابت وحی کا شرف حاصل ہوا تھا' حضور نبی اکرم ﷺ نے وحی الٰہی قلم بند کروانے کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا' تقریباً بیالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کام پر مامور تھے' ان حضرات میں زیادہ تر مشہور نام یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت زید بن ثابت' حضرت عبد اللہ بن سعد' حضرت زبیر بن العوام' حضرت خالد بن سعید' حضرت عمرو بن العاص' حضرت حنظلہ بن ربیع' حضرت امیر معاویہ' (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کاتبانِ وحی کی اتنی بڑی تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر وقت پر ایک کاتب نہ ملے تو دوسرا کاتب اس خدمت کو سرانجام دے دے۔ حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تو یہاں تک حکم تھا کہ خواہ کوئی فرد رہے یا نہ رہے' وہ ضرور رہیں تا کہ اگر کاتبانِ وحی میں سے کوئی کاتب وقت پر نہ مل سکے تو کتابت وحی کے کام میں رکاوٹ واقع نہ ہو۔

حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں! کتاب اللہ کی جو سورت بھی نازل ہوتی تھی' مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی ہے اور کتاب اللہ کی جو آیت نازل ہوتی تھی' مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اونٹ پر سفر کر کے اس تک پہنچا جا سکتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس ضرور جاتا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں کس نے قرآن جمع کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ چار صحابہ کرام نے اور وہ سب انصار میں سے تھے' حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف چار صحابہ کرام نے قرآن مجید جمع کیا' حالانکہ حضرت ابوعبید نے ذکر کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے قراء صحابہ میں خلفاء اربعہ' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت ابوہریرہ' حضرت عبد اللہ بن سائب' حضرت عبد اللہ ابن عباس' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت عبد اللہ بن زبیر شامل ہیں اور خواتین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ (البتہ ان میں سے بعض نے نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد قرآن مجید مکمل کیا) اور ابن داؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن صامت' حضرت معاذ' ابوحلیمہ' حضرت مجمع بن حارثہ' حضرت فضالہ بن عبید اور مسلمہ بن مخلد وغیرہم کا ذکر کیا ہے (اور ان میں سے بھی بعض نے حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد قرآن کریم جمع کیا تھا) اور جن صحابہ کرام نے قرآن مجید کو جمع کیا' ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت

عمرو بن عاص' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ام ورقہ ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس کی حدیث کی چند توجیہات یہ ہیں:

(۱) تمام وجوہ اور تمام قراءت کے ساتھ صرف ان چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

(۲) ان چار صحابہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بلاواسطہ سن کر پورا قرآن مجید یاد کیا تھا' باقی صحابہ نے پورا قرآن آپ سے بلاواسطہ نہیں سنا تھا۔

(۳) یہ چار صحابہ قرآن مجید کی تعلیم دینے میں بہت مشہور تھے اور باقی اتنے مشہور نہیں تھے' اس لیے ان کا حال مخفی رہا' انہوں نے ریا اور عجب کے خدشے کی وجہ سے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔

(۴) ان چار صحابہ کے قرآن جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید لکھ کر جمع کیا تھا اور باقی صحابہ نے دل میں یاد کیا تھا۔

(۵) ان چار صحابہ نے اعلان کر دیا تھا کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید جمع کیا ہے اور باقی صحابہ نے اعلان نہیں کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۔ ۵۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ) نوٹ: حضرت مسروق سے یہاں تک تفسیر ''تبیان القرآن'' ج اوّل ص ۱۰۲۔ ۱۰۰ کے مقدمہ سے ماخوذ ہے)

(۲) عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں جمع و تدوین قرآن

حضور سید عالم نبی محترم رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں قرآن مجید کو کتابی شکل میں ایک مصحف میں جمع نہیں کیا گیا تھا' بلکہ کاغذوں' ہڈی کے ٹکڑوں' کپڑوں کے ٹکڑوں' کھجور کے چھلکوں اور پتھر کی سلوں وغیرہ پر لکھا جاتا رہا' نیز زبانی حفظ کیا جاتا رہا کیونکہ نزولِ وحی کا عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں مسلسل جاری و ساری رہتا تھا اور صبح و شام' دن رات غرضیکہ ہر وقت کسی نئی وحی کے نازل ہونے کا امکان قائم تھا' اس لیے آپ کی حیاتِ مبارکہ میں مکمل قرآن مجید ایک مصحف میں جمع کرنا ممکن نہیں تھا۔

پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد شروع میں تدوین و جمع قرآن کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا گیا کیونکہ صحابہ کرام میں ایک بہت بڑی تعداد حفاظ کرام کی موجود تھی' جن کے سینوں میں قرآن مجید زبانی محفوظ تھا' نیز تمام صحابہ کرام کے پاس جو کچھ موجود تھا' اس کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور اس کا بے حد احترام کرتے تھے' جس کی وجہ سے قرآن مجید کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا' جس کے نتیجے میں تدوین قرآن مجید کا کام ضروری ہو گیا اور وہ یہ کہ مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور بہت سے کمزور ایمان لوگ اس کے ساتھ مل گئے' جن کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق نے صحابہ کرام کے لشکر بھیجے اور یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی بہت بڑی خونریز جنگ ہوئی' جس میں خود مسیلمہ کذاب مارا گیا اور واصل جہنم ہوا اور اس کی جھوٹی نبوت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا' لیکن ختم نبوت و رسالت کے فدا کاروں کا بہت بڑا جانی نقصان ہوا' کیونکہ اس جنگ یمامہ میں تقریباً بارہ سو صحابہ کرام شہید ہو گئے تھے' جن میں سات سو کے قریب قرآن کے حفاظ و قراء شہید ہوئے تھے' جس کی وجہ سے قرآن مجید کو کتابی شکل میں ایک مصحف میں جمع کرنے کی تحریک پیدا ہوئی۔

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بلوایا' اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے' حضرت ابوبکر

صدیق نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت عمر آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر یوں ہی مختلف جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن مجید چلا جائے گا اور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں' میں نے حضرت عمر سے کہا: آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں' جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: بہ خدا! اس میں خیر ہے' پھر حضرت عمر مسلسل مجھ سے یہ کہتے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا شرح صدر کر دیا اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی۔ حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ تم عقل مند شخص ہو اور ہمیں تمہارے متعلق کسی قسم کی کوئی بدگمانی نہیں ہے اور تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے' سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرو' بہ خدا! اگر یہ لوگ مجھ سے یہ کہتے کہ پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ میرے لیے اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم پر عمل کرنا میرے لیے دشوار تھا۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ ایسا کام کیوں کر رہے ہو' جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: بہ خدا! اس میں خیر ہے' پھر حضرت ابوبکر صدیق مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا' جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کا سینہ کھول دیا تھا' پس میں نے قرآن کریم کو تلاش کرنا شروع کیا' میں نے پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی شاخوں' پتھروں اور مسلمانوں کے سینوں سے قرآن مجید کو جمع کیا' حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت ''لقد جآء کم رسول من انفسکم الخ'' مجھے حضرت خزیمہ انصاری کے پاس ملی' پھر صحیفوں میں جمع شدہ یہ قرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رکھا گیا' پھر ان کی وفات کے بعد تاحیات حضرت عمر کے پاس رہا' پھر ان کے بعد حضرت ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' ۱۳۸۱ھ) ابن اشعث نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت زید بن ثابت نے لکھا: لوگ حضرت زید کے پاس قرآن مجید کی آیات لے کر آتے اور جب تک وہ ان آیات کے لکھے جانے پر دو گواہ پیش نہ کرتے' حضرت زید ان کو نہیں لکھتے تھے اور سورۂ توبہ کی آخری آیت کے مکتوب ہونے پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی شہادت تھی' حضرت زید نے کہا کہ اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی اکیلی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا ہے' پھر اس آیت مبارکہ کو لکھ لیا گیا۔

(الاتقان ج ۱ ص ۵۸۔۵۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ) نوٹ: ماخوذ از تفسیر ''تبیان القرآن'' ج ۱ ص ۱۰۳۔۱۰۲)

(۳) عہد عثمانی میں تدوین قرآن

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اوّلین مخاطب اہل عرب تھے' جن کی مادری زبان عربی تھی۔ اگرچہ سب قبائل کی مشترک زبان عربی ہی تھی' لیکن ان کے لہجوں میں' تلفظ الفاظ میں اور بعض اعراب و حرکات میں بیّن (واضح) تفاوت و اختلاف تھا' یہ صورت حال ہر زبان میں ہوتی ہے۔ جس علاقہ میں اُردو بولی جاتی ہے' وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب و لہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ ابتداء میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیش نظر انہیں ان کے مخصوص انداز کے مطابق قراءت قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی۔ کیونکہ سب اہل زبان تھے' اس لیے ایسے تفاوت و اختلاف سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی' لیکن جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور دوسرے ممالک بھی قلمرو اسلامی کا حصہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ہر ایک نے قرآن کے لفظ اسی لہجہ اور تلفظ کو صحیح یقین کیا' جو اس کو اس کے استاذ نے سکھایا تھا۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگردان اختلافات کے باعث ایک دوسرے کو غلط قرار دینے لگ گئے اور فتنہ و فساد

کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آیا' جس نے آپ رضی اللہ عنہ کو حیران و پریشان کر دیا' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جنگ آرمینیہ میں شریک تھے' عراق اور شام کے نومسلم بھی اس جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے' ہر ایک نے اپنے معلم کی سکھائی ہوئی قراءت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا' جس سے باہمی نزاع (جھگڑا) پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نے دوسرے کو غلط قرار دیا اور اسے محرف قرآن کہا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں سخت فکر دامن گیر ہوئی' چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ واپس آئے تو اپنے گھر جانے سے پہلے امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "**ادرك هذه الامة قبل ان تهلك**" "اس امت کی چارہ سازی کیجئے' اس سے پہلے کہ یہ امت ہلاک ہو جائے اور پھر سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا: "**انی اخشی علیهم ان یختلفوا فی کتابهم کما اختلف الیهود و النصارٰی**" "یعنی مجھے ان کے بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔ قرآن کریم کا نزول لغت قریش کے مطابق ہوا تھا' محض آسانی اور سہولت کے پیش نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب ولہجہ سے اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی' لیکن اب یہ رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی' ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دِہ اور مضر تھا' چنانچہ صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صرف لغتِ قریش کے مطابق لکھیں' چنانچہ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار وامصار میں بھیجی گئیں اور لوگوں کو اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سعی وکوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ کا سدِّ باب ہو گیا۔ امت اسلامیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے ہی آپ کو جامع آیات القرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب ولہجہ کے تفاوت اور قراءتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تا کہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دل میں نہ رہ جائے' چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان اُمور کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور پتا چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا' مثلاً قریش "حَتّٰی" (جب تک) کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ "عَتّٰی" کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروف "اَتَین" کو مکسور پڑھا کرتے' جیسے "تِعْلَمُوْنَ" اور قریش کی لغت میں حروف "اَتَین" مفتوح ہیں جیسے "تَعْلَمُوْنَ"۔ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروف "اتین" کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں "مآء غیر اسن" ہے لیکن بنی تمیم اسے "مآء غیر یاسن" پڑھتے۔ ان امثلہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا' لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں' اس لیے اس کو ممنوع قرار دے دیا گیا' چنانچہ وہی قرآن جو عرشِ عظیم کے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ پر نازل فرمایا تھا اور جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا' ایک صحیفہ میں مدون فرمایا' وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے' بغیر کسی معمولی تغیر کے اور بغیر کسی ادنیٰ ردّ وبدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۴۔۱۳)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جو مجموعہ تیار کیا گیا تھا' وہ سورتوں کے الگ الگ صحائف تھے' ہر سورت کی تمام آیات اس میں ترتیب سے جمع تھیں' لیکن تمام سورتیں متفرق (اور الگ الگ) تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ نے جو مصحف جمع کیا' وہ مرتب تھا' اس میں تمام سورتیں ترتیب وار جمع تھیں۔ حضرت عثمان نے جو باقی صحائف کو جلانے کا حکم دیا تھا' اس کا علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو آیات منسوخ التلاوت تھیں یا جو غیر لغتِ قریش پر آیات تھیں یا آیات کے ساتھ جو تفسیر لکھی ہوئی تھی' اس کو جلانے کا حکم دیا تھا' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آیات کو دھو کر پھر نقوش کے محو (مٹانے) میں مبالغہ کرنے کے لیے کاغذات کو جلایا تھا۔ علامہ ابن بطال نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بے ادبی سے بچانے کے لیے جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لکھا ہے' ان کو جلا دیا جائے لیکن یہ جلانے کی صورت اس دور میں تھی اور اب اگر قرآن مجید کے ورق کو زائل کرنا ہو تو اس کو دھونا بہتر ہے اور ہمارے اصحابِ حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ جب مصحف بوسیدہ ہو جائے اور وہ نفع پہنچانے کے قابل نہ رہے تو اس کو ایسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے' جو لوگوں کے پیروں تلے آنے سے بعید (دور) ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۔ ۱۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو صحائف جلائے تھے' ان پر قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے ان اوراق کو جلایا تھا' جس کا قرآن ہونا ان کے نزدیک ثابت نہیں تھا یا جو الفاظ تفسیر قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے تھے' جن کا الگ کرنا ممکن نہ تھا' انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ کوئی شخص یہ شک نہ کرے کہ انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ ترک کر دیا ہے' کیونکہ اگر وہ واقعۃً قرآن ہوتا تو کوئی مسلمان اس کے جلانے کو جائز نہ کہتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ کرنے اور نجاست سے بچانے کا حکم بھی نہیں دیا اور بحث اس میں ہے کہ جس کا قرآن ہونا قطعیت (یقینِ کامل) سے ثابت ہے' جب اس کے اوراق بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو دھونا متعین ہے یا نہیں' بلکہ چاہیے یہ کہ دھونے کے بعد اس کے غسالہ (دھوون) کو پی لیا جائے کیونکہ قرآن ہر بیماری کی دوا ہے۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ) ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے جو بوسیدہ اوراق کو دھونے کا مسئلہ لکھا ہے' یہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے ہے' آج کل جب کہ پختہ سیاہی سے طباعت ہوتی ہے تو ان کا دھونا متصور نہیں ہے' البتہ ان کو عزت و احترام سے ایسی جگہ دفن کر دینا چاہیے جو لوگوں کے پیروں تلے نہ آتی ہو۔

قرآن مجید کی سورتوں' آیتوں اور حروف کا بیان

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

اس پر سب کا اجماع (اتفاق) ہے کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سو تیرہ سورتیں ہیں' انہوں نے سورۃ الانفال اور سورۂ توبہ کو ایک سورت قرار دیا ہے۔

آیت کا لغوی معنی علامت ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

قرآن مجید کا ایک طائفہ (مجموعہ) جو ماقبل اور مابعد سے منقطع (الگ) ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت کسی سورت کا ایک حصہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آیت ایک کلام کے ماقبل اور مابعد سے منقطع ہونے کی علامت ہے۔ علامہ زمخشری نے کہا کہ آیاتِ مبارکہ کا علم توقیفی ہے' اس میں قیاس کی مجال نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ "الم" جس سورت میں بھی ہے' اس کو ایک آیت شمار کیا ہے اور "المص" کو بھی ایک آیت شمار کیا ہے' جب کہ "الر" اور "المر" کو ایک آیت شمار نہیں کیا۔ "حٰم' یٰس" اور "طٰہٰ" کو ایک آیت شمار کیا ہے اور "طٰس" کو ایک آیت شمار نہیں کیا۔

آیات کو شمار کرنا بہت مشکل اور دقیق کام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت کی طرف پر وقف فرماتے

تھے اور بعض اوقات دو آیتوں کو ملا کر پڑھتے' جس سے سننے والا یہ گمان کرتا کہ یہ ایک آیت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد چھے ہزار چھے سو سولہ (۶۶۱۶) ہے اور قرآن مجید میں کل تین لاکھ تیئیس ہزار چھے سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حروف ہیں۔

علامہ دانی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں چھے ہزار آیات ہیں' پھر اس کے بعد اختلاف ہے' بعض نے کہا: اس سے زائد نہیں ہیں' بعض نے کہا: دو سو چار زائد ہیں' بعض نے کہا: چودہ زائد ہیں' بعض نے کہا: انیس زائد ہیں' بعض نے پچیس کہا اور بعض نے چھتیس کہا۔

(الاتقان ج ۱ ص ۶۷۔ ۶۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ) نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۷۔۱۰۶' نیز ۱۱۲۔۱۱۱)

مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں

۱	قرآن مجید کے پارے	۳۰
۲	قرآن مجید کی سورتیں	۱۱۴
۳	قرآن مجید کی آیتیں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق	۶۶۱۶
۴	امر	۱۰۰۰
۵	نہی	۱۰۰۰
۶	وعد	۱۰۰۰
۷	وعید	۱۰۰۰
۸	قصص و اخبار	۱۰۰۰
۹	عبر و امثال	۱۰۰۰
۱۰	حرام و حلال	۵۰۰
۱۱	دعا	۱۰۰
۱۲	منسوخ الحکم آیات (باعتبار شہرت)	۱۲

(ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۲)

قرآن مجید اور اس کی تعلیم و تلاوت کے فضائل

(۱) قرآن مجید دائمی ہدایت کی کتاب ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کو چونکہ جسم اور روح سے مرکب پیدا کیا' اس لیے جہاں اس کی جسمانی اور فطری ضروریات پوری کرنے کے لیے مادی وسائل پیدا فرمائے' وہاں اس کی روحانی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و رہنمائی کے انتظامات بھی فرمائے' چنانچہ انسان کی روحانی تعلیم و تربیت کے لیے ہر زمانے اور ہر علاقے میں انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور انہیں میں سے بعض کو براہِ راست اور بعض کو بالواسطہ کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں ہدایات کے مجموعے بھی عطا فرمائے' پھر چونکہ ابتداء میں انسان کی ضروریاتِ زندگی مختصر تھیں تو حقوق و فرائض بھی مختصر تھے اور ہدایات بھی مختصر تھیں' پھر جیسے جیسے انسانی زندگی کی ضروریات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا تو زندگی کے پہلو بھی بڑھتے چلے گئے اور اسی کے مطابق ہدایات کا مجموعہ بھی ضخیم ہوتا چلا گیا' ایک کے بعد آنے والی ہر دوسری کتاب پہلی سے زیادہ ہدایات پر مشتمل ہوتی تھی اور اسی طرح ایک کے بعد آنے والا ہر دوسرا نبی پہلے سے زیادہ اخلاقِ حسنہ کا معلم ہوتا تھا' اسی طرح

اخلاقِ حسنہ کی تعلیم اور ہدایت اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی پایہ تکمیل تک جا پہنچیں' جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں لکھ دیں' جواس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل فرمائی' اس طرح نبوت کا مقصد پورا ہو گیا اور ہدایت کا عمل مکمل ہو گیا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ'' (البقرہ:۱۸۵) ''ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے اور (اس میں) ہدایت کی اور حق و باطل میں فرق کرنے کی روشن دلیلیں ہیں''۔

(۲) قرآن مجید سب سے زیادہ سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب ہے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ'' (بنی اسرائیل:۹) ''بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور بڑا مضبوط و مستحکم ہے''۔

(۳) قرآن مجید موعظت و شفاء اور ہدایت و رحمت ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ O'' (یونس:۵۷) ''اے لوگو! بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت آ گئی ہے''۔

(۴) قرآن مجید بے مثل معجزہ ہے: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج دیا اور فرمایا کہ ''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا O'' (بنی اسرائیل:۸۸) ''(اے محبوب!) فرما دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثال لانے پر جمع ہو جائیں تو اس کی مثال نہیں لا سکیں گے اور اگر چہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں''۔ پھر جب تمام جن و انس مل کر بھی قرآن مجید جیسی کوئی کتاب بنا کر نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے چیلنج میں تخفیف کر دی تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پورے قرآن مجید کی مثل تو نہیں لائی جا سکتی لیکن چند سورتیں پیش کی جا سکتی ہیں' چنانچہ اس خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O'' (ھود:۱۳) ''کیا کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اسے خود گھڑ لیا ہے (اے محبوب!) تم فرما دو کہ تم اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا تم جن کو بلا سکتے ہو بلا لو' اگر تم سچے ہو''۔ پھر جب کفارِ عرب دس سورتیں بھی قرآن مجید جیسی نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے چیلنج میں مزید کمی کر دی اور ارشاد فرمایا:

''وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O'' (البقرہ:۲۳) ''اور اگر تمہیں اس (کتاب) میں شک ہے جو ہم نے اپنے (خاص) بندے پر نازل کی ہے تو تم اس جیسی ایک سورت لا کر پیش کرو اور تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا اپنے حمایتوں کو بلا لو' اگر تم سچے ہو''۔ پھر جب کفارِ عرب قرآن مجید کی ایک سورت جیسی سورت بنا کر نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر تم ایک مکمل سورت نہیں بنا سکتے تو ایک جملہ اس جیسا بنا کر لائیں' مگر وہ یہ بھی نہ کر سکے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ O'' (الطور:۳۴) ''سو وہ اس جیسی ایک بات بنا کر لے آئیں' اگر وہ سچے ہیں''۔

(۵) قرآن مجید شک و شبہ سے بالاتر کتابِ ہدایت ہے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ O'' (البقرہ:۲) ''یہ وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں' پرہیز گاری اختیار کرنے والوں

کے لیے سراسر ہدایت ہے''۔

(۶) قرآن مجید باطل کی آمیزش سے پاک کتاب ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ''وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌO لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍO'' (حٰم السجدہ: ۴۲) ''اور بے شک البتہ یہ بڑی عظمت والی کتاب ہے' جس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے آسکتا ہے (یہ) بڑی حکمتوں والے (اور) بہت خوبیوں والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے''۔

(۷) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ'' تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے (بخاری نے اس کو روایت کیا)۔

(۸) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (اپنے گھر سے) باہر تشریف لا کر مسجد نبوی میں تشریف لائے' جبکہ ہم مسجد کے متصل صفہ میں موجود تھے' سو آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ روزانہ صبح بطحان یا عقیق کی طرف جائے اور وہ کسی قسم کے گناہ اور قرابت داروں سے قطع تعلق کیے بغیر دو توانا اور موٹی اونٹنیاں لے کر آئے' ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم تو سب لوگ یہی چاہتے ہیں' تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ وہ صبح سویرے مسجد میں جائے اور کتاب الٰہی (قرآن مجید) میں سے دو آیتیں تلاوت کرے اور اس کی تعلیم حاصل کرے تو یہ اس کے لیے دو فربہ اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیات تین اونٹنیوں سے اس کے لیے بہتر ہیں اور چار آیات سیکھنا چار اونٹنیوں سے اس کے لیے بہتر ہے اور یہ اونٹوں کی تمام تعداد سے بہتر ہیں۔ (رواہ مسلم) مطلب یہ کہ دو قرآنی آیات کی تعلیم و تلاوت اونٹوں کی کثیر تعداد سے بہتر ہے کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت دنیا میں اور آخرت میں دونوں میں عظیم ترین نفع کا باعث ہے' بخلاف اونٹوں کے' خلاصہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باقی رہنے والے منافع کی ترغیب دی اور فانی ہو جانے والی دولت کے لالچ سے روکا اور یہ بہ طور مثال سمجھایا' ورنہ قرآن مجید کی ایک آیت کی قدر و منزلت اور اس کے اجر و ثواب کے مقابلے میں تمام دنیا حقیر و قلیل ہے۔

(۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید میں ماہر ہو' وہ (آخرت میں) معزز و محترم اور نیکوکار انبیائے کرام اور فرشتوں کی رفاقت میں ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو دشواری کے ساتھ اور اٹک اٹک کر پڑھتا ہے' اسے دوگنا اجر و ثواب ملے گا۔

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف دو آدمیوں پر رشک (ان جیسا ہونے کی آرزو) کرنا جائز ہے' ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دولت سے مالا مال فرمایا' پس وہ آدمی دن اور رات کے اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت و تعلیم میں مشغول و مصروف رہتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال عطا کیا' پس وہ آدمی دن اور رات کے اوقات میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۱۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ'' بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعے بہت سی قوموں کو سر بلند فرمائے گا اور اس کتاب کے سبب کئی دوسری قوموں کو پست و ذلیل کرے گا۔ (رواہ مسلم)

(۱۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ سے سنا' آپ فرماتے ہیں کہ "اِقْرَءُ وا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَفِیْعًا لِّاَصْحَابِهٖ" (رواہ مسلم) (اے مسلمانو!) قرآن مجید کو پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی یقیناً شفاعت کرے گا۔

(۱۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَیْتِ الْخَرِبِ" (رواہ الترمذی والدارمی) بے شک جس شخص کے دل میں قرآن کریم میں سے کچھ نہیں' وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

(۱۴) حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید کے حفظ نے میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول ومصروف رکھا تو میں سوال کرنے والوں کو عطا کرنے سے زیادہ اسے عطا کروں گا۔ "وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰی سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ" (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی) اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت و بزرگی باقی تمام کلاموں پر اس طرح ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ کی فضیلت و برتری اس کی تمام مخلوق پر ہے۔

(۱۵) حارث بن عبداللہ اعور نے کہا کہ میں مسجد میں گیا تو اچانک دیکھا کہ لوگ باتوں میں مشغول ہیں' سو میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا یقیناً لوگوں نے یہ مشغلہ شروع کر دیا ہے' میں نے عرض کیا: جی ہاں' حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا: لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ فرماتے ہیں: خبردار! عنقریب فتنے برپا ہوں گے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان فتنوں سے نکلنے اور بچنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کتاب اللہ (قرآن مجید) ہے' جس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد آنے والے حالات کی پیشین گوئیاں ہیں اور تمہارے درمیان وقوع پذیر ہونے والے حوادثات کے لیے حکم ہے اور یہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے' کوئی مخول نہیں' جس متکبر نے اس کو چھوڑ دیا' اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کو طلب کیا' اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں چھوڑ دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط و مستحکم رسی ہے اور یہ حکمت سے بھرپور نصیحت ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے' یہ وہ کتاب ہے' جس کو خواہشات کے پرستار تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ لوگوں کی زبانیں اس کے مشابہ اپنا کلام اس میں شامل کر سکتی ہیں اور نہ علماء اس سے کبھی سیر ہوں گے اور بار بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ نہیں ہوگی اور اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے' جب جنوں نے اس کو سنا تو اس پر ایمان لانے میں بالکل توقف نہیں کیا' یہاں تک کہ انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا' جو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور جس نے اس کے مطابق کہا' اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا' اس کو اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا' اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا' اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا کی گئی۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

(۱۶) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تو قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں میں ترقی پاتا جا اور جس طرح تو دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھا کرتا تھا' اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا جا' سو بے شک جہاں تو آخری آیت کریمہ جا کر پڑھے گا' وہی تیرا ٹھکانا ہوگا۔ (رواہ الترمذی واحمد وابوداؤد والنسائی)

(۱۷) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) سے ایک حرف پڑھا' اس کے لیے ایک نیکی ہے اور اس ایک نیکی کا اجر وثواب دس گنا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے' الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

(۱۸) حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک ایسا نورانی تاج پہنایا جائے گا' جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ حسین وجمیل ہوگی' جبکہ سورج تمہارے گھروں میں اتر آئے' سو تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے' جس نے اس پر عمل کیا۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

(۱۹) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا ''اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ'' تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا' جن میں سے ہر ایک کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہوگی۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والدارمی)

(۲۰) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک ان دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے' جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے' جب اسے پانی لگ جائے' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ان کی صفائی کس طرح ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ'' کثرت سے موت کو یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

نوٹ: مذکورہ بالا تمام احادیث مبارکہ ۱ تا ۲۰ مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۹۔ ۱۸۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی سے منتخب کی گئی ہیں۔

تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی عربیت' سو تم اس کو شعر میں تلاش کرو' نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید کے معانی کی فہم وفراست حاصل کرو اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی تلاش کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے۔ (اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے حضرت ابن مسعود سے اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲) قاضی ابومحمد عبدالحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ معانی حاصل ہوتے ہیں' جو شرع میں مطلوب ہیں۔

(۳) قاضی ابوالعالیہ نے ''وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا'' کی تفسیر میں کہا کہ حکمت سے مراد قرآن کی فہم (وفراست اور سمجھ بوجھ) ہے اور حضرت قتادہ نے کہا: حکمت سے مراد قرآن میں تفقہ (احکامِ قرآن کی معرفت میں مہارت حاصل) کرنا ہے اور دوسرے علماء نے کہا: حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر ہے۔

(۴) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کی تعریف کی' ان سے

ایک شخص نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں' آپ کا خود اتنا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابر کی تعریف کر رہے ہیں؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: حضرت جابر کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے: "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ"۔

(۵) حضرت شعبی نے کہا: حضرت مسروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لیے بصرہ کا سفر کیا' وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر بیان کرتا ہے' وہ ملک شام چلا گیا ہے' پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

(۶) ایاس بن معاویہ نے کہا: جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے' وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بادشاہ کا مکتوب آیا اور ان کے پاس چراغ نہ ہو اور ان کو علم نہ ہو سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے پریشان اور مضطرب ہوں اور جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں' ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے' جن کے پاس رات کے وقت بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کو پڑھنے کے لیے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا' وہ شعر پڑھنے والے جنگلی کی طرح ہے (یعنی وہ اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا جاتا ہے)۔

(۸) حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے' جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم ہو۔

(۹) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہ (ماہر عالم دین) نہیں ہو سکتا' جب تک اس کو قرآن کی وجوہِ کثیرہ کا علم نہ ہو۔

(۱۰) حضرت حسن بصری نے فرمایا: غیر عربی ہلاک ہو گئے' ان میں سے ایک شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی وجوہ (تفسیر) سے جاہل ہے' پھر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی مجلس میں پہلے قرآن مجید پڑھتے' پھر اس کی تفسیر بیان کرتے' پھر حدیث بیان کرتے۔

(۱۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہر چیز کا علم قرآن میں ہے' لیکن انسان کی عقل اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۵۔۱۲۶)

رموزِ اوقافِ قرآن مجید

ہر ایک زبان کے اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں' کہیں نہیں ٹھہرتے' کہیں کم ٹھہرتے ہیں' کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں' جن کو رموزِ اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں:

O جہاں بات پوری ہو جاتی ہے' وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں' یہ حقیقت میں گول ت ہے' جو بہ صورت ۃ لکھی جاتی ہے' اور یہ وقفِ تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے۔ اب ۃ تو نہیں لکھی جاتی' البتہ چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے' اس کو آیت کہتے ہیں۔

یہ علامت وقفِ لازم کی ہے' اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیے' اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی

مثال اُردو میں یوں سمجھنی چاہیے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ اٹھو' مت بیٹھو۔ جس میں اٹھنے کا حکم اور بیٹھنے کی ممانعت ہے' اس لیے اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے' اگر نہ ٹھہرا جائے تو اٹھومت بیٹھو ہو جائے گا' جس میں اٹھنے کی ممانعت اور بیٹھنے کا حکم ہو جائے گا اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیے' مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے' جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج یہ وقفِ جائز کی علامت ہے' یہاں ٹھہرنا بہتر ہے اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز یہ وقف مجوز کی علامت ہے' یہاں ٹھہرنے کی اجازت ہے' مگر نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص یہ علامت وقفِ مرخص کی ہے' یہاں ملا کر پڑھنا ز کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے یہ الوصل اولیٰ کا اختصار ہے' یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق یہ قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے' یہ چونکہ وقف کا قول ضعیف ہے' اس لیے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

صل یہ قد یوصل کی علامت ہے یعنی یہاں کبھی ٹھہرا جاتا ہے اور کبھی نہیں' لیکن یہاں ٹھہرنا اور وقف کرنا بہتر ہے۔

قف یہ لفظ قف ہے' جس کے معنی ہیں: ٹھہر جاؤ' اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے' جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

س یا سکتہ یہ سکتہ کی علامت ہے' یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے' مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ یہ لمبے سکتہ کی علامت ہے' یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے' لیکن سانس نہ توڑے۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے اور وقفہ میں زیادہ۔

لا اس کے معنی ''نہیں'' کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ اگر عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے اور اگر آیت کے اوپر ہو تو اس میں اختلاف ہے' بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہیے اور بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے' لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے' اس سے مطلب میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا' وقف اسی جگہ نہیں چاہیے جہاں عبارت کے اندر لکھا ہو۔

ۃ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفیوں کے نزدیک آیت ہے' وقف کرے تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔

∴ ∴ یہ تین نقاط والے دو دو وقف قریب قریب آتے ہیں۔ ان کو معانقہ کہتے ہیں' کبھی اس کو مختصر کر کے مع لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے' دوسرے پر نہیں۔ ہاں! وقف کرنے میں رموز کی قوت وضعف کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

خادم العلماء
حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فاتحہ

یہ سورت مکی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے لیکن سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سورتِ مبارکہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی ہے کیونکہ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جب نماز فرض کی گئی تھی' پھر دوسری دفعہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جب بیت المقدس کی بجائے کعبہ معظمہ کو قبلہ بنایا گیا تھا اور اس سورت کا نام "اُمُّ الْقُرْاٰن" بھی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سیدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جس نے "اُمُّ الْقُرْاٰن" کو نہیں پڑھا اور "اُمُّ الْقُرْاٰن" نام رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مبارکہ ان تمام معانی کی جامع ہے جو پورے قرآن مجید میں موجود ہیں اور اسی بناء پر اس سورت کا نام "وافیہ" اور "کافیہ" بھی ہے اور اس سورت کا نام "سورة الکنز" بھی ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "فَاتِحَةُ الْكِتَابِ كَنْزٌ مِّنْ كُنُوْزِ عَرْشِيْ" یعنی فاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے' نیز اس سورت کا نام "سورة الشفا" اور "سورة شافیه" بھی ہے کیونکہ حضور رحمت عالمیاں ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ "فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّام". یعنی "سورت فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے سوائے موت کے" نیز اس کا نام "سورة مثانی" بھی ہے کیونکہ یہ سورتِ مبارکہ نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے یعنی بار بار پڑھی جاتی ہے' نیز یہ کہ یہ سورت نماز میں واجب یا فرض ہے اور اس کا نام "سورة الحمد" اور "سورة الاساس" بھی ہے کیونکہ یہ سورت مبارکہ قرآن مجید کی بنیاد ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب تم بیمار ہو جاؤ یا تمہیں کوئی اور شکایت ہو تو تم اپنے اوپر "سورة الاساس" کا دم لازم کر لو اور سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت کی سات آیات ہیں۔

سورۃ الفاتحۃ مکیۃ (۱)	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	آیاتہا ۷ رکوعہا ۱
سورۂ فاتحہ مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○	اس کی سات آیات' ایک رکوع ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ ع

المنزل ۱　ع

تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ثابت ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے○ بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے○ روزِ جزاء کا مالک ہے○ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں○ تو ہمیں سیدھے راستے پر

چلا○ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا○

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ [مدینہ منورہ بصرہ اور شام کے قراء نے یہاں وقف کیا ہے] محض اس بناء پر کہ بسم اللہ شریف نہ سورت فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی دوسری سورت کا جز ہے بلکہ اسے سورتوں کے شروع میں صرف ایک دوسرے سے جدا کرنے اور تبرک حاصل کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے متبعین رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے' اس لیے ان کے نزدیک نماز میں بسم اللہ شریف کو بلند آواز سے نہیں پڑھا جاتا جب کہ مکہ مکرمہ اور کوفہ کے قراء کا موقف یہ ہے کہ بسم اللہ شریف سورت فاتحہ اور دوسری تمام سورتوں کی ایک مستقل آیت ہے (سوائے سورت توبہ کے)' امام شافعی اور آپ کے متبعین رحمہم اللہ اجمعین کا یہی موقف ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک بسم اللہ کو نماز میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اسلاف نے بسم اللہ کو قرآن مجید میں ثابت رکھا ہے حالانکہ قرآن مجید کو ہر اس چیز سے خالی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جو قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے نیز حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے بسم اللہ کو ترک کر دیا اس نے گویا کتاب اللہ کی ایک سو چودہ آیات کو ترک کر دیا' ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے' آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے' حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے سورت فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا' چنانچہ جب میرا بندہ کہتا ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ'' یعنی میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندہ کہتا ہے: ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثناء بیان کی' اور جب بندہ کہتا ہے: ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت و بزرگی بیان کی' اور جب بندہ کہتا ہے: ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے' میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں عطا کروں گا' پھر جب بندہ کہتا ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' آخر تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہی پائے گا' پس اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ''الحمد لله'' سے ابتداء فرمانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ بسم اللہ شریف سورت فاتحہ کا حصہ نہیں ہے اور جب سورت فاتحہ کا حصہ نہیں تو بالاتفاق کسی بھی سورت کا حصہ نہیں ہے اور یہ صحاح المصابیح (نیز مسلم' ابو داؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ) میں مذکور ہے' باقی جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ بسم اللہ شریف قرآن مجید کی ایک آیت ہے اور ہمارے نزدیک سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کے لیے نازل کی گئی ہے' علامہ فخر الاسلام نے اس کو اپنی کتاب ''مبسوط'' میں ذکر کیا ہے اور ہم پر اعتراض تو تب وارد ہوتا جب ہم بسم اللہ کو قرآن کریم کی آیت قرار نہ دیتے اور اس کی پوری تقریر ''الکافی'' میں موجود ہے۔ [بسم اللہ کی ''با'' فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے] اصل عبارت یوں ہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَقْرَءُ اَوْ اَتْلُوْ''. (اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں یا تلاوت کرتا ہوں) کیونکہ بسم اللہ کی تلاوت بھی قراءت ہی ہے جس طرح مسافر جب قیام کرتا ہے اور کوچ کرتا ہے تو کہتا ہے ''بِسْمِ اللّٰهِ وَالْبَرَكَاتِ'' تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ کے نام سے قیام کرتا ہوں اور اللہ ہی کے نام سے کوچ کرتا ہوں اور اسی طرح ذبح کرنے والا اور ہر فاعل اپنے فعل میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتا ہے اور بسم اللہ سے ابتداء کرتے وقت فعل کو مخفی رکھتا ہے باقی فعلِ محذوف کو مؤخر اس لیے مقدر مانا گیا ہے کہ فعل اور اس کے متعلق میں اہم ترین اس کا متعلق ہوتا ہے اور کفار اپنے بتوں کے نام سے ابتداء کرتے تھے' چنانچہ وہ کہا کرتے تھے: ''بِسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی'' (لات اور عزیٰ کے نام سے شروع) لہٰذا مسلمانوں کا دینی و ملی فریضہ

ہے کہ اپنے ہر کام کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کے نام کو مختص کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب فعل کے متعلق کو مقدم مانا جائے اور فعل کو مؤخر مانا جائے' تا کہ حصر و اختصاص کا معنی حاصل ہو جائے' باقی رہا ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' (العلق: ۱) میں فعل کا اپنے متعلق سے مقدم ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی جس میں قراءت کا حکم زیادہ اہم تھا اس لیے یہاں فعل کو مقدم کرنا ہی زیادہ موزوں اور مناسب تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اِقْرَاْ'' کو ''بِاسْمِ رَبِّكَ'' کی طرف متعدی نہ کیا جائے بلکہ ''اِفْعَلِ الْقِرَاءَ ةَ وَحَقِّقْهَا'' کے معنی پر محمول کیا جائے (قراءت کیجئے اور اس پر قائم رہیے) جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ''فُلَانٌ يُعْطِي وَيَمْنَعُ'' (فلاں آدمی عطا کرتا ہے اور روکتا ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''بِاسْمِ رَبِّكَ'' اپنے بعد والے ''اِقْرَاْ'' کا مفعول بہ ہو اور قراءت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ'' (المومنون: ۲۰) میں ''دھن'' کا تعلق (''تنبت'' کے مصدر) ''اِنْبَات'' کے ساتھ ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے قراءت کرتا ہوں اور دراصل اس میں بندگانِ خدا کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام سے کس طرح برکت حاصل کریں اور کس طرح اس کی تعظیم و توقیر بجا لائیں [اور بسم اللہ میں ''با'' کو مبنی بر کسرہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرفیت اور جر (زیر) کے معنی کو مستلزم ہے' اس لیے اس کو کسرہ دیا گیا ہے تا کہ اس کی حرکت اس کے عمل کے مطابق ہو جائے اور ''بسم اللہ'' میں لفظ اسم ان اسماء میں سے ہے جن کا پہلا حرف مبنی بر سکون ہوتا ہے جیسے ''اِبْنٌ'' اور ''اِبْنَةٌ'' اور ان کے علاوہ دوسرے اسماء' چنانچہ جب اہل عرب ان اسماء کے ساتھ بولنے کا آغاز کرتے ہیں تو شروع میں ہمزہ کا اضافہ کر دیتے ہیں تا کہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے جو ناممکن ہے اور جب یہ کلام کے درمیان میں آ جاتا ہے تو کسی چیز کے اضافہ کی ضرورت نہیں رہتی' چنانچہ بعض اہل عرب اس میں اضافہ نہیں کرتے اور ساکن کو حرکت دے کر اس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور اسے ''سِمٌ'' پڑھتے ہیں' دراصل ''سِمٌ'' اور ''اِسْمٌ'' ان اسماء میں سے ہیں جن کے آخری حرف کو گرا دیا جاتا ہے جیسے ''يَدٌ'' اور ''دَمٌ'' ہیں اور اسم کی اصل ''سِمْوٌ'' ہے اور اسی سے مشتق ہے۔ اس کی دلیل اس سے نکلنے والے کلمے ہیں جیسے ''اَسْمَاءٌ' سَمِيٌّ' سُمِّيَتْ'' ہیں] اور اسم کا معنی بلندی ہے کیونکہ اسم اپنے مسمّیٰ کی ذات اور اس کے ذکر کو بلند کر دیتا ہے اور بسم اللہ میں اسم کے الف کو ساقط کر دیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' میں الف کو ثابت رکھا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ میں کثرت استعمال کی وجہ سے الف کو فقط لفظ سے ساقط کر دیا گیا ہے اور اس کے حذف ہو جانے کے عوض میں ''بـا'' کو دراز کر کے لکھا جاتا ہے' چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے کاتب سے فرمایا: بسم اللہ کی با کو دراز کر کے لکھو اور ''سین اور میم'' کو خوب واضح کر کے لکھو۔ ﴿اللّٰهِ﴾ لفظ اللہ کی اصل ''اِلٰهٌ'' ہے جیسے ''اَلنَّاسُ'' کی اصل ''اُنَاسٌ'' ہے' [پھر ہمزہ کو حذف کر کے اس کے عوض میں الف لام تعریف کا شروع میں داخل کر دیا گیا (اور لام تعریف کو الہ کے لام میں مدغم کر دیا گیا)] اور ''اِلٰـهٌ'' اسم جنس ہے جو ہر معبود پر بولا جاتا ہے خواہ وہ برحق معبود ہو خواہ باطل ہو' پھر معبودِ برحق کے ساتھ خاص کر دیا گیا جیسا کہ ''النـجـم'' ہر ستارہ کو کہا جاتا تھا' پھر صرف ثریا ستارے کے ساتھ مخصوص ہو گیا لیکن لفظ اللہ ہمزہ حذف ہو جانے کے بعد صرف برحق معبود کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے' اب کسی دوسرے معبود پر نہیں بولا جاتا [اور یہ اسم علم ہے اسم صفت نہیں کیونکہ اس کی صفت لائی جاتی ہے مگر اس کو کسی اسم کی صفت نہیں بنایا جاتا' چنانچہ جس طرح ''شَيْئٌ رَجُلٌ'' نہیں کہہ سکتے' اسی طرح ''شَيْئٌ اِلٰـهٌ'' نہیں کہا جا سکتا البتہ ''اَللّٰهُ وَاحِدٌ صَمَدٌ'' کہہ سکتے ہیں' لفظ اللہ کے اسمِ علم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے موصوف کا ہونا ضروری اور لازمی ہے جس پر ان صفات کو محمول کیا جا سکے لیکن اگر تمام اسماء کو صفات قرار دیا جائے تو صفات بغیر موصوف کے باقی رہ جائیں گی اور

یہ جائز نہیں بہرحال خلیل زجاج محمد بن حسن اور حسین بن فضل کے نزدیک یہ اسمِ ذات کسی سے مشتق نہیں ہے] ایک قول میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اشتقاق کا معنی ہے: دو یا دو سے زیادہ الفاظ کو ایک معنی میں مشترک قرار دینا اور چونکہ اہل عرب کے ہاں ''اِلٰہٌ'' کا معنی ''تَحَیُّرٌ'' بھی ہے (یعنی حیران ہونا) تو اب اللہ اور الٰہ تحیر و دہشت کے معنی میں مشترک ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اوہام وعقول معبودِ برحق یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت میں حیران و پریشان ہیں اس لیے گمراہی زیادہ ہے اور ہر طرف باطل پھیل چکا ہے جب کہ صحیح نظر و فکر بہت کم ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ کا لفظ ''اَلِہَ یَاْ لَہٗ اِلٰھًا'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: عبادت کرنا اور یہ ''الٰہ'' مصدر ہے اور ''مَاْلُوْہٌ'' کے معنی میں ہے یعنی معبود جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ھٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ'' (لقمان:۱۱) میں خلق بہ معنی مخلوق ہے (جس کا ترجمہ ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے)۔[اللہ کے لام کو اس وقت پُر پڑھا جائے گا جب اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ (زبر یا پیش) ہوگا اور جب اس سے پہلے کسرہ (زیر) ہوگی تو اسے باریک پڑھا جائے گا جب کہ بعض اہل عرب اسے ہر حال میں باریک پڑھتے ہیں اور بعض ہر حال میں پُر پڑھتے ہیں لیکن جمہور اہل عرب پہلی صورت کو درست قرار دیتے ہیں] ﴿الرَّحْمٰنُ﴾ یہ ''فَعْلَانُ'' کے وزن پر ہے اور ''رِحْمٌ'' سے مشتق ہے] یہ وہ ذات ہے جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو جیسے ''غَضْبَان'' ''غَضَبٌ'' سے بنا ہے اور یہ وہ شخص ہوگا جو غصے سے بھرا ہوا ہو اور اسی طرح ﴿الرَّحِیْمُ﴾ ہے کیونکہ ''رَحِیْمٌ'' ''فَعِیْلٌ'' کے وزن پر ہے اور ''رِحْمٌ'' سے بنا ہے جیسا کہ ''مَرِیْضٌ'' ''مَرَضٌ'' سے بنا ہے] اور رحیم کے مقابلے میں رحمان میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ رحیم میں ایک چیز زیادہ ہے جب کہ رحمٰن میں دو چیزیں زیادہ ہیں اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے اس لیے دعا میں منقول ہے: ''یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا'' کیونکہ یہ دنیا میں کافر و مسلم سب کو شامل ہے اور ''یَا رَحِیْمَ الْاٰخِرَۃِ'' کیونکہ یہ صرف مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ رحمٰن نام کے اعتبار سے خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی صفت نہیں بنتا اور معنی کے اعتبار سے عام ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے جب کہ رحیم اس کے برعکس ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر رحم کرنے والے پر بولا جاتا ہے البتہ معنوی لحاظ سے صرف مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے یہی وجہ ہے کہ رحمٰن رحیم سے مقدم ہے اگرچہ رحیم زیادہ بلیغ ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جائے جیسے کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ عَالِمٌ ذُوْ فُنُوْنٍ نِحْرِیْرٌ'' (یعنی فلاں آدمی عالم ہے اور بہت سے فنون میں ماہر ہے) نیز رحمٰن اسمِ علم کی طرح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ کسی کی صفت نہیں بن سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مطلب ہے: اس کا اپنے بندوں پر انعام و احسان فرمانا دراصل اس کا معنی ہے: شفقت و نرمی کرنا باقی رہا مسیلمہ کذاب کے حق میں کسی شاعر کا یہ قول کہ ''وَاَنْتَ غَیْثُ الْوَرٰی لَازِلْتَ رَحْمَانًا'' (یعنی تو مخلوق کے لیے بارانِ رحمت ہے تو ہمیشہ سے رحمٰن ہے) تو یہ اپنے کفر میں عذاب کا اضافہ کرنے کے باب سے ہے۔[اور جنہوں نے غیر منصرف کے لیے یہ شرط بیان کی کہ اس کی مونث ''فَعْلَانَۃٌ'' کے وزن پر نہ ہو تو ان کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث ''فَعْلَانَۃٌ'' کے وزن پر نہیں آتی اور جن کے نزدیک غیر منصرف ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی مونث ''فَعْلٰی'' کے وزن پر آئے تو ان کے نزدیک رحمٰن منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث ''فَعْلٰی'' کے وزن پر نہیں آتی لیکن پہلی وجہ درست ہے]۔

۱-﴿اَلْحَمْدُ﴾ کسی کی فضیلت وعظمت کی وجہ سے اس کی خوبیاں بیان کرنا حمد کہلاتا ہے [اور یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی اصل تو نصب ہے اور اس کو فعل مقدر کے ساتھ پڑھا گیا ہے کیونکہ یہ ان مصادر منصوبہ میں سے ہے جن کے افعال مقدر ہوتے ہیں اور یہ خبر کے معنی میں ہوتے ہیں جیسے ''شُکْرًا وَّکُفْرًا'' ہے اور نصب سے رفع کی طرف عدول

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ (جملہ اسمیہ ہو جانے کی بناء پر حدوث کی بجائے) ثبوت و دوام کے معنی پر دلالت کرے اور اس کی خبر ﴿لِلّٰہِ﴾ ہے اور یہ جار مجرور محذوف عامل کے متعلق ہے یعنی ''وَاجِبٌ'' یا ''ثَابِتٌ''] (جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر طرح کی خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے واجب و ثابت ہیں) اور ایک قول یہ ہے کہ حمد و مدح مترادف ہیں اور دونوں کا معنی ہے: کسی کی خوبی پر اس کی تعریف کرنا خواہ کسی نعمت کے عوض میں ہو خواہ بغیر نعمت کے ہو جیسے کہو کہ میں نے فلاں آدمی کی اس کے احسان کرنے پر تعریف کی ہے (یا) میں نے اس کی خداداد (شجاعت) و بہادری اور خاندانی شرافت پر تعریف کی ہے لیکن شکر صرف احسان کرنے پر تعریف کرنا ہے اور یہ عام ہے' دل سے کرے' زبان سے کرے یا جسمانی اعضاء سے کرے' چنانچہ کسی شاعر نے کہا: ''میری تین چیزیں تمہیں فائدہ پہنچا سکتی ہیں: میرے ہاتھ' میری زبان اور میرا مخفی ضمیر یعنی دل'' اور صرف زبان سے تعریف کرنا شکر کا ایک حصہ ہے اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ حمد شکر کی بنیاد ہے' لہٰذا جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بھی نہیں کی۔ اس حدیث میں حمد کو شکر کی بنیاد قرار دیا گیا ہے' اس لیے زبان سے کسی نعمت کا ذکر کرنا دل اور اعضاء سے زیادہ واضح اور زیادہ مشہور ہے کیونکہ دل کا عمل مخفی ہوتا ہے جب کہ اعضاء کے عمل میں کئی احتمال پیدا ہو سکتے ہیں اور حمد کی نقیض اور ضد ذم (برائی) ہے اور شکر کی نقیض کفران (ناشکری) ہے' ایک قول یہ ہے کہ کسی کے ذاتی اوصاف کمالیہ پر اس کی تعریف کرنا مدح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا باقی' قادر' عالم' ابدی اور ازلی ہونا اور کسی کے احسان کرنے پر اس کی تعریف کرنا شکر ہے اور حمد ان دونوں کو شامل ہوتی ہے' نیز ہمارے نزدیک ''اَلْحَمْدُ'' میں الف لام استغراقی ہے (یعنی تمام قسم کی خوبیاں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں) اس لیے حمد کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ مقرون و متصل بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے' البتہ فرقہ معتزلہ اس کے خلاف ہے اور اس فرقہ سے اختلاف خلقِ افعال کے مسئلہ کی وجہ سے ہے' جس کی تحقیق ہم نے کئی مقامات پر بیان کی ہے ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ رب کا معنی ہے: مالک' چنانچہ ابوسفیان کے حق میں صفوان کا کلام اسی معنی میں ہے اور وہ یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی آدمی میری پرورش کرے اس سے تو بہتر ہے کہ قریش کا کوئی مرد میری پرورش کرے اور یہ ''رَبَّ یَرُبُّ رَبًّا فَهُوَ رَبٌّ'' (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے اسم فاعل) ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بہ طور مبالغہ مصدر صفت ہو جیسا کہ عدل کے ساتھ وصف بیان کیا جاتا ہے اور مطلق رب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے' البتہ اضافت کے ساتھ بندوں کے حق میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ. (یوسف:۲۳)
بے شک وہ میرا آقا ہے' جس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے۔

قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ. (یوسف:۵۰)
فرمایا: تو اپنے بادشاہ کے پاس پلٹ جا۔

نیز علامہ واسطی نے کہا ہے: رب ابتداء کے اعتبار سے ''خالق'' ہے' غذا کے اعتبار سے ''مربی'' ہے اور انتہا کے اعتبار سے ''غافر'' (بخشنے والا) ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اور ہر وہ چیز جس سے اس کے خالق کو جانا اور پہچانا جائے ''عالَم'' کہلاتا ہے خواہ اس کا تعلق جواہر سے ہو خواہ اعراض سے ہو' نیز اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات کو ''عالَم'' کہا جاتا ہے کیونکہ ہر موجود اپنے خالق و مالک کے وجود کی علامت و دلیل ہے [اور اس کو واؤ اور نون کے ساتھ جمع لایا گیا ہے (جمع مذکر سالم کی رفعی حالت واؤ اور نون کے ساتھ ''عالمون'' آتی ہے) باوجودیکہ یہ صرف عقلاء کی صفات کے ساتھ مخصوص ہے یا جو اس کے حکم میں ہے جیسے ''اعلام'' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں وصفیت کا معنی پایا جاتا ہے جو علم کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔]

٢۔﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ان دونوں کا ذکر گزر چکا ہے اور (ان دونوں کا دوبارہ ذکر) اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ شریف سورت فاتحہ کا جز اور حصہ نہیں ہے اس لیے کہ اگر یہ فاتحہ کا جز ہوتی تو رحمٰن و رحیم کا اعادہ نہ ہوتا کیونکہ یہ اعادہ بلا فائدہ ہوتا۔

٣۔﴿مٰلِكِ﴾ [امام عاصم' یعقوب' کسائی' خلف اور علی کسائی کی قراءت "مَالِكِ" ہے اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے "مَلِكِ" پڑھا ہے] اور بعض کے نزدیک یہی مختار ہے کیونکہ یہ اضافت سے بے نیاز ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہے یعنی "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" (الغافر:١٦) "آج کس کی بادشاہی ہے؟" نیز اس لیے کہ ہر بادشاہ مالک ہوتا ہے لیکن ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا اور اس لیے بھی کہ بادشاہ کا حکم مالک و مملوک اور تمام رعایا پر نافذ و جاری ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ ہے کہ "مَالِك" پڑھنے پر زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اس کے حروف زیادہ ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "مَـلِكِ" پڑھا ہے ﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ روزِ جزاء' چنانچہ کہا جاتا ہے: جیسا کرو گے ویسی جزاء پاؤ گے [اور یہاں "مالك" کی اضافت "يوم" کی طرف یہ اسم فاعل کی اضافت ظرف کی طرف ہے وسعت کے طور پر] جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے "يَا سَارِقَ اللَّيْلَةِ اَهْلَ الدَّارِ" یعنی "اے رات کے وقت چوری کرنے والے' گھر کے مالک سے ہوشیار رہ" بہر حال قیامت کے دن ہر حکم کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور قیامت کے دن کے ساتھ مالک کی تخصیص بھی اس لیے کی گئی ہے کہ اس دن صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہ کا حکم چلے گا [اور مالک کی اضافت اسم معرفہ کی طرف جائز قرار دی گئی ہے اگرچہ اسم فاعل کی اضافت حقیقی نہیں ہوتی کیونکہ اس سے دوام و استمرار کا قصد کیا گیا ہے اس لیے یہ اضافت حقیقی بن گئی ہے' لٰہذا معرفہ کی صفت بنانا جائز ہے۔] "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں حمد کی تمام اقسام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کرنے کے بعد ان اوصاف کا اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرنا کہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اور وہ رحمٰن و رحیم یعنی تمام نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اور جزاء و سزا کے دن کا مالک ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس ذات پاک میں یہ تمام صفات موجود ہیں وہی حمد و ثناء کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

٤۔﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [سیبویہ اور خلیل کے نزدیک "اِيَّا" اسم ضمیر ہے' البتہ سیبویہ کے نزدیک "اِيَّا" کے آخر میں حرفِ کاف خطاب کا ہے اور اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں اور خلیل کے نزدیک وہ بھی اسم ضمیر ہے اور "اِيَّا" کو اس کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اسم مُظہر کے مشابہ ہے اور فعل اور فاعل سے مقدم ہے' کوفیوں نے کہا کہ "اِيَّاكَ" مکمل اسم ضمیر ہے اور مفعول کی تقدیم صرف اختصاص کے ارادہ سے کی گئی ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم عبادت کو صرف تیرے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور یہ انتہائی تواضع اور انکساری ہے اور ہم استعانت کو صرف تیرے ساتھ مخصوص کرتے ہیں[1] اور یہاں غیبت سے خطاب کی طرف عدول صرف التفات اور توجہ پیدا کرنے اور معبودِ برحق کے مشاہدہ کے لیے ہے اور کبھی غیبت سے خطاب کی طرف اور کبھی خطاب سے غیبت کی طرف اور کبھی غیبت سے متکلم کی طرف کلام میں تبدیلی ہوتی رہتی

---

[1] واضح ہو کہ پاک و ہند میں چند اسلامی مسائل کو متنازع بنا دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک استعانت کا مسئلہ بھی ہے' بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں سے ہر طرح کی استعانت کو حرام و شرک قرار دے دیا ہے حالانکہ استعانت حرام و شرک صرف اس وقت ہوگی جب انبیائے کرام اور اولیائے کرام کو مستقل بالذات اور حقیقی متصرف و مددگار سمجھ کر ان سے مدد طلب کی جائے لیکن اگر مستقل بالذات اور حقیقی متصرف و مددگار صرف اللہ تعالیٰ کو مانا جائے اور ان ہستیوں کو محض مظہرِ عون الٰہی جان کر اور یہ عقیدہ رکھ کر کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تصرفات کا اختیار دیا ہے' اور اسی بنا پر ان کو متصرف باذن اللہ سمجھ کر ان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ'' ۔(یونس:۲۲) ''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور انہیں خوب موافق ہوائیں لے کر چلتی ہیں'' اور اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ'' ۔(الفاطر:۹) ''اور وہ اللہ ہے جس نے ہوائیں بھیجیں' پس وہ بادل کو اٹھا کر چلاتی ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف روانہ کر دیتے ہیں' ایک شاعر امراء القیس کا مقولہ ہے:

تطاول لیلك بالاثمد　　ونام الخلی ولم ترقد

وبات وباتت له لیلة　　کلیلة ذی العائر الارمد

وذالك من نبأ جاءنی　　وخبرته عن ابی الاسود

''تیری رات اثمد میں طویل ہوگئی اور جانور سو گئے اور تو نہ سو سکا اور اس نے پوری رات گزار دی اور اس کی رات (بے چینی میں) اس طرح گزری جس طرح آشوبِ چشم کی وجہ سے دکھتی آنکھ والے کی رات گزرتی ہے اور یہ اس خبر کی وجہ سے ہوا جو میرے پاس آ پہنچی اور میں نے اسے ابوالاسود کے بتانے سے جان لیا ہے''۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے مدد طلب کی جائے تو یہ مدد لینا جائز ہے' درحقیقت یہ استعانت بھی اللہ تعالیٰ ہی سے ہے کیونکہ حقیقی مستعان وہی ہے اور اس کے مقبول بندے مجازی طور پر مستعان ہیں' لہٰذا ان حضرات سے استعانت نہ حرام ہے اور نہ شرک ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے۔ یہاں حاشیہ میں اختصار کی وجہ سے صرف چند قرآنی آیات مبارکہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

''ماتحت الاسباب'' یعنی امورِ عادیہ میں استعانت

(۱) ''وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' ۔(المائدہ:۲) ''اور نیکی اور پرہیزگاری میں تم ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو''۔

(۲) ''فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ'' ۔(التحریم:۴) ''بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں'' واضح ہو کہ یہاں مولا بہ معنی معاون و ناصر یعنی مددگار ہے۔ (تفسیر ابن عباس و روح المعانی)

(۳) ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ'' ۔(الصف:۱۴) ''اے ایمان والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ اللہ کی طرف میرے کون مددگار ہوں گے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں''۔

(۴) ''لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ'' ۔(آل عمران:۸۱) ''البتہ تم ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور البتہ تم ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرو گے''۔

(۵) ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ'' ۔(محمد:۷) ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا''۔

(۶) ''وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا'' ۔(النساء:۷۵) ''اے اللہ! تو اپنی طرف سے ہمارے لئے کسی کو معاون بنا دے اور تو اپنی طرف سے ہمارے لیے مددگار بنا دے''۔

(۷) ''وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا'' ۔(بنی اسرائیل:۸۰) ''(اے اللہ!) تو اپنی طرف سے میرے لیے غالب مددگار بنا دے''۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہر حال ان تینوں ابیات میں متکلم سے خطاب کی طرف اور خطاب سے غیب کی طرف اور غیب سے متکلم کی طرف التفات موجود ہے چنانچہ امراء القیس نے ''لَیْلُكَ'' کی بجائے ''لَیْلِی'' اور ''بَاتَ'' سے ''بِتَّ'' اور ''جَآءَنِیْ'' کی بجائے ''جَاءَكَ'' نہیں کہا اور عرب کے لوگ اسے اکثر و بیشتر استعمال کرتے رہتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جب کلام ایک انداز سے دوسرے انداز کی طرف منتقل ہوتا ہے تو وہ سماعت کی قبولیت میں زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور اپنی مضبوطی کی وجہ سے سامعین میں خوب اور عمدہ نرمی اور تازگی پیدا کرتا ہے اور کانوں میں رس گھولتا ہے اور ایسے مقامات بہت سے فوائد و لطائف کے ساتھ مخصوص ہیں اور یہ کسی پر واضح نہیں ہوتے سوائے زبردست ماہر علمائے دین کے اور یہ بہت قلیل ہیں اور اس جگہ (آیتِ مبارکہ میں غیبت سے خطاب کی طرف تبدیلی) کی خصوصیت یہ ہے کہ جب یہ ذکر کیا گیا کہ ہر قسم کی حمد و ثناء کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر بہت بڑی صفات جاری و ساری کی گئیں تو بندوں کے علم کا تعلق ایک عظیم الشان معلوم کے ساتھ قائم ہو گیا جو تمام اقسام کی حمد و ثناء اور انتہائی عاجزی و انکساری نیز تمام مہمات و مشکلات میں استعانت کے لائق ہے تو اس ممتاز و منفرد معلوم کو ان صفات کے ذریعے خطاب کے صیغے سے مخاطب کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ اے ان صفات کی حامل ذات اقدس! ہم تو صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اس آیتِ مبارکہ میں عبادت کو استعانت سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ طلب حاجت سے پہلے وسیلہ پیش کرنا قبولیت کے لیے زیادہ موثر ہوتا ہے یا اس لیے کہ آیات کے نظم اور وزن موافق ہو جائیں جس طرح رحمٰن کو رحیم سے مقدم کیا گیا ہے اگرچہ زیادہ بلیغ کلام کو مقدم نہیں کیا جاتا اور یہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۸) ''اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ○''۔ (المائدہ:۵۵) [یہاں ولی بہ معنی ناصر و معاون ہے (تفسیر ابن عباس، روح المعانی)] ''بے شک تمہارے مددگار اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں○''۔

(۹) ''فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا''۔ (الکہف:۹۵) ''پس تم میری مدد کرو قوت سے میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا''۔

''ما فوق الاسباب'' یعنی امورِ غیر عادیہ میں استعانت

(۱) ''قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ''۔ (النمل:۴۰) ''اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں تختِ بلقیس آپ کے پاس لے آتا ہوں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پس جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کا فضل ہے''۔

(۲) ''اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا''۔ (یوسف:۹۳) ''میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پہ ڈال دو ان کی بینائی واپس آ جائے گی''۔

(۳) ''قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا''۔ (مریم:۱۹) ''جبریل نے کہا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تجھے پاکیزہ بیٹا عطا کروں''۔

(۴) ''اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ''۔ (آل عمران:۴۹) ''بے شک میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی طرح مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتا ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اور میں اللہ کے حکم سے مردے زندہ کر

استعانت کو مطلق ذکر کیا گیا ہے تا کہ آیت مبارکہ ہر قسم کی استعانت کو شامل ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ مخصوص استعانت مراد ہو اور وہ یہ کہ عبادت کی ادائیگی میں توفیق الٰہی کی استعانت مراد ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اِهْدِنَا" استعانت کے مطلوب کا بیان ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ میں تمہاری کس طرح مدد کروں؟ تو بندوں نے عرض کیا:

۵۔﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ یعنی ہمیں سیدھے راستے پر چلا جیسے تم کسی کھڑے ہوئے آدمی کو کہو: "قُمْ حَتّٰى اَعُوْدَ اِلَيْكَ" تم ٹھہرو یہاں تک میں واپس تمہارے پاس لوٹ آؤں" تو اس کا مطلب یہ ہوگا "اُثْبُتْ عَلٰى مَا اَنْتَ عَلَيْهِ" یعنی تم اپنی اسی حالت میں یہیں ٹھہرے رہو' یا اس سے یہ مراد ہو کہ جس طرح اب حال میں ہمیں سیدھے راستہ پر چلا رہا ہے اسی طرح مستقبل میں بھی اسی سیدھے راستے پر قائم رکھنا [اور ہدایت ایک مفعول کی طرف تو بلا واسطہ متعدی ہوتی ہے لیکن دوسرے مفعول کی طرف "لام" یا "اِلٰى" کے واسطے سے متعدی ہوتی ہے] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "هَدٰىنَا لِهٰذَا" (الاعراف:۴۳) "اسی نے ہمیں یہ راہ دکھائی" نیز ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (الانعام:۱۶۱) یعنی میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھائی ہے"۔ "سِرَاطٌ" (سین کے ساتھ) کا معنی ہے: صاف اور کھلا راستہ اور یہ "سَرَطُ الشَّيْءِ" سے بنا ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو نگلنا' گویا راستہ اپنے اوپر چلنے والے کو نگل جاتا ہے اور ["صِرَاط" میں صاد سین سے بدلا ہوا ہے اس لیے کہ صاد اور طاء صفت اطباق میں ہم جنس ہیں کیونکہ صاد' ضاد اور طا' ظا حروف مطبقہ میں سے ہیں اور کبھی صاد کو اشمام کے ساتھ حرف زا کی آواز میں پڑھا جاتا ہے کیونکہ حرف زا' طا کے زیادہ قریب ہے اس لیے کہ یہ دونوں مجہورہ ہیں اور یہ امام حمزہ کی قراءت ہے اور پورے قرآن میں سین کے ساتھ سراط پڑھنا ابن کثیر کی قرات ہے اور کلمہ کی اصل یہی ہے' باقی قراء نے خالص صاد کے ساتھ صراط پڑھا ہے اور یہ لغتِ قریش ہے اور مصحف امام (حضرت عثمان) میں یہی ہے اور سبیل اور طریق کی طرح مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے] اور صراط مستقیم سے مراد حق کا راستہ یعنی ملت اسلام ہے۔

۶۔﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ ["الصراط" کا بدل ہے اور یہ مکرر عامل کے حکم میں ہے] اور اس کا ایک فائدہ تو تاکید ہے' دوسرا یہ بتانا ہے کہ "صراط مستقیم" کی تفسیر صراط مسلمین ہے تا کہ یہ مسلمانوں کے راستہ کی استقامت کی گواہی بن جائے بلیغ اور مؤکد طریقہ پر اور اس سے نیک مسلمان اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں یا فسق و فجور میں تبدیل ہو جانے سے پہلے کی قوم موسیٰ مراد ہے۔﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ [یہ "اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے بدل ہے یعنی انعام یافتہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور گمراہی سے سلامت رہے یا یہ "الذین" الخ کی صفت ہے یعنی یہ لوگ نعمتِ مطلقہ کے جامع ہیں اور اس سے ایمان کی نعمت اور غضبِ خدا اور گمراہی سے سلامت رہنے کی نعمت مراد ہے اور باقی رہا یہ کہ یہ "الذین" کی صفت کیونکر جائز ہوگئی جب کہ وہ معرفہ ہے اور "غیر" مضاف ہونے کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے کہ "غیر" جب دو متضاد جملوں کے درمیان میں واقع ہو اور وہ دونوں معرفہ ہوں تو پھر "غیر" اضافت کے ساتھ معرفہ بن جاتا ہے جیسے "عَجِبْتُ مِنَ الْحَرَكَةِ غَيْرِ السُّكُوْنِ یعنی مجھے حرکت سے تعجب ہوا لیکن سکون سے نہیں" یہاں منعم علیہم اور مغضوب علیہم دونوں متضاد ہیں اور اس لیے بھی کہ "اَلَّذِيْنَ" نکرہ کے قریب ہے کیونکہ اس سے معین قوم مراد نہیں ہوتی اور "غیر المغضوب علیہم" اضافت کی وجہ سے تخصیص حاصل ہو جانے کی بناء پر معرفہ کے قریب ہے' لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک' ایک اعتبار سے مبہم ہے اور ایک اعتبار سے مخصوص ہے' اس لیے دونوں آپس میں مساوی ہو گئے اور پہلا "علیهم" مفعول ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور دوسرا "علیهم" فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع

ہے] اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے مراد جھٹلانے والوں سے انتقام لینا اور ان پر عذاب نازل کرنا ہے' نیز بادشاہ غضب ناک ہو کر اپنے ماتحت عملہ سے جو معاملہ کرتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ معاملہ کرنا مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مغضوب علیھم'' سے یہود مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ. (المائدہ:۶۰) یعنی اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان پر غضب ناک ہوا'' اور'' وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' سے نصاریٰ یعنی عیسائی مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا'' (المائدہ:۷۷) ''یقیناً وہ پہلے سے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے' واضح ہو کہ بصریوں کے نزدیک حرف لا ءزائد ہے' محض تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا اور کوفیوں کے نزدیک'' لا'' ''غیر'' کے معنی میں ہے۔ ﴿آمین﴾ یہ دعا ہے جو فعل کے معنی میں ہے اور وہ ہے'' اِسْتَجِبْ'' جس کا معنی ہے: قبول فرما جس طرح'' رُوَيْدًا'' اسم ہے اور فعل امر کے معنی میں ہے اور وہ ہے۔'' اَمْهِلْ'' یعنی'' مہلت دے'' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آمین کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے:'' اِفْعَلْ'' یعنی اے اللہ! تو ہی کر'' اور یہ مبنی ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں' ایک الف مدہ کے ساتھ' دوسری الف مدہ کے بغیر یعنی قصر کے ساتھ اور وہ اصل ہے اور مد یہ ہے کہ ہمزہ کو لمبا کر کے یعنی کھینچ کر پڑھا جائے جیسا کہ شاعر نے کہا:

يَا رَبِّ لَا تَسْلُبَنِّيْ حُبَّهَا اَبَدًا وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِيْنًا

''اے میرے رب! اس کی محبت مجھ سے کبھی سلب نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے (میری دعا پر) آمین کہا''۔ اور اس نے (الف مدہ کے بغیر) ''امین'' کہا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری دوری کو مزید بڑھا دیا' حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے تلقین کی کہ جب میں سورۂ فاتحہ کی قرات سے فارغ ہو جاؤں تو آمین کہوں' نیز فرمایا: آمین کہنا ایسے ہے جیسے کتاب پر مہر اور یہ قرآن مجید میں سے نہیں ہے اس دلیل کی بناء پر کہ قرآن مجید میں ثابت نہیں ہے۔

(۲) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ۲۸۶ رُكُوْعَاتُهَا ۴۰

سورۃ البقرہ مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی دو سو چھیاسی آیات' چالیس رکوع ہیں

الجزء ۱ — منزل ۱

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

الم ○ یہ وہ عالی شان کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے' تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے ○ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے وہ اسے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ○ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب! آپ کی طرف اتارا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں ○

حروف مقطعات کی بحث

۱-﴿ الٓمّٓ ﴾ [یہ اور ان جیسے تمام حروف مقطعات اسماء ہیں اور ان کے مسمیات وہ مفرد حروف ہیں جن سے کلام بنتا ہے مثلاً قاف ''قَالَ'' کے پہلے حرف پر دلالت کرتا ہے' الف ''قَالَ'' کے درمیان والے حرف پر دلالت کرتا ہے اور لام ''قَالَ'' کے آخری حرف پر دلالت کرتا ہے اور اسی طرح دوسرے حروف ہیں' باقی رہی اس بات کی دلیل کہ یہ حروف اسماء ہیں یہ ہے کہ ان حروف میں سے ہر ایک مستقل معنی پر دلالت کرتا ہے اور ان میں امالہ' تفخیم' معرفہ' نکرہ' جمع اور تصغیر کے ساتھ تصرف کیا جاتا ہے اور یہ معرب ہیں (معرب وہ جس کے آخری حرف کی حرکت عامل کے بدلنے سے بدل جائے) اور یہ زید وغیرہ اسماء (جو بوقت گنتی ساکن پڑھے جاتے ہیں) کی طرح ساکن ہوتے ہیں اور ان پر اعراب نہیں آتا کیونکہ ان میں اعراب کا تقاضا کرنے والا کوئی عامل نہیں ہوتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حروف اسمِ صوت کی طرح مبنی ہیں (مبنی وہ جس کے آخری حرف کی حرکت برقرار رہتی ہے اور عامل کے بدلنے سے نہیں بدلتی) جیسے کوے کی آواز کے لیے ''غَاقَ'' استعمال کیا جاتا ہے] مگر جمہور کے نزدیک یہ حروف سورتوں کے نام ہیں' چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے ساتھ قسم فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم ہیں (اس کی تفصیل ہماری کتاب ''خصائص الاسماء الحسنٰی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں جن کے معانی اللہ تعالیٰ کے (بتائے) بغیر کوئی نہیں جانتا۔[1]

اور ان حروف کا نام معجمہ (گونگے) اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ اپنے معانی نہیں بتاتے بلکہ ان کے معانی میں ابہام ہوتا ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سورتوں کے شروع میں یہ اسماء دھمکانے اور ڈرانے کے لیے بہ طور تنبیہ استعمال ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید کے ساتھ مشرکین کو چیلنج دینے کے لیے انہیں بیدار کرنا اور ان کے سامنے تلاوت کیے جانے والے کلام میں

---

[1] خیال میں رہے کہ حروفِ مقطعات کے معانی بالذات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا البتہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے اس کے کریم ورحیم محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں۔ علامہ قاضی ناصر الدین عبد اللہ بیضاوی کی تحقیق کے مطابق صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا' چنانچہ قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''وَلَعَلَّهُمْ اَرَادُوْا اَنَّهَا اَسْرَارٌ بَيْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَرُمُوْزٌ لَمْ يُقْصَدْ بِهَا اِفْهَامُ غَيْرِهٖ۔'' یعنی صحابہ کرام کی مراد یہ ہے کہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اسرار ورموز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر کسی اور کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا' البتہ علامہ السید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے یہاں تک لکھا ہے کہ ''فَلَا يَعْرِفُهٗ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ الْوَرَثَةُ فَهُمْ يَعْرِفُوْنَهٗ مِنْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حروفِ مقطعات کو کوئی نہیں جانتا سوائے اولیائے کرام کے جو آپ کے وارث ہیں اور وہ بھی آپ کی بارگاہِ فیض رساں سے جانتے ہیں''۔ اختصار کی وجہ سے باقی عبارات کی بجائے صرف حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں (تفسیر انوار التنزیل' روح المعانی' روح البیان' مظہری) نیز حروفِ مقطعات کے معانی کے بارے میں مفسرینِ کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ علامہ ابن جریر نے سب کو درست قرار دیا ہے کیونکہ ایک لفظ کئی کئی معانی کے لیے آتا ہے' لہٰذا سب مراد ہو سکتے ہیں (ابن کثیر) لیکن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ الف سے اللہ' لام سے جبریل اور میم سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن حضرت جبریل کے واسطے سے حضرت سید عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔

(تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی' تفسیر ابن عباس' روح المعانی' مظہری' تفسیر کبیر بروایت حضرت ضحاک' تفسیر ابو سعود)

نظر وفکر کی تحریک پیدا کرنا مقصود ہے کہ جس قرآن مجید کی مثال پیش کرنے سے وہ عاجز آ چکے ہیں یہ بھی انہیں حروف سے منظوم ومرکب ہے جن حروف سے یہ لوگ اپنا کلام منظوم ومرکب کرتے ہیں تا کہ وہ نظر وفکر کے ذریعے اس بات پر یقین کر لیں کہ کلامِ عرب کے بڑے بڑے بلغاء وفصحا اور ادبا کا آپس میں طویل رجوع کرنے اور غور وفکر کرنے کے باوجود نیز اپنی تمام تر توانائیوں اور طاقتوں کے باوجود قرآن مجید کے سامنے بے بس ہو جانا اور قرآن مجید کی مثال پیش کرنے سے عاجز آ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن مجید کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں بلکہ زبردست قدرت وطاقت رکھنے والے خالق کا کلام ہے اور یہ قول اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب قرآن مجید کو قبول کرنے کے زیادہ مناسب ہے اور ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورتوں کو ان مفرد کلمات کے ساتھ اس لیے شروع کیا گیا ہے کہ انسانی سماعت سے جو سب سے پہلے کلام ٹکرائے وہ قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کی مستقل دلیل بن جائے اور یہ اس لیے کہ خود ان حروف کے بولنے میں تمام عرب مساوی ہیں' ان پڑھ بھی اور پڑھے لکھے بھی البتہ اس کے برعکس ان حروف کو ناموں کے ساتھ استعمال کرنا صرف انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو پڑھے لکھے ہیں اور جنہوں نے پڑھے لکھے لوگوں کے پاس آنا جانا رکھا ہے اور ان سے سیکھا ہے اور ان پڑھ لوگوں کا ان کو ناموں کے ساتھ استعمال کرنا بہت بعید ہے جس طرح ان کے لیے لکھنا پڑھنا مشکل ہے اور اس بات کی شہرت کے باوجود کہ یہ حروف ان کلمات میں سے ہیں جن کو اہل فن سے حاصل نہیں کیا جا سکتا پھر بھی ان کا قرآن مجید میں استعمال کیے جانے کا معاملہ اس طرح ہے جس طرح گزشتہ اقوام کے واقعات کا معاملہ ہے جو قرآن مجید میں ذکر کیے گئے ہیں جن کا نہ قریش سے تعلق ہے اور نہ ان کے ہم مرتبہ کسی قبیلے سے تعلق ہے جن کے متعلق انہیں مکمل معلومات حاصل ہوں تا کہ اس بات پر دلیل قائم ہو جائے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ان تمام چیزوں کا حصول وحی کے ذریعے ہوتا ہے اور آپ کی نبوت کی صحت کے لیے شہادت مل جائے [اور یاد رکھو کہ سورتوں کے آغاز میں حروف تہجی کے نصف نام ذکر کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں: الف' لام' میم' صاد' را' کاف' ہا' یا' عین' طا' سین' حا' قاف' نون اور حروف تہجی کی تعداد کے مطابق انتیس سورتوں کے شروع میں یہ اسماء استعمال ہوئے ہیں اور یہ کل حروف تہجی کے نصف (چودہ حروف) پر مشتمل ہیں' چنانچہ حروف مہموسہ میں سے نصف استعمال ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں: صاد' کاف' ہا' سین' حا اور مجہورہ میں سے نصف: الف' لام' میم' را' عین' طا' قاف' یا' نون اور شدیدہ میں سے نصف: الف' کاف' طا' قاف اور رخوہ میں سے نصف: لام' میم' را' صاد' ھا' عین' س' حا' نون اور مطبقہ میں سے نصف: صاد' طا اور منفتحہ میں سے نصف: الف' لام' میم' را' کاف' ہا' عین' سین' حا' قاف' یا' نون اور مستعلیہ میں سے نصف: قاف' صاد' طا اور منخفضہ (مستفلہ) میں سے نصف: لام' میم' را' کاف' ہا' یا' عین' سین' حا' نون اور حروف قلقلہ میں سے نصف: قاف' طا ذکر کیے گئے ہیں اور ان اقسام کے جو حروف ذکر نہیں کیے گئے وہ ذکر کردہ حروف سے کم ہیں] اور تم جانتے ہو کہ کسی چیز کی اکثریت کل کے قائم مقام ہوتی ہے ("لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ" کے مطابق حروف کی تمام اقسام بیان ہو گئیں) بہر حال اللہ تعالیٰ کا عرب کے سامنے ان الفاظ کا بیان کرنا جن سے وہ اپنا کلام مرکب کرتے اور بناتے ہیں' گزشتہ دھمکی اور تنبیہ کی طرف اشارہ کرنا اور ان پر حجت قائم کرنا مقصود ہے اور بلاشبہ مختلف سورتوں کے شروع میں مختلف حروف کا الگ الگ آنا اس لیے ہوا کہ جن کو قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج دیا گیا ہے ان کے لیے دھمکی اور تنبیہ کا بار بار اعادہ کیا جائے تا کہ ان کے دل نرم ہو جائیں اور اصل مقصود کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے جلد اور موثر ترین صورت میں حاصل ہو جائے۔ اسی طرح قرآن مجید میں دیگر واقعات اور احکام کو جو مکرر بیان کیا گیا ہے ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ واقعات واحکام دلوں میں راسخ اور مستحکم ہو جائیں اور یہ حروف مقطعات ایک ہی طریقہ پر نہیں آئے بلکہ ان کی تعداد مختلف ہے مثلاً "ص' ق' ن'

طٰہٰ، طٰسٓ، یٰسٓ، حٰمٓ، الٓمٓ، الٓرٰ، طٰسٓمٓ، الٓمٓصٓ، الٓمٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓعٓسٓقٓ" پس یہ ایک حرف دو تین چار پانچ حروف پر مشتمل ہو کر استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ اہل عرب کو اپنے کلام میں ان حروف کو استعمال کرنے کی عادت ہے' نیز جس طرح عرب کے کلمات کے صیغے ایک دو تین چار پانچ الفاظ تک استعمال ہوتے ہیں اسی طرح انہیں کے طریقے پر سورتوں کے شروع میں یہ حروف لائے گئے اور "الٓمّٓ" سب جگہ ایک مکمل آیت استعمال ہوئی ہے اسی طرح "الٓمّٓصٓ" ایک مکمل آیت ہے البتہ "الٓمّٓرٰ" کو آیت شمار نہیں کیا گیا' اسی طرح "الٓرٰ" کو پانچوں سورتوں میں آیت شمار نہیں کیا گیا' "طٰسٓمٓ" کو دونوں سورتوں میں ایک مکمل آیت شمار کیا گیا ہے' "طٰہٰ" اور "یٰسٓ" دو آیات ہیں "طٰسٓ" آیت نہیں ہے "حٰمٓ" تمام سورتوں میں ایک مکمل آیت ہے "حٰمٓ عٓسٓقٓ" دو آیات ہیں "کٓھٰیٰعٓصٓ" ایک مکمل آیت ہے "صٓ" اور "نٓ" اور "قٓ" تینوں کو آیت شمار نہیں کیا گیا اور یہ کوفیوں کے نزدیک ہے۔ ان کے علاوہ باقی حضرات نے ان میں سے کسی کو آیت شمار نہیں کیا اور یہ توقیفی علم ہے جس میں قیاس کو دخل نہیں جیسا کہ سورتوں کی معرفت توقیفی ہے' نیز ان تمام حروف پر مکمل وقف کیا جائے گا بشرطیکہ ان کو ایسے مستقل معنی پر محمول کیا جائے جو اپنے بعد والے کی طرف محتاج نہ ہو اور یہ اس وقت ہوگا جب ان کو سورتوں کے اسماء نہ بنایا جائے اور ان کو اسمائے اصوات کی طرح مانا جائے یا پھر ان کو الگ مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الٓمّٓ" (آل عمران:۱) یعنی "ھٰذِہٖ الٓمّٓ" پھر اللہ تعالیٰ نے ابتدا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" (آل عمران:۲) [چنانچہ جنہوں نے ان مفردات کو سورتوں کے اسماء قرار دیا ہے ان کے نزدیک تو ان کا محلِ اعراب ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ دیگر اسمائے اعلام کی طرح ہیں اور مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں یا پھر ان کے ساتھ قسم اٹھانے کی صورت میں منصوب یا مجرور ہیں اور یہ قسم کی صورت میں لفظ اللہ کی جگہ پر واقع ہیں یعنی "اُقْسِمُ بِاللّٰہِ" کی بجائے "اُقْسِمُ بِالٓمّٓ" ہے اور لفظ اللہ میں دو لغتیں ہیں (مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب اور حرف جرآ جانے کی وجہ سے مجرور) اور جنہوں نے ان حروف کو سورتوں کے اسماء قرار نہیں دیا ان کے مذہب میں ان کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہے جس طرح جملہ اور مفرداتِ معدودہ کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا۔]

۲- ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ﴾ یعنی یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی وعدہ فرمایا تھا' "ذالك" سے "الم" کی طرف اشارہ ہے' باقی رہا یہ کہ اسم اشارہ مذکر ہے اور اس کا مشار الیہ مونث ہے اور وہ سورۃ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ذالک کی خبر اگر کتاب ہو تو چونکہ کتاب اپنے معنی اور مسمیٰ کے اعتبار سے مذکر ہے' لہٰذا مذکر و مونث کے اعتبار سے ذالک پر خبر کا حکم جاری کرنا جائز ہے۔

(تو گویا اسم اشارہ ذالک کا مذکر لانا خبر کے لحاظ سے ہے) اور اگر "الکتاب" "ذالك" کی صفت واقع ہو تو پھر صراحت کے ساتھ اشارہ کتاب کی طرف ہوگا کیونکہ اسم اشارہ کے ساتھ اس جنس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو اس کی صفت واقع ہو رہی ہو جیسے تم کہو "ذَالِكَ الْاِنْسَانُ فَعَلَ كَذَا" یا "ھِنْدٌ ذَالِكَ الشَّخْصُ فَعَلَ كَذَا. یعنی ہند یہ ایسا انسان یا ایسا شخص ہے جس نے اس طرح کیا ہے" اور "ذالك الكتاب" کو "الم" کے ساتھ جوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر "الم" کو سورت کا اسم قرار دیا جائے تو ممکن ہے "الم" مبتدا اول ہو اور "ذالك" مبتدا ثانی ہو اور "الكتاب" اس کی خبر ہو اور جملہ بن کر مبتدائے اول کی خبر بن جائے] اور اب معنی یہ ہوگا: یہ ایسی کامل کتاب ہے جس کے مقابلہ میں باقی تمام کتب ناقص ہیں جیسے تم کہو: "ھو الرَّجُلُ" اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مردانگی میں کامل ترین اور مردوں میں پائی جانے والی تمام پسندیدہ خصلتوں کا جامع آدمی ہے' [اور یہ بھی ممکن ہے کہ "الم" مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی "ھٰذِہٖ الٓمّٓ" یہ ایک جملہ بن جائے گا اور "ذَالِكَ الْكِتَابُ" دوسرا

جملہ بن جائے گا اور اگر ''الم'' کو اسم صوت کی طرح قرار دیا جائے تو ''ذَالِكَ'' مبتدا ہوگا اور ''اَلْكِتَابُ'' اس کی خبر ہوگی]
معنی یہ ہوگا کہ یہ وہ عالی شان نازل کردہ کتاب ہے جو کامل ترین کتاب ہے۔ ﴿لَارَیْبَ﴾ ''لَا شَكَّ'' کے معنی میں ہے
یعنی کوئی شک نہیں اور یہ ''رَابَنِیْ'' کا مصدر ہے جس کا معنی ہے: دل میں شک کا پیدا ہونا' چنانچہ ''ریب'' کی حقیقت یہ ہے
کہ کسی چیز کے متعلق قلب انسانی میں قلق و اضطراب کی کیفیت کا پیدا ہو جانا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالی
شان ہے: ''دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ فَاِنَّ الشَّكَّ رِیْبَةٌ وَاِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِیَةٌ. جو چیز تمہیں شک و شبہ میں
ڈالے اسے چھوڑ دو اور وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک و شبہ میں نہ ڈالے کیونکہ شک میں پریشانی ہے اور سچ میں سکون ہے''
(بخاری کتاب البیوع باب ۳' ترمذی کتاب القیامۃ باب ۱۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۳)۔ درحقیقت جو کام مشکوک ہوتا ہے اس میں دل
مضطرب و پریشان ہو جاتا ہے اور اسے قرار و سکون نہیں ملتا اور جو کام صحیح اور سچا ہوتا ہے اس سے دل مطمئن ہوتا ہے اور اس کام
سے سکون حاصل ہوتا ہے اور اسی سے ''رَیْبَ الزَّمَانِ'' بنا ہے اور یہ گردشِ زمانہ کا وہ روگ ہے جو دل کے سکون کو تباہ و برباد کر
دیتا ہے اور دل اس کے مصائب و آلام سے بے قرار ہو جاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس آیت مبارکہ میں بہ طور استغراق
تمام شکوک و شبہات کی نفی کر دی گئی ہے حالانکہ کفارِ مکہ کے دلوں میں قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے میں شک تھا تو اس کا
جواب یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ کسی کو شک نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت اور کلام الٰہی
ہونے پر اس قدر واضح دلائل اور روشن ترین براہین بیان کر دیے گئے ہیں کہ کسی شک کرنے والے کے لیے شک و شبہ کی
گنجائش نہیں رہی اور اللہ تعالیٰ نے ''لَا فِیْهِ رَیْبٌ'' نہیں فرمایا جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ''لَافِیْهَا غَوْلٌ''
(الصافات:۴۷) یعنی ''اس میں مدہوشی نہیں ہوگی'' کیونکہ ''ریب'' پر حرف نفی داخل کرنے سے مراد قرآن شریف سے ''ریب''
کی نفی کرنا ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قرآن کریم حق ہے باطل نہیں جیسا کہ کفار گمان کرتے ہیں اور اگر ظرف (فیه) کو
پہلے لایا جاتا تو مراد سے بعید کا قصد ہو جاتا اور وہ یہ کہ دوسری کتاب میں شک ہے البتہ اس کتاب میں شک نہیں جس طرح
اللہ تعالیٰ کے فرمان ''لَا فِیْهَا غَوْلٌ'' میں قصد کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا کی شراب پر بہشت کی شراب کی فضیلت بیان کی
گئی ہے کہ اس میں عقول مدہوش نہیں ہوں گی جس طرح دنیا کی شراب عقول انسانی کو مدہوش کر دیتی ہے [اور ''فیه'' پر وقف
کرنا مشہور و معروف ہے البتہ امام نافع اور امام عاصم نے ''رَیْبَ'' پر وقف کیا ہے اور وقف کرنے والے کے لیے ضروری ہے
کہ وہ وقف کرتے وقت خبر دینے کی نیت کرے] اور درحقیقت عبارت یوں ہے: ''لَا رَیْبَ فِیْهِ'' ﴿فِیْهِ هُدًی﴾ [قاری
ابن کثیر مکی نے اس کی ہر ''ھا'' میں اشباع کیا ہے (ضمہ کو واؤ مدہ کے ساتھ اور کسرہ کو یا مدہ کے ساتھ کھینچ کر پڑھنا اشباع کہلاتا
ہے) اور امام حفص نے ''فِیْهٖ مُهَانًا'' (الفرقان:۶۹) میں اشباع کرنے میں ان کی موافقت کی ہے جیسے تیرا قول ''مَرَرْتُ بِهٖ
وَمَنْ عِنْدَهٗ وَفِیْ دَارِهٖ'' اور جس طرح ''فِیْ دَارِهٖ وَمَنْ عِنْدَهٗ'' نہیں کہا جاتا تو واجب ہے کہ ''فِیْهِ'' نہ کہا جائے اور سیبویہ
نے کہا کہ جس نے ''فِیْهِ'' میں وقف کا قول کیا ہے اس نے تین ساکن حروف کو جمع کر دیا ہے اس لیے کہ (۱) ھا سے پہلے یا ساکن
ہے اور (۲) خود ''ھا'' ساکن ہے کیونکہ ہائے متحرکہ ان کے کلام میں ساکن کے قائم مقام ہوتی ہے اس لیے کہ ھا خفی ہے اور
خفی ساکن کے قریب ہے اور (۳) ہا کے بعد کی یا (ساکن ہے کیونکہ ''فِیْهِ'' دراصل ''فِیْهِیَ'' ہے) اور ''هُدًی'' مصدر ہے
اور فعل کے وزن پر ہے ''بکی'' کی طرح] اور اس کا معنی ہے: ایسا راستہ دکھانا جو منزلِ مقصود تک پہنچا دے اس دلیل کی بنا پر
کہ اس کے مقابلہ میں ''ضَلَالَةٌ'' واقع ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ''اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی'' (البقرہ:۱۶)
''(وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی) اور یقیناً قرآن مجید کو پرہیزگاروں کے لیے ہدایت قرار دیا گیا ہے''۔

﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ حالانکہ متقی حضرات تو ہدایت یافتہ ہوتے ہیں (پھر قرآن کی ہدایت کا مقصد کیا ہوا) اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح تم کسی عزیز اور مکرم شخص سے کہو: ''اَعَزَّكَ اللّٰهُ وَاَكْرَمَكَ. اللہ تمہیں عزیز ومکرم رکھے'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اس معزز ومکرم شخص کے لیے عزت وتکریم کے اضافہ کی دعا کر رہے ہو کہ اس پر ثابت قدم رہے اور اس پر قائم رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' یعنی ''ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ'' یا اس لیے انکا نام متقی رکھا کہ وہ عنقریب تقویٰ کے لباس کو اختیار کر کے متقی ہونے کا شرف حاصل کرنے والے ہیں' حضور سید عالم ﷺ کے فرمانِ عالی شان کی طرح ''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلاً فَلَهٗ سَلَبُهٗ'' (بخاری' مسلم' ابوداؤد' موطا' کتاب الجہاد' ترمذی' کتاب السیر) یعنی ''جس نے کسی مقتول کو قتل کیا تو مقتول کا لوٹا ہوا تمام سامان قاتل کا ہوگا''۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ تم میں سے جب کوئی آدمی حج کا ارادہ کرے تو جلدی کرے کیونکہ ممکن ہے کہ عنقریب بیمار ہو جائے۔ ان دونوں حدیثوں میں غور کیجئے کہ قتل ہونے والے کو قتیل اور بیمار ہونے والے کو مریض قرار دیا گیا ہے (اسی طرح قرآن کی ہدایت سے تقویٰ اختیار کرنے والے کو متقی کہا گیا ہے) یہاں یہ نہیں فرمایا کہ قرآن گمراہوں کے لیے ہدایت ہے کیونکہ انسانوں کے دو گروہ ہیں: ایک وہ گروہ جس کا گمراہی پر قائم رہنا معلوم ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جس کا ہدایت کی طرف لوٹ آنا معلوم ہے' قرآن مجید صرف دوسرے گروہ کے لیے ہدایت ہے اور اگر اس سے مزید واضح عبارت سے لایا جاتا تو یوں کہا جاتا کہ قرآن مجید گمراہی کے بعد ہدایت کی طرف رجوع کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے لیکن ہمارے ذکر کردہ طریقے کو بیان کرنے کے لیے کلام کو مختصر کر کے ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' فرمایا گیا ہے۔ بہر حال قرآن مجید کی کوہان اور دونورانی سورتوں (بقرہ اور آل عمران) میں سے پہلی سورت کا آغاز اولیاء اللہ کے ذکر مبارک سے کیا گیا ہے۔ [یاد رہے کہ متقی لغت میں عرب کے قول ''وَقَاهُ فَاتَّقٰى'' سے اسم فاعل ہے' لہٰذا اس کا ''فا'' کلمہ واؤ ہے اور ''یا'' کلمہ لام ہے اور جب اس (مجرد) سے (مزید فیہ) باب افتعال بنایا گیا ہے تو واؤ کو تا سے تبدیل کیا گیا اور اس تا کا دوسری تا میں ادغام کر دیا گیا ہے' اس طرح ''وَقٰى'' سے ''اِتَّقٰى'' بن گیا] اور ''وَقَايَةٌ'' کا معنی ہے: بچنا' اور شریعت میں متقی وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو ہر اس کام سے بچالے جس کے کرنے یا چھوڑنے پر عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے [اور ''هُدًى'' کا محلِ اعراب رفع ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' کے ساتھ مل کر ''ذٰلِكَ'' کی خبر ہے یا پھر ''فِيْهِ'' کی ھا ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر اس کا محل نصب ہے لیکن بلاغت کے اعتبار سے راجح قول یہ ہے کہ ''الٓمّٓ'' ایک مستقل جملہ ہے یا پھر حروف معجم کا حصہ ہے اور مستقل جملہ ہے جب کہ ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' دوسرا جملہ ہے اور ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' تیسرا جملہ ہے اور ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' چوتھا جملہ ہے]۔ بلاغت کی زبان میں ان جملوں کی ترتیب نہایت حسین ہے کیونکہ ان کو بغیر حرف عطف کے موتیوں کی لڑی کی طرح عمدہ ترتیب میں لایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام جملے آپس میں اسی طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح چند بھائی آپس میں گلے ملے ہوتے ہیں' چنانچہ دوسرا جملہ پہلے کے ساتھ متحد ومتصل ہے اور اسی طرح تیسرا جملہ دوسرے کے ساتھ اور چوتھا جملہ تیسرے کے ساتھ متحد ومتصل ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے (''الٓمّٓ'' کے ساتھ) تنبیہ فرمائی کہ یہ وہ بے مثل کلام ہے جس کے ساتھ (کفار کو) چیلنج دیا گیا ہے' پھر (''ذالك الكتاب'' کے ساتھ) اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ نہایت باکمال عظیم الشان کتاب ہے گویا یہ چیلنج کرنے کی وجہ کا بیان ہے' پھر (''لا ریب فیه'' کے ذریعہ) اس سے ہر قسم کے شک وشبہ کی نفی کر دی گئی ہے' اس طرح قرآن مجید کے کمال کے لیے مہر تصدیق ثبت ہوگئی اور قرآن کریم کی حقانیت کی شہادت مہیا ہوگئی کیونکہ حق و یقین کے لیے اس سے بڑھ کر کامل ترین کوئی کمال نہیں اور باطل کے لیے اس سے بڑھ کر ناقص ترین کوئی نقص نہیں' چنانچہ

ایک عالمِ دین سے کہا گیا کہ تمہیں کس چیز میں لذت حاصل ہوتی ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے پسندیدہ ترین دلیل کی وضاحت کرنے میں اور کمزور ترین شبہ کی تردید کرنے میں مزہ آتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ کتاب پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے' اس طرح ایک تو اس کتاب کا یقینی کلامِ الٰہی ہونا ثابت کر دیا کہ اس کے اردگرد شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی' دوسرا اس کتاب کا ایسا حق ہونا ثابت کر دیا کہ اس کے آگے اور پیچھے باطل نہیں آ سکتا' پھر ان چاروں جملوں میں کوئی بھی خلل پذیر نہیں رہا' اس کے بعد ان کو نہایت عمدہ ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے اور اہم ترین نکات سے اس خوبصورت نظم کو منظوم کیا گیا ہے' چنانچہ پہلے جملے میں حذف اور اشارہ ہے کہ مطلوب نہایت لطیف ترین ہے اور دوسرے میں عظیم الشان تعریف ہے اور تیسرے میں ''ریب'' کی اپنے ظرف پر تقدیم ہے اور چوتھے میں حذف ہے' پھر یہاں مصدر ''ھُدًی'' کو اسمِ وصف ''ھَادِی'' کی جگہ رکھا گیا ہے گویا قرآن پاک صرف ہدایت دینے والا ہی نہیں بلکہ سراسر عین ہدایت ہے اور اس کو نکرہ لانے میں اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایسی عظیم الشان ہدایت ہے جس کی کنہہ اور گہرائی معلوم نہیں کی جاسکتی اور متقین کے ذکر میں اختصار کی توجیہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

۳-﴿اَلَّذِیْنَ﴾ [محلًا مرفوع یا منصوب ہے بہ طور مدح کے] یعنی ''ھُمُ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ. متقی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں'' یا ''اَعْنِی الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ'' [یا پھر یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی'' ہے یا یہ خبر کی جگہ پر واقع ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور متقین کی صفت ہے] اور یہ صفتِ کاشفہ یعنی متقین کی وضاحت کے لیے وارد ہوئی ہے جیسے تیرا قول ''زَیْدٌ اَلْفَقِیْہُ'' اور یہ ان اوصاف پر مشتمل ہے جو متقین کے لیے بنیاد ہیں یعنی ایمان بالغیب ہے جو تمام عبادات کی اساس ہے اور نماز وصدقہ جو دونوں بدنی و مالی عبادات ہیں اور یہ دونوں دوسری نیکیوں کے لیے مہر ہیں' کیا تم نہیں جانتے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے اور نماز کے ترک کو اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل قرار دیا ہے جب کہ زکوٰۃ کو دینِ اسلام کا پل قرار دیا ہے اور ان دونوں کی شان یہ ہے کہ باقی تمام عبادات ان کے تابع ہیں' اس لیے کلام مختصر ہے مگر اس نے تمام عبادات کے ذکر سے مستغنی کر دیا ہے گویا یہ عنوان کی طرح ہے جس کے تحت دیگر اوصاف کے علاوہ نماز اور صدقہ کی فضیلت کا بہترین اظہار ہے یا یہ متقین کی صفت ''مادحہ'' ہے' جس میں پرہیز گاروں کی تعریف وتوصیف کے علاوہ دیگر فوائد بھی عیاں ہیں جیسے تمہارا قول ''زَیْدٌ اَلْفَقِیْہُ الْمُتَکَلِّمُ الطَّبِیْبُ'' یعنی ''زید زبردست عالم' بہترین کلام دان اور ماہر حکیم ہے'' اور متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو برائیوں سے بچتے رہتے ہیں۔ ﴿یُؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی وہ تصدیق کرتے ہیں [اور یہ باب افعال سے ہے] اور اس کا مجرد مصدر ''اَمْنٌ'' ہے اور اہلِ عرب کا قول ہے: ''اٰمَنَہٗ'' یعنی اس نے تصدیق کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایمان لانے کے بعد اپنے آپ کو جھوٹ بولنے اور دین کی مخالفت کرنے سے محفوظ و مامون کر لیتا ہے (نیز جہنم کے دائمی عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے) اور اس کو حرف با سے اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ''اَقَرَّ'' اور ''اِعْتَرَفَ'' کے معنی کو متضمن ہے۔ ﴿بِالْغَیْبِ﴾ جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے اور اس کی حضور نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے جیسے حشر ونشر اور حساب و کتاب وغیرہ (نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات' فرشتے' جنت ودوزخ' پل صراط' میزان اور عذاب قبر وغیرہ) یہاں غیب بہ معنی غائب ہے اور اسم فاعل کو مصدر کا نام دے دیا گیا ہے جیسے تیرا قول ''غَابَ الشَّیْءُ غَیْبًا''. یعنی ''فلاں چیز غائب ہے'' اور یہ اس وقت ہے جب اس کو ایمان کا صلہ قرار دیا جائے لیکن اگر اس کو حال بنایا جائے تو غیبت اور مخفی کے معنی میں ہوگا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں دراں حالیکہ وہ غائب ہیں ایمان والی چیزوں سے جس کا مطلب ہے کہ وہ غیبت کے ساتھ ملتبس ہیں اور صحیح ایمان یہ ہے کہ آدمی زبان سے اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے لیکن عمل

ایمان میں داخل نہیں۔ ﴿ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ ﴾ یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں لیکن ادا کو قیام سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قیام خود نماز کا رکن ہے جیسے نماز کو قنوت کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ قنوت کا معنی قیام ہے جو نماز کا ایک اہم رکن ہے اور اسی طرح نماز کو کبھی رکوع سے، کبھی سجود سے اور کبھی تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ تمام صفتیں نماز میں موجود ہیں یا اقامتِ صلوٰۃ سے مراد ارکانِ نماز کو اعتدال اور سکون سے ادا کرنا ہے یہ "اَقَامَ الْعُوْدَ" سے بنا ہے جب گیلی لکڑی کو گرم کر کے بالکل سیدھا کر دیا جائے یا نماز ہمیشہ ادا کرنا اور اس کی پوری حفاظت کرنا مراد ہے اور یہ "قَامَتِ السُّوْقُ" سے بنا ہے یعنی بازار میں خوب رونق آ گئی کیونکہ جب کسی چیز کی خوب حفاظت کی جائے تو وہ اس چیز کی طرح ہو جاتی ہے جس کی رونق اور مانگ بڑھ جاتی ہے اور رغبت کرنے والے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں لیکن جب کسی چیز کو ضائع کر دیا جائے تو وہ کھوٹے سکے کی طرح بے کار ہو جاتی ہے جس میں کوئی رغبت نہیں کرتا اور "صَلٰوة" کا لفظ "صَلّٰى" سے بنا ہے جیسے زکوٰۃ کا لفظ "زَكّٰى" سے بنا ہے لیکن واؤ کے ساتھ لکھنے کی وجہ صرف نماز کی تفخیم و تعظیم ہے۔ صلوٰۃ کا لغوی معنی ہے: چوتنوں کو حرکت دینا چونکہ نمازی قیام و قعود اور رکوع و سجود کے وقت یہ کام بھی کرتا ہے، نیز دعا کرنے والے کو مُصَلّی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ خشوع و خضوع اور عاجزی میں رکوع اور سجود کرنے والے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے انہیں عطا کیا ہے اور ما کا لفظ "اَلَّذِيْ" کے معنی میں ہے (یعنی ما موصولہ ہے)۔ ﴿ يُنْفِقُوْنَ ﴾ وہ صدقہ کرتے ہیں۔ حرف من تبعیضیہ داخل کر کے مسلمانوں کو فضول خرچی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور انہیں اس سے منع کیا گیا ہے اور مفعول کو مقدم کر کے اس کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا کرنا مراد ہے کیونکہ اس کا ذکر نماز کے ساتھ کیا گیا ہے جو زکوٰۃ کی بہن ہے یا اس کے علاوہ راہ خدا میں خرچ ہونے والے دوسرے صدقات مراد ہیں کیونکہ اس کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور "اَنْفَقَ" اور "اَنْفَدَ" دونوں آپس میں بھائی ہیں اور ہر وہ کلمہ جس کے فا کلمہ کی جگہ نون آ جائے اور عین کلمہ کی جگہ فا آ جائے تو اس کا معنی نکلنا اور جانا ہوتا ہے اور یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں بلکہ خارج ہیں کیونکہ نماز اور زکوٰۃ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔

٤-﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اس سے اہل کتاب کے مومن مراد ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے دیگر مسلمان ساتھی جو ہر اس وحی پر ایمان لائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور انہوں نے آخرت پر ایسا یقین رکھا کہ اس سے ان کے سابقہ باطل نظریات زائل ہو گئے مثلاً جنت میں سوائے یہود و نصاریٰ کے کوئی داخل نہ ہو سکے گا اور دوزخ کی آگ صرف چند روز انہیں چھوئے گی؛ پھر اگر اس کا عطف "اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" پر کیا جائے تو وہ متقین میں داخل ہوں گے اور اگر اس کا عطف متقین پر کیا جائے تو پھر متقین میں داخل نہیں ہوں گے گویا کہا گیا کہ قرآن مجید پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے اور ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو آپ کی طرف نازل ہونے والے کلام پر ایمان رکھتے ہیں یا اس سے پہلوں کی توصیف مراد ہے اور درمیان میں حرف عطف اسی طرح لایا گیا ہے جس طرح صفات کے درمیان لایا جاتا ہے جیسے تمہارے قول میں "هُوَ الشُّجَاعُ وَالْجَوَّادُ" نیز کسی شاعر کا قول ہے:

اَبُو الْمَلِكِ الْقَرَمِ وَابْنُ الْهَمَامِ
وَلَيْثُ الْكَتِيْبَةِ فِي الْمُزْدَحَمِ

"ابو ملک بڑا سردار اور بڑے سردار کا بیٹا ہے اور میدان جنگ میں فوجی دستہ کا شیر ہے"۔

اور معنی یہ ہے کہ بیشک یہ لوگ ان سابقہ صفات کے اور اس صفت کے بھی جامع ہیں۔ ﴿ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ یعنی قرآن مجید اور اس سے تمام قرآن مراد ہے، صرف اس قدر نہیں جو ان کے ایمان لانے کے وقت سے پہلے نازل ہو چکا تھا

کیونکہ پورے قرآن پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کو فعل ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے اگر چہ قرآن کا بعض حصہ ابھی نازل نہیں ہوا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر موجود حصہ پر نازل شدہ موجود حصہ کو تغلیباً فعل ماضی سے ذکر کیا گیا یا اس لیے کہ بعض قرآن نازل ہو چکا تھا اور بعض کے نازل ہونے کا انتظار تھا لیکن پورے قرآن مجید کو نازل شدہ قرار دیا گیا (کیونکہ باقی کا نزول بھی یقینی تھا)۔
﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ گزشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل کی گئی تمام کتب مراد ہیں۔ ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ﴾ یہ ''اٰخِرَۃٌ'' کی مونث ہے اور ''اٰخِرٌ'' ''اَوَّلٌ'' کی ضد ہے اور یہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ ''اَلدَّار'' ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ''۔ (القصص:۸۳) اور یہ دنیا کی طرح صفات غالبہ میں سے ہے اور امام نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ اس طرح کہ ہمزہ کو حذف کر کے اس کی حرکت لام کو دے دی۔ ﴿هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ ''ایقان'' کہتے ہیں شک کے زائل ہو جانے کے بعد علم راسخ اور یقین محکم کو۔

۵۔ ﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى﴾ [یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اگر ''اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کو مبتدا قرار دیا جائے اور اس جملہ کو اس کی خبر قرار دیا جائے تو پھر یہ جملہ محلاً مرفوع ہوگا ورنہ اس کا کوئی محل نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے موصول کو متقین پر محمول کیا جائے اور دوسرے موصول کو مبتدا قرار دیا جائے اور ''اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى'' کو اس کی خبر بنا دیا جائے] اور صرف انہیں کو ہدایت وفلاح کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے (جو اہل کتاب آپ کی نبوت پر ایمان لائے) تاکہ ان اہل کتاب پر طعن و تشنیع کی جائے جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے مگر گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور امید یہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پالیں گے اور ''عَلٰى هُدًى'' میں حرف علیٰ کے معنی استعلاء کے ہیں جس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر متمکن ہو چکے ہیں اور اس پر غالب ہیں۔ اس میں اہل ایمان کی حالت کو اس شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کسی چیز پر سوار ہو اور وہ سواری اس کے مکمل کنٹرول میں ہو جیسے کہتے ہیں ''هُوَ عَلَى الْحَقِّ وَعَلَى الْبَاطِلِ. یعنی فلاں آدمی حق پر قائم ہے اور فلاں آدمی باطل پر قائم ہے'' اور انہوں نے گویا اپنے قول سے تصریح کی ہے کہ فلاں آدمی نے گمراہی کو اپنا مرکب بنا لیا ہے اور جہالت پر سوار ہو چکا ہے اور خواہشات کی راہ پر براجمان ہو چکا ہے اور ہدایت کا مطلب ہے کہ ﴿مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ انہیں ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔ ''هُدًى'' کو نکرہ لانے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ مطلق اور عظیم الشان ہدایت مراد لی جائے جس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی گویا کہا گیا کہ کس ہدایت پر ہیں جیسے ''لَقَدْ وَقَعْتُ عَلٰى لَحْمٍ اَیْ لَحْمٍ عَظِيْمٍ. یعنی میں نے بہترین گوشت حاصل کیا''۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ یعنی انہوں نے جو طلب کیا اس میں کامیاب ہو گئے اور جن چیزوں سے پرہیز کیا ان سے نجات پالی چنانچہ ''فَلَاحٌ'' کا معنی ہے: مطلوب کو حاصل کرنا اور ''مُفْلِحٌ'' کا معنی ہے: مطلوب کو پانے والا گویا ''مُفْلِحٌ'' وہ شخص ہے جس کے لیے کامیابی و کامرانی کے تمام دروازے کھل جائیں کیونکہ ''مُفْلِحٌ'' کا لغوی معنی ہے پھٹنے اور کھلنے والا' اسی طرح دیگر وہ الفاظ جو فا اور عین کلمہ کی جگہ میں اس کے ساتھ شریک ہیں جیسے ''فلق' فلذ' فلی'' [اور یہاں حرف عطف واؤ آیا ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝'' (الاعراف:۱۷۹) یعنی وہی لوگ چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں' وہی غافل ہیں۝'' کیونکہ یہاں دو مختلف خبریں (دنیا میں ہدایت کی خبر' آخرت میں نجات کی خبر) ہیں جو عطف کا تقاضا کرتی ہیں جب کہ وہاں چوپائیوں کے ساتھ تشبیہ اور غفلت میں دونوں خبریں متحد ہیں کیونکہ دوسری خبر پہلی کی تاکید ہے اس لیے عطف کی ضرورت نہیں اور یہاں جدا جدا خبریں ہیں اور عطف کا فائدہ یہ ہے کہ وہ دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد والا جملہ خبر ہے' صفت یا تاکید نہیں اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مسند کا فائدہ مسند الیہ کے لیے ثابت ہوتا ہے نہ کہ کسی غیر کے لیے یا وہ

(وَاُولٰٓئِكَ) مبتدا ہے اور ''مُفْلِحُوْنَ'' اس کی خبر ہے اور یہ جملہ ''اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ'' کی خبر ہے] بہرحال غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مختلف طریقوں سے تنبیہ کرتے ہوئے متقین کے لیے حاصل ہونے والی رشد و ہدایت اور فلاح ونجات کی تخصیص کو ثابت کیا ہے جسے کوئی اور حاصل نہیں کر سکا اور وہ اس طرح کہ اسم اشارہ کا ذکر مکرر کیا گیا ہے لہٰذا اس میں تنبیہ ہے کہ جس طرح متقین کے لیے ہدایت کے سبب عظمت و بزرگی حاصل ہوئی ہے اسی طرح قیامت کے روز یہ تعظیم وتکریم فلاح کے سبب بھی حاصل ہوگی اور ''اَلْمُفْلِحُوْنَ'' کو معرفہ لانے میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ متقی وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تمہیں (قرآن کے ذریعے) یہ خوشخبری مل چکی ہے کہ وہ آخرت میں یقیناً فلاح پائیں گے جس طرح تمہیں خبر ملے کہ تمہارے شہر کے ایک آدمی نے توبہ کر لی تو تم یہ معلوم کرو گے کہ وہ کون ہے؟ جب تمہیں کہا جائے کہ زید نے توبہ کر لی ہے یعنی اسی شخص نے توبہ کی ہے جس کی توبہ کی خبر تمہیں مل چکی ہے' پھر ''وَاُولٰٓئِكَ'' اور ''المفلحون'' کے درمیان (ھم ضمیر کا) فاصلہ اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے مراتب دکھائے اور انہوں نے جو کچھ طلب کیا ہے اس کو طلب کرنے کی تمہیں رغبت دلائے اور انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے اس کو آگے بھیجنے کا تمہیں شوق دلائے۔ اے اللہ! ہمیں تقویٰ کے لباس سے آراستہ فرما اور ہمارا حشر اسی جماعت میں فرمانا جن کے ذکر سے تو نے سورۃ البقرہ کا آغاز کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے اولیاء کرام کا ان صفات کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کے ذریعے وہ خدا کے مقرب بنے اور بیان فرمایا کہ یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے تو اس کے بعد ان کے اضداد کا (اپنے درج ذیل ارشاد میں) ذکر فرمایا ہے اور یہ وہ نافرمان وسرکش لوگ ہیں جن کو ہدایت ربانی نے نفع نہیں دیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ٘ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۷﴾

ع ۱

بے شک جو لوگ کفر میں پختہ ہو چکے ہیں ان کے لیے برابر ہے چاہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے O اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا (سخت) عذاب ہے O

کافروں کی صفات

۶- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ کفر کا معنی ہے: انکار کر کے حق کو چھپانا اور یہ ترکیب ستر کے معنی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کاشتکار اور رات کو عربی میں کافر کہا جاتا ہے (کیونکہ کاشتکار بیج کو زمین میں چھپاتا ہے جب کہ رات بھی پردہ پوش ہوتی ہے) اور یہاں حرف عطف نہیں لایا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ O وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ O (الانفطار: ۱۳-۱۴) بے شک نیک لوگ جنت میں ہوں گے O اور نافرمان جہنم میں ہوں گے O'' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پہلی عبارت قرآن مجید کی حقانیت وصداقت کے بیان کے لیے لائی گئی ہے' مومنوں کے اوصاف بیان کرنے کے لیے نہیں جب کہ یہاں دوسری عبارت بعض ہٹ دھرم اور ضدی کافروں کی خبر دینے کے لیے لائی گئی ہے' لہٰذا دونوں میں فرق ہے اور وہ دونوں عبارتیں اس طرز پر واقع ہیں کہ ان میں عطف کی گنجائش ہی نہیں رہی اگرچہ تقریر کا آغاز مسلسل رواں

طریقے سے کیا گیا ہے اور ''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' سے مراد وہ مخصوص و معین لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ۔ ﴿سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ﴾ [کوفیوں نے دونوں ہمزوں کے ساتھ قراءت کی ہے (جب کہ بعض قاریوں نے دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر پڑھا ہے اور بعض نے تسہیل کے ساتھ بین بین پڑھا ہے) ''سَوَآءٌ'' مصدر ہے اور ''استوا'' کے معنی میں ہے اور یہ طور وصف بیان کیا گیا ہے جس طرح دوسرے مصادر کے ساتھ موصوف لائے جاتے ہیں اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ'' (آل عمران: ۶۴) اس کا معنی ہے: یکساں برابر اور ایک جیسا اور یہ ''اِنَّ'' کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور ''ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے] گویا کہا گیا ہے کہ بے شک جو لوگ کفر میں مستحکم ہو چکے ہیں ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے (انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا' البتہ آپ کو تبلیغ پر اجرِ عظیم ملے گا) [یا ''سَوَآءٌ'' خبرِ مقدم ہے اور ''ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ'' مبتدا مؤخر ہے یعنی ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے اور یہ پورا جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور فعل کے ذریعے خبر دینا بھی جائز ہے اگر چہ یہ ایک دائمی خبر ہے کیونکہ یہ اس کلام کی جنس سے ہے جس میں لفظ کی جانب سے معنی کی جانب کا لحاظ کیا جاتا ہے اور یہاں ہمزہ اور ''اَمْ'' کے لفظ محض استوا کے معنی کے لیے استعمال کیے گئے ہیں اور دونوں استفہام (سوالیہ) کے معنی سے خالی ہیں۔ سیبویہ نے کہا: یہ حرف استفہام پر جاری کیے گئے ہیں لیکن استفہام کے معنی میں نہیں جس طرح تمہارے اس قول میں حرف ندا لایا گیا ہے: ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا اَیَّتُهَا الْعِصَابَةُ'' (یعنی اے اللہ اس جماعت کو بخش دے) یعنی استفہام کی صورت میں لائے گئے ہیں لیکن حقیقت میں استفہام کے لیے نہیں لائے گئے جس طرح ''اَیَّتُهَا'' حرفِ ندا کی صورت میں لایا گیا ہے' ندا کے معنی میں نہیں] اور ''اِنْذَار'' کا معنی ہے: گناہوں سے بچانے کے لیے دھمکی کے ذریعے کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا۔ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے یا ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور اس سے پہلے والا جملہ معترضہ ہے یا پھر یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے]' نیز کفر پر اصرار کرنے کے باوجود کفار کو ڈرانے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ان پر حجت قائم ہو جائے' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالتِ عامہ کا اظہار ہو جائے اور آپ کو تبلیغِ حق پر اجر و ثواب عطا کیا جائے۔

۷- ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ زجاج نے کہا: ''ختم'' کا معنی ہے: چھپانا کیونکہ کسی بھی معاہدہ کی کاپی پر مہر لگا کر اس کی تحریر کو مستور و محفوظ کر دیا جاتا ہے تا کہ اس پر کوئی مطلع نہ ہو سکے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' اب وہ کسی بھلائی کی بات کو نہیں سمجھ سکتے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دی ہے کہ نہ ان کے دلوں سے کفر نکل سکتا ہے اور نہ ایمان ان کے دلوں میں داخل ہو سکتا ہے اور ہمارے نزدیک مہر لگانے کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے دل پر ظلمت و تاریکی اور تنگی پیدا کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اس وقت تک ایمان نہیں لاتا جب تک وہ ظلمت و تاریکی اس کے دل میں قائم رہتی ہے جب کہ معتزلہ کے نزدیک انسانوں کے دلوں پر شقاوت کا محض نشان لگا دیا جاتا ہے جس کے سبب فرشتوں پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کافر ہیں' پس وہ ان پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے لیے دعائے خیر نہیں کرتے اور حقیقت میں مہر لگانے والے خود کافر ہیں مگر چونکہ کافر کو قدرت و اختیار اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اس لیے مہر لگانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے گویا فعل کی نسبت سبب کی طرف کی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''فلاں حاکم نے شہر تعمیر کیا'' (حالانکہ تعمیر کرنے والے مستری اور مزدور ہوتے ہیں) [اور چونکہ فعل کے متعلقات مختلف ہوتے ہیں فاعل' مفعول بہٖ' مصدر' ظرف زمان اور ظرف مکان سب فعل کے متعلقات ہیں لیکن فاعل کی طرف فعل کا اسناد حقیقی ہوتا ہے

جب کہ باقی چیزوں کی طرف مجازی اسناد ہوتا ہے' کیونکہ یہ اشیاء فاعل کے ساتھ فعل کے تعلق میں مشترک ہیں] جیسے آدمی شجاعت و بہادری میں شیر کے ساتھ شریک ہوتا ہے اس لیے آدمی کے لیے شیر کا نام مستعار لیا جاتا ہے (اور کہا جاتا ہے: فلاں آدمی شیر ہے) اور یہ خلق افعال کے مسئلہ کی فرع ہے (یعنی تمام کائنات کی طرح تمام افعال کا خالق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے' بندہ اپنے افعال کا صرف کاسب ومختار ہوتا ہے)۔ ﴿وَعَلٰى سَمْعِهِمْ﴾ یہ ''سَمْعٌ'' واحد لایا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل قول میں بطن کو واحد لایا گیا ہے: ''كُلُوْا فِيْ بَعْضِ بَطْنِكُمْ تَعْفُوْا. یعنی اپنے پیٹ کو کھانا کھلاؤ (مگر زیادہ کھا کر اسے) سزا نہ دو''۔ ایک تو اس لیے کہ التباس کا اندیشہ نہیں ہے اور دوسرا اس لیے کہ ''سَمْعٌ'' اصل میں مصدر ہے' کہا جاتا ہے ''سَمِعْتُ الشَّيْءَ سَمْعًا وَسَمَاعًا'' اور مصدر کی جمع نہیں لائی جاتی اور تیسرا اس لیے کہ یہ اسم جنس ہے جو قلیل وکثیر سب پر بولا جاتا ہے اور اس کو تثنیہ اور جمع کی ضرورت نہیں رہتی' پس اصل کا لحاظ کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مضاف محذوف ہے یعنی ''وَعَلٰى مَوَاضِعِ سَمْعِهِمْ'' ہے اور اس کو ''وَعَلٰى اَسْمَاعِهِمْ'' بھی پڑھا گیا ہے۔ ﴿وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ [اور جار مجرور محلاً مرفوع ہے اور خبر مقدم ہے اور ''غِشَاوَةٌ'' مبتدا موخر ہے] اور بصر آنکھ کے نور کو کہتے ہیں یعنی جس کے ساتھ چیزوں کو دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بصیرت دل کے نور کو کہتے ہیں یعنی جس کے ساتھ دل سے سوچا اور دیکھا جاتا ہے گویا وہ دونوں لطیف جوہر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کان اور قلب میں پیدا فرما دیا ہے اور ''غِشَاوَةٌ'' فعل ماضی ''غَشَا'' سے ''فِعَالَةٌ'' کے وزن پر مصدر ہے جس کا معنی ہے: پردہ اور چھپانا اور یہ لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو کسی چیز کو محیط ہو جیسے دوپٹہ' پگڑی اور ٹوپی اور کان مہر کے حکم میں داخل ہیں' پردہ کے حکم میں نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً. (الجاثیہ:۲۳) اور اللہ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے'' کیونکہ وہ اپنے کانوں کی کیفیت کو جانتے تھے مگر اپنے دلوں کی کیفیت کو وہ نہیں جانتے تھے [اور ''غِشَاوَةً'' کو ''جَعَلَ'' فعل مصدر کے سبب منصوب بھی پڑھا گیا ہے] (یعنی وَجَعَلَ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةً) اور ''وَعَلٰى سَمْعِهِمْ'' میں حرف جار کو مکرر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں جگہوں پر سخت ترین مہر لگا دی گئی ہے۔ شیخ امام ابومنصور بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کافر نے قولِ حق یعنی حق بات کو نہ سنا اور اپنی ذات میں اور دیگر مخلوقات میں غور وفکر نہ کیا تا کہ حدوث کے آثار دیکھ لیتا اور یقین کر لیتا کہ ان سب چیزوں کا خالق ہے تو اللہ تعالیٰ نے گویا اس کی آنکھ اور کان پر پردہ ڈال دیا اگر چہ یہ حقیقت نہیں اور اس کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک کان پردہ کے حکم میں داخل ہیں اور یہ آیتِ مبارکہ مسئلہ اصلح میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے (معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ بندوں کی بھلائی کے کام کرتا ہے نقصان کے نہیں) کیونکہ اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کافروں کے حق میں مہر نہ لگانا بھلائی ہے جب کہ مہر لگانا نقصان ہے (تو ثابت ہو گیا کہ نفع ونقصان سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے البتہ ادباً نقصان و برائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی بجائے اپنی طرف کی جائے)۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ عذاب کا لفظ معنی اور صیغہ کے اعتبار سے ''نَكَالٌ'' کی طرح ہے (یعنی عبرت ناک سزا دینا' اس کا معنی روکنا اور باز رکھنا بھی آتا ہے) اس لیے کہ جب کوئی کسی چیز سے روک دیا جائے تو تم کہتے ہو: ''اَعْذَبُ عَنِ الشَّيْءِ. یعنی فلاں چیز سے زیادہ روکنے والا ہے'' جس طرح کہو: ''نُكِلَ عَنْهُ. فلاں آدمی کو اس سے روک دیا گیا'' اور عظیم اور کبیر میں فرق یہ ہے کہ عظیم حقیر کے مقابلہ میں آتا ہے اور کبیر صغیر کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے گویا عظیم کبیر سے بڑھ کر ہے جس طرح حقیر صغیر سے کمتر ہے اور یہ دونوں اجسام واحوال میں استعمال ہوتے ہیں جیسے کہا جائے: ''رَجُلٌ عَظِيْمٌ كَبِيْرٌ'' تو

اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ فلاں آدمی جسم اور شان دونوں میں بڑا ہے اور عذاب کو نکرہ لانے کا معنی یہ ہے کہ ان کی آنکھوں پر کوئی ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جس کو لوگ نہیں جانتے اور وہ آیات الٰہی سے اندھے پن کا پردہ ہے اور ان کے لیے بڑے بڑے مصائب و آلام میں سے کوئی بڑا عذاب ہوگا جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝١١ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝١٢

وقف لازم

اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O وہ اللہ اور ایمان والوں کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہ (حقیقت میں) فریب نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے O ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے O اور جب ان سے کہا جاتا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں O سنو! بے شک وہی فسادی ہیں لیکن ان کو شعور نہیں O

منافقین کی صفات

٨- ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے دین اور ایمان کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے قبول کیا اور اس میں ان کے دل اور زبان موافق ہو گئے' جو زبان نے کہا دل نے اس کی تصدیق کی' پھر ان کافروں کا ذکر فرمایا جنہوں نے زبان اور دل دونوں سے دینِ حق کا انکار کیا' پھر تیسری قسم منافقوں کی بیان فرمائی جنہوں نے زبان سے اسلام کی حقانیت کا اقرار کیا مگر دل سے انکار کیا اور ان کے دلوں نے زبان کی تصدیق نہیں کی اور وہ کافروں سے بڑھ کر خبیث و ناپاک ہیں کیونکہ انہوں نے دھوکہ دینے اور مذاق اڑانے کی نیت سے کفر کے ساتھ ایمان کی آمیزش کی اس لیے ان کے بارے میں (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی ہے: "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (النساء:١٤٥) یعنی بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے" حضرت مجاہد نے فرمایا: اس سورت کے شروع میں چار آیات مومنوں کی تعریف میں' پھر دو آیات کافروں کے ذکر میں اور پھر تیرہ آیات منافقوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کی دھوکہ دہی' خباثت' حماقت' جہالت' ہنسی مذاق و سرکشی میں بھٹکنا اور دیگر عیوب بیان فرمائے' نیز ان کو بہرا' گونگا اور اندھا قرار دیا اور ان کے لیے نہایت بدترین مثالیں بیان فرمائیں [اور منافقوں کے قصے کو کافروں کے قصے پر عطف کیا گیا ہے جیسا کہ ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف کیا جاتا ہے اور "نَاسٌ" کی اصل "اُنَاسٌ" ہے' اس کا ہمزہ تخفیف کے لیے لازمی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے جس طرح لام تعریف کے

ساتھ والا ہمزہ حذف کر دیا جاتا ہے چنانچہ ''اَلْاُنَاسُ'' نہیں کہا جاتا] اور اس کے اصل ہونے کی شہادت ''اِنسان' اُناسی'' اور ''اِنس'' کے الفاظ ہیں اور انسانوں کو ناس اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب کے سامنے ظاہر و عیاں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے انس و محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو نظر آتے ہیں جب کہ جنوں کو اس لیے جن کہا جاتا ہے کہ وہ نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں [اور ''نَاسٌ'' ''فُعَالٌ'' کے وزن پر ہے کیونکہ وزن میں کلمہ کے اصل کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ''قِ'' کا وزن ''اِفْعِلْ'' ہے حالانکہ اس میں صرف عین کلمہ باقی رہ گیا ہے اور یہ اسم جمع ہے کیونکہ اس کا تعلق اسماء جمع سے ہے اور اس میں لام تعریف جنس کا ہے اور اس کے بعد ''مَنْ'' موصوفہ ہے اور اس کے بعد ''یَقُوْلُ'' اس کی صفت ہے] گویا کہا گیا ہے کہ لوگوں میں سے کچھ لوگ اس طرح کہتے ہیں اور منافقوں نے اپنے ظاہری ایمان کو اللہ اور آخرت کے دن کے ساتھ مخصوص کر دیا جب کہ آخرت کے دن سے مراد وہ وقت ہے جس کی کوئی حد نہیں' وہ ابدی اور دائمی وقت ہے نہ ختم ہونے والا وقت' اس کو آخر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ تمام اوقات دنیوی کے بعد آئے گا یا اس سے حشر و نشر کا وہ مخصوص وقت مراد ہے جس میں حساب و کتاب ہوگا یہاں تک کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور منافقوں نے اپنے دعویٰ میں یہی خیال کیا ہے کہ انہوں نے ایمان میں اول و آخر دونوں جانبوں کا احاطہ کر لیا ہے اور یہ اس لیے کہ اعتقادی مسائل کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: مسائل مبدا اور مسائل معاد اور مسائل مبدا سے مراد کائنات کے خالق و مالک اور صانع کی معرفت اور اس کے اسماء و صفات کی معرفت ہے اور مسائلِ معاد سے حشر و نشر کے وقوع پذیر ہونے اور قبروں سے اٹھنے' پل صراط سے گزرنے' میزان کے قائم ہونے اور دیگر احوالِ آخرت کو جاننا مراد ہے اور حرف با کو مکرر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے دونوں ایمانیات میں سے ہر ایک پر درستگی و صحت اور مضبوطی کے ساتھ ایمان رکھنے کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ جس میں فاعل کی حالت کو ذکر کیا گیا ہے فعل کی نہیں' منافقوں کے قول ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ'' کے مطابق ہے جس میں انہوں نے فعل کی حالت کا ذکر کیا ہے' فاعل کی نہیں کیونکہ مقصد تو ان کے دعویٰ کی تردید کرنا ہے اور فصیح و بلیغ اور موکد طریقہ پر ان کے دعویٰ کی نفی کرنا مقصود ہے اور وہ ہے ان کی ذوات کو مسلمانوں کی جماعت سے خارج کرنا اور اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا. (المائدہ:٣٧) یعنی کافر جہنم کی آگ سے نکلنا چاہیں گے مگر وہ نہیں نکل سکیں گے''۔ یہ ''وَمَا يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا'' سے زیادہ بلیغ ہے اور دوسرے جملہ یعنی جواب میں مطلق ایمان کی نفی کی گئی ہے جب کہ پہلے جملہ یعنی منافقوں کے دعویٰ میں مقید ایمان کا ذکر ہے اس لیے ایک احتمال یہ ہے کہ ''وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ'' میں مقید ایمان کی نفی مراد ہے جو ان کے دعویٰ میں مذکور ہے۔ اسی بناء پر دوسرے جملہ میں قید کو ترک کر دیا گیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اصل ایمان کی نفی مراد ہے اور اسی کے ضمن میں مقید ایمان (صرف اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان) کی بھی نفی ہو جائے گی اور یہ آیتِ مبارکہ کرامیہ فرقہ کے قول کی نفی کر رہی ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام ہے اور کچھ نہیں کیونکہ منافقوں کے زبانی اقرار کے باوجود یہ آیتِ مبارکہ ان کے ایمان کی نفی کر رہی ہے اور یہ آیتِ مبارکہ اہل سنت کے قول کی تائید کر رہی ہے کہ ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل میں اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے' فقط زبان سے اقرار کافی نہیں [اور ''ما'' نافیہ کی خبر پر حرف با داخل کر کے نفی کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ پہلے کلام سے بے خبر سامع بھی اس کے ذریعے نفی پر استدلال کر سکتا ہے اور (''مَنْ يَّقُوْلُ'' میں) لفظ ''من'' لفظی اعتبار سے واحد ہے اس لیے اس کے بعد ''يَقُوْلُ'' فعل واحد لایا گیا ہے اور معنوی اعتبار سے ''مَنْ'' جمع ہے اس لیے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے ''وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ'' میں ''هم'' ضمیر اور مومنین اسم فاعل جمع کر کے لائے گئے ہیں]۔

۹۔﴿ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ دراصل "یُخَادِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ" ہے یعنی منافق رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ" (یوسف:۸۲) اصل میں "اَهْلَ الْقَرْيَةِ" ہے یعنی بستی والوں سے پوچھیے۔ اسی طرح ابو علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے یعنی جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا ہے اس کے برخلاف زبان سے ظاہر کرتے ہیں' چنانچہ "خداع" کا معنی ہے: دل کی بات کے خلاف ظاہر کرنا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی منزلت وشان کو بلند فرما دیا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریب کاری کو اپنے ساتھ فریب کاری قرار دیا ہے یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ. (الفتح:۱۰) بے شک جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے" اور ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ منافق اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کیونکہ ان کا اپنا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور یہ مثال بہت سے لوگوں کے لیے واقع ہوتی رہتی ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ "عَاقَبْتُ اللِّصَّ. میں نے چور کو سزا دی" اور ایک دوسری قراءت میں "یَخْدَعُوْنَ اللّٰهَ" بھی پڑھا گیا ہے اور یہ "یَقُوْلُ" کا بیان ہے یا یہ جملہ مستانفہ (یعنی نیا جملہ) ہے گویا کہا گیا کہ یہ لوگ جھوٹ بول کر ایمان کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں اور اس میں ان کا کیا فائدہ ہے؟ جواب میں کہا گیا ہے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور اس میں ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ جنگ نہ کی جائے جس طرح ان کے علاوہ دوسرے کافروں کے ساتھ کی جاتی ہے اور ان پر بھی وہی احکام جاری وساری کیے جائیں جو مسلمانوں پر جاری کیے جاتے ہیں اور ان کو بھی مالِ غنیمت وغیرہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح حصہ ملتا ہے اور وقف کرنے والوں نے کہا: یہاں "بِمُؤْمِنِیْنَ" پر وقف کرنا لازم ہے ورنہ وصل کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ منافق دھوکہ دینے والے مسلمان نہیں ہیں' اس طرح ان کے ایمان کی نفی نہیں ہوگی بلکہ دھوکہ دینے کی نفی ہوگی' لہٰذا وصل کو ترک کیا جائے گا اور وقف لازماً کیا جائے گا جیسے تمہارا یہ قول کہ "مَا هُوَ بِرَجُلٍ كَاذِبٍ یعنی وہ شخص جھوٹا نہیں ہے" حالانکہ آیت کا مقصد ان سے ایمان کی نفی کرنا ہے اور ان کے لیے دھوکہ دہی اور فریب کاری کو ثابت کرنا ہے اور جس نے "یُخَادِعُوْنَ" کو "یَقُوْلُ" کی "هُوَ" ضمیر سے حال بنایا ہے اس نے "یقول" کو اس کا عامل قرار دیا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہوگی: "یَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ مُخَادِعِیْنَ. یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی بات دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں" اور جس نے اس کو "بِمُؤْمِنِیْنَ" کی ضمیر سے حال بنایا ہے اس نے اسم فاعل یعنی مومنین کو اس کا عامل قرار دیا ہے اور اب معنی یہ ہوگا کہ وہ دھوکہ دینے کی حالت میں مومن نہیں رہتے' اب اس صورت میں وقف کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور پہلی وجہ ہی درست ہے۔﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یعنی منافق کفر کو چھپا کر اور ایمان کو ظاہر کر کے رسول اکرم ﷺ اور دیگر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔﴿ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ﴾ یعنی جو دھوکہ دہی اور فریب کاری کا معاملہ منافقین پیغمبر اعظم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں در حقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ اس کا نقصان انہیں کو پہنچے گا اور ان کی دھوکہ دہی کا انجام آخرت میں عذاب ہے جو ان کو پہنچے گا' لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو دھوکہ دیا کسی اور کو نہیں [امام نافع اور ابو عمرو بصری اور ابن کثیر مکی نے پہلے جملے کی مطابقت میں اس کو "وَمَا یُخَادِعُوْنَ" پڑھا اور پہلے دو قاریوں نے یہ سبب بیان کیا ہے کہ "خَدَعَ" اور "خَادَعَ" دونوں کا ایک معنی ہے] اور نفس کا معنی ذات' روح اور حقیقت ہے' پھر اس کو دل اور روح کے معنی میں بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ نفس ان دونوں کے لیے آتا ہے اور خون کو بھی نفس کہتے ہیں کیونکہ نفس کا قیام خون کے ساتھ وابستہ ہے اور پانی کو بھی نفس کہا جاتا ہے کیونکہ نفس کو اس کی شدید ضرورت ہوتی ہے اور یہاں "اَنْفُس" سے مراد ان کی ذوات ہیں اور معنی یہ ہے

کہ وہ اپنی اپنی ذات کو دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ دھوکہ انہیں پہنچے گا' ان سے گزر کر کسی غیر کو نہیں پہنچے گا۔ ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ بے شک دھوکہ دہی کا عذاب انہیں کو پہنچے گا اور شعور کا معنی ہے: کسی چیز کو جاننا اور جو کپڑا جسم سے لپٹا ہوا ہو اس کو شعار کہتے ہیں اور انسان کے حواس کو ''مشاعرِ انسان'' کہا جاتا ہے کیونکہ یہ علم وشعور کے آلات ہیں اور معنی یہ ہے کہ اس کا ضرران کو محسوس کی طرح پہنچے گا اور وہ غفلت میں سرکشی کی وجہ سے اس آدمی کی طرح ہیں جس کے لیے حس وشعور اور علم نہیں ہے۔

۱۰- ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ یعنی ان کے دلوں میں شک ونفاق ہے اور دو چیزوں کے درمیان میں تردد کو شک کہتے ہیں اور منافق لوگ کفر وایمان میں متردد رہتے تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ منافق کی مثال اس بکری کی مانند ہے جو دو بکریوں کے درمیان کھڑی ہو اور پریشان ہو کہ اس بکری کے پاس جاؤں یا اس بکری کے پاس جاؤں اور اسی طرح مریض بھی موت وحیات کے درمیان پریشان رہتا ہے کیونکہ مرض صحت کی ضد ہے جب کہ فساد صحت کا متضاد ہے' اس لیے ہر قسم کے فساد کو مرض کہا جاتا ہے اور شک اور نفاق دل کا فساد ہے۔ ﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں سے انتقام لینے اور ان پر غلبہ پانے سے کمزور کر دیا اور اقتدار سے انہیں عاجز کر دیا جس کے سبب نفاق کا مرض اور زیادہ ہو گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفاق کی مختلف صورتیں پیدا کر کے ان میں مزید نفاق پیدا کرنا مراد ہے جیسا کہ ایمان کے اضافہ میں مشہور ہے (کیونکہ آیات الٰہی کے نزول اور اسلام کی روز بروز ترقی سے منافقوں کا نفاق زیادہ ہوتا اور اہل ایمان کا ایمان ترقی پذیر ہوتا)۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ یہاں ''فَعِيْلٌ'' بہ معنی ''مُفْعِلٌ'' ہے یعنی ''اَلِيْمٌ'' بہ معنی ''مُؤْلِمٌ'' ہے یعنی دکھ اور درد دینے والا عذاب ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ کوفیوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی منافق اپنے قول میں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے ہیں جھوٹے ہیں اور چونکہ ما مصدریہ ہے اس لیے فعل بہ معنی مصدر ہے اور کذب کا مطلب ہے: خلاف واقع بات کرنا یا خلافِ واقع خبر دینا' [نیز کوفیوں کے علاوہ باقی قاریوں نے ''يُكَذِّبُوْنَ'' یعنی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے] جس کا مطلب ہے کہ منافقوں نے حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت ورسالت اور جو کچھ وحی کے ذریعہ تعلیمات الٰہی لے کر آئے ہیں سب کی تکذیب کی اور جھٹلا دیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کذب وجھوٹ میں مبالغہ ہے جس طرح صدق میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''صَدَّقَ. اس نے خوب سچ بولا ہے'' ان دونوں کی نظیر یہ ہے: ''بَانَ الشَّيْءُ وَبَيَّنَ. یعنی فلاں چیز ظاہر ہو گئی اور خوب واضح ہو گئی ہے''۔

۱۱- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ [اس کا ''يَكْذِبُوْنَ'' پر عطف کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ''يَقُوْلُ اٰمَنَّا'' پر معطوف کیا جائے کیونکہ اگر یوں کہا جائے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ'' ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ تو یہ صحیح ہو گا] اور معنی یہ ہو گا کہ کچھ لوگ وہ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ (تو کہتے: ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں) اور فساد کا معنی ہے: کسی چیز کا اپنی صحیح اور درست حالت سے نکل جانا اور نفع بخش نہ ہونا اور اس کی ضد اصلاح ہے جس کا مطلب ہے: کسی چیز کا اپنی صحیح اور مفید حالت میں ہونا اور زمین میں فساد کرنا یہ ہے کہ جنگ وجدل اور فتنہ ولڑائی کی تحریک پیدا کرنا اور لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے لڑانا کیونکہ اس طرح کرنے سے زمین میں فتنہ وفساد شروع ہو جاتا ہے اور لوگوں کا سکون برباد ہو جاتا ہے' دینی ودنیوی منافع اور سرسبز وشاداب کھیتیاں تباہ ہو جاتی ہیں اور زمین میں منافقوں کا فساد کرنا یہ تھا کہ یہ کافروں سے دوستی کرتے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتے اور ان کے سامنے مسلمانوں کے راز فاش کر دیتے تھے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے اور ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکساتے رہتے۔ یہ وہ کرتوت ہیں جو ان کو فتنہ وفساد اور جنگ وجدل کی نوبت تک پہنچا دیتے۔ ﴿قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ وہ کہتے کہ ہم تو رواداری اور صلح

کلی کے ساتھ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان اصلاح کرنے والے ہیں اور فساد کی وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کے بغیر اور داغدار کرنے والے کسی بھی شک وشبہ کے بغیر مصلحین کی خوبی اور صفت صرف اور صرف ہمارے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ''اِنَّمَا'' کا لفظ حکم کو کسی چیز کے ساتھ یا کسی چیز کو حکم کے ساتھ خاص کرنے کے لیے آتا ہے جیسے تمہارا قول کہ ''اِنَّمَا یَنْطَلِقُ زَیْدٌ وَاِنَّمَا زَیْدٌ کَاتِبٌ یعنی صرف زید بولتا ہے اور زید ہی کاتب ہے'' اور حرف ما کافہ ہے جس نے ''اِنَّ'' کے عمل کو روک دیا۔

۱۲-﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴾ کہ بے شک وہ خود ہی فساد برپا کرنے والے ہیں [اور یہاں مفعول بہ کو حذف کر دیا گیا ہے ''اَلَا'' مرکب ہے ہمزہ استفہام اور حرف نفی سے تاکہ اپنے بعد والے کلام کے ثبوت پر تنبیہ کا معنی دے اور جب حرف استفہام نفی پر داخل ہوتا ہے تو تحقیق وثبوت کے معنی کا افادہ دیتا ہے] جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ. (القیامۃ:۴۰) یعنی کیا وہ اس پر قادر نہیں''، چونکہ یہ اس مقام پر تحقیق کے معنی کے لیے آتا ہے اس لیے اس کے بعد جو جملہ آتا ہے وہ قسم کے معنی کو متضمن ہو کر شروع ہوتا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اصلاح پسندی کے دعویٰ کی نہایت بلیغ انداز میں تردید فرمائی ہے اور ان پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور نرالے انداز سے اس میں خوب مبالغہ فرمایا' چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے شروع میں حرف ''اَلَا'' اور حرف ''اِنَّ'' تاکید کے لیے لایا' نیز خبر کو معرفہ لایا اور مبتدا وخبر کے درمیان ''هُمْ'' ضمیر لایا' آخر میں ''لَا يَشْعُرُوْنَ'' فرما کر ان کے دعویٰ کی خوب تردید فرمائی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

اور جب ان سے کہا جاتا: ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے تو کہتے: کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے' سنو! بے شک وہی بے وقوف ہیں اور لیکن وہ جانتے نہیں O اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے تو کہتے: ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے تو کہتے: ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو (ان کے ساتھ) صرف مذاق کرتے ہیں O اللہ ان کو ان کے مذاق کی سزا دے رہا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں O یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے O

۱۳-﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ﴾ منافقوں کو دو طرح سے نصیحت

کی گئی ہے ایک یہ کہ جس حالتِ نفاق پر وہ قائم تھے اس پر ان کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ راہِ حق سے دور اور فساد کا موجب تھی اور دوسری وجہ یہ کہ ان کو وہ سیدھا اور مضبوط راستہ دکھایا گیا ہے جس پر عقلمند اور اہل بصیرت گامزن تھے اور انہیں اہل حق کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے مگر ان کا یہ جواب کہ وہ بے وقوف ہیں انتہائی جہالت وسرکشی کی وجہ سے تھا اور اس میں عالم دین کے لیے تسلی وتشفی ہے جو اس کو جہلا کی طرف سے سامنا کرنا پڑتا ہے [باقی رہی یہ بات کہ یہاں ''قِیْلَ'' کا اسناد ''لَا تُفْسِدُوْا'' اور ''اٰمِنُوْا'' کی طرف کر دیا گیا ہے جب کہ فعل کا اسناد فعل کی طرف صحیح نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں لفظِ فعل کی طرف اسناد کیا گیا ہے جب کہ فعل کے معنی کی طرف کسی فعل کا اسناد ممنوع ہے اور فعل کے لفظ کی طرف کسی فعل کا اسناد منع نہیں گویا یوں کہا گیا: ''وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ هٰذَا الْقَوْلُ'' مگر انہوں نے کذب بیانی اور جھوٹ کو سواری بنالیا اور ''کَمَا'' میں حرف ''ما'' کافہ ہے جس طرح ''رُبَمَا'' میں ہے یا ''ما'' مصدریہ ہے جس طرح ''بِمَا رَحُبَتْ'' (التوبہ:۲۵) میں ہے اور ''اَلنَّاس'' میں لام عہد کا ہے] یعنی جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ایمان لائے اور وہ حضرات مشہور ومعروف ہیں یا اس سے حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ کی جماعت مراد ہے یعنی جس طرح تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی ایمان لائے ہیں (اسی طرح تم بھی ایمان لاؤ) یا ''لام'' جنس کا ہے یعنی جس طرح انسانیت میں کامل حضرات ایمان لائے یا درحقیقت صرف مسلمانوں کو انسان قرار دیا گیا اور ان کے علاوہ باقی سب جانوروں کی طرح ہیں [اور ''کَمَا'' میں حرف کاف نصب کے محل میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ''اِیْمَانًا مِثْلَ اِیْمَانِ النَّاسِ'' اور اسی طرح: ''کَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ'' میں کاف محلاً منصوب ہے اور ''اَنُؤْمِنُ'' میں استفہام کا ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ''اَلسُّفَهَآءُ'' میں الناس کی طرف اشارہ ہے] اور منافقوں نے مسلمانوں کو بے وقوف کہا حالانکہ وہ عقل منداور دانش ور حضرات تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ منافقین نے اپنی جہالت سے یہ یقین کر لیا کہ جو بات ان میں ہے وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے اور دراصل جو آدمی باطل کے راستے پر سوار ہو جاتا ہے وہی بے وقوف ہے اور ''سَفَهٌ'' عقل اور حلم کی کمی کو کہتے ہیں۔

﴿ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴾ کہ بے شک وہ خود ہی بے وقوف ہیں اور بلاشبہ یہاں ''لَا یَعْلَمُوْنَ'' اور اس سے پہلے ''لَا یَشْعُرُوْنَ'' کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ سفاہت دراصل جہالت ہے اس لیے اس کے ساتھ علم کا ذکر ہی زیادہ بہتر ہے اور اس لیے بھی کہ ایمان میں نظر واستدلال کی ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ نظر کرنے والا ایمان کی معرفت حاصل کر لیتا ہے لیکن زمین میں فساد کرنا یہ معاملہ عادات پر مبنی ہے پس وہ محسوس کی طرح ہے [اور ''اَلسُّفَهَآءُ'' ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور ''هُمْ'' فصل کے لیے ہے یا پھر ''هُمْ'' مبتدا ہے اور ''اَلسُّفَهَآءُ'' اس کی خبر ہے اور جملہ بن کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے]۔

۱۴- ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ﴾ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''وَاِذَا لَاقُوْا'' پڑھا ہے اور جب تم نزدیک ہو کر کسی کا استقبال کرتے ہو تو کہا جاتا ہے: ''لَقِیْتُهٗ وَلَا قِیْتُهٗ'' اور پہلی آیت میں منافقین کا عقیدہ اور ان کا نفاق بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ عمل و دخل اور برتاؤ' ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا اور مختلف چہروں سے ملاقات کرنا اور ان کے سامنے اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنا اور ان کے ذہن میں یہ بات ڈالنا کہ یہ ان کے ساتھ ہیں' بیان کیا گیا ہے۔ ﴿ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ﴾ ''خَلَوْا'' کا معنی ہے: خلوت نشینی اختیار کرنا یعنی کسی کے ساتھ الگ ہونا' چنانچہ جب کوئی کسی کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کرتا ہے تو کہتا ہے: ''خَلَوْتُ بِفُلَانٍ'' یعنی میں نے فلاں آدمی سے تنہائی میں ملاقات کی' اور حرف ''اِلٰی'' کے ساتھ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں ابتدا اور انتہا دونوں پر دلالت ہوتی ہے یعنی جب منافقین مسلمانوں سے الگ ہو کر اپنے شیطانوں یعنی سرداروں کو تنہائی میں ملتے ہیں (تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں) اور یہ بھی

جائز ہے کہ ''خَلَا'' بہ معنی ''مضی'' ہو اور شیاطین سے وہ لوگ مراد ہوں جو سرکشی اور نافرمانی میں شیطانوں کی مثل ہو گئے ہوں اور وہ یہود ہیں [اور سیبویہ کے نزدیک شیاطین میں ''نون'' اصلی ہے' اس کی دلیل اہل عرب کا یہ قول ہے ''تَشَیْطَنَ'' اور یہ ''شطن'' سے مشتق ہے] جس کا معنی ہے: دور ہونا' چونکہ شیطان اور اس کے پیروکار بھلائی اور اصلاح کے کاموں سے دور رہتے ہیں اس لیے انہیں شیاطین کہا جاتا ہے اور انہیں کا ایک قول یہ ہے کہ ''نون'' زائدہ ہے اور ''شَاطَ'' سے بنا ہے جس کا معنی ہے: خراب ہونا اور باطل ہونا اور اس کے ناموں میں ایک نام باطل ہے ۔ ﴿قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ﴾ یعنی بے شک ہم تو تمہارے دوست اور ساتھی ہیں اور تمہارے دین میں ہم تمہارے ساتھ موافق ہیں اور منافقین مسلمانوں سے جملہ فعلیہ کے ساتھ مخاطب ہوئے اور اپنے سرداروں سے جملہ اسمیہ کے ساتھ مخاطب ہوئے جو حرف ''اِنَّ'' کے ساتھ محقق ہے اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں سے خطاب میں ''اٰمَنَّا'' کہہ کر صرف اپنے ایمان کے حدوث (وقتی ایمان لانے) کا دعویٰ کیا ہے' دوام واستمرار کا نہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے اظہار میں مستقل توحید کے اقرار کا دعویٰ نہیں کیا یا اس لیے کہ ان کے دل اس میں ان کی موافقت و معاونت نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کے باطل عقائد میں ایسا کوئی محرک و باعث نہیں تھا اور یا اس لیے کہ اگر منافقین اپنے دعویٰ میں تاکید اور مبالغہ کے الفاظ استعمال کر بھی لیتے تو بھی ان کی بے ایمانی مسلمانوں سے مخفی نہ رہتی کیونکہ مسلمان بھلا ان سے ایمان کی توقع کس طرح کرتے جب کہ ان کی منافقانہ چالیں مہاجرین و انصار کے سامنے عیاں تھیں لیکن انہوں نے اپنے قومی و مذہبی بھائیوں کو برضا و رغبت مخاطب کیا تھا اور ان کی طرف سے یہ مقبول ترین دعویٰ تھا مگر چونکہ ان کا یہ دعویٰ ظاہر کے خلاف اور مخفی تھا (کیونکہ یہ لوگ بظاہر کلمہ توحید پڑھ چکے تھے) اس لیے ان کا کلام تحقیق و تاکید کا متقاضی تھا ﴿اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِنَّا مَعَكُمْ'' کی تاکید ہے کیونکہ اس کا معنی یہودیت پر قائم رہنا ہے اور انہوں نے ''اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' کہہ کر اسلام کی تردید کی اور اپنی طرف سے ان کے سامنے دفاع کیا کیونکہ کسی چیز کا مذاق اڑانے والا اس چیز کی تحقیر کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے اور اس کے معتبر و مسلم ہونے کی تردید کرتا ہے اور کسی چیز کی نقیض کی تردید اس چیز کے ثبوت کی تاکید ہوتی ہے یا خود اس چیز کا از سر نو ثبوت ہوتا ہے گویا جب منافقین نے اپنے سرداروں سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو انہوں نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو پھر مسلمانوں کی موافقت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو ان سے صرف ''استہزا'' کرتے ہیں اور ''استہزا'' کا معنی ہے: ہنسی مذاق کرنا اور ''استہزا'' ''هَزْءٌ'' سے مشتق ہے جس کا اصل معنی خفت و حقارت ہے اور یہ ایک زہریلا قتل ہے اور ''هَزَءَ يَهْزَءُ'' کا ایک معنی گھر میں مرنا ہے۔

۱۵- ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ منافقوں کو ''استہزا'' کی سزا دے گا' یہاں جزا کو ''استہزا'' کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' (الشوریٰ:۴۰) برائی کا بدلا اسی طرح کی برائی ہے'' دوسرا ارشاد ہے: ''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ'' (البقرہ:۱۹۴) پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر زیادتی کرو'' ان آیات میں برائی کے بدلے کو برائی اور زیادتی کے بدلے کو زیادتی قرار دیا گیا ہے حالانکہ بدلا لینا نہ برائی ہے اور نہ زیادتی ہے (صرف مشاکلت و مشابہت کی بناء پر کہا گیا ہے) اور یہ اس لیے ہوا کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے ''استہزا'' فرمانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک بے کار' بے ہودہ اور لغو فعل ہے جس سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ یہ پسندیدہ ترین وجہ ہے' دراصل اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'' کو بغیر عطف کے انتہائی عظمت و جلالت کے موقع پر بہ طور نئے جملہ کے بیان کیا گیا ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا ''استہزا'' فرمائے گا جو ان کے

"استھزا" سے کہیں زیادہ بلیغ اور بہتر ہوگا (کیونکہ منافقین کا "استھزا" لغو اور بے کار تھا جب کہ اللہ تعالیٰ کا "استھزا" بامعنی اور بامقصد ہوگا) اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ان پر ذلت و رسوائی اور عبرت ناک عذاب نازل کرے گا' چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مصائب و آلام لحہ بہ لحہ اور موقع بہ موقع نازل ہوں گے اس لیے "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" کہا گیا ہے اور "اَللّٰهُ مُسْتَهْزِئٌ بِهِمْ" نہیں کہا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب منافقین کے قول "اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ" کے مطابق نہ ہو جائے ﴿وَيَمُدُّهُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دے رہا ہے اور یہی زجاج سے منقول ہے۔ ﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ﴾ اپنی سرکشی وغلو اور اپنے کفر و نفاق میں۔ ﴿يَعْمَهُوْنَ﴾ یہ حال ہے یعنی بھٹکتے رہیں اور حیران و پریشان رہیں اور یہ آیت مبارکہ مسئلہ اصلح میں معتزلہ پر حجت ہے (اس کی وضاحت "غِشَاوَةٌ" کی تشریح میں گزر چکی ہے)۔

۱۶- ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾ ہے یعنی انہوں نے ہدایت کے عوض ضلالت کو بدل لیا اور ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کر لیا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ منافقین نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو خرید لیا' یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ ہدایت پر نہ تھے کیونکہ ان کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو پہلے ایمان لائے' پھر کافر بن گئے یا یہود میں بعض لوگ حضور نبی کریم رؤف رحیم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان رکھتے تھے لیکن جب آپ ان میں تشریف لے آئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کفر اختیار کر لیا یا اس لیے کہ وہ ہدایت پر قادر تھے گویا ہدایت ان میں موجود تھی' پھر انہوں نے اسے ترک کر کے گمراہی کو اختیار کر لیا اور یہ آیت "بیع تعاطی" کے جواز پر دلیل ہے (بغیر ایجاب و قبول کے خرید و فروخت کرنا) کیونکہ مشتری و بائع خرید و فروخت کے الفاظ ادا نہیں کرتے لیکن منافقوں نے گمراہی کے مقابلہ میں ہدایت کو اپنے اختیار سے ترک کیا اور اسی کو خرید و فروخت کہا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ ہمارے لیے دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی شخص کی چیز اس کی رضا مندی سے لے کر اس کی رقم ادا کر دے تو یہ آدمی خریدار کہلائے گا اگر چہ زبان سے کچھ نہ بولے بہرحال "ضلالة" کا مطلب ہے کہ اپنے اختیار سے ہدایت کو چھوڑ کر غلط راستے پر چلنا جیسے کہا جاتا ہے: "ضَلَّ مَنْزِلَهٗ" کہ فلاں شخص نے اپنی منزل کو کھو دیا' پھر اس کو دینِ حق سے بھٹک جانے کے لیے مستعار لیا گیا ہے۔ ﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ "رِبْحٌ" اصل مال پر زائد منافع کو کہتے ہیں اور تجارت تاجر کا پیشہ ہے یعنی جو شخص منافع کمانے کے لیے خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے [اور اس آیت مبارکہ میں "رِبْحٌ" کا اسناد تجارت کی طرف اسنادِ مجازی ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تجارت میں نفع نہیں کمایا کیونکہ ان کی تجارت نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھی [اور جب ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو خریدنا مجاز واقع ہوا ہے تو اس کے بعد ربح اور تجارت کا بہ طور استعارہ ترشیحہ ذکر کیا ہے (مشبہ بہ کے مناسب کا ذکر کرنا استعارہ ترشیحہ کہلاتا ہے) جیسے کسی شاعر کا قول ہے:

وَلَمَّا رَاَيْتُ النَّسْرَ عَزَّ ابْنَ دَايَةٍ وَعَشَّ فِيْ وَكْرِيْهِ جَاشَ لَهٗ صَدْرِيْ

"جب میں نے شاہین کو دیکھا کہ وہ کوے پر غالب آ گیا ہے اور اس نے اس کے گھونسلے میں اپنا آشیانہ بنا لیا ہے تو پوری رات میرا دل دھڑکتا رہا"]۔

اس شعر میں جب شاعر نے سفید بالوں کو شاہین کے ساتھ اور سیاہ بالوں کو کوے کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو اس کے بعد ان کے مناسب گھونسلہ اور آشیانہ کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ ﴿وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ اور وہ تجارت کے طریقوں کی ہدایت نہیں رکھتے تھے جس طرح کاروباری ماہر تاجر نفع و نقصان کے طریقوں کو جانتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تجارت کا مقصد تو اصل مال کی حفاظت کرتے ہوئے نفع کمانا ہے مگر منافقین نے دونوں کو ضائع کر دیا' ان کا اصل مال ہدایت ہے جو گمراہی کے سبب ان کے

پاس نہ رہی اور جب ان کے پاس گمراہی کے سوا کچھ نہ رہا تو نفع بھی نہ رہا اگر چہ انہوں نے دنیاوی اغراض حاصل کر لیے کیونکہ گمراہ خاسر و نا کام ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ جس کا اصل مال سلامت نہ رہے اسے نفع کمانے والا نہیں کہا جاتا۔[ایک قول یہ ہے کہ ''اَلَّذِيْنَ'' ''اُولٰٓئِكَ'' کی صفت ہے اور ''فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ'' آخر آیت تک محلا مرفوع ''اُولٰٓئِكَ'' کی خبر ہے۔]

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

ع ۲ / ۱۳ / ۲

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی' پھر جب اس کا آس پاس خوب جگمگا اٹھا تو اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے○ بہرے' گونگے' اندھے ہیں' پس وہ واپس نہیں لوٹیں گے○ یا جیسے آسمان سے برستا پانی جس میں تاریکیاں اور گرج اور چمک ہو' وہ کڑک کے سبب اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں موت کے خوف سے' اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے○ قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی اُچک لے جائے' جب بھی ان کے لیے بجلی چمکتی ہے تو وہ اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں' اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

۱۷-﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اصل صفات بیان کر دیں تو ان کے بعد مثالیں پیش کیں تاکہ ان کی پہچان زیادہ واضح ہو جائے اور بیان مکمل ہو جائے کیونکہ مثالیں بیان کرنے سے پوشیدہ معانی واضح ہو جاتے ہیں اور حقائق سے پردے اٹھ جاتے ہیں' تاثیریں عیاں ہو جاتی ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے دیگر کتب سماویہ میں کثرت سے مثالیں بیان فرمائیں اور انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورت کا نام ''سورۃ الامثال'' رکھا ہے اور عرب کے کلام میں مثل کا لفظ نظیر اور شبیہ کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''مَثَلٌ مَثَلٌ'' (ن) ''مَثِيْلٌ'' اور ''شِبْهٌ شَبَهٌ شَبِيْهٌ'' پھر ہر اس قول کو جس کی مثال پیش کی گئی ہو ''مَثَل'' کہتے ہیں اور نیز عرب صرف اس قول کی مثال بیان کرتے ہیں جس میں غرابت پائی جاتی ہو اس لیے اس میں بڑی احتیاط کی جاتی ہے تاکہ مطلب نہ بدلے اور مثال صرف اس قصہ یا وصف یا حال کی بیان کی جاتی ہے جو اہم اور عجیب وغریب ہو گویا کہا گیا کہ منافقین کا عجیب وغریب حال اس شخص کے حال کی طرح ہے جس نے آگ کو روشن کیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ. (الرعد:۳۵) اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے''۔ یعنی ہم نے آپ سے جو عجائبات بیان کیے ہیں ان میں سے ایک عجیب وغریب

اور عظیم الشان قصہ جنت کا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے عجائبات بیان کرنا شروع کیے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ ہیں اور اس کے ہر وصف میں عظمت و جلالت کی شان موجود ہے اور اس آیت میں ''اَلَّذِیْ'' دراصل ''اَلَّذِیْنَ'' کی جگہ پر واقع ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''وَخُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا. (التوبہ:۶۹) اور تم بے ہودگی میں پڑ گئے جیسے وہ بے ہودگی میں پڑ گئے''۔ چونکہ جماعت کی واحد کے ساتھ تشبیہ و تمثیل نہیں ہوسکتی اس لیے یا تو ''مُسْتَوْقِدِیْنَ'' (آگ جلانے والوں) سے جنس مراد لی جائے یا پھر فوج مراد لی جائے یعنی (ان کی مثال اس فوج یعنی جماعت کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی) اس بنا پر کہ منافقین کی ذوات کو آگ جلانے والے کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی تاکہ جماعت کی واحد کے ساتھ تشبیہ لازم آجائے بلکہ منافقین کے قصہ کو آگ جلانے والوں کے قصہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ''اِسْتَوْقَدَ'' کا معنی ''اَوْقَدَ'' ہے اور ''وَقُوْدٌ'' اور ''وَقُوْدُ النَّارِ'' کا معنی روشن کرنا' چمکانا اور آگ کے شعلے کا بلند ہونا ہے اور ''نار'' کا معنی ہے: جلانے والا روشن اور گرم ترین لطیف جوہر اور یہ ''نَارَ یَنُوْرُ'' سے مشتق ہے' جس کا لغوی معنی ہے: اچھلنا' بدکنا اور چمکنا' چونکہ آگ میں بھی روشنی کے ساتھ حرکت واضطراب اور جوش ہوتا ہے اس لیے اسے نار کہتے ہیں۔ ﴿فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ﴾ ''اِضاءۃ'' کا معنی ہے: خوب چمکانا اور روشن کرنا اور اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا. (یونس:۵) یعنی وہی ہے جس نے سورج کو خوب روشن کرنے والا اور چاند کو روشن بنایا'' [اور یہ (اَضَآءَتْ) فعل متعدی ہے اور ایک احتمال یہ بھی کہ متعدی نہ ہو بلکہ لازم ہو اور ''مَا حَوْلَهٗ'' کی طرف مسند ہو اور اس کو معنی پر محمول کرتے ہوئے مونث لایا گیا ہے اس لیے کہ آگ جلانے والے کے اردگرد کے اماکن واشیاء مراد ہیں (جو مونث ہیں) اور ﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ ''فَلَمَّا'' کا جواب ہے اور یہ ظرف زمان اور حرف ''اذا'' کی طرح اس کا جواب بھی اس کا عامل ہوتا ہے اور لفظ ''مَا'' موصولہ ہے اور ''حَوْلَهٗ'' ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے یا نکرہ موصوفہ ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَلَمَّآ اَضَآءَتْ شَیْئًا ثَابِتًا حَوْلَهٗ'' اور ضمیر کا واحد اور جمع آنا کبھی لفظ پر اور کبھی معنی پر محمول کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے] اور نور آگ کی روشنی کو کہتے ہیں' نیز ہر روشنی کو نور کہتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا نور لے گیا اور اس کو زائل کر دیا اور اسے چلتے جانے والا بنادیا اور ''ذَهَبَ بِهٖ'' کا معنی ہے: اسے ساتھی بنالیا اور اسے لے گیا' نیز اللہ تعالیٰ کے نور لیجانے کا مطلب ہے: اللہ نے اسے روک لیا اور جس کو اللہ تعالیٰ روک لے اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا' لہٰذا یہ ''اِذْهَاب'' سے زیادہ بلیغ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِ هِمْ'' نہیں فرمایا تاکہ ''فَلَمَّآ اَضَآءَتْ'' کے موافق ہو جاتا کیونکہ نور زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ ''ضَوْء'' زائد معنی پر دلالت کرتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا نور بالکل زائل کر دیا اور ان سے مکمل سلب کرلیا' اگر ''ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِ هِمْ'' کہا جاتا تو یہ وہم پیدا ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ ان کا زائد نور لے گیا اور باقی اصل نور ان کے پاس ہے حالانکہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کس طرح ذکر فرمایا ﴿وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ﴾ ''ظلمت'' نور کی ضد ہے اور اللہ تعالیٰ کس طرح اس کو جمع لایا اور کس طرح اس کو نکرہ بیان فرمایا اور کس طرح اس کے بعد جملہ ارشاد فرمایا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اتنے سخت اندھیرے ہیں کہ بلند و بالا اور دراز قد جسم تک دکھائی نہیں دیتا اور یہ ارشاد ہے: ﴿لَّا یُبْصِرُوْنَ﴾ [اور اگر ''تَرَكَ'' فعل ماضی کا تعلق ایک چیز کے ساتھ ہو تو یہ بہ معنی ''طَرَحَ'' ''پھینک دیا'' اور ''خَلّٰی'' ''چھوڑ دیا'' کے ہوتا ہے اور اگر اس کا تعلق دو چیزوں کے ساتھ ہو تو یہ بہ معنی ''صَیَّرَ'' (کر دیا' بنادیا) کے ہوتا ہے اور افعال قلوب کے قائم مقام ہوتا ہے اور ''وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ'' اسی سے ہے' اصل میں ''هُمْ فِیْ ظُلُمَاتٍ'' ہے' پھر ''تَرَكَ'' داخل کیا اور دونوں جز محلًا منصوب ہیں اور ''لَا یُبْصِرُوْنَ'' کا مفعول بہ ساقط کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ متروک ومطروح کے قبیل سے ہے' مقدر منوی کے

قبیل سے نہیں گویا فعل بالکل متعدی نہیں ہے] اور منافقین کے حال کو آگ جلانے والے کے حال کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ انہوں نے ایمان کی روشنی کو ضائع کر دیا اور تاریکی و حیرانگی میں گر پڑے اور حقیقت تو یہ ہے کہ کفر و نفاق کی تاریکیوں میں منافقین کا مخبوط الحواس ہو کر ہمیشہ سرگرداں رہنا ہی بہتر ہے' پھر وہ مواد جس سے وہ روشنی حاصل کرتے ہیں اس کا نفع ان بکواسات سے کم ہے جو ان کی زبانوں پر جاری رہتے اور روشنی کے مقابلہ میں نفاق کی ظلمت انہیں دائمی عذاب آخرت کی طرف لے جانے والی ہے اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی کہ انہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی کو خرید لیا ہے تو اس کے بعد یہ تمثیل بیان کی گئی ہے تا کہ ان کی فروخت کردہ ہدایت کو آگ جلانے والے کے اردگرد کو روشن کرنے والی آگ کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور ان کی خرید کی ہوئی گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اندھیروں میں چھوڑنے اور ان کے نور کو زائل کرنے کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور نار کو اس لیے نکرہ لایا گیا ہے تا کہ اس کی بڑھائی کو ظاہر کیا جائے۔

۱۸- ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ﴾ یعنی ''ھُمْ صُمٌّ'' وہ بہرے ہیں' دراصل منافقین کے حواس صحیح سلامت تھے لیکن جب انہوں نے حق سننے سے اپنے کان بند کر لیے اور زبان سے حق بولنے اور آنکھوں سے حق کو نظر و فکر سے دیکھنے اور نگاہِ بصیرت کو وا کرنے سے انکار کر دیا تو گویا ان کے مشارع اور حواس ختم ہو گئے اور سننے' بولنے اور دیکھنے کی حقیقی صلاحیت برباد ہو گئی اور علمائے بیان کے نزدیک اس کا طریقہ عرب کے کلام کے طریقہ پر ہوتا ہے جیسے وہ شجاعت و بہادری میں شیر ہے اور جود و سخا میں سمندر ہے مگر یہ صفات میں ہوتا ہے اور وہ اسماء میں ہوتا ہے اور زیادہ صحیح قول کے مطابق اس آیت کریمہ میں کوئی بلیغ تشبیہ ہے اور نہ اس میں استعارہ ہے کیونکہ مستعار لہ مذکور ہے اور وہ منافقین ہیں اور استعارہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مستعار لہ کا ذکر بالکل لپیٹ دیا جائے اور کلام اس سے بالکل خالی کر لیا جائے کیونکہ اس سے منقول عنہ اور منقول لہ مراد ہوتے ہیں اگرچہ اس پر حال یا کلام کا مضمون دلالت نہ کرتا ہو ﴿فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ ہدایت کو فروخت کرنے کے بعد منافقین رشد و ہدایت اور دینِ حق کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے اور نہ وہ گمراہی خریدنے کے بعد گمراہی کو چھوڑیں گے کیونکہ ان میں کسی چیز کی طرف یا کسی چیز سے رجوع کرنے کی طلب ختم ہو چکی ہے یا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ منافقین ان لوگوں کی طرح ہیں جو اپنی جگہ میں جامد و ساکن ہو کر حیران و پریشان ہوں' نہ وہاں سے ادھر ادھر ہلتے جلتے ہوں اور نہ یہ جانتے ہوں کہ آگے کو جانا ہے یا پیچھے کو جانا ہے۔

۱۹- ﴿اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ﴾ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے منافقین کے حال کو دوسری تمثیل کے ساتھ دوبارہ بیان فرمایا تا کہ ان کی پہچان زیادہ واضح ہو جائے' پہلی مثال میں منافقین کو آگ جلانے والوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے ظاہری ایمان کو روشنی کے ساتھ اور اس کے ختم ہو جانے کو آگ کے بجھنے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہاں اس آیت مقدسہ میں دینِ اسلام کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ دین اسلام کے ذریعہ مردہ قلوب زندہ ہو جاتے ہیں جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس کے متعلقات میں کفار کو ظلمات' رعد' برق اور رعد کی وعید کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور مسلمانوں کی طرف سے جو مصائب و آلام ان کو پہنچتے ہیں ان کو صواعق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اب معنی یہ ہوگا ''اَوْ كَمَثَلِ ذَوِیْ صَیِّبٍ'' یعنی منافقین کی مثال بارش میں گھرے ہوئے شخص کی طرح ہے' یہاں ''مَثَلَ'' کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر عطف دلالت کر رہا ہے اور ''ذَوِیْ'' کو بھی حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ''یَجْعَلُوْنَ'' دلالت کر رہا ہے' مقصد یہ ہے کہ منافقین کی مثال اس قوم کی طرح ہے جس کو آسمانی بارش نے اندھیروں' گرج اور چمک کے

ساتھ گھیر لیا ہے' پھر جو مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچی تھیں وہ پہنچیں' بہر حال اس میں اشیاء کو اشیاء کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے مگر مشبہات کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ. (الغافر:۵۸) یعنی اندھا اور بینا اور نیک مسلمان اور بدکار برابر نہیں ہو سکتے''۔

امرأ القیس کا شعر ہے:

كَانَ قُلُوْبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَّيَابِسًا لَدَى وَكْرِهَا الْعُنَّابُ وَالْحَشَفُ الْبَالِيْ

''گویا پرندوں کے دل خشک وتر ہیں کیونکہ ان کے گھونسلوں کے پاس انگور اور کھجوریں بوسیدہ ہیں''۔

بلکہ اللہ تعالیٰ اس کا ذکر بہ طور استعارہ مخفی کر کے لایا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہاں دونوں تمثیلیں تمثیلاتِ مرکبہ میں سے ہیں متفرقہ سے نہیں کیونکہ واحد کے ساتھ واحد کی تشبیہ نہیں دی جاتی جس کا بیان یہ ہے کہ عرب الگ الگ اور جدا جدا اشیاء کو لیتے ہیں' پھر ان کے مجموعہ کو نظائر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں' امرأ القیس نے بھی اسی طرح کہا ہے لیکن ایسی اشیاء جو کسی وصف میں باہم مشترک ہوں تو ان کے مجموعہ سے حاصل شدہ کیفیت کو تشبیہ دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مساوی ہو جاتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا. (الجمعہ:۵) ''ان کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا' پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اس گدھے کی طرح ہے جس نے پشت پر بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں''۔ یہود نے تورات کے ساتھ جہالت و نادانی کا جو رویہ اختیار کیا تھا اس کی کیفیت کو گدھے کی جہالت و نادانی کی کیفیت کے ساتھ تشبیہ دینا مراد ہے جس نے پر از حکمت بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں' چنانچہ حکمت و دانائی اور عزت و وقار کی کتابیں اٹھانے میں دونوں کی حالتیں برابر ہیں جنہیں سوائے محنت و مشقت اور تکلیف کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا' نیز اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ. (الکہف:۴۰) اور ان کے سامنے دنیوی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے پانی ہے ہم نے اسے آسمان سے اتارا ہے'' چنانچہ اس آیت مبارکہ میں دنیوی زندگی کی بقا کی قلت مراد ہے جس طرح پانی سے اگنے والے سبزے کی بقا چند دنوں کے لیے ہوتی ہے' لہٰذا یہاں بھی ایک کیفیت کو دوسری کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' پس اگر افراد کی افراد کے ساتھ تشبیہ دینے کا ارادہ ہو جن کا آپس میں کسی وصف میں ایک دوسرے سے تعلق نہ ہو اور نہ انہیں کسی مشترک وصف میں متحد قرار دیا گیا ہو تو پھر یہ تشبیہ جائز نہیں' چنانچہ اسی طرح جب منافقین نے گمراہی کو اختیار کر لیا تو اس سے حیرت و پریشانی اور معاملات کی شدت واقع ہوئی' اس کو اندھیری رات میں آگ جلانے کے بعد بجھ جانے سے جو تکلیف و مشقت آگ جلانے والے کو حاصل ہو گی اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اسی طرح ان کی حالت کو ایسے شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اندھیری رات میں بارش میں گھر جائے جس میں گرج اور چمک ہو اور کڑک کے باعث موت کا خوف طاری ہو اور دوسری تمثیل پہلی سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ معاملہ کی شدت اور حیرت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بعد میں بیان فرمایا ہے اور عرب کے لوگ ایسی حالت میں ہلکی چیز کو سخت چیز میں درج کر دیتے ہیں اور یہاں دوسری تمثیل کو پہلی تمثیل پر حرف ''اَوْ'' کے ساتھ معطوف کیا گیا ہے کیونکہ یہ اصل میں دو چیزوں کے مساوی ہیں یا بعض کے نزدیک منافقین کے شکوک و شبہات بیان کرنے میں یہ دونوں مثالیں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں' لہٰذا حرف ''اَوْ'' یہاں صرف مساوات کے لیے مستعار لیا گیا ہے جیسے تمہارا یہ قول ''جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ'' مقصد یہ ہے کہ حسن اور ابن سیرین جلوس (بیٹھنے) کی

کیفیت میں مساوی و برابر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا. (الدھر:۲۴) اور ان میں سے کسی گناہگار یا ناشکرے کی بات نہ مانو''، یعنی معصیت کے وجوب میں گناہ اور ناشکری دونوں برابر ہیں' پس اسی طرح یہاں منافقین کے قصہ کی کیفیت کو ان دونوں مثالوں میں بیان کردہ قصوں کی کیفیت کے ساتھ تشبیہ دینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ دونوں کی کیفیات تمثیل کے اعتبار سے مستقل ہونے میں برابر ہیں' لہٰذا ان میں سے جس کسی کے ساتھ تشبیہ دی جائے درست ہے اور اگر دونوں کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو پھر بھی درست ہے اور ''صَیِّبٌ'' اس بارش کو کہتے ہیں جو آسمان سے برستی ہے اور بادلوں کو بھی ''صَیِّبٌ'' کہا جاتا ہے اور ''صَیِّبٌ'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ بارش کی شدید و سخت اور خوف زدہ کر دینے والی قسم ہے جس طرح پہلی مثال میں لفظ ''نَارٌ'' کو نکرہ لایا گیا ہے اور آسمان سایہ دار چھت کو کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ چاروں سمتوں میں پھیلی ہوئی فضا کو آسمان کہا جاتا ہے اور اگر چہ بارش آسمان سے اترتی ہے لیکن آسمان کا ذکر کرنے اور اس کو ''اَلسَّمَآءِ'' معرفہ لانے میں یہ فائدہ بتانا مقصود ہے کہ بارش آسمان کے تمام کناروں سے برستی ہے صرف ایک سے نہیں کیونکہ آسمان کا ہر کنارہ مستقل آسمان ہے' لہٰذا معرفہ لانے میں مبالغہ مقصود ہے جس طرح ''صَیِّبٌ'' کو نکرہ لانے میں مبالغہ مقصود ہے اور اس میں اس قول کی دلیل ہے کہ بادل آسمان سے اترتا ہے اور اسی سے پانی لے کر برستا ہے جب کہ بعض نے کہا کہ بادل سمندر سے پانی لیتا ہے' پھر اوپر چڑھ جاتا ہے [اور ''ظُلُمٰتٌ'' جار مجرور کے ساتھ مرفوع ہے کیونکہ یہ قوی ہے اور اس لیے کہ یہ ''صَیِّبٌ'' کی صفت ہے بخلاف اس کے کہ اگر تم شروع میں ہی ''فِیْهِ ظُلُمٰتٌ'' کہتے اور اس میں سیبویہ اور اخفش کے درمیان اختلاف ہے] اور ''رَعْدٌ'' بادل کی اس آواز کو کہتے ہیں جو آسمان کے ساتھ بادل کے ٹکرانے سے سنی جاتی ہے یا پھر بادلوں کو چلانے والے فرشتے کی آواز کو رعد کہتے ہیں اور ''بَرْقٌ'' بادل سے چمکنے والی بجلی کو کہتے ہیں یہ ''بَرَقَ الشَّیْءُ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: وہ چیز روشن ہوگئی [اور ''فِیْهِ'' میں ضمیر ''صَیِّبٌ'' کی طرف لوٹتی ہے' لہٰذا ''صَیِّبٌ'' کو ظلمات کے لیے ظرف مکان بنایا گیا ہے] پس اگر ظلمات سے مراد بادل ہوں تو پھر بادلوں کی سیاہی اور بادلوں کے پاٹوں کا ایک دوسرے پر اوپر نیچے چڑھنے کی وجہ سے پیدا شدہ سیاہی اور رات کی سیاہی کو ظلمات (جمع کے ساتھ) کہا جائے گا لیکن اگر اس سے مراد بارش ہو تو پھر بارش کے مسلسل کثیف قطرات کی سیاہی اور بادلوں کے سایوں کی سیاہی اور رات کی سیاہی کو ظلمات کہا جائے گا' اگر ''صَیِّبٌ'' سے مراد بادل ہوں تو اس کا ''رعد'' اور ''برق'' کے لیے ظرف مکان ہونا ظاہر ہے اور اگر اس سے مراد بارش ہو تو اس کے ساتھ رعد اور برق کا ذکر اس کے متعلقات ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے کیونکہ عموماً بارش کے ساتھ گرج اور چمک ہوتی ہے اور رعد اور برق دونوں کو اس لیے جمع نہیں لایا گیا کہ یہ دراصل مصدر ہیں جیسے کہا جاتا ہے: ''رَعَدَتِ السَّمَآءُ وَبَرَقَتْ بَرْقًا. یعنی آسمان خوب گرجا اور خوب چمکا''، لہٰذا دونوں میں اصل کی رعایت کی گئی ہے اس لیے ان کو جمع نہیں لایا گیا اور ان تمام اشیاء کو نکرہ لایا گیا ہے کیونکہ اس سے ان کی بڑی اقسام مراد ہیں گویا کہا گیا ہے کہ اس میں سخت ترین اندھیرے ہیں اور زبردست گرج ہے اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تیز ترین بجلی ہے۔ ﴿يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ﴾ [فعل مضارع کی ضمیر اصحاب ''صیب'' کی طرف لوٹتی ہے اگر چہ محذوف ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ. (الاعراف:۴) یا وہ دوپہر کے وقت سو رہے تھے''، کیونکہ معنوی اعتبار سے محذوف باقی ہوتا ہے اگر چہ اس کے لفظ ساقط ہو جاتے ہیں اور ''يَجْعَلُوْنَ'' کسی اعراب کا محل نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے] اور اس لیے بھی کہ جب شدت و گھبراہٹ پر دلالت کرنے والی گرج اور بجلی کا ذکر کیا گیا تو گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ اس طرح کی گرج میں ان کا کیا حال ہوگا؟ جواب میں کہا گیا کہ وہ اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں' پھر کہنے والے نے کہا کہ اس طرح آنکھوں کو خیرہ کرنے

والی تیز بجلی میں ان کا کیا حال ہوگا؟ جواب میں کہا گیا کہ قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی اچک لے' پھر یہاں بہ طور مجاز ''اَصَابِع'' کا ذکر کیا گیا ہے'' اَنَامِل'' (پوروں) کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی پوروں کے سروں کا ذکر کیا گیا ہے اگرچہ کانوں میں انگلیاں نہیں پورے یا ان کے صرف سرے داخل کیے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا. (المائدہ: ۳۸) پس ان کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو''۔ اس آیت میں تمام ہاتھ کاٹنے مراد نہیں بلکہ صرف کلائیوں تک ہاتھ کاٹنے مراد ہیں' البتہ ''اصابع'' یعنی انگلیوں کے ذکر میں مبالغہ ہے (گویا شدتِ حیرت سے پوری انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں) لیکن ''اَنَامِل'' یعنی پوروں کے ذکر میں نہیں ہے' پھر اس خاص انگلی (سبابہ) کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے کان بند ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ''فَعَالَۃٌ'' کے وزن پر ہے اور ''سَبٌّ'' گالی دینا سے مشتق ہے' لہٰذا قرآن کے آداب کے پیشِ نظر اس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے' باقی یہ کہ ''مسبحہ'' کے نام سے کیوں ذکر نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک نیا نام ہے جو مشہور و معروف نہیں ﴿مِّنَ الصَّوَاعِقِ﴾ ''یَجْعَلُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی کڑک کے سبب وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور ''صَاعِقَۃ'' سخت گرج کو کہتے ہیں جس کے ساتھ آگ کے شعلے نکلتے ہیں' اہلِ عرب کہتے ہیں: ''تَنْقَدُّ مِنَ السَّحَابِ. یعنی بادل سے شعلے چمکے''۔ جب بادل آسمان سے ٹکراتے ہیں تو باریک اور گرم آگ نکلتی ہے اور جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا دیتی ہے لیکن جلد بجھ جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کھجور پر گرتی ہے اور اس کے نصف حصے تک کو جلا دیتی ہے' پھر بجھ جاتی ہے جیسے ''صَعَقَتْہُ صَاعِقَۃٌ. یعنی اس کو بجلی کی کڑک نے ہلاک کر دیا''، نیز ''صَعَقَ'' بہ معنیٰ ''مَاتَ'' بھی آتا ہے یعنی فلاں آدمی بجلی کے جلانے یا اس کی آواز سے مر گیا۔ ﴿حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ یہ مفعول لہ ہے' جاندار کی زندگی کے خاتمہ کو موت کہتے ہیں یا یہ عرض ہے جس کے طاری ہونے پر حیات کی حس و حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ ﴿وَاللّٰہُ مُحِیْطٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ﴾ یعنی کفار و منافقین اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے جس طرح محاط بہ (گھیرا ہوا) محیط (گھیرنے والے) سے نہیں بچ سکتا [اور یہ مجاز ہے' نیز یہ جملہ معترضہ ہے جس کے لیے اعرابی کوئی محل نہیں]۔

۲۰-﴿ یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ﴾ ''خطف'' کا معنی ہے: کسی چیز کو جلدی اور اچانک پکڑ لینا اور ''کَادَ'' فعل کو بہت قریب کرنے کے لیے آتا ہے' [''یَخْطَفُ'' محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''کَادَ'' کی خبر ہے] ﴿کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ﴾ [لفظ کل ظرف ہے اور ''ما'' نکرہ موصوفہ ہے جس کا معنی ہے: وقت اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے] تقدیر عبارت یہ ہے: ''کُلَّ وَقْتٍ اَضَآءَ لَھُمْ فِیْہِ. یعنی جب بھی ان کے لیے بجلی چمکتی ہے'' اور اس کا عامل بعد میں آنے والا جواب ہے اور وہ ﴿مَّشَوْا فِیْہِ﴾ ہے یعنی اس کی روشنی میں چلتے ہیں۔ یہ تیسرا جملہ مستانفہ ہے اور یہ اس آدمی کا جواب ہے جو کہتا ہے کہ بجلی کے تیز چمکنے اور اس سے خوف زدہ ہونے کے وقت منافقین کیا کرتے ہیں۔ یہ مثال منافقین کے لیے اتنی شدید ہے جتنی بارش میں گھرے ہوئے لوگوں کے لیے بارش کی شدت ہے کیونکہ وہ انتہائی حیرت و جہالت میں پریشان ہیں اور سوچتے ہیں کہ کس کو اختیار کریں اور کس کو چھوڑیں۔ جب وہ تیز چمکنے والی بجلی کا سامنا کرتے ہیں تو بینائی کے چھن جانے کے خوف سے بجلی کی تیز چمک اور روشنی کو غنیمت سمجھ کر متحرک ہو جاتے ہیں اور اس میں چند قدم چلتے ہیں لیکن جب وہ روشنی ختم ہو جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں [اور ''اَضَآءَ'' فعل متعدی ہے] یعنی جب بجلی ان کے لیے چلنے کا راستہ روشن کر دیتی ہے تو اس پر چل پڑتے ہیں [اور مفعول محذوف ہے یا پھر غیر متعدی ہے] یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چل پڑتے ہیں اور ''مشی'' مخصوص حرکت (میانہ روی چال) کو کہتے ہیں اور جب کچھ زیادہ تیز ہو جائے تو سعی (ہلکا دوڑنا) ہے' پھر جب اور زیادہ تیز ہو جائے تو اسے ''عَدْوٌ'' (تیز دوڑنا) کہتے ہیں۔ ﴿وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ﴾ ''اَظْلَمَ'' فعل غیر متعدی ہے اور

''اَضَآءَ'' کے ساتھ ''کُلَّمَا'' اور ''اَظْلَمَ'' کے ساتھ ''اِذَا'' کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ منافقین اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے دوڑنے کی حد تک انتہائی حریص تھے' چنانچہ جب ان کے سامنے روشنی چمکتی تو فوراً اس میں چل پڑتے لیکن توقف میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ ﴿قَامُوْا﴾ رک جاتے اور اپنی جگہ پر کھڑے رہتے اور اسی سے ''قَامَ الْمَآءُ'' لیا گیا ہے یعنی جب پانی جم جاتا ہے تو کہتے ہیں: ''قَامَ الْمَاءُ''۔ ﴿وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ﴾ سخت ترین کڑک کے سبب ﴿وَاَبْصَارِهِمْ﴾ بجلی کی چمک سے ''شَآءَ'' کا مفعول محذوف ہے کیونکہ اس کا جواب اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر اللہ ان کی سماعت اور بصارت کو لیجانا چاہتا تو ضرور لیجاتا البتہ ''شَآءَ'' میں اس قسم کے حذف بہت زیادہ ہیں' مقصد یہ ہے کہ اہل عرب مفعول کو ظاہر نہیں کرتے مگر کسی غریب و عجیب چیز میں جیسے یہ قول ہے: ''فَلَوْ شِئْتَ اَنْ اَبْكِي دَمًا لَبَكَيْتُهٗ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ سَاحَةَ الصَّبْرِ اَوْسَعُ'' یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں خون کے آنسو بہاؤں تو میں اس پر روؤں گا لیکن صبر کا میدان بہت وسیع ہے''۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا'' (الانبیاء:۱۷) یعنی اگر ہم کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے''۔ ''لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا'' (الزمر:۴) یعنی اگر اللہ اپنا بیٹا بنانا چاہتا''۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے فرقوں یعنی مسلمانوں' کافروں اور منافقوں کی تعداد بیان فرمائی اور ان کے اوصاف واحوال ذکر فرمائے اور سعادت و شقاوت کے اعتبار سے اور اللہ کی بارگاہ سے اخروی حصہ پانے یا نہ پانے کے اعتبار سے ہر فرقے کے لیے جو مخصوص ہے اس کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ خطاب کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا اور یہ التفات مذکور میں سے ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا اس امید پر کہ تم پرہیز گار بن جاؤO جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے تمہارے کھانے کے لیے کچھ پھل پیدا کیے' پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہوO

توحید و عبادت کے دلائل

۲۱- ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ حضرت علقمہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جہاں ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'' آتا ہے وہاں اہل مکہ سے خطاب ہوتا ہے اور جہاں ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' آتا ہے وہاں اہل مدینہ کو خطاب ہوتا ہے اور اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے اور ''یا'' حرف ندا ہے جو دور سے پکارنے کے لیے آتا ہے اور ''اَیْ'' اور ''ہمزہ'' نزدیک سے پکارنے کے لیے آتے ہیں' پھر ''یا'' ہر اس شخص کے پکارنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو غافل و بے خبر ہو اور مقصد کو بھول چکا ہو وہ اگرچہ قریب اور نزدیک ہو لیکن اسے بعید اور دور قرار دے کر حرف ''یا'' سے پکارا جاتا ہے' لہٰذا جب حرف ''یا'' سے قریب

موجود کو پکارا جائے گا تو یہ محض تاکید کرنے اور خبردار کرنے کے لیے ہوگا کہ خطاب کے بعد انتہائی اہم اور معتبر مضمون کی طرف منادیٰ کو متوجہ کیا جارہا ہے (تاکہ غفلت چھوڑ کر عمل کے لیے متحرک ہو جائے) اگر چہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے لیکن اس کے باوجود دعا کرنے والے کا ''یَا رَبِّ'' کہنا اس لیے ہے کہ وہ اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا قصوروار سمجھتا ہے اور انکساری کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ کے قرب سے بعید اور دور خیال کرتا ہے اور قبولیتِ دعا پر مزید ہلاکت خیز اعمال کے خوف سے اپنی کوتاہی کا اقرار واعتراف کرتا ہے [اور ''اَیُّ'' حرف ندا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے بشرطیکہ حرف ندا معرف باللام پر داخل ہو جس طرح ''ذُوْ'' اور ''اَلَّـذِیْ'' ہے جو صلہ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں' صلہ اسم جنس ہو خواہ اسم معرفہ ہو بشرطیکہ وہ جملہ ہو اور ''اَیُّ'' اسم مبہم ہے جو ایسے اسم کا محتاج ہوتا ہے جو اس کے ابہام کو دور کردے اسلیے اس کے بعد اسم جنس یا اس کا قائم مقام ضرور آتا ہے جس کے ساتھ یہ متصف ہوتا ہے تاکہ ندا کا مقصود واضح ہو جائے' لہٰذا ''یَـا'' اور ''اَیُّ'' جس میں عمل کریں گے اس اسم کا تابع اس کی صفت بنے گا جیسے ''یَا زَیْدُ الظَّرِیْفُ'' ہے (جس میں ظریف زید کی صفت ہے) مگر ''اَیُّ'' بغیر صفت کے مستقل استعمال نہیں ہوتا جس طرح زید استعمال ہوتا ہے اس لیے یہ بغیر صفت کے استعمال نہیں ہوگا اور حرف تنبیہ (ھَا) موصوف اور صفت کے درمیان اس لیے داخل کیا جاتا ہے کہ ندا کے معنی کی تاکید ہو جائے یا پھر اضافت کے عوض میں آتا ہے جس کا ''اَیُّ'' مستحق ہے] اور قرآن مجید میں اس طریق پر ندا کو کثرت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے جن اوامر ونواہی اور مواعید و وعیدات کے ساتھ ندا فرمائی ہے وہ تمام عظیم الشان اور بڑی عظمت والے مواعظ ہیں' لہٰذا ان پر واجب ہے کہ وہ ان امور پر عمل پیرا ہونے کے لیے بیدار ہو جائیں اور اپنے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کی طرف راغب ومتوجہ ہوں حالانکہ وہ غافل و بے خبر بنے ہوئے ہیں' لہٰذا مقتضائے حال یہ ہے کہ انہیں مؤکد ومؤثر اور بلیغ خطاب کے ساتھ مخاطب کیا جائے۔ ﴿اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ (پہلے) رب تعالیٰ کی توحید مانو (پھر عبادت کرو)۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی عبادت کا لفظ آیا ہے اس سے توحید الٰہی مراد ہے۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ یہ صفت موضحہ ممیّزہ ہے کیونکہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو رب کہتے تھے اور ''خلق'' کا معنی ہے: کسی معدوم کو مخصوص انداز پر متوازی بنانا اور معتزلہ کے نزدیک کسی شے کو اندازہ سے متوازی بنانا ''خلق'' ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ان کے نزدیک معدوم بھی شے ہے کیونکہ ان کے نزدیک شے وہ چیز ہے جس کو جاننا اور اس کے متعلق خبر دینا صحیح ہو اور ہمارے نزدیک موجود چیز کو شے کہتے ہیں۔ ابو عمرو نے ''خَلَـكُّمْ'' ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اس جملہ سے ان پر حجت پیش کی گئی ہے کہ ان کا اور ان سے پہلے لوگوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ خود اس بات کے معترف ومقر تھے' لہٰذا ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم اقرار کرتے ہو کہ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اسی کو واحد لاشریک مان کر اسی کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت نہ کرو۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ یعنی تم اس امید پر عبادت کرو کہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ اور اس کے سبب عذاب سے نجات پالو اور ''لَـعَلَّ'' امید اور طمع کے معنی میں آتا ہے لیکن طمع ایک کریم ورحیم سے متعلق ہے اس لیے اس کو حتمی اور یقینی وعدہ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے جس کا پورا کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ سیبویہ نے یہی کہا ہے اور قطرب نے کہا کہ ''لَـعَلَّ'' بہ معنیٰ ''کَـیْ'' ہے یعنی تاکہ تم متقی اور پرہیزگار ہو جاؤ۔

۲۲۔ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ﴾ [''جَـعَلَ'' ''صَیَّـرَ'' کے معنی میں ہے اور ''اَلَّذِیْ'' بہ طور مدح محلاً منصوب ہے یا ''هُوَ'' ضمیر مقدر کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے] ﴿فِرَاشًا﴾ یعنی بچھونا جس پر بیٹھتے ہو اور سوتے ہو اور لیٹ دیتے ہو

اور یہ "جَعَلَ" کا دوسرا مفعول ہے اور اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ زمین ہموار سطح ہے یا کروی (گول) ہے کیونکہ بچھونا دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ ﴿وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ یعنی آسمان کو چھت بنایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا. (الانبیاء:۳۲)" یعنی ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے" اور یہ مصدر ہے اور عمارت کا بھی یہ نام رکھا جاتا ہے۔ ﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ یعنی بارش ﴿فَاَخْرَجَ بِهٖ﴾ پانی کے ساتھ۔ ہاں البتہ پھلوں کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت اور اس کی ایجاد سے ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے پانی کو پھلوں کے اگنے کا سبب بنایا ہے جس طرح مرد کے پانی کو اولاد کی پیدائش کا سبب بنایا ہے حالانکہ وہ بغیر سبب تمام اشیاء کی تخلیق پر قادر ہے جس طرح کہ اس نے تمام مادوں اور اسباب کو پیدا کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی تخلیق اور نشو و نما میں تدریجی نظام عمل کو جاری فرما دیا ہے' چنانچہ وہ ہر چیز کو درجہ بہ درجہ منزل بہ منزل ایک حال سے دوسرے حال میں ایک مرتبہ سے دوسرے میں منتقل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ہر چیز اپنے طبعی درجۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے تاکہ حقیقت بین نگاہوں سے بغور دیکھنے والوں کے لیے عبرت و حکمت حاصل ہو جائے اور ﴿مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ [میں حرف "مِنْ" تبعیض یا بیان کے لیے ہے ﴿رِزْقًا﴾ اگر حرف "مِنْ" تبعیض کے لیے ہو تو یہ "اَخْرَجَ" کا مفعول لہ ہوگا اور اگر حرف "مِنْ" بیان کے لیے ہو تو پھر یہ "اَخْرَجَ" کا مفعول بہ بنے گا' باقی رہی یہ بات کہ یہاں "ثمرات" (جمع مونث) کہا گیا ہے اور "ثَمَرٌ" (ثَمَرَةٌ کی جمع) اور "ثِمَارٌ" (جمع الجمع) نہیں کہا گیا اگرچہ آسمانی پانی (بارش) سے ثمر کی پیداوار بہت زیادہ ہوتی ہے' ایک تو اس لیے کہ "ثَمَرَاتٌ" سے "ثَمَرَةٌ" کی جماعت مراد ہے (اس لیے مونث کا صیغہ لایا گیا ہے) اور دوسرا اس لیے کہ جمع کے صیغے ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے رہتے ہیں کیونکہ سب میں جمع کا معنی پایا جاتا ہے۔] ﴿لَّكُمْ﴾ اگر رزق بعینہٖ مراد ہو تو یہ اس کی صفت جاریہ ہوگی اور اگر رزق کو مسمّیٰ کا اسم قرار دیا جائے تو پھر یہ رزق کا مفعول بہ ہوگا' گویا کہا گیا ہے کہ یہ رزق صرف تمہارے لیے ہے۔ ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ یہ امر کے ساتھ متعلق ہے یعنی تم صرف اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ نہ کسی کو ہمسر بناؤ اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ [اور یہ بھی جائز ہے کہ "اَلَّذِیْ" بہ طور مبتدا مرفوع ہو اور "فَلَا تَجْعَلُوْا" اس کی خبر ہو اور حرف "فا" کو اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ کلام جزا کو متضمن ہے] یعنی اللہ وہ یکتا ذات ہے جس نے اپنی واحدانیت پر شہادت دینے والے روشن دلائل اور عظیم الشان آیات تم پر واضح کر دیں ہیں' پس تم اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور "ند" مثل کے معنی میں آتا ہے کیونکہ مساوی اور ہم پایہ مخالف کو مقابل و ہمسر کہا جاتا ہے "لَيْسَ لِلّٰهِ نِدٌّ وَلَا ضِدٌّ" کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمسر و ہم پایہ اور مقابل کوئی نہیں ہے۔ ﴿وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم جانتے ہو کہ یہ بت نہ کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں اور نہ رزق دے سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ خالق بھی ہے اور رازق بھی ہے۔ "تَعْلَمُوْنَ" کا مفعول یا تو متروک ہے اور وہ "اَنْتُمْ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ" ہے یعنی تم اہل علم ہو پھر بتوں کو خدا کا شریک بنانا تمہاری انتہائی جہالت ہے اور یہ جملہ "فَلَا تَجْعَلُوْا" سے حال ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کے اثبات اور کفر و شرک کے ابطال پر ان کے سامنے اپنے دعویٰ پر دلائل پیش کیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور قدرت و اختیار کی زندگی عطا کی اور زمین کو پیدا کیا جو ان کے لیے ٹھہرنے اور آرام کرنے کی قرار گاہ ہے اور آسمان کو پیدا کیا جس کو ان کے لیے تعمیر کردہ گنبد اور زمین میں گڑھے ہوئے خیمہ کی طرح چھت بنایا اور اس کو سایہ دار بلند ترین خیمہ ہونے کے باوجود عقدِ نکاح کے مشابہ اور مساوی قرار دیا کیونکہ آسمان سے زمین پر پانی برستا ہے جس کے سبب زمین کے پیٹ سے اولاد کی طرح پھل پیدا ہوتے ہیں جو بنی آدم کا رزق بنتا ہے' یہ سب کچھ توحید تک پہنچانے والی اور کفر و شرک کو مٹانے والی بہترین دلیل ہے کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی چیز کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت کے

اثبات اور قرآن کریم کو اعجاز قرار دینے والی حجت کو پیش کرتے ہوئے اس پر عطف فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت (بنا کر) لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمائتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو O پھر اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے O

قرآن مجید کی عظمت

۲۳- ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا﴾ [''مَا'' نکرہ موصوفہ ہے یا ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے۔] ﴿عَلٰى عَبْدِنَا﴾ ''عَبْد'' سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ''عَبْد'' عقل مند مملوک کو کہتے ہیں اور مملوک اس آدمی کو کہتے ہیں جو ہمہ وقت مالک کی بارگاہ میں موجود رہے اور اس پر مالک کا حکم غالب رہے۔ اس آیت میں ''نَزَّلْنَا'' کہا گیا ہے ''اَنْزَلْنَا'' نہیں کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت آہستہ آہستہ نازل کیا گیا ہے بیک وقت سارا قرآن نازل نہیں کیا گیا اور اسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا گیا ہے اور یہ اس لیے کہ کفارِ مکہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اس طرح تھوڑا تھوڑا کر کے ایک سورت کے بعد دوسری سورت اور کچھ آیات کے بعد پھر کچھ آیات کے بعد دیگرے حسب ضرورت نازل نہ ہوتا اور نہ ان طریقوں پر نازل ہوتا جن پر ہم شعراء اور خطباء کو دیکھتے ہیں کہ جتنا کلام بنا سکتے ہیں کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ پیش کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح ناظم اپنے منظوم کلام اور اشعار کا دیوان ایک دم بنا کر پیش نہیں کرتا اور نہ نثر میں اپنا کلام پیش کرنے والا ایک دم خطبات بیان کرتا ہے (بلکہ پہلے خوب تیاری کرتے ہیں) لہٰذا اگر اس کو اللہ تعالیٰ نازل کرتا تو سارا قرآن کریم ایک دفعہ نازل کر دیتا' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً. (الفرقان:۳۲) یعنی کافروں نے کہا: ان پر سارا قرآن ایک بار کیوں نہیں نازل کیا گیا'' اس لیے انہیں کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن میں شک ہے جس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا ہے ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ﴾ تو تم ہی ایک دفعہ ایک سورت بنا کر لاؤ اور تم بھی قرآن مجید کے حصوں کی طرح کوئی حصہ بنا کر پیش کر دو یا قرآن کریم کی چھوٹی سی سورتوں میں سے کوئی ایک سورت بنا کر لاؤ' بہر حال ''سورت'' قرآن مجید کے ایک مستقل حصہ کو کہتے ہیں جو کم از کم تین آیات پر مشتمل ہو۔ اگر اس کی ''واؤ'' اصل ہے تو پھر یا تو اس کا نام ''سورۃ المدینۃ'' سے لیا گیا ہے کیونکہ شہر کے اردگرد دیوار کو ''سورۃ المدینۃ'' کہتے ہیں یعنی شہر پناہ چونکہ سورت قرآن پاک کا ایک محدود و محفوظ حصہ ہے جس طرح شہر اردگرد دیوار سے محدود و محفوظ ہوتا ہے یا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ''سورت'' علم کے کئی فنون اور فوائد کی کئی اقسام پر مشتمل ہوتی ہے جس طرح شہر پناہ شہر کے تمام محلوں اور گلیوں کو محیط ہوتی ہے یا اس لیے یہ نام رکھا گیا ہے کہ یہ رتبہ کے معنی میں ہے کیونکہ

سورتیں منازل و مراتب کے قائم مقام ہیں کہ قاری قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوا منازل و مراتب پر ترقی کرتا جاتا ہے اور یہ سورتیں بذاتہا خود بھی مرتبہ ہیں یعنی طوال' اوساط اور قصار ہیں یا سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دین میں اس کی شان بڑی بلند ہے اور اس کا مقام بڑا عظیم و جلیل ہے اور اگر سورت کی "واؤ" اصلی نہ ہو بلکہ ہمزہ سے تبدیل ہو چکی ہو تو پھر سورت نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ سورت قرآن کریم کا ایک حصہ اور ایک ٹکڑا ہوتی ہے جس طرح کسی چیز کے بقیہ حصہ کو "سُؤْرُ الشَّیْءِ" کہتے ہیں یعنی چیز کا بچا ہوا حصہ' نیز قرآن مجید کو الگ اور جدا جدا سورتوں میں تقسیم کرنے کے بہت سے فوائد ہیں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے تورات' انجیل' زبور اور باقی صحائف جو وحی کے ذریعہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائے ان کو سورتوں میں تقسیم کر دیا اور مصنفین نے ہر فن کی اپنی کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کے عنوان کو تراجم کے ساتھ آراستہ کر دیا ہے اور ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ جب ایک جنس مختلف انواع و اقسام پر مشتمل ہوتی ہے تو وہ بیان کے اعتبار سے زیادہ حسین و بہتر ہوتی ہے کیونکہ اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور ان میں سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنے والا جب ایک سورت یا کتاب کا ایک باب پڑھ کر ختم کر لیتا ہے اور پھر دوسرا شروع کرتا ہے تو اسے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور کتاب کو پڑھنے اور اسے حاصل کرنے کی زیادہ تحریک پیدا ہوتی ہے خواہ وہ اسی خوشی میں پوری کتاب ہی پڑھ ڈالے اور یہی وجہ ہے کہ قراء نے قرآن مجید کو سات' دس اور پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جب حافظ ایک سورت یاد کرنے میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ اس نے قرآن مجید کا ایک مستقل حصہ یاد کر لیا ہے جس کا آغاز بھی ہے اور اختتام بھی ہے اور جتنا حصہ یاد کر لیتا ہے اس کے دل میں اس کی عظمت بیٹھ جاتی ہے اور وہ خود اپنے دل میں معزز و محترم ہو جاتا ہے اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھ لیتا تو وہ ہم سب میں بہت زیادہ معزز و بزرگ سمجھا جاتا تھا اور اسی وجہ سے نماز میں پوری سورت تلاوت کرنا افضل ہے۔﴿مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [یہ "بِسُوْرَةٍ" سے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے اور اس کی "ہ" ضمیر "مَا نَزَّلْنَا" کی طرف لوٹتی ہے] یعنی ایسی سورت جو اس کی مثل ہو یعنی ایسی سورت لاؤ جو غرابت بیان میں' علو مرتبہ اور حسن نظم میں قرآن کریم کی صفت پر واقع ہو [یا یہ ضمیر "عَبْدِنَا" کی طرف لوٹتی ہے] یعنی ایسے شخص سے ایک سورت بنوا کر لاؤ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح "اُمِّیّ" ہو نہ کوئی کتاب پڑھی ہو اور نہ علما سے کچھ سیکھا ہو (پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل ہیں اس لیے کہ) یہاں قرآن اور حامل قرآن ﷺ کی مثیل و نظیر لانا مقصود نہیں ہے (کیونکہ "فَاْتُوْا" امر کا صیغہ صرف تعجیز کے لیے آیا ہے) اور ضمیر کو قرآن کریم کی طرف لوٹانا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ. (یونس:۳۸) پس تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ" نیز فرمایا: "فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ. (ھود:۱۳) پس تم اس طرح کی دس سورتیں بنائی ہوئی لاؤ"۔ "قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ. (بنی اسرائیل:۸۸) تم فرما دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی (کتاب) لائیں تو اس جیسی نہیں لا سکتے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں"۔ کیونکہ ضمیر قرآن کریم کی طرف لوٹانے سے کلام کی ترتیب زیادہ بہتر ہو جائے گی اور وہ اس لیے کہ گفتگو قرآن مجید کے بارے میں ہے نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اور معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن میں شک ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو تم بھی اس طرح کا کچھ کلام پیش کرو اور اگر ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹائی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اگر تمہیں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے بارے میں شک ہے' جن پر قرآن نازل کیا گیا ہے تو تم اس طرح کے شخص سے قرآن پیش کرو اور اس لیے بھی کہ

یہ تفسیر (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کے موافق ہے: ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ﴾ ''شہید'' کی جمع ہے اس کا معنی حاضر ہے یا گواہی دینے والا ہے۔ ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور یہ ''شُھَدَآء'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی تم ان کو بلا لو جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود قرار دے چکے ہو اور تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز تمہارے لیے گواہی دیں گے کہ تم حق پر ہو یا وہ تمہارے لیے گواہی دیں کہ (تمہارا من گھڑت کلام) قرآن مجید کی مثل ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ کہ بیشک وہ (قرآن) بناوٹی کلام ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا کلام ہے اور شرط کا جواب محذوف ہے کیونکہ پہلا کلام اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم بھی قرآن کریم کی طرح ایک سورت لاؤ اور اس کام میں اپنے معبودوں سے مدد مانگو۔

۲۴- ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی روشن دلیل کی طرف راہنمائی فرما دی جس سے وہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت کو پہچان گئے تو ان سے فرمایا: اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکے اور تمہارا عجز ظاہر ہو گیا ہے اور ان کی تصدیق کرنا لازم ہو گئی ہے تو تم ان پر ایمان لے آؤ اور ڈرو اس عذاب سے جو جھٹلانے والے معاندین کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس میں دو دلیلیں ہیں' ایک اثبات نبوت کی دوسری قرآن کے معجزہ ہونے کی صحت کی اور یہ خبر دینا مقصود ہے کہ کفار مکہ قرآن کریم کی مثل ہرگز نہیں لا سکیں گے اور یہ غیب کی خبر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی نہیں جان سکتا تھا اور جب غور و فکر سے پہلے ان کا معارضہ سے عاجز آنا ان کے شک کی طرح تھا جس کا فصاحت کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی بلاغت پر ان کے اعتماد کا موازنہ کیا جا سکتا ہے تو ان کے گمان کے مطابق ان سے کلام بیان کیا گیا ہے' چنانچہ کلام کے شروع میں حرف ''اِنْ'' لایا گیا ہے جو شک و شبہ کے لیے آتا ہے اور حرف ''اِذَا'' نہیں لایا گیا جو وجوب کے معنی میں آتا ہے اور ''اِتْیَـان'' (قرآن کی مثل لانا) کو فعل سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی افعال میں سے ایک فعل ہے اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ وہ کتاب کے قائم مقام ہے جو تمہیں اختصار عطا کرتی ہے کیونکہ اگر لفظ ''اِتْیَـان'' سے لفظ فعل کی طرف عدول نہ کیا جاتا تو عبارت دراز ہو جاتی اور یوں کہا جاتا: ''پس اگر تم اس کی مثل نہیں لا سکتے اور تم اس کی مثل ہرگز نہیں لا سکو گے'' [اور ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' محلِ اعراب نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ معترضہ ہے اور تردد کے معنی میں آنے والے لفظ شرط ''ان'' نے اعتراض کو خوبصورت کر دیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' سے اس تردد کی بیخ کنی کر دی اور ''لَا'' اور ''لَنْ'' دونوں مستقبل کی نفی کے لیے ہم معنی ہیں مگر حرف ''لَنْ'' میں تاکید کا معنی ہے اور خلیل کے نزدیک اس کی اصل ''لَا اَنْ'' ہے جب کہ فراء کے نزدیک ''لَا'' ہے۔ اس کے الف کو نون سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور سیبویہ کے نزدیک یہ نفی مستقبل کی تاکید کے لیے وضع کیا گیا ہے] باقی اس بات کا علم کہ یہ غیب کی خبر ہے یہاں تک کہ اسے قرآن مجید کا معجزہ قرار دیا جائے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کفار مکہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی قسم کا معارضہ کیا ہوتا تو سب جگہ مشہور ہو جاتا (اور سلفاً خلفاً منقول ہوتا) کیونکہ طعن و تشنیع کرنے والے قرآن کا دفاع کرنے والوں سے بہت زیادہ تھے اور آگ سے بچنے کے لیے ان کی طرف سے قرآن کی مثل نہ لانا شرط ہے اس لیے کہ جب وہ قرآن کی مثل نہیں لائیں گے تو ان کا معارضہ سے عاجز ہونا ظاہر ہو جائے گا اور ان کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی تصدیق صحیح ہو جائے گی اور جب ان کے نزدیک آپ کی تصدیق صحیح ہو جائے گی تو پھر آپ سے عناد رکھنے اور اطاعت سے انکار کی وجہ سے ان پر جہنم لازم و واجب ہو جائے گی' پس ان سے کہا گیا ہے: اگر تم معارضہ کرنے سے عاجز آ جاؤ تو عناد ترک کر دینا' لہٰذا ''فَاتَّقُوا النَّارَ'' اپنی جگہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ آگ سے بچنا ترکِ عناد کا سبب ہے اور یہ

''کنایہ'' کے باب سے ہے جو بلاغت کا حصہ ہے اور اس کا فائدہ اختصار ہے جو قرآن مجید کا زیور ہے اور ''وَقُوْدُ'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے آگ کے شعلے بلند ہو جائیں (ایندھن)[اور یہ مصدر مضموم ہے اور اس پر فتح بھی آیا ہے اور ''اَلَّذِیْ'' اور ''اَلَّتِیْ'' کے صلہ کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب معلوم ہو] ویسے تو ممکن ہے کہ انہوں نے اہل کتاب سے سن رکھا ہو یا رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو یا اس آیت کریمہ سے قبل انہوں نے اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد سن لیا ہو: ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ. (التحریم:۶) تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچالو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے''۔ بے شک وہاں (تحریم میں) ''نَارٌ'' نکرہ آیا ہے جب کہ یہاں (بقرہ میں) ''اَلنَّارُ'' معرفہ آیا ہے اس لیے کہ وہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے' پھر یہ آیت مبارکہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اس لیے یہاں اس کے ذریعہ اس آگ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو کفارِ مکہ نے پہلے جان لیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ'' کا معنی یہ ہے کہ یہ آگ اپنے علاوہ باقی ہر قسم کی آگ سے ممتاز اور جدا ہے کیونکہ اس کو انسانوں اور پتھروں کے ذریعے جلایا جاتا ہے اور وہ گندھک کے پتھر ہیں اور یہ بہت تیز جلتے ہیں اور بہت دیر سے بجھتے ہیں اور بہت بدبودار ہوتے ہیں' بدن کو بہت جلد چمٹ جاتے ہیں یا اس سے وہ بت مراد ہیں جن کی عبادت کی جاتی تھی تاکہ کفار کو بہت زیادہ حسرت وافسوس ہو اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پتھروں کے ساتھ جوڑ دیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو بتوں کے ساتھ جوڑے رکھا اور ان کی عبادت و پرستش کرتے رہے اور انہوں نے ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ. (الانبیاء:۹۸)'' بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے رہے اللہ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہیں''۔ یعنی اس کا بالن اور ایندھن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتوں کے ساتھ کافروں کو عذاب جہنم میں اکٹھا کر دیا تاکہ انہیں اپنے باطل معبودوں کو جلتے ہوئے دیکھ کر زیادہ تکلیف ہو۔

﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ دوزخ ان کے لیے تیار کی گئی ہے' اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جہنم بن چکی ہے بخلاف جہم کے قول کے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ایک طریقہ جاری فرما رکھا ہے کہ ترہیب کے ساتھ ترغیب' خوف کے ساتھ خوشخبری کا ذکر کر دیتا ہے تاکہ اس کے بندے قرب کے اعمال کو خوشی سے حاصل کریں اور خدا سے دور کرنے والے اعمال کے ارتکاب سے ڈریں' پھر جب اللہ تعالیٰ نے کفار اور ان کے اعمال کا ذکر کیا اور ان کو عذاب سے ڈرایا دھمکایا تو اس کے ساتھ ہی مومنوں اور ان کے اعمال کا ذکر کیا اور انہیں خوشخبری سنائی' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور خوشخبری دیجئے انہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا' (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے: یہ تو وہی رزق ہے جو پہلے دیا گیا تھا' اور وہ شکل وصورت میں ملتے جلتے انہیں دیئے جائیں گے' اور ان کے لیے ان باغوں میں پاک بیبیاں ہوں گی' اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ○

نیک مسلمانوں کے انعامات کا بیان

۲۵-﴿ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَبَشِّر'' کا مامور یا تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں (یعنی صرف آپ کو حکم دیا گیا ہے) یا ہر شخص ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امر اپنی عظمت اور علوشان کے سبب اس بات کا حق دار ہے کہ جو شخص خوشخبری سنانے پر قدرت رکھتا ہے وہ یہ خوشخبری ہر ایک کو سنایا کرے اور اس کو ''فَاتَّقُوْا'' پر معطوف کیا گیا ہے جیسے تم کہو کہ اے بنی تمیم! ڈرو ان بداعمال کے انجام سے جن کا تم نے ارتکاب کیا ہے اے فلاں! بنی اسد کو میرے احسانات کی خوشخبری سنا دو جو میں ان پر کرنے والا ہوں یا پھر کافروں کے عذاب کو بیان کرنے والے پچھلے جملہ پر مسلمانوں کے ثواب کو بیان کرنے والے اس جملہ کو معطوف کر دیا گیا ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ زید کو قید و بند اور تکلیف ومشقت کے ساتھ سزا دی جائے گی اور عمر کو معافی اور آزاد ہو جانے کی خوشخبری دو پھر ''بشارت'' ایسی خبر سنانے کو کہتے ہیں جس سے خبر سننے والے کو مسرت وخوشی حاصل ہو اور اسی وجہ سے علماء دین نے کہا کہ جب کسی آدمی نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم میں سے جس نے فلاں شخص کی آمد کی خوشخبری سنائی تو وہ آزاد ہے چنانچہ انہوں نے اپنے مالک کو یکے بعد دیگرے الگ الگ آنے والے شخص کی خوشخبری سنائی تو سب سے پہلے خوشخبری سنانے والا آزاد ہو جائے گا کیونکہ صرف اسی نے اپنے مالک کو خبر سنا کر مسرور وخوش کیا باقیوں نے نہیں اور اگر مالک ''بَشَّرَنِیْ'' کی بجائے ''اَخْبَرَنِیْ'' کہتا تو سب آزاد ہو جاتے کیونکہ خبر سب نے سنائی ہے اور اسی سے ''بَشْرَۃ'' بنا ہے اور بدن کے ظاہری چمڑے کو اور صبح کی سب سے پہلی روشنی کو ''بَشَرَہ'' کہتے ہیں لیکن ''فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے'' کا معاملہ برعکس ہے (کیونکہ یہ دراصل خوشخبری نہیں ذلت کی خبر ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام کے ذریعہ کافروں کا مذاق اڑایا گیا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے دشمن سے کہے کہ تمہیں تمہاری اولاد کے قتل ہو جانے اور مال و دولت لُوٹ لیے جانے پر خوشخبری ہو اور لفظ ''صَالِحَۃٌ'' ''حَسَنَۃٌ'' کی طرح اسم بامسمّیٰ ہے اور عقلِ سلیم اور کتاب وسنت کی روشنی میں جو اعمال درست اور صحیح ہوتے ہیں انہیں ''صالحات'' کہتے ہیں اور لام جنس کا ہے اور یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جنہوں نے اعمال کو ایمان کا جزو قرار دیا اور اعمال کو ایمان میں داخل کیا ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ میں اعمال صالحہ کو ایمان پر معطوف کیا گیا ہے جب کہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے اور یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ تم تو کہتے ہو کہ مسلمان بغیر اعمال صالحہ کے جنت میں جاسکتا ہے حالانکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے جنت کی خوشخبری صرف انہیں دی ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اس لیے کہ بشارتِ مطلقہ کے لیے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ شرط ہیں اور ہم گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے لیے بشارتِ مطلقہ ثابت نہیں کرتے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے ساتھ بشارتِ مقیدہ ثابت کرتے ہیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے تو اس کو اس کے گناہوں کے برابر سزا دے کر پھر جنت میں داخل کر دے۔ ﴿ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ ﴾ یعنی ''بِاَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ'' ان کے لیے باغات ہیں [اور یہاں ''اَنَّ'' اپنے اسم منصوب اور جار مجرور سے مل کر ''بَشِّرْ'' کے متعلق ہے یہ سیبویہ کے نزدیک ہے نہ کہ خلیل کے نزدیک (ان کے نزدیک ''اَنَّ'' اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر بحکم مفرد ''بَشِّر'' کا مفعول بہ ہے] اور یہ قرآن میں کثرت سے آیا ہے اور ''جنت'' کھجوروں اور گھنے درختوں کے باغ کو کہتے ہیں۔ دراصل ''جَنَّۃٌ'' کا معنی ستر اور پوشیدہ ہونا ہے اور اسی سے جن، جنون (دیوانگی)، جنین (ماں کے رحم میں موجود بچہ)، جنت، جان (جن کی اسم جمع) اور جنان (دل) بنے ہیں اور ''دَارُ الثَّوَابِ. بہشت'' کو جنت اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ستر و پوشیدگی پائی جاتی ہے اور جنت بن چکی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّۃَ'' (البقرہ:۳۵) (تم اور تمہاری

بیوی بہشت میں ٹھہرو)۔ ایک گروہِ معتزلہ اس کے خلاف ہے اور جنت کے جمع اور نکرہ لانے کا مطلب یہ ہے کہ پورے "دارالثواب" کا نام جنت ہے اور وہ بہت سی بہشتوں پر مشتمل ہے کیونکہ انہیں صالحین کے اعمال کے مطابق کئی درجات و مراتب پر مرتب کیا گیا ہے' چنانچہ صالحین میں سے ہر طبقہ کو ان بہشتوں میں سے حسب مراتب بہشتیں ملیں گی۔ ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ یہ پورا جملہ "جَنّٰتٍ" کی صفت ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے' مطلب یہ ہے کہ اس کے درختوں کے نیچے جس طرح تم بہتی نہروں کے کناروں پر اگے ہوئے درختوں کو دیکھتے ہو اور بہشت کی نہریں بغیر گڑھے کے جاری ہوں گی اور سب سے زیادہ پاکیزہ اور اچھے باغات وہ ہوتے ہیں جن کے درخت گھنے ہوں اور ان میں نہریں جاری ہوں اور یہ کشادہ اور بہتی نہریں ندی نالوں سے بڑی اور دریا سے چھوٹی ہوتی ہیں جس طرح "نیل" کو مصر کی نہر کہا جاتا ہے اور عمدہ لغت کے مطابق (نون پر زبر اور ھا پر سکون کے ساتھ) "نَهْـرٌ" ہے (جس کی جمع انہار ہے) اور لفظ کا مدار وسعت پر ہے' نہروں کی طرف جاری اور بہنے کی نسبت مجازاً ہے (کیونکہ نہر میں پانی بہتا ہے نہر نہیں) اور "اَلْاَنْهَـار" کو معرف باللام لایا گیا ہے کیونکہ ممکن ہے اس سے مراد "اَنْهَارُهَا" ہو اور "هَا" ضمیر جو کہ مضاف الیہ ہے حذف کر کے اس کے عوض لام تعریف لگایا گیا ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا. (الریم:۴) یعنی سر کے بال سفید ہو گئے ہیں" یا لام تعریف سے ان نہروں کی طرف اشارہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہیں "فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى. (محمد:۱۵) اس میں پانی کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بگڑتا اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور ایسے شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت بخش ہے اور ایسے شہد کی نہریں ہیں جو صاف ستھرا ہے" اور بہتا پانی تو نعمتِ عظمیٰ اور لذتِ کبریٰ ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے ساتھ رواں دواں نہروں کا ذکر کیا ہے اور ان کو جنت کی باقی تمام صفتوں سے پہلے ذکر کیا ہے۔ ﴿كُلَّمَا رُزِقُوْا﴾ [یہ "جَنّٰتٍ" کی دوسری صفت ہے یا یہ نیا جملہ ہے] اس لیے کہ جب کہا گیا کہ ان کے لیے باغات ہیں تو سامع کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ ان باغات کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کی طرح ہوں گے یا دوسری اجناس کے ہوں گے جو دنیا کی اجناس کے مشابہ نہیں ہوں گے تو جواب میں کہا گیا کہ ان کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کے مشابہ یعنی باہم ہم جنس ہوں گے اگرچہ ذائقے' لذت اور حسن و جمال میں انتہائی مختلف ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ﴿مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ﴾ یعنی جب انہیں ان باغات میں سے کھانے کے لیے پھل دیئے جائیں گے یعنی سیب اور انار وغیرہ' تو کہیں گے: یہ تو اس سے پہلے دیا جا چکا ہے اور یہاں حرف "مِنْ" پہلا اور دوسرا دونوں ابتدائے غایت کے لیے ہیں کیونکہ رزق کا آغاز جنت سے ہوگا اور جنت کے رزق کا آغاز پھلوں سے ہوگا' اس کی مثال یہ ہے کہ تم کہو کہ مجھے فلاں شخص نے رزق دیا ہے' تو تم کو کہا جائے گا: کہاں سے؟ تو تم کہو گے: اپنے باغ سے' تو تمہیں کہا جائے گا کہ اس نے تمہیں اپنے باغ میں سے کون سا پھل دیا ہے؟ تو تم کہو گے: انار دیا ہے اور یہاں پھل سے مراد ایک سیب یا ایک انار نہیں ہے بلکہ پھلوں کی مختلف انواع واقسام مراد ہیں۔ ﴿رُزِقْنَا﴾ اصل میں "رُزِقْنَاهُ" ہے ضمیر مفعول بہ کو حذف کر دیا گیا ہے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی "مِنْ قَبْلُ هٰذَا" ہے' پھر جب اس سے اس کی اضافت کو جدا کر دیا گیا تو اس کو مبنی قرار دے دیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح کا رزق ہمیں پہلے دیا جا چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق تشبیہ دی گئی ہے۔ ﴿وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے "اَبُوْ يُوْسُفَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ. یعنی ابو یوسف ابو حنیفہ ہی کی طرح ہیں"۔ تم تشبیہ کو مستحکم کرنا چاہتے ہو گویا امام ابو یوسف کی ذات امام ابو حنیفہ ہی کی ذات ہے اور "بِـهٖ" میں ضمیر دنیا اور آخرت میں ملنے والے رزق کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "هٰـذَا الَّـذِیْ

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ'' دنیاوآخرت میں ملنے والے تمام رزق کو شامل ہے اور بلاشبہ جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے کسی دوسری جنس کے نہیں ہوں گے اس لیے کہ انسان مانوس چیز کو پسند کرتا ہے اور مشہور ومعروف چیز کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے اور جب آدمی ایسی چیز دیکھتا ہے جو اسے پسند نہ ہو تو اس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہے اور اسے اس چیز سے بچاتی ہے اور اس لیے بھی کہ جب انسان ایسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جو اسے پہلے مل چکی ہو تو اس کے ساتھ مانوس ہوتا ہے اور جب اس میں عمدگی وخوبی اور لذت ومزہ میں واضح فرق ملاحظہ کرتا ہے تو اس کا تعجب زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کا تجسس بڑھ جاتا ہے اور وہ لوگ یہ جملہ ہر اس وقت دہرائیں گے جب بھی انہیں ہر قسم کا نیا پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا اور یہ دنیوی نعمتوں کے عارضی اور فانی ہونے پر اور آخرت کی نعمتوں کے قائم ودائم رہنے کی فضیلت پر عمدہ ترین دلیل ہے' نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں ایسا عظیم تفاوت اور فرق ہوگا کہ ان کا تعجب ہر لحہ اور ہر رزق پر بڑھتا ہی جائے گا جیسا کہ لفظ ''هٰذَا'' اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے پھلوں میں سے انہیں جو رزق دیا جائے گا وہ ان کو باہم ملتا جلتا دیا جائے گا جیسا کہ حضرت حسن سے روایت ہے کہ ان کو بڑا پیالہ دیا جائے گا جس سے وہ کھائیں گے' پھر جب دوبارہ دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں دیا جا چکا ہے' فرشتہ کہے گا: کھاؤ! کیونکہ رنگ ایک جیسا ہے مگر ذائقہ اور مزہ مختلف ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ بے شک جنتی آدمی پھل لے گا تا کہ اسے کھائے مگر ابھی اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے تبدیل کر دے گا اور اس کی جگہ اسی کی مانند اور دے دے گا اور جب جنتی اسے دیکھیں گے اور اس کی شکل وصورت پہلے کی شکل وصورت سے ملتی جلتی ہوگی تو کہیں گے: وہی تو ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا'' جملہ معترضہ ہے جو صرف تاکید وتقریر کے لیے آیا ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ فلاں آدمی فلاں شخص سے بہت اچھا ہے اور بہت اچھا ہے جو اس نے کیا ہے اور اس نے اس طرح تجویز پیش کی ہے اور اس کی تجویز درست ہے اور اسی سے یہ ارشاد ہے: ''وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ. (النمل:۳۴) اور وہ اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور وہ اسی طرح کرتے ہیں''۔ ﴿وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ﴾ [''اَزْوَاجٌ'' مبتدا ہے اور ''لَهُمْ'' خبر ہے اور ''فِيْهَا'' ظرف مستقر ہے] ﴿مُّطَهَّرَةٌ﴾ ایک جیسے اخلاق وعادات والیاں' نہ مغرور ہوں گی اور نہ تکبر کریں گی یا وہ حیض ونفاس جیسے مخصوص نسوانی عوارضات سے پاک ہوں گی' نیز ان عوارضات سے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانوں میں موجود ہیں جیسے بول وبراز اور باقی گندگیوں اور ناپاکیوں وغیرہ سے وہ پاک ہوں گی اور موصوف کی طرح صفت کو جمع اس لیے نہیں لایا گیا کیونکہ یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں' نیز ''طَاهِرَةٌ'' نہیں کہا کیونکہ ''مُطَهَّرَةٌ'' زیادہ بلیغ ہے اور یہ زیادہ پاکیزگی کا معنی دیتا ہے' نیز یہ بتانا اور ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ پاک وصاف پیدا کی گئی ہیں اور انہیں صرف اللہ تعالیٰ نے پاک وصاف پیدا کیا ہے۔

﴿وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [''خُلْد'' اور ''خُلُوْد'' کا معنی ہے: ہمیشہ قائم وباقی رہنا اور کبھی ختم نہ ہونا اور اس سے جہمیہ فرقہ کا قول باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جنت اور جنتی لوگ سب فنا ہو جائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ ''اول'' بھی ہے اور ''آخر'' بھی ہے حالانکہ اول کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ ہے اور آخر کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہوگا' لہٰذا یہ قول بداہت کے ساتھ ثابت ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بذاتہٖ باقی ہے اور اس کی تمام صفات باقی ہیں' پس اگر جنت اور جنتی حضرات بھی باقی رہیں تو خالق ومخلوق کے درمیان مشابہت پیدا ہو جائے گی جو محال اور ناممکن

ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ''اول'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود کی ابتداء نہیں بلکہ وہ ہمیشہ سے ہے اور اس کے حق میں ''آخر'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی انتہاء کوئی نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے گا' اس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء ہے' وہ ازلی اور ابدی ہے اور ہمارے حق میں ''اول'' ہونے کا مطلب ہے: پہلا فرد اور ''آخر'' کا مطلب ہے: سب سے پچھلا فرد اور اللہ تعالیٰ کا اول و آخر کے ساتھ موصوف ہونا صرف صفتِ کمال کو بیان کرنے کے لیے ہے' نیز زوال و نقص کی تردید کرنے کے لیے ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حدوث اور فنا کے احتمال سے پاک ہے نہ کہ اس طرح جس طرح انہوں نے کہا اور بقا میں مشابہت کیسے لازم آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بذاتہ باقی ہے اور اس کی بقا واجب' لازم اور ضروری ہے جب کہ مخلوق کی بقا نہ ذاتی ہے نہ لازمی بلکہ صرف جائز ہے' لہٰذا صرف اللہ تعالیٰ ''واجب الوجود'' ٹھہرا اور اس کی مخلوق ''ممکن الوجود'' ٹھہری' بہرحال جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مکڑی اور مکھی کا ذکر کیا اور اس کی مثال بیان کی تو یہود نے مذاق اڑایا اور کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے مشابہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیات) نازل کیں:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

بے شک اللہ کسی بھی مثال کے بیان کو ترک نہیں فرماتا مچھر کی مثال ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی' لیکن جو لوگ ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے' اور جنہوں نے کفر کیا وہ تو کہتے ہیں کہ اللہ نے اس (حقیر) مثال سے کیا ارادہ کیا ہے؟ وہ اس سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے' اور بہتوں کو اس سے ہدایت عطا کرتا ہے' اور وہ اس سے صرف فاسقوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے ○

کفار کی کج روی اور اللہ تعالیٰ کی شان

۲٦- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ مچھر وغیرہ کی مثال بیان کرنے کو ترک نہیں فرماتا کیونکہ جو آدمی کسی حقیر چیز کی مثال بیان کرنے سے شرم و حیاء کرتا ہے تو اسے ترک کر دیتا ہے اور اس کی مثال بیان کرنے کو چھوڑ دیتا ہے۔ اصل حیاء تغیر و تبدل' انکسار و انفعال کی وہ حالت ہے جو انسان پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب اسے کسی عیب لگنے یا مذمت و رسوائی ہونے کا خدشہ ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم ذات پر تغیر اور خوف ذم جائز نہیں ہے' لیکن چونکہ ترک حیاء کے لوازمات میں سے ہے اس لیے ترک کو حیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ عبارت کافروں کے کلام کے مطابق واقع ہوئی ہو کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''اَمَا يَسْتَحْيِيْ رَبُّ مُحَمَّدٍ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا بِالذُّبَابِ وَالْعَنْكَبُوْتِ. کیا (حضرت) محمد (ﷺ) کے رب کو حقیر سی مکھی اور مکڑی کی مثال دیتے ہوئے حیاء نہیں آتی'' تو ان کے کلام کے مقابلہ میں ان کے سوال کے مطابق جواب دیا گیا ہے۔ یہ کلامِ عرب میں بہترین فن ہے اور اس میں دو لغتیں ہیں' ایک میں بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے دوسری میں حرف جار کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے: ''اِسْتَحْيَيْتُهٗ وَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ'' اور یہاں دونوں احتمال ممکن ہیں اور ''ضرب المثل'' کو ''ضرب اللبن'' اور ''ضرب الخاتم'' سے لیا گیا ہے اور لفظ ''مَا''

ابہامیہ ہے اور یہ جب اسم نکرہ پر داخل ہوتا ہے تو ابہام کو بڑھا دیتا ہے اور اس کے عموم میں اضافہ کر دیتا ہے جیسے تیرا یہ قول ''اَعْطِنِیْ کِتَابًا مَّا. کوئی کتاب مجھے دے دیجئے'' جب تم کوئی کتاب چاہتے ہو یا یہ صلہ ہے تاکید کے لیے آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ. (النساء:۱۵۵) تو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے'' گویا فرمایا گیا: یقیناً اللہ تعالیٰ مثال بیان کرنے کو ترک نہیں کرتا [اور ''بَعُوْضَةً'' ''مَثَلًا'' کا عطف بیان ہے یا پھر ''اَنْ يَّضْرِبَ'' کا مفعول ہے اور ''مَثَلًا'' اسم نکرہ ''بَعُوْضَةً'' کا حال مقدم ہے یا یہ دونوں (''مَثَلًا'' اور ''بَعُوْضَةً'') منصوب ہو کر ''اَنْ يَّضْرِبَ'' کے مفعول ہیں اور یہ فعل ''جَعَلَ'' کے معنی میں ہے]اور یہ ''بَعْضٌ'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: ٹکڑا یا کاٹنا جیسے ''بِضْعٌ'' اور ''عَضْبٌ'' ہیں۔ کہا جاتا ہے: اس نے اسے کاٹ دیا ہے اور اسی سے ''بَعْضُ الشَّيْءِ'' ہے کیونکہ کسی شے کا بعض اس کا ایک ٹکڑا ہی ہوتا ہے اور ''بعوض'' دراصل ''قطوع'' کی طرح فعول کے وزن پر صفت ہے' پھر اسم کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ تو اس سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ ہو جس معنی کے لیے مثال بیان کی گئی ہے اور وہ قلت و حقارت ہے یا جسم میں اس سے بڑھ کر ہو' یعنی جسم میں زیادہ بڑی ہو گویا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو مکھی اور مکڑی کی مثال کو اجنبی اور غیر مناسب خیال کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں چیزیں مچھر سے بڑی ہیں' اور یوں نہ کہا جائے کہ مچھر سے چھوٹی چیز کی مثال کیسے بیان کی جا سکتی ہے حالانکہ یہ انتہائی چھوٹا جانور ہے کیونکہ مچھر کا پر مچھر سے بہت چھوٹا ہوتا ہے اور کئی درجے زیادہ حقیر ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی مثال مچھر کے ساتھ بیان کی ہے۔ ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ [ضمیر یا مثل کی طرف راجع ہے یا ''اَنْ يَّضْرِبَ'' کی طرف راجع ہے]اور حق ایسی مثبت چیز کو کہتے ہیں جس کا انکار جائز نہ ہو' جب کوئی چیز ثابت اور واجب ہو تو اسے کہا جاتا ہے: ''حَقَّ الْاَمْرُ''] ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ محلًا منصوب ہے اور حال واقع ہو رہا ہے اور اس میں عامل حق کا معنی ہے [اور ذوالحال حق میں مستتر ضمیر ہے] (وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا) اور اس پر وقف کیا جائے گا کیونکہ اگر وصل کیا جائے گا تو یہ اپنے مابعد کی صفت بن جائے گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے' اور کافروں نے ''مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا'' حقارت کے لیے کہا تھا جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبد اللہ بن عمرو کے متعلق فرمایا تھا: ''يَا عَجَبًا لِابْنِ عَمْرٍو'' یہ جملہ ان کی حقارت کے لیے بولا گیا تھا اور ''مَثَلًا'' یا تو تمیز ہے اور اس لیے منصوب ہے یا حال ہے' اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ''هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً. (الاعراف:۷۳) یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے (قدرت کی) نشانی ہے' اور ''اَمَّا'' ایسا حرف ہے جس میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے ''فَا'' کے ساتھ جواب دیا گیا ہے اور کلام میں اس کا فائدہ صرف تاکید پیدا کرنا ہے جیسے تم کہو: ''زَيْدٌ ذَاهِبٌ. زید جانے والا ہے'' لیکن جس وقت تم اس میں تاکید پیدا کرنا چاہو کہ وہ ہر حال میں جائے گا تو پھر یوں کہنا ہو گا: ''اَمَّا زَيْدٌ فَذَاهِبٌ. لیکن زید ضرور جائے گا'' اس لیے سیبویہ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے: ''مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ ذَاهِبٌ. جب بھی کچھ ہو گا تو زید ضرور جائے گا'' اور یہ تفسیر ایک تو تاکید کا اور دوسرا شرط کے معنی کا فائدہ دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے (یہاں مختصر کلام) ''فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَقُوْلُوْنَ'' نہیں فرمایا کیونکہ دونوں جملوں کو جو حرف ''اَمَّا'' کے ساتھ شروع ہوتے ہیں' وارد کر کے مسلمانوں کی بہت بڑی حمد و ستائش کی ہے اور ان کی زبردست خوبی بیان کی ہے جب کہ کافروں کے غفلت اختیار کرنے پر طعن کیا ہے اور احمقانہ جملہ کہنے پر ان کی مذمت بیان کی ہے [''مَاذَا'' میں دو وجہیں ہیں' ایک وجہ یہ ہے کہ ''مَا'' حرف استفہام ہے اور ''ذَا'' اسم موصول ہے اور ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے' اس طرح یہ دو کلمے بنتے ہیں' دوسری وجہ یہ ہے کہ ''ذَا'' ''مَا'' سے مل کر مرکب ہو گیا ہے اور دونوں کو استفہام کے لیے ایک اسم بنا دیا گیا ہے' لہٰذا یہ ایک کلمہ ہے' بہر حال پہلی وجہ کی بنا پر

حرف ''مَا'' مرفوع ہو کر مبتدا ہوگا اور ''ذَا'' اپنے صلہ ''اَرَادَ'' کے ساتھ مل کر خبر بنے گا اور اس میں ضمیر عائد محذوف ہوگی' اور دوسری وجہ کی بنا پر ''مَاذَا'' مرکب ہے اور محلا منصوب ہو کر ''اَرَادَ'' کا مفعول مقدم بنے گا] اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''اَیَّ شَیْءٍ اَرَادَ اللّٰہُ. یعنی اللہ نے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ اور ''اِرَادَةٌ'' ''اَرَدْتَّ الشَّیْءَ'' کا مصدر ہے جب تم اس چیز کو اپنے لیے طلب کرو اور تمہارا دل اس کی طرف راغب ہو چکا ہو اور متکلمین کے نزدیک یہ فعل اپنے مفعولات کی تقدرے تخصیص اور قدرے تعمیم کا تقاضا کرتا ہے اور اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ''ارادہ'' کے ساتھ حقیقۃً متصف ہوتا ہے جب کہ بغداد کے معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کے ساتھ حقیقت میں متصف نہیں' لہٰذا جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارادہ کرلیا ہے' تو اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نسیان اور بغیر کسی اکراہ کے یہ کام کیا ہے اور اگر یہ کسی غیر کا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کام کا حکم دیا ہے۔ ﴿یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا﴾ یہ کلام حرف ''اَمَّا'' سے شروع کیے گئے گزشتہ دونوں جملوں کے لیے تفسیر اور بیان کے قائم مقام ہے۔ امثال قرآنی کو برحق جاننے والے اور اس کو برحق نہ جاننے والے جاہل اور اس کا مذاق اڑانے والے دونوں کثرت کے ساتھ موصوف ہیں' اور اس کو حق جاننا ہدایت کے باب سے ہے جب کہ اس کے حسنِ مورد سے انکار کرنا اور اس سے ناواقف رہنا ضلالت و گمراہی کے باب سے ہے اور اہل ہدایت حقیقت میں بہت زیادہ ہیں اگر چہ گمراہوں کے مقابلہ میں قلیل ہیں کیونکہ تھوڑے ہدایت یافتہ حقیقت میں بہت زیادہ ہیں اگر چہ بظاہر صورت میں تھوڑے ہیں۔ شعر کا ترجمہ:

ان الکلام کثیر فی البلاد وان　　قلوا کما غیرھم قل وان کثروا

''شہروں میں کلام بہت کیا جاتی ہے اگر چہ بولنے والے افراد کم ہوں جب کہ دیہاتوں میں گفتگو کم ہوتی ہے اگر چہ افراد زیادہ ہوں''۔

اور انسان میں گمراہی کا فعل پیدا کرنا ''اضلال'' ہے' اور اس میں ''ہدایت'' کا فعل پیدا کرنا ''ہدایت'' ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہی حق ہے اور یہ آیت مبارکہ اس لیے بیان کی گئی ہے کہ جس کو کافروں نے ناپسند کیا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ حقیر چیزوں کی مثال بیان کی جاتی ہے ان کو بتایا جائے کہ یہ انکار کرنے' ناپسند کرنے اور اظہارِ تعجب کرنے کی جگہ نہیں ہے کیونکہ مثال بیان کرنے کا مقصد معنی کی تشریح کرنا ہوتا ہے اس لیے اس کی طرف رجوع محض معنی کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے' نیز ایک خیالی اور وہمی چیز کو مثال کے ذریعہ مشاہدہ کے قریب کر دیا جاتا ہے' لہٰذا ممثل لہ (جس کی مثال بیان کی جائے) عظیم ہوگا تو ممثل بہ (جس کے ساتھ مثال بیان کی جائے) بھی عظیم ہوگا اور اگر ممثل لہ حقیر ہوگا تو ممثل بہ بھی حقیر ہوگا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ چونکہ حق واضح اور روشن ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے ''ضیاء'' اور ''نور'' کی مثال بیان کی جاتی ہے جب کہ باطل حق کی ضد ہوتا ہے' اس لیے اس کے لیے ''ظلمت'' کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ جب کفار کے معبود' جن کو انہوں نے خدا کا شریک ٹھہرایا' مکھی اور مکڑی سے بڑھ کر حقیر اور گھٹیا ہیں تو اس لیے حقارت و کمزوری میں مکڑی کے گھر کو ان کے مماثل قرار دیا گیا ہے اور ان کو مکھی سے بھی گھٹیا قرار دیا گیا ہے اور ان کے لیے مچھر کی مثال بیان کی گئی ہے تو اس قدر ادنیٰ اور حقیر بتوں کی مثالوں کو ناپسند و اجنبی خیال نہیں کرنا چاہیے اور نہ ان کو انوکھا خیال کرنا چاہیے اور نہ متمثل یعنی مثال بیان کرنے والے کے حق میں یہ کہنا چاہیے کہ وہ بتوں کے لیے مچھر کی مثال بیان کرنے میں حیاء کرتا ہے کیونکہ وہ تو مثال بیان کرنے میں مصیب اور حق بجانب ہے اور اپنے قول میں سچا ہے اور اس نے امرِ واقع کی مثال بیان کی ہے' نیز یہ آیتِ مبارکہ اس لیے بیان کی گئی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ مسلمان جن کی عادت انصاف کرنا ہے اور معاملات میں عقلِ سلیم کے ساتھ غور و فکر کرنا ہے' جب انہوں

نے اس مثال کو سنا تو وہ جان گئے کہ یہ حق ہے لیکن کفار جن کی عقلوں پر جہالت غالب آ چکی تھی جب انہوں نے اس مثال کو سنا تو مخالفت شروع کر دی اور دشمن ہو گئے اور اس پر بطلان کا فتویٰ جڑ دیا اور انکار کر کے مقابلہ شروع کر دیا اور یہی عمل مسلمانوں کی ہدایت کا اور کافروں اور فاسقوں کی ضلالت وگمراہی کا سبب بن گیا اور ان پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا کس طرح انکار کر دیا کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ چوپائیوں' پرندوں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں کی مثالیں بیان کرتے رہتے ہیں' چنانچہ کہتے ہیں: چیونٹی سے زیادہ خوراک جمع کرنے والا' مکھی سے زیادہ بہادر' چیچڑ سے زیادہ سننے والا' پروانہ سے زیادہ کمزور' گھن سے بھی زیادہ کھانے والا' مچھر سے بڑھ کر کمزور و ناتواں اور مچھر کے مغز سے زیادہ نایاب' لیکن مغلوب ومبہوت کافر کی خساست وکمینگی یہ ہے کہ وہ فرط حیرت سے ایک واضح اور روشن حقیقت کا انکار کر دیتا ہے۔ ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ [یہ (فاسقین) ''يُضِلُّ'' کا مفعول ہے' اور استثناء کی بنا پر منصوب نہیں ہے کیونکہ ''يُضِلُّ'' اپنے مفعول میں عمل کرنا نہیں چھوڑتا] اور ''فِسق'' کا معنیٰ ''اپنے ارادہ کے ساتھ نکلنا'' ہے' اور شریعت میں ''فاسق'' اس کو کہتے ہیں جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکل جائے اور معتزلہ کے نزدیک ایسا شخص دو منزلوں کے درمیان گر جاتا ہے یعنی مومن اور کافر کے درمیان گر جاتا ہے (نہ مومن رہتا ہے نہ کافر) اور ان شاء اللہ عنقریب اس کا بطلان تم پر واضح ہو جائے گا۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۸ ھُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۹ ع

ع ۹/۳

جو اللہ کے عہد کو خوب پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا' پھر تمہیں مارے گا' پھر تمہیں زندہ کرے گا' پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین میں سب کچھ پیدا کیا' پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سات ہموار آسمان بنا دیئے' اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے ○

۲۷- ﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ﴾ ''نقض'' کا معنیٰ فسخ کرنا اور آپس میں جڑی دو چیزوں کو الگ کرنا ہے۔ ''عہد'' کا معنیٰ ہے: ''مضبوط ومستحکم اور پختہ کرنا''۔ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑنے والوں سے مراد یا تو یہود کے متعصب علما ہیں' یا ان میں سے منافقین مراد ہیں' یا پھر تمام کفار مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عقول میں راسخ کر دیئے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں توحید کی وصیت کی تھی اور ان پر عقیدۂ توحید لازم قرار دیا تھا یا پھر وہ ''میثاق'' مراد

ہے جو ان سے لیا گیا تھا کہ جب ان کے پاس رسولِ اکرم نبی محتشم ﷺ کو بھیجا جائے گا جن کی اللہ تعالیٰ معجزات سے تصدیق و تائید فرمائے گا تو ان پر لازم ہوگا کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق و تائید کریں اور آپ کی اتباع کریں اور آپ کا ذکر مبارک لوگوں سے نہیں چھپائیں گے یا اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کا خون نہیں بہائیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے اور رشتے ناطے نہیں توڑیں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے تین عہد لیے تھے' ان میں سے ایک عہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم سے لیا تھا کہ ان سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) ارشاد فرمایا: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا. (الاعراف:۱۷۲) اے محبوب! یاد کیجئے جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں (تو ہمارا رب ہے) ہم نے گواہی دی ہے'' اور دوسرا وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف انبیائے کرام کے ساتھ مخصوص فرمایا کہ وہ نبوت و رسالت کی تبلیغ کریں گے اور دینِ حق کو قائم کریں گے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) ارشاد فرمایا: ''وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا'' (الاحزاب:۷) اور اے محبوب! یاد کیجئے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا اور خاص کر تم سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا'' اور تیسرا وہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے علما کے ساتھ مخصوص فرمایا' چنانچہ فرمایا: ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا'' (آل عمران:۱۸۷) ''اے محبوب! یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا جنہیں کتاب عنایت کی گئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لی[1] ﴿مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ﴾ ''مِیْثَاق'' کی اصل ''وَثَاقَة'' ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو مضبوط و مستحکم کرنا' اور ضمیر ''عہد'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی وہ عہد جس کو قبول کرنے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے چوتھا عہد تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عالم ارواح میں حضور سرورِ عالم ﷺ کے بارے میں لیا تھا کہ جب آپ ان کی حیات مبارکہ میں مبعوث ہو جائیں تو ان پر لازم ہوگا کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ'' (آل عمران:۸۱) ''اور اے محبوب! یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب و حکمت دوں' پھر تمہارے پاس وہ عظیم الشان رسول تشریف لے آئیں جو تصدیق کرنے والے ہوں اس کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ سب نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا: پس تم سب گواہ ہو جاؤ! اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں''۔ حضرت علی مرتضیٰ و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آخر تک جس نبی کو بھی بھیجا' اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو گئے تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے گا اور ضرور آپ کی مدد کرے گا' پھر وہ نبی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی امت سے یہ عہد لیتا تھا۔

(تفسیر روح المعانی' تفسیر ابن کثیر' تفسیر کبیر' تفسیر مظہری' انوار محمدیہ' المواہب اللدنیہ)

اور اپنے ذمے لازم کرنے کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ وعدہ کیا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ میثاق صرف وعدہ کے معنی میں ہو جس طرح میعاد اور وعدہ کے معنی میں آتا ہے یا یہ ضمیر اسم جلالت ''اللہ'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرنے کے بعد (اس کو توڑ دیا) اور حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے معنی کے لیے آیا ہے۔ ﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ یعنی رشتہ داروں سے رشتہ کے تعلق کو توڑنا اور مسلمانوں سے دوستی ختم کرنا مراد ہے یا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے تعلق توڑنا اور بعض آیات پر ایمان لانے اور بعض آیات سے انکار کرنے کے سبب حق پر اتفاق و اجتماع کے تعلق کو ختم کرنا مراد ہے اور بہ طور ''استعلاء'' اپنے مخصوص قول کے ذریعے فعل طلب کرنا ''امر'' کہلاتا ہے [اور ''مَا'' نکرہ موصوفہ ہے یا موصولہ ہے اور ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے اور ''اَنْ يُّوْصَلَ'' محلاً مجرور ہے اور ''بِهٖ'' کی ضمیر سے بدل ہے یعنی ''بِوَصْلِهٖ'' اس کو ملانا یا پھر محلاً مرفوع ہے یعنی ''هُوَ اَنْ يُّوْصَلَ'' وہ ملایا جائے (گویا مبتدا محذوف ''هُوَ'' کی خبر ہے)] ﴿وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ راستے میں ڈاکہ ڈالنے اور لوگوں کو ایمان سے روکنے کے سبب (زمین میں فساد پھیلاتے ہیں) [﴿اُولٰٓئِكَ﴾ مبتدا ہے ﴿هُمُ﴾ ضمیر فصل ہے اور خبر ﴿الْخٰسِرُوْنَ﴾ ہے] یعنی نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے ایفائے عہد کے بدلے عہد شکنی اور صلہ رحمی کے بدلے قطع رحمی اور اصلاح کے بدلے فساد اور ثواب کے بدلے عذاب اختیار کر لیا ہے۔

۲۸- ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ''كَيْفَ'' ہمزہ استفہام کے معنی میں ہے جیسے تمہارا یہ قول ''اَتَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ. کیا تم خدا کا انکار کرتے ہو'' حالانکہ تمہارے پاس ایسے دلائل (قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں جو تمہارے سامنے) موجود ہیں جو تمہیں کفر سے ایمان کی طرف دعوت دیتے ہیں اور یہ استفہامِ انکاری ہے جو تعجب کے لیے آیا ہے۔ اس کی مثال تمہارا یہ قول ہے: ''اَتَطِيْرُ بِغَيْرِ جَنَاحٍ وَكَيْفَ تَطِيْرُ بِغَيْرِ جَنَاحٍ'' ''کیا کوئی پرندہ بغیر بازوؤں کے اڑ سکتا ہے اور پرندہ بغیر بازوؤں کے کیسے اڑ سکتا ہے'' (پس ثابت ہو گیا کہ ہمزہ اور کیف ہم معنی ہیں)۔ ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا﴾ اور تم اپنے باپ دادوں کی پشتوں میں بے جان نطفہ تھے [اور اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے نیز اس کے بعد لفظ ''قَدْ'' پوشیدہ ہے اور ''اَمْوَاتٌ'' ''مَيِّتٌ'' کی جمع ہے جس طرح ''اَقْوَالٌ'' ''قِيْلٌ'' کی جمع ہے] نیز اصل میں حیات کے نہ ہونے کو موت کہا جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: ''بَلْدَةً مَّيْتًا. (الفرقان:۴۹) یعنی مردہ شہر''۔ ﴿فَاَحْيَاكُمْ﴾ تمہیں رحموں میں زندگی بخشی۔ ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ پھر وہ تمہیں مقرر کردہ زندگی کے اختتام پر مارے گا۔ ﴿ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ پھر وہ تمہیں حشر کے دن زندہ کرے گا۔ ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اس کی بارگاہ میں جزاء کے لیے حاضر کیے جاؤ گے یا پھر اللہ تعالیٰ قبروں میں تمہیں زندگی عطا کرے گا پھر قیامت کے دن تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اس آیت کریمہ میں پہلا عطف ''فا'' کے ساتھ ہے جب کہ باقی تمام عطف ''ثُمَّ'' کے ساتھ ہیں کیونکہ پہلی زندگی (ماں کے شکم میں) موت کے بعد بغیر کسی تاخیر کے عطا کی جاتی ہے لیکن دنیا میں عموماً کافی عرصہ زندگی گزارنے کے بعد موت آتی ہے اس لیے ''ثُمَّ'' کے ساتھ عطف کیا گیا جو تاخیر کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح موت کے بعد دوسری زندگی سے مراد اگر قبروں سے اٹھنے کے بعد قیامت کے دن کی زندگی ہے تو پھر زندگی کا تراخی (تاخیر) کے ساتھ آنا واضح ہے اس لیے ''ثُمَّ'' کے ساتھ عطف کیا گیا جو تراخی کے لیے آتا ہے اور اگر قبر کی زندگی مراد ہے تو پھر بھی مرنے کے بعد (غسل، کفن اور دفن میں کافی) تاخیر ہو جاتی ہے پھر جزاء کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری حشر و نشر کے کافی عرصہ بعد ہو گی (کیونکہ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا) نیز اس آیت مبارکہ میں موت و حیات کے مذکورہ قصہ کے ساتھ استفہامِ انکاری کے ذریعے ان کے کفر اختیار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے گویا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ واقعہ ایسے روشن دلائل پر مشتمل ہے جو انہیں کفر سے ایمان کی طرف لانے کے لیے کافی ہیں نیز اس

لیے بھی کہ یہ واقعہ بڑی بڑی نعمتوں پر مشتمل ہے جن کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کیا جائے۔

۲۹۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ﴾ یعنی تمہاری خاطر اور تمہارے دینی و دنیوی نفع کے لیے ہر چیز پیدا کر دی گئی ہے۔ پہلی صورت تو واضح اور ظاہر ہے لیکن دوسری صورت میں نظر و فکر کیا جائے تو اللہ صانع، قادر، حکیم اور علیم کی ذات پر دلالت کرنے والے عجائبات نظر آئیں گے اور اس میں آخرت کی یاد دہانی ملے گی کیونکہ اس کی لذتیں ثواب کی یاد دہانی کراتی ہیں، جب کہ اس کی سختیاں عذابِ آخرت کی یاد دہانی کراتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام کرخی اور امام ابوبکر رازی اور معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''خَلَقَ لَكُمْ'' سے استدلال کیا ہے کہ تمام اشیاء سے نفع اٹھانا صحیح ہے اور تمام اشیاء اصل میں مباح پیدا کی گئیں (پھر جن اشیاء کو شریعت نے حرام قرار دے دیا وہ ممنوع ہو گئیں باقی اپنے اصل پر جائز رہیں)۔ ﴿جَمِیْعًا﴾ یہ لفظ ''مَا'' کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ﴾ ''استواء'' کا معنی اعتدال اور استقامت ہے، کہا جاتا ہے: ''اِسْتَوَی الْعَوْدُ اَیْ قَامَ وَاعْتَدَلَ. یعنی لکڑی سیدھی اور برابر ہو گئی''، پھر کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اس نے توجہ کی اور ارادہ کیا، جیسے چھوڑا ہوا تیر جس کو تیر انداز اپنے ارادے اور پوری توجہ کے ساتھ سیدھا نشانہ پر چھوڑتا ہے تا کہ ادھر ادھر نہ مڑ جائے، اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ'' (حٰم السجدۃ:۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے کے بعد آسمانوں کو پیدا کرنے کی طرف توجہ کی اور قصد و ارادہ فرمایا اور اس دوران کسی اور چیز کو پیدا کرنے کا قصد و ارادہ نہیں فرمایا اور آسمانوں سے مراد بلندی کی جہات اور سمتیں ہیں گویا کہا گیا کہ پھر اس نے بلندی کی طرف قصد و ارادہ فرمایا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ﴿فَسَوّٰىهُنَّ﴾ [اس میں ''هُنَّ'' ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر و تشریح ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ نے کر دی ہے جیسے عرب کا قول ہے: ''رُبَّهٗ رَجُلًا'' (اس میں ''رَجُلًا'' ضمیر ''ہٗ'' کی تفسیر ہے) اور کہا گیا ہے کہ ''هُنَّ'' ضمیر ''اَلسَّمَآء'' یعنی آسمان کی طرف راجع ہے اور یہ لفظ کے اعتبار سے واحد ہے جب کہ معنی کے اعتبار سے جمع ہے کیونکہ یہ اسم جنس کے معنی میں ہے] اور ''تَسْوِیَہ'' کا معنی ہے: ان کو تخلیق میں یکساں اور برابر کرنا اور ان کو ہر قسم کے شگاف اور ٹیڑھا ہونے سے محفوظ رکھنا، یا ان کی تخلیق مکمل کرنا اور یہاں لفظ ''ثُمَّ'' زمین کی خلقت پر آسمانوں کی خلقت کی فضیلت و برتری بیان کرنے کے لیے آیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کے خلاف نہیں ہے'' وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا. (النازعات:۳۰) اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا'' کیونکہ زمین کے مادہ کی خلقت آسمان کی خلقت سے پہلے ہوئی، پھر اس کو آسمان کی تخلیق کے بعد پھیلایا گیا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی جگہ سے زمین کو ایک پتھر کی شکل میں پیدا فرمایا جس پر دھواں چمٹا ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے (اپنی قدرت کاملہ سے) اس دھوئیں کو اوپر چڑھایا اور اسی سے آسمانوں کو پیدا فرمایا مگر اس پتھر والی شکل کی جگہ کو روک لیا اور اس سے زمین کو پیدا فرمایا، پس یہی مقصد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ ''كَانَتَا رَتْقًا. (الانبیاء:۳۰) یعنی زمین و آسمان آپس میں ملے ہوئے تھے''۔
﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ پس اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں کو بغیر کسی فرق کے مضبوط، مستحکم، یکساں اور برابر پیدا فرمایا اور زمین میں اس کے باشندوں کی ضروریات کے مطابق ہر قسم کی مفید و نفع بخش چیزیں پیدا فرما دیں [اور ورش کے علاوہ مدینہ منورہ کے قراء نے ''وَهُوَ'' اور ''هِیَ'' وغیرہما کو ''ہائے'' متحرک کے ساتھ پڑھا ہے (اور یہی روایتِ حفص کے مطابق ہے) مگر ورش، ابو عمرو اور علی نے ''وَهْوَ'' ''ہا'' کو ساکن کر کے پڑھا ہے اور انہوں نے ''واؤ'' کو عین کلمہ قرار دیا ہے، پس وہ کلمہ ''عضد'' (یعنی بازو) کے قائم مقام ہو گئی اور وہ کہتے ہیں: کہ ''عَضْدٌ'' میں ''ضاد'' ساکن ہے] اور جب اللہ تعالیٰ نے

زمین کو پیدا فرمایا تو اس میں جنوں کو بسایا اور فرشتوں کو آسمان میں بسایا لیکن جنوں نے زمین میں فساد پھیلایا' چنانچہ فرشتوں کی ایک جماعت ان کی طرف بھیجی گئی جنہوں نے ان کو سمندر کے جزائر اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف پھینک دیا اور خود ان کی جگہ پر مقیم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو ان کا قصہ یاد دلا دیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور اے محبوب! یاد کیجئے جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں' فرشتوں نے کہا: کیا تو ایسے شخص کو نائب بنائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا؟ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں' فرمایا: بے شک میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتےO اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے' پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤO

حضرت آدم علیہ السلام کا بیان

۳۰- ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ [''اِذْ'' منصوب ہے' اس سے پہلے فعل ''اُذْکُرْ'' پوشیدہ ہے' اس کا معنی ہے: ''یاد کیجئے'' اور ''مَلَائِكَةٌ''، ''مَلْاَكٌ'' کی جمع ہے جس طرح ''شَمَائِلُ''، ''شَمْاَلٌ'' کی جمع ہے اور اس کے آخر میں جمع کی ''تا'' لاحق کر دی گئی ہے۔] ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ﴾ ''بے شک میں بنانے والا ہوں'' یہ ''جَعْلٌ'' سے مشتق ہے جس کے دو مفعول ہوتے ہیں اور وہ دو ہیں ﴿فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ خلیفہ کی تعریف: یہ وہ شخص ہوتا ہے جو کسی کے بعد اس کی جگہ پر جانشین ہوتا ہے اور یہ ''فَعِیْلَةٌ'' کے وزن پر بہ معنی ''فَاعِلَةٌ'' ہے اور اس کے آخر میں ہائے تانیث (یعنی تائے تانیث) مبالغہ کی زیادہ کی گئی ہے اور معنی یہ ہے کہ میں تم میں سے ایک خلیفہ بنانے والا ہوں کیونکہ جن فرشتوں سے کہا گیا تھا وہ زمین کے باشندے تھے تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں ان کی جگہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی اولاد میں خلافت رکھ دی اور ''خلائف'' یا ''خلفاء'' نہیں کہا کیونکہ ''خلیفہ'' سے مراد صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور حضرت آدم کے ذکر نے اولاد کے ذکر سے مستغنی کر دیا جس طرح قبیلہ کے باپ کا ذکر قبیلہ کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے جیسے تم کہتے ہو: مضر اور ہاشم یا اس سے مراد ہے کہ جو تمہارا خلیفہ بنے گا' یا جو مخلوق تمہارا خلیفہ بنے گی' اس لیے واحد لایا گیا ہے یا اس سے مراد ہے کہ میرا خلیفہ کیونکہ حضرت آدم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہر نبی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ. (ص:۲۶) اے داؤد! بے شک ہم نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے'' اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہلے ہی اس کی خبر سنا دی تا کہ وہ یہ سوال کریں اور ان کو وہ جواب دیا جائے جو انہیں دیا گیا

ہے اور وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت الٰہی کو ان کی پیدائش سے پہلے جان لیں یا اس لیے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے معاملات میں باہم مشورہ کرنے کی تعلیم دے کہ اس کے بندے کوئی کام کرنے سے پہلے باہم مشورہ کر لیا کریں ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور حکمتِ بالغہ کی وجہ سے مشورہ لینے سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔

﴿قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا﴾ یہ تعجب کا اظہار ہے کہ فرماں برداروں کی بجائے نافرمانوں کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے اور جہالت و نادانی سے پاک ہے اور یہ بات انہوں نے یا تو اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جان لی تھی یا لوح محفوظ سے پڑھ کر جان لی تھی یا جن وانس میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کر لیا (کہ جس طرح جنوں نے زمین میں فساد پھیلایا تھا اسی طرح بنی آدم بھی فساد پھیلائیں گے)۔ ﴿وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ﴾ وہ خون بہائیں گے اور ﴿وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ﴾ [میں واوَ حال کی ہے جیسے تم کہو: "اَتُحۡسِنُ اِلٰی فُلَانٍ وَّاَنَا اَحَقُّ مِنۡهُ بِالۡاِحۡسَانِ. کیا تم فلاں شخص پر احسان کرو گے حالانکہ احسان کا حق میں زیادہ رکھتا ہوں"۔ ﴿بِحَمۡدِکَ﴾ یہ حال کے محل میں واقع ہے] یعنی ہم تیری تسبیح کرتے ہیں دراں حالیکہ ہم تیری حمد وثناء بیان کرنے والے ہیں اور ہم تیری پاکیزگی تیری حمد وثناء کے ساتھ ملا کر بیان کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡکُفۡرِ. (المائدہ:۶۱) اور بے شک وہ (آپ کی بارگاہ میں) کفر کی حالت میں داخل ہوئے"۔

﴿وَنُقَدِّسُ لَکَ﴾ ہم اپنے آپ کو صرف تیری خاطر پاک کرتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ تسبیح وتقدیس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کی برائی اور عیب سے پاک ماننا اور ہر قسم کی برائی اور عیب سے اسے دور جاننا اور یہ "سَبَّحَ فِی الۡاَرۡضِ وَقَدَّسَ فِیۡهَا. سے بنا ہے یعنی وہ زمین میں چلا گیا اور اس میں دور نکل گیا"۔ ﴿قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ یعنی اس میں جو حکمتیں میں جانتا ہوں وہ تم پر مخفی اور پوشیدہ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ان میں انبیائے کرام اولیائے عظام اور علمائے کرام پیدا ہوں گے [اور "مَا" بہ معنی "اَلَّذِیۡ" ہے اور یہ "اَعۡلَمُ" کا مفعول ہے اور اس میں ضمیر عائد محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے یعنی "مَالَا تَعۡلَمُوۡنَهٗ" اور حجازی اور ابوعمرو نے "اِنِّیَ" (یعنی "یا" ساکن کو مفتوح) پڑھا ہے]۔

۳۱- ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ﴾ ["اٰدَمَ" اسم علم ہے اور عجمی ہے] اور قریب ترین بات یہ ہے کہ آدم کا لفظ آزر (عابر، عاذر) کی طرح فاعل کے وزن پر ہے] اور کچھ لوگوں نے آدم کو "اَدِیۡمُ الۡاَرۡضِ" "سطح زمین" سے یا "اُدۡمَۃٌ" "گندم گوں رنگ" سے مشتق قرار دیا ہے جیسا کہ انہوں نے یعقوب کو "عقب" سے اور ادریس کو "درس" سے اور ابلیس کو "ابلاس" (اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا) سے مشتق قرار دیا ہے] ﴿الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا﴾ ["اَیۡ اَسۡمَآءَ الۡمُسَمَّیَاتِ. یعنی مسمیات کے اسماء" (کا علم دیا گیا ہے) مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ معلوم ہے اور اسماء کا ذکر اس پر دلالت کر رہا ہے اس لیے کہ اسم اپنے مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے اور اس کے عوض میں "الۡاَسۡمَآءَ" پر الف لام داخل کر دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا" (مریم:۴) یعنی سر کے بال سفید ہو گئے اور "وَعَلَّمَ اٰدَمَ مُسَمَّیَاتِ الۡاَسۡمَآءِ" کو مقدر قرار دینا اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ تعلیم کا تعلق اسماء کے ساتھ ہے نہ کہ مسمیات کے ساتھ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَنۡۢبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ. مجھے ان کے نام بتاؤ" اور "اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ. اے آدم! فرشتوں کو ان سب چیزوں کے نام بتاؤ" اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ چیزیں بتاؤ (نہ آدم سے فرمایا کہ) تم ان کو یہ چیزیں بتاؤ اور تمام "مسمیات" کے اسماء کی تعلیم دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اجناس کو جس طرح پیدا فرمایا ان کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے لا کر دکھا دیا اور آپ کو بتایا کہ اس چیز کا نام گھوڑا ہے اور اس کا نام اونٹ ہے اور اس کا نام اِس طرح ہے اور اس کا نام اُس طرح ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے حتیٰ کہ پیالہ چمچہ ڈوئی اور جوتا وغیرہ تک سب کچھ سکھا دیا تھا۔ ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ اللہ تعالیٰ نے مسمیات کو پیش فرمایا اور ضمیر مذکر لانے کی وجہ یہ ہے کہ مسمیات میں عقلاء بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے غالب قرار دے دیا (تو گویا ضمیر مذکر تغلیباً لائی گئی ہے) اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ فرشتے ان کے نام بتانے سے عاجز ہیں اس لیے ان کے سامنے مسمیات پیش کر کے ان کے نام پوچھنے کا مقصد صرف ان کے عجز کو ظاہر کرنا تھا۔ ﴿فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ﴾ مجھے خبر دو اور مجھے بتاؤ ﴿بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ تم (اپنے خیال میں) اگر سچے ہو کہ میں زمین میں فساد پھیلانے والوں اور خونریزی کرنے والوں کو اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں' اور اس آیت میں ان کا رد ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ جن علمی فوائد کے پیش نظر انہیں خلیفہ بنایا جائے گا وہ دیگر تمام فوائد کے اصول اور بنیاد ہیں اور انہیں کی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق قرار پاتے ہیں کہ انہیں خلیفہ بنایا جائے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝۳۲ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳

فرشتوں نے کہا: تو ہر عیب سے پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا' بے شک تو ہی سب کچھ جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان کو ان سب چیزوں کے نام بتا دو' جب آدم نے ان سب چیزوں کے نام ان کو بتا دیئے' تو فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی آسمانوں اور زمین کا غیب جاننے والا ہوں O

۳۲- ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات اس سے پاک ہے کہ تجھ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ ہو یا تیری تدبیر میں تجھ پر کوئی اعتراض کیا جائے اور اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا کہ (جب) اسماء کا تنہا علم عبادت کرنے سے بڑھ کر ہے تو شریعت کے علم کا مقام و مرتبہ کیا ہوگا اور ''سُبْحَانَكَ'' مصدر کی بنا پر منصوب ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''سَبَّحْتُ اللّٰهَ تَسْبِیْحًا۔ یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی خوب بیان کی''۔ ﴿لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ اسماء کا علم اس میں داخل نہیں ہے اور ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے اور ''علم'' بہ معنی معلوم ہے یعنی ہمیں کچھ معلوم نہیں مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھا دیا ہے۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ﴾ معلم نہیں ﴿الْحَكِیْمُ﴾ اس میں جو تو نے فیصلہ کر دیا اور جو تو نے تقدیر میں مقدر کر دیا ہے [اور کاف ''كَ'' ''اِنَّ'' کا اسم ہے اور ''اَنْتَ'' مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور یہ جملہ بن کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے یا ''اَنْتَ'' کی ضمیر فصل ہے اور ''اَلْعَلِیْمُ'' ''اِنَّ'' کی پہلی خبر اور ''اَلْحَكِیْمُ'' ''اِنَّ'' کی دوسری خبر ہے]۔

۳۳- ﴿قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ﴾ ہر چیز کا اصل نام بتا دیا۔ ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ ان دونوں میں جو کچھ تم سے پوشیدہ ہے وہ میں ہی جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوگا (مجھے سب معلوم ہے)۔ ﴿وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ﴾ مجھے معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ اور جو تم چھپاتے ہو۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٘ۗ وَ كَانَ مِنَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اے محبوب! یاد کیجئے جب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا' اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیاO اور ہم نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں جہاں سے چاہو جتنا چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جانا ورنہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گےO

فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم

۳۴- ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ یعنی ان کے سامنے جھک جاؤ اور ان کی عظمت وفضیلت کے پیش نظر ان کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ' حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ صرف جھکنا تھا اور ٹھوڑی کے بل گر کر سجدہ نہ تھا حالانکہ جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ جس سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اس سے (حقیقی اور عرفی سجدہ) زمین پر چہرے کا رکھ دینا مراد ہے اور صحیح مذہب کے مطابق حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ تعظیمی سجدہ تھا کیونکہ اگر سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو ابلیس کبھی نہ رکتا اور گزشتہ شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا' پھر جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اسے ہمیشہ کے لیے منسوخ فرما دیا: "لَا يَنْبَغِيْ لِمَخْلُوْقٍ اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى. یعنی مخلوق کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے"۔

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ یہ استثناء متصل ہے کیونکہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا جب کہ حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ اصل یہ ہے کہ استثناء مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ. (الاعراف:۱۲) جب میں نے تجھے حکم دیا ہے تو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے منع کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ. (الکہف:۵۰) شیطان جنوں میں سے تھا" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنوں میں سے ہو گیا' جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ. (ھود:۴۳) پس وہ ڈوب جانے والوں میں سے ہو گیا"۔ [اور ایک قول یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے' متصل نہیں ہے] کیونکہ شیطان فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ قرآن مجید کی صریح آیت مبارکہ کے مطابق وہ جنوں میں سے تھا اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی قول ہے' اور اس لیے بھی کہ شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور اس لیے بھی کہ شیطان نے انکار کیا اور نافرمانی کی اور تکبر کیا جب کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور اس لیے بھی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ. (الکہف:۵۰) تو کیا تم لوگ مجھے چھوڑ کر شیطان اور اس کی نسل کو دوست بناتے ہو" اور فرشتوں کی نسل نہیں ہوتی اور علامہ جاحظ سے منقول ہے کہ بے شک جن اور فرشتے ایک جنس ہیں کیونکہ ان میں سے جو پاک ہو گئے وہ فرشتے ہیں اور جو خبیث ہو گئے وہ شیطان ہیں اور جو درمیاں میں رہ گئے وہ جن ہیں۔ ﴿اَبٰى﴾ جس چیز کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا شیطان اس سے باز رہا اور اس پر عمل نہ کیا ﴿وَاسْتَكْبَرَ﴾ اور اس سے تکبر کیا ﴿وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور شیطان حکم خدا کو رد کرنے' تکبر کرنے اور انکار کرنے کی وجہ سے کافروں میں سے ہو گیا' صرف حکم خدا پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوا کیونکہ ترک سجدہ سے

کوئی ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا اور نہ یہ اہل سنت کے نزدیک کفر ہے' البتہ معتزلہ اور خوارج اس کے خلاف ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمیشہ کافر رہا اور یہ مسئلہ موافات میں سے ہے (یعنی ایمان کا اعتبار خاتمہ بالخیر پر ہوتا ہے)۔

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم

۳۵۔﴿ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ ﴾ [یہ فعل امر ہے' "سَكَنَ الدَّارَ. وہ گھر میں ٹھہرا" "يَسْكُنُهَا سُكْنٰى. وہ اس میں ٹھہرے گا" سے مشتق ہے اور کہا جاتا ہے کہ متحرک ساکن ہو گیا یعنی ٹھہر گیا] ﴿ اَنْتَ ﴾ [یہ "اُسْكُنْ" کے فاعل "مُسْتَكِنْ" "ٹھہرنے والا" کی تاکید ہے تا کہ ﴿ وَزَوْجُكَ ﴾ کا اس پر عطف کرنا صحیح ہو جائے] ﴿ الْجَنَّةَ ﴾ مشہور و معروف روایت کے مطابق جس جنت میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو رکھا گیا تھا' وہ "جنت الخلد" تھی جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے [اور اس میں "لام" تعریف کا ہے] اور معتزلہ نے کہا ہے کہ وہ یمن میں ایک باغ ہے کیونکہ جنت نہ تو تکلیف کا گھر ہے اور نہ وہاں سے باہر نکالا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص بہ طورِ جزاء اور اجر و ثواب کے لیے جنت میں داخل ہوا سے وہاں سے نہیں نکالا جاتا' چنانچہ حضور سید عالم ﷺ شب معراج جنت میں داخل بھی ہوئے اور خارج بھی ہوئے' اندر بھی تشریف لے گئے اور باہر بھی تشریف لے آئے اور جنتی لوگ بھی توحید اور معرفت الٰہی کے مکلف ہوتے ہیں۔ ﴿ وَكُلَا مِنْهَا ﴾ یعنی "مِنْ ثِمَارِهَا" "اس کے پھل کھاؤ" [مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿ رَغَدًا ﴾ موصوف محذوف کی صفت ہے اور وہ مصدر ہے یعنی "اَكْلًا رَغَدًا وَاسِعًا" "خوب پیٹ بھر کر کھانا"]۔ ﴿ حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾ ["شِئْتُمَا" کو ابو عمرو نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور "حَيْثُ" ظرف مکان مبہم کے لیے آتا ہے یعنی جنت میں جس جگہ چاہو]۔ ﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ اور اس درخت یعنی گندم کے قریب نہ جانا' اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان بھلا کیسے نافرمانی نہ کرے جب کہ اس کی روزی گناہ کے درخت سے ہے' یا انگور مراد ہے کیونکہ یہی پھل تمام فتنوں کی جڑ اور اصل ہے یا اس درخت سے انجیر مراد ہے۔ ﴿ فَتَكُوْنَا ﴾ ["تَقْرَبَا" پر عطف کی وجہ سے اس پر جزم ہے یا منصوب ہے اور "وَلَا تَقْرَبَا" نہی کا جواب ہے] ﴿ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ان لوگوں میں سے (ہو جاؤ گے) جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یا ان لوگوں میں سے (ہو جاؤ گے) جو اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

پس شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے جنت سے دور کر دیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکال دیا' اور ہم نے فرمایا: تم (سب) نیچے اترو' تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور

فائدہ اٹھانا ہے O پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد مہربان ہے O ہم نے فرمایا: تم سب جنت سے نیچے اتر جاؤ' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آ جائے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

۳۶-﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا﴾ درخت سے یعنی شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعے پھسلنے پر ابھارا' اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ شیطان نے اس درخت کے سبب دونوں کے پھسل جانے کو ظاہر کر دیا یا ان دونوں کو جنت سے پھسلا دیا' اس معنی میں کہ شیطان ان دونوں کو جنت سے باہر لے گیا اور انہیں جنت سے دور کر دیا اور جناب حمزہ نے اس کو ''فَاَزَالَهُمَا'' پڑھا ہے (پس شیطان نے دونوں کو دور کر دیا) اور حضرت آدم علیہ السلام کا (اجتہادی) خطاء کے سبب جنت کے درخت سے کھانے کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں' پہلی تاویل: یا تو ''نہی'' کو تنزیہ (خلافِ اولیٰ) پر محمول کیا گیا ہے تحریم پر نہیں' دوسری تاویل: یا لامِ تعریف کو عہد خارجی (مخصوص وہی درخت' جس کی طرف اشارہ کر کے منع کیا گیا) پر محمول کیا گیا ہے (کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے اجتہاد سے یہی سمجھے اور دوسرے درخت سے کھا لیا) جب کہ اللہ تعالیٰ نے جنس کا ارادہ فرما لیا تھا (کہ اس قسم کے کسی درخت سے نہیں کھانا) اور پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے (اور تیسری تاویل یہ ہے کہ بظاہر منع کیا گیا تھا حقیقت میں نہیں) اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر خطاء کا اطلاق جائز ہے جیسا کہ بخاری کے مشائخ نے کہا ہے' کیونکہ یہ ایسا فعل ہے جو غیر ارادی طور پر حکمِ شریعت کی خلاف ورزی کرنے پر بولا جاتا ہے جیسا کہ کیچڑ میں چلنے والا ہوتا ہے اور سمرقند کے مشائخ نے فرمایا کہ جس طرح انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر معصیت (گناہ) کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان کے کسی فعل پر خطاء کا اطلاق بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے سب سے بہتر کو چھوڑ کر مباح اور جائز کو اختیار کر لیا جس پر انہیں عتاب کیا گیا۔

﴿فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾ [اگر ''عَنْهَا'' کی ضمیر شجرہ یعنی درخت کی طرف لوٹتی ہو تو پھر اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے انہیں جنت سے نکال دیا ورنہ مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں اور وہاں کی عزت و کرامت سے انہیں نکال دیا اور شیطان کو (سجدۂ آدم سے انکار کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالتے ہوئے) کہا گیا کہ ''اُخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ. جنت سے نکل جا پس تو یقیناً مردود ہے'' پھر یہ مردود حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو پھسلانے جنت میں پہنچ گیا کیونکہ جس طرح فرشتے تعظیم و تکریم کے ساتھ جنت میں جاتے ہیں اس طرح تعظیم و تکریم کے لیے شیطان کو جنت میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا لیکن حضرت آدم و حواء کے امتحان کی خاطر وسوسہ ڈالنے کے لیے شیطان کو جنت میں جانے سے منع نہیں کیا گیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے جب جنت میں جانا چاہا تو جنت کے خازن نے اسے روک دیا اور یہ مردود سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں پہنچ گیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی تھی۔ ﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا﴾ ''هُبُوْطٌ'' کا معنی ہے: زمین پر اترنا اور یہ خطاب حضرت آدم و حواء علیہما السلام اور ابلیس کو تھا۔ ایک قول میں ہے کہ ان کے ساتھ سانپ کو بھی یہ خطاب کیا گیا اور صحیح یہ ہے کہ اس سے حضرت آدم و حواء اور ان کی اولاد مراد ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات تمام نسلِ انسانی کی بنیاد ہیں گویا ان دونوں کو تمام انسان قرار دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے: ''قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا. (طٰہٰ:۱۲۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ''۔ ﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے بغض و عداوت اور دشمنی و کینہ رکھیں گے اور ایک دوسرے کو گمراہ کریں گے [اور یہ جملہ حال کی جگہ واقع ہے اس لیے یہ ''اِهْبِطُوْا'' کی واؤ (''هُمْ'' ضمیر) سے حال ہے یعنی تم سب نیچے اتر جاؤ دراں

حالیکہ تم ایک دوسرے سے عداوت کرو گے] ﴿ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ﴾ زمین تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ ہے یا تمہیں زمین میں ٹھہرنا اور رہنا ہے۔ ﴿ وَّمَتَاعٌ ﴾ زندگی کا لطف اٹھانا ہے اور اسباب دنیا سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ ﴿ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ قیامت کے دن تک یا موت کے آنے تک۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دنیا کے خورد ونوش (کھانے) نے ہمیں طویل غم کا وارث بنا دیا۔

۳۷۔ ﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کلمات کو حاصل کرنے اور انہیں قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور ابن کثیر مکی نے "آدم" پر نصب اور "کَلِمَات" پر رفع پڑھا ہے' اب معنی یہ ہوگا کہ وہ کلمات و الفاظ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف خود متوجہ ہو گئے اور آپ کے پاس پہنچ گئے اور آپ کے پاس آ کر آپ کو وصول ہو گئے اور وہ کلمات وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمائے ہیں کہ "قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (الاعراف:۲۳) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے" اور اس میں ان کی اولاد کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ گناہوں سے بچنے اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے نیکی کا راستہ کیسے پہچان سکتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہترین کلام وہ ہے جو ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطاء کرنے کے بعد کہا تھا اور وہ یہ ہے: "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ. اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے تو تو مجھے بخش دے' بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا" اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: "يَا رَبِّ اَلَمْ تَخْلُقْنِيْ بِيَدِكَ؟ قَالَ بَلٰى قَالَ يَا رَبِّ اَلَمْ تَنْفُخْ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ؟ اَلَمْ تَسْبِقْ رَحْمَتُكَ غَضَبَكَ؟ اَلَمْ تُسْكِنِّيْ جَنَّتَكَ؟ وَهُوَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: بَلٰى بَلٰى قَالَ فَلِمَ اَخْرَجْتَنِيْ مِنَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ بِشُؤْمِ مَعْصِيَتِكَ قَالَ فَلَوْ تُبْتُ اَرَاجِعٌ اَنْتَ اِلَيْهَا؟ قَالَ نَعَمْ". اے میرے پروردگار! کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے نہیں بنایا؟ فرمایا: کیوں نہیں' عرض کیا: اے میرے رب! کیا تو نے میرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی؟ کیا تیری رحمت تیرے غضب پر سبقت نہیں لے گئی؟ کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا؟ اور وہ عالی شان خدا فرماتا رہا: کیوں نہیں! کیوں نہیں' حضرت آدم (علیہ السلام) نے عرض کی: پھر تو نے مجھے جنت سے کیوں نکالا؟ فرمایا: تیری معصیت کے سبب' تو آپ نے عرض کی: اگر میں توبہ کر لوں تو کیا تو مجھے معاف فرما دے گا؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: ہاں[1]" ﴿ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور قبولیت کے ساتھ توجہ

---

[1] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کا ارتکاب کر لیا تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: "يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِيْ (وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ) فَقَالَ اللّٰهُ: يَا اٰدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا؟ وَلَمْ اَخْلُقْهُ قَالَ: يَا رَبِّ لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَ نَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَرَفْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: صَدَقْتَ يَا اٰدَمُ اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِذَا سَاَلْتَنِيْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ وَهُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ. (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرمائی' (اور توبہ قبول فرمالی) اور یہاں صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ حضرت حواء ان کے تابع ہیں اور قرآن وسنت کے اکثر مقامات میں اس طرح عورتوں کا ذکر بالتبع کیا گیا ہے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ﴾ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ اپنے بندوں پر انتہائی رحم فرمانے والا ہے۔

۳۸۔﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾ [حال ہے یعنی سب اکٹھے ہو کر یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ زمین پر اترنے کے حکم کو محض تاکید کے لیے دوبارہ بیان کیا گیا ہے یا اس لیے کہ پہلے جنت سے آسمان کی طرف اترنے کا حکم دیا گیا' پھر آسمان سے زمین کی طرف اترنے کا حکم دیا گیا ہے یا اس لیے کہ (دوسری دفعہ) اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد شامل کیا گیا ہے: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ یعنی میں تمہارے پاس کوئی رسول بھیجوں گا یا تم پر کوئی کتاب نازل کروں گا' اس دلیل کی بنا پر کہ اس کے مقابلہ میں ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا. اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا''۔ ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ﴾ یعنی جس نے میری ہدایت کو قبول کیا اور اس پر ایمان لایا ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ مستقبل یعنی آخرت میں انہیں کوئی ڈر نہیں ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور جو کچھ پیچھے چھوڑ گئے اس پر وہ غمگین نہیں ہوں گے [اور شرط ثانی ''فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ'' اپنے اس جواب کے ساتھ مل کر شرط اول ''فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ'' کا جواب ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اِنْ جِئْتَنِيْ فَاِنْ قَدَرْتُ اَحْسَنْتُ اِلَيْكَ. یعنی اگر تم میرے پاس آئے تو اگر میں قدرت رکھتا ہوں گا تو تمہارے ساتھ احسان کروں گا'' اور یعقوب نے پورے قرآن میں ''فَلَا خَوْفٌ'' میں ''فا'' پر رفع اور تنوین کی بجائے ''فتح'' پڑھا ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطا ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے بحق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا نہیں کیا' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اس لیے کہ اے میرے رب! جب تو نے مجھے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا دیکھا تو میں نے جان لیا کہ تو نے جس نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا ہے' بے شک وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور چونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لیے میں نے تم کو بخش دیا ہے' اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پیدا نہ کرتا تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا اور وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہیں'' اور اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: اعلاء السنن' باب زیارۃ قبر النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج۱۰ ص۵۰۱' بہ حوالہ طبرانی' وفاء الوفاء' کنز العمال ج۱۱ ص۴۵۵' الوفاء باحوال المصطفیٰ باب اول' روح المعانی ج۱' روح البیان ج۱' فتح العزیز پارہ اول بہ حوالہ معجم صغیر' حاکم' ابونعیم' بیہقی' انوار المحمدیہ)۔ حضرت امام الائمہ' سراج الامۃ' امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ'' قصیدہ نعمانیہ'' میں فرماتے ہیں:

اَنْتَ الَّذِيْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں کہ جب آدم علیہ السلام نے آپ کا وسیلہ اختیار کیا اپنی خطا پر تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد ہیں''۔ (ملاحظہ ہو: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۸۳)

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۠ (۳۹) یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْۚ وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ (۴۰) وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا٘ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ (۴۱)

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہی دوزخی ہیں' (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O اے اولادِ یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرو O اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے تصدیق کرنے والا ہے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے اور تم سب سے پہلے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو O

۳۹- ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ﴾ [''اُولٰٓئِکَ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ہے یعنی آگ والے اور اس کے مستحق اور جملہ محل رفع میں واقع ہے اور مبتدا یعنی ''وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا'' کی خبر ہے] ﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بنی اسرائیل کے واقعات

۴۰- ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ یہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اسرائیل ان کا لقب ہے اور ان کی عبرانی زبان میں اس کا معنی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ یا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے کیونکہ ''اسرا'' کا معنی بندہ یا برگزیدہ ہے اور ''ایل'' کا معنی اللہ ہے [اور یہ غیر منصرف ہے' اس میں علیت اور عجمہ ہونا دو سبب موجود ہیں] ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا تاکہ شک کرنا چھوڑ دیں اور نعمتیں عطا کرنے والے (خدا) کی اطاعت کریں اور ان سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے آباؤ اجداد پر انعام فرمائیں تھیں جن کو ان پر شمار کر کے بیان فرمایا کہ ان کو فرعون کے عذاب سے نجات دی اور اس کو غرق کر دیا اور بچھڑے کو خدا بنا لینے کے باوجود ان کو معاف فرما دیا اور ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کو سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا زمانۂ مبارک پانے کا شرف عطا فرمایا جن کی بشارتیں تورات وانجیل میں دی گئیں تھیں ﴿وَ اَوْفُوْا﴾ پورا پورا ادا کرو۔ کہا جاتا ہے: ''وَفَیْتَ لَهٗ بِالْعَهْدِ فَاَنَا وَافٍ بِهٖ. (یعنی ثلاثی مجرد کے باب سے) تم نے فلاں کا عہد پورا کیا ہے تو میں بھی اس کو پورا کروں گا'' اور ''اَوْفَیْتَ لَهٗ بِالْعَهْدِ فَاَنَا مُوْفٍ بِهٖ. (ثلاثی مزید فیہ کے باب سے) اور مختار ''اَوْفَیْتَ'' (یعنی ثلاثی مزید فیہ) ہے اور اسی کے مطابق قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ ﴿بِعَهْدِیْۤ﴾ جو مجھ پر ایمان لانے اور میری اطاعت کرنے کا عہد مجھ سے کیا تھا (اس کو پورا کرو) یا پیکرِ رحمت نبی مکرم ﷺ اور سراسر معجزہ کتاب پر ایمان لانے کا عہد (پورا کرو) ﴿اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ تمہاری نیکیوں پر حسنِ ثواب کا جو وعدہ میں نے تم سے کیا ہے (وہ میں پورا کروں گا) اور ''عَهْد'' ''مُعَاهِد'' یعنی عہد کرنے والا اور ''مُعَاهَد'' جس سے عہد کیا جائے' دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ دونوں معاہدے یہ ہیں (جو درج ذیل آیت میں بیان کیے گئے ہیں) ''لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ

اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ. (المائدہ:١٢) اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور اللہ کو قرض حسنہ دیا تو میں البتہ تم سے تمہارے گناہ مٹادوں گا اور میں ضرور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی'' اور اہل اشارہ نے کہا کہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) تم میرے محنت کے گھر میں میری خدمت کے لیے کمر بستہ ہو کر میری عزت وحرمت کی حفاظت کا وعدہ پورا کرو میں اپنے نعمت کے گھر میں کرامت کا تاج پہنا کر اپنے دیدار پرانوار سے مشرف فرما کر اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ ﴿وَاِیَّایَ فَارْہَبُوْنِ﴾ اور مجھ ہی سے ڈرو' سو تم میرا عہد نہ توڑو اور یہ تمہارے اس قول سے لیا گیا ہے کہ ''زَیْدًا رَھِبْتُہٗ'' میں زید ہی سے ڈرتا ہوں [اور یہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' (الفاتحہ:٤). سے اختصاص کا فائدہ دینے میں زیادہ مؤکد ہے ''وَاِیَّایَ'' منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے جس پر بعد والا فعل دلالت کر رہا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَارْھَبُوْا اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ'' اور پہلے کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرا فعل اس پر دلالت کرتا ہے' باقی رہا یہ کہ ''اِیَّایَ'' کو ''فَارْھَبُوْنَ'' سے منصوب قرار کیوں نہیں دیا گیا تو وہ اس لیے کہ اس نے اپنا مفعول لے لیا ہے اور وہ ''یا'' محذوف ہے اور ''یا'' کے حذف ہونے پر نون کا کسرہ دلالت کر رہا ہے (کیونکہ ''یا'' کا ماقبل مکسور ہوتا ہے' لہٰذا دراصل ''فَارْھَبُوْنِیْ'' تھا) جس طرح ''زَیْدًا فَاضْرِبْہٗ'' میں ''زَیْدًا'' کو ''اِضْرِبْہٗ'' سے منصوب بنانا جائز نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے]۔

٤١۔ ﴿وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ﴾ قرآن مجید پر ایمان لاؤ ﴿مُصَدِّقًا﴾ یہ ہائے ضمیر محذوفہ سے تاکیدی حال ہے گویا دراصل یوں کہا گیا ہے: ''اَنْزَلْتُہٗ مُصَدِّقًا. اس قرآن کو میں نے نازل کیا ہے دراں حالیکہ یہ قرآن تصدیق کرنے والا ہے''۔ ﴿لِّمَا مَعَکُمْ﴾ تورات کی یعنی عبادت' توحید' نبوت اور شان محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ﴿وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِہٖ﴾ یعنی تم اس کے پہلے منکر نہ بنو یا پہلی جماعت یا پہلا منکر گروہ نہ بنو یا یہ کہ تم میں سے کوئی شخص اس کا پہلا منکر نہ بنے اور یہ ایک طنزیہ اشارہ ہے کہ اس قرآن پر سب سے پہلے ایمان لانا ان پر واجب ولازم ہے کیونکہ وہ اس کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور اس کی خوبیوں سے آگاہ ہیں [اور ''بِہٖ'' میں ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا﴾ تبدیل نہ کرو ﴿بِاٰیٰتِیْ﴾ ان میں تحریف وتغییر کر کے ﴿ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس سے دنیا اور اس کا تمام ساز وسامان مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے قیادت وریاست اور چودھراہٹ مراد ہے جو ان کے احبار کو اپنی قوم میں حاصل تھی اور ان کو یہ خوف تھا کہ اگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر لی تو ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ﴿وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ﴾ [''فَخَافُوْنِیْ' فَارْھَبُوْنِیْ'' اور ''فَاتَّقُوْنِیْ'' دونوں حالتوں (اثبات وحذف) میں یائے متکلم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور اسی طرح یعقوب کی قراءت میں ہر وہ ''یا'' جو لکھنے میں حذف ہو جائے]۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿٤٣﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ وَاِنَّہَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿٤٥﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ O اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو O کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو؟ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟ O اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اور بے شک نماز دشوار ہے ماسوا ان لوگوں کے جو (اللہ کی طرف) جھکنے والے ہیں O

۴۲۔ ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ [''لَبْسُ الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ'' کا مطلب ہے: حق کو باطل کے ساتھ ملانا اور اس میں حرف ''با'' اگر صلہ (ملانے) کی ہو جس کی مثال تمہارے اس قول میں ہے: ''لَبِسْتُ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ. یعنی میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دیا ہے'' تو اب آیتِ کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ جو تورات میں سے نہیں ہے اس کو تورات میں نہ لکھو ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ حق تمہارے اس باطل کے ساتھ مل جائے گا جو تم نے خود (اپنے ہاتھوں سے) لکھا ہے یہاں تک کہ اس کے حق میں اور تمہارے باطل میں امتیاز اور فرق نہیں رہے گا اور اگر حرف ''با'' استعانت کی ہو جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ. میں نے قلم کی مدد سے لکھا'' تو اب معنی یہ ہوگا کہ تم اپنے اس باطل کی مدد سے حق کو مشتبہ اور مشکوک نہ بناؤ جسے تم خود (اپنے ہاتھوں سے) لکھتے ہو] ﴿وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ [یہ فعل نہی کے حکم میں داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے] معنی یہ ہے: ''وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ. اور حق کو نہ چھپاؤ'' [یا ''اَنْ'' مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور واؤ جمع کے معنی میں ہے] یعنی حق کو باطل کے ساتھ ملا کر اور حق کو چھپا کر جمع نہ کرو جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''لَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَ تَشْرَبَ اللَّبَنَ. یعنی نہ مچھلی کھاؤ اور نہ دودھ پیو'' اور دونوں معاملات الگ الگ ہیں کیونکہ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کا مطلب وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ جو تورات میں سے نہیں ہے اس کو تورات میں نہ لکھنا اور حق کو نہ چھپانا اس طرح ہے کہ وہ کہتے تھے: ہم تورات میں حضرت محمد ﷺ کا ذکر اور وصف کہیں نہیں پاتے اور نہ اس طرح کا کوئی حکم پاتے ہیں۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم حق کو باطل کے ساتھ ملانے والے ہو اور حق کو چھپانے والے ہو کیونکہ کسی قبح اور برائی سے جہالت و نادانی کی وجہ سے بسا اوقات اس کے ارتکاب کرنے والے کی معذرت قبول کر لی جاتی ہے۔

۴۳۔ ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ یعنی مسلمانوں کی نماز کی طرح نماز قائم کرو اور مسلمانوں کی زکوٰۃ کی طرح زکوٰۃ ادا کرو ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ کیونکہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا یعنی اسلام قبول کر لو اور مسلمانوں کے عمل جیسے تم عمل کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ رکوع سے نماز مراد ہو جیسا کہ نماز کو سجود سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نمازیوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے کا حکم ہو یعنی تم نمازیوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز پڑھا کرو اکیلے نہ پڑھا کرو۔

۴۴۔ ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ﴾ [ہمزۂ استفہام جملے کی تقریر کے لیے ہے] اور یہود کے علماء کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے اور ان کے حال پر تعجب کرنے کے لیے ہے۔ ﴿بِالْبِرِّ﴾ یعنی خیر و بھلائی کی وسعت اور اسی سے ''اَلْبَرُّ'' ہے کیونکہ فضا وسیع و عریض ہوتی ہے اور یہ ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے اور اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں: ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ. یعنی تم نے سچ کہا اور نیک بات کی'' اور یہود کے علماء اپنے اعزاء و اقارب اور دیگر لوگوں کو تنہائی اور علیحدگی میں نصیحت کرتے ہوئے انہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرنے کا حکم دیتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہ کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کو صدقات و خیرات کرنے کا حکم دیتے تھے لیکن خود صدقات و خیرات نہیں کرتے تھے اور جب ان کے پاس صدقات لائے جاتے تھے تاکہ ان کو تقسیم کر دیں تو ان میں خیانت کرتے تھے۔ ﴿وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ اور نیکی کے معاملے میں اپنے آپ کو چھوڑ جاتے ہو جیسے یاد ہی نہیں۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ اس میں ان کی سرزنش کی جا رہی ہے کہ تم تورات پڑھتے ہو اور اس میں حضور

نبی اکرم نورِ مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت موجود ہے یا اس میں ان کو خیانت کرنے اور نیکی ترک کرنے اور قول و عمل میں تضاد اختیار کرنے پر ڈانٹا جا رہا ہے۔ ﴿ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴾ کیا تم اس قباحت کو نہیں سمجھتے جس کو تم نے اختیار کر رکھا ہے تا کہ اس کی قباحت تمہیں اس کے ارتکاب سے روک دے اور یہ بہت بڑی زجر و توبیخ ہے۔

۴۵۔ ﴿ وَاسۡتَعِيۡنُوۡا ﴾ تم اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو ﴿ بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ یعنی دونوں جمع کر کے بجا لاؤ اور وہ یہ کہ نماز ادا کرو اور نماز کی مشکلات پر صبر کرو اور اس کی مشقتوں کو برداشت کرو اور ضروریاتِ نماز کا خیال رکھو یعنی دل میں اخلاص ہو اور نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کو دور رکھو اور خشوع و خضوع اور آدابِ نماز کی رعایت کرو اور اس یقین کے ساتھ حاضر رہو کہ زمین و آسمان کو زبردست قائم رکھنے والے خدا کے سامنے کھڑے ہو یا یہ مطلب ہے کہ مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کے ذریعہ مدد چاہو اور ان کے وقوع ہونے پر نماز کی طرف رجوع کرو اور اس کے ذریعے رب سے التجاء کرو کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کو کوئی معاملہ غم میں ڈالتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے' حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہیں سفر میں ان کے بھائی قثم کی موت کی اطلاع ملی تو انہوں نے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ'' پڑھا اور دو رکعت نماز نفل ادا کی پھر فرمایا: ''وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ. اور صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو'' اور ایک قول یہ ہے کہ صبر سے روزہ مراد ہے کیونکہ روزہ میں کھانے پینے والی چیزوں سے صبر کرنا پڑتا ہے اسی وجہ سے ماہِ رمضان کو ''شَهۡرُ الصَّبۡرِ. یعنی صبر کا مہینہ'' کہا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے یعنی مصیبتوں پر صبر کے ذریعے مدد چاہو اور ان کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اور التجاء کرتے ہوئے دعا کے ذریعے مدد چاہو ﴿ وَاِنَّهَا ﴾ ''هَا'' ضمیر صلوٰۃ یا استعانت کی طرف لوٹتی ہے ﴿ لَكَبِيۡرَةٌ ﴾ البتہ دشوار اور بھاری ہے جیسے تمہارا قول ہے کہ ''كَبُرَ عَلَيَّ هٰذَا الۡاَمۡرُ. یعنی مجھ پر یہ کام دشوار و بھاری ہو گیا ہے''۔ ﴿ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ ﴾ کیونکہ وہ مشکلات برداشت کرنے پر صبر کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کے ذخیرہ کی امید رکھتے ہیں اس لیے ان پر نماز ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے:

الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

ع ۵

جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ ضرور اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور بے شک میں نے تمہیں اس وقت کے اہل جہاں پر برتری عنایت کی تھی ○ اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی (کافر) شخص کا بدلا نہ بن سکے گا اور نہ کسی (کافر) کی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ اس سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

۴۶۔ ﴿ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ ﴾ یعنی ان کے رب تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اسے پا لینے اور اس کی طرف

سے ثواب کے ملنے کی توقع کرتے ہیں اور اس میں رغبت وطمع رکھتے ہیں اور "یَظُنُّوْنَ" کی تفسیر "یَتَیَقَّنُوْنَ" کے ساتھ بھی کی گئی ہے یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ کی قراءت میں "یَظُنُّوْنَ" کی بجائے "یَعْلَمُوْنَ" ہے یعنی وہ جانتے ہیں کہ ضرور انہیں جزائے خیر ملے گی' چنانچہ وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں لیکن جو جزا پر یقین نہیں رکھتا اور نہ ثواب کی امید رکھتا ہے اس پر تو صرف مشقت ہی مشقت ہے اور "خشوع" کا معنی ہے: عاجزی اور انکساری کرنا اور "خضوع" کا معنی ہے: نرمی کرنا اور فرمانبرداری کرنا اور "لقاء" کی تفسیر رؤیت کے ساتھ بھی کی گئی ہے اور "مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ" کا معنی ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا دیدار بلا کیف کریں گے۔ ﴿وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کے معاملے کا مالک نہیں۔

بنی اسرائیل پر احسانات کا بیان

۴۷- ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ اس عبارت کو محض نعمت کی تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے ﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ﴾ [یہ محلاً منصوب ہے اور "نِعْمَتِيَ" پر عطف ہے] یعنی میری نعمت اور میری عنایت کردہ فضیلت کو یاد کرو۔ ﴿عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ لوگوں کی بہت بڑی تعداد پر (تمہیں فضیلت دی گئی) کہا جاتا ہے: "رَاَيْتُ عَالِمًا مِّنَ النَّاسِ. میں نے لوگوں میں سے ایک عالم کو دیکھا" اور اس سے مراد کثرت ہوتی ہے۔

۴۸- ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا﴾ قیامت کے دن (سے ڈرو) [اور یہ مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے] ﴿لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ﴾ ایماندار ﴿عَنْ نَّفْسٍ﴾ کافرہ ﴿شَيْــًٔا﴾ یعنی کوئی جان کسی جان کے لازمی حقوق میں سے کچھ ادا نہیں کر سکے گی [اور "شَيْئًا" مفعول بہ ہے یا مصدر ہے یعنی تھوڑا سا بدلا اور جملہ محلاً منصوب ہے اور "یَوْمًا" کی صفت ہے اور موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: "لَا تَجْزِيْ فِيْهِ"] ﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری نے "تا" کے ساتھ "وَلَا تُقْبَلُ" پڑھا ہے اور "مِنْهَا" میں ضمیر نفس مومنہ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی کسی نفسِ مومنہ کی سفارش کسی نفسِ کافرہ کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی (خلاصہ یہ کہ کوئی مسلم کسی کافر کی سفارش نہیں کر سکے گا) اور کہا گیا ہے کہ یہودی یہ خیال کرتے تھے کہ چونکہ ان کے آباء واجداد میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں' وہ ان کی سفارش کریں گے تو اس آیتِ کریمہ میں انہیں اس سے مایوس کر دیا گیا ہے (کیونکہ شفاعت کے حصول کے لیے ایمان شرط ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ. (المدثر:۴۸) کافروں کو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہیں دے گی"۔ گنہگاروں کے لیے شفاعت کی نفی میں معتزلہ کا اس آیت سے استدلال کرنا مردود ہے کیونکہ کفار کے لیے شفاعت کی نفی کی گئی ہے (نہ کہ مسلمانوں کے لیے) اور خود نبی اکرم رسولِ اعظم فخرِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے بڑے گنہگاروں کے لیے ہوگی' جس نے میری شفاعت کو جھٹلا دیا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ ﴿وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ یعنی فدیہ (نہیں لیا جائے گا) کیونکہ فدیہ مساوی اور برابر معاوضہ ہوتا ہے جو کسی مجرم کی جان چھڑانے کے لیے دیا جاتا ہے۔ ﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی [اور اس کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ نفسِ نکرہ نفوسِ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے اور "نَفْسٌ" کو "عِبَادٌ" یا "اَنَاسِيُّ" کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے]۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی جو تم کو بدترین عذاب پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی O اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تو ہم نے تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے O اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا' پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے O

۴۹- ﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ [''ال'' کی اصل ''اَهْل'' ہے کیونکہ اس کی تصغیر ''اُهَيْل'' آتی ہے' پھر ''ها'' کو الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے] اور اس کا استعمال اشراف و معززین کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جیسے بادشاہ کی اولاد وغیرہ اس لیے ''اٰلِ اَسْـكَـاف. موچیوں کی آل'' اور ''آلِ حجام'' نہیں کہا جاتا اور فرعون قومِ عمالقہ کے بادشاہ کا نام ہے جیسا کہ روم کے بادشاہ کو قیصر اور فارس کے بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا ہے۔ ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ یہ آل فرعون سے حال ہے یعنی وہ تمہیں رسوا کن عذاب پہنچاتے تھے' یہ ''سَـامَه خَسَفًا. ذلیل ورسوا کرنا'' سے بنا ہے' جب کسی کو ظلم کر کے رسوا کیا جائے اور اس کی اصل ''سَامَ السِّلْعَةَ'' ہے جب کوئی بھاؤ طلب کرے گویا اس کا معنی ہے کہ وہ تمہیں (ستانے کے لیے) تلاش کرتے ہیں۔ ﴿سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ وہ تمہارے لیے اس کا ارادہ کرتے ہیں اور ''مُسَـاوَمَـةُ الْبَيْعِ'' کا مطلب ہے: فروخت کا مزید مطالبہ کرنا اور ''سُوْء'' کا لفظ ''يَسُـوْمُوْنَكُمْ'' کا دوسرا مفعول ہے اور یہ ''سِيْئَ'' کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: ''اَعُـوْذُ بِـاللّٰهِ مِنْ سُوْءِ الْخَلْقِ وَسُوْءِ الْفِعْلِ. میں برے خلق اور برے عمل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں''۔ ان دونوں کی قباحت مراد ہے اور ''سُـوْءُ الْعَذَابِ'' اور عذاب سب کا معنی سخت ترین اور قبیح ترین برائی ہے۔ ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ [یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''يَسُـوْمُوْنَكُمْ'' کا بیان ہے اس لیے عطف کو ترک کر دیا گیا ہے] ﴿وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ تمہاری بیٹیوں کو خدمت کرانے کے لیے زندہ چھوڑ دیتے ہیں' اور فرعونیوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہ ظالمانہ عمل اس لیے کیا تھا کہ کاہنوں نے فرعون کو ڈرایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کے سبب اس کا ملک اس سے چھن جائے گا جیسا کہ کاہنوں نے نمرود کو ڈرایا تھا مگر اپنے ملک کے تحفظ کے لیے فرعون اور نمرود کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہی ہوا۔ ﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ﴾ اگر ''ذٰلِكُمْ'' کے ساتھ اشارہ فرعون کے ظالمانہ سلوک کی طرف ہو تو پھر اس سے محنت و مشقت اور آزمائش مراد ہو گی اور اگر نجاتِ خداوندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو پھر اس سے نعمت مراد ہو گی۔ ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [یہ ''بَلَاءٌ'' کی پہلی صفت ہے ﴿عَظِيْمٌ﴾ یہ اس کی دوسری صفت ہے]۔

۵۰- ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا﴾ یعنی ہم نے اس کے درمیان فاصلہ کر دیا اور وہاں سے پانی کو دور کر دیا یہاں تک کہ اس میں تمہارے لیے بہت سے راستے بن گئے اور ''فَـرَّقْـنَا'' (را مشدد کے ساتھ بھی) پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے اس میں کئی حصے بنا دیئے' کہا جاتا ہے کہ اس نے دو چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا اور بہت سی چیزوں کو جدا جدا کئی حصوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد کے مطابق دریا کو الگ الگ بارہ راستوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ﴿بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ وہ اس میں

چلنے لگے اور پانی ان کے راستوں سے الگ ہو گیا تھا گویا وہ ان کے سبب الگ اور جدا ہو گیا یا یہ کہ ہم نے دریا کو تمہارے سبب چیر دیا تھا یا ہم نے سمندر کو تمہارے لیے پھاڑ دیا' پس یہ حال کے محل میں واقع ہے' مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ہمارے ساتھی کہاں ہیں ہمیں نظر نہیں آ رہے اور ہم ان کو دیکھے بغیر راضی نہیں ہوں گے (دریا میں راستے بننے کے بعد پانی پہاڑ کی طرح دیوار بن کر ان کے درمیان حائل ہو گیا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنے عصا کو اس طرح گھما کر ماریں تو آپ نے اپنا وہ عصا پانی کی دیواروں پر مارا تو اس میں کھڑکیوں کی طرح روشن دان بن گئے اور بنی اسرائیل ایک دوسرے کو دیکھنے اور ایک دوسرے کی گفتگو سننے لگ گئے۔

﴿ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ اور تم فرعونیوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور تمہیں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔

۵۱۔﴿ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ کلام اس لیے فرمایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وحی کا وعدہ فرما لیا تھا اور ان سے طور کے پاس مقررہ مدت میں آنے کا وعدہ فرمایا تھا [اور ابو عمرو بصری نے ''وَعَدْنَا'' (الف کے بغیر) پڑھا ہے جیسے (اصل میں) تھا] اور فرعون کی ہلاکت کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تو اس وقت ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جس کی طرف رجوع کرتے' تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آپ پر کتاب نازل فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ذوالقعدہ اور ذی الحج کے دس دن مدت مقرر فرمائی۔

﴿ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ﴾ چونکہ مہینوں کا آغاز راتوں سے ہوتا ہے اس لیے دن کی بجائے چالیس رات فرمایا [اور ''اَرْبَعِیْنَ'' کا لفظ ''وٰعَدْنَا'' کا دوسرا مفعول ہے ظرف نہیں کیونکہ اس کا معنیٰ ''وٰعَدْنٰہُ فِیْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً'' نہیں ہے (جس کا ترجمہ ہے کہ ہم نے ان سے چالیس رات میں وعدہ کیا ہے)] ﴿ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ ﴾ [''اَیْ اِلٰھًا''] یعنی تم نے (بچھڑے کو) معبود (بنا لیا) پھر ''اِتَّخَذْتُمْ'' کے دوسرے مفعول ''اِلٰھًا'' کو محذوف کر دیا گیا ہے [اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو حفص نے ذال کو بغیر ادغام کے ظاہر کر کے پڑھا ہے (دوسرے قاریوں کی طرح ذال کو تا میں مدغم کر کے ''اِتَّخَتُّمْ'' نہیں پڑھا)] ﴿ مِنْۢ بَعْدِہٖ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف جانے کے بعد ﴿ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ یعنی تم نے عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھا ہے (کہ تم نے خدا کی بجائے بچھڑے کی عبادت کی ہے) [اور یہ جملہ حال ہے] یعنی جس وقت تم نے بچھڑے کی عبادت کی تھی اس وقت تم اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے)۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾

پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو O اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والی قوت دی تاکہ تم ہدایت پاؤ O اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر

اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور ایک دوسرے کو قتل کرو' تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک یہی تمہارے لیے بہتر ہے' تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' بے شک وہی توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے O

٥٢- ﴿ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ ﴾ ہم نے تمہارے گناہ تم سے مٹا دیئے ﴿ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ تمہارا بچھڑے کو معبود بنا لینے کے بعد ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم اس نعمت کا شکر ادا کرو کہ میں نے تم کو معاف فرما دیا۔

٥٣- ﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ "کتاب" اور "فرقان" دونوں کا مفہوم جامع کتاب ہے جو حق اور باطل میں فرق واضح کرتی ہے اور وہ تورات ہے اور اس کی نظیر "رَاَيْتُ الْغَيْثَ وَاللَّيْثَ" ہے (میں نے سخی اور بہادر آدمی کو دیکھا ہے) جب تمہارا ارادہ ایسے آدمی کے بارے میں ہو جو سخاوت اور شجاعت دونوں کا جامع ہو' یا تورات اور عصا کا سانپ بننا اور ہاتھ کا بغل سے نکالنے کے بعد روشن ہو جانا اور دیگر معجزات مراد ہیں جو ایمان اور کفر کے درمیان فرق کرتے ہیں یا "فرقان" سے شریعت مراد ہے جو حلال اور حرام کے درمیان فرق کرتی ہے اور بعض نے کہا کہ فرقان سے مراد سمندر کا پھٹنا ہے یا اللہ تعالیٰ کی وہ مدد مراد ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمنوں کے درمیان فرق واضح کر دیا تھا۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

٥٤- ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ﴾ ان لوگوں سے (فرمایا) جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ ﴿ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾ اے میری قوم! تم نے بچھڑے کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ ﴿ فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ ﴾ وہ خدا جس نے تمام مخلوق کو ہر قسم کے خلل سے بری پیدا فرمایا اور اس میں ڈانٹ ہے ان لوگوں کے لیے ان میں سے جنہوں نے عالم و حکیم خدا کی عبادت چھوڑ دی ہے جس نے ان کو ہر قسم کے خلل سے بری پیدا کیا ہے اور گائے کی پوجا کی جو حماقت و بے عقلی میں مشہور ہے۔ ﴿ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ﴾ بعض نے کہا: یہ اپنے ظاہر پر ہے یعنی اپنے آپ کو خود قتل کرو اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کریں اور بعض نے کہا کہ یہ ان لوگوں کو حکم ہے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی کہ وہ بچھڑے کے پجاریوں کو قتل کر دیں' چنانچہ ستر ہزار بنی اسرائیلی قتل کر دیئے گئے تھے۔ ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یہ توبہ اور قتل ﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ﴾ گناہ پر اصرار کرنے کی نسبت تمہارے لیے بہتر ہے ﴿ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ ﴾ گناہ اگرچہ بہت ہوں لیکن وہ توبہ قبول کر کے بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے ﴿ الرَّحِيْمُ ﴾ وہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اگرچہ وہ بڑے بڑے ہوں [اور اس آیت مبارکہ میں پہلی "فا" سبب کے لیے ہے کیونکہ ظلم توبہ کا سبب ہے اور دوسری "فا" تعقیب (قدرے تاخیر) کے لیے ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ اگر تم توبہ کا ارادہ کر چکے ہو تو پھر اپنے آپ کو قتل کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو ان کا اپنے آپ کو قتل کرنا قرار دیا [اور تیسری "فا" شرط محذوف کے ساتھ متعلق ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٥٧﴾

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں' پھر تم کو ایک کڑک نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے O پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کیا تا کہ تم شکر کرو O اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا' جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ' اور انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

۵۵- ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ [ہم اپنے سامنے دیکھ لیں "جَهْرَةً" مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے جیسا "قَرَفُصَاء. اکڑوں بیٹھنا" جلوس فعل کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے یا یہ "نری" سے حال واقع ہے]۔ ﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ موت (نے تم کو اپنی گرفت میں لے لیا) بعض نے کہا کہ یہ آگ تھی جو آسمان سے آئی تھی جس نے سب کو جلا کر راکھ کر دیا تھا' ایک روایت میں ہے کہ کوہِ طور پر جانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام جن ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے تھے انہوں نے آپ سے کہا کہ چونکہ ہم نے دوسرے بنی اسرائیلیوں کی طرح گائے کی پوجا نہیں کی' لہٰذا آپ ہمیں اس طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار کرائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں سوال کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا: بے شک آپ نے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیا ہے اور ہمیں نہیں کراتے' جب آپ دیدارِ الٰہی کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے' لہٰذا ہم آپ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک کڑک بھیج دی جس نے انہیں جلا کر راکھ کر دیا اور معتزلہ نے اس آیت مبارکہ سے دیدارِ الٰہی کی نفی پر استدلال کیا ہے کیونکہ اگر دیدارِ الٰہی جائز ہوتا تو ان کے جائز سوال پر انہیں عذاب نہ دیا جاتا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ (یہ تو دیدارِ الٰہی کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ اگر دیدارِ الٰہی منع ہوتا تو سوال کرنے سے منع کر دیا جاتا لیکن جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیدارِ الٰہی کے سوال سے منع نہیں کیا گیا تھا اسی طرح بنی اسرائیل کے ان ستر آدمیوں کو بھی سوال سے منع نہیں کیا گیا بلکہ) ان کو کفر کے سبب عذاب دیا گیا تھا (۱) کیونکہ ان کا یہ قول کفر تھا کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ نہ لیں (۲) اور اس لیے بھی کہ انہوں نے معجزات کو دیکھنے کے بعد بھی دیدارِ الٰہی کے بغیر آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ معجزات کے ظہور کے بعد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا واجب اور لازم ہو جاتا ہے اور قوم کے لیے معجزات سے انکار کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوتا (۳) اور اس لیے بھی کہ انہوں نے رہنمائی لینے (اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح شوق دیدارِ الٰہی) کے لیے سوال نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے یہ سوال صرف بغض وعناد اور شک وشبہ کی بنا پر کیا تھا۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ اور تم اس کڑک کو دیکھ رہے تھے جب وہ آسمان سے اتری تھی۔

۵٦- ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ﴾ پھر ہم نے تمہیں زندہ کر دیا اور "بَعْث" کی اصل کسی چیز کو اس کی جگہ سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ہے ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تا کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

۵۷- ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ یعنی ہم نے بادل کو تم پر سایہ فگن کر دیا اور یہ مقام "تِيه" میں ہوا کہ اللہ تعالیٰ

نے بادل کو ان کے تابع کر دیا تھا جو ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا اور سائبان بن کر ان کو سورج کی گرمی سے بچاتا تھا اور رات کو آگ کا ایک ستون اترتا جس کی روشنی میں وہ چلتے تھے اور ان کے کپڑے نہ پھٹتے تھے اور نہ پرانے ہوتے ہیں۔ ﴿ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ ﴾ "منّ" سے مراد ترنجبین ہے اور یہ برف کی طرح (سفید رنگ کا میٹھا پکوان) طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک بنی اسرائیل پر اترتا رہتا تھا جو ہر ایک آدمی کے لیے ایک صاع (چار کلوگرام سے کچھ زائد) ہوتا تھا۔ ﴿ وَالسَّلْوٰی ﴾ جنوب کی ہوا ان کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آتی تھی' چنانچہ ان کے پاس "سَلوٰی" کافی مقدار میں جمع ہو جاتے تھے اور یہ بٹیر کی طرح ہوتے ہیں' پھر ہر ایک آدمی اپنی ضروریات کے مطابق انہیں پکڑتا اور ذبح کر لیتا اور ہم نے ان سے فرمایا: ﴿ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ لذیذ اور حلال چیزیں کھاؤ ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا ﴾ انہوں نے ان نعمتوں کا انکار کر کے خود ہی ظلم کیا تھا اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا تھا (بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴾ ["اَنْفُسَهُمْ" کا لفظ "یَظْلِمُوْنَ" کا مفعول ہے اور یہ جملہ "كَانُوْۤا" کی خبر ہے]۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْ ؕ وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

اور جب ہم نے فرمایا: اس بستی میں داخل ہو جاؤ' پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو: ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے' اور عنقریب نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ○ پھر ان ظالموں نے اس بات کو' جو انہیں فرمائی گئی تھی اس کے علاوہ دوسری بات کے ساتھ بدل دیا تو ہم نے آسمان سے ان ظالموں پر عذاب نازل کیا اس لیے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○

۵۸- ﴿ وَاِذْ قُلْنَا ﴾ "مقام تیہ" سے نکلنے کے بعد ہم نے ان سے فرمایا: ﴿ ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ ﴾ (کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ) یعنی بیت المقدس یا اریحا میں اور "قریہ" کا معنی ہے: وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ یہ "قریت" سے ماخوذ ہے کیونکہ بستی بھی مخلوق کو جمع کر لیتی ہے' ان کو مقام تیہ سے نکلنے کے بعد اس بستی میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ ﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا ﴾ اس بستی کا طعام اور اس کے پھل وغیرہ کھاؤ ﴿ حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ﴾ جہاں چاہو فراخ اور کشادہ ﴿ وَّادْخُلُوا الْبَابَ ﴾ بستی کے کسی دروازے سے داخل ہو جاؤ' یا اس گنبد کے دروازے سے' جس میں وہ نماز ادا کرتے تھے اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی زندگی میں تو صرف دروازے میں داخل ہوئے تھے اور ان کے بعد بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے ﴿ سُجَّدًا ﴾ [یہ حال ہے اور ساجد کی جمع ہے] اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے بیت المقدس کے دروازے تک پہنچتے ہی انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ﴿ وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾ ["فِعْلَةٌ" کے وزن پر ہے اور "حَطٌّ" سے ماخوذ ہے جیسے "جِلْسَةٌ" ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] "اَیْ مَسْئَلَتُنَا حِطَّةٌ اَوْ اَمْرُكَ حِطَّةٌ" یعنی ہمارا سوال ہے کہ ہمارے گناہ معاف ہوں یا تیرا حکم ہے کہ ہم تجھ سے

معافی مانگیں"[اور یہ اصل میں منصوب ہے اور اس کو" حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا حِطَّةً" کے معنی میں پڑھا گیا ہے]" (اے اللہ!) ہم سے ہمارے گناہ بالکل مٹا دے" اور اس کو مرفوع اس لیے کیا گیا تا کہ اس کو ثبات کا معنی دیا جائے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ہم اس بستی میں اتریں گے اور اسی میں ٹھہریں گے' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھنا ہے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنا ہے (کہ ان دونوں کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں) ﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ ["خَطِيْئَةٌ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے: گناہ' اور نافع مدنی نے ("يَا" مضموم اور "فَا" مفتوح کے ساتھ) "يُغْفَرْ" پڑھا ہے اور ابن عامر شامی نے ("تَا" مضموم کے ساتھ) "تُغْفَرْ" پڑھا ہے]۔ ﴿وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ہم اسے اجر و ثواب زیادہ عطا کریں گے جو تم میں سے نیک ہوگا اور یہ کلمہ ثواب میں زیادتی کا سبب ہے اور جو تم میں سے گنہگار ہوگا اس کے لیے توبہ اور مغفرت ہے۔

۵۹۔ ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ اس میں کچھ عبارت محذوف اور مقدر ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے "پس ان ظالموں سے جو بات کہی گئی تھی اس کو اس بات کے ساتھ بدل دیا' جو انہیں نہیں کہی گئی تھی") [پس "بَدَّلَ" ایک مفعول کی طرف بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے اور دوسرے مفعول کی طرف "بَا" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' پھر جو مفعول "بَا" کے ساتھ آتا ہے وہ یہاں متروک ہے (یعنی اس کو چھوڑ دیا گیا ہے) اور جو مفعول بغیر "بَا" کے ہوتا ہے وہ یہاں موجود ہے (وہ "قَوْلًا غَيْرَ" ہے)] یعنی انہوں نے "حِطَّةٌ" کی جگہ ایک اور کلمہ رکھ دیا۔ انہیں ایسی بات کہنے کا حکم دیا گیا تھا جس کا معنی توبہ اور استغفار تھا لیکن انہوں نے اس کی مخالفت کی اور ایسی بات کہہ دی جس کا معنی وہ نہیں تھا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہیں کی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے "حِطَّةٌ" کی جگہ "حِنْطَةٌ" کہا تھا اور بعض نے کہا: انہوں نے اپنی بولی میں "حَطًّا سَمْقَاثًا" یعنی سرخ گندم کہا تھا" اور یہ بھی فرمانِ الٰہی کی حقارت کے لیے کہا تھا' نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو چیز (عفو و مغفرت) طلب کرنی تھی اس سے روگردانی کرنے اور اپنی خواہشات کے مطابق دنیا کے اغراض و مفادات حاصل کرنے کے لیے کہا تھا۔ ﴿فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا﴾ "رِجْزٌ" سے مراد عذاب الٰہی ہے اور "اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" کو دوبارہ لانے میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان کے کرتوتوں کی قباحت کو مزید ظاہر کیا جائے اور دوسرا یہ بتایا جائے کہ ان پر عذابِ الٰہی کے نزول کی وجہ ان کا ظلم کرنا ہے۔ ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ یہ "رِجْزٌ" کی صفت ہے ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ (عذاب الٰہی کے نزول کا دوسرا) سبب ان کا فسق و فجور ہے' ایک روایت میں ہے کہ طاعون کی بیماری سے صرف ایک گھنٹے میں ان کے چوبیس ہزار افراد مر گئے تھے جب کہ بعض نے کہا کہ ستر ہزار افراد مر گئے تھے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا: اپنا عصا اس پتھر پر مارو' تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' بے شک ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو جان لیا' اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ۝

حضرت موسیٰ کا معجزہ اور بنی اسرائیل کی ذلت کی وجہ

۶۰۔﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ [''اِذْ'' نصب کے محل میں واقع ہے] گویا کہا گیا ہے: اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی طلب کیا یعنی انہوں نے دعا کی کہ ان کی قوم کو سیراب کیا جائے۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ میدان تیہ میں بنی اسرائیل پیاس سے نڈھال ہو گئے' تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی' تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے پانی طلب کرنے کی دعا کی تو ان سے فرمایا گیا کہ آپ اپنا عصا پتھر پر ماریں [اور اس میں لام عہد خارجی کا ہے] اور اس سے ایک مخصوص پتھر کی طرف اشارہ ہے' چنانچہ روایت میں ہے کہ یہ طور کا پتھر تھا جس کو آپ نے اپنے ساتھ اٹھا رکھا تھا اور یہ مربع شکل کا پتھر تھا جس کی چار طرفیں تھیں۔ ہر طرف سے تین چشمے نکلتے تھے۔ اس طرح بنی اسرائیل (کے بارہ قبیلوں میں سے) ہر قبیلے کے لیے ایک چشمہ تھا اور وہ کل چھ لاکھ افراد تھے اور یہ لشکر بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا' یا اس میں لام جنس کے لیے ہے یعنی کسی پتھر پر مارو جسے پتھر کہا جا سکے اور یہ ثبوتِ نبوت کی دلیل میں زیادہ اظہار ہے اور معجزہ کے ظاہر کے لیے قدرت واختیار میں زیادہ واضح ہے ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ ''فا'' کا تعلق فعلِ محذوف سے ہے یعنی ''فَضَرَبَ فَانْفَجَرَتْ. سو آپ نے اپنا عصا مارا تو (بارہ چشمے) پھوٹ پڑے'' یعنی کثرت سے بہنے لگ گئے' یا یہ کہ اگر آپ نے عصا مارا تو چشمے پھوٹ پڑیں گے اور اب ''فا'' فصیحہ ہوگا جو صرف بلیغ کلام میں واقع ہوتا ہے] ﴿مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ قبیلوں کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے۔ [اور ''عَشْرَةَ'' کی شین میں کسرہ اور فتح دونوں پڑھے جا سکتے ہیں اور یہ دو لغتیں ہیں اور ''عَيْنًا'' تمیز ہے] ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ﴾ ہر گروہ نے جان لیا ﴿مَّشْرَبَهُمْ﴾ اپنا چشمہ جس سے وہ پانی پیتے تھے اور ہم نے ان کو حکم فرمایا: ﴿كُلُوْا﴾ ''مَنّ'' اور ''سلویٰ'' کھاؤ ﴿وَاشْرَبُوْا﴾ چشموں کا پانی پیو ﴿مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق دیا ہے وہ سب کھاؤ ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ اور تم زمین میں فساد نہ کرو' اور ''عَيْث'' بدترین فساد ہے ﴿مُفْسِدِيْنَ﴾ [یہ تاکیدی حال ہے] یعنی فساد میں سرکشی نہ کرو اور فساد کرتے وقت حد سے مت بڑھو کیونکہ وہ زمین میں زبردست سرکشیاں کرتے تھے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ۷

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ زمین کی اگائی ہوئی بعض چیزیں ہمارے لیے نکال دے یعنی سبزی اور ککڑی اور گندم و لہسن اور مسور اور پیاز' فرمایا: کیا تم بہتر

کے بدلے میں ادنیٰ مانگتے ہو کسی شہر میں اتر جاؤ وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جن کا تم نے سوال کیا ہے اور ان پر ذلت اور ناداری مسلط کر دی گئی ہے اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ نافرمانیاں کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے O

٦١۔﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے اور یہ وہ رزق ہے جو انہیں تیہ کے میدان میں "مَنّ" اور "سلویٰ" کی صورت میں دیا گیا تھا اور انہوں نے ایک طعام کہا ہے حالانکہ وہ دو طعام تھے کیونکہ انہوں نے ایک کھانے سے وہ کھانا مراد لیا جو تبدیل نہیں ہوتا (بلکہ روزانہ ایک قسم کا کھانا ملتا تھا) اور اگر کسی آدمی کو دستر خوان پر روزانہ ایک قسم کے کئی کھانے دیئے جائیں اور ان میں تبدیلی نہ کی جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی صرف ایک کھانا کھاتا ہے اور وحدت سے تبدل و اختلاف کی نفی مراد ہوتی ہے یا انہوں نے یہ کہنا چاہا کہ وہ دونوں کھانے ایک قسم کے تھے کیونکہ دونوں کو ملا کر کھانا اہل لذت اور اہل ثروت کی عادت ہے اور وہ زراعت پیشہ لوگ تھے' پس انہوں نے چاہا کہ انہیں سبزی اور گندم' لہسن وغیرہ سے مرکب کھانے دیئے جائیں۔﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ اپنے رب سے سوال کرو اور اس سے کہو کہ ہمارے لیے نکال دے ﴿یُخْرِجْ لَنَا﴾ وہ ہمارے لیے ظاہر کر دے اور پیدا کر دے ﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا﴾ جن سبزیوں کو زمین اگاتی ہے اور اس سے عمدہ سبزیاں مراد ہیں جیسے پودینہ، اجوائن' گیندنا اور تھوم وغیرہ جس کو لوگ کھاتے ہیں ﴿وَقِثَّآئِهَا﴾ ککڑی ﴿وَفُوْمِهَا﴾ یہ گندم ہے یا لہسن (تھوم) ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں "فُوْمِهَا" کی بجائے "ثُوْمِهَا" ہے ﴿وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی﴾ اور مسور کی دال اور پیاز اور حضرت موسیٰ نے فرمایا: کیا تم اسے تبدیل کرنا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے؟ اور وہ مرتبہ کے اعتبار سے قریب ترین اور مقدار کے اعتبار سے کم ترین ہو اور "دُنو" اور "قُرب" دونوں کو مقدار کی قلت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ﴿بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾ بلند ترین و بہترین ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا﴾ شہروں میں سے کوئی شہر یعنی تیہ کے میدان سے کسی شہر کی طرف اتر جاؤ اور تیہ کا میدان بیت المقدس سے لے کر "قِنَّسرین" تک تقریباً ۹۶ کلومیٹر لمبا اور ۶۴ کلومیٹر چوڑا ہے یا فرعون کا مصر مراد ہے (ملک مصر) [اور اس کو دو اسباب سے خالی کر کے منصرف پڑھا گیا ہے اور وہ دو سبب یہ ہیں: تانیث اور معرفہ ہونا کیونکہ اس سے غیر معین شہر مراد ہے یا یہ ساکن الاوسط (درمیانہ حرف ساکن) ہونے کی وجہ سے (منصرف ہے) جیسے نوح اور لوط' اور ان دونوں میں (دو سبب) عجمی ہونا اور معرفہ ہونا پائے جاتے ہیں (مگر درمیان کا حرف ساکن ہونے کی وجہ سے منصرف ہیں)] ﴿فَاِنَّ لَكُمْ﴾ شہر میں ﴿مَّا سَاَلْتُمْ﴾ جن چیزوں کا تم نے سوال کیا ہے وہ سب چیزیں شہروں میں ملتی ہیں میدانِ تیہ کے جنگل میں نہیں ملتیں ﴿وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ ذلت و خواری اور افلاس و تنگ دستی' یعنی ذلت و رسوائی نے ان کو گھیر لیا ہے اور ان پر حاوی ہو گئی ہے اور یہ اس میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص خیمہ میں گھرا ہوا ہو جس پر خیمہ ہر چہار اطراف سے اس پر بند کر دیا جائے یا ذلت و خواری ان کے ساتھ چمٹا دی گئی ہے حتیٰ کہ یہ ان کے ساتھ اس طرح لازم ہو گئی ہے جس طرح گارا دیوار کے لیے لازم اور ضروری ہوتا ہے' پس یہودی حقیر و ذلیل اور خسیس و رذیل قوم ہے یا حقیقت میں ایسے ہیں یا پھر محض اس خوف سے کہ ان پر جزیہ دگنا کر دیا جائے اپنے آپ کو مسکین و فقیر اور غریب و نادار ظاہر کرتے ہیں۔[حمزہ اور علی کسائی دونوں قاریوں نے "عَلَیْهُمُ الذِّلَّةُ" میں "هَا" پر ضمہ پڑھا ہے (جیسے "عَلَیْهُمْ، اِلَیْهُمْ، لَدَیْهُمْ" نیز روایتِ حفص میں دو جگہ "وَمَا اَنْسَانِیْهُ" (الکہف:٦٣) اور "عَلَیْهُ اللّٰهَ" (الفتح:١٠) میں "هَا" پر ضمہ پڑھا جاتا ہے)] اور اسی طرح ہر وہ کلمہ جس میں "ها" سے پہلے

''یا'' ساکنہ ہو(وہاں ''ہا'' پرضمہ پڑھتے ہیں)ابوعمرو نے ''ھا'' اور میم دونوں کے نیچے کسرہ (زیر) پڑھا ہے(جیسے ''عَلَيْهِمِ الذِّلَّةُ'') جب کہ دوسرے قاریوں نے ''ھَا'' کے نیچے کسرہ اور میم کے اوپر ضمہ پڑھا ہے] ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ تمہارے قول ''بَاءَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ'' سے لیا گیا ہے یعنی جب قاتل اس بات کا مستحق ہو جائے کہ اسے مقتول کے بدلے قتل کر دیا جائے اس بنا پر کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مساوی اور برابر ہیں یعنی یہ یہودی اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور کسائی سے منقول ہے کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ گزشتہ ذلت و رسوائی اور فقر و افلاس اور غضب الٰہی کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ﴾ نافع نے ہمزہ کے ساتھ ''اَلنَّبِيْئِيْنَ'' پڑھا ہے اور اسی طرح اس باب کے تمام کلمات ہمزہ کے ساتھ پڑھے جائیں گے یعنی یہ سب کچھ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کرنے اور انہیں قتل کرنے کے سبب ہوا چنانچہ یہودیوں نے حضرت شعیاء اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ صلوات اللہ تعالیٰ علیہم کو شہید کر دیا تھا اور ''نَبِی'' ''نَبَأٌ'' سے بنا ہے کیونکہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (غیب کی) خبریں دیتے ہیں اور یہ فعیل کے وزن پر ہے اور ''مُفْعِلٌ'' (اسم فاعل) کے معنی میں ہے یا ''مُفْعَلٌ'' (اسم مفعول) کے معنی میں ہے یا یہ ''نَبَا'' سے بنا ہے یعنی بلند مرتبہ عالی شان کیونکہ ''نَبْوَةٌ'' بلند جگہ کو کہتے ہیں]۔ ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ان کے نزدیک بھی ناحق ہے کیونکہ یہودی اگر انصاف کرتے تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کوئی ایسی چیز ذکر نہیں کی جس کے سبب وہ ان کے نزدیک تورات میں قتل کے مستحق قرار پاتے [اور یہ ''يَقْتُلُوْنَ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور محلاً منصوب ہے] یعنی یہودی انبیائے کرام کے قتل کو ناحق جانتے ہوئے ان کو قتل کرتے تھے۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اشارہ کرنے کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے ﴿بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ مختلف قسم کے گناہوں کے ارتکاب کرنے اور ہر معاملہ میں حد سے تجاوز کرنے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے انکار کرنے اور انبیائے کرام کو قتل کرنے کے سبب نافرمان ہو گئے اور بعض نے کہا ہے کہ ہفتہ کے دن (شکار کرنے کی وجہ سے) حد سے تجاوز کرنا مراد ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کفر اختیار کرنے اور پیغمبروں کو قتل کرنے کی طرف اشارہ ہو اس بنا پر کہ یہی چیزیں ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کا سبب بنیں کیونکہ وہ انہی دو کاموں میں منہمک ہو گئے تھے اور غلو سے کام لیتے ہوئے انتہا پسند ہو گئے تھے حتیٰ کہ ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور انہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے اور آیاتِ الٰہی کے انکار کرنے کی جسارت کر لی یا یہ کہ وہ کفر و انکار اور قتل و غارت کے ساتھ ساتھ دوسری نافرمانیاں بھی کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

بے شک ایمان والے اور یہودی اور عیسائی اور صابئین (میں سے) جو سچے دل سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تم پر طور کو اٹھالیا' کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے لے لو اور اس میں جو کچھ ہے اس کو یاد کرو اس امید پر کہ تم پرہیزگار بن جاؤO پھر اس کے بعد تم پھر گئے' پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے O

ایمان اور عمل صالح کی اہمیت' عہدِ الٰہی سے روگردانی اور حکمِ الٰہی سے روگردانی پر عذابِ الٰہی

۶۲- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک جنہوں نے صرف زبان سے ایمان کا اقرار کیا مگر ان کے دل زبان کے موافق نہ تھے تو وہ منافق ہیں۔ ﴿وَالَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ اور جو یہودی ہو گئے [جب کوئی شخص یہودیت میں داخل ہوتا تو ''هَادَ یَهُوْدُ'' اور ''تَهَوَّدَ'' کہا جاتا اور اس کا اسم فاعل ''هَائِدٌ'' اور جمع ''هُوْدٌ'' ہے]۔ ﴿وَالنَّصٰرٰی﴾ [''نَصْرَانٌ'' کی جمع ہے جیسے ''نَدْمَانٌ'' کی جمع ''نَدَامٰی'' آتی ہے کہا جاتا ہے کہ ''رَجُلٌ نَصْرَانٌ وَامْرَاَۃٌ نَصْرَانَۃٌ'' یعنی عیسائی مرد اور عیسائی عورت'' اور نصرانی میں ''یَا'' مبالغہ کی ہے جیسے ''احمری'' میں ہے] ان کو نصاریٰ اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کی تھی۔ ﴿وَالصّٰبِئِیْنَ﴾ مشہور دین سے خارج ہو کر کسی دوسرے مذہب کی طرف نکلنے والے اور یہ ''صَبَاَ'' سے بنا ہے' جب کوئی شخص دین سے خارج ہو جائے اور اس سے مراد وہ قوم ہے جو یہودیت اور نصرانیت سے پھر گئی اور فرشتوں کی پوجا شروع کر دی اور بعض نے کہا کہ یہ زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ان کافروں میں سے جو سچے دل سے خالص ایمان لائے۔ ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور نیک عمل کیے تو ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے [اور اگر ''مَنْ اٰمَنَ'' کو مبتدا قرار دیا جائے تو یہ محلاً مرفوع ہوگا اور ''فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ'' اس کی خبر ہوگی اور اگر اس کو ''اِنَّ'' کے اسم سے بدل اور معطوف علیہ قرار دیا جائے تو یہ محلاً منصوب ہوگا اور ''اِنَّ'' کی خبر پہلی صورت میں جملہ ہوگی اور دوسری صورت میں (''فَلَهُمْ'' میں) ''هُمْ'' خبر ہوگی اور اس پر حرف ''فَا'' اس لیے آیا ہے کہ (''مَنْ اٰمَنَ'' میں) ''مَنْ'' شرط کے معنی کو متضمن ہے]۔

۶۳- ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ﴾ اور جو کچھ تورات میں ہے اس کو قبول کرنے کا جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا۔ ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾ اور ہم نے تم پر پہاڑ کو اٹھالیا' پہاڑ کو ہم نے تم پر اٹھالیا یہاں تک کہ تم نے ہمارا عطا کردہ عہد قبول کر لیا اور وہ اس طرح کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تورات کی تختیاں لے کر بنی اسرائیل کے پاس آئے تو انہوں نے اس میں بھاری ذمہ داریاں اور تکالیف شاقہ دیکھیں تو ان پر تورات گراں گزری اور انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا اور لہٰذا انہوں نے کوہِ طور کو جڑ سے اکھاڑا اور بنی اسرائیل کے اوپر سائبان کی طرح کھڑا کر دیا اور حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر قبول کر لو تو درست ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا' چنانچہ انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور ہم نے ان سے فرمایا: ﴿خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ﴾ جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے یعنی تورات اس کو ﴿بِقُوَّةٍ﴾ پوری کوشش اور ہمت کے ساتھ پکڑ لو ﴿وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ﴾ جو کچھ کتاب میں ہے اس کو یاد کرو اور لوگوں کو پڑھاؤ اور اس کو بھول نہ جانا اور نہ اس سے غافل ہو جانا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تمہیں یہ امید ہونی چاہیے کہ تم پرہیزگار بن جاؤ گے۔

٦٤-﴿ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ پھر تم وعدہ سے پھر گئے اور اس کو پورا کرنے سے اعراض کر لیا۔﴿ مِّنۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ اس کو قبول کر لینے کے بعد ﴿ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ تم سے عذاب کو مؤخر کر کے اور تم کو توبہ کی توفیق عطا فرما کر اگر تم پر فضل الٰہی نہ کیا جاتا اور تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی ﴿ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ تو تم عذاب میں ہلاک ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾

اور بے شک تمہیں وہ لوگ ضرور معلوم ہیں تم میں سے جنہوں نے ہفتہ کے دن سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤO پھر ہم نے اس واقعہ کو اس زمانے کے اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت بنا دیاO اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو' انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤںO انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچھیا' (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو' سو تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاؤO انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک پیلی گائے ہے' جس کی رنگت گہری زرد ہے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہےO

٦٥-﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ﴾ تم نے جان لیا اور ''عَلِمْتُمْ'' ایک مفعول کی طرف متعدی ہے۔﴿ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ ﴾ ''سَبْتٌ'' مصدر ہے کہتے ہیں ''سَبَتَ الْيَهُوْدُ'' جب یہودی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے ہیں' دراصل بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن زیادتی اور سرکشی کی تھی' ان کے لیے حد مقرر کر دی گئی تھی کہ ہفتہ کے دن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور اس کی تعظیم میں گزاریں گے مگر انہوں نے اس حد سے تجاوز کیا اور عبادت کے دن شکار میں مشغول ہو گئے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا (جس میں وہ ناکام ہو گئے) ہوا یوں کہ مچھلیاں باقی دن سمندر میں چھپی رہتیں مگر ہفتہ کے دن بڑی تعداد میں جمع ہو کر اپنے منہ نکالے سمندر کے پانی سے ظاہر ہو جاتیں لیکن ہفتے کا دن گزرتے ہی وہ تمام مچھلیاں منتشر ہو کر ادھر ادھر گم ہو جاتیں اور پھر پورے چھ دن نظر

نہ آتیں' چنانچہ یہودیوں نے سمندر کے پاس گڑھے کھودے اور سمندر سے گڑھوں کی طرف نالیاں بنا دیں' ہفتہ کے دن مچھلیاں آتیں اور گڑھوں میں داخل ہو جاتیں اور اس دن شکار سے محفوظ رہتیں اور یہودی اس دن سمندر کے پار' نالیوں کے منہ بند کر دیتے تاکہ مچھلیاں واپس نہ جا سکیں اور اتوار کے دن شکار کر لیتے تو ہفتے کے دن مچھلیوں کو قید کرنا یہودیوں کی زیادتی تھی ﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا﴾ ''كُوْنُوْا'' کا مطلب ہے کہ تم ہمارے بنانے سے بن جاؤ ﴿قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ ''كَانَ'' (یعنی ''كُوْنُوْا'') کی خبر ہے یعنی تم بندر پن اور گھٹیا پن کے جامع بن جاؤ اور ذلیل بندر بن جاؤ اور ''خَسْؤٌ'' کا معنی ہے: ذلیل و گھٹیا اور دھتکارا ہوا۔

٦٦- ﴿فَجَعَلْنٰهَا﴾ ہم نے ان کو مسخ کر دیا ﴿نَكَالًا﴾ عبرت ناک سزا دے کر' جس کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کریں اور بغاوت و سرکشی سے باز آ جائیں ﴿لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا﴾ جو اس واقعہ سے پہلے کے لوگ ہیں ان کے لیے ﴿وَمَا خَلْفَهَا﴾ اور جو امتیں اور قومیں اس کے بعد ہوں گی ان کے لیے' کیونکہ سابقہ تمام کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر کر دیا گیا ہے اور اس سے انہوں نے عبرت حاصل کی اور بعد میں آنے والوں میں سے جن کو یہ خبر پہنچی انہوں نے اس سے عبرت حاصل کی ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ یہ ان کی قوم کے وہ صالح اور نیک لوگ ہیں جنہوں نے مجرموں کو ہفتہ کے دن شکار کرنے اور حکم خدا سے تجاوز کرنے سے منع کیا تھا یا اس سے ہر وہ نیک اور پرہیز گار انسان مراد ہے جو اس واقعہ کو سن کر نصیحت حاصل کرے۔

گائے کا قصہ

٦٧- ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ﴾ یعنی وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور یہ ''اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ'' (البقرہ:٤٠) میں ''نِعْمَتِيَ'' پر معطوف ہے گویا فرمایا: اور اس کو یاد کرو اور اس وقت کو یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے فرمایا اور اسی طرح یہ ''اُذْكُرُوْا'' ان تمام اسمائے ظرف میں مانا جائے گا جو گزر چکے ہیں یعنی میری نعمت کو یاد کرو اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو نجات دی اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہاری خاطر دریا کو پھاڑ دیا تھا اور میری نعمت کو یاد کرو اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے اپنے رب سے پانی کی دعا کی تھی اور وہ تمام ظروف جو ''وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ'' (البقرہ:١٢٤) تک آئیں گے (ان میں بھی ''اُذْكُرُوْا'' پوشیدہ ہوگا)۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ﴾ دراصل ''بِاَنْ'' ہے ﴿تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ مفسرینِ کرام نے بیان کیا ہے کہ اس قصہ کا ابتدائی حصہ تلاوت میں مؤخر ہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا'' (البقرہ:٧٢) اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل کا ایک مال دار آدمی تھا' جس کا نام عامیل تھا' اس کو اس کے چچا زاد بھائیوں نے قتل کر دیا تاکہ وہ اس کے مال کے وارث بن جائیں اور قتل کرنے کے بعد اس کو شہر کے ایک دروازے میں پھینک دیا' پھر آ کر قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو ماریں' وہ زندہ ہو جائے گا' پھر ان کو اپنے قاتل کی خبر دے گا ﴿قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ کیا آپ ہمیں مذاق کی جگہ سمجھتے ہیں؟ یا آپ ہمیں مذاق کرنے والوں میں سے قرار دیتے ہیں یا پھر آپ ہمیں مذاق قرار دیتے ہیں [جناب حمزہ نے ''هُزْءًا'' ''زَا'' ساکنہ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ امام حفص نے ''هَا'' اور ''زَا'' کو ضمہ اور واؤ کے ساتھ ''هُزُوًا'' پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے اس کو مشدد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے]
﴿قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ ''عِيَاذٌ'' اور ''لِيَاذٌ'' دونوں کا ایک معنی ہے' اور وہ پناہ مانگنا ہے ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ کیونکہ دین کے معاملہ میں مذاق کرنا جہالت اور کم عقلی کی بات ہے اور اس میں یہودیوں پر طعن کیا گیا کہ تم جاہل ہو کیونکہ تم نے میری طرف مذاق کی نسبت کی ہے۔

۶۸۔﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ﴾ گائے کے حال اور اس کی صفت کے متعلق سوال کیا گیا ہے' کیونکہ یہودی گائے کی ماہیت وحقیقت کو جانتے تھے [اس لیے کہ ''ما'' اگر چہ جنس کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آتا ہے اور ''کَیْفَ'' کسی کے وصف کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آتا ہے لیکن یہاں ''مَا'' کا حرف ''کَیْفَ'' کی جگہ پر واقع ہے] اور یہ اس لیے کہ انہیں تعجب ہوا کہ ایک ذبح شدہ اور مردہ گائے کا ایک ٹکڑا مارنے سے مردہ کس طرح زندہ ہو جائے گا' پس انہوں نے اس عظیم الشان عجیب گائے کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا [اور ''مَا هِيَ'' میں ''مَا'' مبتدا ہے اور ''هِيَ'' اس کی خبر ہے]۔﴿ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ ﴾ ''فَارِضٌ'' کا معنی ہے: سن رسیدہ' عمر رسیدہ یعنی بوڑھی گائے نہ ہو' اس کو ''فَارِضٌ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس عمر میں دانت ٹوٹ جاتے ہیں اور گائے اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچ جاتی ہے [اور ''فَارِضٌ'' مرفوع ہے کیونکہ یہ ''بَقَرَةٌ'' کی صفت واقع ہو رہا ہے اور ﴿ وَلَا بِكْرٌ ﴾ اس پر معطوف ہے] اور ''بِكْرٌ'' کا معنی ہے: نوجوان گائے ﴿ عَوَانٌ ﴾ ادھیڑ عمر ﴿ بَيْنَ ذَٰلِكَ ﴾ بوڑھی اور نوجوان کے درمیان [اور ''بَيْنَ ذَيْنِكَ'' نہیں کہا حالانکہ ''بَيْنَ'' کا لفظ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ ''ذَٰلِكَ'' سے واحد کی طرف اشارہ ہے یعنی مذکور کی طرف اشارہ ہے' اور کبھی اسم اشارہ کی جگہ ضمیر بھی استعمال کی جاتی ہے' ابوعبیدہ نے کہا کہ میں نے رؤبہ سے اس کے (درج ذیل) شعر کے بارے میں کہا:

فِيهَا خُطُوطٌ مِنْ سَوَادٍ وَبَلَقٍ   كَأَنَّهُ فِي الْجِلْدِ تَوْلِيعُ الْبَهَقِ

''اس کے چہرے میں سیاہ اور سفید لکیریں ہیں گویا وہ چمڑے پر دھاری دار داغ ہیں''۔

اگر تم نے ''كَأَنَّهُ'' کی ضمیر سے خطوط کا ارادہ کیا ہے تو تم ''كَأَنَّهَا'' کہو' اور اگر تم نے ''سواد'' اور ''بلق'' کا ارادہ کیا ہے تو تم ''كَأَنَّهُمَا'' کہو' سو اس نے جواب میں کہا کہ میری مراد ''كَأَنَّ ذَاكَ'' ہے۔﴿ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴾ یعنی تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے پورا کرو۔ دراصل ''تُؤْمَرُونَ بِهِ'' ہے یا ''اَمَرَكُمْ'' بہ معنی ''مَأْمُوْرُكُمْ'' ہے' مفعول کو مصدر کا نام دیا جاتا ہے جیسے ''ضَرْبُ الْأَمِيْرِ'' میں ''ضَرَبَ''، ''مَضْرُوْبٌ'' کے معنی میں ہے۔

۶۹۔﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ﴾ [''ما'' کا لفظ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ استفہام کے لیے ہے' جس کا مطلب ہے کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے بیان کر دے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہو۔ ﴿ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا ﴾ ''فَاقِعٌ''، ''فُقُوْعٌ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: سخت گہرا زرد رنگ اور وہ بھی خالص زرد رنگ اور اس کو تاکید کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''اَصْفَرُ فَاقِعٌ. خوب گہرا زرد رنگ ہے'' یعنی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہو جس کا رنگ گہرا زرد ہو اور یہ لفظ یہاں بھی تاکید کے لیے استعمال کیا گیا ہے [اور یہ ''لَوْنٌ'' کی خبر نہیں بن سکتا مگر اس صورت میں کہ ''لَوْنٌ'' کو اس کے سبب مرفوع قرار دیا جائے جس طرح فاعل مرفوع ہوتا ہے اور اس کو مذکر ومؤنث دونوں طرح استعمال کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے تم کہو: ''صَفْرَاءُ فَاقِعَةٌ لَّوْنُهَا'' اور ''صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا'' اور ''لَوْنٌ'' کے ذکر سے صرف تاکید کا فائدہ ہوا ہے کیونکہ ''لَوْنٌ'' کسی چیز کی ہیئت وکیفیت بیان کرنے کے لیے آتا ہے] اور وہ ہے رنگ کی کیفیت بتانا کہ یہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اس گائے کا خوب گہرا زرد رنگ ہے جیسا کہ تم کہو: ''جَدَّ فُلَانٌ جِدَّةً. یعنی فلاں آدمی نے اپنے کام میں خوب محنت کی ہے''۔﴿ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾ اپنے حسن وخوبصورتی کے سبب دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو اور کسی فائدے کی قوی امید یا کسی فائدے کے حصول پر قلبی خوشی کو سرور کہتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

تو ہم نے فرمایا: اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اس طرح اللہ اس مردے کو زندہ فرما دے گا اور وہ تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو O پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں اور بے شک کچھ پتھروں سے ندیاں پھوٹ پڑتی ہیں اور کچھ پتھر پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکل آتا ہے اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے O

۷۳- ﴿فَقُلْنَا﴾ (معطوف ہے)] ﴿اضْرِبُوْهُ﴾ [''ہ'' ضمیر نفس کی طرف لوٹتی ہے اور اس ضمیر کو مذکر اس لیے لایا گیا ہے کہ نفس کو شخص اور انسان کی تاویل میں لیا گیا ہے یا یہ ضمیر مقتول کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ'' اس پر دلالت کر رہا ہے۔] ﴿بِبَعْضِهَا﴾ یعنی گائے کا بعض حصہ اور وہ زبان ہے یا دائیں ران ہے یا اس کی دم مراد ہے اور اس کا معنی یہ ہے: ''فَضَرَبُوْهُ فَحَيِىَ. یعنی انہوں نے گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا تو وہ زندہ ہو گیا''، پھر اس عبارت کو حذف کر دیا گیا کیونکہ ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى﴾ اس پر دلالت کر رہا ہے' ایک روایت میں ہے کہ جب بنی اسرائیل نے گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: مجھے فلاں فلاں میرے دو چچازاد بھائیوں نے قتل کیا ہے' پھر وہ دوبارہ مر کر گر پڑا اور اس کے دونوں چچازاد بھائیوں کو گرفتار کر لیا گیا' اور مقتول کے قصاص میں ان کو قتل کر دیا گیا اور اس کے واقعہ کے بعد قاتل کو مقتول کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى'' کا خطاب یا تو حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کے منکرین کو کیا گیا ہے یا پھر مقتول کے زندہ ہو جانے کے وقت موجود لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا۔ ﴿وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کے دلائل دکھاتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح وہ تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ پس تم اپنی عقلوں سے سوچ سمجھ کر اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرو اور یہ سمجھو کہ جو ایک جان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمام مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے کیونکہ کسی ایک جان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ بغیر وسیلہ اور واسطہ کے مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے لیکن گائے کو ذبح کرنے اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارنے سے زندہ کرنے میں (درج ذیل) حکمتیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز طلب کرنے سے پہلے اس کی بارگاہ اقدس میں نذر پیش کرنا مستحب عمل ہے (۲) زیادہ سوالات کرنے اور تحقیق و تفتیش کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا چاہیے اور

ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے گا اس کے غم کم ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زرد رنگ کو خوشی کا باعث قرار دیا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ؕ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ج مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ؕ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ع وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ؕ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ ج

انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ صاف بیان کر دے کہ وہ گائے کیسی ہے' بے شک وہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے' اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے ○ آپ نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے: وہ یقیناً ایسی گائے ہے جو نہ محنت کرتی ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو' بے عیب ہو جس میں کوئی داغ نہ ہو' تو انہوں نے کہا: اب آپ نے ٹھیک بات بتائی ہے' پھر انہوں نے اس کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے ○ اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تھا' پھر تم ایک دوسرے پر تہمت لگانے لگے' اور اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا جس کو تم چھپاتے تھے ○

۷۰-﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ﴾ گائے کے حال اور اس کے وصف کے بارے میں سوال کو دوبارہ دہرایا جا رہا ہے اور مزید وضاحت طلب کی جا رہی ہے تا کہ اس کی صفت و حالت کا بیان پہلے سے زیادہ واضح ہو جائے۔ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: اگر یہ لوگ کوئی ادنیٰ سی گائے پیش کر دیتے اور اس کو ذبح کر دیتے تو ان کی طرف سے کافی ہو جاتی لیکن انہوں نے سوالات کر کے سختی سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی فرمائی اور اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ کسی بات کی تحقیق و تفتیش میں بے جا سختی سے کام لینا اور حد سے بڑھ کر کھوج میں پڑنا نحوست ہے۔ ﴿إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا﴾ یعنی زرد رنگ کی گائیں بہت ہیں' لہٰذا جس گائے کا زرد رنگ بیان کیا گیا ہے وہ ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے۔ ﴿وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم اس گائے تک پہنچ جائیں گے' جو اس وقت تک ہم پر مخفی ہے [اور "ان" کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان "اِنْ شَآءَ اللّٰہُ" جملہ معترضہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر یہ لوگ استثناء یعنی ان شاء اللہ نہ کہتے تو ان کے لیے گائے کا بیان کبھی بھی ختم نہ ہوتا]۔

۷۱-﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ﴾ ["لَا ذَلُوْلٌ" "بَقَرَةٌ" کی صفت ہے اور "لَا ذَلُوْلٌ" کا معنی ہے: ایسی گائے جس سے خدمت نہ لی جائے یعنی ہل میں جوتنے اور زمین کو پھاڑنے کی وجہ سے ذلیل و کمزور نہ ہو]۔ ﴿وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ﴾ اور وہ پانی اٹھا کر لانے والے جانوروں میں سے نہ ہو جس پر پانی لاد کر کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ [اور اس آیتِ مبارکہ میں پہلا حرف "لا" نفی کا ہے اور دوسرا "لا" زائد ہے جو صرف پہلے "لا" کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسی کمزور گائے نہ ہو جو کھیتی باڑی کرنے کے لیے زمین میں ہل چلاتی ہو اور کھیتوں

کو پانی سے سیراب کرتی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں فعل ''ذَلُوْلٌ'' کی صفتیں ہیں گویا کہا گیا ہے کہ زمین میں ہل چلانے والی اور کھیتوں کو سیراب کرنے والی کمزور گائے نہ ہو ﴿مُسَلَّمَةٌ﴾ تمام عیبوں اور کام کاج کی وجہ سے پڑنے والے نشانات سے سلامت ہو اور ﴿لَّا شِيَةَ فِيْهَا﴾ زرد رنگ کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ نہ ہو جو اس کے چمڑے کے رنگ کے خلاف ہو اور اس کے جسم میں کسی قسم کے زخم وغیرہ کے چمکدار نشان نہ ہوں بلکہ وہ گائے مکمل زرد رنگ کی ہو حتیٰ کہ اس کے سینگ اور کھر وغیرہ بھی زرد رنگ کے ہوں اور یہ دراصل مصدر ہے اور ''وَشٰى يَشِيْ وَشْيًا وَشِيَةً'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے: داغ' نشان اور کپڑے پر نقش ونگار کرنا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جس وقت ایک رنگ دوسرے رنگ میں مل کر خلط ملط ہو جائے۔ ﴿قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ﴾ اب آپ نے گائے کا حقیقی وصف بیان کر دیا ہے اور اس کے معاملہ میں تمام اشکال ختم ہو گئے ہیں۔ قاری ابو عمرو نے ''جِـئْـتَ'' اور اس کے دیگر افعال کو ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ ﴿فَذَبَحُوْهَا﴾ چنانچہ انہوں نے بیان کردہ تمام اوصاف والی گائے کو تلاش کر لیا اور اس کو ذبح کر دیا۔ ﴿وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے' یا تو گائے کی قیمت بہت زیادہ تھی یا پھر قاتل کے پتہ چل جانے پر رسوائی کا ڈر تھا۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک بزرگ تھا' اس کے پاس گائے کی بچھیا تھی۔ اس نے اپنی عمر کے آخری وقت اس کو جنگل میں لے جا کر چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے میرے اللہ! میں اس بچھیا کو اپنے بیٹے کی خاطر تیری امانت وحفاظت میں چھوڑ کر جا رہا ہوں' تو اس کی حفاظت فرما تا کہ جب میرا بیٹا جوان ہو جائے تو آ کر لے جائے'' چنانچہ گائے محفوظ رہی اور یہ گائے سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ قیمتی تھی' بہر حال مقتول کے وارث اس یتیم لڑکے اور اس کی ماں کے پاس گئے (کیونکہ اس وقت تک لڑکے کا والد فوت ہو چکا تھا) اور گائے کی قیمت لگائی' یہاں تک کہ انہوں نے گائے کو اس کے وزن کے برابر سونا دے کر خرید لیا جب کہ وہ گائے صرف تین دینار کی تھی اور مقتول کے ورثاء اس گائے کو چالیس سال تک تلاش کرتے رہے تھے اور یہ بیان مطلق کو مقید کرنے کے قبیل سے ہے' لہٰذا (کوئی سی گائے کو ذبح کرنے کے بارے میں مطلق حکم کے لیے) یہ ناسخ ہے اور فعل سے پہلے نسخ جائز ہے اور اسی طرح فعل پر قدرت حاصل کرنے سے پہلے بھی ہمارے ہاں نسخ جائز ہے البتہ معتزلہ فرقہ اس میں ہمارے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔

۷۲- ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا﴾ یہاں ''وَاذْكُرُوْا'' مقدر ہے جس سے جماعت کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ قتل انہی میں پایا گیا تھا۔ ﴿فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ پھر تم نے اختلاف کیا اور اس کے معاملے میں جھگڑا کیا کیونکہ تمام جھگڑے والے اپنا اپنا دفاع کرنے لگ گئے تھے یا یہ کہ تم ایک دوسرے سے اپنا دفاع کرنے لگے یعنی تم ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے' چنانچہ جس پر قتل کا الزام لگایا جاتا وہ خود الزام لگانے والے پر الزام لگا دیتا' یا اس لیے کہ کسی دوسرے پر الزام لگانا بھی اپنا دفاع کرنا ہے [اور ''اِدّٰرَاْتُمْ'' دراصل ''تَدَارَاْتُمْ'' تھا' پھر تخفیف کے ارادہ سے ''فَا'' کلمہ کی جگہ پر واقع دال کے ہم جنس بنانے کے لیے ''تَا'' کو دال سے تبدیل کر دیا گیا تا کہ ادغام کیا جا سکے' پھر تبدیل شدہ دال کو ساکن کیا گیا کیونکہ ادغام کی شرط یہ ہے کہ پہلے حرف کو ساکن کیا جائے اور ہمزۂ وصل کو شروع میں زیادہ کیا گیا ہے کیونکہ ساکن حرف سے آغاز ممکن نہیں ہے اور ''فَادّٰرَاْتُمْ'' کو قاری ابو عمرو نے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے]۔ ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ قتل کے معاملے کو ہر حال میں ضرور ظاہر کرنے والا ہے جس کو تم چھپاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ اس کو نہیں چھپائے گا اور ''مُخْرِجٌ'' کے اس لفظ نے بوقت اختلاف مستقبل میں آنے والے واقعہ کی حکایت بیان کی ہے [اور یہ کلام معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور وہ دونوں یہ ہیں ''اِدّٰرَاْتُمْ'' (معطوف علیہ ہے) اور

اس میں جلدی کرنی چاہیے(۳) باقی جانوروں کی بجائے گائے کو ذبح کرنے کا حکم اس لیے بھی دیا گیا تھا کہ گائے کی قربانی افضل ہے(۴) اور اس لیے بھی کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے گائے کی پرستش و پوجا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان پر ان کے معبود کی ذلت اور بے بسی ظاہر ہو جائے (۵) طلب حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں توسل پیش کرنے کا جواز ثابت ہو جائے' بہر حال مناسب تو یہ تھا کہ مقتول کا ذکر گائے کو ذبح کرنے کے حکم سے پہلے کیا جاتا اور یوں کہا جاتا کہ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس کے بارے میں جھگڑا کیا تو ہم نے حکم دیا کہ تم ایک گائے ذبح کرو اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارو' لیکن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے جرائم کرنے پر اُن کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے بہت سے قصے بیان کیے ہیں اور یہ دو قصے اگر چہ متصل ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک ڈرانے اور ڈانٹنے کے لیے ایک مستقل قصہ ہے' سو پہلے قصہ (یعنی گائے کو ذبح کرنے) میں حکمِ خدا کو مذاق سمجھنے اور حکمِ خدا کی تعمیل میں جلدی نہ کرنے اور جو ان کے تابع ہیں ان پر انہیں ڈانٹا گیا ہے اور دوسرے قصہ (مردے کو زندہ کرنے) میں ایک محترم جان' جس کا قتل کرنا حرام اور ممنوع تھا' کو مار ڈالنے اور جو قدرت کی دیگر نشانیاں اس کے تابع ہیں ان پر ڈانٹا گیا اور گائے کے ذبح کرنے کے قصہ کو مقتول کے قصہ سے پہلے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اگر بعد میں ذکر کیا جاتا تو ایک قصہ بن جاتا جس سے دوبارہ ڈرانے اور دھمکانے کا مقصد فوت ہو جاتا اور مقتول کے ذکر کو الگ بیان کرنے میں اس کے مستقل قصہ ہونے کی رعایت کی گئی ہے اگر چہ اس قصہ میں ''بَقَرَةٌ'' کی طرف ضمیر لوٹا کر اس کو پہلے قصے کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے لیکن صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا' جیسے ارشاد فرمایا: ''اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا. یعنی مقتول کو اس کا ایک ٹکڑا مارو'' تاکہ بتایا جائے کہ بندوں کو ڈرانے اور دھمکانے کی طرف رجوع کرنے کے اعتبار سے یہ دو مستقل قصے ہیں اور بقرۃ کی طرف ضمیر لوٹانے کے اعتبار سے یہ ایک قصہ ہے اور بعض اہلِ علم نے بیان فرمایا کہ یہ قصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص مشاہدات کے ساتھ اپنے دل کو زندہ کرنا چاہتا ہے تو وہ مجاہدات کے ذریعہ اپنے نفس امارہ کو ذبح کر کے فنا کر دے۔

۷۴۔ ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ ''ثُمَّ'' قساوتِ قلبی کے دور ہونے کی وجہ سے آیا ہے یعنی تمہارے دل قساوت اور سختی میں بہت دور جا پڑے ہیں ﴿مِّنْۢ بَعْدِ﴾ ان چیزوں کے ذکر کرنے کے بعد بھی جو دلوں کو نرم کر دیتی ہیں اور دلوں میں رقت پیدا ہو جاتی ہے قلوب کو قساوت اور سختی کے ساتھ متصف کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے دل وعظ و نصیحت اور عبرت و سبق حاصل کرنے سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ مقتول کو زندہ کرنے اور اس سے پہلے بیان کی گئی تمام نشانیوں کی طرف اشارہ ہے ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ﴾ ان کے دل سختی میں پتھروں کی طرح ہیں ﴿اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں [کیونکہ ''قَسْوَةً'' کے بعد ''مِنْهَا'' مقدر ہے اور ''اَشَدُّ'' ''كَاف'' پر معطوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے: ''اَوْ مِثْلُ اَشَدُّ قَسْوَةً''.] یعنی ان کے دل پتھروں سے زیادہ سخت چیزوں کی طرح ہیں' [پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] یا وہ خود بخود سب سے زیادہ سخت ہیں یعنی جس شخص کو دلوں کا حال معلوم ہے وہ ان کو پتھروں کے ساتھ تشبیہ دے گا یا جوہر کے ساتھ تشبیہ دے گا جو پتھر سے زیادہ سخت ہے مثلاً لوہا یا جس نے دلوں کی سختی کو جان لیا وہ ان کو پتھر کے ساتھ تشبیہ دے گا یا وہ کہے گا کہ یہ پتھر سے زیادہ سخت ہیں' ''اَشَدُّ'' کی بجائے ''اَقْسٰی'' نہیں فرمایا کیونکہ ''اَشَدُّ'' زیادہ واضح ہے یا یہ سختی کی زیادتی پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور ''مُفَضَّل عَلَيْهِ'' کی ضمیر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اشتباہ نہیں ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''زَيْدٌ كَرِيْمٌ وَ عَمْرٌو اَكْرَمُ. زید سخی ہے لیکن عمرو اس سے بڑھ کر سخی ہے''۔ ﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ﴾ یہ بیان ہے کہ ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں ﴿لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ [''مَا'' ''اَلَّذِيْ'' کے معنی

میں ہے اور محلاً منصوب ہے اور یہ ''اِنَّ'' کا اسم ہے اور لام تاکید کے لیے ہے''یَتَفَجَّرُ'' ''تَفَجُّرٌ'' سے مشتق ہے اور ''تفجّر'' کا معنی ہے: بہت زیادہ بہنا اور بار بار پھوٹنا۔ ﴿وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ﴾ [اس کی اصل ''یَتَشَقَّقُ'' ہے اور اعمش نے اسی طرح پڑھا ہے' پھر تا کو شین سے بدل دیا گیا ہے اور تبدیل شدہ شین کو اصل شین میں ادغام کر دیا گیا ہے] ﴿فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ﴾ بعض پتھر ایسے ہیں جو بہت زیادہ پھٹ جاتے ہیں جس سے بہت زیادہ پانی ابلتا ہے' اور بعض پتھر ایسے ہیں جو لمبائی یا چوڑائی میں پھٹ جاتے ہیں اور ان سے بھی وافر مقدار میں پانی پھوٹتا ہے مگر ان کے دل نرم نہیں ہوتے۔ ﴿وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ﴾ اور بعض پتھر پہاڑ کی بلند چوٹی سے گر پڑتے ہیں ﴿مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ﴾ بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت وفرماں برداری سے مجاز ہے کیونکہ پتھر بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہیں اور اس کے ارادے پر عمل کرنے سے نہیں رکتے مگران یہودیوں کے دل نہ اطاعت گزار ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ ''خشیت'' سے اس کا حقیقی مفہوم مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں حیات وتمیز پیدا کرتا ہے جس کے سبب وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کے جلال ودبدبہ کو پہچان کر خشیت الٰہی سے گر پڑتے ہیں اور اہل سنت کے نزدیک جسم میں حیات' تمیز اور شعور پیدا کرنے کے لیے جسم کی مخصوص شکل وصورت شرط نہیں ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ'' الخ (الحشر:٢١) مگر یہود کے دل نہیں ڈرتے کیونکہ وہ پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴾ [ابن کثیر مکی نے ''یا'' کے ساتھ ''یَعۡمَلُوۡنَ'' پڑھا ہے] اور یہ جملہ یہود کے لیے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور قیامت کے روز تمہیں اس کے سامنے حساب وکتاب کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَـكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝٧٥ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡٓا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝٧٦ اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۝٧٧

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ تمنا رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ وہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے' پھر اس کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر بدل دیتے ○ اور جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: کیا تم مسلمانوں کو وہ باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دی ہیں؟ تاکہ وہ ان باتوں کو تمہارے رب کے پاس حجت لائیں' کیا تم کو عقل نہیں ○ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جسے وہ ظاہر کرتے ہیں ○

یہودی کی تحریفات کا بیان اور نیک و بد کا انجام

۷۵- ﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ ﴾ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ تم ان سے یہ توقع رکھتے ہو ﴿ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ﴾ کہ تمہاری دعوت کی وجہ سے وہ ایمان لے آئیں گے اور تمہارے دین کو قبول کر لیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ. (العنکبوت:۲۶) تو اس پر لوط ایمان لایا'' اس سے مراد یہود ہیں جن کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں ﴿ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ ان سے پہلے کے یہودیوں میں ایک گروہ ایسا بدنصیب تھا کہ ﴿ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ کلام الٰہی یعنی تورات کی آیات سنتا تھا ﴿ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ ﴾ پھر ان کو بدل دیتا تھا جیسا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفات اور سنگسار کرنے کی آیات کو بدل دیا تھا ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ﴾ یعنی انہوں نے پہلے اس کو سمجھ لیا تھا اور اپنے ذہنوں میں مضبوط کر لیا تھا' پھر اس کے بعد اس میں تحریف کر دی تھی ﴿ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور کلام الٰہی میں تحریف کر دی تھی' پس ان کے لیے اس میں عبرت ہے۔

۷۶- ﴿ وَاِذَا لَقُوا ﴾ یعنی جب منافقین یا یہودی ملاقات کرتے ہیں ﴿ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ مخلص مسلمانوں سے یعنی سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ملتے ہیں تو ﴿ قَالُوْا ﴾ منافقین کہتے ہیں ﴿ اٰمَنَّا ﴾ ہم تمہاری طرح ایمان رکھتے ہیں اور ہم مانتے ہیں کہ تم برحق ہو اور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جن کی سابقہ کتب میں بشارت دی گئی ہے ﴿ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ ﴾ جنہوں نے منافقانہ رویہ اختیار نہیں کیا وہ جب تنہائی میں ﴿ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ ان لوگوں سے ملتے جنہوں نے منافقانہ رویہ اختیار کیا ہوا تھا تو ﴿ قَالُوْٓا ﴾ ان کو ڈانٹتے ہوئے کہتے: ﴿ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ ﴾ کیا تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ کو وہ باتیں بتاتے ہو ﴿ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تمہارے لیے تورات میں بیان کر دی ہیں ﴿ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ﴾ تاکہ وہ ان باتوں کو تم پر بطور حجت پیش کریں جو تمہارے رب نے اپنی کتاب میں نازل کر دی ہیں۔ انہوں نے ان کی حجت کو اور ان کے اس قول کو کہ تمہاری کتاب میں اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجت قرار دیا ہے کیا تم دیکھتے نہیں؟ جب تم کہتے ہو کہ فلاں چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس طرح ہے اور فلاں چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح ہے تو ان دونوں کا معنی ایک ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ مضاف محذوف ہے اصل میں ''عِنْدَ كِتَابِ رَبِّكُمْ'' ہے جب کہ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان قیامت کے دن تمہارے رب کے پاس جو کچھ تم نے ان کو بتایا ہے اس کے ساتھ تم سے جھگڑیں گے اور تم پر تمہاری باتوں کو حجت کے طور پر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ پہلے تم نے ہمارے دین اور ہمارے رسول کی تصدیق کی' پھر تم نے ان کے ساتھ کفر کیا ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم کو اتنی عقل نہیں کہ یہ تمہارے خلاف حجت ہے کہ تم انہیں پہچانتے ہو' پھر ان کی پیروی نہیں کرتے۔

۷۷- ﴿ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ ﴿ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴾ وہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے' اس میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتے تھے اور اپنے ایمان کو ظاہر کرتے تھے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو زبانی پڑھنے کے سوا کتاب کا علم نہیں رکھتے اور وہ صرف گمان کرتے ہیں ○ سو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں' پھر کہہ دیتے ہیں: یہ اللہ کا کلام ہے تا کہ وہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت وصول کر لیں' پھر جہنم کا عذاب ہے ان کے ہاتھوں کے لیے جو انہوں نے لکھا اور انہوں نے (اس کے عوض) جو کچھ کمایا وہ بھی ان کے لیے باعثِ عذاب ہے ○ اور انہوں نے کہا: ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن' (اے محبوب!) تم فرما دو: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے؟ پس اللہ اپنے عہد کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ○

۷۸- ﴿وَمِنْهُمْ﴾ اور یہود میں سے کچھ لوگ ﴿اُمِّيُّوْنَ﴾ ان پڑھ ہیں جو کتاب کو اتنی اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے کہ وہ تورات کا مطالعہ کرتے اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تحقیق کرتے ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ وہ تورات کو جانتے ہی نہیں (اس لیے وہ نہ تورات کا مطالعہ کرتے اور نہ تحقیق کرتے) ﴿اِلَّآ اَمَانِيَّ﴾ مگر وہ اپنی خواہشات کے مطابق اپنی چند آرزوؤں پر قائم ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا اور ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور ان کو جہنم کی آگ صرف چند گنتی کے دن (چالیس روز تک) چھوئے گی' پھر جنت میں پہنچ جائیں گے یا اس کا مطلب ہے کہ ان کے اعمال کا دارومدار چند من گھڑت اور جھوٹے عقائد پر ہے جن کو انہوں نے اپنے علماء سے سنا اور ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے قبول کر لیا اور اسی سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں تب سے آج تک کوئی آرزو نہیں کی یا یہ مطلب ہے کہ وہ تورات کو صرف زبانی پڑھ لیتے مگر اس کا مفہوم اور اس کا معنی نہیں جانتے تھے اس لیے تورات کی تلاوت کے باوجود ان پڑھ ہی رہے' انہیں کا قول ہے کہ شروع رات سے لے کر آخر رات تک میری تمنا صرف کتاب اللہ کی تلاوت ہے تنگ و تاریک غسل خانہ میں نہیں یعنی یہ لوگ اپنی منزل کی حقیقت کو نہیں جانتے' یہ تو صرف ان چند چیزوں کو پڑھتے ہیں جو انہوں نے اپنے پادریوں سے حاصل کی تھیں اور یہ استثناء منقطع ہے۔ ﴿وَاِنْ هُمْ﴾ [اور حرف ''اِنْ'' شرط کا نہیں بلکہ ''اِنْ'' نافیہ ہے اور ''وَاِنْ هُمْ'' بہ معنی ''وَمَا هُمْ'' (ترجمہ اگلے جملے میں آ رہا ہے)] ﴿اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ تورات میں جو کچھ ہے اس کو یہ لوگ نہیں جانتے اور اے محبوب! آپ کی نبوت کا انکار صرف اپنے گمان سے کرتے ہیں کیونکہ یہود کے علماء حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے بغض و عناد رکھتے تھے۔ انہوں نے باوجود علم کے تورات میں تحریف کر دی تھی' پھر عوام نے ان کی اندھی تقلید اختیار کر لی۔

۷۹-﴿ فَوَيْلٌ ﴾ حدیث شریف میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام ''وَیل'' ہے[1] ﴿ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ﴾ ہلاکت و بربادی ان لوگوں کے لیے ہے جو تحریف شدہ کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ لوگ اپنی طرف سے جو چاہتے لکھ دیتے تھے۔ یہاں ہاتھوں کا ذکر تاکید کے لیے ہے تاکہ مجاز کا وہم نہ رہے جس کا مطلب ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے کسی اور سے نہیں لکھواتے تھے۔ ﴿ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ پھر کہتے کہ یہ (تحریف شدہ کتاب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے ﴿ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ تاکہ وہ اس کے عوض میں تھوڑی سی قیمت وصول کر لیں ﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴾ رشوت کے ذریعے وصول کی گئی دولت مراد ہے۔

۸۰-﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾ یعنی چالیس روز کیونکہ انہوں نے چالیس روز تک گائے کے بچھڑے کی پوجا کی تھی اس لیے ان کا خیال تھا کہ اتنے روز ان کو عذابِ جہنم کی سزا ملے گی۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ دنیا کی مدت صرف سات ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار سال کے عوض میں ایک دن کی سزا ملے گی ﴿ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد کیا ہوا ہے کہ وہ تمہیں صرف اتنا عذاب دے گا جتنے دن تم نے گائے کے بچھڑے کی عبادت کی تھی اور اس سے زیادہ عذاب نہیں دے گا؟ ﴿ فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ ﴾ اس عبارت کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے، تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: (ترجمہ) اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے رکھا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔ ﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [حرف ''اَمْ'' استفہام کے معنی میں حرف ''اِمَّا'' کے برابر ہے یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تم کو علم ہے؟ یا اس کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تم کو علم ہی نہیں یا پھر حرف ''اَمْ'' استفہام کے معنی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ حرف ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور حرف ''بَل'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے] (اور اب ترجمہ یہ ہوگا:) بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ع ۱۱ ۹

ہاں کیوں نہیں جس نے بُرا کام کیا اور اس کی برائی نے اس کو گھیر لیا تو وہ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O اور جو

[1] ترمذی شریف کتاب التفسیر باب اول سورت ۲۱، آیت ۱۸

لوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک کام کیے وہ جنتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنا اور لوگوں سے بھلائی کی باتیں کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر چند لوگوں کے سوا تم سب (اس عہد سے) پھر گئے اور تم منہ موڑنے والے ہو O

۸۱- ﴿بَلٰى﴾ یہ نفی کے اثبات کے لیے ہے (نفی یہ تھی کہ یہود نے کہا:) ہمیں جہنم کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی (اور اثبات یہ ہے کہ) بلکہ تمہیں جہنم کا عذاب ہمیشہ ہوگا جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ. وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ ﴿مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ جس نے شرک کیا۔ حضرت ابن عباس' حضرت مجاہد اور دیگر حضرات سے یہی مروی ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ ﴿وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ﴾ جس شخص پر موت شرک کی حالت میں واقع ہوئی تو اس کے لیے نجات کے تمام راستے بند ہو گئے لیکن اگر اس کی موت حالت ایمان میں اس پر واقع ہو تو چونکہ سب عبادات سے بڑی عبادت ایمان ہے' لہٰذا اس کا کوئی گناہ اس کا احاطہ نہیں کرے گا اور وہ اس آیتِ مبارکہ کی وعید میں شامل نہیں ہوگا اور اس تاویل سے معتزلہ اور خوارج کا استدلال باطل ہو گیا اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ گناہ بندے پر غالب آ جائیں گے جس طرح دشمن غالب آ جاتا ہے اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور توبہ کرنے سے بھی اس کے گناہ اس سے نہ چھوٹیں۔ امام نافع مدنی نے ''خَطِيْٓئَتُهٗ'' کی بجائے ''خَطَايَاتُهٗ'' پڑھا ہے۔

بنی اسرائیل کے میثاق کا بیان

۸۳- ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''مِيْثَاق'' اس پختہ عہد کو کہا جاتا ہے جس میں انتہائی تاکید کی گئی ہو ﴿لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ [یہ جملہ خبریہ ہے اور نہی کے معنی میں ہے جیسے تم کہو: ''تَذْهَبُ اِلٰى فُلَانٍ تَقُوْلُ لَهٗ كَذَا. یعنی تم فلاں آدمی کے پاس جاؤ اور اس سے اس طرح کہو' اس سے مراد امر ہوگا اور جملہ خبریہ امر اور نہی کی صراحت سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ کسی کام کو بجالانے اور کسی ممنوع سے رکنے میں زیادہ موثر ہوتا ہے اور وہ کسی کام کی خبر دیتا ہے' حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں ''لَا تَعْبُدُوْا'' ہے جو اس کی تائید کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَقُوْلُوْا'' بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور اس میں قول مضمر ہے اور ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی نے ''لَا تَعْبُدُوْنَ'' کی بجائے ''لَا يَعْبُدُوْنَ'' پڑھا ہے کیونکہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے اور تمام اسمائے ظاہرہ غائب ہوتے ہیں' اور اس کا معنی ہے: ''اَنْ لَّا يَعْبُدُوْا'' پھر جب حرف ''اَنْ'' کو حذف کر دیا گیا تو نصب کی بجائے رفع دے دیا گیا۔] ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اصل میں ''وَاَحْسِنُوْا'' ہے [تاکہ اس کے ساتھ امر کا عطف مل جائے اور وہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَقُوْلُوْا'' ہے جس کا اس پر عطف کیا گیا ہے] ﴿وَّذِي الْقُرْبٰى﴾ قرابت دار اور رشتہ دار مراد ہیں ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ ''يَتَامٰى'' ''يَتِيْمٌ'' کی جمع ہے اور ''يَتِيْمٌ'' اس چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے یا اس کے بالغ ہونے تک فوت ہو جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: کوئی شخص بالغ ہو جانے کے بعد یتیم نہیں رہتا ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ ''مِسْكِيْنٌ'' کی جمع ہے اور مسکین وہ ہوتا ہے جس کو فقر و حاجت نے چلنے پھرنے سے عاجز کر دیا ہو ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور اچھی بات وہ ہوتی ہے جو اپنی ذات اور اصل کے اعتبار سے اچھی ہو کیونکہ اس میں حسن زیادہ ہوتا ہے' حمزہ اور علی دونوں قاریوں نے ''حَسَنًا'' پڑھا ہے۔ ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پھر تم عہد سے پھر گئے اور تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ﴾ بعض نے کہا: ''قَلِيْلٌ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہود میں سے مسلمان ہو گئے

تھے ﴿وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴾ اور تم ہی وہ قوم ہو کہ معاہدوں سے پھر جانا اور وعدوں سے روگردانی کرنا تمہاری عادت ہے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِیۡقًا مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیۡکُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالنا' پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہی دیتے ہو O پھر تم ہی وہ لوگ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور تم اپنوں میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور تم گناہ اور ظلم کر کے ان کے خلاف مدد کرتے ہو' اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آ جائیں تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کو نکالنا تم پر حرام کر دیا گیا تھا' کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ پس ان لوگوں کی سزا کیا ہو گی تم میں سے جو یہ کام کریں گے؟ سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے' اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے O

۸۴- ﴿وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ﴾ ہم نے تم سے یہ عہد لیا کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ قتل و غارت اور خونریزی کا کام نہ کرے اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے نکالے اور جب نسب اور قوم' دین اور مذہب ایک ہو اور آپس میں ملتا جلتا ہو تو غیر آدمی کو اپنا نفس اور اپنا عین قرار دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اپنے غیر کو قتل کرنا بھی اپنے نفس کو قتل کرنا ہے کیونکہ اس کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ ﴿ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ﴾ پھر تم نے پختہ عہد کا اقرار کیا اور اپنے اوپر لازم کر لینے کا تم نے اعتراف کیا۔ ﴿وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ﴾ اور تم اس پر گواہ بن گئے جیسے تم کہو: "فلاں شخص نے اپنے بارے میں اس طرح اقرار کیا اور اس پر گواہ بن گیا" یا یہ مطلب ہے کہ اے یہود کی جماعت! آج تم اس معاہدہ پر اپنے اسلاف کے اقرار کی گواہی دے رہے ہو۔

۸۵- ﴿ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ﴾ یہود کی طرف سے عہد کرنے' اقرار کرنے اور گواہی دینے کے بعد ان کی طرف اپنے قومی ساتھیوں کو جلا وطن کرنے اور انہیں قتل کرنے اور ان پر ظلم کرنے کی نسبت کو بہت بعید سمجھا جا رہا ہے ["اَنۡتُمۡ" مبتداء ہے اور "هٰۤؤُلَآءِ" بہ معنی "اَلَّذِیۡنَ" ہے اور ﴿تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ﴾ "هٰۤؤُلَآءِ" کا صلہ ہے اور "هٰۤؤُلَآءِ" اپنے صلہ کے ساتھ مل کر "اَنۡتُمۡ" کی خبر ہے۔] ﴿وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِیۡقًا مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِهِمۡ﴾ تم اللہ تعالیٰ کے عہد کا لحاظ کیے بغیر اپنے ایک گروہ کو

ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔ ﴿تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ﴾ [تخفیف کے ساتھ یعنی بغیر شد کے ہے اور یہ کوفی کی قراءت میں ہے یعنی تم ان کے خلاف مدد کرتے ہو۔ اس کے علاوہ باقی قاریوں نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے پھر جنہوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے ایک "تا" کو حذف کر دیا ہے (دراصل "تَتَظَاهَرُوْنَ" ہے) پھر بعض نے دوسری "تا" کو محذوف قرار دیا کیونکہ اسی کی وجہ سے ثقل پیدا ہوا اور بعض نے پہلی "تا" کو محذوف قرار دیا اور جنہوں نے تشدید کے ساتھ "تَظَّاهَرُوْنَ" پڑھا ہے انہوں نے دوسری "تا" کو "ظا" سے تبدیل کیا پھر تبدیل شدہ "ظا" کو اصل "ظا" میں مدغم کر دیا] ﴿بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ گناہ اور ظلم کے ساتھ ﴿وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ﴾ [ابو عمرو بصری نے "تَفْدُوْهُمْ" پڑھا ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے "اُسْرٰى تَفْدُوْهُمْ" پڑھا ہے اور حمزہ نے "اَسْرٰى تَفْدُوْهُمْ" پڑھا ہے اور علی کسائی نے "اُسَارٰى تُفَادُوْهُمْ" پڑھا ہے۔ "فَدٰى" اور "فَادٰى" کا ایک معنی ہے اور "اُسَارٰى" حال واقع ہو رہا ہے اور یہ "اَسِيْرٌ" کی جمع ہے اور اسی طرح "اَسْرٰى" ("اَسِيْرٌ" کی جمع) ہے] اور ﴿وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ﴾ میں ضمیر شان کی ہے یا یہ ضمیر مبہم ہے اور ﴿اِخْرَاجُهُمْ﴾ اس کی تفسیر ہے ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ﴾ قیدیوں کے عوض میں فدیہ دینے پر ایمان رکھتے ہو ﴿وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ قتل اور جلاوطن کرنے کی حرمت کا انکار کرتے ہو۔ امام اسدی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے چار عہد لیے: (۱) قتل وغارت نہ کرنا (۲) جلاوطن نہ کرنا (۳) اپنوں کے خلاف مدد نہ کرنا (۴) قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لینا مگر انہوں نے تمام احکام سے اعراض کیا اور روگردانی کی سوائے ایک کے یعنی قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لینے پر عمل کیا۔ ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ﴾ "ذٰلِكَ" سے کتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھنے اور بعض حصہ کا انکار کرنے کی طرف اشارہ ہے ﴿مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ﴾ ذلت و رسوائی۔ ﴿فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ بروز قیامت انہیں جو سخت ترین عذاب دیا جائے گا اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس میں ذرہ برابر راحت وخوشی نہیں ہوگی اور نہ اس میں آرام وسکون ملے گا (بلکہ مسلسل تکلیف دہ عذاب دیا جائے گا) یا یہ مطلب ہے کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ بدترین اور سخت ترین ہوگا ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ [ابن کثیر مکی نافع مدنی اور ابوبکر نے "یا" کے ساتھ "يَعْمَلُوْنَ" پڑھا ہے۔]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی خرید لی پس ان سے نہ عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے بعد لگا تار رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو

روشن دلیلیں عطا فرمائیں اور ہم نے پاک روح سے ان کی مدد کی' تو کیا جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسا پیغام لے کر آیا جن کو تمہارے نفس پسند نہ کرتے تو تم نے تکبر کیا' پس ایک گروہ کو تم نے جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو تم قتل کرنے لگ گئے O

۸۶- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ﴾ انہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کو اختیار کر لیا جس طرح ایک خریدار (قیمت کے عوض میں سامان وغیرہ کو) اختیار کر لیتا ہے۔ ﴿فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ پس نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ کوئی شخص ان کی طرف سے دفاع کر کے ان کی مدد کر سکے گا۔

انبیائے کرام کی بعثت پر بنی اسرائیل کی سرکشیاں

۸۷- ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ کتاب سے مراد تورات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یکبارگی عطا کی تھی۔ ﴿وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ﴾ کہا جاتا ہے: ''قَفَاهُ'' جب اس شخص کے بعد کسی کو بھیجا جائے۔ یہ ''قَفَا'' سے بنا ہے جیسے ''ذَنَبَهٗ'' ''ذَنَبٌ'' سے بنا ہے ''قَفَا بِهٖ'' کا مطلب ہے کہ جب کسی کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے یعنی ہم نے ان کے بعد انہی کے طریقے پر بہت سے رسول بھیجے اور وہ یہ ہیں: یوشع' اشمویل' شمعون' داؤد' سلیمان' شعیاء' ارمیاء' عزیر' حزقیل' الیاس' الیسع' یونس' زکریا اور یحییٰ علیہم السلام وغیرہم ﴿وَاٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ﴾ وہ (مریم) خادم کے معنی میں ہے یعنی خدمت گزار اور مریم کا وزن ''مَفْعَل'' ہے کیونکہ فَعِیْل کا وزن مصادر میں ثابت نہیں ہے] اور ''بَیِّنَاتٍ'' سے واضح معجزات مراد ہیں جیسے مردوں کو زندہ کرنا' مادرزاد نابینوں کو بینا کرنا' کوڑھی کے مریضوں کو شفایاب کرنا اور مغیبات کی خبریں دینا۔ ﴿وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ یعنی پاک روح۔ [اور ابن کثیر مکی نے ''اَیَّدْنَاهُ'' میں دال کو سکون کے ساتھ' جیسے ہے' ویسے پڑھا ہے ''اَیْ بِالرُّوْحِ الْمُقَدَّسَةِ. اور ہم نے ان کی پاک روح کے ساتھ مدد کی'' جیسے کہا جاتا ہے: ''حَاتِمُ الْجُوْدِ'' (یعنی الروح موصوف اپنی صفت ''اَلْمُقَدَّسَةِ'' کی طرف مضاف ہے جیسے حاتم موصوف اپنی صفت جود کی طرف مضاف ہے)] ''روح'' کو ''قدس'' کے ساتھ خصوصیت اور تقرب کی وجہ سے موصوف کیا گیا ہے یا ''رُوْحُ الْقُدُسِ'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ جو وحی اور پیغامات الٰہی وہ لے کر آتے ہیں ان میں دلوں کے لیے زندگی ہوتی ہے اور یہ (روح سے حضرت جبریل کا مراد ہونا) اس لیے بھی ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تو حضرت جبریل آپ کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے تھے یا روح القدس سے مراد انجیل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا. (الشوریٰ:۵۲) یعنی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے'' یا پھر اس سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم مراد ہے جس کے ذکر سے آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے ﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى﴾ ''تَهْوٰی'' ''تُحِبُّ'' کے معنی میں ہے۔ ﴿اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ تم نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ کر اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ﴿فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ﴾ جیسے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ﴿وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور ''قَتَلْتُمْ'' (فعل ماضی) یا تو آیات کی موافقت کے لیے نہیں فرمایا اور یا پھر اس لیے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ایک گروہ کو قتل کرو گے کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کے منصوبے بناتے رہے ہو' اگر میں ان کو تم سے نہ بچاتا (تو تم ان کو قتل کر دیتے) اور اس لیے تم نے اُن پر جادو کیا' اور تم نے ان کو بکری کا زہر آلود گوشت کھلایا اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل! بے شک ہم نے تمہارے انبیائے کرام کو وہ چیزیں دیں جو ہم نے ان کو دیں' پھر جب تمہارے پاس ان میں سے ایک سچا رسول تشریف لایا تو تم نے ان پر ایمان لانے

سے انکار کر کے تکبر کیا اور ہمزہ توبیخ اور "فا" کے درمیان "اِسْتَکْبَرْتُمْ" کو ذکر کر کے ان کی حالت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

اور یہود نے کہا: ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی تو ان میں سے تھوڑے ایمان لاتے ہیں O اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو تصدیق کرنے والی ہے اس (آسمانی کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے (نبی آخر الزمان ﷺ کے وسیلہ سے) کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے پھر جب ان کے پاس وہ نبی تشریف لایا جس کو انہوں نے جان اور پہچان لیا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو O کتنی بُری چیز ہے وہ جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس (قرآن) کے ساتھ کفر کرتے ہیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے سرکشی کرتے ہوئے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (اپنی کتاب کیوں) نازل فرماتا ہے پس وہ غضب پر غضب کے سزاوار ہو گئے اور کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے O

۸۸- ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ "غُلْفٌ" "اَغْلَفُ" کی جمع ہے یعنی وہ قلوب جبلی پردوں سے مستور ہیں اور سردار انبیاء شافع روزِ جزاء حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو احکام لے کر آئے ہیں وہ ان قلوب تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ وہ ان احکام کو سمجھ سکتے ہیں اور یہ "اغلف" (حشفہ کو ڈھانپ لینے والی جھلی) سے مستعار لیا گیا ہے نیز وہ شخص جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو ﴿بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس بات کی تردید کر دی ہے کہ ان کے دل جبلی اور پیدائشی طور پر پردوں سے مستور ہیں کیونکہ وہ تو فطرت اور حق قبول کرنے کی صلاحیت پر پیدا کیے گئے ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور انہیں لعنتی قرار دے دیا ہے اور ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دیا ہے ﴿فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ["قَلِيْلًا" مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی دراصل "فَاِيْمَانًا قَلِيْلًا يُّؤْمِنُوْنَ" تھا "مَا" حرفِ زائدہ ہے] اور مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہیں (دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہود میں سے بہت تھوڑے لوگ اسلام قبول کرتے ہیں) اور ایک قول کے مطابق قلت عدم کے معنی میں ہے یعنی یہودی سرے سے ایماندار ہی نہیں اور "غُلْفٌ" (لام ساکن) "غُلُفٌ" (لام مضموم) کا مخفف ہے اور اس کو "غلاف" کا جمع بھی پڑھا گیا ہے

یعنی ہمارے دل علوم کے خزانے ہیں' لہٰذا جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ہمیں کافی ہے اور ہم غیروں سے بے نیاز ہیں یا یہ کہ ہمارے دل علوم کے خزانے ہیں' لہٰذا اگر آپ (حضور ﷺ) ہمارے پاس حق لے کر آئے ہوتے تو ہم ضرور قبول کر لیتے (حالانکہ حضور ﷺ' قرآن اور اسلام برحق ہیں)۔

۸۹۔ ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ جب یہود کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب یعنی قرآن مجید آ گیا جو ﴿ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ﴾ ان کی اصل کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے' ان کی مخالفت کرنے والا نہیں ہے ﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ یعنی قرآن مجید کے نزول سے پہلے۔ ﴿ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ جب مشرکین یہود سے لڑائی کرتے تو یہود ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے اور کہتے: "اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ نَعْتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ. اے اللہ! تو اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما' جو آخری زمانہ میں بھیجے جائیں گے' جن کی نعت ہم تورات میں پاتے ہیں اور یہ لوگ اپنے دشمنوں مشرکین سے کہتے کہ وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لائیں گے اور ہماری تصدیق کریں گے' ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے"۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا ﴾ "ما" موصولہ ہے یعنی جس کو انہوں نے پہچان لیا اور "جَآءَ" کا فاعل ہے ﴿ كَفَرُوْا بِهٖ ﴾ انہوں نے بغاوت و سرکشی' حسد' کینہ اور چودھراہٹ کے لالچ کی وجہ سے کفر اختیار کیا۔ ﴿ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ان پر خدا کی لعنت ہو۔ اسم ضمیر (عَلَيْهِمْ) کی جگہ اسم ظاہر "عَلَى الْكَافِرِيْنَ" کو رکھا گیا ہے تاکہ اسم ظاہر دلالت کرے کہ لعنت انہیں صرف ان کے کفر کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے اور "اَلْكَافِرِيْنَ" میں لام عہد کا ہے یعنی صرف یہود پر لعنت ہو یا لام جنس کا ہے اور اس میں پہلے یہودی داخل ہیں' پھر دوسرے کافر اور پہلے "لَمَّا" کا جواب پوشیدہ ہے اور وہ اس طرح ہے: "كَذَّبُوْا بِهٖ اَوْ اَنْكَرُوْهُ. یعنی یہود نے اس کی تکذیب کی یا اس کا انکار کیا' یا پھر پہلے اور دوسرے "لَمَّا" کا جواب یہی "كَفَرُوْا بِهٖ" ہے کیونکہ دونوں کا مقتضیٰ اور مفاد ایک ہے۔

۹۰۔ ﴿ بِئْسَمَا ﴾ ["مَا" نکرہ موصوفہ مفسرہ ہے جو "بِئْسَ" کے فاعل کی تفسیر کرتا ہے یعنی بہت بری چیز ہے ﴿ اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ﴾ یعنی انہوں نے کفر کے عوض اپنے ایمان کو فروخت کر دیا اور "بِئْسَ" مخصوص بالذم ہے (یعنی اس کے ساتھ کسی کی صرف مذمت بیان کی جاتی ہے)] ﴿ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن مجید نازل فرمایا ہے اس کا یہود انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں۔ ﴿ بَغْيًا ﴾ [یہ "يَكْفُرُوْا" کا مفعول لہ یعنی کفر و انکار کی وجہ سے حسد ہے اور اس چیز کی طلب ہے جو ان کے مقدر میں نہیں ہے اور یہ "اِشْتَرَوْا" کی علت ہے۔] ﴿ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ ﴾ [یہ لام مقدر کے ساتھ "بَغْيًا" کا متعلق ہے دراصل "لِاَنْ يُّنَزِّلَ" ہے یا علیٰ مقدر کے ساتھ "بَغْيًا" کا متعلق ہے' دراصل "عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ" ہے] یعنی یہود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسد اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرماتا ہے۔ ﴿ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی وحی مراد ہے۔ ﴿ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ اور وہ سرورِ انبیاء حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں۔ ﴿ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ﴾ لہٰذا وہ لگاتار غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے کیونکہ انہوں نے برحق نبی کے ساتھ کفر کیا اور ان کے خلاف بغاوت کی یا یہ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا یا پھر یہ کہ انہوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے کہنے وغیرہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کیا۔ ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ اور کافروں کے لیے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب "بِئْسَمَا" اور اس باب کے تمام صیغوں میں ابو عمرو نے بغیر ہمزہ کے قراءت کی ہے اور "يُنَزِّلُ" کو ابن کثیر مکی

اور ابوعمرو بصری نے بغیر تشدید کے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل فرمائیں تو کہتے: ہم صرف اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور اس کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں' حالانکہ وہ حق ہے جو (اصل کتاب) ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے' تم فرما دو کہ اگر تم ایماندار تھے تو اس سے پہلے انبیاء کو قتل کیوں کرتے رہے؟O اور بے شک موسیٰ تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے' پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے O

۹۱- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان یہودیوں سے کہا جاتا۔ ﴿اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کہ اس پر یعنی قرآن مجید پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے یا مطلق (وحی پر ایمان لاؤ) جو ہر کتاب کو شامل ہے۔ ﴿قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ وہ کہتے: ہم صرف تورات پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی۔ ﴿وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ﴾ انہوں نے یہ بات کہی حالانکہ وہ تورات کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں ﴿وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ وہ قرآن تورات کا مخالف نہیں بلکہ ''مصدق'' ہے اور اس میں ان کی بات کی تردید ہے کیونکہ جب انہوں نے تورات کے موافق و مصدق کا انکار کیا تو یقیناً انہوں نے خود تورات کا انکار کر دیا اور ''مُصَدِّقًا'' تاکیدی حال ہے۔ ﴿قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ﴾ تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو قتل کیوں کیا؟ فعل مستقبل کو فعل ماضی کی جگہ رکھا گیا ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے اور تورات پر ایمان رکھنے کے دعویٰ کے باوجود انبیائے کرام کو قتل کرنے کی وجہ سے ان پر اعتراض کیا گیا ہے کیونکہ تورات تو انبیائے کرام کے قتل کو جائز قرار نہیں دیتی۔ ایک قول کے مطابق یہودیوں نے بیت المقدس میں صرف ایک دن میں تین سو نبیوں کو شہید کر دیا تھا۔

۹۲- ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ﴾ بے شک تمہارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح اور روشن نو معجزات لے کر آئے (جو یہ ہیں: عصا کے مارنے سے پانی کا نکلنا' دریا کا پھٹ جانا اور راستے دے دینا' ٹڈی' جوئیں' مینڈک' خون' کپڑے لے کر پتھر کا بھاگنا' کوہِ طور کا اٹھا کر ان کے سروں پر بلند کرنا اور ہاتھ کا سورج کی طرح روشن ہو جانا) قاری ابوعمرو' قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے دال کو جیم میں مدغم کر کے پڑھا ہے' جیسے تھا۔ ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ﴾ پھر تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوہِ طور کی طرف تشریف لے جانے کے بعد ﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ یہ حال ہے یعنی تم نے بچھڑے کی عبادت کی دراں حالانکہ تم عبادت کو غیر کے محل میں رکھنے والے تھے یا ان پر اعتراض ہے یعنی تم ایسی بدنصیب قوم ہو کہ ظلم کرنا تمہاری عادت ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہِ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا' (اور فرمایا:) جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور سنو! انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بسا دی گئی' تم فرما دو: تمہارا ایمان تم کو کیسا بُرا حکم دیتا ہے اگر تم ایماندار ہوO تم فرما دو: اگر آخرت کا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لیے ہے اور لوگوں کے لیے نہیں ہے تو بھلا موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہوO اور ہرگز کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے ان بُرے اعمال کی وجہ سے جو وہ پہلے کر چکے ہیں' اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہےO

٩٣- ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ کوہِ طور کے بلند کرنے کے ذکر کو دوبارہ لایا گیا ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ زائد امور کا اضافہ کیا گیا ہے جو پہلے ذکر کے ساتھ نہیں تھے۔ ﴿وَّاسْمَعُوْا﴾ تورات میں تم کو جن احکام کا حکم دیا گیا ہے ان کو غور سے سنو۔ ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا﴾ انہوں نے کہا: ہم نے آپ کی بات کو سن لیا ہے۔ ﴿وَعَصَيْنَا﴾ اور ہم نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان کے جواب کے بالکل مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم میری بات کو غور سے سنو لیکن تمہارا سننا قبول کرنے اور اطاعت کرنے کی نیت سے ہو تو انہوں نے کہا: ہم نے سن لیا لیکن اطاعت و قبولیت کی ساعت سے نہیں۔ ﴿وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت اور اس کی عبادت کی خواہش اور لالچ داخل کر دی گئی جیسا کہ کپڑے میں رنگ داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "فی قلوبھم" میں پلانے کے مکان کا بیان ہے [اور "العجل" کا مضاف محذوف ہے (دراصل "حُبَّ الْعِجْلِ" ہے)] ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ان کے کفر اور ان کے عقیدۂ تشبیہ کے سبب۔ ﴿قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ﴾ تمہارا ایمان تورات کے ساتھ تمہیں کیسا برا حکم دیتا ہے کیونکہ تورات میں بچھڑے کی عبادت کا حکم نہیں تھا اور ان کے ایمان کی طرف امر کی اضافت ان کا تمسخر اڑانے کے لیے کی گئی ہے اور اسی طرح ان کی طرف ایمان کی اضافت ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ان کے ایمان میں شک کے اظہار اور ان کے دعوی ایمان کی صحت میں طعن کرنے کے لیے (حرف "اِنْ" لایا گیا ہے)۔

٩٤- ﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ﴾ یعنی دارِ آخرت سے مراد جنت ہے۔ ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یہ ظرف ہے اور "لَكُمْ" "كَانَ" کی خبر ہے (یعنی "كَانَتْ" کی خبر ہے)۔ ﴿خَالِصَةً﴾ یہ "اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ" سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی سالم اور خالص تمہارے لیے ہے اور اس میں تمہارے سوا کسی کا حق نہیں ہے یعنی اگر تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت میں

یہودیوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا (تو موت کی تمنا کرو تا کہ جنت میں پہنچ جاؤ)۔ ﴿مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ﴾ یہ لام جنس کا ہے۔ ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ تم جو کچھ کہتے ہو اگر اس میں تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو کیونکہ جس کو یقین ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہے تو اس کو جنت کا شوق ہوتا ہے تا کہ دنیا کے عیبوں سے نجات حاصل کرے (اور جنت میں جا کر انعام پائے) جیسا کہ ان دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں منقول ہے جن کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی تھی کہ ان میں سے ہر ایک موت سے محبت کرتا اور اسے چاہتا تھا اور اس میں جانے کا شوق رکھتا تھا۔

۹۵۔ ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ یہ ''اَبَدًا'' ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی یہودی جب تک زندہ رہیں گے موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے اور کبھی نہیں کریں گے۔ ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ اس کا سبب ان کے وہ بداعمال ہیں جو وہ آگے بھیج چکے ہیں یعنی نبی الانبیاء حبیب کبریاء حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ کفر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات میں تحریف کرنا وغیرہ اور یہ پیشین گوئی معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے کیونکہ اس میں غیب کی خبر دی گئی ہے اور ایسا ہی ہوا جیسے قرآن مجید نے خبر دی جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ (البقرہ: ۲۴) اور تم ہرگز (قرآن کی مثل) نہیں لاسکو گے'' کیونکہ اگر یہودیوں نے موت کی تمنا کی ہوتی تو ان کی یہ بات منقول ہو جاتی جیسا کہ باقی حوادثات نقل کیے گئے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ یہ ان کے لیے ڈانٹ اور دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے مظالم کو خوب جاننے والا ہے (اور انہیں اس پر سخت ترین سزا دے گا)۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

اور البتہ آپ یہودیوں کو تمام لوگوں سے اور مشرکوں سے بڑھ کر زندگی کا حریص پائیں گے' ان میں ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار سال ہو اور اس کو اس قدر عمر مل بھی جائے تو وہ اس سے عذاب کو دور نہیں کرے گی اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں O تم فرمادو: جو کوئی جبریل کا دشمن ہے تو بے شک اس (جبریل) نے تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ (قرآن) نازل کیا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مؤمنوں کے لیے ہدایت و بشارت ہے O

زندگی کی حرص' فرشتوں سے عداوت اور حضور ﷺ کی نبوت کا انکار

۹۶۔ ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ﴾ [''هُمْ'' اور ''اَحْرَصَ النَّاسِ'' ''وَجَدَ'' (یعنی ''لَتَجِدَنَّ'') کے مفعول ہیں ﴿عَلٰى حَيٰوةٍ﴾ ''حَيٰوةٍ'' کا نکرہ لانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مخصوص زندگی مراد ہے اور وہ طویل' دراز اور لمبی زندگی ہے' لہٰذا اس کے ساتھ قراءت کرنا حضرت ابی بن کعب کی قراءت ''عَلَى الْحَيَاةِ'' (معرفہ) سے بہتر ہے۔]

﴿ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ﴾ یہ معنی پر محمول ہے کیونکہ ''اَحْرَصَ النَّاسِ '' کا معنی ہے ''اَحْرَصَ مِنَ النَّاسِ '' یعنی یہودی تمام لوگوں سے زیادہ حریص ہیں' ہاں البتہ ان لوگوں میں مشرکین بھی داخل ہیں لیکن ان کا علیحدہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ بھی زندگی کے بہت زیادہ حریص ہیں جیسا کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کا خاص کر ذکر کیا گیا ہے اگر چہ یہ دونوں فرشتوں میں داخل ہیں یا پھر اس سے مراد ''وَاَحْرَصَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا'' ہے یعنی یہودی مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں' پھر اس کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ''اَحْرَصَ النَّاسِ '' اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس میں بہت بڑی تکلیف دہ ملامت اور جھڑک ہے کیونکہ مشرکین آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے' لہٰذا ان کا دنیا کی زندگی پر حریص ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ ان کے لیے یہی جنت ہے لیکن اہل کتاب اور جزاء وسزا کا اقرار کرنے والے لوگ' جب اس ناپائیدار دنیاوی زندگی کے حریص ہو جائیں تو وہ اس لائق ہیں کہ ان کو سب سے زیادہ سخت لعن طعن کیا جائے' باقی رہا یہ کہ وہ مشرکوں سے زیادہ حریص (کیوں) ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے کیونکہ انہیں اپنی حالت کا علم ہے اور مشرکین یہ نہیں جانتے۔ ﴿ یَوَدُّ اَحَدُھُمۡ لَوۡ یُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَۃٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں نئے طریقے سے یہودیوں کے زیادہ حریص ہونے کا بیان ہے اور بعض نے کہا کہ مشرکوں سے مراد مجوس ہیں کیونکہ وہ اپنے بادشاہوں سے کہا کرتے تھے: ''عِشْ اَلْفَ نیروز. ہزار سال زندہ رہو'' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عجمیوں کا کلام اس طرح ہوتا ہے ''زی ہزار سال یعنی ہزار سال زندہ رہو'' اور بعض نے کہا کہ کلام کا آغاز ''وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا'' سے ہوتا ہے یعنی ''وَمِنْھُمْ نَاسٌ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ. ان میں سے کچھ لوگ چاہتے ہیں (کہ انہیں ہزار سال زندگی مل جائے)'' موصوف محذوف ہے اور اس بناء پر ''وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا'' سے یہودی طرف اشارہ کیا گیا کیونکہ انہوں نے حضرت عزیر کو خدا کہا تھا ﴿ وَمَا ھُوَ بِمُزَحۡزِحِہٖ مِنَ الۡعَذَابِ ﴾ میں ضمیر ''اَحَدُھُمْ'' کی طرف لوٹتی ہے ﴿ اَنۡ یُّعَمَّرَ ﴾ [اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''اَنْ یُّعَمَّرَ'' ''بِمُزَحْزِحِہٖ'' کا فاعل ہے یعنی ان میں سے کسی کی اتنی عمر اس کو عذاب سے نہیں بچا سکے گی اور یہ جائز ہے کہ ''ھو'' ضمیر مبہم ہو اور ''اَنْ یُّعَمَّرَ'' اس کی توضیح وتشریح ہو' اور ''زَحْزَحَہ'' کا معنی دور کرنا اور ایک طرف ہٹانا ہے اور ''جامع العلوم'' وغیرہ میں کہا گیا ہے کہ ''لَوْ یُعَمَّرُ'' ''اَنْ یُّعَمَّرَ'' کے معنی میں ہے' پس ''لَوْ'' یہاں ''اَنْ'' کے قائم مقام ہے اور ''اَنْ'' اپنے فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے معنی میں ہے اور ''یَوَدُّ'' کا مفعول ہے ''اَیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ تَعْمِیْرَ اَلْفِ سَنَۃٍ. ان میں کوئی ہزار سال زندہ رہنا چاہتا ہے''۔] ﴿ وَاللہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے' پس اس پر ان کو سزا دے گا اور قاری یعقوب نے ''یَعْمَلُوْنَ'' کو ''تا'' کے ساتھ ''تَعْمَلُوْنَ'' پڑھا ہے۔

۹۷- ﴿ قُلۡ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ ﴾ [ابن کثیر مکی نے (''جَبْــرِیل'' میں) ''جیم'' پر فتح اور ''راء'' کے نیچے کسرہ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور امام حفص کے علاوہ کوفیوں نے ''را'' اور ''جیم'' پر فتح اور ہمزہ کے ساتھ اشباع کر کے پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دوسروں نے بغیر ہمزہ کے ''را'' اور ''جیم'' کے نیچے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں (دو سبب) معرفہ اور عجمہ ہیں اور اس کا معنی ہے: ''عبداللہ''] کیونکہ سریانی زبان میں ''جَبْر'' کا معنی ''عبد'' ہے اور ''اِیْل'' اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہود کے علماء میں سے ایک عالم ابن صوریا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کون لاتا ہے تو آپ نے فرمایا: حضرت جبریل' تو اس نے کہا کہ وہ تو ہمارا دشمن ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی فرشتہ آپ پر وحی لاتا تو ہم آپ پر ایمان لے آتے کیونکہ اس نے تو ہمارے ساتھ کئی مرتبہ دشمنی کی ہے اور سب سے سخت ترین دشمنی یہ کی کہ اس نے ہمارے نبی پر وحی نازل کر کے خبر دی کہ بے شک بیت

المقدس کو بخت نصر خواب کر دے گا' چنانچہ ہم نے ایک بہادر آدمی اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تو بابل میں جا کر اس نے ایک مسکین اور کمزور لڑکا پایا تو جبریل نے آ کر اس کو اس سے روک دیا اور کہا: اگر تمہارے رب نے تمہیں ہلاک کرنے کے لیے اس کو حکم دیا ہے تو تم اس پر غالب نہیں آ سکتے اور اگر یہ وہ نہیں' تو تم کس جرم میں اسے قتل کرو گے؟ ﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ﴾ بے شک حضرت جبریل نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا اور اس قسم کی ضمیروں سے میری مراد وہ تمام ضمیریں ہیں جن کا مرجع پہلے مذکور نہیں ہوتا' ان میں عظمت و شان کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ مرجع کی شہرت کی وجہ سے اسے اتنا عظیم الشان قرار دیا جاتا ہے کہ گویا وہ خود اپنی ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس کے صریح نام کی بجائے اس کی کسی صفت کا ذکر کفایت کر جاتا ہے۔

﴿عَلٰى قَلْبِكَ﴾ اس نے آپ کو یاد کرایا اور قلب (دل) کو مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہی حفظ کا محل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝عَلٰى قَلْبِكَ. (الشعراء: ۱۹۴) حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام نے قرآن مجید کو آپ کے قلب مبارک پر نازل کیا'' اور کلام کا حق یہ تھا کہ ''عَلٰى قَلْبِىْ'' کہا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت کے طور پر واقع ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا ہے اور بلا شبہ یہ کلام اس طرح درست ہوگا کہ ''فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ'' کو شرط کی جزاء قرار دیا جائے کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ اہل کتاب میں سے اگر کوئی حضرت جبریل کا دشمن ہے تو اس کی عداوت و دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اس نے تو ایسی کتاب نازل کی ہے' جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' پس اگر وہ انصاف کرتے تو اس سے محبت کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے کہ اس نے قرآن نازل کر کے ایسا کام کیا ہے جو نفع دیتا ہے اور ان کے لیے مفید ہے اور ان پر نازل کی گئی کتابوں کو صحیح قرار دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ شرط کا جواب محذوف ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: جو حضرت جبریل کا دشمن ہے تو اسے غیظ و غضب میں مرجانا چاہیے کیونکہ اسی جبریل نے آپ کے قلب مبارک پر وحی نازل کی ہے ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس میں یہود کا رد ہے کہ جب انہوں نے کہا کہ بے شک جبریل جنگ اور شدت و سختی کے احکام نازل کرتا ہے تو جواب میں کہا کہ بے شک وہ ہدایت اور بشارت بھی نازل کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۝ اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کیں ہیں' اور ان کا انکار نہیں کریں گے مگر فاسق لوگ۝ اور کیا جب بھی وہ

کوئی عہد کرتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ اس کو پھینک دیتا ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے O اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک عظیم الشان رسول تشریف لایا جو اس (آسمانی کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے تو اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں O

٩٨- ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ﴾ [یہ قاری ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت ہے اور قاری نافع مدنی نے ''مِيْكَائِلَ'' ہمزہ کے ساتھ بغیر ''یا'' کے اسی طرح ''مِيْكَاعِلَ'' (عین کے ساتھ) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے قاریوں نے ہمزہ مکسور اور ''یا'' مدہ کے ساتھ اشباع کر کے ''مِيْكَائِيْلَ'' پڑھا ہے] اور حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کی فضیلت و عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان دونوں کا ذکر خاص کر الگ کیا گیا ہے گویا یہ دونوں دوسری جنس سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ وصف میں تغایر ذات میں تغایر کا قائم مقام ہوتا ہے۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے ''لَهُمْ'' ضمیر کی بجائے اسم ظاہر ''لِلْكَافِرِيْنَ'' کو اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اسم ظاہر اس بات پر دلالت کرے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے ان کا دشمن ہوا ہے اور بلاشبہ فرشتوں سے عداوت و دشمنی رکھنا انبیائے کرام علیہم السلام سے عداوت و دشمنی رکھنے کی طرح کفر ہے اور جو ان کا دشمن ہے اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے۔

٩٩- ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ کافروں میں سے سرکشی کرنے والے لوگ (مراد ہیں) اور لام جنس کا ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اہل کتاب کی طرف اشارہ ہو اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ابن صوریا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس کو ہم پہچانتے ہوں اور آپ پر کوئی ایسی آیت نازل نہیں کی گئی جس کے سبب ہم آپ کی اتباع کریں تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔

١٠٠- ﴿اَوَكُلَّمَا﴾ اس میں واؤ عطف کی ہے اور اس کا عطف محذوف کلام پر کیا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَكَفَرُوْا بِالْاٰيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَكُلَّمَا. کیا انہوں نے روشن اور واضح آیتوں کا انکار کیا ہے؟ اور جب'' ﴿عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ﴾ اس عہد کو انہوں نے توڑ دیا اور اس کو پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ کیونکہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اس عہد کو نہیں توڑا تھا۔ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ان میں سے اکثر لوگ تورات پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کا دین سے کچھ تعلق نہیں رہا' سو وہ عدوں کو توڑنا گناہ شمار نہیں کرتے اور نہ اس کی پرواہ کرتے ہیں۔

١٠١- ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک عظیم الشان رسول یعنی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تشریف لائے ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جو تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں اور اہل کتاب سے یہود مراد ہیں۔ ﴿كِتٰبَ اللّٰهِ﴾ یعنی تورات' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کرنا' جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں درحقیقت تورات کے ساتھ کفر کرنا ہے اور اس کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے یا ''كِتَابَ اللّٰهِ'' سے قرآن مجید مراد ہے جس کو قبول کرنا ان پر فرض تھا مگر انہوں نے اس کو ماننے کی بجائے اس کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ﴿وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ یہود کی طرف سے کتاب الٰہی کو ترک کرنے اور اس سے روگردانی کرنے کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی آدمی کسی چیز کو قلتِ توجہ اور اس سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہوئے اسے پسِ پشت پھینک دیتا ہے (اسی طرح یہود نے قرآن و تورات کو پسِ پشت ڈال دیا تھا)۔ ﴿كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ گویا وہ جانتے ہی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ۫ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دورِ حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے O اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا لیکن شیطانوں نے کفر کیا' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور (انہوں نے اس جادو کی پیروی کی) جو بابل شہر میں دو فرشتوں' ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو' پس لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے جس کے ذریعے وہ مرد اور اس کی بیوی میں علیحدگی کر دیتے اور وہ اس کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ لوگ اس چیز کو سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گی اور انہیں نفع نہیں دے گی اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور البتہ کیسی بُری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں فروخت کر دیں' کاش وہ جان لیتے O

جادو کی پیروی اور ہاروت و ماروت کا قصہ

۱۰۲- ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ﴾ یعنی یہود نے کتاب اللہ کو پسِ پشت پھینک دیا اور جادو کی کتابوں کی پیروی اختیار کر لی اور ان شعبدہ بازوں کے پیچھے لگ گئے جو ان کتابوں کو ان کے سامنے پڑھا کرتے تھے ﴿عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ﴾ ان کے زمانہ میں اور ان کے دورِ حکومت میں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیاطین آسمان پر چڑھ کر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سن لیتے اور اپنی طرف سے ان میں بہت سی جھوٹی باتیں شامل کر لیتے اور جادوگروں کو بتا دیتے اور انہوں نے ان باتوں کو کتابوں میں لکھ لیا' جن کو پڑھ کر لوگوں کو جادو سکھاتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہ باتیں مشہور ہو گئیں یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ جنات غیب جانتے ہیں اور لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم ہے جس کے ذریعے ان کی حکومت قائم و دائم ہے اور اسی علم کی وجہ سے آپ نے جن وانس اور ہوا کو تابع فرمان بنا لیا ہے۔ ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ﴾ اس ارشاد سے شیطانوں کو جھٹلایا گیا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو بہتان لگایا تھا کہ آپ جادو کا اعتقاد رکھتے تھے اور جادو پر عمل کرتے تھے سب کی تردید کر دی گئی ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ﴾ یہ شیاطین وہی ہیں' جنہوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جادو کو استعمال کرنے اور اس پر کتابیں لکھنے کی وجہ سے کفر کیا۔ [قاری عبد اللہ بن عامر شامی'

قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے تخفیف کے ساتھ''لٰکِنْ''(یعنی بغیر تشدید کے)اور''اَلشَّیٰطِیْنُ''رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔]
﴿یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ [حال کے محل میں واقع ہے]یعنی انہوں نے کفر کیا دراں حالیکہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس کے ذریعے لوگوں کو پھسلانے اور گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ﴾ جمہور اس بات پر متفق ہیں[کہ لفظِ''مَا''''اَلَّذِیْ''کے معنی میں ہے اور''اَلسِّحْرَ''پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے]یعنی شیاطین ان (یہود) کو وہ جادو سکھاتے تھے جو دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا[یا پھر''مَا تَتْلُوْا''پر عطف ہے]یعنی یہود اس جادو کی پیروی کرتے تھے جو دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا۔﴿بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾ یہ ان دو فرشتوں کے نام ہیں اور''اَلْمَلَکَیْنِ''کا عطف بیان ہے اور جو کچھ ان دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا وہ جادو کا علم تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی آزمائش تھی اور جو شخص اس جادو کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا اگر اس میں ایمان کی لازمی شرائط کی نفی ہوتی تو وہ شخص کافر ہو جاتا اور جو شخص اس سے دور رہتا یا اس کو سیکھ تو لیتا لیکن اس پر عمل نہ کرتا تا کہ اس کے حملے سے بچا رہے اور اس کی وجہ سے کسی کے دھوکہ میں نہ آ جائے تو وہ شخص مسلمان رہتا' چنانچہ شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر حال میں جادو کو کفر کہنا غلط ہے بلکہ اس کی حقیقت کو جاننا واجب اور لازمی ہے' پھر اگر اس میں ضروریات ایمان کی نفی ہوتی ہو تو وہ کفر ہے ورنہ کفر نہیں' پھر جو جادو کفر ہے اس میں تو مردوں کو قتل کیا جاتا ہے عورتوں کو نہیں اور جو جادو کفر نہیں اور اس میں کسی جان کو ہلاک کرنا ہو تو اس میں راہزن کا حکم نافذ ہوگا اور اس میں مرد و زن یکساں ہوں گے اور ایسا جادوگر جب توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور جس نے کہا ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی تو اس نے یقیناً غلط کہا ہے کیونکہ فرعون کے جادوگروں کی توبہ قبول کر لی گئی تھی اور بعض نے کہا کہ''اُنْزِلَ''کا معنی ہے کہ عمل سے روکنے کے باوجود دونوں فرشتوں کے دلوں میں جادو کا علم ڈال دیا گیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ (ہاروت اور ماروت) وہ دو فرشتے ہیں جن کو باقی فرشتوں نے (آزمائش کے لیے) منتخب کیا تھا تا کہ ان میں شہوت پیدا کی جائے (کیونکہ) جب فرشتوں نے اولادِ آدم پر (ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے) عار کا اظہار کیا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تمہارے اندر بھی ان کی طرح شہوت ہوتی تو تم سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے۔فرشتوں نے کہا: اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ہم ہرگز گناہ نہ کرتے) پھر یہ دونوں فرشتے زمین پر آ کر (شروع میں تو دن میں) انصاف کرتے اور رات کو اوپر چڑھ جاتے' پھر یہ دونوں فرشتے زہرہ نام کی عورت پر عاشق ہو گئے' سو اس نے ان کو شراب پینے پر آمادہ کر لیا اور انہوں نے (شراب پی کر) زنا کیا تو ایک آدمی نے ان کو دیکھ لیا جس کی وجہ سے انہوں نے اس کو قتل کر دیا (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایک عذاب کے اختیار کرنے کی اجازت ملنے پر) انہوں نے عذابِ آخرت کے بدلے میں دنیا کا عذاب اختیار کر لیا' چنانچہ (اس وقت سے لے کر اب تک) بابل کے کنویں میں الٹا لٹکا کر ان کو عذاب دیا جا رہا ہے (اور یہ عذاب قیامت تک جاری رہے گا[1]) اور بابل

[1] واضح رہے کہ بعض کا یہ قول قرآن مجید کی ان تمام روایات کے خلاف ہے جن میں فرشتوں کی عصمت کو بیان فرمایا ہے۔علامہ ابن کثیر نے کہا: میرا خیال ہے کہ اس قصہ کو بنی اسرائیل نے وضع کیا ہے (یعنی گھڑ لیا ہے)۔علامہ قرطبی نے کہا: ایسی تمام روایات ضعیف ترین ہیں' ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے' فرشتے اللہ تعالیٰ کے سفیر اور اس کی وحی پر امین ہوتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے' وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔امام رازی نے کہا کہ ایسی تمام روایات فاسد' مردود اور غیر مقبول ہیں کیونکہ قرآن مجید میں فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے اور یہ روایات اس کے خلاف ہیں۔علامہ ابو الحیان اندلسی نے کہا: ان روایات میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور فرشتے معصوم ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔
نوٹ: اس کی تفصیل' تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۴۹۳۔۴۹۶' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور' میں دیکھئے۔

کے نام کی وجہ یہ ہے (بابل کا لغوی معنی مختلف ہونا ہے) کہ اس سرزمین پر مختلف زبانوں کا آغاز ہوا تھا۔ ﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ﴾ اور وہ دونوں فرشتے کسی کو کچھ نہیں سکھاتے ﴿حَتّٰى يَقُوْلَاۤ﴾ یہاں تک کہ وہ دونوں اس کو (جادو کی برائیوں سے) آگاہ کرتے اور تنبیہ کرتے ہوئے اس کو نصیحت کرتے اور اس سے کہتے: ﴿اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ﴾ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف امتحان اور آزمائش بن کر آئے ہیں ﴿فَلَا تَكْفُرْ﴾ تو تم اس جادو کو سیکھ کر اور اس پر ایسے طریقے سے عمل کر کے جس سے کفر لازم آجائے کافر نہ بن جانا۔ ﴿فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا﴾ [اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ'' پر ''فـا'' کا عطف کیا گیا ہے یعنی وہ دونوں فرشتے لوگوں کو جادو سکھاتے تو لوگ ان سے جادو اور کفر دونوں سیکھ لیتے تھے ان دونوں باتوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کے دو فرمان ''كَفَرُوْا'' اور ''يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ'' ہیں یا ''فَا'' کا عطف پوشیدہ عبارت پر کیا گیا ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَيَاْتُوْنَ فَيَتَعَلَّمُوْنَ'' اور اس پر ''مِنْ اَحَدٍ'' دلیل ہے یعنی لوگ آتے اور ان فرشتوں سے جادو سیکھتے۔ ﴿مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ﴾ وہ جادو کا علم ہے جس کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان تفریق ہو جاتی تھی اور وہ اس طرح ہوتا کہ اللہ تعالیٰ محض امتحان کی خاطر جادو کے وقت میاں بیوی میں نافرمانی' سرکشی اور اختلاف و ناچاقی پیدا کر دیتا اور اہل سنت کے نزدیک (اللہ تعالیٰ ان میں اضافہ فرمائے) جادو ایک حقیقت ہے اور معتزلہ کے نزدیک جادو ایک تخیلاتی چیز ہے اور ایک شعبدہ بازی ہے۔ ﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ﴾ اور وہ جادو کے ذریعے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے ارادہ سے ﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ یہ علم آخرت میں نفع نہیں دے گا اور اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جادو سے بچنا اور اس سے دور رہنا واجب ہے جس طرح سائنس کے اس علم سے بچنا لازم ہے جو آدمی کو گمراہی کی طرف لے جائے۔ ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا﴾ یہود جانتے تھے ﴿لَمَنِ اشْتَرٰىهُ﴾ جو شیاطین تلاوت کرتے ہیں اس کو جس نے کتاب الٰہی کے عوض میں خرید لیا ﴿مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ تو آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ''خـلاق'' کا معنی نصیب ہے۔ ﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ﴾ انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کے ذریعے ان کے علم کی نفی فرما دی اور اس سے پہلے اپنے ارشاد: ''وَلَقَدْ عَلِمُوْا'' کے ذریعے ان کے لیے علم کو تاکید قسمی کے ساتھ ثابت فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کاش وہ لوگ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے لیکن جب انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا تو انہیں جاہل قرار دے کر فرمایا: گویا وہ نہیں جانتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو اللہ کی طرف سے بہت بہتر ثواب پا لیتے' کاش وہ جان لیتےO اے ایمان والو! (اپنے رسول سے) ''رَاعِنَا'' نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظرِ کرم فرمائیں اور پہلے ہی غور سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہےO اہلِ کتاب میں سے کافر اور مشرک (دونوں) یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل کی جائے' اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہےO

۱۰۳- ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا﴾ اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لاتے ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے اور شیطانوں کی کتابوں پر عمل کرنے اور کتاب الٰہی کو پسِ پشت ڈالنے جیسے گناہوں پر قائم رہنے کی بجائے ان کو ترک کر دیتے ﴿لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ کا ثواب (جو ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر انہیں عطا کیا جاتا) اس سے بہت بہتر ہے' جس میں وہ مشغول ہیں اور وہ اس کو یقیناً جانتے ہیں لیکن جب انہوں نے اپنے علم پر عمل کرنا ترک کر دیا تو انہیں جاہل قرار دیا گیا اور آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ سب سے بہتر ہے اور ''لَوْ'' کے جواب میں جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ثواب کے ثبات و استقرار اور اس کے قائم و دائم رہنے کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''لَمَثُوْبَةُ اللّٰهِ خَيْرٌ'' نہیں فرمایا' کیونکہ آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ ثواب میں سے جو کچھ ہو (تھوڑا ہو یا زیادہ) وہ ان کے حق میں سب سے بہتر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حرف ''لَوْ'' تمنا کے معنی میں ہے گویا کہا گیا ہے کہ کاش وہ ایمان لاتے' پھر اللہ تعالیٰ نے ''لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ'' سے ابتدا فرمائی۔

بارگاہِ مصطفٰے میں آدابِ گفتگو

۱۰۴- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ مسلمانوں کا طریقہ تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی علمی مسئلہ بیان کیا جاتا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے: ''رَاعِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اے اللہ کے رسول! ہماری رعایت فرمائیں'' اور ہمیں مہلت دیں تاکہ ہم آپ کی بات کو سمجھ لیں اور یاد کر لیں اور یہودیوں کے نزدیک ''رَاعِينَا'' عبرانی یا سریانی زبان میں گالیوں کا کلمہ تھا جس کے ساتھ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے اور جب انہوں نے مسلمانوں کو ''رَاعِنَا'' کہتے سنا تو انہوں نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور انہوں نے بھی رسول اکرم نبی معظم ﷺ کو اسی کلمہ کے ساتھ بلانا شروع کر دیا اور ان کا مقصد اس کلمہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں بکنا ہوتا (اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی ناگوار تھی' اسی لیے) تو مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا اور ان کو اس کلمہ کا ہم معنی لفظ بولنے کا حکم دیا گیا اور وہ لفظ ''اُنْظُرْنَا'' ہے جو ''نَظْرَةٌ'' سے ماخوذ ہے' اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی کسی کا انتظار کرتا ہے۔ ﴿وَاسْمَعُوْا﴾ اور رسول اللہ ﷺ جو کلام تم سے فرماتے ہیں اس کو اچھی طرح غور سے سنو اور آپ جو مسائل تم سے بیان کرتے ہیں ان کو کان لگا کر حاضر دماغی کے ساتھ یاد کرو تاکہ بات کو دوبارہ دہرانے اور رعایت و مہلت طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑے' یا یہ مطلب ہے کہ تم قبول کرنے اور اطاعت کرنے کے جذبہ کے تحت غور سے سنو اور تمہارا سننا یہود کے سننے کی طرح نہ ہو جائے کیونکہ وہ کہا کرتے تھے: ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (دردناک عذاب ان) یہودیوں کے لیے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیں (اور اللہ تعالیٰ نے ''كَافِرِيْنَ'' کہہ کر واضح کر دیا کہ حضور ﷺ کی گستاخی کفر ہے)۔ ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اَلِيْمٌ'' کا معنی دردناک ہے۔

۱۰۵-﴿مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ﴾[ابن کثیر اور ابوعمرو نے تخفیف کے ساتھ ''اَنْ یُنْزَلَ'' پڑھا ہے] یعنی مشرکین اور اہل کتاب میں سے کافر نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو۔﴿مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾[پہلا حرف ''مِنْ'' (''مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ'' میں) بیان کے لیے ہے' کیونکہ جنہوں نے کفر کیا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: (۱) اہل کتاب (۲) مشرکین' اور دوسرا حرف ''مِنْ'' (''مِنْ خَیْرٍ'' میں) زائد ہے صرف ''استغراقِ خیر'' کے لیے ہے (یعنی ہر قسم کی خیر) اور تیسرا حرف ''مِنْ'' (''مِنْ رَّبِّكُمْ'' میں) ابتدائے غایت کے لیے ہے اور ''خَیْر'' سے مراد وحی ہے اور اسی طرح رحمت سے وحی مراد ہے۔]﴿وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ یہودی اپنے آپ کو زیادہ حق دار سمجھتے ہیں کہ ان کی طرف وحی کی جائے' اس لیے وہ تم سے حسد کرتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ تم پر وحی میں سے کچھ نازل ہو اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے نبوت کے ساتھ مخصوص فرما لیتا ہے ﴿وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبوت کی عطا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾

جب ہم کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے ہم بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہےO کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی مددگار ہےO کیا تم اپنے رسول سے ایسے (بے ہودہ) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جو ایمان کے بدلے کفر اختیار کرتا ہے تو وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیاO

نسخ کا بیان' اہل کتاب کی آرزو' نیک مسلمان کی شان اور یہود ونصاریٰ کی مذہبی چپقلش

شانِ نزول: ۱۰۶-اور جب انہوں نے (یعنی مشرکین و یہود نے) زبانِ طعن دراز کی اور کہا کہ کیا تم (سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کو نہیں دیکھتے کہ اپنے صحابہ کو پہلے ایک کام کا حکم دیتے ہیں پھر اس سے منع کر دیتے ہیں اور اس پہلے کام کے خلاف دوسرے کام کا حکم دیتے ہیں اور آج ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں (لہٰذا یہ قرآن ان کا اپنا بنایا ہوا ہے جو اپنے دل سے گھڑ لیتے ہیں۔روح المعانی) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات (پہلی دو آیات ۱۰۷-۱۰۶) نازل فرمائیں۔﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ لغت میں ''نسخ'' کا معنی تبدیل کرنا ہے اور شریعت میں کسی مطلق شرعی حکم کی انتہاء (یعنی اختتامی مدت) کو بیان کرنا ہے جس کے بارے میں اس کا حکم ہمیشہ کے لیے قائم رہنا ہمارے ذہنوں میں راسخ

ہو چکا تھا' لہٰذا ہمارے حق میں نسخ کے ذریعے حکم کی تبدیلی ہوتی ہے جب کہ صاحب شریعت کے حق میں محض (حکم شرعی کی مدت پوری ہو جانے کا) بیان ہوتا ہے اور اس میں "بداء" کا جواب ہے جس کا منکرینِ نسخ یعنی یہود دعویٰ کرتے ہیں (نسخ اور بداء میں فرق یہ ہے کہ نسخ میں علم الٰہی کے مطابق' جس حکم کی مدت پوری ہو چکی ہوتی ہے اس کو دوسرے نئے حکم سے بدل دیا جاتا ہے جب کہ "بداء" میں آدمی پہلے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے' پھر کسی خامی کی وجہ سے اس کو ترک کر دیتا ہے' لہٰذا "بداء" اس وقت ہوتا ہے جب حکم دینے والے کو اس حکم کے انجام کا علم نہیں ہوتا اس لیے یہ صرف انسانوں میں ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم ناقص اور نا تمام ہوتا ہے جب کہ علم الٰہی ہر چیز کو محیط ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں "نسخ" ہوتا ہے "بداء" نہیں ہے) اور "نسخ" کا محل وہ کلام ہوتا ہے جو بنفسہٖ وجود و عدم کا احتمال رکھتا ہو اور اس کو ایسی چیز لاحق نہ ہو جو نسخ کے منافی ہو یعنی وقت کا مخصوص و محدود ہونا یا دائمی ہونا (یہ دونوں چیزیں نسخ کے منافی ہیں) اور یہ نسخ نص اور دلالۃ النص دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ دل سے ارادہ کرنا ممکن ہو اگرچہ فعل ممکن نہ ہو' معتزلہ اس کے خلاف ہیں اور یہ نسخ کتاب و سنت سے متفقاً (کتاب کا نسخ کتاب سے اور سنت کا نسخ سنت سے) اور مختلفاً (کتاب کا نسخ سنت سے اور سنت کا نسخ کتاب سے ہر طرح) جائز ہے اور تلاوت اور حکم دونوں کا نسخ اور بغیر تلاوت صرف حکم کا اور بغیر حکم صرف تلاوت کا نسخ بھی جائز ہے اور حکم کے ساتھ کسی وصف کا نسخ' جیسے نص پر زیادتی' تو یہ بھی ہمارے نزدیک نسخ ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہیں اور "انساء" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے اس کی یاد نکال دی جاتی ہے (یا اس کو لوگوں کے دلوں سے بھلا دیا جاتا ہے) اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو نے ("نُنْسِهَا" کی بجائے) "نَنْسَاْهَا" پڑھا ہے یعنی ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں اور ہم اس کو پیچھے کر دیتے ہیں' یہ "نَسَاْتٌ" سے ماخوذ ہے یعنی پیچھے ہٹا دینا۔ ﴿ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ ﴾ ہم اپنے بندوں کے لیے اس سے بہتر آیت لاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ منسوخ آیت پر عمل کرنے کے ثواب سے ناسخ آیت پر عمل کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ ﴿ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ یا (اجر و ثواب اور فائدہ میں) اس کی مثل لاتے ہیں کیونکہ قرآن کی بعض آیات کو بعض آیات پر فضیلت نہیں (بلکہ تمام کلام فضیلت میں برابر ہے)۔ ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ وہ قادر ہے' لہٰذا وہ (منسوخ آیت سے) بہتر یا اس کی مثل (ناسخ آیت) لانے پر قادر ہے۔

۱۰۷- ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ پس وہی تمہارے تمام معاملات کا مالک ہے اور ناسخ و منسوخ میں سے جس کے ساتھ وہ تمہیں بندگی کا حکم دیتا ہے اس (کی حکمتوں اور مصلحتوں) کو وہی خوب جانتا ہے۔ ﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی ایسا متولی نہیں ہے جو تمہارے معاملات کو درست کر لے۔ ﴿ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ اور نہ کوئی ایسا مددگار ہے جو تمہیں عذابِ آخرت سے بچا سکے۔

۱۰۸- ﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ ﴾ ["اَمْ" منقطعہ ہے' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے "بَلْ تُرِيْدُوْنَ"] بلکہ تم چاہتے ہو کہ ﴿ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ﴾ اپنے محترم و مکرم رسول سے ایسے سوال کرو جیسے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیے گئے تھے' چنانچہ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ جب قریشِ مکہ نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! آپ ہمارے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجئے اور مکہ مکرمہ کی سرزمین کو ہمارے لیے ہموار اور وسیع و عریض اور کشادہ بنا دیجئے تو آپ پر سوالات' اعتراضات اور طلبِ معجزات کی خواہش کرنے سے ان کو منع کر دیا گیا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ سے مطالبہ کیا تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے ایک معبود بنا دیجئے۔ ﴿ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ﴾ اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات پر اعتماد اور یقین کرنا ترک کر دیا اور ان

میں شک کیا اور ان کے سوا کا طلب گار بن گیا ﴿ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴾ تو وہ یقیناً سیدھے اور اعتدال کے راستے سے بھٹک گیا اور راہِ حق سے دور ہو کر گمراہ ہو گیا۔

وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾

بہت سے اہلِ کتاب نے چاہا کہ کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں میں حسد رکھنے کی وجہ سے اس کے بعد کہ ان پر حق ظاہر ہو چکا تھا' تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیک کام تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے' اور بے شک اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو O

۱۰۹۔ ﴿ وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ ﴾ بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ﴾ [یہ ''کُمْ'' ضمیر سے حال ہے] یعنی یہودی یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر کر کافر بنا دیں۔

شانِ نزول: یہ آیتِ کریمہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب غزوۂ احد کے بعد یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہیں اس جنگ میں کتنی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں یہ شکست نہ ہوتی' پس تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ اور تمہارے لیے اب یہی بہتر ہے۔ ﴿ حَسَدًا ﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی حسد و بغض کی وجہ سے (تمہارے مرتد ہونے کے متمنی ہیں) اور ''حسد'' کا معنی ہے کہ کسی کے پاس کوئی خیر و بھلائی دیکھ کر افسوس کرنا اور اس پر جلنا کہ یہ خیر و بھلائی اس کی بجائے مجھے ملتی۔ ﴿ مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾ یہ ''وَدَّ'' کے متعلق ہے یعنی یہ لوگ اپنے نفسوں کی آرزوؤں اور اپنی خواہشات کی وجہ سے تمہارا مرتد ہو جانا پسند کرتے ہیں اور اپنے دین کی تائید اور حق کی طرف رغبت کی خاطر نہیں اس لیے انہوں نے ایسی تمنا ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ﴾ حق واضح ہو جانے کے بعد کی جب انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ یقیناً تم مسلمان حق پر ہو' یا اس کا تعلق ''حَسَدًا'' کے ساتھ ہے یعنی اس حسد کی وجہ سے حق سے اعراض و روگردانی کرتے ہیں جو ان کے دلوں سے مبالغہ کی حد تک جوش مارتا ہوا ابھرتا ہے۔ ﴿ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا ﴾ تو آپ ان کی جہالت' نادانی اور عداوت کے پیشِ نظر عفو و درگذر کا رویہ اختیار کیجئے اور ان کے ساتھ معافی و چشم پوشی کی راہ پر چلیے (تا کہ وہ نرم ہو کر دین حق کی طرف راغب ہو جائیں)۔ ﴿ حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جہاد و قتال کا حکم نازل کر دے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر ہے۔

۱۱۰-﴿ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ ﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے خواہ نماز ہو خواہ صدقات و خیرات ہوں یا ان دونوں کے علاوہ کسی قسم کی نیکی ہو تو ﴿ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اس کا اجر و ثواب تم اللہ تعالیٰ کے پاس ضرور پاؤ گے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴾ (چونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو یقیناً دیکھ رہا ہے اس لیے کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل اس کے پاس ضائع نہیں ہوگا۔

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اہلِ کتاب نے کہا: جنت میں صرف یہودی یا عیسائی جائیں گے' یہ ان کی آرزوئیں ہیں' تم فرما دو کہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو ○ ہاں کیوں نہیں؟ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کا ثواب اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

۱۱۱-﴿ وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (''قَالُوْا'' میں جمع مذکر غائب کی) ضمیر یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے' یعنی یہود نے کہا: جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور کوئی نہیں جائے گا اور نصاریٰ نے کہا: جنت میں صرف نصرانی جائیں گے اور کوئی نہیں جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے اقوال کو اس اعتماد پر جمع کر کے بیان کر دیا کہ سننے والے' ہر فریق کے قول کی مراد سمجھ جائیں گے اور ہر قسم کے شک اور التباس سے محفوظ رہیں گے کیونکہ ان کو دونوں فریقوں کے درمیان عداوت و دشمنی کا علم ہو چکا ہے اور ان کو معلوم ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک فریق اپنے دوسرے ساتھی فریق کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں دیکھتے؟ ''وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ۔ یہود نے کہا: نصرانی کسی دین پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا: یہودی کسی دین پر نہیں ہیں'' اور ''هُوْد'' ''هَائِدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''عَائِذٌ'' کی جمع ''عُوْذٌ'' ہے (مصری نسخہ میں ہے: جیسے ''عَائِذٌ'' کی جمع ''عُوْذٌ'' ہے) اور ''كَانَ'' کا اسم ''مَنْ'' کے اعتبار سے واحد ہے اور ''كَانَ'' کی خبر ''مَنْ'' کے معنی کے اعتبار سے جمع لائی گئی ہے۔] ﴿ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ﴾ اس سے ان کی مذکورہ بالا تمناؤں اور آرزوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) رب تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر کوئی خیر و بھلائی نازل نہ ہو (۲) مسلمان اسلام قبول کرنے کے بعد پھر دوبارہ کافر ہو جائیں (۳) جنت میں ان کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا' یہ ان کی باطل آرزوئیں تھیں [اور ''اُمْنِیَّةٌ'' ''اُفْعُوْلَةٌ'' کے وزن پر ہے اور ''تمنی'' سے ماخوذ ہے جیسے ''اُضْحُوْكَةٌ'' ہے۔] ﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾ تم جنت میں دخول کے لیے اپنی تخصیص کی کوئی سند اور دلیل پیش کرو [اور ''هَاتِ'' ''هَا'' کے قائم مقام ہے' اس کا معنی ہے: ''اُحْضُرْ'' یعنی حاضر کرو اور یہ جملہ ان کے قول: ''لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' کے ساتھ متصل ہے اور ''تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ'' جملہ معترضہ ہے۔] ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

۱۱۲-﴿ بَلٰى ﴾ یہود و نصاریٰ نے اپنے علاوہ جنت میں جانے کی جو نفی کی تھی اس کا اثبات ہے۔ ﴿ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ ﴾

﴿لِلّٰهِ﴾ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص بنالیا اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا' ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ قرآن مجید کی تصدیق کرنے والا ہو' ﴿فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ﴾ [یہ ''مَنْ اَسْلَمَ'' کا جواب ہے اور یہ کلام مبتدا ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اور ''بلٰی'' کے لفظ سے ان کے دعویٰ کی تردید کردی گئی ہے۔] ﴿عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ان کا اجروثواب ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کچھ نہیں اور نصاریٰ نے کہا: یہود کچھ نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں' اسی طرح بے علم لوگوں نے ان کی باتوں کی مانند کہا' سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے O اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کے ویران کرنے میں کوشش کرے' یہ لوگ مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں مگر ڈرتے ہوئے' ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

۱۱۳- ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ یہود ونصاریٰ میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہی کہتا ہے کہ وہ کسی صحیح اور معتبر دین پر نہیں ہے۔ اور ''واؤ'' ﴿وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ میں حال کے لیے ہے اور کتاب جنس کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے یہ کہا' حالانکہ وہ اہل کتاب اور اہل علم ہیں اور کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور جو تورات وانجیل کا حامل ہو اور ان پر ایمان رکھتا ہو اس کا فرض ہے کہ وہ باقی (دوسری کتاب) کا انکار نہ کرے کیونکہ دونوں کتابوں میں سے ہر ایک کتاب دوسری کی تصدیق کرتی ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی قول کی مثل ہے جو (اے مخاطب!) تم نے (اہل علم یہود ونصاریٰ سے) سنا ہے۔ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ ان جہلاء نے ایسی باتیں کیں جن کے پاس نہ کوئی علم ہے اور نہ کوئی کتاب ہے جیسے بت پرست کافر اور فرقہ معطلہ ہیں' انہوں نے ہر اہل دین کے لیے یہی کہا کہ وہ کسی دین پر نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ یہود ونصاریٰ کے لیے بہت بڑی زجروتوبیخ ہے کہ انہوں نے علم رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ملا دیا جو بے علم اور جاہل ہیں۔ ﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہود ونصاریٰ میں اس طرح فیصلہ فرمائے گا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایسی سزا دے گا جو اس کے لائق ومناسب ہوگی۔

مساجد میں ذکر سے منع کرنے والا بڑا ظالم ہے اور سب کا مالک صرف اللہ ہے' جاہلانہ سوال ------- اور یہود و نصاریٰ کی مذمت

۱۱۴- ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ﴾ [اور ''مَنْ'' مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور یہ حرفِ استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور ''اَظْلَمُ'' اس کی خبر ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے؟ اور ''اَنْ یُّذْكَرَ'' ''مَنَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے (پہلا مفعول ''مَسَاجِدَ اللّٰهِ'' ہے) جیسے تم کہتے ہو: ''مَنَعْتُهٗ كَذَا. میں نے اس کو اس طرح منع کیا'' (متعدی بدو مفعول کی مثال ہے (۱) ''ہ'' (۲) ''كَذا'')] اور اس کی مثال (درج ذیل دو آیات) ہیں: ''وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ. (بنی اسرائیل:۵۹) اور ہمیں ایسی نشانیاں بھیجنے سے کسی نے نہیں روکا مگر یہی کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا''۔ ''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْآ. (بنی اسرائیل:۹۴) اور لوگوں کو ایمان لانے سے کس نے روکا ہے'' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَن'' کے ساتھ حرفِ جر محذوف ہو یعنی ''مِنْ اَنْ یُّذْكَرَ'' ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ''مَنَعَ'' کا مفعول لہ بنا کر منصوب قرار دیا جائے اور معنی یہ ہوگا کہ مسجدوں سے روکنے کی وجہ کراہتِ ذکر ہے اور یہ حکم اللہ تعالیٰ کی تمام مساجد کے لیے عام ہے اور بے شک ان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کرنے والا ظلم کرنے میں سب سے بڑھ کر ظالم ہے اور اس کا سبب بیت المقدس میں عیسائیوں کا گندگی پھینکنا اور اس میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکنا ہے یا رسول اللہ ﷺ (اور آپ کے صحابہ کرام) کو حدیبیہ کے سال (سن چھ ہجری) میں مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے روکنا (مراد) ہے۔ باقی رہا یہ کہ مساجد اللہ کہا گیا ہے جب کہ صرف ایک مسجد میں ذکر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ بیت المقدس یا مسجد حرام ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر چہ اس کا سبب خاص ہے مگر یہ حکم اللہ تعالیٰ کی تمام مساجد کے لیے عام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ. (الہمزۃ:۱) ہر غیبت کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے''، حالانکہ یہ آیتِ کریمہ خاص اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی تھی (مگر اس کا حکم ہر غیبت کرنے والے کے لیے عام ہے)۔ ﴿وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا﴾ اور جس نے ذکر الٰہی روک کر ان (مساجد) کو ویران کرنے کی کوشش کی اور ''مَنْ'' سے عموم مراد ہے جس طرح مساجد سے عموم مراد ہے (لہٰذا جس کسی مسجد میں جو کوئی ذکر الٰہی سے روکے گا وہ سب سے بڑا ظالم ہوگا)۔ ﴿اُولٰٓىٕكَ﴾ وہی ذکرِ خدا کرنے سے روکنے والے لوگ ہیں ﴿مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ﴾ ان کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں داخل ہوں۔ ﴿اِلَّا خَآىٕفِیْنَ﴾ [یہ ''اَنْ یَّدْخُلُوْهَا'' کی ضمیر ''هُمْ'' سے حال ہے] یعنی حالتِ خوف میں اور مسلمانوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں ان کو گرفتار نہ کرلیں بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں پر غالب ہوں اور ان کو کنٹرول کریں اور مسجدوں میں داخل ہونے سے روکیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کا ظلم وستم اور زیادتی وسرکشی نہ ہوتی تو حق یہ تھا کہ مسلمانوں کو روکنے کی بجائے وہ خود مسجدوں میں خوف زدہ ہو کر ڈرتے ہوئے داخل ہوتے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ عیسائیوں میں سے جب بھی کوئی عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوتا تو قتل کیے جانے کے اندیشے سے خوف زدہ ہو کر اور اجنبی سا ہو کر داخل ہوتا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں جو نصرانی پایا جائے گا اس کو سخت ترین سزا دی جائے گی اور رسول اللہ ﷺ نے (سن ۹ ہجری کو) اعلان فرما دیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ شریف کا حج نہیں کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: ان کو کنٹرول حاصل کرنے کے لیے مسجد میں داخلہ سے روکا جائے گا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے درمیان تنہائی میں ملاقات کے لیے مسجد میں

بیٹھے رہنے سے روکا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (الاحزاب:۵۳) اور تم کو حق نہیں پہنچتا کہ تم رسولِ خدا کو تکلیف دو''۔ ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ قتل و غارت کرنا اور حربی کو قید کر دینا اور ذمی پر جزیہ لاگو کرنے کی ذلت و رسوائی یہود و نصاریٰ کے لیے دنیوی عذاب ہے۔ ﴿وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں بڑے عذاب سے مراد جہنم کی آگ ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے' جس سمت (چاہو) منہ کرلو سب سمتیں اللہ ہی کی ہیں' بے شک اللہ بڑی وسعت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہےO اور انہوں نے کہا: اللہ نے بیٹا بنالیا ہے وہ تو اس سے پاک ہے' بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے ملک میں ہے' سب اس کے حکم کے تابع ہیںO وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کو بغیر نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے اور جب وہ کسی حکم کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہےO

۱۱۵- ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ یعنی مشرق سے لے کر مغرب تک تمام روئے زمین کے ممالک اسی کی ملکیت میں ہیں اور سب کا وہی (اللہ تعالیٰ) مالک و متولی ہے۔ ﴿فَاَيْنَمَا﴾ شرط ہے ﴿تُوَلُّوْا﴾ اس (شرط) کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی پس تم جس کسی مکان میں ہو اپنے چہروں کو قبلہ کی طرف پھیرلو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ. (البقرہ:۱۴۴) پس (اے حبیب!) آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرلیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیرلو'' اور (شرط کا) جواب یہ (درج ذیل) ہے: ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ اس کی جہت ہے' جس کی طرف منہ کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور جس پر وہ راضی ہے اور معنی یہ ہے کہ جب تمہیں مسجد حرام یا بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے روک دیا جائے تو میں نے تمہارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا ہے' لہٰذا زمین کے جس حصہ میں چاہو نماز پڑھو اور اس میں اپنا منہ قبلہ کی طرف کرلو کیونکہ ہر مکان میں قبلہ رخ ہونا ممکن ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس کی رحمت وسیع اور کشادہ ہے' اس لیے وہ اپنے بندوں پر وسعت کرنا چاہتا ہے اور وہ ان کی مصلحتوں اور فائدوں کو خوب جاننے والا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیتِ کریمہ سواری پر سوار ہو کر نماز پڑھنے والے مسافر کے حق میں نازل ہوئی تھی کہ جس طرف سواری کا منہ ہو ادھر نماز پڑھ لو اور بعض نے کہا کہ ایک قوم پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تو انہوں نے مختلف اطراف میں نماز پڑھ لی' پھر جب صبح ہوئی تو انہیں معلوم ہوا کہ انہوں نے غلط رخ نماز پڑھ لی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی معذوری قبول فرمالی اور یہ آیتِ مبارکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حجت ہے' جب کوئی آدمی اشتباہ کی صورت میں قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھ لے (تو امام شافعی کے نزدیک دوبارہ پڑھنی ہوگی) اور بعض نے کہا کہ آیتِ کریمہ کا ایک معنی یہ ہے کہ ذکر و فکر اور

دعا وغیرہ کے لیے جدھر چاہو منہ کرلو۔

١١٦- ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ حضرت مسیح ابن مریم اور حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں [ابن عامر شامی نے ''قَالُوْا'' بغیر واؤ کے پڑھا ہے اور واؤ کو اس اعتبار پر ثابت کیا گیا ہے کہ اس قصہ کا ماقبل پر عطف ہے اور حذف اس اعتبار پر کیا گیا ہے کہ یہ ایک نیا اور دوسرا قصہ ہے] ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اللہ اولاد سے پاک ہے اور اس کی تنزیہ بیان کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے منزہ ہے اور اولاد کا ہونا اس کی شان سے بہت بعید ہے۔ ﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی ملکیت میں داخل ہے اور ہر چیز میں حضرت مسیح اور حضرت عزیر داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہیں اور اولاد کا ہونا ملک کے منافی ہے (تو ثابت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد نہیں) ﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ سب اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور ان میں سے کوئی چیز اس کی تکوین و تقدیر سے مانع نہیں اور ''کُلٌّ'' کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز یا ہر وہ چیز جس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیا سب اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں' عبادت گزار ہیں' اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے والے ہیں اور وہ اپنے پجاریوں کے شرکیہ رشتوں کے منکر ہیں جن کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے ''مَا'' لایا جو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے' پھر اس کے ساتھ اپنا قول ''قَانِتُوْنَ'' لایا جو ذوی العقول کے لیے آتا ہے جیسا کہ یہ قول ہے کہ ''سُبْحَانَ مَا سَخَّرَكُنَّ لَنَا. پاک ہے وہ جس نے تمہیں ہمارے لیے مسخر کر دیا'' (تاکہ ثابت ہو جائے کہ ذوی العقول (عقل مند) اور غیر ذوی العقول (بے عقل) سب اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار اور اس کے ملک میں ہیں)۔

١١٧- ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ بغیر کسی سابق مثال کے زمین و آسمان کا اختراع و ایجاد کرنے والا ہے اور ہر وہ شخص جو ایسا کام کرے جس کی پہلے مثال نہ ہو تو اسے کہا جاتا ہے: ''اَبْدَعْتَ. یعنی تو نے بغیر نمونہ چیز ایجاد کر لی'' اور اس لیے اہل السنہ والجماعۃ کی مخالفت کرنے والے کو مبتدع یعنی بدعتی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دین اسلام میں ایسی چیز داخل کر دیتا ہے جس کو اس سے پہلے صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیش نہیں کیا۔ ﴿وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا﴾ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی حکم یا تدبیر کا فیصلہ کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [یہ دونوں ''کان'' تامہ سے ماخوذ ہیں یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے (لہٰذا تخلیق کا تعلق ارادۂ الٰہی کے ساتھ ہے امر ''کُنْ'' کے ساتھ نہیں کیونکہ) یہ (امر ''کُنْ'') سرعتِ تکوین اور امتثالِ امر (یعنی ارادۂ تخلیق ہوتے ہی فوراً وہ چیز ہو جاتی ہے) سے مجاز ہے اور اس لیے ''ثُمَّ'' (یعنی ''فَيَكُوْنُ'' کی بجائے ''ثُمَّ يَكُوْنُ'') نہیں فرمایا] اور اس کا معنی صرف یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے اور اس کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اور کسی وقفہ اور رکاوٹ کے بغیر فوراً وجود میں آ جاتی ہے' جس طرح ایک مامور و مطیع اور فرماں بردار غلام کو حکم دیا جائے تو وہ فوراً بجا لاتا ہے اور وہ نہ دیر لگاتا ہے اور نہ رکتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے اور (اس لیے) اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اولاد ہونے سے اپنی تنزیہ کو مؤکد فرمایا ہے کیونکہ جو ذات اقدس قدرت و اختیار کی اس عظیم صفت کے ساتھ موصوف ہو تو یقیناً اس کی تمام صفات اجسام کی صفات کے مغائر ہوں گی تو اس کے لیے اولاد کا ہونا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے [اور عام قراءت کے مطابق ''فَيَكُوْنُ'' کے آخر میں رفع (پیش) کی وجہ استیناف (الف اور نیا جملہ ہونا) ہے یعنی ''فَهُوَ يَكُوْنُ'' ہے یا اس کو ''يَقُوْلُ'' پر عطف کیا جائے اور قاری ابن عامر شامی نے لفظ ''كُنْ'' کی وجہ سے نصب کے ساتھ ''فَيَكُوْنَ'' پڑھا ہے کیونکہ یہ امر حاضر ہے اور امر کا جواب ''فَا'' کے ساتھ منصوب آتا ہے اور ہم

کہتے ہیں کہ ''کُنْ'' حقیقت میں امر نہیں ہے کیونکہ ''وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَكُوْنُهٗ فَیَكُوْنُ'' کہا جائے (اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کو فوراً پیدا کر دیتا ہے' پس وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے) یا ''فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ'' کہا جائے' ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور جب بات اس طرح ہے تو (''فَیَكُوْنُ'' کے لیے) نصب کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا اور یہ اس لیے کہ اگر لفظِ ''کُنْ'' امر ہو تو پھر یا تو اس کے ساتھ موجود کو ''مُخَاطَب'' کیا جائے گا (یعنی پہلے سے موجود کو) اور موجود کو ''کُنْ'' کے ساتھ ''مُخَاطَب'' نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ جو چیز پہلے موجود ہے اس کو دوبارہ ''کُنْ'' کہنا باطل ہے) یا پھر معدوم کو ''مُخَاطَب'' کیا جائے گا اور معدوم کو بھی ''مُخَاطَب'' نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ خطاب بالمعدوم باطل ہے)۔]

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۹﴾

اور جاہل لوگوں نے کہا: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی (کیوں) نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا جس طرح انہوں نے کہا ہے' ان سب کے دل ایک جیسے ہیں' بے شک ہم نے یقین کرنے والی قوم کے لیے واضح طور پر نشانیاں بیان کر دی ہیں O بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور آپ سے دوزخیوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا O

۱۱۸- ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اس سے مشرکین یا اہل کتاب کے لوگ مراد ہیں' اور ان سے علم کی نفی اس لیے کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا۔ ﴿لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا جس طرح وہ فرشتوں سے کلام کرتا ہے اور جس طرح حضرت موسیٰ سے کلام کیا' ان کا یہ رویہ تکبر و غرور اور بغاوت و سرکشی کی وجہ سے تھا۔ ﴿اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ﴾ انہوں نے یہ مطالبہ محض آیات سے انکار اور ان کی اہانت کی نیت سے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جو آیات ان کے پاس آ چکی تھیں وہ بھی تو آیات ہی تھیں۔ ﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ان کے اور ان سے پہلے لوگوں کے دل جہالت و گمراہی میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مساوی ہو چکے ہیں (اس لیے یہ لوگ اور ان سے پہلے کے لوگ ایک جیسے مطالبے کرتے رہے) ﴿قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾ یعنی ہم نے یہ آیات ایسی قوم کے لیے بیان کی ہیں جو انصاف کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ واقعی یہ آیات الٰہی ہیں اور ان کا اعتراف و اقرار کرنا اور ان پر یقین کرنا اور ان کے غیر کو چھوڑ کو صرف ان پر اکتفاء کرنا واجب و لازم ہے۔

۱۱۹- ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ مسلمانوں کو ثواب کی خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿وَّ نَذِیْرًا﴾ اور کافروں کو عذاب سے ڈرانے والا (بنا کر بھیجا) ﴿وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾ جب آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور کفار کو اسلام کی دعوت دینے میں اپنی پوری جدو جہد صرف کر دی تو اس کے بعد ہم آپ

سے کفار کے متعلق سوال نہیں کریں گے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے [اور یہ جملہ ''نَذِيْرًا''، ''بَشِيْرًا'' اور ''بِالْحَقِّ'' کی طرح حال واقع ہو رہا ہے یعنی آپ سے کفار کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں یہ فعل نہی ''لَا تَسْئَلْ'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کافروں کے عذاب کے بارے میں نہ پوچھ' جیسا کہ تم کسی مصیبت میں مبتلا آدمی کے بارے میں سوال کرتے ہوئے پوچھو: ''كَيْفَ فُلَانٌ''. یعنی فلاں آدمی کیسا ہے تو جواب میں تمہیں کہا جائے گا: ''لَا تَسْئَلْ عَنْهُ'' کہ اس کے متعلق مت پوچھ'' اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کے ساتھ کیا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم کو کافروں کے احوال کے بارے میں سوال کرنے سے منع کر دیا[1]

---

[1] حضور رحمت عالمیاں ﷺ کے آباء و اجداد خصوصاً والدین کریمین کی نجات کے متعلق مکمل تفصیل و تشریح فقیر کی کتاب ''دلائل النجات لاصول سید الکائنات'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر چند ضروری معروضات پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) یہ روایت حدیث کی کسی معتمد و معتبر کتاب میں نہیں ہے' البتہ بعض تفاسیر میں منقطع سند کے ساتھ ذکر کی گئی ہے جو قابلِ حجت اور قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

(۲) اس آیت مبارکہ کا یہ شانِ نزول بیان کرنا غلط ہے کیونکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کی آیات میں یہود کا تذکرہ چلا آ رہا ہے' لہٰذا اس آیتِ کریمہ میں ''اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ'' سے اہل کتاب کے کفار مراد ہیں۔

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے (جس زمانہ میں پیغمبر تشریف نہ لائے اس کو زمانہ فترت کہتے ہیں) کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی اکرم رسول معظم ﷺ تک کے عرصہ میں کوئی پیغمبر تشریف نہیں لایا اور قرآن مجید میں ایک اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک کسی قوم میں نبی تشریف نہ لائے اس وقت تک اس قوم کو عذاب نہیں دیا جائے گا تاکہ وہ قوم قیامت کے دن یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ یا اللہ! اگر ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی نبی' تیری شریعت لے کر آتا تو ہم ایمان لے آتے مگر جب تو نے ہمارے پاس پیغمبر ہی نہیں بھیجا تو عذاب کیوں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا''. (بنی اسرائیل:۱۵) اور ہم (کسی قوم کو) عذاب نہیں دیں گے جب تک (ان کی طرف پہلے) رسول نہ بھیج دیں''۔

(۴) حضور سرور عالم ﷺ کے والدین سے شرک سمیت کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ثابت نہیں ہے بلکہ وہ موحد و پارسا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین حنیف پر کاربند تھے' جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے دینِ حنیف پر قائم تھے' اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل' ورقہ بن نوفل' عبید اللہ بن جحش' عثمان بن حویرث' رباب بن البراء' اسعد ابو کریب حمیری' قس بن ساعدہ ایادی اور ابو قیس بن صرمہ۔

(۵) حضور سید عالم ﷺ کے والدین کریمین کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور دینِ اسلام میں داخل ہو کر خیر الامم امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء میں شامل ہوئے اور شرف صحابیت حاصل کیا۔ امام ابن شاہین' علامہ ابو بکر خطیب بغدادی' علامہ سہیلی' علامہ قرطبی' علامہ محب طبری اور علامہ ناصر الدین بن المنیر وغیرہم کا یہی مسلک ہے۔ (ماخوذ من الحاوی للفتاویٰ ج ۲ رسالہ مسالک الحنفاء ص ۲۰۲ تا ۲۳۳)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

وقف منزل — ع ۱۴

اور آپ سے یہود و نصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی کریں' آپ فرما دیجئے کہ بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور (اے مخاطب!) اگر تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کر لی اس کے بعد کہ تیرے پاس علم آ چکا تو تجھے اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا O جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسے اس کا حق ہے' یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کا انکار کرتے ہیں تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O

۱۲۰- ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ گویا یہود و نصاریٰ نے حضور ﷺ سے کہا کہ اگرچہ آپ ہمیں راضی رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن ہم آپ سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ہمارے دین اور ملت کی پیروی نہیں کرتے' چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ایمان لانے کے خواہش مند تھے اس لیے انہوں نے دین اسلام میں داخل ہونے اور ایمان قبول کرنے سے آپ کو مایوس کرنے کے لیے یہ مطالبہ کیا' چنانچہ اللہ عزوجل نے آپ کو ان کے اس کلام سے آگاہ فرمایا۔ ﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ﴾ یہی وہ ہدایت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرما لیا ہے۔ ﴿هُوَ الْهُدٰى﴾ اس ہدایت سے دین اسلام مراد ہے اور وہی مکمل ہدایت ہے' اس کے علاوہ کہیں ہدایت نہیں ہے اور (اے یہود و نصاریٰ!) جس ملت کی اتباع کی تم دعوت دیتے ہو وہ ہدایت نہیں ہے بلکہ وہ تو صرف خواہشِ نفسانی ہے۔ (اے مخاطب!) کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کو نہیں دیکھتے: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اگر تم نے ان کے اقوال جو سراسر نفسانی خواہشات اور من گھڑت بدعات ہیں' کی پیروی کی ﴿بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ یہ جان لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا دین صرف اسلام ہے یا دین اسلام کے آ جانے کے بعد' جس کی صحت واضح اور روشن براہین و دلائل کے ذریعے معلوم ہو چکی ہے ﴿مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ﴾ تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے (بچانے کے لیے) ﴿مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ کوئی حامی و ناصر اور مددگار نہیں ہوگا۔

۱۲۱- ﴿اَلَّذِيْنَ﴾ [مبتدا ہے۔ ﴿اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ یہ اس کا صلہ ہے] اور اس سے اہل کتاب کے مؤمن مراد ہیں اور کتاب سے مراد تورات یا انجیل ہے یا حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ ﴿يَتْلُوْنَهٗ﴾ [یہ "ھُمْ" ضمیر مقدرہ سے حال واقع ہو رہا ہے] کیونکہ وہ اس کتاب کی تلاوت نزول کے وقت نہیں کرتے تھے۔ ﴿حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی ترتیل' حروف کی ادائیگی' غور و فکر اور تدبر کرنے کے اعتبار سے وہ کتاب کی قراءت اس طرح کرتے ہیں جیسے قراءت کرنے کا حق

ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس کتاب پر عمل کرتے ہیں اور اس کے تمام مضامین پر ایمان رکھتے ہیں اور اس میں حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کی بیان کی گئی نعت وصفت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرتے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ [مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ ہے اور یہ (مبتداء وخبر) جملہ بن کر ''اَلَّذِیْنَ'' کی خبر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''یَتْلُوْنَهٗ'' اس کی خبر ہو اور یہ جملہ اس کی دوسری خبر ہو] ﴿ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ کیونکہ وہ رشد و ہدایت اور ایمان کے عوض میں شرک وکفر اور گمراہی خرید کر نقصان اٹھانے والے ہیں۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور میں نے اس زمانہ کے سب لوگوں پر تمہیں فضیلت بخشی تھی O اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ بدلا نہ دے سکے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو انہوں نے ان (سب) کو پورا کر دیا' اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں' عرض کی: اور میری اولاد سے' رب نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا O

۱۲۲- ﴿ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ ﴾ اے اولادِ یعقوب! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائیں تھیں ﴿ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور میں نے تمہارے زمانے کے تمام جہان والوں پر تمہیں فضیلت و بزرگی دی تھی۔

۱۲۳- ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴾ [''هم'' مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''یُنْصَرُوْنَ'' اس کی خبر ہے اور چاروں جملے ''یَوْمًا'' کی صفت واقع ہو رہے ہیں] یعنی اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی (کافر) کا بدلا نہ بنے گا' اور نہ اس میں فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس میں سفارش کسی (کافر) کو فائدہ دے گی اور نہ اس میں (کافروں کی) مدد کی جائے گی اور بنی اسرائیل کی طرف سے بار بار گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ان دو آیات کو دوبارہ بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا قصہ جس طرح شروع کیا اسی طرح اس کو ختم کیا۔

حضرت ابراہیم کا امتحان' کعبہ کی تعمیر' حضور کی آمد کی دعا اور آپ کی شان

۱۲۴- ﴿ وَاِذِ ﴾ اور یاد کیجئے جب ﴿ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر ونواہی کے ذریعے

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزمایا اور ہماری طرف سے آزمائش تو اپنی کسی نامعلوم چیز کا اظہار ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں اس کی کسی معلوم چیز کا اظہار ہوتا ہے اور آزمائش کا انجام حاضر وغائب سب کے لیے کسی مخفی امر کا اظہار ہوتا ہے' اس لیے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو آزمانا اس بات سے مجاز ہے کہ وہ اپنے بندے کو دو امروں میں سے کسی ایک امر کا اختیار دے کر ظاہر کرتا ہے کہ اس کا یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلتا ہے یا اپنی خواہش کی تکمیل کرتا ہے' گویا اللہ تعالیٰ اس کا امتحان لیتا ہے کہ وہ کیا کرتا ہے تا کہ اس کے مطابق اس کو جزاء و سزا دے۔ [حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''اِبْرٰهِيْمُ رَبُّهٗ'' میں ابراہیم کو مرفوع پڑھا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت بھی یہی ہے] یعنی حضرت ابراہیم نے دعائیہ کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جیسے کوئی امتحان لیتا ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان دعائیہ کلمات کے ساتھ ان کی دعا قبول کرتا ہے یا نہیں ﴿فَاَتَمَّهُنَّ﴾ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کلمات کو صحیح طریقے سے پورا کیا جیسا کہ کسی چیز کو پوری طرح ادا کرنے کا حق ہوتا ہے اور آپ نے ان کو کسی قسم کی کمی وزیادتی کے بغیر اچھی طرح پورا پورا ادا کیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰىٓ. (النجم: ٣٧) اور ابراہیم وہ جو احکامِ الٰہی پوری طرح بجالایا'' اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی کمی کے پورا پورا عطا کر دیا اور اس معنی پر کلمات سے وہ (درج ذیل) دعائیں مراد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے مانگی تھیں (١) ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا. (البقرہ:١٢٦) اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے'' (٢) ''وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ. (البقرہ:١٢٨) اور ہم کو اپنا فرماں بردار رکھ'' (٣) ''وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (البقرہ:١٢٩) اور ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیج دے'' (٤) ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا. (البقرہ:١٢٧) اے ہمارے پروردگار ہماری طرف سے (تعمیرِ کعبہ کی محنت) قبول فرما'' اور مشہور قراءت کے مطابق کلمات سے (دس چیزیں مراد ہیں) پانچ سر میں ہیں: (١) سر میں مانگ نکالنا (٢) مونچھیں پست کرنا (٣) مسواک کرنا (٤) کلی کرنا (٥) ناک میں پانی ڈالنا' اور پانچ باقی جسم میں ہیں: (١) ختنہ کروانا (٢) ناخن کاٹنا (٣) بغل کے بال صاف کرنا (٤) زیر ناف بال مونڈنا (٥) استنجا کرنا' اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شریعتوں کے پورے تیس حصے مراد ہیں دس براءۃ میں ''اَلتَّآئِبُوْنَ'' (التوبہ:١١٢) اور دس احزاب میں ہیں ''اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ'' (الاحزاب:٣٥) اور دس مومنون اور معارج میں ''يُحَافِظُوْنَ'' تک' اور بعض نے کہا کہ کلمات سے مناسکِ حج مراد ہیں۔ ﴿قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں' اور امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی اقتدا کی جائے یعنی لوگ اپنے دینی مسائل میں تمہاری اقتداء و پیروی کریں گے۔ ﴿قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ﴾ حضرت ابراہیم نے عرض کی کہ میری اولاد میں سے بھی امام و پیشوا بنا دیجئے' جس کی پیروی کی جائے۔ آدمی کی ذریت اس کی اولاد کو کہتے ہیں خواہ لڑکے ہوں خواہ لڑکیاں ہوں' اس میں سب یکساں ہیں [اور یہ ''فُعِّيْلَةٌ'' کے وزن پر ہے اور ''ذَرْءٌ'' سے مشتق ہے یعنی مخلوق پھر ہمزہ کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا] ﴿قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ﴾ امام حفص اور حمزہ نے ''یَا'' کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری اولاد میں سے ظالموں یعنی کافروں کو منصبِ امامت نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے (آیت کے اس حصے میں) خبر دی ہے کہ مسلمانوں کی امامت کافروں کے لیے جائز نہیں ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں مسلمان اور کافر دونوں ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ

وَعَلٰی اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ O (الصافات:۱۱۳) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں' اور ان کی اولاد میں سے کوئی نیک کام کرنے والا ہے اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے O'' اور ''مُحْسِنٌ'' سے مومن مراد ہے اور ''ظالم'' سے کافر مراد ہے' معتزلہ نے کہا کہ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ فاسق امامت کا مستحق نہیں' انہوں نے کہا کہ ظالم کو بھلا امامت کے منصب پر کیسے مقرر کیا جا سکتا ہے کیونکہ امام تو ظلم روکنے کے لیے ہوتا ہے' للہذا جب خود ظالم کو امام مقرر کیا جائے گا' تو اس پر یہ مشہور مثال صادق آئے گی کہ جس نے بھیڑیئے کو بکریوں کا چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں ظالم سے مراد کافر ہے کیونکہ وہ مطلق ظالم ہے (جس کا فرد کامل کافر ہے) اور بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ ان کی اولاد بھی نبی ہو جیسے وہ خود ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ ظالم نبی نہیں ہوگا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکزِ ثواب اور امن کی جگہ بنا دیا اور تم مقامِ ابراہیم کو نماز گاہ بنالو O اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے پختہ عہد لیا کہ تم میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اچھی طرح پاک صاف رکھو O اور جب ابراہیم نے عرض کی: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور اس میں رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما جو ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں' رب نے فرمایا: اور جس نے کفر کیا تو میں اس کو بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا' پھر میں اس کو مجبور کر کے جہنم کے عذاب میں مبتلا کر دوں گا' اور وہ لوٹنے کی بُری جگہ ہے O

۱۲۵-﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ ﴾ کعبہ معظمہ اور یہ نام اس پر غالب آ گیا ہے جس طرح ثریا نامی ستاروں پر نجم کا اسم غالب آ گیا ہے۔ ﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے لیے' بار بار لوٹ کر آنے (اور ثواب حاصل کرنے) کا مرکز و مرجع ہے کہ اس مقام سے (لوگ گھروں کو جانے کے لیے) جدا ہوتے ہیں اور پھر اسی مقام کی طرف (حج وعمرہ کے لیے) لوٹ کر آتے رہتے ہیں۔ ﴿ وَاَمْنًا ﴾ اور امن کی جگہ ہے کیونکہ مجرم اسی جگہ میں آ کر پناہ لیتے ہیں تو ان کا تعاقب نہیں کیا جاتا جب تک اس جگہ سے باہر نہ نکل جائیں اور یہ آیت مبارکہ حرم شریف میں پناہ لینے والے کے بارے میں ہماری دلیل ہے۔ ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ﴾ اور ہم نے (حکم دیتے ہوئے) فرمایا کہ اس مقام کو نماز گاہ بنا کر اس میں نماز پڑھا کرو اور حضور سرورِ کونین رسولِ ثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ

مقام ابراہیم ہے، تو حضرت عمر نے عرض کی کہ ہم کیوں نہ اس مقام کو نماز گاہ بنالیں، حضور نے فرمایا: مجھے ابھی اس کا حکم نہیں ملا، چنانچہ اسی روز ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی اور بعض نے کہا: "مُصَلًّى" بہ معنی "مدعٰی" یعنی دعا کرنے کی جگہ ہے اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ومقدس قدموں کے نشان موجود ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پورا حرم شریف مقامِ ابراہیم ہے [اور ابن عامر شامی اور نافع مدنی نے "وَاتَّخَذُوْا" فعل ماضی (جمع مذکر غائب) کے لفظ کے ساتھ "جَعَلْنَا" پر عطف کر کے ("خا" پر فتح) پڑھا ہے] یعنی وہ مقامِ ابراہیم جس پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشان تھے اور آپ اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ (کعبہ کی دیواریں بلند کرنے کے لیے) تلاش کر کے لائے تھے اور اس کے پاس آپ کی اولاد کی رہائش بھی تھی، اس کو لوگوں نے قبلہ بنالیا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ﴾ ہم نے ان کو حکم دیا، ﴿اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ﴾ [امام حفص اور نافع مدنی نے "یا" کو مفتوح پڑھا ہے یعنی "بِاَنْ طَهِّرَا" یا "اَیْ طَهِّرَا" ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرے گھر، کعبہ معظمہ کو بت پرستی اور گندگی اور ہر قسم کی نجاست سے خوب پاک صاف رکھو ﴿لِلطَّآئِفِيْنَ﴾ کعبہ شریف کے ارد گرد گھومنے والوں کے لیے (یعنی کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لیے) ﴿وَالْعٰكِفِيْنَ﴾ کعبہ معظمہ کے پڑوسیوں کے لیے، جو اس کے قریب ٹھہرے ہوئے ہیں یعنی جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کر لی ہے اور وہاں مقیم ہیں جو کبھی وہاں سے جدا نہیں ہوتے یا اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور ایک قول یہ ہے کہ "طَائِفِيْنَ" سے مسافرین مراد ہیں جو مختلف ممالک سے زیارتِ کعبہ کے لیے مکہ معظمہ میں آتے ہیں اور "عَاكِفِيْنَ" سے مکہ مکرمہ کے مقیم لوگ مراد ہیں۔ ﴿وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ اور نمازیوں کے لیے اور "رُكَّعْ" "رَاكِعْ" کی اور "سُجُوْدْ" "سَاجِدْ" کی جمع ہے۔

۱۲۶۔ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اس شہر یا اس جگہ کو بنادے، ﴿بَلَدًا اٰمِنًا﴾ امن والا شہر [یہ "عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ" کی طرح (موصوف صفت) ہے یا اس کا مطلب ہے کہ جو اس شہر میں داخل ہو وہ امن والا ہو جائے جیسے تمہارا یہ قول "لَيْلٌ نَائِمٌ" رات سونے والی ہے (یعنی رات میں سونے والا) لہٰذا اسم اشارہ (هٰذا) مفعول اوّل اور "بَلَدًا" دوسرا مفعول ہے اور "اٰمِنًا" اس کی صفت ہے۔] ﴿وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور اس میں رہنے والوں کو ہر طرح کے پھلوں میں سے رزق عطا فرما، کیونکہ وہاں ان کے لیے پھل نہیں تھے، پھر آپ نے کلام کو بدلتے ہوئے کہا: ﴿مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ﴾ اس میں رہنے والوں میں سے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے۔ یہ کل سے بدل البعض ہے یعنی اس میں رہنے والوں میں سے صرف مسلمانوں کو رزق عطا فرما، آپ نے رزق کو امامت پر قیاس کیا (کہ جس طرح کفار اپنے کفر کی وجہ سے امامت کے اہل نہیں اسی طرح رزق کے بھی اہل نہیں) پس آپ نے رزق کے ساتھ مومنین کو مخصوص کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ میں کافر کو بھی رزق دوں گا، ﴿فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا﴾ پس میں اس کو تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا یا تھوڑے عرصے تک یعنی موت تک اس کو فائدہ دوں گا (کیونکہ دنیا فانی اور چند روزہ ہے، اس میں کافر جتنے فائدے اٹھائے وہ آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلے میں قلیل اور تھوڑے ہیں) [ابن عامر شامی نے "فَاُمْتِعُهٗ" (بغیر تشدید کے مخفف کر کے باب افعال سے) پڑھا ہے۔ ﴿ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ﴾ پھر میں اس کو مجبور کر دوں گا ﴿اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ آگ کے عذاب کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت بری جگہ ہے کہ اس میں جہنم کی آگ کا عذاب ہے، لہٰذا مخصوص بالذم محذوف ہے۔]

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَاۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾

اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں بلند کرنے لگے' (تو اس وقت عرض کرنے لگے:) اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما' بے شک تو سب کی سننے والا بہت جاننے والا ہےO اے ہمارے رب! ہمیں ہمیشہ اپنا فرماں بردار برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنا مسلمان بنا کر رکھنا اور ہمیں حج میں ہماری عبادات کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما' بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا' نہایت مہربان ہےO

۱۲۷-﴿وَاِذْ یَرْفَعُ﴾ ماضی کے حال کی حکایت بیان ہو رہی ہے۔﴿اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ﴾ ''قَوَاعِدُ'' ''قَاعِدَةٌ'' کی جمع ہے جس کا معنی ہے: اساس اور بنیاد اور دراصل دیوار کا ہر جز اپنے مافوق کے اعتبار سے اساس و بنیاد ہوتا ہے اور یہ صفت غالبہ ہے اور اس کا معنی ہے: ثابت وقائم اور بنیادوں کو بلند کرنے کا مطلب ہے: ان بنیادوں پر عمارت تعمیر کرنا کیونکہ جب ان پر عمارت تعمیر کی جاتی ہے تو وہ پستی کی شکل وصورت سے بلندی کی شکل وصورت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور چھوٹی سی دیواروں سے ایک بلند و بالا اور عالی شان عمارت بن جاتی ہے۔﴿مِنَ الْبَیْتِ﴾ بیت اللہ شریف اور وہ کعبہ معظمہ ہے۔﴿وَاِسْمٰعِیْلُ﴾ اس کا ''اِبْـرَاھِیْمُ'' پر عطف ہے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ تعمیر کرتے اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پتھر لا کر آپ کو پکڑاتے ﴿رَبَّنَا﴾ [''اَیْ یَقُوْلَانِ رَبَّنَا. یعنی حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام دونوں کہتے: اے ہمارے رب! (ہم سے قبول فرما)'' اور یہ فعل محلاً منصوب ہے اور حال واقع ہو رہا ہے اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قراءت میں اس فعل کو ظاہر کر کے پڑھا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کرتے ہوئے یہ دعا مانگتے رہے: ''رَبَّنَا'' ﴿تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے قبول فرما' اور اس مقدس گھر کی تعمیر کے سبب ہمیں اپنا مزید قرب عطا فرما۔﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ﴾ بے شک تو ہی ہم سب کی دعائیں سننے والا' ﴿الْعَلِیْمُ﴾ ہماری نیتوں اور ہماری تمام قلبی کیفیتوں کو جاننے والا ہے اور پہلے ''قواعد'' کو مبہم رکھنے اور بعد میں واضح کرنے میں بیت اللہ شریف کی تکریم وتعظیم کا روشن ترین اظہار مقصود ہے۔

۱۲۸-﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ﴾ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا مخلص بنا اور ہم پر اپنی خصوصی توجہ فرما۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ. کہ اس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا'' یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ مخلص بندہ بن گیا یا جیسے کہا جاتا ہے: ''فلاں آدمی فرماں بردار اور تابعدار ہو گیا'' جب وہ عاجزی وانکساری اختیار کر لیتا ہے اور مطیع وفرماں بردار بن جاتا ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تو اپنے لیے ہمیں (پہلے کی طرح آئندہ بھی) اپنا فرمانبردار بنا دے ہمارے اخلاص واطاعت میں اضافہ فرما (تا کہ ہم صرف تیرے مخلص ومطیع بندے بن کر رہیں) ﴿وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ﴾ اور ہماری اولاد میں سے بنا دے' ﴿اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ایک جماعت کو اپنا مسلم ومطیع اور فرماں بردار و مخلص [اور ''مِنْ'' کا حرف تبعیض کے لیے ہے یا بیان کرنے کے لیے ہے] اور بعض نے کہا: اس امت سے امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے اور حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے صرف اپنی اولاد کو دعا کے ساتھ مخصوص فرمایا' تو وہ اس لیے کہ اولاد باقی رہا کہ

ماں باپ کی شفقت ومحبت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم:۶) تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچالو'' ﴿وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ یہ ''رَاٰی'' سے منقول ہے معنی یہ ہے کہ ہمیں دکھایا ہمیں بتا اور اس لیے یہ فعل دو مفعولوں سے تجاوز نہیں کرتا یعنی ہمیں حج میں عبادت کے مقامات دکھا اور ہمیں ان کی پہچان بتا [اور ''مَنَاسِك'' کا واحد ''مَنْسَكٌ'' ہے۔ سین پر فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں اور وہ عبادت کی جگہ کو کہتے ہیں اور اس لیے عابد (عبادت کرنے والے) کو ''نَاسِك'' کہتے ہیں۔ ابن کثیر مکی نے ''اَرْنَا'' (''راء'' کو سکون کے ساتھ) پڑھا ہے (جو دراصل ''اَرْاِنَا'' بروزن ''اَكْفِنَا'' تھا ہمزہ کو حرکت سمیت گرادیا) اس کو انہوں نے ''فَخذ'' پر قیاس کیا ہے اور قاری ابوعمرو کسرہ کو اشمام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔] ﴿وَتُبْ عَلَيْنَا﴾ اور ہم سے (صغائر یا خلاف اولیٰ امور بجالانے کی وجہ سے) جو تقصیر ہوگئی ہو اس کی توبہ قبول فرما' یا انہوں نے اپنی اولاد کی کوتاہیوں کی معافی کے لیے توبہ طلب کی۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

ع ۱۵ ۸ ۱۵

اے ہمارے رب! ان میں ایک عظیم الشان رسول بھیج دے جو انہی میں سے ہو جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو خوب پاک کردے' بے شک تو ہی سب پر غالب (اور تو ہی) سب سے بڑا حکمت والا ہے O اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے گا سوائے اس کے جو دل سے بے وقوف ہو اور بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا تھا اور بے شک وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے O اور جب ان سے ان کے رب نے فرمایا: میری اطاعت پر قائم رہو' تو ابراہیم نے عرض کی کہ میں پروردگار عالم کی اطاعت پر قائم ہوں O

۱۲۹۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ﴾ اے ہمارے رب! مسلمان جماعت میں بھیج دے' ﴿رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ ایک عظیم الشان رسول' جو انہی کی نسل سے ہو' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلم جماعت میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء وعلیہ السلام کو مبعوث فرمایا' خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِيْمَ وَ بُشْرٰی عِيْسٰی وَ رُؤْيَا اُمِّیْ. میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کے خواب کا نظارہ ہوں'' ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ﴾ وہ ان پر تیری آیات پڑھے گا اور تیری طرف سے کی گئی وحی کے مطابق تیری وحدانیت کے دلائل اور تیرے نبیوں اور رسولوں کی صداقت کی تبلیغ فرمائے گا۔ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور وہ رسول ان کو قرآن مجید کی تعلیم دے گا۔ ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور وہ انہیں سنت اور قرآن کے فہم کی تعلیم دے گا۔ ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ اور وہ انہیں شرک وکفر اور باقی تمام نجاستوں سے پاک فرمائے گا۔ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ﴾ بے شک تو ہی غالب ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوگا' ﴿الْحَكِيْمُ﴾ بے شک تو ہی بڑی حکمت والا ہے ان تمام امور میں جن پر تو والی وحاکم ہے۔

۱۳۰-﴿ وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ ﴾ [''مَنْ'' استفہام کا ہے اور انکار کے معنی میں ہے] یعنی اس بات سے انکار کیا جارہا ہے کہ عقل مندوں میں کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین' جو ایک واضح اور روشن حق ہے' سے منہ موڑے گا (یعنی ایسا نہیں ہوسکتا) اور ''مِلَّت'' سنت اور طریقہ کو کہتے ہیں۔ زجاج سے اسی طرح منقول ہے۔ ﴿ اِلَّا مَنۡ ﴾ [محلاً مرفوع ہے اور ''یرغب'' کی ضمیر سے بدل ہے اور یہ بدل صحیح ہے] کیونکہ بغیر کسی سبب کے کون منہ پھیرے گا جیسے تمہارا یہ قول کہ ''هَلْ جَاءَ كَ اَحَدٌ اِلَّا زَيْدٌ''. ''کیا تمہارے پاس کوئی آیا ہے سوائے زید کے'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت سے منہ نہیں پھیرے گا مگر وہ شخص جو ﴿ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ﴾ دل سے جاہل ہو یعنی دل میں غور وفکر نہ کرے [اور ''سَفِهَ'' کو ''جَهِلَ'' کی جگہ رکھا گیا ہے اور ''جَهِلَ'' کی طرح اس کو متعدی لایا گیا ہے یا اس کا معنی ہے: ''سَفِهَ فِیْ نَفْسِهٖ'' پھر حرف ''فِیْ'' کو حذف کردیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ'' (الاعراف:۱۵۵) میں حرف ''مِنْ'' کو حذف کردیا گیا ہے کیونکہ اصل میں ''مِنْ قَوْمِهٖ'' ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ'' (البقرہ:۲۳۵) دراصل ''عَلٰى عُقْدَةِ النِّكَاحِ'' ہے (اور حرف علیٰ محذوف ہے) اور ''نَفْسَهٗ'' میں زجاج سے دو وجہیں منقول ہیں اور فراء نے کہا: یہ تمیز کی بناء پر منصوب ہے اور یہ ضعیف قول ہے کیونکہ ''نَفْسَهٗ'' معرفہ ہے۔] ﴿ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِی الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں منتخب فرمالیا ہے اور وہ آخرت میں نیکوں میں سے انھیں گے اور آیت مبارکہ کو ان لوگوں کی رائے کی خطا کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے جو آپ کے دین سے منہ پھیرتے ہیں کیونکہ کوئی شخص آپ کے طریقے اور دین سے منہ پھیر کر سعادتِ دارین اور کرامت دارین جمع نہیں کرسکتا۔

۱۳۱-﴿ اِذۡ قَالَ ﴾ [''اِذْ'' ''اِصْطَفَيْنَا'' کا ظرف ہے یا ''اُذْكُرْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ جس صالح اور نیک ہستی کو منتخب کیا گیا ہے اس جیسی شخصیت کی ملت سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔ ﴿ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ﴾ (جب) حضرت ابراہیم سے ان کے رب تعالیٰ نے فرمایا: اطاعت گزار و فرمانبردار ہو جاؤ اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرلو۔ ﴿ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں نے اپنا دین تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے خالص کردیا ہے اور میں اسی کا مطیع اور فرمانبردار ہو چکا ہوں۔

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡـتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ؕ﴿۱۳۲﴾ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَـكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـئَلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لیے پسند کرلیا ہے' پس تم مرتے دم تک مسلمان رہناO کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا' ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی' ایک معبود کی اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیںO وہ ایک امت ہے جو گزر چکی' اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق نہیں پوچھا جائے گاO

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کی وصیت

۱۳۲- ﴿وَوَصّٰى﴾ [قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی نے ''وَاَوْصٰى'' پڑھا ہے۔ ﴿بِهَآ﴾ ملت یا کلمہ کے ساتھ وصیت کی اور وہ کلمہ ''اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' ہے۔ ﴿اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ﴾ یہ (یعقوب) ابراہیم پر معطوف ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے بھی اسی ملت کی اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔] ﴿يٰبَنِيَّ﴾ یہاں ''قول'' محذوف ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ دین عطا کیا ہے جو تمام ادیان سے زیادہ پسندیدہ دین ہے اور وہ دین اسلام ہے اور اس نے تمہیں اس دین کو اپنانے کی توفیق بخشی۔ ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس تم پر موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر ثابت وقائم ہو' پس حقیقت میں حالتِ اسلام کے خلاف موت واقع ہونے سے نہی کی گئی ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''لَا تُصَلِّ اِلَّا وَاَنْتَ خَاشِعٌ. تو نماز ادا نہ کر مگر اس حال میں کہ تو عاجزی کرنے والا ہو' تو اس میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ نماز میں عجز وتواضع ترک کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۳۳- ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾ [''اَمْ'' منقطعہ ہے اور اس میں ہمزہ انکار کے معنی میں ہے' اور ''شُهَدَآءَ'' شہید کی جمع ہے اور حاضر کے معنی میں ہے یعنی تم اس وقت حاضر نہیں تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت حاضر ہوئی یعنی موت کا وقت قریب آ گیا اور یہ خطاب مومنوں کو ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس وقت موجود نہیں تھے اور تمہیں اس کا علم وحی کے ذریعے ہوا ہے' یا پھر حرف ''اَمْ'' متصلہ ہے اور اس سے پہلے مقدر محذوف ہوگا] اور یہ خطاب یہود کو ہوگا کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فوت نہیں ہوا مگر یہودیت پر' گویا کہا گیا ہے کہ کیا تم انبیائے کرام کے بارے میں یہودیت کا دعویٰ کرتے ہو؟ کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت واقع ہوئی ﴿اِذْ قَالَ﴾ [یہ پہلے ''اِذْ'' سے بدل ہے اور ان دونوں میں عامل ''شُهَدَآء'' ہے یا یہ ''حَضَرَ'' کا ظرف ہے۔ ﴿لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ حرف ''مَا'' استفہام کے لیے ہے اور ''تَعْبُدُوْنَ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یعنی حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرو گے؟ اور ''مَا'' ہر چیز کے لیے عام ہے یا اس کے ساتھ معبود کی صفت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے' جیسے تم کہتے ہو: ''مَا زَيْدٌ''. یعنی زید کیا ہے؟ تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آیا زید فقیہ (ماہر عالم) ہے یا حکیم ڈاکٹر ہے۔ ﴿مِنْۢ بَعْدِيْ﴾ یعنی میری موت کے بعد' ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ﴾ انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا کے معبود کی' یہاں ''اِلٰهَ'' کے ذکر کا اعادہ کیا گیا ہے تاکہ بغیر اعادہ حرف جار کے مجرور کی ضمیر پر عطف لازم نہ آ جائے۔ ﴿اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ یہ اسماء مبارکہ ''اٰبَآئِكَ'' کے لیے عطفِ بیان ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ''اٰبَآء'' میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ وہ آپ کے چچا ہیں کیونکہ چچا بھی باپ ہوتا ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا: یہ میرے باپ دادا

کے قائم مقام ہیں۔ ﴿اِلٰـهًا وَّاحِدًا﴾ [''اِلٰهَ اٰبَآئِكَ'' سے بدل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بِالنَّاصِيَةِO نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ''. (العلق:۱۵۔۱۶)'' (ہم ضرور پکڑیں گے) پیشانی سےO جھوٹی پیشانی'' یا اختصاص کی بناء پر منصوب ہے یعنی ہم آپ کے باپ دادا کے معبود سے صرف ایک معبود کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ﴿وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں' یہ جملہ ''نَعْبُدُ'' کے فاعل سے حال ہے یا ''نَعْبُدُ'' پر جملہ معطوفہ ہے یا پھر یہ جملہ معترضہ ہے اور صرف تاکید کے لیے آیا ہے]۔

۱۳۴- ﴿تِلْكَ﴾ امت مذکورہ بالا کی طرف اشارہ ہے یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام اور ان کی توحید پرست اولاد مراد ہے۔ ﴿اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ وہ امت گزر چکی۔ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ کسی کو غیر کا عمل فائدہ نہیں دے گا (جب تک وہ خود موحد و مسلم نہ ہو) خواہ وہ پہلے کا ہو خواہ بعد کا ہو' پس ان کو ان کی اپنی کمائی فائدہ دے گی اور اسی طرح تمہیں تمہاری کمائی فائدہ دے گی اور یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ (یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہنے کے باوجود) اپنے آباء و اجداد پر فخر و غرور کرتے تھے۔ ﴿وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے تم پر گرفت نہیں کی جائے گی۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور اہل کتاب نے کہا: یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پا لو گے' تم فرما دو: بلکہ ہم تو ابراہیم کے دین پر ہیں جو ہر باطل سے الگ تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھےO (مسلمانو!) تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو موسیٰ و عیسیٰ کو عنایت کیا گیا اور اس پر جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا' ہم (ایمان لانے میں) ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے' اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیںO

۱۳۵- ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ یہود نے کہا: تم یہودی بن جاؤ اور عیسائیوں نے کہا: تم عیسائی بن جاؤ ﴿تَهْتَدُوْا﴾ تم ہدایت پا جاؤ گے' اس پر جزم اس لیے آئی ہے کہ یہ امر کا جواب ہے۔ ﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ﴾ تم فرما دو کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے پیروکار ہیں۔ ﴿حَنِيْفًا﴾ [یہ مضاف الیہ (ابراہیم) سے حال واقع ہو رہا ہے جیسے ''رَاَيْتُ وَجْهَ هِنْدٍ قَائِمَةً. میں نے ہند کا چہرہ دیکھا دراں حالیکہ وہ کھڑی تھی''] اور ''حنیف'' اس کو کہتے ہیں جو تمام باطل ادیان سے منہ پھیر کر صرف دینِ حق کو اپنانے والا ہو۔ ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہیں تھے اور یہ جملہ اہل کتاب وغیرہ پر تعریض و تنقید کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر

ایک شرک کرنے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کا دعویٰ کرتا تھا۔

۱۳۶- ﴿قُوْلُوْٓا﴾ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے یا پھر کافروں کو ہے یعنی تم یہ کہو تا کہ تم حق پر ہو جاؤ ورنہ تم باطل پر رہو گے' ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لے آئے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید' ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں جو ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا تھا (''اسباط'' کا واحد ''سبط'' ہے اور) ''سبط'' پوتے کو کہتے ہیں اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سبط رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہاں اسباط سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اور آپ کے بارہ بیٹوں کی اولاد مراد ہے اور ''اُنْزِلَ'' ''اِلٰى'' اور ''عَلٰى'' دونوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس لیے یہاں ''اِلٰى'' کے ساتھ اور سورۂ آل عمران میں علیٰ کے ساتھ متعدی وارد ہوا ہے۔] ﴿وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ وہ اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں جو موسیٰ وعیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا' ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے یعنی صرف بعض پر ایمان نہیں رکھتے (بلکہ تمام نبیوں و رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں) اور ہم نہ بعض کا انکار کرتے ہیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے کیا (کہ بعض نبیوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا) اور ''اَحَدٍ'' جماعت کے معنی میں ہے' لہٰذا اس پر ''بَيْنَ'' کا داخل کرنا صحیح ہے۔ ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

پھر اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ لوگ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو وہ محض ضد میں ہیں' پس تمہیں ان کی طرف سے اللہ کفایت کرے گا اور وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے O ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہوگا اور ہم اسی کے عبادت گزار ہیں O تم فرما دو کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں اور ہم اس کے ساتھ مخلص ہیں O

۱۳۷- ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ اس آیت مبارکہ کا ظاہر مشکل ہے کیونکہ یہ تو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مثل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا اور پاک ہے [پس اس لیے بعض نے کہا کہ ''با'' حرف زائدہ ہے اور ''مثل'' مصدر محذوف کی صفت ہے' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا مِّثْلَ اِيْمَانِكُمْ''۔ اگر وہ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو (تو یقیناً وہ ہدایت پا جائیں گے)'' اور ''بِهٖ'' میں ''ها'' ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور با کا زائدہ ہونا کوئی نادر الوقوع نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ

سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا. (یونس:۲۷)اور جن لوگوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلا اسی جیسا ہے" اور تقدیر عبارت یوں ہے:" جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ مِّثْلُھَا" جیسا کہ دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:" وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا. (الشوریٰ:۴۰)اور برائی کا بدلا اسی کی مثل برائی ہے" اور بعض نے کہا: مثل کا لفظ بھی زائد ہے یعنی" فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ. پس اگر وہ اس پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو (تو ہدایت پالیں گے)" اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت" بِمَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ" اس کی تائید کرتی ہے اور" مَا"" اَلَّذِیْ" کے معنی میں ہے۔اس کی دلیل حضرت ابی کی" بِالَّذِیْ اٰمَنْتُمْ بِہٖ" والی قراءت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ" با" استعانت کے لیے ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے" کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ. میں نے قلم کی مدد سے لکھا" یعنی اگر وہ ایمان میں ایسی گواہی کے ذریعے داخل ہو جائیں جو تمہاری گواہی جیسی ہو جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو (تو ہدایت پالیں گے)۔] ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور تم ان سے جو کہتے ہو اگر وہ اس سے منہ پھیر لیں اور انصاف سے کام نہ لیں یا اگر وہ گواہی دینے اور اس کے ذریعے ایمان میں داخل ہونے سے منہ پھیر لیں' ﴿فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ تو وہ صرف مخالفت وعداوت میں پڑے ہوئے ہیں اور حق کے طلب گاروں میں سے بالکل نہیں ہیں۔﴿فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ﴾ تو اے محبوب! اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلہ میں ضرور تمہاری کفایت کرے گا' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ اس کا مکرم و معظم رسول اہل کتاب پر ضرور غالب آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا کہ ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا اور بعض کو جلا وطن کر دیا گیا اور اس میں سین کا معنی یہ ہے کہ یہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اگرچہ ایک وقت تک مؤخر ہو۔﴿وَھُوَ السَّمِیْعُ﴾ اور وہ ان کی تمام باتوں کو سننے والا ہے اور ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہ ان کے تمام بغض و کینے' جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں' جاننے والا ہے' پس وہ ان کو ضرور سزا دے گا اور یہ ان کے لیے وعید ہے یا اپنے رسول ﷺ کے لیے وعدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو سنتا ہے اور آپ کی نیت کو جانتا ہے اور دینِ حق کے اظہار وغلبہ کے لیے آپ کے ارادوں کو وہ جانتا ہے اور وہ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے گا اور آپ کو آپ کی مراد تک پہنچائے گا۔

۱۳۸۔﴿صِبْغَۃَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کا دین [اور یہ مصدر مؤکد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد" اٰمَنَّا بِاللّٰہِ" کی وجہ سے منصوب ہے (یعنی ہم اللہ کے دین پر ایمان لے آئے ہیں) اور یہ" فِعْلَۃٌ" کے وزن پر ہے اور" صَبَغَ" سے ماخوذ ہے جیسے" جِلْسَۃٌ"" جَلَسَ" سے مشتق ہے اور" صِبْغَۃٌ" اس حالت و کیفیت کا نام ہے جس پر رنگ چڑھتا ہے اور اس کا معنی ہے:" تَطْھِیْرُ اللّٰہِ. اللہ تعالیٰ کا کسی کو خوب پاک کرنا" کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا دلوں کو پاک کر دیتا ہے اور اس میں اصل بات یہ ہے کہ نصرانی اپنی اولاد کو زرد رنگ کے پانی میں غوطہ دیتے تھے جس کو وہ معمودیہ کا نام دیتے اور کہتے: یہ رنگ ان کو پاک کر دیتا ہے' چنانچہ جب ان میں سے کوئی شخص اپنے بچے کے ساتھ ایسا کرتا تو وہ کہتا: اب یہ بچہ پکا سچا نصرانی ہو گیا ہے' اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان سے کہہ دیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کی برکت سے ہم پر توحید کا رنگ چڑھا دیا ہے اور اب ہمیں اپنے آپ کو تمہارے رنگ میں رنگنے کی ضرورت نہیں ہے اور" صِبْغَۃ" کا لفظ صرف مشاکلت و مشابہت کے لیے لایا گیا ہے جیسے تمہارا اس آدمی سے کہنا جو درخت لگا رہا ہو کہ" درخت لگاؤ جیسے فلاں شخص لگاتا ہے" آدمی سے مراد تمہاری وہ شخص ہو جو انگور کے پودے لگاتا ہے۔] ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً﴾ یہ تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کسی کا رنگ بہتر نہیں ہے کیونکہ اللہ کے رنگ سے مراد دینِ اسلام ہے یا کفر وشرک سے پاک کرنا مراد ہے۔﴿وَّنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ﴾ [" اٰمَنَّا بِاللّٰہِ" پر عطف ہے اور یہ عطف دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد:" صِبْغَۃَ اللّٰہِ"" قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا" کے مفعول میں داخل ہے یعنی تم کہو یہ اور یہ" وَنَحْنُ لَہٗ عَابِدُوْنَ. اور ہم صرف اس کی عبادت کرنے

والے ہیں'' اور مصنف علیہ الرحمۃ اس کے قول کی تردید کرتے ہیں جس نے یہ خیال کیا کہ ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' ''مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ'' سے بدل ہے یا ایسے فعل مقدر سے منصوب ہے جس کا اضمار واجب ہے' اس کا معنیٰ ''عَلَیْکُمْ صِبْغَةَ اللّٰهِ'' ہے کہ تم پر اللہ کا رنگ (یعنی دین اسلام) لازم ہو'اس (تردید) کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نظم میں خلل اور افتراق و فاصلہ لازم آ جائے گا اور کلام الٰہی اپنے اتفاق و اتحاد اور نظم و ضبط سے خارج ہو جائے گا اور اس کا اس بناء پر منصوب ہونا کہ یہ مصدر مؤکد ہے یہ وہ قول ہے جس کو سیبویہ نے ذکر کیا ہے اور یہ قول وہ ہے جو حذام نے کہا ہے۔]

۱۳۹- ﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کی شان میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ اور اس بات میں تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چھوڑ کر عرب سے نبی منتخب کر لیا اور تم کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر وحی نازل کرتا تو ہم پر نازل کرتا اور تم اپنے آپ کو ہم سے زیادہ نبوت کا حق دار سمجھتے ہو۔ ﴿وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ ہم سب اس بات میں مشترک ہیں کہ یقیناً ہم سب اسی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور وہی ہم سب کا رب ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت و کرامت عطا فرما دیتا ہے۔ ﴿وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ بے شک امر کی بنیاد ہی عمل ہے اور جس طرح تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں سو اسی طرح ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں۔ ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ ہم اسی کے موحد بندے ہیں اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو اور مخلص بندہ غیر کی نسبت کرامت اور نبوت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے' تم فرما دو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی اس گواہی کو چھپائے جو اس کے پاس (امانت) تھی اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے O وہ ایک امت ہے جو گزر چکی' اس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہی ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا O

۱۴۰- ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ﴾ [ابن عامر شامی اور ابو بکر کے علاوہ کوفی نے ''تَا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور حرف ''اَمْ'' اس قراءت پر ''اَتُحَآجُّوْنَنَا'' میں ہمزہ کے برابر ہے یعنی دو امروں میں سے کونسا امر پسند کرتے ہو' اللہ تعالیٰ کے حکم میں جھگڑا کرنا یا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہودیت و نصرانیت کا دعویٰ کرنا' یا پھر حرف ''اَمْ'' منقطعہ ہے یعنی بلکہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ (حضرات ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے) ان (مذکورہ بالا قاریوں) کے علاوہ دوسروں نے ''یَقُوْلُوْنَ'' ''یَا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور اس قراءت پر ہمزہ صرف منقطعہ ہوگا۔] ﴿اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے اپنے نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیا ہے کہ آپ ان کا رد کرتے ہوئے ان پر سوال کریں: ﴿قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تو ان کے حق میں ملت اسلام کی گواہی دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O (آل عمران:٦٧) ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ موحد و مسلم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے''۔ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو چھپایا جو اس کے پاس تھی جس گواہی کو ادا کرنا اس پر لازم و واجب تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں توحید کی گواہی دینی تھی کہ آپ نے تمام باطل ادیان سے منہ پھیر کر صرف عقیدہ توحید کو اختیار فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر اس گواہی کو چھپایا' یا یہ معنی ہے کہ اگر ہم اس گواہی کو چھپاتے تو ہم سے بڑھ کر کوئی ظالم نہ ہوتا' اس لیے ہم اس گواہی کو نہیں چھپاتے اور اس میں اہل کتاب پر طعن ہے کہ انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی گواہی کو چھپایا جو ان کی کتب میں اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور آپ کے حق میں باقی گواہیوں کو چھپایا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِنَ اللّٰهِ'' میں حرف ''مِنْ'' کی مثال تمہارے اس قول میں موجود ہے کہ ''هٰذِهٖ شَهَادَةٌ مِّنِّيْ لِفُلَانٍ'' جب تم اس فلاں آدمی کے لیے گواہی دو کہ اس کے لیے یہ صفت ہے۔ ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ رسولوں کو جھٹلانے اور گواہی کو چھپانے اور تمہارے (دیگر) اعمال سے غافل نہیں ہے۔

١٤١- ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس آیت مبارکہ کو دوبارہ صرف تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے یا اس وجہ سے کہ پہلی آیت مبارکہ سے انبیائے کرام علیہم السلام مراد ہیں اور اس دوسری آیت مبارکہ سے یہود و نصاریٰ کے اسلاف و اکابر مراد ہیں۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾

عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے' تم فرما دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے' جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف چلاتا ہے O اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر گواہ ہو جائیں O اور (اے محبوب!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے' ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا مگر صرف اس لیے کہ جو اس رسول کی پیروی کرتا ہے اس کو ہم ممتاز کر دیں' اس شخص سے جو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے' اور بے شک یہ (قبلہ کی تبدیلی) بھاری تھی مگر ان پر (نہیں) جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارے ایمان

کو برباد کردے' بے شک اللہ لوگوں پر بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے O

تحویلِ قبلہ کا بیان

۱۴۲- ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ﴾ کم عقل لوگ' دراصل ''سَفَهٌ'' کا معنی ہے: کم عقل اور بے وقوف ہونا اور اس سے مراد یہود ہیں کیونکہ یہ لوگ کعبہ معظمہ کی طرف متوجہ ہونے کو ناپسند کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ نسخ کو جائز نہیں سمجھتے تھے یا اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں پر طعن و تشنیع کرنے اور استہزاء و مذاق اڑانے کے بڑے حریص تھے یا پھر اس سے مشرکین مراد ہیں کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ وہ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) پہلے اپنے آبائی قبلہ کعبہ شریف سے رخ موڑ کر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے' پھر اب اس سے رخ موڑ کر کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کرلیا ہے بس اب اللہ کی قسم! یہ اپنی قوم کے دین کی طرف بھی ضرور لوٹ آئیں گے اور ان کے اعتراض کے بارے میں وقوعہ سے پہلے اطلاع دینے میں یہ فائدہ ہے کہ آپ کے قلبِ اطہر کو تسلی و تشفی ہو جائے کیونکہ اچانک تکلیف دہ اور ناپسندیدہ خبر شدید کرب و اضطراب اور انتہائی دکھ کا باعث بنتی ہے اور ضرورت سے پہلے جواب کا تیار رکھنا اور اس کا اظہار کرنا دشمن کو رسوا کرنے کے لیے زیادہ مؤثر ہوتا ہے' چنانچہ تیراندازی سے پہلے تیر تیار اور جمع کیے جاتے ہیں۔ ﴿مَا وَلّٰهُمْ﴾ ان کو کس نے پھیر دیا ﴿عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ اس سے ان کی مراد بیت المقدس ہے اور ''قبلہ'' اس سمت کو کہتے ہیں جس کی طرف انسان نماز میں منہ کرتا ہے کیونکہ اس وقت نمازی قبلہ کے مقابل ہوتا ہے۔ ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ مشرق کے ممالک اور مغرب کے ممالک اور تمام روئے زمین اسی کی ملکیت میں ہیں۔ ﴿يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ روئے زمین پر رہنے والوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھی راہ کی طرف' یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو قبلۂ حق کی طرف ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور وہ کعبہ معظمہ ہے جس کی طرف اس نے منہ کرنے کا ہمیں حکم دے رکھا ہے یا تمام مقامات اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں' جس کی طرف وہ چاہتا ہے منہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے' چنانچہ کبھی کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیتا ہے اور کبھی بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیتا ہے' اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ وہی سب مقامات کا اکیلا مالک ہے۔

۱۴۳- ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ﴾ اور اس عجیب و غریب فعل (یعنی بیت المقدس کی بجائے افضل ترین قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ کرنے) کی طرح ہم نے تمہیں (بہترین و افضل ترین امت) بنایا ہے [اور کاف تشبیہ کے لیے ہے اور ''ذاء'' حرفِ جر ہے جو کاف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور لام اشارہ قریب اور اشارہ بعید میں فرق بیان کرنے کے لیے آتا ہے اور کاف (ک) خطاب کے لیے ہے' اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے۔] ﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ بہترین امت اور بعض نے کہا ہے کہ وسط بہترین ہوتا ہے کیونکہ اطراف میں جلد خلل واقع ہو جاتا ہے اور درمیان کی چیزیں ہر طرف سے محفوظ ہوتی ہیں یعنی جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو بہترین قبلہ بنایا ہے اسی طرح ہم نے تمہیں تمام امتوں میں بہترین امت بنایا ہے یا یہ مطلب ہے کہ معتدل و میانہ رو امت' کیونکہ وسط اپنے اطراف کے درمیان میں ہوتا ہے' بعض سے بعض کی طرف زیادہ قریب نہیں ہوتا یعنی جس طرح ہم نے تمہارے قبلے کو مشرق و مغرب کے درمیان متوسط بنایا ہے اسی طرح ہم نے تمہیں افراط و تفریط کے درمیان معتدل امت بنایا ہے کیونکہ تم نہ تو عیسائیوں کی طرح غلو کرتے ہو کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کے ساتھ متصف قرار دیا اور نہ قوم یہود کی طرح انتہاء پسند ہو کہ انہوں نے پاک مریم بی بی پر زنا کی تہمت لگائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا قرار دیا (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)۔ ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ﴾ تاکہ تم گواہ ہو جاؤ۔

"شُهَدَآءَ" الفِ تانیث آ جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ لوگوں پر۔ یہ "شُهَدَآءَ" کا صلہ ہے ﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ "لِتَكُوْنُوْا" پر عطف ہے۔ مروی ہے کہ قیامت کے دن سابقہ امتیں اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی تو اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام سے مطالبہ کرے گا کہ اس کا جواب دیں کہ انہوں نے اپنی امتوں کو یقیناً تبلیغ کی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے (چنانچہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا جواب دیں گے اور بتائیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی مگر کافروں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ماننے سے انکار کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اپنی صفائی میں گواہ پیش کرو تو انبیائے کرام عرض کریں گے کہ امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء ہماری گواہ ہے) پھر اس امت مسلمہ کو پیش کیا جائے گا اور یہ امت انبیائے کرام کے حق میں گواہی دے گی تو سابقہ امتیں کہیں گی کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ یہ جواب میں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبی پر اپنی کتابِ ناطق (قرآن مجید) نازل کی جس میں اس کے بتانے سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا' پھر سیّد الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں پوچھا جائے گا' آپ ان کا تزکیہ کرتے ہوئے ان کی تصدیق و تائید فرمائیں گے اور ان کی عدالت و صداقت کی گواہی دیں گے اور گواہی کبھی بغیر مشاہدہ کے ہوتی ہے جیسے مشہور و معروف اشیاء کے بارے میں ایک دوسرے سے سن کر گواہی دی جاتی ہے (جیسے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تمام عالم اسلام کے مسلمان گواہی دیتے ہیں مگر سب نے نہیں دیکھا اور اسی طرح دوسرے ممالک کے مشہور و معروف شہر ہیں) اور جب "شَهِيْدٌ" "رَقِيْبٌ" کے معنی میں ہو تو اس کو کلمہ استعلاء (حرفِ علیٰ) کے ساتھ لایا جاتا ہے[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ. (المائدہ:۱۱۷) (اے اللہ!)

---

[1] رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی کی شان

جیسے یہاں آیت مبارکہ میں "وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" فرمایا گیا ہے' لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوا کہ یہ رسول تم پر نگہبان ہیں اور تمہارے احوال و اعمال سے آگاہ رہتے ہیں اس لیے تمہارے حق میں گواہی دیں گے' چنانچہ امام ابوبکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ حدیث نقل کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَيَّ اَعْمَالُ اُمَّتِيْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِيْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُ فِيْ مَسَاوِيْ اَعْمَالِهَا النُّخَامَةَ تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيْحِ. (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۱' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

مجھ پر میری امت کے اچھے اور بُرے تمام اعمال پیش کیے گئے تو میں نے نیک اعمال میں دیکھا کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے دور کیا جاتا ہے اور میں نے ان کے بُرے اعمال میں دیکھا کہ ناک کی رینٹ کو مسجد میں ڈال دیا گیا اور اس کو دفن نہیں کیا گیا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں روایت کیا ہے۔

(۲) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَاُحَدِّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ فَمَا رَاَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُّ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَمَا رَاَيْتُ مِنْ شَرٍّ اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ. (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴' تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۱' کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۷' ج ۱۲ ص ۴۲۱' الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۲۹' مطبوعہ

میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے' تم مجھ سے (حلال و حرام کے بارے میں) باتیں پوچھتے ہو اور میں تمہیں (بذریعہ وحی) احکام بیان کرتا ہوں اور میری وفات بھی تمہارے حق میں بہتر ہے' تمہارے تمام اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے رہیں گے اور میں نیک اعمال کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)۔

تو ہی ان پر نگہبان و محافظ تھا'' اور بعض نے کہا کہ (اس کا مطلب یہ ہے کہ اے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تاکہ تم لوگوں پر دنیا میں ان تمام معاملات میں گواہ بن جاؤ جن میں عادل و نیک لوگوں کے بغیر گواہی صحیح اور قابل قبول نہیں اور یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں کہ تمہاری صفائی پیش کریں اور تمہاری عدالت وصداقت کا اعلان کر دیں اور علامہ الشیخ ابومنصور رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عدالت کے ساتھ متصف فرمایا ہے اور گواہی کا استحقاق اور اس کی قبولیت عدل ہی کی وجہ سے ہوتی ہے' لہٰذا اس امت کے (اہلِ علم) افراد جب کسی چیز پر متفق ہو جائیں اور اس کے حق میں گواہی دے دیں تو اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہو جائے گا اور پہلے شہادت کا صلہ مؤخر بیان کیا گیا ہے جب کہ دوسری دفعہ مقدم بیان کیا گیا ہے۔ اس کی دراصل وجہ یہ ہے کہ پہلی شہادت میں سابقہ امتوں پر اس امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گواہی کا اثبات مقصود ہے اور دوسری میں اس امت کے اختصاص کا ذکر کیا گیا ہے کہ صرف ان کے حق میں سیّد الانبیاء رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء گواہی دیں گے ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا﴾ ہم نے اس سمت کو قبلہ نہیں بنایا جس پر آپ تھے اور وہ کعبہ معظمہ' پس ''اَلَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا'' قبلہ کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ ''جَعَلَ'' (یعنی ''جَعَلْنَا'') کا مفعولِ ثانی ہے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے' پھر ہجرت کے بعد آپ کو یہود کی دل جوئی کی خاطر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا' پھر (سترہ ماہ بعد) آپ کو کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا گیا ﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ جس قبلہ کو آپ پسند کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ میں پہلے جس طرف آپ منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اس کو ہم نے قبلہ صرف لوگوں کو آزمانے اور ان کا امتحان لینے کے لیے بنایا ہے تاکہ ہم صادق الاسلام اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو ان لوگوں سے ممتاز و ظاہر کر دیں جو تحویلِ قبلہ کے وقت شک وشبہ اور تردد کی بناء پر دین اسلام سے مرتد ہو کر الٹے پاؤں واپس (کفر کی طرف) مڑ جاتے ہیں۔ شیخ العالم حضرت ابومنصور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''لِنَعْلَمَ'' کا معنی یہ ہے: تاکہ ہم جان لیں کہ یہ چیز ہو چکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

دار الکتب العلمیہ بیروت' سیرتِ رسول عربی ص ۴۳۵)

کروں گا اور بُرے اعمال کو دیکھ کر تمہارے لیے مغفرت کی دعا کیا کروں گا۔

علاوہ ازیں اس آیت مبارکہ کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''تفسیر فتح العزیز'' المعروف بہ ''تفسیر عزیزی'' میں لکھتے ہیں:

باشد رسولِ شما برشما گواہ زیر انکہ او مطلع است بنور نبوت بررتبۂ ہرمتدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ دردینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمانِ او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس اومے شناسد گناھانِ شمارا و درجاتِ ایمانِ شمارا و اعمالِ نیک وبدِ شمارا و اخلاص و نفاقِ شمارا۔

تمہارا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ نورِ نبوت کے ذریعے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ سے آگاہ ہیں کہ وہ میرے دین میں کس درجہ میں پہنچ چکا ہے؟ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کونسا پردہ ہے جس کی وجہ سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے؟ چنانچہ وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں اور تمہارے ایمان کے درجوں کو اور تمہارے نیک و بد تمام اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔

(فتح العزیز پارہ دوم سورۃ البقرہ آیت: ۱۴۳ ص ۵۱۸ 'مطبوعہ افغانی دار الکتب لال کنواں' دہلی)

اور موجود ہوگئی ہے جس کے متعلق ہم پہلے یہ جانتے تھے کہ یہ ہو جائے گی اور وجود میں آئے گی' پس ہر وہ چیز جس کے وجود کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اس کو ازل سے جانتا ہے کہ یہ چیز اس وقت موجود ہوگی جس وقت وہ خود اس کے وجود کا ارادہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس طرح متصف نہیں ہوتا کہ ازل میں اس کا علم یہ ہو کہ یہ چیز موجود ہو چکی ہے کیونکہ یہ چیز ازل میں موجود نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا علم اس کے ساتھ کس طرح متعلق ہوگا کہ یہ چیز موجود ہو چکی ہے۔ ہاں البتہ جب یہ چیز موجود ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں داخل ہو جائے گی' پس اب یہ چیز موجود ہو چکی ہے' کے اعتبار سے اس کا معلوم بنے گی' لہٰذا تغیر وتبدل معلوم میں ہوتا ہے علم میں نہیں یا پھر اس کا معنی یہ ہے: تاکہ ہم پیروی کرنے والوں کو پھر جانے والوں سے ممتاز کر دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ. (الانفال:۳۷) تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے ممتاز کر دے'' لہٰذا تمییز کی وجہ علم کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ علم کے ذریعہ ہی امتیاز حاصل ہوتا ہے یا پھر (لِنَعْلَمَ) کا معنی ہے: تاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور دیگر مسلمان جان لیں (کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے) اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ یہ حضرات اس کے خواص (اور ماننے والوں میں سے) ہیں یا (پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ) جو لوگ نہیں جانتے ان سے خطاب میں ملاطفت وملائمت پیدا کرنے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے جیسے سونے کے پگھلنے سے انکار کرنے والے کے لیے کہا جائے: ''فَلْنُلْقِهٖ فِي النَّارِ لِنَعْلَمَ اَيَذُوْبُ. پس ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے تاکہ ہم جان لیں کہ آیا یہ پگھل جاتا ہے؟'' ﴿وَاِنْ كَانَتْ﴾ تحویل قبلہ یا تقررِ قبلہ یا خود قبلہ (مراد ہے جو ''كَانَتْ'' کا اسمِ محذوف ہے) [اور ''اِنْ'' خفیفہ ہے (یعنی ساکن ہے جو دراصل ثقیلہ یعنی مشدد تھا)] ﴿لَكَبِيْرَةً﴾ یعنی وہ بھاری اور گراں ہے اور یہ ''كَانَ'' (یعنی كَانَتْ) کی خبر ہے اور ''لَامْ'' ''اِنْ'' نافیہ اور ثقیلہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ ﴿اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ دراصل ''هَدَاهُمُ اللّٰهُ'' ہے اور (ماقبل کی طرف) لوٹنے والی (جمع مذکر غائب کی ضمیر ''هُمْ'') محذوف ہے یعنی (تحویلِ قبلہ ضرور شاق و بھاری اور گراں ہے) مگر ان لوگوں پر نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہے اور وہ اتباعِ رسول میں سچے ہیں اور اس پر ثابت قدمی کے ساتھ قائم ہیں ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ نماز کو ایمان سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ اہلِ ایمان پر فرض ہے اور اہلِ ایمان ہی کی طرف سے قبول ہوتی ہے اور اس کو باجماعت ادا کرنا ایمان کی دلیل ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے تو صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے بھائیوں میں سے جو قبلہ کی تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے ہیں ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ﴾ [امام حفص' ابن عامر شامی اور نافع حجازی نے (رَءُوْفٌ) کو اشباع (یعنی مد) کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ ان کے علاوہ باقی قاریوں نے ''فَعُلٌ'' کے وزن پر (بغیر مد کے پڑھا ہے) اور یہ دونوں وزن مبالغہ کے لیے ہیں] ﴿رَّحِيْمٌ﴾ چونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے اس لیے وہ ان کے اجر وثواب کو ضائع نہیں فرمائے گا اور ''رَافَت'' رحمت سے بڑھ کر ہے اور ان دونوں کو یہاں جمع کر دیا گیا ہے جیسا کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' میں کیا گیا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بے شک ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرے کا بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں' تو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں' (اے نبی!) آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی طرف پھیر لو اور بے شک جنہیں کتاب دی گئی' وہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ (قبلہ کی تبدیلی) ان کے رب کی طرف سے حق ہے' اور اللہ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے O اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس ہر قسم کا معجزہ لے کر بھی آ جائیں پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے' اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں O اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں' اور (اے مسلمان!) اگر تو نے جان بوجھ کر ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بلاشبہ تو اس وقت ضرور ظالموں میں سے ہو جائے گا O

۱۴۴- ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرے کا بار بار اٹھنا اور آپ کی نظر کا پھرنا دیکھ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم سے یہ توقع رکھتے تھے کہ یہود کی مخالفت میں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت میں آپ کو کعبہ معظّمہ کی طرف پھیر دے گا اور اس لیے بھی کہ اہل عرب کو ایمان کی طرف دعوت دینے کا یہ بہترین سبب تھا کیونکہ وہ اس پر فخر کرتے تھے اور اس کی زیارت کرتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ﴾ پس ہم آپ کو ضرور عطا فرمائیں گے اور ہم آپ کو اس کی طرف منہ کرنے کا ضرور اختیار دیں گے۔ یہ تمہارے قول ''وَلَّيْتُهُ كَذَا'' سے مشتق ہے جب تم کسی کو والی و مختار بنا دو' یا اس کا یہ معنی ہے کہ ہم آپ کو اس سمت کی طرف کر دیں گے جس کے آپ قریب ہیں نہ کہ بیت المقدس کی سمت کی طرف۔ ﴿قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾ آپ جس قبلہ کو چاہتے ہیں اور جس کی طرف آپ رغبت و شوق رکھتے ہیں اور آپ اپنے دل میں پوشیدہ اغراض صحیحہ کے باعث اس کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کی موافقت کی ہے[1]۔ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اس کی طرف' اور ''شَطْر'' ظرف کی بناء پر منصوب

[1] امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں واحد مذکر مخاطب فعل مضارع معروف ذکر فرمایا ہے کہ ''قِبْلَةً تَرْضَاهَا'' یعنی جس قبلہ پر آپ راضی ہیں' اور واحد متکلم فعل مضارع معروف ''قِبْلَةً اَرْضَاهَا'' یعنی جس قبلہ پر میں راضی ہوں'' نہیں فرمایا' کیونکہ اس میں اشارہ کر دیا گیا ہے (کہ رضائے خدا وہی ہے جو رضائے مصطفےٰ ہے) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''يَا مُحَمَّدُ كُلُّ اَحَدٍ يَّطْلُبُ رِضَائِيْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ فِي الدَّارَيْنِ. اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام مخلوق میں سے ہر ایک میری رضا چاہتا ہے اور میں دونوں جہان میں تیری رضا چاہتا ہوں''۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' سورۃ البقرہ:۱۴۲)
اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اس کی مزید توضیح وتشریح ان شاء اللہ العزیز سورۃ ''والضحیٰ'' کی آیت ۵ میں کی جائے گی۔

ہے یعنی آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں' یعنی اس کی جہت اور اس کی سمت کی طرف' کیونکہ دور دراز رہنے والوں کے لیے عین قبلہ کی طرف متوجہ ہونا بہت مشکل ہے اور کعبہ معظّمہ کی بجائے مسجدِ حرام کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جہت اور سمت کی رعایت واجب اور ضروری ہے بعینہٖ قبلہ کی رعایت واجب نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے' پھر آپ کو کعبہ معظّمہ کی طرف متوجہ کر دیا گیا۔ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ﴾ اور تم جس کسی سرزمین پر ہو اور نماز کا ارادہ کرو' ﴿فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ تو اس کی طرف اپنے چہروں کو پھیر لو۔ ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ اہل کتاب جانتے ہیں کہ کعبہ معظّمہ کی طرف تحویل قبلہ حق ہے اس لیے کہ ان کے انبیائے کرام علیہم السلام نے بشارت دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔ ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ [ابن کثیر مکی' ابو عمرو' نافع مدنی اور عاصم نے ''یا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قاریوں نے ''تا'' کے ساتھ (تَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے] پس پہلی قراءت کی بناء پر کافروں کے کفر و انکار کرنے پر انہیں سزا کی وعید سنائی گئی ہے اور دوسری قراءت کی بناء پر نیک اعمال قبول کرنے اور ان پر اجر و ثواب عطا کرنے کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

۱۴۵- ﴿وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ اہل کتاب میں سے صرف بغض و عناد رکھنے والے لوگ مراد ہیں۔ ﴿بِكُلِّ آيَةٍ﴾ قطعی اور مضبوط ترین دلیل' کہ کعبہ معظّمہ کی طرف منہ کرنا یقیناً حق ہے۔ ﴿مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ﴾ کیونکہ ان کا آپ کی اتباع و پیروی کو ترک کرنا کسی شک و شبہ کی وجہ سے نہیں ہے تاکہ حجت و دلیل قائم کر کے اس کو زائل کر دیا جائے بلکہ ان کی کتابوں میں آپ کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ آپ برحق نبی ہیں' اس کو جاننے کے باوجود صرف تکبر و غرور اور بغض و عناد کی وجہ سے انہوں نے آپ کی پیروی کرنا چھوڑ دی اور جوابِ قسم محذوف ہے اور جوابِ شرط کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾ اور آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں' اس میں ان کے طمع کو پوری طرح ختم کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ اس امید میں مضطرب تھے اور کہتے تھے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت قدم رہے تو ہم امید رکھیں گے کہ آپ وہی صاحب ہیں جن کے ہم منتظر ہیں اور اس امید میں تھے کہ آپ ان کے قبلہ کی طرف رجوع فرمائیں گے اور قبلہ کو واحد لایا گیا ہے حالانکہ اہلِ کتاب کے دو قبلے ہیں' ایک یہود کے لیے اور دوسرا نصاریٰ کے لیے' اس لیے کہ وہ بطلان میں متحد ہیں۔ ﴿وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ﴾ باوجود اس کے کہ وہ آپ کی مخالفت میں متفق ہیں لیکن قبلہ کی شان میں مختلف ہیں اور ان میں سے ایک قبلہ پر اتفاق و اتحاد کی امید نہیں کی جا سکتی جیسا کہ ان سے آپ کی موافقت کی امید نہیں کی جا سکتی' سو یہود بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہیں اور نصاریٰ بیت المقدس کی شرقی جانب مطلع الشمس کی طرف منہ کرتے ہیں۔ ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ دلیل واضح ہو جانے اور اس بات کا احاطہ کرنے کے بعد کہ قبلہ صرف کعبہ شریف ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین صرف اسلام ہے پھر بھی اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو ﴿إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ﴾ یقیناً اس وقت تم بہت بُرے ظلم کے مرتکب ہونے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور اس میں سامعین کے لیے لطف و کرم کا اظہار ہے اور حق پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب بھی ہے اور دلیل کے واضح ہو جانے کے بعد اس کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے پر ڈرانا مقصود بھی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں بظاہر خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر اس سے مراد آپ کی امت ہے اور ''لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' پر وقف کرنا لازم و ضروری ہے اور اگر فصل و وقف کی بجائے وصل کیا جائے تو ''اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ'' ظالمین کی صفت بن جائے گی حالانکہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر ''يَعْرِفُوْنَهٗ'' ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ۫ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

وقف منزل ع ۱۴ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (اہل کتاب) آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ (ایک گروہ) جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں O حق (وہی ہے جو) تمہارے رب کی طرف سے ہے' پس تو (اے مسلم!) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا O اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) متوجہ ہوتا ہے تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ' تم کہیں بھی رہو' اللہ تم سب کو (قیامت کے روز) اکٹھا کر کے لے آئے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

۱۴۶- ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ ﴾ یعنی ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ (اہل کتاب) حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو یا قرآن مجید کو یا تحویل قبلہ کو پہچانتے ہیں اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ آگے فرمایا: ﴿ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ کیوں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: اس لیے کہ مجھے حضرت محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی ہونے میں شک نہیں لیکن رہا میرا بیٹا تو ہو سکتا ہے اس کی والدہ نے کوئی خیانت کی ہو' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا سر چوم لیا۔ ﴿ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ ﴾ اور بے شک ان میں سے ایک گروہ جس نے اسلام کو قبول نہیں کیا ﴿ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ﴾ البتہ وہ حسد اور عناد کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں۔ ﴿ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں میں حق کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

۱۴۷- ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ ["اَلْحَقُّ" مبتداء ہے اور "مِنْ رَّبِّكَ" اس کی خبر ہے اور لام جنس کا ہے یعنی حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے غیر کی طرف سے یعنی حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہے جس پر آپ رواں دواں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت نہیں ہے وہ حق نہیں ہے جس پر اہلِ کتاب چل رہے ہیں' لہٰذا ان کی راہ باطل ہے یا پھر "لام" عہد کا ہے اور اس حق کی طرف اشارہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ چل رہے ہیں یا "اَلْحَقُّ" مبتدا محذوف کی خبر ہے' دراصل "هُوَ الْحَقُّ" ہے اور "مِنْ رَّبِّكَ" خبر کی خبر ہے یا پھر حال واقع ہو رہا ہے۔] ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴾ سو تم (طریق مصطفیٰ کے برحق ہونے میں) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

۱۴۸- ﴿ وَ لِكُلٍّ ﴾ اور مختلف اہل مذاہب میں سے ہر ایک کے لیے ﴿ وِّجْهَةٌ ﴾ قبلہ ہے اور اس کو (اصل کے مطابق) پڑھا گیا ہے (جب کہ قیاس کے مطابق "زِنَةٌ" اور "عِدَةٌ" کی طرح "جِهَةٌ" پڑھا جانا چاہیے تھا) اور ضمیر ﴿ هُوَ ﴾ "لِكُلٍّ" کی طرف لوٹتی ہے اور ﴿ مُوَلِّیْهَا ﴾ میں "وِجْهَةٌ" کی طرف لوٹتی ہے یعنی (دراصل) "هُوَ مُوَلِّیْهَا وِجْهَةٌ" تھا' پھر ایک مفعول کو حذف کر دیا گیا یا پھر "هُوَ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی (دراصل) "اَللّٰهُ مُوَلِّیْهَا اِیَّاهُ" تھا (ترجمہ) بندے کو

قبلہ کی طرف پھیرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے''۔ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ھُوَ مُوَلّٰاھَا'' ہے] یعنی وہی قبلہ کو بدلنے والا ہے اور یقیناً اسی نے اس قبلہ کو تبدیل کیا ہے (لہٰذا یہود و نصاریٰ کا اعتراض لغو ہے) اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے اور تمہارے علاوہ دیگر قوموں میں سے ہر ایک کے لیے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ﴾ پس تم قبلہ وغیرہ جیسے نیک معاملات میں اپنے غیروں سے سبقت کرو اور نیک کاموں میں ان سے آگے بڑھو۔﴿اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا﴾ تم اور تمہارے دشمن جہاں کہیں ہوں ﴿یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا﴾ اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن لائے گا اور حق پرستوں اور باطل پرستوں میں فیصلہ کر دے گا یا یہ مطلب ہے کہ اے امت محمد (ﷺ)! تم میں سے ہر ایک کا یہی قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی خواہ اس کی جہت جنوبی ہو شمالی ہو شرقی یا غربی ہو لہٰذا تم اپنی اپنی مدمقابل جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور یہ وہ جہات ہیں جو (چاروں طرف) خانہ کعبہ کی سمت میں واقع ہیں اگرچہ وہ مختلف ہیں بہرحال مختلف جہات میں سے تم کہیں بھی رہو اللہ تعالیٰ تم سب کو (بروزِ قیامت میدان محشر میں) جمع کر کے لائے گا اور تم سب کی نمازوں کو ایک جہت میں قرار دیا جائے گا گویا تم سب نے مسجد حرام کے سامنے نمازیں ادا کی ہیں۔﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗۙ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌۗۙ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

(اے محبوب!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں سو اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں اور بے شک وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے O اور (اے محبوب!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں سو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہو پس تم اپنا منہ اسی طرف پھیر لو تاکہ لوگوں کے لیے تم پر کوئی حجت نہ رہے سوائے ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ O

۱۴۹-﴿وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ﴾ اور آپ سفر کرنے کے لیے جس ملک اور شہر سے باہر نکلیں ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ تو جس وقت آپ اپنی نماز پڑھنے لگیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ مامور بہ (یعنی تحویلِ قبلہ کا حکم) ﴿لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ضرور تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے [اور ابو عمرو نے ''یا'' کے ساتھ (یَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے]۔

۱۵۰-﴿وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ اور اے حبیب!

آپ جہاں سے باہر نکلیں سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر لو اور یہ تکرار (دراصل) قبلہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کی تاکید اور اس کی اہمیت کی خاطر کیا گیا ہے کیونکہ ایک حکم کے منسوخ ہونے کی وجہ سے فتنہ و فساد اور شکوک و شبہات کا خطرہ تھا اس لیے مسلمانوں کو بار بار حکم دیا گیا تا کہ وہ اس حکم پر ثابت رہیں کہ ان میں سے ہر ایک (علاقہ کے لوگوں) کے لیے (ایک جہت و سمت) مقرر کر دی گئی ہے جو دوسرے (علاقہ کے لوگوں) کے لیے مقرر نہیں کی گئی اس لیے کہ اس کے مختلف فوائد ہیں۔ ﴿لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ﴾ اللہ تعالیٰ نے قبلہ تبدیل کرنے کے متعلق تمہیں پہلے حجت و دلیل کا تعارف کرا دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں تمہیں واضح بیان کر دیا ہے کہ ''وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا'' (یعنی ہر مذہب والے کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے) تا کہ تورات میں تحویل قبلہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے یہودی اس کے خلاف تم پر کوئی حجت بازی نہ کر سکیں اور معاندین کے قول پر حجت کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بات کو اس طرح بیان کرتے جس طرح کوئی حجت بیان کرتا ہے ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ مگر وہ لوگ جو ان میں سے ظالم ہیں' یہ جملہ ''اَلنَّاسِ'' سے مستثنیٰ ہے یعنی عام یہود میں سے کوئی حجت بازی نہیں کرے گا سوائے ان کے جو ان میں سے ضدی اور عناد و بغض رکھنے والے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہمارے قبلہ بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ نہیں بنایا مگر صرف اس لیے کہ آپ اپنی قوم کے دین کی طرف جھک گئے ہیں اور اپنے شہر سے محبت کرنے لگے ہیں اور اگر یہ حق پر ہوتے تو لازمی طور پر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کی طرف منہ کرتے رہتے یا اس کا معنی یہ ہے کہ عرب کے لوگ تم پر کوئی حجت و اعتراض نہ لا سکیں کہ تم نے عرب کے جدّ امجد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کعبہ معظمہ کی طرف توجہ کرنا چھوڑ دیا ہے ماسوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں اور وہ اہلِ مکہ ہیں' جو کہتے ہیں کہ اب ان پر حق ظاہر ہوا ہے کہ اپنے آبائی قبلہ کی طرف واپس لوٹ آئے ہیں' اب امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ اپنے آبائی دین کی طرف بھی لوٹ آئیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ﴾ پس تم اپنے قبلہ کے متعلق ان کے طعن و تشنیع اور الزامات سے نہ ڈرو کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ﴿وَاخْشَوْنِیْ﴾ اور مجھ سے ڈرتے رہو اور کسی معاملہ میں میری مخالفت نہ کرو۔ ﴿وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ﴾ میں نے تمہیں سکھایا اور بتایا (کہ ہر دین کے پیروکاروں کا ایک قبلہ ہوتا ہے) تا کہ تم پر کوئی حجت پیش نہ کر سکے اور تا کہ میں کعبہ شریف کی رہ نمائی کر کے تم پر اپنی ایک اور نعمت پوری کر دوں ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ اور تا کہ تم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کی ہدایت حاصل کرو۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے O سو تم میرا ذکر کرو' میں تمہارا ذکر کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو O اے ایمان والو! تم صبر اور نماز سے مدد چاہو' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے O

۱۵۱- ﴿ كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ ﴾ میں کاف یا تو اپنے ماقبل کے ساتھ متعلق ہے یعنی تاکہ میں تمہیں آخرت میں ثواب عطا فرما کر تم پر اپنی ایک اور نعمت پوری کر دوں جس طرح میں نے دنیا میں رسول بھیج کر تم پر اپنی ایک نعمت پوری کر دی ہے یا اس کا تعلق اپنے مابعد کے ساتھ ہے یعنی جس طرح میں نے رسول بھیج کر تمہیں یاد رکھا ہے تو تم میری اطاعت وفرماں برداری اختیار کر کے مجھے یاد کرو' میں تمہیں ثواب عطا فرما کر یاد رکھوں گا' لہٰذا اس دوسری صورت میں ''تَهۡتَدُوۡنَ'' پر وقف کیا جائے گا اور پہلی صورت میں وقف نہیں کیا جائے گا۔ ﴿ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ ﴾ جو رسول (ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے وہ) تمہارے علاقے عرب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ﴿ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ ﴾ وہ تم پر پڑھتے ہیں ﴿ اٰيٰتِنَا ﴾ ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید۔ ﴿ وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ ﴾ اور وہ تمہیں پاک کرتے ہیں اور تمہیں کتاب یعنی قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَالۡحِكۡمَةَ ﴾ اور وہ تمہیں سنت اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں ﴿ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ اور وہ تمہیں ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے یعنی جن چیزوں کی معرفت تک رسائی وحی کے بغیر ناممکن تھی۔

۱۵۲- ﴿ فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ ﴾ پس تم مجھے معذرت کے ساتھ یاد کرو' میں تمہیں مغفرت وبخشش کے ساتھ یاد رکھوں گا' تم مجھے حمد وثناء کے ساتھ یاد کیا کرو' میں تمہیں عنایت وعطا کے ساتھ یاد رکھوں گا اور تم مجھے سوال کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں نوال وکرم کے ساتھ یاد رکھوں گا یا تم مجھے توبہ کے ساتھ یاد کرو' میں تمہیں گناہوں کی بخشش کے ساتھ یاد رکھوں گا یا تم مجھے اخلاص کے ساتھ یاد کرو' میں تمہیں خلاص (نجات) کے ساتھ یاد رکھوں گا یا تم مجھے مناجات (دعاؤں) کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں نجات کے ساتھ یاد کروں گا ﴿ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ ﴾ اور تم میری ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہیں ﴿ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ﴾ اور تم میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔

شہداء کی فضیلت

۱۵۳- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ ﴾ اے ایمان والو! صبر سے مدد چاہو۔ صبر میں تمام فضیلتیں پائی جاتی ہیں (کیونکہ تمام ممنوعات سے رکنا' تمام احکام پر عمل کرنا اور مصائب وآلام کو برداشت کرنا صبر میں شامل ہے)۔ ﴿ وَالصَّلٰوةِ ﴾ اور بے شک یہ نماز تمام برائیوں سے روکتی ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نصرف ومعونت اور بروقت مدد کرنے کے سبب تمام صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (کیونکہ تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کرنا توفیقِ الٰہی کے بغیر ناممکن ہے)۔

۱۵۴- ﴿ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو (مردہ) نہ کہو۔ یہ آیت مبارکہ شہدائے بدر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہ کل چودہ آدمی تھے۔ ﴿ اَمۡوَاتٌ ﴾ دراصل ''هُمۡ اَمۡوَاتٌ'' (ہے اور جمع مذکر غائب کی ضمیر ''هُمۡ'' مبتداء محذوف ہے ''اَمۡوَاتٌ'' اس کی خبر ہے)۔ ﴿ بَلۡ اَحۡيَآءٌ ﴾ دراصل ''هُمۡ اَحۡيَاءٌ'' (ہے اور یہاں بھی جمع مذکر غائب کی ضمیر ''هُمۡ'' مبتداء محذوف ہے اور ''اَحۡيَاءٌ'' اس کی خبر ہے)۔ ﴿ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴾ لیکن تم اس کو نہیں جانتے کیونکہ ہم لوگ ''شُهَدَاء'' کی زندگی کو حواس ظاہرہ سے نہیں جان سکتے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ''شہداء'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں' انہیں رزق دیا جاتا ہے' جس سے ان کی ارواح کو راحت وخوشی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرعونیوں کی روحوں پر صبح وشام جہنم کی آگ پیش کی جاتی ہے' جس سے ان کی ارواح کو تکلیف پہنچتی ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو جنت کے پھلوں کا رزق دیا جاتا ہے اور وہ جنت کی خوشبو پاتے ہیں اور جنت میں نہیں رہتے[1]

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اور البتہ ہم کچھ ڈر' بھوک اور کچھ مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصان میں تمہیں مبتلا کر کے ضرور آزمائیں گے اور خوشخبری سنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو O جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی عنایات ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہِ حق پر قائم ہیں O بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان پھیرے لگائے اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو بے شک اللہ نیکی کی جزاء دینے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے O

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''صحیح مسلم'' کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ ''شہداء'' کی ارواح اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی ہیں یعنی جنت کے پھلوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں' پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں جا کر ٹھہرتی ہیں۔ اس روایت سے پہلے حیاتِ شہداء کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''شہداء'' کی ارواح کو اجسام کی قوت عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ زمین میں' آسمان میں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں ''وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَآءَ هُمْ وَيُدَمِّرُوْنَ اَعْدَآءَ هُمْ'' اور اپنے دوستوں کی مدد کرتی ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ' اور اسی حیات کی وجہ سے زمین نہ ان کے جسموں کو کھاتی ہے اور نہ ان کے کفنوں کو کھاتی ہے' نیز قاضی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بلکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہے اور اس سے بہت بڑھ کر ظاہر ہوتی ہے اور اس کے آثار تو دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواجِ پاک سے نکاح جائز نہیں لیکن اس کے برعکس شہید کی وفات کے بعد اس کی بیوی سے نکاح جائز ہے (اسی طرح شہید کا ترکہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جاتا ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کا ترکہ تقسیم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امتحان میں صبر کرنے والوں کی شان

۱۵۵- ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾ اور ہم تمہارے احوال کو جانچنے اور آزمانے کے لیے ان صبر آزما چیزوں (خوف' بھوک اور مال' جان' اولاد کے نقصان) میں ضرور مبتلا کریں گے اور یہ ابتلاء وآزمائش ایک ممتحن کے عمل کے مشابہ ہوگی (تاکہ ہم لوگوں پر ظاہر کر دیں کہ) آیا تم اطاعت وفرماں برداری پر صبر کر سکتے ہو یا نہیں۔ ﴿بِشَیْءٍ﴾ اور ان مصیبتوں میں سے ہر ایک مصیبت کے ساتھ تھوڑی سی (آزمائش کریں گے) اور اللہ تعالیٰ نے ان مصیبتوں کو قلیل فرمایا ہے تاکہ وہ لوگوں کو آگاہ کر دے کہ انسان کو جو مصیبت پہنچتی ہے اگر چہ وہ عظیم اور بڑی ہو لیکن اس سے بڑی مصیبت کے مقابلہ میں یہ ان کے لیے قلیل ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ دکھا دے کہ اس کی رحمت ہر حال میں ان کے ساتھ شاملِ حال رہتی ہے (اور مصیبت تو کبھی کبھار تھوڑی دیر کے لیے ہوتی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ان مصیبتوں کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ان کے آنے کی اطلاع دے دی تاکہ انسانوں کے دل ان کے لیے تیار ہو جائیں اور ان کو برداشت کرنا قدرے آسان ہو جائے۔ ﴿مِّنَ الْخَوْفِ﴾ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور دشمن کا ڈر ﴿وَالْجُوْعِ﴾ قحط یا ماہِ رمضان کے روزوں کی بھوک ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ﴾ مال مویشی کی موت کے ساتھ یا زکوٰۃ کی [1] (ادائیگی کے ساتھ یا لوٹ مار' چوری چکاری اور ڈکیتی وغیرہ کے ذریعے مالوں میں نقصان کر کے آزمائش کی جائے گی) اور اس کا عطف ''شَیْءٍ'' پر ہے یا پھر ''خَوْفِ'' پر ہے یعنی کچھ مال میں کمی کر کے (آزمایا جائے گا)۔ ﴿وَالْاَنْفُسِ﴾ قتل' موت یا بیماری اور بڑھاپے کے ساتھ (جانوں کی آزمائش ہوگی) ﴿وَالثَّمَرٰتِ﴾ کھیتی باڑی اور میوہ جات کی بربادی یا اولاد کی موت مراد ہے کیونکہ اولاد دلوں کے پھل ہوتے ہیں۔ ﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ﴾ اور ان مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو یا ان مصیبتوں کے نزول کے وقت ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کیونکہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھنا تقدیرِ الٰہی پر سرِ تسلیم خم کرنے کا اظہار اور اس پر یقینِ محکم کا اقرار ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے عوض اس کا نقصان پورا کرے گا اور اس کو اس مصیبت سے بہتر بدلا عطا کرے گا اور اس کے لیے نیک جانشین مقرر کر دے گا جو اس کو راضی کرے گا اور ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے پڑھا: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' آپ سے عرض کی گئی کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں' ہر وہ چیز جو بندۂ مومن کو ایذاء اور دکھ پہنچاتی ہے وہ مصیبت ہے اور اس آیت مبارکہ میں یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے یا پھر ہر اس شخص سے خطاب ہے جو اس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نہیں ہوتا بلکہ وہ ورثاء کی بجائے عوام پر صدقہ ہوتا ہے) اور صدیقین بھی شہداء سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں (اس لیے وفات کے بعد ان کو بھی زندگی عطا کی جاتی ہے اور ان کی زندگی شہداء کی زندگی سے زیادہ قوی ہوتی ہے) اور صالحین یعنی اولیائے کرام تو یہ شہداء کے تابع ہیں (کیونکہ یہ نفس کے ساتھ جہادِ اکبر کرتے ہیں اس لیے وفات کے بعد ان کو بھی زندگی عطا کی جاتی ہے) جیسا کہ قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ ''مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ'' کی ترتیب اس پر دلیل ہے اور اسی لیے عالی مرتبت صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں'' وَقَدْ تَوَاتَرَتْ عَنْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَوْلِیَآءِ اَنَّهُمْ یَنْصُرُوْنَ اَوْلِیَآءَ هُمْ وَیُدَمِّرُوْنَ اَعْدَآءَ هُمْ وَیَهْدُوْنَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی مَنْ یَّشَآءُ اللّٰهُ تَعَالٰی. بلاشبہ بہت سے اولیائے کرام سے تسلسل کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں' اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے''۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

صلاحیت واہلیت رکھتا ہے۔

۱۵۶- ﴿الَّذِيْنَ﴾ [صابرین کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس پر وقف نہیں بلکہ "رَاجِعُوْنَ" پر وقف ہے اور جس نے "اَلَّذِيْنَ" کو مبتداء قرار دیا ہے اور "اُولٰٓئِكَ" کو اس کی خبر قرار دیا ہے وہ صابرین پر وقف کرتا ہے "رَاجِعُوْنَ" پر نہیں اور پہلی وجہ بہتر ہے اس لیے کہ "اَلَّذِيْنَ" اور جو اس کے بعد ہے وہ سب صابرین کا بیان ہے] ﴿اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ [قابل کراہت ایذاء اور "مُصِيْبَةٌ" اسم فاعل ہے "اَصَابَتْهُ شِدَّةٌ" سے مشتق ہے یعنی اس کو سختی اور مصیبت لاحق ہوئی اور پہنچی اور "مُصِيْبَةٌ" پر وقف کرنا درست نہیں کیونکہ ﴿قَالُوْٓا﴾ "اِذَا" کا جواب ہے اور "اِذَا" اور اس کا جواب "اَلَّذِيْنَ" کا صلہ ہے] ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار ہے' ﴿وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اپنی ذاتوں پر ہلاکت کا اقرار ہے کہ ہم سب نے ایک دن مر جانا ہے۔

۱۵۷- ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ﴾ "صَلٰوةٌ" کا معنی ہے: شفقت و مہربانی کرنا اس لیے اس کو "رَاْفَةٌ" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور صلوٰۃ و رحمت کو اس طرح جمع کیا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "رَاْفَةً وَّرَحْمَةً" (الحدید: ۲۷) میں اور "رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" (التوبہ: ۱۱۷) میں جمع کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر بار بار شفقت' مہربانی اور رحمت و رافت ہوتی رہے گی۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اور یہی لوگ راہِ راست پر چلنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے مصیبت کے وقت "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہترین اجر و معاوضہ دو چیزیں ہیں: ایک صلوٰۃ اور دوسری رحمت اور بہترین سربلندی و کامیابی یعنی ہدایت حاصل کرنا ہے۔

۱۵۸- ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ یہ دونوں (مکہ مکرمہ کے) دو پہاڑوں کے نام ہیں۔ ﴿مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعات اور اس کی عبادات کے نشانات میں سے دو نشان ہیں' اور "شَعَآئِرِ" "شَعِيْرَةٌ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے: علامت و نشانی۔ ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ﴾ پس جو آدمی کعبہ معظمہ کے حج کا ارادہ کرے' ﴿اَوِ اعْتَمَرَ﴾ یا کعبہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ کرے (تو اس پر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں) اور "حج" کا معنی ہے: قصد و ارادہ کرنا اور "اِعْتِمَار" (یعنی عمرہ) کا معنی ہے: زیارت کرنا' پھر یہ دونوں (حج و عمرہ) بیت اللہ شریف کے قصد و زیارت کرنے پر دو معروف عبادات کے علم مشہور ہو گئے ہیں اور یہ معانی میں اس طرح ہیں جس طرح اعیان و اشخاص میں نجم اور بیت (ستارہ اور گھر کے لیے مشہور ہیں)۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾ سو اس پر کوئی گناہ نہیں (کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے) ﴿اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [دراصل "يَتَطَوَّفُ" تھا پھر "تَا" کو "طَا" میں مدغم کر دیا گیا ہے] اور اصل میں "طَوْفٌ" کسی چیز کے اردگرد چلنے کا نام ہے اور یہاں آیت مبارکہ میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ نام کے دو بت نصب تھے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اساف ایک مرد تھا اور نائلہ ایک عورت تھی' ان دونوں نے کعبہ شریف میں زنا کیا تھا جس کی وجہ سے ان کی شکلیں مسخ کر کے پتھر بنا دی گئیں اور ان دونوں مسخ شدہ پتھروں کو صفا اور مروہ پر رکھ دیا گیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں (اور خانہ کعبہ کی توہین سے پرہیز کریں) پھر جب زیادہ عرصہ بیت گیا تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان دونوں کی عبادت شروع کر دی گئی اور زمانہ جاہلیت میں لوگ جب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تو بطور تعظیم ہر چکر میں ان کو چھو کر گزرتے اور جب اسلام کا دور آیا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمانوں نے زمانۂ جاہلیت کے عمل کی وجہ سے صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنا ناپسند کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ" سے اس حرج اور کراہت کو دور فرما دیا اور بتا دیا کہ اب ان کے درمیان سعی کرنا کوئی گناہ نہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ صفا اور مروہ

کے درمیان سعی کرنا حج کا رکن نہیں ہے (وَرنہ اس کو لازم اور فرض قرار دیا جاتا) جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے فرمایا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ﴾ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حج کا رکن نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے: اپنے طور پر نفلی نیکی کرنا اور صفا اور مروہ کے درمیان بغیر شرعی فرض کے سعی کرنا اور قراء میں سے حمزہ اور علی نے "وَمَنْ يَّطَّوَّعْ" پڑھا ہے (یعنی فعلِ ماضی کی بجائے فعل مضارع پڑھا ہے) جو دراصل "يَتَطَوَّعْ" تھا پھر "تا" کو "طا" میں مدغم کر دیا گیا۔ ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل پر بہت زیادہ جزاء عنایت فرمانے والا ہے۔ ﴿ عَلِيمٌ ﴾ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا جاننے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ آیات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں واضح بیان کر دیا ہے تو انہیں لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں O مگر جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں' اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں O بے شک جنہوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے O اس میں ہمیشہ رہیں گے' نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی O

شانِ مصطفیٰ ﷺ میں یہود کی خیانت

۱۵۹- ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ ﴾ بے شک علمائے یہود میں سے جو لوگ چھپاتے ہیں ﴿ مَا أَنْزَلْنَا ﴾ جو کچھ ہم نے تورات شریف میں نازل کیا ہے۔ ﴿ مِنَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ ایسے واضح دلائل و آیات جو شانِ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شہادت و گواہی دیتے ہیں۔ ﴿ وَالْهُدٰى ﴾ حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصافِ جمیلہ کے ساتھ ساتھ ہدایتِ اسلام (کو بھی یہود کے پادری چھپایا کرتے تھے)۔ ﴿ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ ﴾ جن (دلائل) کو ہم نے لوگوں کے لیے واضح اور کھول کر بیان کر دیا ہے ﴿ فِي الْكِتٰبِ ﴾ تورات میں اور اس میں ہم نے کوئی اشکال نہیں رہنے دیا پھر بھی انہوں نے اس واضح بیان میں (شانِ مصطفیٰ اور ہدایت اسلام کو) چھپانے کا قصد کیا اور اس کو چھپا لیا۔ ﴿ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴾ انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جن سے لعنت صادر ہوتی ہے اور وہ فرشتے اور جن و انس میں سے اہل ایمان ہیں (جو ان دشمنانِ شانِ مصطفیٰ ﷺ پر لعنت کرتے

ہیں)۔

۱۶۰-﴿اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا﴾ مگر جنہوں نے شانِ مصطفیٰ ﷺ چھپانے اور ایمان کو ترک کرنے سے توبہ کرلی ﴿وَ اَصۡلَحُوۡا﴾ اور انہوں نے جن چیزوں میں فساد پیدا کیا تھا ان میں اپنے احوال کی اصلاح کرلی اور اپنی طرف سے جو خرابی تھی اس کی تلافی کی۔ ﴿وَبَیَّنُوۡا﴾ اور انہوں نے جو کچھ چھپایا تھا وہ سب کچھ ظاہر کر دیا۔ ﴿فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ﴾ تو ایسے لوگوں کی میں توبہ قبول کرلیتا ہوں۔ ﴿وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ﴾ اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہوں۔

۱۶۱-﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَہُمۡ کُفَّارٌ﴾ یعنی شانِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دین حق کو چھپانے والے جو یہودی وغیرہ بغیر توبہ کے مر گئے ﴿اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ﴾ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس سے پہلی آیت مبارکہ میں ان پر زندگی میں لعنت کی گئی اور اس آیت مبارکہ میں موت کے بعد بھی ان پر لعنت کی گئی (گویا یہ لوگ زندگی میں اور موت کے بعد بھی لعنتی ہیں) اور یہاں لوگوں سے مراد یا تو فقط مسلمان ہیں یا پھر مسلمان اور کافر دونوں مراد ہیں کیونکہ قیامت کے روز کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّۃٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَہَا۔ (الاعراف:۳۸) جب بھی ایک جماعت (جہنم میں) داخل ہوگی تو اپنی ہم خیال دوسری جماعت پر لعنت کرے گی''۔

۱۶۲-﴿خٰلِدِیۡنَ﴾ [یہ ''عَلَیۡہِمۡ'' میں ''ہُمۡ'' ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ﴿فِیۡہَا﴾ وہ لعنت میں یا جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہاں ضمیر (فِیۡہَا) اس لیے استعمال کی گئی ہے تا کہ جہنم اور لعنت کی ہولناکی اور ان کی خوفناک کیفیت کو بیان کیا جائے۔ ﴿لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَلَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ﴾ ''یُنۡظَرُوۡنَ'' ''اِنۡظَارٌ'' سے مشتق ہے یعنی ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ نہ ان کا انتظار کیا جائے گا تا کہ وہ معذرت پیش کریں یا یہ معنی ہے کہ ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں کی جائے گی۔

وَاِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَبَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے O بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور دن رات کو بدلنے میں اور لوگوں کے فائدے کے لیے سمندر میں کشتیوں کو چلانے میں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں کے چلانے میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مشیت الٰہی کے تابع ہیں (ان سب میں) عقل مندوں کے لیے ضرور (قدرت کی) نشانیاں ہیں O

تخلیق کائنات سے توحید کا اثبات اور شرک کی تردید

۱۶۳- ﴿ وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ وہ اپنی الوہیت و معبودیت میں یکتا ہے اور اس میں اس کا اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ درست نہیں (بلکہ باطل ہے) کہ اس کے علاوہ کسی غیر کو معبود قرار دیا جائے۔ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تقریر ہے کیونکہ اس سے غیر کی نفی ہوگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات واضح ہوگیا ہے [اور ''ھو'' ضمیر مرفوع ہے کیونکہ یہ ''لا الٰہ'' کا بدل واقع ہو رہی ہے اور یہاں نصب جائز نہیں اس لیے کہ بدل دلالت کرتا ہے کہ اعتماد ثانی پر ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ کا معنی بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جب کہ نصب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اعتماد اول (یعنی مبدل منہ) پر ہوتا ہے۔ ﴿ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہی تمام اصولی وفروعی اور چھوٹی بڑی نعمتوں کا مالک ہے اور اس صفت کا اس کے سوا کوئی مستحق نہیں ہے کیونکہ اس کے سوا یا تو نعمت ہے یا پھر ''مُنۡعَمٌ عَلَيۡهِ'' (وہ تمام مخلوق جن پر انعام کیا گیا) ہے [اور اس کا رفع اس بناء پر ہے کہ یہ مبتداء کی خبر ہے یا پھر یہ ''ھو'' سے بدل واقع ہو رہا ہے لیکن صفت نہیں کیونکہ ضمیر موصوف نہیں ہوسکتی]۔

اور جب مشرکین نے ایک معبودِ برحق کا اعلان سنا تو انہیں اس پر تعجب ہوا اور انہوں نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیت مبارکہ) نازل فرمائی۔

۱۶۴- ﴿ اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے بدلتے رہنے میں (نیز زمین و آسمان کے) رنگ و روغن میں اور (دن رات) کے بڑے چھوٹے ہونے میں بڑھنے اور گھٹنے میں اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں ﴿ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ ﴾ اور دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں کے چلنے میں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں (''بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ'' میں ''مَا'' موصول کا ہے اور ''با'' مصاحبت کی ہے یعنی) اس کے ساتھ لوگوں کو نفع پہنچتا ہے کہ وہ ان میں سوار ہوتے ہیں (اور منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں یا پھر ''ما'' مصدریہ ہے یعنی) لوگوں کے نفع کی خاطر اور ﴿ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ﴾ میں حرف ''مِنۡ'' ابتدائے غایت کے لیے اور ﴿ مِنۡ مَّآءٍ ﴾ میں حرف ''مِنۡ'' بیانِ جنس کے لیے ہے اور ''مَـآء'' سے مراد بارش ہے کیونکہ آسمان سے جو نازل ہوتا ہے وہ بارش وغیرہ ہوتی ہے پھر ''اَنۡـزَلَ'' پر ﴿ فَاَحۡيَا بِهِ ﴾ کو معطوف کیا گیا ہے (اس کا ترجمہ آگے آرہا ہے) ﴿ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے ذریعے زمین کو مردہ (خشک اور ناقابل کاشت) ہونے کے بعد زندہ (یعنی ہرا بھرا) کر دیا پھر ''فَاَحۡيَا'' پر ﴿ وَبَثَّ ﴾ کو معطوف کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پھیلا دیئے ہیں ﴿ فِيۡهَا ﴾ زمین میں ﴿ مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾ ہر قسم کے وہ جانور جو زمین پر چلتے ہیں۔ ﴿ وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ ﴾ [قاری حمزہ اور علی کسائی نے ''الرِّيَاح'' کی بجائے ''الرِّيۡح'' پڑھا ہے یعنی ہواؤں کو ان کے اپنے اپنے مقام میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف اور جنوب سے شمال اور شمال سے جنوب کی طرف چلانے اور ان کی کیفیات میں گرم و سرد، سخت و نرم اور بانجھ (غیر مفید) و ثمر آور (مفید) کر کے چلانے اور پھیرنے میں اور ایک قول یہ ہے کہ کبھی رحمت کا موجب بنا کر اور کبھی عذاب و ہلاکت کا موجب بنا کر چلانے میں ﴿ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع و مطیع ہو کر چلنے والے بادل، کہ جہاں خدا چاہتا ہے وہاں پر برسنا شروع کر دیتے ہیں ﴿ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ آسمان اور زمین کے درمیان یعنی ہوا میں ﴿ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴾ البتہ (یہ سب چیزیں) عقل مند قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو اپنے عقول کی نگاہوں سے غور کے ساتھ دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں، پھر ان تمام چیزوں کے ذریعے ان کے ایجاد کرنے والے کی قدرت اور ان کے پیدا کرنے والے خدا کی

وحدانیت وحکمت پر استدلال کرتے ہیں۔

اور حدیث نبوی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور اس کو پسِ پشت ڈال دیا یعنی نہ تو اس میں غور وفکر کیا اور نہ اس سے عبرت وسبق حاصل کیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

اور کچھ لوگ غیر اللہ کو معبود قرار دے کر شرک کرتے ہیں (اور) ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں' اور اگر یہ ظالم جس عذاب کو آخرت میں دیکھیں گے (اس کو دنیا میں) دیکھ لیتے (تو تسلیم کر لیتے) کہ بے شک تمام طاقتیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے O جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی اپنی پیروی کرنے والوں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے سارے اسباب ختم ہو جائیں گے O

۱۶۵- ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ یعنی ان روشن ترین دلائل کے باوجود کچھ ایسے (احمق) لوگ بھی ہیں ﴿مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی مورتیوں کو معبود قرار دے کر انہیں خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ﴿يُّحِبُّوْنَهُمْ﴾ ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے سامنے جھکتے ہیں جیسے محبوب کی تعظیم کی جاتی ہے ﴿كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی بارگاہ میں سرِ نیاز خم کیا جاتا ہے یعنی مشرکین بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ محبت کرنے میں اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان مساوی سلوک روا رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے تھے اور اس کا تقرب حاصل کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ مشرکین اپنے بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح مسلمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ اور مشرکین جو اپنے معبودانِ باطلہ سے محبت کرتے ہیں ان سے بڑھ کر مسلمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ مسلمان کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کرتے اور مشرکین مصائب وشدائد میں اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مصیبتوں اور تکلیفوں سے گھبرا کر اس کی پناہ لیتے ہیں اور اس کے سامنے جھکتے ہیں۔ ﴿وَلَوْ يَرَى﴾ [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے (فعل واحد مذکر غائب ''یـری'' کی بجائے فعل واحد مذکر حاضر) ''تـری'' پڑھا ہے اس بناء پر کہ اس کے مخاطب رسول اکرم نبی محترم ﷺ ہیں یا ہر مخاطب مراد ہے یعنی اگر تم اس کو دیکھ لو تو سمجھو تم نے بہت عظیم امر دیکھ لیا۔ ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا﴾ بتوں کو معبود قرار دے کر ان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کی طرف اشارہ ہے (کہ انہوں نے شرک کر کے ظلمِ عظیم کیا ہے اس لیے وہ بڑے ظالم ہیں)۔ ﴿اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ ابن

عامر شامی نے ("یَا" کو رفع دے کر فعل مضارع مجہول) "یُرَوْنَ" پڑھا ہے ﴿اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا﴾ یہ اپنے ماقبل جملہ کا حال واقع ہو رہا ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے یعنی اگر یہ لوگ جنہوں نے شرک کر کے بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا ہے جان لیتے کہ ساری قدرت اور طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی ہر چیز پر جزاء و سزا دینے والا ہے اور ان کے بتوں کے پاس کچھ نہیں' نیز یہ جان لیتے کہ اس کا عذاب ظالموں کے لیے بڑا سخت ہے جب کہ یہ لوگ قیامت کے روز عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو البتہ یہ لوگ اس روز ان لوگوں میں سے نہ ہوتے جو (شرک کے باعث) ندامت و شرمندگی اور حسرت وافسوس میں داخل ہوں گے اور یہاں جواب محذوف ہے [کیونکہ جب حرف "لَوْ" ایسے جملے پر داخل ہوتا ہے جس میں اس کے جواب کا شوق دلانا مقصود ہو یا اس سے خوف زدہ کرنا مقصود ہو تو پھر اس کے ساتھ جواب کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے تا کہ ہر مذہب والے کا دل اس کے جواب کی طرف جائے اور حرف "لَـوْ" فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے اور اسی طرح "اِذْ" ہے اس کو بھی اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ فعل ماضی پر دلالت کرے لیکن یہاں یہ دونوں فعل مستقبل پر داخل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مستقبل کی خبر دینا اس کی صداقت و راست بازی کے پیش نظر ماضی کی طرح ہے]۔

۱٦٦- ﴿اِذْ تَبَرَّاَ﴾ "ذال" اور "تا" جہاں بھی اکٹھے واقع ہوں وہاں عراقی "ذال" کو "تا" میں مدغم کر کے پڑھتے ہیں جب کہ امام عاصم ایسا نہیں کرتے اور یہ "اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ" سے بدل واقع ہو رہا ہے ﴿الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا﴾ جن کی پیروی کی جاتی رہی' وہ قوم کے سردار ہیں ﴿مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا﴾ اپنے پیروکاروں سے ﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ﴾ اس میں واوَ حال کے معنی میں ہے یعنی جس وقت کافروں کے سردار عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔ ﴿وَتَقَطَّعَتْ﴾ اس کا "تَبَرَّاَ" پر عطف ہے۔ ﴿بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾ وہ وسائل اور ذرائع جن کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دین پر متفق تھے وہ ختم ہو جائیں گے اور آپس کی خاندانی رشتہ داریاں اور دوستی کی تعلق داریاں سب ختم ہو جائیں گی۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

ع ۴

اور پیروی کرنے والے کہیں گے: کاش! ہمارے لیے (دنیا میں) لوٹنا ممکن ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں' اس طرح اللہ ان کے اعمال کو حسرت ناک بنا کر ان کو دکھائے گا' اور وہ دوزخ سے ہرگز نکلنے والے نہیں ہیں O اے لوگو! تم زمین کی صرف حلال و پاک چیزیں کھاؤ اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرو' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O بے شک وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے بارے میں تمہیں ایسی بات کہنے کا (حکم دیتا ہے) جس کا تمہیں علم نہیں O

۱۶۷- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا﴾ اور اس دن پیروکار کہیں گے: ﴿لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً﴾ کاش ایک دفعہ دوبارہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے ﴿فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ﴾ یہ تمنی کے جواب میں منصوب ہے کیونکہ حرف "لَـو" تمنی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اب معنی یہ ہوگا کہ کاش ایک دفعہ دوبارہ ہمیں دنیا میں بھیج دیا جائے تو ہم بھی ان سے بے زار ہو جائیں گے۔ ﴿كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا﴾ جس طرح وہ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ ﴿كَذٰلِكَ﴾ ان کی قبیح اور بدترین آرزوؤں کی طرح ﴿يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو بتوں کی عبادت کرنے کے بد اعمال حسرت ناک بنا کر دکھائے گا۔ ﴿حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ندامت و شرمندگی ہوگی اور یہ "یُـرِیْهِـمْ" کا تیسرا مفعول ہے اور اس کا معنی ہے کہ ان کے بد اعمال ان پر حسرت ناک بنا دیئے جائیں گے چنانچہ وہ اپنے اعمال کی جگہ حسرتوں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکیں گے۔ ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ اور وہ جہنم کی آگ سے نہیں نکالے جائیں گے بلکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

رزقِ حلال کی اہمیت اور شیطان کی اتباع کی ممانعت

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے "بَحِیْرَة" وغیرہ نام کے جانوروں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تھا[1]

۱۶۸- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا﴾ اے لوگو! (حلال طیب چیزیں) کھاؤ۔ یہ امر اباحت کے لیے ہے (وجوب کے لیے نہیں) ﴿مِمَّا فِي الْاَرْضِ﴾ ("مِـمَّا" اصل میں "مِنْ مَـا" ہے اور اس میں) "مِنْ" تبعیض کا ہے کیونکہ زمین کی ہر چیز نہیں کھائی جاتی (بلکہ بعض وہ چیزیں کھائی جاتی ہیں جو کھانے کے قابل ہوتی ہیں) ﴿حَلٰلًا﴾ یہ "كُـلُوْا" کا مفعول بہ ہے یا پھر "مِمَّا فِي الْاَرْضِ" کا حال واقع ہو رہا ہے۔ ﴿طَيِّبًا﴾ ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہو ﴿وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کے راستوں پر نہ چلو جن کی طرف وہ تمہیں دعوت دیتا ہے۔ قاری ابو عمرو اس کے علاوہ عباس نافع مدنی حمزہ اور ابوبکر نے (خُطْوَاتِ میں) "طا" کو ساکن پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے "طا" کو مضموم پڑھا ہے) اور "خُطْوَةٌ" اصل میں چلنے والے کے دونوں قدموں کے درمیان کی مسافت کو کہتے ہیں۔ "اِتَّـبَعَ خُطُوَاتِهِ" اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کی اقتداء کرے اور اس کے طریقے پر چلے۔ ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ جس کی عداوت و دشمنی ظاہر ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں (اور "مُبِیْنٌ"، "اَبَـانَةٌ" سے مشتق ہے جس کا فعل ماضی "اَبَـانَ" ہے) اور "اَبَـانَ" لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کے خلاف نہیں اور وہ یہ ہے: "وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ۔ (البقرہ: ۲۵۷) اور جنہوں نے کفر کیا ہے ان کا دوست طاغوت یعنی شیطان ہے" کیونکہ وہ حقیقت میں لوگوں کا دشمن ہے اور بظاہر ان کا دوست ہے چنانچہ وہ بظاہر ان سے دوستی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے اعمال کو ان کے سامنے خوبصورت کر کے پیش کرتا ہے اور حقیقت میں ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔

۱۶۹- ﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ﴾ شیطان کی اتباع سے روکنے کے وجوب اور اس کی عداوت کے ظہور کا بیان ہے یعنی شیطان تمہیں خیر و بھلائی کا کبھی حکم نہیں دے گا وہ صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ ﴿بِالسُّوْٓءِ﴾ قبیح اور برا کام ﴿وَالْفَحْشَآءِ﴾

[1] جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی جن میں آخری نر ہوتا تو مشرکین اس کے کان چیر دیتے تھے اور اس پر سوار ہونے اور سامان لادنے اور اس کے ذبح کو حرام قرار دے دیتے تھے اور اس کو کسی جگہ بھی گھاس چرنے اور پانی پینے سے منع نہ کیا جاتا تھا اور اس کو بحیرہ کہتے تھے۔

بڑے بڑے گناہوں میں سے حد سے بڑھ کر بدترین گناہ اور ایک قول یہ ہے کہ ''سُوْء'' اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس کے ارتکاب پر حد (یعنی شرعی سزا) لاگو نہ ہو سکے اور ''فَحْشَآء'' اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس کے ارتکاب پر حد لاگو ہو سکے۔ ﴿وَاَنْ تَقُوْلُوْا﴾ ''بِالسُّوْءِ'' پر معطوف ہونے کے باعث جر کی جگہ پر واقع ہے دراصل ''بِاَنْ تَقُوْلُوْا'' ہے۔ ﴿عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور بغیر علم کے تمہارا یہ کہہ دینا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے (اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے) اور اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے جب کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق جائز نہ ہو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں: بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور کیا اگر چہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں O اور کافروں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے شخص کو پکارتا ہے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہیں سنتا' بہرے' گونگے' اندھے ہیں' سو وہ کچھ نہیں سمجھتے O اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو O

مشرک آباء واجداد کی تقلید کی ممانعت

۱۷۰- ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ان تعلیمات کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں۔ ''هُمْ'' کی ضمیر ''نَاسِ'' کی طرف لوٹتی ہے اور ان سے التفات کے طریقے پر خطاب کرنے سے عدول کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ مشرکین مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود کی ایک جماعت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایمان لانے اور قرآن کریم کی اتباع کی دعوت دی تو ﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیونکہ وہ ہم سے بہتر اور زیادہ جانتے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ [واؤ حال کے معنی میں ہے اور ہمزہ مشرکین کے کلام کی تردید کرنے اور ان کی بے ہودہ گفتگو پر تعجب کرنے کے معنی میں ہے] اور اس کا معنی ہے کہ کیا یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی پیروی کریں گے خواہ وہ (بے عقل ہوں اور) ﴿لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا﴾ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں (اور خواہ وہ) ان لوگوں میں سے ہوں جو ﴿وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ حق کی راہ نہیں پا سکتے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک مثال بیان کی اور فرمایا:

۱۷۱- ﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [مضاف محذوف ہے] یعنی کافروں کو دین حق اور ایمان کی دعوت دینے والوں کی

مثال ﴿ كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ ﴾ اس شخص کی طرح ہے جو بلند آواز سے پکارتا ہے ﴿ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ﴾ اس کو جو سوائے چیخ و پکار کے کچھ نہیں سنتا جیسے جانور نہیں سنتے اور معنی یہ ہے کہ کافروں کو ایمان کی دعوت دینے والوں کی مثال اس طرح ہے کہ کافران کی دعوت حق کو نہیں سنتے مگر ذہنی اور بصری توجہ کے بغیر صرف کانے کی سرسراہٹ اور آواز کی بھنبھناہٹ کی طرح سنتے ہیں' جیسے چوپایوں کو آواز دینے والا ہوتا ہے کہ چوپائے صرف اس کی آواز کو اور اس پکار کو سنتے ہیں جس میں زجر و توبیخ ہوتی ہے اور کچھ نہیں سمجھتے جیسا کہ عقل مند سمجھتے ہیں۔ ''نَعِيْق'' کا معنی ہے: آواز دینا جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''نَعَقَ الْمُؤَذِّنُ وَالرَّاعِيْ بِالضَّاْنِ. کہ مؤذن نے (لوگوں کو) آواز دی اور چرواہا نے بھیڑ بکریوں کو آواز دی'' اور ''نِدَآء'' ایسی آواز کو کہا جاتا ہے جو سنی جا سکے اور ''دُعَآء'' ایسی آواز کو کہا جاتا ہے جو کبھی سنی جا سکے اور کبھی نہ سنی جا سکے۔ ﴿ صُمٌّ ﴾ [مبتداء مضمر کی خبر ہے' اصل میں ''هُمْ صُمٌّ'' ہے یعنی وہ بہرے ہیں۔ ﴿ بُكْمٌ ﴾ دوسری خبر ہے یعنی وہ گونگے ہیں ﴿ عُمْيٌ ﴾ یعنی حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں' یہ تیسری خبر ہے۔ ﴿ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ پس وہ نصیحت کو بھی نہیں سمجھتے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جن چیزوں کو مشرکین نے حرام قرار دیا ہے وہ حلال ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۷۲- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں یعنی ان میں سے لذیذ اور حلال چیزیں کھاؤ' ﴿ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کی ہیں ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ اگر یہ بات درست ہے کہ تم صرف اسی (خدا) کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہو اور اقرار کرتے ہو کہ بے شک وہی تمام نعمتیں عطا کرنے والا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء کو بیان کیا اور فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

بے شک اللہ نے تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام کر دیئے ہیں' پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ لذت و شہوت سے کھائے اور نہ ضرورت سے زائد کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○ بے شک اللہ نے جو کتاب میں نازل کیا ہے اس کو جو لوگ چھپاتے ہیں اور اس کے عوض میں تھوڑی سی قیمت وصول کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

۱۷۳- ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار حرام کر دیا ہے اور اس سے ہر وہ جانور مراد ہے جو ذبح کے قابل ہو مگر بغیر ذبح کے مر جائے اور حرف ''اِنَّمَا'' مذکور کے اثبات اور اس کے ماسوا کی نفی کرنے کے لیے آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار حرام کیا ہے۔ ﴿ وَالدَّمَ ﴾ بہنے والا خون حرام ہے کیونکہ دوسرے مقام میں ارشاد

باری تعالیٰ ہے:''اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا. یعنی بہتا خون حرام ہے''۔(الانعام:۱۴۶)البتہ حدیث نبوی کے مطابق دو مردار اور دو خون حلال ہیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ دو مردار اور دو خون ہمارے لیے حلال کر دیئے گئے یعنی مچھلی' ٹڈی' کلیجی اور تلی ﴿وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾ یعنی خنزیر اپنے تمام اعضاء واجزاء سمیت حرام ہے لیکن گوشت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کھانے میں صرف یہی مقصود ہوتا ہے ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ یعنی بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو (تو حرام ہے ورنہ نہیں) اور اصل میں ''اِهْلَال'' کا معنی ہے: آواز کو بلند کرنا یعنی اس کے ساتھ بتوں کے لیے آواز بلند کی گئی ہو اور یہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں (کا طریقہ تھا کہ وہ جانور کو ذبح کرتے وقت) ''بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى'' کہا کرتے تھے[1]﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ جو شخص مجبو ہو جائے۔[قاری ابو عمرو بصری اور حمزہ اور عاصم نے نون کو مکسور پڑھا ہے التقائے ساکنین کی وجہ سے یعنی نون اور ضاد کی وجہ سے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے ''طا'' کے مضموم ہونے کی مناسبت سے نون کو مضموم پڑھا ہے ﴿غَيْرَ﴾ حال ہے یعنی (مجبوری کی حالت میں مذکورہ بالا حرام چیزوں کو) کھانے والا شخص نہ تو ﴿بَاغٍ﴾ لذت وشہوت کا طالب ہو ﴿وَّلَا عَادٍ﴾ اور نہ تو ضرورت کی مقدار میں حد سے بڑھنے والا ہو اور جس نے کہا کہ امام وقت پر بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ حرام سفر پر جانے والا ہو تو اس کا یہ قول ضعیف ہے کیونکہ طاعت کا سفر بھی بلا ضرورت جائز نہیں اور بلا سفر گھر میں رہنا جائز ہے اور اس لیے بھی کہ آدمی بغاوت کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا' پس وہ محرومی کا مستحق نہیں اور مضطر ومجبور شخص کے لیے اس قدر حرام اشیاء استعمال کرنا جائز ہے جس سے اتنی جسمانی قوت بحال ہو جائے کہ زندگی بچ جائے اور پیٹ بھر کر نہ کھایا جائے کیونکہ اباحت صرف اضطرار کے لیے ہے' لہٰذا اسی قدر جائز ہے جس قدر ضرورت مندفع ہو سکے۔ ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ تو ان چیزوں کے کھانے میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ بخشنے والا ہے بھلا وہ حالت مجبوری میں مردار کھانے پر کیوں کر گرفت فرمائے گا۔ ﴿رَّحِيْمٌ﴾ جب کہ اس نے خود رخصت عنایت کی ہے۔

محبوبِ خدا کی شان میں یہود کی خیانت

شانِ نزول: درج ذیل آیات یہود کے علماء کے حق میں نازل ہوئیں جنہوں نے یہود سے رشوت لے کر حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اوصاف وکمالات اور آپ کی نعت وتعریف کی آیات کو تبدیل کر دیا۔

۱۷۴۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ بے شک جو لوگ حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات مقدسہ کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تورات میں نازل کی ہیں۔ ﴿وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ اور اس کے عوض میں تھوڑی سی حقیر قیمت وصول کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ﴾ یہ لوگ (شانِ مصطفےٰ چھپانے کے معاوضہ میں رشوت کا مال) کھا کر اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں (اہلِ عرب) کہتے ہیں: ''اَكَلَ فُلَانٌ فِيْ بَطْنِهٖ وَاَكَلَ فِيْ بَعْضِ بَطْنِهٖ. یعنی فلاں شخص نے پیٹ بھر کر کھایا اور فلاں نے کچھ کم کھایا''۔ ﴿اِلَّا النَّارَ﴾ کیونکہ جب انہوں نے ایسا مال کھایا جو آگ کا سبب ہے کہ اس مال کی وجہ سے ان کو آگ کی سزا ملے گی تو گویا انہوں نے آگ کھالی اور اسی سے ان کا یہ مقولہ ہے کہ ''اَكَلَ فُلَانٌ الدَّمَ'' جب کوئی شخص خون بہا کھا جائے جو درحقیقت خون کرنے کا بدلا ہوتا ہے (نیز)

[1] لہٰذا جس جانور کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے صرف اسی کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ جانور حلال ہے خواہ ذبح سے پہلے یا اس کے بعد ایصالِ ثواب کی غرض سے کسی ولی کا نام لیا جائے۔ اسی طرح ایصالِ ثواب کی دیگر جائز اشیاء کا حکم ہے بشرطیکہ رسماً نہ کی جائیں۔

کہا کہ وہ لوگ ہمیشہ پالان کھا جاتے ہیں یعنی پالان کی قیمت کھا جاتے ہیں' قیمت کی جگہ پالان اس لیے کہا کہ قیمت سبب ہے۔ ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے خوش کرنے والا کلام نہیں فرمائے گا لیکن تکلیف دہ کلام فرمائے گا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ''اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ O (المؤمنون:۱۰۸) یعنی تم اس (جہنم) میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو'' ﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہ تو ان کو ان کے گناہوں کے میل کچیل سے پاک کرے گا اور نہ ان کی تعریف کرے گا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور حرفِ نفی اپنے فعل کے ساتھ مل کر ''اُولٰٓئِكَ'' کی خبر ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' اپنی خبر کے ساتھ مل کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور تینوں جملے ''اِنَّ'' کی خبر پر معطوف ہیں تو اس طرح تمام جملے ملا کر ''اِنَّ'' کی چار خبریں ہوگئیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی اور بخشش کے بدلے عذاب (خرید لیا)' سو وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں O یہ اس لیے کہ بے شک اللہ نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے' اور بے شک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ یقیناً مخالفت کے باعث حق سے بہت دور ہو گئے ہیں O

۱۷۵- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت مبارکہ چھپا کر ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت و بخشش کے بدلے عذاب کو خرید لیا ﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ پس کس چیز نے ان کو ایسے عمل پر صبر دلا دیا ہے جو ان کو جہنم کی آگ میں لے جائے گا اور یہ جملہ سوالیہ ہے مگر اس کا معنی زجر و توبیخ کرنا اور انہیں ڈانٹنا ہے۔

۱۷۶- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ یعنی یہ عذاب اس سبب سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا﴾ اور بے شک جنہوں نے اختلاف کیا یعنی اہل کتاب نے ﴿فِى الْكِتٰبِ﴾ لام جنس کا ہے یعنی اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں اختلاف کیا' چنانچہ انہوں نے بعض کتابوں کے بارے میں کہا: یہ حق ہیں اور بعض کے بارے میں کہا: یہ باطل ہیں ﴿لَفِىْ شِقَاقٍ﴾ اختلاف میں ﴿بَعِيْدٍ﴾ یعنی یہ لوگ اختلاف کے سبب یا اپنے کفر کی وجہ سے حق سے بہت دور ہو گئے ہیں اور یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل فرمایا جیسا کہ وہ خود جانتے تھے اور جنہوں نے اس میں اختلاف کیا وہ ہدایت سے بہت دور ہو چکے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو لیکن اصل نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا مال اس کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلام آزاد کرنے کے لیے خرچ کرے اور نماز کو قائم رکھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والے ہوں جب کوئی عہد کریں اور مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت صبر کرنے والے ہوں' یہی سچے لوگ ہیں' اور یہی پرہیزگار ہیں O

۱۷۷- ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا﴾ یعنی تمہارا (اپنے چہروں کو) پھیرنا کوئی نیکی نہیں ہے ﴿وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ اور یہ اہل کتاب کو خطاب ہے کیونکہ عیسائیوں کا قبلہ بیت المقدس کا مشرق ہے اور یہود کا قبلہ اس کا مغرب ہے اور ان دو فریقوں میں سے ہر ایک فریق یہ خیال کرتا ہے کہ ان کے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ہی اصل نیکی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نیکی پر نہیں ہو کیونکہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ﴾ اور لیکن نیکی ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ یا نیکی کرنے والا اور یہ دونوں قول حذفِ مضاف کی بناء پر ہیں اور پہلا قول زیادہ بہتر ہے اور ہر اچھے اور پسندیدہ عمل اور بھلائی کا نام "بِــرّ" ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب قبلہ کے معاملہ میں مسلمانوں اور اہل کتاب کا غور و خوض زیادہ ہو گیا تو انہیں کہا گیا کہ سب سے بڑی نیکی جس کی شان میں مشغول ہو کر باقی تمام قسم کی نیکیوں سے غافل ہونا لازم اور واجب ہے وہ قبلہ کی طرف منہ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ نیکی جس کا اہتمام کرنا واجب و لازم ہے وہ ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ہے اور (آیتِ مبارکہ میں مذکورہ) ان اعمال پر قائم رہنا ہے اور "لَيْــسَ الْبِرَّ" میں "اَلْبِرَّ" کا منصوب ہونا اس بنا پر ہے کہ یہ "لَيْسَ" کی خبرِ مقدم ہے اور "اَنْ تُوَلُّوْا" اس کا اسمِ مؤخر ہے۔ یہ امام حفص اور امام حمزہ کی قراءت ہے "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ" قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قرات ہے اور امام مبرد سے منقول ہے' آپ نے فرمایا: اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو قرآن مجید پڑھتے ہیں تو تم "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ" ہی پڑھنا اور "وَلٰكِنَّ الْبَارَّ" بھی پڑھا گیا ہے ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ یعنی حشر کے دن (جس دن سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر میدانِ محشر میں جمع ہوں گے) ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ﴾ یعنی تمام کتب الٰہیہ یا صرف قرآن مجید مراد ہے ﴿وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت میں یا مال کی محبت کے باوجود یا مال دینے کی محبت سے سرشار ہو کر اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ اپنا مال اس حال میں دینا چاہتا ہے کہ اس کا دل دینے پر خوش ہوتا ہے ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ یعنی رشتہ دار۔ ان کو اس لیے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہارا مسکین کو صدقہ دینا صرف ایک صدقہ ہی ہے اور اپنے رشتہ دار کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے دوسرا صلہ رحمی بھی ہے ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور قرابت داروں اور یتیموں میں سے صرف فقراء اور ضرورت مند مراد ہیں اور ان کو اس لیے مطلق ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں کسی قسم کا التباس و اشتباہ نہیں ہے

﴿وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ مسکین کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہمیشہ لوگوں کے ہاں سکون ملتا ہے اس لیے اس کو مسکین کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے اپنے پاس کچھ نہیں ہوتا جیسے نشہ باز کو ہمیشہ شراب میں سکون ملتا ہے ﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ اور اس سے وہ مسافر مراد ہے جس کے پاس مال ختم ہو جائے اور یہ اسم جنس ہے اگر چہ باعتبار لفظ کے مفرد ہے اور مسافر کو ابن السبیل اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ وہ سفر کا التزام رکھتا ہے یا مہمان (کو بھی ابن السبیل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی سفر کر کے آتا ہے جیسے راہزن کو ابن الطریق کہا جاتا ہے) ﴿وَالسَّآئِلِيْنَ﴾ کھانا وغیرہ مانگنے والے ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ اور مکاتبوں (جن غلاموں کا آقا ایک مقرر مقدار رقم پر آزاد کرنے کا وعدہ کر لے ان کو مکاتب کہا جاتا ہے) کی معاونت میں مال خرچ کیا جائے تا کہ وہ غلامی کی زندگی سے آزاد ہو جائیں یا قیدیوں کو چھڑانے میں مال خرچ کیا جائے ﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ یعنی فرض نمازیں ادا کرتا ہے ﴿وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ اور فرض کردہ مال ادا کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ پہلے کی تاکید ہے اور بعض نے کہا: پہلے سے نفلی صدقات اور دوسرے نیک کام مراد ہیں ﴿وَالْمُوْفُوْنَ﴾ اور پورا کرنے والے ہیں۔ اس کا "مَنْ اٰمَنَ" پر عطف ہے ﴿بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ اپنے عہد کو جب وہ اللہ تعالیٰ اور دیگر انسانوں سے عہد کرتے ہیں ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ یہ مدح کے طور پر منصوب ہے اور مدح کے ساتھ اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ مقاماتِ جہاد اور مصائب و شدائد میں صبر کرنے کی فضیلت کو باقی تمام اعمال پر ظاہر کیا جائے یعنی یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں ﴿فِي الْبَاْسَآءِ﴾ فقر و فاقہ میں اور انتہائی تکلیف و سختی میں ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ اور امراض و آفات میں ﴿وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾ اور جہاد کے وقت ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا﴾ یعنی اس صفت صبر کے حامل وہی لوگ ہیں جو اپنے دین میں سچے ہیں۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اے ایمان والو! ناحق مارے جانے کے خون کا بدلا لینا تم پر فرض کیا گیا ہے' آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت' پھر جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا ہو تو بھلائی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا جائے اور اس کی ادائیگی نیکی کے ساتھ کی جائے' یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے' پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا○ اور اے عقلمند لوگو! تمہارے لیے خون کا بدلا لینے میں زندگی ہے تا کہ تم (ناحق قتل کرنے سے) بچو○

قصاص کے احکام

شانِ نزول: ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبائلِ عرب میں سے دو قبیلوں کے درمیان خون بہا کا جھگڑا

چل رہا تھا اوران میں سے ایک دوسرے سے زیادہ طاقتور تھا تو انہوں نے قسم کھا کر دوسرے قبیلے سے کہا کہ ہم اپنے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد اور عورت کے بدلے میں مرد اور ایک آدمی کے بدلے میں تمہارے دو آدمی ضرور قتل کریں گے' پھر وہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوئے جب کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کا مبارک دور شروع ہو چکا تھا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۱۷۸-﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم پر فرض کر دیا گیا ہے ﴿ الْقِصَاصُ ﴾ اس سے مراد خون کا بدلا لینے میں مساوات و برابری قائم کرنا ہے اوراس کی اصل ''قَصَّ اَثَرَهٗ وَاقْتَصَّهٗ '' سے ہے جب کوئی شخص کسی کی اتباع کرتا ہے اوراسی سے ''قَــاصٌ'' (قصہ گو) بنا ہے کیونکہ وہ بھی قصے اور کہانیوں کی پیروی کرتا ہے ﴿ فِي الْقَتْلٰى ﴾ یہ ''قَتِيْـلٌ'' کی جمع ہے اوراس کا معنی یہ ہے کہ مقتولوں کے بارے میں مساوات اور مماثلت کا لحاظ رکھنا تم پر فرض کیا گیا ہے ﴿ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ ﴾ مبتداء خبر ہیں یعنی آزاد کے بدلے میں آزاد کو (خون بہا کی) سزا دی جائے گی یا اس کو قتل کیا جائے گا ﴿ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ﴾ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس نص کی وجہ سے غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا اور ہمارے (احناف) کے نزدیک آزاد اور غلام کے درمیان قصاص جاری کیا جاتا ہے (یعنی قتل کی صورت میں غلام کو آزاد کے بدلے میں اور آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جا سکتا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ. (المائدہ:۴۵) بے شک جان کے بدلے جان ہے (خواہ مقتول مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام) اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں برابر بدلا ہے''۔ جیسا کہ مرد اور عورت کے درمیان قصاص ہے اور (احناف کا یہ موقف) حضور سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق ہے کہ ''اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ. تمام مسلمانوں کا خون یکساں ہے'' اوراس لیے بھی کہ ذاتی طور پر اشخاص میں تفاضل و برتری معتبر نہیں ہے اوراس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک پوری جماعت مل کر ایک شخص کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں سب کو قتل کیا جائے گا اوراس لیے بھی کہ ایک نوع کے ساتھ حکم کی تخصیص سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری نوع سے اس کی نفی ہو جائے بلکہ اس میں حکم دوسری دلیل کے ثبوت پر موقوف ہوتا ہے اور دلیل وارد (ثابت) ہو چکی ہے جیسا کہ ہم نے (آیتِ مائدہ سے) بیان کر دیا ہے ﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾ مفسرین کرام نے کہا کہ عفو عقوبت کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے: ''عَفَوْتُ عَنْ فُلَانٍ'' جب تم نے اس کو معاف کر دیا ہو اوراس کو سزا دینے سے اپنا منہ پھیر لیا ہو اور یہ جانی (مجرم) اور جنایت (جرم) کی طرف ''عَنْ'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے درج آیات میں ارشاد فرمایا:) ''ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ. (البقرہ:۵۲) پھر ہم نے اس کے بعد تم کو معاف کر دیا''۔ ''وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ. (الشوریٰ:۲۵) اوروہ گناہوں سے درگزر فرماتا ہے'' اور جب وہ دونوں (جانی اور جنایت) جمع ہو جائیں تو پہلے کی طرح لام کے ساتھ متعدی ہوگا' سو تم یوں کہہ سکتے ہو: ''عَفَوْتُ لَهٗ عَنْ ذَنْبِهٖ. کہ میں نے اس کی خاطر اس کا جرم معاف کر دیا'' اوراس قانون کے مطابق یہ حدیث ہے: ''عَفَوْتُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ. یعنی میں نے تمہیں (خدمت کے) غلام اور (سواری کے) گھوڑوں کی زکوٰۃ معاف فرما دی ہے'' اور زجاج نے کہا کہ ''مَنْ عُفِيَ لَهٗ'' کا مطلب ہے کہ قاتل کا خون بہا کے معاوضہ میں قتل کرنا ترک کر دیا گیا ہے اور ازہری نے کہا کہ لغت میں عفو کا معنی زائد ہے اور اسی کے مطابق یہ آیت مبارکہ ہے: ''يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ. (البقرہ:۲۱۹) یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تم فرما دو: جو زائد

ہو"۔ کہا جاتا ہے: "عَفَوْتُ لِفُلَانٍ بِمَالٍ" جب تم اس کو اس کے مال سے بڑھ کر زیادہ عطا کر دو اور "عَفَوْتُ لَهُ عَمَّالِيْ عَلَيْهِ" اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کو چھوڑ دو اور جمہور کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا ہو۔ یہ اس بنا پر ہے کہ فعل کا اسناد مصدر کی طرف ہے جیسے "سِيْرَ بِزَيْدٍ بَعْضُ السَّيْرِ" اور بھائی سے مقتول کے وارث مراد ہیں اور اخوت کا ذکر کر کے وارث کو نرم رویہ اختیار کرنے پر ابھارا گیا ہے کیونکہ ان دونوں میں قومی اور اسلامی رشتہ موجود ہے اور "مَنْ" سے قاتل مراد ہے جس کو اس کا جرم معاف کیا گیا ہو اور دوسرے مفعول کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں تھی اور بعض نے کہا کہ "لَهُ" دوسرے مفعول کا قائم مقام ہے اور "لَهُ" اور "اَخِيْهِ" کی ضمیریں "مَنْ" کی طرف راجع ہیں اور "اِلَيْهِ" کی ضمیر "اَخِيْ" کی طرف لوٹتی ہے یا مطالبہ کرنے والے کی طرف لوٹتی ہے جس پر "اَخِيْ" دلالت کر رہا ہے اور معنی یہ ہے کہ طالب قاتل سے بھلائی کے ساتھ تقاضا کرے یعنی نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے اچھے انداز میں مطالبہ کرے اور مطلوب یعنی قاتل کو خون بہا نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے کہ نہ تو اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے اور نہ ناقص وردی مال ادا کرے اور کچھ معاف کرنے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جب خون بہا کا کچھ معاف کر دیا گیا ہو یا مقتول کے بعض وارثوں نے قاتل کو معاف کر دیا تو اس کو مکمل معافی دی جائے گی اور قصاص ختم ہو جائے گا اور جس نے "عَفَا" کی تفسیر "تَرَكَ" کی اس نے "شَيْءٌ" کو مفعول بہ قرار دیا ہے اور اسی طرح جس نے "عَفَا" کی "اَعْطٰى" کے ساتھ تفسیر کی یعنی وارث کو جب صلح کے طور پر اس کے بھائی یعنی قاتل کے مال سے کچھ دے دیا جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بغیر سختی کے بھلائی کے ساتھ وصول کرے اور قاتل پر لازم ہے کہ وہ اس کو بغیر تاخیر کے جلدی ادا کر دے اور اتباع کا رفع مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے یعنی دراصل "فَالْوَاجِبُ اِتِّبَاعٌ" ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ معاف کرنے اور قصاص کی بجائے خون بہا لینے کا مذکورہ بالا حکم ﴿تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے کیونکہ تورات میں قتل کا بدلا صرف قتل کرنا تھا اس کے علاوہ اور کوئی رعایت نہیں تھی اور انجیل میں قتل کا بدلا نہ تھا اور نہ خون بہا بلکہ صرف معاف کر دینے کا حکم تھا اور ہمارے لیے (یعنی شریعت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں) وسعت و گنجائش اور آسانی مہیا کرنے کے لیے قتل کا بدلا قتل اور صلح کے طور پر بالکل معاف کر دینا اور بطور خون بہا مقتول کے عوض میں مقرر کردہ مال وصول کرنا جائز کر دیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب مؤمن ہے (اور ایمان سے خارج نہیں) کیونکہ قتل کرنے کے باوجود اسے ایمان کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور ایمان کے ذریعے ثابت شدہ اسلامی اخوت کو باقی رکھا گیا ہے اور تخفیف اور رعایت اور رحمت کا مستحق قرار دیا گیا ہے ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اس تخفیف و رعایت کے بعد جو شخص قتل کے مقرر کردہ شرعی قانون سے تجاوز کرتے ہوئے قاتل کی بجائے کسی اور کو قتل کرے گا یا خون بہا وصول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا ﴿فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ تو اس کو آخرت میں دردناک قسم کا عذاب ہوگا۔

۱۷۹-﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ یہ کلام فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتا ہے اس لیے کہ اس میں عجیب و غریب اور انوکھا انداز اختیار کیا گیا ہے کیونکہ قصاص تو قتل ہے اور زندگی کو مٹاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کو حیات کا ظرف (اور سبب) بنا دیا گیا ہے (اور مظروف جب ظرف میں آ جاتا ہے تو محفوظ ہو جاتا ہے) اور قصاص کو معرفہ لانے اور "حَيٰوةٌ" کو نکرہ لانے میں روشن ترین بلاغت ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قصاص کے حکم کی وجہ سے اس جنس میں تمہارے لیے بہت بڑی حیات رہے اس لیے کہ قصاص نے زمانہ جاہلیت کی ایک بدترین رسم کو روک دیا اور وہ یہ کہ ایک آدمی کے قتل ہو جانے پر اس کے ورثاء جب بھی قدرت پاتے قاتل کے خاندان کی پوری جماعت کو قتل کر دیتے تھے (جب کہ قصاص میں

صرف قاتل کو قتل کیا جاتا ہے اور باقی لوگوں کی زندگیاں محفوظ ہو جاتی ہیں) لہٰذا قصاص بذاتِ خود حیات ہے یعنی مکمل حیات ہے یا حیات کی ایک قسم ہے اور یہ وہ حیات ہے جو قاتل کو قصاص کا حکم معلوم ہونے کی وجہ سے قتل سے باز آ جانے پر حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب وہ قتل کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو قصاص یاد آ جاتا ہے اور وہ قتل سے رک جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ساتھی قتل سے محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ خود قصاص سے محفوظ ہو جاتا ہے تو گویا قصاص کا مشروع ہونا دو جانوں کی حیات کا سبب ہے ﴿ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ اے صاحبانِ عقول ﴿ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تا کہ تم قصاص کے خوف سے قتل سے بچ جاؤ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر وہ مال چھوڑ جائے تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے' یہ پرہیز گاروں پر لازم ہے O پھر جس نے اس کو سننے کے بعد بدل دیا تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا' بے شک اللہ سب کچھ سننے (اور) جاننے والا ہے O پھر جس کو وصیت کرنے والے سے بے انصافی یا گناہ کا اندیشہ ہو تو وہ ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

۱۸۰- ﴿ کُتِبَ عَلَیْکُمْ ﴾ ''کُتِبَ'' بہ معنی ''فُرِضَ'' ہے یعنی تم پر وصیت کرنا فرض کر دیا گیا ہے ﴿ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ ﴾ یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے اور اس کی علامات اور نشانیاں ظاہر ہو جائیں ﴿ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ﴾ تو اگر وہ کثیر مال چھوڑ کر جا رہا ہے کیونکہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے غلام نے وصیت کرنا چاہی جس کے پاس سات سو درہم تھے تو آپ نے اس کو منع کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنْ تَرَکَ خَیْرًا'' اور خیر سے مراد کثیر مال ہے اور تمہارے پاس کثیر مال نہیں ہے اور ''کُتِبَ'' کا فاعل ﴿ اَلْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ﴾ ''اَلْوَصِیَّۃُ'' ہے یعنی ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے اور دراصل اسلام کے ابتدائی دور میں وارث کے لیے وصیت کرنا ضروری تھا' پھر میراث کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا جیسا کہ ہم نے اس کو ''شرح المنار'' میں بیان کر دیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو کفر کے سبب وارث نہیں بن سکتے تھے اس لیے کہ وہ اسلام کے نئے دور میں تھے۔ خود آدمی تو مسلمان ہو جاتا لیکن اس کے ماں باپ اور دیگر رشتہ دار مسلمان نہیں ہوتے تھے اور اسلام نے مسلمان کی وراثت غیر مسلم کے لیے ختم کر دی ہے' لہٰذا حقِ قرابت پورا کرنے کے لیے ان کے درمیان وصیت کو بطور استحباب جائز قرار دیا گیا اور اس صورت میں ''کُتِبَ'' کا معنی ''فُرِضَ'' مراد نہیں لیا جا سکتا ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ انصاف کے ساتھ (وصیت کی جائے) اور وہ یہ ہے کہ نہ تو مالدار کے لیے وصیت کی

جائے اور نہ ضرورت مند کو چھوڑا جائے اور نہ تہائی مال سے زیادہ وصیت کی جائے ﴿حَقًّا﴾ مصدر مؤکد ہے یعنی اصل میں ''حَقَّ ذٰلِكَ حَقًّا'' ہے کہ یہ وصیت ثابت اور لازم ہے ﴿عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ان لوگوں پر جو شرک سے بچتے ہیں۔

۱۸۱۔﴿فَمَنْ بَدَّلَهٗ﴾ اگر یہ وصیت گواہوں اور وصیت کرنے والوں کی طرف سے شریعت کے موافق تھی تو پھر جس نے اس کو اس کے مقام سے تبدیل کر دیا ﴿بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ﴾ اس وصیت کو سننے کے بعد ﴿فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ تو اس کا گناہ صرف انہی لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اس وصیت کو تبدیل کر دیا ہے ان کے علاوہ وصیت کرنے والے اور جن کو وصیت کی گئی ہے ان پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ دونوں اس ظلم سے بری ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی بات کو سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ تبدیل کرنے والے کے ظلم کو جاننے والا ہے۔

۱۸۲۔﴿فَمَنْ خَافَ﴾ پس وہ جانتا ہے اور ان کے کلام میں یہ رائج ہے کہ ''خَافَ'' ''عَلِمَ'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' وہ کہا کرتے ہیں: ''اَخَافُ اَنْ لَّا تُرْسِلَ السَّمَآءُ'' اور وہ اس سے ظنِ غالب مراد لیتے ہیں جو علم کے قائم مقام ہے ﴿مِنْ مُّوْصٍ﴾ امام حفص کے علاوہ کوفیوں نے ''مُوَصٍّ'' (باب تفعیل سے) پڑھا ہے ﴿جَنَفًا﴾ وصیت کرنے میں غلطی کر کے حق سے روگردانی والا ہے ﴿اَوْ اِثْمًا﴾ یا جان بوجھ کر ظلم کرنے والا ہے ﴿فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ﴾ جن کے لیے وصیت کی گئی ہے ان کے درمیان صلح کرا دے اور اس سے والدین اور دیگر رشتہ دار مراد ہیں کہ ان کو شریعت کے طریقہ پر لگا دے ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ تو اس (غلط وصیت کو) تبدیل کرنے والے پر اب کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس نے تو باطل کو حق کی طرف تبدیل کر دیا ہے۔ (پہلے) اس شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو باطل کے ساتھ تبدیل کرتا ہے' پھر اس کا (ذکر کیا گیا) جو باطل کو حق کے ساتھ تبدیل کرتا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہر تبدیلی گناہ نہیں اور بعض نے کہا کہ یہ وصیت کرنے والے کی زندگی کی حالت میں ہے یعنی جو شخص وصیت کے وقت حاضر ہوا اور اس نے وصیت کو خلافِ شرع دیکھا تو اس نے وصیت کرنے والے کو اس سے روکا اور اس کو درست وصیت کرنے پر آمادہ کیا' لہٰذا وصیت کرنے والے نے پہلے جو کچھ کہا اس پر اب اس کو کوئی گناہ نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے' تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ ○ گنتی کے چند دن ہیں' سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں تو دوسرے دنوں میں اتنے روزوں کی گنتی پوری کرنی ہوگی' اور جو لوگ روزہ نہیں رکھ سکتے ان پر ہر روزے کے عوض میں ایک مسکین کو کھانا دینا لازم ہے' پھر جو اپنی خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے' اور روزے رکھنے تمہارے لیے زیادہ بہتر ہیں اگر تم جانتے ہو ○

روزوں کے احکام

۱۸۳- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں کیونکہ ''کُتِبَ'' ''فُرِضَ'' کے معنی میں ہے ﴿ الصِّیَامُ ﴾ یہ ''صَامَ'' فعل کا مصدر ہے اور اس سے ماہِ رمضان کے روزے مراد ہیں ﴿ كَمَا كُتِبَ ﴾ اصل میں ''كِتَابَةً مِثْلَ مَا كُتِبَ'' ہے کیونکہ یہ (كَمَا) مصدر محذوف (كِتَابَةً) کی صفت ہے ﴿ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمہارے زمانہ تک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اور سابقہ تمام امتوں پر روزے فرض کیے گئے تھے' سو یہ قدیمی عبادت ہے اور تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ ہر ایک کے لیے دن کو روزے فرض کیے گئے ہیں یعنی ماہِ رمضان کے دنوں میں روزے رکھ کر تم اس طرح عبادت کرنے والے ہو جس طرح تم سے پہلے لوگ عبادت کرتے تھے۔

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ تم روزوں کے ذریعے گناہوں سے بچو کیونکہ روزے نفس کو (گناہوں سے) باز رکھتے ہیں اور اس کو برائی کے مواقع سے روک دیتے ہیں یا (یہ معنی ہے:) تاکہ تم پرہیزگاروں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ کیونکہ روزے رکھنا ان کا شعار ہے۔

۱۸٤- ﴿ اَیَّامًا ﴾ اس کا منصوب ہونا ''اَلصِّیَامُ'' کی وجہ سے ہے (کیونکہ ''اَلصِّیَامُ'' کے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے ''اَیَّامًا'' اس کا مفعول فیہ ہے) یعنی ''كُتِبَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَصُوْمُوْا اَیَّامًا''. کہ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ تم (ماہِ رمضان کے) دنوں میں روزے رکھو ﴿ مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ مقرر اوقات جن کی گنتی معلوم ہے یعنی چند دن۔ اس کا اصل معنی ہے: قلیل اور تھوڑا مال جس کی گنتی کی جا سکے نہ کہ کثیر مال (جس کی گنتی نہ کی جا سکے) ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا ﴾ پس تم میں سے جو بیمار ہو اور اس کو خوف ہو کہ روزے کی وجہ سے بیماری بڑھ جائے گی ﴿ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ﴾ یا سفر پر سوار ہو ﴿ فَعِدَّةٌ ﴾ تو اس پر گنتی پوری کرنا لازم ہے یعنی (حالتِ مرض و سفر میں روزہ) توکھول دے گا البتہ جتنے دن روزے نہیں رکھے گا اتنے دن کے روزے رکھنا اس پر لازم ہوگا اور ''عِدَّةٌ'' ''مَعْدُوْدٌ'' کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ افطار کی جگہ گنتی کر کے اتنے دن روزے رکھے جائیں ﴿ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ﴾ سفر اور بیماری کے دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں اور ''اُخَرَ'' غیر منصرف ہے کہ اس میں وصف اور الف لام سے معدول ہونے کے باعث (دو سبب موجود ہیں) کیونکہ ''فُعْلٰی'' کی صفت میں اصل یہ ہے کہ اس کی جمع الف لام کے ساتھ استعمال ہوتی ہے جیسے ''كُبْرٰی'' اور ''اَلْكُبَرُ'' اور ''صُغْرٰی'' اور ''اَلصُّغَرُ'' ﴿ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ ﴾ جو لوگ روزے رکھ سکتے ہوں اور ان کے پاس کوئی عذر بھی نہ ہو لیکن اس کے باوجود اگر وہ افطار کرنا چاہیں اور روزے نہ رکھیں تو ان پر لازم ہے ﴿ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ﴾ ہر روزہ کے عوض میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا جو گندم کا نصف صاع ہے یا اس کے علاوہ پورا صاع ہے' سو ''طَعَامٌ'' ''فِدْیَةٌ'' سے بدل ہے اور قاری نافع مدنی اور ابن ذکوان نے ''فِدْیَةُ طَعَامِ مَسَاكِیْنَ'' پڑھا ہے اور یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب ان پر روزے فرض کیے گئے اور وہ اس کے عادی نہیں تھے جس کی وجہ سے ان پر روزے رکھنا دشوار ہو گیا تو انہیں افطار کرنے اور اس کی جگہ فدیہ دینے کی رخصت دی گئی' پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ'' کے نازل ہونے کے بعد یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا (اور صرف روزے رکھنا لازم قرار دیا گیا) اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ'' کو دوبارہ ذکر کیا گیا کیونکہ پہلے منسوخ کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا اور اب ناسخ کے ساتھ ذکر کیا گیا تاکہ یہ کلام اس حکم کے باقی و جاری رہنے پر دلالت

کرے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: ''لَا یُطِیْقُوْنَہٗ. یعنی جو روزہ نہیں رکھ سکتے''، پس حرفِ نفی لا کو مقدر کیا گیا ہے' حضرت حفصہ کی قراءت اسی طرح ہے اور اس معنی پر یہ آیت منسوخ نہیں ہوگی ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ پھر جو شخص اپنی خوشی سے فدیہ کی مقدار سے زیادہ دے دے ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ﴾ تو وہ اس کے لیے بہتر ہے یعنی تطوع یا خیر ہر ایک اس کے لیے بہتر ہے'' یَطَّوَّعْ''،''یَتَطَوَّعْ'' کے معنی میں ہے' یہی قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت ہے ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا﴾ اے روزوں کی طاقت رکھنے والو! (یا طاقت نہ رکھنے والو!) روزے رکھنا ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ فدیہ دینے اور خوشی سے زیادہ نیکی کرنے سے بہتر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سفر میں اور حالت بیماری میں روزے رکھنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں تم پر مشقت زیادہ ہو جائے گی ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو [یہ محذوف جواب کی شرط ہے]۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں رکھنے والا اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا ہے' پس تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ اتنے روزوں کی گنتی دوسرے دنوں میں پوری کر لے' اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت عطا کی ہے اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ O

۱۸۵- ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ ہے یعنی قرآن مجید کے نزول کا آغاز ماہِ رمضان میں ہوا اور وہ شبِ قدر میں نازل ہوا یا ماہِ رمضان کی شان میں نازل کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ'' اور یہ ''اَلصِّيَامُ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''ھُوَ شَھْرٌ'' اور رمضان ''رمض'' کا مصدر ہے جس کا معنی جلانا ہے' پھر اس کی طرف شہر کو مضاف کر کے مجموع کو علم قرار دیا گیا اور یہ غیر منصرف ہے۔ اس میں دو سبب ہیں: معرفہ ہونا اور الف نون (زائدتان) اور اہل عرب نے اس کا نام رمضان اس لیے رکھا کہ بھوک و پیاس کی گرمی اور اس کی شدتِ حرارت کی وجہ سے وہ اس میں جلنے لگتے اور اس لئے کہ جب انہوں نے مہینوں کے نام رکھے تو زمانوں اور موسموں کا لحاظ رکھتے ہوئے جس موسم میں مہینہ واقع ہوا اسی موسم کے نام پر رکھ دیا گیا' چنانچہ یہ مہینہ انتہائی گرمیوں کے دنوں میں آ گیا تھا اس لیے اس کا نام رمضان رکھا گیا' اگر تم کہو کہ حدیث میں صرف رمضان آیا ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. کہ جس نے رمضان میں

ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے تو اس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔[1] باوجود اس کے کہ اس مہینہ کا نام مضاف اور مضاف الیہ کا مجموعہ (شَهْرُ رَمَضَانَ) ماہِ رمضان ہے میں کہتا ہوں کہ یہ حذف کے باب سے ہے کیونکہ اس میں التباس سے امن ہے (لہٰذا حدیث میں دراصل ''مَنْ صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ'' الخ ہے) اور قاری ابن کثیر مکی نے ہمزہ کے بغیر ''اَلْقُرَانُ'' پڑھا ہے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ اس میں ''هُدًى'' کا نصب حال واقع ہونے کی وجہ سے ہے یعنی یہ قرآن مجید اس حال میں نازل کیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے اور اس کی آیات بالکل واضح اور روشن ترین ہیں کیونکہ ان میں حق کی طرف واضح ہدایت پائی جاتی ہے اور حق و باطل میں فرق کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا کہ یہ قرآن مجید ہدایت ہے' پھر ذکر کیا کہ اس کی آیات واضح ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی (قرآن مجید) اور دیگر کتب سماوی ہدایت دینے والی' ہدایت و گمراہی میں فرق کرنے والیوں کے ذریعے حق و باطل میں فرق واضح کر دیا ہے ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ پس جو شخص اس مہینہ میں حاضر و مقیم ہو اور مسافر نہ ہو تو اس مہینہ میں ضرور روزے رکھے اور افطار نہ کرے اور ''اَلشَّهْرَ'' ظرف (زمان' مفعول فیہ) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اسی طرح ''فَلْيَصُمْهُ'' میں ''ها'' ہے اور وہ مفعول بہ نہیں ہے کیونکہ مقیم اور مسافر دونوں ماہِ رمضان کو پانے والے ہیں۔

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے ''فَعِدَّةٌ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے' دراصل ''فَعَلَيْهِ عِدَّةٌ اَیْ صَوْمُ عِدَّةٍ'' یعنی اس پر روزوں کی گنتی پوری کرنا واجب و لازم ہے'' ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اس لیے اس نے سفر اور مرض میں افطار کو مباح قرار دیا ہے ﴿وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اور وہ تمہارے ساتھ مشقت نہیں چاہتا اور (اس لیے) جس نے مریض اور مسافر پر افطار کو فرض قرار دیا ہے حتیٰ کہ اگر یہ دونوں روزے رکھیں گے تو ان پر اعادہ واجب ہوگا تو اس نے اس (آسانی کے) موجب سے عدول کیا ہے ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ تاکہ تم نے جتنے دن افطار کیا ہے بیماری اور سفر ختم ہونے کے بعد اتنے دن کی گنتی پوری کرو اور جس فعل کی علت بیان کی گئی ہے وہ محذوف ہے۔ اس پر سابق کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لِتَعْلَمُوْا وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ. تاکہ تم جان لو اور تاکہ تم گنتی پوری کرو'' ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا کی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ماہِ رمضان کے روزے پانے اور افطار کے دنوں کے بدلے میں گنتی پوری کرنے کی رعایت کے لیے رخصت دینے اور حالتِ مرض و سفر میں افطار کی اباحت کی رخصت دینے کا جو ذکر کیا گیا ہے ان تمام امور کی وجوہ بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کلام شروع فرمایا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد' لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ'' گنتی کی رعایت دینے کے حکم کی علت بیان کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے اور'' وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ'' افطار کی ذمہ داری سے بری ہونے اور قضا کرنے کی کیفیت بتانے کی علت بیان کرنے کے لیے ہے اور'' وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'' رخصت دینے کی علت بیان کے لیے ہے اور یہ نہایت لطیف طریقہ پر ترتیب بیان کرنے کی قسم ہے اور'' وَلِتُكَبِّرُوْا'' کو علیٰ کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ حمد کے معنی پر مشتمل ہے' گویا کہا گیا ہے: تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اس کی حمد کے ساتھ بیان کرو کہ اس نے تمہیں اپنی طرف ہدایت

[1] بخاری کتاب الایمان باب ۲۸' مسلم کتاب الصیام رقم الحدیث: ۲۰۳' ابوداؤد کتاب رمضان باب ۱' ترمذی کتاب الصوم باب ۱' نسائی کتاب الصیام باب ۳۹

بخشی۔قاری ابوبکر نے ''وَلِتُکَمِّلُوا'' کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اے محبوب! جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ ان کو فرمادیں کہ) بے شک میں ان کے نزدیک ہوں' میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں اس امید پر کہ وہ ہدایت حاصل کر لیں O

شانِ نزول: اور جب ایک اعرابی نے حضور سرورِ عالم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی کہ آیا ہمارا رب ہمارے قریب ہے تاکہ ہم اس سے مناجات کریں یا بعید ہے تاکہ ہم اس کو بآوازِ بلند پکار کر اپنی معروضات پیش کریں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۱۸۶- ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو (آپ فرمادیں:) بے شک میں علم اور اجابتِ دعا کے اعتبار سے تمہارے قریب ہوں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مکانی قُرب و بُعد سے بہت بلند و بالا ہے ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے۔قاری یعقوب اور سہل نے دونوں حالتوں (وصل اور وقف) میں ''دَعَانِیْ'' (''یا'' کے اثبات کے ساتھ) پڑھا ہے اور ابوعمرو اور نافع مدنی نے ان دونوں کی موافقت کی ہے البتہ قالون نے وصل کی حالت میں موافقت نہیں کی۔ان کے علاوہ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں ''یـا'' کے بغیر (اِذَا دَعَـانِ) پڑھا ہے' پھر دعا کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سچا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی ناممکن ہے مگر یہ کہ دعا قبول کرنا قضائے حاجت کے خلاف ہو' بہرحال دعا کا قبول کرنا یہ ہے کہ بندہ عرض کرے: اے میرے رب! اور اللہ تعالیٰ کا جواب ہو ''لَبَّیْكَ عَبْـدِیْ. میرے بندے! میں موجود ہوں'' اور اس قدر دعا کا قبول ہونا ہر مسلمان کے لیے ثابت ہے اور اسی کا وعدہ کیا گیا ہے اور باقی رہا حاجت کا پورا ہونا اور مراد کا عطا کیا جانا تو یہ کبھی فوراً ہو جاتا ہے اور کبھی عرصۂ دراز کے بعد ہوتا ہے اور کبھی آخرت میں ہوتا ہے اور کبھی اس کی حاجت اور مراد کے علاوہ کسی اور مقصد میں اس کے لیے خیر و بھلائی عطا کی جاتی ہے ﴿فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ﴾ جب وہ مجھ سے اپنی حاجات کی تکمیل کے لیے دعا کرتے ہیں تو میں ان کی دعا قبول کرتا ہوں' اسی طرح جب میں انہیں ایمان و اطاعت کی دعوت دوں تو وہ بھی مجھ پر ضرور ایمان لائیں اور میری بات کو مانیں اور اطاعت و فرماں برداری کریں ﴿وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ﴾ اور ان دونوں فعلوں میں لام امر کا ہے ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾ تاکہ وہ راہِ راست پانے سے پُر امید رہیں اور ''رُشْـدٌ'' (ہدایت) ''غَیٌّ'' (گمراہی) کی ضد ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآىٕكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی

يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو' اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرما دیا' پس اب تم ان سے صحبت کر سکتے ہو اور اللہ نے جو تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگہ (رات) کے سیاہ دھاگے سے واضح ہو جائے' پھر رات آنے تک روزے پورے کرو اور عورتوں سے مباشرت نہ کرو' جب تم مسجدوں میں معتکف ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں' پس ان کے قریب نہ جاؤ' اللہ اس طرح لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں O

شانِ نزول: اسلام کے ابتدائی دور میں دستور تھا کہ جب شام ہو جاتی تو ہر آدمی روزہ افطار کر لیتا اور اس کے لیے نماز عشاء اور سونے تک کھانا پینا اور اپنی بیویوں سے جماع کرنا جائز ہوتا لیکن جب عشاء کی نماز پڑھ لیتا یا سو جاتا اور روزہ افطار نہ کرتا تو دوسری آنے والی شام تک اس کے لیے کھانا پینا اور اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہو جاتا' پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشاء کی نماز پڑھ لینے کے بعد اپنی بیوی سے عمل زوجیت کیا اور جب غسل کیا تو رونے لگے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ کام تمہارے لائق نہ تھا (اس پر چند اور آدمی بھی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی غلطی کا اعتراف کیا) تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۱۸۷- ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ﴾ روزوں کی راتوں میں بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ ''رَفَثُ'' کا معنی جماع کرنا ہے ﴿اِلٰى نِسَآىِٕكُمْ﴾ اس کو حرف ''الٰی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ''جانے'' کے معنی پر مشتمل ہے اور یہاں جماع کی بجائے اس کی جگہ لفظ ''رَفَث'' کو بطور کنایہ ذکر کیا گیا ہے جو قباحت کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ اپنی بیویوں کے پاس جاؤ۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جماع کی اجازت سے پہلے (ماہِ رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانا) ان کے ہاں نہایت قبیح فعل محسوس کیا جاتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو نفسوں کے ساتھ خیانت کرنے کا نام دیا ہے اور جب میاں بیوی معانقہ کرتے ہیں اور آپس میں گلے لگتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک گلے لگ کر دوسرے پر مشتمل ہو جاتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے رشتے کو لباس سے تشبیہ دی ہے کیونکہ لباس بھی ملبوس پر مشتمل ہوتا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو اور بعض نے کہا کہ لباس کا معنی ہے کہ میاں بیوی حرام سے بچنے کے لیے ایک دوسرے کا ستر ہیں اور ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ'' نیا جملہ ہے اور میاں بیوی کے عملِ زوجیت کو حلال قرار دینے کے سبب کا بیان ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب تمہارے اور ان کے درمیان اس طرح کا اختلاط و ملاپ ہے تو تمہارا ان کے بغیر صبر کرنا کمیاب ہوگا اور ان سے اجتناب کرنا تمہارے لیے مشکل ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے مباشرت کرنے کی رخصت دی ہے ﴿عَلِمَ

اللہ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بلا شبہ تم اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے کہ تم بیویوں کے ساتھ جماع کے سبب ان پر زیادتی کرتے تھے اور نیکی سے ان کا ایک حصہ کم کرتے تھے اور ''اِخْتِیَانٌ'' ''خِیَانَۃٌ'' سے مشتق ہے جیسے ''اِکْتِسَابٌ'' ''کسب'' سے بنا ہے اور اس (مزید فیہ) میں معنی کی زیادتی اور شدت پائی جاتی ہے ﴿فَتَابَ عَلَیْکُمْ﴾ جب تم نے گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ﴿وَعَفَا عَنْکُمْ﴾ اور رخصت و اجازت سے پہلے تم نے جو کچھ کیا تھا وہ تمہیں معاف فرما دیا ﴿فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ﴾ سو اب تم ان سے روزوں کی راتوں میں جماع کر سکتے ہو اور یہ امر اباحت (و اجازت) کے لیے ہے (وجوب کے لیے نہیں) اور مجامعت کو مباشرت کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس حالت میں میاں بیوی کے جسم آپس میں ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ﴿وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللہُ لَکُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مباشرت کے ذریعے جو اولاد تمہاری قسمت میں لکھ دی ہے وہ طلب کرو یعنی تم صرف قضائے شہوت کے لیے ان سے مباشرت نہ کرو بلکہ (تم اپنی بیویوں کے ساتھ اس نیت سے جماع کرو کہ) اللہ تعالیٰ نے نکاح کے ذریعے جو نسل تمہارے لیے مقدر کر دی ہے اسے تلاش کرو یا وہ محل (یعنی فرج) تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور تمہارے لیے حلال کر دیا ہے نہ کہ وہ محل (یعنی دُبُـــر) جس کو تمہارے لیے حلال نہیں بلکہ حرام محل قرار دیا گیا ہے ﴿وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ﴾ اور صبح صادق کی وہ پہلی ساعت جو نمودار ہو کر دھاگے کی طرح آسمان کے کناروں میں پھیل جاتی ہے اس کے ظاہر ہونے تک کھاؤ اور پیو ﴿مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ﴾ اور یہ رات کی وہ سیاہی ہے جو (آسمان کے کناروں میں) پھیل جاتی ہے اور سفید اور سیاہ دو دھاگوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ ان کا امتداد ہے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ یہ بیان ہے کہ سفید دھاگے سے مراد فجر ہے کوئی اور چیز مراد نہیں اور سیاہ دھاگے کے بیان کو چھوڑ کر صرف سفید دھاگے کے بیان پر اس لیے اکتفا کیا گیا ہے کہ ان میں سے ایک کا بیان دوسرے کے لیے بیان ہے یا ''مِنْ'' تبعیض کا ہے کیونکہ فجر کا بعض اور اس کا پہلا حصہ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِنَ الْفَجْرِ'' نے اس کو استعارہ کے باب سے نکال دیا ہے اور اس کو بلیغ ترین تشبیہ بنا دیا ہے جیسا کہ تمہارا یہ قول ''رَاَیْتُ اَسَدًا۔ میں نے شیر کو دیکھا ہے'' مجاز ہے سو جب تم فلاں آدمی سے (شجاعت و بہادری میں) بڑھ جاؤ گے تو تشبیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت مبارکہ کے نزول پر میں نے ایک سفید اور ایک سیاہ دونوں دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیے اور ان کو دیکھتا رہا مگر سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ممتاز اور واضح نظر نہ آیا تو میں نے حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تم تو بڑی لمبی گردن والے ہو یعنی سلامت دل والے کیونکہ اس کے ساتھ آدمی کے سیدھا سادھا ضعیف العقل ہونے اور قلتِ فہم و فراست پر استدلال کیا جاتا ہے (پھر آپ نے فرمایا:) بلا شبہ سفید دھاگے سے دن کی روشنی اور سیاہ دھاگے سے رات کی سیاہی مراد ہے ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ﴾ پھر تم رات کے آنے تک روزوں کو پورا کرو یعنی ان اشیاء سے (کھانے' پینے اور عمل زوجیت سے رات کے آنے تک) رکے رہو اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام (یعنی آیتِ مذکورہ) میں (درج ذیل مسائل کے لیے) دلیل ہے: (۱) رمضان کے روزے کی دن میں نیت کرنا جائز ہے (۲) غسل میں فجر تک تاخیر کرنا جائز ہے (۳) وصال کے روزے ممنوع ہیں (۴) جان بوجھ کر کھانے اور پینے کی صورت میں کفارہ ادا کرنا واجب ہے (۵) جنابت روزے کے منافی نہیں ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ﴾ اور تم ان سے جماع نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو چکے ہو' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا ہے کہ رمضان کی راتوں میں جماع حلال ہے لیکن معتکف کے لیے حلال

نہیں اور یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف مسجد کے سوا کہیں جائز نہیں اور یہ کہ باقی مسجدوں کو چھوڑ کر ایک مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ﴿تِلْكَ﴾ یعنی وہ احکام جن کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ﴿حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام ہیں ﴿فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ سو تم مخالفت اور رد و بدل کر کے ان کے قریب بھی نہ جاؤ ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں یعنی شریعتیں بیان کرتا ہے ﴿لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تا کہ لوگ محرمات سے بچیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ع ۲۳

اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ وہ مال حاکموں کے پاس لے جاؤ تا کہ تم لوگوں کا کچھ مال ناجائز طریقے سے جان بوجھ کر کھا سکوO لوگ آپ سے نئے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں' تم فرما دو کہ یہ لوگوں کے (دینی و دنیاوی معاملات) اور حج کے لیے علامات ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہو بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کر لیا اور تم گھروں میں دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ نجات حاصل کروO

ناجائز مال کی ممانعت اور چاند کے فائدے

۱۸۸- ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ﴾ یعنی ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ ایسے ناجائز طریقے سے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ مباح قرار دیا ہے اور نہ مشروع فرمایا ہے ﴿وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ﴾ دراصل ''وَلَا تُدْلُوْا بِهَا'' ہے اور یہ مجزوم ہے اور نہی کے حکم میں داخل ہے یعنی مالی معاملات میں فیصلہ کرانے کے لیے تم اپنے مال (بطور رشوت) حکام کو نہ دو ﴿لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ﴾ تا کہ دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرانے کے ذریعے تم لوگوں کے کچھ مال گناہ کے طریقے سے کھاؤ یعنی جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم یا جان بوجھ کر ظالم کے حق میں فیصلے کے لیے صلح کے ذریعے (نیز چوری' ڈاکہ' جوا' رشوت' سود' نوحہ' موسیقی' خیانت' دھوکہ دہی اور دوسرے غلط حیلوں بہانوں کے ذریعے لوگوں کا مال کھانا حرام ہے) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کرانے کے لیے آنے والے دو فریقوں سے فرمایا کہ بے شک میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آتے ہو اور تم میں سے بعض اپنی چالاکی اور ہوشیاری کی وجہ سے دوسرے فریق سے زیادہ دلائل قائم کر لیتا ہے جب کہ میں تو انہیں دلائل کے مطابق فیصلہ کروں گا جو اس سے سنوں گا' پھر میں نے جس شخص کے لیے اس کے بھائی کا حق لے کر دے دیا تو وہ اس کو ہرگز نہ لے کیونکہ میں نے اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کیا ہے' چنانچہ وہ دونوں فریق رونے لگ گئے اور ان میں سے ہر ایک کہنے لگا کہ میں اپنا حصہ اپنے ساتھی کو دیتا

ہوں[1] اور ایک قول یہ ہے کہ "وَتُدْلُوْا بِهَا" کا معنی ہے کہ تم کچھ مال حکام بد کے پاس بطور رشوت نہ لے جاؤ" کہا جاتا ہے: "اَدْلٰی دَلْوَهٗ" یعنی اس نے اپنا ڈول پانی لینے کے لیے کنویں میں ڈالا" ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم جانتے ہو کہ بے شک تم باطل پر ہو اور گناہ کی قباحت کو جانتے ہو پھر اس کا ارتکاب کرنا بہت زیادہ قبیح ہے اور اس کے مرتکب کو زجر و توبیخ کرنا اور اس کو ڈانٹنا زیادہ ضروری ہے۔

شانِ نزول: ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی کیا وجہ ہے؟ پہلی رات دھاگے کی طرح باریک نمودار ہوتا ہے' پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا ابھر جاتا ہے اور برابر ہو جاتا ہے' پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اسی طرح ہو جاتا ہے جس طرح پہلی رات باریک تھا اور سورج کی طرح ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا تو یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۸۹- ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾ "اَهِلَّةٌ" "هِلَالٌ" کی جمع ہے (جس کا معنی ہے: آواز کو بلند کرنا) اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ (چاند رات) اس کو دیکھ کر آوازیں بلند کرتے ہیں (اور خوش ہو کر آپس میں ایک دوسرے کہتے ہیں: وہ دیکھو نئے مہینے کا چاند نظر آ گیا ہے) ﴿قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ یعنی یہ ایسی علامات ہیں جن کے ساتھ لوگ کھیتوں میں کاشت کرنے کے موسموں اور تجارتی منڈیوں میں تجارت کے کاروبار اور تجارتی ممالک کے ساتھ اوقات کا تقرر کرتے ہیں اور سرکاری ملازمین کے لیے رجسٹروں میں حاضری کے اوقات مقرر کرتے ہیں اور روزے رکھنے اور افطار کرنے اور عورتوں کی عدت' ایامِ ماہواری اور مدتِ حمل وغیرہ کے لیے اوقات متعین کرتے ہیں اور نیز حج کی علامت ہیں جن کے ساتھ اس کا وقت معلوم کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول: انصار میں سے کچھ لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھ لیتے تو پھر وہ باغ' گھر اور حویلی میں دروازے سے داخل نہ ہوتے' پھر اگر ان کے گھر مٹی کے بنے ہوتے تو دروازے کی بجائے گھر کی پچھلی جانب سے نقب لگا کر داخل ہوتے اور وہاں سے نکلتے اور اگر ان کے گھر اُون کے بنے ہوئے خیمے کے ہوتے تو پھر خیمے کی پچھلی جانب سے آتے جاتے تو یہ (درج ذیل) آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا﴾ اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل ہونے کی بجائے ان کی پچھلی جانب سے آیا اور جایا کرو یعنی دروازے سے داخل ہونے میں تم پر کوئی حرج نہیں اور یہاں "اَلْبِرُّ" کے آخر پر رفع پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جہاں آیت مبارکہ دو وجہوں کا احتمال رکھتی ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے وہاں رفع اور نصب دونوں پڑھنا جائز ہوتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ صرف ایک وجہ کا احتمال رکھتی ہے اور وہ رفع پڑھنا ہے کیونکہ حرف "با" صرف "لَیْسَ" کی خبر پر داخل ہوتی ہے (لہٰذا "بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ" "لَیْسَ" کی خبر ہے اور "اَلْبِرُّ" "لَیْسَ" کا اسم ہے اس لیے مرفوع ہے) ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ﴾ اور لیکن نیک آدمی ﴿مَنِ اتَّقٰی﴾ وہ ہے جو ان چیزوں سے بچا رہا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور "اَلْبُیُوْت" ("بَیْتٌ" کی جمع ہے) کو قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری اور امام حفص نے "با" مضموم کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی اصل ہے جیسے "كَعْبٌ" کی جمع "كُعُوْبٌ" ہے اور جس نے "با" کے نیچے کسرہ پڑھا ہے تو وہ صرف "یا" کی مناسبت کی وجہ سے پڑھا ہے لیکن یہ قراءت کسرہ (زیر) سے ضمہ (یعنی پیش) کی طرف

1. بخاری کتاب الشہادات باب ۲۷' مسلم کتاب الاقضیہ رقم الحدیث: ۴' ابو داؤد کتاب الاقضیۃ باب ۷' جامع ترمذی کتاب الاحکام باب ۱۱' سنن نسائی کتاب القضاۃ باب ۱۳' ابن ماجہ کتاب الاحکام باب ۵' موطا امام مالک کتاب الاقضیۃ رقم الحدیث: ۱

انتقال کولازم کرتی ہے (جو زبان پر ثقیل ہے) اور جب انہوں نے چاند اور اس کے گھٹنے اور بڑھنے کی حکمت کے بارے میں سوال کیا تو گویا انہیں کہا گیا کہ یہ تو معلوم ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے' سو تم اس کے بارے میں سوال کرنا چھوڑو اور تم اپنی ایک عادت (یعنی احرام کی حالت میں اپنے گھروں میں دروازے سے آنے جانے کی بجائے پچھلی جانب سے آنے جانے کے بارے) میں غور کرو جس کو تم نیکی خیال کرتے ہو حالانکہ وہ نیکی نہیں ہے' پس یہ ہے اس جملے کا ماقبل کے ساتھ تعلق اور ایک احتمال یہ ہے کہ جب چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کو علاماتِ حج کے طور پر ذکر کیا گیا تو اس ناپسندیدہ اور بُری عادت کو بالتبع ذکر کیا گیا کیونکہ احرام بھی حج کے افعال میں سے ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان کے برعکس سوال کرنے کی مثال بیان کی گئی ہے (جس میں انہوں نے چاند سے متعلق انسانی فوائد و مصالح پوچھنے کی بجائے چاند کی ہیئت کے بارے میں سوال کر دیا جو منصبِ نبوت سے خارج ہے) اور اس سلسلے میں ان کے سوال کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے گھر میں دروازے سے آنا چھوڑ دے اور اس کے پچھواڑے سے داخل ہوا کرے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے اور نہ تمہارے لیے یہ مناسب ہے کہ تم اپنے سوالوں میں برعکس رویہ اختیار کرو لیکن نیکی اس شخص کی ہے جس نے اس معاملہ میں تقویٰ اختیار کیا اور ایسے سوالوں سے بچتا رہا اور اس قسم کی جسارت نہیں کی ﴿وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ اور تم اپنے گھروں میں دروازوں سے آیا کرو اور معاملات کو انہی طریقوں کے مطابق بجالایا کرو جن کے مطابق ان کو ادا کرنا واجب ہے اور تم ان میں اُلٹ پُلٹ طریقے اختیار نہ کیا کرو یا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا واجب اور لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال حکمت اور صواب پر مبنی ہیں' ان میں کسی قسم کا شبہ نہیں اور نہ ان میں شک کی گنجائش ہے یہاں تک کہ ان کے متعلق سوال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ سوال کرنے پر شک کی تہمت لگنے کا امکان ہے (اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:) "وَلَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ. (الانبیاء:۲۳) اور اللہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے بازپرس نہیں کی جائے گی اور اُن (بندوں) سے بازپُرس کی جائے گی" ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنا کا تمہیں حکم دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم دائمی نعمتوں کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾

اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O اور ان (کافروں) کو تم جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا تھا اور شرک کا فتنہ قتل سے

زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان کو قتل نہ کرو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں' پھر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کر دو'
کافروں کی یہی سزا ہے' پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

جہاد اور حج کا بیان

۱۹۰- ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو یعنی دین اسلام کے غلبہ اور کلمۂ توحید کی سر بلندی کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا جہاد ہے ﴿الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی صرف انہی سے لڑو اور جو لوگ تم سے نہیں لڑتے تم ان سے نہ لڑو اور اس معنی پر یہ آیتِ مبارکہ منسوخ ہے اور اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے:'' وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً. (التوبہ:۳۶) اور تم تمام مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم تمام مسلمانوں سے لڑتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ پہلی آیت مبارکہ ہے جو سب سے پہلے جہاد کے بارے میں نازل ہوئی تھی (جس میں مشروط اجازت دی گئی)' چنانچہ رسول اللہ ﷺ صرف انہی کافروں سے جہاد کرتے تھے جو آپ سے لڑتے تھے اور جو آپ سے نہیں لڑتے تھے تو آپ بھی ان سے نہیں لڑتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ تم صرف ان لوگوں سے جہاد کرو جو لڑنے کے لیے تم سے مقابلہ کرتے ہیں نہ ان سے جو مقابلہ نہیں کر سکتے جیسے بوڑھے اور بچے اور مذہبی راہ نما اور عورتیں یا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمام کافروں سے جہاد کرو کیونکہ تمام کافر مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے وہ سب لڑنے والوں کے حکم میں شامل ہیں ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ اور تم لڑائی میں آغاز نہ کرو یا جن کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو نہ مارو جیسے عورتیں اور بوڑھے اور اسی طرح دوسرے لوگ یا ان کا مثلہ کر کے (یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک آنکھیں کاٹ کر شکل بگاڑ کر) حد سے نہ بڑھو ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۱۹۱- ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ اور انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔'' ثقف'' کا معنی ہے: کسی چیز پر غلبہ حاصل کر کے اس کو پوری طرح پالینا ﴿وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ اور ان کو نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکال دیا تھا یعنی مکہ مکرمہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس آیت مبارکہ میں مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' چنانچہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ یعنی کفارِ مکہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا تمہارے لیے ان کے قتل کو مباح قرار دینے سے زیادہ سخت ہے اور بعض نے کہا کہ فتنہ سے مراد آخرت کا عذاب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مشقت و مصیبت جو انسان پر نازل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی عذاب بن جاتی ہے وہ اس کے لیے قتل سے زیادہ سخت ہوتی ہے اور ایک حکیم و دانا آدمی سے پوچھا گیا کہ موت سے زیادہ سخت کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: وہ چیز ہے جس میں مبتلا ہو کر موت کی آرزو کی جائے' چنانچہ وطن سے نکالنے کو ان فتنوں میں سے شمار کیا گیا ہے جن کے نازل ہونے پر موت کی تمنا کی جاتی ہے ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ﴾ یعنی تم حرم شریف میں ان سے جنگ کا آغاز نہ کرو جب تک وہ حرم میں تم سے جنگ کا آغاز نہیں کرتے' سو ہمارے نزدیک مسجد حرام سے پورا حرم مراد ہے ﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ پس اگر وہ حرم شریف میں تم سے جنگ کریں تو تم بھی حرم میں ان سے جنگ کرو' چنانچہ ہمارے ہاں محترم مہینوں میں جنگ کی جا سکتی ہے حرم شریف میں نہیں سوائے اس کے کہ کفار حرم شریف میں ہم سے جنگ شروع کر دیں تو پھر اس وقت ہم بھی حرم شریف میں ان سے جنگ کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد'' وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ. کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو'' کا بظاہر یہی تقاضا ہے کہ تمام جگہوں میں ان سے جنگ کرنا جائز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد'' وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ'' کے پیشِ نظر حرم

شریف کو مخصوص کر لیا گیا ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ حرم شریف میں ہم سے جنگ شروع کر دیں (تو پھر ہمارے لیے حرم شریف میں بھی ان سے جنگ کرنا جائز ہے) جیسا کہ "شرح التاویلات" میں ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ("كَذٰلِكَ" محلاً مرفوع) مبتدا ہے اور "جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ" اس کی خبر ہے' قاری حمزہ اور علی کسائی نے "وَلَا تَقْتُلُوْهُمْ حَتّٰى يَقْتُلُوْكُمْ فَاِنْ قَتَلُوْكُمْ" پڑھا ہے۔

١٩٢- ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ پس اگر وہ (کفار) شرک اور جنگ کرنے سے باز آ جائیں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ سرکشیاں اور غلط کاریاں بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ ان کے ایمان اور توبہ قبول فرما کر ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٩٥﴾ مع

اور ان کو قتل کر دو یہاں تک کہ کسی قسم کا کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور فقط اللہ کا خالص دین رہ جائے' پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوا ظالموں کے کسی کو سزا نہیں دی جائے گی ○ حرمت والے مہینہ کا حرمت والا مہینہ بدلا ہے اور تمام محترم چیزوں کا بدلا ہے' پھر جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے ○ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

١٩٣- ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ اور ان کو قتل کرو تا کہ کفر و شرک کا فتنہ نہ رہے اور "كَانَ" (یعنی "لَا تَكُوْنَ") تامہ ہے اور "حَتّٰى" "كَیْ" (تا کہ) کے معنی میں ہے یا "اِلٰى اَنْ" (یہاں تک) کہ معنی میں ہے ﴿وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ اور دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے جس میں شیطان کا کچھ حصہ نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس اگر وہ کفر و شرک سے رک جائیں تو تم ان سے جنگ نہ کرو کیونکہ سختی صرف ظالموں کے لیے ہے اور وہ اب ظالم نہیں رہے یا کفر و شرک سے نہ رکنے والے ظالموں کے علاوہ کسی پر ظلم نہ کرو' ظالموں کی سزا کو مشاکلت کی بنا پر ظلم کہا گیا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ. سو جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو"۔

شانِ نزول: جب حدیبیہ کے سال (٦ھ میں) مشرکینِ مکہ حرمت والے مہینے ذیقعد میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے (اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ کرام سمیت عمرہ کرنے سے روک دیا اور آئندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت پر صلح ہو

گئی) پھر جب اگلے سال مسلمان عمرہ کی قضا کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں روانہ ہوئے اور وہ اس وقت کفار سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ ذیقعد کا مہینہ تھا تو (درج ذیل آیت مبارکہ نازل کر کے) انہیں فرمایا گیا کہ

۱۹۴- ﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ ہے یعنی یہ حرمت والا مہینہ اس حرمت والے مہینے کا بدلا ہے اور اس کی بے حرمتی اس کی بے حرمتی کا بدلا ہے یعنی جس طرح انہوں نے اس مہینہ کی حرمت کو تم پر چاک کر دیا ہے اسی طرح تم بھی اس کی حرمت کو ان پر چاک کر دو ﴿وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ﴾ یعنی ہر محترم چیز میں بدلا لینے کا قانون جاری ہے' لہٰذا جو شخص کسی بھی حرمت والی چیز (خواہ ماہِ حرام ہو یا حرم شریف) کی حرمت کی ہتک کرے گا اس سے اس بنا پر بدلا لیا جائے گا کہ اس نے محترم چیز کی حرمت کی ہتک کی ہے' سو جب انہوں نے تمہارے مہینے کی حرمت کی ہتک کی ہے تو تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو اور تم کسی چیز کی پرواہ نہ کرو (کیونکہ بے حرمتی کی ابتدا ان کی طرف سے ہوئی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس قانون کی تاکید فرما دی ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اس میں حرف ''مَنْ'' شرطیہ ہے اور ''با'' زائدہ نہیں ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: (ترجمہ) ان کی زیادتی کے برابر سزا دی جائے یا حرفِ ''با'' زائدہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: (ترجمہ) جیسے انہوں نے زیادتی کی ہے ویسے ہی تم ان پر زیادتی کرو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم بدلا لیتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' پس جو تم پر زیادتی کرے تم اس کے ساتھ ایسی زیادتی نہ کرو جو تمہارے لیے جائز نہ ہو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

۱۹۵- ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور تم اپنے صدقات و خیرات اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں خرچ کرو اور یہ حکم جہاد کی ضروریات میں اور اس کے علاوہ دیگر مواقع میں خرچ کرنے کے لیے عام ہے ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ اور تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور حرفِ باء زائدہ ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو قتل نہ کرو (اس لیے خودکشی کرنا حرام ہے) جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا جب وہ اپنی ہلاکت کا خود سبب بن جائے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ہلاکت کا سبب ہے یا خرچ کرنے میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ خود محتاج ہو جائے اور اس کے بیوی بچے فقر و فاقہ سے ہلاک ہو جائیں یا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے یا پھر جہاد کو چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے جو دشمن کی تقویت کا باعث بنتا ہے (یہی وجہ ہے کہ آج (۲۰۰۷ء میں) غیر مسلم حکومتیں طاقتور ہو گئیں ہیں اور مسلم حکومتیں کمزور ہو چکی ہیں) اور ''تَهْلُكَةٌ'' اور ''هَلَاكٌ'' اور ''هَلْكٌ'' سب کا ایک معنی ہے ﴿وَاَحْسِنُوْا﴾ اور تم نیک اعمال کرنے پر ثواب عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھو ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محتاجوں اور ضرورت مندوں پر احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا

اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ع ۝۱۹۶

ع ۴۴ ۹ ۸

اور تم حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو' پھر اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی تمہیں آسانی سے مل جائے وہ بھیج دو اور اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ پر پہنچ جائے' پھر جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو اس کے بدلا میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے' پھر جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کا فائدہ حاصل کرے تو وہ ایک قربانی کرے جو آسانی سے ادا کر سکے' پھر جو شخص قربانی نہ کر سکے تو حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت رکھو جب تم (گھر) واپس لوٹ آؤ' یہ پورے دس (روزے) ہوئے' یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہنے والے نہ ہوں' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ○

۱۹۶- ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے حج اور عمرہ کو اس کے فرائض اور شرائط کے ساتھ بغیر کسی کمی وبیشی کے پورا پورا ادا کرو اور بعض علماء نے کہا کہ شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا مراد ہے' پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص حج اور عمرہ کو شروع کرے تو ان دونوں کو مکمل کرنا اس شخص پر لازم ہو جاتا ہے اور ہم (حنفی حضرات) اسی کے قائل ہیں کہ بے شک عمرہ شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ سے عمرہ کے واجب ہونے پر استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں عمرہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شروع کرنے کے بعد واجب اور نفل دونوں کو پورا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے (خلاصہ یہ کہ عمرہ شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے سنت ہے) یا یہ کہ جب تم اپنے گھروں سے روانہ ہوتے وقت حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ لو تو پھر ان دونوں کا پورا کرنا واجب ہے یا یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے الگ سفر کی نیت کر لو تو پھر ان کا پورا کرنا واجب ہے یا یہ مطلب ہے کہ حج اور عمرہ میں حلال رقم خرچ کرو اور ان کے ساتھ کوئی کاروبار اور تجارت وغیرہ نہ کرو (بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دونوں کو مکمل ادا کرو ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾ ''اُحْصِرَ فُلَانٌ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کو کسی بیماری یا عجز یا دشمن کے خوف کی وجہ سے روک دیا جائے اور ''حُصِرَ'' (کہا جاتا ہے) جب اس کو دشمن جانے سے روک دے اور اس آیت مبارکہ کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے ہمارے نزدیک بیماری یا دشمن یا ان کے علاوہ ہر وہ رکاوٹ جس کی وجہ سے حج اور عمرہ کرنے سے روک دیا جائے احصار ثابت ہو جائے گا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یا ٹانگ ٹوٹنے سے وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ احرام کھول دے[1] یعنی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ احرام کھول دے

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب ۴۳' ترمذی کتاب الحج باب ۹۴' نسائی کتاب المناسک باب ۱۰۲' ابن ماجہ کتاب المناسک باب ۸۵' دارمی کتاب المناسک باب ۵۷' احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۴۵۰

اور اس پر آئندہ سال حج کرنا فرض ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احصار صرف دشمن حائل ہونے کی صورت میں ثابت ہوگا اور آیت مبارکہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ احصار عمرہ میں بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کا ذکر حج اور عمرہ دونوں کے بعد کیا گیا ہے ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ پس جو قربانی آسانی سے حاصل ہو بھیج دو۔ کہا جاتا ہے: ''يَسَرَ الْأَمْرُ وَاسْتَيْسَرَ'' یعنی کام آسان اور نرم ہو گیا'' جیسے کہا جاتا ہے: ''صَعُبَ وَاسْتَصْعَبَ. یعنی کام مشکل و دشوار ہو گیا'' اور ''الْهَدْيُ'' ''هَدْيَةٌ'' کی جمع ہے یعنی اگر تمہیں بیت اللہ شریف کی طرف جانے سے روک دیا جائے اور تم حج یا عمرے کا احرام باندھ چکے ہو اور تم احرام کھولنا چاہتے ہو تو تم پر قربانی کا جانور (حرم شریف میں) بھیجنا واجب ہے جو آسانی سے حاصل ہو جائے خواہ اونٹ ہو خواہ گائے ہو خواہ بکری ہو پس ''ما'' مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی ''فَعَلَيْكُمْ مَا اسْتَيْسَرَ. پس جو قربانی آسانی سے حاصل ہو اس کو بھیجنا تم پر واجب ہے'' یا یہ منصوب ہے یعنی ''فَاهْدُوْا لَهُ مَا اسْتَيْسَرَ. پس قربانی کا جو جانور آسانی سے حاصل ہو اس کو تم بھیج دو'' ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ یہ خطاب ''مُحْصَرِيْنَ'' (وہ لوگ جن کو احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرے سے روک دیا جائے) کے لیے ہے یعنی تم اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ قربانی کا وہ جانور جس کو تم نے حرم شریف بھیجا ہے وہ اپنے محل یعنی اپنی اس جگہ پہنچ جائے جس میں اس کو قربان کرنا واجب ہے اور وہ حرم شریف ہے اور یہ آیت مبارکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ احصار کا دم حرم شریف میں ہی ذبح کیا جائے گا اس کے علاوہ کسی جگہ جائز نہیں جب کہ ان کے نزدیک حرم کے علاوہ دوسری جگہ بھی ذبح کرنا جائز ہے ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا﴾ پس تم میں سے جس شخص کو بیماری ہو جس کی وجہ سے سر منڈانے کی ضرورت پیش آ جائے ﴿اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ﴾ یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور وہ جوئیں اور زخم وغیرہ ہے ﴿فَفِدْيَةٌ﴾ تو جب وہ اپنا سر منڈائے گا اس پر فدیہ ادا کرنا واجب ہو جائے گا ﴿مِّنْ صِيَامٍ﴾ وہ تین روزے ہیں ﴿اَوْ صَدَقَةٍ﴾ یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے ہر مسکین کے لیے گندم کا نصف صاع ہے ﴿اَوْ نُسُكٍ﴾ یا ایک بکری کی قربانی دے اور یہ کلمہ یا تو مصدر ہے یا پھر ''نَسِيْكَةٌ'' کی جمع ہے ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ پھر جب تم احصار سے محفوظ ہو جاؤ یعنی جب تمہیں نہ روکا جائے اور تم بیت اللہ شریف کی طرف آنے جانے کے لیے آزاد ہو اور تم امن کی حالت میں ہو اور تمہیں وسعت و خوشحالی حاصل ہو ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ﴾ تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کو ملانے سے فائدہ حاصل کرے اور حج کے وقت میں عمرہ کے ساتھ فائدہ اٹھانے کا مطلب ہے کہ حج کے تقرب سے نفع اٹھانے سے پہلے عمرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا نفع اٹھایا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ جب آدمی عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دیتا ہے تو احرام کی وجہ سے جو چیزیں حرام تھیں ان کے مباح ہو جانے کا نفع حاصل کر لیتا ہے جب تک حج کا احرام نہیں باندھ لیتا ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ سو جو قربانی آسانی سے حاصل ہو وہ ادا کرے اور وہ حج تمتع کی قربانی ہے اور یہ وہ قربانی ہے جس کا گوشت (عید الاضحیٰ کی قربانی کے گوشت کی طرح) کھایا جائے گا (لہٰذا قربانی دینے والا حاجی بھی اس کو کھا سکتا ہے) ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جو شخص قربانی نہ کر سکے ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ تو اس پر حج کے دنوں میں تین روزے رکھنے واجب ہیں اور وہ حج اور عمرہ کے دونوں احراموں کے درمیان کے مہینے ہیں (اور یہ تین روزے سات' آٹھ اور نو ذوالحج کے دنوں میں رکھنا مستحب ہیں) ﴿وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ اور سات روزے اس وقت رکھو جب تم واپس لوٹو اور حج کے افعال سے فارغ ہو جاؤ ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ یہ پورے دس روزے قربانی کے بدلے میں واقع ہیں یا ثواب میں یا پھر اس سے ابہام کو دور کرنا مراد ہے' لہٰذا حرف واؤ کے بارے میں اب یہ وہم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اباحت (یا اَوْ) کے معنی میں ہے جیسا کہ ''جَالِسِ الْحَسَنَ وَابْنَ سِيْرِيْنَ'' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر وہ ان دونوں کو یا ان

میں سے کسی ایک کو بٹھا دے تو تعمیلِ حکم ہو جائے گی۔ ﴿ ذٰلِكَ ﴾ ہمارے نزدیک یہ حج تمتع کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کے لیے نہ حج تمتع ہے اور نہ حجِ قران ہے[1] اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک (حج تمتع) کے حکم کی طرف اشارہ ہے یعنی قربانی یا (قربانی نہ کر سکنے کی صورت میں) روزوں کا واجب ہونا اور ان پر کوئی چیز واجب نہیں ﴿ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ وہ مواقیت میں رہنے والے اور وہاں سے مکہ مکرمہ تک کے درمیان رہنے والے لوگ مراد ہیں ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور حج وغیرہ کے متعلق جن افعال کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور جن افعال سے تمہیں منع کیا گیا ہے ان کے بارے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سخت عذاب دینے والا ہے جو اس سے نہیں ڈرتے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

حج کے مہینے مشہور ہیں، سو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو وہ حج میں نہ عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر کرے نہ گناہ کی بات کرے اور نہ کسی سے جھگڑا کرے اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے اور تم سفر خرچ تیار رکھو اور بہترین سفر خرچ تقویٰ ہے اور عقل والو مجھ سے ڈرتے ہو ○ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پھر جب تم عرفات سے واپس پلٹو تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور بے شک اس سے پہلے تم بے علم لوگوں میں سے تھے ○

۱۹۷۔ ﴿ اَلْحَجُّ ﴾ یعنی حج کا وقت مراد ہے جیسا کہ تمہارا یہ قول ہے: "اَلْبَرْدُ شَهْرَانِ. یعنی سردی کا موسم اور اس کا وقت دو مہینے ہے" ﴿ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ یہ مہینے لوگوں کے نزدیک مشہور ہیں، ان کا جاننا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں اور وہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کے دس دن ہیں اور ان مہینوں میں حج متعین کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ حج کے افعال میں سے کوئی

[1] واضح رہے کہ حج اور عمرہ کے کل چار طریقے ہیں: (۱) مفرد عمرہ یہ ہے کہ صرف عمرہ ادا کرنے کی نیت کر کے میقات یا اس سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے (۲) حج مفرد یعنی صرف حج کی نیت کر کے میقات یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے (۳) حجِ قران یعنی حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھے ادا کرنے کی نیت کر کے حج کے مہینوں (شوال، ذیقعد اور ذوالحج کے دس دن) میں میقات یا اس سے پہلے دونوں کا احرام باندھے اور پہلے عمرہ کے افعال ادا کرے، پھر حج کے افعال ادا کرے (۴) حج تمتع، وہ یہ ہے کہ میقات یا اس سے پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرے یا عمرے کا اکثر طواف حج کے مہینوں میں ادا کرے، پھر احرام کھول دے، پھر اسی سال جب حج کا وقت آ جائے تو حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے۔

فعل ان مہینوں کے علاوہ جائز نہیں اور اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ان مہینوں کے سوا کسی اور مہینے میں احرام باندھنا جائز نہیں اور ہم احناف کے نزدیک (وقت سے پہلے وضو کی طرح) احرام باندھنا اگرچہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے اوران کو(''شَهْر'' کی بجائے)''اَشْهُرٌ'' جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ تیسرے مہینے کے دس دن شامل ہیں یا اس لیے کہ اسم جمع میں ایک سے زائد عدد بھی مشترک ہوتا ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تعالیٰ ہے:''فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا. (التحریم:۴) یعنی تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں''﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ پھر جو شخص ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے اوپر حج کو لازم کر لے ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ تو وہ نہ جماع کرے یا وہ نہ اس کا عورتوں کے سامنے ذکر کرے اور نہ وہ بے حیائی کی گفتگو کرے ﴿وَلَا فُسُوْقَ﴾ اور وہ نہ گناہ کرے یا وہ گالیاں نہ دے کیونکہ حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے:''سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ. یعنی مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے''[1] یا وہ بُرے القاب سے کسی کو نہ بلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ. (الحجرات:۱۱) بُرا نام رکھنا گناہ ہے''﴿وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ اور نہ وہ اپنے خادموں' دوستوں' ساتھیوں اور بُرائی کرنے والوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے اور بے شک ان چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ ان چیزوں سے بچنا تو ہر حال میں واجب و لازم ہے اس لیے کہ حج کے ساتھ ان امور کا ارتکاب زیادہ قبیح ہے جس طرح نماز میں ریشمی لباس پہننا اور قرآن مجید کی قراءت میں نغمہ سرائی کرنا زیادہ بُرا ہے اور یہاں نفی سے مراد یہ ہے کہ ان برائیوں سے بچنا واجب اور ضروری ہے اور یہ کہ حقیقت میں یہ برائیاں کسی انسان میں نہیں ہونی چاہئیں اور قاری ابوعمرو بصری اور ابن کثیر مکی نے پہلے دو (فَلَا رَفَثٌ وَلَا فُسُوْقٌ) کو نہی پر محمول کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ محرم نہ بُری بات کہے اور نہ بُرا کام کرے اور تیسرے (وَلَا جِدَالَ) کو جنگ و جدال کی نفی کرنے کے لیے خبر کے معنی پر محمول کر کے منصوب پڑھا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ حج کے بارے میں نہ شک و شبہ کی گنجائش ہے اور نہ اختلاف کی' پھر اللہ تعالیٰ کی بُرائی سے روکنے کے بعد اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے نیکی کرنے اور قبیح اور گندی گفتگو کی بجائے اچھی اور پاکیزہ گفتگو کرنے اور بُرائی اور بے حیائی کی بجائے نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے اور لڑائی اور جھگڑے کی بجائے اتفاق و اتحاد اور اچھے اخلاق اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے' وہ تمہیں نیکی کی جزا ضرور عطا فرمائے گا اور اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی بات رد کر دی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا۔(نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ)

شانِ نزول: جب یمن کے لوگ حج کو روانہ ہوتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لے جاتے اور کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں (وہی ہمیں کھلائے پلائے گا)' پھر یہ لوگوں پر بوجھ بن جاتے تھے (کہ کھانا وغیرہ دوسرے لوگوں سے مانگ کر کھاتے اور بھیک مانگ کر گزارا کرتے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:﴿وَتَزَوَّدُوْا﴾ یعنی سامانِ سفر تیار رکھو اور لوگوں کو پریشان کرنے اور ان پر بوجھ بننے اور بھیک مانگنے سے بچو ﴿فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ یعنی لوگوں کو پریشان کرنے اور ان پر بوجھ بننے سے بچنا اور سفر خرچ تیار رکھنا بہتر ہے یا محرمات و ممنوعات سے پرہیز کر کے آخرت کے لیے سامانِ نجات (نیک اعمال) تیار رکھو کیونکہ بہترین زادِ راہ گناہوں سے بچنا ہے ﴿وَاتَّقُوْنِ﴾ اور میرے عذاب سے ڈرتے رہو اور یہ ''دَعَانِ'' (البقرہ:۱۸۶) کی طرح ہے کہ (کہ آخر سے ''یا'' محذوف کر دی گئی ہے' دراصل ''وَاتَّقُوْنِي'' تھا)﴿يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ اے عقلمندو' یعنی عقل کا تقاضا خوفِ خدا ہے اور عقلمندوں میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ عقلمند

[1] رواہ الامام احمد فی مسندہ ج ۵ ص ۴۳۹

نہیں ہے۔

شانِ نزول: (مندرجہ ذیل آیت مبارکہ) اس قوم کی تردید میں نازل کی گئی ہے جن کا خیال تھا کہ تجارت کا کاروبار کرنے والے تاجروں اور اپنے اونٹ کرایہ پر دینے والوں کو حج کا ثواب نہیں ملے گا اور وہ کہا کرتے کہ یہ لوگ حج کرنے والے نہیں بلکہ یہ کاروباری اور روزی کمانے والے مزدور لوگ ہیں۔

۱۹۸- ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ حج کے موسم میں (مالی کاروبار کے ذریعے رزق) تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ کہ تم اپنے رب کے فضل اور اس کی عطا (یعنی اس کا رزق) طلب کرو اور وہ تجارت اور کرایہ کے ذریعے منافع حاصل کرنا ہے ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ﴾ پھر جب تم کثیر اجتماع کے ساتھ واپس لوٹو اور یہ ''افاضۃ الماء'' سے ہے اور وہ پانی کا کثرت سے بہنا ہے اور دراصل ''اَفَضْتُمْ اَنْفُسَكُمْ'' ہے لیکن مفعول کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے ﴿مِّنْ عَرَفٰتٍ﴾ یہ موقف یعنی ٹھہرنے کی جگہ کا نام ہے اور ''اذرعات'' کی طرح جمع کے ساتھ اس کا نام رکھا گیا ہے اور یہ اسم منصرف ہے (غیر منصرف نہیں) کیونکہ اس میں ''تا'' تانیث نہیں ہے بلکہ یہ اپنے ماقبل الف کے ساتھ مل کر جمع مؤنث کی علامت ہے اور اس جگہ کا نام عرفات اس لیے رکھا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس جگہ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی' پھر جب آپ نے اس جگہ کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور ایک قول یہ ہے کہ (جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر ہند میں بھیج دیا گیا اور حضرت حوا کو جدہ میں بھیج دیا گیا تو بعد ازاں عرفات کے) اس میدان میں حضرت آدم اور حضرت حوا کی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عرفات میں وقوف کرنا واجب ہے کیونکہ میدان عرفات سے روانگی اس میں ٹھہرنے کے بعد ہی متصور ہو سکتی ہے ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ تو تم تلبیہ (''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ'' کہنا) اور تہلیل (''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنا) اور تکبیر (''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہنا) اور حمد و ثناء (''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہنا) اور دیگر دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یا مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو ﴿عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ اور یہ مقام قزح ہے اور یہ ایک پہاڑی ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے اور اس جگہ پر میقدہ بھی ہے (جہاں زمانۂ جاہلیت میں لوگ آگ روشن کرتے تھے) اور ''مَشْعَرٌ'' کا معنی ہے: جاننے اور معلوم کرنے کی جگہ کیونکہ یہ عبادت کرنے کے جاننے کی جگہ ہے (اس لیے اس کو مشعر کہا جاتا ہے اگرچہ سوائے وادیٔ محسر کے مزدلفہ کی ساری سرزمین پر عبادت و ذکر کرنا جائز ہے مگر افضل مشعر حرام کے پاس ہے اور اس مشعر کو حرام کے ساتھ اس کی عزت و حرمت کی وجہ سے موصوف کیا گیا ہے اور ایک قول کے مطابق پورا مزدلفہ مشعر حرام ہے اور اس جگہ کا نام مزدلفہ جمع ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس جگہ حضرت حوا کے ساتھ جمع ہوئے تھے اور ان سے قرب حاصل کیا یا اس لیے کہ یہاں دو نمازیں مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں یا اس لیے کہ لوگ اس جگہ وقوف کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں ﴿وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ﴾ ما مصدریہ ہے یا پھر ما کافہ ہے یعنی اس (اللہ تعالیٰ) کو اچھی طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں اچھی ہدایت دی ہے یا اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے' اس کو (تعلیم الٰہی کے بغیر) کیسے یاد کر سکتے ہو اور اس سے منہ نہ پھیرو ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اور بے شک تم ہدایت قبول کرنے سے پہلے ﴿لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ یقیناً جاہلوں میں سے تھے تمہیں (ایمان و اطاعت کی) پہچان حاصل نہیں تھی بھلا اُسے یاد کیسے کرتے اور اس کی عبادت کیونکر کرتے اور اس میں ''اِنْ'' کو ثقیلہ (مُشَدَّدْ) سے خفیفہ (ساکن) بنا دیا گیا ہے اور لام فارقہ (ایک قول یہ ہے کہ ''اِنْ'' نافیہ ہے اور لام ''اِلَّا'' کے معنی میں ہے)۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

پھر تم وہیں سے واپس آ ؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے مغفرت مانگو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO پھر جب تم اپنے حج کی تمام عبادات پوری کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ کرو' پھر لوگوں میں سے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیںO اور ان میں سے جو یہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچاO

۱۹۹- ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ پھر تمہیں وہیں سے لوٹنا چاہیے جہاں دوسرے لوگ لوٹتے ہیں اور مزدلفہ نہ لوٹو۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ قریش کو حکم ہے کہ وہ عرفات سے جمع کی طرف روانہ ہوا کریں کیونکہ یہ لوگ جمع (مزدلفہ) میں وقوف کرتے تھے اور کہتے کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں' لٰہذا ہم اس سے باہر نہیں نکلیں گے' ایک قول یہ ہے کہ عرفات سے مزدلفہ کی طرف لوٹنے کا ذکر (پچھلی آیت کریمہ میں) کر دیا گیا ہے' لٰہذا اس آیت کریمہ میں جمع (یعنی مزدلفہ) سے منیٰ کی طرف لوٹ جانے کا ذکر ہے اور اس معنی پر ''اَلنَّاسُ'' سے مراد جنس ہے اور خطاب مؤمنوں کے لیے ہے ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو موقف کے بارے میں مخالفت کرنے پر اور اسی طرح زمانہ جاہلیت کی غلطیوں پر اور اعمالِ حج میں کوتاہیوں پر ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور تم پر بے حد مہربان ہے۔

۲۰۰- ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ﴾ پس جب تم اپنی عبادات مکمل ادا کر کے فارغ ہو جاؤ جن کا تمہیں حج کے بارے میں حکم دیا گیا تھا اور (منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف) تم روانہ ہونے لگو ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو اور اس میں خوب مبالغہ کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کے مفاخر اور شجاعت و بہادری کے کارناموں کے ذکر میں کرتے ہو اور وہ دراصل جب ارکانِ حج ادا کر لیتے تو منیٰ میں مسجد اور پہاڑ کے درمیان وہ لوگ کھڑے ہو جاتے اور اپنے آباء واجداد کے فضائل کو بیان کرتے اور ان کے شجاعت و بہادری کے محاسن کا ذکر کرتے تھے ﴿اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ یعنی ان کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو اور یہ جر کے محل میں واقع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''كَذِكْرِكُمْ'' میں ذکر کے مضاف الیہ (''کُمْ'' ضمیر) پر عطف کیا گیا ہے جیسے تم کہتے ہو کہ جس طرح قریش اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے ہیں یا قوم کے ذکر سے بڑھ کر ذکر کرنا اور یہاں ''ذِكْرًا'' تمیز واقع ہو رہا ہے ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ﴾ پھر حج میں حاضر ہونے والوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو

اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا کی نعمتوں کا سوال کرتے اور کہتے: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا﴾ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں عطا فرما یعنی ہماری عطا ہمیں خاص کر دنیا میں مقرر کر دے یعنی رعب و دبدبہ اور مال و دولت ﴿وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں' ''خلاق'' کا معنی نصیب ہے کیونکہ ان کا مقصد دنیا تک محدود ہے اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا کثرت سے کیا کرو کیونکہ کچھ لوگ کم طلب کرنے والے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے صرف دنیا کے اغراض طلب کرتے ہیں اور کچھ لوگ زیادہ طلب کرنے والے ہیں' وہ دنیا وآخرت دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتے ہیں' پس تم زیادہ طلب کرنے والے بن جاؤ یعنی ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

۲۰۱-﴿وَمِنْهُمْ﴾ اور ان لوگوں میں سے جو حج میں حاضر ہوتے ہیں ﴿مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما یعنی نعمت اور عافیت یا علم سے مالا مال فرما اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما ﴿وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ اور آخرت میں بھی بھلائی یعنی معافی اور مغفرت عطا فرما یا مال و دولت اور جنت عطا فرمایا ثنائے مخلوق اور رضائے حق یا ایمان وامان یا اخلاص ونجات یا سنت کی اتباع اور جنت یا قناعت وشفاعت یا نیک عورت اور حورعین یا سعادت کی زندگی اور قبور سے حشر کے ساتھ بشارت عطا فرما ﴿وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمایا آگ کے عذاب اور بُری عورت سے بچا۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے O اور گنے چنے دنوں میں اللہ کو یاد کرو تو جو شخص دو دن میں جلدی کر کے چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (یہ حکم) اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب اس کی طرف جمع کیے جاؤ گے O اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے اور ہے وہ سب سے زیادہ جھگڑالو O

۲۰۲-﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یعنی دونوں جہانوں کی بھلائی کی دعا کرنے والوں ﴿لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ کے لیے حصہ ہے جو انہوں نے نیک اعمال کمائے ہیں اور وہ ثواب ہے جو بہترین فوائد ومنافع (کی صورت میں عنایت کیا جائے گا) یا ان کی کمائی کے سبب یا دعا کو کسب کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ دعا بھی اعمال میں سے ایک عمل ہے اور اعمال کسب کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں فریقوں کی طرف اشارہ ہو اور بے شک دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق کے لیے اس کی کمائی کی جنس سے اس کے لیے حصہ ہے ﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ عنقریب قیامت قائم ہوگی اور بندوں سے

حساب لیا جائے گا' لہٰذا تم آخرت کے طلب کرنے اور زیادہ سے زیادہ ذکر کرنے کے لیے جلدی کرو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو مخلوقات کے جلد حساب لینے کے ساتھ موصوف فرمایا باوجود یکہ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوگی اور ان کے اعمال بھی بہت زیادہ ہوں گے تاکہ یہ بات اس کی کمالِ قدرت پر دلالت کرے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے وجوب پر دلالت کرے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا اتنی دیر میں حساب لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک لمحہ میں سب کا حساب لے لے گا۔

۲۰۳۔ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا گنے چنے دنوں میں ذکر کیا کرو اور یہ ایام تشریق ہیں (دس ذوالحج سے لے کر تیرہ ذوالحج تک) اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے ان دنوں میں نمازوں کے بعد اور جمرات کو کنکریاں مارنے کے بعد تکبیرات (یعنی ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'') پڑھنا مراد ہیں (اور راجح قول کے مطابق یہ تکبیرات نو ذوالحج کی صبح سے لے کر تیرہ ذوالحج کی عصر تک ہر باجماعت نماز کے بعد ایک مرتبہ واجب اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہیں) ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ﴾ تو جس نے جانے میں جلدی کی یا جلدی روانہ ہو گیا اور ''تَعَجَّلَ'' اور ''اِسْتَعْجَلَ'' دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور دونوں ''عَجَّلَ'' کے معنی میں آتے ہیں اور کہا جاتا ہے: ''تَعَجَّلَ فِي الْاَمْرِ وَاسْتَعْجَلَ. یعنی اس نے کام میں جلدی کی'' اور یہ دونوں متعدی استعمال ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے: اس نے جانے میں جلدی کی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَمَنْ تَاَخَّرَ'' کے مطابق ان میں مطاوعت (یعنی فعلِ متعدی کے بعد اسی سے فعلِ لازم لانا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مفعول نے فاعل کا اثر قبول کر لیا ہے) زیادہ موافق ہے ﴿فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ ان تین دنوں میں سے دونوں میں (کنکریاں مار کر جلدی چلا گیا) اور رکا نہیں تاکہ تیسرے دن کنکریاں مارتا اور ان تین دنوں میں سے صرف دو دنوں میں جمروں کو کنکریاں مارنے پر اکتفاء کر لیا ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ تو اس جلدی کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں ﴿وَمَنْ تَاَخَّرَ﴾ اور جس نے تاخیر کی یہاں تک کہ اس نے تیسرے دن بھی (شیطانی جمروں کو) کنکریاں ماریں ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى﴾ تو اس پر کوئی گناہ نہیں' یہ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا یعنی جو شکار کرنے سے بچ گیا یا جو بے حیائی کی گفتگو اور گناہوں سے بچ گیا یا اس کو تاخیر و تقدیم میں اختیار دیا گیا ہے اگرچہ تاخیر کرنا افضل و بہتر ہے لیکن اسے فاضل اور افضل میں اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ مسافر کو روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں اختیار دیا گیا ہے اگرچہ روزہ رکھنا افضل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کے دو گروہ ہو گئے' ایک گروہ تاخیر کرنے کو گناہ خیال کرتا تھا اور دوسرا گروہ جلدی جانے کو گناہ خیال کرتا تھا تو قرآن مجید نے دونوں سے گناہ کی نفی کر دی اور واضح کر دیا کہ نہ تاخیر کرنا گناہ ہے اور نہ جلدی کرنا گناہ ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تمام معاملات میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور جان لو کہ بے شک تم سب اس کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے۔

منافق و مسلم کی پہچان اور ان کے مسائل

۲۰۴۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ﴾[1] اور لوگوں میں سے بعض کی گفتگو آپ کو بہت اچھی اور عجیب لگتی ہے اور

[1] یہ اور اس سے اگلی دو آیات اخنس بن شریق ثقفی منافق کے متعلق نازل ہوئی تھیں جو مدینہ منورہ میں حضور رحمتِ عالمیان ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور کہا کہ میں صرف اسلام کے ارادہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بالکل سچ بول رہا ہوں' اس کی یہ باتیں سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت تعجب ہوا' پھر جب یہ روانہ ہوا تو راستے میں مسلمانوں کے کھیتوں کو آگ لگا دی اور ان کے جانوروں کو ہلاک کر دیا۔ (روح المعانی الجزء الثانی)

آپ کے قلبِ اطہر میں وزنی اور عظیم محسوس ہوتی ہے اور اسی وجہ سے جو بات نفس کو عظیم اور انوکھی محسوس ہوتی ہے اس کو عجیب چیز کہا جاتا ہے ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''فِيْ'' ''قَوْلُهٗ'' کے متعلق ہے یعنی دنیا کے لحاظ سے اس کی گفتگو آپ کو اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ محبت کا دعویٰ کر کے مال و متاع چاہتا ہے اور وہ اس کے ساتھ آخرت کا ارادہ نہیں رکھتا یا حرف ''فِيْ'' ''يُعْجِبُكَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی دنیا میں اس کی میٹھی باتیں آپ کو اچھی لگتی ہیں مگر آخرت میں نہیں کیونکہ میدان محشر میں اس کی زبان گنگ ہو جائے گی اور گفتگو نہ کر سکے گا ﴿وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ﴾ یعنی وہ قسم اٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے دل میں آپ کی اور دینِ اسلام کی جو محبت ہے اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے ﴿وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ اور وہ سخت جھگڑالو اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے اور ''خصام'' اور مخاصمت کا معنی جھگڑنا ہے اور یہ اضافت فی کے معنی میں ہے کیونکہ ''اَفْعَلُ'' جس کی طرف مضاف ہوتا ہے وہ اس کا بعض ہوتا ہے جیسے کہتے ہو: ''زَيْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ. بہر حال ایسا شخص عمدہ کلام نہیں ہوتا' لہٰذا اس کی اصل عبارت ''اَلَدُّ فِي الْخُصُوْمَةِ'' ہے یا پھر ''اَلْخِصَام'' ''خَصْمٌ'' کی جمع ہے جیسے ''صَعْبٌ'' کی جمع ''صِعَابٌ'' ہے اور اصل عبارت یوں ہے: ''وَهُوَ اَلَدُّ الْخُصُوْمِ خُصُوْمَةً. یعنی وہ بہت سخت جھگڑالو ہے''۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

جب وہ پیٹھ موڑ کر واپس ہوتا ہے تو وہ زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے کوشش میں لگا رہتا ہے اور کھیتوں اور جانوروں کو ہلاک کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ○ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو گناہ کرنے کے لیے اس پر ضد سوار ہو جاتی ہے' پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ یقیناً بہت بُرا ٹھکانا ہے ○ اور لوگوں میں سے ایک وہ شخص ہے جو اللہ کی رضا طلب کرنے کے لیے اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے ○ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ پھر اگر روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تم پھسل گئے تو جان لو کہ بے شک اللہ بہت غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے ○

۲۰۵- ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى﴾ اور جب وہ آپ سے اٹھ کر واپس لوٹتا ہے اور نرم و شیریں گفتگو کرنے کے بعد واپس چلا جاتا ہے ﴿سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا﴾ تو وہ زمین پر دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فساد برپا کر دے جس طرح اس نے قبیلہ ثقیف کے ساتھ کیا تھا کیونکہ اس کے اور ان کے درمیان دشمنی چلی آ رہی تھی تو ایک دفعہ اس نے ایک رات ان کے پاس گزاری اور ان کے جانوروں کو ہلاک کر دیا اور ان کے کھیتوں کو جلا ڈالا ﴿وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ یعنی ان کے کھیتوں

اور جانوروں کو ہلاک کر ڈالا یا (یہ مطلب ہے کہ) جب حاکم بن جائے تو ایسے ظالمانہ کام کرنا شروع کر دے جو بُرے اور ظالم حکام کیا کرتے ہیں یعنی لوگوں کے جانور اور کھیتیاں تباہ و برباد کر کے زمین میں فساد برپا کر دے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ظلم کو غالب کر دے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بارش برسانا روک دے اور خشک سالی کی وجہ سے کھیتیاں سوکھ کر تباہ و برباد ہو جائیں اور جانور ہلاک ہو جائیں ﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔

۲۰۶- ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُ﴾ اور جب اخنس بن شریق سے کہا گیا کہ ﴿اتَّقِ اللّٰهَ﴾ فساد پھیلانے اور کھیتوں کو جلانے اور جانوروں کو ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر ﴿اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ﴾ تو اس کو تکبر و غرور اور نخوت وعار اور زمانۂ جہالت کی حمیت وضد اور ہٹ دھرمی ان گناہوں پر اُبھارتی ہے جن سے اس کو منع کیا گیا ہے اور ان گناہوں کا ارتکاب اس پر لازم کر دیتی ہے یا پھر ''بـا'' سبب کی ہے یعنی اس گناہ کے سبب ضد اور ہٹ دھرمی اس پر سوار ہو جاتی ہے جو اس کے دل میں ہے اور وہ کفر ہے ﴿فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ﴾ سو اس کے لیے دوزخ کافی ہے ﴿وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ یعنی جہنم بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۲۰۷- ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ﴾ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنے نفس کو فروخت کر دیتے ہیں ﴿ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ دراصل ''لِابْتِغَاءِ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (اپنے آپ کو بیچ دیتے ہیں) ﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر مہربانی کرتے ہوئے اس کارِ خیر پر ان کو ثواب عنایت فرمائے گا۔

شانِ نزول: (درج ذیل) آیت مبارکہ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ جب مشرکینِ مکہ نے آپ کو اسلام ترک کرنے کے لیے مجبور کرنے کا ارادہ کیا اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا تو آپ نے اپنا مال دے کر اپنے آپ کو ان سے خرید لیا[1] یا یہ آیت مبارکہ ہر اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا رہتا ہے اور بُرائی سے روکتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے شہید کر دیا جاتا ہے (یا یہ آیت مبارکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (روح المعانی الجزء الثانی)

---

[1] علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے تحت لکھا ہے کہ جب حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے ارادے سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو کفار مکہ کو علم ہو گیا اور انہوں نے آپ کا تعاقب کر کے آپ کو ساتھیوں سمیت گھیر لیا اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا' حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تیروں کا کشکول تھا اور آپ تیر چلانے کے بہت ماہر تھے اور تیر بھی نشانے پر لگتا تھا' آپ نے فرمایا: اے قریشیو! تم جانتے ہو میں کیسا ماہر تیر انداز ہوں اور نشانہ پر تیر لگانا میرا خاصہ ہے' لہٰذا میرے پاس جتنے تیر ہیں ایک ایک تیر تمہارے ایک ایک کے دل پر کاری ضرب لگائے گا' جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں اپنی تیز دھار تلوار سے تمہارا صفایا کرتا رہوں گا' اب تم جو چاہو کر لو اور میرا واپس لوٹ کر تمہارے پاس جانا بھی مفید نہیں کیونکہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں' میں نے چند روز کے بعد آخر مرنا ہی ہے اور میرے پاس بہت مال ہے جو مکہ میں میرے گھر میں مدفون ہے' تم واپس چلے جاؤ میں تمہیں اپنے کل مال کا پتہ بتا دیتا ہوں' جا کر سب لے لو مگر مجھے مدینہ طیبہ جانے دو اور تمہیں معلوم ہے کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور مرتے دم تک میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا' چنانچہ کفار مکہ نے آپ کی بات مان لی اور آپ کا سارا مال لے لیا اور آپ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے' جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو مبارک دی اور فرمایا: تجارت میں بہت نفع کمایا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ کیسے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت مذکور کے نزول کا واقعہ سنایا جس سے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشخبری سنانے پر بھی آپ بہت خوش ہوئے۔ (روح البیان' روح المعانی' ابن کثیر الجزء الثانی)

۲۰۸۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ ﴾ قاری علی اور حجازی نے سین پر فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا معنی ہے: فرماں برداری اور اطاعت کرنا یعنی تم اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جاؤ اور اس کی اطاعت کرو یا اسلام مراد ہے اور خطاب اہل کتاب کو ہے کیونکہ وہ اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب پر ایمان رکھتے تھے یا منافقین کو خطاب ہے کیونکہ وہ اپنی زبانوں سے اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتے تھے اور زبانی ایمان رکھتے تھے ﴿ كَآفَّةً ﴾ تم میں سے کوئی شخص اس کی اطاعت سے اپنا ہاتھ باہر نہ کھینچ لے اور یہ ''اُدْخُلُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم سب اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ یا یہ ''اَلسِّلْم'' سے حال ہے گویا انہیں حکم دیا گیا ہے کہ تمام طاعات میں داخل ہو جاؤ یا اسلام کی تمام راہوں اور اس کے تمام حصوں میں داخل ہو جاؤ اور '' كَآفَّةً''، ''كَفٌّ'' سے بنا ہے (جس کا معنی روکنا ہے) گویا انہیں روک دیا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی جماعت سے خارج ہو (بلکہ آپس میں متحد و متفق رہیں) ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ اور تم شیطان کے قدموں یعنی اس کے وسوسوں اور خیالوں کی پیروی نہ کرو ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جس کی عداوت و دشمنی ظاہر و عیاں ہے۔

۲۰۹۔﴿ فَاِنْ زَلَلْتُمْ ﴾ پھر اگر تم دین اسلام میں داخل ہونے کی بجائے اس سے پھر گئے ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ یعنی تمہارے پاس ایسے واضح دلائل اور روشن شواہد آ چکنے کے بعد جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جس دین میں تمہیں داخل ہونے کی دعوت دی گئی ہے وہ حق ہے ﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ سو تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ایسا غالب ہے کہ کوئی چیز تمہیں عذاب دینے سے اس کو نہیں روک سکتی ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا دانا اور صاحب حکمت ہے وہ کسی کو ناحق عذاب نہیں دے گا اور مروی ہے کہ ایک قاری نے ''عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ'' کی جگہ ''غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' کی تلاوت کی تو ایک اعرابی نے تلاوت کو سنا اور وہ قرآن کریم پڑھا ہوا نہیں تھا' سو اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے کیونکہ حکیم و دانا نافرمانی و سرکشی کے ساتھ مغفرت و بخشش اور رحمت کا ذکر نہیں کرتا اس لیے کہ نافرمان اس پر مغرور ہو جائے گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ع ۲۵ / ۹ — وقف لازم

کیا وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ (کا عذاب) بادلوں کے سایوں میں اور (عذاب کے) فرشتے ان کے پاس آ جائیں اور کام تمام ہو جائے اور تمام کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے ○ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دی تھیں اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو حاصل کر لینے کے بعد بدل دیتا ہے تو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا

ہےO کافروں کے لیے دنیا کی زندگی آراستہ کردی گئی ہے اور وہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور قیامت کے دن پرہیزگار مسلمان ان (کافروں) سے بلند ہوں گے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر گنتی کے روزی دیتا ہےO

۲۱۰- ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ وہ انتظار نہیں کر رہے ﴿إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ آ جائے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم یا اس کا عذاب آ جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ'' (النحل:۳۳) یعنی یا تمہارے رب کا حکم آ جائے ''فَجَآءَهَا بَاْسُنَا'' (الاعراف:۴) پس ان پر ہمارا عذاب آ پہنچا' یا اس کا مفعول بہ محذوف ہے اور اس کا معنی ہے: ''اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ بِبَاْسِهٖ'' کہ ان پر اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے کہ ''فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ'' سو جان لو بے شک اللہ (ہر چیز پر) غالب ہے ﴿فِيْ ظُلَلٍ﴾ ''ظُلَّةٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی سایہ کرنا ہے ﴿مِّنَ الْغَمَامِ﴾ اس کا معنی سحاب یعنی بادل کے ہیں اور یہ ڈرانے کے لیے فرمایا ہے کیونکہ بادل سے بارانِ رحمت کا گمان ہوتا ہے' جب اس سے عذاب نازل ہوگا تو معاملہ زیادہ خوف ناک اور بہت ہیبت ناک ہو جائے گا ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یعنی وہ فرشتے آ جائیں جو ان کو عذاب دینے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں یا ان کا قیامت کے دن حاضر ہونا مراد ہے ﴿وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾ اور ان کی ہلاکت کا کام پورا ہو گیا اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر فراغت ہو گئی ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بعض امور کا مالک بنایا لیکن قیامت کے روز تمام امور اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اور ''تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ'' کو جیسے ہے (یعنی تا پر ضمہ اور جیم پر فتح اس کو) ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے پڑھا ہے۔

۲۱۱- ﴿سَلْ﴾ اس کی اصل ''اِسْئَلْ'' ہے' ہمزہ کو حذف کرنے کے بعد اس کا فتحہ سین کو دے دیا گیا اور ہمزۂ وصل کی بھی ضرورت نہ رہی اس لیے اسے بھی حذف کر دیا گیا تو ''سَلْ'' رہ گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حکم ہے یا ہر ایک کے لیے ہے اور یہ سوال دراصل بنی اسرائیل کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے جیسا کہ قیامت کے روز کافروں سے سوال کیا جائے گا ﴿بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ﴾ اے محبوب! بنی اسرائیل سے پوچھیئے کہ ہم نے ان کو کتنی روشن نشانیاں عنایت کی ہیں یعنی ان کے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر معجزات کی صورت میں یہ نشانیاں ان کو دی گئی تھیں یا ان کو دی گئی کتابوں کی ہر وہ آیت مراد ہے جو دینِ اسلام کی حقانیت پر گواہ ہے اور ''كَمْ'' استفہامیہ اور خبریہ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے ﴿وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کر دے اور وہ اس کی آیات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں کیونکہ یہی آیات ہدایت اور گمراہی سے نجات حاصل کرنے کے اسباب ہیں جن کو بنی اسرائیل نے تبدیل کر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کو ظاہر کر دیا تا کہ یہ بنی اسرائیل کی ہدایت کا سبب بن جائیں مگر انہوں نے ان کو اپنی گمراہی کا سبب بنا دیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ'' (التوبہ:۱۲۵) پس ان کی خباثت پر اور خباثت کو بڑھا دیا' یا انہوں نے اپنی کتاب کی وہ آیات تبدیل کر دیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینِ حق پر دلالت کرتی تھیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ﴾ یعنی اس کو جاننے پہچاننے اور اس کی صحت وحقانیت معلوم کرنے کے بعد (انہوں نے اس میں تحریف کر دی) کیونکہ جب تک کوئی چیز کو جان پہچان نہ لے تو گویا وہ اس سے دور ہوتا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سخت عذاب دینے والا ہے جو اس کے مستحق ہیں۔

۲۱۲- ﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی آراستہ کر دی گئی ہے اور آراستہ کرنے والا شیطان ہے' جس نے اپنے وسوسوں کے ذریعے دنیا اور اس کی زیبائش کافروں کے لیے ان کی آنکھوں میں آراستہ کر دی اور اس کو ان کے دلوں میں محبوب بنا دیا اس لیے کافر دنیا کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے یا اللہ تعالیٰ ان میں شہوات کو پیدا کرتا ہے

کیونکہ تمام کائنات اسی کی مخلوق ہے اور اس پر اس کی قراءت دلیل ہے جس نے ''زَیَّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (زا پر ضمہ کی بجائے فتحہ) پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے دنیا کو حسین و جمیل اور خوبصورت بنا دیا ہے ﴿ وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور وہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں' چنانچہ کفار مکہ فقراء مومنین کا مذاق اڑایا کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود' حضرت عمار بن یاسر' حضرت صہیب رومی اور دیگر غریب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذاق اڑاتے تھے یعنی چونکہ کفار صرف دنیا کے طلب گار ہیں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے اس لیے وہ ان مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے جنہیں دنیا سے کوئی وافر حصہ نہیں ملا یا تھا یا وہ دنیا کی بجائے صرف آخرت کے طلب گار رہتے تھے ﴿ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا ﴾ اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا یعنی کفر و شرک سے بچتے رہے اور اس سے فقراء مسلمان مراد ہیں ﴿ فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ﴾ مؤمنین قیامت کے دن کفار سے مراتب میں بلند ہوں گے اس لیے کہ وہ بلند و بالا جنت میں ہوں گے اور کفار سب سے نیچے دوزخ کی آگ میں ہوں گے ﴿ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس پر روزی فراخ کرنا چاہتا ہے اس کے رزق میں وسعت عطا فرما دیتا ہے جیسا کہ قارون وغیرہ کو وسیع رزق عطا فرمایا اور رزق میں وسعت و فراخی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت و مصلحت کی وجہ سے عطا کی جاتی ہے' دراصل اس میں تمہاری آزمائش کی جاتی ہے اور اگر عزت افزائی کے لیے رزق میں وسعت و کشادگی کی جاتی تو تمام بنی نوع انسان میں مومنین اس کے زیادہ حق دار ہوتے۔

﴿ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً قف فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ ج فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِہٖ ط وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾ ﴾

تمام لوگ ایک دین پر تھے' پھر اللہ نے خوشخبری دینے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دے اور اس میں صرف ان لوگوں نے اختلاف کیا تھا جن کو کتاب دی گئی تھی' روشن دلائل آ جانے کے بعد محض آپس کی سرکشی کی وجہ سے' سو اللہ نے اپنے حکم سے ان کے اختلاف میں مسلمانوں کو حق بات کی ہدایت عنایت فرمائی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہےO

۲۱۳- ﴿ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ﴾ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک تمام لوگ صرف دین اسلام پر متفق رہے یا حضرت نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ سب کے سب ایک دین اسلام پر متفق و متحد تھے' پھر بعد میں اختلاف پیدا ہو گیا ﴿ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس پیغمبروں کو بھیجا اور اس میں اختلاف وقوع پذیر ہونے کا جملہ آیت مبارکہ میں محذوف ہے اور اس کے حذف پر اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد دلالت کر رہا ہے: ''لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ۔ (البقرہ: ۲۱۳) تا کہ یہ پیغمبر لوگوں کے درمیان

ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں انہوں نے اختلاف برپا کیا تھا'' نیز حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اس کے حذف پر دلالت کررہی ہے اور وہ یہ ہے: ''كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا۔ یعنی پہلے سب لوگ ایک امت تھے پھر انہوں نے اختلاف پیدا کرلیا'' اور اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد بھی دلالت کررہا ہے: ''وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا '' (یونس:۱۹) یعنی ''سب لوگ ایک امت تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا'' یا یہ مطلب ہے کہ پہلے سب لوگ ایک امت یعنی کافر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے ان کی طرف انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا' سو انہوں نے ان حضرات سے اختلاف کیا لیکن پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے ﴿مُبَشِّرِيْنَ﴾ مؤمنوں کو ثواب کی خوشخبری سنانے والے ﴿وَمُنْذِرِيْنَ﴾ اور کافروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے اور یہ دونوں کلمے حال واقع ہو رہے ہیں ﴿وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک کتاب نازل فرمائی ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو بیان کرنے کے لیے ﴿لِيَحْكُمَ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ یا کتاب یا پھر وہ پیغمبر جس پر کتاب نازل کی گئی ہے فیصلہ کریں ﴿بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ لوگوں کے درمیان اس دین کے بارے میں جس میں لوگ اتفاق کے بعد اختلاف کر بیٹھے تھے ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ﴾ اور اختلاف نہیں کیا اس حق میں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ﴾ مگر ان لوگوں نے جنہیں اختلاف ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب دی گئی تھی یعنی اس کے باوجود کہ ان کی طرف کتاب نازل کی گئی لیکن وہ اختلاف میں اور زیادہ بڑھ گئے تھے ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ اس کی صداقت پر واضح اور روشن دلائل آ جانے کے بعد ﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ یہ مفعول لہ ہے یعنی اختلاف کا سبب آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرنا اور دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا اور ان میں انصاف کا نہ ہونا ہے ﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اس حق کی طرف ہدایت فرمائی جس میں اختلاف کرنے والوں نے اختلاف کیا ﴿مِنَ الْحَقِّ﴾ یہ ''لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ'' کا بیان ہے ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ اپنے علم کے ساتھ ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت عنایت فرماتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ایسی سخت مصیبتیں ابھی تک نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں' ان کو سخت ترین مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچیں اور زبردست جھنجھوڑے گئے یہاں تک کہ (اس وقت کے) رسول اور ان کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو بے شک اللہ کی مدد عنقریب آئے گی ○ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تم فرما دو کہ تم جو اچھی چیز خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور

محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے اور تم جو نیکی کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے O

۲۱۴۔﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ ﴾ ''ام'' منقطعہ ہے متصلہ نہیں اس لیے کہ اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے ہمزہ استفہام کا ہو جیسے تمہارا یہ قول ہے ''اَعِنْدَكَ زَيْدٌ اَمْ عَمْرٌو'' یعنی ان دونوں میں سے تمہارے پاس کون ہے؟ اور اس کا جواب ہوگا: زید۔ اگر اس کے پاس زید ہوا یا اس کا جواب ہوگا عمرو اگر اس کے پاس عمرو ہوا لیکن رہا ''ام'' منقطعہ تو وہ استفہام اور خبر کے بعد واقع ہوتا ہے اور وہ ''بل'' اور ہمزہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اب تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''بَلْ اَحَسِبْتُمْ'' اور اس میں ہمزہ جملے کی تقریر اور حسبان و گمان اور اس کے اسبعاد کے انکار کے لیے ہے' جب اللہ تعالیٰ نے روشن اور واضح دلائل آ جانے کے بعد انبیائے کرام سے سابقہ امتوں کے اختلاف کا ذکر کیا جس کے ذریعے رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو صبر و استقامت اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی شجاعت و بہادری کو ابھارا باوجودیکہ مشرکین اور اہل کتاب نے ان سے اختلاف کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا انکار کیا اور آپ سے عداوت و دشمنی پیدا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے سب سے بلیغ ترین طریقہ اختیار کرتے ہوئے التفات وخطاب کے جملے کے ساتھ مخاطب فرمایا: ''اَمْ حَسِبْتُمْ'' ﴿ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ ﴾ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں تم داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک (وہ مصیبتیں اور تکلیفیں) تم پر نہیں آئیں (جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں) اور ''لَمَّا'' میں توقع کا معنی ہے یعنی مشرکین اور اہل کتاب کی طرف سے تم پر تکلیفوں اور مصیبتوں کا آنا متوقع ہے اور ان کا انتظار ہے ﴿ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا ﴾ ان لوگوں کی طرح جو پہلے گزر چکے ہیں یعنی شدت و ایذا برداشت کرنے میں ان کا حال نمونہ ہے ﴿ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ تم سے پہلے لوگ یعنی انبیائے کرام اور ان پر ایمان لانے والے مؤمنین ﴿ مَسَّتْهُمُ ﴾ یہ ''مثل'' کا بیان ہے اور یہ نیا جملہ ہے گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ وہ مثال کیسے ہیں تو جواب میں کہا گیا: ''مَسَّتْهُمُ'' ﴿ الْبَاْسَآءُ ﴾ ان کو فقر و فاقہ اور خوف و رنج پہنچا ﴿ وَالضَّرَّآءُ ﴾ بیماری اور درد ﴿ وَزُلْزِلُوْا ﴾ اور ان کو مختلف اقسام کی سختیوں کے پہنچنے کے سبب ہلا کر رکھ دیا گیا اور ان کو بہت پریشان کیا گیا اور ان پر کی گئی سختیوں کی شدت زلزلے کے مشابہ تھی ﴿ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ آخر کار ان مصیبتوں اور تکلیفوں میں مضطرب و بے چین ہو کر خدا کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے مسلمان کہہ اٹھے کہ ﴿ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ یعنی کفار کی طرف سے ان پر اس قدر سختیاں کی گئیں کہ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ان میں صبر کرنے کی مزید قوت برداشت نہ رہی حتیٰ کہ انہوں نے یہ بات کہہ دی اور اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی تمنا کی اور شدت وسختی کے طویل عرصہ کا اظہار کیا تو ان سے کہا گیا کہ ﴿ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾ مدد کی طلب میں جلدی کرنے پر ان کو جواب دیا گیا ہے کہ سن لو بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد بالکل قریب ہے۔ قاری نافع مدنی نے ''يَقُوْلُ'' کی لام کو مرفوع پڑھا ہے ماضی کے حال کی حکایت کی وجہ سے (کیونکہ جب حتیٰ کے بعد آنے والا فعل ماضی کے معنی میں ہو تو اس پر رفع اور نصب دونوں جائز ہوتے ہیں) جیسے ''شَرِبَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى يَجِيْئَ الْبَعِيْرُ يَجُرُّ بَطْنَهٗ'' یعنی اونٹ نے پانی پیا حتیٰ کہ اونٹ کا چار سالہ بچہ اپنے پیٹ کی جگالی کرتا ہوا آ گیا اور باقی قراء نے حرف ''ان'' کے مضمر ہونے اور معنی استقبال کی بنا پر نصب پڑھا ہے کیونکہ حرف ''اَن'' علامتِ نصب ہے۔

انفاق و جہاد کی اہمیت کا بیان

شانِ نزول: حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہت بڑے آدمی تھے اور ان کے پاس بہت بڑا مال تھا' چنانچہ جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے اموال سے کیا خرچ کریں

اور ہم کہاں خرچ کریں تو (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۱۵- ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں' آپ فرما دیں کہ جو اچھا مال تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ" مال کے خرچ کرنے کے بیان پر مشتمل ہے اور اس سے ہر قسم کا اچھا مال خرچ کرنا مراد ہے اور یہ کلام اہم ترین مقصود پر مبنی ہے اور وہ مصارف (جن پر مال خرچ کرنا ہے) کو بیان کرنا ہے کیونکہ خرچ کرنا تب معتبر و مقبول ہوگا جب اپنے موقع ومحل پر استعمال کیا جائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں نفلی نفقہ مراد ہے ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾ اور تم جو نیکی کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے' سو وہ اس پر ضرور جزاء عطا فرمائے گا۔

كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے' اور ہوسکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو' اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو' اور (حقیقتِ حال کو) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

۲۱۶- ﴿كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ﴾ تم پر کفار سے جہاد فرض کر دیا گیا ہے ﴿وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ "كُرْهٌ" مصدر ہے اور کراہت کے معنی میں ہے' لہٰذا وصف کی جگہ مصدر صرف مبالغہ کے لیے لایا گیا ہے جیسے یہ قول ہے: "فَاِنَّمَا هِیَ اِقْبَالٌ وَّاِدْبَارٌ" گویا جہاد فی نفسہٖ ناپسند ہے اس لیے لوگ اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں یا وہ فعل بہ معنی مفعول ہے جیسے "خبز" بہ معنی "مَخْبُوْز" ہے "اَیْ وَهُوَ مَكْرُوْهٌ لَّكُمْ" یعنی وہ تم کو ناپسند ہے" ﴿وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ اور ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر وہ تمہارے لیے بہتر ہو' سو تم جہاد کرنا ناپسند کرتے ہو حالانکہ اس میں دو خوبیوں میں سے ایک خوبی لازمی ہے یا تو فتح و کامیابی اور مال غنیمت اور یا پھر شہادت اور بہشت ﴿وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا﴾ اور ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم پسند کرو اور وہ جہاد کے لیے جانے کی بجائے گھر میں بیٹھا رہنا ہے ﴿وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ وہ تمہارے لیے برا ہو کیونکہ اس میں ذلت و رسوائی' فقر و فاقہ اور مالِ غنیمت اور اجر و ثواب سے محرومی ہے ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم اس کو نہیں جانتے' لہٰذا تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس پر عمل پیرا ہونے میں جلدی کرو اگر چہ وہ تم پر دشوار ہو۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى

یَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِیْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

وہ لوگ آپ سے ماہِ حرام میں جنگ کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تم فرما دو کہ اس ماہ میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ ہے اور فساد برپا کرنے کا گناہ قتل سے زیادہ بڑا ہے' اور تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے' یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو وہ تمہیں دین سے پھیر دیں' اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور وہ حالتِ کفر میں مرجائے تو ان کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو جائیں گے اور وہ لوگ جہنمی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

شانِ نزول: حضور سیدِ عالم نبی مکرم ﷺ نے مجاہدین کا ایک دستہ مشرکین (کے تجارتی قافلہ) کی سرکوبی کے لیے بھیجا جنہوں نے (بطن نخلہ میں پہنچ کر) مشرکین کو قتل کر دیا جب کہ اس رات رجب کا چاند چڑھ چکا تھا مگر مجاہدین کو اس کا علم نہیں تھا جس کی بنا پر قریش نے کہنا شروع کر دیا کہ (رحمت عالمیاں سرورِ کونین حضرت) محمد (مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء) نے ماہِ حرام میں لڑنا حلال قرار دے دیا جس میں خوف زدہ بھی پُر امن ہو جاتے ہیں تو اس موقع پر (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔

۲۱۷- ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ یعنی کفار یا مسلمان ماہِ حرام میں لڑنے اور جنگ کرنے کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں ﴿قِتَالٍ فِیْهِ﴾ یہ ''اَلشَّهْرِ'' سے بدل ہے اور قاری علی کسائی نے ''عَنْ قِتَالٍ فِیْهِ'' مکرر عامل کے ساتھ پڑھا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ. (یعنی قوم ثمود کے سرداروں نے) کمزور مسلمانوں سے (کہا کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں)'' (الاعراف:۷۵)۔ ﴿قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ﴾ فرما دو: اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔ دراصل ''اِثْمٌ كَبِیْرٌ'' ہے یعنی بڑا گناہ اور ''قِتَالٌ'' مبتدا ہے اور ''كَبِیْرٌ'' اس کی خبر ہے اور نکرہ کا مبتدا ہونا جائز ہے کیونکہ یہ نکرہ ''فِیْهِ'' کا موصوف ہے (گویا نکرہ مخصصہ ہو گیا ہے) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت کریمہ منسوخ ہے اور اس کا ناسخ درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو'' (التوبہ:۵)۔ ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ شریف کا عمرہ کرنے سے مشرکین کا روکنا اور یہ مبتدا ہے ﴿وَكُفْرٌۢ بِهٖ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا' اس کا ''صَدٌّ'' پر عطف ہے۔ ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اس کا عطف ''سَبِیْلِ اللّٰهِ'' پر ہے۔ دراصل ''وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَعَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا ہے اور فراء نے خیال کیا ہے کہ اس کا عطف ''بِهٖ'' کی ھا ضمیر پر ہے یعنی ''كُفْرٌۢ بِهٖ وَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' ہے اور بصریوں کے نزدیک حرف جار کے اعادہ کے بغیر ضمیر مجرور پر عطف جائز نہیں اس لیے ''مَرَرْتُ بِهٖ وَزَیْدٍ'' نہیں کہا جا سکتا لیکن ''مَرَرْتُ بِهٖ وَبِزَیْدٍ'' کہا جا سکتا ہے' لہٰذا اگر ''بِهٖ'' کی ھا پر عطف ہوتا تو اس آیت مبارکہ میں یوں ارشاد فرمایا جاتا: ''وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَبِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ''۔ ﴿وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ﴾ یعنی مسجد حرام والوں کو نکالنا اور وہ رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین ہیں اور اس کا عطف بھی ''صَدٌّ'' پر ہے ﴿مِنْهُ﴾ مسجد حرام سے اور تینوں اسماء

کی خبر ﴿اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ہے یعنی ماہِ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ کے گمان پر غلطی کی وجہ سے ماہِ حرام میں مجاہدین کے سریہ (فوج کا وہ دستہ جس کی قیادت حضور کی بجائے کسی صحابی نے کی ہو) کے جنگ کرنے سے (مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا' مسجد حرام میں جانے سے منع کرنا اور مسجد حرام کے باشندوں کو نکالنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ﴾ مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکالنا (اور لوگوں کو اسلام سے روکنا) اور کفر و شرک کرنا ﴿اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ماہِ حرام میں قتل کرنے سے زیادہ بڑا گناہ ہے یا کفار کا مسلمانوں کو ایذا دینا اور مار پیٹ کرنا ماہِ حرام میں مسلمانوں کے قتل کرنے سے بہت زیادہ قبیح و بُرا ہے ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ﴾ اور وہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر کر کفر کی طرف لے جائیں اور یہ دراصل مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی دائمی عداوت کی خبر ہے اور مطلب یہ ہے کہ کفار کبھی مسلمانوں کی عداوت سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ وہ انہیں دین سے پھیر لیں اور حرف ''حَتّٰی'' تعلیل کے معنی میں ہے جیسے ''فُلَانٌ يَعْبُدُ اللّٰهَ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ. فلاں آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے گا تا کہ جنت میں داخل ہو جائے''۔ یعنی کفار تم سے جنگ کرتے رہیں گے تا کہ تمہیں دینِ اسلام سے برگشتہ کر دیں ﴿اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾ اس میں کفار کی استطاعت و قوت کی ناکامی بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ کر سکتے (تو تمہیں دین سے پھیر دیتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے) جیسے تمہارا اپنے دشمن سے یہ کہہ دینا کہ اگر تم مجھ پر قابو پا لو تو مجھے زندہ نہ چھوڑنا جب کہ تمہیں یقینِ کامل ہو کہ وہ تم پا قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾ اور تم میں سے جو شخص اپنے دین کو چھوڑ کر ان کے دین کی طرف لوٹ جائے گا ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ پھر وہ کفر کی حالت میں یعنی ارتداد کی حالت میں مر جائے ﴿فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو جائیں گے کیونکہ مسلمانوں کو دنیا میں جو اسلام کے فوائد و برکات حاصل ہیں وہ ان کے لیے ختم ہو جائیں گے اور آخرت میں اجر و ثواب اور حسنِ انجام سے محروم ہو جائیں گے ﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور وہ جہنمی ہیں' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت مبارکہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ محض مرتد ہو جانے سے اعمال ضبط نہیں ہوتے جب تک اس پر موت واقع نہ ہو' ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشادِ مبارک میں ضبط اعمال کو مطلقاً مرتد ہونے کے ساتھ معلق کر دیا ہے یعنی ''وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ. (المائدہ:۵) اور جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے گا تو اس کے عمل یقیناً برباد ہو جائیں گے''۔ اور دراصل ہمارے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اور ان کے نزدیک مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ﴿۲۱۹﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے○ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے اور وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں' آپ فرمادیں: جو ضرورت سے زائد ہو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو○

شانِ نزول: جب اس سریہ کے مجاہدین نے حضور سیّد عالم ﷺ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہمیں اس مہم میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی طرح اجر وثواب ملے گا تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۱۸- ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے مکہ مکرمہ اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر (مدینہ منورہ کی طرف) ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشرکین سے جہاد کیا اور اس جگہ وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ ﴿اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ﴾ ''اِنَّ'' کی خبر ہے۔ کہا گیا ہے کہ ''مَنْ رَجَا طَلَبَ وَمَنْ خَافَ هَرَبَ. جو امید رکھتا ہے وہ طلب کرتا ہے اور جو ڈرتا ہے وہ بھاگ جاتا ہے'' ﴿وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

شراب و جوئے کی مذمت اور اموالِ یتیم کی حفاظت کا بیان

شانِ نزول: شراب کے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں:

(۱) یہ آیت مبارکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی یعنی ''وَمِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا. (النحل:۶۷) اور تم کھجور اور انگوروں کے پھلوں سے نبیذ تیار کرتے ہو اور بہترین رزق حاصل کرتے ہو''، چنانچہ مسلمان شراب پیتے رہے اور وہ ان کے لیے حلال تھی' پھر (مدینہ منورہ میں آ کر) حضرت عمر فاروق اور صحابہ کرام میں سے چند دیگر حضرات نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ ہمیں شراب کے متعلق فتویٰ دیجئے کیونکہ یہ عقل کو زائل کرتی ہے اور مال کو ضائع کرتی ہے تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۱۹-(۲) ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ﴾ یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں (اس آیتِ مبارکہ کے نزول کے بعد) ایک قوم تو شراب پیتی رہی اور دوسرے لوگوں نے شراب پینا ترک کردیا' پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کی دعوت کی اور انہوں نے شراب پی اور نشہ کی وجہ سے مخمور و مدہوش ہوگئے اور ان میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی تو ''قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ'' پڑھ دیا جس پر (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی (۳) ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰی. (النساء:۴۳) اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ''، چنانچہ شراب پینے والے بالکل تھوڑے رہ گئے باقی سب نے شراب پینا ترک کردی' پھر حضرت عتبان بن مالک نے ایک جماعت کی دعوت کی اور جب شراب پینے سے مدہوش ہوگئے تو آپس میں ایک دوسرے سے لڑ پڑے اور مار دھاڑ شروع کردی' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کرتے ہوئے عرض کی: ''اَللّٰهُمَّ بَیِّنۡ لَنَا فِی الۡخَمۡرِ بَیَانًا شَافِیًا. اے اللہ! شراب کے متعلق ہمارے لیے مکمل اور واضح حکم بیان کردیجئے'' تو یہ آیت مبارک نازل ہوئی:

(۴) ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ'' یہ ''فَهَلۡ

اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ'' تک نازل ہوئی تھی: اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر ناپاک ہی ہیں شیطانی کام ہیں' سو ان سے بچتے رہو تو کیا تم اس سے باز آ ؤ گے'' (المائدہ:۹۰۔۹۱)۔تو حضرت عمر فاروق نے عرض کی: اے میرے رب! ہم باز آ گئے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کنویں میں گر جائے' پھر اس جگہ منارہ تعمیر کر دیا جائے تو میں اس پر اذان نہیں پڑھوں گا اور اگر شراب کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے' پھر وہ خشک ہو جائے اور اس میں گھاس اُگ آئے تو میں اپنے جانور کو وہاں نہیں چراؤں گا' انگوروں کو نچوڑ کر آگ پر جوش دیا جاتا ہے۔جب جوش مارتا ہوا پک کر گاڑھا ہو جاتا ہے اور جھاگ پیدا ہو جاتی ہے تو شراب بن جاتی ہے۔خمر (شراب) کو ''خَمۡرَۃٌ'' سے مصدر کا نام دیا گیا ہے جس کا معنی ڈھانپنا ہے کیونکہ شراب بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ''مَیۡسِر'' ''قُمار'' (جوئے) کو کہتے ہیں اور یہ ''یَسَرَ'' سے مصدر میمی ہے جیسے ''وَعَد'' (سے ''مَوۡعِدَۃٌ'' مصدر میمی ہے) مثلاً کہا جاتا ہے: ''یَسَرۡتُہٗ. میں نے اس سے جوا کھیلا ہے'' اور یہ ''یُسۡرٌ'' سے مشتق ہے کیونکہ جیتنے والا بغیر کسی مشقت و محنت کے بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مدمقابل آدمی کا مال لے لیتا ہے یا یہ ''یَسَارٌ'' سے مشتق ہے کیونکہ جوئے کے ذریعے بڑی آسانی سے مال حاصل کیا جاتا ہے (عرب میں زیادہ تر اونٹوں پر جوا کھیلا جاتا تھا) جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ان کے پاس دس تیر ہوتے جن میں سے سات پر لکیروں کے نقش ہوتے اور وہ یہ تھے: (۱) ''فَذٌّ'' اس کا ایک حصہ مقرر ہوتا (۲) ''توام'' اس کے دو حصے ہوتے (۳) ''رقیب'' اس کے تین حصے ہوتے (۴) ''حلس'' اس کے چار حصے ہوتے (۵) ''نافس'' اس کے پانچ حصے ہوتے (۶) ''مسبل'' اس کے چھ حصے ہوتے (۷) ''معلی'' اس کے سات حصے ہوتے اور تین بغیر کسی علامت کے محض سادہ ہوتے' ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا تھا۔ان کے نام یہ ہیں: (۱) مَنیح (۲) سَفیح (۳) وغد' اہل عرب ان تمام تیروں کو کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ لیتے اور کسی عادل و منصف شخص کے ہاتھ پر رکھ دیتے' پھر وہ آدمی ان کو حرکت دیتا اور اپنا ہاتھ داخل کر کے ہر آدمی کے نام پر ایک ایک تیر نکالتا جاتا تھا اور جس شخص کے نام پر سادہ تیر نکل آتا جس کا حصہ مقرر نہیں تھا تو وہ شخص کچھ نہ لیتا اور تمام اونٹوں کی قیمت ادا کرتا اور ان اونٹوں کا گوشت محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کیا جاتا اور وہ خود اس سے نہ کھاتے اور وہ اس سخاوت پر بڑا فخر کرتے اور جو اس میں داخل نہ ہوتا اس کی مذمت کرتے' بہرحال جوئے کے حکم میں اس کی تمام اقسام شامل ہیں جیسے قمار' نرد' شطرنج وغیرہ (لاٹری' معمہ بازی' ریس کورس میں گھڑ دوڑ' تاش' کیرم اور دیگر کھیلوں میں ہار جیت پر رقمیں لگانا' کرکٹ' فٹ بال اور سکوائش وغیرہ کے ملکی اور بین الاقوامی کھیلوں میں سٹہ کھیلنا یہ سب جوئے میں شامل ہیں) اور اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ آپ سے ان دونوں کے لین دین کے متعلق سوال کرتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿قُلۡ فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ﴾ آپ فرما دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ آپس میں باہم جھگڑوں' سب وشتم اور گالی گلوچ اور جھوٹ وغیرہ کا سبب بنتے ہیں۔قاری حمزہ اور علی کسائی نے ''کَبِیۡرٌ'' کی جگہ ''کَثِیۡرٌ'' پڑھا ہے یعنی شراب اور جوئے میں بہت زیادہ گناہ ہے ﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔شراب میں تجارت کے ذریعے منافع کمایا جاتا ہے اور اس کے پینے میں لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور جوئے میں فقراء کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے (کیونکہ اس زمانہ میں عرب کے لوگ جوئے سے جیتی ہوئی رقمیں فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے) اور نیز اس کے ذریعے بلا تکلف مال و دولت حاصل ہوتی ہے ﴿وَاِثۡمُهُمَاۤ﴾ اور ان دونوں کے کاروبار میں گناہ کا عذاب ﴿اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا﴾ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے شرابی اور جوئے باز بہت زیادہ گناہوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں ﴿وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ۬ قُلِ الۡعَفۡوَ﴾ اور یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیں: زائد' یعنی جو ضرورت سے زائد ہو وہ

خرچ کرو اور اسلام کے ابتدائی دور میں ضرورت سے زائد مال کا صدقہ کر دینا فرض تھا' چنانچہ اگر کوئی شخص کسان ہوتا تو سال بھر کی روزی کے لیے غلہ رکھ لیتا اور جو زائد بچ جاتا اس کو صدقہ کر دیتا اور اگر مزدور ہوتا تو ایک دن کا خرچ رکھ لیتا اور باقی زائد مال کا صدقہ کر دیتا' پھر یہ آیت مبارکہ زکوٰۃ کی آیتِ کریمہ سے منسوخ ہوگئی۔ قاری ابوعمرو نے ''اَلْعَفْوُ'' کو مرفوع پڑھا ہے اور جس نے اس کو منصوب قرار دیا ہے اس نے ''یُنْفِقُوْنَ'' سے نصب کی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ''مَاذَا'' کو ایک اسم قرار دیا ہے اور تقدیرِ عبارت یوں ہے'' قُلْ یُنْفِقُوْنَ الْعَفْوَ'' آپ فرما دیں کہ یہ لوگ ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دیا کریں' اور جس نے اس کو مرفوع پڑھا ہے اس نے ''مَا'' کو مبتدا اور ''ذَا'' کو اس کے صلہ سمیت ''مَا'' کی خبر قرار دیا ہے' لہٰذا ''ذَا'' ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے اور ''یُنْفِقُوْنَ'' اس کا صلہ ہے یعنی ''مَا الَّذِیْ یُنْفِقُوْنَ. وہ کیا خرچ کریں'' تو جواب دیا گیا ''اَلْعَفْوُ'' یعنی ''هُوَ الْعَفْوُ'' پس جواب کا اعراب سوال کے اعراب کی طرح ہوگا تا کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ کاف نصب کے محل میں واقع ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے ''اَیْ تَبْیِیْنًا مِثْلَ هٰذَا التَّبْیِیْنِ. یعنی اس روشن ترین وضاحت کی طرح خوب وضاحت کرنا'' ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم دنیا اور آخرت کے امور میں غور وفکر کرو اور ''فِیْ'' ''تَتَفَکَّرُوْنَ'' کے متعلق ہے یعنی تم ان امور میں سوچ و بچار کرو جن کا تعلق دونوں جہانوں سے ہے اور جو تمہارے لیے مفید ہے اسے لے لو یا یہ کہ تم دونوں جہانوں میں غور وفکر کرو' پھر جو باقی رہنے والے اور زیادہ منافع بخش امور ہیں انہیں اختیار کرو اور یہ بھی جائز ہے کہ ''فِیْ'' کا تعلق ''یُبَیِّنُ'' کے ساتھ ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دنیا و آخرت کے معاملہ میں اور جن امور کا تعلق ان دونوں سے ہے ان کے بارے میں اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم تفکر سے کام لو۔

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

دنیا اور آخرت کے معاملے میں' اور وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ ملا کر رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں' اور اللہ جانتا ہے فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے' اور اگر اللہ چاہتا تو وہ تمہیں ضرور مشقت میں ڈالتا' بے شک وہ غالب حکمت والا ہے ۝

شانِ نزول: جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں' اور عنقریب وہ جہنم میں جائیں گے ۝'' (النساء:۱۰) چنانچہ مسلمانوں نے یتیموں کو الگ کر دیا اور ان کے ساتھ مل کر کھانا وغیرہ کھانا اور ان کے مال کی نگرانی کرنا ترک کر دیا اور انہوں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۲۰- ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴾ اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ فرما دیں کہ ان کی اصلاح بہتر ہے یعنی ان کی اور ان کے مال کی اصلاح کی خاطر اپنے ساتھ ملا کر رکھنا ان کو اور

ان کے اموال کو دور اور الگ رکھنے سے بہتر ہے ﴿ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ ﴾ اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ اور ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا رکھو اور اکٹھے زندگی گزارو ﴿ فَاِخۡوَانُكُمۡ ﴾ تو وہ تمہارے اسلامی بھائی ہیں اور بھائی کا حق ہے کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ اکٹھا رہے ﴿ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ یتیموں کے مال کو ضائع کرنے والے فسادی کو اور ان کے مال کی اصلاح کرنے والے مصلح کو سب کو جانتا ہے' لہٰذا ان کو ان کی کارکردگی کے مطابق جزا اور سزا دے گا' پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یتیموں کے مال کی اصلاح اور خیر خواہی کے سوا اور کوئی کوشش نہ کرو ﴿ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تم پر مشقت ڈالنا چاہتا ﴿ لَاَعۡنَتَكُمۡ ﴾ تو وہ تم پر ضرور مشقت ڈالتا اور تمہیں تکلیف میں مبتلا کرتا جس کے باعث تم مطلقاً مداخلت کے مجاز نہ رہتے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ وہ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ اپنے بندوں کو مشقت میں ڈال دے اور ان کو حرج و تکلیف میں مبتلا کر دے ﴿ حَكِيۡمٌ ﴾ وہ صاحبِ حکمت ہے۔ اپنے بندوں کو ان کی ہمت و طاقت کے مطابق (اوامر و نواہی کا) مکلف بناتا ہے۔

وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ اُولٰٓـئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَـنَّةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۵/۱۱

اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور بے شک مسلمان باندی' مشرکہ عورت سے بہتر ہے' اگر چہ وہ تمہیں اچھی لگتی ہو اور مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک مرد سے بہتر ہے' اگر چہ وہ تمہیں اچھا لگتا ہو اور یہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O

مشرک مرد و زن سے نکاح کی ممانعت' حیض' قسم اور ایلا کا بیان

شانِ نزول: حضرت مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اسے عناق نامی مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی جائے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

۲۲۱- ﴿ وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ﴾ اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یعنی ان سے شادی بیاہ نہ کرو کیونکہ جب کوئی شخص شادی کرتا ہے تو ''نَكَحَ'' کہا جاتا ہے اور جب کسی غیر کی شادی کراتا ہے تو ''اَنۡكَحَ'' کہا جاتا ہے ﴿ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ﴾ اور البتہ مسلمان لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے اگر چہ ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ مشرکہ عورت تمہیں اچھی لگے اور تم اس کو پسند کرنے لگو ﴿ وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴾ اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو یعنی ان کی کسی مسلمان عورت سے شادی نہ کرو' اسی طرح زجاج نے کہا اور جامع العلوم نے کہا کہ دو مفعولوں میں سے ایک مفعول محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَلَا تُنۡكِحُوۡهُنَّ الۡمُشۡرِكِيۡنَ'' اور تم ان کا مشرکین سے نکاح نہ کرو ﴿ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ﴾ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں ﴿ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ ﴾

﴿ وَلَوۡ اَعۡجَبَکُمۡ ﴾ اور مسلمان غلام مشرک مرد سے بہتر ہے اگر وہ تمہیں اچھا لگے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت اور وجہ بیان فرمائی اور فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِکَ ﴾ اور یہ مشرکات و مشرکین کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ لوگ ﴿ یَدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ ﴾ کفر کی طرف بلاتے ہیں جو دوزخ والوں کا عمل ہے' سو ان کا حق یہ ہے کہ نہ ان سے دوستی کی جائے اور نہ ان سے سسرالی رشتہ قائم کیا جائے ﴿ وَاللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلَی الۡجَنَّۃِ وَالۡمَغۡفِرَۃِ ﴾ یعنی اولیاء اللہ اور وہ مومنین (یعنی صحابۂ کرام) ہیں جو لوگوں کو جنت و مغفرت اور ان اعمال صالحہ کی طرف دعوت دیتے ہیں جو ان کو جنت اور مغفرت تک پہنچا دیں تو یہ ہیں وہ حضرت جن سے محبت و دشمنی اور رشتے ناطے جوڑنا واجب و لازم ہے ﴿ بِاِذۡنِہٖ ﴾ اپنے علم کے ساتھ یا اپنے حکم کے ساتھ ﴿ وَیُبَیِّنُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت قبول کر لیں۔

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ ؕ قُلۡ ہُوَ اَذًی ۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ ۙ وَلَا تَقۡرَبُوۡہُنَّ حَتّٰی یَطۡہُرۡنَ ۚ فَاِذَا تَطَہَّرۡنَ فَاۡتُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ ۪ فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ ۫ وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ مُّلٰقُوۡہُ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۲۳﴾

اور یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں' تم فرما دو کہ وہ گندگی ہے' سو تم حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قربت نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں' پھر جب وہ مکمل پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ' جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے' بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہےO تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو تم اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور نیک عمل کرتے رہو' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور آگاہ رہو کہ بے شک تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو اور (اے محبوب!) مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئےO

شانِ نزول: عرب کی عادت تھی کہ وہ حیض والی عورتوں کے ساتھ نہ کھانا کھاتے اور نہ ان کے ساتھ پیتے تھے اور نہ ان کے ساتھ ایک مکان میں رہائش رکھتے تھے (بلکہ ان کو الگ ایک کمرہ میں بند کر دیتے تھے) یہودی اور مجوسی بھی اپنی عورتوں کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے' چنانچہ ابو الدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا اور کہا: یا رسول اللہ! ہماری عورتیں جب حیض کی حالت میں ہوں تو ہم ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۲۲- ﴿ وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ ﴾ یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں' ''مَحِیۡضٌ'' مصدر ہے (جیسے ''مَبِیۡتٌ'') کہا جاتا ہے ''حَاضَتۡ مَحِیۡضًا'' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''جَآءَ مَجِیۡئًا'' ﴿ قُلۡ ہُوَ اَذًی ﴾ آپ فرما دیں کہ وہ گندگی ہے یعنی حیض ایسی چیز ہے جس سے طبیعت کو گھن آتی ہے اور اس کی قربت موجب ایذا ہے ﴿ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ ﴾ سو تم عورتوں سے حالتِ حیض میں الگ رہو اور ان سے پرہیز کرو یعنی ان کے ساتھ مجامعت کرنے سے اجتناب اور پرہیز کرو اور بعض نے کہا کہ نصاریٰ اپنی عورتوں سے حالتِ حیض میں جماع کرتے رہتے تھے اور حیض کی

پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہودی اپنی عورتوں سے حیض کی حالت میں بالکل الگ رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان دونوں معاملات کے درمیان میانہ روی کا حکم دیا ہے' پھر امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مرد اپنی عورت سے حیض کی حالت میں اس حصہ سے پرہیز کرے گا جس پر تہبند مشتمل ہے (یعنی عورت کی ناف سے لے کر گھٹنے تک) اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف شرمگاہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: مرد صرف خون کے راستے سے پرہیز کرے اور اس کے سوا عورت کے باقی جسم سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ﴾ اور جماع کرنے کے لیے ان کے قریب نہ جاؤ یا یہ کہ مجامعت کے لیے ان سے قربت حاصل نہ کرو ﴿حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ﴾ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں اور امام حفص کے علاوہ باقی کوفی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ غسل کر کے پاک ہو جائیں اور اس کی اصل ''یَتَطَهَّرْنَ'' تھی' پھر ''تا'' کو ''طا'' میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ دونوں قریب المخرج ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں نے ''یَطْهُرْنَ'' پڑھا ہے یعنی حیض کا خون ختم ہو جائے (تو بغیر غسل بھی جماع کیا جا سکتا ہے) اور چونکہ دونوں قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں اس لیے ہم (احناف) نے دونوں پر عمل کیا اور ہم نے کہا کہ جب حیض کی اکثر مدت (یعنی دس دن) پوری ہو جانے کے بعد خون ختم ہو جائے تو تخفیف کی قراءت کے پیش نظر غسل کے بغیر عورت سے جماع کرنا جائز ہے اور اگر اس سے کم مدت (یعنی دس دن مکمل ہونے سے پہلے) خون ختم ہو جائے تو تشدید کی قراءت کے پیش نظر عورت سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ غسل کر لے یا پھر ایک نماز کا مکمل وقت گزر جائے اور اس صورت پر محمول کرنا معکوس صورت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ برعکس صورت میں کسی ایک قراءت پر عمل ترک کرنا لازم آئے گا جیسا کہ واضح ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خاوند اپنی بیوی سے قربت نہیں کر سکتا یہاں تک کہ خون سے بھی پاک ہو جائے اور نہا کر بھی پاک ہو جائے' ان کی دلیل (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ﴾ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان سے جماع کرو' سو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دونوں (خون سے پاک ہونا اور نہا کر پاک ہونا) کو جمع کر دیا ہے ﴿مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یعنی عورت سے اس مقام میں جماع کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے اور وہ قبل ہے (یعنی اگلی شرمگاہ) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ منہیات کے ارتکاف سے توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اگر وہ (راہ راست سے) پھسل گئے تو وہ (جنت کی راہ سے) پھسل گئے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت اس لیے کرتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کی عظمت و وسعت کو پہچان لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے ﴿وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پانی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے یا عورتوں کے پیچھے دُبر میں جماع کرنے سے یا حالتِ حیض میں جماع کرنے سے یا بے حیائی کے کاموں سے بچنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

شانِ نزول: یہود کہا کرتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی کے قُبل (اگلی شرمگاہ) میں پیچھے کی طرف سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے تو ان کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۲۳-﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی تمہارے لیے کھیتی باڑی کرنے کی جگہیں ہیں اور یہ مجاز ہے' ان کو کھیتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ان کے رحموں کے اندر جو نطفہ ڈالا جاتا ہے جس سے نسل پیدا ہوتی ہے اس کو زمین میں بیج ڈالنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور اللہ

تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''نِسَآءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ'' اس کے پچھلے ارشاد ''فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'' کی توضیح وتشریح اور اس کا بیان ہے یعنی بے شک وہ مقام جہاں آنے کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے وہ حرث (یعنی کھیتی) کا مکان ہے فرث (یعنی گوبر) کا مکان نہیں اور یہاں تنبیہ کردی گئی ہے کہ بیویوں کے پاس جانے کا اصل مقصد اولاد ونسل کی طلب ہے اور شہوت وخواہش کی تکمیل کرنا نہیں' لہٰذا تم ان کے پاس اسی جگہ میں جاؤ جہاں یہ مقصد پورا ہوتا ہے ﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ یعنی ان (اپنی بیویوں) سے جماع کرو جس وقت چاہو یا جیسے چاہو پچھلی طرف سے یا سیدھا لٹا کر یا پہلو پر لٹا کر بشرطیکہ جماع کی جگہ ایک ہو اور وہ کھیتی کی جگہ ہے (یعنی اگلی شرمگاہ) اور یہ ایک تمثیل ہے یعنی جس طرح تم اپنی اراضی میں بیج بونے کے ارادے سے جس طرف سے چاہتے ہو آتے ہو اور کوئی سمت تمہارے لیے ممنوع نہیں ہوتی اسی طرح تم اپنی بیویوں کے پاس جاسکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات ''هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ'' اور ''مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'' اور ''فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ'' لطیف کنایات اور خوبصورت اشارات میں سے ہیں' لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان آداب کا خیال رکھے اور محاورات وتحریرات میں اس قسم کے آداب واشارات کا اہتمام کیا کرے ﴿وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ﴾ اور تم اپنے بھلے کے لیے اعمالِ صالحہ کو آگے بھیجو جن کا آگے بھیجنا تم پر واجب ہے اور یہ ان اعمال کے علاوہ ہیں جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے یا اس سے مراد اولاد کو طلب کرنا ہے یا پھر جماع کرنے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا مراد ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' پس تم ممنوعات کا ارتکاب نہ کرو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ اور جان لو کہ بے شک تم اس سے ملاقات کرو گے اور اس کی بارگاہ میں لوٹ کر جاؤ گے' لہٰذا تم اس سے ملاقات کرنے کی تیاری کرو ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ مؤمنوں کو اجر وثواب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تین جگہ ''يَسْئَلُوْنَكَ'' کو بغیر حرف واؤ کے بیان فرمایا ہے' پھر تین جگہ واؤ کے ساتھ بیان فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے واقعات کے متعلق ان کے سوالات متفرق اور الگ الگ پوچھے گئے تھے اس لیے ان کو بغیر واؤ کے لایا گیا ہے گویا ان سوالات میں سے ہر سوال اپنی نوعیت میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جب کہ دوسرے واقعات کے متعلق مسلمانوں نے ایک ہی وقت میں تینوں سوال پوچھے تھے اس لیے ان کو حرف واؤ جمع کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم نیکی' تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کو ترک کردو' اور اللہ سب کی سننے والا خوب جاننے والا ہے O اللہ تمہاری زبان سے بے ارادہ نکلی ہوئی قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہارے دلوں کی (پختہ ارادوں سے) کھائی ہوئی قسموں پر گرفت فرمائے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے O جو لوگ اپنی عورتوں

کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے' پھر اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کرلیا تو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہےO اور اگر انہوں نے چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہےO

۲۲۴- ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ اور تم اپنی قسموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو نشانہ نہ بناؤ "عُرْضَةٌ" "فُعْلَةٌ" کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی پر ہے (یعنی "مَعْرُوْضَةٌ") جیسے "قُبْضَةٌ" ("مَقْبُوْضَةٌ" کے معنی میں) ہے اور یہ ہر اس چیز کا نام ہے جو کسی چیز کے آگے حائل ہو اور یہ "عَرْضُ الْعُوْدِ عَلَى الْاِنَاءِ" سے مشتق ہے یعنی لکڑی کو برتن پر رکھنا کہ اس کے سامنے مانع اور حائل ہوجائے (جیسے) تم کہو: "فُلَانٌ عُرْضَةٌ دُوْنَ الْخَيْرِ" کہ فلاں آدمی نیکی اور بھلائی کے آگے حائل ہوگیا ہے دراصل آدمی نیکی نہ کرنے کی قسم اٹھالیتا جیسے صلہ رحمی' لوگوں میں صلح کرانے یا کسی کے ساتھ نیکی کرنے یا عبادت کرنے کی' پھر بعد میں کہتا کہ اگر میں نے نیکی کی تو مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے کہ میں قسم توڑ بیٹھوں گا' چنانچہ وہ اپنی قسم پورے کرنے کے لیے نیکی کرنا ترک کردیتا تو ان سے کہا گیا کہ تم اپنی قسموں پر اللہ تعالیٰ کو نشانہ مت بناؤ یعنی جس چیز پر تم نے قسم کھا لی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو آڑ نہ بناؤ اور جس پر حلف اٹھایا گیا ہے اس کو یمین (قسم) اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا یمین کے ساتھ تعلق ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس نے قسم کے لیے حلف اٹھالیا' پھر اس نے دیکھا کہ اس کے غیر میں بھلائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے اور بھلائی کا کام کرلے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ﴾ "لِاَيْـمَانِكُمْ" کا عطفِ بیان ہے یعنی جن امور پر قسم اٹھائی گئی ہے وہ نیکی کرنے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے بچنا ہے اور لام کا تعلق فعل کے ساتھ ہے یعنی تم اپنی قسموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو نشانہ مت بناؤ اور یہ بھی جائز ہے کہ لام تعلیل کا ہو اور اس کا تعلق "اَنْ تَبَرُّوْا" فعل کے ساتھ ہو یا پھر "عُرْضَةٌ" کے ساتھ ہو یعنی تم اپنی قسموں کی خاطر نیکی نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو آڑ نہ بناؤ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ اور اللہ تمہاری قسموں کو سنتا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ اور تمہاری نیتوں کو خوب جانتا ہے۔

۲۲۵- ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسم میں تمہارا مؤاخذہ نہیں فرمائے گا اور لغو وہ کلام ہے جو درجہ اعتبار سے ساقط ہو اور یمینِ لغو وہ قسم ہے جس کا قسم کے معاملات میں اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کسی ایسی چیز پر قسم اٹھائے جس کے بارے میں اس کا خیال ہو کہ وہ سچ ہے جب کہ واقع میں اس کا معاملہ برعکس ہو اور اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری یمینِ لغو پر جس کی تم میں سے کسی نے قسم اٹھائی ہوگی تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لغو وہ قسم ہے جو زبان پر بغیر قصد و ارادہ کے جاری ہو جائے جیسے کوئی غیر ارادی طور پر کہہ دے: "لَا وَاللّٰهِ. نہیں قسم اللہ کی" اور "بَلٰى وَاللّٰهِ. ہاں اللہ کی قسم" ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر سزا دے گا ﴿بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ جس پر تمہارے دلوں نے قسم اٹھانے میں جھوٹ بولنے کے گناہ کا ارتکاب کرلیا ہے اور وہ یہ کہ جان بوجھ کر خلاف واقع جھوٹی قسم کھائے اور اس کو یمینِ غموس کہا جاتا ہے کیونکہ دل کے عزم اور قصد سے قسم میں جھوٹ بولا گیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے یمین غموس میں بھی کفارہ کے وجوب کو ثابت کیا ہے کیونکہ دل کا کسب عزم و قصد ہے اور مؤاخذہ کو یہاں بیان نہیں کیا گیا جب کہ سورت مائدہ میں مؤاخذہ کو بیان کیا گیا ہے' لہٰذا وہاں کا بیان یہاں کا بیان سمجھا جائے گا اور ہم کہتے ہیں کہ یہاں مؤاخذہ کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور اس کا تعلق دارالجزاء یعنی آخرت سے ہے اور سورت مائدہ میں مواخذہ کو مقید ذکر کیا گیا ہے جس کا تعلق دارالابتلاء یعنی دنیا

سے ہے' لٰہذا ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کیا جا سکتا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے' لٰہذا تمہاری لغو اور بے ہودہ قسموں میں گرفت نہیں فرمائے گا۔

۲۲۶۔﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو قسمیں کھا لیتے ہیں اور یہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت ہے ﴿مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی۔ اس میں حرف "مِنْ" جار مجرور یعنی "لِلَّذِيْنَ" کے ساتھ متعلق ہے جیسے تم کہو: "لَكَ مِنِّيْ نُصْرَةٌ وَلَكَ مِنِّيْ مَعُوْنَةٌ" یعنی اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسمیں کھانے والوں کے لیے ﴿تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ چار مہینوں تک مہلت ہے یعنی ایلا (اپنی عوت کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے والوں کے لیے چار ماہ تک انتظار کرنا لازم ہے اور یہ ظرف مستقر ہے "يُؤْلُوْنَ" کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ "اٰلٰى" (فعل ماضی) "عَلٰى" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے: "اٰلٰى فُلَانٌ عَلٰى اِمْرَاَتِهٖ۔ کہ فلاں آدمی نے اپنی بیوی سے ایلا کرلیا ہے' اور "اٰلٰى فُلَانٌ مِنْ اِمْرَاَتِهٖ" کہنے والے کا یہ قول اس کا وہم ہے جو اس کو اس آیت کریمہ سے تو ہم پیدا ہوا ہے اور تمہارا یہ کہنا جائز ہے کہ اس آیت مبارکہ میں "من" کے ساتھ متعدی اس لیے لایا گیا ہے کہ اس قسم میں "يُؤْلُوْنَ" بعد کے معنی کو متضمن ہے تو گویا یوں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی عورتوں سے دور رہیں گے ﴿فَاِنْ فَآءُوْ﴾ پس اگر وہ ان مہینوں کے اندر رجوع کرلیں' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں "فَاِنْ فَآءُوْا فِيْهِنَّ" ہے یعنی اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کے اصرار سے اس کے ساتھ جماع کرنے کی طرف رجوع کرلیں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے کہ اس نے (اپنے بندوں کی سہولت کے لیے) کفارہ کو مشروع قرار دے دیا ہے۔

۲۲۷۔﴿وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ اور اگر انہوں نے رجوع ترک کر کے طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو مدتِ ایلاء کے پورے ہو جانے کا انتظار کریں (کیونکہ ایلاء کی مدت پوری ہونے پر عورت کو طلاق بائنہ ہو جائے گی) ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ایلاء کرنے کے کلمات کو خوب سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ اس کی نیت کو خوب جاننے والا ہے اور یہ آیت مبارکہ رجوع ترک کرنے اور طلاق دینے کے لیے اصرار کرنے والوں کے لیے وعید ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر انہوں نے مدتِ ایلا کے اندر رجوع کرلیا (تو بہتر ہے) اور اگر مدتِ ایلا گزر جانے کے بعد طلاق کا پختہ عزم کرلیا ہے (تو طلاق بائنہ ہو چکی) کیونکہ حرف "فا" تعقیب کے لیے آتا ہے اور ہم (احناف) کہتے ہیں کہ "فَاِنْ فَآءُوْا" اور "وَاِنْ عَزَمُوْا" اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ" کی تفصیل ہے اور تفصیل مفصل کے بعد آتی ہے جیسے تم کسی سے کہو کہ میں پورا مہینہ تمہارے پاس مہمان بن کر ٹھہروں گا' پھر اگر میں نے تمہاری تعریف کی تو اس مہینہ کے آخر تک تمہارے پاس قیام کروں گا ورنہ میں تمہارے پاس قیام نہیں کروں گا مگر اسی وقت واپس لوٹ جاؤں گا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ
يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ع ۲۸ / ۷ / ۱۲

اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے جو چیز ان کے رحموں میں پیدا کی ہے اُسے چھپائیں اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے شوہر اس مدت میں ان کو واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ حسن سلوک کے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں اور عورتوں کے لیے شریعت کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو ان پر برتری حاصل ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے O

طلاق ورضاعت کے مسائل

۲۲۸-﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ﴾ اس سے وہ طلاق والیاں مراد ہیں جن سے دخول کیا گیا ہو اور ان کو حیض بھی آتا ہو ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ﴾ وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ یہ خبر امر کے معنی میں ہے اور اصل کلام یوں ہے "وَلْيَتَرَبَّصِ الْمُطَلَّقَاتُ. اور چاہیے کہ طلاق والیاں رکی رہیں" اور امر کو خبر کی صورت میں لانے سے مقصود امر کی تاکید کرنا ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ امر ان اوامر میں سے ہے جس کی تعمیل جلد از جلد واجب ہے تو گویا ان عورتوں نے اپنے آپ کو روک کر حکم کی تعمیل کر دی ہے' لہٰذا موجود فی الواقع کی خبر دی جا رہی ہے اور اہل عرب دعا میں بھی اسی طرح کہا کرتے ہیں یعنی "رَحِمَكَ اللّٰهُ" اس کو بھی دعا کے قبول ہو جانے کے یقین پر خبر کی صورت میں لایا گیا ہے گویا رحمت حاصل ہو گئی ہے اس لیے اس کی خبر دی جا رہی ہے اور اس کو مبتدا (وَالْمُطَلَّقَاتُ) کی خبر قرار دینے پر تاکید کی مزید اہمیت حاصل ہو جائے گی کیونکہ جملہ اسمیہ دوام وثبات اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے اور "اَنْفُس" کے ذکر کرنے میں ان کو عدت کے لیے اپنے آپ کو روکنے پر ابھارنا اور مزید راغب کرنا مقصود ہے کیونکہ عورتوں کے نفوس مردوں کی طرف راغب ہوتے ہیں اس لیے انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو کنٹرول میں رکھیں اور ان کو رغبت وطمع پر غالب کر دیں اور انہیں رکے رہنے پر مجبور کر دیں ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (یعنی طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو) تین حیض تک (روکے رکھیں) اور "قُرُوْءٍ" یا تو (قاف پر زبر کے ساتھ) "قَرْءٌ" کی جمع ہے یا (قاف پر پیش کے ساتھ) "قُرْءٌ" کی جمع ہے' بہرحال اس کا معنی حیض ہے کیونکہ حضور سیّد عالم رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے (آپ نے ایک عورت سے فرمایا:) "دَعِي الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِكِ. یعنی تو اپنے حیض کے ایام کی نمازیں چھوڑ دے"[1] نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا ارشادِ گرامی ہے کہ "طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ. یعنی لونڈی کے لیے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں"[2] یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "طُهْرَانِ" نہیں فرمایا (بلکہ "حَيْضَتَانِ" فرمایا جس سے ثابت ہو گیا کہ "قُرُوْءٍ" کا معنی حیض ہے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: "وَالّٰٓئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ. (الطلاق:۴) اور تمہاری جو عورتیں حیض سے ناامید ہو جائیں اگر تمہیں شک ہو (کہ اس کا کیا حکم ہے) تو ان کی عدت تین مہینے ہے"۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مہینوں کو حیض کا قائم مقام کیا ہے طہر کو نہیں کیا (تو واضح ہو گیا کہ عدت میں حیض معتبر ہے طہر نہیں) اور اس لیے بھی کہ عدت گزارنے سے مقصد تو رحم کا استبراء (یعنی بچے سے رحم کا بری اور خالی ہونا) ہے اور وہ حیض ہی ہے جو رحم کا استبراء کرتا ہے نہ کہ طہر اور یہی وجہ ہے کہ لونڈی کا استبراء حیض سے ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ اگر عدت میں طہر معتبر ہوتا جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو عدت دو طہر اور تیسرے طہر کے کچھ حصہ کے ساتھ ختم ہو جاتی اور تین کا عدد ٹوٹ جاتا کیونکہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب ۱۰۷' نسائی کتاب الطلاق باب ۷۴' ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ۱۱۵' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۰-۴۶۴

[2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب ۶' ابن ماجہ کتاب الطلاق باب ۳۰' دارمی کتاب الطلاق باب ۱۷

جب کوئی آدمی اپنی عورت کو طہر کے آخر میں طلاق دے گا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ طہر بھی عدت میں شمار کیا جائے گا لیکن جب وہ آدمی عورت کو حیض کے آخر میں طلاق دے گا تو ہمارے نزدیک اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا (بلکہ اس کے علاوہ مکمل تین حیض عدت میں شمار ہوں گے کیونکہ) ''ثَلٰثَۃَ'' عدد مخصوص (تین) کے لیے اسم خاص ہے جو اس سے کم پر نہیں بولا جاتا اور جب عورت کو حیض آتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''اَقْرَاَتِ الْمَرْاَۃُ'' اور ''اِمْرَاَۃٌ مُقْرِئٌ'' اور قرآن کریم میں ''ثَلٰثَۃَ'' منصوب اس لیے ہے کہ یہ مفعول بہ واقع ہو رہا ہے یعنی وہ تین حیض گزارنے تک رکی رہیں یا پھر ظرف کی بناء پر منصوب ہے یعنی وہ تین حیض کی مدت تک (نکاحِ ثانی سے اپنے آپ کو) روکے رکھیں اور اس کا ''مُمَیِّز'' جمع کثرت (قُرُوْء) کو لایا گیا' جمع قلت کو نہیں لایا گیا اور وہ ''اَقْرَاء'' ہے کیونکہ دونوں جمع کے معنی میں مشترک ہیں اس لیے بطور وسعت کسی ایک پر اکتفا کیا جا سکتا ہے اور غالب امکان یہ ہے کہ ''قَرْءٌ'' کی جمع کے لیے ''اَقْرَاء'' سے زیادہ ''قُرُوْءٌ'' استعمال ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں اس کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ قلیل الاستعمال مہمل کے قائم مقام ہوتا ہے ﴿وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں جو کچھ پیدا کیا ہے اس کا چھپانا ان کے لیے جائز نہیں یعنی اولاد یا حیض کا خون یا ان دونوں میں سے کسی کو بھی چھپانا جائز نہیں اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب عورت اپنے خاوند سے تفریق چاہتی ہو اس لیے وہ اپنے حمل کو چھپا لے تا کہ طلاق کی وجہ سے اس کو وضع حمل کا طویل انتظار نہ کرنا پڑے اور تا کہ اس کا خاوند بچے پر شفقت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے سے باز نہ آ جائے یا وہ حیض کو چھپا لے اور حیض کے ہوتے ہوئے کہہ دے کہ میں پاک ہوں تا کہ اس کو جلدی سے طلاق دے دی جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی اہمیت وعظمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں' کیونکہ جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے عذاب دینے پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے بڑے جرم کرنے پر جراءت نہیں کرے گا ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ﴾ ''بُعُوْل'' جمع ہے ''بَعْل'' کی اور آخر میں جمع کی تانیث لاحق کر دی گئی ہے ﴿اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ یعنی ان کے خاوند رجوع کر کے ان کو واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ طلاقِ رجعی سے بیوی کے ساتھ جماع کرنا حرام نہیں ہو جاتا کیونکہ طلاق کے بعد بھی اس کو خاوند قرار دیا ہے ﴿فِیْ ذٰلِكَ﴾ یعنی عدت کے لیے ٹھہرنے کی مدت میں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب مرد نے رجوع کا ارادہ کر لیا ہے اور عورت انکار کر دے تو عورت کی بات پر خاوند کی بات اختیار کرنا واجب ولازم ہے کیونکہ رجوع کا حق خاوند کو ہے عورت کو نہیں ﴿اِنْ اَرَادُوْۤا﴾ اگر مرد حضرات رجوع کے ذریعے یہ چاہتے ہوں کہ ﴿اِصْلَاحًا﴾ ان کے درمیان اور ان کی عورتوں کے درمیان صلح ہو جائے اور ان عورتوں کی اصلاح کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا چاہتے ہوں اور ان کو نقصان پہنچانا نہ چاہتے ہوں ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ﴾ اور عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں یعنی عورتوں کے حقوق مردوں پر واجب ولازم ہیں جیسے حق مہر ادا کرنا اور نان نفقہ ادا کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کے ساتھ حسن معاشرت سے رہنا اور ان کو ضرر ونقصان نہ پہنچانا اور اسی طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق واجب ولازم ہیں کہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کی جائے اور عورتوں پر لازم ہے کہ مرد جو جائز کام کہیں اس پر عمل کریں اور جس ناجائز کام سے منع کریں اس سے باز آ جائیں ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ایسے معروف اور اچھے طریقے پر ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں جو شریعت کے خلاف نہ ہو اور نہ لوگوں کی مہذب عادات کے خلاف ہو' لہٰذا میاں بیوی میں سے کوئی اپنے جیون ساتھی کو ناجائز کام پر مجبور نہیں کر سکتا اور مماثلت و برابری سے مراد ایک دوسرے کے حقوق کے وجوب کا حسن ہے اور جنسِ فعل میں مماثلت مراد نہیں' لہٰذا خاوند پر واجب نہیں

کہ جب اس کی بیوی اس کے کپڑے وغیرہ دھو کر دے اور کھانا وغیرہ تیار کر دے تو وہ بھی اسی طرح کرے بلکہ وہ اس حسن سلوک کا بدلا اس طرح ادا کرے جو اس کی شان کے لائق ہو ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے یعنی مرد کا عورت پر زیادہ حق ہے اور اگر چہ میاں بیوی جنسی لذت وتمتع کے حصول میں برابر کے شریک ہیں لیکن بیوی کے معاملات میں مرد کے محافظ ونگران ہونے اور خوراک ولباس اور رہائش مہیا کرنے اور نکاح کی ملکیت حاصل کرنے کی وجہ سے مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس کے معاملات میں کسی کو اعتراض کا حق نہیں ﴿حَكِيْمٌ﴾ دانا اور صاحب حکمت ہے وہ جو بھی حکم دیتا ہے وہ مبنی برحق اور صحیح و درست ہوتا ہے اور وہی حسین وجمیل اور سب سے اچھا ہوتا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾

دوبارہ طلاق دینے کے بعد بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے (دونوں طریقے جائز ہیں) اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو مگر یہ کہ دونوں فریقوں کو یہ ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو عورت بدل خلع دے کر طلاق لے لے یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھتا ہے وہ ظالم ہیں O

طلاق کے مسائل واحکام کا بیان

٢٢٩- ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ یہاں طلاق بہ معنی تطلیق ہے جیسے سلام بہ معنی تسلیم ہے یعنی شرعی طلاق یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد تفریق کر کے دوسری طلاق دی جائے اکٹھے طلاق نہ دی جائے اور نہ ایک دفعہ چھوڑ دیا جائے اور ''مَرَّتَان'' سے تثنیہ مراد نہیں ہے بلکہ تکرار مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ. (الملک: ۴) پھر دوبارہ نگاہ اٹھا''، یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ نگاہ اٹھا یہاں ''كَرَّتَيْنِ'' تثنیہ نہیں ہے اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ایک ہی طہر میں دو یا تین طلاقیں یکبارگی دینا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں متفرق طلاقیں دینے کا حکم دیا ہے اس لیے کہ اس کا ظاہر اگر چہ خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر کا خلاف واقع ہونا لازم آئے گا کیونکہ کبھی اکٹھے طلاقیں دے دی جاتی ہیں۔

شانِ نزول: ایک قول کے مطابق ایک انصاریہ عورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! میرے خاوند نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ہمیشہ ہر بار تجھے طلاق دے کر عدت کے قریب رجوع کر لیا کروں گا (اس طرح میں تجھے عمر بھر قید رکھوں گا نہ آزاد کروں گا اور نہ گھر بساؤں گا) تو یہ آیت مبارکہ ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَان'' نازل ہوئی یعنی طلاق رجعی دوبار تک ہے کیونکہ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔ ﴿فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ﴾

طلاق کے بعد بھلائی کی نیت سے رجوع کر کے عورت کو روک لینا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بھلائی کی نیت سے رجوع کر کے عورتوں کو روک لینا تم پر واجب و لازم ہے ﴿ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ﴾ یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا اور وہ اس طرح ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے رجوع نہ کرے یہاں تک کہ عدت ختم ہونے پر اس کی عورت طلاق بائنہ کے ذریعے اس سے جدا ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے دے۔

شانِ نزول: (درج ذیل) آیت کریمہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی جمیلہ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ آپ سے نفرت و بغض رکھتی تھی جب کہ آپ اس سے محبت کرتے تھے اور انہوں نے اس کو اپنا ایک باغ بھی دے دیا تھا' چنانچہ اس عورت نے وہ باغ واپس کر کے اس کے عوض میں خلع کر لیا (اگر عورت حق مہر یا اس کے علاوہ رقم وغیرہ خاوند کو دے کر اس کے عوض میں طلاق لے لے تو اس کو خلع کہا جاتا ہے) اور یہ اسلام میں سب سے پہلا خلع تھا ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ ﴾ اے شوہرو! یا اے وقت کے حاکمو! کیونکہ یہی وہ حکمران ہیں کہ جب فیصلہ جات کے لیے ان کے پاس مقدمات دائر کیے جاتے ہیں تو حکمران لینے اور دینے کے لیے فیصلہ کا حکم سناتے ہیں گویا اب یہ خود لینے اور دینے والے ہیں۔

﴿ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔـا ﴾ تم نے اپنے مال میں سے حق مہر وغیرہ کی صورت میں جو کچھ ان کو دے دیا ہے اسے واپس لینا تمہارے لیے حلال نہیں ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ﴾ مگر یہ کہ میاں بیوی جانتے ہوں کہ رشتۂ زوجیت کے سبب اللہ تعالیٰ کی جو حدود ان پر لازم ہیں ان کو اس وجہ سے قائم نہیں رکھ سکیں گے کہ عورت کی طرف سے سرکشی و نافرمانی اور بداخلاقی ظاہر ہو جائے ﴿ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ ﴾ اور یہ جائز ہے کہ پہلا خطاب (مذکورہ بالا) شوہروں کو ہو اور یہ دوسرا خطاب حاکموں کو ہو یعنی اے حاکمو! اگر تمہیں یہ خوف ہو ﴿ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا ﴾ کہ میاں بیوی دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو شوہر نے طلاق دینے کے عوض میں جو کچھ لیا ہے اور بیوی نے طلاق لینے کے عوض میں جو کچھ دیا ہے اس میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ﴿ فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ﴾ اس میں (کوئی گناہ نہیں) جو عورت نے اپنی گلو خلاصی کے لیے خاوند کو معاوضہ دیا اور حق مہر کی صورت میں جو کچھ اس کو دیا گیا تھا اس کے بدلے میں اس نے خاوند سے طلاقِ خلع لے لی' قاری حمزہ نے ''اَلَّا اَنۡ يَّخَافَا'' کو مبنی للمفعول (یعنی یا کو ضمہ دے کر ''اِلَّا اَنۡ يُّخَافَا'' فعل مجہول) پڑھا ہے اور ''اِلَّا يُقِيۡمَا'' کو اس کے الفِ ضمیر سے بدل قرار دیا ہے اور یہ بدل الاشتمال ہے جیسے ''خِيۡفَ زَيۡدٌ تَرۡكُهٗ اِقَامَةَ حُدُوۡدِ اللّٰهِ'' میں ہے یعنی زید کو اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہ رکھنے سے ڈرایا گیا ﴿ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ﴾ یعنی نکاح' قسم' ایلاء' طلاق اور خلع وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ﴿ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ﴾ پس تم مخالفت و نافرمانی کر کے ان سے تجاوز نہ کرو ﴿ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں یعنی اپنی جانوں کو ضرور نقصان پہنچانے والے ہیں۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر اس نے (تیسری) طلاق اس کو دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے پھر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر ان کو غالب گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو وہ اہل علم قوم کے لیے بیان فرماتا ہےO

۲۳۰۔﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا ﴾ پھر اگر خاوند اپنی عورت کو دو دفعہ طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق دے دے (جواب آگے آ رہا ہے) لیکن اگر تم یہ کہو کہ ہمارے نزدیک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خلع بھی طلاق ہے تو یہ (تیسری نہیں) چوتھی طلاق ہوگی' میں کہتا ہوں کہ خلع طلاقِ بدل ہے اور وہ تیسری طلاق ہے اور یہ طلاق اسی طلاقِ بدل کا بیان ہے یعنی اگر خاوند اپنی عورت کو تیسری طلاقِ بدل (یا مطلق طلاق) دے دے تو (اس عورت کا دوبارہ خاوند کے لیے) حلال ہونے کا حکم اس طرح ہے کہ ﴿ فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ ﴾ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اپنے خاوند کے لیے حلال نہیں رہتی ﴿ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ یہاں تک کہ وہ عورت پہلے خاوند کے علاوہ دوسرے ہونے والے شوہر سے نکاح کر لے اور یہاں نکاح کی نسبت عورت کی طرف اس طرح کی گئی ہے جس طرح مرد کی طرف کی جاتی ہے جیسے "تَـزَوَّجَ" (کی نسبت میاں بیوی دونوں کی طرف کی جاتی) ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح عورت کی رضا اور اقرار سے منعقد ہوگا اور دوسرے خاوند کی عورت کے ساتھ جماع کی شرط حدیثِ عسیلہ کی وجہ سے لگائی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مشہور و معروف ہے۔[1]

اور فقہ کا قانون اس کے بارے میں یہ ہے کہ جب خاوند اپنی عورت سے ایسی جدائی اختیار کر لے جس کے بعد ندامت سے خلاصی باقی نہ رہے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک عقد ثانی کے ذریعے کوئی نوجوان اس کے ساتھ دخول نہ کرے اور یہ قانون اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ خاوند اپنی عورت کو طلاق مُغَلَّظَہ دینے کے ارتکاب سے رک جائے ﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا ﴾ پھر اگر دوسرا خاوند جماع کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ ﴾ تو پہلے شوہر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہیں ﴿ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ ﴾ کہ ان میں سے ہر ایک دوبارہ نکاح کے ذریعے اپنے جیون ساتھی کی طرف رجوع کر لے ﴿ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ اگر ان کو غالب گمان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں اور یہاں "اِنْ ظَنَّا" کی بجائے "اِنْ عَلِمَا" نہیں فرمایا کیونکہ ان کا یقین امر غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جن کو وہ بیان فرماتا ہے' قاری مفضل نے اس کو نون کے ساتھ (نُـبَـيِّـنُهَا) پڑھا ہے ﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ایسی قوم کے لیے جو ان کے لیے بیان کیا گیا ہے اس کو وہ سمجھتی ہے۔

[1] جس کو بخاری' مسلم اور دیگر ائمۂ حدیث نے بھی نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی حضور سید عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی تھیں اور میں نے (عدت گزر جانے کے بعد) عبد الرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا ہے' پھر اس نے اپنے دوپٹے کا ایک کونہ ہلا کر اشارے سے بتایا کہ عبد الرحمان نامرد ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے اور فرمایا کہ گویا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے مگر ایسا نہیں ہو سکتا جب تک تو اس کا شہد نہ چکھے اور وہ تمہارا شہد نہ چکھ لے یعنی جب تک تم جماع کے ذریعے ایک دوسرے سے لطف اندوز نہیں ہوتے اس وقت تک پہلے خاوند کے پاس واپس نہیں جا سکتی۔ تفصیل کے لیے اسی آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں (تفسیر روح المعانی الجزء الثانی' مظہری الجزء الثانی' ابن کثیر الجزء الثانی)۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اور جب تم عورتوں کو (طلاق رجعی) دو پھر وہ اپنی عدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو ان کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا با عزت طریقے سے ان کو چھوڑ دو اور ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو تا کہ تم زیادتی کرو اور جو ایسا کرتا ہے تو یقیناً اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا ہے' اور اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ اور تم پر جو اللہ کا احسان ہے اس کو یاد کرو اور اللہ نے تم پر جو کتاب اور حکمت نازل کی ہے وہ اس کی تمہیں نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○

۲۳۱- ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی اپنی عدت کے آخری ایام تک پہنچ جائیں اور عدت کی انتہا کے قریب پہنچ جائیں کیونکہ "اَجَل" کا لفظ پوری مدت پر بھی بولا جاتا ہے اور مدت کے آخر پر بھی بولا جاتا ہے' چنانچہ انسان کی پوری عمر کو بھی "اَجل" کہا جاتا ہے اور اس موت کو بھی "اجل" کہا جاتا ہے جس پر (انسانی عمر کا) اختتام ہوتا ہے۔ ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ تو انہیں تم نیکی کے ساتھ روک لو یا پھر بھلائی کے ساتھ ان کو چھوڑ دو یعنی یا تو انہیں ضرر اور نقصان نہ پہنچانے کی نیت سے ان سے رجوع کر لو یا پھر انہیں بالکل چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے اور وہ بغیر نقصان اٹھائے آزاد ہو جائیں ﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا﴾ "ضِرَارًا" یا مفعول لہ ہے یا حال واقع ہو رہا ہے یعنی تم اپنی عورتوں کو ضرر و نقصان پہنچانے اور دکھ اور تکلیف دینے کی غرض سے انہیں نہ روکے رکھو' دراصل بات یہ تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تھا اور اس کو چھوڑ دیتا تھا لیکن جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جاتی تھی تو پھر وہ بغیر کسی مقصد کے اس سے رجوع کر لیتا تھا تا کہ اس کی عدت لمبی ہو جائے اور ضرر و تکلیف دینے کے لیے روکنے کا یہی مطلب ہے ﴿لِّتَعْتَدُوْا﴾ تا کہ تم ان پر ظلم و زیادتی کرو یا اس لیے کہ تم انہیں طلاق لینے کے لیے فدیہ دینے پر مجبور کر دو ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جو یہ کام کرتا ہے یعنی ضرر و تکلیف پہنچانے کی خاطر اپنی بیوی کو روکتا ہے ﴿فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ تو اس نے یقیناً اپنی جان پر ظلم کیا ہے کیونکہ اس نے ایسا کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا ہے ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق نہ بنالو یعنی ان کو لینے میں اور ان پر عمل کرنے میں پوری کوشش کرو اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں پوری رعایت کرو ورنہ تم نے گویا ان کو مذاق بنالیا ہے کیونکہ جو شخص کسی کام میں کوشش نہیں کرتا تو اسے کہا جاتا ہے کہ تم نے اس کام کو تماشا اور مذاق بنالیا ہے ﴿وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور نعمت سے

اسلام اور نبوتِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے ﴿ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ ﴾ اور اس نے تم پر جو کتاب وحکمت نازل کی ہے (اس کو یاد کرو) کتاب سے قرآن مجید اور حکمت سے سنتِ نبوی ﷺ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آیات کے مقابلہ میں نعمت کو ذکر کیا ہے تا کہ آیاتِ قرآنیہ کے حقوق کو قائم کیا جائے (یعنی ان پر عمل کیا جائے) اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے ﴿ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ﴾ وہ تمہیں اس (پر عمل کرنے) کی نصیحت کرتا ہے جو اس نے تم پر نازل کیا ہے اور یہ (''اَنۡزَلَ'' کی ضمیر فاعل سے) حال واقع ہو رہا ہے ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے ساتھ اس نے تمہیں امتحان میں ڈالا ہے ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (خصوصاً) نعمتوں کو یاد رکھنے' تقویٰ اختیار کرنے اور نصیحت وغیرہ قبول کرنے کو (خوب جانتا ہے) اور یہ وعدہ وعید سے زیادہ بلیغ وفصیح ہے۔

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم ان کو نئے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دونوں شریعت کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں' یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

۲۳۲- ﴿ وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ ﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت ختم ہو جائے کیونکہ دونوں کلاموں کا سیاق وسباق اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں آیتوں میں ''فَبَلَغۡنَ'' سے الگ الگ معنی مراد ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے بعد نکاح کا ذکر ہے اور یہ عدت کے بعد ہوتا ہے اور پہلی آیت میں رجوع کرنے کا ذکر ہے اور یہ عدت کے اندر ہوتا ہے (لہٰذا پہلی آیت میں ''فَبَلَغۡنَ'' سے عدت کے آخر میں پہنچنا مراد ہے اور دوسری میں عدت کے اختتام تک پہنچنا مراد ہے) ﴿ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ ﴾ تو تم انہیں نہ روکو ''اَلۡعَضۡلُ'' کا معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور تنگ کرنا ہے ﴿ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ ﴾ نکاح کرنے سے ﴿ اَزۡوَاجَهُنَّ ﴾ ان کے ہونے والے شوہروں سے جو ان میں رغبت رکھتے ہیں اور ان کے لیے خیر خواہی کرتے ہیں اور اس آیتِ مبارکہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ نکاح عورت کی مرضی اور اس کے اقرار سے منعقد ہوگا اور اس آیت میں خطاب ان شوہروں سے ہے جو اپنی طلاق یافتہ بیوی کو عدت ختم ہونے کے بعد بھی دوسری جگہ نکاح کرنے سے زبردستی منع کرتے تھے اور ان کو ہونے والے شوہروں کے ساتھ شادی کرنے سے روکتے تھے اور ہونے والے شوہروں کو ازواج مستقبل کے اعتبار سے کہا گیا ہے یا پھر خطاب وارثوں کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے وارثو! تم اپنی طلاق یافتہ عورتوں کو اپنے پہلے شوہروں کی طرف رجوع کرنے سے نہ روکو اور ان کو طلاق دینے کے بعد ازواج ماضی کے اعتبار سے کہا گیا ہے

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ معقل بن یسار کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب اس نے اپنی بہن کو پہلے خاوند کے پاس جانے سے روک دیا تھا یا یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے یعنی تمہارے درمیان کوئی روکنے والا موجود نہ ہو کیونکہ جب ان کے درمیان کوئی روکنے والا موجود ہو اور باقی سب اس پر راضی ہوں تو گویا سب لوگ روکنے والوں کے حکم میں ہوئے۔

﴿ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ ﴾ جب نکاح کا پیغام دینے والے اور عورتیں راضی ہوں ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ بھلائی کے ساتھ۔ دراصل دین میں اور اخلاق و مروت میں اچھا ہونا نکاح کی شرائط میں سے ہے یا مہرِ مثلی اور ہم کفو کے ساتھ کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے کی صورت میں وارثوں کو اعتراض کرنے اور نکاح سے روکنے کا حق پہنچتا ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ اس میں حضور نبی کریم رؤوف رحیم ﷺ کو خطاب ہے یا پھر ہر شخص کو خطاب ہے ﴿ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ یہ نصیحت ان کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ نصیحت صرف انہی لوگوں میں اثر کرتی ہے اور انہی کے لیے مفید ہے ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یعنی عورتوں کو ضرر و نقصان نہ پہنچانا اور ان کو نکاح کرنے سے نہ روکنا ﴿ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ﴾ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور زیادہ پاکیزہ ہے یعنی یہ گناہوں کے میل کچیل سے بہتر ہے یا زیادہ ستھرا اور زیادہ پاکیزہ اور زیادہ بہتر و پاکیزہ تر ہے ﴿ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس میں پاکیزگی و طہارت کو خوب جانتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم اس کو نہیں جانتے۔

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں' یہ (حکم) اس کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمے دستور کے مطابق ان کا کھانا اور پہننا لازم ہے اور کسی شخص کو مکلف (ذمہ دار) نہیں بنایا جائے گا مگر اس کی طاقت کے مطابق' نہ والدہ کو بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ والد کو بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے' پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلانا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم دستور کے مطابق طے شدہ اجرت ان کو ادا کر دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

رضاعت کا بیان

۲۳۳-﴿وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ﴾ اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں اور یہ خبر (یُرْضِعْنَ) ''یَتَرَبَّصْنَ'' کی طرح امر مؤکد کے معنی میں ہے اور یہ امر مستحب کے طریقے پر ہے یا پھر وجوب کے طور پر ہے کیونکہ بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ قبول نہیں کرتا یا بچہ کے لیے دودھ پلانے والی نہ ملے یا باپ اجرت دینے سے عاجز ہو یا پھر والدات سے طلاق یافتہ مائیں مراد ہیں اور بچے کے باپ پر طلاق یافتہ سابقہ بیوی کا نان ونفقہ اور لباس کا واجب ہونا صرف دودھ پلانے کی وجہ سے ہے ﴿حَوْلَیْنِ﴾ ظرف ہے ﴿کَامِلَیْنِ﴾ ''تَامَّیْنِ'' یعنی مائیں پورے دوسال دودھ پلائیں۔ یہ ''حَوْلَیْنِ'' کی تاکید ہے کیونکہ ''حَوْلَیْنِ'' میں چشم پوشی کی جاتی ہے (اس طرح کہ ''حَوْلَیْنِ'' یعنی دوسال بول کر پونے یا ڈیڑھ سال مراد لیا جاتا ہے) چنانچہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ''اَقَمْتُ عِنْدَ فُلَانٍ حَوْلَیْنِ'' (میں نے فلاں آدمی کے پاس دوسال قیام کیا ہے) جب کہ تم نے اس آدمی کے پاس دوسال مکمل قیام نہ بھی کیا ہو ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو مدتِ رضاعت پوری کرنا چاہتا ہو کیونکہ یہ کلام اس شخص کے لیے بیان کیا گیا ہے جس کی طرف یہ حکم متوجہ کیا گیا ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کا انتظام کرنا باپ پر واجب ہے ماں پر نہیں اور بچے کو دودھ پلانے کے لیے دایہ کا انتظام کرنا باپ پر لازم ہے مگر یہ کہ جب ماں از خود دودھ پلانے کے لیے آمادہ ہو اور یہ اس کے لیے مستحب ہے لیکن اس کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور جب تک بیوی یا معتدہ (عدت گزارنے والی بیوی) موجود ہوں اس وقت تک کسی اور دایہ کو اجرت پر نہیں رکھا جا سکتا ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ﴾ اور اس پر لازم ہے جس کے لیے بچہ جنا گیا ہے (کہ وہ مدت رضاعت تک بچے کی ماں کو لباس وخوراک مہیا کرے) ''ہٗ'' ضمیر اس لام کی طرف لوٹتی ہے جو ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَعَلَى الَّذِیْ یُوْلَدُ لَهٗ'' اور وہ والد ہے اور ''لَهٗ'' فاعل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے جس طرح ''اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ'' میں ''عَلَیْهِمْ'' ہے (الفاتحہ:۷) اور والد کی بجائے ''عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ'' اس لیے کہا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مائیں اپنے بچے کو صرف باپوں کے لیے جنتی ہیں کیونکہ اولاد والد کے لیے ہوتی ہے اور نسب بھی باپ کی طرف سے چلتا ہے ماں کی طرف سے نہیں اس لیے باپوں پر واجب ہے کہ وہ بچوں کی ماؤں کو خوراک اور لباس مہیا کرتے رہیں جب تک وہ ان کے بچوں کو دودھ پلاتی رہیں جس طرح دایہ کا حکم ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے والد کے نام کا ذکر کیا ہے جہاں یہ معنی مراد نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا. اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی باپ اپنے بچے کا بدلا نہ بنے گا اور نہ کوئی بچہ اپنے باپ کا کچھ بدلا بن سکے گا'' (لقمان:۳۳)۔ ﴿رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ان (عورتوں) کی خوراک اور لباس دستور کے مطابق (بچے کے باپ پر لازم ہے) نہ حد سے زیادہ ہو اور نہ حد سے کم' اس کی تفسیر اس کے بعد آرہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو کسی ایسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں کیا جائے گا جو اس کی وسعت وطاقت میں نہ ہو اور نہ ان دونوں کو ضرر دیا جائے گا ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کسی شخص کو اس کی طاقت اور قدرت سے زیادہ کا مکلف نہیں کیا جائے گا اور تکلیف کا معنی ہے: کسی کو مشقت میں ڈالنا کہ اس کا اثر عیاں ہو جائے اور ''وُسْعَهَا'' اس لیے منصوب ہے کہ یہ ''تُكَلَّفُ'' کا دوسرا مفعول ہے نہ کہ استثناء کی بنا پر اور البتہ دونوں مفعولوں کے درمیان ''اِلَّا'' داخل کر دیا گیا ہے ﴿لَا تُضَآرَّ﴾ ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے (تا پر) رفع کے ساتھ بطور جملہ خبریہ پڑھا ہے اور یہ نہی کے معنی میں ہے اور یہ مبنی للفاعل اور مبنی للمفعول دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور اصل میں ''لَا تُضَارِرْ'' را کے نیچے کسرہ کے ساتھ تھا یا ''تُضَارَرْ'' را پر فتح کے ساتھ تھا

اور باقی قراء نے ''لَا تُضَارِّ'' فعل نہی پڑھا ہے اور یہ دراصل ''تُضَارِرْ'' تھا' پہلی را کو ساکن کر کے دوسری را میں مدغم کر دیا گیا' پھر التقائے ساکنین ہو گیا اور التقائے ساکنین سے بچنے کے لیے دوسری را کو فتحہ دے دیا گیا ﴿وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا﴾ یعنی والدہ اپنے بچے کے ذریعے اپنے خاوند کو دکھ نہ پہنچائے اور وہ اس طرح کہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ سختی کرے اور عدل و انصاف کے برعکس اس سے خوراک ولباس کا زیادہ مطالبہ کرے اور بچے کی دیکھ بھال میں کوتاہی کر کے اس کے دل کو پریشان کرے اور بچے کو اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد اس سے کہے کہ بچے کے لیے دایہ کا انتظام کر دیا اس طرح کے اور غلط بہانے بنائے ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ یعنی والد اپنے بچے کے سبب اپنی عورت کو دکھ نہ پہنچائے اور وہ اس طرح کہ عورت کا لباس اور خوراک جو بچے کے والد پر واجب ہے وہ اس کو دینے سے انکار کر دے یا اس سے بچہ چھین لے جب کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانا چاہتی ہو اور یہ معنی اس وقت ہو گا جب یہ فعل مبنی للمفعول ہو اور نہی کے معنی میں ہو یعنی خاوند کی طرف سے عورت کو اور عورت کی طرف سے خاوند کو بچے کے سبب دکھ اور رنج پہنچانے سے منع کیا گیا ہے یا ''تُضَارُّ'' ''تَضُرُّ'' کے معنی میں ہے اور باصلہ کی ہے یعنی ماں اپنے بچے کو نقصان نہ پہنچائے' لہٰذا وہ اس کو خراب غذا نہ دے بلکہ اس کی غذا کا خاص خیال رکھے اور بچے کو اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد باپ کے حوالے نہ کر دے اور نہ باپ اپنے بچے کو نقصان پہنچائے اور وہ اس طرح کہ بچے کو عورت کے ہاتھ سے چھین لے یا اس کے حقوق (خوراک ولباس وغیرہ) میں کمی کر دے جس کی وجہ سے ماں بچے کے حق میں کوتاہی کرنا شروع کر دے' پھر یہاں ''بِوَلَدِهَا'' اور ''بِوَلَدِهٖ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ بچے کو نقصان پہنچانے سے عورت کو منع کیا گیا ہے اس لیے بچے کی نسبت اسی کی طرف کر دی گئی ہے تاکہ اس نسبت سے بچے کا والد اس کی ماں پر مہربان ہو ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ﴾ اس کا ''وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' پر عطف ہے اور ان دونوں کے درمیان کی عبارت ''معروف'' کی تفسیر وتشریح ہے اور معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ باپ کی غیر موجودگی میں بچے کے وارث پر ﴿مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ اسی طرح (بچے کی ماں کے حقوق) خوراک اور لباس وغیرہ دینے واجب تھے' پھر اس میں اختلاف ہے' چنانچہ علامہ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی میں بچے کے تمام ورثا پر باپ کی طرح حقوق واجب ہیں اور ہمارے (احناف) کے نزدیک صرف محرم رشتہ دار پر حقوق واجب ہیں سب پر نہیں کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے:'' وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذٰلِكَ. یعنی محرم رشتہ دار وارث پر بچے کے باپ کی طرح (عورت کو خوراک اور لباس وغیرہ دینا واجب) ہے'' اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بچے کے ماسوا نان نفقہ وغیرہ کچھ لازم نہیں ہے ﴿فَإِنْ أَرَادَا﴾ یعنی پھر اگر ماں باپ دونوں چاہیں ﴿فِصَالًا﴾ کہ بچے کا دودھ چھڑا دیا جائے بشرطیکہ یہ ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ﴾ ان دونوں کی مرضی اور ان کے باہمی مشورے سے طے ہو جائے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ تو اس معاملے میں ان پر کوئی گناہ نہیں خواہ وہ بچے کو دو سال سے زیادہ دودھ پلائیں خواہ دو سال سے کم کر دیں اور یہ وسعت و گنجائش حد مقرر کرنے کے بعد عنایت کی گئی ہے اور ''تَشَاوُرٍ'' کا مطلب ہے کہ کسی کی رائے حاصل کرنا اور یہ ''شُرْتُ الْعَسَلَ'' سے بنا ہے (اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے) جب کوئی آدمی مکھی کے چھتے سے شہد نکالتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس لیے فرمایا ہے تاکہ ماں باپ دونوں غور وفکر اور بڑے سوچ وبچار کے بعد باہمی اتفاق اور رضامندی سے دودھ چھڑانے کا عمل سرانجام دیں' لہٰذا وہ ذات اقدس ہر قسم کے عیب سے پاک ہے جس نے بڑوں کو ادب کی تعلیم دی اور چھوٹے بچے کو یونہی ان کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا اور دونوں کا اتفاق معتبر وضروری قرار دیا کیونکہ باپ کے لیے نسب اور ولایت ہے اور ماں کے لیے شفقت وعنایت ہے ﴿وَإِنْ أَرَدْتُّمْ

﴿اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو اور زجاج کے نزدیک ''اَوْلَادَكُمْ'' اصل میں ''لِاَوْلَادِكُمْ'' ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ''اِسْتَرْضَعَ'' ''اَرْضَعَ'' سے منقول ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ''اَرْضَعَتِ الْمَرْاَةُ الصَّبِيَّ'' کہ عورت نے بچے کو دودھ پلایا'' اور ''اِسْتَرْضَعْتُهَا الصَّبِيَّ'' یعنی اس عورت سے بچے کو دودھ پلانے کا مطالبہ کیا گیا'' اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور اصل میں ''اَنْ تَسْتَرْضِعُوا الْمَرَاضِعَ اَوْلَادَكُمْ'' ہے (یعنی تم اپنی اولاد کو دودھ پلانے والیوں سے دودھ پلوانا چاہو) پھر ایک مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی ماں کے انکار کرنے یا دودھ پلانے سے عاجز آ جانے کے وقت ماں کے علاوہ (کسی اور دودھ پلانے والی عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلانا چاہو) ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ﴾ تو تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ جب تم دودھ پلانے والیوں کو سپرد کر دو ﴿مَّآ اٰتَيْتُمْ﴾ وہ اجرت جو ان کو دینے کے لیے تم نے طے کر لی ہے اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''اَتَيْتُمْ'' (الف مقصورہ کے ساتھ) ہے (اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب) کسی کے ساتھ احسان کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اسی سے ہے کہ ''كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا. یعنی اس کا وعدہ ضرور پورا ہوگا'' (مریم:۶۱)۔ اور اجرت کا پہلے سپرد کرنا مستحب ہے جواز کے لیے شرط نہیں ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ یہ ''سَلَّمْتُمْ'' کے متعلق ہے یعنی تم دودھ پلانے والیوں کو اجرت خوش دلی کے ساتھ دستور کے مطابق ادا کرو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے یعنی تمہارے اعمال اس سے مخفی نہیں ہیں' لہٰذا وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں' پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر اس کام میں کوئی گرفت نہیں ہوگی جو وہ عورتیں اپنے بارے میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے O

بیوہ کی عدت و نکاح اور طلاق کے مسائل

۲۳۴- ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾ جب کوئی چیز مکمل اور پوری لے لی جائے تو کہا جاتا ہے: ''تَوَفَّيْتُ الشَّيْءَ وَاسْتَوْفَيْتُهٗ'' کہ میں نے فلاں چیز پوری پوری لے لی ہے یعنی ان کی روحیں قبض کر لی گئیں ﴿وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا﴾ ''يَذَرُوْنَ'' بہ معنی ''يَتْرُكُوْنَ'' ہے یعنی وہ بیویاں چھوڑ جائیں ﴿يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ﴾ وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں یعنی تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں ان کی بیویاں اپنے آپ کو روکے رکھیں یعنی اپنی عدت پوری کریں یا اس کا معنی یہ ہے کہ ''يَتَرَبَّصْنَ بَعْدَهُمْ بِاَنْفُسِهِنَّ'' یعنی وہ شوہروں کے مرنے کے بعد (عدت پوری کرنے کے لیے) اپنے آپ کو روکے رکھیں' پھر ''بَعْدَهُمْ'' کو محذوف کر دیا گیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے (کہ عدت گزارنے کے لیے رکنا شوہروں کے مرنے کے بعد ہوتا ہے) باقی اس کو مقدر ماننے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جب خبر جملہ واقع ہو رہی ہو (جیسے یہاں خبر جملہ واقع ہو رہی ہے) تو اس وقت خبر میں ایسی ضمیر کا ہونا واجب ہے جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہو۔ مفضل کی قراءت میں (يَتَوَفَّوْنَ) یا پر فتح ہے یعنی ان کی

عمریں پوری ہو گئیں اور وہ فوت ہو گئے ﴿ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ یعنی ''وَعَشْرَ لَيَالٍ '' (دس راتیں) اور ایام (یعنی دن) راتوں کے تابع ہوتے ہیں (کیونکہ مہینے کا آغاز چاندرات سے ہوتا ہے اس لیے اہل عرب کے نزدیک تاریخ کا اعتبار راتوں سے ہوتا ہے) اور اس میں ایام کا اعتبار کرتے ہوئے تمیز مذکر استعمال نہیں کی جاتی جیسے کہا جاتا ہے: ''صُمْتُ شَهْرًا. میں نے مہینے بھر روزے رکھے'' اگر ''اَيَّام'' کا ذکر کر دیا جاتا تو یہ اہل عرب کے کلام سے خارج ہو جاتا ﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ﴾ پھر جب ان کی عدت ختم ہو جائے ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ تو اے پیشوایانِ قوم اور حکام بالاتم پر کوئی گناہ نہیں ﴿ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ ﴾ جو وہ اپنے بارے میں پیغامِ نکاح وصول کرنے کے متعلق کریں ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ایسے احسن طریقے سے جو روحِ شریعت کے خلاف نہ ہو اور شریعت اس کا انکار نہ کرے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن کے ہر عمل کو خوب جانتا ہے اور وہ ہر دم تمہارے دلوں کی خفیہ کیفیات سے آگاہ رہتا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ع (۲۳۵)

اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو اشارے سے نکاح کا پیغام دو یا تم اپنے دلوں میں چھپا رکھو' اللہ کو معلوم ہے کہ (عدت کے بعد) تم عنقریب ان کا ذکر کرو گے لیکن تم ان سے خفیہ وعدہ نہ کرو مگر یہ کہ شریعت کے مطابق ان سے بات کرو اور تم (ان سے) عقدِ نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرلو یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے' پس تم اس سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد بردبار ہے O

۲۳۵- ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ ﴾ اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشاروں اور کنایوں سے (بیوہ) عورتوں کو نکاح کا پیغام دو۔ دراصل ''خِطْبَةٌ'' کا معنی (جب کہ خا کے نیچے زیر ہو) نکاح کا مطالبہ کرنا ہے اور تعریض کا معنی ہے کہ نکاح کا ارادہ رکھنے والا شخص عورت سے کہے کہ تم بڑی خوبصورت اور نیک سیرت ہو اور میری غرض بھی یہی ہے کہ میں کسی خوبصورت اور نیک عورت سے شادی کرلوں اور اسی قسم کا کلام بولے جس سے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر ہو جائے تاکہ اگر وہ عورت اس میں رغبت رکھتی ہے تو اپنے آپ کو اس کے لیے روکے رکھے اور انتظار کرے (اور عدت کے بعد کسی اور آدمی سے نکاح کا وعدہ نہ کرلے) لیکن جب تک عدت گزر نہیں جاتی اس کو صراحت کے ساتھ نکاح کا پیغام نہ دے' لہٰذا اس طرح نہیں کہہ سکتا کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور کنایہ اور تعریض میں فرق یہ ہے کہ کنایہ میں اشارے سے بات کی جاتی ہے اور اپنے مطلب کو ایسے الفاظ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جو اس مطلب و معنی کے لیے وضع نہیں کیے گئے اور تعریض میں کسی شے کا مطلب ایسے طریقے سے بیان کرنا کہ اس میں مطلب کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بھی ہو سکتا ہو یعنی ذو معانی الفاظ استعمال کرنا جیسے کوئی ضرورت مند کسی دولت مند سے کہتا ہے کہ میں

تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میں تمہیں سلام پیش کروں اور تمہارے روئے مبارک کی زیارت کروں' اس لیے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ میرا تمہیں سلام کرنا مراد مانگنے کے لیے تمہیں کافی ہے تو گویا کلام کو ایسی غرض کی طرف لوٹانا جس پر وہ دلالت کر سکے ﴿ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ یا تم اسے چھپائے رکھو اور اپنے دلوں میں مخفی رکھو' سو تم اپنی زبانوں پر اس کا تذکرہ نہ کرو نہ اشاروں سے اور نہ صراحت و ضاحت سے ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم ضرور ان کے سامنے تذکرہ کرو گے اور تم ان میں رغبت رکھنے کی وجہ سے ان سے بات چیت کرنے سے باز نہیں آؤ گے' سو تم ان سے ذکر کرو ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ﴾ اور لیکن تم ان سے خفیہ وعدے نہ کرو اور ان سے جماع کا ذکر نہ کرو کیونکہ یہ انہیں چیزوں میں سے ہے جن کو چھپایا جاتا ہے یعنی عدت کے اندر تم ان سے یہ نہ کہو کہ میں اس عمل (یعنی جماع کرنے) پر پوری طرح قدرت وطاقت رکھتا ہوں ﴿ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ مگر یہ کہ تم قانونِ شریعت کے مطابق بات کرو اور وہ اس طرح کہ تم ان سے اشاروں اور کنایوں میں نکاح کی پیش کش کرو اور صراحت کے ساتھ کوئی بات نہ کرو اور حرف "اِلَّا" "لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ" کے ساتھ متعلق ہے یعنی عدت والی عورتوں سے وعدہ ہرگز نہ لو البتہ ایسا وعدہ لے سکتے ہو جو شریعت میں معروف ہو اور اس میں کسی قسم کی برائی نہ ہو ﴿ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ ﴾ اور تم نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرلو یہ "عَزَمَ الْاَمْرَ" سے بنا ہے جب کسی کام کو کر گزرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جائے' یہاں عقد نکاح سے منع کرنے کے لیے بطور مبالغہ عزم کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عزم فعل سے پہلے ہوتا ہے تو جب عزمِ نکاح منع ہے تو عقد نکاح بطریق اولیٰ منع ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم عدت والی عورتوں سے عقدِ نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو یا یہ معنی ہے کہ تم نکاح کے عقد کو نہ توڑو (اس لیے کہ جب تک عورت کی عدت ختم نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ اپنے خاوند کے عقد نکاح میں رہتی ہے) کیونکہ حقیقت میں عزم کا معنی توڑنا آتا ہے اور درج ذیل حدیث اسی معنی میں ہے: "لَا صِيَامَ لِمَنْ لَّمْ يَعْزِمِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ" اور دوسری روایت میں "لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ" ہے یعنی جس نے رات کو روزہ رکھنے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ (کامل) نہیں ہے[1] یعنی (آیت کا مطلب یہ ہوا کہ) تم عقد نکاح پر (نکاح کا) پختہ ارادہ نہ کرو ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾ یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور عدت کو کتاب اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی فرضیت کتاب الٰہی (قرآن مجید) سے ثابت ہے یعنی یہاں تک کہ وہ اتنی مدت ٹھہری رہے جتنی اس کے لیے لکھ دی گئی ہے یعنی اس کی میعاد (پوری کرلے) ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ اور یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے ان پختہ ارادوں کو خوب جانتا ہے جو شرعاً ناجائز ہیں ﴿ فَاحْذَرُوْهُ ﴾ سو اس سے ڈرو اور دوران عدت عقدِ نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ اور یقین رکھو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت حلیم ہے' وہ تمہیں سزا دینے میں جلدی نہیں کرے گا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کے لیے حق مہر

[1] ترمذی کتاب الصوم باب ۳۳

مقرر نہ کیا ہو اور تم ان کو استعمال کی کچھ چیزیں دے دو خوشحال پر اس کی طاقت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی ہمت کے لائق ہے استعمال کی چیز دستور کے مطابق دینا ہے نیکی کرنے والوں پر یہ واجب ہے O

شانِ نزول: درج ذیل آیتِ مبارکہ اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس نے نہ اپنی بیوی کے لیے حقِ مہر مقرر کیا تھا اور نہ اس سے جماع کیا تھا۔

۲۳۶۔﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ تم پر حق مہر کے وجوب کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا ﴿ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ اگر تم نے اپنی عورتوں کو (جماع کرنے سے پہلے) طلاق دے دی ہے۔ یہ جملہ شرط ہے اور اس کے جواب پر ''لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ'' دلالت کرتا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ. یعنی اگر تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی تو تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ ﴾ جب تک تم نے ان سے جماع نہیں کیا اور حرفِ ما شرطیہ ہے یعنی اگر تم نے ان کو نہیں چھوا (چھونے سے مراد جماع کرنا ہے)۔ حمزہ اور علی کسائی دونوں قراء نے اس کو ''تُمَاسُّوْهُنَّ'' (باب مفاعلہ سے) پڑھا ہے جہاں بھی قرآن مجید میں آیا کیونکہ یہ فعل دو (فاعل ومفعول) کے درمیان واقع ہوتا ہے ﴿ أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ﴾ مگر یہ کہ تم ان کے لیے حق مہر مقرر کر دو یا (یہ معنی ہے کہ) یہاں تک کہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر دو اور مہر مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ (عقد نکاح کے وقت) حق مہر کا نام لے کر بتا دیا جائے اور یہ اس لیے کہ غیر موطوءہ مطلقہ (یعنی جس کو جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دی جائے) کے لیے نصف مہر اس صورت میں ہوگا جب اس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو اور اگر اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس کے لیے مہر مثلی کا نصف بھی نہیں ہوگا بلکہ چند کپڑے دینا ہوں گے اور اس بات کی دلیل کہ گناہ حق مہر کے تابع ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ'' سے لے کر ''فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ'' تک سو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ'' اس جگہ منفی جناح (یعنی منفی گناہ) کا اثبات ہے ﴿ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ﴾ یہ فعل محذوف پر معطوف ہے جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَطَلِّقُوْهُنَّ وَمَتِّعُوْهُنَّ. پس تم ان کو طلاق دے دو اور ان کو استعمال کے لیے کچھ دے دو اور استعمال کی چیزیں تین ہیں: (۱) قمیص (۲) پاجامہ (۳) دوپٹہ ﴿ عَلَى الْمُوْسِعِ ﴾ دولت مند پر یعنی جس کو روزی میں وسعت وفراخی حاصل ہو ﴿ قَدَرُهٗ ﴾ اس کی قدرت وگنجائش کے مطابق یعنی جس قدر وہ دینے کی طاقت رکھتا ہے اور ابوبکر کے علاوہ کوفہ کے دیگر قراء نے دونوں جگہ ''قَدَرُهٗ'' (دال کو مفتوح) پڑھا ہے اور ان میں دونوں لغات (یعنی دال کو مفتوح اور ساکن دونوں طرح پڑھنا) جائز ہیں ﴿ وَعَلَى الْمُقْتِرِ ﴾ اور تنگ دست وزبوں حال پر ﴿ قَدَرُهٗ ﴾ اس کی قدرت وہمت کے مطابق ہے اور ہمارے (احناف) کے نزدیک اس غیر مدخولہ مطلقہ کے علاوہ کسی اور مطلقہ کو استعمال کے لیے کچھ چیزیں دینا واجب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ باقی مطلقہ عورتوں کو استعمال کی کچھ چیزیں دینا مستحب ہیں ﴿ مَتَاعًا ﴾ یہ ''مَتِّعُوْهُنَّ'' کی تاکید ہے یعنی نفع دینا ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ایسے طریقے پر جو شریعت میں اور مروت میں مستحسن اور بہتر ہو ﴿ حَقًّا ﴾ یہ ''مَتَاعًا'' کی صفت ہے یعنی نفع پہنچانا اور استعمال کی کچھ چیزیں شوہروں پر واجب ولازم ہیں یا یہ ان پر حق ہے ﴿ عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ مسلمانوں پر یا ان لوگوں پر جو استعمال کی چیزیں دے کر مطلقہ عورتوں کے ساتھ نیکی کرنا چاہتے ہیں اور ان لوگوں کو عمل کرنے سے پہلے محسنین اس طرح کہا گیا جیسے حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے: ''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ. یعنی جس نے مقتول کو قتل کیا تو مقتول کا تمام سامان اسی کا ہے''۔[1] اور یہ

[1] بخاری کتاب الخمس باب ۱۸، مسلم کتاب الجہاد رقم الحدیث: ۴۲، ابوداؤد کتاب الجہاد رقم الحدیث: ۲۷۱۳، ترمذی کتاب السیر باب ۱۳، ابن ماجہ کتاب الجہاد باب ۲۹، الموطا کتاب الجہاد رقم الحدیث: ۱۸، مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۲۔ ۲۹۵

نیکی صدقہ وخیرات اور بخشش وغیرہ نہیں جو شوہر پر لازم نہ ہو بلکہ یہ متاع واجب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا حکم بیان کیا ہے جس کا حق مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو چھونے (یعنی ہم بستری) سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ‌ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ﴿۲۳۸﴾

اور اگر تم نے عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دے دی جب کہ تم ان کا حق مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کردہ کا نصف حق مہر (ادا کرنا واجب) ہے مگر یہ کہ عورتیں از خود معاف کر دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے اور تمہارا زیادہ دے دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے کو نہ بھولو بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے ○ تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور (خاص کر) درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو ○

۲۳۷- ﴿وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ﴾ اور تم ان کو چھونے (یعنی جماع کرنے) سے پہلے طلاق دے دو۔ یہاں حرف ''اَنۡ'' اپنے فعل کے ساتھ مل کر مصدر کی تاویل میں ہونے کی وجہ سے محلًا مجرور ہے یعنی دراصل ''مِنۡ قَبۡلِ مَسِّكُمۡ اِيَّاهُنَّ'' ہے ﴿وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ﴾ اور تم مقرر کر چکے ہو یہ جملہ محلًا حال واقع ہو رہا ہے ﴿لَهُنَّ فَرِيۡضَةً﴾ ان کے لیے حق مہر ﴿فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ﴾ تو جو حق مہر تم مقرر کر چکے ہو اس کا نصف ادا کرنا واجب ہے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ یہاں مطلقہ عورتیں مراد ہیں اور حرف ''اَنۡ'' اپنے فعل کے ساتھ مل کر استثناء کی وجہ سے محلًا منصوب ہے گویا کہا گیا ہے کہ تم نے جو حق مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (یعنی آدھا) مہر ادا کرنا تم پر ہر حال میں لازم ہے مگر جس وقت وہ (مطلقہ عورتیں) اپنا حق مہر تمہیں معاف کر دیں اور مردوں کے (یعنی جمع مذکر کے فعل) ''يَعۡفُوۡنَ'' اور عورتوں کے (یعنی جمع مؤنث کے فعل) ''يَعۡفُوۡنَ'' کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے میں واؤ ''هُمۡ'' ضمیر کی ہے اور نون رفع کی علامت ہے جب کہ دوسرے فعل میں واؤ لام کلمہ کی ہے (کیونکہ یہ ''عَفۡوٌ'' سے بنا ہے اس لیے یہ فعل ناقص واوی ہے) اور اس میں نون ''هُنَّ'' ضمیر کی ہے اور یہ فعل مبنی ہے اس میں کسی عامل کے عمل کا کوئی اثر نہیں ہوتا (اس لیے اس میں نونِ ضمیر باقی ہے جب کہ فعلِ مذکر میں نون علامتِ رفع ''اَنۡ'' ناصبہ کی وجہ سے ساقط ہو گئی ہے) ﴿اَوۡ يَعۡفُوَا﴾ اس کے محل پر عطف ہے (اس لیے منصوب ہے مطلب یہ ہے:) یا شوہر زیادہ دے دے ﴿الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ﴾ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور وہ شوہر ہے' حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر' حضرت شریح' حضرت مجاہد' حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ اس لیے کہ طلاق مرد کے ہاتھ میں ہے تو نکاح کے عقد کی بقا بھی اس کے ہاتھ میں رہے گی اور معنی یہ ہے کہ شریعت میں نصف مہر

واجب ہے مگر یہ کہ عورت سارا مہر معاف کر دے یا خاوند احسان کے طور پر پورا حق مہر ادا کر دے اور امام مالک اور امام شافعی کے قدیم قول کے مطابق اس سے خاوند کی بجائے وارث مراد ہے۔ ہم (احناف اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ وہ (وارث) تو بچی کی بخشیش کا مالک نہیں بن سکتا تو اس کو وارث پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے ﴿وَاَنْ تَعْفُوْٓا﴾ یہ مبتدا ہے اس کی خبر ﴿اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ ہے اور یہ شوہروں اور بیویوں کو خطاب بطور تغلیب کے ہے۔ زجاج نے یہی ذکر کیا ہے یعنی کل حق مہر دے کر خاوند کا معاف کرنا اس کے لیے بہتر ہے اور کل حق مہر چھوڑ کر بیوی کا معاف کر دینا اس کے اپنے حق میں بہتر ہے یا پھر خاوند کے لیے بہتر ہے ﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ﴾ اور تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنا نہ بھولو ﴿اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے سو وہ تمہیں تمہارے احسانات اور نیکیوں پر جزا عطا فرمائے گا۔

۲۳۸۔﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ﴾ تمام نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں تمام ارکان و شرائط کے ساتھ پوری پابندی سے ہمیشہ ادا کرتے رہو ﴿وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی﴾ تمام نمازوں کے درمیان والی نماز یعنی سب سے بڑی فضیلت والی نماز کیونکہ اہل عرب ''اَفْضَلُ'' کے لیے ''اَوْسَطُ'' کا لفظ بولتے ہیں اور اس نماز کو الگ اور تمام نمازوں پر عطف کر کے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نماز فضیلت میں سب سے منفرد و ممتاز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے اور جمہور بھی اسی پر متفق ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا کہ ''شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ نَارًا. یعنی کفار نے ہمیں درمیانی نماز نمازِ عصر سے دور رکھا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے''[1] اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بلا شبہ یہ وہی نماز ہے جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے (جہاد کے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو کر کچھ دیر کے لیے) توجہ پھیر لی تھی اور حضرت حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے مصحف میں ہے ''وَالصَّلٰوۃُ الْوُسْطٰی صَلٰوۃُ الْعَصْرِ. درمیانی نماز عصر کی نماز ہے'' اور اس لیے بھی کہ یہ نماز رات کی دو نمازوں اور دن کی دو نمازوں کے درمیان واقع ہے اور اس کی فضیلت و اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے وقت میں لوگ کاروبار زندگی اور تجارت میں مشغول ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دن کے درمیان میں واقع ہے یا پھر فجر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دن کی نمازوں اور رات کی نمازوں کے درمیان واقع ہے یا مغرب کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت نمازوں کے درمیان واقع ہے (جب کہ عشاء کی نماز تین اور دو رکعت نمازوں کے درمیان اور فجر کی نماز چار چار رکعت نمازوں کے درمیان اور عصر کی نماز چار اور تین رکعت نمازوں کے درمیان واقع ہے البتہ ظہر کی نماز بھی چار اور دو رکعت نمازوں کے درمیان واقع ہے) اور اس لیے بھی کہ مغرب کی نماز سری نمازوں (ظہر و عصر) اور جہری نمازوں (عشاء و فجر) کے درمیان واقع ہے یا عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ دو طاق نمازوں (مغرب کی تین رکعت نماز اور وتر کی تین رکعت نماز واجب) کے درمیان واقع ہے یا یہ نماز شبِ قدر کی طرح متعین نہیں ہے تا کہ مسلمان تمام نمازوں کی حفاظت کیا کریں ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ﴾ اور تم نماز میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑے ہوا کرو ﴿قٰنِتِیْنَ﴾ یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی تم فرماں بردار ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر عاجزی کے ساتھ متوجہ رہو یا تم اپنے قیام میں صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور قنوت کا مطلب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر یاد کرو یا اپنے قیام کو دراز کرو۔

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب ۹۸، مسلم کتاب المساجد رقم الحدیث: ۲۰۲-۲۰۶، ترمذی کتاب تفسیر البقرہ باب ۳۱، نسائی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۴، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ۶، مسند احمد ج ۱ ص ۷۹-۸۱-۱۱۳

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾

پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیدل یا سوار (جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لیا کرو) پھر جب تم حالتِ امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے' جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھے O اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے گھر سے نکالے بغیر سال بھر تک نان نفقہ دینے کی وصیت کر جائیں' پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں دستور کے مطابق کیا اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق نان نفقہ ہے جو خوفِ خدا رکھنے والوں پر واجب ہے O

۲۳۹- ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ پھر اگر تمہیں دشمن وغیرہ کا ڈر ہو ﴿فَرِجَالًا﴾ یہ حال ہے یعنی تم پیادہ ہو کر نماز ادا کرو اور یہ "رَاجِلٌ" کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قیام بھی آتی ہے ﴿اَوْ رُكْبَانًا﴾ یا اکیلے اشارے کے ساتھ سوار ہو کر (نماز پڑھو) اور اس سے قبلہ رخ ہونے کا حکم ساقط ہو جائے گا ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ پھر جس وقت تم سے خوف و ڈر زائل ہو جائے ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور امن و سکون کے ساتھ نماز پڑھو ﴿كَمَا عَلَّمَكُمْ﴾ یعنی تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرنا جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے ﴿مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ جو کچھ تم نہیں جانتے تھے کہ حالتِ خوف و ڈر میں اور حالتِ امن و سکون میں نماز کس طرح ادا کرنی ہے۔

۲۴۰- ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ﴾ اور تم میں سے جو لوگ مر جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں۔ ابن عامر شامی' ابو عمرو' حمزہ اور امام حفص نے "وَصِيَّةً" کو منصوب پڑھا ہے یعنی زجاج کے نزدیک "فَلْيُوْصُوْا وَصِيَّةً" ہے' پس وہ ضرور وصیت کر جائیں۔ ان کے علاوہ باقی قاریوں نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "فَعَلَيْهِمْ وَصِيَّةٌ" تو ان پر وصیت کرنا لازم ہے ﴿مَّتَاعًا﴾ "وَصِيَّةً" کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ وہ مصدر ہے (جو فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے) یا تقدیر عبارت یوں ہے: "مَتِّعُوْهُنَّ مَتَاعًا" انہیں نان نفقے کا سامان دے کر نفع پہنچاؤ ﴿اِلَى الْحَوْلِ﴾ ایک سال تک' یہ "مَتَاعًا" کی صفت ہے ﴿غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ گھر سے نکالے بغیر' یہ مصدر مؤکد ہے۔ جیسے تمہارا یہ قول ہے: "هٰذَا الْقَوْلُ غَيْرَ مَا تَقُوْلُ" یہ بات اس کے علاوہ ہے جو تم کہتے ہو' یا یہ "مَتَاعًا" کا بدل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں پر فرض ہے جو اپنی بیویاں چھوڑ کر فوت ہو جائیں کہ وہ مرنے سے پہلے وصیت کر جائیں کہ ان کے بعد ان کی بیویوں کو ایک کامل سال تک متاع دی جائے یعنی خاوند کے ترکہ سے

ان پر خرچ کیا جائے اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے اور یہ وصیت کرنا اسلام کے ابتدائی دور میں جائز تھی' پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" سے منسوخ ہوگئی اور ناسخ تلاوت کے اعتبار سے بے شک پہلے ہے لیکن نزول کے اعتبار سے بعد میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ" (البقرہ:۱۴۲) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ "قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ" (البقرہ:۱۴۴) ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ﴾ پھر اگر وہ (بیوہ) عورتیں ایک سال گزر جانے کے بعد اپنے شوہروں کے گھر سے چلی جائیں ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ﴾ تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے بارے میں مناسب رویہ اختیار کریں جیسے زیب وزینت کرنا اور سوگ ترک کر کے نکاح کی کوشش کرنا اور اس کے لیے بات چیت کرنا ﴿مِنْ مَّعْرُوْفٍ﴾ دستور کے مطابق جس سے شریعت منع نہ کرتی ہو ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ احکام جاری کرنے میں سب پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔

۲۴۱- ﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ﴾ اور عدت پوری ہونے تک طلاق یافتہ عورتوں کو نان نفقہ دینا (واجب ہے) ﴿بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا﴾ قانونِ شریعت کے مطابق واجب ہے "حَقًّا" مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے ﴿عَلَی الْمُتَّقِیْنَ﴾ پرہیز گاروں پر۔

ع ۷ / ۱۵

كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اس طرح اللہ اپنی آیات کو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤO کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ ہزاروں تھے' سو اللہ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ' پھر اللہ نے انہیں زندہ فرمایا' بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتےO اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور خوب جان لو کہ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا (اور) جاننے والاO

۲۴۲- ﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ "تَعْقِلُوْنَ" رفع کی جگہ میں واقع ہے کیونکہ یہ "لَعَلَّ" کی خبر ہے اور اگر اس سے نان نفقہ مراد ہے تو پھر مذکورہ مطلقہ عورتوں کے علاوہ مراد ہیں اور یہ نان نفقہ بطور استحباب کے ہوگا۔

موت سے فرار' جہاد' انتخابِ طالوت اور تبرکات کا تذکرہ

۲۴۳- ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ یہ خطاب اور تقریر اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ان کے قصے اور پہلے

لوگوں کے واقعات کو سن رکھا ہے اور اس سے مقصود ان کی حالت سے تعجب دلانا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے ہر اس شخص کو خطاب کیا گیا ہو جس نے یہ واقعہ نہ دیکھا ہو اور نہ ہی سنا ہو کیونکہ یہ کلام تعجب دلانے کے معنی میں ضرب المثل کے قائم مقام ہو چکا ہے ﴿ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے یعنی اپنے گاؤں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک قول کے مطابق واسط کا شہر مراد ہے جس میں طاعون کی بیماری پھیل گئی تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ یہاں سے بھاگ کر نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی' پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی جن کو ان کے بادشاہ نے جہاد کی دعوت دی تو یہ لوگ موت کے ڈر سے وہاں سے بھاگ گئے' سو اللہ تعالیٰ نے آٹھ دن تک ان پر موت طاری کر دی' پھر آٹھ دن کے بعد ان کو زندہ فرمایا ﴿ وَهُمْ اُلُوْفٌ ﴾ یہ جملہ حال واقع ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ وہ لوگ کئی ہزار تھے کیونکہ یہ جمع کثرت ہے (جس کا دس ہزار سے کم پر اطلاق نہیں ہوتا) اور یہ ''اَلْفٌ'' کی جمع ہے ''آلِفٌ'' کی جمع نہیں ہے ﴿ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾ موت کے خوف سے (وہ بھاگ نکلے) یہ ''خَرَجُوْا'' کا مفعول لہ ہے ﴿ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: تم سب مر جاؤ' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی اور بے شک اس کو اس عبارت کے ساتھ لانے سے مقصد یہ تھا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے ارادے سے ایک آدمی کی طرح ایک ہی وقت میں مر گئے اور ان کی یہ موت غیر عادی اور غیر طبعی تھی اور اس حقیقت کے بیان کرنے میں ایک مقصد تو یہ ہے کہ جہاد کرنے کے لیے مسلمانوں میں شجاعت و بہادری کا جذبہ پیدا کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ موت کا آنا ضروری ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہے اور اس سے راہِ فرار اختیار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے' سو بہتر یہی ہے کہ یہ موت اللہ تعالیٰ کی راہ میں آ جائے ﴿ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا تا کہ وہ عبرت حاصل کریں اور یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا سے راہِ فرار اختیار نہیں کیا جا سکتا اور یہ فعلِ محذوف پر معطوف ہے جس کی تقدیری عبارت یہ ہے: ''فَمَاتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ. سو وہ سب مر گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا'' اور جب اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا'' کا معنی ہے: ''فَاَمَاتَهُمْ. یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی'' تو اس کا (یعنی ''ثُمَّ اَحْيَاهُمْ'' کا) عطف بھی اس کے معنی پر ہو گا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے کیونکہ ان کو ایسے واقعات دکھاتا ہے جن سے وہ عبرت حاصل کریں جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو دکھایا اور جس طرح اس نے ان کا واقعہ بیان کر کے تمہیں دکھایا (یہ معنی ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بڑا فضل فرمایا کیونکہ ان کو زندہ فرما دیا تا کہ وہ عبرت حاصل کریں اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو سکیں ورنہ اگر وہ چاہتا تو ان کو قیامت کے دن تک مردہ رہنے دیتا ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے' اور اس بات کی دلیل کہ یہ قصہ جہاد کرنے کی رغبت دلانے کے لیے بیان کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے:

۲٤٤- ﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو' پس اللہ تعالیٰ نے اس اعلان اور اطلاع کرنے کے بعد کہ موت سے فرار فائدہ نہیں دے گا جہاد کرنے پر برانگیختہ کیا اور اس پر ابھارا اور یہ خطاب یا تو امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہے یا ان لوگوں کو ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا تھا ﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے' وہ ان کی بھی سنتا ہے جو جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور ان کی باتیں بھی سنتا ہے جو جہاد میں سبقت کر جاتے ہیں ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو لوگ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے لیے قرض حسن کو کئی گنا بڑھا دے اور اللہ رزق کو گھٹاتا اور بڑھاتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

۲۴۵- ﴿مَنْ﴾ یہ ''مَـنْ'' استفہامیہ (یعنی سوالیہ) ہے اور رفع کے محل میں واقع ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے (اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے) ﴿ذَا﴾ یہ ''مَـن'' کی خبر ہے ﴿الَّذِیْ﴾ یہ ''ذَا'' کی صفت ہے یا اس سے بدل واقع ہو رہا ہے ﴿یُقْرِضُ اللّٰهَ﴾ یہ ''اَلَّـذِی'' کا صلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جائے اس کو قرض کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ قرض کے بعد اس کے عوض میں اس کے مثل پر قبضہ کیا جاتا ہے اور اس کو قرض اس لیے کہا گیا ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال میں سے کچھ حصہ کاٹ کر قرض لینے والے کو دیتا ہے اور قرض کا معنی بھی کاٹنا ہے اور اسی سے ''اَلْمِقْرَاضُ'' اور ''قَرْضُ الْفَارِ'' اور ''اَلْاِنْقِرَاضُ'' بنا ہے (مقراض کا معنی ہے: کاٹنے کا آلہ یعنی چھری' چاقو اور قینچی یا اس کا پھل اور ''قَـرْضُ الْـفَارِ'' کا معنی ہے چوہے کا کاٹنا جیسے کہا جاتا ہے: ''قَـرَضَ الْفَارُ الثَّوْبَ. یعنی چوہے نے کپڑے کو کاٹ دیا'' اور ''اِنْقِرَاضٌ'' کا معنی ہے: کٹ جانا اور ختم ہو جانا) پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ان کا مال اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے اور ہرگز ضائع نہیں ہوگا اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس خرچ کرنے پر ان کو ضرور ہر حال میں جزائے خیر عطا فرمائے گا ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ خوش دلی کے ساتھ حلال وطیب مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس سے جہاد کے لیے مال خرچ کرنا مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں مال و دولت کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے (اس آیت مبارکہ میں) صدقہ دینے کی ترغیب دی تاکہ جہاد کے اسباب تیار کیے جا سکیں ﴿فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ﴾ عاصم نے اس کو استفہام کے جواب ہونے پر منصوب پڑھا ہے اور ابوعمرو' نافع مدنی' حمزہ اور علی کسائی نے ''یُقْرِضُ'' پر عطف کر کے اس کو مرفوع پڑھا ہے یا یہ الگ نیا جملہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر عنایت فرمائے گا اور ابن عامر شامی نے ''فَیُـضَعِّفَهٗ'' (یعنی تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے منصوب) پڑھا ہے اور ابن کثیر مکی نے ''فَیُـضَـعِّـفُـهٗ'' (یعنی تشدید کے ساتھ مرفوع) پڑھا ہے ﴿اَضْعَافًا﴾ مصدر کی جگہ میں واقع ہے جس کا معنی کئی گنا بڑھانا ہے ﴿كَثِیْرَةً﴾ زیادہ دینا' اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک کے عوض میں سات سو عطا فرمائے گا ﴿وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ﴾ اور اللہ تعالیٰ (کبھی) اپنے بندوں پر رزق تنگ کر دیتا ہے اور (کبھی) ان پر کشادہ کر دیتا ہے' لہٰذا جب اس نے تمہیں رزق میں وسعت دی تو تم اس کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو تاکہ وہ تمہاری خوشحالی کو تنگی میں تبدیل نہ کر دے' حجازی' عاصم اور علی نے ''وَیَبْـصُـطُ'' (صاد کے ساتھ پڑھا ہے) ﴿وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' پھر وہ تمہیں تمہارے آگے بھیجے گئے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ

وقف لازم

اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

کیا تم نے موسیٰ (کی وفات) کے بعد بنی اسرائیل کے ایک گروہ کونہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں' پیغمبر نے فرمایا: کیا ایسا ممکن ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم نہیں لڑو گے' انہوں نے کہا: ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے' پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے منہ پھیر لیا' اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہےO

۲۴۶- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ﴾ کیا تم نے (بنی اسرائیل میں سے ان کی) جماعت کی طرف نہیں دیکھا اور ''مَلَأ'' کا معنی ہے: برگزیدہ اور معزز گروہ کیونکہ یہ لوگ دلوں کو جلالت وعظمت سے اور آنکھوں کو ہیبت ورعب سے بھر دیتے ہیں۔

﴿مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اور حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے ﴿اِذْ قَالُوْا﴾ ''حِيْنَ قَالُوْا'' یعنی جب بنی اسرائیلیوں نے کہا'' ﴿لِنَبِيٍّ لَّهُمُ﴾ اپنے پیغمبر سے اور وہ حضرت شمعون یا یوشع یا اشمویل ہیں ﴿ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا﴾ آپ جہاد کرنے کے لیے ہمارے ساتھ ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم جنگ کی تدبیر میں اس کے مشورے سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے حکم پر عمل کریں ﴿نُّقَاتِلْ﴾ ہم لڑیں۔ نون کے ساتھ (فعل مضارع جمع متکلم) ہے اور اس کے آخر میں جزم جواب ہونے کی وجہ سے ہے ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں' یہ ''نُقَاتِل'' کا صلہ ہے ﴿قَالَ﴾ نبی نے فرمایا: ﴿هَلْ عَسَيْتُمْ﴾ قاری نافع مدنی نے ''عَسِيْتُمْ'' (سین مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے) جیسے (قرآن مجید میں) ہے: ﴿اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے (یاد رہے کہ یہ جملہ) ''عَسٰى'' کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان شرطِ فاصل ہے اور ''عَسٰى'' کی خبر ﴿اَلَّا تُقَاتِلُوْا﴾ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ (اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو) کیا قریب ہے کہ تم نہیں لڑو گے یعنی کیا معاملہ ایسی ہی ہوگا جیسا کہ میں اس کی توقع رکھتا ہوں کہ تم ہرگز نہیں لڑو گے اور بزدلی کا مظاہرہ کرو گے' بہرحال انہوں نے ''هَلْ'' استفہامیہ داخل کر کے اس کے بارے میں سوال کر دیا جس کی ان کو توقع تھی اور انہوں نے اس سوال سے اپنی بات کی تقریر اور اثبات کا ارادہ کیا کہ بے شک جو متوقع ہے وہ ہو کر رہے گا اور یقیناً ان کی توقع اور رائے درست اور صحیح ہے ﴿قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں لڑیں گے یعنی ہمارے لیے وہ کون سا داعیہ اور سبب ہے جس کی وجہ سے ہم جہاد ترک کر دیں گے اور اس میں ہماری کون سی غرض وابستہ ہے جس کی وجہ سے ہم نہیں لڑیں گے ﴿وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا﴾ حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے ''وَقَدْ'' میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور یہ اس لیے کہ جالوت کی قوم مصر اور فلسطین کے درمیان (بحر روم کے ساحل پر) رہتی تھی (جس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے غلبہ حاصل کر لیا اور ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنا لیا' ان کے بادشاہوں کو قتل کر دیا) اور اس نے ان کے بادشاہوں کے چار سو چالیس شہزادوں کو گرفتار کر لیا تھا اس لیے ان کا

مقصد یہ تھا کہ جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے تو اب ہمارے لیے جہاد ضروری ہو گیا ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ﴾ پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا یعنی جب ان کی درخواست و التماس قبول کر لی گئی (اور جہاد میں قیادت کرنے کے لیے ایک بادشاہ ان کے لیے مقرر کر دیا گیا تو) ﴿تَوَلَّوْا﴾ انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ مگر ان میں سے چند لوگ (اپنے عہد پر قائم رہے) اور وہ اہل بدر کی تعداد کے مطابق صرف تین سو تیرہ افراد تھے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے اور یہ ان کے لیے وعید ہے کہ انہوں نے جہاد ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے' انہوں نے کہا: اس کی بادشاہی ہم پر کس طرح ہو سکتی ہے' حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی' پیغمبر نے فرمایا: بے شک اللہ نے اس کو تمہارے لیے منتخب فرمالیا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے' اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ بہت بڑی وسعت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے O

۲۴۷- ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ﴾ اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو (تمہارا بادشاہ) مقرر کیا ہے اور داؤد اور جالوت کی طرح یہ طالوت بھی عجمی اسم ہے اور معرفہ اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے ﴿مَلِكًا﴾ یہ طالوت سے حال ہے یعنی بادشاہ ﴿قَالُوا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا﴾ انہوں نے کہا: اس کی بادشاہی ہمارے اوپر کیسے ہو سکتی ہے یعنی وہ کیسے اور کہاں سے (ہمارا بادشاہ بن گیا ہے) اور یہ اس کی بادشاہی سے انکار ہے اور اس بات پر تعجب کا اظہار ہے کہ اس کا بادشاہ ہونا بہت بعید ہے ﴿وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ﴾ حالانکہ ہم اس سے بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں اور واؤ حال کے معنی میں ہے ﴿وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ اور اس کو مال و دولت میں وسعت و فراخی نہیں دی گئی اور حقیقت حال یہ ہے کہ وہ بادشاہی کا مستحق نہیں ہے کیونکہ بادشاہی کے لیے اس سے زیادہ حق دار موجود ہیں اور وہ تو ایک غریب آدمی ہے جب کہ بادشاہ کے لیے مال و دولت بہت ضروری ہے جس سے اس کی حکومت مستحکم رہے گی اور یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ نبوت لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ مخصوص تھی اور بادشاہت یہودا بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ مخصوص تھی اور یہ طالوت (ان میں کسی کی اولاد میں سے نہ تھا بلکہ) بنیامین کی اولاد میں تھا اور وہ ایک غریب آدمی اور ماشکی یا موچی تھا اور ایک روایت میں ہے: جب بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے ایک بادشاہ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ان کو عصا عطا کیا گیا جس کے ساتھ آدمی کو ناپا جاتا کہ بنی اسرائیل پر کون بادشاہ ہو گا' چنانچہ طالوت کے سوا عصا کے برابر کوئی شخص پورا نہ اترا ﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ اللہ کے نبی نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے منتخب فرمالیا ہے

اور صاد ساکنہ کی وجہ سے ''اِصۡطَفَاہُ'' میں ''طا'' ''تا'' سے بدل کر آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر منتخب کرلیا اور وہ تم سے زیادہ مصلحتوں کو جانتا ہے اور اس کے حکم پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کردہ نسب اور مال کی کثرت کی مصلحتوں سے زیادہ مفید و نفع بخش دو مصلحتوں کا ذکر فرمایا اور وہ ہیں علم اور جسامت میں وسعت و کشادگی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَزَادَهٗ بَسۡطَةً﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو وسعت و فراخی بخشی اور ''بَسۡطَةً'' ''زَادَ'' کا دوسرا مفعول ہے ﴿فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ﴾ علم اور جسم میں (وہ سب سے زیادہ ہے) کہتے ہیں کہ طالوت اپنے وقت میں تمام بنی اسرائیلیوں سے دیانت و امانت داری اور فنِ حرب و ضرب میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا اور وہ کندھوں اور سر کے اعتبار سے تمام انسانوں سے دراز تھا اور ''بَسۡطَةً'' کا معنی وسعت و کشادگی اور امتداد و درازی ہے اور بادشاہ کے لیے اہل علم ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ جاہل وان پڑھ آدمی ذلیل و پست اور جلد باز و غیر مفید ہوتا ہے اور بادشاہ کے لیے دراز قد اور توانا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں اس کی عظمت و وجاہت ہو اور ان کے دلوں میں ہیبت و رعب ہو ﴿وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا فرما دیتا ہے یعنی بادشاہی اسی (اللہ تعالیٰ) کی ہے جس میں کسی کو جھگڑے اور اعتراض کرنے کی اجازت نہیں ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا کر دیتا ہے اور یہ وراثت سے نہیں ملتی اور نہ اس میں وراثت چلتی ہے (بلکہ اہلیت سے ملتی ہے) ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ یعنی جس شخص کے پاس مال و دولت کی وسعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر فضل و کرم اور عطا و بخشش کرنے میں بڑی وسعت فرماتا ہے اور فقر و غربت کے بعد اس کو غنی و مالدار بنا دیتا ہے ﴿عَلِيۡمٌ﴾ اللہ تعالیٰ جس کو بادشاہی کے لیے منتخب کرتا ہے اس کی اہلیت کو خوب جانتا ہے' پھر جس وقت بنی اسرائیل نے اپنی نبی سے طالوت کے لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب کی نشانی طلب کی۔

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَ اٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۴۸﴾

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی چھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں جس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے' بے شک اس میں تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو O

۲۴۸- ﴿وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ﴾ اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا کہ بلاشبہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا یعنی تورات شریف کا صندوق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جنگ کرتے تو اس صندوق کو اپنے آگے آگے رکھتے جس کی برکت سے بنی اسرائیل کو اطمینان و سکون ملتا اور وہ جنگ سے فرار نہیں ہوتے تھے ﴿فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان و سکون ہے ﴿وَبَقِيَّةٌ﴾ اور بچی ہوئی چیزیں ہیں اور وہ (تورات شریف کی) تختیوں کے چند ٹکڑے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک اور آپ کا لباس مبارک اور تورات شریف کی کچھ آیات تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نعلین شریفین تھیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ مبارک تھا ﴿مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ﴾ یعنی اس میں سے جس کو حضرت

موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام نے چھوڑا تھا اور آل کا لفظ زائد ہے' ان دونوں حضرات کی تفخیم شان کے لیے استعمال کیا گیا ہے ﴿تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یعنی اس تابوت کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس تابوت کو اوپر اٹھالیا تھا' پھر اس کو فرشتے اٹھا کر نیچے لائے اور اس وقت بنی اسرائیل اسے دیکھ رہے تھے اور یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے اور ''فِيْهِ سَكِيْنَةٌ'' اور ''مِنْ رَّبِّكُمْ'' بھی اسی طرح ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک تمہاری طرف تابوت کے لوٹ آنے میں اس بات کی نشانی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر بادشاہ مقرر فرمایا ہے اگر تم تصدیق کرنے والے (ایمان دار) ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے کہا کہ بے شک اللہ ایک نہر کے ذریعے تمہارا امتحان لے گا تو جس نے اس کا پانی پی لیا سو وہ میرا پیروکار نہیں اور جس نے اس کا پانی نہیں پیا تو بلاشبہ وہ میرا پیروکار ہے' سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے صرف ایک چلّو پانی پی لیا' سو چند لوگوں کے سوا سب نے اس کا پانی پی لیا' پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ مسلمان نہر کو عبور کر گئے تو (پانی پینے والے) کہنے لگے: آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں رہی (مگر) جو لوگ اللہ سے ملاقات کرنے پر یقین رکھتے تھے' انہوں نے کہا: بہت دفعہ ایسا ہوا کہ ایک چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بہت بڑی جماعت پر غالب آ گئی' اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O

۲۴۹- ﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ﴾ پھر جب طالوت اپنے لشکروں کے ساتھ دشمن سے جنگ کرنے کے لیے اپنے شہر سے نکلے اور ''بِالْجُنُوْدِ'' یعنی دراں حالیکہ طالوت اپنے لشکروں کے ساتھ شامل تھے اور وہ اسّی ہزار تھے اور وہ وقت سخت گرمی کا تھا اور انہوں نے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک نہر جاری فرما دے (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک نہر جاری فرما دی تو) ﴿قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ﴾ طالوت نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے گا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسے آزمانے والا معاملہ کرتا ہے ﴿بِنَهَرٍ﴾ ایک نہر کے ذریعے اور وہ فلسطین کی نہر ہے تاکہ جہاد کرنے کے لیے جدو جہد کرنے والے مخلص اور عذر و بہانہ پیش کرنے والے غیر مخلص ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ﴾ سو جس نے منہ لگا کر نہر سے پیٹ بھر کر پانی پی لیا ﴿فَلَيْسَ مِنِّيْ﴾ پس وہ میرے پیروکاروں اور میری جماعت میں سے نہیں ہے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ﴾ اور جس نے اس کو نہیں چکھا یہ ''طَعْمُ الشَّيْءِ'' سے ہے' جس کا معنی

ہے: چکھنا ﴿ فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ ﴾ تو بے شک وہ میرا ہے اور نافع مدنی اور ابوعمرو نے ''یا'' کو مفتوح پڑھا ہے ﴿ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ ﴾ مگر جس نے ایک چلّو پانی پی لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس جملے کا اپنے فرمان '' فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ '' سے استثناء فرمایا ہے اور دوسرا جملہ (یعنی وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ) حکم میں استثناء سے مؤخر ہے مگر اس کی اہمیت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے ﴿ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ﴾ ہاتھ سے چلّو بھرنا اور اہل حجاز اور ابوعمرو نے ''غَرْفَةً'' (غین کو مفتوح) پڑھا ہے بہ معنی مصدر کے ہے اور غین پر ضمہ پڑھا جائے تو ''مَغْرُوْف'' (یعنی اسم مفعول) کے معنی میں ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ سے ایک چلّو بھر کر پانی پینے کی اجازت و رخصت ہے لیکن گھٹنوں کے بل پانی سے منہ لگا کر پیٹ بھر کر پینے کی اجازت نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے ذیل میں ارشاد فرمایا:) ﴿ فَشَرِبُوْا مِنْهُ ﴾ یعنی انہوں نے گھٹنوں کے بل پانی سے منہ لگا کر خوب پیا ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ﴾ مگر ان میں سے تھوڑے لوگوں نے صرف ایک چلّو بھر پانی پر اکتفا کیا اور وہ تین سو تیرہ آدمی تھے ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ ﴾ یعنی جب اس نہر کو عبور کر لیا ﴿ هُوَ ﴾ طالوت نے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں یعنی تھوڑے سے مسلمانوں نے ﴿ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ ﴾ یعنی پانی پینے والوں نے کہا: آج ہم میں جنگ کرنے کی قوت نہیں ﴿ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ﴾ جالوت اور اس کے لشکروں کے ساتھ یہ جالوت بڑا جابر و ظالم شخص تھا' عمالقہ قوم سے تھا اور عملیق بن عاد کی اولاد سے تھا اور اس کے خود میں تین سو رطل لوہا تھا ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ﴾ جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید تھی یعنی جن کو شہادت کا یقین تھا انہوں نے کہا: (کئی دفعہ تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں) بعض نے کہا کہ ''قَالُوْا'' میں ''هُمْ'' ضمیر سے وہ بڑی جماعت مراد ہے جنہوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور طالوت اور دیگر مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور ''اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ'' سے مراد وہ قلیل جماعت ہے جو طالوت کے ساتھ ثابت قدم رہی اور ایک روایت میں ہے کہ ایک چلّو پانی ایک آدمی اور اس کی سواری کے لیے کافی ہو جاتا (اور اسی ایک چلّو پانی سے اس کی اور اس کی سواری کی پیاس بجھ جاتی) اور جنہوں نے (نافرمانی کر کے پیٹ بھر کر) پانی پی لیا تھا ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے اور ان کی پیاس پہلے سے بڑھ گئی تھی ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ ﴾ ''كَمْ'' خبریہ ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے ﴿ غَلَبَتْ ﴾ اس کی خبر ہے ﴿ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد سے (چھوٹی جماعتیں) بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں ﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

پھر جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے سامنے آئے تو انہوں نے (دعا کرتے ہوئے) کہا: اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہماری مدد فرماO تو انہوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اس کو سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جتنا چاہا انہیں علم عطا فرمادیا اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض سے بعض کا دفاع نہ کرتا تو زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر بہت فضل فرمانے والا ہےO یہ اللہ کی آیات ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں' اور بے شک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیںO

۲۵۰- ﴿وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ﴾ اور جب طالوت اور اس کے ساتھی جالوت اور اس کے لشکروں کو قتل کرنے کے لیے نکلے تو ﴿قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! دشمنانِ دین سے جنگ کرنے کے لیے ہمیں صبر عطا فرما اور ''اَفْرِغْ'' کا معنی ہے: ڈال دے ﴿وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا﴾ اور ہمارے دلوں کو تقویت دے کر اور ہمارے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر ہمیں ثابت قدم رکھ ﴿وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ اور کافر قوموں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

۲۵۱- ﴿فَهَزَمُوهُم﴾ یعنی طالوت اور مسلمانوں نے جالوت اور اس کے لشکر کو شکست دے دی ﴿بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ﴾ حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ دراصل حضرت داؤد علیہ السلام کے والد گرامی جناب ایشا اپنے دیگر چھ بیٹوں کے ساتھ طالوت کے لشکر میں شامل تھے اور حضرت داؤد ان کے ساتویں بھائی تھے اور یہ سب سے چھوٹے تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ جالوت کو حضرت داؤد ہی قتل کریں گے تو انہوں نے ان کے باپ سے مانگ لیا' پس وہ آ گئے اور راستے میں چلتے ہوئے تین پتھروں کے پاس سے گزرے تو ان میں سے ہر ایک پتھر نے پکار کر کہا کہ آپ ہمیں اٹھالیں اور آپ سے ہر پتھر نے کہا: بلاشبہ آپ ہمارے ذریعے ہی جالوت کو قتل کریں گے' چنانچہ آپ نے ان کو اپنے کشکول میں اٹھالیا اور وہ پتھر جالوت کو مارے اور اس کو قتل کر ڈالا اور طالوت نے اپنی بیٹی حضرت داؤد سے بیاہ دی (جس کی وجہ سے لوگ حضرت داؤد کے گرویدہ ہو گئے) پھر طالوت نے ان سے حسد کرنا شروع کر دیا اور ان کو قتل کرنا چاہا (مگر بعد میں توبہ کر لی)' پھر تائب ہو کر فوت ہو گئے ﴿وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو سرزمینِ مقدس کے مشارق و مغارب کی سلطنت عطا فرمائی اور حضرت داؤد سے پہلے بنی اسرائیل کسی بادشاہ پر متفق نہیں ہوئے تھے ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور نبوت عطا فرمائی ﴿وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا آپ کو علم عطا فرمادیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ سازی اور جانوروں اور پرندوں کی بولی کا علم عطا فرمایا اور اس کے علاوہ جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ کو علم عطا فرمایا ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ﴾ [''اَلنَّاسَ'' مفعول بہ ہے] ﴿بَعْضَهُم﴾ [یہ ''اَلنَّاسَ'' سے بدل ہے' قاری نافع مدنی نے ''دَفْعُ اللّٰهِ'' کی بجائے ''دِفَاعُ اللّٰهِ'' پڑھا ہے اور ''دِفَاعٌ'' ''دَفَعَ يَدْفَعُ'' یا ''دَافَعَ يُدَافِعُ'' کا مصدر ہے] ﴿بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض کے ذریعے بعض لوگوں کا دفاع نہ کرتا اور بعض نیکوں کے ذریعے دوسرے بعض کا فساد نہ روکتا تو فسادی لوگ غالب آ جاتے اور زمین تباہ ہو جاتی اور اس کے فوائد یعنی کھیتی باڑی اور نسل انسانی مٹ جاتی یا یہ معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد نہ کرتا تو کفار کے غالب آنے اور نیکوں کے قتل ہو جانے اور شہروں کے برباد ہو جانے اور بندگان خدا کو اذیت دینے کی وجہ سے زمین تباہ ہو جاتی ﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں اپنا فضل و کرم فرمایا کہ ان سے فساد کو دور کر دیا اور یہ فرمان معتزلہ کے خلاف مسئلہ اصلح میں بہترین دلیل ہے (کہ اللہ تعالیٰ تمام جہان کی اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے اور اس

کے کاموں میں ہزار ہا مصلحتیں ہوتی ہیں اور جہاد میں بھی یہی مصلحت ہے کہ کفار کی شرارت وسرکشی اور بغاوت سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا جائے)۔

۲۵۲-﴿تِلْكَ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿اٰيٰتُ اللّٰهِ﴾ ہے یعنی بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کے گھروں سے بھاگنے اور ان پر موت طاری کرنے' پھر انہیں دوبارہ زندہ کرنے اور طالوت کو بادشاہ بنانے اور ایک بچے (حضرت داؤد) کے ہاتھ سے ایک جابر وسرکش جالوت کو قتل کرانے کے واقعات وقصص میں قدرتِ خدا کی عظیم نشانیاں ہیں ﴿نَتْلُوْهَا﴾ [یہ ''اٰيٰتُ اللّٰهِ'' سے حال ہے' اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے یا ''اٰيٰتُ اللّٰهِ'' ''تِلْكَ'' سے بدل ہے اور ''نَتْلُوْهَا'' اس کی خبر ہے] ﴿عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ہم آپ پر یہ آیات وواقعات یقین کامل کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں جن میں اہل کتاب کو بھی شک نہیں ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی اسی طرح لکھا ہے ﴿وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں تب ہی تو آپ ان کو ایسے واقعات کی خبر سناتے ہیں جب کہ آپ نے نہ اہل کتاب سے سنا ہے اور نہ ہی آپ ان کی کتاب پڑھنا جانتے ہیں۔

الجزء ۳ — وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع

ع ۳۳ — ۱

یہ رسول ہیں ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو بے حساب درجوں میں بلند فرمایا اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور ہم نے پاک روح (حضرت جبریل) سے ان کی مدد فرمائی اور اگر اللہ چاہتا تو رسولوں کے بعد آنے والے لوگ روشن معجزات آ جانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور ان میں سے کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر لیا لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے O

رسولوں کے مراتب کا بیان

۲۵۳-﴿تِلْكَ الرُّسُلُ﴾ یہ اشارہ ان رسولوں کی طرف ہے جن کے واقعات وقصص اس سورت میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک بیان کیے گئے یا پھر ان رسولوں کی طرف اشارہ ہے جن کا علم رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں ثابت ہے ﴿فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ﴾ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر وصف نبوت ورسالت کے علاوہ دیگر خصائص وکمالات میں فضیلت وبرتری عنایت کی ہے کیونکہ تمام انبیاء ورسل وصف نبوت ورسالت میں مساوی اور برابر ہیں (اور تمام کے تمام مکمل طور پر سو فی صد نبی ورسول ہوئے ہیں) جس طرح تمام مؤمنین وصف ایمان میں برابر ہیں اور ایمان کے بعد اطاعات وعبادات میں مختلف ہیں (کوئی زیادہ فرماں بردار کوئی کم) پھر

اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی وضاحت بیان فرمادی کہ ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴾ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا یعنی دراصل ''كَلَّمَهُ اللّٰهُ'' ہے اس میں صلہ کی ضمیر عائد محذوف ہے یعنی ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت وعظمت عنایت کی ہے کہ ان سے بلا واسطہ براہِ راست کلام فرمایا ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ﴿ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ ﴾ ''بَعْضَهُمْ'' ''رَفَعَ'' کا پہلا مفعول ہے اور ﴿ دَرَجٰتٍ ﴾ دوسرا مفعول ہے یعنی بے شمار درجوں میں (بلند فرمایا) یا بے شمار درجوں کی طرف بلند فرمایا یعنی ان میں سے بعض کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر بلند فرمایا اور فضیلت میں ان کے باہم مختلف ہونے کے باوجود وہ کثیر درجات میں ان سب سے افضل ہے اور وہ حضرت سید انبیا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول مبعوث ہونے کی وجہ سے ان تمام انبیائے کرام پر افضل ہیں اور اس لیے بھی کہ آپ کو ایک ہزار سے بڑھ کر ایسے کمالات و امتیازات اور معجزات و خصائص عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی و رسول کو عطا نہیں فرمائے گئے اور ان سب معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے (جس کی ہر آیت مبارکہ مستقل معجزہ ہے اس طرح صرف قرآن مجید کی صورت میں آپ کے خصوصی معجزات کی تعداد ہزاروں سے بڑھ جاتی ہے) کیونکہ قرآن مجید قیامت تک باقی اور زندۂ جاوید معجزہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک صراحت کے ساتھ لینے کی بجائے مبہم ذکر کرنے میں عظمت شان کا اظہار ہے کہ آپ کی فضیلت کا علم سب پر واضح ہے چنانچہ آپ کی فضیلت و عظمت کسی پر مشتبہ و مخفی نہیں رہ سکتی اور آپ ایسے ممتاز ہیں کہ آپ کے بارے میں کسی قسم کا التباس و اشتباہ ہو ہی نہیں سکتا اور ایک قول کے مطابق اس سے حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت ابراہیم خلیل خدا علیہما الصلوٰۃ والسلام اور ان دونوں کے علاوہ دیگر اولی العزم رسول مراد ہیں ﴿ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ اور ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے ہیں جیسے مردوں کو زندہ کرنا' اور مادر زاد نابینا کو بینا کر دینا اور کوڑھ کے مریض کو شفا دے دینا وغیرہ وغیرہ ﴿ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ اور ہم نے ان کو پاک روح یعنی جبریل علیہ السلام یا انجیل کے ساتھ قوت دی ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ لڑائی نہ کرتے یعنی اختلاف نہ کرتے کیونکہ قتل و غارت کا سبب یہی اختلاف تھا ﴿ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ جو رسولوں کے بعد ہوئے ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ ان کے پاس واضح اور روشن ترین معجزات آ جانے کے بعد ﴿ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا ﴾ اور لیکن وہ میری مشیت کے مطابق مختلف ہوئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا اختلاف بیان کیا اور فرمایا: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ﴾ تو میری مشیت سے ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے رسولوں کے معاملات اسی نہج پر جاری و ساری رہے یعنی ان میں سے کسی نبی کی اطاعت پر اس کی پوری امت نہ اس کی زندگی میں متفق ہوئی اور نہ اس کی وفات کے بعد بلکہ اس سے اختلاف کیا' سو اس میں سے بعض لوگ ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے' پھر قتل کا فعل محض تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے یعنی اگر میں چاہتا کہ وہ آپس میں نہ لڑیں تو وہ نہ لڑتے کیونکہ میری سلطنت میں ہر کام میری مشیت کے موافق ہوتا ہے اور اس سے معتزلہ کا قول باطل ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ چاہتا کہ بنی اسرائیل آپس میں نہ لڑیں تو وہ نہ لڑتے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو چاہا کہ وہ نہ لڑیں لیکن پھر بھی وہ لڑ پڑے ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے (اس جملہ میں) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کے لیے مشیت و ارادے کو ثابت کیا ہے اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت کام آئے گی اور نہ دوستی اور نہ شفاعت کام آئے گی' اور کفار ہی ظالم ہیں O

شفاعت کی بحث' آیۃ الکرسی کی فضیلت اور حق و باطل کی پہچان

۲۵۴ - ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اس مال میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے یا یہ حکم عام ہے اور تمام صدقاتِ واجبہ کو شامل ہے ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ ﴾ یعنی اس دن کے آنے سے پہلے (راہِ خدا میں تم خرچ کر لو) جس میں تم راہِ اللہ خرچ نہ کرنے کی تلافی نہیں کر سکو گے کیونکہ اس دن خرید وفروخت نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم وہ سب کچھ خرید لو جو تم خرچ کرتے ہو ﴿ وَلَا خُلَّةٌ ﴾ اور نہ دوستی کام آئے گی تاکہ تمہارے دوست اس (دوستی) کی بدولت تم سے درگزر کر سکیں[1] ﴿ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ ﴾ یعنی کافروں کے لیے شفاعت نہیں ہوگی لیکن مؤمنین کے لیے شفاعت ہوگی یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش وشفاعت نہیں ہو سکے گی[2] ﴿ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ اور کافروں نے بروز قیامت اپنی حاجات کے لیے آگے کچھ نہ بھیج کر (اور راہِ خدا

---

1. یعنی کافروں کے لیے نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی شفاعت کام آئے گی کیونکہ اس دن تمام دوستیاں ختم ہو جائیں گی البتہ اللہ والوں کی دوستیاں کام آئیں گی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ O (الزخرف:۶۷) پرہیزگاروں کے علاوہ اس دن تمام گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے O

2. یاد رہے کہ صرف کافروں کے لیے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا اور نہ کافر کسی کی شفاعت کر سکیں گے لیکن مسلمانوں کی باذن اللہ شفاعت ہوگی' لہٰذا جن آیاتِ بیّنات میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ صرف کافروں کے لیے ہے اور جن آیاتِ بیّنات میں باذن الٰہی شفاعت کا ثبوت مہیا کیا گیا ہے وہ صرف مسلمانوں کے لیے ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے:

(۱) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ:۲۵۵) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے۔

(۲) مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ.. (یونس:۳) کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد۔

(۳) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا O (مریم:۸۷) لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر جس نے رحمٰن سے شفاعت کا عہد لے رکھا ہے O

(۴) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا O (طٰہٰ:۱۰۹) اس دن کسی کی شفاعت نفع نہیں دے گی مگر جس کو رحمٰن نے اجازت دے دی اور اس کی بات پسند فرمائی O

(۵) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ. (سبا:۲۳) اور اس کے پاس کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں مال خرچ کرنے کے بجائے زکوٰۃ ترک کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یا اس روز کافر ہی ظالم ہوں گے اور قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری نے "لَا بَیْعَ فِیْهِ وَلَا خُلَّةَ وَلَا شَفَاعَةَ" (ان کے آخر کو بغیر تنوین کے مفتوح پڑھا ہے)۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ خود زندہ ہے (اور) دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو کچھ ان (لوگوں) کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ لوگ اس کے علم میں سے حاصل نہیں کر سکتے مگر وہ خود جس قدر چاہے، اور اس کی کرسی (یعنی اس کا علم) آسمانوں اور زمین کو محیط ہے اور ان کی حفاظت اس کے لیے کوئی مشکل نہیں اور وہی سب سے بلند بڑی عظمت والا ہے O

۲۵۵۔ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ "لا" اپنے اسم اور خبر اور جو اس کی جگہ بدل ہوتا ہے کے ساتھ مل کر محلاً مرفوع ہے اور مبتدا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۶) اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ. (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔

(۷) وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

قیامت کے دن سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس پر فخر نہیں۔

(۸) یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةٌ اَلْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ. (سنن ابن ماجہ ص ۳۲۰، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: انبیاء، علماء پھر شہداء۔

(۹) مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَحَفِظَهٗ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبَ النَّارَ. (سنن ابن ماجہ ص ۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جس نے قرآن پڑھا اور اس کو حفظ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے خاندان میں سے دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے گا جن کے لیے جہنم واجب کر دی گئی ہوگی۔

یہاں اختصار کی وجہ سے چند آیات واحادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے۔شفاعت کی مکمل بحث "شرح صحیح مسلم" جلد دوم مطبوعہ فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور میں ملاحظہ فرمائیں، نیز سورۃ مریم آیت ۸۷ کے تحت تفسیر مدارک کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کی خبر ہے اور لفظ اللہ مبتدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿ اَلْحَیُّ ﴾ وہ باقی ہے اس پر کبھی فنا نہیں آئے گی (کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے خود زندۂ جاوید ہے) ﴿ اَلْقَیُّوْمُ ﴾ وہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور تمام مخلوق کی تدبیر اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے خوب نگرانی کرنے والا ہے ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ ﴾ اس کو اونگھ نہیں آتی "سِنَةٌ"، "نُعَاسٌ" کا ہم معنی ہے اور "نُعَاسٌ" کا معنی ہے: مکمل نیند آنے سے پہلے دماغ پر غنودگی کا چھانا ﴿ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ مفضل سے مروی ہے کہ سر میں ثقل وغنودگی کے چھانے کو "سِنَةٌ" اور آنکھوں میں غنودگی در آنے کو "نُعَاسٌ" اور دل میں غنودگی کے آ جانے کو نیند کہا جاتا ہے اور یہ "قَیُّوْمٌ" کی تاکید ہیں (یعنی قیوم وہ ہوتا ہے جس کو نہ اونگھ آئے اور نہ نیند آئے) کیونکہ جس پر یہ چیزیں طاری ہو جائیں اس کے لیے قیوم ہونا محال و ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان (لوگوں) سے کہہ دو کہ میں نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو روک رکھا ہے اگر مجھے بھی نیند یا اونگھ آ جاتی تو یہ دونوں تباہ و برباد ہو جاتے ﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی (اللہ تعالیٰ) کی ملکیت میں ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ واختیار میں ہے ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے یعنی کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی کبریائی کا بیان ہے اور یہ کہ بے شک کسی کو اختیار نہیں کہ وہ قیامت کے دن کلام کر سکے مگر وہی شخص کلام کر سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اس جملہ میں کفار کے اس خیال کا رد ہے کہ بت ان کے لیے شفاعت کریں گے ﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان سے پہلے ہو چکا اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا اور ضمیر "مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ان میں عقلاء بھی شامل ہیں ﴿ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ ﴾ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ اور ادراک نہیں کر سکتے اور دعا میں کہا جاتا ہے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ عِلْمَكَ فِیْنَا. اے اللہ ہمارے بارے میں اپنے علم کے مطابق مغفرت فرما" یہاں "عِلْمَكَ" بہ معنی "مَعْلُوْمَكَ" ہے ﴿ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ مگر جس قدر وہ چاہتا ہے بتلا دیتا ہے ﴿ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ یعنی اس کا علم آسمانوں اور زمین پر محیط ہے اور اسی سے "كُرَّاسَةٌ" (کاپی) ہے کیونکہ یہ علم پر مشتمل ہوتی ہے اور علماء کو بھی اسی لیے کراسی کا لقب دیا جاتا ہے اور علم کو کرسی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ مکان بنتا ہے اور یہ عالم کے لیے کرسی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا. (المؤمن:۷) اے ہمارے رب! تو نے رحمت اور علم کے ساتھ ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے" یا کرسی سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی مراد ہے اور بادشاہی کو کرسی کہنے کی وجہ بھی اس کا مکان ہونا ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی کرسی ہے یا کرسی سے اس کا عرش مراد ہے۔ حضرت حسن سے اسی طرح مروی ہے یا اس سے وہ تخت مراد ہے جو عرش کے نیچے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی بڑے جنگل میں لوہے کی چھوٹی سی انگوٹھی پڑی ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہے جیسے بہت بڑے جنگل کی فضیلت لوہے کی ایک چھوٹی سی انگوٹھی پر ہوتی ہے یا کرسی سے اس کی قدرت مراد ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ وَلَا یَئُوْدُهٗ ﴾ اور اس کو بھاری نہیں لگتی اور نہ اس پر مشکل ہے ﴿ حِفْظُهُمَا ﴾ آسمانوں اور زمین کی حفاظت کرنا ﴿ وَهُوَ الْعَلِیُّ ﴾ اور وہ اپنے ملک اور اپنی سلطنت میں بہت بلند ہے اور ﴿ الْعَظِیْمُ ﴾ اپنی عزت وجلالت اور بزرگی میں سب سے بڑا ہے یا "عَلِیٌّ" کا معنی ہے کہ وہ ان تمام صفات سے بلند و بالا (اور منزہ) ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور "عَظِیْمٌ" کا معنی ہے کہ وہ ان تمام صفات کے ساتھ متصف ہے جو اس کی شان کے لائق ہیں پس یہ دونوں کمالِ توحید کی جامع ہیں اور

بلاشبہ آیۃ الکرسی میں تمام جملوں کو بغیر حرف عطف کے ترتیب دیا گیا ہے کیونکہ یہ جملے بہ طور بیان لائے گئے ہیں' سو پہلے جملے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو تدبیر کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے اور اس پر نگہبان ہے اور اس سے لمحہ بھر غافل نہیں رہتا اور دوسرے جملے میں ہے کہ زمین و آسمان کی وہ تمام چیزیں جن کی وہ تدبیر فرماتا ہے ان کا مالک ہے اور تیسرے میں اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی کا بیان ہے اور چوتھے جملے میں یہ ہے کہ وہ مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے اور پانچویں جملے میں اس کے علم اور تمام معلومات کے ساتھ اس کے تعلق کی وسعت کا بیان ہے یا پھر اس کی جلالت اور اس کی قدر و منزلت کی عظمت کا بیان ہے اور اس آیت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے یہاں تک کہ اس کی فضیلت میں جتنی روایات وارد ہوئی ہیں کسی اور آیت کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں۔

فضائل آیت الکرسی

(۱) ان میں ایک وہ روایت ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا کرے گا اس کو موت کے سوا جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکے گی اور اس کو ہمیشہ نہیں پڑھے گا مگر صدیق یا عابد۔

(۲) اور جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت اس آیت مبارکہ کو پڑھ لیا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے پڑوسی کو اور پڑوسی کے پڑوسی کو اور اس کے اردگرد تمام گھروں کو امن عطا فرمائے گا۔

(۳) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انسانوں کے سردار حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور عرب کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں اور اس پر فخر نہیں اور فارس کے سردار حضرت سلمان فارسی ہیں اور روم کے سردار حضرت صہیب ہیں اور حبشہ کے سردار حضرت بلال ہیں اور پہاڑوں کا سردار طور ہے اور دنوں کا سردار جمعۃ المبارک کا دن ہے اور تمام کلاموں کا سردار قرآن مجید ہے اور قرآن کریم کا سردار سورۂ بقرہ ہے اور سورۂ بقرہ کی سردار آیۃ الکرسی ہے۔

(۴) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس گھر میں یہ آیت مبارکہ پڑھی جائے وہاں سے تیس دن تک شیطان ہجرت کر جاتا ہے اور واپس نہیں آتا اور چالیس دن تک اس میں نہ مرد جادوگر داخل ہوسکتا ہے اور نہ عورت جادوگرنی اس میں آسکتی ہے۔

(۵) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سونے کے وقت اس آیۃ الکرسی کو پڑھ کر سوئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو ساری رات صبح ہونے تک اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔

(۶) اور حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ان دو آیتوں کو شام کے وقت پڑھے گا تو ان آیات کی برکت سے صبح ہونے تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جو صبح کے وقت ان کو پڑھے گا تو ان آیات کی برکت سے شام ہونے تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور وہ دو آیات یہ ہیں: (الف) آیۃ الکرسی (ب) حٰم المؤمن سے لے کر "اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ" تک (اس کو "دارمی" نے کتاب فضائل القرآن باب ۱۴ میں روایت کیا ہے) کیونکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی توحید اور تعظیم و تکریم اور اس کی صفات عظمیٰ پر مشتمل ہیں اور اللہ رب العزت سے بڑھ کر کوئی مذکور نہیں (کیونکہ سب سے زیادہ ذکر اللہ تعالیٰ ہی کا کیا جاتا ہے) تو جو اس کا ذکر ہوگا وہ بھی تمام اذکار سے افضل ہوگا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اشرف العلوم علم توحید ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـٴُـھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

دین میں جبر نہیں ہے' بے شک نیک راہ' گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے' پھر جو شخص باطل کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اس نے بلاشبہ مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے' اور اللہ سب کچھ سننے' جاننے والا ہے O اللہ مسلمانوں کا والی و مددگار ہے' ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے' اور کافروں کے معاون شیطان ہیں' جو ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں' وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

۲۵۶- ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾ دین حق کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور وہ دین اسلام ہے اور ایک قول کے مطابق یہ جملہ خبریہ نہی کے معنی میں ہے اور ایک روایت کے مطابق ایک انصاری کے دو بیٹے تھے جو اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو گئے اور ان کا یہ باپ ان کے پیچھے پڑ گیا اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تم مسلمان ہو جاؤ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور انصاری نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میرے بعض افرادِ خانہ جہنم میں جائیں اور میں دیکھتا رہوں؟ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اس انصاری نے اپنے بیٹوں کو چھوڑ دیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ اسلام کے ابتدائی دور کی بات ہے' پھر بعد میں جہاد کے حکم سے اس کو منسوخ کر دیا گیا تھا ﴿قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ واضح دلائل کے ذریعے ایمان کفر سے متمیز ہو گیا ﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾ پس جو شیطان یا بتوں کا انکار کر دے ﴿وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو اس نے یقیناً (مضبوط رسی کو) تھام لیا ﴿بِالْعُرْوَةِ﴾ مضبوط و مستحکم ﴿الْوُثْقٰى﴾ یہ ''اَوْثَقُ'' کی تانیث ہے یعنی مضبوط و محکم اور محفوظ و مامون رسی ﴿لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ یہ ایسی مضبوط رسی ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گی' یہ نظر و استدلال سے معلوم چیز کی مشاہد و محسوس کے ساتھ تمثیل بیان کی گئی ہے تا کہ سننے والا اس کو یوں تصور کرے کہ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے' اس طرح اس کا اعتقاد محکم ہو جائے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے دین اسلام کے بارے میں اپنے اعتقاد کو بہت مضبوط و مستحکم کر لیا ہے جس میں شک و شبہ کا گزر ہرگز نہیں ہو سکتا ﴿وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کے قول و اقرار کو سننے والا ہے اور ﴿عَلِیْمٌ﴾ اس کے اعتقاد کو جاننے والا ہے۔

۲۵۷- ﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جن کا ایمان لانا اس کے ارادے میں تھا یعنی ان کا مددگار اور ان کے تمام امور و معاملات کا متولی ہے ﴿یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ﴾ ان کو کفر و گمراہی کے اندھیروں سے نکالتا ہے اور ''ظُلُمَات'' کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ اس کی مختلف اقسام ہیں ﴿اِلَى النُّوْرِ﴾ ایمان اور ہدایت کی طرف اور اس کو واحد سے اس لیے لایا گیا ہے کہ ایمان متحد ہے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا﴾ اور جنہوں نے کفر کیا اور یہ مبتدا ہے اور جملہ اور وہ ہے ﴿اَوْلِیٰٓـٴُـھُمُ الطَّاغُوْتُ﴾ یہ اس کی خبر ہے (یعنی) ان کے دوست شیطان ہیں جو ﴿یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾

ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں اور ظلمات کو اس لیے جمع لایا گیا ہے کہ ''طَاغُوْت'' کا لفظ جمع کے معنی میں ہے یعنی جو لوگ کفر پر قائم رہے اور اس پر اَڑے رہے ان کا معاملہ اس کے برعکس ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا مددگار ہے' چنانچہ اگر دین کے بارے میں ان کو شک وشبہ واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرما کر اور ان کو اس کے حل کرنے کی توفیق عنایت فرما کر ان کو شک وشبہ سے نکال لیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس شبہ سے نکل کر یقین محکم کے نور تک پہنچ جاتے ہیں اور جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ان کے دوست شیاطین ہیں جو ان کو واضح اور ظاہر وعیاں نور سے نکال کر شک وشبہ سے اندھیروں میں دھکیل دیتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم ومحترم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعجب دلایا اور ربوبیّت کا دعویٰ کرنے والے نمرود کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناظرہ سے آپ کو تسلی دی اور فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿۲۵۸﴾

وقف لازم

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس بناء پر جھگڑا کیا کہ اللہ نے اس کو بادشاہی دی تھی' جب ابراہیم نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں' ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے' سو تو اس کو مغرب سے لے آ' سو کافر کے ہوش اُڑ گئے' اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا O

مناظرۂ ابراہیم ونمرود اور مُردوں کو زندہ کرنے کے واقعات

۲۵۸- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم کے رب کی ربوبیّت کے بارے میں ان سے مجادلہ ومقابلہ کیا اور ان سے مناظرہ کرنے لگا اور ''رَبِّـــهٖ'' میں ''ھَـــا'' ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یا ''اَلَّذِیْ حَآجَّ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا رب ہے ﴿ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت عطا فرمائی تھی یعنی سلطنت کی عطا نے اس کو اِترا دیا تھا اور اس میں تکبر وغرور پیدا کر دیا تھا' سو وہ اس لیے جھگڑ پڑا تھا اور یہ آیت مبارکہ مسئلہ اصلح میں معتزلہ کے خلاف زبردست دلیل ہے[1] یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس (نمرود) نے اس وقت جھگڑا کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت عنایت کی تھی ﴿ اِذْ قَالَ ﴾ یہ جملہ ''حَـآجَّ'' کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ''اَنْ اٰتَـاهُ'' سے بدل ہے جب اس کو وقت کے معنی میں لیا جائے ﴿ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ ﴾

[1] دراصل معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب اور لازم ہے کہ وہ کافروں کو بادشاہی نہ دے ورنہ یہ بات بہت بُری ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کسی کافر کو بادشاہی عطا فرما کر مسلمانوں پر مسلط کر دے کیونکہ یہ مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہے مگر اس آیت مبارکہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ امتحان لینے کے لیے کافروں کو بادشاہی عطا فرماتا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ غوثوی

قاری حمزہ نے اس کو (''رَبِّیْ'') یا ساکن کے ساتھ پڑھا ہے' مظہری) ﴿ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ گویا نمرود نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ﴿ قَالَ ﴾ نمرود نے جواب میں کہا: ﴿ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ﴾ میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں' اس کا مقصد یہ تھا کہ میں چاہوں تو قاتل کا قتل معاف کر دوں اور چاہوں تو اس کو قتل کر دوں' پھر اس لعین نے جھگڑے کے وقت یہاں پر بات ختم کر دی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی دلیل کا اضافہ فرمایا جس میں کمزور عقل رکھنے والے کو بھی شک وشبہ نہیں ہوسکتا' چنانچہ ﴿ قَالَ اِبْرٰهٖمُ ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تو اس کو مغرب سے نکال دے اور یاد رہے کہ یہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف پھرنا نہیں جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے کیونکہ پہلی دلیل لازم تھی لیکن جب اس لعین نے زندہ کرنے کا ایک شخص کو چھوڑ دینے اور دوسرے کو قتل کر دینے کے ساتھ معارضہ پیش کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ایسے طریقے کے ساتھ اس سے کلام فرمایا جس کا وہ معارضہ پیش نہ کر سکا اور یہ لوگ اہل نجوم تھے اور مغرب سے مشرق کی طرف ستاروں کا حرکت کرنا ان کو معلوم تھا اور حرکتِ شرقیہ جو ہمیں حرکتِ قسریہ محسوس ہوتی ہے وہ ایسی ہے جیسے حوض یا کنویں کا پانی چرخی پر اپنی طبعی حرکت کی سمت کے برعکس حرکت کرتا ہے' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میرا رب سورج کو حرکت قسری کے ساتھ اس کی طبعی حرکت کے برعکس (مشرق سے مغرب کی طرف) حرکت دیتا ہے اور تو اس کو اس کی طبعی حرکت کے موافق (مغرب سے مشرق کی طرف) حرکت دے کر دکھا اور یہ اس سے زیادہ آسان ہے ﴿ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ﴾ سو وہ کافر متحیر و مدہوش ہو گیا اور مبہوت و پریشان ہو کر رہ گیا ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور اہل علم حضرات نے کہا ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کیوں نہیں کہا کہ آپ اپنے رب سے کہیں کہ وہ سورج کو مغرب سے مشرق کی طرف نکال دے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمرود کے ذہن سے یہ بات نکال دی تھی اور ایک قول کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ نمرود صرف اپنے لیے ربوبیّت کا دعوے دار تھا اور اپنے علاوہ کسی غیر کے لیے ربوبیّت کو نہیں مانتا تھا (اس لیے اس نے حضرت ابراہیم سے یہ سوال نہیں کیا تھا) اور نمرود کے قول ''اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ'' کا معنی یہ ہے کہ جس کی طرف زندہ کرنے اور مارنے کی نسبت کی جاتی ہے وہ صرف میں ہوں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ علم کلام میں گفتگو کرنے اور اس میں مناظرہ کرنے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ'' اور مجادلہ ومناظرہ دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے' پس یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی نمرود سے مناظرہ کیا تھا اور اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود سے مناظرہ ہرگز نہ کرتے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام حرام کے ارتکاب سے معصوم ہوتے ہیں اور اس لیے بھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم کافروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور جب ہم ان کو اس کی دعوت دیں گے تو وہ ضرور ہم سے اس بات کی دلیل طلب کریں گے اور دلائل بغیر مناظرہ نہیں دیئے جاسکتے'' ''شرح تاویلات'' میں اسی طرح لکھا ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ

كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی' اس نے کہا: اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اس کو سو برس تک مردہ رکھا' پھر اس کو زندہ کر دیا (اور) فرمایا کہ تو یہاں کتنی مدت ٹھہرا رہا؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا رہا ہوں' اللہ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تو ایک سو سال تک ٹھہرا رہا' پس تو اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھ جو ابھی تک نہ بدلیں' نہ سڑیں اور تو اپنے گدھے کو دیکھ اور تا کہ ہم لوگوں کے لیے تجھے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیں اور تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ' ہم ان کو آپس میں کس طرح جوڑتے ہیں' پھر ہم ان کو گوشت پہناتے ہیں' پھر جب اس پر اللہ کا اختیار واضح ہو گیا تو اس نے کہا: مجھے یقین آ گیا کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

۲۵۹- ﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ﴾ اس کا معنی ''اَوَ رَاَیْتَ مِثْلَ الَّذِیْ'' ہے یعنی کیا آپ نے اس شخص کی مانند دیکھا ہے؟ پھر اس کو حذف کر دیا گیا اس لیے کہ ''اَلَمْ تَرَ'' اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں تعجب کے کلمے ہیں یا یہ لفظ پر نہیں بلکہ معنی پر محمول ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَرَاَیْتَ كَالَّذِیْ حَاجَّ اِبْرَاهِیْمَ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ'' اور صاحب ''کشاف'' نے کہا کہ اس میں کاف حرفِ زائد ہے (اس کا معنی مطلوب نہیں صرف تحسین کلام کے لیے لایا گیا ہے) اور ''اَلَّذِیْ'' فرمان باری تعالیٰ ''اِلَى الَّذِیْ حَاجَّ'' پر معطوف ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ گاؤں سے گزرنے والا حشر و نشر اور قیامت کا منکر و کافر تھا' ایک تو اس لیے کہ نظم میں نمرود کے واقعہ کے ساتھ اسی طریقہ پر اس کو ذکر کیا گیا ہے' دوسرا یہ کہ اس کو کلمہ استبعاد (یعنی ایسا کلمہ جس سے کسی کام کے بعید از امکان کا اظہار ہو) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے ''اَنّٰى یُحْیِیْ'' (یعنی اللہ تعالیٰ کیسے زندہ کرے گا) اور اکثریت کی رائے یہ ہے کہ گزرنے والے حضرت عزیر علیہ السلام ہیں' انہوں نے چاہا کہ مُردوں کو زندہ کرنے کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھیں تا کہ بصیرت میں اضافہ ہو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا مطالبہ کیا تھا اور ''اَنّٰى یُحْیِیْ'' طریقۂ احیاء کی معرفت سے عجز کا اعتراف ہے اور زندہ کرنے والے (خدا) کی قدرت کی عظمت و بلندی کا اقرار ہے ﴿عَلٰى قَرْیَةٍ﴾ یہ بستی بیت المقدس کی تھی جس کو بخت نصر نے حملہ کر کے ویران و برباد کر دیا تھا اور اس بستی میں رہنے والے ہزاروں بنی اسرائیلیوں کو نکال دیا تھا ﴿وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ اور یہ بستی اپنی چھتوں سمیت گری پڑی تھی یا اس کی چھتیں گر گئی تھیں' پھر ان پر دیواریں گر گئی تھیں اور ہر اونچی چیز کو عرش کہا جاتا ہے ﴿قَالَ اَنّٰى یُحْیِیْ﴾ اس شخص نے کہا کہ کیسے زندہ کرے؟ یعنی ''اَنّٰى'' بہ معنی ''كَیْفَ'' ہے ﴿هٰذِهِ﴾ ''اَیْ اَهْلَ هٰذِهٖ'' یعنی اس بستی میں رہنے والوں کو ﴿اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ﴾ اللہ تعالیٰ (اس بستی کے رہنے والوں کو) ان کے مر جانے کے بعد (کیسے زندہ کرے گا) تو اللہ تعالیٰ نے اس پر سو سال تک (عبرت کی) موت طاری کر دی ﴿ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے (سو سال گزر جانے کے بعد دوبارہ) اس کو زندہ کر دیا ﴿قَالَ﴾ فرشتے نے اس سے کہا: ﴿كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ

﴿لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ﴾ تو کتنی دیر ٹھہرا؟ اس نے کہا: میں ایک پورا دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں گا' اور یہ بات اس نے اپنے ظن اور خیال سے کہی تھی اور اس میں اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے اور مروی ہے کہ وہ صبح چاشت کے وقت فوت ہوا تھا اور ایک سو سال کے بعد سورج کے غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے زندہ کیا گیا تھا' سو اس نے سورج کی طرف دیکھنے سے پہلے ''یَوْمًا'' کہہ دیا تھا' پھر اس نے سورج کی طرف توجہ کی اور سورج کا بقیہ وقت ملاحظہ کیا تو ''اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ'' کہہ دیا ﴿قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایک سو سال تک ٹھہرے ہو' پس تم اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو۔ مروی ہے کہ کھانے میں انجیر اور انگور تھا اور پینے میں انگور کا شیرہ اور دودھ تھا' چنانچہ اس نے انجیر اور انگور کو ویسے پایا جیسے وہ توڑے گئے تھے اور مشروب بھی اپنی اصل حالت میں تر و تازہ تھا ﴿لَمْ یَتَسَنَّهْ﴾ وہ کھانا پینا بالکل نہیں بگڑا' اور اس کی ''ھا'' اصلی ہے یا ''ھا'' سکتہ کی ہے اور وہ دونوں حالتوں میں ''السنۃ'' سے مشتق ہے کیونکہ اس کا لام کلمہ ''ھا'' ہے اس لیے کہ اس کی اصل ''سُنَیْھَۃٌ'' ہے اور فعل ''سَانَھْتُ'' آتا ہے' کہا جاتا ہے: ''سَانَھْتُ فُلَانًا اَیْ عَامَلْتُهٗ سَنَةً'' یعنی میں اس کے ساتھ ایک سال تک کام کرتا رہا' یا لام کلمہ ''واؤ'' ہے کیونکہ اس کی اصل ''سَنْوَۃٌ'' ہے اور فعل ''سَانَیْتُ'' آتا ہے اور اس کا معنی ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو سو برسوں نے بھی خراب نہیں کیا اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے وصل کی حالت میں ''لَمْ یَتَسَنَّ''، ''ھا'' کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے اور وقف کی حالت میں ''ھا'' کے اثبات کے ساتھ ''لَمْ یَتَسَنَّهْ'' پڑھا ہے۔ ﴿وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ﴾ اور اپنے گدھے کی طرف دیکھئے کہ اس کی ہڈیاں کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جدا ہو گئیں اور چورہ چورہ ہو گئیں اور دراصل ان کے پاس ایک گدھا بھی تھا جس کو انہوں نے باندھ دیا تھا' پھر وہ مر گیا اور اس کی ہڈیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں یا یہ معنی ہے کہ اس کی طرف دیکھئے کہ وہ اپنی جگہ میں صحیح سلامت ہے جیسے تم نے اس کو باندھا تھا اور یہ قدرت کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ہے کہ وہ گدھا بغیر چارہ اور بغیر پانی کے سو سال تک صحیح سلامت زندہ رہا جس طرح اس کا کھانا پینا تغیر و تبدیلی سے محفوظ رہا ﴿وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ﴾ اور تا کہ ہم تجھے لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیں' سو ہم نے یہ اس لیے کیا ہے کہ ہم موت طاری کرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کر دیں اور اس کے ساتھ کئی چیزوں کی حفاظت کریں اور ایک قول یہ ہے کہ واؤ کو محذوف پر معطوف کیا گیا ہے ''اَیْ لِتَعْتَبِرَ وَلِنَجْعَلَكَ'' یعنی تا کہ تو عبرت حاصل کر لے اور تا کہ ہم تجھے (اپنی قدرت کی نشانی) بنا دیں' اور بعض نے کہا کہ آپ اپنی قوم کے پاس گدھے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور فرمایا: میں عزیر ہوں لیکن لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا تو آپ نے فرمایا: تورات لاؤ' پھر آپ نے اس کو زبانی پڑھنا شروع کر دیا اور حضرت عزیز سے پہلے کسی نے بھی تورات کو زبانی نہیں پڑھا تھا' پس تورات کی یہ زبانی تلاوت آپ کا معجزہ قرار پایا اور بعض نے کہا کہ جب آپ اپنے گھر لوٹ کر آئے تو آپ نے اپنی اولاد کو بوڑھا پایا جب کہ آپ خود جوان تھے ﴿وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ﴾ اور ہڈیوں کی طرف دیکھیے یعنی گدھے کی ہڈیوں کی طرف دیکھئے یا ان مُردوں کی ہڈیوں کی طرف دیکھیے جن کو زندہ کرنے سے آپ کو تعجب ہو رہا ہے ﴿کَیْفَ نُنْشِزُهَا﴾ ہم ان کو کس طرح حرکت دیتے ہیں اور ہم ان میں سے بعض کو بعض کی طرف باہم جوڑنے کے لیے کس طرح اٹھاتے ہیں اور حجاز اور بصرہ کے قاریوں نے اس کو ''را'' کے ساتھ ''نُنْشِرُھَا'' پڑھا ہے اور اس کا اب معنی ''نُحْیِیْھَا'' ہے یعنی ہم اس کو زندہ کرتے ہیں ﴿ثُمَّ نَكْسُوْهَا﴾ یعنی پھر ہم ان ہڈیوں کو پہناتے ہیں ﴿لَحْمًا﴾ گوشت (یاد رہے کہ) ''لَحْمٌ'' (گوشت) کو مجازاً لباس قرار دیا گیا ہے ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ﴾ پھر جب اس پر ظاہر ہو گیا۔ اس کا فاعل مقدر ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' یعنی پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

تو ﴿ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ اس نے کہا: میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے پہلے جملے کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرا جملہ اس کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے عرب کا قول ہے: "ضَرَبَنِیْ وَضَرَبْتُ زَیْدًا. یعنی اس (زید) نے مجھے مارا اور میں نے زید کو مارا" اور یہ بھی جائز ہے کہ مطلب یہ ہو کہ پھر جب اس پر وہ چیز ظاہر ہو گئی جو اس پر مشکل و مخفی تھی یعنی مردوں کو زندہ کرنے کا عمل (تو اس نے کہا: مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے "قَالَ اِعْلَمْ" کو لفظ امر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ تو یقین رکھ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یا اس نے خود اپنے آپ سے کہا (کہ جان لو اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور جب ابراہیم نے عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا' اللہ نے فرمایا: کیا تمہیں یقین نہیں؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں! مجھے یقین ہے لیکن تا کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے' اللہ نے فرمایا: سوتم چار پرندے پکڑ لو اور ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لو' پھر ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے' پھر ان کو بلا لیجئے وہ تمہارے پاس پاؤں کے ساتھ دوڑتے ہوئے آ جائیں گے' اور یقین رکھئے کہ بے شک اللہ زبردست غالب ہے (اور) بڑی حکمت والا ہے ○

۲۶۰- ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ ﴾ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دے اور یہاں "اَرِنِیْ" "بَصِّرْنِیْ" کے معنی میں ہے ﴿ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ﴾ کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا اور "کَیْفَ" "تُحْیِ" کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ﴿ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ حضرت ابراہیم نے عرض کیا: کیوں نہیں! مجھے یقین ہے لیکن تا کہ میرے دل کو مزید اطمینان حاصل ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے "اَوَلَمْ تُؤْمِنْ" فرمایا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم تمام لوگوں سے بڑھ کر ایمان میں ثابت قدم ہیں تا کہ آپ وہی جواب دیں جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے پر جواب دیا ہے کیونکہ اس میں سننے والوں کے لیے بہت بڑا فائدہ ہے اور "بَلٰی" نفی کے بعد اثبات کا معنی دیتا ہے اور اب اس کا معنی یہ ہے کہ ہاں! میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے یقین کامل حاصل ہے لیکن علم ضروری و بدیہی (اور علم الیقین) کے ساتھ میں قلبی سکون و اطمینان کے لیے علم استدلالی (اور عین الیقین) کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں' نیز دلائل کے ظاہر کر دینے سے دلوں کو زیادہ سکون ملتا ہے اور بصیرت میں اضافہ ہو جاتا ہے' پھر علم استدلالی کے ساتھ تو مد مقابل کا شک دور کیا جا سکتا ہے بہ خلاف علم ضروری کے اور "لام" فعل محذوف کے متعلق ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: "وَلٰكِنْ سَاَلْتُ ذٰلِكَ اِرَادَةَ طَمَانِیَةِ الْقَلْبِ. اور لیکن میں نے یہ سوال اطمینان قلب کے ارادے سے کیا ہے" ﴿ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چار پرندے لے لو یعنی مور، مرغ، کوّا اور کبوتر ﴿فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ﴾ قاری حمزہ نے اس کو "فَصِرْهُنَّ" صاد کو مکسور پڑھا ہے یعنی ان سب پرندوں کو آپس میں جمع کر دو اور ان سب کو اپنے ساتھ مانوس کر لو ﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور ان کے ٹکڑوں کو الگ الگ کر کے اپنے سامنے والی زمین کے پہاڑوں پر رکھ دو اور وہ پہاڑ چار تھے یا سات تھے اور قاری حمزہ اور قاری ابوبکر نے "جُزُءًا" (جیم اور زا کو) مضموم پڑھا ہے ﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ﴾ پھر ان کو بلاؤ اور ان سے کہو: "تَعَالَيْنَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے پاس آ جاؤ" ﴿يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا﴾ یہ مصدر ہے اور محلاً حال ہے یعنی یہ پرندے اڑتے ہوئے یا اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے تیزی کے ساتھ تیرے پاس آ جائیں گے اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ پرندوں کو پکڑنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ ملا لیں تا کہ آپ ان کو غور سے دیکھ لیں اور ان کی صورتوں اور شکلوں کو پہچان لیں تا کہ آپ کو پرندوں کے زندہ ہو جانے کے بعد ان کے بارے میں شبہ نہ ہو اور نہ یہ وہم ہو کہ یہ وہ نہیں کوئی اور ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کو ذبح کر لیں اور ان کے پَر نوچ لیں اور ان کے گوشت کے ٹکڑے کر لیں اور ان کے حصے الگ الگ کر لیں اور پھر ان کے پروں اور خون اور گوشت کو آپس میں مکس کر لیں اور ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کے حصے پہاڑوں پر رکھ دیجئے اور ہر پہاڑ پر ہر پرندے کا ایک چوتھائی حصہ رکھا جائے، پھر بلند آواز سے پکاریں اور کہیں: "تَعَالَيْنَ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى. تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ادھر میرے پاس آ جاؤ" چنانچہ ہر حصہ اڑتا ہوا دوسرے حصے سے مل جائے گا یہاں تک کہ وہ بدن بن جائیں گے، پھر وہ اپنے سروں کے پاس آئیں اور ہر بدن اور جسم اپنے اپنے سر سے جڑ جائے گا ﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے اور اس کے ارادے کو کوئی نہیں روک سکتا ﴿حَكِيْمٌ﴾ اپنی تدبیر میں بڑی حکمت والا ہے اور وہ جو کام کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اپنی قدرت پر دلائل بیان کیے تو راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور یاد رکھو کہ جو شخص اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کو خرچ کرنے پر اجرِ عظیم ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو (۱۰۰) دانے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھا دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بہت جاننے والا ہے ○ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس پر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت

۲۶۱- ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [یہاں مضاف کو محذوف ماننا ضروری ہے "اَیْ مِثْلُ نَفْقَتِهِمْ"] یعنی ان لوگوں کے خرچ کرنے کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ اس دانے کی طرح ہے یا ان کی مثال بیج بونے والے کسان کی طرح ہے ﴿اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ اس دانے نے سات خوشے اگائے جس کے ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔ حقیقت میں اگانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن چونکہ دانہ سبب بنتا ہے اس لیے اگانے کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی ہے جیسا کہ زمین اور پانی کی طرف بھی اگانے کی نسبت کر دی جاتی ہے اور سات خوشے اگانے کا معنی یہ ہے کہ دانے سے ایک تنا نکلتا ہے جس سے سات شاخیں پھوٹتی ہیں' ان میں سے ہر شاخ میں ایک خوشہ نکلتا ہے (جس میں سو دانے ہوتے ہیں) اور یہ تمثیل صدقات و خیرات کے اجر و ثواب کو کئی گنا بڑھانے کی تصویر ہے گویا وہ دیکھنے والے کے سامنے ہے اور یہاں جس بیج کے ہر خوشے میں سو دانے ہونے کی مثال دی گئی ہے وہ باجرہ' کنگنی اور مکئی میں موجود ہے اور بسا اوقات زرخیز اور طاقتور زمین میں گندم کی شاخ پھوٹتی ہے' پھر اس کے دانے بھی اس مقدار کو پہنچ جاتے ہیں (یعنی ہر خوشے سے سو دانے نکل آتے ہیں) علاوہ ازیں یہ تمثیل (اجر و ثواب کے اعتبار سے بہر حال) صحیح ہے اور اگرچہ بالفرض واقع میں موجود نہ بھی ہوتی اور یہاں آیت میں "سُنْبُلَاتٍ" کی بجائے "سَنَابِلَ" کو لانا ایسے ہے جیسے "اَقْرَاء" کی جگہ "قُرُوْءٍ" کو لایا گیا ہے ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس کئی گنا کو جس کے لیے چاہتا مزید کئی گنا اور بڑھا دیتا ہے لیکن ہر خرچ کرنے والے کے لیے نہیں کیونکہ خرچ کرنے والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے سات سو گنا سے بھی زیادہ دے دیتا ہے' قاری ابن عامر شامی اور قاری ابن کثیر مکی نے "یُضَاعِفُ" کی بجائے "یُضَعِّفُ" پڑھا ہے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ فضل و کرم اور جود و سخا میں بڑی وسعت فرمانے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ خرچ کرنے والوں کی نیتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۲۶۲- ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں' پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتلاتے اور احسان جتلانا یہ ہے کہ جس پر احسان کیا ہے اس کے سامنے اپنے احسانات گننے لگ جائے اور اس کو بتلائے کہ اس پر بڑے احسانات کیے ہیں اور اس پر محسن کا حق واجب ہو گیا ہے اور (اس لیے بزرگانِ دین) کہا کرتے ہیں کہ جب تم کسی پر کوئی احسان کرو تو اس کو بھول جاؤ ﴿وَّلَآ اَذًى﴾ اور نہ تکلیف دے اور وہ یہ ہے کہ اپنے احسان کے سبب اس پر فخر و ناز کرے اور "ثُمَّ" کا معنی احسان و تکلیف کے ترک کرنے اور خرچ کرنے کے درمیان فرق کا اظہار کرنا ہے اور بے شک ان دونوں کو ترک کرنا خرچ کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ ایمان پر استقامت اختیار کرنے کو اس میں داخل ہونے سے بہتر قرار دیا گیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" (الفصلت:۳۰) بے شک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے" ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی ان کے لیے ان کے خرچ کرنے کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ اور ان کو نہ اجر و ثواب کے کم ہونے کا خوف ہوگا اور نہ گھٹیا اجر و ثواب ملنے کا ڈر ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ ان کو اس کے ضائع ہونے کا غم ہو گا یا (یہ معنی ہے کہ) نہ ان کو عذاب کا خوف ہوگا اور نہ ثواب کے فوت ہونے کا غم و رنج ہوگا اور یہاں اس آیت مبارکہ میں "لَهُمْ اَجْرُهُمْ" اور اس کے بعد (آیت ۲۷۴ میں) "فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ" فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اسم موصول

(اَلَّذِیْنَ) شرط کے معنی کو متضمن نہیں ہے اور وہاں اسم موصول شرط کے معنی پر مشتمل ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو' اور اللہ بڑا بے پرواہ بہت حلم والا ہے O اے ایمان والو! احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو' اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا' اس کی مثال چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو' پھر اس پر پُر زور بارش پڑی تو اس کو بالکل صاف کر دیا' وہ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں پائیں گے' اور اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

۲٦۳- ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ سائل کو احسن طریقے سے اچھا جواب دینا ﴿وَّمَغْفِرَةٌ﴾ اور مسئول (جس سے سوال کیا گیا ہے) کا سائل کی نا قابل برداشت گفتگو سن کر اس کو معاف کر دینا اور اس سے درگزر کرنا یا حسنِ جواب کے سبب اللہ سے مغفرت و بخشش حاصل کرنا ﴿خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ﴾ اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد سائل کو ستایا جائے' اور اس کو نکرہ مبتدا کی خبر بنانا صحیح ہے کیونکہ مبتدا (نکرہ محضہ نہیں بلکہ) اپنی صفت کی وجہ سے نکرہ مخصصہ بن گیا ہے ﴿وَاللّٰهُ غَنِيٌّ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے' اس کو خرچ کرنے والے کی ضرورت نہیں نہ اس کا محتاج ہے خواہ وہ سائل پر احسان جتاتا پھرے یا اس کو دکھ دے ﴿حَلِيْمٌ﴾ حلیم و بردبار ہے' وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور یہ سائل پر خرچ کر کے احسان جتانے اور اس کو دکھ پہنچانے والے کے بارے میں وعید ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) فرمان سے اس کی تاکید فرما دی:

۲٦٤- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ﴾ اے ایمان والو! احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح تم اپنے صدقات و خیرات ضائع نہ کرو۔ کاف منصوب ہے مصدر محذوف کی صفت ہے اور تقدیر (عبارت اس طرح ہے): ''اِبْطَالًا مِثْلَ اِبْطَالِ الَّذِیْ'' یعنی صدقات ضائع کرنا اس شخص کے ضائع کرنے کی طرح ہے جو ﴿يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر یعنی تم احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اپنے صدقات کا اجر و ثواب ضائع نہ کرو جس طرح ایک منافق ضائع کرتا ہے جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اپنا مال خرچ کرنے میں نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ آخرت کے ثواب کا اور ''رِئَآءَ'' مفعول لہ ہے ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے منافق کی اور اس کے مال خرچ کرنے کی جس سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا چکنے پتھر کے ساتھ مثال دی

جس پر مٹی پڑی ہو ﴿ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ ﴾ پھر اس پر بڑی دانے دار بارش برسے ﴿ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ﴾ تو اس کو اس پر پڑی ہوئی مٹی سے بالکل صاف کر دے ﴿ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ﴾ انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس میں سے کسی چیز کا ثواب حاصل نہیں کر سکیں گے ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو اس وقت تک ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر کو پسند کرتے رہیں گے۔

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿٢٦٥﴾

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی طرح ہے جو بلند سرزمین پر واقع ہو اس پر زوردار بارش ہو جائے تو وہ دُوگنا پھل لائے' پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تو اوس کافی ہے' اور اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے O

٢٦٥-﴿ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں یعنی دینِ اسلام کی تصدیق کرنے کے لیے اور اپنے نفوس کی گہرائی سے خرچ کرتے ہیں تا کہ جزا کے مستحق ہو جائیں کیونکہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ ثواب حاصل کرنے کے لیے خلوص قلب اور دل کی گہرائی سے خرچ کرنا اسلام کی تصدیق اور اس پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہے اور ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور یہ مفعول لہ پر معطوف ہے یعنی رضا حاصل کرنے اور دل کو مضبوط رکھنے کے لیے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زکوٰۃ کی مد میں ان کے مال خرچ کرنے کی مثال ﴿ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ﴾ اس باغ کی طرح ہے جو ﴿ بِرَبْوَةٍ ﴾ اونچی جگہ پر واقع ہو اور اس باغ کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ اس کے درخت بہت اچھے ہوتے ہیں اور اس کے پھل بہترین ہوتے ہیں۔قاری عاصم اور قاری ابن عامر شامی نے ''بِرَبْوَةٍ'' (را کو مفتوح پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے را کو مضموم پڑھا ہے) ﴿ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ﴾ اس پر زوردار بارش ہو جائے تو وہ (دوگنا) پھل لائے۔قاری نافع مدنی اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو نے ''اُكْلَهَا'' (تخفیف کی خاطر کاف کو ساکن کر کے) پڑھا ہے (اور باقی قراء نے کاف پر ضمہ پڑھا ہے' جس کا معنی) پھل ہے ﴿ ضِعْفَیْنِ ﴾ یعنی یہ باغ بارش سے پہلے جو پھل دیتا تھا بارش کے بعد اس پر دوگنا زیادہ پھل دینے لگا ﴿ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ﴾ پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ بھی برسے تو ہلکی بونداباندی کافی ہو جاتی ہے یعنی ایسی بارش جس کے قطرے چھوٹے چھوٹے اور معمولی ہوں' اتنی سی ہلکی بارش اس لیے کافی ہو جاتی ہے کہ اس کی زمین بہت اچھی اور زرخیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے حال کی مثال ایسے باغ کے ساتھ دی گئی ہے جو بلندی پر واقع ہو اور ان کے زیادہ اور کم خرچ کرنے کی مثال زوردار بارش اور ہلکی بونداباندی بارش کے ساتھ دی گئی ہے اور جس طرح دونوں بارشوں میں ہر ایک بارش باغ کا پھل دوگنا دیتی ہے بالکل اسی طرح رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے ان کا زیادہ یا تھوڑا مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ ہوتا ہے اور اس کے نزدیک ان کے قرب اور ان کے حسنِ حال کے لیے اضافہ کا باعث ہوتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ

تمہارے زیادہ اور کم خرچ کرنے کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان دونوں میں ریا اور اخلاص کے اعتبار سے تمہاری نیتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾

کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے ندیاں بہتیں ہوں' اس کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں' پھر اس پر گرم بگولہ آ جائے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے' اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو○

۲۶۶- ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ﴾ اس میں ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے ﴿أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ﴾ کہ اس کے لیے ایک باغ ہو ﴿مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ﴾ کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) باغ کے مالک کے لیے ﴿فِيهَا﴾ اس کے باغ میں ﴿مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ ہر قسم کے پھل تھے اور ''ثَمَرَاتِ'' سے مراد وہ فوائد ہیں جو مالک کو اس میں حاصل تھے یا اس لیے کہ جب کھجوروں اور انگوروں کے درخت زیادہ مکرم سمجھے جاتے تھے اور زیادہ منافع بخش تھے تو ان دونوں کا ذکر خاص کر لیا اور باغ کو انہی دونوں کا قرار دے دیا حالانکہ وہ باغ تمام قسم کے درختوں پر مشتمل تھا کیونکہ ان دونوں کو باقی درختوں پر غالب قرار دے دیا اور ان کے بعد ہر قسم کے پھلوں کا ذکر کر دیا ﴿وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ﴾ واؤ حال کے معنی میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا ایک باغ ہو اور اس حال میں اس پر بڑھاپا چھا جائے ﴿وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ﴾ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور اس کی واؤ بھی حال کے معنی میں ہے اور پورا جملہ ''أَصَابَهُ'' کی ''هَا'' سے محلاً حال واقع ہو رہا ہے ﴿فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ﴾ پھر اس باغ کو سخت ترین آندھی کا گرم بگولہ گھیر لے۔ ''إِعْصَارٌ'' اس سخت آندھی کو کہتے ہیں جو زمین پر گول دائرہ کی شکل میں گھومتی ہوئی ستون کی طرح آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے ﴿فِيهِ﴾ اس سخت آندھی کے بگولے میں بھڑکتی ہوئی ﴿نَارٌ﴾ آگ ہو اور یہ ظرف ہے کیونکہ ظرف کو ''إِعْصَارٌ'' کا وصف قرار دیا گیا ہے ﴿فَاحْتَرَقَتْ﴾ جس سے وہ سارا باغ جل کر تباہ و برباد ہو جائے اور یہ اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو نیک اعمال صرف ریا کاری کے لیے کرتا رہا' پھر جب قیامت کے روز یہ شخص اپنے تمام اعمال برباد دیکھے گا تو اس کو اس طرح حسرت ہوگی جس طرح اس شخص کو افسوس ہوگا جس کا پھل دار باغ ہو اور وہ خود بوڑھا ہو چکا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے ہوں اور ذریعہ معاش صرف یہی باغ ہو مگر اچانک اس پر آگ کا بگولہ آ گرے اور اس کو تباہ کر دے ﴿كَذَٰلِكَ﴾ اسی بیان کی طرح جو پہلے گزر چکا ہے ﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ﴾ اللہ تعالیٰ توحید کی تحقیق اور دین کی تصدیق کے لیے تمہارے سامنے اپنی آیات بیان فرماتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ تا کہ تم ان میں غور وفکر کرو اور ان کو سمجھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾

اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے پاکیزہ مال خرچ کرو اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اور ناقص مال کا ارادہ نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو اور تم خود اس کو نہیں لو گے مگر یہ کہ تم اس میں آنکھیں بند کرلو اور جان لو کہ بے شک اللہ بے نیاز ہے' بہت تعریف کیا ہوا ہے O شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل و کرم کا وعدہ فرماتا ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا ہے' بہت جاننے والا ہے O

۲۶۷- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنی عمدہ کمائی میں سے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرو اور یہ آیت مبارکہ اموالِ تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل ہے ﴿ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ﴾ اور ہم نے تمہارے لیے زمین کی پیداوار دانے' پھل اور معدنیات وغیرہ جو اگائی ہیں اس میں سے (خرچ کرو) اور تقدیر عبارت یوں ہے: "وَمِنْ طَيِّبَاتِ مَا أَخْرَجْنَا لَكُمْ" مگر اس سے پہلے "طَيِّبَاتِ" کے ذکر کی وجہ سے یہاں حذف کر دیا گیا ہے ﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ ﴾ ناکارہ اور ردی مال کا قصد نہ کرو ﴿ مِنْهُ تُنْفِقُونَ ﴾ کہ تم اسی کو خرچ کرنے کے لیے مخصوص کرلو اور محلاً حال واقع ہو رہا ہے یعنی تم ناقص و ردی مال کا ارادہ نہ کرو دراں حالیکہ تم خرچ کرنے والے ہو یعنی خرچ کرنے میں کوتاہی کرنے والے (نہ بنو) ﴿ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ ﴾ اور تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ تم اس کو اپنے حقوق میں نہیں لیتے ﴿ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ﴾ مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں چشم پوشی سے کام لو اور اس میں رخصت دے دو اپنے قول کے مطابق کہ فلاں شخص نے اپنا حق لینے میں چشم پوشی کر لی ہے' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی آنکھیں بند کر لے اور فروخت کرنے والے کے لیے کہا جاتا ہے: "أَغْمِضْ. یعنی تو آنکھیں بند کر لے" اور اس طرف توجہ نہ کر گویا تو نہیں دیکھ رہا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اہل عرب ردی اور خراب کھجوریں صدقہ کیا کرتے تھے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے ﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ ﴾ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے صدقات و خیرات سے بے نیاز ہے ﴿ حَمِيدٌ ﴾ وہی حمد و ثناء کا مستحق ہے یا وہ بے حد تعریف کیا ہوا ہے۔

۲۶۸- ﴿ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ ﴾ شیطان تمہیں راہِ خدا میں خرچ کرنے میں (غربت و محتاج ہو جانے سے) ڈراتا ہے ﴿ الْفَقْرَ ﴾ اور وہ تم سے کہتا ہے کہ تمہارے خرچ کرنے کا انجام یہ ہوگا کہ تم فقیر و غریب ہو جاؤ گے اور لفظ "وعد" خیر و شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے ﴿ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ﴾ اور وہ تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور وہ تمہیں بخل کی ترغیب دیتا ہے اور صدقات و خیرات کرنے سے منع کرتا ہے جیسے ایک آمر شخص اپنے مامور و ماتحت کو کسی کام کی ترغیب دیتا ہے اور

اہل عرب کے نزدیک فاحش بخیل شخص کو کہا جاتا ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ خرچ کرنے میں تم سے وعدہ فرماتا ہے ﴿مَّغْفِرَةً مِّنْهُ﴾ کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ﴿وَفَضْلًا﴾ اور وہ اپنے فضل و کرم سے تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم نے خرچ کیا ہے یا وہ تمہیں اس پر آخرت میں ثواب عطا فرمائے گا ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور جس پر چاہتا ہے اس پر وسعت و کشائش فرماتا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ وہ تمہارے تمام افعال و اعمال اور تمہاری ہر قسم کی نیتوں کو خوب جانتا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾

اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت سے نواز دیتا ہے اور جس کو حکمت سے نواز دیا جائے تو اس کو یقیناً بہت بڑی بھلائی سے نواز دیا گیا اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر عقل والے O اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اور جو منت مانتے ہو تو اللہ اس کو یقیناً جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں O اگر تم صدقات و خیرات علانیہ دو تو وہ بہت اچھا دینا ہے لیکن اگر تم ان کو چھپا کر ضرورت مندوں کو دے دو تو وہ تمہارے لیے سب سے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے گا' اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے O

۲۶۹-﴿يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ﴾ وہ جس کو چاہتا ہے قرآن و سنت کا علم عطا فرما دیتا ہے یا ایسا نافع اور مفید علم عطا فرما دیتا ہے جو بندے کو رضائے الٰہی حاصل کرنے کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے اور علم پر عمل کی توفیق عطا فرما دیتا ہے ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ اور جس کو حکمت سے نواز دیا جائے تو اس کو یقیناً بہت بڑی بھلائی سے نواز دیا گیا ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے مواعظ حسنہ سے نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر عقلِ سلیم رکھنے والے حضرات یا باعمل علماء اور اس سے مقصود عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے کیونکہ یہ تمام آیات راہِ خدا میں مال خرچ کرنے پر مشتمل ہیں۔

۲۷۰-﴿وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں یا شیطان کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو ﴿أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ﴾ یا تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یا اس کی نافرمانی میں کوئی منت مانتے ہو ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهُ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ تمہیں اس کا بدلا ضرور دے گا ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالموں سے وہ لوگ مراد ہیں جو صدقات و خیرات سے منع کرتے ہیں یا اپنے مال کو نافرمانی اور گناہوں کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں یا

ناجائز اور گناہوں کی منتیں مانتے ہیں یا منتیں مان کر پورا نہیں کرتے' ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ﴿مِنْ اَنْصَارٍ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کرے یا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو بچالے۔

۲۷۱- ﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ﴾ اگر تم صدقات و خیرات ظاہر کر کے خرچ کرو تو ان کو ظاہر کر کے خرچ کرنا اچھی چیز ہے [اور "مَا" نکرہ غیر موصولہ ہے اور موصوفہ نہیں ہے اور مخصوص بالمدح "هِیَ" ہے اور ورش کے علاوہ ابوعمرو اور نافع مدنی نے "فَنِعْمَّا هِیَ" میں نون مکسور اور عین کو ساکن کر کے پڑھا ہے اور ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے نون کو مفتوح اور عین کو مکسور پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے نون اور عین دونوں کو مکسور پڑھا ہے] ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ﴾ اگر تم صدقات کو چھپا کر دو اور وہ فقراء کو دے دو اور وہ صدقات چھپا کر ان کے مصارف تک پہنچا دو ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے یعنی چھپا کر دینا تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ صدقات سے مراد نفلی صدقات ہیں اور ظاہر کر کے علانیہ دینا فرائض میں افضل ہے کیونکہ اس میں تہمت کا خوف نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر زکوٰۃ ادا کرنے والا ایسا شخص ہو جس کا دولت مند ہونا لوگوں میں مشہور و معروف نہ ہو تو اس کے لیے چھپا کر زکوٰۃ ادا کرنا افضل ہے اور نفلی صدقات دینے والا اگر یہ ارادہ کر لے کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس کی اقتدا کریں تو اس کے لیے علانیہ صدقات دینا افضل ہے ﴿وَيُكَفِّرُ﴾ قاری نافع مدنی' قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے اس کو نون اور "را" کو جزم کے ساتھ (نُكَفِّرْ) پڑھا ہے اور قاری ابن عامر شامی اور امام قاری حفص نے "یا" کے ساتھ "را" کو مرفوع (يُكَفِّرُ) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قاریوں نے نون اور رفع کے ساتھ (نُكَفِّرُ) پڑھا ہے' سو جس نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اس نے "فا" اور اس کے مابعد کے محل پر عطف کیا ہے کیونکہ یہ جواب شرط ہے اور جس نے مرفوع پڑھا ہے اس نے اسے نیا جملہ قرار دیا ہے اور (اس کے شروع میں) "یا" پڑھنے پر یہ معنی ہوگا: "يُكَفِّرُ اللّٰهُ" ﴿عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے گناہ مٹا دے گا اور نون پڑھنے پر یہ معنی بنے گا: "نَحْنُ نُكَفِّرُ. ہم معاف کر دیں گے" ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے علانیہ اور خفیہ تمام اعمال کو ﴿خَبِيْرٌ﴾ جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ان کو ہدایت یافتہ بنانا آپ کے ذمہ لازم نہیں ہے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے' اور تم جو اچھی چیز خرچ کرو گے تو وہی تمہیں نفع دے گی' اور تم خرچ نہیں کرو گے مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے' اور تم جو اچھی چیز خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا بدلا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

۲۷۲- ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ﴾ آپ کے ذمے ان کو ہدایت یافتہ بنانا نہیں یعنی آپ پر یہ واجب و لازم نہیں کہ آپ ان کو مکمل ہدایت یافتہ بنا دیں اور ان تمام برائیوں سے روک دیں جس سے ان کو منع کیا گیا ہے مثلاً صدقات کے بعد احسان جتلانے اور ان کو دکھ پہنچانے اور ناقص و خراب مال خرچ کرنے سے روکنا آپ پر واجب نہیں مگر یہ کہ آپ ان کو نواہی و اوامر کی تبلیغ کر دیں اور بس ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے یا

ہدایت کی توفیق دینا آپ پر لازم نہیں یا ہدایت کا پیدا کرنا آپ کے ذمہ لازم نہیں کیونکہ توفیق دینا اور ہدایت کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے (آپ کا کام ہدایت کی طرف دعوت دینا اور راہِ حق دکھانا ہے اور بس) ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ﴾ اور تم جو عمدہ مال خرچ کرو گے ﴿فَلِاَنْفُسِكُمْ﴾ تو وہ تمہارے لیے ہے' اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور تمہارے غیر کو نفع نہیں ہوگا' پس تم اس کے ذریعے لوگوں پر احسان نہ رکھو اور ان پر ظلم و تکبر کر کے انہیں تکلیف نہ دو ﴿وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ﴾ اور تم خرچ نہیں کرو گے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یعنی تمہارا خرچ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور ان انعامات کو طلب کرنے کے لیے ہو جو اس کے پاس محفوظ ہیں' سو تمہیں کیا ہوا کہ اس کے ساتھ لوگوں پر احسان رکھو اور ایسا ناقص مال خرچ کرو جس کی مثل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں کی جاتی' یا یہ نفی نہی کے معنی میں ہے یعنی تم خرچ نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ﴾ اور تم جو اچھا مال خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا بدلا دیا جائے گا بلکہ اس کا ثواب کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا تو اب تمہارے لیے کوئی عذر نہیں کہ تم خرچ کرنے سے منہ موڑ لو اور اس کو احسن اور بہتر طریقے سے خرچ نہ کرو ﴿وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ تمہارے لیے ثواب میں کسی قسم کی کمی کی جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْئًا" (الکہف:۳۳) یعنی اس میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا"۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْــٴَـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ع ۳۷ الربع · وقف منزل

(یہ صدقات) ان فقیروں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں زمین میں چل پھر نہیں سکتے' نادان لوگ ان کو امیر خیال کرتے ہیں' تم ان کو ان کی صورت سے پہچان لو گے وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے' اور تم جو اچھا مال خرچ کرتے ہو تو اللہ اس کو خوب جانتا ہے O جو لوگ اپنا مال رات' دن' خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

۲۷۳- ﴿لِلْفُقَرَآءِ﴾ حرف جار لام محذوف کے متعلق ہے "اَیْ اِعْمَدُوْا لِلْفُقَرَآءِ. یعنی خرچ کرنے میں فقیروں کو دینے کا ارادہ کرو' یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے "اَیْ هٰذِهِ الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ. یعنی یہ صدقات و خیرات فقراء و محتاجوں کے لیے ہیں' ﴿الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ جن کو جہاد نے روک دیا ہے اور ان کو کاروبار کرنے سے منع کر دیا ہے ﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ﴾ جہاد میں مصروفیت کی وجہ سے وہ یہ طاقت نہیں رکھتے ﴿ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ﴾ کہ کاروبار کرنے اور کمانے کے لیے زمین میں سفر کرتے پھریں اور ایک قول کے مطابق وہ اصحاب صفہ ہیں اور وہ مہاجرینِ قریش میں

سے تقریباً چار سو آدمی تھے جن کے لیے مدینہ منورہ میں رہائش گاہیں نہیں تھیں اور نہ مدینہ منورہ میں ان کے قبائل آباد تھے اور یہ لوگ مسجد نبوی کے صفہ یعنی چھت دار برآمدے میں رہتے تھے' رات کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے اور دن کو کھجوروں کی گٹھلیاں چن کر توڑتے اور غذا بناتے اور ہر جنگی لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے باہر جایا کرتے تھے اور ان کو خود رسول اللہ ﷺ بھیجا کرتے تھے' جب شام ہوتی تو جس شخص کے پاس زائد خوراک ہوتی وہ اس کو ان کے پاس لا کر پیش کر دیتا ﴿یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ﴾ اور جاہل اور نادان لوگ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ان کو (امیر) خیال کرتے ہیں۔ ابن عامر شامی' یزید' حمزہ اور عاصم سوائے اعشیٰ اور هبیرہ کے انہوں نے ''یَحْسَبُهُمْ'' (سین کو فتح کے ساتھ) پڑھا ہے اور باقی قراء نے سین کو کسرہ دے کر (یَحْسِبُهُمْ) پڑھا ہے ﴿اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ لوگ ان کو غنی خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ کسی کے سامنے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ﴾ آپ ان کو ان کی شکل و صورت یعنی چہروں کی پیلاہٹ (پیلا پن) اور کمزور حالت سے پہچان لیں گے ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ وہ لوگوں سے گڑگڑا کر عاجزی دکھا کر سوال نہیں کرتے بعض نے کہا کہ یہاں سوال اور عاجزی دکھانے' دونوں کی نفی ہے جیسے کسی کا قول ہے:'' عَلٰی لَاحِبٍ لَا يُهْتَدٰى بِمَنَارِهٖ. وہ کھلی سڑک پر منار کے ساتھ بھی منزلِ مقصود تک نہیں جا سکتا'' شاعر نے منار اور اس سے ہدایت پانے' دونوں کی نفی کی ہے اور ''اِلْحَاح'' کہتے ہیں سوال میں اصرار کرنا اور اس طرح چمٹ جانا کہ بغیر کچھ وصول کیے مسئول سے جدا نہ ہونا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ بردبار سوال کرنے سے بچنے والے پاک دامن سے محبت کرتا ہے' اور بدحال سائل حد سے زیادہ گڑگڑانے والے سے بغض رکھتا ہے اور بعض نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ سوال کرتے تو بڑی نرمی کے ساتھ سوال کرتے تھے' حد سے زیادہ اصرار نہیں کرتے تھے نہ گڑگڑاتے تھے ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ اور تم جو اچھا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اس کو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ضائع نہیں ہو گا۔

۲۷٤۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ جو لوگ اپنے مال رات' دن' خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ یہاں ''سِرًّا'' اور ''عَلَانِيَةً'' دونوں حال واقع ہو رہے ہیں یعنی دراں حالیکہ وہ چھپا کر خرچ کرنے والے ہیں اور دراں حالیکہ علانیہ خرچ کرنے والے ہیں یعنی تمام اوقات اور تمام احوال میں عام طور پر صدقہ خیرات کرتے رہتے ہیں' جب بھی انہیں کسی محتاج کی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے جلدی کرتے ہیں اور اس میں تاخیر نہیں کرتے اور کسی وقت اور حال میں عذر تک نہیں کرتے اور ایک قول کے مطابق یہ آیت مبارکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے چالیس ہزار دینار صدقہ کے خرچ کیے' دس ہزار رات کو اور دس ہزار دن کو اور دس ہزار چھپا کر اور دس ہزار علانیہ خرچ کیے یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی' آپ صرف چار درہموں کے مالک تھے جن میں سے ایک درہم رات کو اور ایک درہم دن کو اور ایک درہم خفیہ اور ایک درہم علانیہ خرچ کیا ﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ سو ان کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن کھڑے نہیں ہو گے' مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو' یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا: خرید و فروخت سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے تو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ باز آ گیا تو اس سے پہلے وہ جو کچھ لے چکا تھا وہ اس کے لیے حلال ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جس نے دوبارہ سود لیا تو وہ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

سود کی حرمت کا بیان

۲۷۵- ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ﴾ مال کے عوض مال کے مقابلے میں جو زائد از معاوضہ ہو وہ سود ہے' ربٰو ا کو واؤ کے ساتھ ان کی لغت پر لکھا جاتا ہے جو اس میں تفخیم کرتے ہیں جیسا کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو لکھا جاتا ہے اور اس کے بعد جمع کی واؤ سے تشبیہ دینے کے لیے الف لکھا جاتا ہے ﴿ لَا يَقُوْمُوْنَ ﴾ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو وہ کھڑے نہیں ہوں گے ﴿ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ ﴾ مگر اس طرح اٹھیں گے کہ اس کو شیطان نے چھو کر بے ہوش کر دیا ہے یعنی مرگی کے بیمار آدمی کی طرح۔ چونکہ سود خور معاملات میں لوگوں کو بے وقوف بنایا کرتا تھا اس لیے اس کے مقابلے میں اسے یہی سزا دی گئی۔ ''خبط'' کا معنی ہے: اندھی اونٹنی کی طرح پاؤں مارتے ہوئے بے راہ چلنا ﴿ مِنَ الْمَسِّ ﴾ چھونے سے یعنی جنون کی وجہ سے اور یہ ''لَا يَقُوْمُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی شیطان کے چھونے کی وجہ سے وہ نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح مرگی کا بیمار آدمی اٹھتا ہے یا یہ ''يَقُوْمُ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی جس طرح جنون کی وجہ سے مرگی کا بیمار کھڑا ہوتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ سود خور قیامت کے روز حالتِ جنون میں کھڑے ہوں گے جس طرح مرگی کا بیمار آدمی دیوانہ ہوتا ہے' یہ ان کی علامت و نشانی ہو گی جس کے ذریعے اہل موقف ان کو پہچان لیں گے اور بعض نے کہا ہے: جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو میدان محشر کی طرف تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے جائیں گے مگر سود خور اٹھتے ہی گر پڑیں گے' مرگی والے کی طرح بے ہوش ہوں گے اس لیے کہ انہوں نے دنیا میں سود کھایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹوں کو بڑھا کر پھولا دیا یہاں تک کہ ان کے پیٹ اتنے بوجھل ہو جائیں گے کہ وہ کھڑے ہونے کی کوشش کریں گے مگر کھڑے نہیں ہو سکیں گے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ عذاب ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ اس سبب سے ہو گا کہ ﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ انہوں نے کہا: خرید و فروخت سود کی طرح ہے اور ''اِنَّمَا الرِّبٰوا مِثْلُ الْبَيْعِ'' نہیں فرمایا یعنی سود بیع (خرید و فروخت) کی طرح ہے حالانکہ گفتگو سود کے بارے میں ہو رہی ہے خرید و فروخت کے بارے میں نہیں اس لیے کہ یہ بہ طور مبالغہ فرمایا گیا اور وہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد سود کی حلت کے بارے میں مبالغے کی حد تک پختہ ہو چکا تھا اس لیے تو انہوں نے سود کو حلت میں اصل اور قانون قرار دیا حتیٰ کہ انہوں نے بیع (یعنی خرید و فروخت) کو سود کے مشابہ قرار دیا ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا

اور سود کو حرام قرار دیا ہے اور اس سے بیع اور ربٰوا میں مساوات و برابری کی نفی کر دی گئی ہے کیونکہ حلت و حرمت دو متضاد چیزیں ہیں اس لیے آپس میں ایک دوسرے کے مماثل کیسے ہو سکتی ہیں اور قیاس کی دلالت کو قرآن مجید کی اس نص نے ختم کر دیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا بیع کو حلال قرار دینا اور سود کو حرام قرار دینا ان کے قیاس کے بطلان کی واضح دلیل ہے ﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سو جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت پہنچ چکی اور سود سے نہی کی ڈانٹ مل چکی ﴿فَانْتَهٰى﴾ پھر اس نے نہی کی پیروی کی اور سود سے رک گیا ﴿فَلَهٗ مَا سَلَفَ﴾ تو اس کے لیے حلال ہے جو پہلے لے چکا' لہٰذا اس سے گزشتہ سود پر مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ حرمت کے نزول سے پہلے لے چکا ﴿وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے' وہی قیامت کے روز اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا اور اس کے معاملے میں تمہارا کچھ تعلق نہیں' لہٰذا تم اس سے اس کا مطالبہ نہ کرو ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ زجاج سے یہ معنی منقول ہے کہ جس نے دوبارہ سود کو حلال سمجھا یا جس نے دوبارہ سود کو حلال سمجھ کر لیا ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ سو وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ وہ سود کو حلال سمجھ کا کافر ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس کو جو شخص حلال کرے گا وہ کافر ہو جائے گا' لہٰذا وہ دائمی دوزخ کا مستحق ہو گیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ معتزلہ کا فاسقوں کے لیے دائمی عذاب ثابت کرنے کا اس آیت مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی تو ان کے لیے ان کا اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان دار ہو O پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارے لیے جائز ہیں تم کسی پر ظلم نہ کرو تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

۲۷۶۔ ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا﴾ اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے یعنی اس سے برکت کو اٹھا لیتا ہے اور جس مال میں سود شامل ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا ہے ﴿وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اس کو زیادہ کرتا ہے یعنی جس مال سے صدقہ نکالا جاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ کرتا ہے اور اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے

کہ زکوٰۃ مال میں سے کچھ کم نہیں کرتی[1] ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ﴾ سود کو حلال سمجھ کر بڑے کفر کرنے والے ناشکرے اور ﴿اَثِيْمٍ﴾ سود کھانے کی وجہ سے گناہ میں سرکشی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

۲۷۷- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سود کی حرمت پر ایمان لے آئے۔

۲۷۸- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو یعنی سود خوروں نے لوگوں پر جو سود لاگو کر رکھا تھا اس میں سے کچھ لے لیا اور جو باقی رہ گیا ہے اس کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اس باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اور اس کا مطالبہ نہ کرو اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ قریش کی قوم پر ان کا مال قرض تھا اور انہوں نے مال لینے کے مواقع پر اصل مال کے ساتھ سود کا مطالبہ بھی کیا ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم کامل مومن ہو کیونکہ کمال ایمان کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا حکم دیا جائے اس پر عمل کیا جائے۔

۲۷۹- ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا یقین رکھو یعنی جان لو۔ یہ ''اَذِنَ بِالشَّيْءِ'' سے بنا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کو کوئی جان لے اور اس کی تائید حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سے ہو جاتی ہے جس میں ہے: ''فَاَيْقِنُوْا. پس تم یقین کرو''۔ قاری ابن غالب کے علاوہ قاری حمزہ اور قاری ابوبکر نے ''فَآذِنُوْا'' پڑھا ہے یعنی اپنے علاوہ دوسروں کو اس جنگ سے آگاہ کر دو اور اللہ تعالیٰ نے ''بِحَرْبِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' نہیں فرمایا کیونکہ ''بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' فرمانا زیادہ بلیغ و فصیح ہے اس لیے کہ اب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ایک بہت بڑی قسم کی جنگ کا یقین کر لو۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو قبیلہ ثقیف نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ﴾ اور اگر تم توبہ کر لو اور سود سے باز آ جاؤ ﴿فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ﴾ تو تمہارا اصل مال تمہارے لیے جائز ہے، تم مقروضوں سے اصل مال سے زیادہ کا مطالبہ کر کے ان پر ظلم نہ کرو ﴿وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ اور اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

ع ۳۸ ۶

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو خوشحال ہونے تک اس کو مہلت دے دو اور تمہارا (اپنا اصل مال) ان پر صدقہ کر دینا

[1] مسلم کتاب البر رقم الحدیث:۶۹ ' ترمذی کتاب البر باب ۸۲ ' دارمی کتاب الزکوٰۃ باب ۳۴ ' موطا کتاب الصدقہ باب ۱۲ ' مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۲۵-۳۸۶

تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

۲۸۰۔ ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ﴾ اور اگر تمہارے قرض داروں میں سے کوئی قرض دار تنگ دست ہو ﴿فَنَظِرَةٌ﴾ تو اس کے حق میں مہلت کا فیصلہ زیادہ بہتر ہے ﴿اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ خوشحال ہو جانے تک۔قاری نافع مدنی نے "مَيْسُرَةٍ" (میں سین کو مضموم) پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا﴾ قاری عاصم نے اس کو بغیر شد کے مخفف پڑھا ہے اس کے علاوہ نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے دراصل دو "تا" میں سے ایک حذف کرنے پر تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور ادغام کی صورت میں تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی تم اپنے قرض داروں میں سے تنگ دستوں پر اپنا اصل کل مال یا بعض صدقہ کر دو (تو سب سے بہتر ہے) ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ قیامت میں تمہارے لیے بہتر ہوگا اور بعض نے کہا کہ صدقہ دینے سے مراد مہلت دینا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان مقروض کو مہلت دے گا تو وہ اس کے لیے ہر روز صدقہ شمار ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تو تم اس پر عمل کرتے گویا ان کو ان لوگوں میں سے کر دیا گیا جو اس پر عمل نہیں کرتے اور اگر وہ اس کو جانتے بھی تھے تو گویا وہ اس کو نہیں جانتے۔

۲۸۱۔ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور تم ڈرو اس دن سے جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔قاری ابو عمرو نے "تَرْجِعُوْنَ" (یعنی "تا" کو مفتوح پڑھا ہے کیونکہ "رَجَعَ" لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ یہ آخری آیت ہے جس کو حضرت جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا کہ اے محبوب! اس کو سورۂ بقرہ کی دو سو اسّی آیات کے بعد رکھیے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اکیس دن یا اکیاسی دن یا سات دن یا پھر صرف تین ساعات زندہ رہے ﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا یعنی اس کی کمائی کی پوری جزا دی جائے گی ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور نیکیاں کم کر کے اور برائیاں زیادہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ
فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ
مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ
رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ
الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا

إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقرر مدت تک کسی قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک عدل و انصاف کے ساتھ دستاویز لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے تو اسے ضرور لکھ دینا چاہیے اور جس شخص پر قرض ہے وہ لکھا تا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اس کے حق میں کچھ کم نہ کرے پھر اگر جس پر قرض ہے اگر وہ کم عقل ہے یا کمزور ہے یا لکھنا نہیں جانتا تو اس کا متولی انصاف کے ساتھ لکھا دے اور تم اپنے مردوں میں دو گواہ بنالو پھر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہوتا کہ ان میں سے ایک بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو آنے سے انکار نہ کریں اور مقررہ مدت تک دستاویز لکھنے سے ملال نہ کرو قرض بڑا ہو یا چھوٹا یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو خوب قائم رکھنے والی ہے اور بہت قریب ہے کہ (اس لکھائی کی وجہ سے) تم شک وشبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ وہ سودا جس کا تم ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہو وہ دست بہ دست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور جب تم ایک دوسرے سے خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالو اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً یہ تمہارا فسق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O

کاروبار اور لین دین میں دستاویزات کی تحریری اہمیت

۲۸۲- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ﴾ اے ایمان والو! جب تم کسی کو قرض دو یعنی جب تمہارا کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو قرض دے۔ کہا جاتا ہے: "دَایَنْتُ الرَّجُلَ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب تم اس کے ساتھ قرض کا معاملہ کرو خواہ قرض دینے کا معاملہ ہو یا لینے کا ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور معین مدت تک جیسے کھیتی کاٹنے یا اناج صاف کرنے یا حجاج کے آنے کی تاریخ مقرر کرنا اور بے شک دَین کا ذکر ضرور محسوس کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "إِذَا تَدَايَنتُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى" نہیں فرمایا تا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَاكْتُبُوهُ﴾ میں ضمیر کو دین کی طرف لوٹایا جائے کیونکہ اگر پہلے دین کا ذکر نہ کیا جاتا تو واجب ہو جاتا کہ یوں کہا جائے: "فَاكْتُبُوا الدَّيْنَ" اور اس کی وجہ سے قرآن مجید کے نظم کا حسن نہ رہتا اور اس لیے بھی تا کہ واضح ہو جائے کہ قرض کی کئی قسمیں ہوتی ہیں نقد اور ادھار (میعادی اور غیر میعادی) اور بے شک قرض کو لکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ بھولنے سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے اور بہت مستحکم ہو جاتا ہے اور انکار کرنے سے بہت دور ہو جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ جب تم ادھار قرض پر آپس میں لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ مستحب امر ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس دین سے مراد بیع سَلَم ہے (یعنی کسی چیز کی قیمت پہلے وصول کر لی

جائے اور وہ چیز خریدار کو کچھ مدت کے بعد مقررہ تاریخ کو دی جائے) اور انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرمایا ہے تو بیع سَلَم کو مباح قرار دے دیا ہے اور انہی سے مروی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیع سَلَم کو مقررہ مدت تک کی ضمانت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں طویل ترین آیت کریمہ نازل فرمائی ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سَلَم میں مدت کا ذکر شرط ہے ﴿ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ ﴾ اور چاہیے کہ تمہارے درمیان یعنی قرض لینے اور دینے والے کے درمیان لکھ دیا کرے ﴿ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ﴾ انصاف کے ساتھ لکھنے والا اور ''بِالْعَدْلِ'' ''كَاتِبٌ'' کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے یعنی ایسا کاتب ہو کہ وہ جو کچھ لکھتا ہے اس پر امین ہو بڑی احتیاط کے ساتھ لکھتا ہو اور اس پر جس قدر لکھنا واجب ہے اس سے نہ زیادہ لکھے اور نہ کم لکھے اور اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ کاتب فقیہ ہو اور دستاویزی شرائط کا عالم ہو حتیٰ کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ شریعت کے مطابق اپنے مکتوب پیش کر سکے اور ایسے کاتب کا انتخاب کرنا لین دین کرنے والوں کا کام ہے کہ وہ اپنی دستاویز صرف متدیّن عالم سے لکھوائیں تا کہ وہ دستاویز میں متفقہ تحریر درج کرے ﴿ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ ﴾ اور لکھنے والوں میں سے کوئی کاتب انکار نہ کرے ﴿ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ﴾ لکھنے سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دستاویز لکھنے کی تعلیم دی ہے وہ تبدل و تغیر سے کام نہ لے اور ''كَمَا'' ''اَنْ يَّكْتُبَ'' کے متعلق ہے ﴿ فَلْيَكْتُبْ ﴾ سو اسے چاہیے کہ اس کتابت کو لکھا کرے اور اس سے منہ نہ موڑے ﴿ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ ﴾ اور وہ شخص دستاویز لکھوائے جس پر قرض ہو اور جس پر قرض واجب ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں لکھوائے گا کیونکہ اس کے ذمے قرض کے ثبوت اور اس کے اقرار کے لیے گواہی لی جائے گی لہٰذا یہ تحریر اس کی زبانی اس پر اقرار ثابت ہو گی اور ''اِمْلَالٌ'' اور ''اِمْلَاءٌ'' دونوں لغتیں ہیں ﴿ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ اور جس شخص پر قرض ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور لکھوانے سے نہ رکے ورنہ اپنے کل حق کا انکاری ہو گا ﴿ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ﴾ اور وہ لکھوانے میں اس حق میں سے کچھ کم نہ کرے، جو اس پر واجب ہے ورنہ وہ اپنے حق کے بعض حصے کا انکاری ہو گا ﴿ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا ﴾ پھر اگر جس پر قرض ہے وہ کم عقل یعنی دیوانہ ہو کیونکہ سفاہت عقل میں کمی کو کہتے ہیں یا فضول خرچی یا تصرف سے جہالت کے سبب اس کو کاروبار سے روک دیا گیا ہو ﴿ اَوْ ضَعِيْفًا ﴾ یا بچہ ہو ﴿ اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ ﴾ یا وہ لکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یعنی لکھنے سے عاجز ہو یا گونگا ہو یا زبان نہ جانتا ہو ﴿ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ ﴾ تو چاہیے کہ اس کا سرپرست لکھوائے جو اس کے معاملات کا متولی ہو اور اس کا قائم مقام ہو ﴿ بِالْعَدْلِ ﴾ انصاف سے کام لے کر حق اور سچ لکھائے ﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ ﴾ اور دو گواہ طلب کرو جو تمہارے حق میں لین دین کے متعلق گواہی دیں ﴿ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ تمہارے مردوں میں سے یعنی مسلمانوں کے مردوں سے (کیونکہ کفار کی گواہی مسلمانوں کے بارے میں قابلِ قبول نہیں) اور مسلمان ہونے کے ساتھ اس کا بالغ اور آزاد ہونا بھی گواہی میں شرط ہے اور ہمارے نزدیک کفار کی گواہی آپس میں ایک دوسرے کے حق میں قبول ہے ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ ﴾ پھر اگر دو مرد گواہی دینے کے لیے میسر نہ ہوں ﴿ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ ﴾ تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں اور حدود اور قصاص کے علاوہ باقی مالی معاملات میں عورتوں کے ساتھ مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے ﴿ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو اور جن کی عدالت و انصاف پسندی کو تم جانتے ہو اور یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ناپسندیدہ شخص بھی گواہ ہو سکتا ہے ﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ﴾ اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک عورت گواہی کو بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے [قاری حمزہ نے ''اِنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا'' شرط کے ساتھ پڑھا ہے اور ''فَتُذَكِّرُ'' کی را کو مرفوع اور کاف کو مشدد پڑھا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ عَادَ

فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ. (المائدہ:۹۵) جو دوبارہ شکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلا لے گا''۔ [قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے ''فَتُذْكِرَ'' کی را کو منصوب پڑھا ہے یہ ''ذِكْرٌ'' سے ہے ''تَذْكُرٌ'' سے نہیں] ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا﴾ اور جب گواہوں کو گواہی کی ادائیگی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں یا جب انہیں گواہ بننے کے لیے لایا جائے تو وہ انکار نہ کریں تا کہ ان کے حقوق برباد نہ ہو جائیں اور ان کو گواہ بننے سے پہلے گواہ اس لیے کہا کہ ان کو اس مقام پر فائز ہونے والوں کا قائم مقام قرار دے دیا' سو پہلی صورت (گواہی دینا) فرض ہے اور دوسری صورت (گواہ بننا) مستحب ہے ﴿وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا﴾ اور ملال نہ کرو۔ شاعر کہتا ہے کہ تو ابھی زندگی کی تکالیف سے گھبرا گیا ہے اور تیرا باپ نہ رہے زندگی سے تو وہ اکتائے جو اسی سال کی زندگی گزار رہا ہے ﴿اَنْ تَكْتُبُوْهُ﴾ [اس کے لکھنے سے اور اس کی (ہ) ضمیر ''دَيْـــن'' یا حق کی طرف لوٹتی ہے] ﴿صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا﴾ حق کسی حال میں ہو' چھوٹا ہو یا بڑا (اس کو لکھ لو) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سَلَم کپڑوں میں بھی جائز ہے کیونکہ جو چیز ماپ کر دی جائے یا تول کر دی جائے تو اس کے بارے میں چھوٹا اور بڑا نہیں کہا جاتا البتہ پیائشی اشیاء کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر دستاویز کی طرف لوٹتی ہو جس میں لین دین کا معاہدہ لکھا تا ہے اور یہ کہ مختصر لکھو یا مفصل لکھو یا ﴿إِلٰٓى اَجَلِهٖ﴾ لین دین کرنے والوں کی متفقہ مدت تک لکھ لو ﴿ذٰلِكُمْ﴾ [''اَنْ تَكْتُبُوْهُ'' کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ مصدر کے معنی میں ہے] یعنی وہ لکھنا ﴿اَقْسَطُ﴾ انصاف کے زیادہ قریب ہے: قسط کا معنی عدل ہے ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک' یہ ''اَقْسَطُ'' کا ظرف ہے ﴿وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ﴾ اور گواہی کو قائم رکھنے کے لیے زیادہ معاون و مددگار ہے اور افعل التفضیل کے دونوں صیغے یعنی ''اَقْسَطُ'' اور ''اَقْوَمُ'' سیبویہ کے مذہب پر ''اَقْسَطَ'' اور ''اَقَامَ'' سے بنے ہیں ﴿وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا﴾ اور (یہ لکھت اس بات کے) زیادہ قریب ہے کہ تم شک وشبہ میں نہ پڑو اور گواہ حاکم اور صاحب حق کے لیے شک وشبہ کو ختم کرنے کے زیادہ قریب ہے کیونکہ کبھی مقدار میں اور صفات میں شک واقع ہو جاتا ہے لیکن جب مکتوب کی طرف رجوع کیا جائے گا تو شک زائل ہو جائے گا اور ''اَدْنٰى'' کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے کیونکہ یہ ''دَنُوٌّ'' سے مشتق ہے ﴿إِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً﴾ یہ امام عاصم کی قراءت ہے یعنی مگر یہ کہ تجارتی کاروبار ہو مگر یہ کہ معاملہ نقد تجارت کا ہو [اور قاری عاصم کے علاوہ نے ''تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ'' پڑھا ہے' اس بنا پر کہ كَانَ (تَكُوْنَ) تامہ ہے یعنی مگر یہ کہ تجارت نقد و نقد ہو یا وہ ناقصہ ہے اور ''تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ'' اس کا اسم ہے] اور ﴿تُدِيْرُوْنَهَا﴾ اس کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿بَيْنَكُمْ﴾ [''تُدِيْرُوْنَهَا'' کے لیے ظرف ہے] اور معنی یہ ہے کہ وہ تجارت جس کو آپس میں چلاتے گھماتے ہو اور ایک دوسرے کو دست بہ دست دیتے اور لیتے ہو ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا﴾ تو (نقد لین دین کی صورت میں) تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو یعنی مگر یہ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نقد اور دست بہ دست خرید و فروخت کرو تو پھر کوئی حرج نہیں اگر تم نہ لکھو کیونکہ لین دین میں جو وہم ہو سکتا ہے اب وہ وہم اس میں نہیں ہو سکتا ﴿وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ اور جب تم خرید و فروخت کرنے لگو تو گواہ مقرر کر لیا کرو اور خرید و فروخت کے وقت گواہی کے لیے مطلق حکم دیا گیا ہے خواہ نقد ہو خواہ ادھار ہو کیونکہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور یہی صورت اختلاف کے واقع ہونے سے بہت دور ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم یہ خرید و فروخت کرنے لگو یعنی نقد تجارت کرنے لگو تو گواہ مقرر کر لیا کرو اس بنا پر کہ اس صورت میں صرف گواہ بنانا کافی ہے تحریری ثبوت کی ضرورت نہیں اور یہ امر استحبابی ہے ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ﴾ اور لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے [(اور اس میں دو احتمال ہیں) ایک یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت کے مطابق یہ مبنی للفاعل (مضارع معروف) ہے اور اس کی اصل ''لَا يُضَارِرْ'' ہے اور دوسرا یہ ہے کہ حضرت

عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت کے مطابق یہ بنی للمفعول (فعل مضارع مجہول) ہے اور اس کی اصل "لَا یُضَارَرُ" ہے] اور (پہلی صورت میں) معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ کاروباری فریقین کو نقصان نہ دیں اور وہ اس طرح کہ جب ان کو طلب کیا جائے تو آنے سے انکار نہ کریں اور کاتب اپنی کتابت میں اور گواہ گواہی دینے میں تحریف' زیادتی اور کمی نہ کریں یا (دوسری صورت میں) معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور وہ اس طرح کہ ان کو لکھنے اور گواہی دینے کے لیے قبل از وقت جلد از جلد ان کی اپنی مصروفیت چھڑا کر بلا لیا جائے اور ان سے جھگڑا کیا جائے اور کاتب کو حق کتابت نہ دیا جائے اور گواہ کو اپنے شہر سے آنے جانے کی مشقت کا معاوضہ نہ دیا جائے ﴿وَإِنْ تَفْعَلُوْا﴾ اور اگر تم نے ان کو نقصان پہنچایا ﴿فَإِنَّهٗ﴾ تو بے شک نقصان دینا ﴿فُسُوْقٌۢ بِكُمْ﴾ تمہارے لیے گناہ ہوگا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے احکام کی مخالفت نہ کرو ﴿وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کے احکام کی تعلیم دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے' نہ اس کو سہو لاحق ہوتا ہے اور نہ اس سے کوتاہی ہوتی ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۭ وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں دے دیا جائے' پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرتا رہے' جو اس کا رب ہے اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہےO اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ اس کا تم سے حساب لے گا تو جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہےO

رہن کا ثبوت' امانت وشہادت کی اہمیت' ملکیت الٰہی کا بیان

۲۸۳- ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ﴾ اے ادھار پر لین دین کرنے والو! اگر تم (سفر پر) ہو ﴿عَلٰى سَفَرٍ﴾ یعنی تم مسافر ہو ﴿وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ﴾ اور تم دستاویز لکھنے والا منشی نہ پاؤ تو کوئی چیز گروی دے دو [قاری ابن کثیر مکی اور قاری ابوعمرو بصری نے "فَرُهُنٌ" (راپر ضمہ) پڑھا ہے یعنی وہ چیز جس کے ساتھ رہن کو معتبر و مستحکم کیا جائے اور یہ دونوں (رِهَانٌ اور رُهُنٌ) "رَهْنٌ" کی جمع ہیں جیسے "سَقْفٌ" کی جمع "سُقُفٌ" اور "بَغْلٌ" کی "بِغَالٌ" ہے اور "رَهْنٌ" دراصل مصدر ہے' پہلے اس کو اسم قرار دیا گیا' پھر اس کی جمع تکسیر "رِهَانٌ" بنادی گئی] اور جب کہ سفر میں غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ گواہوں اور دستاویز لکھنے

والوں کا ملنا مشکل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مال کی حفاظت کے لیے بہ طور ارشاد و رہنمائی حکم دے دیا ہے کہ جو شخص سفر پر ہو (اور ادھار لین دین کرنا چاہتا ہو تو) گواہ اور تحریری دستاویز کے ذریعے اعتبار دلانے کی جگہ گروی کے ذریعے اپنا اعتبار دلائے لیکن یہ بات نہیں کہ گروی رکھنے کے لیے سفر شرط ہے ﴿ مَّقْبُوْضَةٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات پر دلیل ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے [ایسا نہیں جیسا کہ امام مالک نے خیال فرمایا کہ رہن بغیر قبضہ کے صرف ایجاب وقبول کے ساتھ صحیح ہے] ﴿ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ پھر اگر تمہیں ایک دوسرے پر اطمینان واعتماد ہو یعنی اگر لین دین کرنے والوں میں قرض خواہ کو مقروض پر اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی وجہ سے اطمینان واعتبار ہو تو تحریری دستاویز تیار کرنے اور گواہ مقرر کرنے اور رہن رکھنے کی ضرورت نہیں ہے ﴿ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ سو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی امانت یعنی قرض ادا کر دے۔ [''اؤْتُمِنَ'' باب افتعال سے ہے اور ''امن'' سے مشتق ہے] اور اس کے ذریعے مقروض کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کے حسن ظن پر پورا اترے اور اس کا اعتماد قائم رکھتے ہوئے اپنی امانت یعنی قرض اسے واپس ادا کر دے اور وہ حق جو اس پر اعتبار کر کے بہ طور امانت بغیر رہن رکھنے کے اس کو دیا گیا ہے وہ اسے ادا کر دے اور قرض کو امانت کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مقروض کی کوئی چیز گروی رکھے بغیر صرف اس پر اعتبار کر کے اس کو قرض کی رقم دی گئی ہے ﴿ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ اور وہ قرض خواہ کے حق کا انکار کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ﴾ اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ' یہ گواہوں کو خطاب ہے ﴿ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ﴾ اور جو گواہی کو چھپائے گا تو یقیناً وہ دل کا گناہ گار ہے [اور ''قَلْبُهٗ''، ''اٰثِمٌ'' کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے' گویا کہا گیا ہے کہ ''فَاِنَّهٗ يَاْثَمُ قَلْبُهٗ. سو یقیناً اس کا دل گناہ گار رہتا ہے' یا پھر ''اٰثِمٌ'' خبر مقدم ہے اور ''قَلْبُهٗ'' مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور یہ جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور بے شک ''اٰثِمٌ'' کی نسبت اکیلے قلب کی طرف کی گئی ہے] حالانکہ جملہ اعضاء گنہگار ہوتے ہیں نہ کہ اکیلا قلب تو اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہی کو چھپانے والا اس کو دل میں چھپاتا ہے اور اس کے ساتھ گفتگو نہیں کرتا' بہر حال جب گواہی کو چھپانے کے گناہ کا ارتکاب دل کرتا ہے اور یہ کسب دل ہی کا ہوتا ہے تو اس لیے گناہ کی نسبت دل کی طرف کر دی گئی ہے کیونکہ فعل کا اسناد ارتکاب کرنے والے فاعل کی طرف کرنا جو اس کو عمل میں لاتا ہے زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: یہ وہ ہے جس کو میری آنکھوں نے دیکھا اور یہ وہ ہے جس کو میرے کانوں نے سنا اور یہ وہ ہے جس کو میرے دل نے پہچانا اور اس لیے کہ دل تمام اعضاء کا رئیس ہوتا ہے اور یہ گوشت کا وہ ٹکڑا ہے کہ اگر یہ درست ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر یہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ گناہ انسان کے اصل نفس میں جاگزیں ہو گیا اور اس کی بہترین جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اس لیے بھی کہ افعالِ قلوب جسم کے تمام افعال سے اعظم ہوتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمام نیکیوں اور تمام برائیوں کی اصل اور بنیاد ایمان اور کفر ہے اور یہ دونوں افعال قلوب میں سے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے گواہی کے چھپانے کو دل کا گناہ قرار دیا تو خود ہی گواہی دے دی کہ یہ بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور جھوٹی گواہی دینا اور گواہی کو چھپانا بہت بڑے گناہ ہیں ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور تم جو کچھ کرتے ہو یعنی گواہی کو چھپانا اور اس کے اظہار کرنے کو اللہ تعالیٰ ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ جاننے والا ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

۲۸۴۔ ﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی

ملکیت میں ہے اور اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے اور سب اسی کا پیدا کردہ ہے ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو یا اس کو چھپا لو یعنی برائی وغیرہ ﴿یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا یعنی تمہیں اس کا بدلا دے گا اور تمہیں جزا دے گا اور انسان جو گناہ اپنے دل میں مخفی رکھتا ہے ان میں قلبی خیالات اور وسوسے شامل نہیں ہیں کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں اور لیکن جس گناہ کا دل سے ارادہ کر لے اور اس کے کرنے کا پختہ عزم کر لے (تو پھر گرفت کی جائے گی)۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفر کا عزم یعنی پکا اور پختہ ارادہ کفر ہے اور پختہ عزم کے بغیر صرف گناہ کا خیال آ جانا معاف ہے اور جب کوئی آدمی کسی گناہ کا پختہ عزم کر کے اس پر نادم ہو جائے اور اس سے رجوع کر لے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر لے تو اس کو بخش دیا جائے گا' پھر جب کسی گناہ کا پختہ ارادہ کر لے اور اس پر قائم رہے مگر کسی ایسی رکاوٹ کی وجہ سے رک جائے جو اس کے اختیار میں نہ ہو تو اس کے ایسے فعل کے ارتکاب پر اس کو سزا نہیں دی جائے گی یعنی زنا کے پختہ عزم کرنے پر زنا کے ارتکاب کرنے کی سزا نہیں ملے گی اور باقی رہی یہ بات کہ آیا زنا کے پختہ عزم کرنے کے ارتکاب پر سزا ملے گی؟ (یا نہیں ملے گی) ایک قول یہ ہے کہ نہیں ملے گی کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالی شان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وہ خطائیں معاف فرما دیں جو دلوں میں پیدا ہوتی ہیں جب تک میرا امتی اس پر عمل نہیں کرتا یا جب تک اس کے ساتھ کلام نہیں کرتا[1] اور جمہور علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث شریف دل میں آنے والے خیالات و وسوسوں کے بارے میں ہے پختہ عزم کے بارے میں نہیں ہے اور مؤاخذہ صرف پختہ عزم کے بارے میں ثابت ہے اور شیخ ابو منصور اور شمس الائمہ حلوانی رحمہما اللہ کی رائے بھی یہی ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ . (النور:۱۹) بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے'' اور حضرت ام المؤمنین عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب کوئی کسی گناہ کا پختہ عزم و ارادہ کر لیتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کر سکتا ہے تو اس کو دنیا میں رنج و غم میں مبتلا کر کے سزا دی جاتی ہے اور اکثر تفاسیر میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم گھبرا گئے اور انہوں نے کہا کہ کیا ہر اس خطا پر ہمارا مؤاخذہ ہوگا جس کا ہمارے دلوں میں خیال آ جائے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا (درج ذیل) ارشاد ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' سے لے کر اپنے فرمان ''لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' تک نازل فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے مؤاخذہ کرنے کو گناہ کے ارتکاب کرنے پر معلق فرما دیا' صرف ارادہ کرنے یا خیال آنے پر نہیں اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ اگلی آیت کریمہ یعنی ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' الخ سے منسوخ ہوگئی ہے حالانکہ محققین اس بات پر متفق ہیں کہ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا ﴿فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ سو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور قاری عاصم نے ان کو مرفوع پڑھا ہے یعنی وہ ''یَغْفِرُ'' اور ''یُعَذِّبُ'' ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے قاریوں نے ان دونوں کو جوابِ شرط پر عطف کر کے مجزوم پڑھا ہے اور ابو عمرو بصری نے ادغام کے ساتھ پڑھا ہے اور ''الاشارۃ والبشارۃ'' میں اسی طرح مذکور ہے اور صاحب کشاف نے کہا کہ ''را'' کو لام میں مدغم کرنا صریح غلطی ہے کیونکہ ''را'' حرف مکرر ہے جس کی وجہ سے یہ مضاعف کے قائم مقام ہے اور مضاعف کا ادغام

[1] بخاری کتاب الایمان باب ۱۵ 'مسلم کتاب الایمان' ابو داؤد کتاب الطلاق' ابن ماجہ کتاب الطلاق باب ۱۴ 'مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۵۵۔ ۳۹۳۔ ۴۷۴

جائز نہیں ہے اور ابو عمرو سے اس کو روایت کرنے والے نے ذہل غلطی کی ہے ایک تو بات غلط کہی دوسرا عربی میں سب سے زیادہ ماہر عالم کی طرف نسبت کر دی' اس شخص نے اپنی عظیم جہالت کی وجہ سے کس قدر تکلیف دہ بات کہہ دی ہے]﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر یعنی بخشنے پر اور عذاب دینے پر اور ان کے علاوہ ہر چیز پر ﴿قَدِيْرٌ﴾ قادر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اور مسلمان (ایمان لائے) سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے کہ ہم (ایمان لاتے ہیں) اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور مان لیا' اے ہمارے پروردگار! ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے O

۲۸۵- ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان لائے یہ رسول اس (کلام) پر جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اور تمام مومنین ایمان لائے اگر ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' کا عطف ''اَلرَّسُوْلُ'' پر ہو تو وہ جس کا قائم مقام ﴿كُلٌّ﴾ [کی تنوین ہے وہ ''اَلرَّسُوْلُ'' اور ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' دونوں کی طرف لوٹے گی یعنی اصل میں ''كُلُّهُمْ'' ہے] ﴿اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے [اور اس پر وقف کیا گیا ہے اور اگر ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' الخ مبتدا ہے تو اس بنا پر ''كُلٌّ'' مبتدا ثانی ہوگا اور تقدیر ہوگی: ''كُلٌّ مِّنْهُمْ'' یعنی ان میں سے ہر ایک ایمان لایا اور ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ'' الخ مبتدا ثانی کی خبر ہے اور یہ جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور اس کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹے گی اور ''اٰمَنَ'' میں ''كُلٌّ'' کی طرف راجع ضمیر واحد اس معنی کی بنا پر لائی گئی ہے یعنی ''كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ اٰمَنَ'' ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''كُتُبِهٖ'' کی بجائے ''كِتَابِهٖ'' پڑھا ہے یعنی اس سے قرآن یا جنسِ کتاب مراد ہے] ﴿لَا نُفَرِّقُ﴾ یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم رسولوں پر ایمان لانے میں تفریق نہیں کرتے بلکہ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں ﴿بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان [اور ''اَحَدٍ'' جمع کے معنی میں ہے اس لیے اس پر ''بَيْنَ'' داخل کیا گیا ہے اور یہ اسی اسم پر داخل ہوتا ہے جو ایک سے زیادہ پر دلالت کرتا ہو اور تم ''اَلْمَالُ بَيْنَ الْقَوْمِ'' کہہ سکتے ہو لیکن ''اَلْمَالُ بَيْنَ زَيْدٍ'' نہیں کہہ سکتے] ﴿وَقَالُوْا سَمِعْنَا﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا ہے یعنی ہم نے آپ کا فرمان قبول کر لیا ہے ﴿وَاَطَعْنَا﴾ اور ہم نے آپ کے حکم کی فرماں برداری اختیار کر لی ہے ﴿غُفْرَانَكَ﴾ [دراصل ''اِغْفِرْ لَنَا غُفْرَانَكَ'' ہے اور یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی ہمیں بخش دے' ہم تیری بخشش کے طالب ہیں ﴿رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور تیری طرف لوٹنا ہے اور اس میں قیامت کے اٹھنے اور جزا ملنے پر اقرار ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں استثناء باطل ہے اور یہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والا اپنے ایمان پر قائم رہتا ہے خارج نہیں ہو جاتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٙ وَاغْفِرْ لَنَا ٙ وَارْحَمْنَا ٙ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ع ۸

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا' جو اس نے نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے اور جو اس نے بُرائی کمائی وہ اس پر ہے' اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا ہم نے خطا کی ہو تو ہماری گرفت نہ فرما' اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا ہے' اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے اور ہمیں معاف فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مالک ہے' سو کافروں کی قوم پر تو ہماری مدد فرما O

تکلیف بقدر وسعت اور دعائے مؤمنین کا بیان

۲۸۶- ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ یہ مؤمنوں کے کلام کی حکایت ہے یا نیا جملہ ہے' خود اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو مکلف نہیں کرتا ﴿اِلَّا وُسْعَهَا﴾ مگر اس کی طاقت وقدرت کے مطابق کیونکہ تکلیف اسی فعل پر لازم ہوتی ہے جس پر مکلف کو قدرت واختیار حاصل ہو' "شرح التاویلات" میں اسی طرح ہے اور صاحبِ "کشاف" نے کہا کہ وسعت یہ ہے کہ انسان اس کو کر سکے اور وہ کام انسان پر مشکل نہ ہو اور نہ اس کے کرنے میں تنگی ہو یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو مکلف نہیں کرتا مگر اس فعل کا جو اس کی طاقت میں ہو اور اس کا کرنا انسان پر آسان ہو' یہ نہیں کہ انسان کی انتہائی قوت اور جدوجہد سے بڑھ کر ہو' چنانچہ یہ بات انسان کی طاقت میں ہے کہ وہ پانچ نمازوں سے زیادہ ادا کر سکے اور ایک ماہ سے زیادہ روزے رکھ سکے اور ایک دفعہ سے زیادہ حج کر سکے ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ یعنی جو نیک عمل انسان نے کیا ہے اس کا فائدہ اس کو پہنچے گا اور جو اس نے بُرا عمل کیا ہے اس پر اس کو سزا ملے گی اور خیر کو کسب کے ساتھ اور شر کو اکتساب کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ باب افتعال خواہش اور تیزی کے ساتھ کام کرنے کے لیے آتا ہے اور نفس برائی کے ارتکاب میں خواہش کے ساتھ تیزی دکھاتا ہے جب کہ نیکی کرنے کے لیے تکلف سے کام لیتا ہے ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ﴾ اے ہمارے رب! اگر ہم تیرے احکام میں سے کسی حکم کو بھول کر چھوڑ دیں تو ہماری گرفت نہ فرمانا ﴿اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ یا ہم غلطی سے کوئی برائی کر لیں' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بھول چوک اور غلطی سے گناہ کرنے پر مؤاخذہ اور گرفت کرنا جائز ہے جب کہ معتزلہ اس کے خلاف ہیں حالانکہ ان دونوں سے بچنا ممکن ہے اور اگر ان دونوں پر مؤاخذہ کرنا جائز ہی نہ ہوتا تو ان سے بچنے کا رب تعالیٰ سے سوال کرنا بے کار ہوتا ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا﴾ اے ہمارے رب! ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال یعنی ایسی مشقت نہ ڈال جو اٹھانے والے کو اپنے ثقل اور بھاری بوجھ ہونے کی وجہ سے اپنی منزل تک پہنچنے سے روک دے اور یہ تکلیف شاقہ کے لیے استعارہ ہے جیسے توبہ کے لیے اپنے آپ کو قتل کرانا اور جسم اور کپڑے وغیرہ پر نجاست

لگ جانے کی صورت میں اس حصے کو کاٹ دینا ﴿ كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ﴾ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر بھاری بوجھ ڈالا تھا یعنی یہودیوں پر ﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ﴾ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں جو ہم سے پہلے لوگوں پر عقوباتِ موذیہ اور تکالیفِ شاقہ کا بوجھ ڈالا گیا تھا ﴿ وَاعْفُ عَنَّا ﴾ اور ہمیں معاف فرما یعنی ہماری برائیاں مٹا دے ﴿ وَاغْفِرْ لَنَا ﴾ اور ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرما اور یہ تکرار نہیں کیونکہ پہلا کبیرہ گناہوں کے لیے اور دوسرا صغیرہ گناہوں کے لیے ہے ﴿ وَارْحَمْنَا ﴾ اور ہم پر رحم فرما کہ ہمارے مفلس و کنگال ہونے کے باوجود ہمارے میزان کو بھاری کر دینا یا پہلی دعا شکلیں بگاڑنے اور دوسری دعا زمین میں دھنسانے اور تیسری دعا غرق ہونے سے بچانے کے لیے ہے ﴿ اَنْتَ مَوْلٰىنَا ﴾ تو ہمارا سردار ہے اور ہم تیرے محتاج بندے ہیں یا تو ہمارا مددگار ہے یا تو ہی ہمارے تمام امور و معاملات کا متولی اور منتظم ہے ﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ سو تو کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما کیونکہ مولا کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد کرے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' سے لے کر آخر تک پڑھ لیں تو یہ اس کو پوری رات کفایت کریں گی اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جس نے ان دو آیتوں کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لیا تو اس کو رات بھر کی شب بیداری سے کفایت کریں گی اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ میں نے سورۃ البقرہ پڑھی ہے یا میں نے بقرہ پڑھ لی ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''خَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ. یعنی سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے خزانے سے دی گئیں ہیں'' اور بعض علماء نے کہا کہ ایسا کہنا مکروہ ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ میں نے وہ سورت پڑھی ہے جس میں بقرہ (گائے) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

آیاتہا ۲۰۰ سورۃ آل عمران مدنیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	رکوعاتہا ۲۰
سورۃ آل عمران مدنی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○	اس کی دو سو آیات، بیس رکوع ہیں

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ ⑤ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥

الٓمّٓ○ اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ خود ہمیشہ سے زندہ ہے، اوروں کو قائم رکھنے والا ہے○ اسی نے آپ پر حق پر مبنی کتاب کو نازل کیا ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل کیا○ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اسی نے فرقان کو نازل کیا ہے، بے شک جنہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور اللہ غالب انتقام لینے والا ہے○ بے شک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے، زمین میں نہ آسمان میں○

وہی ہے جو ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ غالب حکمت والا ہے O

نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ میں اثباتِ توحید اور ابن اللہ کی تردید کا بیان

۱۔ ﴿الٓمّٓ اللّٰهُ﴾ [التقائے ساکنین (دو ساکنوں کے جمع ہو جانے) کی وجہ سے میم کو حرکت دی گئی ہے یعنی میم کے سکون اور اللہ کے لام کے سکون کی وجہ سے میم کو حرکت دی گئی ہے اور فتحہ (زبر) کی حرکت اس لیے دی گئی ہے کہ فتحہ خفیف ہے اور "یا" کو کسرہ نہیں دیا گیا اور اس سے پہلے میم کو کسرہ دے دیا گیا ہے تاکہ مسلسل کسرات سے بچا جا سکے اور (دوسری) میم کا فتحہ اس کے سکون اور اس سے پہلے "یا" کے سکون کی وجہ سے نہیں آیا کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو "حٰمٓ" میں فتحہ لازمی ہوتا اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ میم کی فتحہ لفظ اللہ کے ہمزہ کی فتحہ ہے جو میم کو منتقل کر دی گئی ہے کیونکہ یہ ہمزہ وصل کا ہمزہ ہے جو کلام کے درمیان آ جانے کی صورت میں حرکت سمیت گر جاتا ہے اور اگر اس کی حرکت کو نقل کرنا جائز ہوتا تو خود ہمزہ ثابت رکھنا بھی جائز ہوتا حالانکہ اس کو درمیانِ کلام میں ثابت رکھنا جائز نہیں اور یزید اور اعشیٰ نے میم کو ساکن قرار دیا ہے اور انہوں نے الف کو قطعی قرار دیا ہے اور باقیوں نے الف کو وصلی قرار دے کر میم کو فتحہ دیا ہے اور لفظ اللہ مبتدا ہے۔

۲۔ ﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کی خبر ہے یعنی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں [اور "لَا" کی خبر مقدر ہے اصل میں "لَا اِلٰهَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا هُوَ" ہے اور "هُوَ" محلاً مرفوع ہے اور "لَا" کے محل سے بدل ہے اور اس کا اسم ﴿الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "هُوَ الْحَیُّ" یا پھر "هُوَ" سے بدل ہے اور "اَلْقَیُّوْمُ" "فَیْعُوْلٌ" کے وزن پر ہے اور فعل ماضی "قَامَ" سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: انصاف پر قائم رہنے والا اور ہر شخص نے جو کچھ کرنا ہے اس کی نگرانی کرنے والا]۔

۳۔ ﴿نَزَّلَ﴾ یعنی اسی اللہ نے نازل فرمائی ہے ﴿عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ آپ پر کتاب یعنی قرآن مجید ﴿بِالْحَقِّ﴾ یہ حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حق پر مبنی کتاب کو نازل فرمایا ہے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے ﴿وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ﴾ اور اس نے تورات و انجیل کو نازل فرمایا اور یہ دونوں عجمی نام ہیں اور "وَرْی" اور "نَجْلٌ" سے ان کے اشتقاق کا تکلف کیا گیا ہے اور ان کا وزن "تَفْعَلَةٌ" اور "اِفْعِیْلٌ" ہے اور بعد ازاں ان کا عربی ہونا بھی صحیح ہے اور باقی رہی یہ بات کہ "نَزَّلَ الْكِتَابَ" اور "اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ" (کیوں) کہا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے (تقریباً تئیس سال میں) نازل کیا گیا ہے (اور یہی "نَزَّلَ" کا معنی ہے) اور تورات و انجیل یہ دونوں کتابیں ایک ہی دفعہ نازل کی گئی تھیں۔

٤۔ ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ قرآن مجید سے پہلے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لیے یا پھر تمام لوگوں کے لیے ہدایت تھیں ﴿وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ اور اس نے فرقان یعنی جنس کتاب نازل فرمائی ہے کیونکہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے یا فرقان سے زبور مراد ہے یا پھر قرآن مجید کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ قرآن کی صفت ہے اس کی عظمت اور شان کو ظاہر کرنے کے لیے فرقان کہا گیا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتابوں میں سے ان کو ماننے سے انکار کر دیا ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور سخت سزا دینے والا ہے ایسی سزا دینے پر کوئی انتقام لینے والا قادر نہیں ہے۔

۵-﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں یعنی سارے عالم میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے لیکن اس کو آسمان اور زمین سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر سے اور مؤمنوں کے ایمان سے آگاہ ہے اور وہ ان کو اس پر سزا و جزا دے گا۔

٦-﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ﴾ وہی (اللہ) ہے جو ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہتا ہے تمہاری مختلف صورتیں بنا دیتا ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اپنی سلطنت میں بہت غالب ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ اپنی تدبیر اور منصوبہ بندی میں بڑا دانا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بنو نجران کے ساٹھ سواروں کا ایک وفد مدینہ منورہ میں پہنچا جن کا امیر عاقب تھا اور ان کا وزیر سید تھا اور ان کا پادری اور علامہ ابو حارثہ تھا تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناظرہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کیا اور کہا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں تو ان کا باپ کون ہے؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! کیوں نہیں! ایسا ہی ہوتا ہے' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہو گی اور بلاشبہ ہمارا رب تعالیٰ تمام بندوں پر نگران ہے' وہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کو رزق عطا فرماتا ہے اور حضرت عیسیٰ اس پر قادر نہیں ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے مگر جس قدر اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم دی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے رحمِ مادر میں جس طرح چاہا حضرت عیسیٰ کی صورت بنادی' سو ان کی والدہ ان سے حاملہ ہو گئیں اور ان کو جنم دیا اور ان کو دودھ پلایا اور وہ کھاتے پیتے تھے اور بات چیت کرتے تھے اور جب کہ ہمارا رب تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ اور پاک ہے تو وہ لوگ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے تو سورت آل عمران کے شروع سے لے کر تقریباً اسی آیات سے کچھ زائد تک ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وقف لازم
وقف منزل

وہی ہے جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیات کا معنی واضح ہے وہی کتاب کی اصل ہیں' دوسری وہ آیات ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے' پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ جوئی اور (حسب خواہش) اس کا معنی حاصل کرنے کے لیے اشتباہ والی آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں' اور اس کا اصل معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور علم کے ماہر

علماء کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے' سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر عقل والے O اے ہمارے رب! تو ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا ہمیں ہدایت دینے کے بعد اور تو ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما' بے شک تو عطا فرمانے والا ہے O

آیاتِ محکمات اور متشابہات کی تشریح

۷۔﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے آپ پر کتاب یعنی قرآن مجید نازل فرمائی ﴿مِنْهُ﴾ اس کتاب (یعنی قرآن مجید) کی بعض ﴿اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ آیات محکم ہیں جو عبارت کے لحاظ سے مضبوط و مستحکم ہیں اور احتمال و اشتباہ کے اعتبار سے محفوظ ہیں ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ وہ کتاب کی اصل ہیں [اور متشابہات کی تاویل کر کے ان پر محمول کیا جا سکتا ہے اور ان کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے] ﴿وَاُخَرُ﴾ اور دوسری آیات ﴿مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ اشتباہ والی ہیں جن کے معانی میں چند احتمالات ہوتے ہیں' اس کی مثال یہ ہے: "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طٰہٰ:۵) سو "استوٰی" جلوس (بیٹھنے) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور قدرت و غلبہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن پہلا معنی اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ میں بیٹھنے سے پاک ہے) اور اس کی مضبوط ترین دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ". (الشوریٰ:۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں' یا پھر محکم آیات وہ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر کتاب میں حکم نازل فرمایا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ". (الانعام:۱۵۱) "تم فرما دو کہ ادھر آؤ میں تمہیں پڑھ کر سنا دیتا ہوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے" "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ". (بنی اسرائیل: ۲۳) "اور تمہارے رب نے حکم دے دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' اور متشابہات وہ آیات ہیں جو اس کے علاوہ ہیں یا محکمات وہ ہیں جن میں صرف ایک معنی کا احتمال ہو اور متشابہ وہ ہیں جن میں چند معانی کا احتمال ہو یا محکم وہ آیت ہے جس کا اصل معنی معلوم ہو اور متشابہ وہ آیت ہے جس کا اصل معنی معلوم نہ ہو یا ناسخ وہ جس پر عمل کیا جائے اور منسوخ وہ ہے جس پر عمل نہ کیا جا سکے اور باقی رہی یہ بات کہ پورا قرآن مجید محکم کیوں نہیں؟ تو اس لیے کہ متشابہات آیات کے ذریعے بندوں کا امتحان لینا مقصود ہے اور حق پر ثابت قدم رہنے والوں اور اس میں متزلزل ہونے والوں کے درمیان امتیاز واضح کرنا مقصود ہے اور متشابہ آیات میں علمائے دین کا باہم مناظرے کرنا اور ان کے اصل معانی معلوم کرنے سے عاجز آ جانا اور ان کے معانی حاصل کرنے میں خالص کوششیں کرنا اور پھر ان کو محکم آیات کی طرف لوٹا دینے سے ان کو بہت سے فوائد اور علوم کثیرہ حاصل ہوتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے درجات و مراتب حاصل ہوتے ہیں ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ سو جن کے دلوں میں کجی ہے اور وہ حق سے روگردانی کرتے ہیں اور یہ اہل بدعت ہیں ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ﴾ تو یہ لوگ متشابہ آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں' پھر یہ بدعتی لوگ اپنے مطلب کے ایسے معانی حاصل کرتے ہیں جو نہ محکم آیات کے مطابق ہوتے اور نہ اہل حق کے اقوال کے مطابق ہوتے ﴿مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ﴾ اس سے ان کا مقصد فتنہ و فساد پھیلانا اور لوگوں کو دین حق سے پھیرنا اور ان کو گمراہ کرنا ہوتا ہے ﴿وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ اور متشابہ آیات میں وہ اپنی خواہش کے مطابق تاویل کرنے کی طلب میں رہتے ہیں ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اور اس کا اصل معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی اس کی برحق تاویل جس پر متشابہ آیت کو محمول کرنا واجب و لازم ہوتا ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہدایت نہیں دے سکتا ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ اور جو علم میں ماہر ہیں یعنی علم میں ثابت قدم ہیں

اور اس میں مضبوط و مستحکم ہیں [جمہور کے نزدیک یہ نیا جملہ ہے اور ان کے نزدیک ''اِلَّا اللّٰہُ'' پر وقف ہے اور انہوں نے متشابہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا علم اپنے لیے مخفی رکھا ہے اور ان کے نزدیک یہ مبتدا ہے] اور ﴿یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ﴾ اس کی خبر ہے یعنی علم میں ماہر علماء کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متشابہات کو ایمان کے ساتھ تسلیم کرنے اور بغیر کیفیت کے حق بات پر اعتقاد رکھنے پر ماہر علمائے دین کی تعریف ہے اور متشابہ آیات کے نازل کرنے کا فائدہ ان پر ایمان لانا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے جو مراد لی ہے اس کی حقانیت پر اعتقاد رکھنا ہے اور ان اشیاء کی واقفیت سے افہام بشری اور عقول انسانی کے عجز و قصور کی پہچان کرانا مقصود ہے جن کی طرف رسائی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے راہ نہیں رکھی [اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے اور وہ ہے: ''وَیَقُوْلُ الرّٰسِخُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ. اور ماہر علمائے دین کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اِنْ تَاْوِیْلُہٗ اِلَّا عِنْدَ اللّٰہِ. یعنی اس کا اصل معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' اور ان میں سے بعض علمائے دین اس پر وقف نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ علوم دینیہ کے ماہر علمائے دین (اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے) متشابہات کو جانتے ہیں اور ''یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ'' نیا کلام ہے اور راسخین کے حال کی وضاحت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ متشابہات کا معنی جاننے والے کہتے ہیں: ہمارا اس پر پختہ ایمان ہے یعنی متشابہات پر یا اس کتاب (یعنی قرآن مجید) پر ایمان رکھتے ہیں ﴿کُلٌّ﴾ اس کے متشابہات اور اس کے محکمات میں سے ہر ایک آیت قرآنی ﴿مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ صاحب حکمت کی طرف سے ہے' جس کے کلام میں تناقض و تضاد نہیں ہے ﴿وَمَا یَذَّکَّرُ﴾ اور نصیحت قبول نہیں کرتے اور اس کی اصل ''یَتَذَکَّرُ'' ہے ﴿اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ مگر عقل والے اور یہ ذکاوتِ ذہن اور حسنِ نظر پر ماہرین علم دین کی تعریف و توصیف ہے اور بعض علماء نے کہا کہ ''یَقُوْلُوْنَ'' ''رَاسِخِیْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے۔

۸- ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا یعنی ہمارے دلوں میں کجی پیدا کر کے ان کو حق کے راستے سے ہٹا نہ دینا ﴿بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا﴾ اس کے بعد کہ تو نے محکم پر عمل کرنے اور متشابہ کو تسلیم کرنے کی ہدایت سے نوازا ﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً﴾ اور تو ہمیں اپنے پاس سے نیکی کی توفیق اور حق پر ثابت قدم رہنے کی نعمت عطا فرما ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے اور یہ آیت کریمہ راسخین کا مقولہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نیا کلام ہو یعنی تم یہ کہو اور اسی طرح اس کی بعد والی آیت ہے اور وہ یہ ہے:

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

اے ہمارے رب! بے شک تو سب لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں' بے شک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو اللہ سے ان کے مال بچا سکیں گے اور نہ ان

کی اولاد کچھ کام آئے گی' اور وہی لوگ جہنم کا ایندھن ہیں○ جیسے فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا طریقہ تھا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○

۹۔﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ ﴾ یعنی اے ہمارے رب! بے شک تو ہی حساب کے دن یا جزا کے دن سب لوگوں کو جمع فرمائے گا ﴿ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا یعنی الوہیت وعدہ خلافی کے منافی ہے جیسے تمہارا یہ مقولہ ہے کہ سخی کے پاس آنے والا سائل رسوا نہیں کیا جاتا یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ثواب دینے کا اور کافروں کو عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے اس کے خلاف نہیں کرے گا۔

کفار کے اموال اور اولاد کے غیر مفید ہونے کا بیان

۱۰۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ بے شک جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے ﴿ لَنْ تُغْنِيَ ﴾ ہرگز نفع نہ دے گا یا ہرگز دور نہ کرے گا ﴿ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کا مال اور نہ ان کی اولاد ﴿ شَيْـًٔا ﴾ چیزوں میں سے کوئی چیز (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کافروں کو نہیں بچا سکے گی) ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴾ اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں یعنی آگ کو جس سے جلایا اور بھڑکایا جاتا ہے۔

۱۱۔﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ جیسے فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں کا حال اور طریقہ ہے اور ''اَلدَّاْبُ''، ''دَاَبَ فِي الْعَمَلِ'' کا مصدر ہے جب کوئی شخص تکلیف اٹھا کر کام کرے' اب اس کا غالب استعمال انسان کی حالت اور اس کی عادت کے لیے کر دیا گیا ہے اور کاف محلاً مرفوع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حق کو جھٹلانے والے کفار مکہ کی حالت فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کی حالت جیسی ہوگئی ہے یا پھر کاف ''لَنْ تُغْنِيَ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یعنی کفار مکہ کو ان کا مال اور اولاد نفع نہ دے گا جس طرح ان سے پہلے کافروں کو ان کے مال و اولاد نے فائدہ نہیں دیا [اور قاری ابوعمرو بصری نے ''کَدَابِ'' بغیر ہمزہ جیسے ہے ویسے پڑھا ہے] ﴿ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' یہ ان کے حال کی تفسیر ہے جو انہوں نے کیا تھا یا یہ ان کے فعل کی تفسیر ہے اس بنا پر کہ یہ ان کی حالت کے بارے میں پوچھے گئے سوال مقدر کا جواب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو یعنی تحقیق انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے۔﴿ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

آپ کافروں سے فرما دیں کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے○ بے شک دو گروہوں میں تمہارے لیے نشانی تھی جو آپس میں لڑ پڑے' ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا کافر تھا

جو آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھتا تھا' اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے' بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے O

غزوۂ بدر کا حال' فانی زینت کا ذکر' بندگانِ خدا کا تذکرہ

۱۲- ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ آپ کافروں سے فرمادیں' یہاں کافروں سے مکہ مکرمہ کے مشرکین مراد ہیں ﴿سَتُغْلَبُوْنَ﴾ تم عنقریب غزوۂ بدر کے دن مغلوب ہو جاؤ گے ﴿وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ﴾ اور تم جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے "جَهَنَّمَ"، "جَهْنَام" سے بنا ہے جس کا معنی ہے: گہرا کنواں [اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے دونوں کو "یا" کے ساتھ (سَيُغْلَبُوْنَ وَيُحْشَرُوْنَ) پڑھا ہے] ﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے یعنی ان کی قرار گاہ دوزخ ہے۔

۱۳- ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ﴾ بے شک تمہارے لیے نشانی ہے' یہ مشرکینِ قریش کو خطاب ہے ﴿فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا﴾ دو گروہوں میں جو بدر کے دن آپس میں لڑ پڑے ﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہا تھا اور وہ مومنوں کی جماعت تھی ﴿وَاُخْرٰى﴾ اور دوسرا گروہ ﴿كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ﴾ کفار مسلمانوں کو مشرکین کی تعداد سے دوگنا یعنی دو ہزار دیکھ رہے تھے یا مسلمانوں کی تعداد سے دوگنا یعنی چھ سو چھبیس دیکھ رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لڑائی کے وقت مسلمانوں کی تعداد ان سے دوگنا اس لیے دکھائی تھی تاکہ کفار مسلمانوں سے ڈر جائیں اور جنگ سے بھاگ جائیں [قاری نافع مدنی نے "تَرَوْنَهُمْ" پڑھا ہے] یعنی اے مشرکینِ قریش! تم مسلمانوں کو اپنی کافر جماعت سے دوگنا دیکھ رہے ہو یا تم انہیں ان کی تعداد سے ڈبل دیکھ رہے ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف نہیں ہے جو سورۂ انفال میں ارشاد ہے یعنی: "وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ. (الانفال:۴۴) اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر دے گا"۔ چنانچہ ابتدائے جنگ میں مسلمان ان کی نگاہوں میں تھوڑے نظر آئے یہاں تک کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جراءت کر بیٹھے' پھر جب میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد ان کی نگاہوں میں دوگنی نظر آئی یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو گئے' لہٰذا یہ قلت و کثرت دو مختلف حالتوں میں دکھائی گئی اور مختلف احوال پر محمول کرنے کی مثال یہ ہے: "فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ. (الرحمٰن:۳۹) سو اس دن گناہ کے بارے میں نہ انسانوں سے پوچھا جائے گا اور نہ جنوں سے" "وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ. (الصافات:۲۴) اور ان کو ٹھہراؤ بے شک ان سے پوچھا جائے گا" اور کبھی مسلمانوں کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھانا اور کبھی زیادہ کر کے دکھانا قدرت میں اور نشانی کے اظہار میں زیادہ بلیغ ہے اور "مِثْلَيْهِمْ" حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس کا تعلق آنکھ سے دیکھنے کے ساتھ ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿رَاْىَ الْعَيْنِ﴾ یعنی ایسا کھلم کھلا ظاہر دیکھنا جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو ﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے جیسا کہ اس نے اہل بدر کو دشمن کی نگاہوں میں زیادہ کر دکھایا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک تھوڑی سی تعداد کو زیادہ کر کے دکھانے میں ﴿لَعِبْرَةً﴾ البتہ نصیحت ہے ﴿لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ عقل مندوں اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ ۚ

لوگوں کے لیے آراستہ کردی گئی ہے خواہشات کی محبت' عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بے شمار خزانوں کے ڈھیر اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی باڑی' یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے O آپ فرمادیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں' پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے' اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے O

١٤- ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ہے اور جمہور کے نزدیک امتحان کی خاطر اللہ تعالیٰ ہی آراستہ کرنے والا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ''اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ. (الکہف:٧) بے شک جو کچھ زمین پر ہے اس کو ہم نے اہل زمین کے لیے سنگار بنادیا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں''۔ اور حضرت مجاہد کی قراءت بھی اس کی دلیل ہے جس میں انہوں نے ''زَيَّنَ لِلنَّاسِ '' مبنی للفاعل (یعنی فعل ماضی معروف) پڑھا ہے اور حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آراستہ کرنے والا شیطان ہے ﴿ حُبُّ الشَّهَوٰتِ ﴾ خواہشات کی محبت' شہوت کا معنی ہے: نفس کا کسی چیز کی طرف رغبت کرنا اور اس کو بہت چاہنا اور وہ اعیان واشیاء جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کو بہ طور مبالغہ شہوات قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان تمام چیزوں کو چاہا جاتا ہے یا گویا اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کا شہوات نام رکھ کر ان کی خساست ورذالت کا ارادہ فرمایا ہے کیونکہ حکماء کے نزدیک شہوت کو رذیل خواہش سمجھا جاتا ہے' جو اس کی پیروی کرتا ہے اس کو مذموم قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ پر حیوانیت کی گواہی دیتا ہے ﴿ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ عورتیں' اور لونڈیاں بھی اس میں داخل ہیں ﴿ وَالْبَنِيْنَ ﴾ ''اِبْنٌ'' کی جمع ہے اور اس جگہ کے علاوہ کبھی یہ بیٹوں اور بیٹیوں دونوں پر واقع ہوتا ہے مگر یہاں صرف بیٹے مراد ہیں کیونکہ لوگ طبعی طور پر انہی کو چاہتے ہیں اور اپنے دفاع کے لیے ان ہی کو تیار کیا جاتا ہے ﴿ وَالْقَنَاطِيْرِ ﴾ ''قِنْطَارٌ'' کی جمع ہے اور وہ کثیر مال کے معنی میں آتا ہے۔ بعض نے کہا: بیل کے برابر دولت سے بھری مشک ''قنطار'' ہے یا ایک لاکھ دینار ''قنطار'' کہلاتا ہے اور جب اسلام کا آغاز ہوا تو اس وقت مکہ مکرمہ میں سو آدمیوں نے مال کثیر جمع کر رکھا تھا ﴿ الْمُقَنْطَرَةِ ﴾ ڈھیر اور تہ بہ تہ جمع کیا گیا مال یا دفن کیا ہوا خزانہ ﴿ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ﴾ سونے کو عربی میں ''ذَهَبٌ'' اس لیے نام دیا گیا ہے کہ یہ جلد خرچ ہونے والی چیز ہے اور چاندی کو ''فِضَّةٌ'' اس لیے کہتے ہیں کہ خرچ ہونے میں متفرق اور منتشر ہو جاتی ہے کیونکہ ''فَضٌّ'' کا معنی ''تفریق'' یعنی جدا جدا ہونا ہے ﴿ وَالْخَيْلِ ﴾ اور گھوڑے' ان کا نام ''خیل'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ چلتے وقت گردن اکڑا کر غرور کے ساتھ چلتے ہیں ﴿ الْمُسَوَّمَةِ ﴾ نشان زدہ' یہ ''سَوْمَةٌ'' سے بنا ہے جس کا معنی علامت ہے یا اس کا معنی ہے: چرنے والا' یہ ''اَسَامَ الدَّآبَّةَ وَسَوَّمَهَا'' سے بنا ہے یعنی مالک نے جانور کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور اس پر نشان لگا دیا (یا داغ دار کر دیا) ﴿ وَالْاَنْعَامِ ﴾ آٹھ نر مادہ جوڑے (ایک جوڑا بھیڑ کا' ایک جوڑا بکری' ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے

کا) ﴿وَالْحَرْثِ﴾ اور کھیتی ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ مذکورہ بالا اشیاء ﴿مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کا سامان ہے جس سے دنیا میں فائدہ حاصل کیا جاتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانے کے لیے بہترین ٹھکانا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دنیا سے بے رغبت کیا (اور آخرت کی طرف رغبت دلائی) چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۵- ﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ﴾ آپ فرما دیں کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں؟ یعنی اس (سامان دنیا) سے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ﴾ پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس بہشتیں ہیں' یہ نیا کلام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس (سامان دنیا) سے بہتر چیز کا بیان ہے [لہٰذا "جَنّٰتٌ" مبتدا اور "لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا" اس کی خبر ہے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اس کے نیچے ندیاں بہتی ہیں' یہ "جَنّٰتٌ" کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا" کا لام "بِخَيْرٍ" کے ساتھ متعلق ہو اور متقین کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ ان سے یہی لوگ نفع حاصل کریں گے اور "جَنّٰتٌ" مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے' دراصل "هُوَ جَنّٰتٌ" ہے اور اس کی وہ قراءت مدد کرتی ہے جس میں "جَنّٰتٍ" کو مجرور پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ "بِخَيْرٍ" کا بدل ہے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہو گی ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب جاننے والا ہے' ان کو اس پر جزا دے گا یا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دیکھ رہا ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ان کے احوال کو بھی دیکھ رہا ہے اس لیے اس نے ان لوگوں کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے' پس تو ہمارے گناہ معاف فرما اور تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے ○ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور اطاعت کرنے والے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے پہر بخشش مانگنے والے ○ اللہ نے گواہی دی کہ بے شک اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور (اسی بات کی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (گواہی دی) درآں حالیکہ وہ انصاف کو قائم رکھنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے' اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر (اسلام کی حقانیت کا) علم آ جانے کے بعد محض باہمی حسد کی وجہ سے اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو بے شک اللہ جلد

حساب لینے والا ہے O

۱۶- ﴿ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ ﴾ مدح کے طور پر منصوب ہے یا مرفوع ہے یا مجرور ہے اس لیے کہ یہ متقین کی صفت ہے یا ''بِالْعِبَادِ'' کی صفت ہے' ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ اے ہمارے رب! بے شک ہم آپ کی دعوت قبول کر کے ایمان لے آئے ہیں ﴿ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ﴾ سو آپ اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دیں ﴿ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ اور تو اپنے فضل و کرم سے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

۱۷- ﴿ اَلصّٰبِرِیْنَ ﴾ جو اطاعات وعبادات اور مصائب و آلام پر صبر کرتے ہیں اور یہ مدح کے طور پر منصوب ہے ﴿ وَالصّٰدِقِیْنَ ﴾ اور جو حق کی خبریں سنانے میں اور احکامِ عمل کے بجالانے اور پختہ ارادے کے کرگزرنے کی نیت میں سچ بولنے والے ہیں ﴿ وَالْقٰنِتِیْنَ ﴾ اور جو دعوت حق دینے والے یا اطاعت کرنے والے ہیں ﴿ وَالْمُنْفِقِیْنَ ﴾ اور جو صدقہ خیرات کرنے والے ہیں ﴿ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ اور جو رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نماز پڑھنے والے یا مغفرت و بخشش طلب کرنے والے ہیں اور سحری کا ٹائم اس لیے خاص کیا گیا کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خلوت و تنہائی کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! مرغ تم سے زیادہ عقل مند نہ ہو جائے کہ وہ سحری کے وقت اذان دے اور تم سوتے رہو اور ان صفات کے درمیان واؤ عاطفہ اس لیے ذکر کی گئی ہے تا کہ یہ بات عیاں ہو جائے کہ ہر ایک صفت بہ درجہ کمال ان میں موجود تھی' نیز یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر ایک صفت ان کی تعریف میں مستقل ہے۔

توحید کی شہادت' دین کی حقانیت اور اہل کتاب کی بغاوت

۱۸- ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا' ارشاد فرمایا: ﴿ اَنَّهٗ ﴾ ''اَیْ بِاَنَّهٗ'' یعنی بے شک وہی ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ اور فرشتوں نے اس لیے (گواہی دی) کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کا مشاہدہ کیا ﴿ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ یعنی انبیائے کرام اور علمائے اسلام ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ اللہ تعالیٰ رزق اور موت کی تقسیم میں اور جزا وسزا دینے میں انصاف کو قائم رکھتا ہے اور وہ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کریں اور آپس میں برابری کا معاملہ کریں [اور یہ منصوب اس وجہ سے ہے کہ اسمِ اللہ تعالیٰ سے مؤکد حال واقع ہو رہا ہے یا ''هُوَ'' ضمیر کا حال ہے اور بے شک حال (یعنی ''قَآئِمًا'') کو مفرد منصوب لانا اور دونوں معطوف علیہ (یعنی ''اَلْمَلٰٓئِكَةُ'' اور ''اُولُوا الْعِلْمِ'') کو چھوڑ دینا جائز ہے کیونکہ التباس و اشتباہ کا خطرہ نہیں لیکن اگر تم یہ کہو کہ ''جَآءَ زَیْدٌ وَعَمْرٌو رَاكِبًا'' تو یہ جائز نہیں (کیونکہ معلوم نہیں کہ ''رَاكِبًا''، ''زَیْدٌ'' کا حال ہے یا ''عَمْرٌو'' کا حال ہے) ہاں! اگر تم یوں کہو کہ ''جَآءَ نِیْ زَیْدٌ وَهِنْدٌ رَاكِبًا'' تو یہ جائز ہے کیونکہ ''رَاكِبًا'' مذکر کا صیغہ آنے سے ذوالحال ممتاز ہو گیا (کہ وہ زید ہے نہ کہ ھند کہ یہ عورت کا نام ہے)] اور اللہ تعالیٰ نے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ کو صرف تاکید کی خاطر دوبارہ ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿ اَلْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ یہ اس بنا پر مرفوع ہے کہ یہ نیا کلام ہے (اور مبتدا محذوف کی خبر ہے) یعنی ''هُوَ الْعَزِیْزُ'' اور یہ ''هُوَ'' کی صفت نہیں کیونکہ ضمیر موصوف نہیں ہو سکتی یعنی وہ ایسا غالب ہے کہ اس کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا اور ایسا حکیم و دانا ہے کہ وہ کبھی حق سے روگردانی نہیں کرتا۔

۱۹- ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے' یہ ایک مستقل الگ

جملہ ہے اور اس کونون کے فتح کے ساتھ ''اَنَّ الدِّیْنَ'' بھی پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اَنَّـهٗ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُـوَ'' سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سونے کے وقت یہ آیت مبارکہ (''شَهِدَ اللّٰهُ'' سے لے کر ''اَلْاِسْلَامُ'' تک) پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرشتوں کی ستر ہزار مخلوق پیدا فرمائے گا جو اس شخص کے لیے قیامت تک مغفرت وبخشش کی دعا کرتے رہیں گے اور جو شخص اس کے بعد کہے: میں گواہی دیتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے گواہی دی اور اس گواہی کو اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھتا ہوں اور یہ میری طرف سے اللہ تعالیٰ کے پاس امانت ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ بے شک میرے بندے کا میرے پاس ایک عہد ہے اور میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ میں عہد کو پورا کروں' اے میرے بندے! جنت میں داخل ہو جا ﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ یعنی اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا جو توحید کا دین ہے' چنانچہ نصاریٰ نے تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ گھڑ لیا اور یہود نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ مگر یہ جاننے کے بعد کہ اسلام حق ہے جس کے مانے بغیر نجات ممکن نہیں ﴿بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ﴾ یعنی ان کا یہ اختلاف محض باہمی حسد' طلب ریاست' دنیا کے حصول اور ایسے لوگوں کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہوا جن کو اسلام کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا اور بعض نے کہا کہ حضرت سید الانبیاء محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے بارے میں ان کو اختلاف تھا کہ ان میں سے کچھ آپ پر ایمان لے آئے اور کچھ نے آپ کی نبوت کے ساتھ کفر کیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا اختلاف اس بات کا علم آ جانے کے بعد ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی اس کے براہین ودلائل کے ساتھ کفر کرتا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ جلد اور سخت سزا دینے والا ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾

ع ۱۰

پھر اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیں کہ میں نے صرف اللہ کے لیے اپنے چہرے کو جھکا دیا ہے اور میرے پیروکاروں نے' اور آپ اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں سے فرما دیں کہ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ہدایت پا گئے' اور اگر انہوں نے منہ پھیر لیا ہے تو بے شک آپ پر فقط پیغام پہنچانا لازم ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے○ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے اور انصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کرتے ہیں تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں○

۲۰۔﴿ فَإِنْ حَآجُّوكَ ﴾ پھر اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دینِ حق اسلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں اور جمہور کے نزدیک ان لوگوں سے بنو نجران کا وفد مراد ہے ﴿ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ ﴾ سو آپ فرما دیں کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا ہے یعنی میں نے اپنے آپ کو اور اپنے جملہ امور کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے لیے خالص کر دیا ہے اور میں نے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کا شریک نہیں بنایا کہ میں اس کے سوا کسی کی عبادت کروں یا اس کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کروں یعنی بے شک میرا دین توحید کا دین ہے اور یہ وہی مستحکم دین ہے جس کی صحت و حقانیت تمہارے پاس اسی طرح ثابت ہے جس طرح میرے نزدیک ثابت ہے اور میں کوئی نئی چیز نہیں لایا کہ تم میرے ساتھ اس کے بارے میں جھگڑا کرو اور اسی طرح یہ ارشاد ہے: ''قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا. (آل عمران:۶۴) اے محبوب! تم فرما دو کہ اے اہلِ کتاب! تم ایک ایسے کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، وہ یہ ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم سب اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں''۔ پس جھگڑے کا یہی دفاع ہے کہ بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھی مؤمنین جس راہ پر گامزن ہیں وہ یقین کی راہ ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے تو اس کے بارے میں جھگڑنے کا کیا فائدہ؟ ﴿ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ﴾ [اور اس کا عطف ''أَسْلَمْتُ'' کی ''تَا'' ضمیر پر ہے یعنی میں نے اور میری پیروی کرنے والوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور الفاظِ فاصل کے لیے یہی بہتر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ واؤ ''مَعَ'' کے معنی میں ہو تو یہ جملہ مفعول معہ ہو جائے گا (وصل اور فصل کی) دونوں حالتوں میں ''وَمَنِ اتَّبَعَنِي'' ہے البتہ سہل اور یعقوب نے وصل کی حالت میں ابوعمرو بصری کی موافقت کی ہے اور قاری نافع مدنی، ابن عامر شامی، حفص، اعشیٰ اور برجمی نے ''وَجْهِيَ'' پڑھا ہے] ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ اور (اے محبوب!) آپ ان لوگوں سے فرما دیں جن کو کتاب دی گئی ہے یعنی یہود و نصاریٰ سے (فرما دیں) ﴿ وَالْأُمِّيّٖنَ ﴾ اور مشرکینِ عرب سے فرما دیں جن کے پاس کوئی کتاب نہیں ﴿ ءَأَسْلَمْتُمْ ﴾ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا؟ [کوفی نے دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے] یعنی بے شک تمہارے پاس ایسے واضح معجزات آ چکے ہیں جو اسلام کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں تو کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے یا ابھی تک اپنے کفر پر جمے ہوئے ہو؟ اور بعض نے کہا کہ الفاظ کے اعتبار سے یہ جملہ استفہامیہ ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ امر ہے یعنی تم اسلام قبول کرو یا تم اسلام لے آؤ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ:۹۱) یعنی تم باز آ جاؤ اور برائیوں سے رک جاؤ''۔ کیونکہ یہاں ''مُّنْتَهُوْنَ'' فعل امر ''اِنْتَهُوْا'' کے معنی میں ہے ﴿ فَإِنْ أَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ہدایت پا گئے یعنی انہوں نے رشد و ہدایت کو پا لیا کہ وہ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آ گئے ﴿ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ﴾ اور اگر انہوں نے منہ پھیر لیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا کافی ہے یعنی وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور نہ آپ کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں کیونکہ آپ تو بروقت لوگوں کو آگاہ کرنے والے ہیں اور آپ پر صرف خدا کا پیغام پہنچانا لازم ہے اور ہدایت کے راستے سے لوگوں کو آگاہ کرنا لازم ہے (سو وہ آپ کر چکے) ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اسلام اور ان کے کفر کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

۲۱۔﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں، ان لوگوں سے اہلِ کتاب مراد ہیں اور ان کے آباء و اجداد نے جو اپنے زمانے کے

نبیوں کوقتل کیا تھا'اس پر یہ اہل کتاب راضی تھے اس لیے قتل کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی ہے ﴿ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ یہ مؤکد حال ہے کیونکہ نبی کا قتل ناحق ہی ہوتا ہے ﴿ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ ﴾ اور ان کو بھی قتل کر دیتے تھے جوانہیں (انصاف کا) حکم دیتے [اور قاری حمزہ نے ''يُقَاتِلُوْنَ'' پڑھا ہے] ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ انصاف کرنے کا ﴿ مِنَ النَّاسِ ﴾ یعنی نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے دن کے اول وقت میں صرف ایک پہر میں تینتالیس نبیوں کوقتل کر ڈالا تو بنی اسرائیل میں ایک سو بارہ عبادت گزار علماء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قاتلوں کو نیکی کرنے کا حکم دیا اور برائی کرنے سے روکا تو ان ظالموں نے اسی دن پچھلے پہر ان مبلغین کو بھی قتل کر ڈالا ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ [''اِنَّ'' کی خبر پر ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ''اِنَّ'' کا اسم جزا کے معنی کو متضمن ہے] گویا یوں کہا گیا ہے کہ جولوگ کفر کرتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جولوگ کفر کریں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں [اور یہ اس لیے ہے کہ ''اِنَّ'' ابتدا کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا' اس کا معنی تحقیق دینا ہے تو گویا اس کا داخل کرنا نہ کرنا یکساں ہے البتہ اگر اس کی جگہ ''لَيْتَ'' یا ''لَعَلَّ'' آ جاتے تو ''فا'' کا داخل کرنا ممنوع ہو جاتا]۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۫ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دنیا اور آخرت میں تمام اعمال برباد ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں O کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا وافر حصہ دیا گیا (جب) ان کو کتاب الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور وہ پھر جانے والے ہیں O یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے کہا: ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن' اور ان کے دین میں انہیں اس جھوٹ نے دھوکہ دیا جو وہ خود گھڑتے تھے O سو ان کا کیسا بُرا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں' اور ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

۲۲- ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے ﴿ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ دنیا اور آخرت میں' سو دنیا میں تو ان کے لیے ذلت و رسوائی ہے اور ان پر لعنت ہے اور آخرت میں عذاب ہوگا ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں اور اس کو آیات کی موافقت کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے ورنہ مفرد نکرہ جب نفی کے تحت آ جاتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

٢٣۔﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب سے ایک حصہ دیا گیا؟ اس سے یہود کے علماء مراد ہیں اور انہوں نے تورات سے علم کا وافر حصہ حاصل کیا [اور حرف ''مِنْ'' تبعیض کا ہے یا بیان کے لیے ہے] ﴿ يُدْعَوْنَ ﴾ ان کو بلایا جاتا ہے [یہ ''اَلَّذِيْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تورات یا قرآن مجید کی طرف ﴿ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ﴾ تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کر دے' کتاب کو اس لیے حاکم قرار دیا گیا ہے کہ یہ حکم کا سبب ہے یا یہ معنی ہے تاکہ حضور نبی اکرم ﷺ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو آپ سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے پوچھا کہ آپ کس دین پر ہیں؟ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا: میں ملتِ ابراہیم پر ہوں' انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو یہودی تھے' آپ نے ان سے فرمایا: بے شک ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تورات پر ہوگا' لہٰذا تم جاؤ اور اس کو لے کر آؤ لیکن انہوں نے انکار کر دیا (تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی) ﴿ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے' ان کا یہ جاننے کے بعد کہ کتاب الٰہی کی طرف رجوع کرنا واجب ہے' ان کی روگردانی کرنے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے ﴿ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ یہ وہ بدنصیب قوم ہے جس کی اپنے دین سے روگردانی کرنا ہمیشہ عادت رہی ہے۔

٢٤۔﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ یہ اس بنا پر ہوا کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن یعنی ان کا روگردانی کرنا اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ پر عذاب کو ہلکا سمجھ لیا ہے اور انہوں نے گنتی کے چند دنوں کے بعد دوزخ کی آگ سے نکلنے کی امید پر اعراض کر لیا ہے اور وہ چالیس دن ہیں یا سات دن ہیں [اور ''ذٰلِكَ'' مبتدا ہے اور ''بِاَنَّهُمْ'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ اور ان کو دھوکے میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں ان بہتان تراشیوں نے جو وہ خود گھڑ کر بیان کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ پر ان کی بہتان تراشی نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ'' نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ''یعنی ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں سو وہ ہمارے گناہوں پر ہم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا مگر تھوڑی سی مدت۔

٢٥۔﴿ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ ﴾ پھر اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے ﴿ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ﴿ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴾ اور ہر شخص کو پوری جزا دی جائے گی جو اس نے کمایا تھا ﴿ وَهُمْ ﴾ یہ ضمیرِ جمع ہر شخص کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ یہ ''كُلُّ النَّاسِ'' کے معنی میں ہے ﴿ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی نہ ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

آپ یوں عرض کیجئے کہ اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور تو جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے' اور سب بھلائی تیرے ہاتھ میں ۔ ہے' بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے O تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور تو مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرما دیتا ہے O

اللہ تعالیٰ کی سلطنت وقدرت' کفار سے تعلق کی صورت' اتباعِ رسول کا فائدہ

۲۶- ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ﴾ [میم حرفِ ندا ''یَا'' کے عوض میں ہے (کیونکہ دراصل ''یَـا اَللّٰہُ'' تھا) اس لیے یہ دونوں جمع نہیں ہوتے اور یہ اس اسم کا خاصہ ہے جیسا کہ قسم میں اس پر ''تَا'' کا داخل ہونا اور ''یَـا اَللّٰہُ'' میں حرفِ ندا کا بمع لام تعریف اور ہمزہ قطعی کے داخل ہونا اس کی خصوصیت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم ہے] ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ حقیقت میں تو ہی ملک کا مالک ہے' سو تو ہی اس میں تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنے مملوکات میں تصرف کرتے ہیں اور یہ دوسری ندا ہے یعنی اصل میں ''یَـا مَـالِكَ الْمُلْكِ'' ہے ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ تو جس کو چاہتا ہے سلطنت سے حصہ عطا فرماتا ہے جو اس کی قسمت میں ہوتا ہے ﴿وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے' پس پہلا ملک عام ہے اور آخری دو خاص ہیں جو کل کا بعض ہیں۔ مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ فتح فرما لیا تو اپنی امت سے ملک روم اور ملک فارس کی فتح کا وعدہ فرمایا تو منافقین اور یہودیوں نے کہا کہ ایسا ہونا بہت دور کی بات ہے اور یہ ناممکن ہے (حضرت سرورِ کونین) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو ملک روم اور فارس کی فتح کیسے حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور ہیں اور بڑے جنگ جو لوگ ہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور تو جس کو چاہتا ہے سلطنت عطا فرما کر عزت دیتا ہے ﴿وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور جس کو چاہتا ہے اس سے ملک چھین کر ذلت ورسوائی میں مبتلا کر دیتا ہے ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ یعنی خیر وشر دونوں تیرے دستِ قدرت میں داخل ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے دو ضدوں میں سے ایک کے ذکر پر اکتفا کر کے دوسری کو چھوڑ دیا یا اس لیے کہ کلام اس خیر کے بارے میں واقع ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عنایت فرماتا ہے اور یہ وہ خیر ہے جس کا کافروں نے انکار کیا ہے' سو فرمایا کہ بھلائی تیرے دستِ قدرت میں ہے جو اپنے دشمنوں کے برخلاف اپنے اولیاء اور دوستوں کو عطا فرماتا ہے ﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے اور تیری عطائے قدرت کے بغیر کوئی شخص کسی چیز پر کچھ قدرت نہیں رکھتا اور ایک قول یہ ہے کہ ملک سے عافیت کا ملک مراد ہے یا قناعت کا ملک مراد ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے بہشت کے بادشاہ وہ لوگ ہوں گے جو ایک ایک دن کی روزی پر قناعت کرتے تھے یا ملک سے شب بیداری کرنے والوں کا ملک مراد ہے۔ حضرت ابو بکر شبلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جو شخص اطاعت وفرماں برداری کے ذریعے دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ معرفت کے ساتھ معزز ومکرم ہو جاتا ہے یا اطاعت وفرمانبرداری اور قناعت کے ذریعے دنیا سے استغناء معرفت میں مکرم کر دیتا ہے اور اس کے برعکس کرنے سے ذلت نصیب ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے دن رات کا آپس میں ایک دوسرے میں داخل کرنے اور زندہ اور مردے کا ایک دوسرے سے نکلنے کا ذکر کر کے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر فرمایا اور اس پر اپنے بے حساب رزق کا عطف فرمایا۔

۲۷- ﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ اور تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ [''اِیْـلَاج'' کا معنی ہے: کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز میں داخل کرنا اور وہ یہاں مجاز ہے] یعنی (موسم گرما میں) رات کے اوقات کم ہو جاتے ہیں اور دن میں بڑھ جاتے ہیں اور (موسم سرما میں) دن کے اوقات کم ہو جاتے ہیں اور رات میں بڑھ

جاتے ہیں ﴿ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ﴾ اور تو زندہ کو مردے سے نکالتا ہے کہ حیوان کو بے جان نطفہ سے یا چوزے کو انڈے سے یا مؤمن کو کافر سے پیدا کرتا ہے ﴿ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ﴾ اور تو مردے کو زندہ سے نکالتا ہے کہ نطفہ کو انسان سے یا انڈے کو مرغی سے یا کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے ﴿ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے اور مخلوق اس کی تعداد اور اس کی مقدار کو نہیں پہچان سکتی اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم و متعین اور محدود ہوتی ہے (لہٰذا بغیر حساب مخلوق کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے) تا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ جو خدائے قدوس ان محیّر العقول عظیم ترین افعال پر قدرت رکھتا ہے' پھر جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دینے پر قدرت رکھتا ہے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اہل عجم سے ملک چھین کر انہیں ذلیل و پست کر دے اور اہل عرب کو وہ ملک عطا فرما کر معزز کر دے اور بعض کتب میں یہ لکھا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) میں ہی اللہ ہوں' تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہوں اور تمام بادشاہوں کے دل اور ان کی پیشانیاں میرے ہاتھ میں ہیں' لہٰذا اگر بندوں نے میری اطاعت کی تو میں ان پر بے حد رحمت نازل کروں گا اور اگر انہوں نے میری نافرمانی کی تو میں ان پر بُرے بادشاہ مسلط کر کے ان کو سزا دوں گا' سو تم بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ ہو جاؤ بلکہ میری طرف رجوع کرو میں ان کو تم پر مہربان کر دوں گا اور انبیائے کرام علیہم السلام کے فرمان کا یہی معنی ہے کہ جیسے تم ہو گے ویسے تم پر حاکم ہوں گے [اور قاری ابو بکر کے علاوہ قاری نافع مدنی اور کوفی نے ''اَلْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَالْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ'' میں ہر ''یا'' کو مشدد پڑھا ہے]۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اہل ایمان مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس کا اللہ کی نصرت سے کوئی تعلق نہیں رہے گا مگر یہ کہ تمہیں ان سے خطرہ ہو اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے O آپ فرما دیں کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو' اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' وہ سب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے O

۲۸- ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ ﴾ مسلمان کافروں کو دوست نہ بنائیں' اس میں کافروں کی دوستی سے مسلمانوں کو باہمی رشتہ داری کی وجہ سے یا اسلام سے پہلے کی دوستی کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور (یعنی محلّہ داری کی) وجہ سے منع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بار بار ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے (اہل ایمان سے) محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر (دشمنان دین سے) بغض رکھنا ایمانِ کامل کی بہت بڑی خوبی ہے ﴿ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ مسلمانوں کو چھوڑ کر' یعنی بے شک کافروں سے دوستی کرنے کی بجائے مسلمانوں سے دوستی کرنے میں بڑی

گنجائش رکھی ہے' لہٰذا تم کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح نہ دو ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ﴾ اور جو شخص کافروں سے دوستی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت سے اس کا کچھ تعلق نہیں رہے گا (بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت سے محروم ہو جائے گا) کیونکہ دوست کی دوستی اور دشمن کی دوستی دو متضاد چیزیں ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ﴾ مگر یہ کہ تمہیں ان سے کسی قسم کا خوف وخطرہ ہو تو اس صورت میں بچاؤ کی تدبیر کرنا واجب ولازم ہے یعنی کافروں کو تم پر غلبہ حاصل ہو اور تمہیں اپنی جان ومال کا خوف ہو تو اس وقت ان سے بہ ظاہر دوستی کا اظہار کرنا اور دل میں ان کی عداوت ودشمنی کو چھپانا جائز ہے ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے' لہٰذا تم اس کے دشمنوں سے دوستی کر کے اس کے غضب کو دعوت نہ دو اور یہ سخت ترین وعید ہے ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾ یعنی تم سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور لوٹ کر جانا ہے اور اس کے پاس عذاب تیار ہے اور یہ دوسری وعید ودھمکی ہے۔

۲۹- ﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اگر تم کفار کی دوستی وغیرہ جس پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں کو اپنے سینوں میں چھپاؤ یا ظاہر کرو ﴿ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اور اس پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے اور یہ زیادہ بلیغ وعید ہے ﴿ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ [یہ ایک الگ مستقل جملہ ہے اور جوابِ شرط پر معطوف نہیں ہے] یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ بابرکات ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے' لہٰذا نہ تمہارا ظاہر اس پر مخفی ہے اور نہ تمہارا باطن اس سے پوشیدہ ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' سو وہ تمہیں سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اس دن ہر شخص اپنی نیک کمائی کو حاضر پائے گا اور اپنی بُری کمائی کو (بھی حاضر پائے گا) اور یہ آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس دن کے درمیان بہت دور کا فاصل ہوتا اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے O (اے محبوب!) آپ فرما دیں (کہ اے لوگو!) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O آپ فرما دیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا O بے شک اللہ نے آدم' نوح' آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو اس وقت کے تمام جہانوں والوں پر منتخب فرما لیا O

۳۰۔﴿ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ﴾

[''یَوْمَ''، ''تَوَدُّ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''بَیْنَهٗ'' میں ضمیر ''یوم'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنی بھلائی اور بُرائی دونوں کو اپنے سامنے حاضر پائے گا اور تمنا کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس روز قیامت کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا یعنی دور کی مسافت ہوتی [یا ''یوم'' منصوب ہے ''اُذْكُرْ'' (محذوف) کی وجہ سے اور ''تَجِدُ'' صرف ''مَا عَمِلَتْ'' (کو مفعول بنانے کے لیے اس) پر واقع ہو رہا ہے اور ''وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ'' مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''تَوَدُّ'' اس کی خبر ہے] یعنی جس شخص نے برا عمل کیا وہ قیامت کے دن آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس بُرے عمل کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا [اور ''مَا'' کو شرطیہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ ''تَوَدُّ'' مرفوع ہے' ہاں! البتہ جب شرط فعل ماضی ہو تو رفع جائز ہوتا ہے لیکن جزم کثیر الاستعمال ہے اور مبرد کے نزدیک رفع شاذ ہے] اور اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں پر طاری ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہیں ﴿ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت شفقت فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بندوں پر شفقت ہی تو ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی ذات سے ڈراتا رہتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کو غضب ناک کرنے کے درپے نہ ہو جائیں اور یہ جائز ہے کہ مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کی وجہ سے ان کو ڈرانے کے باوجود اس کی وسعتِ رحمت کی امید کی جا سکتی ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ O (الفصلت:۴۳) بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے اور دردناک عذاب دینے والا ہے O''۔

شانِ نزول: جب یہودیوں نے کہا کہ ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'' ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں (ہمیں کسی کی پیروی اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے) تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۳۱۔﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ سے بندے کی محبت یہ ہے کہ غیر کے مقابلہ میں اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے اور بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ وہ اپنے اس اطاعت گزار بندے سے راضی ہو جائے اور اس کے نیک عمل پر اس کی تعریف کرے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں کئی قوموں نے یہ خیال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی زبانی محبت الٰہی کے دعویٰ کے لیے عملی تصدیق مقرر فرما دے (لہٰذا اتباعِ رسول اکرم ﷺ محبت الٰہی کے دعویٰ کی عملی تصدیق ہے) تو جس نے محبت الٰہی کا دعویٰ کیا اور اس کے رسول کی سنتوں کی مخالفت کی' سو وہ جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب (قرآن مجید) اس کی تکذیب کرتی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ بندے کو اس کی معرفت اور اس کی خشیت حاصل ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اور اس کی یاد میں مشغول رہے اور ہمیشہ اس سے مانوس رہے اور بعض نے کہا کہ حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی خصوصیات کو چھوڑ کر آپ کے باقی تمام اقوال' تمام اعمال اور تمام احوال کی اتباع کرنے کا نام محبت الٰہی ہے اور بعض نے فرمایا کہ محبت الٰہی کی علامت یہ ہے کہ ہمیشہ غور و فکر کرتا رہے اور زیادہ سے زیادہ گوشہ نشین رہے اور ہمیشہ خاموشی اختیار کرے جب کسی غیر محرم پر نظر پڑے تو اسے نہ دیکھے اور جب اس کو برائی وغیرہ کی طرف بلایا جائے تو نہ سنے اور جب کسی مصیبت میں گھر جائے تو غمگین نہ ہو اور جب کوئی نعمت پا لے تو بے جا خوشی کا اظہار نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور نہ کسی سے کوئی امید وابستہ کرے ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور وہ تمہاری خاطر تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

۳۲- ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ لوگو! تم اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کی اطاعت کرو اور بعض علماء نے فرمایا کہ محبت کی علامت یہی ہے (کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے) ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ اطاعت قبول کرنے سے روگردانی کریں اور ممکن ہے کہ یہ فعل مضارع ہو "اَیْ فَاِنْ تَتَوَلَّوْا" یعنی پھر اگر تم روگردانی کرو گے" ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ایسے کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

حضرت آدم' حضرت نوح' آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کی فضیلت وشان کا بیان

۳۳- ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرما لیا ہے ﴿اٰدَمَ﴾ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو ﴿وَنُوْحًا﴾ اور تمام رسولوں کے بزرگ حضرت نوح علیہ السلام کو ﴿وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق علیہما السلام اور ان کی اولاد کو ﴿وَاٰلَ عِمْرٰنَ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو' یہ دونوں عمران بن یصھر کے بیٹے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم بنت عمران بن ماثان ہیں اور دونوں عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فاصلہ ہے ﴿عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ان کے زمانے میں رہنے والے تمام جہاں کے لوگوں پر (ان کو منتخب فرمایا)۔

ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

یہ ایک دوسرے کی نسل سے ہیں' اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ جب عمران کی بیوی نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ خالص تیری عبادت کے لیے وقف ہے' سو تو مجھ سے قبول فرما لے' بے شک تو بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ پھر جب اس نے جنا (تو) کہنے لگی: اے میرے رب! میں نے تو یہ لڑکی جنی ہے' اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے' اور اس نے جو لڑکا مانگا وہ اس لڑکی کی طرح نہیں ہو سکتا' اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچنے کے لیے تیری پناہ میں دیتی ہوں ○

۳۴- ﴿ذُرِّيَّةً﴾ اولاد' یہ آل ابراہیم اور آل عمران سے بدل ہے ﴿بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ﴾ [مبتدا ہے اور اس کی خبر محلاً منصوب ہے اور "ذُرِّيَّةً" کی صفت ہے] یعنی وہ دونوں آل ایک تھے' پھر ان کا سلسلہ آگے بڑھا اور ایک دوسرے سے

ان کی شاخیں پھیل گئیں' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون عمران سے اور عمران یصھر سے اور یصھر قاہث سے اور قاہث لاوی سے اور لاوی یعقوب سے اور یعقوب اسحاق سے اور اسی طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم بنت عمران بن ماثان ہیں اور وہ یہود ابن یعقوب بن اسحاق سے جا ملتا ہے اور رسول اللہ ﷺ آل ابراہیم میں داخل ہیں اور بعض علماء نے فرمایا کہ وہ دین میں ایک دوسرے کی شاخ ہیں ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا' جاننے والا ہے' وہ جانتا ہے کہ انتخاب و برگزیدگی کی کون صلاحیت رکھتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ عمران کی بیوی کی بات کو اور اس کی نیت کو سننے جاننے والا ہے۔

۳۵-﴿اِذْ قَالَتِ﴾ [اور ''اِذْ'' اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے یا ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ﴿امْرَاَتُ عِمْرٰنَ﴾ یہ عمران بن ماثان کی بیوی اور حضرت مریم کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی نانی جان ہیں اور یہ بی بی حنہ بنت فاقوذا ہیں ﴿رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ﴾ اے میرے رب! بے شک میں نے تیرے لیے نذر مان لی ہے یعنی میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ﴿مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا﴾ [''مُحَرَّرًا'' ''مَا'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہ ''مَا'' ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے] یعنی جو میرے پیٹ میں ہے اس کو میں نے بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد کر دیا ہے اور نہ میں اس کو اپنے قبضہ میں رکھوں گی اور نہ اس سے میں خدمت لوں گی اور نذر کی یہ قسم ان کے نزدیک جائز تھی یا یہ کہ میں نے اس کو خالص عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے' کہا جاتا ہے: ''طِيْنٌ حُرٌّ'' یعنی خالص مٹی ﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ﴾ سو تو مجھ سے قبول فرما لے [قاری نافع مدنی اور قاری ابوعمرو بصری نے ''مِنِّيَ'' (''یا'' کو مفتوح) پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے ''یا'' کو ساکن پڑھا ہے اور ''تقبل'' کا معنی ہے کہ کوئی چیز بہ رضاء و رغبت لے لینا] ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک تو ہی سب کچھ سنتا' جانتا ہے۔

۳۶-﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا﴾ پھر جب عمران کی بیوی نے جنا [اور ''ھَا'' ضمیر ''مَا فِيْ بَطْنِيْ'' کی طرف لوٹتی ہے اور اس کو مؤنث ''حَبْلَةٌ'' (حمل) یا ''نَفْسٌ'' (جان) یا ''نَسَمَةٌ'' (روح) کی تاویل پر لایا گیا ہے] ﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى﴾ بولی: اے میرے رب! بے شک میں نے لڑکی جنی ہے [''وَضَعْتُهَا'' کی ضمیر سے ''اُنْثٰى'' حال واقع ہو رہا ہے] یعنی اس نے جو حمل یا جان یا روح کو جنا ہے وہ بچی ہے اور اس نے یہ بات صرف اس لیے کہی کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکوں کو آزاد کیا جاتا تھا تو اس نے اپنی نذر پر معذرت کا اظہار کیا اور اس نے اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے رنج و غم کا اظہار کیا اور اس نے یہ بات رنج و غم اور افسوس کے طریقے پر کی تھی' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے اور اس جملے میں مولودہ بچی (حضرت مریم) کی عظمت کا اظہار ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس چیز کو سب سے زیادہ جانتا ہے جو اس نے جنی ہے اور جو اس کے ساتھ عجائبات قدرت اور بڑے بڑے امور و معاملات وابستہ ہیں [اور قاری ابن عامر شامی اور قاری ابوبکر نے اس کو ''وَضَعْتُ'' (فعل ماضی واحد متکلم) پڑھا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ہزارہا اسرار و رموز اور حکمتیں ہو سکتی ہیں اور اس قراءت کے مطابق یہ جملہ عمران کی بیوی کے مقولہ میں داخل ہوگا اور پہلی قراءت کے مطابق ''اُنْثٰى'' پر وقف ہوگا اور ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ'' ارشاد باری تعالیٰ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے کے لیے شروع ہوا ہے] ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ﴾ اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا تھا ﴿كَالْاُنْثٰى﴾ اس لڑکی (حضرت مریم) کی طرح نہیں ہو سکتا اور ان دونوں میں لام تعریف عہد کا ہے ﴿وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے [اور یہ جملہ ''اِنِّيْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰى'' پر معطوف ہے اور ان دونوں کے درمیان دو جملے معترضہ (یعنی دو نئے جملے) بیان کیے گئے ہیں] اور اس جملے میں حضرت حنہ نے اپنی بیٹی کا نام مریم اللہ تعالیٰ سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کی

زبان میں مریم کا معنی عابدہ (عبادت گزار بچی) تھا تو گویا اس نے اپنی اس بچی کے ذریعے قربِ الٰہی کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے ان کی عصمت و پاک دامنی کا مطالبہ کیا تا کہ حضرت مریم کا کردار ان کے نام کے مطابق ہو جائے اور اس نے جو اس بچی سے (نیک نامی) کی امید وابستہ کر رکھی ہے وہ سچ ثابت ہو جائے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ انہوں نے اپنی اس بچی (حضرت مریم) اور اس کی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں شیطان مردود سے پناہ طلب کی ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ﴾ اور بے شک میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں مردود شیطان سے [اور قاری نافع مدنی نے ''وَاِنِّیَ'' (یعنی ''یا'' کو ساکن کی بجائے مفتوح) پڑھا ہے اور ''رَجِیْم'' کا معنی ملعون ہے] چنانچہ حدیث شریف ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چھوتا ہے اور جب شیطان اس کو چھوتا ہے تو وہ چیختا ہے سوائے حضرت مریم کے اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ کے[1]

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُورًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۳۹﴾

تو اس کے رب نے اسے اچھی طرح قبول فرما لیا اور اس کو اچھی طرح پروان چڑھایا' اور زکریا کو اس کا کفیل بنا دیا' جب زکریا اس کے پاس اس کے کمرے میں جاتے' تو اس کے پاس (بے موسمے پھل اور) رزق پاتے' زکریا نے فرمایا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟ کہنے لگی: وہ اللہ کی طرف سے آتا ہے' بے شک وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے O اسی آستانے پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی اور عرض کیا: اے میرے رب! تو اپنی طرف سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما' بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے O سو فرشتوں نے اس کو پکارا اور وہ اس وقت عبادت گاہ میں کھڑا نماز ادا کر رہا تھا' بے شک اللہ تمہیں یحییٰ کی خوشخبری سناتا ہے جو اللہ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار ہو گا اور عورتوں سے بچنے والا' نیکوکار نبی ہو گا O

۳۷- ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا﴾ تو اللہ تعالیٰ نے مریم کو قبول فرما لیا اور منت میں لڑکے کی جگہ اس پر راضی ہو گیا ﴿بِقَبُولٍ حَسَنٍ﴾ بہتر قبولیت کے ساتھ۔ بعض نے کہا کہ قبول ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو قبول کیا جائے اور جیسے سعوط ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو ناک میں چڑھایا جاتا ہے اور قبول کو حضرت مریم کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ منت میں لڑکے کی جگہ ان کو قائم کر کے قبول کر لیا گیا تھا یا اس لیے کہ ولادت کے فوراً بعد بڑھنے اور خدمت کے قابل ہونے سے پہلے ان کو بیت

[1] بخاری شریف کتاب الانبیاء باب ۴۴' مسلم شریف کتاب الفضائل رقم الحدیث: ۱۴۶

المقدس کے متولی کے سپرد کر دیا گیا تھا' چنانچہ مروی ہے کہ جب مریم کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ حنہ انہیں کپڑے میں لپیٹ کر مسجد (یعنی بیت المقدس) میں لے گئیں اور ان کو علماء کے سپرد کر دیا اور وہ علماء حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور وہ بیت المقدس کے نگران تھے' وہ کعبہ معظمہ کے نگرانوں کی طرح تھے اور حضرت حنہ نے ان سے فرمایا کہ یہ میری نذر ہے اسے لے لو' چنانچہ سب کے سب اسے لینے میں دل چسپی لینے لگے کیونکہ حضرت مریم ان کے امام کی بیٹی تھیں اور ان کے صاحب قربان کی بیٹی تھیں اور بنو ماثان بنی اسرائیل کے سردار تھے اور ان کے علماء تھے' سو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ان کی تربیت کے لیے صرف میں ہی مستحق ہوں کیونکہ ان کی ہمشیرہ میری منکوحہ ہے تو انہوں نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ ہم سب ان کے بارے میں قرعہ اندازی کر لیتے ہیں' سب راضی ہو گئے اور یہ کل ستائیس افراد تھے اور اس پر عمل کرنے کے لیے نہر کی طرف چل پڑے' وہاں پہنچ کر سب نے اپنی قلمیں نہر میں ڈال دیں (اور طے یہ پایا کہ جس کا قلم پانی پر تیرنے لگے گا وہی حضرت مریم کا کفیل ہوگا) چنانچہ حضرت زکریا کا قلم پانی کے اوپر بلند ہو گیا اور باقی سب کے قلم پانی کی تہ میں بیٹھ گئے تو حضرت زکریا ان کے کفیل مقرر ہو گئے [اور بعض نے کہا کہ یہ مصدر ہے اور اس کا مضاف محذوف مقدر ہے دراصل ''فَتَقَبَّلَهَا بِذِیْ قَبُوْلٍ حَسَنٍ اَیْ بِاَمْرٍ ذِیْ قَبُوْلٍ حَسَنٍ. یعنی سب سے بہتر قبول کرنے والے کے حکم سے اس کو قبول کر لیا گیا'' اور یہی ان کی خصوصیت ہے ﴿ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بہترین تربیت فرمائی اور یہ تربیتِ حسنہ سے مجاز ہے اور ابن عطا نے کہا: جس کا پھل حضرت عیسٰی علیہ السلام جیسا پیغمبر ہو تو اس کو سب سے بہترین تربیت کہا جائے گا [اور ''نَبَاتًا'' خلاف صدر یا خلافِ تقدیرِ مصدر ہے (یعنی اپنے عامل فعل کے غیر کا مصدر ہے) دراصل ''نَبَتَتْ نَبَاتًا'' ہے] ﴿ وَّكَفَّلَهَا ﴾ یعنی حضرت زکریا نے اس کو قبول کر لیا اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے ضامن بن گئے [اور قاری کوفی نے ''وَ كَفَّلَهَا'' پڑھا ہے] جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کو مریم کا کفیل اور ان کے مصالح کا ضامن بنا دیا ﴿ زَكَرِيَّا ﴾ [ابو بکر کے علاوہ کوفی نے پورے قرآن مجید میں اس کو قصر کے ساتھ (یعنی مد کے بغیر) پڑھا ہے اور قاری ابو بکر نے اس جگہ زکریا پر مد اور نصب پڑھا ہے جیسے ثانیہ اور ثالثہ میں پڑھا ہے] اور عبرانی زبان میں زکریا کا معنی ہے: ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر کرنے والا ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ﴾ جب حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس ان کے کمرے میں جاتے اور بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت زکریا نے حضرت مریم کے لیے مسجد میں ایک محراب بنایا ہوا تھا یعنی ایک اونچا کمرہ جس پر سیڑھی کے ذریعے چڑھ کر جاتے تھے اور بعض نے کہا کہ محراب ایک برگزیدہ اور بہترین مقام کا نام ہے گویا حضرت مریم کو بیت المقدس کے ایک برگزیدہ اور بہترین مقام میں رکھا گیا تھا اور بعض نے کہا کہ وہ لوگ اپنی ہر مسجد کو محراب کہتے تھے اور حضرت زکریا ان کے پاس اکیلے جایا کرتے تھے۔

حضرت مریم کی کرامت

﴿ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ﴾ ان کے پاس رزق موجود پاتے' دراصل حضرت مریم کے پاس بہشت سے ان کا رزق نازل ہوتا تھا اور آپ نے کبھی کسی عورت کا دودھ نہیں پیا (کیونکہ پوری مدتِ رضاعت میں ان کی پرورش جنتی کھانوں سے ہوتی رہی) چنانچہ حضرت زکریا موسم گرما میں ان کے پاس موسم سرما کے پھل پاتے اور موسم سرما میں ان کے پاس موسم گرما کے پھل پاتے تھے ﴿ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ﴾ ایک دن حضرت زکریا نے حضرت مریم سے سوال کرتے ہوئے فرمایا: اے مریم! یہ پھل کی صورت میں تیرا رزق تیرے پاس کہاں سے آتا ہے کیونکہ یہ دنیا کے رزق کے مشابہ نہیں؟ اور یہ ان کی غیر موجودگی میں آتا تھا ﴿ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ حضرت مریم نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے' سو آپ تعجب نہ کریں۔ بعض

مفسرین نے فرمایا کہ حضرت مریم نے بچپن میں یہ کلام کیا تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جھولے میں کلام کیا تھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (بے حساب) رزق عطا فرماتا ہے' یہ حضرت مریم کا کلام ہے یا پھر پروردگار عالم کا کلام ہے ﴿بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ بے حد کثرت مال کی وجہ سے یا اپنے فضل و کرم کی وجہ سے ان گنت دیتا ہے جس کا شمار کرنا ممکن نہیں یا نیک عمل پر جزا دیتا ہے[1]

۳۸- ﴿هُنَالِكَ﴾ اس مکان میں جہاں آپ حضرت مریم کے پاس محراب میں بیٹھے ہوئے تھے یا اسی وقت (یہ دعا فرمائی)' دراصل ''هُنَا''، ''حَيْثُ'' اور ''ثَمَّ'' ظرف زمان کے لیے استعمال ہوتے ہیں' چنانچہ جب حضرت زکریا نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت مریم کی کرامت دیکھی اور ان کی قدر و منزلت دیکھی تو انہیں رغبت ہوئی کہ ان کی بیوی ایشاع کو بھی

حضرت فاطمہ خاتونِ جنت کی کرامت

[1] ''مسند ابویعلیٰ'' میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ قحط کی وجہ سے حضور سیّد عالم ﷺ پر کئی دن فاقہ سے گزر گئے (یہ تقاضائے بشریت) آپ کو بھوک محسوس ہوئی تو آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف لے گئے مگر وہاں کسی کے پاس کھانا وغیرہ نہ ملا اور حضرت سیّدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ بیٹی! تمہارے پاس کچھ کھانا موجود ہو تو لے آؤ مگر یہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ کچھ نہیں' حضور نبی اکرم ﷺ یہاں سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا لا کر پیش کر دیا' آپ نے اسے لے کر ایک برتن میں رکھ دیا اور فرمایا: اگرچہ مجھے اور میرے شوہرِ نامدار اور بچوں کو بھوک لگی ہے لیکن ہم سب فاقے سے رہیں گے اور خدا کی قسم! یہ کھانا میں حضور رسول اکرم ﷺ کو ہی پیش کروں گی' پھر حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں' چنانچہ حضور ﷺ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے' حضرت خاتون جنت نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ کھانا بھجوا دیا ہے جس کو میں نے چھپا کر رکھا ہوا ہے' آپ نے فرمایا: میری پیاری بیٹی! لے آؤ' اب خاتونِ جنت نے برتن کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئیں کہ برتن روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا ہے لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہوگئی ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا بیان کی اور خدا کے پیغمبر پر درود و سلام پڑھا اور سارا کھانا حضور کی خدمت میں پیش کر دیا' آپ نے اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور دریافت فرمایا کہ ''اَنّٰی لَكِ هٰذَا. یہ تیرے لیے کہاں سے آیا ہے؟'' حضرت خاتونِ جنت نے جواب دیا کہ ''هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ. یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے'' حضور نبی کریم ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَكِ شَبِیْهَةً بِسَیِّدَةِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ. اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے (اے فاطمہ!) تمہیں بنی اسرائیل کی سردار بی بی مریم کے مشابہ بنایا ہے'' کیونکہ انہیں جب بھی اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو وہ یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی المرتضیٰ' حضرت فاطمہ' حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اجمعین کو اور تمام ازواجِ پاک کو بلایا اور وہ کھانا تناول فرمایا' سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر وہ کھانا ذرہ برابر کم نہ ہوا اور اتنا ہی باقی بچا رہا جتنا کھانے سے پہلے تھا' پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ کھانا آس پاس کے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر' روح البیان' تفسیر مظہری' روح المعانی الجزء الثالث) اس آیت مبارکہ اور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے کرامات اولیاء اللہ کا برحق ہونا واضح ہو گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

ایسا بچہ عطا ہو جیسے ان کی ماں حنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحب کرامت بیٹی عطا ہوئی ہے اگر چہ وہ بانجھ اور بوڑھی ہو چکی تھیں، لیکن ان کی ماں بھی اسی طرح بانجھ اور بوڑھی ہو چکی تھیں اور بعض علما نے فرمایا کہ جب حضرت زکریا نے بے موسمی پھل دیکھے تو انہیں بانجھ عورت کے ہاں اولاد ہونے کا یقین ہو گیا ﴿دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً﴾ حضرت زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے لڑکا عطا فرما "وَلَد" اور "ذُرِّيَّة" واحد اور جمع دونوں پر بولے جاتے ہیں ﴿طَيِّبَةً﴾ بابرکت، لفظ "ذُرِّيَّـة" کی وجہ سے مؤنث لایا گیا ہے ﴿إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ بے شک تو دعا کا سننے والا یعنی دعا قبول کرنے والا ہے۔

۳۹۔ ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ﴾ تو اسے فرشتوں نے آواز دی۔ بعض نے کہا کہ حضرت زکریا کو حضرت جبریل علیہ السلام نے ندا دی تھی [اور بے شک "اَلْـمَلَآئِكَةُ" محض اس لیے کہا گیا کہ اس کا معنی ہے: ان کو اس جنس کی طرف سے ندا کی گئی جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے: "فُلَانٌ يَرْكَبُ الْخَيْلَ. یعنی فلاں آدمی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے"۔ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے "یا" اور امالہ کے ساتھ "فَنَادِيْهِ" پڑھا ہے] ﴿وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ﴾ اور وہ اس وقت مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ مرادات نمازوں کی ادائیگی سے حاصل کی جا سکتی ہیں اور انہی نمازوں کی ادائیگی سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور حاجات پوری ہوتی ہیں اور ابن عطاء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی عالی شان حالت و کیفیت منکشف نہیں فرماتا مگر اوامر کی اتباع اور اطاعات میں اخلاص اختیار کرنے اور مساجد سے مضبوط تعلق قائم کرنے سے ﴿أَنَّ اللَّهَ﴾ [ابن عامر شامی اور حمزہ اور علی کسائی نے الف کو مکسور پڑھا ہے قول مقدر کی وجہ سے یا اس لیے کہ ندا خود قول ہے اور باقی قراء نے مفتوح پڑھا یعنی دراصل "بِـاَنَّ الـلّٰهَ" تھا ﴿يُبَشِّرُكَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوشخبری سناتا ہے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے اس کو اور اس کے بعد آنے والے فعل کو "يَبْشُرُ" (یعنی "یـا" پر فتح "بـا" کو ساکن اور شین کو مضموم) پڑھا ہے، یہ "بَشَرَ يَبْشُرُ" سے ہے اور اس تخفیف و تشدید میں دونوں لغتیں جائز ہیں] ﴿بِيَحْيَىٰ﴾ [اگر یہ عجمی اسم ہے تو یہ غیر منصرف ہے اور یہی ظاہر ہے معرفہ اور عجمہ ہونے کی وجہ سے موسیٰ اور عیسیٰ جیسے اسموں کی طرح اور اگر یہ عربی ہو تو پھر یہ معرفہ اور وزنِ فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے جیسے "يَعْمَرُ" ہے] ﴿مُصَدِّقًا﴾ اس سے حال واقع ہو رہا ہے ﴿بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ یعنی حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کی تصدیق کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے، سو یہ پہلے شخص ہیں جو حضرت عیسیٰ کی تصدیق کریں گے اور حضرت عیسیٰ کو "كَلِمَةُ اللّٰهِ" اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ بغیر باپ کے امر "كُنْ" سے پیدا ہوئے تھے یا یہ معنی ہے کہ حضرت یحییٰ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والے اور اس کی کتاب پر ایمان لانے والے ہیں ﴿وَسَيِّدًا﴾ اور وہ اپنی قوم کا سردار ہو گا یعنی شرف و عظمت میں ان پر فائق ہو گا اور وہ واقعی اپنی قوم پر فوقیت رکھتے تھے اور اپنی قوم سے افضل تھے کیونکہ آپ نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ کبھی گناہ کا ارادہ تک نہیں کیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "سَيِّدٌ" وہ ہے جو اطاعت و فرماں برداری کے ذریعے کونین کو عمدہ بنالے ﴿وَحَصُورًا﴾ اور پاک دامن جو قدرت و طاقت کے باوجود عورتوں کے قریب تک نہ جائے اور اپنے آپ کو خواہشات نفسانی سے روک کر رکھنے والا ﴿وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ اور پیغمبر ہو گا اور صالحین میں پرورش پائے گا کیونکہ انبیائے کرام کی پشت سے پیدا ہو گا یا جماعتِ صالحین میں سے ہو گا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے اور میری عورت بانجھ ہو چکی ہے' فرمایا: اللہ جو چاہتا ہے اسی طرح کرتا ہے O عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے' فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارہ کے بات نہیں کر سکے گا' اور تو اپنے رب کو کثرت سے یاد کیا کر اور شام کو اور صبح کو اس کی تسبیح پڑھا کر O اور جس وقت فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے منتخب کر لیا ہے اور تجھے پاکیزہ بنایا ہے اور جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کیا O اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کیجئے اور سجدہ کیجئے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجئے O

۴۰- ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ حضرت زکریا نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیوں کر ہوگا؟ حضرت زکریا نے عادت جاریہ کے اعتبار سے تعجب کا اظہار کیا ہے (کہ اس بڑھاپے کی عمر میں عادۃً بچے نہیں ہوتے) اور قدرت الٰہی کی عظمت و بڑائی کا اظہار کیا ہے شک کی بنا پر نہیں کہا ﴿وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ﴾ اور حالانکہ مجھے بڑھاپا آ گیا ہے جیسے عرب کا مقولہ ہے کہ فلاں آدمی کو بڑھاپے نے آ لیا ہے یعنی میرے اندر بڑھاپے نے اثر کر لیا ہے اور مجھے ضعیف و ناتواں کر دیا ہے اور اس وقت حضرت زکریا کی عمر ننانوے سال کی تھی اور آپ کی بیوی کی عمر اٹھانوے سال تھی ﴿وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ﴾ اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے اور اولاد کے قابل نہیں رہی ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح (خلاف عادت بڑھاپے کی عمر میں بھی) جو چاہتا ہے عجیب و غریب افعال سرانجام دیتا ہے۔

۴۱- ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً﴾ [قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری نے ''لِيَ'' (لام کو مکسور اور ''یا'' کو مفتوح) پڑھا ہے] حضرت زکریا نے عرض کی: اے میرے رب! میرے لیے کوئی علامت اور نشانی مقرر فرما دے جس کے ذریعے میں پہچان لوں کہ واقعی میری بیوی حاملہ ہوگئی ہے تاکہ جب یہ نشانی آئے تو میں اس نعمت پر تیرا شکر ادا کروں ﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو اس وقت لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکے گا ﴿ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾ تین دن تک مگر ہاتھ کے اشارہ سے یا سر یا آنکھ یا ابرو کے اشارے سے بات کر سکے گا۔ ''رَمْز'' کا اصل معنی حرکت کرنا ہے' کہا جاتا ہے: ''اِرْتَمَزَ'' جب کوئی چیز حرکت کرے اور اللہ تعالیٰ نے رمز کا استثناء اس لیے کیا ہے کہ یہ کلام کی جنس سے نہیں ہے بلکہ کلام کے قائم مقام ہے' جو کچھ کلام سے سمجھا جاتا ہے وہی اس سے سمجھایا جا سکتا ہے اس بنا پر اس کو کلام کہا جاتا ہے یا یہ استثناء منقطع ہے (جس کا پہلے کلام سے کوئی تعلق نہیں) اور بلاشبہ لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کی تخصیص اس لیے

کی گئی ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قدرت کے باوجود حضرت زکریا کی زبان صرف انسانوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے بند کی گئی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کے لیے آپ کی زبان بند نہیں ہوئی تھی اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴾ یعنی لوگوں کے ساتھ گفتگو نہ کر سکنے کے دنوں میں اپنے رب کا کثرت سے ذکر کیجئے اور صبح و شام تسبیح بیان کیجئے اور یہ روشن ترین دلائل اور عظیم الشان آیات میں سے ہے اور بے شک لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے آپ کی زبان صرف اس لیے بند کر دی گئی تھی تا کہ آپ کی زبان کو اس مدت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ خالص کر دیا جائے اور آپ کی زبان کسی غیر کی یاد میں مشغول نہ ہو جائے گویا جب آپ نے شکر ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے نشانی طلب کی تو آپ سے کہا گیا کہ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم سوائے شکرِ خدا کے اپنی زبان کو بند رکھو گے' سوال کرنے سے جو ظاہر ہوتا ہے اس کے لیے یہی جواب بہترین ہے "عَشِيّ" زوال سے لے کر غروب آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں اور فجر کے طلوع ہونے سے لے کر چاشت کے وقت تک کے عرصے کو "اِبْكَار" کہتے ہیں۔

حضرت مریم کی فضیلت اور حضرت عیسیٰ کی ولادت و معجزات وغیرہ کا بیان

۴۲-﴿ وَاِذْ ﴾ ["اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ" پر اس کا عطف کیا گیا ہے یا مقدر عبارت یوں ہے: "وَاذْكُرْ اِذْ. اور اس وقت کو یاد کیجئے"] جب ﴿ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ ﴾ فرشتوں نے کہا: اے مریم! مروی ہے کہ فرشتوں نے یہ گفتگو حضرت مریم سے بالمشافہ کی تھی (اور یہ آپ کی کرامت تھی) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے پہلے ہی چن لیا تھا جب تجھے تیری ماں سے قبول فرما لیا اور تیری پرورش فرمائی اور تجھے بہترین و عالی شان کرامت کے ساتھ مخصوص فرمایا ﴿ وَطَهَّرَكِ ﴾ اور تجھے تمام بُرے اور گندے افعال سے پاک پیدا کیا ﴿ وَاصْطَفٰىكِ ﴾ اور پھر تجھے دوبارہ برگزیدہ بنا دیا (اور یہ فضیلت و برتری دی) ﴿ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام جہانوں کی عورتوں پر کہ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ عطا فرما دیا اور یہ فضیلت کسی عورت کو حاصل نہیں۔

۴۳-﴿ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ ﴾ اے مریم! تم اپنے رب کی ہمیشہ اطاعت کرو اور نماز میں قیام کو لمبا کرو ﴿ وَاسْجُدِىْ ﴾ اور سجدہ کرو اور بعض نے کہا کہ حضرت مریم کو قنوت اور سجدہ کا ذکر کر کے نماز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ قیام و سجدہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں' پھر ان سے ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجئے یعنی جماعت میں شامل ہو کر نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کیجئے یعنی تو نمازیوں میں شمار ہو جا ان کے علاوہ کسی غیر میں تمہارا شمار نہ ہو۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۙ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

یہ غیب کی خبریں ہیں ہم آپ کو بذریعہ وحی بتاتے ہیں' اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ اندازی کرتے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے' اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ○ یاد کیجئے جب فرشتوں نے

کہا: اے مریم! بے شک اللہ تجھے خوشخبری سناتا ہے، اپنے پاس سے ایک کلمہ کی، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے وہ دنیا اور آخرت میں ذیشان ہوگا اور (خدا کا) قرب رکھنے والوں میں سے ہوگا O

٤٤- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ حضرت حنہ، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت مریم کے سابقہ قصے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب واقعات ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ﴾ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم ان کو (اے محبوب!) آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجتے ہیں یعنی یہ واقعات ان غیبوں میں سے ہیں جن کو آپ بغیر وحی (یعنی تعلیم خدا کے بغیر) نہیں جان سکتے تھے ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ﴾ اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ اپنی قلموں کو (دریا میں) ڈال رہے تھے یعنی اپنے تیروں کو، یہ ان کے وہ تیر ہوا کرتے تھے جن کو وہ قرعہ اندازی کرنے کے لیے دریا میں ڈالا کرتے تھے یا یہ وہ قلمیں تھیں جن کے ساتھ وہ تورات شریف لکھا کرتے تھے اور انہوں نے ان قلموں سے تبرک حاصل کرنے کی نیت سے ان کو قرعہ اندازی کے لیے منتخب کیا تھا کہ ﴿اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ﴾ ان میں سے حضرت مریم کی کفالت و نگرانی کون کرے [اس کا تعلق فعلِ محذوف کے ساتھ ہے، جس پر "یُلْقُوْنَ" دلالت کرتا ہے] گویا کہا گیا کہ وہ قرعہ اندازی اس لیے کرتے تھے کہ وہ دیکھیں یا جان لیں یا کہیں کہ حضرت مریم کی کفالت کون کرے ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ﴾ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ حضرت مریم کے بارے میں جھگڑ رہے تھے کیونکہ وہ سب ان کی کفالت میں رغبت رکھتے تھے۔

٤٥- ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یعنی یاد کیجئے (اے حبیب!) جب فرشتوں نے کہا ﴿یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ﴾ اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے ایک کلمہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دیتا ہے ﴿مِّنْهُ﴾ اپنی طرف سے [یہ کلمہ کی صفت ہے اور محلاً مجرور ہے] ﴿اسْمُهُ﴾ [یہ مبتدا ہے اور کلمہ کی ضمیر کو مذکر اس لیے لایا گیا ہے کہ اس کا مسمّٰی (یعنی حضرت عیسیٰ) مذکر ہے] جن کا نام ﴿الْمَسِیْحُ﴾ مسیح ہے [یہ اس کی خبر ہے اور یہ جملہ "كَلِمَةٌ" کی صفت ہے محلاً مجرور ہے] اور مسیح فضیلت و بزرگی والے القاب میں سے ایک لقب ہے جیسے صدیق اور فاروق ہیں اور عبرانی زبان میں مشیح ہے، جس کا معنی ہے: مبارک، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ. (مریم:۳۱) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مبارک بنایا ہے میں جہاں کہیں ہوں"، اور بعض نے کہا کہ آپ کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا تھا کہ آپ جب کسی مصیبت زدہ پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیتے تو وہ تندرست ہو جاتا یا اس لیے کہ آپ زمین کی سیر و سیاحت پر رواں دواں رہتے کسی ایک مخصوص جگہ کو اپنا وطن نہ ٹھہراتے ﴿عِیْسَى﴾ یہ مسیح سے بدل ہے ﴿ابْنُ مَرْیَمَ﴾ [مبتدا محذوف کی خبر ہے] یعنی "هُوَ ابْنُ مَرْیَمَ. وہ مریم کے بیٹے ہیں" اور اس کو عیسیٰ کی صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ ان کا نام صرف عیسیٰ ہے اور بس اور ان کا نام عیسیٰ ابن مریم نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابن مریم ان کی پہچان کے لیے فرمایا کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کی نسبت صرف ان کی ماں ہی کی طرف کی جا سکتی ہے ﴿وَجِیْهًا﴾ قدر و منزلت کے مالک صاحب وجاہت ﴿فِی الدُّنْیَا﴾ دنیا میں نبوت و اطاعت کے ساتھ ﴿وَالْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں درجات کی بلندی اور شفاعت کے ساتھ ﴿وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ﴾ اور آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے سبب قرب رکھنے والوں میں سے ہیں [اور "وَجِیْهًا" حال ہے "كَلِمَةٌ" سے کیونکہ وہ موصوف ہے] اور اسی طرح "وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ" ہے یعنی قرب خدا رکھنے والوں میں ثابت ہو گئے ہیں اور اسی طرح

وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ

لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾

اور وہ گہوارہ میں اور پکی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرے گا اور وہ نیکوں میں سے ہو گا O کہنے لگی: اے میرے رب! میرے لیے بچہ کہاں سے ہو گا؟ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا' فرمایا: اللہ یونہی پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے' جب وہ کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے O اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کا علم عطا فرمائے گا O

۴٦-﴿وَیُكَلِّمُ النَّاسَ﴾ ہے یعنی دراں حالیکہ آپ لوگوں سے گفتگو کریں گے ﴿فِی الْمَهْدِ﴾ گہوارہ میں [اور یہ "یُكَلِّمُ" کی ضمیر سے حال ہے "اَیْ ثَابِتًا فِی الْمَهْدِ. یعنی دراں حالیکہ آپ اس وقت گہوارہ میں موجود ہوں گے" اور مہد ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بچے کو سلانے کے لیے بچھایا جاتا ہے' اس کو مصدر کا نام دیا گیا ہے ﴿وَّكَهْلًا﴾ [اس پر عطف ہے] "اَیْ وَیُكَلِّمُ النَّاسَ طِفْلًا وَّ كَهْلًا. یعنی حضرت عیسیٰ بچپن اور پکی عمر میں دونوں حالتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح کلام فرمائیں گے" ان کے بچپن اور بڑھاپے کے کلام میں کوئی فرق نہیں ہو گا' کہولت کی حالت میں عقل پختہ ہو جاتی ہے اور اس میں انبیائے کرام سے خبریں دریافت کی جاتی ہیں ﴿وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اور نیکوں میں سے ہو گا' یہ بھی حال ہے' تقدیر عبارت یوں ہے: "یُبَشِّرُكِ بِهٖ مَوْصُوْفًا بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ. یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی بشارت دیتا ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو گا"۔

۴۷-﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ حضرت مریم نے عرض کی: اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے' جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ چیز ہو جائے تو وہ چیز بغیر کسی تاخیر کے فوراً ہو جاتی ہے لیکن اس کو امر "كُنْ" سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ اشیاء تکوین الٰہی سے بہت جلد موجود ہو جاتی ہیں۔

۴۸-﴿وَیُعَلِّمُهُ﴾ [قاری نافع مدنی اور قاری عاصم نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے اور یہ حال کی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے "وَجِیْهًا" پر معطوف ہے اور باقی قراء نے نون کے ساتھ ("نُعَلِّمُهٗ" فعل مضارع معروف جمع متکلم) پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہاں سے کلام کا آغاز ہوا ہے] ﴿الْكِتٰبَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو کتابت کی تعلیم دے گا' چنانچہ آپ اپنے زمانہ میں بہترین خطاط تھے اور بعض نے کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کتاب مراد ہے ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ حلال اور حرام کے بیان کی تعلیم دے گا یا کتاب سے ہاتھ کے ساتھ لکھنا مراد ہے اور حکمت سے زبان کے ساتھ بیان کرنا مراد ہے ﴿وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ﴾ اور تورات اور انجیل۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۙ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ ۙ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾

اور بنی اسرائیل کا رسول ہوگا' فرمائے گا: بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں' میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے' اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے (کوڑھی) کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں' اور میں اس طعام کی خبر دیتا ہو جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو' بے شک ان میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو○ اور تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں اس تورات کی جو میرے سامنے ہے تا کہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں' پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو○

۴۹- ﴿وَرَسُوْلًا﴾ یعنی ہم اس کو رسول بنا کر بھیجیں گے یا حال کی جگہ پر واقع ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں بڑی شان والے ہوں گے اور دراں حالیکہ وہ رسول ہوں گے ﴿اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل کی طرف ﴿اَنِّیْ﴾ اصل میں ''بِاَنِّیْ'' ہے یعنی بے شک میں ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں جو میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اس کی صداقت پر وہ دلیل ہوگی ﴿اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ﴾ [یہ ''اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ'' سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا ''اٰیَةٍ'' سے بدل مجرور ہے یا اس بنا پر مرفوع ہے کہ اصل میں ''هِیَ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ'' ہے۔ قاری نافع مدنی نے ''اِنِّیَ'' (ہمزہ کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر فتح) پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ جملہ مستأنفہ ہے ﴿مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ﴾ یعنی میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل و صورت میں مقدر کروں گا (یعنی خلق' تقدیر و تسویہ کے معنی میں ہے) ﴿فَاَنْفُخُ فِیْهِ﴾ ضمیر کاف کی طرف لوٹتی ہے یعنی میں اس چیز میں پھونکوں گا جو پرندے کی شکل و صورت کے مماثل و مانند ہوگی ﴿فَیَكُوْنُ طَیْرًا﴾ پس وہ باقی پرندوں کی طرح ایک پرندہ ہو جائے گا [قاری مدنی نے ''طَیْرًا'' کی بجائے ''طَآئِرًا'' پڑھا ہے] ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چمگادڑ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بنائی تھی ﴿وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ﴾ اور میں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتا ہوں اور ''اَكْمَهَ'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اندھا پیدا ہوا ہو ﴿وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ نے ''بِاِذْنِ اللّٰهِ'' دوبارہ اس لیے ذکر کیا تا کہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں الوہیت کا توہم کرنے والوں کے وہم کو دفع کیا

جائے۔مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ فرمایا اور لوگ دیکھ رہے تھے لیکن انہوں نے دیکھ لینے کے باوجود کہا کہ یہ کھلا جادو ہے' لہٰذا کوئی اور معجزہ دکھائیں تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اے فلاں شخص! تو نے یہ کھانا کھایا ہے' اے فلاں شخص! تو نے یہ کھانا چھپا کر رکھا ہے اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا: ﴿ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ﴾ اور میں تمہیں بتا دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں [اور ان دونوں جملوں میں ''مَا''، ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے یا پھر مصدریہ ہے] ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک ان گزشتہ (بیان کردہ معجزات میں) ﴿ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ البتہ تمہارے لیے (میری نبوت کے صدق پر) بہت بڑی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔

۵۰۔﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ یعنی میں تمہارے پاس دلائل لے کر آیا ہوں اور میں تمہارے پاس ''مُصَدِّق'' (یعنی تصدیق کرنے والا) بن کر آیا ہوں' اپنے سامنے کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں ﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ'' کی طرف اس کو لوٹایا گیا ہے یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی ایک نشانی لے کر آیا ہوں تاکہ میں تمہارے لیے حلال کر دوں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہود پر چربی' اونٹ کا گوشت' مچھلی اور ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا' سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے بعض چیزیں حلال کر دیں ﴿ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں' اللہ تعالیٰ نے اس جملے کو محض تاکید کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ پس تم میری تکذیب کرنے اور میری مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ اور تم میری اطاعت کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۵۴

ع ۱۳

بے شک میرا اور تمہارا رب صرف اللہ ہے' سو تم صرف اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے ○ پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو فرمایا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون بنتے ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں' ہم اللہ پر ایمان لائے' اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں ○ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی اتباع کی' سو تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ دے ○ اور کافروں نے قتل کی سازش کی اور اللہ نے سزا دینے کی تدبیر فرمائی' اور اللہ سزا دینے کی سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے ○

۵۱۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ ﴾ بے شک میرا اور تمہارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار کیا ہے اور نصاریٰ (یعنی عیسائیوں) کے عقیدہ کے خلاف اپنی ذات سے ربوبیت کی

ٹی کی ہے ﴿ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ سو تم میرے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ﴿ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے جو اپنے صاحب کو دائمی اور قائم رہنے والے امن وچین کے گھر (بہشت) میں پہنچا دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے قتل کی سازش اور حواریوں کی وفاداری کا ذکر

۵۲۔ ﴿ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ ﴾ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کا کفر یقینی طور پر معلوم کر لیا جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہا جیسے حواس کے ذریعے علم حاصل کیا جاتا ہے تو ﴿ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف میری مدد کون کرے گا؟ قاری نافع مدنی نے ''اَنْصَارِيَ'' (''یا'' کو مفتوح) پڑھا ہے اور یہ ''نَاصِرٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اَصْحَابٌ''، ''صَاحِبٌ'' کی جمع ہے یا پھر ''نَصِيْرٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اَشْرَافٌ''، ''شَرِيْفٌ'' کی جمع ہے اور ''اِلَى اللّٰهِ''، ''اَنْصَارِيْ'' کی ''یا'' سے حال ہے اور محذوف کے ساتھ متعلق ہے تقدیر عبارت ''ذَاهِبًا اِلَى اللّٰهِ وَمُلْتَجِئًا اِلَيْهِ'' ہے یعنی میرے مددگار وہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے اور اس کی پناہ لینے والے ہوں گے ﴿ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ ﴾ حواریوں نے کہا: دراصل آدمی کا حواری اس کا برگزیدہ اور اس کا خاص آدمی ہوتا ہے ﴿ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ ﴾ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے ہیں اور اے عیسیٰ (علیہ السلام)! آپ گواہ ہو جائیں ﴿ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ بے شک ہم مسلمان ہیں اور حواریوں نے اپنے اسلام قبول کرنے پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی صرف اپنے ایمان کی مضبوطی اور تاکید کے لیے طلب کی تھی کیونکہ قیامت کے دن انبیاء و رسل (ایمان لانے کی صورت میں) اپنی قوم کے حق میں گواہی دیں گے اور (ایمان نہ لانے کی صورت میں) ان کے خلاف گواہی دیں گے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلاشبہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے۔

۵۳۔ ﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم اس پر ایمان لا چکے جو تو نے (اپنے پیغمبر پر) نازل کیا ہے اور ہم نے تیرے رسول (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی اتباع اختیار کر لی ہے ﴿ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ سو تو ہمیں گواہی دینے والے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ لکھ لے جو (بروز قیامت) اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے یا ان کے ساتھ (ہمیں لکھ لے) جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں یا (نبی اکرم رسول اعظم حضرت) محمد (مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے ساتھ لکھ لے اس لیے کہ یہ امت (بروز قیامت) لوگوں پر گواہی دے گی۔

۵۴۔ ﴿ وَمَكَرُوْا ﴾ یعنی بنی اسرائیل کے کفار نے سازش کی تھی جن کا کفر حضرت عیسیٰ نے اس وقت معلوم کر لیا تھا جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا تھا ﴿ وَمَكَرَ اللّٰهُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروفریب اور سازش کرنے پر ان کو اس طور پر سزا دی کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور جس شخص نے آپ کو دھوکہ دہی کے ذریعے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا یہاں تک کہ یہود نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی اضافت ونسبت کرنا جزا کے معنی کے علاوہ کسی طرح جائز نہیں کیونکہ جب مکر کا لفظ فریب و دھوکہ اور استہزاء و مذاق کے معنی میں ہو تو مخلوق کے نزدیک مذموم و بُرا ہے (تو پھر سوائے جزا کے معنی کے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟) اسی طرح ''شرح التاویلات'' میں ہے ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والوں میں سے سب سے زیادہ طاقتور ہے اور عذاب دینے پر سب سے زیادہ قدرت رکھتا ہے یہاں تک کہ سزا پانے والا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾

جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے پوری عمر دوں گا اور تجھے اپنے پاس اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کردوں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک کافروں پر غالب کردوں گا' پھر تم سب میری طرف لوٹ کر آؤ گے تو میں تمہارے درمیان فیصلہ کردوں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ سو جنہوں نے کفر کیا تو میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت ترین عذاب دوں گا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا ○ اور لیکن جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو پورا پورا اجر وثواب عنایت فرمائے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر

۵۵۔ ﴿ إِذْ قَالَ اللّٰهُ ﴾ ''مَكْرَ اللّٰهِ'' کا ظرف ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ يٰعِيْسٰٓى إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ اے عیسیٰ! بے شک میں تیری مدتِ حیات کو پورا کروں گا جس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں تجھے کفار کے قتل سے بچاؤں گا (کہ وہ تجھے قتل نہیں کر سکیں گے) اور تیری حفاظت کروں گا اور میں تجھے طبعی موت دوں گا اور تیرے دشمن اپنے ناپاک ہاتھوں سے تجھے قتل نہیں کر سکیں گے ﴿ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ ﴾ اور میں تجھے اپنے آسمان اور اپنے فرشتوں کی قرار گاہ کی طرف اٹھالوں گا ﴿ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور میں تجھے کافروں کے بُرے پڑوس سے اور ان کی خبیث اور بُری صحبت سے پاک کر دوں گا اور بعض نے کہا کہ ''مُتَوَفِّيْكَ'' کا معنی ہے کہ میں تمہیں زمین سے مکمل اور پوری طرح اٹھالوں گا جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے اپنا پورا مال لے لیا یا یہ معنی ہے کہ میں تجھے آسمان سے نزول کے بعد تیرے طبعی وقت میں تجھے موت دوں گا اور اب اٹھالوں گا کیونکہ واؤ ترتیب کو واجب نہیں کرتی۔ حضور نبی اکرم رسول معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے خلیفہ بن کر میری امت پر نزول فرمائیں گے' سولی کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو حرام قرار دیں گے اور چالیس سال زندہ رہیں گے' شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے' پھر وفات پا جائیں گے' بھلا وہ امت کیوں کر ہلاک ہوگی جس کے شروع میں میں ہوں اور اس کے آخر میں حضرت عیسیٰ ہیں اور میری اہل بیت میں سے امام مہدی اس کے وسط میں ہوں گے یا یہ معنی ہے کہ میں تجھے نیند کے ساتھ وفات دوں گا اور نیند کی حالت میں تجھے اوپر اٹھالوں گا تا کہ تجھے کسی قسم کا خوف و ڈر لاحق نہ ہو اور آسمان میں تو امن وسکون کے ساتھ میرے قرب خاص میں ہوگا[1] ﴿ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ

[1] واضح رہے کہ توفی کے معنی کی تحقیق اور مرزائیوں کی تردید سورۃ المائدہ: ۱۱۷ کے تحت حاشیہ میں کی گئی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿اتَّبَعُوكَ﴾ اور آپ کے پیروکاروں یعنی مسلمانوں کو (غالب کردوں گا) کیونکہ وہ اصل دینِ اسلام میں آپ کی پیروی کرتے رہے اگرچہ شریعتیں مختلف تھیں وہ لوگ مراد نہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور یہود ونصاریٰ میں سے جنہوں نے آپ پر جھوٹ باندھا ﴿فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ صرف آپ کی وجہ سے کافروں پر (مسلمانوں کو غالب کردوں گا) ﴿إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے روز تک وہ لوگ ان کافروں پر دلیل کے ساتھ اور تلوار کے ساتھ اکثر احوال میں غالب و بلند رہیں گے ﴿ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تم سب میری طرف لوٹ کر آؤ ﴿فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ تو میں تمہارے درمیان فیصلہ کردوں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

۵۶'۵۷- ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ سو جنہوں نے کفر کیا ہے تو ان کو میں سخت عذاب دوں گا دنیا و آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ اور لیکن جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو پورا اجر و ثواب دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا' اور یہ دونوں آیتیں حکم (یعنی فیصلۂ خداوندی) کی تفسیر ہیں [اور قاری حفص نے ''فَيُوَفِّيهِمْ'' (''یا'' کے ساتھ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف) پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے نون کے ساتھ جمع متکلم فعل مضارع معروف پڑھا ہے)۔

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

یہ کچھ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جن کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں O بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے' اللہ نے اسے مٹی سے بنایا' پھر اس سے فرمایا: ہو جا تو وہ فوراً ہو گیا O اے سننے والے! یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا O پھر (اے محبوب!) جو آپ سے عیسیٰ کے بارے میں جھگڑا کرے اس کے بعد کہ تمہیں اس کا علم آ چکا تو ان سے فرما دو: آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں اور تمہاری جانوں کو بلا لیں' پھر ہم مباہلہ کریں تو ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں O

۵۸- ﴿ذَٰلِكَ﴾ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے حالات کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں اور یہ مبتدا ہے ﴿نَتْلُوهُ عَلَيْكَ﴾ یہ اس کی خبر ہے ﴿مِنَ الْآيَاتِ﴾ یہ خبر کی خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے ﴿وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ﴾ یعنی محکم قرآن (ذکر سے مراد قرآن اور حکیم بہ معنی محکم ہے) یا گویا کہ قرآن مجید کثرتِ احکام کی وجہ سے حکمت کی باتیں بولتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی نفی‘ مباہلے کا چیلنج اور اہلِ کتاب کو توحید کی دعوت

۵۹۔﴿ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ﴾ یعنی بے شک حضرت عیسیٰ کی شان اور ان کی عجیب وغریب حالت حضرت آدم علیہ السلام کی عجیب ترین شان کی طرح ہے ﴿ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ﴾ ان کے جسم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور یہ جملہ حضرت آدم کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی مشابہت کی تفسیر ہے اور اعراب کے لحاظ سے اس کا کوئی محل نہیں یعنی حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور نہ وہاں باپ ہے اور نہ ماں ہے‘ سو حضرت عیسیٰ کا یہی حال ہے کیونکہ صرف باپ کے بغیر موجود ہونے سے بغیر ماں باپ کے موجود ہو جانا زیادہ عجیب وغریب ہے اور زیادہ خلاف عادت ہے‘ پس یہاں غریب کو ''اَغْـرَبْ'' کے ساتھ اور عجیب کو ''اَعْـجَبْ'' کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تاکہ جب مخالف غریب سے غریب ترین اور عجیب سے عجیب ترین میں غور کرے گا تو یہ مثال اس کے لیے حجت قاطعہ ثابت ہوگی اور شبہ کے مادہ کو جڑ سے کاٹ دے گی اور ایک عالمِ دین سے منقول ہے کہ اس کو روم میں قید کر لیا گیا اور انہوں نے روم کے عیسائیوں سے کہا کہ تم حضرت عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس لیے کہ وہ بغیر باپ کے ہیں‘ انہوں نے فرمایا: پھر تو حضرت آدم بھی عبادت کے مستحق ہونے چاہئیں کیونکہ ان کے ماں باپ دونوں نہیں ہیں‘ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے‘ ان عالم دین نے فرمایا: پھر تو حضرت حذقیل عبادت کے زیادہ مستحق ہونے چاہئیں کیونکہ حضرت عیسیٰ نے تو صرف چار آدمی زندہ کیے تھے جب کہ حضرت حذقیل نے آٹھ ہزار زندہ کیے تھے تو انہوں نے جواب میں کہا کہ حضرت عیسیٰ پیدائشی اندھوں اور کوڑھی کے مریضوں کو شفا دیتے تھے‘ آپ نے فرمایا: پھر تو حضرت جرجیس عبادت کے زیادہ حق دار ہوئے کیونکہ یہ جلائے جانے کے بعد صحیح وسلامت زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے تھے (اس پر وہ خاموش ہو گئے) ﴿ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ہو جا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان بنا دیا ﴿ فَيَكُوْنُ ﴾ ''اَیْ فَـكَـانَ. یعنی وہ ہو گیا'' [کیونکہ یہ ماضی کے حال کی کہانی ہے (فعل مضارع فعل ماضی کے معنی میں ہے) اور ''ثُمَّ'' خبر کی خبر پر ترتیب کے لیے ہے مخبر عنہ کی ترتیب کے لیے نہیں ہے]۔

شانِ نزول: جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا (اور کہا کہ آپ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں‘ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں) تو اس نے کہا: کیا آپ نے بغیر باپ کے بیٹا دیکھا ہے؟ اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (جس میں بتا دیا گیا کہ بغیر باپ کے ہونا الوہیت کی دلیل نہیں کیونکہ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اس کے باوجود نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں)۔

۶۰۔﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے‘ دراصل ''هُوَ الْحَقُّ'' ہے] ﴿ فَلَا تَكُنْ ﴾ پس اے سننے والے! تو نہ ہو جا ﴿ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ شک کرنے والوں میں سے‘ اور ایک احتمال یہ ہے کہ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو ہے اور یہ خطاب محض جوش دلانے اور مذکورہ بالا حکم پر برانگیختہ کرنے کے باب سے ہے. کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام شک کرنے سے معصوم ہیں۔

۶۱۔﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ ﴾ پھر نصاریٰ میں سے جو شخص آپ سے جھگڑا کرے ﴿ فِيْهِ ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ اس کے بعد کہ آپ کے پاس ایسے واضح دلائل آ چکے جن سے آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے (کہ آپ حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل عقیدہ پر ہیں)[1] ﴿ فَقُلْ تَعَالَوْا ﴾ تو آپ ان سے فرما دیں: ادھر آ ؤ

[1] اس میں ''مَا''، ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے۔

اور یہاں آنے سے مراد ارادہ اور رائے کا اظہار کرنا ہے جیسے تم (اپنے احباب یا اقارب وغیرہ سے) کہو کہ ادھر آؤ ہم مل بیٹھ کر اس مسئلہ میں غور وفکر کریں ﴿نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی ہم اور تم میں سے ہر فریق اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور اپنے آپ کو مباہلہ کرنے کے لیے بلا کر لے آئے ﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ﴾ پھر ہم مباہلہ کریں گے یعنی ہم یوں کہیں گے کہ ہم میں سے اور تم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور ''بَهْلَةٌ'' کا معنی لعنت کرنا ہے اور اس کی ''با'' پر فتح یا ضمہ دونوں پڑھنا جائز ہیں اور ''بَهَلَهُ اللّٰهُ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ''اِبْتِهَال'' کا اصل معنی یہی ہے' پھر اس کو ہر اس دعا میں استعمال کیا جاتا ہے' جس کے مانگنے میں خوب محنت و کوشش صرف کی جائے اگرچہ اس میں کسی پر لعنت نہ کی جائے۔ مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: ہمیں کچھ مہلت دیجئے تاکہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں' سو ان کے صاحب رائے سردار عاقب نے کہا: ''وَاللّٰهِ لَقَدْ عَرَفْتُمْ يَا مَعْشَرَ النَّصَارٰى اَنَّ مُحَمَّدًا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ. اے نصرانیوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ بے شک (حضرت سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ) نبی اور رسول ہیں'' اور جو قوم اللہ تعالیٰ کے نبی سے مباہلہ کرتی ہے اس کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو جاتے ہیں' لہٰذا اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو تم سب کے سب ضرور ہلاک ہو جاؤ گے' سو اگر تم کو اپنا دین پیارا ہے تو مباہلہ سے انکار کر دو اور اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور تم اپنے گھروں کو کوچ کر جاؤ' چنانچہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ نے صبح سویرے حضرت حسین کو گود میں اٹھائے ہوئے سینے سے لگا رکھا ہے (اور مباہلہ کرنے تشریف لا رہے ہیں) اور حضرت حسن کی انگلی مبارک تھام رکھی ہے اور آپ کے پیچھے حضرت فاطمہ چل رہی ہیں اور ان کے پیچھے حضرت علی چل رہے ہیں اور اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں گا تم آمین کہنا' نجران کے لاٹ پادری نے یہ سن کر کہا: ''يَا مَعْشَرَ النَّصَارٰى اِنِّيْ لَاَرٰى وُجُوْهًا لَوْ سَاَلُوا اللّٰهَ اَنْ يُّزِيْلَ جَبَلًا مِّنْ مَّكَانِهٖ لَاَزَالَهٗ بِهَا. اے نصاریٰ کی جماعت! بے شک میں ایسے نورانی اور مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے کی درخواست کر دیں تو اللہ تعالیٰ ان چہروں کی برکت سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے گا'' سو تم مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی نصرانی زندہ نہیں رہے گا' چنانچہ انہوں نے آپ سے عرض کی: اے ابو القاسم! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ لوگ آپ کو سالانہ کپڑوں کے دو ہزار جوڑے دیا کریں گے' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! بے شک ہلاکت و بربادی نجران کے باشندوں کے بالکل قریب آ چکی تھی' اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں مسخ ہو جاتے اور اگرچہ مباہلہ آپ کے اور آپ کو جھٹلانے والوں کے درمیان مخصوص تھا لیکن آپ نے بیٹوں اور عورتوں کو اس لیے شامل فرما لیا کہ یہ آپ کے حال' نبوت کی صداقت اور یقینِ کامل کے پختہ ہونے پر دلالت کرنے میں زیادہ مضبوط و مستحکم عمل ہے کہ آپ نے اس کام کے لیے اپنے جگر کے ٹکڑوں اور اپنے عزیز ترین پاروں کو پیش کرنے کی جراءت فرمائی اور آپ نے صرف اپنی ذات کو پیش کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا اور یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے دشمنوں کے جھوٹا ہونے پر پورا اعتماد تھا حتیٰ کہ اگر مباہلہ پورا ہو جاتا تو آپ کے دشمن اپنے اعزاء و احباب سمیت ہلاک ہو جاتے اور بیٹوں اور عورتوں کو اس لیے بھی مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام گھر والوں میں زیادہ عزیز

ہوتے ہیں اور دلوں میں سب سے زیادہ یہی گھر کر چکے ہوتے ہیں اور اپنی ذات سے پہلے ان کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ان کے قرب مکان اور قرب منزلت پر تنبیہ ہو جائے اور یہ دعوت مباہلہ حضور نبی اکرم رسول معظم نور مجسم شفیع الامم ﷺ کی نبوت کی صحت وحقانیت کی روشن ترین دلیل ہے کیونکہ کسی موافق اور مخالف سے ایک روایت بھی مروی نہیں ہے کہ ان نجران کے نصرانیوں نے اس دعوت مباہلہ کو قبول کیا ہو ﴿فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ سو ہم اور تم میں سے سب حضرت عیسیٰ کی شان میں باطل عقیدہ رکھنے والے جھوٹوں پر لعنت بھیجیں گے [اور ''نَبْتَهِلْ'' اور ''نَجْعَلْ'' دونوں ''نَدْعُ'' پر معطوف ہیں]۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ع ۱۴

بے شک یہ سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں بے شک اللہ ہی زبردست غالب ہے بڑی حکمت والا ہے O پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے O (اے محبوب!) آپ فرما دیں کہ اے اہل کتاب! تم ایک ایسے کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (وہ یہ ہے کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب بنائے پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ تم گواہ ہو جاؤ بے شک ہم مسلمان ہیں O

۶۲- ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں جو کچھ آپ پر بیان کیا گیا ہے یہ ﴿لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ البتہ ایک سچا بیان ہے [اور ''هُوَ''، ''اِنَّ'' کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان ضمیر فاصل ہے یا پھر یہ مبتدا ہے اور ''الْقَصَصُ الْحَقُّ'' اس کی خبر ہے اور یہ جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور فصل پر لام کا داخل کرنا جائز ہے اس لیے کہ جب لام کو خبر پر داخل کرنا جائز ہے تو فصل پر داخل کرنا بطریق اولیٰ جائز ہو جائے گا کیونکہ یہ مبتدا کے زیادہ قریب ہے اور اس کی اصل تو یہ ہے کہ اس کو مبتدا پر داخل کیا جائے] ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے [اور اس میں حرف ''مِنْ'' دراصل ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے فتح مبنی کی جگہ پر استغراق کے معنی کے افادہ کے لیے آیا ہے] اور اس سے نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کی نفی کرنا مراد ہے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی انتقام لینے میں سب پر غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ احکام کی تدبیر کرنے میں بڑا دانا ہے۔

۶۳- ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ سو اگر وہ روگردانی کریں اور عقیدۂ توحید کو قبول نہ کریں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو خوب جاننے والا ہے اس آیت مبارکہ میں ان کو اس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو (درج ذیل)

ارشاد میں ذکر کیا گیا ہے: ''زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ O (النحل:۸۸) ہم نے ان کو عذاب پر عذاب بڑھا کر دیا یہ بدلا ہے اس کا جو وہ فساد کرتے تھے O''۔

٦٤-﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے' یہاں اہل کتاب سے دونوں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) مراد ہیں یا نجران کا وفد یا پھر مدینہ منورہ کے یہود مراد ہیں اور ''سَوَآءٍ'' کا معنیٰ ''مُسْتَوِيَةٍ'' ہے یعنی یکساں اور برابر کلمہ (توحید) جس میں نہ قرآن کا اختلاف ہے اور نہ ہی تورات و انجیل کا اختلاف ہے اور کلمہ کی تفسیر و تشریح اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) یہ ارشاد ہے: ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب بنائے گا یعنی اس طرف آ ؤ یہاں تک کہ ہم نہ حضرت عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیں اور نہ حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیں اور نہ اپنے علماء کی ان باتوں میں اطاعت کریں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی طرف رجوع کیے بغیر از خود حلال و حرام کے مسائل گھڑ لیے ہیں اور حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ہم نے (اس موقع پر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو ان (علمائے یہود) کی عبادت نہیں کرتے تھے' حضور نے فرمایا: کیا وہ تمہارے لیے حلال و حرام نہیں کرتے تھے کہ تم ان کی باتوں پر اعتماد کر کے ان کو لے لیتے تھے؟ حضرت عدی نے کہا کہ ہاں! یہ بات تو ہے' حضور نے فرمایا: بس وہ یہی ہے ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ توحید سے روگردانی کریں اور اس سے انکار کر دیں ﴿فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ بے شک ہم مسلمان ہیں پس تم پر حجت لازم ہو چکی ہے' اب تم پر واجب ہے کہ تم اعتراف کر لو اور تسلیم کر لو کہ بے شک ہم ہی مسلمان ہیں تم نہیں جیسا جھگڑنے اور پچھاڑنے کے بعد غالب مغلوب سے کہتا ہے کہ تو اعتراف کر لے کہ بے شک میں ہی غالب ہوں اور تو میرے غلبہ اور جیت کو تسلیم کر لے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا
مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو اور تورات اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئیں' کیا تم عقل نہیں رکھتے O سنو! تم وہی لوگ ہو کہ تم نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم تھا تو اب تم اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں' اور (اس کے بارے میں) اللہ خوب جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے O ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل عقیدہ سے الگ رہنے والے مخلص مسلمان تھے' اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے O

حضرت ابراہیم کے بارے میں اہلِ کتاب کے اختلاف کی قرآنی وضاحت، آپ کے سچے پیروکاروں کی نشاندہی

٦٥-﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اے اہل کتاب! تم حضرت ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات و انجیل ان کے بعد نازل کی گئی ہیں۔ دراصل یہود و نصاریٰ میں سے ہر گروہ کا یہ خیال تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں میں سے ہیں اور انہوں نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مسلمانوں سے جھگڑا کیا تو انہیں کہا گیا کہ یہودیت تو تورات کے نزول کے بعد پیدا ہوئی اور نصرانیت انجیل کے نزول کے بعد پیدا ہوئی اور جب کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک ہزار کا فاصلہ ہے اور ان کے درمیان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی ایسے دین پر کیسے کاربند رہ سکتے ہیں جو ان کے ہزاروں سال بعد پیدا ہوا ہو ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے تاکہ تم اس قسم کی محال و ناممکن بحث میں جھگڑا نہ کرو۔

٦٦-﴿ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ["ھَا" تنبیہ کے لیے ہے اور "اَنْتُمْ" مبتدا ہے اور "ھٰٓؤُلَآءِ" اس کی خبر ہے] ﴿ حَاجَجْتُمْ ﴾ یہ جملہ مستأنفہ ہے جو پہلے کی وضاحت کر رہا ہے یعنی تم ہی وہ احمق لوگ ہو اور تمہاری حماقت اور تمہاری کم عقلی کی دلیل یہ ہے کہ تم اس میں جھگڑا کرتے ہو ﴿ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ جس میں تورات و انجیل کے بیان کر دینے سے تمہیں علم ہے لیکن ﴿ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور نہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین سے ہونا اس کا تمہاری کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "ھٰٓؤُلَآءِ" "اَلَّذِيْنَ" کے معنی میں ہے اور "حَاجَجْتُمْ" اس کا صلہ ہے اور قاری نافع اور ابوعمرو بصری نے "ھَا اَنْتُمْ" کو مد کے ساتھ اور بغیر مد کے دونوں طرح پڑھا ہے ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ﴾ اور تم نے جس بات پر جھگڑا کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم نہیں جانتے یعنی تم اس سے جاہل ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین سے مبرّا تھے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

٦٧-﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ تمام باطل ادیان سے الگ رہنے والے مخلص مسلمان تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے گویا اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے یہود و نصاریٰ مراد لیے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم جس طرح یہود و نصاریٰ میں سے نہیں تھے اسی طرح آپ مشرکین میں سے بھی نہیں تھے (بلکہ آپ موحد تھے)۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝۷۰ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۷۱

ع ۸ ۱۵

بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حق دار وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور جوان پر ایمان رکھنے والے ہیں' اور ایمان والوں کا اللہ مددگار ہے O اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے چاہا کہ کاش! وہ تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں' اور وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے O اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود گواہ ہو O اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو؟ حالانکہ تم خود جانتے ہو O

۶۸- ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ﴾ بے شک تمام لوگوں میں حضرت ابراہیم کے ساتھ زیادہ خاص اور زیادہ قریب (جواب آگے آرہا ہے) [یہ ''وَلِیٌّ'' سے مشتق ہے جس کا ایک معنی قرب ہے] ﴿ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ﴾ البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی ظاہری زندگی میں اور ان کے وصال کے بعد ان کی پیروی کی ﴿ وَهٰذَا النَّبِيُّ ﴾ خصوصاً یہ نبی ﷺ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت و عظمت کے پیش نظر ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اس نبی سے مراد (سیّد الانبیاء' حبیبِ خدا' سرور ہر دوسرا حضرت) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور آپ کی امت (دعوت) میں سے جو لوگ ایمان دار ہیں ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور مؤمنوں کا ولی یعنی ان کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔

۶۹- ﴿ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ﴾ اہل کتاب کے ایک گروہ نے چاہا کہ کاش! وہ تمہیں گمراہ کر دیں' وہ یہودی تھے جنہوں نے حضرت حذیفہ بن یمان' حضرت عمار بن یاسر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہودیّت کی دعوت دی تھی ﴿ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو کیونکہ گمراہ کرنے کا وبال صرف انہیں پر پڑتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دوگنا عذاب دیا جائے گا' ایک ان کے گمراہ ہونے پر دوسرا لوگوں کو گمراہ کرنے پر ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتے۔

۷۰- ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی تورات و انجیل کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ اور ان کا کفر یہ تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ وغیرہ کی نبوت کی صحت کے بارے میں تورات و انجیل جو باتیں بیان کرتی تھیں ان پر ایمان نہیں لاتے تھے ﴿ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴾ اور تم خود گواہ ہو کیونکہ تم خود اعتراف کرتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں یا تم رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم ان دونوں کتابوں (تورات و انجیل) میں حضور کی نعت کی گواہی دیتے ہو یا تم اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حق ہیں۔

۷۱- ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ﴾ اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟ کہ تم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر ایمان لا کر اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ کفر کر کے حق و باطل میں خلط ملط کرتے ہو ﴿ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ﴾ اور تم حق کو یعنی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نعت مبارکہ کو کیوں چھپاتے ہو ﴿ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم جانتے ہو کہ یہ حق ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے (سازش کے تحت اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ مسلمانوں پر جو کتاب نازل کی گئی ہے تم صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو شاید وہ (اپنے دین سے) پھر جائیں O اور تم ایمان نہ رکھو مگر اس پر جو تمہارے دین کے تابع ہو' (اے محبوب!) آپ فرمادیجئے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے' (اس پر ایمان نہ رکھنا) کہ جیسا تمہیں (دین ہدایت) دیا گیا ہے ایسا کسی اور کو دیا جائے گا (اور نہ اس پر ایمان رکھنا کہ قیامت کے دن) تمہارے رب کے پاس تم پر کوئی حجت لا سکے گا' آپ فرمادیں کہ بے شک فضل وکرم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا' خوب جاننے والا ہے O وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے O

اہلِ کتاب کی بددیانتیاں اور پیغمبروں کی دیانت داری

۷۲- ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے آپس میں کہا: ﴿اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ مسلمانوں پر جو قرآن نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ ﴿وَجْهَ النَّهَارِ﴾ دن کے شروع میں' اور یہ ظرف ہے یعنی مسلمانوں پر جو کتاب (قرآن مجید) نازل کی گئی ہے اس پر دن کے پہلے پہر ایمان کا اظہار کرو ﴿وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ﴾ اور اس کے پچھلے پہر انکار کر دو ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ شاید مسلمان کہیں کہ یہ لوگ اہل کتاب اور اہل علم حضرات ہیں' یہ اسلام سے اس لیے پھر گئے ہوں گے کہ انہوں نے اسلام میں کوئی کمزوری دیکھ لی ہوگی جو صرف ان پر واضح ہو گئی ہوگی' لہٰذا تمہارے پھرنے پر مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں گے۔

۷۳- ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ﴾ ''وَلَا تُؤْمِنُوْا'' کا تعلق ﴿اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ﴾ کے ساتھ ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے یعنی تم اس بات پر ایمان کا اظہار نہ کرنا کہ جیسا تمہیں دیا گیا ہے ویسے کسی اور کو دیا جائے گا مگر تم اپنے اہل دین کے سامنے اس کا اظہار کر سکتے ہو دوسروں کے سامنے نہیں' ان کا مقصد یہ تھا کہ تم مسلمانوں کے سامنے اپنی اس تصدیق کو چھپائے رکھو کہ انہیں بھی ویسے ہی کتاب دی گئی ہے جیسے تمہیں دی گئی تھی اور (ان کے سرداروں نے اپنے عوام سے یہ بھی کہا کہ) تم صرف اپنے فرقوں کے سامنے اس کا اظہار کر سکتے ہو مسلمانوں کے سامنے نہیں تاکہ وہ اپنے دین پر پہلے سے زیادہ مستحکم نہ ہو جائیں اور نہ تم مشرکین کے سامنے اس کا اظہار کرنا تاکہ مسلمان ان کو اسلام کی طرف دعوت نہ دے سکیں ﴿اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ [یہ ''اَنْ یُّؤْتٰى'' پر معطوف

ہے اور ''یُحَاجُّوْکُمْ'' کے اندر جو ضمیر ہے وہ ''اَحَدٌ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ جمع کے معنی میں ہے' مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دین والوں کے علاوہ کسی کو نہ ماننا ورنہ قیامت کے روز مسلمان حق کے ذریعے تم پر حجت لائیں گے اور حجت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر غالب آ جائیں گے اور جملہ معترضہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی درحقیقت ہدایت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اسلام قبول کر لیتا ہے یا مسلمان اسلام پر پہلے کی طرح ثابت قدم رہتا ہے اور تمہارا مکروفریب اور مسلمانوں اور مشرکوں سے اپنا ایمان وتصدیق چھپانا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد بھی اسی طرح ہے: ﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کو وہ چاہتا ہے دے دیتا ہے' فضل سے مراد ہدایت وتوفیق ہے یا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ'' پر کلام پورا ہو جاتا ہے یعنی تم اپنا ظاہری ایمان جو دن کے شروع میں لاتے ہو اس کی تصدیق وتائید نہ کرو مگر ان کے سامنے جو تمہارے دین کے پیروکار ہیں یا ان کے سامنے جو تم میں مسلمان ہو چکے ہیں ان میں سے جو تمہارے دین کے تابع ہیں کیونکہ ان کا واپس لوٹ آنا اہل کتاب کے نزدیک دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ارجیٰ تھا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اَنْ يُّؤْتٰى'' کا معنی یہ ہے (کہ اہل کتاب کے سرداروں نے عام لوگوں سے کہا کہ تم اس پر ایمان نہ رکھنا) کہ کسی اور کو دیا جائے گا جیسا تمہیں دیا گیا ہے' مطلب یہ کہ ''اَنْ يُّؤْتٰى'' دراصل ''لِاَنْ يُّؤْتٰى'' کے معنی میں ہے اور تم نے یہی بات کی اور اسی مقصد کے لیے سوچا کسی اور مقصد کے لیے نہیں یعنی (اے اہلِ کتاب!) تمہارے اندر جو حسد اور بغاوت ہے کہ جیسا علم و کتاب تمہیں دیا گیا ہے ایسا کسی اور کو بھی دیا جائے گا اسی حسد نے تمہیں اس بات کی دعوت دی کہ تم یہ بات کہو جو تم نے کہہ دی [اور اس پر قاری ابن کثیر مکی کی مد اور استفہام کے ساتھ ''ءَاَنْ'' کی قراءت دلالت کرتی ہے] یعنی کیا کسی اور کو بھی ایسی کتاب دی جائے گی جیسے تمہیں دی گئی ہے؟ بہرحال تم اُن (مسلمانوں) پر حسد کرتے ہو اور ارشادِ باری تعالیٰ ''اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ'' کا اس بنا پر معنی یہ بنے گا کہ تم نے جو کچھ سوچا وہ یہی سوچا کہ جیسے تمہیں کتاب دی گئی ہے ویسے کسی اور کو دی جائے گی اور وہ اس کتاب کے ذریعے تمہارے رب کے پاس تمہارے کفر پر تمہارے خلاف حجت پیش کریں گے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑی رحمت والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ مصلحت کو خوب جاننے والا ہے۔

۷۴- ﴿يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ وہ اپنی رحمت یعنی نبوت یا اسلام کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

اور اہل کتاب میں سے کچھ وہ لوگ ہیں کہ اگر تو اس کے پاس امانت کے ڈھیر رکھ دے تو وہ تجھے ادا کر دے گا اور ان میں کچھ وہ ہیں کہ اگر تو اس کے پاس صرف ایک دینار امانت کا رکھ دے تو وہ تجھے واپس ادا نہیں کرے گا مگر جب تک تو اس

کے سر پر کھڑا رہے' یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ اَن پڑھوں کے معاملات میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا' وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں O ہاں! کیوں نہیں! جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیز گاری کرتا رہا تو بے شک اللہ پرہیز گاروں کو پسند کرتا ہے O

۷۵- ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ﴾ اور اہلِ کتاب میں سے کچھ وہ لوگ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیر سارا مال امانت رکھ دو تو وہ تمہیں واپس ادا کر دیں گے اور وہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے پاس قریش کے ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھ دیا تو انہوں نے وہ سارا سونا واپس مکمل طور پر ادا کر دیا ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ﴾ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو تو وہ اس کو تمہیں واپس ادا نہیں کریں گے' یہ فنحاص بن عازورا ہے جس کے پاس قریش کے ایک شخص نے صرف ایک دینار امانت رکھا تو اس نے انکار کر دیا اور واپس کرنے کی بجائے خیانت کی اور بعض مفسرین نے کہا کہ زیادہ مال پر امانت داری کرنے والے نصرانی ہوا کرتے تھے کیونکہ ان پر امانت داری و دیانت داری غالب تھی اور تھوڑے سے مال پر خیانت کرنے والے یہودی ہوا کرتے تھے کیونکہ ان پر خیانت و بددیانتی غالب تھی ﴿اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ مگر یہ کہ تم اے صاحب حق! اس کے سر پر کھڑے رہو اور اس کے ساتھ ساتھ رہو [ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' نافع مدنی' علی کسائی اور امام حفص ان تمام قراء نے ''يُؤَدِّهٖ'' اور ''لَا يُؤَدِّهٖ'' میں ''ھا'' کے کسرہ کو اشباع کے ساتھ (یعنی کسرہ کو یائے مدہ کے ساتھ کھینچ کر) پڑھا ہے اور قاری ابوعمرو بصری نے ایک روایت کے مطابق بغیر مد کے پڑھا ہے' ان حضرات کے علاوہ باقی قراء نے ''ھا'' کو ساکن کر کے (يُؤَدِّهْ اور لَا يُؤَدِّهْ) پڑھا ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ امانت ادا نہ کرنے اور خیانت کرنے کی طرف اشارہ ہے [جس پر ''لَا يُؤَدِّهٖ'' دلالت کر رہا ہے] ﴿بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ یعنی ان کا لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنا اس سبب سے تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ان پڑھوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا یعنی ان پڑھوں کے بارے میں ہم پر نہ گناہ ہوگا نہ ہماری مذمت ہوگی' ان پڑھوں سے ان کی مراد وہ لوگ تھے جو اہلِ کتاب نہیں تھے (اور وہ کہا کرتے تھے) کہ ہم نے ان کے مال و زر روک کر اور انہیں نقصان پہنچا کر جو کچھ کیا ہے وہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ ہمارے دین پر نہیں تھے اور اہلِ کتاب اپنے مخالفوں پر ظلم کرنا جائز سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کی ہماری کتاب میں کوئی عزت و حرمت نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے قریش کے کچھ آدمیوں سے کوئی لین دین کیا' پھر جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں سے مال کی واپسی کا تقاضا کیا اور کہا کہ اب تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں بنتا کیونکہ تم نے اپنا دین و مذہب چھوڑ دیا ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ ان کی کتاب میں لکھا ہوا ہے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ اور وہ یہ دعویٰ کر کے کہ یہ سب کچھ ان کی کتاب میں موجود ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

۷۶- ﴿بَلٰى﴾ اہل کتاب نے جو نفی کی تھی کہ ان پڑھوں کے بارے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی اس کا یہ اثبات ہے یعنی بلکہ اُن پر اَن پڑھوں کے بارے میں گرفت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد: ﴿مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى﴾ [جملہ مستأنفہ ہے جو ''بَلٰى'' کے قائم مقام جملے کی تقریر کرتا ہے اور ''بِعَهْدِهٖ'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کیا اور اس سے ڈر گیا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان سے محبت کرتا ہے [ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے (دراصل ''يُحِبُّهُمْ'' ہونا تھا) اور متقین کا عموم اس ضمیر کا قائم مقام ہے جو جزا میں ''مَنْ'' کی طرف راجع ہے اور اس میں ایمان اور دیگر نیک اعمال اور کفر اور بُرے اعمال

سے بچنا بھی داخل ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓىٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

بے شک جولوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں تھوڑا سا مال وصول کرتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور قیامت کے دن اللہ ان سے نہ کلام فرمائے گا اور نہ ان پر نظر رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا O اور بے شک ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو گھما کر کتاب میں تحریف کر دیتے ہیں' تا کہ تم یہ سمجھو کہ یہ بھی کتاب میں سے ہے' حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے' حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا' اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں O

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہیں کی طرح اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہوئے تھے ان کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر ''مَنْ اَوْفٰی'' کی طرف لوٹتی ہو یعنی ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے وہ تمام وعدے پورے کیے جو اللہ تعالیٰ نے اس سے لیے تھے اور وہ خیانت و دھوکہ دہی کے ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ یہودیوں میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے تورات شریف میں تحریف کر دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت شریف اور آپ کی شان کو تبدیل کر دیا اور اس کے عوض میں رشوت کا مال وصول کیا۔

۷۷- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ بے شک جولوگ خرید کرتے ہیں یعنی تبدیل کرتے ہیں (اور وصول کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے عہد کے عوض میں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس رسول اکرم پر ضرور ایمان لائیں گے جو ان کی کتابوں اور نبیوں کی تصدیق کرے گا ﴿وَاَیْمَانِهِمْ﴾ اور اپنی ان قسموں کے عوض میں جو انہوں نے اپنے اس اقرار کے ساتھ حلف اٹھایا تھا کہ ''وَاللّٰهِ لَنُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَنَنْصُرَنَّهٗ. اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ان پر البتہ ضرور ضرور ضرور ایمان لائیں گے اور ہم یقیناً ان کی ضرور ضرور مدد کریں گے'' ﴿ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ دنیا کا سامان رشوت وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''بِعَهْدِ اللّٰهِ'' اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ ''بِعَهْدِهٖ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے ﴿اُولٰٓىٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا ﴿وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان سے ایسی گفتگو نہیں فرمائے گا جو ان کی خوشی کا باعث بن سکے (بلکہ غضب و ناراضگی کی گفتگو فرمائے گا جس سے بجائے خوشی کے غم و رنج بڑھے گا) ﴿وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کی طرف نظرِ رحمت بھی نہیں فرمائے گا ﴿وَلَا یُزَكِّیْهِمْ﴾ اور نہ انہیں پاک

کرے گا یعنی ان کی تعریف وتوصیف نہیں فرمائے گا ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اوران کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

۷۸- ﴿ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ ﴾ اور بے شک اہل کتاب میں سے البتہ ایک گروہ ہے جو کتاب کی تلاوت کرتے وقت صحیح نازل کردہ تلفظ سے تحریف شدہ تلفظ کی طرف اپنی زبانوں کو پھیرتے ہیں اور یہ گروہ کعب بن اشرف' مالک بن صیف' اور حیی بن اخطب وغیرہ کا تھا اور ''یَلْوُوْنَ'' ''لَیٌّ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: پھیرنا اور گھمانا اور اس سے رجم کرنے کی آیات اور حضور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں بیان کی گئی آیات مبارکہ میں اہل کتاب کی طرف سے تحریف کرنا مراد ہے ﴿ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ تاکہ تم اس تحریف کردہ کلام کو اللہ کی کتاب تورات شریف سے سمجھو اور یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ یہ لوگ اپنے تبدیل شدہ کلام کو کتاب الٰہی کے کلام کے مشابہ بنانے کے لیے تورات کے پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو نرمی سے چلاتے ہوں تاکہ تم ان کے کلام کو اس کے (یعنی کلام الٰہی کے) مشابہ خیال کرو [لہٰذا ''لِتَحْسَبُوْهُ'' کی ضمیر اس محرف کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''یَلْوُوْنَ اَلْسِنَتَهُمْ'' دلالت کرتا ہے] ﴿ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ اور وہ درحقیقت کتاب الٰہی یعنی تورات میں سے نہیں (بلکہ یہود کا اپنا من گھڑت کلام ہے) ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ کہتے ہیں: یہ (کلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ ''وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ'' کی تاکید ہے اور یہود کو اس ناشائستہ اور ظالمانہ حرکت پر لعن طعن کرنا اور ان کی سخت مذمت کرنا مقصود ہے ﴿ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب وحکمت اور نبوت سے نواز دے' پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے عبادت گزار بندے ہو جاؤ لیکن وہ یہی کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس لیے کہ تم اس کو خود پڑھتے ہو O اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا ٹھہرالو' کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو O

۷۹- ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ ﴾ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب (اور حکمت و نبوت) عطا کرے اور یہ آیت مبارکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کا عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں کی تکذیب و تردید کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ایک مسلمان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں ''اَفَلَا نَسْجُدُلَكَ. تو کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟'' آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: '' لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَكْرِمُوْا

نَبِيَّكُمْ وَاعْرِفُوا الْحَقَّ لِأَهْلِهِ. کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں لیکن تم اپنے نبی کی تعظیم کیا کرو اور ان کے قرابت داروں کا حق پہچانو‘‘ ﴿ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ﴾ اور حکمت و نبوت‘ اور حکمت سے مراد سنت ہے یا مقدمات کے فیصلہ کرنے کی قوت و دانش مراد ہے ﴿ ثُمَّ يَقُوْلَ ﴾ اس کا ’’يُؤْتِيَهُ‘‘ پر عطف ہے ﴿ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ﴾ پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے عبادت گزار بندے بن جاؤ لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ‘ ربانی رب کی طرف منسوب ہے جس میں الف اور نون کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اطاعت کے ساتھ بہت وابستہ ہو جانا اور جس وقت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انتقال کر گئے تو حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس امت کا ربانی عالم دین انتقال کر گیا ہے اور حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ علمائے دین میں سے فقہاء (اسلامی احکام کے ماہرین قرآن و سنت میں کامل دستگاہ رکھنے والے) ربانیّین ہیں اور بعض نے کہا کہ قرآن و سنت کی تعلیم دینے والے علماء ربانیّین ہیں اور (جمہور) مفسرین کرام نے فرمایا کہ ہر عالمِ باعمل ربانی عالم ہے ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ اس وجہ سے کہ تم کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے ہو [اور کوفیوں نے اور ابن عامر شامی نے اس کو تشدید کے ساتھ (تُعَلِّمُوْنَ) پڑھا ہے‘ ان کے علاوہ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ (تَعْلَمُوْنَ) پڑھا ہے] ﴿ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ اور اس وجہ سے کہ تم اسے پڑھتے ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس سبب سے کہ تم علماء ہو اور اس سبب سے کہ تم کتاب الٰہی کے علم کی خاطر پڑھتے پڑھاتے ہو اور ربانیّت (اللہ والا ہونا) وہ قوت ہے جو اطاعتِ الٰہی پر مضبوطی حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور علم دین کے پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتی ہے اور کسی شخص کی بدقسمتی کے لیے یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اس نے بڑی جد و جہد اور محنت کر کے اور اپنی جان کو ہلاکت کی بھٹی میں ڈال کر علم حاصل کیا‘ پھر اس کے باوجود اس نے اپنے علم کو عمل کا ذریعہ نہ بنایا‘ سو اس شخص کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے بہترین باغ لگایا جس کے دیکھنے سے پژمردہ دل شاداب ہو جاتے ہیں لیکن وہ باغ اس کو اپنے پھل سے نفع نہیں دیتا اور بعض نے کہا: ’’تَدْرُسُوْنَ‘‘ کا معنی ہے کہ تم لوگوں کو پڑھاتے ہو جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ. (بنی اسرائیل: ۱۰۶) تاکہ آپ (اے محبوب!) لوگوں پر اس کو پڑھیں‘‘ تو اب یہ ’’تُدَرِّسُوْنَ‘‘ کے معنی میں ہوگا [جو ’’تَدْرِيْس‘‘ سے مشتق ہے (یعنی لوگوں کو پڑھانا) جیسا کہ ابن جبیر کی قراءت ہے]۔

۸۰- ﴿ وَلَا يَأْمُرَكُمْ ﴾ [یہ ’’ثُمَّ يَقُوْلَ‘‘ پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ’’مَا كَانَ لِبَشَرٍ‘‘ میں نفی کے معنی کی تاکید کے لیے لام زیادہ کیا گیا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نبوت عطا فرمائے اور اس کو حکم دے کہ وہ لوگوں کو شرک ترک کرنے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دے لیکن وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دے اور وہ تمہیں حکم دے ﴿ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ﴾ کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو اپنا رب بنالو جیسے تم کہتے ہو کہ زید کے لیے جائز نہیں کہ میں اس کا احترام کروں لیکن وہ میری توہین کرے اور مجھ سے نہ ڈرے [اور حجازی اور ابو عمرو بصری اور علی کسائی نے اس کو (یعنی ’’وَلَا يَأْمُرُكُمْ‘‘ کو) ابتدائے کلام پر محمول کر کے مرفوع پڑھا ہے] ﴿ اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ ﴾ [اس میں ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ’’وَلَا يَأْمُرُكُمْ‘‘ اور ’’اَيَأْمُرُكُمْ‘‘ میں ضمیر فاعل ’’بَشَرٍ‘‘ کے لیے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] یعنی کیا وہ انسان (جس کو نبوت عطا کی گئی ہے) یا اللہ تعالیٰ تمہیں کفر کا حکم دیں گے ﴿ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ مخاطب حضرات مسلمان تھے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے آپ سے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت طلب

کی تھی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور (اے محبوب!) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس ایسا عظیم الشان رسول تشریف لائے جو تصدیق کرنے والا ہو اس کی جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا بھاری عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے عرض کی: ہم نے اقرار کر لیا' فرمایا: سو تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں O پھر جو اس کے بعد پھر گیا تو وہ نافرمان ہیں O کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے اسی کی فرماں بردار ہے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے O

تمام انبیاء سے میثاق لینے' تمام مخلوق کے مطیع ہونے کا بیان

۸۱- ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا اور یہ آیت مبارکہ اپنے ظاہر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں پختہ عہد لیا یا پھر حذفِ مضاف کی بنا پر انبیائے کرام کی اولاد سے پختہ عہد لینا مراد ہے اور وہ بنی اسرائیل ہیں[1] ﴿لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ﴾ کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت دوں' اس میں لام قسم کے معنی میں ہے کیونکہ انبیائے کرام سے عہد لینا حلف کے معنی میں ہے [اور ''لَتُؤْمِنُنَّ'' کا لام قسم کا جواب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مَا'' کا لفظ شرط کے معنی کو متضمن ہو اور ''لَتُؤْمِنُنَّ'' شرط اور قسم دونوں کے جواب کے قائم مقام ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ''مَا''

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عہد لیا کہ اگر ان کے زمانہ حیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور دین اسلام کی نشر و اشاعت میں آپ کی مدد کریں گے' پھر انہیں حکم دیا کہ ہر نبی اپنی اپنی امت سے یہی عہد لے گا اور اس آیت مبارکہ کے ظاہر کا تقاضا بھی یہی ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں بھی یہی کچھ بیان کیا گیا ہے اور اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں: روح المعانی' ابن کثیر' جامع البیان' مظہری' انوار المحمدیۃ المقصد الاول' نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ارسلت الی الخلق کافۃ. یعنی میں تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹' مشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین)

موصولہ ہو اور ''لَـلَّـذِیْ اٰتَیْتُکُمُوْہُ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ'' کے معنی میں ہو] یعنی میں تمہیں جو چیز دے دوں تم اس پر ضرور ضرور ایمان لانا ﴿ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ ﴾ پھر تمہارے پاس عظیم الشان رسول تشریف لائے [اور یہ جملہ صلہ پر معطوف ہے اور اس میں ''مَا'' موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے: ''ثُـمَّ جَآءَ کُمْ بِہٖ'' ہے ﴿ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ ﴾ اس کتاب کی تصدیق کرنے والا جو تمہارے پاس ہے ﴿ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ ﴾ یعنی البتہ تم اس رسول پر ضرور ضرور ایمان لانا ﴿ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ﴾ ''اَیِ الـرَّسُـوْلَ وَھُوَ مُـحَمَّدٌ ﷺ'' اور البتہ تم ضرور ضرور اس رسول کی مدد کرو گے اور وہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں [قاری حمزہ نے ''لِمَا اٰتَیْتُکُمْ'' (یعنی لام کو حرف جارہ قرار دے کر مکسور) پڑھا ہے اور ''مَا'' موصولہ ''اَلَّـذِیْ'' کے معنی میں ہے یا ''مَـا'' مصدریہ ہے] یعنی میرا تمہیں کتاب وحکمت دینا' پھر تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والے رسول کا تشریف لانا اس سبب سے ہے (کہ تم ان پر ایمان لاؤ) اور لام تعلیل کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام سے عہد لیا کہ تم ضرور ضرور میرے اس رسول پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اس سبب سے ہے کہ میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں گا اور بے شک یہ رسول جن پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ تمہارے موافق ہوں گے مخالف نہیں ہوں گے [قاری نافع مدنی نے (واحد متکلم کی جگہ جمع متکلم) ''اٰتَیْـنَا کُمْ'' پڑھا ہے] ﴿ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کرلیا؟ اور یہاں عہد کو ''اِصْـر'' اس لیے کہا گیا کہ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کو (اقرار واعتراف اور تحریر ودستاویز اور حلف وقسم کے ذریعے) خوب باندھا اور مضبوط کیا جاتا ہے ﴿ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْھَدُوْا ﴾ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا تو تم اس اقرار پر ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ ﴿ وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ﴾ اور میں تمہارے اقرار کرنے اور ایک دوسرے پر گواہ بننے پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں اور یہ ان پر تاکید وتنبیہ ہے اور ان کو عہد سے پھرنے پر ڈرانا اور دھمکانا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی اور ایک دوسرے پر گواہی کی اہمیت کو جانتے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ انبیائے کرام کے عہد واقرار کرنے پر گواہ ہو جاؤ۔

۸۲۔ ﴿ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ ﴾ تو جو بندہ (بفرض محال) اس پختہ عہد اور مضبوط اقرار کے بعد پھر جائے گا اور اس عہد کو قبول کر لینے کے بعد اس کو توڑ دے گا اور تشریف لانے والے (آخر الزمان) پیغمبر پر ایمان لانے سے روگردانی کرے گا ﴿ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ سو وہ سرکشی کرنے والے کافروں میں سے ہو جائیں گے۔

۸۳۔ ﴿ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ ﴾ [جملے کا جملے پر عطف کرنے والے ''فـا'' پر ہمزہ استفہام کو انکار کے لیے داخل کیا گیا ہے اور اصل معنی یہ ہے: ''فَـاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ فَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ. تو وہی لوگ فاسق ہیں اور دین الٰہی کے علاوہ اور دین کو طلب کرتے ہیں'' پھر ان دونوں جملوں کے درمیان ہمزہ داخل کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ محذوف پر عطف کیا جائے جس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''اَیَتَـوَلَّوْنَ فَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ. کیا وہ پھر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرلیں گے'' اور یہاں مفعول بہ کو اپنے فعل سے مقدم کیا گیا ہے اور وہ ''غَیْـرَ دِیْـنِ اللّٰـہِ'' ہے کیونکہ یہ مفعول اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ وہ انکار جو ہمزہ استفہام کا معنی ہے وہ معبودِ باطل کی طرف متوجہ ہے ﴿ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ ﴾ اور اسی کے تابع فرمان ہو چکی ہے وہ تمام مخلوق جو آسمانوں میں ہے یعنی فرشتے وغیرہ ﴿ وَالْاَرْضِ ﴾ اور زمین میں ہے یعنی تمام انسان اور جنات وغیرہ ﴿ طَوْعًا ﴾ خوشی سے دلائل توحید میں غور وفکر کرنے اور اپنی ذات سے انصاف کرنے کے ساتھ ﴿ وَّکَرْھًا ﴾ اور ناخوشی سے تلوار کے ساتھ یا عذاب دیکھنے کے ساتھ جیسے بنی

اسرائیل پر پہاڑ کو اٹھا کر ان پر کھڑا کر دینا اور فرعون کو پانی کی غرقابی کا گھیر لینا اور قریب المرگ ہو جانا (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے [اور "طَوْعًا وَّكَرْهًا" حال واقع ہونے پر منصوب ہیں' دراصل "طَائِعِيْنَ وَ مُكْرِهِيْنَ" ہے] ﴿وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے' پھر وہ تمہیں اعمال پر جزا دے گا [اور امام حفص کی قراءت میں دونوں جگہ "يَبْغُوْنَ" اور "يُرْجَعُوْنَ" "یا" کے ساتھ ہے اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں دوسرے فعل میں تا اور جیم مفتوح کے ساتھ (تَرْجِعُوْنَ) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرنے والے صرف عہد سے پھر جانے والے لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے والے تمام لوگ ہیں اور ان دونوں کے علاوہ باقی قراء نے دونوں فعلوں میں "تا" کے ساتھ' نیز دوسرے فعل میں جیم کو مفتوح (تَبْغُوْنَ اور تُرْجَعُوْنَ) پڑھا ہے]۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

آپ فرما دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا' ہم ایمان لانے میں ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں O اور جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا O

۸۴۔ ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی طرف سے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے ایمان لانے کی خبر سنا دیں [اس لیے "قُلْ" میں واحد کی ضمیر اور "اٰمَنَّا" میں جمع کی ضمیر لائی گئی ہے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی طرف سے ایمان لانے کی گفتگو فرمائیں جیسا کہ بادشاہ اپنی طرف سے گفتگو کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ التحیات والتسلیمات کی جلالت قدر اور عظمت شان کا اظہار کیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہاں "اُنْزِلَ" کو حرف استعلاء (یعنی "عَلٰی") کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے جب کہ سورۃ البقرہ میں حرف انتہاء (یعنی "اِلٰی") کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ "اُنْزِلَ" میں دونوں معانی پائے جاتے ہیں کیونکہ وحی اوپر سے نازل ہوتی ہے اور رسول اکرم ﷺ پر آ کر اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے' چنانچہ یہ فعل کبھی دونوں معانی میں سے ایک کے ساتھ آتا ہے اور کبھی دوسرے معنی کے ساتھ آتا ہے اور صاحب "لباب" نے کہا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ "قُوْلُوْا" میں امت کو خطاب ہے جو "اِلٰی" ہی کے ساتھ صحیح اور درست ہو سکتا ہے کیونکہ کتب الٰہیہ انبیائے کرام اور ان کی امتوں تک پہنچ کر اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہیں اور یہاں "قُلْ" فرما کر حضور نبی کریم ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے نہ کہ آپ کی

امت کو لہٰذا یہاں "عَلٰی" ہی مناسب ہے کیونکہ یہ کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل کی گئی ہے اس میں امت شریک نہیں لیکن یہ وجہ قابلِ اعتراض ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (آل عمران: ۷۲) یعنی تم اس پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے"۔ ﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ اور جو حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل حضرت اسحاق حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اسباط سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور اس میں بہت سے انبیائے کرام مبعوث ہوئے تھے ﴿وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ﴾ اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیائے کرام کو دیا گیا [اور سورۃ البقرہ میں "وَمَآ اُوْتِیَ" مکرر لایا گیا ہے اور یہاں دوبارہ نہیں لایا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ" میں دینے کا ذکر پہلے ہو چکا ہے] ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ہم ان میں سے کسی کے درمیان ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے (بلکہ ہم سب پر مکمل ایمان رکھتے ہیں) جیسا کہ یہود و نصاریٰ کرتے ہیں (کہ وہ بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں) ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں اور موحد ہیں اور ہم اپنے آپ کو اسی کا مخلص قرار دیتے ہیں ہم اپنی عبادات میں اس کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔

۸۵- ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا﴾ یعنی جو شخص توحید اور رضائے الٰہی یا دینِ محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرے گا یہاں "دِیْنًا" تمیز واقع ہو رہا ہے ﴿فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو خسارے اور نقصان میں پڑ گئے۔

كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾

اللہ اس قوم کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس واضح دلائل و معجزات آ چکے تھے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی O وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کا عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

مرتدین کی مذمت

شانِ نزول: کفارِ مکہ کا ایک گروہ مدینہ منورہ میں آ کر مسلمان ہو گیا پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے چلا گیا اور مکہ

مکرمہ میں جا پہنچا' ان کے بارے میں درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی:

۸۶- ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ اس قوم کو کیونکر ہدایت دے گا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا ﴿ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ ﴾ [واؤ حال کے معنی میں ہے اور ''قَدْ'' پوشیدہ ہے] یعنی انہوں نے کفر کیا حالانکہ تحقیق وہ رسول اکرم یعنی حضرت محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے برحق ہونے کی گواہی دے چکے تھے [یا ''اِيْمَانِهِمْ'' میں جو فعل کا معنی ہے اس پر عطف ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: ''بَعْدَ اَنْ اٰمَنُوْا. اس کے بعد کہ وہ ایمان لے آئے''] ﴿ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ اور ان کے پاس ایسے شواہد آ چکے تھے (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں) جیسے قرآن مجید اور دیگر معجزات ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ یعنی جب تک کفار اپنے کفر پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دے گا یا یہ کہ جب وہ کفر کی موت مریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی راہ نہیں دکھائے گا۔

۸۷- ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یہ مبتدا ہے ﴿ جَزَآؤُهُمْ ﴾ دوسرا مبتدا ہے' اس کی خبر ﴿ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ ﴾ ہے اور یہ دونوں ''اُولٰٓئِكَ'' کی خبر ہیں [یا ''جَزَآؤُهُمْ'' ''اُولٰٓئِكَ'' سے بدل الاشتمال ہے] ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ [''خٰلِدِيْنَ'' ''عَلَيْهِمْ'' میں ''هِمْ'' ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] (آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ) یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

۸۸- ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ وہ اس میں یعنی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے ﴿ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

۸۹- ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ مگر جنہوں نے اس کے بعد یعنی کفر عظیم اختیار کرنے اور مرتد ہو جانے کے بعد توبہ کر لی ﴿ وَاَصْلَحُوْا ﴾ اور انہوں نے (اپنے ایمان کو) فاسد و برباد کرنے کے بعد اپنی اصلاح کر لی یا اصلاح میں داخل ہو گئے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما کر ان کا گزشتہ کفر معاف فرما دے گا ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ ان پر مہربانی فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ج
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ لا وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

ع ۱۱ ۱۷

بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا' پھر کفر میں اور بڑھ گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی' اور یہی لوگ گمراہ ہیں O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے اگر ان میں سے کوئی شخص زمین بھر سونا فدیہ میں دینا چاہے گا تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہوگا' اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا O

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ (ایک قول کے مطابق) یہود کے بارے میں نازل ہوئی:

۹۰-﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ﴾ بے شک جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تورات پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انجیل کے ساتھ کفر اختیار کیا ﴿ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ﴾ پھر وہ (سرور انبیاء حضرت) محمد مصطفیٰ ﷺ کا اور قرآن مجید کا انکار کر کے کفر میں اور بڑھ گئے یا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اس کے بعد کہ وہ آپ کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے' پھر اس پر اصرار کرتے رہنے اور ہر وقت آپ کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے رہنے سے کفر میں اور بڑھ گئے۔

شانِ نزول: (دوسرے قول کے مطابق) یا یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے بھاگ گئے اور مکہ مکرمہ میں جا پہنچے اور ان کے کفر کا بڑھنا یہ تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم مکہ میں ٹھہر کر (رحمت دو عالم جان دو عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کے بارے میں حوادثاتِ زمانہ کی گردش کا انتظار کریں گے ﴿ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ﴾ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی یعنی موت کے وقت ان کا ایمان لانا ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ کافر لوگ موت کے وقت ہی توبہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: "فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا. (الغافر:۸۵) جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو انہیں ان کے ایمان نے نفع نہ دیا"۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴾ اور یہی لوگ مکمل گمراہ ہیں۔

۹۱-﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی موت مر گئے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا "فَلَنْ یُّقْبَلَ" میں حرف "فا" اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ یہ کلام شرط اور جزا پر مبنی ہے اور فدیہ قبول نہ کرنے کا سبب کفر پر موت ہے اور اس سے پہلی آیتِ کریمہ میں "فا" کا ترک کرنا اس بات کی خبر دیتا ہے کہ وہ کلام مبتدا اور خبر ہے اور اس میں سببیّت پر کوئی دلیل نہیں اور "ذَهَبًا" تمیز ہے ﴿ وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ﴾ یعنی ان کا فدیہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ لوگ فدیہ میں زمین بھر سونا دے دیں۔ حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے روز کافر سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے پاس زمین کے برابر سونا ہو تو کیا تو اسے فدیہ میں دے دے گا؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں! سو اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں اس سے بہت آسان سوال کیا گیا تھا' بعض نے کہا: اس میں واؤ نفی کی تاکید کے لیے ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴾ اور ان کے لیے عذاب کو دور کرنے والے مددگار نہیں ہوں گے۔

الجزء ٤

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

وقف جبریل علیہ السلام

تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کرسکو گے یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس میں سے جو تمہیں پسند ہو اور تم جو چیز خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے O ہر قسم کا طعام بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے تورات کے نزول سے پہلے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا' آپ فرما دیجئے کہ تم تورات کو لا کر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو O تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے سو وہی لوگ ظالم ہیں O آپ فرما دیں: اللہ نے سچ فرمایا' پس تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو' جو ہر باطل سے الگ توحید پرست تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے O

نیکی حاصل کرنے کا عمل' بنی اسرائیل کا افتراء

۹۲- ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ تم ہرگز نیکی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے یا تم نیک نہیں بن سکتے یا تم اللہ تعالیٰ کی نیکی یعنی اس کا ثواب حاصل نہیں کر سکتے ﴿حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ یہاں تک کہ تم اپنے اموال میں سے وہ مال خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو اور اس کو سب سے بہتر سمجھتے ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنا پسندیدہ مال خرچ کیا اگرچہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو تو وہ شخص اس آیت مبارکہ کے مصداق میں داخل ہو گیا۔ امام واسطی نے فرمایا کہ بعض محبوب ترین مال راہِ خدا میں خرچ کرنے سے آدمی نیکی حاصل کر لیتا ہے اور دونوں جہاں سے خلوت اختیار کر کے آدمی رب تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراق نے فرمایا کہ تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے مگر اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نیکی کر کے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کسی بھی مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے محبوب سے محبوب چیز کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے متعلق مروی ہے کہ آپ شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ کر دیا کرتے تھے' آپ سے کہا گیا کہ آپ اس کی قیمت ہی کیوں نہیں صدقہ کر دیتے؟ آپ نے فرمایا کہ شکر مجھے محبوب و مرغوب ہے' میں چاہتا ہوں کہ راہِ خدا میں پیاری چیز خرچ کروں ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے تم جو کچھ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اسے خوب معلوم ہے' سو وہ تمہیں اس کے مطابق جزا دے گا [اور پہلا ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں ہے: ''حَتّٰى تُنْفِقُوا بَعْضَ مَا تُحِبُّوْنَ'' یہاں تک کہ تم کچھ وہ مال خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو اور دوسرا تبیین کے لیے ہے یعنی خرچ کسی قسم کا ہو خواہ عمدہ مال ہو جسے تم پسند کرتے ہو خواہ ردی اور گھٹیا ہو جسے تم ناپسند کرتے ہو (بہرحال اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے)۔

شانِ نزول: جب یہود نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیم پر ہیں اور حالت یہ ہے کہ آپ اونٹ کا گوشت تناول فرماتے ہیں اور اس کا دودھ بھی نوش جان فرماتے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلال تھا' سو ہم بھی اس کو حلال سمجھتے ہیں' یہود نے کہا کہ بے شک یہ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے دین میں ہمیشہ حرام رہا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب و تردید کے لیے درج ذیل آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

۹۳- ﴿كُلُّ الطَّعَامِ﴾ یعنی تمام کھانے جن میں اختلاف واقع ہو گیا ہے' سو ان میں سے کچھ اس سے پہلے بھی حرام تھے جیسے مردار اور خون ﴿كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ یہ سب بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے [''حِلًّا'' مصدر ہے' کہا جاتا ہے: ''حَلَّ الشَّیْءُ حِلًّا'' یعنی فلاں چیز حلال ہو گئی'' اس لیے یہ مونث و مذکر اور واحد و جمع کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے]

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: "لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ" (الممتحنہ:۱۰) وہ (مسلمان) عورتیں اُن (کافروں) کے لیے حلال نہیں۔ ﴿اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ﴾ ماسوا اس کے جس کو اسرائیل یعنی حضرت یعقوب نے اپنے آپ پر تورات کے نزول سے پہلے حرام کرلیا تھا [اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری نے اس کو (بغیر تشدید) تخفیف کے ساتھ (اَنْ تُنْزَلَ) پڑھا ہے]اور وہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ مراد ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں حضرت یعقوب کو بہت مرغوب تھیں اور آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ تورات کے نازل کرنے سے پہلے تمام کھانے پینے بنی اسرائیل کے لیے جائز تھے ماسوا اس کے جس کو حضرت یعقوب نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تورات نازل کی گئی تو اس میں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام کردیا گیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے اپنے اوپر ان چیزوں کو حرام کردینے کی وجہ سے ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اے محبوب! ان سے فرمادیں کہ تم تورات لے کر آؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا ہے کہ ان کی کتاب سے ہی ان پر دلائل قائم فرمائیں اور منہ بولتے ثبوت تورات کے ذریعے انہیں ذلیل کریں اور بتائیں کہ ان کھانوں کی حرمت ان یہودیوں پر اس وقت ہوئی جب انہوں نے بغاوت اور ظلم کیا اور ان کی حرمت ہمیشہ سے نہیں تھی جیسا کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں' چنانچہ یہودیوں نے تورات پیش کرنے کی جراءت نہ کی اور عاجز آ کر مبہوت ہوگئے اور ذلیل و خوار ہوکر لوٹ گئے اور یہ آیت مبارکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی صداقت کی روشن ترین دلیل ہے' نیز احکام شرعی کے نسخ کے جواز کی بھی واضح دلیل ہے جس کا یہود انکار کرتے تھے۔

۹۴- ﴿فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ سو جس نے اپنے خیال سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے دین میں حرام تھیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد کہ ان پر قوی ترین دلیل لازم و ثابت ہوچکی ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ تو یہی لوگ ظالم و متکبر اور منکر ہیں جو نہ اپنے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور نہ ہی دلائل کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

۹۵- ﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان میں سچ فرمایا ہے کہ یہ چیزیں حرام نہیں تھیں اور اس آیت میں ان کے جھوٹ بولنے پر تنقید و تنکیر کی گئی ہے یعنی یہ ثابت ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس میں سچ فرمایا ہے اور تم جھوٹے ہو ﴿فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ پس تم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی پیروی کرو اور وہی ملتِ اسلام ہے جس پر خاتم الانبیاء' سرورِ ہر دوسرا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے مسلمان ساتھی گامزن ہیں تاکہ تم یہودیت سے نجات و خلاصی حاصل کرلو جس نے تمہارے دین و دنیا کو برباد کرنے کی وجہ سے تمہیں مشکل میں ڈال دیا ہے حتیٰ کہ تمہاری اغراض پوری کرنے کے لیے تمہیں کتاب الٰہی کی تحریف کرنے پر مجبور کردیا ہے اور جس نے ان پاک چیزوں کو حرام کر تا تم پر لازم کردیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں پر حلال کردی تھیں ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا وَّ اَنۡتُمۡ شُہَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا البتہ وہی ہے جو مکہ میں ہے' برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہے O اس میں واضح نشانیاں ہیں مقامِ ابراہیم ہے' اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے' اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو' اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے O آپ فرما دیں کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو' حالانکہ اللہ تمہارے اعمال پر گواہ ہے O آپ فرما دیجئے: اے اہل کتاب! تم ایمان لانے والوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ تم ٹیڑھا راستہ چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو' اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے O

بیت اللہ کی فضیلت اور حج کی فرضیت کا بیان

شانِ نزول: اور جب یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ (چونکہ) ہمارا قبلہ بیت المقدس تمہارے قبلے بیت اللہ شریف سے پہلے ہے (اس لیے وہ افضل ہے) تو اللہ تعالیٰ نے (ان کی تردید میں درج ذیل دو) آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

۹۶- ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾ بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے (وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے) اور اس کا بنانے والا خود اللہ عزوجل ہے اور اللہ تعالیٰ کا لوگوں کے لیے گھر بنانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو لوگوں کی عبادت گاہ بنا دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک لوگوں کی سب سے پہلی عبادت گاہ کعبہ معظمہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک مسجد حرام (جس میں کعبہ شریف ہے) بیت المقدس سے چالیس سال پہلے تعمیر کی گئی تھی' بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور بعض نے فرمایا کہ طوفانِ نوح (علیہ السلام) کے بعد سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا حج کیا گیا تھا اور بعض نے فرمایا کہ سب سے پہلا گھر یہی ہے جو آسمان اور زمین کی تخلیق کے وقت پانی پر نمودار ہوا تھا اور بعض نے فرمایا کہ سب سے پہلا گھر یہی ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے روئے زمین پر تعمیر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وُضِعَ لِلنَّاسِ''، ''بَیۡتٍ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے اور ﴿لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ﴾ خبر ہے یعنی (سب سے پہلا) گھر البتہ وہی ہے جو بکّہ میں ہے اور یہ بلد حرام (یعنی محترم شہر مکہ) کا نام ہے اور مکہ اور بکہ دو لغتیں ہیں اور بعض نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ پورے شہر کو کہا جاتا ہے اور بکہ صرف مسجد حرام کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ بکہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہجوم ہے' چونکہ بیت اللہ شریف کے پاس لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے اس لیے اسے بکہ کہا گیا ہے یا اس لیے کہ یہ بہت بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑ کے رکھ دیتا ہے' جب بھی کسی سرکش نے اس کو ویران کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کو ہلاک کر دیا ﴿مُبٰرَکًا﴾ بڑا با برکت ہے کہ حج کرنے والوں اور عمرہ کرنے والوں کو بہت اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے اور ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ﴿وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہے کیونکہ ان کا قبلہ اور ان کی عبادت گاہ ہے [اور ''مُبٰرَکًا'' اور ''ھُدًی'' دونوں ''وُضِعَ'' کی ضمیر سے حال ہیں۔

٩٧۔ ﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ﴾ اس میں واضح نشانیاں ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں ﴿مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ﴾ یہ ''اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ'' کا عطف بیان ہے اور واحد کے ساتھ جماعت کا بیان صحیح اور درست ہے کیونکہ یہ واحد اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اور سخت ترین پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشان نمودار ہونے کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر قوی ترین دلیل ہونے اور اپنی شان کے ظہور کے اعتبار سے بہت سی نشانیوں کے قائم مقام ہے یا اس لیے کہ یہ خود بہت سی نشانیوں پر مشتمل ہے کیونکہ سخت ترین پتھر میں قدموں کا نشان پڑنا (ایک) نشانی ہے اور قدموں کا ٹخنوں سمیت پتھر میں گھس جانا (دوسری) نشانی ہے اور پتھر کا کچھ حصہ نرم ہونا اور کچھ حصہ سخت ہونا (تیسری) نشانی ہے اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کے ماسوا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان کا پتھر میں باقی رہنا (چوتھی) نشانی ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے خاص کر یہ کہ ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ اور جو اس میں داخل ہوگا وہ امن والا ہو جائے گا [یہ بھی ''اٰيٰت'' کا عطف بیان ہے اگرچہ معنی کے اعتبار سے یہ جملہ ابتدائیہ ہے یا شرطیہ ہے] کیونکہ یہ اس میں داخل ہونے والے کے پُر امن ہونے پر دلالت کرتا ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس میں روشن نشانیاں ہیں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کا پتھر ہے اور دوسرا حرم شریف میں داخل ہونے والے کا پُر امن ہو جانا ہے اور یہ دو نشانیاں جمع کے معنی میں ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ان دو نشانیوں کو ذکر کر دیا جائے اور ان کے علاوہ باقی کا ذکر چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ دو بھی بہت سی نشانیوں پر دلالت کرتی ہیں، گویا کہا گیا کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ایک مقام ابراہیم ہے اور دوسرا حرم شریف میں داخل ہونے والے کے لیے امن ہے اور ان کے علاوہ بہت سی نشانیاں ہیں جیسے تیر اندازوں کی کثرت کے ساتھ پتھروں کا مٹ جانا اور پرندوں کا خانہ کعبہ کے اوپر سے نہ اُڑنا وغیرہ وغیرہ اور بعض کا ذکر چھوڑنے کی مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے، آپ نے فرمایا: ''حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَآءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ''[1] تمہاری دنیا کی تین چیزیں میرے لیے پسندیدہ بنادی گئی ہیں خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔ پھر ''قُرَّةُ عَيْنِيْ'' تین چیزوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ الگ کلام ہے کیونکہ یہ دنیا کی چیزوں میں سے نہیں ہے اور تیسری چیز کا ذکر لپیٹ دیا گیا ہے گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیسری چیز کا ذکر ترک کر دیا ہے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ آپ کے شایانِ شان نہیں کہ دنیا کی چیز کا ذکر کریں، سو آپ نے دین میں سے ایک چیز کا ذکر فرما دیا اور بعض مفسرین نے پتھر میں قدموں کے نشان کے سبب کے بیان میں فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی بنیاد کو بلند کر دیا اور ضعفِ پیری کی وجہ سے پتھر اٹھانے سے عاجز آ گئے تو آپ اس پتھر کے اوپر کھڑے ہو گئے جس کی وجہ سے آپ کے قدم مبارک پتھر میں گھس گئے اور بعض نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات کے لیے شام سے مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے آپ سے عرض کی کہ آپ سواری سے نیچے تشریف لائیے تاکہ آپ کا سر مبارک دھویا جائے مگر آپ سواری سے نہ اترے تو اس نے ایک پتھر لا کر آپ کی دائیں طرف رکھ دیا اور آپ نے اپنا قدم مبارک اس پر رکھا حتیٰ کہ بہو نے آپ کے سر کا دایاں حصہ دھویا، پھر اس کو بائیں طرف لا کر رکھا اور آپ نے بایاں پاؤں اس پر رکھا یہاں تک آپ کی بہو نے آپ کے سر مبارک کا بایاں حصہ دھویا جس کی وجہ سے اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان باقی رہ گئے اور حرم شریف میں داخل ہونے والے کو امان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درج ذیل دعا کی برکت سے ملی: ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا'' (ابراہیم: ٣٥) اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا

[1] نسائی شریف کتاب عشرۃ النساء باب ا، مسند امام احمد ج ٣ ص ١٢٨۔ ١٨٥۔ ١٩٩

دے'' اور جب کوئی آدمی بڑا جرم کر لیتا' پھر آ کر حرم میں پناہ لیتا تو اسے حرم میں گرفتار نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میں اپنے باپ خطاب کے قاتل کو حرم شریف میں پکڑ لینے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا جب تک وہ حرم سے باہر نہیں نکلے گا اور جس کو حل میں (حرم سے باہر) قصاص میں یا مرتد ہونے کی وجہ سے یا زنا کی وجہ سے قتل کرنا لازم ہو جائے' پھر وہ حرم شریف میں پناہ لے لے تو اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا مگر اس کو ٹھہرنے نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کو کھانا پینا دیا جائے گا اور نہ اس سے لین دین کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے اور بعض علماء نے کہا کہ اس کو دوزخ کی آگ سے امن مل جائے گا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اٰمِنًا مِّنَ النَّارِ. یعنی حرمین میں سے کسی ایک میں جس شخص پر موت واقع ہو جائے گی وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے مامون ومحفوظ اٹھے گا'' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ حجون اور بقیع دونوں کو اطراف سے پکڑا جائے گا اور جنت میں پھیلا دیا جائے گا اور یہ دونوں مکہ اور مدینہ کے قبرستان ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ جس نے دن میں ایک ساعت مکہ مکرمہ کی گرمی پر صبر کر لیا تو اس سے دوسو سال کی مسافت کے برابر جہنم دور کر دی جائے گی ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر لوگوں پر حج کا فرض ہونا ثابت وواجب ہو گیا [اور قاری ابوبکر کے علاوہ قاری حفص کوفی نے ''حِجُّ الْبَیْتِ'' (حا کے نیچے کسرہ) پڑھا ہے اور اس صورت میں یہ اسم ہے اور فتح کے ساتھ مصدر ہے اور بعض نے کہا: ''حَجَّ یَحُجُّ'' کے مصدر میں یہ دونوں لغتیں فصیح و بلیغ ہیں ﴿مَنْ﴾ یہ محلاً مجرور ہے' یہ کل سے بدل البعض ہے] ﴿اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾ جو وہاں تک جانے کے لیے راستے کی طاقت رکھتا ہو' حضور نبی اکرم رسول اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تفسیر سامان سفر اور سواری کے ساتھ کی ہے اور ''اِلَیْهِ'' میں ضمیر ''بَیْت'' کی طرف یا ''حِجٌّ'' کی طرف لوٹتی ہے اور کسی چیز کی طرف آنے جانے کی ہر جگہ اس کا راستہ کہلاتی ہے۔

شانِ نزول: اور جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا'' نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام اہل مذاہب کو جمع فرمایا اور ان کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ ''اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی کَتَبَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا. بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے سو تم حج کرو'' تو صرف ایک اہل ملت ایمان لائے اور وہ مسلمان تھے اور باقی پانچ اہل ملت نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ نہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے اور نہ ہم اس کا حج کریں گے تو آیتِ کریمہ کا (درج ذیل) حصہ نازل ہوا:

﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ یعنی جس نے حج کی فرضیت کا انکار کر دیا اور یہ حضرت ابن عباس' حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کفران سے (ناشکری کے معنی میں) لیا گیا ہو یعنی جس نے ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کیا جو رزق کی فراخی اور جسمانی صحت کی صورت میں اسے عطا کی گئیں اور اس نے حج ادا نہیں کیا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے اور ان سے اور ان کی اطاعت سے مستغنی و بے پرواہ ہے اور اس آیت کریمہ میں چند وجوہ سے تاکید و تنبیہ اور سخت گیری کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں سے (ایک ''لِلّٰهِ'' میں) لام تخصیص ہے اور (دوسرا ''عَلَى النَّاسِ'' میں) ''عَلٰی'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کی گردنوں پر لازمی حق ہے اور ان میں سے (تیسرا) ابدال ہے جس میں مراد دوبار اور مکرر ہوتی ہے (کیونکہ ابدال میں مراد پر دو چیزیں دلالت کرتی ہیں' ایک مبدل منہ دوسرا اس کا بدل) اور اس لیے کہ ابہام کے بعد ایضاح (وضاحت) اور اجمال کے بعد تفصیل دو مختلف صورتوں میں بیان کی

گئی ہے اوران میں سے (چوتھی تاکید یہ ہے کہ) ''وَمَنْ لَّمْ یَحُجَّ'' کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَمَنْ کَفَرَ'' حج نہ کرنے والوں کے لیے سخت ترین وعید ہے اوران میں سے (پانچویں تاکید) استغنا کا ذکر ہے اور یہ قہر وغضب کی دلیل ہے اوران میں سے (چھٹی تاکید یہ ہے کہ) ''فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْہُ'' کی بجائے ''فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ'' ارشادفرمایا ہے] کیونکہ اس میں حج کے انکاری سے مضبوط دلیل کے ساتھ بے نیازی کا ذکر ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے تو حج کے انکاری سے لازمی طور پر بے نیاز ہونا ثابت ہو گیا اوراس لیے بھی کہ یہ کامل بے نیازی کی دلیل ہے' لہٰذا یہ عبارت اللہ تعالیٰ کے زبردست غضب پر ''عَنْہُ'' کی نسبت سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔

اہل کتاب کی سرزنش اوران کی مذمت کا بیان

۹۸- ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ فرمادیں: اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو جو حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدق پر دلالت کرتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال پر گواہ ہے اور وہ تمہیں ان اعمال پر ضرور سزا دے گا۔

۹۹- ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ﴾ آپ فرما دیں کہ اے اہل کتاب! تم ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی دینِ حق سے کیوں روکتے ہو جس کا راہِ خدا ہونا تمہیں معلوم ہے' اسی پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی اسلام ہے اور جو شخص اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا تو اہل کتاب اپنی پوری کوشش کے ساتھ اس کو منع کرتے اورروکتے تھے اور ''تَصُدُّوْنَ''، ''صَدٌّ'' سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: روکنا ﴿تَبْغُوْنَهَا﴾ [یہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] یعنی تم اللہ تعالیٰ کے راستے کو طلب کرتے ہو ﴿عِوَجًا﴾ ٹیڑھا' میانہ روی اور استقامت سے ہٹا کر اس لیے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی صفات مبارکہ کو ان کی اصل جگہ سے بدل دیتے ہو اوراسی طرح دوسری کارستانیاں کرتے ہو ﴿وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ﴾ اور تم خود گواہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے' جو کسی کو اس سے روکے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کردے گا ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال خصوصاً اس کے راستے سے روکنے کے عمل سے بے خبر نہیں اور یہ سخت ترین وعید (دھمکی) ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے راہِ حق سے روکنے والوں کی پیروی سے مسلمانوں کو منع کردیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کفر کی طرف پھیر دیں گے ○ اور تم کیونکر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے' اور جو شخص اللہ کے دین

کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے گا تو بے شک اسے سیدھے راستے کی ہدایت دی جائے گی O اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان رہ کر O

۱۰۰- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴾ اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب کے کسی گروہ کی اطاعت کر لی تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کافر بنا دیں گے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے کہا کہ شاس بن قیس یہودی ایک دفعہ اوس اور خزرج کے مسلمان انصار کے پاس سے گزرا جو آپس میں شیر وشکر ہو کر ایک مجلس میں گفتگو کر رہے تھے' ان کی محبت بھری گفتگو اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت دیکھ کر یہ یہودی غضب ناک ہو گیا اور جل کر رہ گیا' اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ ان کے پاس جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دے تا کہ یہ لوگ بجائے محبت کے ایک دوسرے سے ناراض ہو کر دشمن بن جائیں اور بعاث کا دن وہ دن تھا جس میں اوس اور خزرج کی آپس میں جنگ ہوئی تھی جس میں اوس قبیلہ کو فتح حاصل ہوئی تھی' چنانچہ اس نوجوان نے یہی کچھ کیا اور اسی وقت ان میں جھگڑا شروع ہو گیا اور سب نے '' ہتھیار' ہتھیار'' پکارنا شروع کر دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً مہاجرین و انصار صحابہ کرام کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: کیا تم جاہلیت کو دعوت دے رہے ہو حالانکہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے معزز و محترم بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی ہے؟ چنانچہ پوری قوم پہچان گئی کہ یہ شیطانی وسوسہ تھا' سو انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور روتے ہوئے ایک دوسرے کے گلے لگ گئے تو اس موقع پر (مذکورہ بالا) آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔

۱۰۱- ﴿ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ ﴾ استفہام کے معنی میں ہے جس میں انکار اور تعجب ہے یعنی تم کفر کیسے کر سکتے ہو یا تمہارے پاس کفر کہاں سے آ سکتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات رسول اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس پر تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور تمہیں تازہ بہ تازہ وعظ و نصیحت کی جاتی ہے' آیات سے مراد قرآن پاک ہے جو سراسر معجزہ ہے ﴿ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ﴾ اور تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ تمہیں بروقت آگاہ کرتے رہتے ہیں اور تمہیں نصیحت کرتے رہتے ہیں اور تم سے تمہارے شکوک و شبہات دور فرماتے ہیں ﴿ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے یا وہ لوگوں کو کفار کی شرارتوں اور ان کی فریب کاریوں کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کی ترغیب دیتا ہے ﴿ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ تو بلاشبہ اس کو دین حق کی ہدایت دے دی گئی یا جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنے شکوک و شبہات کے وقت ملجا و ماویٰ اور اپنی پناہ گاہ ٹھہرا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شک و شبہ سے محفوظ کر لیتا ہے۔

تقویٰ کی حقیقت اور اتحاد کی اہمیت

۱۰۲- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو تقویٰ بندوں پر واجب ہے وہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کو قائم کیا جائے اور محرمات و ممنوعات سے پرہیز کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ اطاعت کی جائے اور کبھی اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اس کی نعمتوں پر ہمیشہ شکر ادا کیا جائے اور کبھی ناشکری نہ کی جائے اور ہمیشہ اس کو یاد رکھا

جائے اور کبھی اس کا ذکر بھلایا نہ جائے یا متقی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ ہو اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہے اگرچہ اس کے اپنے یا اپنی اولاد یا اپنے ماں باپ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بعض نے کہا کہ جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے اس طرح کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈر سکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے اور ''تُقَاۃ'' ''اِتَّقٰی'' سے مشتق ہے جس طرح ''تُؤْدَۃ'' ''اِتَّاد'' سے مشتق ہے ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ اور تم نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو یعنی تمام احوال میں اسلام پر قائم رہنا اور جب تم پر موت آئے تو اسلام کے حال کے سوا کسی اور حال پر نہ ہونا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو' اور تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی' سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے' اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤO اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے' اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیںO

اتفاق واتحاد کی برکت

۱۰۳- ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو یعنی قرآن مجید کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اور قرآن مجید کو مضبوطی سے تھام لو کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ''اَلْقُرْاٰنُ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ وَلَا یَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ رَشَدَ وَمَنِ اعْتَصَمَ بِهٖ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط ترین رسی ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے اور نہ وہ کثرت کے ساتھ دھرانے سے پرانا ہو گا' جس نے اس کے مطابق بات کی وہ سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کر لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا'' ﴿جَمِیْعًا﴾ یہ مخاطبین کی ضمیر (اَنْتُمْ) سے حال ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ اجماع امت کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اور اس کی دلیل ﴿وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ہے یعنی فرقوں میں نہ بٹو اور ایسے کام نہ کرو جن سے افتراق وانتشار پیدا ہو جائے اور اتحاد واتفاق اور اجتماعیت ختم ہو جائے یا یہ کہ باہمی اختلافات کی وجہ سے حق سے دور نہ ہو جانا (بلکہ ہمیشہ حق کا ساتھ دینا) جیسا کہ یہود و نصاریٰ اختلافات کا شکار ہو گئے یا جیسا کہ تم خود زمانہ

جاہلیت میں قبیلوں اور فرقوں میں بٹ چکے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ لڑائیاں کرتے تھے ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ اور اپنے اوپر کی گئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن چکے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی ہو گئے۔ دراصل زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان دشمنیاں اور لڑائیاں ہوا کرتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور ان کے دلوں میں محبت ڈال دی' چنانچہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے گئے اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے ﴿ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ﴾ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر اس طرح پہنچ چکے تھے کہ جہنم کی آگ میں تم گرنے والے تھے اس لیے کہ تم کفر کی وجہ سے اس کے اوپر پہنچ چکے تھے ﴿ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾ تو اس نے تمہیں اسلام کی برکت سے اس لیے بچا لیا اور یہ معتزلہ فرقہ کا رد ہے کیونکہ ان کے نزدیک (انسان خود مختار ہے' لہٰذا) یہ لوگ اپنے آپ کو خود چھڑاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں [اور ضمیر ''حُفْرَةٍ'' کی طرف یا ''اَلنَّار'' کی طرف یا ''شَفَا'' کی طرف لوٹتی ہے اور مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ اس کی نسبت ''حُضْرَة'' کی طرف کی گئی ہے اور ''شَفَا'' کا معنی ہے: کنارہ اور اس کا لام کلمہ واؤ ہے اس لیے کہ اس کا تثنیہ ''شَفَوَانِ'' آتا ہے] ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اس فصیح و بلیغ بیان کی طرح ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتوں یعنی قرآن مجید کو کھول کر صاف صاف بیان کرتا ہے جس میں امر ونہی اور وعدو وعید کی وضاحت کی جاتی ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ تاکہ تم ہدایت سے پُر امید ہو جاؤ یا یہ مطلب ہے تاکہ تم اس کے ذریعے راہِ حق کی طرف اور ان اعمال کی طرف ہدایت پالو جن کے بجالانے میں ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تبلیغ دین کی اہمیت

١٠٤- ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے۔ معروف اسے کہتے ہیں جس کو شریعت اور عقل سلیم مستحسن قرار دے ﴿ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور وہ برائی سے منع کریں۔ ''مُنْكَر'' اسے کہتے ہیں جس کو شریعت اور عقل سلیم قبیح قرار دے یا معروف وہ عمل ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو اور منکر وہ عمل ہے جو قرآن وسنت کے مخالف ہو یا معروف اطاعت ہے اور منکر معصیت ہے اور بھلائی کی طرف دعوت دینا تمام مسائل تکلیفیہ کو عام ہے' کرنے والے کاموں کو بجالانے کی دعوت دینا اور نہ کرنے والے کاموں کو ترک کرنے کی دعوت دینا اس میں داخل ہیں خاص کردہ مسائل (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) جن کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور اس میں ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور اس لیے بھی کہ اس کی صلاحیت وہی رکھتا ہے جس کے پاس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علم ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس سلسلے کو قائم رکھنے کے لیے اس کو کیسے ترتیب دینی ہے تاکہ اگر مشکل عمل کی طرف ترقی مفید نہ ہو تو آسان عمل سے آغاز کرے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا. تو ان کے درمیان صلح کرادو' پھر ارشاد فرمایا: ''فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ. (الحجرات:٩) تو زیادتی کرنے والے سے لڑو' یا یہ ''مِنْ'' تبیین کے لیے ہے یعنی تم ایسی امت بن جاؤ کہ نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ. (آل عمران:١١٠) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہو تاکہ تم نیکی کا حکم دو' ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ یعنی یہی لوگ کامل کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ فَهُوَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِيْ

...وَخَلِيْفَةُ رَسُوْلِهٖ وَخَلِيْفَةُ كِتَابِهٖ. جو شخص نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اس کی زمین پر اور اس کے رسول کا خلیفہ ہے اور اس کی کتاب (قرآن مجید) کا خلیفہ ہے'' اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''اَفْضَلُ الْجِهَادِ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ. سب سے بہترین جہاد نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے''۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿١٠٥﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے واضح دلائل آ جانے کے بعد اختلاف برپا کر دیا' اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے○ جس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے' لیکن جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا' سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو اس لیے کہ تم کفر کیا کرتے تھے○ اور لیکن جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں' اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا○

فرقہ بندی کی مذمت

١٠٥- ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو عداوت و دشمنی کے سبب بہت سے فرقوں میں بٹ گئے ﴿وَاخْتَلَفُوْا﴾ خسیس و رذیل دنیا اور گھٹیا خواہشات کی وجہ سے ان میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے آپس میں اختلاف برپا کیا اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیا ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ اس کے بعد کہ ان کے پاس ایسے واضح اور روشن ترین دلائل آ چکے جو ایک کلمہ پر موجب اتفاق و اتحاد تھے اور وہ کلمۂ حق ہے ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

١٠٦- ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ﴾ یعنی مؤمنوں کے چہرے اس دن (نورِ ایمان سے) روشن و چمک دار ہوں گے [اور ''يَوْمَ'' ظرفیت کی بنا پر ظرف مستقر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ ''لَهُمْ'' ہے یا ''عَظِيْمٌ'' ہے یا ''اُذْكُرُوْا'' ہے ﴿وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ یعنی کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور مؤمنوں کے چہروں کی سفیدی نور کی وجہ سے ہو گی اور کافروں کے چہروں کی سیاہی ظلمت کی وجہ سے ہو گی ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ لیکن پھر جن کے چہرے سیاہ ہو چکے ہوں

گے تو ان سے کہا جائے گا: ﴿ اَكَفَرْتُمْ ﴾ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا' پھر "فا" اور قول دونوں کو معلوم ہونے کی بنا پر اکٹھے حذف کر دیا گیا ہے اور ہمزہ توبیخ (یعنی ڈانٹنے کے لیے) اور ان کے حال پر تعجب کرنے کے لیے لایا گیا ہے ﴿ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ میثاق کے دن ایمان لانے کے بعد' تو اس صورت میں تمام کافر مراد ہوں گے اور یہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور یہی ظاہر ہے یا اس سے مرتدین مراد ہیں یا پھر منافقین مراد ہیں یعنی کیا تم نے بہ ظاہر ایمان لانے کے بعد باطن میں کفر چھپا رکھا تھا یا اس سے اہل کتاب مراد ہیں اور ان کا ایمان لانے کے بعد کفر یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے آپ کی نبوت کا اقرار و اعتراف کیا تھا لیکن آپ کے اعلانِ نبوت کے بعد انہوں نے تکذیب کی اور آپ کو جھٹلا دیا ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ تو اب تم عذاب چکھو' اس کا سبب یہ ہے کہ تم (دنیا میں) کفر کرتے تھے۔

۱۰۷- ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ اور لیکن جن کے چہرے سفید و روشن ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں یعنی اس کی نعمت میں ہوں گے اور وہ دائمی ثواب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک نیا الگ جملہ بیان کیا اور فرمایا: ﴿ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' نہ ان کو وہاں سے نکالا جائے گا اور نہ ان پر موت آئے گی۔

۱۰۸- ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ ﴾ یہ وہ آیات ہیں جو وعد اور وعید وغیرہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ﴿ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ﴾ ہم ان کو آپ پر تلاوت کرتے ہیں جو بُروں کو سزا دینے اور نیکوں کو جزائے خیر دینے کے لیے حق و عدل اور انصاف پر مشتمل ہیں ﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے اور وہ اس طرح کہ کسی کو بغیر جرم کے پکڑ لے یا کسی مجرم کے عذاب میں اضافہ کر دے یا کسی نیک کے ثواب میں کمی کر دے (ایسا ہرگز نہیں ہوگا)۔

ع ۱۱ ۸ ۲

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۱۰۹ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۱۰ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۱

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور تمام اُمور اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے O تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا' ان میں سے کچھ مسلمان ہیں اور اکثر کافر ہیں O وہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے ماسوا زبانی اذیت کے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو وہ تمہارے سامنے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے' پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

۱۰۹- ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے' پس وہ نیک کو اس کی نیکی پر جزائے خیر عنایت فرمائے گا اور بد کو اس کی بدی پر سزا دے گا[اور ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے ''تَرْجِعُ'' (تا مضموم اور جیم مفتوح) پڑھا ہے ''کَانَ'' (اور اس کے باقی افعال) کا مطلب ہے: گزشتہ زمانہ میں کسی چیز کا بطورِ ابہام پایا جانا اور یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ چیز پہلے نہ ہو اور نہ وجود کے منقطع ہونے پر دلالت کرتا ہے (بلکہ دوام کے لیے بھی آتا ہے جیسے کَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ '' اسی سے ہے۔

۱۱۰- ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ گویا کہا گیا ہے کہ تم بہترین امت پائی گئی ہو یا اللہ تعالیٰ کے علم میں تم بہترین امت ہو یا لوحِ محفوظ میں بہترین امت ہو یا یہ کہ تم سے پہلے گزشتہ امتوں میں تمہارا ذکر کیا گیا کہ تم بہترین امت ہو اور تمہاری یہ صفت بیان کی گئی ہے: ﴿ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ کہ یہ لوگوں کی بھلائی کے لیے ظاہر کی جائے گی' ''لِلنَّاسِ'' کا لام ''اُخْرِجَتْ'' کے ساتھ متعلق ہے ﴿ تَاْمُرُوْنَ ﴾ یہ الگ نیا کلام ہے' امت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کی وجہ بیان کی گئی ہے جس طرح تم کہو: ''زَيْدٌ كَرِيْمٌ يُطْعِمُ النَّاسَ وَيَكْسُوْهُمْ'' یعنی زید بڑا سخی آدمی ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور ان کو کپڑے پہناتا ہے''۔ اس میں سخاوتِ زید کی وجہ کھانا کھلانا اور کپڑے پہنانا بیان کی گئی ہے (اس کا معنی ہے کہ) تم لوگوں کو حکم دیتے ہو ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کا ﴿ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور تم ہر بُرائی سے خصوصاً کفر سے منع کرتے ہو ﴿ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو یعنی ایمان باللہ پر تم ہمیشہ قائم رہتے ہو یا اس لیے کہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی ﴿ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ اور اگر اہل کتاب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آتے تو ان کے لیے ایمان لانا بہتر ہوتا اس سے جس پر قائم ہیں کیونکہ انہوں نے عوام کو اپنی پیروی کرانے اور چودھراہٹ کو قائم رکھنے کی خواہش میں دین اسلام کے مقابلے میں اپنے باطل دین کو ترجیح دے رکھی ہے' لہٰذا اگر وہ ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں چودھراہٹ اور عوامی اتباع اور دنیا کے اموال و اسباب سے بہتر ثابت ہوتا جن کی وجہ سے انہوں نے باطل دین کو دین اسلام پر ترجیح دی ہے' نیز انہیں اخروی کامیابی بھی حاصل ہو جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے پر اہل کتاب کے لیے ڈبل اجر و ثواب کا وعدہ فرما رکھا ہے ﴿ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ان میں سے کچھ مومن بھی ہیں جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور آپ کے دیگر مسلمان ساتھی ﴿ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ اور ان میں اکثر اپنے کفر کی وجہ سے سرکش ہو چکے ہیں۔

اہلِ کتاب کی اکثریت کی مکاریاں

۱۱۱- ﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ﴾ وہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر زبانی اذیت تک محدود ہوگا کہ دین اسلام کے بارے میں زبان طعن دراز کرنا اور ڈرانا دھمکانا وغیرہ وغیرہ ﴿ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ﴾ اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو شکست کھا کر تمہارے سامنے پیٹھ پیچھے بھاگ جائیں گے اور نہ وہ تمہیں قتل کر کے نقصان پہنچا سکیں گے اور نہ وہ تمہیں قید کر کے نقصان پہنچا سکیں گے ﴿ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ پھر ان کو کسی کی طرف سے مدد نہیں ملے گی اور نہ وہ تم سے بچ سکیں گے اور اس آیت مبارکہ میں اہل کتاب کی طرف سے اسلام قبول کرنے والوں کے لیے تسلی ہے کیونکہ وہ اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے اور ان کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور یہ پہلی خبر ہے جو انہیں سنائی گئی ہے[جس کو شرط و جزا کے جملے پر معطوف کیا گیا ہے اور صرف ''يُوَلُّوْكُمْ'' پر عطف نہیں کیا گیا کیونکہ اگر اس پر عطف کیا جاتا تو ''ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْا'' (بغیر نون کے) کہا جاتا] اور باقی اس کو الگ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ

بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد نہیں کرے گا خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں اور ''ثُمَّ'' مرتبہ میں تراخی بیان کرنے کے لیے آتا ہے کیونکہ ان پر ذلت ورسوائی کے مسلط ہونے کی خبر دینا ان کے پشت دے کر بھاگ جانے کی خبر دینے سے بڑی ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْأَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ۚ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾

ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے وہ کہیں بھی پائے جائیں مگر یہ کہ وہ اللہ کی رسی اور (مسلمان) لوگوں کی رسی کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی ہے' یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے' یہ اس لیے بھی ہوا کہ وہ نافرمانیاں کرتے اور حد سے تجاوز کرتے تھےO وہ سب برابر نہیں ہیں' اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیںO

۱۱۲- ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا﴾ یعنی یہودیوں پر ذلت لازم کر دی گئی ہے جہاں وہ پائے جائیں' یہاں ''ضُرِبَتْ'' کا معنی ''اُلْزِمَتْ'' ہے اور ''ھُمْ'' ضمیر کا مرجع صرف یہود ہیں ﴿إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ [یہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے اور ''با'' کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے] اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''اِلَّا مُعْتَصِمِيْنَ اَوْ مُتَمَسِّكِيْنَ بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ. یعنی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والے یا اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے والے'' ﴿وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ ''حبل'' کا مطلب عہد اور ذمہ ہے اور معنی یہ ہے کہ ان پر ذلت ہر حال میں لازم کر دی گئی مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم یا مسلمانوں کے ذمہ میں پناہ لے لیں یعنی ان کو کبھی عزت نہیں مل سکتی ماسوا اس ایک صورت کے اور وہ یہ ہے کہ جزیہ قبول کر کے اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے ذمہ میں پناہ حاصل کر لیں ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے غضب کو واجب کر لیا ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ اور ان کو سزا دینے کے لیے ان پر محتاجی لازم کر دی گئی ہے ان کے اس کہنے پر کہ ''اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ. (آل عمران: ۱۸۱) بے شک اللہ تعالیٰ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں'' یا یہ معنی ہے کہ مال و دولت رکھنے کے باوجود ان پر غربت و محتاجی کا خوف لازم کر دیا گیا ہے ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْأَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے ذلت و مسکنت کا ان پر لازم کر دینا اور غضب الٰہی کے ساتھ لوٹنے کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ تمام سزائیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے انکار کرنے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کے سبب ان پر لازم کر دی گئیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ یعنی یہ کفر اور یہ قتل اس سبب سے ہوئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

۱۱۳-﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً ﴾ تمام اہل کتاب برابر نہیں ہیں ﴿ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لَيْسُوْا سَوَآءً" کے بیان کے لیے الگ لایا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ "تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" کو اللہ تعالیٰ کے دوسرے ارشاد "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ" کے بیان کے لیے لایا گیا ہے ﴿ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ ﴾ ایک ایسی جماعت جو حق پر قائم رہنے والی انصاف پسند ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "اَقَمْتُ الْعُوْدَ فَقَامَ" یعنی میں نے لکڑی کو سیدھا کیا تو وہ سیدھی ہوگئی' اور اس سے اہل کتاب کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا ﴿ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن مجید کی رات کے اوقات میں تلاوت کرتے ہیں" "اٰنَآء" جمع ہے اس کا واحد "اَنًى" ہے جیسے "مَعًى" یا "اَنْوٌ" ہے جیسے "قِنْوٌ" ہے یا "اِنْيٌ" جیسے "نِحْيٌ" ہے ﴿ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴾ اور وہ سجدہ کرتے ہیں یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں بعض نے کہا کہ اس سے عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ اہل کتاب عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان کی نمازِ تہجد کو سجدوں سمیت رات کے اوقات میں تلاوت قرآن مجید کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے منع کرتے ہیں اور وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں' اور یہی لوگ نیکوں میں سے ہیں O اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں تو ان کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی' اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے O بے شک جنہوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے' اور یہی لوگ جہنمی ہیں' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے O

۱۱٤-﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں یعنی ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں اور نیکی کی تمام اقسام کو ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں ﴿ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اور وہ کفر سے اور شریعت کے تمام ممنوعات سے روکتے ہیں ﴿ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ﴾ اور وہ فوت ہونے کے خوف سے نیکیوں کو بجالانے میں جلدی کرتے ہیں اور ارشادِ باری تعالیٰ "يَتْلُوْنَ" اور "يُؤْمِنُوْنَ" دونوں "اُمَّةٌ" کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہیں یعنی یہ حق پر قائم رہنے والا' قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا مسلمان گروہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو یہودیوں میں نہیں تھیں یعنی تلاوت قرآنِ مجید' سجدہ ریزیاں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیونکہ یہودیوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنا ایمان نہ لانے کے برابر تھا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام کو شریک ٹھہراتے تھے اور وہ بعض کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا انکار کرتے

تھے اور اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ثابت کرتے تھے جو اس کی شان کے لائق نہیں تھیں اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منکر تھے کیونکہ وہ دین میں مداہنت سے کام لیتے تھے اور وہ نیکیوں میں جلدی کرنے کے قائل نہیں تھے کیونکہ وہ حد درجے کے کاہل وست تھے' انہیں نیکیوں میں کوئی رغبت نہیں تھی اور نیکی میں جلدی کرنا یہ ہے کہ اس میں بہت رغبت ہو کیونکہ جو شخص کسی کام میں رغبت رکھتا ہے اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے ﴿وَاُولٰٓئِكَ﴾ اور یہی لوگ جن کی صفات اوپر بیان کی گئی ہیں ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ مسلمانوں میں سے ہیں یا نیک لوگوں کی جماعت میں سے ہیں جن کے احوال اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے۔

١١٥- ﴿وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ﴾ [امام حفص کوفی نے ابوبکر کے علاوہ دونوں میں "یا" پڑھا ہے باقی قراء نے "تا" کے ساتھا پڑھا ہے البتہ ابوعمرو بصری نے دونوں کو اختیار کیا ہے اور "يُكْفَرُوْهُ" کو دو مفعولوں کی طرف متعدی کیا گیا ہے اگرچہ "شَكَرَ" اور "كَفَرَ" صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں] جیسے تم کہو: "شَكَرَ النِّعْمَةَ وَكَفَرَهَا" یعنی اس نے نعمت کا شکر ادا کیا اور فلاں نے اس کی ناشکری کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل حرمان کے معنی کو متضمن ہے یعنی وہ جو نیکی کرتے ہیں تو ان کو اس کے ثواب سے محروم نہیں رکھا جائے گا گویا کہا گیا کہ تمہیں اس کی جزائے خیر سے محروم نہیں کیا جائے گا ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جاننے والا ہے۔ اس میں پرہیز گاروں کے لیے بہت بڑے ثواب کی بشارت ہے۔

١١٦- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ نہیں بچا سکیں گے ﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور یہی لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾

اس مال کی مثال جس کو وہ لوگ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی طرح ہے جس میں سخت سردی ہو جو اپنے آپ پر ظلم کرنے والی قوم کے کھیتوں پر جا پڑی تو اس ہوا نے اس کو ہلاک کر دیا' اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں O اے ایمان والو! تم غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کمی نہیں چھوڑیں گے' وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں سخت تکلیف پہنچے' بے شک ان کی باتوں سے ان کی دشمنی ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے زیادہ بڑا ہے' بے شک ہم نے تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو O

١١٧- ﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اس مال کی مثال جس کو وہ لوگ اس دنیا کی زندگی میں فخر و غرور اور عزت و جاہ اور توصیف وتعریف کے حصول کی خاطر اور لوگوں کے درمیان حسن ذکر قائم رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں یا جو مال کفار اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کفر ترک کیے بغیر خرچ کرتے ہیں ﴿كَمَثَلِ رِيْحٍ﴾ ہوا سے ہلاک ہونے والی کی طرح ہے اور وہ کھیتی ہے یا اس مال کو ہلاک کرنے کی مثال جو وہ خرچ کرتے ہیں ہوا سے ہلاک ہونے والی کھیتی کی طرح ہے ﴿فِيْهَا صِرٌّ﴾ جس میں سخت سردی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے اور یہ مبتدا اور خبر مل کر "رِیْحٍ" کی صفت ہونے کی بنا پر جر کی جگہ پر واقع ہیں' مثال یہ دی گئی ہے کہ ﴿اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ وہ ٹھنڈی ہوا ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پہنچی جس نے کفر کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا ﴿فَاَهْلَكَتْهُ﴾ تو اس نے کھیتی کو ہلاک و برباد کر دیا' یہ ان کے کفر کی سزا ہے ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی تباہ و برباد کر کے ان پر ظلم نہیں کیا ﴿وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن وہ ایسے جرائم کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں جن کے باعث وہ عذاب وسزا کے حق دار بن گئے [یا یہ ضمیر "مُنْفِقِیْنَ" (یعنی خرچ کرنے والوں) کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے نفقات وصدقات قبول نہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کہ انہوں نے اپنے مال اس طرح خرچ نہیں کیے جس سے وہ قبولیت کے لائق ہو جاتے۔

شانِ نزول: یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو منافقین کی دوستی کا دم بھرتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت ان مسلمانوں کو ان کی دوستی سے منع کر دیا۔

١١٨- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً﴾ اے ایمان والو! تم کسی کافر کو راز دان نہ بناؤ۔ "بِطَانَة" آدمی کے محرم راز' صاحب اسرار' مخصوص اور مخلص دوست کو کہا جاتا ہے اور اس کو جسم کے اندرون حصہ پر پہنے گئے کپڑے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ شِعَارِیْ. فلاں آدمی میرا بھیدی دوست ہے" اور حدیث شریف میں ہے: "اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ. یعنی انصار مدینہ میرا اندرونی لباس (مخصوص مشیر) ہیں اور باقی لوگ میرا بیرونی لباس ہیں" ﴿مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ اپنے ہم جنس اور ہم قوم مسلمانوں کے علاوہ (کسی کو راز دان نہ بناؤ) اور یہ "بِطَانَةِ" کی صفت ہے یعنی ایسا راز دان دوست جو تم میں سے نہ ہو مگر تمہارے لیے رواداری اور درگزر سے کام لیتا ہو ﴿لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ [محلاً منصوب ہونے کی بنا پر "بِطَانَةِ" کی صفت ہے] یعنی یہ منافقین تمہارا دین برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے' کہا جاتا ہے: "اَلَا فِی الْاَمْرِ يَاْلُوْ. جب کسی کام میں کوتاہی کی جائے" اور "خَبَال" کا معنی فساد کرنا ہے [اور اس کا منصوب ہونا تمیز کی بنا پر ہے یا حذف کی وجہ سے ہے' دراصل "فِیْ خَبَالِكُمْ" ہے] ﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ﴾ یعنی وہ تمہیں انتہائی بدترین تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں' سو "مَا" مصدر یہ ہے اور "عنت" سخت ترین ضرر ومشقت کو کہتے ہیں یعنی وہ بہت آرزو رکھتے ہیں اور شدید تمنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے دین و دنیا کے معاملات میں سخت نقصان پہنچائیں' یہ ایک الگ جملہ ہے جو ان منافقین کو راز دان دوست بنانے کی ممانعت کی علت اور وجہ بیان کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ بے شک ان کی دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اس لیے کہ باوجود اپنے آپ کو ضبط میں لانے کے ان کی زبانیں ان کے کنٹرول میں نہیں رہیں' ان کے مونہوں سے ایسی بکواسات نکل جاتیں ہیں جن سے مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی معلوم ہو جاتی ہے ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ﴾ اور جو کچھ ان کے سینوں میں تمہارے لیے بغض وحسد چھپا ہوا ہے ﴿اَكْبَرُ﴾

وہ اس سے بڑھ کر ہے جو ظاہر ہو چکا ہے ﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ بے شک ہم نے تمہارے لیے وہ تمام نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں جو دین اسلام میں اخلاص اور اولیاء اللہ سے محبت و دوستی اور دشمنانِ دین سے عداوت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اگر تم وہ سب کچھ سمجھ جاؤ جو تمہارے لیے بیان کیا گیا ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

ع ۱۲ / ۱۱ / ۴

سنو! تم ہی وہ لوگ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان دار ہیں' اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں' آپ فرمادیں کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ' بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے O اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بُرائی پہنچے تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو ان کا مکر وفریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا' بے شک اللہ ان کے تمام اعمال کو گھیرے ہوئے ہے O

۱۱۹- ﴿هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ﴾ [''ھا'' تنبیہ کا ہے اور ''اَنْتُمْ'' مبتدا ہے اور ''اُولَآءِ'' اس کی خبر ہے] یعنی (اے مؤمنو!) تم ہی وہ لوگ ہو جو صرف ہمارے ساتھ محبت کرنے کی بجائے اہل کتاب (کے منافقین) سے محبت کر کے غلطی کر رہے ہو ﴿تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾ تم تو ان سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تم سے محبت نہیں کرتے' یہ ان سے دوستی کرنے کی غلطی کا بیان ہے کہ مسلمان ان اہل بغض سے محبت کرتے ہیں [یا ''اُولَآءِ'' موصول ہے اور ''تُحِبُّوْنَهُمْ'' اس کا صلہ ہے] اور ﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ [میں واؤ حال کے لیے اور یہ ''لَا يُحِبُّوْنَكُمْ'' کی ضمیر مخاطب سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے] یعنی وہ لوگ تم سے محبت و دوستی نہیں کرتے اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ اس کے باوجود تم سے بغض و عداوت کرتے ہیں تو تمہیں کیا ہوا کہ تم ان سے دوستی کرتے ہو اور وہ تمہاری کتاب کے کسی حصے پر ایمان نہیں لاتے اور اس میں سخت قسم کی دھمکی ہے کیونکہ جتنا تم اپنے دینِ حق میں مستحکم ہو اس سے بڑھ کر وہ اپنے باطل دین میں سخت ہیں اور بعض نے کہا کہ ''الکتاب'' میں لام جنس کا ہے ﴿وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا﴾ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں یعنی وہ تمہارے سامنے کلمہ توحید کا اظہار کرتے ہیں ﴿وَاِذَا خَلَوْا﴾ اور جب تم سے جدا ہو جاتے ہیں یا جب وہ آپس میں تنہائی میں ملتے ہیں ﴿عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾ تو وہ غصے کی وجہ سے تمہارے خلاف اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں' یہاں غیظ وغضب میں جلنے والے اور نادم و پشیمان ہونے والے کو انگلیوں' پوروں اور انگوٹھوں کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ تم اپنے غصے کی وجہ سے مر جاؤ' اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات ان پر دعائے ضرر

کرنے کے لیے نازل فرمائے ہیں تا کہ ان کا غصہ پہلے سے زیادہ بڑھ جائے یہاں تک کہ وہ اس غصہ سے ہلاک ہو جائیں اوران کے غیظ وغضب اور غصہ بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ دین اسلام کی نشر واشاعت اور اہل اسلام کی قوت بڑھنے سے ان کا غیظ وغضب اور ان کا غصہ اور زیادہ ہو گا جس سے ان کی ذلت و رسوائی میں مزید اضافہ ہو گا ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ منافقین کے سینوں میں چھپے ہوئے بغض وعناد کو خوب جانتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جو کچھ وہ اسلام کے خلاف گفتگو کرتے ہیں اسے بھی خوب جانتا ہے اور یہ بھی اس مقولہ میں داخل ہے یعنی آپ انہیں بتا دیں کہ وہ جو کچھ چھپا رہے ہیں غصے کے مارے انگلیاں کاٹنا اور تنہائی میں ملتے وقت آپس میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف گفتگو کرنا آپ ان سے فرما دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر مخفی چیزوں کو جانتا ہے جو تم آپس میں چھپاتے پھرتے ہو اور وہ سینوں میں چھپے ہوئے منصوبہ جات ہیں' لہٰذا تم یہ خیال نہ کرو کہ تمہارے چھپے ہوئے رازوں میں سے کوئی چیز اس پر مخفی رہ سکتی ہے یا کوئی بات اس کے علم سے خارج ہو سکتی ہے یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ ان سے یہ سب کچھ بیان کر دیں اور اس پر تعجب نہ کریں کہ میں نے آپ کو ان کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ کر دیا ہے کیونکہ میں اس سے زیادہ مخفی چیزوں کو جانتا ہوں اور یہ وہ ہیں جن کو انہوں نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے۔

۱۲۰- ﴿إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ﴾ اگر تمہیں خوشحالی' آسودگی' مال غنیمت اور فتح ونصرت ملے تو ﴿تَسُؤْهُمْ﴾ انہیں برا لگتا ہے اور ان چیزوں کا تمہیں ملنا انہیں غمگین کر دیتا ہے ﴿وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور تمہیں مذکورہ بالا چیزوں کے برعکس (قحط سالی' تنگ دستی' شکست و ناکامی جیسی مصیبتیں پہنچ جائیں تو خوش ہو جاتے ہیں) اور لفظ ''مَسَّ'' کو ''اَصَابَ'' سے بطور مستعار لیا گیا ہے کیونکہ معنی ایک ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے: ''اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ وَّهُمْ فَرِحُوْنَ O (التوبہ: ۵۰) یعنی اگر آپ کو بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگتا ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہتے: ہم نے اپنا کام ٹھیک کر لیا اور خوشیاں مناتے پھر جاتے ہیں'' ﴿يَفْرَحُوْا بِهَا﴾ وہ ان تکلیف دہ چیزوں کے پہنچنے پر خوش ہو جاتے ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوْا﴾ اور اگر تم ان کی عداوت و دشمنی پر صبر کرو ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور تمہیں جو ان کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اس سے بچو یا اگر تم دین کی مشکلات پر صبر کرو اور اس کے محارم سے اجتناب کرنے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ ﴿لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ تو ان کا مکر وفریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو جاؤ گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں تعلیم و رہنمائی دی جا رہی ہے کہ دشمن کے مکر وفریب پر صبر وتقویٰ کے ذریعے مدد لی جائے اور حکماء نے کہا کہ جب تم چاہو کہ تمہارا حاسد ذلیل وخوار ہو جائے تو تم اپنے اندر فضل وکمال میں اضافہ کرو [اور ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور نافع مدنی نے ''لَا يَضِرْ'' (ضاد کے نیچے کسرہ اور را کو مجزوم) پڑھا ہے ''ضَارَ يَضِيْرُ'' سے بنایا ہے' نقصان پہنچانے کے معنی میں ہے اور یہ واضح ہے' ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت مشکل ہے کیونکہ یہ شرط کا جواب ہے اور شرط کا جواب مجزوم ہوتا ہے' لہٰذا یہاں ''را'' پر فتح مناسب تھا جیسے عاصم سے مفضل کی قراءت منقول ہے مگر ''را'' کا ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع میں دیا گیا ہے جیسے ''مُدُّ'' ہے (کہ اس میں عین کلمہ پر ضمہ کی وجہ سے لام کلمہ کو ضمہ دیا گیا اگرچہ اس پر فتحہ اور کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے)] ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ [سہل نے ''تا'' کے ساتھ (تَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے] اب معنی ہو گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے صبر اور تقویٰ وغیرہ اعمال کو ﴿مُحِيْطٌ﴾ جانتا ہے' سو تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے تم اہل ہو [اور اس کے علاوہ باقی قراء نے ''یا'' کے ساتھ (يَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے] یعنی دشمنانِ دین تمہاری عداوت میں جو کچھ کر رہے ہیں اس کو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' ان کو اس پر ضرور سزا دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢١﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ ﴿١٢٤﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾

اور یاد کیجئے اے محبوب! جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے جب کہ آپ مسلمانوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہےO جب تم میں سے صرف دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کر لیا اور اللہ ان کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیےO البتہ تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم بے سروسامان تھے پس اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار رہوO جب آپ مسلمانوں سے فرمار ہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرےO ہاں! کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کیے رہو اور پھر اچانک تم پر دشمن چڑھائی کر دے تو اسی وقت تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرے گاO

غزوۂ بدر میں عنایت کیے گئے انعامات کا بیان' سود کی ممانعت اور اطاعت کا حکم

۱۲۱- ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! یاد کیجئے جب آپ مدینہ منورہ میں اپنے گھر سے صبح کے وقت باہر تشریف لائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ سے اُحد تشریف لے جانے کے لیے صبح کے وقت باہر تشریف لائے ﴿تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ آپ ان کو اتار رہے تھے اور یہ حال ہے ﴿مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ جنگ کے مورچے اور دشمن کی تاک لگانے کے لیے بیٹھنے کی جگہیں جیسے میمنہ' میسرہ' قلب' جناحین اور ساقہ اور "لِلْقِتَالِ" "تُبَوِّئُ" کے ساتھ متعلق ہے ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تم سب کی تمام باتوں کو بہت سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں اور قلبی ارادوں کو خوب جاننے والا ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ مشرکین مکہ جنگ کرنے کے لیے بدھ کے دن احد میں پہنچ گئے تھے اور حضور نبی اکرم رسول محترم ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ لیا اور عبد اللہ ابن ابی (منافقوں کے سردار) کو بلایا اور اس سے مشورہ لیا تو اس نے کہا کہ آپ مدینہ ہی میں ٹھہریں کیونکہ جب بھی ہم ان کے مقابلے کے لیے جنگ کرنے مدینہ سے باہر گئے تو شکست کھا کر لوٹے اور اگر انہوں نے مدینہ میں آ کر ہم پر حملہ کر دیا تو ہم سب مل کر ان کو شکست دے دیں گے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے اردگرد ذبح کی ہوئی گائے دیکھی جس کی تعبیر میں نے فتح سمجھی ہے اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میری تلوار کا کونہ ٹوٹ گیا ہے' میں نے اس کی تعبیر شکست سے لی ہے اور میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میں نے اپنا ہاتھ زرہ کے اندر ڈال دیا ہے' جس کی تعبیر میں نے

مدینہ میں لوٹ آنا ہی ہے' پھر شوقِ شہادت رکھنے والی قوم نے احد میں جا کر جنگ کا اصرار جاری رکھا یہاں تک کہ آپ اپنی امت کی خاطر جنگی ہتھیار پہن کر تشریف لائے' پھر اصرار کرنے والے حضرات نے نادم ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! جنگ کا معاملہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ جب وہ اپنی امت کی خاطر جنگی لباس پہن لے' پھر جنگ کیے بغیر اتار دے' پھر آپ جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد روانہ ہوئے اور پندرہ شوال بروز ہفتہ صبح کے وقت احد کی گھاٹی میں پہنچ گئے۔

۱۲۲۔﴿اِذْ ھَمَّتْ﴾[یہ ''اِذْ غَدَوْتَ'' سے بدل یا پھر ''عَلِیْمٌ'' کا معنی اس کا عامل ہے]﴿طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ﴾ یعنی جب تم میں انصار کے دو گروہ خزرج سے بنوسلمہ اور اوس سے بنوحارثہ نے (بزدلی کا) ارادہ کر لیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ احد کی طرف روانہ ہو چکے تھے اور مشرکین تین ہزار کے لشکر کے ساتھ احد میں پہنچ چکے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ صبر کر کے ثابت قدم رہے تو فتح ضرور حاصل ہوگی لیکن عبد اللہ بن ابی بن سلول (منافقوں کا سردار) ایک تہائی (یعنی تین سو) آدمیوں کا لشکر لے کر واپس نکل گیا اور کہا کہ ہم اپنی اولاد سمیت کیوں جنگ کریں تو اس وقت ان دو قبیلوں نے ان کی پیروی میں واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور یہ حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کے ساتھ چلتے رہے اور واپس نہ ہوئے۔﴿اَنْ تَفْشَلَا﴾ یہ کہ پھسل جائیں یعنی بزدلی دکھائیں اور اپنی کمزوری ظاہر کریں اور ''فشل'' کا معنی ہے: بزدل اور پست ہمت ہو جانا ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾ اور ان دونوں سے محبت کرنے والا یا ان کی مدد کرنے والا یا ان کے معاملہ کا متولی اللہ تعالیٰ ہے تو انہیں کیا ہوا کہ وہ بزدلی کا مظاہرہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا نہ کریں ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ہی مسلمانوں کو بھروسا کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کریں کسی اور پر نہیں اور اپنے تمام امور صرف اسی کے ہاں سپرد کر دیں کسی اور کے نہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب ہم کسی کام کو کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر سنا دی کہ وہ ہمارا حامی و مددگار ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کے دن فتح و نصرت عطا فرمائی حالانکہ وہ تعداد میں قلیل و کمزور اور سامانِ حرب کے اعتبار سے بے سروسامان تھے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۲۳۔﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں تمہاری مدد فرمائی اور یہ بدر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان پانی کے ایک چشمے کا نام ہے جو بدر نامی شخص کی ملکیت میں تھا اور اس کے نام پر اس کو بدر کہا جانے لگا اور اللہ تعالیٰ نے احد کے بعد بدر کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ صبر اور شکر کا جامع ہے ﴿وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ اور تم گنتی کے اعتبار سے کم زور تھے کیونکہ مسلمان صرف تین سو دس سے کچھ اوپر تھے جب کہ ان کا دشمن تقریباً ایک ہزار کے لشکر پر مشتمل تھا اور ان کی یہ تعداد صرف لڑنے والوں کی تھی' پھر مسلمان صرف مدافعت کی خاطر ان کے ایک قافلے کا تعاقب کرنے کے لیے نکلے تھے' ان کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور ان کے دشمن کے پاس ایک سو گھوڑے تھے اور دوسرا سامانِ جنگ ہتھیار وغیرہ اس کے علاوہ تھے اور یہاں جمع قلت کے ساتھ ''اَذِلَّةٌ'' اس لیے کہا گیا ہے تاکہ یہ دلالت کرے کہ مسلمان بے سروسامان ہونے کے ساتھ تعداد میں بھی قلیل تھے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول کا ساتھ نہ چھوڑو بلکہ ان کے ساتھ ثابت قدم رہو ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم اپنے تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو جو اس نے صبر و تقویٰ کے ذریعے فتح و نصرت کی صورت میں تم پر انعام فرمائی تھی۔

١٢٤-﴿إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [یہ "نَصَرَكُمْ" کا ظرف ہے] اس بنا پر کہ حضور یہ بات ان سے بدر کے دن فرما رہے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس وقت مدد کی جب حضور تم سے یہ بات فرما رہے تھے یا یہ "اِذْ غَدَوْتَ" سے دوسرا بدل ہے اس بنا پر کہ (اے محبوب!) آپ ان سے یہ بات احد کے دن فرما رہے تھے ﴿أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے [ابن عامر شامی نے "مُنَزَّلِيْنَ" (باب تفعیل سے زا کو مشدد) پڑھا ہے اور ابوحیوۃ نے "مُنْزِلِيْنَ" (زا کے نیچے کسرہ دے کر باب افعال سے اسم فاعل کے وزن پر) پڑھا ہے] یعنی مدد کو اتارنے والے فرشتے اور "اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ" کا معنی اس بات کا انکار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد نہیں کرے گا اور اس جملے کو حرف "لَنْ" کے ساتھ لایا گیا ہے جو نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے یہ بات بتانے کے لیے کہ مسلمان اپنی عددی کمی اور کمزوری اور اپنے دشمن کی کثرت اور مسلح ہونے کے سبب مدد سے مایوس ہونے والوں کی طرح تھے۔

١٢٥-﴿بَلٰى﴾ [حرف "لَنْ" کے بعد اثبات ہے] یعنی تین ہزار فرشتوں کی امداد تمہیں کافی ہو جائے گی' سو اللہ تعالیٰ نے کفایت کو واجب کر دیا' پھر ارشاد فرمایا: ﴿إِنْ تَصْبِرُوْا﴾ اگر تم جنگ میں صبر کرو گے اور ثابت قدم رہو گے ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور تم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی مخالفت سے بچو گے اور ان کی نافرمانی نہیں کرو گے ﴿وَيَأْتُوْكُمْ﴾ اور تم پر مشرکین حملہ کر دیں ﴿مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا﴾ [یہ "فَارَتِ الْقِدْرُ" سے لیا گیا ہے] (یہ اس وقت بولا جاتا ہے) جب ہانڈی جوش مارنے لگتی ہے' پھر اس کو سُرعت (جلدی) کے معنی میں مستعار لے لیا گیا ہے' پھر اس حالت کو کہا گیا جس میں بالکل تاخیر نہ ہو اور نہ اس میں کسی قسم کی کمزوری ہو' پس کہا گیا: "خَرَجَ مِنْ فَوْرِهٖ. فوراً نکل آئے" جیسے کہو: اسی وقت بالکل نہ ٹھہرا' اور اسی سے امام کرخی کا قول ہے کہ مطلق امر فوری طور پر واجب العمل ہوتا ہے' اس میں تاخیر بالکل نہیں ہوتی اور معنی یہ ہے کہ اسی وقت مشرکین تم پر حملہ کر دیں ﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا' مطلب یہ کہ مشرکین کے آنے پر فرشتوں کا نزول مؤخر نہیں ہوگا بلکہ اسی وقت نازل ہو جائیں گے یعنی اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جلدی مدد فرمائے گا اور تمہاری فتح کو بہت آسان کر دے گا ﴿مُسَوِّمِيْنَ﴾ [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' عاصم اور سہل نے واؤ کے نیچے کسرہ پڑھا ہے] یعنی فرشتے اپنے آپ کو نمایاں کر کے نشان زدہ سواریوں کے ساتھ میدان جنگ میں اتریں گے اور "سوم" کا معنی علامت ہے۔ حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں اور دُمیں سفید ہوں گی اور ان کے علاوہ دوسرے قراء نے واؤ پر فتح پڑھا ہے یعنی نشان زدہ فرشتے اتریں گے۔ امام کلبی نے کہا کہ ان کے سروں پر زرد رنگ کی پگڑیاں تھیں جن کے شملے کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے اور غزوۂ بدر کے دن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پگڑی زرد رنگ کی تھی تو فرشتے اسی رنگ کی پگڑیاں پہن کر اترے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پہلے ایک ہزار فرشتے اترے تھے' پھر تین ہزار ہو گئے' پھر بعد ازاں پانچ ہزار کر دیئے گئے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا

خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾ ع

اور اللہ نے اس (فتح ونصرت) کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے خوشخبری اور تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد تو نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے O تا کہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کی جڑ کاٹ دے یا ان کو ذلیل کرے' سو وہ ناکام ہو کر لوٹ جائیں O آپ کو ان کے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں خواہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے خواہ ان کو عذاب دے کیونکہ وہ بلاشبہ ظلم کرنے والے ہیں O اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے' وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

١٢٦- ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ﴾ [ضمیر امداد کی طرف راجع ہے جس پر ''اَنْ يُّمِدَّكُمْ'' دلالت کرتا ہے] ﴿اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے تمہاری امداد کو محض تمہارے لیے خوشخبری بنا دیا ہے کہ بے شک ہر حال میں تمہاری مدد کی جائے گی ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ﴾ تا کہ تمہارے دل اس کے ذریعے مطمئن رہیں جیسا کہ سکینہ بنی اسرائیل کے لیے مدد الٰہی کی بشارت اور ان کے دلوں کے لیے اطمینان کا سبب بنا تھا ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اور حقیقی مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' نہ جنگ سے حاصل ہوتی ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے ہوتی ہے لیکن یہ چیزیں ان اسباب میں سے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی نصرت ورحمت کی امید کو مضبوط بنا دیتا ہے ﴿الْعَزِيْزِ﴾ ایسا زبردست غالب ہے کہ اس کو اس کے احکام میں مغلوب نہیں کیا جا سکتا ﴿الْحَكِيْمِ﴾ صاحب حکمت ہے جو اپنے دوستوں کو امداد عطا فرماتا ہے اور دشمنانِ دین سے جہاد کا حکم دے کر ان کا امتحان لیتا ہے۔

١٢٧- ﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ تا کہ ان میں سے ایک گروہ کو قتل اور قید کرا کے ہلاک کر دے اور یہ بدر کے دن ہوا کہ قریش کے سرداروں میں ستر آدمی قتل کیے گئے اور ستر آدمی قید کر لیے گئے تھے [اور اس کا لام ''وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر ''يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿اَوْ يَكْبِتَهُمْ﴾ یا انہیں ذلیل ورسوا کر دے اور شکست سے ان کو غصہ دلائے اور ان کا غیظ وغضب بڑھائے اور ''كَبْتٌ'' کی حقیقت انتہائی توہین ہے جو دل میں واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے چہرے پر شرمندگی وندامت اور غیظ وغضب عیاں ہو جاتا ہے ﴿فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ﴾ سو وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔

١٢٨- ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ [''شَيْءٌ'' ''لَيْسَ'' کا اسم ہے اور ''لَكَ'' اس کی خبر ہے اور ''مِنَ الْاَمْرِ'' ''شَيْءٌ'' سے حال واقع ہو رہا ہے کیونکہ یہ صفت مقدمہ ہے] ﴿اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ [اس کا ''لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پر عطف ہے اور ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ'' معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان کے معاملات کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے خواہ وہ انہیں ہلاک کر دے خواہ انہیں شکست دے دے خواہ ان کی توبہ قبول کر لے اگر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں ﴿اَوْ يُعَذِّبَهُمْ﴾ یا انہیں عذاب میں مبتلا کر دے اگر وہ کفر پر اصرار کرتے ہیں اور آپ کو ان کے معاملے میں کچھ (ذاتی) اختیار نہیں' بے شک آپ تو عبد مبعوث ہیں جو ان کو ڈرانے اور ان

سے جہاد کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں[1]

[امام فراء سے مروی ہے کہ ''اَوْ''، ''حتّٰی'' کے معنی میں ہے اور ابن عیسٰی سے منقول ہے کہ ''اَوْ'' بہ معنی ''اِلَّا اَنْ'' کے

اختیاراتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

[1] خیال میں رہے کہ بعض لوگ ایسی آیات سے جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے کسی اختیار یا علم کی نفی کی گئی ہو آپ کو محض بے اختیار اور بے علم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کے بعض اکابر کی کتب سے آپ کے لیے تشریعی اختیارات اور بعض علوم غیبیہ کا ثبوت ملتا ہے' نیز بندگانِ خدا کے کمالات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہوتے ہیں ذاتی نہیں' بہر حال اختصار کے پیشِ نظر چند آیات آپ کے مطلق اختیارات' پھر تشریعی اختیار پر قرآن وسنت کے چند دلائل عرض کیے جاتے ہیں تا کہ حقیقت واضح ہو جائے:

(١) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ (النساء:٦٥)

اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو آپس کے تمام جھگڑوں میں حاکم مان لیں' پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور اس کو دل سے تسلیم کر لیں○

(٢) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ. (التوبہ:٥٩)

اور کاش! وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ نے اور اس کے رسول نے ان کو عطا فرمایا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے' عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اس کے رسول ہمیں مزید عطا فرمائیں گے۔

(٣) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ. (الاحزاب:٣٦)

اور کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ میں کچھ اختیار رہے۔

(٤) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ○ (الکوثر:١)

بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرما دیں○

امام فخر الدین رازی نے اس آیت مبارکہ کے تحت کوثر کے چند معانی لکھے ہیں: (الف) اَلْخَيْرُ الْكَثِيْرُ فِي الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ 'یعنی دین و دنیا کی سب خوبیاں آپ کو عطا کر دی گئیں ہے۔ (ب) هٰذَا اللَّفْظُ يَتَنَاوَلُ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَخَيْرَاتِ الْاٰخِرَةِ 'یہ کوثر کا لفظ دنیا اور آخرت کی تمام خوبیوں پر مشتمل ہے (ج) اَعْطَاكَ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ 'یعنی زمین و آسمانوں کے پیدا کرنے والے نے آپ کو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں عطا فرما دیں (د) امام رازی پندرہویں قول کے تحت لکھتے ہیں: ''اَلْمُرَادُ مِنَ الْكَوْثَرِ جَمِيْعُ نِعَمِ اللّٰهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. یعنی کوثر سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں ہیں جو اس نے (سرورِ انبیاء حضرت) محمد (مصطفٰے) علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیں اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے''۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ٤٩٥-٥٠١)

(٥) وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ. (التوبہ:٧٤)

اور ان کو برا نہ لگا مگر یہی کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے ان کو غنی کر دیا۔

تشریعی احکام میں اختیاراتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(١) وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف:١٥٧)

اور آپ مسلمانوں کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیے ہے جیسا کہ تمہارا یہ قول ہے: "لَا لْزِمَنَّكَ اَوْ تُعْطِيْنِیْ حَقِّیْ. میں ہر حال میں لازمی طور پر تیرے ساتھ رہوں گا مگر یہ کہ تو میرا حق مجھے دے دے"] یعنی اے محبوب! آپ کو ان کے معاملہ میں (ذاتی) کوئی اختیار نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے تاکہ آپ ان کی اس حالت پر خوش ہو جائیں یا ان کو عذاب میں مبتلا کردے تاکہ آپ کو ان سے تسکین حاصل ہو۔ بعض مفسرین نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کے خلاف دعائے ضرر کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو روک دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۲) وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ. (التوبہ:۲۹) اور وہ لوگ اس کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

(۳) فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (النساء:۱۰۱) پس تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کچھ نمازیں قصر کر کے پڑھو اگر تمہیں کفار کے حملہ کا ڈر ہو۔

اس آیت مبارکہ میں نمازِ قصر کی اجازت صرف خوف کی صورت میں دی ہے جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خداداد اختیار سے ہر شرعی سفر میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔ جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا وَّاِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَاَيْنَاهُ يَفْعَلُ". بے شک اللہ تعالیٰ نے سرور انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے لہٰذا ہم کچھ نہیں جانتے اور ہم وہ کرتے ہیں جیسا ہم نے آپ کو کرتے دیکھا ہے۔

(شفاء شریف ج ۲ ص ۱۱ ' فاروقی کتب خانہ ملتان)

(۵) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ (النساء:۱۰۳) بے شک ہر نماز مؤمنوں پر مقررہ وقت میں فرض کی گئی ہے۝

اس آیت مبارکہ میں ہر نماز کو الگ اپنے مقررہ وقت پر ادا کرنا فرض کر دیا گیا ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرفات میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنا واجب قرار دیا ہے۔

(۶) وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ. (البقرہ:۲۸۲) اور دو مردوں کو گواہ بنالو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

مگر حضور نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر کر دیا۔

(۷) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. (النساء:۳) تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں پسند آجائیں دو دو تین تین اور چار چار۔

مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیات فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک دوسرے نکاح کی ممانعت فرما دی۔

(۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ. (المائدہ:۶) اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (نماز سے پہلے) اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھولو۔

(تفصیل ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۲ کتاب الجنائز عنوان منصب رسالت' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لائیں گے ﴿ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ تو بے شک وہ ظالم ہیں اس لیے وہ عذاب دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

۱۲۹۔ ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی حقیقی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے آپ کے لیے نہیں (کیونکہ آپ کسی چیز کے حقیقی مالک نہیں) اس لیے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کے ملک میں ہے ﴿ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے یعنی مؤمنوں کے لیے بخشش فرماتا ہے ﴿ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے یعنی کافروں کو ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

احادیثِ مبارکہ سے اختیاراتِ نبوی ﷺ کا ثبوت

(۱) اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ. (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۸۵۔۹۷۵' مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۰)
بے شک مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔

(۲) بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ. (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۱۸)
میں سو رہا تھا کہ اس دوران زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

(۳) وَاِلَیَّ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ. (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۴)
اور قیامت کے روز جنت کی چابیاں مجھے دی جائیں گی اور میں فخر یہ نہیں کہتا۔

(۴) اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّخَازِنٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ. (بخاری ج ۱ ص ۴۳۹)
بے شک میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں اور میں ہی تمام خزانوں کا نگران ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

(۵) سَلْنِیْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ قَالَ اَوَ غَیْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ. (نسائی ج ۱ ص ۱۷۱' باب فضل السجود' مسلم ج ۱ ص ۱۹۳' باب فضل السجود' مشکوٰۃ شریف باب السجود وفضلہ ص ۸۴)
حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ اے ربیعہ! مجھ سے مانگ لے' میں نے عرض کیا: میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ بھی مانگ لو' میں نے عرض کیا: بس یہی کافی ہے۔

نوٹ: آخر میں عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک حوالہ پیش کرتا ہوں جو انہوں نے اس زیر بحث آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے: ''جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِهٖ بِیَدِهٖ فَمَنْ زَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ کَاَحَادِ النَّاسِ لَا یَمْلِكُ شَیْئًا اَصْلًا وَّلَا یَنْفَعُ بِهٖ لَا ظَاهِرًا وَّلَا بَاطِنًا فَهُوَ کَافِرٌ خَاسِرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاسْتِدْلَالُهٗ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ ضَلَالٌ مُّبِیْنٌ. یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں دے دیں تو اب جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نبی کریم ﷺ عام لوگوں کی طرح کسی چیز کے بالکل مالک نہیں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں' سو وہ کافر ہے' دنیا میں اور آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہے اور اس آیت مبارکہ کو بطور دلیل پیش کرنا کھلی گمراہی ہے۔

(تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۶۷' مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اے ایمان والو! تم کئی گنا بڑھا کر سود نہ کھاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤO اور تم اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہےO اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائےO اور اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی تمام آسمان اور زمین ہے' وہ پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہےO جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں' غصہ کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں' اور اللہ نیکوں سے محبت کرتا ہےO

۱۳۰-﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے ''مُضَعَّفَةً'' (بغیر الف کے عین کو مشدد کر کے باب تفعیل سے) پڑھا ہے] یہ آیت مبارکہ سود کھانے سے ممانعت کے ساتھ اس عمل پر توبیخ (یعنی دھمکی) بھی ہے جس کو دُگنا تِگنا سود کھانے کے لیے وہ لوگ روش بنا چکے تھے کیونکہ جب قرض کے واپس کرنے کی مدت پوری ہو جاتی تو ان میں سے قرض دینے والا اپنے مقروض سے کہہ دیتا کہ یا تو میرا قرض واپس کر دو یا پھر سود میں اضافہ کر کے مدت میں مہلت لے لو (چنانچہ اگر مقروض کے پاس رقم نہ ہوتی تو وہ مدت بڑھا کر سود در سود دینے پر تیار ہو جاتا) ﴿ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور سود کھانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تا کہ فلاح پالو۔

۱۳۱-﴿ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' اگر اس کے محارم سے پرہیز کرنے میں اس سے نہ ڈریں اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی امید کو اپنی رحمت کے ساتھ معلق کر کے اس کے بعد فرمایا تا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت زیادہ سے زیادہ اختیار کریں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۳۲-﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے' اس آیت مبارکہ میں مرجیہ فرقہ کے اس قول کی تردید ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ نقصان نہیں دیتا اور جہنم کی آگ کا عذاب بھی بالکل نہیں ہوگا اور ہمارے (اہل سنت) کے نزدیک کافروں کے علاوہ نافرمان و گنہگار بھی جہنم میں

داخل ہوں گے اگر چہ اہل تفسیر نے کہا ہے کہ "لَعَلَّ" اور "عَسٰی" اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحقیق کے لیے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسے مواقع پر ان کا ذکر کرنا تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کی باریکی اور رضائے الٰہی پانے اور اس کی رحمت وثواب وصول کرنے کی صعوبت اہل معرفت پر پوشیدہ نہیں ہے۔

مغفرت کی اہمیت' جنت کی وسعت واہمیت اور گناہوں پر ندامت واستغفار کی اہمیت

۱۳۳-﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ﴾ اور تم اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے بغیر واؤ کے "سَارِعُوْا" پڑھا ہے اور جس نے واؤ کو ثابت رکھا ہے اس نے اس کا ماقبل پر عطف کیا ہے اور جس نے واؤ کو حذف کیا ہے اس نے اس کو الگ ایک نیا جملہ قرار دیا ہے] اور مغفرت و جنت کی طرف دوڑنے کا یہ معنی ہے کہ ایسے کاموں پر عملی توجہ دی جائے جو ان دونوں تک پہنچا دیں' پھر بعض نے کہا کہ وہ پانچ نمازیں مراد ہیں یا تکبیر اولیٰ یا اطاعت وفرماں برداری یا اخلاص یا توبہ یا جمعہ اور پنجگانہ نماز باجماعت ادا کرنا ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ یعنی اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" (الحدید:۲۱) اور اس سے مراد جنت کی وسعت وکشادگی کا وصف بیان کرنا ہے اس لیے اس کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو لوگ اس کی مخلوق میں سے زیادہ وسیع اور کشادہ جانتے ہیں اور چوڑائی کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ عام طور پر چوڑائی لمبائی سے کم ہوا کرتی ہے اور یہ بطور مبالغہ کہا گیا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے اگر ان کو آپس میں ایک دوسرے سے ملایا جائے اور جو یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے یا چوتھے آسمان میں ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی سمت میں ہے نہ یہ کہ اس میں ہے یا اس کے بعض حصے میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: گھر میں باغ ہے اگر چہ وہ اس سے زیادہ بڑا ہوتا ہے کیونکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کا دروازہ اس کی طرف ہے[1] ﴿اُعِدَّتْ﴾ "جَنَّةٍ" کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے یعنی ایسی کشادہ جنت ﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور یہ دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں' پھر متقی وہ ہے جو کفر وشرک سے بچتا رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ. (الحدید:۲۱) اور جنت جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی چوڑائی کے برابر ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو (کفر وشرک چھوڑ کر) اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے" یا متقی وہ ہے جو گناہوں سے بچتا رہتا ہے' پھر اگر دوسرا معنی مراد ہو تو جنت ان کو بغیر سزا پانے کے فوراً مل جائے گی اور اگر پہلا معنی مراد ہو تو پھر بھی آخر کار جنت میں جائیں گے' اس پر وقف کیا جائے گا اگر

۱۳٤-﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ [کو مبتدا قرار دیا جائے اور "وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً" کو اس پر معطوف قرار دیا جائے اور "اُولٰٓئِكَ" کو اس کی خبر قرار دیا جائے اور اگر اس کو متقین کی صفت قرار دیا جائے اور "وَالَّذِيْنَ اِذَا

[1] امام بغوی نے کہا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنت کے متعلق سوال کیا گیا: آیا آسمان میں ہے یا زمین میں ہے؟ آپ نے فرمایا: کون سی زمین اور کون سا آسمان ہے جو جنت کو اپنے اندر سما سکے؟ تو انہوں نے کہا: پھر وہ کہاں ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے' حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: صحابہ کرام سمجھتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۳۸ مطبع ندوۃ المصنفین' دہلی)

فَعَلُوْا فَاحِشَةً'' کو اس پر معطوف قرار دیا جائے تو پھر اس (متقین) پر وقف نہیں کیا جائے گا (ترجمہ) جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں] پھر اگر تم یہ کہو کہ یہ آیت مبارکہ تو پھر فقط اس بات کی دلیل ہو جائے گی کہ جنت صرف پرہیز گاروں اور توبہ کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے لیے نہیں' میں کہتا ہوں کہ یہ بھی جائز ہے کہ جنت تیار تو ان دو جماعتوں کے لیے کی گئی ہو لیکن پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے معاف کر دینے سے ان کے علاوہ گنہگار بھی جنت میں داخل کیے جائیں جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ کھانا امیر جماعت کے لیے تیار کیا گیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ اس کے ماتحت بھی وہ کھانا کھاتے ہیں' کیا یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ'' (آل عمران: ۱۳۱) ''اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے'' پھر کافروں کے علاوہ نافرمان و گنہگار مسلمان بھی اس میں داخل کیے جائیں گے حالانکہ اس پر سب متفق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات میں سب سے پہلے خرچ کرنے کی صفت کے ساتھ آغاز فرمایا کیونکہ یہ طبعی طور پر انسان پر دشوار ہوتا ہے اور اس لیے بھی پہلے ذکر کیا ہے کہ خرچ کرنا انسان کے خلوص کی بڑی دلیل ہے اور اس لیے بھی کہ اس وقت یہی سب سے بڑا عمل تھا کیونکہ غریب و ضرورت مند مسلمانوں کی ہمدردی و غم خواری اور دشمنانِ دین سے جہاد کرنے کے لیے مالی امداد کی اشد ضرورت تھی اور بعض علماء نے فرمایا: تمام حالات میں خرچ کرنا مراد ہے تاکہ خوشحالی اور تنگی کی کسی حالت سے خالی نہ رہے ﴿وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ﴾ اور غصہ روکنے والے' کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے مشکیزہ بھر کر اس کا منہ بند کر دیا اور اسی سے ''کَظْمَ الْغَیْظِ'' ہے اور وہ یہ ہے کہ صبر کر کے اپنے غصہ کو روک لے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہونے دے اور غیظ غضب کی وجہ سے دل کی حرارت کو بھڑکا دیتا ہے اور حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَّ ھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی اِنْفَاذِہٖ مَلَا اللّٰہُ قَلْبَہٗ اَمْنًا وَّاِیْمَانًا. جس نے اپنے غصہ کو ضبط کر لیا جب کہ وہ اس کو جاری کرنے اور اس پر عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و سکون اور ایمان سے بھر دے گا''[1] ﴿وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ اور لوگوں کو معاف کر دینے والے یعنی جب ان پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ زیادتی کرنے والے سے انتقام نہیں لیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر لازم ہیں؟ یہ پکار سن کر صرف وہی لوگ کھڑے ہوں گے جو دنیا میں لوگوں کو معاف کرتے رہے ہوں گے' حضرت امام ابن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ ایک روز ہارون الرشید ایک شخص پر غصہ نکال رہا تھا اور اس پر غضب ناک ہو رہا تھا کہ انہوں نے ہارون الرشید کو یہ حدیث سنا دی' چنانچہ انہوں نے فوراً اس شخص کو معاف کر دیا اور رہا کر دیا ﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکوں سے محبت کرتا ہے اور اس میں لام جنس کا ہے' لہٰذا یہ تمام نیک لوگوں کو شامل ہے اور اس کے تحت وہ نیک لوگ بھی شامل ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یا یہ لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد صرف وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت امام ثوری سے منقول ہے کہ احسان یہ ہے کہ برائی کرنے والے سے نیکی کی جائے کیونکہ نیکی کرنے والے کے ساتھ نیکی کرنا تجارت ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب ۳' ترمذی کتاب البر باب ۷۴' ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۱۸' مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۳۸۔۴۴۰

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝١٣٥ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝١٣٦ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝١٣٧

اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرگزرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہوئے اللہ کو یاد کر لیتے ہیں' اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخشے گا' اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے O یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلا ان کے رب کی طرف سے بخشش اور جنتیں ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور نیک کام کرنے والوں کا بہت اچھا اجر ہے O بے شک تم سے پہلے کچھ طریقے گزر چکے ہیں تو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا O

۱۳۵- ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً﴾ اور وہ لوگ کہ جب وہ بے حیائی کا کام کر لیتے ہیں' فاحشہ ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جو قباحت و برائی میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہو [اور یہ جائز ہے کہ "وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً" جملہ مبتدا ہو اور "أُولَٰئِكَ" اس کی خبر ہو] ﴿أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں' بعض نے کہا کہ فاحشہ کبیرہ گناہ کو اور اپنی جان پر ظلم کرنا صغیرہ گناہ کو کہا جاتا ہے یا فاحشہ زنا کو اور نفس پر ظلم بوس و کنار اور ہاتھ وغیرہ لگانے کو کہا جاتا ہے ﴿ذَكَرُوا اللَّهَ﴾ وہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگ جاتے ہیں تاکہ یہ یادِ الٰہی ان کی توبہ کا باعث بن جائے ﴿فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور ان کی قباحت پر نادم و پشیمان ہو کر مغفرت و بخشش طلب کرنے لگے۔ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی اس وقت شیطان بہت رویا تھا ﴿وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون بخشے گا ["مَنْ" مبتدا ہے اور "يَغْفِرُ" اس کی خبر ہے اور اس میں ایک ضمیر ہے جو "مَنْ" کی طرف لوٹتی ہے اور "إِلَّا اللَّهُ" "يَغْفِرُ" میں ضمیر سے بدل ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: "وَلَا أَحَدٌ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ" یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا' اور یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے]

اور اس جملہ میں بندوں کے نفوس کے لیے خوشخبری اور توبہ کی ترغیب و تنشیط ہے اور اس پر برانگیختہ کرنا اور ابھارنا ہے اور مایوسی و ناامیدی سے ڈرانا اور دھمکانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا بیان ہے اور اس کی مغفرت و بخشش کا توبہ کرنے والے کے قریب ہونے کا بیان ہے اور خبردار کرنا ہے کہ اگرچہ گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کا عفو و کرم ان سے بڑھ کر عظیم ترین ہے ﴿وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا﴾ اور وہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے یعنی وہ اپنے بُرے کاموں پر قائم نہیں رہتے اور اصرار کا معنی اقامت ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً"[1] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرتا رہتا ہے وہ اگرچہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کا اعادہ کر لے پھر بھی وہ گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں کہلائے گا اور مروی ہے کہ استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ بھی صغیرہ

[1] ابوداؤد کتاب الوتر باب ۲۶' ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۰۶

ہو جاتا ہے) اور گناہ پر اصرار کرنے سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے) ﴿وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ اور وہ جانتے ہیں [یہ "وَلَمْ يُصِرُّوْا" سے حال ہے] یعنی وہ جانتے ہیں کہ بے شک انہوں نے بہت بُرا کیا ہے یا وہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے گناہ کوئی نہیں بخشے گا۔

۱۳۶- ﴿أُولَٰئِكَ﴾ یہی لوگ جن کی مذکورہ بالا صفات بیان کی گئی ہیں ﴿جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے پر ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے ان کا صلہ مغفرت و بخشش ہے ﴿وَجَنَّاتٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے ایسی بہشتیں (ان کو ملیں گی) ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک عمل کرنے والوں کا یہ بہت اچھا صلہ ہے اور یہاں مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی کام کرنے والوں کے لیے مغفرت و بخشش اور بہشتیں بہترین صلہ ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ ایک خرما فروش کے بارے میں نازل ہوئی جس نے (کھجوریں لینے کے لیے آنے والی) ایک عورت سے کہا کہ تم کھجوریں چاہتی ہو اور میرے گھر میں عمدہ کھجوریں ہیں' سو وہ شخص اس عورت کو اپنے گھر لے گیا اور اسے اپنے گلے سے لگالیا اور منہ چوم لیا' پھر وہ اس پر نادم ہوا اور توبہ کر لی یا اس انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس کو ایک ثقفی مسلمان نے جہاد میں جاتے وقت اپنی بیوی بچوں پر نگران مقرر کیا تھا اور حضور نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا' چنانچہ یہ ایک روز کسی کام کے لیے جب اس کے گھر آیا اور اس کی بیوی کو دیکھا اور اس کا منہ چوم لیا' پھر فوراً شرمندہ ہو کر وہاں سے نکلا اور چیختا چلاتا جنگل میں چلا گیا (اور توبہ و استغفار کرنے لگا) تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو گیا۔

۱۳۷- ﴿قَدْ خَلَتْ﴾ ["مَضَتْ" کے معنی میں ہے] یعنی گزر چکے ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ﴾ تم سے پہلے بہت سے طریقے "سُنَنٌ" سے جھٹلانے والی قوموں کی بربادی کے وہ واقعات مراد ہیں جن کو گزشتہ نافرمان قوموں میں اللہ تعالیٰ جاری وساری فرما چکا ﴿فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ سو تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا' پھر اس سے عبرت حاصل کرو۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾

یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ○ اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم (اللہ کے وعدہ پر) ایمان رکھتے ہو ○ اگر تمہیں زخم پہنچے ہیں تو اسی طرح مخالف قوم کو بھی زخم پہنچ چکے ہیں' اور یہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں' اور تاکہ اللہ مسلمانوں کو ممتاز کر دے اور تم میں سے کچھ کو شہادت کا درجہ عطا فرما دے' اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ○

۱۳۸- ﴿ هٰذَا ﴾ یعنی قرآن مجید یا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ﴿ بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی ﴾ لوگوں کے لیے بیان ہے اور رشد وہدایت اور ان کی رہنمائی کرتا ہے ﴿ وَّمَوْعِظَةٌ ﴾ نصیحت کرنے سے مقصود رغبت دلانا اور ڈرانا ہے ﴿ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ شرک سے بچنے والوں کے لیے۔

جہاد میں کمزوری کی بجائے شجاعت و بہادری دکھانے اور حق پر قائم رہنے کی تلقین

۱۳۹- ﴿ وَلَا تَهِنُوْا ﴾ اور (غزوۂ احد میں) تمہیں جو ہزیمت و شکست ملی ہے اس کی وجہ سے تم جہاد میں کمزوری نہ دکھاؤ ﴿ وَلَا تَحْزَنُوْا ﴾ اور تم مال غنیمت کے نہ ملنے یا اپنے مسلمان بھائیوں میں سے کچھ مجاہدوں کے قتل کیے جانے یا زخمی ہونے پر غم نہ کھاؤ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول اور مسلمانوں کو ان تکلیفوں پر تسلی دینا ہے جو ان کو احد کے دن پہنچی تھیں اور ان کے دلوں کو تقویت دینا ہے ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ﴾ حالانکہ تم ان سے اعلیٰ ہو اور ان پر غالب ہو کیونکہ بدر کے دن تم نے ان سے زیادہ فتح ونصرت اور غنیمت حاصل کر لی تھی جو انہوں نے احد کے دن تم سے حاصل کی ہے یا آخر کار تم ہی فتح وکامیابی اور مدد کے اعتبار سے سر بلند و غالب رہو گے اور یہ مسلمانوں کے لیے آنے والی سر بلندی و غلبہ کی بشارت ہے کہ بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا یا تم شان ومرتبہ کے اعتبار سے سر بلند و اعلیٰ ہو کیونکہ تمہاری لڑائی اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے ہے اور ان کی لڑائی شیطان اور کلمۂ کفر کی حفاظت کے لیے ہے یا اس لیے کہ تمہارے مقتول جنت میں جائیں گے اور ان کے مقتول جہنم میں جائیں گے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ اس کا تعلق نہی کے ساتھ ہے یعنی اگر تمہارا ایمان صحیح ہے تو تم کمزوری نہ دکھاؤ کیونکہ بے شک ایمان کی صحت دل کی قوت اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد اور دشمنان دین کی پرواہ نہ کرنے کو واجب ولازم کرتی ہے یا اس کا تعلق ''اَعْلَوْنَ'' کے ساتھ ہے یعنی اگر تم اس کی تصدیق کرتے ہو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ کی بشارت دیتا ہے۔

۱۴۰- ﴿ اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ ﴾ اگر تمہیں زخم پہنچے ہیں [امام حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ نے (قُرْحٌ میں) قاف پر ضمہ (پیش) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے قاف پر فتح (زبر) پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں (معنی ایک زخم ہے) جیسے ''ضُعْفٌ'' اور ''ضَعْفٌ'' ہیں (دونوں کا معنی کمزوری ہے) اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ ''قَرْحٌ'' قاف کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی زخم ہے اور اگر قاف پر پیش ہو تو معنی زخم کا درد ہے ﴿ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾ یعنی اگر انہوں نے احد کے دن تم سے فتح حاصل کر لی ہے تو اس سے پہلے بدر کے دن تم نے ان سے فتح حاصل کی تھی' پھر جب ان کے دل اس سے کمزور نہیں ہوئے اور وہ تمہاری عداوت و دشمنی سے باز نہیں آئے اور تم سے لڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں' سو تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ کمزوری نہ دکھاؤ ﴿ وَتِلْكَ ﴾ اور یہ مبتدا ہے ﴿ الْاَیَّامُ ﴾ اس کی صفت ہے اور ﴿ نُدَاوِلُهَا ﴾ خبر ہے یعنی ہم ان دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں ﴿ بَیْنَ النَّاسِ ﴾ یعنی ہم ان دنوں میں جزاوسزا اور فتح و شکست کو بدلتے رہتے ہیں کبھی ان کو عطا کر دیتے ہیں اور کبھی ان کو جیسے کتاب کا یہ شعر ہے:

فَیَوْمًا عَلَیْنَا وَیَوْمًا لَنَا   وَیَوْمًا نُسَآءُ وَیَوْمًا نُسَرُّ

''سو کسی دن ہمیں شکست ہوتی ہے اور کسی دن ہمیں فتح ونصرت ملتی ہے اور کسی دن مہلت ملتی اور کسی دن زخم ملتے ہیں''۔

﴿ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یعنی ہم ان دنوں کو تدبیر کی مصلحتوں کے لیے پھیرتے رہتے ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے مسلمانوں کی پہچان کرا دے جو صبر و استقامت اور ایمان کے سبب اپنے غیروں سے ممتاز ہو گئے جیسا کہ وہ خود

ان کو وجود میں آنے سے پہلے جانتا ہے ﴿ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا اعزاز عطا فرما دے اور اس سے احد کے دن شہید ہونے والے خوش نصیب مراد ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تم میں ان لوگوں کو منتخب فرمالے جو قیامت کے دن دوسری امتوں پر گواہی دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کے مطابق: "لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ . (البقرہ: ۱۴۳) تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ" ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ﴾ اور یہ بعض اور بعض کی تفصیل بیان کرنے کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا جو ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں میں سے نہیں ہیں اور وہ منافقوں اور کافروں کی جماعت ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِينَ ﴿۱۴۴﴾

ع

اور تا کہ اللہ مسلمانوں کو پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے ○ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک اللہ نے تمہارے مجاہدوں کا امتحان نہیں لیا اور نہ صبر کرنے والوں کو آزمایا ہے ○ اور تم موت کے ملنے سے پہلے شہادت کی موت کی تمنا کیا کرتے تھے' تو اب تم نے اس کو دیکھ لیا اور تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے ○ اور محمد (خدا نہیں) صرف رسول ہیں' بے شک ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں' تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا وہ شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے' اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا' اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا ○

۱۴۱- ﴿ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پاک صاف کر دے "تَمْحِيصٌ" کا معنی تطہیر و تصفیہ ہے یعنی طہارت و صفائی ﴿ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴾ اور کافروں کو ہلاک کر دے یعنی اگر ایام کی گردش مسلمانوں پر آ جائے تو ان کو ممتاز کرنے اور شہادت کا درجہ دینے اور پاک صاف کرنے کے لیے ہوتی ہے اور اگر کافروں پر آ جائے تو ان کو ہلاک کرنے اور ان کے نام ونشان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے ہوتی ہے۔

۱۴۲- ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے ["اَمْ" منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے] یعنی یہ خیال نہ کرو ﴿ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ ﴾ اور ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدوں کی پہچان نہیں کرائی یعنی ابھی تک تم نے جہاد نہیں کیا کیونکہ علم معلوم کے ساتھ متعلق ہوتا ہے تو علم کی نفی متعلق کی نفی کے قائم مقام ہوتی ہے اس لیے کہ متعلق کے انتفاء سے علم منتفی ہو جاتا ہے (جیسے) تم کہتے ہو: "مَا عَلِمَ اللّٰهُ

فِیْ فُلَانٍ خَیْرًا. یعنی اس فلاں آدمی میں تو خیر ہی نہیں ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کے ساتھ متعلق ہوتا" [اور "لَمَّا" "لَمْ" کے معنی میں آتا ہے مگر اس میں ایک قسم کی توقع ہوتی ہے' چنانچہ یہاں اس نے ماضی میں جہاد کی نفی پر اور مستقبل میں جہاد کے وجود کی توقع پر دلالت کی ہے] ﴿وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ اور نہ صبر کرنے والوں کو آزمایا ہے [یہاں "یَعْلَمَ" پر "اَنْ" پوشیدہ کی وجہ سے نصب آیا ہے اور واؤ جمع کے معنی میں ہے جیسے "لَا تَاْکُلِ السَّمَکَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ. تم نہ مچھلی کھاؤ اور نہ دودھ پیو" یا پھر "یَعْلَمِ اللّٰہُ" پر عطف کی وجہ سے مجزوم ہے' پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے میم کو حرکت دے دی گئی ہے اور ماقبل مفتوح کی وجہ سے فتحہ کی حرکت دی گئی ہے۔

١٤٣- ﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ﴾ اور تم موت کے آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو خطاب کیا گیا جو بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور وہ آرزو کیا کرتے تھے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنگ میں حاضر ہوں تا کہ وہ شہادت کا اعزاز حاصل کر لیں اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اصرار کیا تھا کہ مدینہ منورہ سے نکل کر باہر احد میں جا کر مشرکین کے ساتھ جنگ کی جائے ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے مبارکہ مدینہ شریف میں رہ کر دفاعی جنگ کرنے کی تھی یعنی تم موت کا مشاہدہ کرنے اور اس کی شدت وسختی کو جاننے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے ﴿فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ یعنی بے شک تم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جب تمہارے بھائی تمہارے سامنے شہید ہو رہے تھے اور قریب تھا کہ تم قتل کر دیے جاتے اور یہ توبیخ (دھمکی) ہے ان کے لیے موت کی تمنا کرنے پر اور اس بات پر کہ حضور ﷺ کے نکلنے کا سبب یہی لوگ ہیں جنہوں نے اصرار کیا تھا' پھر آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن انہوں نے شہادت کی تمنا کی تھی تا کہ وہ شہداء کا درجہ حاصل کریں اور انہوں نے کفار کے غلبہ کا قصد نہیں کیا تھا جیسے کوئی شخص نصرانی حکیم سے دوائی لے کر پی لے کیونکہ اس کا ارادہ صرف شفا کا حصول ہے اور اس کے دل میں یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ دشمنِ خدا سے فائدہ لے رہا ہے اور اس کے پیشہ پر اپنی رقم برباد کر رہا ہے' بہرحال جب ابن قمیئہ نے رسول اللہ ﷺ کو پتھر مارا تو آپ کے سامنے کے چار دانت مبارک شہید ہو گئے' اس بدبخت نے آگے بڑھ کر آپ کو شہید کرنا چاہا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے آپ سے دور کر دیا اور یہی علم بردار تھے یہاں تک ابن قمیئہ نے ان کو شہید کر دیا اور وہ ان کو رسول اللہ ﷺ خیال کر رہا تھا' چنانچہ وہ چیختا ہوا بھاگا اور اعلان کیا کہ میں نے (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کو قتل کر دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ شیطان تھا جس نے کہا تھا: "اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ. سن لو (حضرت) محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے ہیں" جس کی وجہ سے لوگوں میں آپ کی شہادت کی خبر پھیل گئی اور اکثر مسلمان بھاگ گئے اور سرورِ انبیاء حبیب کبریا رسول خدا ﷺ مسلمانوں کو بلانے لگے: "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ. اے اللہ کے بندو! ادھر آؤ" یہاں تک کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت آپ کے پاس اکٹھی ہو گئی' سو آپ نے انہیں ملامت کی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں جب ہمیں آپ کی شہادت کی خبر ملی تو ہم گھبرا گئے اور پیٹھ دے کر بھاگ گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہو گئی:

١٤٤- ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ اور محمد (ﷺ)[1] صرف رسول ہیں (خدا نہیں) ان سے پہلے رسول گزر چکے' یہاں "خَلَتْ" "مَضَتْ" کے معنی میں ہے یعنی گزر گئے' لہٰذا جس طرح دوسرے رسول دنیا سے کوچ کر گئے اسی طرح آپ نے بھی ایک دن کوچ کرنا ہے اور جس طرح ان کے پیروکاران کے کوچ کر جانے کے بعد

[1] اس اسم مبارک کے فضائل و برکات سورۃ الفتح: ٢٩ کے حاشیہ میں بیان کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز' غوثوی مہاروی

ان کے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اسی طرح تم پر بھی لازم ہے کہ ان کے کوچ کرنے کے بعد ان کے دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہو کیونکہ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد احکام الٰہی اور رسالت کی تبلیغ کرنا اور توحید الٰہی کی حجت قائم کرنا تھی نہ یہ کہ وہ دائمی طور پر اپنی امت میں موجود رہیں ﴿ اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ﴾ تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور اس آیت مبارکہ میں ''فا'' جملہ شرطیہ کے ساتھ متعلق ہے جو اپنے سے پہلے جملے کے ساتھ متعلق ہے اور یہ جملہ شرطیہ سببیت پر دلالت کرتا ہے اور ہمزہ انکار کے لیے ہے' یہ انکار اس بات کا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبعی موت یا شہادت کی موت کے بعد صحابہ کرام کے الٹے پاؤں پھر جانے کے لیے آپ سے پہلے رسولوں کے گزر جانے کو سبب قرار دیا جائے البتہ صحابہ کرام کا یہ جاننا کہ آپ سے پہلے انبیاء و رسل کے گزر جانے کے بعد ان کے دین کا باقی رہنا اور ان کے پیروکاروں کا اس پر کاربند رہنا یہ واجب کرتا ہے کہ اس کو اس بات کا سبب قرار دیا جائے کہ صحابہ حضور کے وصال کے بعد الٹے پاؤں نہیں پھریں گے بلکہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قائم رکھیں گے اور خود بھی اس پر قائم رہیں گے اور الٹے پاؤں پھر جانا مجاز ہے جس کا مطلب ہے مرتد ہو جانا اور اپنے دین کو چھوڑ دینا ﴿ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡــًٔا ﴾ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ نقصان نہیں کر سکے گا بلکہ وہ اپنا نقصان کرے گا ﴿ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو نیک جزاء عنایت فرمائے گا یعنی جو اپنے دین سے نہیں پھرے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نام شاکرین اس لیے رکھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت دین اسلام پر اس کا شکر ادا کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اسلام پر قائم رہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾

اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا اور سب کا وقت لکھا ہوا ہے' اور جو شخص دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے' اور جو آخرت کا فائدہ چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے' اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو اچھی جزاء دیں گے O اور کتنے نبیوں کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے جہاد کیا اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی مصیبتوں کی وجہ سے وہ سست نہ ہوئے اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ وہ (کافروں سے) دبے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے O اور وہ اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہ اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں بخش دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور تو کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما O

١٤٥- ﴿وَمَا كَانَ﴾ اور یہ جائز نہیں ﴿لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ کسی جان کے لیے کہ وہ مر جائے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے یعنی اس کے علم کے ساتھ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ موت کے فرشتے کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم دے اور اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر مرنا محال ہے اور اس میں جہاد کی ترغیب ہے اور دشمن سے لڑنے کے لیے شجاعت و بہادری کی تحریک پیدا کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ جنگ سے بچنے اور موت سے ڈرنے میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کوئی شخص اپنے وقت مقررہ سے پہلے نہیں مرے گا اگر چہ وہ ہلاکت خیز مقامات اور جنگ کے معرکوں میں اندر گھس جائے ﴿كِتٰبًا﴾ مصدر مؤکد ہے جس کا معنی ہے: موت کا مقررہ وقت لکھ دیا گیا ہے ﴿مُّؤَجَّلًا﴾ مقرر و متعین جس کی مدت معین ہو جائے نہ اس سے آگے ہو سکے اور نہ پیچھے ﴿وَمَنْ يُّرِدْ﴾ اور جو لڑائی میں ارادہ کرتا ہے ﴿ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ دنیا کے فائدے یعنی مال غنیمت کا اور یہ ان لوگوں پر تعریض و تنقید ہے جو احد کے دن مال غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ ہم اس کو اس میں سے یعنی دنیا کے مال سے کچھ مال دیں گے ﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ اور جو آخرت کا اجر یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمہ (دین اسلام) کی سر بلندی اور آخرت کا درجہ چاہتا ہے ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ﴾ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا اور ان کو جہاد کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی ہم ان کو ایسی بہترین جزا عطا فرمائیں گے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی ہوگی۔

١٤٦- ﴿وَكَاَيِّنْ﴾ [اس کی اصل ''اَیّ'' ہے اس پر تشبیہ کا کاف داخل کر دیا گیا ہے اور یہ ''کَمْ'' کے معنی میں آتا ہے جو کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ابن کثیر مکی نے ''کَائِنْ'' پڑھا ہے جو ''کَاعِنْ'' کے وزن پر ہے ﴿مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ﴾ ابن کثیر، ابو عمرو بصری اور نافع مدنی نے ''قُتِلَ'' پڑھا ہے] ﴿مَعَهٗ﴾ یہ ''قَاتَلَ'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی نبیوں نے کافروں سے جہاد کیا دراں حالیکہ ان کے ساتھ ﴿رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ بہت سے اللہ والوں نے ساتھ دیا [اور ''رِبِّیُّوْنَ'' ''رَبَّانِیُّوْنَ'' دونوں طرح آتا ہے حضرت حسن بصری سے را پر ضمہ (پیش) پڑھنا منقول ہے اور بعض کے نزدیک را پر فتح (زبر) پڑھا جائے گا اور فتحہ پڑھنا قیاس کے موافق ہے کیونکہ یہ ''رَبّ'' کی طرف منسوب ہے اور ضمہ اور فتحہ تغیرات نسب کی وجہ سے ہے] ﴿فَمَا وَهَنُوْا﴾ سو انہوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے وقت کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ﴿لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا﴾ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیفیں ملیں اور نہ اس کے بعد انہوں نے جہاد میں کمزوری دکھائی ﴿وَمَا اسْتَكَانُوْا﴾ اور نہ وہ اپنے دشمنوں کے سامنے جھکے نہ ان سے دبے اور یہ طعن و تشنیع ہے ان لوگوں پر جنہوں نے جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر لڑتے وقت کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کیا تھا اور دشمنوں سے دب گئے یہاں تک کہ انہوں نے ابوسفیان سے امان طلب کرنے کے لیے عبد اللہ بن ابی (منافقوں کے سردار) کا سہارا لینے کا ارادہ کر لیا تھا (مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا) ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی کافروں سے جہاد کرنے پر صبر کرنے والے۔

١٤٧- ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ یعنی ان کا اور کچھ کہنا نہیں تھا ماسوا اس کہنے کے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور اللہ والے ہونے کے باوجود گناہوں کی اپنی طرف نسبت کرنا ان کی انتہائی عاجزی تھی ﴿وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا﴾ اور بندگی کی حد میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے ﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ اور جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ ﴿وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور کافروں کی قوم پر غلبہ کے ذریعے ہماری مدد فرما اور دشمنانِ دین پر مدد اور جنگ کے مقامات میں ثابت قدم رہنے کی طلب پر گناہوں کی معافی مانگنے کی دعا کو اس لیے مقدم کیا

گیا کہ اس میں عاجزی وانکساری کی وجہ سے جلد قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

سو اللہ نے ان کو دنیا میں (بھی) انعام عطا فرمایا اور آخرت میں (بھی) بہترین اجر و ثواب عطا فرمایا اور نیکی کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے O اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھیر دیں گے' سو تم نقصان اٹھا کر پلٹ جاؤ گے O بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے O ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک ٹھہرایا جس پر اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری' اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور ظالموں کا بہت بُرا ٹھکانا ہے O

١٤٨- ﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا اجر یعنی فتح و نصرت اور مالِ غنیمت سب کچھ عطا فرما دیا ﴿وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت کا بہترین انعام یعنی مغفرت و بخشش اور جنت بھی عطا فرما دی اور آخرت کے ثواب کو حسن کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے تاکہ اس کی فضیلت و عظمت اور تقدم و اولیت کو عیاں کیا جائے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی معتبر و اہم ہے ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکوں سے محبت کرتا ہے یعنی چونکہ یہ لوگ نیک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔

١٤٩- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں کفر و شرک کی طرف لوٹا دیں گے ﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ سو تم نقصان اٹھا کر پلٹ جاؤ گے۔ ایک قول کے مطابق یہ آیت مبارکہ تمام کفار کے بارے میں ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کفار سے دور رہیں اور ان سے کنارہ کش رہیں اور کسی معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کریں ورنہ وہ مسلمانوں کو اپنی موافقت میں کر لیں گے۔ حضرت امام سدی سے منقول ہے کہ اگر تم ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کے سامنے جھک گئے اور ان سے امان طلب کرنے لگے تو وہ تمہیں اپنے دین کی طرف لوٹا دیں گے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے شکست کے وقت مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

١٥٠- ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے' سو تم اس کے غیروں کی مدد سے بے نیاز ہو جاؤ ﴿وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ﴾ اور وہی سب سے بہترین مددگار ہے۔

١٥١-﴿سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے [ابن عامر شامی اور علی کسائی نے "الرُّعُبَ" (عین پر پیش) پڑھا ہے اور یہ دولغتیں ہیں] بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے احد کے دن مشرکین کے دلوں میں انجانا خوف ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے بغیر کسی سبب کے قوت وغلبہ حاصل کر لینے کے باوجود مکہ مکرمہ کی طرف شکست کھا کر بھاگ گئے ﴿بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ﴾ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کا سبب اس کے ساتھ ان کا شریک ٹھہرانا تھا ﴿مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ معبود جن کو شریک ٹھہرانے کی سند اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی اور اس کا یہ مقصد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر اس نے ان پر نازل نہیں کی کیونکہ شرک تو باطل ہے وہ اس لائق ہی نہیں کہ اس کے ثبوت پر حجت قائم کی جائے بلکہ حجت اور اس کے نزول کی اکٹھی نفی کرنا مراد ہے جیسے کسی کا قول ہے: "وَلَا تَرَى الضَّبَّ هُنَا يَنْجَحِرُ. اور تو وہاں گوہ کو نہیں دیکھے گا جو اپنے رہنے کے لیے بل بناتی ہو" یعنی وہاں گوہ نہیں ہوتی تو بل کیونکر بنائے گی اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہاں گوہ رہتی ہے لیکن بل نہیں بناتی ﴿وَمَاْوٰىهُمُ﴾ اور ان کے لوٹنے کی جگہ (یعنی ٹھکانا) ﴿النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ جہنم ہے اور ظالموں کا بہت بُرا ٹھکانا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾

اور بے شک اللہ نے تمہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے' یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی دکھائی اور تم نے حکم (نبوی) میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ تمہیں وہ (فتح) دکھا چکا تھا جس کو تم چاہتے تھے تم میں سے بعض دنیا چاہتے ہیں اور تم میں سے بعض آخرت کو چاہتے ہیں' پھر اللہ نے تمہیں ان سے پھیر دیا' تا کہ وہ تمہارا امتحان لے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا' اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے O

شانِ نزول: اور جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ احد سے واپس مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ شکست اور مصائب ہمیں کہاں سے پہنچے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے مدد کا وعدہ فرمایا تھا تو (ان کے جواب میں درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

غزوۂ احد کے حوالے سے مسلمانوں کو انتباہ

١٥٢-﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا ثابت کر دیا ﴿اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ﴾ جب تم ان کو بے دریغ بری طرح قتل کر رہے تھے [علامہ ابن عیسیٰ نے کہا کہ یہ "حَسَّ" سے مشتق ہے] جس کا معنی یہ ہے کہ قتل کے ذریعے کسی کی جڑ کاٹ کر ہلاک کرنا ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ اس کے حکم اور اس کے علم کے ساتھ ﴿حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ﴾ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے ﴿وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ﴾ اور تم نے حکم میں

جھگڑا کیا (جو حضور نے تیراندازوں کو فرمایا تھا کہ تم اس درے پر ٹھہرے رہو ان شاء اللہ فتح و نصرت ہمیں حاصل ہو گی بشرطیکہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا) ﴿وَعَصَيْتُمْ﴾ اور تم نے اپنے نبی کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنے مرکز (درے) کو چھوڑ دیا اور مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے ﴿مِّنۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ چیز دکھا دی جس کو تم چاہتے تھے یعنی فتح و کامیابی اور کفار کا مقہور و مغلوب ہو جانا اور ''اِذَا'' محذوف کے متعلق ہے' تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ. یعنی جب تم بزدل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی مدد روک لی'' اور یہ بھی جائز ہے کہ معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بزدل ہونے کے وقت تک اپنا وعدہ سچا کر کے دکھا دیا تھا (پھر جب تم بزدل ہو گئے اور کمزوری دکھائی تو مدد الٰہی کے رک جانے سے تم مغلوب ہو گئے اور تمہاری فتح شکست میں تبدیل ہو گئی) ﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ تم میں سے کچھ لوگ دنیا چاہتے تھے یعنی مال غنیمت اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے مرکز کو چھوڑ دیا تھا۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے رکھا اور مدینہ منورہ کو اپنے سامنے رکھا اور تیراندازوں کو احد پہاڑ کے ایک درے پر مقرر فرمایا اور آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ہر حال میں اسی جگہ ٹھہرے رہیں گے اور اس جگہ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے خواہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہو خواہ شکست لیکن جب مشرکین سے آمنا سامنا ہوا تو تیراندازوں نے پوری بہادری کے ساتھ مشرکین پر تیروں کی بارش برسا دی اور ان کے گھوڑوں کا رخ پیچھے موڑ دیا اور باقی مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے پیچھے سے قتل کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ جب تیراندازوں نے کمزوری دکھائی اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپس میں جھگڑنے لگے' بعض نے کہا کہ چونکہ مشرکین شکست کھا گئے ہیں' لہٰذا ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے' چنانچہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مال غنیمت لوٹنے لگ گئے اور بعض نے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت نہ کرو اور اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو' سو جو حضرات اپنی اس جگہ پر ثابت قدم رہے ان میں تیراندازوں کے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سے کم ساتھیوں کے ساتھ ٹھہرے رہے اور درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے یہی لوگ مراد ہیں ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ اور تم میں سے بعض آخرت کا ارادہ رکھتے تھے' چنانچہ مشرکین نے درے پر مقرر بقایا تیراندازوں پر حملہ کر دیا اور حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کر دیا' پھر دوسرے مسلمانوں پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں کو شکست دے دی اور انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا اور اسی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ﴾ پھر تمہیں ان سے پھیر دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد تم سے روک لی' سو مشرکین تم پر غالب آ گئے ﴿لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ تاکہ وہ مصائب و آلام پر تمہارے صبر کو اور شدائد و تکالیف کے وقت تمہاری ثابت قدمی کو آزمائے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسا امتحان لینے والا معاملہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے عمل کے مطابق جزا دیتا ہے اس پر جزا نہیں دیتا جو وہ خود اس کے بارے میں جانتا ہے ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی وقت معاف کر دیا جب تم رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کر کے اپنی کوتاہی پر نادم و پشیمان ہو گئے تھے ﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو معاف کر کے اور ان کی توبہ قبول کر کے ان پر فضل فرمانے والا ہے یا ان پر تمام حالات میں فضل فرمانے والا ہے خواہ ان کو فتح و کامیابی نصیب ہو خواہ شکست سے دوچار ہونا پڑے کیونکہ آزمائش بھی رحمت ہے جس طرح مدد کرنا رحمت ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

جب تم میدانِ جنگ چھوڑ کر دور بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول تمہاری پچھلی جماعت میں تمہیں پکار رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم کا بدلا غم دیا تا کہ تم اس (مالِ غنیمت) پر افسوس نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس (مصیبت) پر جو تمہیں پہنچی، اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے O

١٥٣- ﴿ إِذْ تُصْعِدُونَ ﴾ [یہ منصوب ہے یا تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لِيَبْتَلِيَكُمْ'' کی وجہ سے منصوب ہے یا ''اُذْكُرُوْا'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ تم سرزمین احد کی اونچائی کی طرف تیزی کے ساتھ بھاگے جا رہے تھے اور ''اِصْعَاد'' زمین کے میدان میں اونچائی کی طرف جانے کو کہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں پھیر دینے کے سبب تم میدانِ احد میں دور بھاگے جا رہے تھے ﴿ وَلَا تَلْوُنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ ﴾ اور تم کسی کی طرف نہیں دیکھتے تھے اور یہ دشمن کے خوف اور انتہائی شکست سے عبارت ہے ﴿ وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ ﴾ اور رسول اکرم ﷺ تمہیں پکار پکار کر فرما رہے تھے: ''اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ يَّكُرُّ فَلَهُ الْجَنَّةُ. اے اللہ کے بندو! میری طرف آ جاؤ، میں ہی اللہ کا رسول ہوں، آج جو شخص دشمن پر لوٹ کر حملہ کر دے گا اس کو جنت ملے گی'' اور یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے ﴿ فِيٓ أُخْرَىٰكُمْ ﴾ تمہاری پچھلی صف میں اور تمہاری دوسری جماعت میں اور یہ پیچھے (میدان جنگ میں رہ جانے والی جماعت) تھی، کہا جاتا ہے: تو لوگوں کے آخر میں آیا اور ان کے پیچھے آیا ہے جیسے تم کہو: ان کے شروع میں اور ان سے پہلے، یہ اس تاویل میں ہے کہ وہ ان کے آگے اور ان کی پہلی جماعت ہے ﴿ فَأَثَٰبَكُمْ ﴾ [یہ ''صَرَفَكُمْ'' پر معطوف ہے] یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بدلا دیا ﴿ غَمًّۢا ﴾ غم و رنج کی صورت میں جب اس نے تمہیں کفار سے پھیر دیا اور تمہیں آزمائش میں مبتلا کر دیا ﴿ بِغَمٍّ ﴾ اس غم کے بدلے میں جو تم نے رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا تھا کہ تم نے ان کے حکم کی نافرمانی کی تھی یا دگنا غم یعنی غم پر غم اور غم کے ساتھ غم پہنچایا اور یہ ایسا غم تھا جس کی وجہ سے لوگ سخت بے چین ہو گئے اور جھنجھوڑ دیے گئے یعنی رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی خبر، مسلمانوں کا زخمی ہونا اور بعض کا قتل ہونا اور مشرکین کا کامیاب ہو جانا اور مال غنیمت اور نصرت الٰہی کا نہ ملنا ﴿ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ ﴾ تا کہ تم غموں اور تکلیفوں کے گھونٹ پینے کے عادی ہو جاؤ، پھر فوائد و منافع کے کھو جانے پر تم غم نہ کھاؤ ﴿ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ﴾ اور نہ تم نقصانات کے پہنچنے پر غم کھاؤ ﴿ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال میں سے کوئی عمل اس پر مخفی و پوشیدہ نہیں اور یہ جملہ اطاعت و فرماں برداری کے لیے ترغیب ہے اور نافرمانی اور گناہ کرنے پر ترہیب (دھمکی اور ڈراوا) ہے۔

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنۢ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَٰهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر سکون کی نیند نازل کی جس نے تمہاری ایک جماعت کو ڈھانپ لیا' اور دوسری جماعت کو اپنی جانوں کی فکر پڑی تھی' وہ اللہ کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کی طرح ناحق گمان کر رہے تھے' کہتے تھے کہ کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کچھ اختیار ہے' آپ فرما دیجئے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے' وہ اس کو اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں آپ پر ظاہر نہیں کرتے' کہتے ہیں کہ اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے' آپ فرما دیں! اگر تم گھروں میں ہوتے تو جن کا قتل ہونا لکھا جا چکا ہے وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل کر آ جاتے اور تا کہ اللہ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے' اور تا کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے صاف کر دے' اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے O

۱۵٤- ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا ﴾ پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند طاری کر دی یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر امن و سکون نازل کیا اور ان پر طاری خوف کو ان سے دور کر دیا یہاں تک کہ سب اونگھنے لگے اور ان پر نیند غالب آ گئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہم اپنے خیموں میں تھے کہ اونگھ نے ہمیں ڈھانپ لیا اور ہماری حالت یہ ہو گئی کہ ہم میں سے کسی کے ہاتھ سے تلوار گر جاتی تو وہ اسے اٹھا لیتا' تلوار پھر گر جاتی تو وہ پھر اٹھا لیتا [اور ''اَمَنَةً'' کا معنی امن و سکون ہے اور ''نُعَاسًا''، ''اَمَنَةً'' سے بدل ہے یا یہ مفعول ہے اور ''اَمَنَةً'' اس سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہ حال اپنے ذوالحال پر مقدم ہے جیسے ''رَاَیْتُ رَاکِبًا رَجُلًا'' میں ہے اور دراصل ''اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ نُعَاسًا ذَا اَمَنَةٍ'' تھا کیونکہ ''نُعَاسًا'' (اونگھ) بذاتِ خود امن نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَمَنَةً'' مفعول لہ ہو یا مخاطبین سے حال ہو اور ''ذُوْ اَمَنَةٍ'' کے معنی میں ہو یا یا پھر ''اٰمِنٌ'' کی جمع ہو جیسے ''بَرَرَةٌ''، ''بَارٌّ'' کی جمع ہے] ﴿ یَّغْشٰى ﴾ [اس کا فاعل ''نُعَاسٌ'' ہے یعنی نیند نے ڈھانپ لیا' قاری حمزہ اور علی کسائی نے اس کو ''تا'' اور امالہ کے ساتھ (تغشی) پڑھا ہے یعنی (اس صورت میں ''تغشی'' کا فاعل) ''اَمَنَةً'' ہے] ﴿ طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ﴾ تم میں سے ایک گروہ کو (امن والی نیند نے ڈھانپ لیا تھا) وہ سچے اور یقین رکھنے والے لوگ تھے ﴿ وَ طَآىِٕفَةٌ ﴾ اور ایک گروہ منافقین کا تھا ﴿ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ جن کو اور کوئی غم نہیں تھا ماسوا اپنی جانوں کے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کو نہ دین کا غم تھا اور نہ رسول اللہ ﷺ کا غم تھا اور نہ مسلمانوں رضوان اللہ علیہم کا غم تھا ﴿ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق گمان کرتے اور یہ مصدر کے حکم میں ہے یعنی ''یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الظَّنِّ الْحَقِّ. وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق اور سچ گمان کی بجائے ناجائز و غلط گمان رکھتے تھے'' حالانکہ ان پر واجب و لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق ظن رکھتے اور ان کا غلط گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ (سرور کائنات فخر موجودات حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ) ﷺ کی مدد نہیں فرمائے گا ﴿ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ ﴾ جہالت کا گمان اور یہ ''غَیْرَ الْحَقِّ'' سے بدل ہے' اس سے مخصوص ملت جاہلیت کا گمان مراد ہے یا اہل جاہلیت کا گمان یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے جاہل معرفت

حق سے عاری مشرکین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس قسم کا ناجائز و غلط گمان اور کوئی نہیں کر سکتا ﴿ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ وہ کہتے کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کے امر سے ہمارے لیے بھی کچھ حصہ ہے اور وہ اس سے دشمن پر غلبہ اور مدد مراد لیتے تھے۔ ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک امر یعنی مدد خداوندی اور دشمن پر غلبہ ﴿ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ﴾ سب کا سب اللہ تعالیٰ یعنی اس کے دوستوں مؤمنین کے لیے ہے ارشاد ہے: "وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ. (الصافات: ۱۷۳) اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا" ["كُلَّهٗ" امر کی تاکید ہے اور "لِلّٰهِ" "اِنَّ" کی خبر ہے' قاری ابوعمرو بصری نے "كُلُّهٗ" (لام پر رفع) پڑھا ہے اور یہ مبتدا ہے اور "لِلّٰهِ" اس کی خبر ہے اور جملہ "اِنَّ" کی خبر ہے] ﴿ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ﴾ وہ لوگ تلوار کے خوف سے یہ بات اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں آپ پر ظاہر نہیں کرتے ﴿ يَقُوْلُوْنَ ﴾ وہ آپ کی اس بات کا انکار کرتے ہوئے کہ بے شک تمام امور اللہ ہی کے لیے ہیں اپنے دلوں میں یا ایک دوسرے سے کہتے ہیں: ﴿ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾ اگر (مدد و غلبہ کا) امر ہمارے لیے کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے یعنی اگر (نصرت و غلبہ کا) امر ایسے ہوتا جیسا کہ (سرور عالم حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) نے کہا ہے کہ بے شک تمام امور اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے دوستوں کے لیے ہیں اور بے شک وہی غالب رہیں گے تو ہم کبھی مغلوب نہ ہوتے اور اس جنگ میں جو مسلمان قتل کیے گئے ہیں وہ بھی قتل نہ کیے جاتے ["قَدْ اَهَمَّتْهُمْ" "طَآئِفَةٌ" کی صفت ہے اور "يَظُنُّوْنَ" "طَآئِفَةٌ" کی خبر ہے یا دوسری صفت ہے یا حال ہے یعنی "قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ظَآنِّيْنَ" اور "يَقُوْلُوْنَ" "يَظُنُّوْنَ" سے بدل ہے اور "يُخْفُوْنَ" "يَقُوْلُوْنَ" سے حال ہے اور "قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ" حال اور ذوالحال کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور "يَقُوْلُوْنَ" "يُخْفُوْنَ" سے بدل ہے یا جملہ مستأنفہ ہے] ﴿ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو یعنی جس شخص کا اس جنگ میں قتل کیا جانا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے تو اس جنگ میں اس شخص کا جانا لازمی ہے' سو اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ﴿ لَبَرَزَ ﴾ تو تمہارے درمیان میں سے وہ لوگ ضرور نکلتے ﴿ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ﴾ جن کا اپنی قتل گاہوں میں پہنچ کر قتل ہونا لکھا جا چکا تھا' "مضاجعهم" کا معنی "مصارعهم" یعنی گرائے جانے اور مارے جانے کی جگہ ہے تا کہ وہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا ہے کہ بے شک وہ ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مسلمانوں میں سے جن کا قتل ہونا تھا ان کا قتل ہونا لکھ دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا: بے شک مسلمان مشرکین پر غالب آ کر رہیں گے کیونکہ اسے علم تھا کہ آخر کار مسلمانوں نے غالب آ جانا ہے اور دین اسلام تمام باطل ادیان پر یقیناً غالب ہو کر رہے گا اور بے شک مسلمانوں پر بعض اوقات رنج و غم جو آ جاتا ہے وہ ان کے لیے گناہوں سے پاکیزگی کا باعث بن جاتا ہے ﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں اخلاص کا امتحان لے اور تا کہ ان کے دلوں میں شیطانی وسوسوں کو مٹا دے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں کام بہت سی مصلحتوں کے لیے ہوتے ہیں' نیز آزمائش کے لیے اور ان کو گناہوں سے پاک کر کے خالص بنانے کے لیے ہوتے ہیں ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

ع ۷

تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

بے شک تم میں سے جو لوگ بھاگ گئے تھے جس دن دو فوجیں ملی تھیں' ان کو صرف شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلا دیا تھا اور بے شک اللہ ان کو معاف فرما چکا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اے ایمان والو! تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے متعلق کہا جب وہ سفر پر چلے گئے یا جہاد کرنے گئے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے' تا کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھ دے' اور اللہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے O

١٥٥- ﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ ﴾ بے شک تم میں سے جو لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے ﴿ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ﴾ جس دن حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جماعت اور ابوسفیان کی جماعت احد کے میدان میں لڑنے کے لیے آمنے سامنے ہوئیں ﴿ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ ﴾ بے شک ان کو شیطان نے پھسلایا کہ شیطان نے ان کو پھسل جانے کی دعوت دی اور انہیں اس پر اکسایا ﴿ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ﴾ ان کے بعض کاموں کے سبب کہ انہوں نے اپنے اس مرکز کو چھوڑ دیا جس پر ہر حال میں ٹھہرنے اور ثابت قدم رہنے کی تلقین انہیں رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی تھی' سو اس عمل کی نسبت شیطان کی طرف کرنا صرف مسلمانوں پر لطف و کرم کرنے اور انہیں اپنا قریبی قرار دینے اور ان کے اس عمل کی علت و سبب بیان کرنے کی وجہ سے کی گئی ہے اور انہیں ادب سکھانے کی نصیحت کی گئی ہے اور غزوۂ احد کے روز اصحاب رسول اکرم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے صرف تیرہ صحابہ کرام آپ کے ساتھ رہ گئے تھے باقی سب بھاگ گئے' ان تیرہ میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت علی مرتضیٰ' حضرت طلحہ' حضرت عبد الرحمان بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص اور باقی انصار مسلمان رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے تھے ﴿ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر سے کام لیا اور ان کو معاف فرما دیا ﴿ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿ حَلِيمٌ ﴾ زبردست بردبار ہے' سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

١٥٦- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر اختیار کیا جیسے عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کیا ﴿ وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ ﴾ اور انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا یعنی اپنے نسبی بھائیوں یا نفاقی بھائیوں سے کہا ﴿ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ ﴾ جب وہ سفر پر چلے جاتے یعنی جب وہ تجارت وغیرہ کے لیے سفر پر روانہ ہو جاتے ﴿ أَوْ كَانُوا غُزًّى ﴾ [''غُزًّى'' ''غازٍ'' کی جمع ہے جیسے ''عُفًّى'' ''عافٍ'' اور ''سُجَّدٌ'' ''ساجِدٌ'' کی جمع ہے] (ترجمہ) یا مسلمان جہاد کرنے کے لیے جاتے اور ان پر موت طاری ہو جاتی یا لڑائی میں مارے جاتے ﴿ لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ﴾ اگر وہ ہمارے پاس ٹھہرے رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تا کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کی پشیمانی پیدا کر دے' لام کا تعلق ''لَا تَكُونُوا'' سے ہے یعنی تم وہ بات کہنے میں اور اس کا اعتقاد رکھنے میں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا تا کہ اللہ ان کے دلوں میں اس بات کا افسوس پیدا کر دے اور تمہارے دل اس سے نادم و پشیمان ہو جائیں یا لام کا تعلق ''قَالُوا'' کے ساتھ ہے یعنی انہوں نے یہ بات کہی

اور ان کا عقیدہ بھی یہی ہے تا کہ یہ بات ان کے دلوں میں حسرت کا باعث بن جائے اور حسرت کسی پیاری چیز کے ضائع ہونے پر ندامت و افسوس کو کہا جاتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ اور اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' یہ ان کے اس قول کا رد ہے کہ جہاد زندگی کو ختم کر دیتا ہے یعنی اختیار اسی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' کبھی تو وہ مسافر اور مجاہد کو زندگی عطا کر دیتا ہے اور مقیم اور گھر میں بیٹھنے والے پر موت طاری کر دیتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دے گا [اور قاری ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی نے اس کو ''يَعْمَلُوْنَ'' پڑھا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے (جن پر ان کو ضرور سزا ملے گی)۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت ان کے مال و دولت سے بہتر ہے جس کو وہ ذخیرہ کرتے ہیں O اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ تو تم سب نے اللہ کی طرف اٹھنا ہے O (اے محبوب!) آپ اللہ کی مہربانی سے ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند مزاج' سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے دور ہو جاتے' سو آپ ان کو معاف فرما دیں اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں اور آپ بعض اہم معاملات میں ان سے مشورہ کریں اور جب آپ کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسا کریں' بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے O

۱۵۷- ﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ [اور قاری نافع مدنی اور عاصم کے علاوہ باقی کوفیوں نے ''مِتُّمْ'' میم کے نیچے کسرہ پڑھا ہے اور امام حفص نے اس سورۃ کے علاوہ میں ان ہی کی اتباع کی ہے اور انہوں نے باب ''مَاتَ يَمَاتُ'' (بروزن خَافَ يَخَافُ) سے بنایا ہے گویا انہوں نے اس کے اور ''قُتِلْتُمْ'' کے درمیان موافقت کا ارادہ کیا ہے' ان کے علاوہ باقی قراء نے پورے قرآن مجید میں میم کو مضموم (یعنی پیش) پڑھا ہے' بہر حال ضمہ کی صورت میں یہ ''مَاتَ يَمُوْتُ'' سے ہوگا اور کسرہ کی صورت میں ''مَاتَ يَمَاتُ''،''خَافَ يَخَافُ'' کی طرح ہوگا جیسے تم کہو: ''خِفْتُ'' اور ''مِتُّ''] ﴿ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ البتہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں [یہاں ''مَا''،''الَّذِيْ'' کے معنی میں ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور امام حفص نے ''يَا'' کے ساتھ پڑھا ہے]۔

۱۵۸- ﴿ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ بہر حال تم اللہ تعالیٰ کی طرف ضرور اٹھ کر جاؤ گے' تم ایسے رحیم خدا کی طرف اٹھائے جاؤ گے جس کی رحمت بڑی وسیع ہے' وہ تمہیں بہت بڑا ثواب عنایت

فرمائے گا اور اللہ کے اسم کا اس جگہ مقدم ہونا [اس کے متصل حرف ''اِلٰـی'' پر لام کا داخل ہونا ایسی شان ہے جو دلیل لانے سے بے نیاز کر دیتی ہے'' لَمَغْفِرَةٌ'' قسم کا جواب ہے اور یہ شرط کے جواب کے قائم مقام ہے اور '' لَاِلَی اللّٰہِ'' بھی اسی طرح ہے] اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے اس گمان کی تکذیب فرمائی کہ ان کے بھائیوں میں سے جو سفر پر گئے اور جو جہاد کرنے گئے وہ اگر مدینہ منورہ میں رہتے تو نہ مرتے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے روکا اس لیے کہ یہ جہاد سے جی چرا کر بیٹھ جانے کا سبب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ بات پوری ہو جاتی جس کا تمہیں خوف ہے یعنی موت سے ہلاکت اور راہِ خدا میں قتل ہونا تو بے شک راہِ خدا میں موت آنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مغفرت و بخشش اور رحمت کا مل جانا تمہاری جمع کی ہوئی دنیا سے بہت بہتر ہے کیونکہ دنیا آخرت کے لیے زادِ راہ کا ذریعہ ہے' لٰہذا جب بندہ اصل مراد پالیتا ہے تو اس کو زادِ راہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

نرم رویے اور مشاورت کی اہمیت اور آزمائش کی حکمت

١٥٩- ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں ''مَـا'' کا تاکید کے لیے اضافہ کیا گیا ہے اور اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کا مسلمانوں کے لیے نرم ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوا اور رحمت کا مطلب ہے کہ آپ کا دل شفقت و مہربانی سے بھر پور ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو رفق ونرمی اور لوگوں پر مہربان ہونے کی توفیق عطا فرما دی ہے ﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا ﴾ اور اگر آپ تند خو سخت مزاج (اور) ﴿ غَلِيْظَ الْقَلْبِ ﴾ سخت دل ہوتے ﴿ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ تو وہ لوگ ضرور آپ سے الگ ہو جاتے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص آپ کے پاس باقی نہ رہتا ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ ﴾ تو آپ وہ حقوق ان کو معاف فرما دیں جن کا تعلق خاص آپ کے ساتھ ہے جو احد کے دن کوتاہی کی وجہ سے ان سے پورے نہ ہو سکے ﴿ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ اور آپ ان کے لیے ان کوتاہیوں پر بخشش طلب کیجئے جن کا تعلق خصوصاً حقوق اللہ کے ساتھ ہے تاکہ ان پر آپ کی شفقت و کرم نوازی پوری ہو جائے ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾ اور آپ جنگ وغیرہ اور اس قسم کے معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کریں جن کے بارے میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی' ان کو خوش رکھنے اور ان کے دلوں کو تسکین دینے اور ان کے مراتب کو بلند کرنے کے لیے تاکہ ان معاملات میں آپ کی امت آپ کی پیروی کرے۔ حدیث شریف میں ہے: ''مَـا تَشَـاوَرَ قَوْمٌ قَطُّ اِلَّا هُدُوْا لِاَرْشَدِ اَمْـرِهِمْ. یعنی جب کوئی قوم کسی معاملے میں باہم مشورہ کرتی ہے تو مشورہ کی برکت سے عمدہ ترین کام کی طرف اس کی رہنمائی کی جاتی ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام سے زیادہ کسی قوم کو مشورہ کرتے نہیں دیکھا [اور ''شَاوَرْتُ فُـلَانًا'' کا معنی ہے کہ میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور اس نے اپنی رائے پیش کی اور ''شُرْتُ الدَّابَّةَ'' کا مطلب ہے کہ میں نے جانور کو سواری کے لیے آزمایا اور ''شُرْتُ الْعَسَلَ'' کا مطلب ہے کہ میں نے چھتے سے شہد کو نکال لیا ہے اور اس میں اجتہاد کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ قیاس ایک حجت ہے] ﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ ﴾ پھر جب آپ مشورہ کرنے کے بعد اپنی رائے کو قطعی شکل دے دیں تو ایک رائے کا پختہ ارادہ کرلیں ﴿ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ تو آپ اپنے کام کو بہترین طریقے پر کرنے میں مشورہ پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کیجئے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور توکل کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسا کرنا اور اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دینا اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام خداؤں کی غلامی کا پٹہ اتار پھینکنا اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور تمام اسباب

سے تعلق توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرنا توکل کہلاتا ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ
مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَ
مَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ
جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا' اور اگر وہ تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا' اور مؤمنین کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے O اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کرنے والی چیز کو لے کر آئے گا' پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی اتباع کی وہ اس شخص جیسا ہوگا جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O وہ لوگ باہم متفاوت اور مختلف ہیں' اور اللہ ان کے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے O

١٦٠- ﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے جس طرح بدر کے مقام پر اس نے تمہاری مدد کی تھی ﴿فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد صرف وہی حاصل کر سکتا ہے جو اپنی قوت و طاقت سے بری ہو جائے اور اپنے رب تعالیٰ سے وابستہ ہو جائے اور صرف اسی کی قدرت و طاقت پر کامل اعتماد رکھے ﴿وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ﴾ اور اگر وہ تمہاری مدد کرنا چھوڑ دے جس طرح اس نے اُحد کے دن تمہاری مدد کرنا چھوڑ دی تھی ﴿فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ﴾ تو وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ترک ہو جانے کے بعد تمہاری مدد کر سکے یا وہ تمہارے اس قول سے ہے کہ فلاں آدمی کے بعد تمہارے ساتھ کوئی نیکی نہیں کرے گا کیونکہ تم نے اس پر زیادتی کی ہے اور یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہ کہ صرف اسی کی ذات پر توکل اور اعتماد کرنا واجب و ضروری ہے ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور مؤمنوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کیا کریں یعنی مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ رب کو توکل کے ساتھ مخصوص کر لیں اور اپنا ہر معاملہ اسی کے سپرد کر دیں اپنے اس علم کی بنا پر کہ اس کے سوا کوئی حقیقی مددگار نہیں کیونکہ اس کے ایمان کا تقاضا یہی ہے۔

١٦١- ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ﴾ اور کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے [قاری ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری' حفص اور عاصم نے ''أَنْ يَغُلَّ'' (یعنی ''یا'' پر زبر اور غین پر پیش) پڑھا ہے جس کا معنی ہے: خیانت کرنا اور ان کے علاوہ باقی قراء نے ''أَنْ يُغَلَّ'' (یعنی) ''یا'' پر پیش اور غین پر زبر پڑھا ہے] (جس کا معنی ہے: چوری کرنا) کہا جاتا ہے: ''غَلَّ شَيْئًا مِنَ الْمَغْنَمِ غُلُولًا''. جب کوئی شخص چھپ کر کوئی چیز چوری اٹھا لے اور کہا جاتا ہے: ''أَغَلَّهُ'' جب کوئی شخص

کسی کو خیانت کرنے والا پائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ کام نبی کے لیے صحیح و درست نہیں ہے (یعنی نبی کی شان کے لائق نہیں ہے) کیونکہ نبوت خیانت کے منافی ہے اور اسی طرح جس نے اس کو مبنی للمفعول (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے' سو اس نے بھی اسی طرف رجوع کیا ہے کیونکہ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ نبی کے لیے یہ صحیح اور درست نہیں کہ وہ چور پایا جائے اور جب تک کوئی شخص چوری نہ کرے اس کو چور نہیں کہا جا سکتا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ غزوۂ بدر میں مشرکین سے جو مالِ غنیمت حاصل کیا گیا تھا اس میں ایک سرخ رنگ کی مخملی چادر بھی تھی جو بدر کے دن گم ہو گئی تھی جس پر منافقین نے کہا تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے اس چادر کو اٹھا لیا ہے' تو ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ امانت میں خیانت کرنا نبی کی شان کے لائق نہیں)۔

﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے روز خیانت کا سامان اٹھا کر لائے گا یعنی جس چیز میں کسی نے خیانت کی ہو گی وہ اس کو بعینہٖ اپنی پشت پر اٹھا کر لائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن خیانت کرنے والا خیانت کا وبال اور اس کا گناہ اپنی پشت پر اٹھا کر لائے گا ﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کے مطابق پورا بدلا دیا جائے گا ''ثُمَّ يُوَفّٰى كُلُّ مَا كَسَبَ'' نہیں فرمایا تا کہ اپنے ماقبل ارشاد باری تعالیٰ ''وَمَنْ يَّغْلُلْ'' کے موافق و مطابق ہو جاتا بلکہ عام حکم بیان کیا گیا ہے تا کہ خیانت کرنے والا اور اس کے علاوہ دوسرے جرائم کرنے والا ہر شخص اس کے تحت داخل ہو جائے اور یہ جملہ اپنے ماقبل کے ساتھ معنی کے اعتبار سے موافق و متصل ہے اور یہ انداز بلاغت و فصاحت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جب خیانت کرنے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر نیکی یا بدی کرنے والے کو یقینی طور پر بدلا دیا جائے گا اور اس کے عمل کے مطابق پوری جزا یا سزا دی جائے گی تو اسے بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ ان لوگوں کی طرح اپنے جرم سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا باوجودیکہ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ہر شخص کو اسی قدر جزا یا سزا دی جائے گی جس قدر اس نے نیکی یا برائی کی ہو گی (یعنی نہ سزا میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ثواب میں کمی کی جائے گی)۔

١٦٢- ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ﴾ تو کیا جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی۔ ایک قول کے مطابق اس سے مہاجرین و انصار مراد ہیں ﴿كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور یہ منافقین اور کفار ہیں ﴿وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

١٦٣- ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ باہم متفاوت و مختلف ہیں جیسا کہ درجات و مراتب میں فرق ہے یا یہ کہ درجات و مراتب والے لوگ باہم مختلف ہیں اور معنی یہ ہے کہ ان میں سے ثواب حاصل کرنے والوں کی منزلیں اور سزا پانے والوں کی منزلیں مختلف ہوں گی یا جزا اور سزا کے درمیان فرق ہو گا ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور ان کے درجات کو خوب جانتا ہے' سو اس کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

بے شک اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے سب سے بڑا رسول مبعوث فرمایا' وہ ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتا ہے' اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے O اور یہ کیوں ہوا کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی جب کہ تم اس سے دگنی مصیبت انہیں پہنچا چکے تھے' تو تم نے کہہ دیا کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی' آپ فرما دیں کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

حضور کی بعثت احسانِ عظیم ہے

١٦٤- ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا (یعنی) رسول اللہ ﷺ کی قوم میں سے جو لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا اور باقی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے صرف مؤمنوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ آپ کی بعثت سے فائدہ انہی لوگوں نے اٹھایا ہے ﴿اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ جب ان میں انہی کی جنس (یعنی بنی نوع انسان میں) سے انہی کی طرح عربی بولنے والا ہم زبان رسول بھیجا یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بھیجا جیسا کہ وہ خود انہی کی اولاد میں سے ہیں اور ان میں آپ کی بعثت احسان اس اعتبار سے ہے کہ جب آپ انہی میں سے ہیں تو زبان ایک ہو گئی' اس طرح ان کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان تعلیمات کو سمجھنا اور حاصل کرنا آسان ہو گیا جو ان کے لیے لازم و ضروری تھیں اور چونکہ وہ لوگ آپ کی امانت داری و دیانت داری اور آپ کی صداقت و سچائی جیسے حالات سے واقف تھے اس لیے یہ بات اُن کو حضور پر ایمان لانے اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے کے زیادہ قریب کر سکتی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی قراءت میں "مِنْ اَنْفَسِهِمْ" ("نفیس" کی جمع) ہے یعنی ان میں سے ہر اعتبار سے نفیس ترین اور بزرگ ترین ہستی کو رسول بنا کر ان میں بھیجا گیا ہے ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ آپ ان پر اس کی آیات یعنی قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے ہیں جب کہ وہ لوگ اس سے پہلے جاہلِ مطلق تھے اور ان کے کانوں نے کبھی وحی کو نہیں سنا تھا ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ اور آپ ان کو ایمان کے ذریعے کفر و سرکشی کے میل کچیل سے پاک کرتے ہیں یا ان سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اور آپ ان کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں ﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ اور بے شک وہ لوگ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت سے پہلے ﴿لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے کہ ان کی جہالت و گمراہی سب کے سامنے ظاہر و عیاں تھی جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں تھا [اور "اِنْ" خفیفہ (اِنَّ) ثقیلہ کا مخفف ہے اور لام مفتوحہ اس کے اور "اِنْ" نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک شان اور بات یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

١٦٥- ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ اور کیا جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی اور اس مصیبت سے مراد وہ سانحہ ہے جو احد کے دن مسلمانوں میں سے ستر مجاہدین کی شہادت سے ان کو پہنچا ﴿قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا﴾ بے شک تم بدر کے دن مشرکین کے ستر آدمی قتل کر کے اور ستر آدمی قید کر کے ان کو اس سے دگنی مصیبت پہنچا چکے ہو اور یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ "مُصِيْبَةٌ" کی صفت ہے ﴿قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا﴾ تم نے کہا: یہ مصیبت کہاں سے آ گئی ہے ﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾ اے محبوب! فرما

دیجئے کہ وہ تمہاری طرف سے ہے کہ تم نے مدینہ منورہ سے نکلنا اختیار کیا اور تم نے مرکز کو چھوڑ دیا[''لَمَّا'' ''قُلْتُمْ'' کے ساتھ منصوب ہے اور ''اَصَابَتْكُمْ'' محلاً مجرور ہے کیونکہ ''لَمَّا'' اس کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَقُلْتُمْ حِيْنَ اَصَابَتْكُمْ'' اور ''اَنّٰى هٰذَا'' منصوب ہے کیونکہ یہ ''قُلْتُمْ'' کا مقولہ ہے اور ہمزہ جملہ کی تقریر کے لیے اور ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے اور اس جملے کی واؤ کا عطف غزوۂ احد کے گزشتہ قصے پر کیا گیا ہے اور وہ ''وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ'' ہے یا اس کا عطف محذوف پر کیا گیا ہے] گویا کہا گیا: ''اَفَعَلْتُمْ كَذَا وَ قُلْتُمْ حِيْنَئِذٍ كَذَا. (یعنی) کیا تم نے اس طرح کیا ہے اور تم نے اس وقت اس طرح کہا ہے'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ مدد کرنے پر بھی قادر ہے اور مدد روکنے پر بھی قادر ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾

اور وہ مصیبت جو دو فوجوں کے مقابلے کے دن تمہیں پہنچی تھی تو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور تا کہ اللہ مؤمنوں کو ممتاز کر دے O اور تا کہ منافقوں کی پہچان کرا دے' اور ان سے کہا گیا کہ ادھر آؤ' اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا اپنا دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم اس جنگ کو صحیح جانتے تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے' اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں' وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی تھی' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں O جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے' اے محبوب! آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے تم موت کو ٹال کر دکھا دو O

١٦٦- ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ﴾ اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے [''مَا'' ''اَلَّذِيْ'' کے معنی میں ہے اور یہ مبتدا ہے] ﴿يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ﴾ جس دن دو جماعتیں' ایک جماعت تم مسلمانوں کی اور دوسری جماعت مشرکین کی احد کے مقام پر آپس میں ٹکرائی تھیں ﴿فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ یہ خبر ہے سو وہ مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم یعنی اس کے علم کے مطابق اور اس کے فیصلے سے تمہیں پہنچی تھی ﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور تا کہ اللہ مؤمنوں کو ممتاز کر دے۔

١٦٧- ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا﴾ اور وہ مصیبت اس لیے پہنچی تھی تا کہ مومنوں اور منافقوں کے درمیان فرق واضح ہو جائے اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور تا کہ مسلمانوں کا ایمان ظاہر ہو جائے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو جائے ﴿وَقِيْلَ لَهُمْ﴾ اور ان سے یعنی منافقین سے کہا گیا اور یہ نیا کلام ہے [گرامر کے اعتبار سے اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں] ﴿تَعَالَوْا

﴿ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ تم (بھی) آ ؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی آخرت کے لیے اس طرح جہاد کرو جس طرح مسلمان جہاد کرتے ہیں ﴿ اَوِادْفَعُوْا ﴾ یا تم دفاع کرو یعنی اگر تم آخرت کے لیے نہیں لڑتے تو کم از کم تم اپنا' اپنے بیوی بچوں اور مالوں کا دفاع کرنے کے لیے لڑو اور ایک قول کے مطابق مطلب یہ ہے کہ اے منافقو! اگر تم دینی جذبہ کے تحت نہیں لڑتے تو کم از کم تم دشمن کا دفاع کرنے کے لیے مجاہدین اسلام کی جماعت کو بڑھانے کے لیے شامل ہو جاؤ کیونکہ فوج کی کثرت بھی دشمن کو مرعوب کر دیتی ہے جس سے دشمن گھبرا کر راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے ﴿ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ﴾ یعنی انہوں نے کہا کہ اگر ہم اس لڑائی کو جہاد اور صحیح جنگ تصور کرتے تو ہم تمہاری ضرور پیروی کرتے' ان کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا اپنی غلط سوچ کی وجہ سے لڑنا جہاد نہیں ہے اور نہ اس کو جنگ کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ﴿ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَىٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ﴾ یعنی اس سے قبل وہ اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتے تھے اور ان سے کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی جس سے ان کا کفر ظاہر ہو جاتا لیکن جب وہ غزوۂ احد کے روز مسلمانوں کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے اسلام کے خلاف جو کہنا تھا کہا تو وہ اس کی وجہ سے ایمان سے دور ہو گئے جس کا ان کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا اور کفر کے قریب ہو گئے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس روز مدد کے اعتبار سے مسلمانوں کی بہ نسبت کافروں کے زیادہ قریب ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے الگ ہو کر مسلمانوں کی جماعت کی کثرت کو قلت میں بدل دیا اور مشرکین کی تقویت کا سبب بنے ﴿ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی یعنی وہ اپنی زبانوں سے اسلام کا اقرار کر کے ایمان کو ظاہر کرتے ہیں لیکن دلوں میں کفر کو چھپاتے ہیں اور ''افواہ'' کی قید تاکید کے لیے اور مجاز کی نفی کے لیے ہے ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے نفاق وغیرہ کو خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں۔

۱۶۸- ﴿ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا ﴾ یعنی منافقوں کے سردار عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا اور یہ رفع کی جگہ پر واقع ہے [دراصل ''هُمُ الَّذِیْنَ قَالُوْا'' ہے یا ''یَكْتُمُوْنَ'' کی واؤ سے بدل ہے یا پھر ''اَعْنِیْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے یا ''اَلَّذِیْنَ نَافَقُوْا'' سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا ''فِیْ اَفْوَاهِهِمْ'' یا ''فِیْ قُلُوْبِهِمْ'' کی ضمیر سے بدل ہونے کی بنا پر مجرور ہے] ﴿ لِاِخْوَانِهِمْ ﴾ اپنے بھائیوں سے جو منافقت میں ان کے بھائی تھے اور وہ احد کے دن مارے گئے ﴿ وَقَعَدُوْا ﴾ یعنی انہوں نے کہا اور خود بھی جنگ میں جانے کی بجائے (اپنے گھروں میں) بیٹھے رہے ﴿ لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ﴾ اگر ہمارے بھائی اس معاملے میں ہماری اطاعت کرتے اور ہم نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جانے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کی جو تلقین کی تھی اس پر عمل کرتے تو جنگ میں جا کر نہ مارے جاتے جس طرح ہم نہیں مارے گئے ﴿ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ تم اپنے آپ سے موت کو ٹال دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ سے بچنا تقدیر کا لکھا ٹال دے گا تو تم موت سے اپنے آپ کو بچا لو یا اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم نے جنگ سے بچنے کا راستہ تلاش کر لیا ہے اور وہ ہے جنگ میں جانے کی بجائے اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا تو تم موت سے بچنے کا راستہ بھی ڈھونڈ لو اور ایک روایت میں ہے کہ جس دن انہوں نے یہ بات کہی تھی اس دن ان کے ستر منافقین مر گئے تھے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ

يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہےO وہ اس پر خوش ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے' اور وہ اپنے بعد والے لوگوں پر خوش ہو رہے ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گےO وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوش ہیں' اور اس پر کہ بلاشبہ اللہ مؤمنوں کے ثواب کو ضائع نہیں فرماتاO

شہیدوں اور غازیوں کے فضائل

١٦٩- ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ اور خیال نہ کرو اور یہ آیت مبارکہ شہدائے احد کے حق میں نازل ہوئی [اور ابن عامر شامی' حمزہ' علی اور عاصم نے اس کو سین مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے (وَلَا تَحْسِبَنَّ) سین کو مکسور پڑھا ہے] اور یہ خطاب خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے یا ہر ایک کے لیے ہے ﴿الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا﴾ جن کو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا ہے ان کو مردہ (نہ سمجھو) [ابن عامر شامی نے "قُتِّلُوا" ("تّا" کو تشدید کے ساتھ) پڑھا ہے] ﴿بَلْ أَحْيَاءٌ﴾ [دراصل "بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ" ہے] (یعنی) بلکہ وہ زندہ ہیں ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ وہ اپنے رب کے ہاں مقرب بندے ہیں (اور اس کا روحانی) قرب رکھنے والے ہیں ﴿يُرْزَقُونَ﴾ انہیں باقی زندوں کی طرح رزق دیا جاتا ہے وہ کھاتے ہیں اور پیتے ہیں اور یہ ان کے زندہ ہونے کی (دلیل اور) تاکید ہے اور ان کے اس حال کی توصیف ہے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

١٧٠- ﴿فَرِحِينَ﴾ [یہ "يُرْزَقُونَ" کی ضمیر سے حال ہے] یعنی وہ خوش ہو رہے ہیں ﴿بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا فرمایا ہے اور وہ شہادت کی توفیق دینا ہے اور باقی کرامت و فضیلت جو ان کو دوسروں پر عنایت کی ہے کہ انہیں مرنے کے بعد زندگی دینا' مقرب بنانا اور قیامت قائم ہونے سے پہلے انہیں جنت کا رزق اور دیگر جنتی نعمتیں ملنا اور حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسموں میں منتقل کر دیا' وہ جنت کی نہروں پر سیر کرتی ہیں اور اس کے پھل کھاتی ہیں اور وہ عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں[1] اور ایک قول کے مطابق یہ رزق جنت میں قیامت کے روز ملے گا مگر یہ ضعیف قول ہے اس لیے کہ اس طرح پھر تخصیص کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا ﴿وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ﴾ اور وہ خوش ہو رہے ہیں اپنے مجاہدین بھائیوں کے متعلق بشارت پر جو ﴿لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ ابھی تک شہید نہیں ہوئے کہ جا کر ان سے ملتے ﴿مِّنْ خَلْفِهِمْ﴾ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کی شہادت کے بعد ان کے پیچھے صحیح سلامت باقی رہ گئے اور وہ خود (غزوۂ احد میں شہادت پا کر) ان بھائیوں سے سبقت کر کے اگلے جہاں چلے گئے یا "لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ" کا مطلب ہے کہ انہوں نے اپنے شہداء بھائیوں کی فضیلت و شان کو نہیں پایا ﴿أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کہ نہ ان پر

[1] مسلم کتاب الامارۃ رقم الحدیث: ۱۲۱' ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۲۵' ترمذی کتاب التفسیر آل عمران باب ۱۱۹' ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۴' دارمی کتاب الجہاد باب ۱۸' مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۸۶

خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے [اور یہ "اَلَّذِیْنَ" سے بدل ہے] اور معنی یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے اس حال پر خوش ہو رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں بے خوف و بے غم امن سکون کے ساتھ اٹھایا جائے گا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو ان کے پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کے متعلق یہ بشارت سنا دی ہے اس لیے وہ اس پر خوش ہو رہے ہیں اور شہداء کے حال اور پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بشارت پر ان کے خوش ہونے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تا کہ ان کے بعد صحیح سلامت باقی رہ جانے والوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ جہاد میں خوب کوشش کریں اور شہداء کے منازل و مراتب حاصل کرنے میں خوب رغبت سے کام لیں۔

۱۷۱- ﴿یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾ وہ اس نعمت پر خوش ہو رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمائی اور اس فضل پر خوش ہو رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کرامت و عزت کے اضافہ کی صورت میں ان پر فرمایا ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ﴾ [اس کا "نِعْمَةٍ" اور "فَضْلٍ" پر عطف ہے' قاری علی کسائی نے "اِنَّ اللّٰهَ" کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور الگ جملہ قرار دیا ہے اور اس بنا پر یہ جملہ معترضہ ہے] ﴿لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرے گا بلکہ انہیں وافر ثواب عطا فرمائے گا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا
مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ
فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

جو لوگ زخمی ہونے کے بعد اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو گئے' ان نیکی کرنے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے بہت بڑا ثواب ہے O جن سے بعض لوگوں نے کہا کہ بے شک (قریش کے) لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے' سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان مزید پختہ ہو گیا' اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے O پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ سلامت لوٹ آئے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی' اور انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی' اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے O بے شک شیطان اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے' سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو O

۱۷۲- ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کے بلانے پر حاضر ہو گئے (یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک کا حکم قبول کر لیا) [یہ مبتدا ہے اور "لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا" اس کی خبر ہے یا "اَلْمُؤْمِنِیْنَ" کی صفت ہے یا مدح کی بنا پر منصوب ہے] ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ اس کے بعد کہ انہیں زخم پہنچا' "قَرْحٌ" کا معنی "جَرْحٌ" ہے یعنی

زخم۔
شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی جب احد کے مقام سے روانہ ہو گئے اور روحاء کے مقام پر پہنچ گئے تو (مسلمانوں کو ختم کیے بغیر واپسی پر) پشیمان ہوئے اور (مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے) واپس لوٹنے کا ارادہ کیا اور یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچ گئی تو آپ نے انہیں ڈرانے اور اپنی اور اپنے صحابۂ کرام کی قوت کا مظاہرہ کرنے کا ارادہ فرما لیا اور آپ نے صحابۂ کرام کو ابوسفیان کا تعاقب کرنے کے لیے بلایا اور آپ ستر مسلمانوں کے ساتھ اتوار کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ جانے والے تمام صحابہ کرام زخمی تھے یہاں تک کہ جب آپ صحابہ سمیت مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر حمرآء الاسد کے مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ جنگ سے گریز کر کے چلے گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا ﴾ ان نیکوکاروں اور پرہیز گاروں کے لیے (بہت بڑا اجر وثواب ہے) اس میں "مِنْ" بیان کا ہے (اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے) اس کی مثال (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں موجود ہے: "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝ (الفتح:٢٩) یعنی اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں سے بخشش اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرما چکا ہے۝" کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کے بلانے پر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حاضر ہو گئے تھے وہ سب کے سب نیک اور پرہیز گار تھے نہ کہ صرف بعض ﴿ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ آخرت میں (ان کو) بہت بڑا اجر وثواب ملے گا۔

۱۷۳- ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض لوگوں نے کہا ["اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا" سے بدل ہے] ﴿ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ﴾ بے شک لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے' مروی ہے کہ ابو سفیان نے احد سے واپس ہوتے وقت پکار کر کہا: اے محمد (ﷺ)! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہماری تمہاری جنگ ہوگی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" پھر جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان اہل مکہ کو لے کر نکلا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ لڑے بغیر واپس چلا جائے' چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود اشجعی سے ملاقات کی جو عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں آیا ہوا تھا اور اس سے کہا کہ اے نعیم! بے شک میں نے (حضرت) محمد (ﷺ) سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ ہم بدر کے مقام پر جنگ کریں گے مگر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ واپس لوٹ جاؤں' لہٰذا تو مدینہ میں جا کر ان کو کسی طرح روک دے میں تجھے دس اونٹ انعام میں دوں گا' چنانچہ نعیم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا اور مدینہ منورہ پہنچ کر اس نے دیکھا کہ مسلمان جنگ کرنے کی خوب تیاری کر رہے ہیں تو نعیم نے ان سے کہا کہ تم جنگ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہو لیکن قریش مکہ نے تو تمہارے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے' سو اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر واپس نہیں آئے گا تو اس کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "وَاللّٰهِ لَاَخْرُجَنَّ وَلَوْ لَمْ يَخْرُجْ مَعِيَ اَحَدٌ. یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تو ضرور جاؤں گا اگرچہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ جائے" پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ستر جان نثار سوار لے کر روانہ ہوئے تو سب کی زبان پر یہ ورد جاری تھا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے" یہاں تک کہ وعدہ پورا کرتے ہوئے آپ دیگر ساتھیوں سمیت بدر صغریٰ میں پہنچ گئے اور وہاں آٹھ دن قیام کیا اور مسلمانوں کے پاس تجارت کا سامان بھی تھا جس کو انہوں نے یہاں کی منڈی میں فروخت کیا اور ڈبل منافع کمایا' پھر جنگ کیے بغیر صحیح سلامت مالِ تجارت لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے اور ابوسفیان مکہ پہنچ گیا تو اہل مکہ نے اپنے لشکر کا نام ستّو کا لشکر رکھ دیا اور انہوں نے جنگی جوانوں سے کہا کہ تم بدر صغریٰ کی منڈی میں صرف ستّو

کھانے گئے تھے بہرحال اس آیت میں پہلے "اَلنَّاس" سے نعیم بن مسعود اشجعی مراد ہے صیغہ جمع کا ہے مگر مراد واحد ہے یا پھر وہ خود اور اس کے پیروکار مراد ہوں گے جو اس کی مانند مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کرتے رہے اور دوسرے "اَلنَّاس" سے مراد ابوسفیان اور اس کے ساتھی ہیں ﴿فَاخْشَوْهُمْ﴾ پس تم ان سے ڈرو اور خوف کرو ﴿فَزَادَهُمْ﴾ یعنی اس مقولہ نے کہ "اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ" یا قول نے یا نعیم نے ﴿اِيْمَانًا﴾ تو ان کی بصیرت و یقین کو بڑھا دیا (اور پختہ کر دیا) ﴿وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ اور انہوں نے کہا: ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے یعنی وہی اللہ ہماری کفایت فرمائے گا کہا جاتا ہے: "اَحْسَبَهُ الشَّيْئُ" جس وقت اس کو چیز کفایت کرے اور وہ کفایت کرنے والا کے معنی میں ہے [اس دلیل کی بنا پر کہ تم کہتے ہو: "هٰذَا رَجُلٌ حَسْبُكَ" یعنی یہ شخص تمہیں کافی ہے" پھر اس میں نکرہ کو موصوف بنایا گیا ہے کیونکہ "حَسْبُكَ" کی اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے] ﴿وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اور اچھا کارساز ہے جس کی طرف تمام امور سپرد کیے جاتے ہیں۔

١٧٤- ﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور نعمت سے مراد سلامتی کے ساتھ واپسی اور دشمن کا ان سے ڈر کر راہ فرار اختیار کر جانا ہے ﴿وَفَضْلٍ﴾ اور فضل سے وہ منافع مراد ہیں جو مال تجارت سے حاصل ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے بدر صغریٰ کی منڈی میں ایک درہم کے عوض دو درہم کمائے ﴿لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ﴾ انہیں دشمن کی فریب کاری وغیرہ سے کوئی ایسی مصیبت نہیں پہنچی جو انہیں تکلیف دیتی [اور "اِنْقَلَبُوْا" میں ضمیر سے حال ہے اور اسی طرح "بِنِعْمَةٍ" ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: "فَرَجَعُوْا مِنْ بَدْرٍ مُنْعِمِيْنَ بَرِيْئِيْنَ مِنْ سُوْءٍ. پس وہ بدر سے انعام و اکرام لے کر تکلیف وغیرہ سے صحیح سلامت واپس لوٹ آئے" ﴿وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے جرأت و بہادری کا مظاہرہ کر کے دشمن کی طرف ڈرانے دھمکانے اور روکنے کے باوجود ان کے مقابلے میں نکل کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی ہے [اور یہ "اِنْقَلَبُوْا" پر معطوف ہے] ﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و کرم فرمایا کہ ایسے کاموں کی توفیق دی جو انہوں نے سرانجام دیئے۔

١٧٥- ﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ ["شَيْطَان"، "ذَالِكُمْ" کی خبر ہے] یعنی بے شک تمہیں روکنے والا شیطان ہے اور وہ نعیم بن مسعود اشجعی ہے جو ﴿يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ﴾ اپنے دوستوں یعنی منافقوں کو ڈراتا ہے اور یہ جملہ مستأنفہ ہے جو ان کی شیطانیت کے بیان کے لیے لایا گیا ہے [یا شیطان اسم اشارہ کی صفت ہے اور "يُخَوِّفُ" اس کی خبر ہے] ﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ﴾ یعنی پس تم اس (شیطان) کے دوستوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم ایماندار رہو کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ بندہ دوسرے کے خوف پر اللہ تعالیٰ کے خوف کو ترجیح دے [سہل اور یعقوب نے وصل اور وقف دونوں حالتوں میں "وَخَافُوْنِيْ" ("یا" کے اثبات کے ساتھ) پڑھا ہے اور ابوعمرو بصری نے حالت وصل میں ان کی موافقت کی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾

اور اے محبوب! آپ ان لوگوں سے غمگین نہ ہوں جو کفر میں دوڑے پھرتے ہیں' بے شک وہ اللہ (والوں) کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے' اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے O بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خرید لیا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O اور کافر ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے' بے شک ہم تو اس لیے انہیں ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ ان کے گناہ زیادہ ہوں' اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے O

کفر کا نقصان کافروں کو ہوگا' علم غیب خدا کی اطلاع کے بغیر ناممکن ہے' بخل کی مذمت

۱۷۶- ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ ﴾ اور آپ کو غمگین نہ کردیں [قاری نافع مدنی نے پورے قرآن مجید میں اس کو ''يُحْزِنْكَ'' (بابِ افعال سے) پڑھا ہے] ماسوا سورۃ الانبیاء کی (درج ذیل) آیت کے یعنی ''لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ. (الانبیاء: ۱۰۳) ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ غمگین نہیں کرے گی'' ﴿ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾ وہ لوگ جو کفر میں دوڑتے پھرتے ہیں یعنی وہ لوگ آپ کو اس خوف کے سبب غم میں نہ ڈال دیں کہ وہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں گے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو نہیں دیکھ رہے کہ ﴿ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ﴾ بے شک وہ اللہ کے دوستوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے یعنی بے شک وہ لوگ کفر میں دوڑنے پھرنے سے اپنے سوا کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے کفر کا وبال ان کے اپنے سوا کسی اور پر نہیں پڑے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد سے بیان فرمایا کہ ان کے کفر کا وبال ان پر کیسے پڑے گا ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے اجر وثواب کا کوئی حصہ نہ رکھے ﴿ وَلَهُمْ ﴾ اور ان کے لیے ثواب کے بجائے ﴿ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ بہت بڑا عذاب ہوگا جو انسان کا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا (اس آیت مبارکہ سے قدریہ اور معتزلہ فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کفر و معصیت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتے ہیں (مگر اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل نہیں ہوتی) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ کہ کفار کو آخرت میں ثواب نہ ملے کفار کے کفر و معصیت کا ارادہ کیے بغیر نہیں ہو سکتا (تو ثابت ہو گیا کہ خیر و شر مشیّت الٰہی سے ہوتے ہیں)۔

۱۷۷- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ﴾ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خرید لیا یعنی انہوں نے ایمان کو کفر کے ساتھ تبدیل کر دیا ﴿ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ﴾ [یہ مصدر ہونے کی بناپر منصوب ہے] یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے' پہلی آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں ہے جو جنگ سے پیچھے رہ گئے یا اسلام سے مرتد ہو گئے اور دوسری آیت کریمہ تمام کفار کے بارے میں ہے یا اس کا برعکس ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۷۸- ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ ﴾ [قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری نے اس فعل میں اور اس کے بعد تینوں فعلوں (اسی سورت کی آیات ۱۸۰ اور ۱۸۸) میں ''بَا'' مضموم اور ''یَا'' کے ساتھ ''يَحْسَبُنَّ'' پڑھا ہے اور قاری حمزہ نے سب کو ''تَا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے سب کو ''یَا'' کے ساتھ پڑھا ہے ماسوا ''فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ'' کے کیونکہ اس کو ''تَا'' کے ساتھ پڑھا ہے ﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''یا'' کے ساتھ پڑھنے والوں کے نزدیک یہ جملہ (فاعل ہونے کی بناپر) محلاً مرفوع ہے یعنی ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. کافر لوگ یہ خیال نہ کریں'' ﴿ اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ﴾ کہ بے شک ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے [اور اس میں ''اِنَّ'' اپنے اسم اور اپنی خبر کے ساتھ مل کر ''يَحْسَبَنَّ'' کے دو مفعولوں کی جگہ پر واقع ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِمْلَاءَنَا خَيْرًا لِّاَنْفُسِهِمْ. یعنی کافر ہماری مہلت کو اپنے لیے خیر تصور نہ کریں'' [اور ''مَا'' مصدریہ ہے اور علم الخط کے قیاس کے مطابق

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو الگ لکھا جاتا لیکن امام مظلوم (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مصحف میں متصل لکھا گیا ہے اس لیے اس کی خلاف ورزی نہیں کی جاتی اور جنہوں نے (لَا تَحْسَبَنَّ) "تَا" کے ساتھ پڑھا ہے ان کے نزدیک "اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا" منصوب ہے یعنی "وَلَا تَحْسَبَنَّ الْکَافِرِیْنَ" اور "اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ"، "الْکَافِرِیْنَ" سے بدل ہے] یعنی آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ کافروں کو مہلت دینا ان کے لیے بہتر ہے [اور "اَنَّ" اپنے اسم اور خبر وغیرہ کے ساتھ مل کر دو مفعولوں کے قائم مقام ہے] اور "اِمْلَاءٌ لَّهُمْ" کا معنی ہے: "اِمْهَالٌ لَّهُمْ. یعنی ان کو مہلت دینا اور ان کی عمر دراز کرنا" ﴿اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا﴾ بے شک ہم ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ ان کے گناہ زیادہ ہوں [اور اس "مَا" کا حق یہی ہے کہ اس کو متصل لکھا جائے کیونکہ یہ "مَا" کافہ ہے پہلا "مَا" کافہ نہیں (بلکہ مصدریہ ہے) یہ جملہ مستأنفہ ہے اور پہلے جملے کی تعلیل اور وجہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے] گویا کہا گیا کہ کیا وجہ ہے کافر اس مہلت کو اپنے لیے خیر اور بہتر خیال نہ کریں تو جواب میں کہا گیا کہ بے شک ہم ان کو جو مہلت دے رہے ہیں وہ محض اس لیے دے رہے ہیں تاکہ ان کے گناہ زیادہ ہوں (اور وہ اپنے کفر و معصیت کی وجہ سے ذلت ناک عذاب کے مستحق قرار پائیں) اور یہ آیت مبارکہ دو مسائل (۱) مسئلہ اصلح اور (۲) ارادۂ معاصی میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے۔[1] ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ اور ان کے لیے ذلت ناک اور رسوا کن عذاب ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ
الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا
لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

[1] دراصل اہل سنت کے نزدیک تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' کوئی کام خواہ خیر ہو یا شر' نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا جب کہ معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صرف افعالِ خیر کا خالق ہے اس لیے وہ انسانوں کے لیے بدی کا ارادہ نہیں کرتا۔ اصلح کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے متعلق صرف اصلاح اور بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور ارادۂ معاصی کا مطلب ہے کہ انسانوں کے گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہوتے ہیں' مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے ان کے عقیدہ کی تردید اور اہل سنت کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اس لیے مہلت دیتا ہے تاکہ ان کے گناہ زیادہ ہوں' اگر اللہ تعالیٰ صرف بھلائی کا ارادہ کرتا اور گناہ کا ارادہ نہ کرتا تو کافروں کو کفر و گناہ کی مہلت نہ دیتا کہ یہ دونوں بھلائی کے کام نہیں برائی کے کام ہیں' لہٰذا قرآن مجید سے ثابت ہو گیا کہ ہر نیک و بد کام اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے البتہ برائی کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور خوشنودی شامل نہیں ہوتی بلکہ ناراضگی شامل ہوتی ہے لیکن ارادہ اور مشیت کسی مصلحت کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ غوثوی مہاروی

ع ۱۸ ﴿السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ (۱۸۰) ع

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر اب تم ہو یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے گا' اور اللہ تم عام لوگوں کو غیب پر مطلع نہیں فرمائے گا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اس کو منتخب کر لیتا ہے' جو اس کے رسول ہیں' تو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو اور اگر تم ایمان دار رہے اور تقویٰ اختیار کرتے رہے تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے O اور جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو عطا کیا ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے' بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے' انہوں نے جس کے ساتھ بخل کیا ہے وہ عنقریب قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا' اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے' اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے O

۱۷۹- ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم اب ہو کہ مخلص مسلمان اور منافق مل جل کر رہ رہے ہیں اور بہ ظاہر تصدیق اسلام کی وجہ سے سب اکٹھے رہے ہیں' اس آیت میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے ﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ یہاں تک کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے یعنی منافق کو مخلص مسلمان سے جدا کر دے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''یُمِیْزَ'' (پہلی ''یا'' مضموم' میم مکسور اور دوسری ''یا'' کو ساکن باب افعال سے یا پھر پہلی ''یا'' مضموم' میم مفتوح اور دوسری ''یا'' کو مشدد یعنی ''یُمَیِّزَ'' باب تفعیل سے) پڑھا ہے اور ''اَنْتُمْ'' میں مخلص مسلمانوں اور منافقوں کو خطاب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کو اس حال میں نہیں چھوڑے گا جس پر تم اب ہو کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے رہتے ہو یہاں تک کہ وہ اپنے نبی پر وحی بھیج کر اور تمہارے احوال سے آگاہ فرما کر منافقین کو تم سے الگ کر دے گا ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ تم میں سے کسی کو غیبوں کا علم عطا فرما دے' سو تم کسی آدمی کے نفاق اور کسی کے اخلاص کی خبر دیتے وقت رسولوں کے متعلق یہ وہم نہ کیا کرو کہ وہ بھی دلوں کے نظریات و خیالات پر اسی طرح مستقل ذاتی طور پر مطلع اور آگاہ ہوتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر مستقل اپنے آپ مطلع ہوتا ہے اس لیے وہ کافروں کے کفر (منافقوں کے نفاق) اور مومنوں کے ایمان کی خبریں دیتے ہیں ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یعنی لیکن اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا ہے اور اس کی طرف وحی بھیجتا ہے اور اس کو غیب کی خبر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بتلاتا ہے کہ فلاں آدمی کے دل میں نفاق ہے اور فلاں شخص کے دل میں اخلاص ہے' سو رسول خدا ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتلانے سے جانتے ہیں ذاتی طور پر اپنے آپ نہیں جانتے[1] اور یہ آیت مبارکہ باطنیہ فرقہ پر حجت ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے امام کے لیے علم غیب کا عقیدہ

[1] ابتداء میں کئی لوگ زبان سے اسلام کا اقرار کر کے مسلمانوں میں داخل ہو جایا کرتے اور مسلمان ان سے بالکل اپنے بھائیوں کا سا سلوک کرتے لیکن ہر نازک مرحلہ پر یہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس' ان کی صفوں میں انتشار اور ان کے رازوں کو افشاء کر کے اذیت و تکلیف پہنچاتے' اس لیے زیادہ دیر تک ان کا مسلمانوں میں ملے جلے رہنا مناسب نہ تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکمت الٰہی اس بات کی روادار نہیں کہ مخلص و منافق آپس میں ملے جلے رہیں بلکہ ان کو الگ الگ کرنا ضروری ہے۔ ان کو کیوں کر الگ الگ کیا گیا؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ابتلاء و آزمائش سے' اسلام کو کامیاب اور باطل کو سرنگوں کرنے سے یا بذریعہ وحی اپنے نبی مکرم ﷺ کو منافقوں کا علم عطا فرمانے سے' چنانچہ علامہ بیضاوی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میری امت (دعوت) میرے سامنے پیش کی گئی اور مجھے علم دیا گیا کہ کون میرے ساتھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رکھتے ہیں اگر چہ یہ لوگ اس کے لیے نبوت کو ثابت نہیں کرتے لیکن یہ نظریہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ یہ لوگ غیر رسول کے لیے علم غیب ثابت کرتے اور مانتے ہیں اور اگر وہ اپنے امام کے لیے نبوت کو ثابت کرتے تو قرآن مجید کی دوسری آیت مبارکہ کی مخالفت کرتے اور وہ یہ ہے: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الاحزاب: ٤٠) اور لیکن آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں'' ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر صفت اخلاص سے متصف ہو کر ایمان لاؤ ﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ اور اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور نفاق سے بچو ﴿فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ تو تمہارے لیے آخرت میں بہت بڑا اجر و ثواب ہوگا۔

شانِ نزول: (درج ذیل) آیت مبارکہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے:

١٨٠- ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ اور جو لوگ مال میں بخل

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا' اس وسعت علمی پر کسی مؤمن نے اعتراض نہیں کیا بلکہ منافقین نے ازراہِ مذاق کہا کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں ہر مؤمن اور ہر کافر کو جانتا ہوں اور حالت یہ ہے کہ ہم ہر وقت آٹھوں پہر ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا تو علم نہیں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقوں کا علم تھا' نیز یہ بھی پتا چلا کہ علم کا ظاہر نہ کرنا علم کے نہ ہونے کی دلیل نہیں اور صحابہ کرام تو اپنے نبی پاک کی وسعت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے البتہ منافق لوگ تسلیم نہ کرتے اور چیں بہ جبیں ہو کر اعتراض کرتے۔ ''تفسیر خازن'' اور ''معالم التنزیل'' میں اس روایت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ منافقین کا یہ قول حضور ﷺ کو پہنچا تو حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِيْ عِلْمِيْ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ فِيْمَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ السَّاعَةِ اِلَّا نَبَّاْتُكُمْ بِهٖ. اس قوم کا کیا ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں' اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کوئی بات پوچھو میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں اس کا جواب دوں گا'' عبد اللہ بن حذافہ اٹھے (ان کے نسب پر طعن کیا جاتا تھا) اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حذافہ ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' قرآن کے پیشوا ہونے پر اور آپ ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں' سو آپ ہمیں معاف فرما دیں' اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے' حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ. تو کیا تم باز آ وَ گے کیا تم باز آ وَ گے'' پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لائے' اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا' وہ جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں کو سکھا دیتا ہے اور اس ذات کریم نے اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو جتنا چاہا دیا'' یہ جتنا'' اللہ تعالیٰ کے علم غیر متناہی کا بعض ہے لیکن مخلوق کے علم کے مقابل ایک بیکراں سمندر ہے جس کی حدود و قیود ہم انسان مقرر نہیں کر سکتے' جو لوگ اس '' جتنا'' کو یہاں تک تنگ کر دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اور تو اور اپنے انجام کا بھی علم نہ تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا ان کی اپنی تنگ دلی اور تنگ نظری مستحق ہزار تاسف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کرم و عطا و بخشش (کریم' معطی' وہاب) کے انکار کا نام توحید رکھنا کہاں کا انصاف ہے' ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصطفیٰ کے قلب منور کو علوم غیبیہ سے بھرپور فرمایا لیکن حضور کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی بلکہ وہ محض عطائے الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط و تفصیلی کے ساتھ اس کی نسبت ذرہ اور صحرا' قطرہ اور دریا کی بھی نہیں لیکن علوم خلائق کے مقابلہ میں وہ بحرِ ذخار ہے جس کی گہرائی کو کوئی غوّاص آج تک نہ پا سکا اور جس کے کنارہ تک کوئی شناور آج تک نہ پہنچ سکا۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل سورۃ آل عمران: ١٧٩)

کرتے ہیں وہ اس کو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا فضل عطا کیا ہے اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں [اور جس نے اس کو ''تا'' کے ساتھ پڑھا ہے اس نے مضاف محذوف کو مقدر مانا ہے] یعنی ''وَلَا تَحْسَبَنَّ بُخْلَ الْبَاخِلِيْنَ. اور آپ بخل کرنے والوں کے بخل کو ان کے لیے بہتر خیال نہ کریں'' [اور ''هُوَ'' فاصلہ کے لیے اور ''خَيْرًا لَّهُمْ'' مفعول ثانی ہے اور اسی طرح جس نے ''یا'' کے ساتھ پڑھا ہے اور ''يَحْسَبَنَّ'' کا فاعل ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کی ضمیر یا ''اَحَدٌ'' کی ضمیر کو قرار دیا ہے اور جس نے اس کا فاعل ''الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ'' کو قرار دیا ہے] تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بُخْلَهُمْ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ. اور جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ اپنے بخل کو اپنے لیے بہتر تصور نہ کریں'' [اور ''هُوَ'' فصل کی ضمیر ہے اور ''خَيْرًا لَّهُمْ'' مفعول ثانی ہے ﴿بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ بلکہ وہ یعنی بخل ان کے لیے بہت برا ہے کیونکہ ان کا مال ختم ہو جائے گا مگر اس مال کا وبال ان پر باقی رہے گا ﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ عنقریب قیامت کے دن ان کے بخل کردہ اموال کو ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا' یہ ارشاد باری تعالیٰ ''بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ'' کی تفسیر ہے یعنی عنقریب ان کے مال کو جس کو انہوں نے راہ حق میں خرچ کرنے سے روکے رکھا ان کی گردنوں میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا جیسا حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ مَّنَعَ زَكٰوةَ مَالِهٖ يَصِيْرُ حَيَّةً ذَكَرًا اَقْرَعَ لَهٗ نَابَانِ فَيُطَوَّقُ فِيْ عُنُقِهٖ فَيَنْهَشُهٗ وَيَدْفَعُهٗ اِلَى النَّارِ. یعنی جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ روک لی وہ مال (قیامت کے دن) گنجا نر سانپ بن جائے گا جس کے منہ میں دو کچلیاں ہوں گی اور وہ اس کے گلے کا طوق بن کر لپٹ جائے گا اور اس کو ڈستا جائے گا اور اس کو دوزخ کی آگ میں لے جائے گا'' ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہیں تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے وہ بھی اسی کے ملک میں ہے' وہاں کے باشندوں کو ان کے اموال کا وارث بنا دیتا ہے تو ان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت والے مال میں بخل کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے [اور ''مِيْرَاثٌ'' اصل میں ''مِوْرَاثٌ'' تھا پھر واؤ کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ماقبل مکسور ہے] ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے [اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے اس کو ''یا'' کے ساتھ (يَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے اور ''تا'' کے ساتھ پڑھنا فعل مخاطب ہونے کی بنا پر وعید کے لیے زیادہ بلیغ ہے اور ''یا'' کے ساتھ پڑھنا ظاہر کے مطابق ہے (اس لیے کہ اس آیت مبارکہ کے دیگر افعال غائب کے ہیں)]۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾

وقف لازم

البتہ تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی ہے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں عنقریب ہم ان کا کہا اور نبیوں کو ناحق قتل کرنا لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے: جلا دینے والا عذاب چکھو O یہ بدلا ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا O جن لوگوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے اقرار لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے قربانی پیش کرے جسے آسمانی آگ آ کر کھا جائے اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ مجھ سے پہلے کئی رسول بہت سے معجزات لے کر آئے اور وہ قربانی بھی جو تم نے کہی تو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا تھا اگر تم سچے ہو O

یہود کی تکلیف دہ روش

۱۸۱۔﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں ۔ یہ بات یہود نے اس وقت کہی تھی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد سنا: ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا . (البقرہ:۲۴۵) وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے'' اور انہوں نے کہا کہ (حضرت سیّد عالم نبی اکرم رسول معظم) محمد (ﷺ) کا خدا ہم سے قرض مانگتا ہے اس لیے ہم دولت مند ہوئے اور وہ فقیر و محتاج ہوا اور اللہ تعالیٰ کے سننے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ﴾ ہم عنقریب نگران فرشتوں کو حکم دیں گے کہ انہوں نے جو کہا ہے اسے اپنے صحیفوں میں لکھ لیں کیونکہ مخلوق میں کتابت کے ذریعے تحریر کو محفوظ کر لیا جاتا ہے سو اس لیے اس کو بطور مجاز یہ نام دیا گیا [اور اس میں ''مَا'' مصدر یہ ہے یا ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے ﴿ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ﴾ اور ان کا نبیوں کو ناحق شہید کرنا [''مَا'' پر معطوف ہے] ان کا انبیائے کرام کو قتل کر دینا اس بے ہودہ کہنے کا قرینہ ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ یہ دونوں جرم بڑے جرم ہونے میں برابر ہیں اور جو انبیائے کرام کو شہید کر سکتے ہیں ان کا اس بے ہودہ بات پر دلیر ہونا بعید از قیاس نہیں ﴿ وَنَقُوْلُ ﴾ اور ہم قیامت کے دن ان سے کہیں گے: ﴿ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴾ یعنی جلانے والی آگ کا عذاب چکھو جس طرح تم نے مسلمانوں کو (دنیا میں) غم و رنج پہنچائے ۔ حضرت ضحاک نے فرمایا کہ یہ بات ان سے جہنم کے دربان فرشتے کہیں گے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ یہ اس کے حکم سے ہوگا [اور قاری حمزہ نے ارشاد باری تعالیٰ ''سَنَكْتُبُ'' میں ''سَیُكْتَبُ'' ''یَا'' مضموم اور ''تَا'' مفتوح کے ساتھ فعل مضارع مجہول) اور ''قَتْلُهُمْ'' میں مرفوع اور ''نَقُوْلُ'' کی بجائے ''یَقُوْلُ'' پڑھا ہے]۔

۱۸۲۔﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ ان کے گزشتہ ذکر کردہ عذاب کی طرف اشارہ ہے ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ ﴾ یعنی یہ عذاب تمہارے ان کفریات و گناہوں کا بدلا ہے جو تم نے آگے بھیجے تھے اور ہاتھوں کی طرف نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے ہی ہوتے ہیں تو غلبہ کے طور پر تمام اعمال کو ہاتھوں کی کارکردگی قرار دیا گیا اور اس لیے بھی کہ کسی چیز کے حکم دینے والے کو اس چیز کا فاعل کہا جاتا ہے لہٰذا ہاتھوں کا ذکر تحقیق کے لیے ہے یعنی یہ کام اس کا اپنا ہے کسی غیر کا نہیں کیونکہ اس کے حکم سے ہوا ہے ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴾ اور اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا لہٰذا وہ ان کو بغیر جرم کے سزا نہیں دے گا۔

۱۸۳۔﴿ اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا ﴾ جن لوگوں نے کہا [(سابقہ آیت میں) ''اَلَّذِیْنَ قَالُوْا'' سے بدل ہونے کی بنا پر یہ محلًا

مجرور ہے یا ''اَغْنِیٰ'' ''مضمر کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ''ھُمْ'' ضمیر پوشیدہ کی وجہ سے مرفوع ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا کہ تورات میں ہمیں حکم دیا اور ہمیں تاکید کی ﴿ اَلَّا نُؤْمِنَ ﴾ کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں ﴿ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ ﴾ کسی رسول پر یہاں تک وہ قربان پیش کرے اور آسمان سے آگ اترے اور اسے کھا جائے' سو اگر آپ ایسا معجزہ دکھا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور ان کا یہ دعویٰ باطل اور اللہ تعالیٰ پر افتراء تھا کیونکہ آگ کا قربانی کو کھا جانا آنے والے رسول پر ایمان لانے کا سبب نہیں تھا اس لیے کہ یہ ایک معجزہ ہے' لہٰذا اب یہ اور دوسرے معجزات برابر ہیں (اور آپ نے دیگر بہت سے معجزات دکھائے تھے جو نبوت کی تصدیق کے لیے کافی ہیں خصوصاً قرآن مجید) ﴿ قُلْ قَدْ جَآءَکُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ مجھ سے پہلے کئی رسول قربانی کے علاوہ بہت سے واضح معجزات لے کر آئے تھے ﴿ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ ﴾ اور وہ قربانی بھی لے کر آئے تھے جو تم نے کہی یعنی تمہارے اسلاف نے کی تھی جن کی ملت پر تم ہو اور جن کے اس فعل پر تم راضی ہو ﴿ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ ﴾ تو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا؟ یعنی اگر تمہارے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ ہے تو تم ان پیغمبروں پر ایمان کیوں نہیں لائے جو یہ قربانی لائے تھے اور تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا ﴿ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم صرف اس وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

فَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۴﴾ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

پھر اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا' جو روشن معجزات اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ○ ہر جان دار چیز موت کو چکھنے والی ہے' اور بے شک قیامت کے دن تمہیں تمہارا معاوضہ پورا ملے گا' سو جو شخص دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا' اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ○

۱۸٤- ﴿ فَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ ﴾ پھر اگر آپ کو یہود جھٹلاتے ہیں تو یہ بات آپ کو ہولناک و غمگین نہ کرے کیونکہ اس سے پہلے بھی امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ اسی طرح کیا تھا ﴿ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ وہ کھلم کھلا معجزات لے کر آئے تھے ﴿ وَالزُّبُرِ ﴾ [''زبور'' کی جمع ہے ''زَبْر'' سے مشتق ہے جس کا معنی تحریر ہے اور ابن عامر شامی نے ''بالزُّبُر'' پڑھا ہے (با جارہ زائدہ کے ساتھ)] ﴿ وَالْکِتٰبِ ﴾ اور جنس کتاب مراد ہے ﴿ الْمُنِیْرِ ﴾ روشن کرنے والی۔ بعض نے کہا: وہ دونوں اصل میں ایک ہیں اور ان دونوں کو مختلف اوصاف کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے' پس زبور وہ کتاب ہے جس میں ڈرانے والا حکم ہو اور کتاب منیر وہ کتاب ہے جو صرف رہنمائی کرنے والی ہے۔

۱۸۵- ﴿ کُلُّ نَفْسٍ ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ﴾ ہے اور نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں عموم ہے اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ان کا آپ کو جھٹلانا رنجیدہ نہ کرے کیونکہ سب نے مرنے کے بعد میرے پاس

لوٹ کر آنا ہے انہیں جھٹلانے کی سزا دوں گا اور آپ کو صبر کرنے پر جزائے خیر دوں گا اور یہی مطلب ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کا کہ ﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ یعنی اور بے شک تمہیں قیامت کے دن تمہارے اعمال کا ثواب مکمل اور پورا دیا جائے گا کیونکہ دنیا جزا کا گھر نہیں ہے ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ﴾ سو جو شخص دور کر دیا گیا' یہ" زحزحة" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: دور کر دینا ﴿عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ دوزخ کی آگ سے اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا یعنی وہ خیر کے ساتھ کامیاب ہو گیا اور بعض نے کہا کہ اس کو مطلق کامیابی حاصل ہو گی اور بعض نے کہا کہ پسندیدہ چیز کو حاصل کرنا اور ناپسندیدہ چیز سے دور رہنا کامیابی کہلاتا ہے ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔ دنیا کو اس شخص کے سامان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (جو عمدہ مال اوپر اور ردی مال نیچے رکھ دیتا ہے تاکہ) وہ خریدنے والے کو چکمہ دے کر دھوکے میں ڈال دے تاکہ وہ یہ سامان خریدے' پھر اس کے بعد یہ بات واضح ہو کہ اس کو ردی اور ناکارہ سامان دیا گیا ہے اور شیطان دھوکہ دینے والا ہے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی لیکن جس نے دنیا کے ذریعے آخرت کو حاصل کیا تو اس کے لیے دنیا نجات کا سامان ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دنیا سبز پودوں کی طرح ہے اور پودوں کے ساتھ دل بہلانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿١٨٧﴾

البتہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں میں آزمایا جائے گا' البتہ تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکوں سے بہت سی اذیت ناک باتیں سنو گے' اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے○ اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم ضرور اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے' تو انہوں نے اس کو اپنے پس پشت پھینک دیا اور انہوں نے اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت وصول کر لی' پس وہ بہت بُری چیز خرید رہے ہیں○

١٨٦- ﴿لَتُبْلَوُنَّ﴾ اصل میں " وَاللّٰهِ لَتُبْلَوُنَّ " ہے یعنی اللہ کی قسم! تمہیں ضرور آزمایا جائے گا ﴿فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ﴾ تمہارے اموال میں یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعے اور اس میں آفات وغیرہ پیش آنے کے ذریعے ﴿وَاَنْفُسِكُمْ﴾ قتل' قید' زخم اور مختلف اقسام کے خوف و ڈر اور مصائب و آلام وارد کر کے تمہیں تمہاری جانوں میں آزمایا

جائے گا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ نفس اسی ظاہری نظر آنے والے جسم کو کہا جاتا ہے نہ کہ وہ جو انسان میں باطن معنی ہے (یعنی روح) جیسا کہ بعض متکلمین اور فلاسفروں نے کہا ہے "شرح التاویلات" میں اسی طرح لکھا ہے ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اور تم ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ضرور (تکلیف دہ باتیں) سنو گے یعنی یہود و نصاریٰ سے ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ اور مشرکین سے بہت سی اذیت ناک (باتیں سنو گے) جیسے دین کے متعلق طعن و تشنیع اور ایمان لانے والوں کو ایمان لانے سے روکنا اور ایمان داروں کو گنہگار قرار دینا' اسی طرح کی دوسری باتیں ﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا ﴾ اور اگر تم ان تکلیفوں پر صبر کرو گے ﴿ وَتَتَّقُوْا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچتے رہو گے ﴿ فَاِنَّ ذٰلِكَ ﴾ تو بے شک یہ صبر اور تقویٰ ﴿ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہیں یعنی ان امور میں سے ہیں جن پر پختہ ارادہ کر کے قائم رہنا واجب ہے مسلمانوں کو اس کے ساتھ اس لیے مخاطب کیا گیا ہے تاکہ وہ آنے والے شدائد و تکالیف پر اپنے آپ کو عادی بنالیں اور آنے والی تکلیفوں پر صبر کریں اور تیار رہیں تاکہ اچانک شدت وسختی کے پہنچنے پر نہ گھبرائیں اور نہ اسے انوکھی تکلیفیں سمجھیں اور نہ وہ پریشان ہوں۔

١٨٧- ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ اور وہ وقت یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے پختہ عہد لیا کہ ﴿ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرو گے اور تم اس کو لوگوں سے نہیں چھپاؤ گے اور ان سے مخاطب ہونے کی حکایت پر اس کو "تا" کے ساتھ پڑھا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ" (بنی اسرائیل:٤) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی کہ تم زمین میں ضرور فساد کرو گے" [اور قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری اور ابو بکر نے "یا" کے ساتھ (لَيُبَيِّنُنَّهٗ وَلَا يَكْتُمُوْنَهٗ) پڑھا ہے کیونکہ وہ غائب ہے اور ان فعلوں میں "ہٗ" ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے] اور اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ ان پر کتاب کو بیان کرنا اور اس کو چھپانے سے پرہیز کرنا واجب قرار دیا ہے ﴿ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ پس انہوں نے اس میثاق کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کی ان پر جو تاکید کی گئی تھی اس کی رعایت نہیں کی اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ دی اور پسِ پشت پھینکنے کا مطلب ہے: اس کو چھوڑ دینا' اس پر عمل نہ کرنا اور اس کو کوئی اہمیت نہ دینا اور یہ آیت مبارکہ دلیل ہے کہ علمائے دین پر واجب ولازم ہے کہ اپنے علم کے مطابق وہ لوگوں کے سامنے حق کو بیان کریں اور اس کی کوئی چیز کسی فاسد غرض کے تحت نہ چھپائیں جیسے ظالموں کی اذیت سے بچنے کے لیے یا کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیے یا ان کے دلوں کو خوش رکھنے کے لیے ان کے مظالم پر نرمی اختیار کرنا یا علم میں بخل سے کام لینا اور حدیث شریف میں ہے کہ "مَنْ كَتَمَ عِلْمًا عَنْ اَهْلِهٖ اَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ. یعنی جو شخص کسی مستحق سے اپنا علم چھپائے گا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کے منہ میں جہنم کی آگ کی لگام ڈال دے گا" ﴿ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ اور انہوں نے اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت خرید لی یعنی اس کے عوض دنیا کا تھوڑا سا سامان وصول کر لیا ﴿ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴾ سو بہت برا ہے جو وہ خرید رہے ہیں۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٨٩﴾ ع ١٩/١٠

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾

ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے' سو ان کو عذابِ الٰہی سے نجات پانے والا ہرگز خیال نہ کرنا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہےO اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور زمین' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہےO بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیںO

١٨٨- ﴿لَا تَحْسَبَنَّ﴾ اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے اور اس کے دو مفعولوں میں سے ایک ﴿الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ﴾ ہے اور دوسرا مفعول ''بِمَفَازَةٍ'' ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ'' تاکید کے لیے ہے' تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''لَا تَحْسَبَنَّهُمْ فَائِزِيْنَ. یعنی اے محبوب! آپ ان کو کامیاب گمان نہ کرنا'' ﴿بِمَآ اَتَوْا﴾ [''بِمَا فَعَلُوْا'' جو کچھ انہوں نے کیا' اور یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے اور ''جَآءَ'' اور ''اَتٰی'' دونوں فعل کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں] (جیسے) ''اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا. (مریم:٦١) بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہے'' ''لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا'' (مریم:٢٧) بے شک تم نے برا کام کیا ہے'' [اور نخعی نے ''بِمَا اُوْتُوْا'' پڑھا ہے] یعنی جو کچھ انہوں نے عطا کیا ﴿وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ﴾ اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ان کاموں پر جو انہوں نے نہیں کیے تو آپ ان کو عذاب سے نجات پانے والا خیال نہ کرنا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے تورات کا کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے حق کو چھپایا اور آپ کو اس کے خلاف بتایا اور آپ کے سامنے ظاہر یہ کیا کہ انہوں نے آپ سے سچ کہا ہے اور انہوں نے چاہا کہ آپ اس پر ان کی تعریف کریں اور انہوں نے جو کچھ مکر و فریب کیا تھا اس پر خوش ہوئے' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو اس پر مطلع فرما دیا اور ان پر وعید نازل کر کے آپ کو تسلی دی یعنی اے محبوب! جو یہود آپ سے مکر و فریب کر کے خوش ہو رہے ہیں اور آپ کے دریافت کرنے پر وہ آپ کو سچی خبر نہ بتا کر چاہتے یہ ہیں کہ آپ ان کی تعریف کریں' ایسے یہودیوں کو عذابِ الٰہی سے نجات پانے والا خیال نہ فرمانا اور ایک قول کے مطابق اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں کے سامنے ایمان کا اظہار کر کے بڑے خوش ہوتے اور اس کے ذریعے اپنی اغراض حاصل کرتے اور چاہتے تھے کہ ان کے پاس ظاہری ایمان پر تعریف کی جائے جس کو انہوں نے حقیقت میں قبول نہیں کیا تھا اور اس آیت کریمہ میں ہر اس شخص کے لیے وعید ہے جو کوئی نیکی کر کے اس پر خود پسند لوگوں کی طرح خوش ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ ایسے کاموں پر اس کی تعریف کریں جو اس میں نہیں ہیں۔

١٨٩- ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور تمام آسمانوں اور زمین میں صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے اور وہی ان دونوں کے معاملے کا مالک ہے اور اس میں ان لوگوں کی تکذیب ہے جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

تخلیق میں دانشوروں کے لیے سبق' اہلِ ایمان کی دعا اور اس کی قبولیت کا تذکرہ

١٩٠- ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی

پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں البتہ قدرت الٰہی کی ایسی واضح نشانیاں اور روشن ترین دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے صانع، قدیم، علیم، حکیم اور قادر ہونے پر دلالت کرتی ہیں ﴿لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ عقل والوں کے لیے جن کی عقل خواہش سے پاک صاف ہو جیسے چھلکا اتارنے سے بادام کی گری خالص ہو جاتی ہے' چنانچہ عقل مند آدمی دیکھتا ہے کہ جواہر میں پیدا ہونے والا عرض جواہر کے حدوث پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جوہر عرض حادث سے خالی نہیں ہوتا اور جو عرضِ حادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہوتا ہے' پھر اس کا حدوث مُحدِث (خالق) پر دلالت کرتا ہے اور وہ قدیم ہے ورنہ دوسرے محدث کی ضرورت ہو گی اس طرح غیر متناہی سلسلہ چلا جائے گا جو کہ محال ہے[1] اور اللہ تعالیٰ کی صنعت کا حسن اس کے علم پر دلالت کرتا ہے اور اس کی مضبوطی حکمتِ الٰہی پر دلالت کرتی ہے اور اس کی بقا قدرتِ الٰہی پر دلالت کرتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''وَيْلٌ لِّمَنْ قَرَاَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيْهَا. یعنی اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس نے اس آیت کریمہ کو پڑھا اور اس میں غور و فکر نہیں کیا''۔

حکایت: ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو تیس سال تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا' ایک دن بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور اس پر سایہ فگن ہو گیا' وہ نوجوان شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر اس بادل کی عبادت کرنے لگا جس کی نحوست سے بادل سایہ فگن نہ ہوا بلکہ اس شخص سے کہا کہ تجھ سے بھول ہو گئی شاید تو نے اس عرصہ میں کوئی کوتاہی کی ہے' اس شخص نے کہا: مجھے تو یاد نہیں' بادل نے کہا کہ شاید تو نے آسمان کی طرف دیکھا ہے لیکن غور و فکر کر کے عبرت حاصل نہیں کی' اس نوجوان نے کہا: شاید یہی وجہ ہے' بادل نے کہا کہ تمہیں اسی وجہ سے سزا دی گئی ہے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ۚ

جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں پر اور زمین میں غور و فکر کرتے رہتے

[1] ہر وہ چیز جو قائم بالذات ہو یعنی اپنے وجود کے قیام میں کسی دوسری چیز (مخلوق) کی محتاج نہ ہو جوہر کہلاتی ہے جیسے درخت اور اس کے پتے' انسان' قلم' کرسی اور میز وغیرہ اور عرض ہر وہ چیز جو اپنے وجود کے قیام میں کسی دوسری چیز کی محتاج ہو جیسے پتے کا سبز رنگ ہونا' انسان کا گورا' سفید اور گندمی رنگ ہونا اور قلم' کرسی اور میز وغیرہ کے مختلف رنگ عرض کہلاتے ہیں اور ہر وہ چیز جس کی ابتدا اور انتہا ہو حادث کہلاتی یعنی ہر فانی چیز حادث ہے جب کہ اس کے مقابلے میں قدیم وہ ذات ہوتی ہے جس کی نہ ابتداء ہو اور نہ انتہاء ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے جو ازلی اور ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے ہے۔

ہیں' (اور کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے اس کو بے کار نہیں بنایا' تو پاک ہے' پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے○ اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو دوزخ کی آگ میں داخل کر دے تو اس کو تو نے ضرور رسوا کر دیا' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے○ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے سنا کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ' سو ہم ایمان لے آئے' اے ہمارے رب! پس تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری بُرائیاں مٹا دے اور تو ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ کر دے○

۱۹۱- ﴿الَّذِيْنَ﴾ [یہ ''اُولِی'' کی صفت واقع ہونے کی بنا پر محلًا مجرور ہے یا ''اَعْنِیْ'' مضمر کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر ''هُمْ'' ضمیر پوشیدہ کی وجہ سے مرفوع ہے ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں ﴿قِيٰمًا﴾ قدرت کے وقت وہ کھڑے ہو کر (نماز ادا کرتے ہیں) ﴿وَّقُعُوْدًا﴾ بیٹھ کر پڑھتے ہیں ﴿وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ﴾ اور یعنی عجز کے وقت لیٹ کر نماز وغیرہ ادا کرتے ہیں [اور قیام اور قعود دونوں ''يَذْكُرُوْنَ'' سے حال واقع ہو رہے ہیں اور ''وَعَلٰی جُنُوْبِهِمْ'' بھی حال ہے] اور مقصد یہ ہے کہ عقل والے ہر حال میں کھڑے' بیٹھے' لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں کیونکہ انسان ان تین احوال سے خالی نہیں ہوتا اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّرْتَعَ فِیْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ. یعنی جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ جنت کے باغوں میں چرے (کھائے) تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرے'' ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ لوگ ان دلائل میں غور و فکر کرتے ہیں جو ان بڑے بڑے اجسام کی ایجاد پر اور ان کی بے مثل اور انوکھی صفت و مضبوطی پر دلالت کرتے ہیں اور ان میں غور و فکر اور تدبر کرنے والوں کی عقول و افہام ان کے بعض عجائبات کے ادراک کی وجہ سے صانع (یعنی خالق) کی عظمتِ شان اور اس کی سلطنت کی کبریائی سے عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے بستر پر سیدھا لیٹا ہوا تھا' جب اس نے اپنا سر اٹھا کر ستاروں اور آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارا مالک و خالق ہے' اے اللہ تعالیٰ! تو مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر کرم فرمائی اور اسے بخش دیا اور حضور سیّد عالم رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لَا عِبَادَةَ كَالتَّفَكُّرِ. یعنی غور و فکر جیسی کوئی عبادت نہیں'' (کیونکہ عبادت سے بندہ جنت تک پہنچتا ہے اور تفکر سے خالقِ جنت تک پہنچتا ہے) اور بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ غور و فکر غفلت کو دور کرتا ہے اور دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے اور دلوں سے غموں کو زائل کرتا ہے اور دلوں کو غور و فکر سے روشنی حاصل ہوتی ہے ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ یعنی وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے یہ مخلوق بے کار نہیں بنائی' یہ جملہ حال کی جگہ میں واقع ہے یعنی وہ غور و فکر کرتے ہیں دراں حالیکہ کہتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے اس کو کسی حکمت و مصلحت کے بغیر بے کار مخلوق نہیں بنایا بلکہ تو نے ان کو بہت بڑی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تو نے مکلفین کے لیے اسے مساکن بنا دیا ہے اور ان کے لیے اپنی معرفت کی دلیلیں بنا دیا ہے اور ''هٰذَا'' سے خلق کی طرف اشارہ ہے اس بنا پر کہ اس سے مراد مخلوق ہے یا پھر آسمانوں اور زمین کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ مخلوق کے معنی میں ہیں گویا کہا گیا کہ تو نے اس عجیب مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تو پاک ہے یعنی تو بے کار مخلوق بنانے کے وصف سے پاک ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ سو تو ہمیں دوزخ کی آگ کے عذاب سے بچالے [یہاں ''فا'' جزاء کے معنی کے اعتبار سے داخل کیا گیا] تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اِذَا نَزَّهْنَاكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. یعنی جب ہم نے تیری پاکی بیان کی ہے تو تو ہمیں دوزخ کی آگ کے عذاب سے بچالے۔

۱۹۲۔﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ﴾ اے ہمارے پروردگار! جسے تو جہنم کی آگ میں داخل کر دے تو اسے تو نے ذلیل کر دیا یا اس کو تو نے ہلاک کر دیا یا اس کو تو نے رسوا کر دیا اور اہلِ وعید (یعنی معتزلہ) نے اس آیت کریمہ اور ارشاد باری تعالیٰ ''یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ'' (التحریم:۸) ''اس دن اللہ تعالیٰ نبی پاک اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا'' کے ذریعے یہ استدلال کیا ہے کہ جہنم میں مومنین کو داخل نہیں کیا جائے گا اور جو جہنم میں داخل کیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا' ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کا جہنم میں جانا ذلت نہیں بلکہ اس کو ادب سکھانا ہے (اور اس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کرنا ہے) اور بے شک اس سے بڑھ کر ضرور ذلت ہے (یعنی اگر دوزخ میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہو تو ذلت ہے) ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ ﴾ لام سے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو دوزخ میں داخل کیے جائیں گے' اس سے کفار مراد ہیں ﴿ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوں گے جو ان کی سفارش کر سکیں گے جیسا کہ مسلمانوں کے لیے بہت سے سفارشی ہوں گے۔

۱۹۳۔﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا ﴾ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے منادی کو سنا جیسے تو کہے: ''سَمِعْتُ رَجُلًا یَقُوْلُ کَذَا. یعنی میں نے فلاں آدمی کو اس طرح کہتے ہوئے سنا ہے'' سو یہاں ''رجل'' کی جگہ فعل کو رکھا گیا ہے اور مسموع کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ تم نے اس جگہ ایسے اسم (رجل) کو موصوف بنایا جو خود سنتا ہے اور اس نے مسموع کے ذکر سے بے نیاز کر دیا ہے اور اگر وصف نہ ہوتا تو مسموع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا اور یہ کہنا درست ہے کہ ''سَمِعْتُ کَلَامَ فُلَانٍ. میں نے فلاں آدمی کا کلام سنا'' اور یہاں منادی سے مراد رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا قرآن مجید مراد ہے ﴿ يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی خاطر وہ دعوت دے رہا ہے اور اس میں منادی (پکارنے والے) کی شان کی عظمت کا اظہار ہے کیونکہ جو منادی ایمان کے لیے ندا دے رہا ہے اس سے بڑا کوئی منادی نہیں ﴿ اَنْ اٰمِنُوْا ﴾ اصل میں ''بِاَنْ اٰمِنُوْا'' ہے یا صرف ''اٰمِنُوْا'' ہے یعنی تم ایمان لے آؤ ﴿ بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ﴾ اپنے پروردگار پر' سو ہم ایمان لے آئے' حضرت الشیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں استثناء کرنا (کہ میں مومن ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا) باطل و ناجائز ہے (بلکہ یوں کہا جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یقیناً مؤمن ہوں) ﴿ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے تمام بڑے گناہ بخش دے ﴿ وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا ﴾ اور ہمارے تمام چھوٹے گناہ مٹا دے ﴿ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴾ اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ فرما یعنی ہمیں ان کی صحبت کے ساتھ مخصوص کر دے اور ان کی جماعت میں شامل فرما اور ''اَبْرَار'' سنت نبوی پر عمل کرنے والوں کو کہتے ہیں' یہ ''بَرٌّ'' کی جمع ہے یا پھر ''بَارٌّ'' کی جمع ہے جیسے ''رَبٌّ'' کی جمع ''اَرْبَاب'' اور ''صَاحِبٌ'' کی جمع ''اَصْحَاب'' ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمالیا ہے اور تو ہمیں قیامت کے دن رسوانہ کرنا' بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتاO تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے مرد یا عورت کی محنت ضائع نہیں کروں گا' تم ایک دوسرے سے ہو' سو جنہوں نے ہجرت کی اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور میری راہ میں انہیں اذیتیں دی گئیں اور انہوں نے جہاد کیا اور شہید کردیئے گئے میں ضرور ان کے گناہ مٹادوں گا اور میں ضرور ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' یہ ثواب اللہ کی طرف سے ہے' اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہےO

۱۹٤- ﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ ﴾ اے ہمارے رب! تو ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے پر ہم سے وعدہ فرمایا ہے یا جو تو نے اپنے رسولوں پر نازل کرنے کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے یا جو وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمایا ہے اور ''عَلٰی'' ''وَعَدْتَّنَا'' کے ساتھ متعلق ہے اور جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ثواب عطا فرمانے یا دشمنانِ دین پر مدد کرنے کا وعدہ مراد ہے اور باقی رہی یہ بات کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ پورا کرنے کا مطالبہ کیوں کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی توفیق طلب کی ہے جس کے سبب وعدہ پورا کرنے کے اسباب کی حفاظت کی جاسکے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمالے جن کے لیے یہ وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ وعدہ کن لوگوں کے لیے ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں اس راہ پر قائم وثابت رکھ جو ہمیں تیرے وعدے تک پہنچادے (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ سے اس کی تائید ہوتی ہے ﴿ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ اور تو قیامت کے دن ہمیں رسوانہ کرنا یا یہ عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے ﴿ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴾ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا اور یہ مصدر (میمی) ہے اور وعدہ کے معنی میں ہے۔

۱۹٥- ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ﴾ یعنی ''اِسْتَجَابَ'' ''اَجَابَ'' کے معنی میں ہے یعنی ان کے رب تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی ﴿ اَنِّیْ ﴾ دراصل ''بِاَنِّیْ'' ہے یعنی بے شک میں ﴿ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ ﴾ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا ''مِنْكُمْ'' عامل کی صفت ہے ﴿ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ﴾ مرد ہو یا خواہ عورت' یہ عامل کا بیان ہے ﴿ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ﴾ مرد عورت سے اور عورت مرد سے ہے' تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو یا تم مدد کرنے میں اور دین میں ایک دوسرے سے ہو اور یہ جملہ معترضہ ہے جس کے ذریعے عورتوں کی مردوں کے ساتھ وعدہ الٰہی میں شرکت بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عمل کرنے والے بندوں سے فرمایا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو کسی مشکل امر نے رنجیدہ اور غمگین کردیا ہو وہ پانچ مرتبہ ''رَبَّنَا'' کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوف و غم سے نجات دے گا اور وہ جو چاہتا ہے اسے عطا فرمائے گا اور آپ نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں ﴿ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا ﴾ سو جن لوگوں نے ہجرت کی' اور یہ جملہ مبتدا ہے اور یہ ان میں سے عمل کرنے والوں کے اعمال کی تعظیم کے طور پر

تفصیل ہے گویا ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ حسین ترین اور اعلیٰ ترین اعمال سرانجام دیئے ہیں اور وہ اپنے وطن سے ہجرت کرنا اور اپنے دین کی خاطر (کافروں کو چھوڑ کر) اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنا یہاں تک کہ (سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر) صرف اسی کی ذات پر ایمان رکھنا' لہٰذا جس طرح ابتدائے اسلام میں ہجرت کرنا جائز تھی اسی طرح قیامت تک بہ وقت ضرورت ہجرت کرنا جائز ہے ﴿ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ ﴾ اور انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا جن میں وہ پیدا ہوئے اور نشوونما پائی اور بڑھ کر جوان ہوئے تھے ﴿ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ ﴾ اور انہیں میری راہ میں یعنی دین اسلام کی خاطر گالی گلوچ اور مار پٹائی اور لوٹ کھسوٹ کے ذریعے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں ﴿ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا ﴾ اور انہوں نے مشرکین سے جہاد کیا اور شہید کیے گئے [اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے ''قُتِّلُوْا'' (یا مشدد کے ساتھ) پڑھا ہے اور حمزہ اور علی کسائی نے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر کے ''وَقُتِلُوْا وَقَاتَلُوْا'' پڑھا ہے اور یہ قراءت اس بات کی دلیل ہے کہ واؤ ترتیب کو واجب نہیں کرتی اور اس کی خبر] ﴿ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ہے اور یہ محذوف قسم کا جواب ہے (ترجمہ) البتہ میں ان کے گناہ مٹا دوں گا اور انہیں میں ضرور باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿ ثَوَابًا ﴾ مصدر مؤکد کی جگہ واقع ہے یعنی ''اِثَابَةً'' یا ''تَثْوِیْبًا'' ہے اور یہ ثواب ﴿ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ'' کا معنی ''لَاُثِیْبَنَّهُمْ'' ہے یعنی میں ان کو ثواب عطا کروں گا ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ اور بہترین ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اسی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی بہترین اجر و ثواب دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

کافروں کا شہروں میں (خوشحالی سے) گھومنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے ○ (یہ خوشحال زندگی) تھوڑے عرصے تک کا سامان ہے' پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ○ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ان میں ہمیشہ رہیں گے' یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے' اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے ○

کافروں کی خوشحال زندگی کا انجام اور اہل تقویٰ کا انعام

شانِ نزول: مسلمانوں کی ایک جماعت نے کفار کی عیش و عشرت سے بھرپور خوشحال زندگی دیکھ کر کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی زندگیاں خوشحال دیکھ رہے ہیں جب کہ ہم مسلمان بھوک و تنگ دستی سے مر رہے ہیں تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

١٩٦- ﴿ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴾ کافروں کا خوش حال ہو کر شہروں میں گھومنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور یہ خطاب ہر شخص کے لیے ہے یا حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ہے مگر اس سے مراد آپ کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں یا اس لیے کہ آپ اپنی قوم کے سردار اور پیشوا ہیں اور کبھی ایک سردار کو خطاب کیا جاتا ہے مگر اس سے

اس کی پوری قوم مراد ہوتی ہے' پس گویا کہا گیا کہ تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے یا اس لیے کہ بے شک کبھی رسول اللہ ﷺ نے ان کی خوشحال زندگی سے دھوکہ نہیں کھایا' سو آپ جس حال میں تھے اسی پر رہنے کی آپ کو تاکید کی گئی ہے اور اس حال کے التزام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ O'' (القصص:٨٦) سو تم کافروں کے کبھی مددگار نہ بنناO ''وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O'' (الانعام:١٤) اور تم کبھی شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جاناO اور یہ نہی (یعنی کسی کام سے روکنے کی) مثالیں ہیں اور امر (یعنی کسی کام کرنے کی) مثالیں یہ (درج ذیل) ہیں: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ O'' (الفاتحہ:٥) اے اللہ تو ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھO ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا'' (النساء:١٣٦) اے ایمان والو! تم اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو۔

١٩٧- ﴿ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ. یعنی ان کا شہروں میں چلنا پھرنا تھوڑا سا سامان ہے''] اور اس سے مراد عنقریب ان کا قتل ہو جانا ہے جس کی وجہ سے وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں گے یا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے جو ثواب تیار کر رکھا ہے اس کے مقابلے میں یہ سامان قلیل ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کا مال بذات خود قلیل و تھوڑا ہے کیونکہ یہ جلد ختم ہو جانے والا ہے اور ہر وہ چیز جو جلد ختم ہونے والی ہے (اور دائمی نہ ہو وہ کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو) قلیل اور تھوڑی ہوتی ہے ﴿ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے یعنی انہوں نے اپنے لیے جو بچھونے بچھائے ہیں وہ بہت برے بچھونے ہیں۔

١٩٨- ﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ ﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے یعنی شرک سے بچتے رہے ﴿ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا ﴾ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہ مہمانی ہے اور ''نُزُل'' اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور یہ ''جنات'' سے حال واقع ہو رہا ہے کیونکہ یہ صفت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا عامل ''لَهُمْ'' میں لام ہے یا یہ مصدر مؤکد ہے گویا کہا گیا: ''رِزْقًا اَوْ عَطَاءً'' ﴿ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' یہ ''نُزُل'' کی صفت ہے ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کثرت سے دائمی نعمتیں ﴿ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴾ وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہیں یعنی ان فانی اور قلیل نعمتوں سے بہتر ہیں جن میں فجّار و نافرمان لوگ مشغول ہیں اور ''لٰكِنَّ'' تشدید کے ساتھ زائد ہے اور وہ استدراک کے لیے ہے یعنی ان کی استفادہ کی چیزوں میں بقا و دوام ہے لیکن یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور درج ذیل آیت حضرت عبد اللہ ابن سلام اور دیگر اہل کتاب مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی تھی یا یہ نجران کے چالیس' حبشہ کے بتیس اور روم کے آٹھ باشندوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر کاربند تھے' پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾ ع

ع ٢٠ / ١١

اور بے شک کچھ اہل کتاب ضرور اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا درآں حالیکہ وہ اللہ کے لیے سرنگوں رہتے ہیں' وہ اللہ کی آیات کے عوض میں حقیر قیمت وصول نہیں کرتے' یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہے' بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے O اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے بڑھ جاؤ اور جہاد کے لیے سرحدوں پر تیار رہو' تا کہ تم کامیابی حاصل کرلو O

۱۹۹- ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ اور بے شک کچھ اہل کتاب ضرور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں [''اِنَّ'' کے اسم پر ابتدا کا لام اس کے اسم اور ظرف کے درمیان فاصلہ کے لیے ہے] ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ﴾ اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ ﴾ اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا یعنی دونوں کتابوں (تورات وانجیل) میں سے ﴿ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ﴾ دراں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرنگوں رہتے ہیں' یہ ''يُؤْمِنُ'' سے حال ہے کیونکہ ''مَنْ يُّؤْمِنُ'' جمع کے معنی میں ہے ﴿ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت نہیں خریدتے جیسا کہ ان کے بڑے اور ان کے علماء کرتے تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے' یہ حال کے بعد دوسرا حال ہے ''اَیْ غَيْرَ مُشْتَرِيْنَ. یعنی دراں حالیکہ وہ خریدنے والے نہیں تھے'' ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہے یعنی وہ اجر وثواب جو ان کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں وعدہ فرمایا ہے یعنی ''اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ. (القصص:۵۴) یہی وہ لوگ ہیں جن کو دگنا اجر وثواب عنایت کیا جائے گا'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے کیونکہ اس کا علم ہر چیز میں جاری وساری ہے۔

۲۰۰- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے دین اور اس کی تکالیف پر صبر کرو۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ناپسندیدہ کام پر بغیر کسی جزع فزع کے نفس کو روکنا صبر ہے ﴿ وَصَابِرُوْا ﴾ اور جہاد میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلے میں صبر کرو یعنی جنگ کی مشکلات میں صبر کرنے میں ان پر تم غالب آجاؤ اور ان سے صبر کرنے میں اور ثابت قدم رہنے میں کم نہ ہو جانا ﴿ وَرَابِطُوْا ﴾ اور تم اپنی سرحدوں پر اس انداز سے قائم وہوشیار ہو کہ ان پر تم اپنے گھوڑوں (اور دیگر جنگی سواریوں) کی پوزیشن مضبوط کرو اور خوب نگرانی کرتے ہوئے جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہو ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ تم کامیابی حاصل کرلو۔ فلاح کا مطلب ہے: ناپسندیدہ چیز سے نجات پانے کے بعد مطلوب کو حاصل کرلینا اور ''لَعَلَّ'' انجام کار کے غائب ہونے کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے تا کہ انسان اعمال سے پہلے انجام پر تکیہ نہ کرلے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ تم میری محبت میں ترک شکایت کے ساتھ صبر کرو اور میری نعمت کے حصول میں قبول قضا کے ساتھ صبر کا مظاہرہ کرو اور میری خدمت میں خالص رضا کی خاطر اپنے نفسوں کو مضبوط وتیار رکھو تا کہ تم میرے قرب کے حصول میں کامیاب وکامران ہو جاؤ۔ حضور نبی اکرم رسول محترم ﷺ نے فرمایا کہ تم دو چمکدار سورتوں بقرہ اور آل عمران کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن گویا بادل یا سائبان یا پرندوں کے جھنڈ (کی شکل میں) قطار در قطار آئیں گی اور اصحاب (یعنی تلاوت کرنے والوں) کی طرف سے (مغفرت کرانے کے لیے رب تعالیٰ سے) جھگڑا کریں گی[1] (یعنی شفاعت کریں

[1] اس کو امام مسلم نے ''کتاب المسافرین'' میں روایت کیا ہے۔ رقم الحدیث: ۲۵۲

گی) اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ بہتر اور خوب جانتا ہے اور سب نے گھوم پھر کر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(ترتیبہا ۹۲) سورۃ النساء (رکوعاتہا ۲۴) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ (آیاتہا ۱۷۶)

سورۃ النساء مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سو چھہتر آیات' چوبیس رکوع ہیں

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ① وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ②

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلایا' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں (کے تعلقات توڑنے) سے ڈرو' بے شک اللہ تم پر نگران ہے ○ اور تم یتیموں کو ان کا مال دے دو اور ردی مال کو عمدہ مال سے نہ بدلو' اور تم ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ' بے شک یہ بڑا گناہ ہے ○

تخلیق انسان کا اصل اور یتیموں کے بارے میں احکام

۱- ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے آدم کی اولاد ﴿اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ تم اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے یعنی تم سب ایک ہی جڑ کی شاخیں ہو اور وہ تمہاری اصل اور جڑ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے ﴿وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس ایک جان سے اس کی زوجہ کو پیدا فرمایا' اس جملہ کا محذوف جملہ پر عطف کیا گیا گویا کہا گیا کہ "مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اَنْشَاَهَا وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا. یعنی اسے ایک جان سے پیدا کیا' اس کی خوب پرورش فرمائی اور اس میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا" اور مطلب یہ ہے کہ تم سب خاندان' قبائل اور جماعتیں صرف ایک ہستی' ایک شخصیت سے پیدا ہوئے ہو اور یہی اس کی شان ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور اس کی بیوی حوا کو اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا فرمایا ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا﴾ اور ان دونوں حضرت آدم وحضرت حوا سے (بہت سے مردوں اور عورتوں کو) پھیلا دیا ﴿رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ بہت سے مردوں اور بہت سی عورتوں کو یعنی ان دونوں سے جنسِ انسان کی دونوعیں پھیلا دیں اور وہ دونوعیں (نر اور مادہ) مردوں کی اور عورتوں کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے ایک صفت بیان کی' پھر اس سے بنی نوع انسان کی تخلیق کی کیفیت کی تفصیل بیان فرمائی یا وہ (یعنی وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا) "خَلَقَكُمْ" پر معطوف ہے اور "یَا اَیُّهَا النَّاسُ" میں خطاب ان لوگوں کو ہے جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا تھا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کی ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے تمہاری ماں حضرت حوا کو پیدا کیا اور ان دونوں سے تمہارے علاوہ بھی گزشتہ امتوں میں سے بہت سے مردوں اور بہت سی

عورتوں کو پیدا کیا (اس صورت میں خطاب) حصر کے لیے ہوگا' پھر اگر تم یہ کہو کہ کلام الٰہی کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ تقویٰ کے حکم دینے کے بعد ایسا کلام لایا جاتا جو تقویٰ کی طرف راغب کرنے کا باعث بنتا تو اللہ تعالیٰ کا نسلِ انسانی کو ایک جان سے تخلیق کرنا اس تفصیل کے ساتھ جس کا اس نے ذکر فرمایا ہے تقویٰ کی طرف راغب کرنے کا داعی اور سبب کیسے بن سکتا ہے؟
اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ یہ تخلیق انسانی ان دلائل میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں اور جو ذات اس قسم کی تخلیق پر قادر ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے مقدورات و اختیارات میں کفار کو ان کے کفر پر اور فساق و فجار کو ان کے فسق و فجور پر سزا دینا بھی شامل ہے' لہٰذا اس میں غور وفکر کرنے سے انسان اس بات تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایسی ذاتِ اقدس کی گرفت سے ڈرے جو اس پر پوری قدرت رکھتی ہے (اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) اور اس کی سزا سے ڈرتا رہے کیونکہ تخلیق انسانی کا کارنامہ ان پر بھرپور نعمت کو ظاہر کرتا ہے' سو ان کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی ناشکری کرنے میں اس سے ڈرتے رہیں' اس آیت مبارکہ کے نزول کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: چونکہ عورت کی تخلیق مرد سے ہوئی ہے اس لیے اس کا مقصود صرف مرد ہوتا ہے اور مرد کی تخلیق چونکہ مٹی سے ہوئی ہے اس لیے اس کا مطمحِ نظر زمین ہوتی ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے وسیلے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو [اور اصل میں ''تَتَسَاءَلُوْنَ'' تھا پھر ''تا'' کو سین سے تبدیل کر کے سین میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ تا صفتِ ہمس میں سین کے قریب ہے' اہل کوفہ نے اجتماعِ تائین کے سبب ثقل آ جانے کی وجہ سے دوسری ''تا'' کو حذف کر کے ''تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ'' پڑھا ہے] یعنی تم میں سے بعض اپنے دوسرے بعض سے اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کے نام پر سوال کرتے ہیں' چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کے نام پر برائے کرم اس طرح کر لو ﴿وَالْاَرْحَامَ﴾ اللہ تعالیٰ کے اسم پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی قرابت داری کے تعلقات توڑنے سے بچو یا یہ جار مجرور کی جگہ پر واقع ہے (یعنی اصل میں ''بِالْاَرْحَامِ'' ہے) جیسے تیرا یہ قول ہے: ''مَرَرْتُ بِزَیْدٍ وَعَمْرًا'' یا مجرور ہے اور اس کا ''بِهٖ'' کی ضمیر پر عطف ہے' یہ قاری حمزہ کی قراءت کے اور ظاہر کے مطابق ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ متصل ضمیر اپنے متصل اسم کی طرف ہوتی ہے اور جار مجرور ایک شے کی طرح ہوتے ہیں' لہٰذا یہ کلمہ کے بعض حصے پر عطف کے مشابہ ہو جائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر محافظ ہے یا تمہارے احوال کا عالم ہے۔

۲۔﴿وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ﴾ اور تم یتیموں کو ان کا مال انہیں واپس کر دو یعنی جن کے باپ مر گئے ہیں اور وہ ان کی کفالت سے محروم ہو کر تنہا رہ گئے ہیں اور یتیم کا معنی ہے: اکیلا' الگ' تنہا اور یکتا اور اسی سے بے مثال و یکتا موتی کو ''دُرَّةٌ یَتِیْمَةٌ'' یعنی بے مثال اور یکتا موتی'' کہا جاتا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ انسانوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ مر جائے اور حیوانات میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کی ماں مر جائے اور اس اسم کا حق تو یہ ہے کہ چھوٹے بڑے سب یتیموں پر بولا جائے کیونکہ باپ کے بچھڑنے کی تنہائی سب کے لیے باقی رہتی ہے مگر اب یہ اسم یتیموں کے بالغ ہونے اور مردوں کی عمر کو پہنچنے تک بولا جاتا ہے اور جب یتیم بچے بالغ ہونے پر اپنے کفیل اور نگران سے بے نیاز ہو جاتے (اور کاروبارِ زندگی چلانے کے قابل ہو جاتے) ہیں تو یتیم کا نام ان سے ختم ہو جاتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے: ''لَا یُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ[1] بالغ ہو جانے کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا'' یعنی شریعت کی تعلیم کے مطابق لغت کے اعتبار سے نہیں یعنی جب کوئی بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو اس پر بچپن کے احکام جاری نہیں ہوتے اور آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ تم یتیم بچوں کو بالغ ہو جانے کے بعد ان کا تمام مال انہیں واپس

1 اس کو امام ابوداؤد نے ''کتاب الوصایا'' باب: ۹ میں روایت کیا ہے۔

دے دو اور آیت مبارکہ میں ان کو بچپن سے بالغ ہو جانے کے بعد یتیم اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کی یتیمی کا زمانہ قریب گزرا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یتیموں کے بالغ ہونے کے بعد ان کا مال ان کو واپس کرنے میں تاخیر نہ کی جائے بشرطیکہ تم ان میں کاروبار زندگی چلانے کی صلاحیت اور فہم وفراست معلوم کر لو اور (دوسرا اشارہ) یہ ہے کہ انہیں ان کا مال یتیمی اور بچپن کا نام زائل ہونے سے پہلے دے دیا جائے ﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ﴾ اور تم خراب مال کو اچھے مال کے بدلے میں تبدیل نہ کرو یعنی تم حرام مال کو تبدیل نہ کرو اور وہ یتیموں کا مال ہے حلال کے بدلے میں اور وہ تمہارا اپنا مال ہے یا یہ کہ تم ناجائز روپے کو نہ اپناؤ اور وہ ہے یتیموں کے مال کی پرواہ نہ کرنا' ضائع ہونے دینا' خود استعمال کر لینا' اچھے اور جائز روپے کے بدلے میں اور وہ ہے یتیموں کے مال کی حفاظت کرنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا اور خود اس کے استعمال سے پرہیز کرنا اور ''تفعل'' کو ''استفعال'' کے معنی میں استعمال کرنا ناپسندیدہ عمل ہے اور اسی سے ''تعجل'' بہ معنی ''استعجال'' استعمال ہوتا ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ﴾ اور ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ [یہاں ''اِلٰی'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور وہ حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی ''مُضَافَةً اِلٰی اَمْوَالِكُمْ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ تم خرچ کرنے میں یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ نہ ملاؤ تاکہ تمہیں ان کا مال اپنے مال سے الگ کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے' یہ صرف کم پرواہی کی وجہ سے ہو۔ ہے باوجودیکہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملانا اور حلال و حرام کو آپس میں برابر قرار دینا تمہارے لیے حلال و جائز نہیں ﴿إِنَّهُ﴾ بے شک ان کا مال کھانا ﴿كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾ بہت بڑا گناہ ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿٤﴾

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے حق میں انصاف نہیں کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان میں سے دو دو' تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو' پھر اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم ان میں انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک عورت سے نکاح کر لو یا اپنی لونڈیوں سے استفادہ کرو' یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ان میں ناانصافی نہ کرو O اور تم عورتوں کو ان کا حق مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو' پھر اگر وہ اس میں سے کچھ تمہیں دے دیں تو تم اسے مزے مزے سے کھاؤ O

۳- ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا﴾ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے ''اَقْسَطُ'' کا معنی عدل وانصاف کرنا ہے ﴿فِي الْيَتَامَىٰ﴾ یتیموں کے حق میں۔ ''یَتَامٰی'' بچیوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس طرح بچوں کے لیے بولا جاتا ہے اور یہ ''یَتِیْمَة'' اور ''یَتِیْم'' دونوں کی جمع ہے لیکن ''اَیْتَام'' صرف ''یَتِیْم'' کی جمع ہے کسی غیر کی نہیں ﴿فَانكِحُوا مَا

طَابَ لَكُمْ ﴾ سوتم صرف ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے حلال ہیں ﴿ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ کیونکہ ان عورتوں میں سے کچھ کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جیسے وہ عورتیں جن کا ذکر آگے آیتِ تحریم میں آ رہا ہے اور بعض نے کہا کہ ''مَا'' صفت کی طرف لے جانے کے لیے آتا ہے کیونکہ ''مَا'' اہل عقل کی صفات میں استعمال ہوتا ہے گویا کہا گیا ہے: ''اَلطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَآءِ. یعنی عورتوں میں سے جو پسند ہوں'' اور اس لیے کہ عقلاء میں سے مؤنثات غیر عقلاء کے قائم مقام ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد اسی قبیل سے ہے: ﴿ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ دو دو اور تین تین اور چار چار' یہ تینوں اسم نکرہ ہیں اور منع صرف کے دو سبب وصف اور عدل کے پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں اور علم نحو کے امام سیبویہ کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے اور [مِنَ النِّسَآءِ سے یا ''مَاطَابَ'' سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہیں] اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے لیے پاکیزہ اور پسند کی محدود عورتوں سے نکاح کر لو جن کی تعداد دو دو اور تین تین اور چار چار تک ہے' پھر اگر تم یہ کہو کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے میں نکاح کنندہ کے لیے جو الفاظ یہاں بیان کیے گئے ہیں ان کا مطلب تو یہ ہے کہ مرد دو یا تین یا چار عورتوں کو نکاح میں جمع کر سکتا ہے پھر ''مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ'' کے معنی میں تکرار کیوں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ چونکہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے اس لیے ان کے معانی میں تکرار واجب ہے تاکہ نکاح کرنے والا مذکورہ بالا تعداد میں سے جس عدد کے مطابق نکاح کرنا چاہتا ہے اسی کو منتخب کر لے جیسے تم ایک جماعت سے کہو کہ یہ ایک ہزار درہم تم آپس میں دو دو اور تین تین اور چار چار درہم تقسیم کر لو لیکن اگر اس کی بجائے مفرد الفاظ لائے جاتے (جن کے معنی میں تکرار نہ ہوتا) تو معنی واضح نہ ہوتا اور ان الفاظ کے درمیان واؤ کو اس لیے لایا گیا ہے تاکہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ کئی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کا جواز تفریق کے ساتھ ہے[1] اور اگر اس کی جگہ ''اَوْ'' لایا جاتا تو صرف نکاح کا جواز ثابت ہوتا ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا ﴾ سو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم ایک سے زیادہ بیویوں کی مذکورہ بالا تعداد رکھنے میں ان کے درمیان عدل و انصاف نہیں کر سکو گے ﴿ فَوَاحِدَةً ﴾ تو لازمی طور پر ایک بیوی پر اکتفا کرو یا صرف ایک بیوی اختیار کرو ﴿ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ یا جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں (یعنی کنیزیں) ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے وہ لوگ زنا میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے لیکن یتیموں کی کفالت کرنے میں حرج خیال کرتے تھے تو ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں یتیموں کے حق میں ظلم و زیادتی کا خوف ہے تو تم زنا کے بارے میں بھی خوف کرو اور جو عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ان سے نکاح کر لو اور محرمات کے اردگرد نہ گھومو یا یہ کہ وہ لوگ یتیموں کے مال کی حفاظت و نگرانی میں حرج خیال کرتے تھے لیکن زیادہ سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے حالانکہ جب منکوحہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی تو ان سے ان عورتوں کے معاملات میں ظلم و ناانصافی بھی ہو جاتی تھی تو گویا ان سے کہا گیا ہے کہ جب تم یتیموں کے اموال کے حق میں حرج محسوس کرتے ہو تو ان کے معاملات میں بھی شرم کرو اور ایک قول یہ ہے کہ اگر یہ ڈر ہے کہ تم یتیم بچیوں سے نکاح کرنے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو دوسری بالغ لڑکیوں سے نکاح کر لو کہا جاتا ہے: ''طَابَتِ الثَّمَرَةُ. یعنی پھل پک کر تیار ہو گیا ہے'' یا تمہاری مملوکہ لونڈیاں اور خوشحالی میں ایک آزاد بیوی اور کنیزوں کے درمیان (باری کے علاوہ باقی معاملات میں) مساوات قائم کرنا ہو گی اور کنیزوں کی تعداد مقرر نہیں ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ ایک بیوی اور کنیزوں کو اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے

[1] یعنی صرف دو دو یا صرف تین تین یا صرف چار چار ورنہ دو اور تین اور چار نو ہو جائیں گی' نیز دو دو چار اور تین تین چھے اور چار چار آٹھ' اس طرح تعداد بڑھ کر اٹھارہ ہو جائے گی اور یہ تعداد قرآن و سنت اور جمہور اہل سنت کے خلاف اور ناجائز ہے جیسا کہ روافض و خوارج اور نخعی و ابن ابی لیلیٰ کا خیال ہے۔ (اس آیت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر مظہری جلد ثانی)

﴿ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم کسی ایک بیوی کی طرف نہ جھک جاؤ یا ان میں سے کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرلو جب ترازو ایک طرف جھک جائے تو کہا جاتا ہے: ''عَالَ الْمِيْزَانُ عَوْلًا. کہ ترازو ایک طرف جھک گیا ہے'' اور جب حاکم ظلم وزیادتی کرتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''عَالَ الْحَاكِمُ فِيْ حُكْمِهٖ. کہ حاکم نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا ہے'' اور امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ تم اپنے اہل وعیال کو نہ بڑھاؤ' لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ ''اَعَالَ يُعِيْلُ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کے ہاں اولاد زیادہ ہو جائے تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس کو تمہارے اس قول سے قرار دیا جائے گا: ''عَالَ الرَّجُلُ عِيَالَهٗ يَعُوْلُهُمْ. یعنی فلاں آدمی نے اپنی اولاد کو بڑھالیا ہے اور اس کو بڑھا رہا ہے'' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''مَانَهُمْ يَمُوْنُهُمْ'' جب کوئی آدمی اپنی اولاد پر خرچ کرتا ہے کیونکہ جس کی اولاد بڑھ جائے گی تو لازمی بات ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بڑھا رہا ہے اور اس کا نقصان یہ ہے کہ کثیر اولاد رکھنے والے والد کے لیے تقویٰ و پرہیز گاری اور کسب رزق حلال مشکل ہو جائے گا اور اس قسم کا کلام علم امتیازات میں سے ہوتا ہے جس کو صحیح مفہوم پر محمول کرنا لازمی ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے متعلق ''تَعِيْلُوْا'' سے ''تَعُوْلُوْا'' کی طرف تحریف کا گمان نہ کیا جائے گویا اس کلمہ کی تفسیر میں کنایات واشارات کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔

٤۔﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ ﴾ اور عورتوں کو ان کے حق مہر ادا کر دو ﴿ نِحْلَةً ﴾ بطور وجوب خوش دلی سے ادا کرو کیونکہ یہ ''نَحَلَهٗ كَذَا'' سے مشتق ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو عطیہ دیتا ہے اور اس کو خوش دلی سے بخش دیتا ہے [اور ''نِحْلَةً وَنَحْلًا'' دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور یہ بطور مصدر منصوب ہے کیونکہ ''نِحْلَةً'' اور ''اِيْتَاءً'' بہ معنی ''اِعْطَاء'' ہیں] یعنی دینا گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ان کے حق مہر ان کو خوش دلی سے عطا کرو [یہ ''اٰتُوْا'' کی ضمیر مخاطب (اَنْتُمْ) سے حال ہے] یعنی تم ان کو حق مہر ادا کرو دراں حالیکہ تم خوش دلی سے تحفہ کے طور پر بخشش کرنے والے ہو یا یہ صدقات میں سے ہے یعنی دیگر صدقات کی طرح تم اس کو اپنی خوش دلی سے بطور بخشش اپنا فرض ادا کرو (یعنی تنگ دلی اور بوجھ سمجھ کر ادا نہ کرو اور نہ بالکل ہضم کر جاؤ) اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لیے بخشش اور عطیہ ہے اور اس کی طرف سے عورتوں پر فضل واحسان ہے اور بعض دیگر اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ ''نِحْلَةً'' کا معنی ملت وشریعت اور دیانت ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ يَنْتَحِلُ كَذَا اَیْ يَدِيْنُ بِهٖ. کہ فلاں آدمی اس کے ساتھ دیانت سے پیش آتا ہے'' یعنی (اے شوہرو!) تم اپنی بیویوں کے حق مہر دیانت داری کے ساتھ (بغیر کمی کے پورا مہر) شریعت کا فرض سمجھ کر ادا کرو۔ اب اس صورت میں ''نِحْلَةً'' مفعول لہ ہے اور اس میں شوہروں کو خطاب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب عورتوں کے وارثوں کو ہے کیونکہ وہی اپنی بیٹیوں کے حق مہر وصول کرتے ہیں (اور خود ہضم کر جاتے ہیں) ﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ ﴾ پھر اگر وہ اپنی خوشی سے اس حق مہر میں سے تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں کیونکہ حق مہر صدقات کے ہم معنی ہے اور یہاں ''لَكُمْ'' کی ضمیر مخاطب سے شوہر مراد ہیں (یعنی عورتیں اپنے شوہروں کے لیے حق مہر کا کچھ حصہ یا کل چھوڑ دیں تو جائز ہے) ﴿ نَفْسًا ﴾ یہ تمیز ہے اور اس کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے غرض جنس کو بیان کرنا ہے اور اس پر واحد دلالت کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر عورتیں تمہیں اپنے کچھ مہر بخش دیں اور ان کے دل اس پر راضی ہوں اندر سے تنگ نہ ہوں اور شوہروں کی بداخلاقی اور ان کے برے طرز عمل سے بچنے کے لیے مجبور ہو کر نہ دیں (تو شوہروں کے لیے لینا جائز ہے ورنہ نہیں) اور یہ آیت مبارکہ حق مہر ادا کرنے کے معاملے میں مردوں کی راہ تنگ کر دینے اور احتیاط کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ حق مہر معاف کر دینے کی شرط کو عورتوں کی خوش دلی پر موقوف کیا گیا ہے اور ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

''فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ'' کی بجائے ''فَإِنْ وَهَبْنَ لَكُمْ'' نہیں فرمایا تا کہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ حق مہر میں بخشش کی رعایت عورتوں کی رضامندی اور خوش دلی پر موقوف ہے ﴿فَكُلُوْهُ﴾ اس میں ''ھا'' ضمیر ''شَيْءٍ'' کی طرف لوٹتی ہے' سوتم اسے کھاؤ ﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ مزے سے جس میں کوئی گناہ نہیں ہے ﴿مَّرِيْٓـًٔا﴾ خوشگواری کے ساتھ جس میں کوئی بیماری نہیں ہے (دونوں کا معنی ہے: مزے دار' خوشگوار' بہترین پکا ہوا کھانا) حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ دنیا میں بلا مطالبہ مزے دار کھانا اور آخرت میں بلا محنت و مشقت کے مزے دار کھانا [اور یہ دو صفاتی اسم ہیں ''هَنُوَ الطَّعَامِ وَمَرُوْ'' سے مشتق ہیں جن کا معنی مزے دار کھانا ہے جس میں عیب نہ ہو اور یہ دونوں مصدر کے وصف ہیں یعنی ''اَكْلًا هَنِيْـئًا مَّرِيْئًا. عمدہ خوشگوار کھانا'' یا یہ ''كُلُوْهُ'' کی ضمیر سے حال ہیں اور معاف کردہ حق مہر کی اباحت اور محنت و مشقت کے ازالہ کے مبالغہ کے لیے ہیں۔ یزید نے ان کو بغیر ہمزہ کے ''هَنِيًّا مَرِيًّا'' پڑھا ہے اور حالت وقف میں حمزہ نے بھی اسی طرح پڑھا ہے اور باقی قراء نے ان کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے] اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی شکایت ہو تو وہ اپنی بیوی سے حق مہر میں سے تین درہم مانگ لے' پھر ان کا شہد خرید لے اور اس کو بارش کے پانی میں مکس (Mix) کر کے پی لے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں اس کو مزے دار بنانے کے ساتھ باعث شفا اور باعث برکت بنا دے گا۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝٦

اور تم اپنا وہ مال کم عقلوں کو نہ دو جس کو اللہ نے تمہارے لیے ذریعۂ معاش بنا دیا ہے اور اس مال میں سے تم ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے عمدہ بول بولو O اور تم یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں' پھر اگر تم ان میں کاروباری صلاحیت محسوس کرو تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو اور ان کے بڑے ہونے کے خوف سے ان کا مال تم فضول خرچی میں اور جلدی میں نہ کھاؤ' اور جو کفیل مال دار ہو تو وہ ضرور پرہیز کرے' اور جو ضرورت مند ہو وہ بقدر ضرورت کھالیا کرے' پھر جب تم ان کا مال ان کو واپس کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لو اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے O

۵- ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ﴾ اور تم ان کم فہم لوگوں کو مال نہ دو جو اپنا مال فضول خرچ کرتے ہیں اور نامناسب و بے کار جگہ پر خرچ کرتے ہیں اور انہیں اپنے مال کے اصلاح کرنے کی اور اس میں اضافہ کرنے اور میں تصرف کرنے کی قدرت و صلاحیت نہیں ہے اور اس میں خطاب وارثوں کو ہے اور اللہ تعالیٰ نے کم عقلوں کے اموال کو ورثاء کی طرف مضاف کرتے

ہوئے ارشادفرمایا: ﴿ اَمۡوَالَكُمُ ﴾ کیونکہ وہی لوگ ان کا مال اپنے پاس رکھتے ہیں اور اسے روک کر رکھتے ہیں (اس لیے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے) ﴿ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِیٰمًا ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اجسام کے لیے قیام کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہاری بیوی بچوں کے لیے ذریعۂ معاش بنایا ہے[قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی نے ''قِیَمًا'' بہ معنیٰ ''قِیَامًا'' پڑھا ہے' جس طرح ''عَوۡذًا'' بہ معنیٰ ''عِیَاذًا'' آیا ہے اور ''قِیَامٌ'' اصل میں ''قِوَامٌ'' تھا' واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور بعض سلف فرمایا کرتے تھے کہ مال مؤمن کا ہتھیار ہے اور اگر میں اپنا مال چھوڑ جاؤں' جس کا اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب لے وہ اس سے بہتر ہے کہ میں لوگوں کا محتاج ہو جاؤں اور حضرت سفیان رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان کے پاس مال تھا جسے الٹ پلٹ کر دیکھتے اور فرماتے: اگر یہ مال میرے پاس نہ ہوتا تو بنو عباس مجھے گھیر کر غلام بنا لیتے ﴿ وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِیۡهَا ﴾ اور ان کو اس مال میں سے کھلاؤ اور ان کو کھلانے پلانے کے لیے ایک مناسب مقدار مقرر کر دو بایں طور کہ ان کے مال کی تجارت کرو اور منافع کماؤ یہاں تک ان کا روزمرہ کا خرچ ان کے منافع سے ہو اصل مال سے نہ ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا سارا مال ان پر خرچ کرنے میں ختم ہو جائے ﴿ وَاكۡسُوۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴾ اور انہیں پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو' ابن جریج نے کہا کہ ان سے بہترین وعدہ کرو کہ اگر تم باصلاحیت ہو گئے اور کاروباری ہدایات کے مالک بن گئے تو ہم تمہارا مال تمہارے حوالے کر دیں گے اور عقلی اور شرعی اعتبار سے ہر وہ اچھی چیز جس سے دلوں کو سکون حاصل ہو جائے خواہ وہ بات ہو یا عمل وہ معروف کہلاتا ہے اور ہر وہ قبیح چیز جس سے دلوں کو نفرت ہو جائے وہ منکر کہلاتی ہے۔

٦- ﴿ وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی ﴾ اور تم یتیموں کو آزماتے رہو اور ان کی عقلوں کا امتحان لیتے رہو اور ان کے حالات چیک کرتے رہو اور بالغ ہونے سے پہلے مال کے تصرف کے ذریعے انہیں پہچانو' سو ہمارے (احناف کے) نزدیک آزمائش یہ ہے کہ اس کو کچھ مال دیا جائے جس سے وہ تصرف کرے یعنی خرید و فروخت کرے تاکہ مستقبل میں اس کی حالت واضح ہو جائے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقل مند لڑکے کو تجارت کی اجازت دینا جائز ہے ﴿ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ﴾ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر یعنی بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائے کیونکہ نکاح کی صلاحیت بالغ ہی رکھتا ہے اور نکاح سے مقصود کا حصول یعنی اولاد کی طلب بالغ سے پوری ہوتی ہے ﴿ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا ﴾ پھر اگر تصرفات میں ان کی رشد و ہدایت اور معاملات میں ان کی صلاحیت تم پر واضح ہو جائے ﴿ فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ﴾ تو بالغ ہونے پر بغیر کسی تاخیر کے ان کا مال ان کو دے دو[اور اس کلام کا باہم تعلق یہ ہے کہ ''حَتّٰی'' کے بعد ''فَادۡفَعُوۡا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ'' تک پورے کلام کو ابتلاء اور آزمائش کی غایت قرار دیا گیا ہے اور یہ ''حَتّٰی'' اور اس کے بعد کے جملے ہیں جیسے کسی شاعر کا کلام ہے: ''حَتّٰی مَآءِ دَجۡلَةَ اَشۡكَلَ'' اور ''حَتّٰی'' کے بعد والا جملہ شرطیہ ہے کیونکہ ''اِذَا'' شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے اور فعل شرط ''بَلَغُوا النِّكَاحَ'' ہے اور ''فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ'' یہ ارشاد باری تعالیٰ شرط اور جزا پر مشتمل جملہ ہے جو شرط اول کی جزا بن رہا ہے اور وہ ہے: ''اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ''] پس گویا کہا گیا ہے کہ تم یتیموں کو ان کے بالغ ہونے کے وقت تک اور ان کو ان کا اپنا مال واپس دینے کا استحقاق پیدا ہونے تک ان میں عقل و فہم' رشد و ہدایت اور کاروباری صلاحیت کی شرط کے ساتھ آزماتے رہو اور ''رُشۡدًا'' کو نکرہ لانا یہ فائدہ دیتا ہے کہ اس سے مخصوص ''رُشۡد'' مراد ہے اور وہ تجارت اور کاروبار چلانے کی صلاحیت کی رشد و ہدایت مراد ہے یا یہ قلت کا فائدہ دیتا ہے یعنی کچھ اور تھوڑی سی کاروباری صلاحیت کافی ہے یہاں تک کہ پوری ہدایت اور مکمل کاروباری صلاحیت کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی

دلیل ہے کہ جب یتیم پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو اس کا مال واپس کر دینا جائز ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا﴾ اورتم ان کے مال ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے فضول خرچی میں اور جلدی جلدی خرچ کر کے نہ کھاؤ[سو''اِسْرَافًا''اور''بِدَارًا'' دونوں مصدر ہیں اور حال کی جگہ میں واقع ہیں اور''اَنْ يَّكْبَرُوْا'' مصدر کی جگہ میں واقع ہے اور''بِدَارًا'' کے ساتھ محلاً منصوب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان دونوں کا مفعول لہ ہو یعنی تمہارا ان کے مال کو فضول خرچی میں اڑانا اور جلدی خرچ کرنے کا سبب ان کے بڑے ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیے تم ان کے مال خرچ کرنے میں زیادتی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم یتیموں کے بڑے ہونے سے پہلے جہاں چاہیں گے خرچ کر لیں گے ورنہ وہ بالغ ہو جانے کے بعد اپنا مال ہم سے چھین لیں گے ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور جو شخص مال دار ہو تو وہ پرہیز کرے اور جو شخص محتاج ہو تو وہ ضرورت کے مطابق کھا لے' اور اس آیت میں معاملہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے' ایک یہ کہ وصی و متولی مال دار ہو اور دوسرا یہ کہ وہ محتاج و غریب ہو' سو مال دار وصی تو اس کے کھانے سے بچتا رہے یعنی وہ یتیم کا مال کھانے سے پرہیز کرے اور''اِسْتَعَفَّ'' زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت''عَفَّ'' کے کیونکہ اس میں عفت کے اضافہ کی طلب ہے اور محتاج و غریب نگران یتیم کے مال سے احتیاط کے ساتھ بقدر ضرورت اپنی محنت کے مطابق کھا لے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ یتیم کے مال کا نگران اس کے مال سے اس قدر کھائے جس سے بھوک مٹ جائے اور اس قدر پہنے جس سے جسم چھپ جائے ﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ﴾ پھر جب تم ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لو کہ تم نے ان کا مال ان کے سپرد کر دیا ہے اور انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے' گواہ بنانے سے باہمی اختلاف کا دفاع ہو جائے گا اور اختلاف و انکار کے وقت تم پر جو قسم لازم آتی اس کا فدیہ ہو جائے گا ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہے' لہٰذا تم پر سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا لازم ہے یا اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ارشاد''فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ'' کے ساتھ ہے یعنی یتیم کے مال کا نگران اس کے مال میں فضول خرچی نہ کرے کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ اس پر اس سے حساب لے گا اور اس کے بدلے میں اس کے عمل کے مطابق اس کو جزا یا سزا دے گا اور ''كَفٰى'' کا فاعل لفظ جلالہ''اَللّٰه'' ہے اور اس پر حرف با زائدہ ہے اور''كَفٰى'' دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے' اس کی دلیل ''فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ'' ہے۔(البقرہ:۱۳۷)

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸

جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس میں سے مردوں کے لیے حصہ ہے' اور جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس میں عورتوں کے لیے حصہ ہے' خواہ وہ کم ہو یا زیادہ یہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے ○ اور جب تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں دو اور ان سے نرمی کے ساتھ اچھی بات کہو ○

٧۔ ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾
مردوں کے لیے حصہ ہے اس مال میں سے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں' اس آیت میں رشتہ داروں سے ورثاء مراد ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ﴾ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ [یہ "مِمَّا تَرَكَ" سے تکرارِ عامل کے ساتھ بدل ہے اور "مِنْهُ" کی ضمیر "مَا تَرَكَ" کی طرف لوٹتی ہے] ﴿نَصِيبًا﴾ یہ اختصاص کی بنا پر منصوب ہے بہ معنی "اَعْنِیْ نَصِیبًا" یعنی مراد یہ ہے کہ یہ حصہ ﴿مَّفْرُوضًا﴾ مقرر اور واجب ہے' ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک کو اس کا حصہ الگ کر دیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے اور انہوں نے اپنے پیچھے اپنی ایک بیوی اور تین بیٹیاں چھوڑیں اور اس کے چچازاد بھائیوں نے ساری میراث پر قبضہ کر لیا اور اس کی بیوی اور بیٹیوں کو کچھ نہ دیا کیونکہ وہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث کا حق دار وہ ہے جو جنگ لڑ سکے اور مال غنیمت حاصل کرے' چنانچہ ام کحت رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور شکایت کی تو حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: اب تم واپس گھر چلی جاؤ اور میں وحی کا انتظار کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کوئی حکم بیان فرما دے' سو مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی اور آپ نے مرحوم کے چچازاد بھائیوں کی طرف آدمی بھیجا اور حکم فرمایا کہ اس کا ترکہ تقسیم نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کا حصہ بھی مقرر فرما دیا ہے لیکن اس کی مقدار بیان نہیں کی (اس لیے تقسیم موقوف رکھی جائے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ وضاحت بیان کر دے' اس کے بعد "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ" الخ کی آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرحوم کی بیوی ام کحت کو آٹھواں حصہ اور اس کی بیٹیوں کو دو تہائی مال دیا اور باقی اس کے چچازاد بھائیوں کو دے دیا۔

٨۔ ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ یعنی جب ترکے کی تقسیم کے وقت حاضر ہو جائیں ﴿أُولُوا الْقُرْبٰى﴾ وہ رشتہ دار جو ترکہ میں وارث نہیں ﴿وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ﴾ اجنبیوں میں سے یتیم اور مسکین لوگ (حاضر ہو جائیں) ﴿فَارْزُقُوْهُمْ﴾ تو تم ان کو بھی دے دو ﴿مِّنْهُ﴾ اس مال میں سے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور یہ حکم استحبابی ہے اور یہ اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا' بعض اہل علم نے کہا کہ شروع اسلام میں یہ حکم واجب اور لازمی تھا' پھر بعد میں میراث کی آیت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا (اور صرف استحباب باقی رہ گیا) ﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ اور ان سے اچھی بات کہو یعنی معذرت کرو تو اچھی اور وعدہ کرو تو اچھا اور بعض علماء نے کہا کہ قولِ معروف یہ ہے کہ ان کو مال دیتے وقت یہ کہا جائے کہ یہ لو اللہ تعالیٰ تم پر برکت نازل فرمائے اور دینے والے جو کچھ دیں اسے تھوڑا تصور کریں اور ان پر احسان نہ جتلائیں۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۚ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾

ع ١٠ / ١٢

اور وہ لوگ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور و بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں ان کے متعلق کیسا خوف ہوتا' پس انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور انہیں محبت بھری سچی بات کہنی چاہیے O بے شک جو لوگ ناحق طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں' وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے O

۹- ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو ان پر کس قدر خوف ہوتا تو انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اچھی بات کہنی چاہیے' یہاں یتیموں کے نگران مراد ہیں' انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی گود میں پرورش پانے والے یتیم بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان پر شفقت و مہربانی کیا کریں کہ اگر وہ اپنے پیچھے اپنی کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو ان کے متعلق انہیں کیسا خوف ہوتا اور وہ اس بات کو اپنے ذہنوں میں رکھیں اور اس کو سوچیں تاکہ وہ یتیموں کے بارے میں شفقت و رحمت کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں اور حرف ''لَوْ'' اپنے مدخول سمیت ''اَلَّذِیْنَ'' کا صلہ ہے یعنی وہ لوگ ڈریں جن کا حال اور وصف یہ ہے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جائیں اور یہ موت کے فرشتوں کے حاضر ہونے کے وقت کی بات ہے جب بندے پر موت طاری ہونے کا وقت قریب آ جاتا ہے تو اس وقت اس پر اپنے بچوں کے ضائع ہونے اور ان کے کفیل نہ ہونے کا کتنا خوف ہوتا ہے اور ''لَوْ'' کا جواب ''خَافُوْا'' ہے اور یتیموں کے نگران کا قول سدید یہ ہے کہ وہ جیسے اپنی اولاد سے حسن ادب اور شفقت و نرمی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اسی طرح وہ یتیم بچوں کے ساتھ بات چیت کیا کریں اور جس طرح وہ اپنی اولاد کو اے میرے بیٹے! اے میرے بچے! کہہ کر بلاتے ہیں اسی طرح وہ یتیم بچوں کو بلایا کریں۔

۱۰- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں [''ظُلْمًا'' مصدر ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہے] ﴿اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ﴾ بے شک وہ اپنے پیٹوں میں کھاتے ہیں یعنی وہ یتیموں کے مال سے اپنے پیٹوں کو (آگ سے) بھرتے ہیں ﴿نَارًا﴾ یعنی وہ لوگ جو کچھ کھا رہے ہیں وہ ان کو آگ کی طرف کھینچ لے جائے گا' سو اس لیے وہ گویا خود آگ کو کھا رہے ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب یتیموں کا مال کھانے والے کو اٹھایا جائے گا تو اس وقت اس کی قبر سے اس کے منہ سے اور اس کے ناک سے اور اس کے کانوں سے دھواں نکل رہا ہو گا جس سے تمام لوگ پہچان لیں گے کہ یہ آدمی دنیا میں یتیم کا مال کھاتا تھا ﴿وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ اور وہ عنقریب دوزخ کی آگوں میں سے ایسی آگ میں داخل ہوں گے جس کا کام ہر وقت بھڑکتے رہنا ہے [قاری ابن عامر شامی اور ابوبکر نے ''یا'' پر ضمہ کے ساتھ ''وَسَيُصْلَوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے]۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ

السُّدُسُ مِنۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًاؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱﴾

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے' پھر اگر لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکے کا دو تہائی حصہ ان کے لیے ہے' اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے (کل ترکہ کا) نصف ہے' اور اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے سے چھٹا حصہ ملے گا اگر اس کی اولاد ہو' اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے (اور باقی باپ کا ہوگا) اور اگر اس کے بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہوگا' (یہ مذکورہ بالا تمام تقسیم) مرنے والے کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی' تمہارے ماں' باپ اور تمہاری اولاد (اور) تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع پہنچانے کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب کون ہے' یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں' بے شک اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

احکامِ وراثت کا بیان

۱۱- ﴿یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ لیتا ہے اور تمہیں حکم دیتا ہے ﴿فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ﴾ تمہاری اولاد کے متعلق یعنی ان کی وراثت کے بارے میں اور یہ اجمال ہے اور اس کی تفصیل یہ (درج ذیل کلام مبارک) ہے: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ﴾ یعنی ان میں سے لڑکے کے لیے یعنی تمہاری اولاد میں سے لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے' یہاں ''مِنْهُمْ'' کی ضمیر جو اولاد کی طرف لوٹتی ہے محذوف ہے کیونکہ اس کو بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے: ''اَلسَّمَنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ. کہ ایک درہم (سکہ) میں چار رطل (پیمانہ) گھی آتا ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے مرد کے حصہ سے آغاز کیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دو لڑکیوں کے لیے ایک لڑکے کے حصہ کے برابر ہے یا یہ کہ لڑکی کے لیے لڑکے کے حصے کا نصف ہے' یہ مرد کی عورت پر فضیلت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جیسا کہ اس کا حصہ ڈبل رکھا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ لوگ مردوں کو وراثت دیا کرتے تھے عورتوں کو نہیں دیتے تھے اور اس آیت مبارکہ کے نزول کا بھی یہی سبب ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ مردوں ہی کے لیے کافی ہے کہ عورتوں کے حصے کا ڈبل انہیں دیا جائے تا کہ وہ عورتوں کے حصے میں سرکشی و نافرمانی نہ کر بیٹھیں یہاں تک کہ عورتوں کو محروم کر دیں اس کے باوجود کہ ماں باپ سے رشتہ داری کا تعلق ان کو بھی وہی حاصل ہے جو مردوں کو ان کے ساتھ حاصل ہے اور یہاں اجتماعی حالت مراد ہے یعنی جب وراثت میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں حصہ دار ہوں تو لڑکی کو ایک حصہ اور لڑکے کو دو حصے ملیں گے جیسا کہ دو لڑکیوں کو (جب کہ صرف وہی وارث ہوں تو) دو حصے ملتے ہیں لیکن انفرادی حالت میں لڑکا سارا مال لے لے گا اور دو بیٹیاں دو تہائی مال لے لیں گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد انفرادی حکم بیان فرمایا ہے ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً﴾ یعنی پھر اگر اولاد میں صرف عورتیں ہوں یعنی بیٹیاں ہوں ان کے ساتھ کوئی بیٹا نہ ہو ﴿فَوْقَ اثْنَتَیْنِ﴾ [یہ ''كَانَ'' (یعنی كُنَّ) کی دوسری خبر ہے یا ''نِسَآءً'' کی صفت ہے] یعنی (دو یا) دو سے زائد بیٹیاں ہوں ﴿فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ تو ان کے لیے دو تہائی مال ہے جو میت نے چھوڑا ہے کیونکہ یہ آیت وراثت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ وراثت کا مال چھوڑنے والی میت ہے ﴿وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً﴾

﴿فَلَهَا النِّصْفُ﴾ اور اگر ایک بیٹی ہو تو اس کے لیے نصف مال ہے یعنی اگر ایک لڑکی پیدا ہوئی ہو [قاری نافع مدنی نے ''وَاحِدَةٌ'' (مرفوع) پڑھا ہے اس بنا پر کہ ''کَانَ'' تامہ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ''فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً'' کے موافق نصب ہے]
پھر اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیوں کا ذکر بیٹے کے ساتھ حالت اجتماعی میں کیا ہے اور انفرادی حالت میں ایک بیٹی اور دو سے زائد بیٹیوں کا ذکر کیا ہے لیکن انفرادی حالت میں دو بیٹیوں کا ذکر نہیں فرمایا تو ان کا کیا حکم ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ان کے حکم میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو بیٹیوں کو ایک بیٹی کے قائم مقام قرار دیا ہے جماعت کے قائم مقام قرار نہیں دیا اور ان کے علاوہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو جماعت کے حکم میں شامل کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مقتضٰی کے مطابق کہ ''لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ. مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے'' کیونکہ جو شخص فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ جائے تو بیٹی کے لیے ایک تہائی حصہ ہوگا اور بیٹے کے لیے دو تہائی حصہ ہوگا' سو جب ایک بیٹی کے لیے تہائی ہے تو دو بیٹیوں کے لیے دو تہائی ہوگا اور اس لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں فرمایا: ''اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ'' یعنی اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے ترکے سے اس کی بہن کو نصف مال ملے گا اور وہ خود بہن کی ساری جائیداد کا وارث بن جائے گا اگر اس کی اولاد نہ ہو' پھر اگر مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو اس کے ترکے میں سے ان دو بہنوں کو دو تہائی حصہ ملے گا اور دو بیٹیاں رشتہ کے اعتبار سے میت کے لیے دو بہنوں کی طرح ہوتی ہیں' سو اس لیے انہوں نے دو بیٹیوں کے لیے وہی حصہ واجب قرار دیا جو اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کے لیے واجب قرار دیا ہے اور انہوں نے ان دو کا حصہ اس سے کم نہیں کیا جو ان دونوں سے دور ہے اور اس لیے کہ جب بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ وارث بنے گی تو ایک تہائی حصہ اس کے لیے واجب ہے' لہٰذا جب وہ اپنی جیسی بہن کے ساتھ وارث بنے گی تو اس کے لیے ایک تہائی حصہ واجب ہونا زیادہ ضروری ہے اور اس کی بہن کے لیے اس کے ساتھ اتنا حصہ ہوگا جتنا اس کے لیے بھائی کے ساتھ ایک تہائی حصہ ملتا ہے اگر وہ اپنے بھائی کے ساتھ اکیلی بہن شریک ہو' لہٰذا دو بیٹیوں کے لیے دو تہائی حصہ واجب ہوگا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مرد کے ساتھ عورت شریکِ وراثت نہ ہو تو وہ مرد سارا مال لے لے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر قرار دیا ہے اور انفرادی حالت میں عورت کے لیے نصف مال قرار دیا ہے تو معلوم ہوا کہ مرد کے لیے انفرادی حالت میں نصف کا ڈبل یعنی کل مال ہوگا ﴿وَلِاَبَوَيْهِ﴾
[''اَبَوَيْهِ'' کی ضمیر میت کی طرف لوٹتی ہے اور ''اَبَوَيْهِ'' سے ماں باپ دونوں مراد ہیں مگر مذکر کا لفظ غلبہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے] ﴿لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے [اور یہ ''لِاَبَوَيْهِ'' سے تکرارِ عامل کے ساتھ بدل ہے] اور اس بدل کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ''وَلِاَبَوَيْهِ السُّدُسُ'' کہا جاتا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ میت کے ماں باپ دونوں اس چھٹے حصے میں شریک ہیں اور اگر ''وَلِاَبَوَيْهِ السُّدُسَانِ'' کہا جاتا تو اس سے وہم ہوتا کہ میت کے ماں باپ پر دو چھٹے حصے برابر اور کم و بیش دونوں طرح تقسیم کیے جا سکتے ہیں اور اگر ''وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ اَبَوَيْهِ السُّدُسُ'' کہا جاتا تو تاکید کا فائدہ ختم ہو جاتا اور یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے اور ''اَلسُّدُسُ'' مبتدا (مؤخر) ہے اور ''لِاَبَوَيْهِ'' اس کی خبر (مقدم) ہے اور ان دونوں کے درمیان بدل بیان کے لیے ہے اور حضرت حسن بصری نے ''السدس' الربع' الثمن'' اور ''الثلث'' سب کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے ﴿مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ اس میں سے جو میت چھوڑ جائے اگر اس کی اولاد ہو' یہ لفظ ''وَلَدٌ'' مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے ﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ پھر اگر

اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ اس کے وارث بن جائیں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ میت کے وارث فقط اس کے والدین ہوں اور کوئی نہ ہو کیونکہ جب اس کے وارث ماں باپ کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی ہو تو میاں بیوی میں سے جو زندہ ہے اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال میں ماں کا ایک تہائی حصہ ہے کل ترکہ سے تہائی نہیں اس لیے کہ باپ وراثت میں ماں سے زیادہ قوی ہے کیونکہ جب فقط ماں باپ وارث ہوں تو اس وقت باپ کا حصہ ماں کے حصے سے ڈبل ہوتا ہے' سو اگر ماں کے لیے کامل ایک تہائی مقرر کر دیا جائے تو ماں کا حصہ باپ کے حصے سے بڑھ جائے گا کیونکہ اگر کوئی عورت شوہر اور ماں باپ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو شوہر کے لیے نصف ہوگا اور ماں کے لیے ایک تہائی اور باقی (چھٹا حصہ) باپ کے لیے ہوگا تو اس طرح ماں کے لیے دو حصے ہوں گے اور باپ کے لیے ایک حصہ ہوگا' پس حکمِ شریعت الٹ ہو جائے گا یہاں تک کہ عورت کے لیے دو مردوں کے حصہ کے برابر ہو جائے گا [قاری حمزہ اور علی کسائی نے لام مکسور کے قرب کی وجہ سے ''فَلِاِمِّهٖ'' میں ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے ﴿ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ ﴾ پھر اگر میت کے کئی بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے' یہ اس صورت میں ہے جب میت کے بہن بھائی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو پھر ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے اور ایک بھائی ماں کا حصہ نہیں گھٹا سکتا اور حقیقی بھائی اور علاتی (باپ شریک) بھائی اور اخیافی (ماں شریک) بھائی ماں کا حصہ گھٹانے میں برابر ہیں ﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ ﴾ وصیت پوری کرنے کے بعد' اس کا گزشتہ تمام میراث کی تقسیم کے ساتھ تعلق ہے صرف اس کے ساتھ تعلق نہیں جو اس کے قریب ہے' گویا کہا گیا کہ ان تمام حصوں کی تقسیم وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی ﴿ يُّوْصِيْ بِهَاۤ ﴾ جس کی مرنے والا وصیت کر گیا [قاری ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی اور حماد اور یحییٰ نے صاد پر فتح پڑھا ہے (یعنی ''يُوْصٰى'' فعل مضارع مجہول) اعشیٰ نے پہلے ''يُوْصٰى'' میں ان کی موافقت کی ہے اور امام حفص نے ''يُوْرَثُ'' (فعل مضارع مجہول) کے قرب کی وجہ سے دوسرے ''يُوْصٰى'' میں ان کی موافقت کی ہے (اور صاد کو مفتوح پڑھا ہے) اور پہلے ''يُوْصِيْ'' میں ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ'' کی مجاورت کی وجہ سے صاد کے نیچے کسرہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں جگہ دونوں صاد مکسور پڑھے ہیں یعنی ''يُوْصِيْ بِهَا الْمَيِّتُ. جس کی مرنے والا وصیت کر جاتا ہے'' ﴿ اَوْ دَيْنٍ ﴾ یا قرض ادا کرنے کے بعد اور یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شریعت میں قرض ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے جب کہ یہاں تلاوت میں وصیت مقدم ہے اور دین مؤخر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حرف ''اَوْ'' استعمال کیا گیا ہے جو ترتیب پر دلالت نہیں کرتا (کہ وصیت کا دین سے مقدم ہونا لازمی ہو) کیا تم نہیں دیکھتے جب کہتے ہو: ''جَآءَ نِيْ زَيْدٌ اَوْ عَمْرٌو'' جس کا معنی یہ ہے کہ ان دو آدمیوں میں سے کوئی ایک آدمی میرے پاس آیا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ'' کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان دو چیزوں میں کسی ایک کے بعد وصیت یا قرض اور اگر یہ کہا جائے کہ اس لفظ سے ترتیب ثابت نہیں ہوتی بلکہ مؤخر کو مقدم کرنا اور مقدم کو مؤخر کرنا جائز ہے جیسے یہاں ہے (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے جو دَین (قرض) کو وصیت پر مقدم واجب قرار دیا ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق کیا ہے یعنی ''اَلَا اِنَّ الدَّيْنَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ. سنو! بے شک قرض کو وصیت سے پہلے ادا کرنا ہوگا'' اور اس لیے بھی کہ وصیت اس اعتبار سے میراث کے مشابہ ہے کہ یہ ایک بلا عوض صلہ اور انعام ہے' لہٰذا اس کو ادا کرنا وارثوں پر شاق اور گراں ہوگا اور اس کو ادا کرنا زیادتی کا گمان پیدا کرتا ہے بہ خلاف قرض کے' سو اس لیے وصیت کو قرض پر تلاوت میں مقدم ذکر کیا گیا ہے تا کہ لوگ قرض کے ساتھ اس کو ادا کرنے کے لیے جلد از جلد کوشش کریں ﴿ اٰبَآؤُكُمْ ﴾ یہ مبتدا

ہے ﴿وَاَبْنَآؤُكُمْ﴾ اس کا ''ابـآؤُكُـمْ'' پر عطف ہے اور خبر ﴿لَا تَدْرُوْنَ﴾ ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ﴿اَيُّهُمْ﴾ مبتدا ہے اس کی خبر ﴿اَقْرَبُ لَكُمْ﴾ ہے اور یہ جملہ ''تَدْرُوْنَ'' سے محلاً منصوب ہے ﴿نَفْعًا﴾ تمیز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر فرمائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکمت ومصلحت پر مبنی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ یہ معاملہ تمہارے سپرد کر دیتا جب کہ تم نہیں جانتے کہ ان میں کون تمہارے لیے مفید ہے تو اموال کو حکمت ومصلحت کے خلاف تقسیم کر دیتے۔ اور حصوں میں فرق منافع کے فرق کی وجہ سے ہے اور تم اس فرق کو نہیں جانتے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کام کا خود متولی بن گیا اور اس کو تمہارے اجتہاد پر نہیں چھوڑا کیونکہ تم حصوں کی معرفت سے عاجز ہو اور اس جملہ کو محض تاکید کے لیے درمیان میں لایا گیا ہے اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''فَـرِيْـضَةً'' تاکیدی مصدر ہے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے ''اَیْ فَرَضَ اللّٰہُ ذٰلِکَ فَرْضًا. یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو بطور فرض مقرر فرمایا ہے'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کی تخلیق سے پہلے جانتا ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر فرمائے اور میراث وغیرہ میں جو حصص مقرر فرمائے ہیں وہ ان سب میں زبردست حکمت والا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

اور تمہاری بیویاں جو ترکہ چھوڑ جائیں اس میں سے تمہارے لیے نصف حصہ ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے ان کی وصیت پوری کرنے کے بعد جس کے لیے وہ وصیت کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہارے ترکے میں سے ان کے لیے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کے لیے تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ ہے تمہاری وصیت پوری کرنے کے بعد جس کے لیے تم وصیت کر جاؤ یا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد ہو اور اس کا ماں شریک ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی مال

میں شریک ہوں گے' اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی یا قرض ادا کرنے کے بعد' جس میں کسی کا نقصان نہ ہو' یہ اللہ کا حکم ہے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت بردبار ہے O

۱۲- ﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ ﴾ یعنی تمہاری بیویاں جو ترکہ چھوڑ کر فوت ہو جائیں اس میں تمہارے لیے نصف ترکہ ہے ﴿ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ﴾ اگر ان کی اولاد (یعنی بیٹا یا بیٹی نہ ہو ﴿ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ ﴾ اور اگر تم سے یا تمہارے علاوہ (کسی سابق شوہر سے) ان کی اولاد ہو ﴿ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ تو تمہیں ان کے ترکے سے چوتھائی حصہ ملے گا وصیت پوری کرنے کے بعد جس کے لیے وہ وصیت کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد ﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ اور تمہارے ترکہ میں سے ان کے لیے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر ان کے لیے تمہارے ترکے سے آٹھواں حصہ ہے اس وصیت کے بعد جو تم کسی کے لیے کر جاؤ یا قرض ادا کرنے کے بعد' پھر اس چوتھائی اور آٹھویں حصے میں ایک بیوی اور چند بیویاں برابر برابر شریک ہوں گی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے" اس دلیل کی بنا پر خاوند کی میراث بیوی کی میراث سے دوگنا مقرر کی گئی ہے ﴿ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ ﴾ اور اگر آدمی یعنی میت [اور یہ "كَانَ" کا اسم ہے] ﴿ يُورَثُ ﴾ جس کا وارث بنایا جائے گا یعنی جس کی وراثت کا مال تقسیم کیا جائے گا [اور یہ "رَجُلٌ" کی صفت ہے] ﴿ كَلَالَةً ﴾ [یہ "كَانَ" کی خبر ہے یعنی اگر وہ آدمی جس کا ترکہ تقسیم کیا جائے گا کلالہ ہو یا "يُورَثُ"، "كَانَ" کی خبر ہے اور "کلالہ"، "يُورَثُ" میں ضمیر پوشیدہ سے حال ہے اور کلالہ (ایک معنی یہ ہے کہ) وہ شخص ہوتا ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو اور (دوسرا معنی یہ ہے کہ) کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو میت کے نہ والد ہوں اور نہ اس کی اولاد ہوں اور یہ دراصل مصدر ہے اور "کلال" کے معنی میں ہے یعنی جس کی قوت گویائی میں رکاوٹ اور نقص ہو] ﴿ أَوِ امْرَأَةٌ ﴾ یا عورت [اس کا "رَجُلٌ" پر عطف ہے] ﴿ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ ﴾ اور اس کا ایک بھائی ہو یا ایک بہن ہو یعنی ماں کی طرف سے ہو' اگر تم کہو کہ اس سے پہلے مرد اور عورت دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے [تو یہاں ضمیر واحد اور مذکر (لَهُ) کیوں ذکر کی گئی ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس کو مفرد تو اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ حرف "أَوْ" دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے لیے آتا ہے اور اس کو مذکر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ "رَجُلٌ" کی طرف راجع ہے اور وہ مذکر ہے جس کے ساتھ کلام کا آغاز ہوا ہے یا یہ ضمیر ان دو میں سے کسی ایک کی طرف راجع ہے اور وہ ہے مذکر] ﴿ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ﴾ تو ان دو میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے ﴿ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ اور اگر وہ ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے کیونکہ وہ ماں کے رشتہ کی وجہ سے ترکے کے مستحق ہوئے ہیں اور ماں ایک تہائی سے زیادہ کی وارث نہیں ہوتی اس لیے ان میں مرد کو عورت پر فضیلت نہیں دی گئی ﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی یا قرض ادا کرنے کے بعد' پھر وصیت کو بار بار مکرر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وصیت کرنے والے مختلف ہیں' سو پہلی وصیت کرنے والے والدین اور اولاد ہیں' دوسری وصیت کرنے والی بیوی ہے' تیسری وصیت کرنے والا خاوند ہے اور چوتھی وصیت کرنے والا یا کرنے والی کلالہ ہے ﴿ غَيْرَ مُضَارٍّ ﴾ یہ حال ہے یعنی جو وصیت کی جائے وہ وارثوں کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور وہ اس طرح کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی جائے یا کسی وارث کے لیے وصیت کی جائے ﴿ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ﴾ یہ

مصدر (فعل محذوف کے لیے) تاکید ہے' 'اَیْ یُوْصِیْکُمْ بِذٰلِکَ وَصِیَّۃً. یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے' ﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے جو ظلم و زیادتی کرتے ہیں یا وہ اپنی وصیت میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں ﴿حَلِیْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ ظلم و زیادتی کرنے والوں پر بڑا بردبار ہے' ان کو جلدی سزا نہیں دیتا اور یہ وعید ہے [پھر اگر تم کہو کہ جس نے ''یُوْصٰی بِھَا'' (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے اس کے نزدیک ذوالحال کہاں ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ وہ ''یُوْصٰی'' میں مضمر ہے اور وہ اپنے فاعل کے قائم مقام ہے کیونکہ جب ''یُوْصٰی بِھَا'' پڑھا جائے تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اس جگہ کوئی وصیت کرنے والا ہے جیسے ''رِجَالٌ'' فاعل ہے جس پر ''یُسَبَّحُ'' (النور:٣٦) دلالت کرتا ہے کیونکہ ''یُسَبِّحُ لَہٗ'' پڑھا گیا تو معلوم ہو گیا کہ یقیناً کوئی تسبیح پڑھنے والا (مُسَبِّحٌ) ضرور ہے اس لیے ''یُسَبِّحُ'' میں فاعل مضمر مانا گیا ہے] اور یاد رکھو کہ وارثوں کی کئی اقسام ہیں' ایک قسم اصحاب الفرائض کی ہے اور یہ وہ قرابت دار ہیں جن کے حصے قرآن وسنت میں مقرر کر دیے گئے ہیں جیسے ایک بیٹی ہے جس کا حصہ نصف ترکہ ہے اور ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصہ ہے اور پوتی اور اس سے آگے نیچے تک اولاد کی غیر موجودگی میں بیٹی کی طرح ہے البتہ صلبی بیٹی کے ساتھ اس کا حصہ چھٹا ہے اور یہ ایک بیٹے اور دو صلبی بیٹیوں کے ساتھ محروم ہو جائے گی مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ یا اس کے نیچے کوئی ایسا لڑکا شامل ہو جائے جو اس کو عصبہ بنا دے اور حقیقی بہنیں' بیٹوں اور پوتوں کی غیر موجودگی میں بیٹیوں کی طرح ہیں اور علاتی (باپ کی طرف سے) بہنیں حقیقی بہنوں کی طرح ہیں ان کی غیر موجودگی میں اور یہ دونوں فریق بیٹی اور پوتی کے ساتھ عصبہ بن جاتے ہیں اور وہ بیٹے اور پوتے اور دادا کی موجودگی میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محروم ہو جاتی ہیں اور اخیافی (ماں کی طرف سے) بہن بھائی ہوں تو ایک بہن یا ایک بھائی ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے اور ان کے مردان کی عورتوں کی طرح برابر حصہ دار ہوں گے اور یہ اخیافی بہن بھائی میت کے باپ اور دادا اور بیٹے اور پوتے اور اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) تک کی موجودگی میں محروم ہو جائیں گے اور میت کے بیٹے یا پوتے اور اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) کی موجودگی میں باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹی یا پوتی اور اس کے نیچے (پڑپوتی وغیرہ) کی موجودگی میں بھی باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹی یا پوتی وغیرہ کو دینے کے بعد جو ترکہ باقی بچے گا وہ بھی باپ کو ملے گا اور جد جو باپ کا باپ ہے (یعنی دادا) وہ باپ کی طرح ہے اس کی غیر موجودگی میں مگر ماں کے بقایا ایک تہائی مال کی طرف لوٹانے کے مسئلہ میں اور میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد اور اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) کی موجودگی میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یا میت کے دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں خواہ کسی جہت سے ہوں ان کی موجودگی میں بھی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا لیکن ان کی غیر موجودگی میں ماں کو کل مال کا ایک تہائی ملے گا اور جب میت کے ورثاء میں ماں باپ اور خاوند یا بیوی ہو تو حق احد الزوجین ادا کرنے کے بعد ماں کو ایک تہائی ملے گا اور دادی خواہ ایک ہو یا چند ہوں اس کے لیے چھٹا حصہ ہے (بشرطیکہ ماں نہ ہو) اور دور کی دادیاں اور نانیاں قریب طبقہ کی دادیوں اور نانیوں کی موجودگی میں محروم ہو جاتی ہیں اور تمام دادیاں اور نانیاں ماں کی وجہ سے محروم ہو جاتی ہیں اور تمام دادیاں اور پڑدادیاں باپ کی موجودگی کی وجہ سے محروم ہو جاتی ہیں اور خاوند کے لیے چوتھائی حصہ ہے جب کہ بیوی کے بیٹے یا پوتے اگرچہ اس کے نیچے (پڑپوتے وغیرہ) تک موجود ہوں اور ان کی غیر موجودگی میں بیوی کے لیے چوتھائی حصہ ہے اور عصبات وہ رشتہ دار کہلاتے ہیں جو فرض حصص کی ادائیگی کے بعد بقایا ترکے کے وارث بنتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ حق دار بیٹا ہے' پھر پوتا اس سے نیچے تک' پھر باپ ہے' پھر

دادا ہے اور اس سے اوپر تک حقیقی بھائی' پھر علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی' پھر حقیقی بھتیجا' پھر علاتی بھتیجا' پھر چچا' پھر علاتی چچا' پھر دادا کے چچا' پھر غلام کا آقا' پھر ترتیب کے مطابق اس کے عصبہ وارث بنیں گے اور وہ خواتین جن کا حصہ نصف اور دو تہائی ہوتا ہے وہ اپنی بہنوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں ان کے غیر کے ساتھ نہیں اور ذوی الارحام وہ رشتہ دار کہلاتے ہیں جو نہ عصبات میں سے ہوتے ہیں اور نہ اصحاب الفرائض میں سے ہوتے ہیں' ان کی ترتیب بھی عصبات کی ترتیب جیسی ہوتی ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾ ع

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس شخص کو ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہی بڑی کامیابی ہے O اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا اللہ اس شخص کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا' اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت ناک عذاب ہے O

۱۳- ﴿ تِلْكَ ﴾ اس سے ان احکام کی طرف اشارہ کیا گیا جن کا یتیموں' وصیتوں اور وراثتوں کے باب میں ذکر کیا گیا ہے ﴿ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ ان احکام کا نام حدود اس لیے رکھا گیا کہ شریعتوں کے جو احکام مکلفین کے لیے مقرر کیے گئے وہ حدود کی طرح ہوتے ہیں جن سے تجاوز کرنا ان کے لیے جائز نہیں ہوتا ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کی رسول کی اطاعت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

۱٤- ﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا رہے گا اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا' وہ اس میں ہمیشہ رہے گا [پھر ''خَالِدِيْنَ'' اور ''خَالِدًا'' حال کی بنا پر منصوب ہیں اور لفظ ''مَنْ'' کے معنی اور اس کے لفظ کے اعتبار سے کبھی جمع اور کبھی مفرد ذکر کیے جاتے ہیں۔ قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی نے (دونوں آیات میں ''يُدْخِلْهُ'' کی بجائے) ''نُدْخِلْهُ'' پڑھا ہے ﴿ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ اور اس کے لیے ذلت ناک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر و ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے اور معتزلہ (جن کے نزدیک گناہ گار مسلمان دائمی دوزخی ہے وہ) اس آیت مبارکہ سے استدلال نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ آیت کفار کے حق میں ہے کیونکہ کافر ہی وہ شخص ہے جو تمام حدود الٰہی سے تجاوز کر جاتا ہے لیکن گناہ گار مومن' سو وہ ایمان قبول کر لینے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے اور وہ توحید کی حد سے تجاوز کرنے والا نہیں ہے اور اس لیے حضرت ضحاک نے یہاں معصیت کی تفسیر شرک کے ساتھ کی ہے اور امام کلبی نے

فرمایا کہ جو شخص میراث کی تقسیم کا انکار کر کے اور اس کی حدود سے تجاوز کرنے کو حلال اور جائز سمجھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ دائمی دوزخی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حکام کو مخاطب کیا اور فرمایا:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو تم ان پر اپنے چار مسلمان مردوں کی گواہی لو' پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو تم انہیں اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان پر موت آ جائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر کر دے O اور تم میں سے جو مرد اور عورت ایسا کام کریں تو تم ان کو سزا دو' پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کر لو' بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بے حد مہربان ہے O

زنا کے مسائل

۱۵- ﴿وَالّٰتِیْ﴾ اور یہ ''اَلَّتِیْ'' کی جمع ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے ﴿یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ یعنی وہ زنا کریں کیونکہ تمام برائیوں میں یہ سب سے زیادہ برا کام ہے' کہا جاتا ہے: ''اَتَی الْفَاحِشَةَ'' اور ''جَاءَ هَا'' اور ''رَهِقَهَا'' اور ''غَشِیَهَا'' یہ سب ہم معنی ہیں ﴿مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ﴾ تمہاری عورتوں میں سے اور اس میں حرف ''مِنْ'' تبعیض (بعض) کے معنی میں ہے اور ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ﴾ خبر ہے (ترجمہ) سو تم ان پر گواہ طلب کرو ﴿اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ اپنے مسلمانوں میں سے چار (گواہ لو) ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ پھر اگر وہ زنا کی گواہی دے دیں ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ﴾ تو ان کو گھروں میں روک رکھو ﴿حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ﴾ یعنی یہاں تک کہ انہیں موت کے فرشتے وفات دے دیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ'' (النحل:۲۸) ''کہ انہیں فرشتے وفات دیتے ہیں'' یا یہ معنی ہے کہ یہاں تک کہ انہیں موت پکڑ لے اور ان کی روحیں قبض کر لے ﴿اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ﴾ بعض علمائے اسلام نے کہا کہ یہاں ''اَوْ'' ''اِلَّا اَنْ'' کے معنی میں ہے' ترجمہ یہ ہوگا: مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے مقرر فرما دے ﴿سَبِیْلًا﴾ اس کے علاوہ کوئی اور راہ' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لوگو! مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو بے شک اللہ تعالیٰ نے ان (عورتوں) کے لیے راہ مقرر فرما دی ہے کہ غیر شادی شدہ مرد عورت جب زنا کریں تو انہیں ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے جلا وطن کرو اور جب شادی شدہ مرد عورت زنا کریں تو ایک سو کوڑے مارو اور پتھر مار مار کر ختم کر دو[1]

۱۶- ﴿وَالَّذٰنِ﴾ اس سے زانی مرد اور زانیہ عورت مراد ہے [قاری ابن کثیر مکی نے نون کو مشدد پڑھا ہے] ﴿یَاْتِیٰنِهَا﴾

[1] رواہ مسلم فی کتاب الحدود رقم الحدیث: ۱۲-۱۳' ابوداؤد فی کتاب الحدود باب ۲۳' الترمذی فی کتاب الحدود باب ۸' ابن ماجہ فی کتاب الحدود باب ۷

﴿مِنْكُمْ﴾ یعنی تم میں سے جو مرد و زن اس بے حیائی (زنا) کا کام کریں ﴿فَاٰذُوْهُمَا﴾ تو تم انہیں ڈرا دھمکا کر اور عار و شرم دلا کر دکھ پہنچاؤ اور ان سے کہو: کیا تمہیں حیا نہیں آئی' کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے ﴿فَاِنْ تَابَا﴾ پھر اگر وہ اس بے حیائی کے کام سے توبہ کر لیں ﴿وَاَصْلَحَا﴾ اور وہ اپنی حالت تبدیل کر لیں (اور نیک ہو جائیں) ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا﴾ تو ان سے درگزر کرو اور انہیں ڈرانا دھمکانا اور ان کی مذمت کرنا چھوڑ دو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے' وہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرما لیتا ہے' بے حد مہربان ہے' توبہ کرنے والے پر بہت رحم فرماتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے زنا کی جو حد نازل ہوئی ہے وہ اذیت دینا ہے' پھر گھر میں بند رکھنا ہے' پھر کوڑے مارنا یا سنگسار کرنا ہے تو لہٰذا نزول کی ترتیب سے تلاوت کی ترتیب برعکس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب مرد عورت شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا صرف سنگسار کرنا ہے اور کچھ نہیں اور جب مرد عورت غیر شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا صرف ایک سو کوڑے مارنا ہے اور کچھ نہیں اور اگر ان میں ایک شادی شدہ ہو اور دوسرا غیر شادی شدہ ہو تو ان میں سے شادی شدہ کو سنگسار کرنا ہے اور دوسرے کو ایک سو کوڑے مارنا ہے (بعض علمائے دین کے نزدیک) پہلی آیت مبارکہ سحاقات (آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لذت حاصل کرنے والی عورتوں) کے بارے میں ہے اور دوسری آیت مبارکہ لواطین (آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے مردوں اور لڑکوں) کے بارے میں ہے اور جو سورۂ نور میں حکم آیا ہے وہ زانی مرد اور زانیہ عورت کے بارے میں ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی واضح دلیل ہے کہ لواطت میں بطور تعزیر سزا دی جائے گی اور بطور حد سزا نہیں دی جائے گی' اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ آیت "اَذٰی" لواطت (مردوں کا ہم جنس کے ساتھ بدفعلی کرنے) کے بارے میں ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ کی معافی ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے بُرے عمل کرتے ہیں' پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کی اللہ توبہ قبول فرما لیتا ہے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O اور ان کے لیے توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت حاضر ہو جاتی ہے تو کہہ دیتا ہے کہ اب میں نے توبہ کر لی ہے اور نہ ان کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں' ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

۱۷- ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ﴾ یہ "تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ" سے ہے جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی توبہ قبول فرماتا ہے یعنی اس توبہ کا قبول کرنا ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے اور اس سے وجوب مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب و لازم نہیں ہے لیکن یہ وعدہ تاکید کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کو واجب کی طرح ضرور قبول فرمائے گا اسے ترک نہیں کیا جائے گا

﴿ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ ﴾ ان لوگوں کے لیے جو برا عمل یعنی گناہ کرتے ہیں' چونکہ گناہ کرنے پر بُرا عذاب ملتا ہے اس لیے گناہ کو "سُوْء" کہتے ہیں ﴿ بِجَهَالَةٍ ﴾ نادانی سے' یہ لفظ حال کی جگہ پر واقع ہے یعنی وہ لوگ گناہ کرتے ہیں دراں حالیکہ وہ ان جان ہوتے ہیں کیونکہ برائی کا ارتکاب ان چیزوں میں سے ہے جس کی طرف بے وقوفی ہی دعوت دیتی ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ سے نافرمانی کی وہ جاہل ہے جب تک جہالت سے نکل نہیں جاتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کی جہالت یہ ہے کہ اس نے فانی لذت کی خاطر باقی اور دائمی لذت کو ترک کر دیا اور بعض نے فرمایا کہ وہ گناہ سے جاہل نہیں لیکن اس کی حقیقت اور اس کی سزا سے جاہل ہے ﴿ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ ﴾ پھر وہ تھوڑی دیر بعد توبہ کر لیتے ہیں اور وہ موت سے پہلے تک کا زمانہ ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے "حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ" سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے کہ موت کے حاضر ہونے کا وقت ہی وہ وقت ہے جس میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ حضرت ضحاک نے فرمایا کہ موت سے پہلے ہر توبہ قریب کی توبہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے تک توبہ قبول ہو جاتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا رہتا ہے جب تک اس کی روح اس کے حلق تک نہیں پہنچ جاتی اور اس آیت میں "مِنْ"، تبعیض کا ہے یعنی وہ توبہ کرتے ہیں بعض قریب زمانہ میں گویا گناہ کے پائے جانے کے درمیان اور موت کے حاضر ہونے تک کے درمیان جو زمانہ ہوتا ہے اس کا نام زمانہ قریب رکھا گیا ہے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا' یہ وعدہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پورا کرے گا اور یہ اطلاع دینا ہے کہ بخشش ہر حال میں ضرور ہوگی ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ توبہ پر ان کے عزم و ارادہ کو خوب جانتا ہے ﴿ حَكِيْمًا ﴾ بہت بڑا دانا' اسی نے حکم دیا ہے کہ گناہ پر ندامت و شرمندگی توبہ ہے۔

۱۸- ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ﴾ اور ان کے لیے توبہ نہیں جو برے عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آ جاتی ہے تو کہتا ہے کہ بے شک اب میں نے توبہ کر لی یعنی ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ مؤخر کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ملک الموت کے مشاہدہ کرنے اور موت کے اسباب حاضر ہونے پر مکلّف ہونے کی حالت ختم ہو جاتی ہے' سو ان کی توبہ اس لیے قبول نہیں کی جاتی کہ یہ حالت اضطرار اور مجبوری کی ہوتی ہے اپنے اختیار اور ارادہ کی حالت میں نہیں ہوتی اور توبہ قبول کرنا ثواب ہے اور ثواب کا وعدہ صاحب اختیار کے لیے ہوتا ہے ﴿ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ ﴾ [یہ جملہ "لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ" پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے] یعنی نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو موت کے آنے تک گناہ کرتے رہتے ہیں اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو مرتے دم تک ﴿ وَهُمْ كُفَّارٌ ﴾ کافر رہتے ہیں اور وہ کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں' حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پہلی آیت مبارکہ مؤمنوں کے حق میں ہے اور درمیانی منافقوں کے بارے میں ہے اور آخری کافروں کے بارے میں ہے اور بعض مصاحف میں دو لاموں کے ساتھ ہے اور وہ مبتدا ہے جس کی خبر ﴿ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ ہے یعنی ان لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' یہ "عتید" سے بنا ہے' جس کا معنی حاضر ہے یا اس کی اصل "اَعْدَدْنَا" ہے' پھر دال کو "تا" سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾

اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ' اور تم انہیں عقد ثانی سے نہ روکو تا کہ تم کچھ حق مہر واپس لے لو جو انہیں ادا کر چکے ہو مگر یہ کہ وہ اعلانیہ بے حیائی پر اتر آئیں' اور ان سے نیک سلوک کرو' پھر اگر تم انہیں ناپسند کرنے لگو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی پیدا کر دےO اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہتے ہو' اور تم اسے ڈھیر سارا مال دے چکے ہو تو اس سے کچھ نہ لو' کیا تم اس پر بہتان اور کھلے گناہ کا الزام لگا کر اس کو واپس لے لو گے؟O

شانِ نزول: زمانۂ جاہلیت میں یہ ایک بری رسم اور عادت تھی کہ آدمی اپنے مورث کی بیوی کا اس طرح بھی وارث بن جاتا تھا کہ اپنے مورث کے مرنے کے فوراً بعد اس کی بیوی پر اپنا کپڑا ڈال دیتا' پھر اس سے حق مہر ادا کیے بغیر شادی رچا لیتا تھا' اس بری رسم کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۱۹- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ﴾ اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ یعنی جس طرح میراث تقسیم کی جاتی ہے اس طرح تم ان کی عورتوں کو وراثت کے طور پر نہ لے لیا کرو جب کہ وہ اس کو ناپسند کرتی ہیں یا انہیں مجبور کر کے نہ لیا کرو' یہاں ''كَرْهًا'' کاف پر فتح کے ساتھ کراہت کے معنی میں ہے [اور قاری حمزہ اور علی کسائی نے اس کو ''كُرْهًا'' کاف پر ضمہ کے ساتھ پڑھا' ''اِكْرَاه'' مصدر سے لیا گیا جس کا معنی ہے: کسی کو مجبور کرنا' اس وقت یہ مفعول کے معنی میں حال کی جگہ پر واقع ہو رہا ہے اور ''كَرْهٌ'' کے ساتھ قید اس کی غیر موجودگی میں جواز پر دلالت نہیں کرتی] کیونکہ کسی چیز کا ذکر کے ساتھ مخصوص کرنا اس کے ماسوا سے نفی پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ'' (الاسراء:۳۱) ''یعنی تم اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو'' اور (زمانۂ جاہلیت کی بری رسم ایک یہ بھی تھی کہ) جب کوئی آدمی کسی عورت سے شادی کرتا اور اسے اس کی ضرورت نہ ہوتی تو اسے گھر میں قید کر رکھتا تھا اور اس کو بدترین طرز زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا تا کہ وہ اپنی آزادی کے عوض میں اپنا مال دے دے اور خلع (رقم وغیرہ دے کر طلاق حاصل کرنا) کے ذریعے طلاق حاصل کر لے تو (درج ذیل حصہ میں) ان سے کہا گیا ہے کہ ﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ ﴾ اور تم انہیں روک کر نہ رکھو [اور ''اَنْ تَرِثُوْا'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس میں ''لَا'' نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی تمہارے لیے نہ یہ جائز ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کو گھر میں روک کر رکھو [یا یہ نہی کے ساتھ مجزوم ہے اور ایک الگ جملہ ہے اور اس صورت میں كَرْهًا پر وقف کرنا جائز ہے] اور ''عضل'' کا معنی روکنا اور تنگ کرنا ہے (یعنی انہیں تنگ کرنے کے لیے نہ روکو) ﴿ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ﴾

تا کہ تم نے جوان کو حق مہر ادا کیا ہے اس میں کچھ واپس لے لو [اور اس کا لام ''تَعْضُلُوْا'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ مگر یہ کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کرنے لگیں اور ''فَاحِشَه'' کا مطلب ہے کہ عورت نافرمان ہو جائے اور خاوند کو دکھ دے اور اس کے افراد خانہ کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئے لڑے جھگڑے یعنی مگر یہ کہ ان کی طرف سے بد اخلاقی عیاں ہو جائے تو پھر تم خلع کے مطالبے میں معذور ہو اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ ''فَاحِشَة'' سے زنا مراد ہے سو اگر وہ زنا کریں تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت سے خلع کا مطالبہ کرے [اور قاری ابن کثیر مکی اور ابو بکر نے ''مُبَيَّنَةٍ'' میں ''یا'' کو مفتوح پڑھا ہے اور یہ عام الظرف کے اعم سے استثناء ہے یا مفعول لہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ تم انہیں تمام اوقات میں نہ روکو مگر جس وقت وہ بے حیائی کریں یا یہ کہ تم کسی سبب سے انہیں نہ روکو مگر یہ کہ وہ بے حیائی کریں اور (ان میں تیسری خرابی یہ تھی کہ) وہ لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ صحیح معاشرت نہیں رکھتے تھے اس لیے ان سے فرمایا گیا ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور تم ان سے نیک سلوک کرو اور وہ یہ ہے کہ رات گزارنے اور خرچ کرنے میں ان کے ساتھ انصاف کیا جائے اور ان سے گفتگو میں نرمی اور خوبصورتی کو اختیار کیا جائے ﴿فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ﴾ پھر اگر تم ان کی بدصورتی یا بد اخلاقی کی وجہ سے انہیں ناپسند کرتے ہو ﴿فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں یعنی اس چیز میں یا اس ناپسند میں بہت بڑی بھلائی یعنی بہت زیادہ ثواب یا نیک بیٹا پیدا کر دے اور معنی یہ ہے کہ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو تم انہیں صرف کراہت نفوس کی وجہ سے اپنے سے الگ نہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ تم ایک ذات کو ناپسند کرو مگر وہی ذات دین کے اعتبار سے زیادہ مفید ہو اور خیر کے زیادہ قریب ہو اور جس ذات کو تم پسند کرو وہ اس کے برعکس ہو' لہٰذا خیر و اصلاح کے اسباب میں نظر رکھنی چاہیے اور فرمانِ باری تعالیٰ ''فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا'' شرط کی جزا ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو کراہت کے باوجود ان پر صبر کرو کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو تم ناپسند کرتے ہو اس میں تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی ہو مگر جس کو تم پسند کرتے ہو اس میں بھلائی نہ ہو اور (چوتھی خرابی زمانہ جاہلیت میں یہ تھی کہ) جب کوئی آدمی کسی حسین عورت کو دیکھ کر اسے پسند کر لیتا (اور اس سے نکاح کرنا چاہتا اور موجودہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا) تو اپنی بیوی پر بہتان تراشی شروع کر دیتا اور اس پر زنا کاری کی تہمت لگا دیتا اور اسے مجبور کر دیتا کہ اس نے حق مہر میں جو رقم وغیرہ اس کو دی تھی وہ اس کو وہ رقم وغیرہ واپس دے کر خلع کی صورت میں طلاق حاصل کر لے اس لیے ان سے کہا گیا ہے:

۲۰- ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ﴾ اور اگر تم بیوی کو تبدیل کرنا چاہتے ہو دوسری عورت کی جگہ یعنی اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہو ﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ﴾ اور تم اپنی کسی بیوی کو (ڈھیر سارا مال) دے چکے ہو اور یہاں صرف خاوند مراد ہے اور جمع ('اٰتَيْتُمْ') اس لیے ذکر کیا گیا کہ خطاب مردوں کی جماعت کو ہے ﴿قِنْطَارًا﴾ مالِ عظیم (یعنی ڈھیر سارا مال) جیسا کہ سورۃ آل عمران میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے اور ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر شریف پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ لوگو! عورتوں کے حق مہر بہت زیادہ نہ باندھا کرو تو ایک عورت نے کہا: ہم آپ کی بات کی پیروی کریں یا اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پیروی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا. اور تم اپنی کسی ایک بیوی کو ڈھیر سارا مال دے چکے'' چنانچہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ ہر شخص عمر سے زیادہ علم رکھتا ہے' تم جس قدر مہر پر نکاح کرنا چاہو کر سکتے ہو ﴿فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ سو تم اس ڈھیر سارے حق مہر میں سے کچھ نہ لو ﴿اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ کیا تم وہ مال واپس لینے کے لیے اس پر بہتان لگاؤ گے اور اعلانیہ گناہ

کا الزام لگاؤ گے اور ''مُبِیۡن'' بہ معنی ''بَیِّن'' کے ہے یعنی کھلم کھلا گناہ اور بہتان کا معنی حیران ہونا ہے اور وہ اس طرح کہ تم اپنے مدمقابل آدمی پر ایسا بدترین گناہ کا الزام لگاؤ جس سے وہ بری ہے کیونکہ اس سے وہ آدمی حیران و پریشان ہو جائے گا [اور ''بُهْتَانًا'' حال کی بنا پر منصوب ہے] یعنی دراں حالیکہ تم بہتان لگانے والے اور اس کو گناہ میں ملوث کرنے والے ہو' پھر میاں بیوی کی باہمی خلوت کے بعد حق مہر لینے کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ ع

اور تم کیونکر اسے واپس لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکیں ہیں O اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا جماع کر چکے ہیں مگر جو پہلے ہو چکا ہے' بے شک یہ بہت بڑا گناہ اور قابل نفرت کام ہے' اور وہ بُرا راستہ ہے O

۲۱۔ ﴿وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ اور تم حق مہر کا مال واپس کیسے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے ہو یعنی تم بغیر کسی حائل اور رکاوٹ کے ایک دوسرے کے ساتھ خلوت نشینی حاصل کر چکے ہو اور اسی سے ''افضاء'' لیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ ہم احناف کے لیے واضح دلیل ہے کہ خلوت صحیحہ حق مہر کو واجب و لازم کر دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حق مہر لینے سے انکار کر دیا ہے اور اس کی علت خلوت کو قرار دیا ہے ﴿وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ'' (البقرہ:۲۲۹) ''پھر تم دستور کے مطابق روک لو یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو' اور اللہ تعالیٰ نے یہ عہد اپنے بندوں سے خود لیا ہے تو گویا یہ ایسا ہے جیسا ان خواتین نے عہد لیا ہو یا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگو! تم اپنی عورتوں کے بارے میں مجھ سے نیک وصیت قبول کر لو کیونکہ وہ بلاشبہ تمہارے ہاتھوں میں تمہاری معاون و مددگار خادم ہیں' تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ وصول کیا ہے اور تم نے ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے عہد کے ساتھ اپنے اوپر حلال کیا ہے[1]

شانِ نزول: اور جب ''لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا'' نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم نے تو اس کو چھوڑ دیا ہے اور ہم کبھی ان کے زبردستی وارث نہیں بنیں گے لیکن ہم انہیں نکاح کا پیغام دیں گے' پھر ان کی رضامندی سے ان سے نکاح کریں گے تو ان سے (درج ذیل آیت میں) کہا گیا:

۲۲۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادوں نے جماع کیا ہے اور بعض نے کہا کہ نکاح سے مراد جماع کرنا ہے یعنی جن عورتوں سے تمہارے آباء واجداد نے جماع کیا ہے ان سے تم جماع نہ کرو اور اس سے ثابت ہوا کہ جن عورتوں سے باپ دادا نے زنا یا ملکِ یمین یا نکاح کے ساتھ جماع کیا ہو ان سے جماع کرنا اولاد کے لیے حرام ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے اور اکثر مفسرین اسی پر متفق ہیں اور جب مسلمانوں نے کہا

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء باب ا' مسلم فی کتاب الرضاع رقم الحدیث: ۲۲' الترمذی کتاب الرضاع باب ۱۱' ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۳

کہ ہم اسلام سے قبل یہ کام کرتے تھے تو ہمارے گزشتہ حال کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ مگر جو ہو چکا یعنی لیکن جو اس سے پہلے گزر چکا ہے اس پر تم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا اور علم نحو کے امام سیبویہ کے نزدیک استثناء منقطع ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حال میں اس عقد کی صفت بیان فرمائی اور فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ﴾ بے شک یہ انتہائی برا عمل ہے ﴿ وَّمَقْتًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے نزدیک یہ ناراضگی اور بغض کا عمل ہے اور ان میں سے صاحب مروت لوگ بھی اس کو ناپسند کرتے تھے اور اس کو برا جانتے تھے اور اس کو نکاحِ مقت کہا کرتے تھے اور اس سے جو بچہ پیدا ہوتا اسے مقتی کہا جاتا تھا ﴿ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ اور یہ طریقہ کار برا طریقہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾ ۙ

تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم دخول کر چکے ہو' پھر اگر تم نے ان سے دخول نہیں کیا تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو جمع کرنا مگر جو ہو چکا ہے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' انتہائی رحم فرمانے والا ہے○

محرمات و محللات کا بیان

اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں حلال و پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرنے کا ذکر کیا اور اس سے پہلے بعض ان خواتین کا ذکر کیا جن سے نکاح کرنا حرام ہے اور وہ اپنے باپ دادوں کی موطوءہ ہیں تو اب باقی محرمات کو ذکر فرمایا اور وہ سات نسبی ہیں اور سات سببی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سات نسبی محرمات کے ذکر کے ساتھ آغاز فرمایا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

٢٣- ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ﴾ تم پر تمہاری مائیں حرام کر دی گئی ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد ان سے نکاح کرنے کی حرمت ہے اور ہم نے "المختار فی شرح المنار" میں اس کا ذکر کر دیا ہے اور نانیاں اور دادیاں بھی اس میں شامل ہیں ﴿ وَبَنٰتُكُمْ ﴾ اور تمہاری بیٹیاں اور پوتیاں اور نواسیاں بھی اس میں شامل ہیں اور اس میں اصل یہ ہے کہ جب جمع کو جمع کے مقابلے میں ذکر کیا جائے تو احاد کو احاد پر تقسیم کیا جاتا ہے تو اب ہر قسم بیٹے پر اس کی ہر قسم کی ماں حرام ہے اور اسی طرح ہر قسم کے باپ پر اس کی ہر قسم کی بیٹی حرام ہے ﴿ وَاَخَوٰتُكُمْ ﴾ اور تمہاری حقیقی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں

سب کی سب تم پر حرام ہیں ﴿ وَعَمّٰتُكُمْ ﴾ اور تمہاری تینوں قسم کی پھوپھیاں ﴿ وَخٰلٰتُكُمْ ﴾ اور اسی طرح تمہاری تمام خالائیں ﴿ وَبَنٰتُ الْاَخِ ﴾ اور اسی طرح تینوں قسم کی بھتیجیاں ﴿ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ ﴾ اور اسی طرح بھانجیاں' پھر اللہ تعالیٰ نے (سات نسبی محرمات کے ذکر کرنے کے بعد) سات سببی محرمات کا ذکر شروع کیا اور فرمایا: ﴿ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ﴾ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں' اللہ تعالیٰ نے رضاعت (دودھ پینے) کو نسب کے قائم مقام کیا ہے' چنانچہ ''مُرْضِعَه'' (دودھ پلانے والی) کو ''رَضِيع'' (دودھ پینے والے بچہ) کے لیے ماں قرار دیا اور اس کے ساتھ دودھ پینے والے بچے اور بچی کو بھائی اور بہن قرار دیا ہے اور دودھ پلانے والی کے شوہر کو اس کا باپ قرار دیا اور اس کے باپ کو اس کا دادا قرار دیا اور اس کی ہمشیرہ کو اس کی پھوپھی قرار دیا اور اس کی تمام اولاد کو خواہ اس نے اس کے ساتھ دودھ نہ پیا ہو یا اس سے پہلے دودھ پیا ہو یا اس کے بعد دودھ پیا ہو وہ اس کے باپ کی طرف سے بہن بھائی ہیں اور دودھ پلانے والی کی ماں' اس کی نانی اور اس کی بہن' اس کی خالہ اور دودھ پلانے والی کا ہر وہ بچہ بچی جو اس خاوند سے ہے وہ اس دودھ پینے والے کے ماں باپ شریک بہن بھائی ہوں گے' اس کا ہر وہ بچہ یا بچی جو اس خاوند سے نہ ہو وہ اس کے ماں شریک بہن بھائی ہوں گے اور اس کی اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ رضاعت کی وجہ سے ہر اس رشتہ دار سے نکاح حرام ہو جاتا ہے جس سے نسب کی وجہ سے حرام ہوتا ہے ﴿ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾ اور تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں اور یہ محض عقد نکاح سے حرام ہو جاتی ہیں ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ ﴾ اور تمہاری پروردہ بچیاں اور عورت کے موجودہ شوہر کے علاوہ اس کے پہلے شوہر سے پیدا ہونے والے اس کے بچے بچی کو ربیب اور ربیبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ موجودہ شوہر ان کی اس طرح تربیت کرتا ہے جس طرح عموماً کوئی اپنے بچوں کی تربیت کرتا ہے' پھر اس میں وسعت پیدا کی گئی اور اپنی بیوی کی تمام سابقہ بچیوں کو ربائب کہا جانے لگا اگرچہ اس موجودہ شوہر نے ان کی تربیت نہ بھی کی ہو ﴿ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ ﴾ جو تمہاری گود میں ہیں اور داؤد نے کہا: جب اس کی گود میں پرورش نہیں پائے گی تو حرام بھی نہیں ہوگی' ہم نے جواب میں کہا کہ گود کا ذکر غلبہ حال کے سبب کیا گیا ہے بطور شرط ذکر نہیں کیا گیا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تحریم نکاح کی علت بیان کی جائے یعنی بے شک یہ بچیاں تمہاری گود میں پرورش پانے اور تمہاری حفاظت میں باپردہ رہنے کے سبب تمہاری بیٹیوں کی طرح ہیں گویا تمہارا اپنی بیویوں کی بیٹیوں سے عقد نکاح کرنا ایسا ہے جیسے اپنی بیٹیوں سے نکاح کرنا ہو ﴿ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ﴾ تمہاری ان عورتوں میں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو اور یہ ''رَبَآئِبُكُمْ'' سے متعلق ہے یعنی مدخولہ بھا عورت کی پرورش پانے والی بیٹی اس کے موجودہ شوہر پر حرام ہے اور اگر شوہر نے اپنی اس بیوی سے دخول نہیں کیا تو اس کی بیٹی سے شوہر کا نکاح کرنا حلال و جائز ہے اور دخول سے مراد ان سے جماع کرنا ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ ''بَنٰی عَلَيْهَا وَضَرَبَ عَلَيْهَا الْحِجَابَ'' یعنی اس نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور اس پر پردہ ڈال دیا'' یعنی تم نے اس پردے میں دخول و جماع کیا [اور ''بـا'' فعل لازم کو متعدی بنانے کے لیے ہے اور عورت کو چھونا وغیرہ بھی دخول کے قائم مقام ہے اور بعض علماء نے ''اَلّٰاتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ'' کو اس سے پہلے ذکر کی گئی عورتوں اور بعد میں ذکر کی جانے والی عورتوں کے لیے صفت قرار دیا جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں کیونکہ ایک وصف مختلف عوامل کے موصوفین پر واقع نہیں ہوتا اور یہ اس لیے کہ پہلی عورتیں اضافت کی وجہ سے مجرور ہیں اور دوسری حرف ''مِنْ'' جارہ کی وجہ سے مجرور ہیں اور یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تمہاری عورتوں کے پاس سے گزرا اور میں زید کی ذہین عورتوں سے بھاگ گیا' یہ اس بنا پر کہ ظریفات (تیز ذہن والیاں) ان عورتوں اور ان کی عورتوں کی صفت ہے۔ اسی طرح زجاج وغیرہ نے کہا اور یہ اس سے بہتر ہے جو صاحب ''کشاف'' نے اس

بارے میں کہا ہے ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ پھر اگر تم نے ان سے دخول (جماع) نہیں کیا تو تم پر کوئی گناہ نہیں یعنی جب تم نے اپنی بیویوں کو جماع کرنے سے پہلے اپنے سے طلاق دے کر جدا کر دیا ہو یا وہ جماع سے پہلے وفات پا جائیں تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ ﴾ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں اور یہ ''حَلِيْلَةٌ'' کی جمع ہے' اس سے مراد بیوی ہے کیونکہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے حلال ہے یا ہر ایک دوسرے کے بستر پر اترتا اور سوتا ہے' یہ ''حل'' یا ''حلول'' سے لیا گیا ہے ﴿ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں لیکن تمہارے منہ بولے بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تھا جب ان کو حضور کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دے دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ'' (الاحزاب:۳۷) ''تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو'' اور یہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے حرمت کی نفی نہیں ہے ﴿ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ یعنی ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر کے رکھنا تم پر حرام ہے' اور یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ اس کو محرمات پر معطوف کیا گیا ہے یعنی بیک وقت دو بہنوں کو جمع کرنا تم پر حرام ہے ﴿ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ لیکن جو گزر چکا وہ معاف ہے' اس کی دلیل تعالیٰ کا (درج ذیل) یہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' انتہائی مہربان ہے' اور حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ سوتیلی ماں سے نکاح کرنے اور بیک وقت دو بہنوں سے نکاح کرنے کے علاوہ باقی سب محرمات کو حلال جانتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بیان میں ''اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ'' فرما دیا ہے۔

الجزء ٥

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾

اور شادی شدہ عورتیں مگر جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ' یہ اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے' اور ان کے علاوہ باقی تمام عورتیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں کہ تم اپنے مال کے عوض انہیں حاصل کرو پاک دامنی حاصل کرنے کے لیے حرام کاری کے لیے نہیں' سو تم نے جن عورتوں سے نکاح کیا ان کے حق مہر ادا کرو یہ فرض کیا گیا ہے اور مہر مقرر کرنے کے بعد جس مقدار پر تم باہم راضی ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے' بے شک اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

۲۴- ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ اور شادی شدہ عورتوں سے نکاح کرنا تم پر حرام ہے یعنی شوہروں والیاں کیونکہ انہوں نے شادی کر کے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کر لیا ہے [قاری علی کسائی نے اس جگہ صاد کو مفتوح پڑھا ہے اور باقی پورے قرآن مجید میں جہاں یہ اسم آیا ہے' وہاں صاد کو مکسور پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے پورے قرآن مجید میں صاد کو صرف مفتوح پڑھا ہے] ﴿ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ مگر جن کافر عورتوں کے تم مالک بن چکے ہو یعنی انہیں قید کر کے تم ان

کے مالک بن گئے جب کہ ان کے خاوند دارالحرب میں رہ گئے ہوں اور اس کا معنی یہ ہے کہ منکوحات سے نکاح کرنا تم پر حرام ہے یعنی شوہر دار عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے مگر جن غیر مسلم عورتوں کو تم گرفتار کر کے اور وہاں سے نکال کر اپنے ملک میں لے آؤ اور ان کے شوہر وہیں دارالحرب میں رہ جائیں کیونکہ اختلاف ملک کے سبب ان میں تفریق ہو جائے گی اور اب یہ عورتیں ان شوہروں کی بیویاں نہیں رہیں گی البتہ صرف قید کرنے سے نہیں' سو اب یہ غیر مسلم خواتین (تقسیم امیر کے بعد) ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے استبراء (حیض گزر جانے) کے بعد بغیر عقد ثانی کے اپنے مالک کے لیے حلال ہو جائیں گی ﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ''کتاب'' مصدر مؤکد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے اور اس نے تم پر فرض کر دیا ہے اور وہ محرمات کا حرام ہونا ہے ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ﴾ [اور اس جملے کا فعل مضمر پر عطف کیا گیا ہے جس نے ''كِتَابَ اللّٰهِ'' کو نصب دی ہے] ''اَیْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ تَحْرِيْمَ ذٰلِكَ وَاَحَلَّ لَكُمْ.'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت تم پر لکھ دی ہے اور اس نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے' ﴿مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ مذکورہ بالا محرمات کے ماسوا کو [اور ابو بکر کے علاوہ باقی کوفی قاریوں نے ''حُرِّمَتْ'' پر عطف کر کے ''اُحِلَّ'' (فعل ماضی مجہول) پڑھا ہے] ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ یہ مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح حرام اور ان کے ماسوا سے نکاح کا حلال ہونا بیان فرما دیا ہے اس بنا پر کہ تم ان کو طلب کرو [یا یہ ''وَرَآءَ ذٰلِكُمْ'' سے بدل ہے اور ''تَبْتَغُوْا'' کا مفعول مقدر ہے اور وہ ''اَلنِّسَآءَ'' ہے اور بہتر تو یہی ہے کہ مقدر نہ مانا جائے] ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی حق مہر کے ذریعے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح بغیر حق مہر کے جائز نہیں اور یہ کہ حق مہر ہر حال میں واجب ہے اگر چہ مقرر نہ بھی کیا جائے اور یہ کہ حق مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے اور یہ کہ بالکل تھوڑی سی چیز حق مہر نہیں بن سکتی جیسے ایک دانہ یا ایک روپیہ کیونکہ عام طور پر اس کو مال نہیں کہا جاتا ﴿مُّحْصِنِيْنَ﴾ اس حال میں کہ تم پاک دامن رہنے کے لیے یہ کام کرو ﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ حرام کاری کرنے والے نہ بنو تا کہ تمہارا مال ضائع نہ ہو جائے اور تم اپنے آپ کو ان چیزوں کا محتاج نہ بناؤ جو تمہارے لیے حلال نہیں ہیں ورنہ تمہارے دین و دنیا برباد ہو جائیں گے اور ان دو بربادیوں کے جمع ہو جانے سے بڑھ کر کوئی بربادی نہیں ہو سکتی اور ''احصان'' کا معنی ہے: پاک دامن ہونا اور اپنے آپ کو حرام میں واقع ہونے سے بچانا اور ''مسافح'' زانی کو کہتے ہیں کیونکہ ''سفح'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: غیر محل میں منی کا بہانا ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ﴾ پس ان میں سے جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ہے ﴿فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ تو تم ان کو ان کے حق مہر ادا کرو کیونکہ حق مہر ان سے نفع حاصل کرنے کا عوض ہے [سو ''مَا'' ''نِسَآء'' کے معنی میں ہے اور ''مِنْ'' تبعیض کے لیے یا بیان کے لیے ہے اور ''بِهٖ'' کی ضمیر لفظ ''مَا'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''فَاٰتُوْهُنَّ'' میں ''مَا'' کے معنی کی طرف لوٹتی ہے] ﴿فَرِيْضَةً﴾ [یہ ''اُجُوْر'' سے حال ہے] یعنی عورتوں کے حق مہر فرض کر دیئے گئے ہیں [یا ''اِيْتَآء'' کی جگہ پر اس کو رکھا گیا ہے کیونکہ ''ایتاء'' (یعنی مہر ادا کرنا) فرض قرار دیا گیا ہے یا یہ مصدر مؤکد ہے] ''اَیْ فُرِضَ ذٰلِكَ فَرِيْضَةً'' یعنی وہ فرض کر دیا گیا ہے ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ﴾ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ حق مہر مقرر کرنے کے بعد جس مقدار پر تم میاں بیوی باہم راضی ہو جاؤ خواہ بیوی اپنا مہر کم کر دے یا سارا حق مہر اپنے خاوند کو بخش دے یا خاوند مقرر مقدار سے زیادہ ادا کر دے یا میاں بیوی جس مقام یا جس پیمانہ پر حق مہر ادا کرنے پر رضا مند ہو جائیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کی تخلیق سے پہلے جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ بہت حکمت والا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عقد نکاح جو فرض کیا ہے اس میں بھی حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ نسب کی حفاظت کی جائے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ'' متعہ کے حق میں نازل ہوا تھا جو صرف تین دن کے لیے تھا جس وقت اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو اپنے

رسول کریم پر فتح فرمایا تھا' پھر منسوخ کر دیا گیا تھا۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع ٣

اورتم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کرسکتا تو وہ تمہاری مملوکہ مسلمان کنیزوں سے نکاح کرلے' اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے' تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو' سو تم ان کے مالکوں سے اجازت لے کر ان سے نکاح کرو اور حسب دستور ان کے حق مہر ان کو ادا کرو' پاک دامن ہوں' نہ علانیہ بدکار ہوں اور نہ خفیہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں' پس جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں' پھر بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی سزا کی آدھی سزا ملے گی' یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو بدکاری کا ڈر ہو' اور صبر کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

٢٥- ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا﴾ [''طَوْلٌ'' کا معنی ''فَضْلٌ'' ہے] یعنی ضرورت واحتیاج سے زائد مال جیسے کہا جاتا ہے: ''لِفُلَانٍ عَلَيَّ طَوْلٌ. کہ فلاں آدمی کا مال مجھ سے برتر اور زائد ہے'' (جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو شخص تنگ دستی کی وجہ سے آزاد عورت سے نکاح نہیں کرسکتا وہ مسلمان کنیز سے نکاح کرے اس میں کوئی عار نہیں) [اور یہ لفظ ''يَسْتَطِعْ'' کا مفعول بہ ہے] ﴿اَنْ يَّنْكِحَ﴾ [یہ ''طول'' کا مفعول ہے کیونکہ لفظ ''طول'' مصدر ہے اور مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے یا یہ ''طول'' سے بدل ہے] ﴿الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ آزاد مسلمان عورتیں ﴿فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ یعنی مسلمان کنیزوں میں سے کسی کنیز سے نکاح کرلے' اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِنْ فَتَيَاتِكُمْ'' کا مطلب ہے: مسلمان لونڈیوں سے (کیونکہ اپنی مملوکہ لونڈی سے بغیر نکاح جماع کرنا جائز ہے) اور اب آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مال میں اتنی زیادہ وسعت وقدرت نہیں رکھتا کہ اس کے ذریعے آزاد عورت سے نکاح کر سکے تو وہ کسی لونڈی سے نکاح کرلے اور ہمارے حنفی مذہب میں کتابی لونڈی سے نکاح جائز ہے اور مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں مؤمنہ کی قید صرف استحبابی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں سب کا اتفاق ہے کہ ایمان شرط ہے حالانکہ آیت مذکورہ بالا میں مؤمنہ کی قید موجود ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر جو وسعت عنایت فرمائی ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ لونڈی' یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح جائز ہے اگرچہ نکاح کرنے والا مال دار ہو اور اس روایت میں بھی ہمارے لیے دلیل موجود ہے کہ باوجود قدرت و مال دار ہونے کے لونڈی وغیرہ سے نکاح جائز ہے ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ﴾ اس میں تنبیہ ہے کہ ان کے ظاہری ایمان مقبول ہیں اور اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان صرف قلبی تصدیق کا نام ہے زبان سے اقرار واظہار شرط لازم نہیں اس لیے کہ شرعی

ایمان کا علم مختلف نہیں ہوتا ﴿ بَعۡضُكُمۡ مِّنۢ بَعۡضٍ ﴾ تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو یعنی تم لونڈیوں سے نکاح کرنے میں عار نہ سمجھو اور نہ ان سے نفرت کرو کیونکہ تم آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اولاد ہو اور آیت کریمہ کے اس حصہ میں قومیت پر تفاخر کرنے اور خاندانی اونچ نیچ سے نفرت کرنے پر ڈرایا گیا ہے ﴿ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ ﴾ تو ان سے ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کر لو یہاں ''اَهْـل'' سے مراد ان کے مالک ہیں اور یہ ہماری دلیل ہے کہ کنیزیں اپنے مالک کی اجازت ملنے کے بعد اپنا نکاح خود بخود کر لیں تو جائز ہے کیونکہ مالک کی اجازت لازم قرار دی گئی ہے مالک کا نکاح کرانا لازمی قرار نہیں دیا گیا اور اس لیے غلام اور لونڈی کے لیے مالک کی اجازت کے بغیر شادی بیاہ کرنا جائز نہیں ہے ﴿ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ اور تم انہیں بغیر کسی تاخیر و ضرر کے ان کے حق مہر حسب دستور ادا کر دو اور ان مہروں کے حق دار ان کے مالک ہیں' سو ان کے حق مہر خود ان کو ادا کرنا بھی ان کے مالکوں کو ادا کرنے کے برابر ہے کیونکہ وہ خود اور جو کچھ ان کی ملکیت میں ہے وہ سب ان کے مالکوں کا مال ہے [یا مقدر عبارت اس طرح ہے: ''وَاٰتُوْا مَوَالِيَهُنَّ'' مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے] معنی یہ ہے کہ ان کے آقاؤں کو ان کے مہر ادا کرو ﴿ مُحۡصَنٰتٍ ﴾ پاک دامن عورتیں [اور یہ ''اٰتُـوْهُـنَّ'' کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾ علانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ ہوں ﴿ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ﴾ اور نہ خفیہ بدکاری کرنے والیاں ہوں اور لفظ ''اَخْـدَان'' کا معنی ہے: خفیہ طور پر بنائے گئے دوست ﴿ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ ﴾ پھر جب وہ شادی کے سبب محفوظ ہو جائیں [حضرت امام حفص کی قراءت کے علاوہ کوفی قراء (نیز حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر) کی قراءت میں ''اَحْصَنَّ'' (فعل ماضی معروف) پڑھا گیا ہے] ﴿ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ ﴾ اور اگر وہ بے حیائی یعنی زنا کریں ﴿ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ ﴾ تو ان پر آزاد عورت کی سزا کی نسبت سے آدھی سزا ہوگی' یہاں ''مُـحْـصَنَاتِ'' کا معنی آزاد عورتیں ہیں کیونکہ لونڈیوں کے لیے زنا کاری کی سزا آزاد عورتوں کی سزا سے نصف ہے ﴿ مِنَ الۡعَذَابِ ﴾ یہاں عذاب سے مراد شرعی حد یعنی پچاس کوڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''مَا عَـلَى الْمُحْصَنَاتِ'' اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لونڈیوں کو صرف کوڑوں کی سزا ہوگی سنگساری کی سزا نہیں کیونکہ سنگساری آدھی نہیں ہو سکتی اور یہاں ''مـحـصـنات'' سے وہ آزاد عورتیں مراد ہیں جنہوں نے شادی نہیں کی ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا ﴿ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ﴾ کنیزوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے جس کو ایسے گناہ کا اندیشہ ہو جس کی وجہ سے اس پر شہوت غالب آ جائے گی' دراصل ''عَـنَـتٌ'' کا معنی یہ ہے کہ ہڈیوں کی سلامتی کے باوجود انہیں توڑنا' پھر ہر قسم کی مشقت کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے اور گناہ کی جگہوں سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد زنا کاری ہے کیونکہ یہی چیز ہلاکت کا سبب ہے ﴿ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا ﴾ [یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے (اور ''خَيْرٌ لَّكُمْ'' اس کی خبر ہے)] یعنی پاک دامن رہ کر لونڈیوں سے نکاح نہ کر کے صبر کرنا بہت بہتر ہے ﴿ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ﴾ کیونکہ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں اپنی اولاد کو مملوکیت کی بھینٹ چڑھانا ہے اور اس لیے بھی کہ لونڈی اپنے مالک کی دست نگر ہوتی ہے اور اپنی مرضی سے وقت نہیں نکال سکتی اور وہ ذلیل و خوار اور ہمیشہ پستی کا شکار رہتی ہے اور یہ سب نقصانات شوہر کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کے لیے باعثِ توہین ہیں حالانکہ مؤمن کی شان عزت و رعب سے رہنا ہے اور حدیث میں ہے کہ آزاد عورتیں گھر آباد کرتی ہیں اور کنیزیں گھر برباد کرتی ہیں ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جرائم پر پردہ پوشی فرماتا ہے ﴿ رَّحِيۡمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہوئے (توبہ کرنے پر) گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اللہ چاہتا ہے کہ وہ (اپنے احکام) تمہارے لیے کھول کر بیان کردے اور تمہیں ان لوگوں کی راہ پر چلائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اپنی رحمت سے تم پر توجہ فرمائے' اور اللہ خوب جاننے والا بہت بڑا دانا ہے O اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے' اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ حق سے بھٹک جاؤ O اللہ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے O اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تم باہمی رضامندی سے کوئی تجارتی کاروبار کرو' اور تم اپنوں کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے O

۲٦- ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ﴾ [اس کی اصل "يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّبَيِّنَ لَكُمْ" ہے اور لام بیان کی تاکید کے ارادہ سے زیادہ کیا گیا ہے جیسے " لَا اَبَا لَكَ " میں "اَبْ" کی اضافت کی تاکید کے لیے "كَ" ضمیر مخاطب سے پہلے لام کا اضافہ کیا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تمہارے لیے وہ تمام فوائد و مصالح اور نیک اعمال بیان کردے جو تم پر مخفی ہیں ﴿ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تم سے پہلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کے ان راستوں پر تمہیں چلانا چاہتا ہے جن پر وہ حضرات اپنے دین و مذہب کے مطابق چلتے رہے تاکہ تم (اصولِ دین میں) ان کی پیروی کرو ﴿ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾ اور وہ تمہیں ان معاملات میں توبہ کی توفیق عنایت فرماتا ہے جن میں تم سے خلافِ شریعت کام ہوتے رہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ان تمام چیزوں میں بڑی حکمتیں کارفرما ہیں جو اس نے بندوں کے لیے مشروع و مقرر فرمائیں۔

۲۷- ﴿ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور گزشتہ مضمون کی تاکید و تقریر اور اس کو مؤثر بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا دوبارہ ذکر فرمادیا ہے ﴿ وَيُرِيْدُ ﴾ فاسق و فاجر اور نافرمان لوگ چاہتے ہیں ﴿ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴾ جو خود خواہشات کی پیروی کرتے ہیں کہ تمہیں میانہ روی اور دینِ حق سے پھیر دیں اور اس سے بڑھ کر کوئی بڑا انحراف و اعراض نہیں ہوسکتا کہ مسلمان خواہشاتِ نفس کے پیروکار بن کر ان کے موافق بن جائیں اور کہا گیا ہے: وہ لوگ یہودی تھے جو باپ شریک بہنوں اور بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح جائز قرار دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب ان رشتوں کو حرام قرار دیا تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم پر تمہاری خالائیں اور پھوپھیاں حرام ہیں جب کہ تم اپنی خالہ زاد اور پھوپھی زاد سے نکاح جائز سمجھتے ہو' لہٰذا تم اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے بھی نکاح کرلیا کرو تو اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی اور اس میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ دراصل یہود یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح بدکار اور زانی بن جاؤ۔

۲۸۔ ﴿ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ﴾ لونڈیوں سے نکاح حلال قرار دینے اور دیگر امور میں رخصت دینے سے اللہ تعالیٰ تم پر دراصل تخفیف کرنا چاہتا ہے ﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴾ اور انسان چونکہ کمزور پیدا کیا گیا ہے اس لیے وہ شہوات وخواہشات نفسانی پر صبر نہیں کر سکتا اور نہ وہ عبادات واطاعات کی مشقتوں کو برداشت کر سکتا ہے۔

حرام کمائی' کبیرہ گناہوں اور مالی برتری کی تمنا کی ممانعت

۲۹۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی جیسے چوری' خیانت و بددیانتی' ڈاکہ زنی' جوا بازی اور سودی کاروبار ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً ﴾ مگر یہ کہ تجارت واقع ہو [کوفی قراء نے "تِجَارَةً" (منصوب) پڑھا ہے] یعنی مگر یہ کہ تجارت کا کاروبار ہو ﴿ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ [یہ "تِجَارَةً" کی صفت ہے] یعنی ایسی تجارت جو باہمی رضامندی سے قیمت کے ساتھ خرید وفروخت ہو یا مال کے بدلے مال کا لین دین ہو (تو اس طرح لوگوں سے کمایا گیا مال تمہارے لیے کھانا جائز ہے) اور یہ استثناء منقطع ہے جس کا معنی یہ ہے کہ لیکن تم باہمی رضامندی سے طے پانی والی تجارت کا قصد کرو یا یہ معنی ہے کہ لیکن تمہاری تجارت آپس کی رضامندی سے طے ہو جس کی شرعاً ممانعت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کے ذکر کو اس لیے مخصوص کیا ہے کہ رزق کے اکثر اسباب اسی سے متعلق ہوتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مال کے بدلے مال کی تجارت جائز ہے اور ایسی موقوف خرید وفروخت جس میں باہمی رضامندی سے اجازت دی گئی ہو تو وہ بھی جائز ہے اور نیز یہ آیت مبارکہ خرید وفروخت کی مجلس کے اختتام تک اختیار کی نفی کرتی ہے کیونکہ اس کاروبار میں مجلس خرید وفروخت سے جدا ہونے تک اختیار کی شرط کے بغیر باہمی رضامندی کی تجارت سے کھانا مباح قرار دیا گیا ہے' لہٰذا مجلس اور منڈی سے جدا ہونے تک اختیار کی قید لگانا قرآنی آیت پر زیادتی ہے (جیسا کہ شافعیوں کا قول ہے) ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ﴾ اور تم اپنے ہم جنس (ہم مذہب) مسلمانوں کو قتل نہ کرو کیونکہ تمام مؤمنین ایک جان کی طرح ہیں یا یہ معنی ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو قتل نہ کرے (جسے خودکشی کہتے ہیں) جیسا کہ بعض جاہل و نادان لوگ کرتے ہیں یا قتل کا معنی ہے: ناجائز طریقے سے لوگوں کے مال کھانا کیونکہ دوسروں پر ظلم کرنے والا اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے کی طرح ہے یا یہ کہ تم خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو کہ تم اس کے سبب لوگوں کو قتل کرنے لگو یا ایسے جرائم کا ارتکاب کرو جو قتل کو واجب کرتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے اور اس نے تم پر اپنی رحمت برسانے کے لیے تمہیں ایسے کاموں سے آگاہ فرمایا جن میں تمہارے اموال کی حفاظت اور تمہارے ابدان واجسام کی بقا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جرم کبیرہ کرنے پر اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تاکہ ان کی توبہ قبول کی جائے اور ان کے گناہ معاف کیے جائیں اور لیکن اے امت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تم پر اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ اس ذات کریم نے ان مشکل ترین تکالیف کا تمہیں مکلف نہیں بنایا۔

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى

اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور جو شخص یہ ظلم اور زیادتی کرے گا تو ہم عنقریب اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیں گے' اور یہ کام اللہ پر آسان ہے O اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہ بخش دیں گے اور ہم تمہیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے O اور تم اس کی آرزو نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے' مردوں کے لیے ان کی اپنی کمائی سے حصہ ہے' اور عورتوں کے لیے ان کی اپنی کمائی سے حصہ ہے' اور اللہ سے اس کا فضل مانگو' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۳۰۔﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ﴾ اور جو شخص یہ کام کرے گا یعنی قتل کرے گا یا کسی جان کو قتل کرنے کا اقدام کرے گا ﴿ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا ﴾ زیادتی اور ظلم کے ساتھ' بھول کر نہیں اور نہ بطور قصاص کرے اور یہ دونوں مصدر ہیں حال کی جگہ پر واقع ہیں یا مفعول لہما ہیں ﴿ فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ﴾ تو عنقریب ہم اس کو ایسی آگ میں داخل کریں گے جس کا عذاب بہت سخت ہوگا ﴿ وَكَانَ ذٰلِكَ ﴾ اور اس شخص کو اس آگ میں داخل کرنا ﴿ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی آسان ہے اور آیت مبارکہ اس شخص کے لیے وعید (دھمکی) ہے جو دائمی عذاب کو محال سمجھتا ہے اور اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں یہ اس بات کا بیان ہے کہ مجرم دوزخ کی آگ میں جانے کا مستحق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و بخشش کے وعدہ کے ساتھ۔

۳۱۔﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: اس سورت کے شروع سے لے کر اس مذکورہ بالا آیت تک جس قدر کاموں سے منع کیا گیا ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور انہی سے دوسری آیت میں یہ بھی ہے کہ کبیرہ گناہ صرف تین ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو جانا' اور بعض اہل علم نے کہا کہ کبیرہ گناہ سے کفر کی تمام اقسام مراد ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کی قراءت میں ہے: ''مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ وَهُوَ الْكُفْرُ. یعنی جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ کفر کرنا ہے''

﴿ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا ﴾ [قاری نافع مدنی نے ''مَدْخَلًا'' (میم کو مفتوح) پڑھا ہے اور یہ دونوں قراءتوں پر ظرف مکان کے معنی میں ہے اور مصدر میمی بھی ہو سکتا ہے] ﴿ كَرِيْمًا ﴾ حسین و جمیل یعنی ہم انہیں اچھی جگہ میں داخل کریں گے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اس سورۂ نساء کی آٹھ آیات ایسی ہیں جو اس امت کے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہیں جن پر سورج طلوع و غروب ہو چکا ہے: (۱) يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ (۲) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ (۳) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ (۴) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا

یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ (٦) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (٧) وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ (٨) مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ اور معتزلہ فرقہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے پر صغیرہ گناہوں کا معاف ہو جانا واجب و لازم ہے اور یہ کہ کبیرہ گناہوں کی بخشش نہ ہونا باطل ہے کیونکہ کبیرہ اور صغیرہ گناہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت میں برابر ہیں' اگر وہ چاہے تو دونوں پر گرفت کر کے عذاب دے اور اگر وہ چاہے تو دونوں معاف فرما دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النساء:٤٨) بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا' سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں شرک کے علاوہ کے تمام گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرما لیا ہے اور اس وعدہ کو اپنی مشیت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ" (ھود:١١٤) بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں' سو یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے لیے جائز ہے کہ نیکیوں کے ذریعے معاف کر دیئے جائیں کیونکہ "سَیِّئَاتِ" کا لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے اور جب غیر کا مال ناجائز طریقے سے لینا اور ناحق قتل کرنا اور غیر کے مال و منصب کی تمنا کرنا (منع ہے تو پہلے دو کی ممانعت ذکر کرنے کے بعد اب تیسری ممانعت کا ذکر کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے انہیں کسی کے مال و منصب کی آرزو سے منع کر دیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

٣٢- ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کیونکہ یہ فضیلت و برتری اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے جو اس کی حکمت بالغہ اور تدبیر حقہ سے صادر ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات جانتا ہے اور رزق میں کشادگی اور فراخی اور تنگی میں سے کس شخص کے لیے کیا مناسب ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں جو قسمت لکھ دی ہے اس پر راضی رہے اور اپنے بھائی کی قسمت پر حسد نہ کرے کیونکہ حسد یہ ہے کہ آدمی یہ تمنا اور آرزو کرے کہ فلاں چیز فلاں شخص سے زائل ہو جائے اور مجھے مل جائے اور غبطہ (یعنی رشک) یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ تمنا کرے کہ فلاں شخص کی طرح مجھے بھی مال و دولت یا عہدہ و منصب مل جائے اور یہ خواہش جائز ہے جب کہ پہلی تمنا ناجائز ہے۔

شانِ نزول: اور جب مردوں نے کہا کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ میراث کی طرح ہمیں اجر و ثواب بھی عورتوں کے اجر و ثواب سے ڈبل ملے گا اور عورتوں نے کہا کہ میراث کی طرح ہم پر گناہوں کا بوجھ مردوں کے گناہوں کے بوجھ کا آدھا ہو گا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ مردوں کے لیے صرف اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لیے صرف اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے یعنی یہ جزاوسزا میراث کی طرح نہیں ہے ﴿وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوں گے اور تم لوگوں کے منصب و جاہ کی تمنا نہ کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اس کی طرف سے فضیلت و برتری استحقاق کے مواقع کو جاننے سے دی گئی ہے اور امام ابن عیینہ نے فرمایا کہ اس وقت کسی کو سوال کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جب اسے کچھ عطا کرنا ہوتا ہے اور حدیث شریف میں ہے: "مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ غَضِبَ عَلَیْهِ. کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے" اور اس میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے بہت سی بھلائی روک لیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: میں اپنے بندے کو اس وقت تک عطا نہیں کروں گا

جب تک وہ مجھ سے سوال نہیں کرے گا [قاری ابن کثیر مکی اور علی کسائی نے "وَسَلُوْا" (بغیر ہمزہ کے) پڑھا ہے]۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

ع ۷

اور ہم نے ہر ایک کے لیے وارث مقرر کر دیئے ہیں اس مال میں جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں' اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے تم انہیں ان کا حصہ دے دو' بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے O مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (یعنی مردوں کو عورتوں پر) فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں' سو نیک عورتیں فرماں بردار رہتی ہیں (اور) خاوند کی غیر موجودگی میں (اس کی آل اولاد' گھر بار' آبرو کی) حفاظت کرتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا ہے' اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو ان کو نصیحت کرو اور ان کو بستروں پر اکیلا چھوڑ دو' پھر انہیں ہلکا سا مارو' پھر اگر وہ تمہاری فرماں بردار ہو جائیں تو تم ان کے خلاف اذیت ناک راستہ نہ ڈھونڈو' بے شک اللہ سب سے بلند' سب سے بڑا ہے O

۳۳- ﴿وَلِكُلٍّ﴾ [مضاف الیہ محذوف ہے] تقدیر عبارت اس طرح ہے: "وَلِكُلِّ اَحَدٍ اَوْ لِكُلِّ مَالٍ. یعنی ہر ایک کے لیے یا ہر مال کے لیے" ﴿جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ ہم نے ورثاء مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے مالک بنتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں (تاکہ اس کو حقوق کے مطابق تقسیم کیا جائے) ﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ اس میں سے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں [اور یہ جملہ مال محذوف کی صفت ہے یعنی ہر ایک مال کے لیے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں' یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر "مَوَالِيَ" دلالت کرتا ہے] تقدیر عبارت اس طرح ہے: "يَرِثُوْنَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ" یعنی وہ لوگ وارث بنیں گے جو والدین نے چھوڑا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی تمہارے ہاتھوں نے جو عہد باندھا ہے [اور یہ مبتدا ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اس کی خبر "فا" کے ساتھ واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے] ﴿فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ پس انہیں ان کا حصہ دے دو [اور کوفی قراء نے "عَقَدَتْ" پڑھا ہے] یعنی ان کے معاہدوں کو تمہارے ہاتھوں نے باندھا ہے (جب کہ بعض قراء نے "عَاقَدَتْ" بھی پڑھا ہے) اور اس عقد سے عقدِ موالات مراد ہے اور یہ جائز ہے اور عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس سے وراثت ثابت ہو جاتی ہے اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مرد یا عورت مسلمان ہو جاتا جس کا کوئی ولی وارث نہ ہوتا اور نہ وہ عربی ہوتا اور نہ وہ کسی کا آزاد کردہ غلام ہوتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھی سے کہتا کہ میں نے تجھے اس شرط پر اپنا وارث مقرر کیا ہے کہ جب میں کسی کا خون کر دوں گا تو تم

میری دیت (خون بہا) ادا کرنا اور جب میں مر جاؤں گا تو تم میرے وارث ہو گے اور دوسرا کہتا کہ میں نے عہد قبول کر لیا تو معاہدہ دونوں میں منعقد ہو جاتا اور اعلیٰ ادنیٰ کا وارث بن جاتا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے یعنی وہ غیب وشہادت ظاہر و باطن اور پوشیدہ وعیاں سب کو جانتا ہے اور یہ کلام مبارک وعد و وعید کے لیے زیادہ بلیغ ہے۔

مرد کی فضیلت اور ثالث کی اہمیت کا بیان

۳۴- ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ مرد عورتوں کے حاکم و نگران ہیں کہ انہیں (امور خیر کا) حکم دینے والے ہیں (اور امور قبیحہ سے) روکنے والے ہیں جس طرح رعایا پر حکام نگران و حکمران ہوتے ہیں اور اس لیے انہیں رعایا کا کفیل و ذمہ دار کہا جاتا ہے ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [''بَعْضَهُمْ'' میں جمع کی ضمیر (هُمْ)] مردوں اور عورتوں کے لیے ہے یعنی مرد حضرات ان پر اس سبب سے نگران ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بعض کو فضیلت دی ہے اور وہ مرد حضرات ہیں بعض پر فضیلت دی ہے اور وہ عورتیں ہیں (جن چیزوں میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:) عقل میں کامل ہونا' ارادے کی مضبوطی' مستقل مزاجی' صاحب رائے ہونا' قوت وشجاعت' جہاد' نماز روزہ میں کامل ہونا' نبوت وخلافت' امامت' اذان' خطبہ' جماعت' جمعہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق ۹ ذی الحجہ کی صبح سے لے کر ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ہر باجماعت نماز کے بعد با آواز بلند ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' پڑھنا اور حدود وقصاص میں گواہی دینا' میراث میں ڈبل حصے کا حق دار ہونا اور اس میں عصبہ ہونا اور نکاح و طلاق کا مالک ہونا اور نسب کا اس کی طرف منسوب ہونا' خاندان کا سردار ہونا اور سر پر عمامہ باندھنے کی فضیلت حاصل کرنا ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ اور اس وجہ سے کہ مرد حضرات ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مردوں پر بیویوں کا نان ونفقہ واجب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں' ان میں پہلی قسم نیک عورتوں کی ہے اور وہ یہ ہیں: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ سو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں اور اپنے شوہروں کے وہ تمام حقوق ادا کرتی ہیں جو ان پر شرعاً لازم ہوتے ہیں ﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ﴾ پوشیدہ مقامات کی حفاظت کرتی ہیں' غیب جو ظاہر نہ ہو یعنی جب ان کے شوہر موجود نہیں ہوتے تو اس وقت بھی ان چیزوں کی حفاظت کرتی رہتی ہیں جن کی حفاظت حالتِ تنہائی اور حالتِ پوشیدہ میں بھی ان پر لازم ہے اور وہ ہے اپنی عزت و آبرو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت اور گھر بار' مال و اولاد کی حفاظت کرنا اور بعض نے کہا کہ غیب سے مراد شوہروں کے اسرار و رموز اور ان کے رازوں اور بھیدوں کی حفاظت کرنا اور لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا ہے ﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی ہے کہ ان کے شوہروں کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید کی ہے اور وہ ارشاد یہ ہے: ''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (النساء: ۱۹) ''اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو گناہوں سے بچالیا اور شوہروں کی غیر موجودگی میں حفاظت کی انہیں توفیق عنایت فرمائی یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی یہی حفاظت ہے کہ انہیں اس طرح (نیک' فرماں بردار اور عزت و آبرو کی محافظہ) بنا دیا ہے اور دوسری قسم نافرمان عورتوں کی ہے اور وہ یہ ہیں: ﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ﴾ اور جن عورتوں کے نافرمان ہونے اور اپنے شوہروں کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا تمہیں اندیشہ ہو اور ''نَشز'' بلند و بالا مکان کو کہتے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عورت کا ''نشوز'' یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے حقوق پورے نہ کرے اور اس کے حکم کو نہ مانے ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ تو تم انہیں نصیحت کرو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب

سے انہیں ڈراؤ کیونکہ خوف خدا اور نصیحت آمیز کلام سخت ترین دلوں کو نرم کر دیتا ہے اور متنفر و نافرمان طبیعتوں کو اطاعت و فرماں برداری کی طرف راغب کر دیتا ہے ﴿ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾ اور تم انہیں بستروں میں چھوڑ دو یعنی انہیں اپنے لحاف میں داخل نہ کرو اور یہ جماع نہ کرنے سے کنایہ ہے یا یہ کہ خاوند اس کے بستر میں لیٹ کر اپنی پشت کو اس سے پھیر کر دوسری طرف کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''فِي الْمَضَاجِعِ'' کہا ہے ''عَنِ الْمَضَاجِعِ'' نہیں فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں بستروں میں چھوڑ دو یہ نہیں فرمایا کہ انہیں بستروں سے الگ کر دو) ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ اور تم انہیں ہلکی مار مارو سخت مار نہ مارو (جس سے وہ زخمی ہو جائیں) اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو نصیحت کرنے کا حکم دیا' پھر ان کو بستروں میں چھوڑ دینے کا حکم دیا' پھر اگر ان میں نصیحت بھی کارگر نہ ہو اور ترکِ تعلق اور بستروں میں چھوڑ دینا بھی کوئی فائدہ نہ دے تو پھر ان کو نرم انداز میں مارنے کا حکم دیا ﴿ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ ﴾ پھر اگر وہ نافرمانی ترک کر کے تمہاری فرماں بردار بن جائیں ﴿ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ﴾ تو ان کے خلاف کاروائی کی راہ نہ ڈھونڈو اور تم تکلیف دہ تعاقب ان سے دور کر دو [اور اس میں ''سَبِيْلًا'' ''تَبْغُوْا'' کا مفعول ہے اور یہ ''تَبْغُوْا'' ''بَغَيْتُ الْاَمْرَ'' سے بنا ہے] ''اَیْ طَلَبْتُهٗ. یعنی میں نے اسے طلب کیا'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بلند و بالا اور بہت بڑا ہے یعنی اگر تمہارے ہاتھ تمہاری بیویوں پر بلند اور غالب ہیں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر قدرت ان پر تمہاری قدرت سے بہت بڑھ کر ہے' لہٰذا تم ان پر ظلم و ستم کرنے سے پرہیز کرو یا یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بلند اور بہت بڑا ہے اور تم اس کی نافرمانیاں کرتے ہو اس کے باوجود کہ اس کی شان بہت بلند ہے اور اس کی سلطنت و حکومت بہت بڑی ہے' پھر جب تم اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہو تو وہ تمہاری توبہ قبول فرمالیتا ہے' لہٰذا تم بھی اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ تم پر جو زیادتی کرے تم اسے معاف کر دو' وہ جب بھی اپنی غلطی سے رجوع کر لے' پھر اللہ تعالیٰ نے وارثوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

اور اگر تمہیں ان کے درمیان جھگڑے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کر دو' اگر وہ دونوں منصف صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان اتفاق کی توفیق پیدا کر دے گا' بے شک اللہ خوب جاننے والا' بہت خبر رکھنے والا ہے O اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور نزدیک کے ہمسایوں اور دور کے ہمسایوں اور

کروٹ کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ نیک سلوک کرو بے شک اللہ متکبروں خود اپنی بڑائی بیان کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O

٣٥- ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا﴾ [اس کی اصل "شِقَاقًا بَیْنَهُمَا" تھی پھر بطور وسعت "شقاق" کو ظرف کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ" (سبا: ٣٣) اس کی اصل "بَلْ مَكْرٌ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" ہے] اور "شقاق" کا معنی عداوت و مخالفت کرنا ہے کیونکہ میاں بیوی میں سے جو بھی یہ کام کرے گا وہ دوسرے پر گراں ہوگا یا وہ اپنے ساتھی کی جانب کی بجائے دوسری سمت کی طرف مائل ہو جائے اور "هُمَا" کی ضمیر "زوجین" یعنی میاں بیوی کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کا نام لے کر اس سے پہلے ذکر نہیں فرمایا (تو "بَیْنَهُمَا" میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ایسے ناموں کا ذکر جاری فرما دیا جو ان پر دلالت کرتے ہیں اور وہ: "الرجال" اور "النساء" ہیں ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ﴾ تو تم مرد کی طرف سے ایک ایسا منصف مرد ثالث مقرر کر دو جو فیصلہ کرنے اور عورت کی اصلاح کرنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہو ﴿وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کر دو اور میاں بیوی کی طرف سے دو منصف باصلاحیت ثالث اس لیے مقرر کر دیئے ہیں کہ عزیز و اقارب اندرونی حالات کو اور اصلاح طلب حالات اور تصفیہ طلب امور کو سب سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں اور میاں بیوی کے دل ان سے زیادہ مطمئن ہوتے ہیں سو یہ دونوں ثالت میاں بیوی کے اندرونی اور قلبی محبت و عداوت اور ساتھ چلنے یا جدا ہونے کے ارادوں کو بخوبی عیاں کر سکیں گے اور ﴿اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا﴾ [میں تثنیہ کی ضمیر دو ثالثوں کی طرف راجع ہے اور ﴿یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ میں "هُمَا" کی ضمیر "زوجین" یعنی میاں بیوی کے لیے ہے] یعنی اگر وہ دونوں ثالت میاں بیوی کے درمیان صلح کرانا چاہتے ہیں اور ان کی نیتیں درست ہیں تو ان کی وساطت میں برکت پیدا کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کی حسن سعی کی برکت سے میاں بیوی کے درمیان الفت و محبت اور اتفاق و اتحاد پیدا کر دے گا اور ان دونوں کے دلوں میں محبت و اتفاق ڈال دے گا یا یہ ضمیر بھی ثالثوں کے لیے ہے یعنی اگر وہ دونوں میاں بیوی کے لیے صلح اور خیر خواہی چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو توفیق عطا فرمائے گا اور وہ ایک متفقہ بات پر متفق ہو جائیں گے اور اتفاق کی طلب میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے یہاں تک کہ مقصد و مراد مکمل ہو جائے گا یا یہاں ضمیر بھی میاں بیوی کے لیے ہے یعنی اگر میاں بیوی خود اپنے درمیان اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور خیر کے طلب گار ہیں اور آپس کے اختلاف و عداوت کو دور کرنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان الفت و محبت ڈال دے گا اور ان کے اختلاف کو اتفاق سے اور ان کے بغض کو محبت سے تبدیل کر دے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ثالثوں کے ارادے کو خوب جانتا ہے ﴿خَبِیْرًا﴾ اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں سے ظالم سے خبر دار ہے اور ہمارے نزدیک ثالثوں کو میاں بیوی کے درمیان تفریق کا اختیار نہیں ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ان کو تفریق کرنے کا اختیار ہے۔

عبادت کا حکم، شرک کی ممانعت، حقوق العباد کی اہمیت اور بخل کی مذمت

٣٦- ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو بعض اہل علم نے کہا کہ عبودیت چار چیزوں کا نام ہے: (١) وعدوں کو پورا کرنا (٢) حاصل اور موجود نعمتوں پر راضی رہنا (٣) حدود الٰہی کی حفاظت کرنا (٤) غیر موجود اور لا حاصل اور نہ ملنے والی نعمتوں پر صبر کرنا ﴿وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا﴾ اور اس کے ساتھ کسی بت وغیرہ کو شریک نہ ٹھہراؤ اور یہ مصدر کا احتمال ہے "اَیْ اِشْرَاكًا" یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دینا ﴿وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو قول میں یعنی گفتگو کرنے میں، فعل میں یعنی ان کے ساتھ رہن سہن، برتاؤ، رویے اور ہر عمل میں حسن سلوک کے ساتھ

پیش آ ؤ اور ضرورت کے وقت ان پر مال خرچ کرو ﴿ وَّبِذِی الْقُرْبٰی ﴾ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ہر اس شخص کے ساتھ نیک سلوک کرو جس کے درمیان اور تمہارے درمیان کسی قسم کا رشتہ ہو خواہ بھائی ہو یا چچا ہو یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار ہو ﴿ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی ﴾ اور یتیموں اور محتاجوں اور قریب کے پڑوسیوں سے نیک سلوک کرو ﴿ وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ اور دور کے پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرو یا قریب کے پڑوسی سے مراد قرابت و رشتہ کے اعتبار سے قریبی پڑوسی مراد ہے اور دور کے پڑوسی سے اجنبی پڑوسی مراد ہے ﴿ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ﴾ اور پہلو اور کروٹ کے ساتھی سے مراد بیوی کے ساتھ نیک سلوک کرنا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: یا وہ شخص مراد ہے جو تیری صحبت میں اس طرح رہے کہ اسے تیری معیت اور سنگت حاصل رہے خواہ وہ سفر کا ساتھی ہو خواہ تعلیم علوم میں ساتھی ہو یا اس کے علاوہ کسی صنعت وحرفت میں ساتھی ہو یا مجلس یا مسجد میں تیرے پہلو میں بیٹھنے والا ساتھی ہو ﴿ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ اور مسافر یا مہمان مراد ہے ﴿ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ﴾ اور جن کے تم مالک ہو یعنی غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ نیک سلوک کرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ متکبر کو پسند نہیں کرتا جو اپنے رشتہ داروں اور اپنے پڑوسیوں سے نفرت کرتا ہے اور ان پر توجہ نہیں کرتا ﴿ فَخُوْرَا ﴾ نہ غرور کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے جو شیخی مارنے کے لیے اپنے مناقب ومحاسن گنتا اور بیان کرتا رہتا ہے سوا گر وہ تکبر وشیخی مارنے کی بجائے حقیقت کا اعتراف کرنے کے لیے اپنے محاسن بیان کرتا تو شکر گزار ہو جاتا۔

اِۨلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝۳۷ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۝۳۸ وَمَاذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ۝۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۴۰

جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں عنایت کیا اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے O اور جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے گا تو وہ بہت بُرا ساتھی ہے O اور ان پر کیا آفت آجاتی اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے O بے شک اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور وہ اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے O

۳۷۔ ﴿ اِلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ ﴾ [یہ "مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا" سے بدل واقع ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور لفظ "مَنْ"

کے معنی کے اعتبار سے اس کو جمع لایا گیا ہے یا پھر مخصوص بالذم کی بنا پر منصوب ہے یا اس بنا پر مرفوع ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''هُمُ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ'' وہی لوگ بخل کرتے ہیں ﴿ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ﴾ اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''بِالْبَخَلِ'' (فتح کے ساتھ) پڑھا ہے جیسے ''رُشْدٌ'' اور ''رَشَدٌ'' ہے یعنی اپنے زیر کنٹرول مال میں بھی بخل کرتے ہیں اور جو ان کے علاوہ دوسروں کے قبضہ میں مال ہوتا ہے اس میں بھی بخل کرنے کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنے مال میں بخل کرتے رہیں' یہ سخیوں کو ناراض کرنے کے لیے کرتے ہیں' بعض نے کہا کہ بخل یہ ہے کہ بخیل آدمی خود تو کھاتا ہے لیکن دوسروں کو نہیں کھلاتا اور شح (حریص بخیل) یہ ہے نہ خود کھائے اور نہ دوسروں کو کھلائے اور سخی وہ ہوتا ہے جو خود بھی کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے اور جواد وہ ہوتا ہے جو خود نہیں کھاتا (بلکہ خود بھوکا رہ کر) دوسروں کو کھلاتا ہے ﴿ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مال کی وسعت اور خوشحالی کی صورت میں جو انعام دیا تھا وہ لوگ اس کو چھپایا کرتے تھے اور حدیث شریف میں ہے: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر احسان کرتا ہے تو وہ یہ بھی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے اس بندے پر اس نعمت کا اثر دیکھے۔ ہارون الرشید کے ایک اعلیٰ افسر نے ان کے محل کے سامنے اپنا محل تعمیر کرایا اور کسی چغل خور نے اس کی شکایت کر دی تو اس افسر نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! کریم و شریف آدمی خوش ہوتا ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر دیکھے اس لیے میں نے چاہا کہ میں آپ کے احسانات کے آثار دکھا کر خوش کروں' چنانچہ ہارون الرشید کو اس کی یہ گفتگو بہت پسند آئی۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ آیت مبارکہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان کو چھپایا اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴾ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس کے ساتھ ان کو آخرت میں ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔

۳۸- ﴿ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ﴾ [یہ ''الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ'' پر معطوف ہے یا ''عَلَی الْكَافِرِیْنَ'' پر معطوف ہے] اور جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں ﴿ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ یہ مفعول لہٗ ہے یعنی یہ لوگ فخر و مباہات کے لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ لوگ بڑے سخی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ نہیں کرتے اور یہ منافقین تھے یا مشرکین مکہ تھے ﴿ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴾ اور وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ بُرا ساتھی ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کو بخل' ریا اور ہر قسم کی شرارت پر ابھارتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان کے لیے وعید (یعنی دھمکی) ہو کہ دوزخ کی آگ میں ان کا ساتھی شیطان ہو گا۔

۳۹- ﴿ وَمَاذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ﴾ اور ان کا کون سا نقصان ہو جاتا اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے یعنی ایمان لانے میں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں ان پر کون سی مصیبت اور وبال آ پڑتا اور اس سے مراد ان کی مذمت کرنا اور انہیں ڈرانا اور دھمکانا ہے ورنہ اس میں ہر قسم کی منفعت اور مصلحت تھی اور یہ ایسے ہے جیسے کسی نافرمان سے کہا جائے کہ اگر تو نیک ہو جاتا تو تیرا کون سا نقصان ہو جاتا حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ نیک ہونے میں کوئی نقصان نہیں لیکن اس کی مذمت کرنا اور ڈانٹنا مقصود ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے' یہ جملہ ان کے لیے وعید (دھمکی) ہے۔

٤٠-﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا" ذَرَّۃٌ" چھوٹی سرخ چیونٹی کو کہتے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنا ہاتھ مٹی میں داخل کیا اور اس کو نکال کر اوپر اٹھایا' پھر اس میں پھونک ماری اور فرمایا کہ اس کا اڑتا ہوا ہر قطرہ ذرہ ہے اور بعض نے کہا کہ گھر کے روشن دانوں اور کھڑکیوں میں نظر آنے والے غبار کے قطرات میں سے ہر قطرہ ذرہ ہے ﴿ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً ﴾ اور اگر وہ نیکی ذرہ کے برابر ہو [اور "مثقال" کی ضمیر مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ یہ مؤنث کی طرف مضاف ہے اور اہل حجاز اور قاری علی کسائی نے "حَسَنَةٌ" کو مرفوع پڑھا ہے اور "کَانَ" (تَكُ) کو تامہ قرار دیا ہے اور "تَكُ" اصل میں "تَكُنْ" تھا لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیف کرنے کے لیے نون کو حذف کر دیا گیا ہے ﴿ يُّضٰعِفْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ اس نیکی کا اجر وثواب دگنا کر دیتا ہے [قاری ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی نے "يُضَعِّفْهَا" (باب تفعیل سے عین مشدد کے ساتھ) پڑھا ہے ﴿ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کو اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمادے اس کی مقدار کو بھلا کون جان سکتا ہے جب کہ پوری دنیا کے سامان کو قلیل فرمایا گیا ہے اور اس آیت مبارکہ میں معتزلہ کے اس قول کی تردید ہوگئی ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مجرم ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگر چہ اس نے بہت ساری نیکیاں کی ہوں۔

وقف النبی علیہ السلام

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ ع

سو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے O اس دن وہ لوگ تمنا کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! انہیں مٹی میں دبا کر ان پر زمین برابر کردی جائے' اور وہ لوگ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے O

٤١-﴿ فَكَيْفَ ﴾ سو یہود وغیرہ کفار کیسے کریں گے ﴿ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ ﴾ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا ہے اس پر وہ گواہ ان کے بارے میں گواہی دے گا اور وہ گواہ ان کا نبی ہوگا ﴿ وَّجِئْنَا بِكَ ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم آپ کو لائیں گے ﴿ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ان پر یعنی آپ کی امت پر ﴿ شَهِيْدًا ﴾ گواہ' یہ حال ہے یعنی ہم آپ کو اس حال میں آپ کی امت پر گواہ بنا کر پیش کریں گے جس وقت آپ ایمان لانے والوں کے ایمان کی گواہی دیں گے اور کفر کرنے والوں کے کفر کی اور منافقت کرنے والوں کی منافقت پر گواہی دیں گے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورۃ النساء کی تلاوت کی اور آپ خاموش ہو کر غور سے سنتے رہے یہاں تک کہ جب وہ اس آیت مبارکہ "وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا" پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب روئے اور فرمایا: بس ہمیں کافی ہے۔

٤٢-﴿ يَوْمَئِذٍ ﴾ یہ آنے والے اگلے ارشاد کا ظرف ہے یعنی اس (قیامت کے) دن ﴿ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ﴿ وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ﴾ اور انہوں نے رسول کریم کی نافرمانی کی تھی کہ کاش! ان کو دفن کر کے ان پر زمین برابر کردی جائے جس طرح مردوں کو دفن کر کے زمین برابر

کر دی جاتی ہے یا قیامت کے دن وہ آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں قبروں سے نہ اٹھایا جاتا اور بے شک وہ اور زمین برابر ہو جاتے یا جب جانور مٹی ہو جائیں گے تو وہ لوگ ان کی حالت کی تمنا کریں گے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''تسا'' پر فتح اور سین کو مخفف کر کے امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ ''تَتَسَوّٰی'' تھا اور ایک ''تا'' کو حذف کر دیا گیا ہے اور قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی نے ''تسا'' کو سین میں مدغم کر کے پڑھا ہے (تُسَوّٰی) ﴿وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا﴾ یہ جملہ مستأنفہ ہے یعنی وہ لوگ اپنی باتوں کے چھپانے پر قادر نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۴۴﴾

اے ایمان والو! تم حالتِ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہے یا تم نے عورتوں کو چھو لیا ہے اور تم پانی پر قادر نہیں تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لو کہ تم اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے O کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ گمراہی خرید رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں راہِ حق سے بہکا دیں O

نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت اور یہود کی خیانت

شانِ نزول: جب حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا اور شراب تیار کرائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت کو دعوت دی اور اس وقت شراب جائز تھی تو انہوں نے کھانا کھایا اور شراب پی پھر انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو امام بنایا تا کہ وہ انہیں نمازِ مغرب پڑھا دے تو اس نے نماز میں ''قُلْ یَا اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ'' پڑھ دیا جس پر یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۴۳- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اے ایمان والو! تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشے میں ہو یعنی تم اس (نشہ کی) حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہتے ہو یعنی جو تم نماز میں پڑھتے ہو اس کو سمجھنے لگو اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ نشہ کی حالت میں ارتداد کا کلمہ بولنے سے آدمی مرتد (بے ایمان) نہیں ہو جاتا کیونکہ سورت الکافرون میں نفی کے لاموں کا چھوڑنا کفر ہے لیکن اس صحابی کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے اسم کے ساتھ ''اٰمَنُوْا'' کہہ کر مخاطب

فرمایا اور حضور نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم نہیں دیا اور نہ اس کو تجدیدِ ایمان کا حکم دیا اور اس لیے بھی کہ اس امت مرحومہ کے تمام اہل علم حضرات نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جس شخص کی زبان پر غلطی سے کفر کا کلمہ جاری ہو جائے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا ﴿ وَلَا جُنُبًا ﴾ [''وَاَنْتُمْ سُكَارٰى'' پر اس کا عطف ہے کیونکہ واؤ کے ساتھ اس جملے کا محل حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ اور نہ جنابت کی حالت میں یعنی جنابت کی حالت میں بھی تم نماز نہ پڑھو'' جُنُبٌ '' (بڑی ناپا کی) [واحد اور جمع اور مذکر اور مؤنث سب کے لیے مساوی استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ مصدر کے قائم مقام ہے اور وہ ''اِجْنَابٌ'' ہے] ﴿ اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ ﴾ یہ ارشاد باری تعالیٰ '' وَلَا جُنُبًا'' کی صفت ہے یعنی تم جنبی ہونے کی صورت میں نماز کے قریب نہ جاؤ ماسوا مسافر کے یعنی مقیم جنبی بغیر نہائے نماز نہ پڑھیں ماسوا مسافروں کے اور جنبی سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے غسل نہ کیا ہو' گویا کہا گیا ہے کہ تم بغیر نہائے نماز نہ پڑھو ﴿ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾ یہاں تک کہ تم غسل کر لو مگر یہ کہ تم مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کر لو اور مسافر کو تیمم کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ مسافر کی غالب حالت میں پانی دستیاب نہیں ہوتا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مذہب ہے اور حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز کے قریب نہ جانے سے نماز کے مقامات مراد ہیں جہاں نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور وہ مساجد ہیں اور نہ جنابت کی حالت میں یعنی تم جنات کی حالت میں مسجدوں کے قریب نہ جاؤ مگر یہ کہ تم راستہ عبور کرنے کے لیے مسجدوں سے گزرو' سو اس قول کے مطابق بہ وقت ضرورت جنبی کو مسجد میں سے گزرنا جائز ہے ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾ اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہے یعنی پست زمین سے کیونکہ وہ لوگ پست زمین میں قضائے حاجت کر کے آتے تھے اور یہ بے وضو ہو جانے سے کنایہ ہے ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ یا تم نے عورتوں کو چھو لیا یعنی تم نے ان سے جماع کیا' حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی طرح منقول ہے ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً ﴾ اور تم پانی کے استعمال پر قدرت نہ پاؤ پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے یا بہت دور ہونے کی وجہ سے یا پانی حاصل کرنے کے آلہ (ڈول وغیرہ) گم ہو جانے کی وجہ سے یا سانپ یا درندہ یا دشمن کی رکاوٹ کی وجہ سے ﴿ فَتَيَمَّمُوْا ﴾ تو تم تیمم کر لو اور شرط کے حکم میں چار چیزیں داخل کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) بیمار (۲) مسافر (۳) بے وضو (۴) جُنبی (ناپاک) اور ان کی جزا ایک ہے اور وہ ہے تیمم کا حکم دینا جو ان سب کے ساتھ متعلق ہے' سو بیمار حضرات جب کمزوری کے سبب حرکت نہ کر سکتے ہوں اور پانی تک پہنچنے سے عاجز ہوں' جب ایسی صورت میں وہ پانی کو نہ پا سکیں اور مسافر جب پانی کے بہت دور ہونے کی وجہ سے اس کو حاصل نہ کر سکیں اور بے وضو اور جنبی حضرات بعض اسباب کی وجہ سے پانی حاصل نہ کر سکیں تو ان سب کے لیے تیمم کرنا ضروری ہے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی نے ''لَمَسْتُمْ'' پڑھا ہے] ﴿ صَعِيْدًا ﴾ مٹی' علامہ زجاج نے کہا کہ ''صعید'' ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو زمین کے اوپر ہو خواہ مٹی ہو یا کچھ اور اور اگر چہ خالی پتھر ہو جس پر مٹی بھی نہ ہو' اگر تیمم کرنے والا اس پر اپنا ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لے تو وہ پاک ہو جائے گا اور سورت مائدہ میں ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں ہے ﴿ طَيِّبًا ﴾ پاک ﴿ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ﴾ تو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو' بعض نے کہا ہے کہ ''با'' زائدہ ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینے اور آسانی پیدا کرنے کے سبب بہت معاف کرنے والا ہے ﴿ غَفُوْرًا ﴾ غلطی اور کوتاہی کو بہت

بخشنے والا ہے۔

٤٤- ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ یہاں رؤیتِ قلبی مراد ہے اور اس کو "اِلٰی" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے اس کا معنی ہے: کیا تمہارا علم ان تک نہیں پہنچا؟ یا یہ معنی ہے: کیا تم نے ان کی طرف نہیں دیکھا ﴿ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ ان لوگوں کی طرف جن کو تورات کے علم کا ایک حصہ دیا گیا ہے اور وہ لوگ یہود کے علماء تھے ﴿ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ ﴾ وہ گمراہی خرید رہے ہیں یعنی وہ لوگ ہدایت کے بدلے میں گمراہی مول لے رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صحت پر واضح دلائل سامنے آ جانے کے باوجود وہ یہودیت پر ڈٹے ہوئے ہیں حالانکہ حضور سرورِ عالم ﷺ وہی عربی نبی ہیں جن کی تورات و انجیل میں خوشخبری سنائی گئی تھی ﴿ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴾ اور اے مسلمانو! وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راہِ حق سے بھٹک جاؤ جس طرح وہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ حمایت کے لیے کافی ہے اور اللہ مدد کرنے کے لیے کافی ہے ○ یہود میں سے بعض لوگ کلام کو اس کی اصل جگہ سے تبدیل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے اور نہیں مانا اور آپ سنئے نہ سنائے جائیں اور اپنی زبانیں گھما کر "راعنا" کہتے ہیں اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور آپ سنئے اور ہم پر نظرِ کرم فرمائیے تو البتہ یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور زیادہ درست ہوتا اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت مسلط کر دی سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت تھوڑے لوگ ○

٤٥- ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اس نے تمہیں ان کی عداوت و دشمنی سے خبردار کر دیا ہے سو تم ان سے بچو اور اپنے معاملات میں ان سے مشورہ وغیرہ نہ لو اور نہ ان کی نصیحت پر کان دھرو ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں نفع پہنچانے میں کافی کارساز ہے ﴿ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴾ اور تمام مشکلات کو دفع کرنے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد کافی ہے سو تم اسی کی حمایت و نصرت پر بھروسا کرو اس کے علاوہ کسی پر نہ کرو یا یہ معنی ہے کہ تم ان کی (یعنی یہود کی) پرواہ نہ کرو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں تمہاری ضرور مدد کرے گا اور وہی اللہ تعالیٰ ان کے مکر و فریب کے مقابلے میں تمہاری کفایت فرمائے گا [اور "وَلِيًّا" اور "نَصِيْرًا" تمیز کی بنا پر یا پھر حال واقع ہونے کی بنا پر منصوب ہیں]۔

تحریف کرنے کے باوجود یہود کو ایمان کی دعوت اور شرک کی مذمت

٤٦- ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ [یہ "اَلَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ" کا بیان ہے یا یہ "بِاَعْدَائِكُمْ" کا بیان ہے اوران دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے] اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ "نَصِيْرًا" کے ساتھ متعلق ہو یعنی یہود کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا جیسے ارشاد ہے: "وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" (الانبیاء:٧٧) اور ہم نے ان کی مدد فرمائی اس قوم پر جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا [یا پھر یہ محذوف کے ساتھ متعلق ہے] تقدیر عبارت اس طرح ہے: "مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا قَوْمٌ يُّحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ" یعنی یہود کی ایک جماعت کلام کو تبدیل کر دیتی ہے [اور اس میں "قوم" مبتدا ہے اور "يُحَرِّفُوْنَ" اس کی صفت ہے اور "مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا" اس کی خبر مقدم ہے اور موصوف محذوف ہے اور وہ قوم ہے اس کی جگہ اس کی صفت کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:] ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ وہ کلام الٰہی کو اس کی جگہ سے تبدیل کر دیتے ہیں اور وہ اس کو مٹا دیتے ہیں اور زائل کر دیتے ہیں کیونکہ جب انہوں نے اس کو تبدیل کیا اور اس کی جگہ دوسرا کلمہ رکھا تو انہوں نے اس کو تورات کی اس جگہ سے تبدیل کر دیا جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو رکھا تھا اور انہوں نے اس کو وہاں سے ہٹا دیا جیسے انہوں نے تورات میں "اسمر ربعة" (گندم گوں درمیانہ قد) کو تبدیل کر کے اس کی جگہ "ادَمُ طِوَالٌ" لکھ دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں "عَنْ مَّوَاضِعِهٖ" ذکر کیا ہے جب کہ سورۂ مائدہ میں "مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ" (المائدہ:٤١) ذکر کیا ہے تو "عَنْ مَّوَاضِعِهٖ" کا معنی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ کسی کلمہ کو اس کی اس اصلی جگہ سے دور کر دینا جہاں اللہ تعالیٰ کی حکمت رکھنا واجب کرتی ہے اور اس کو دوسرے تبدیل شدہ کلمہ کی جگہ رکھنا جہاں ان کی خواہشات کا تقاضا پورا ہوتا ہو اور "مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ" کا معنی یہ ہے کہ کلمات الٰہیہ کے لیے مناسب جگہیں ہوں جہاں رکھنا ان کے لیے مناسب ہے مگر جب یہود نے ان کو اصل جگہ سے تبدیل کر دیا اور ان کو چھوڑ دیا تو وہ کلمات اس مسافر کی طرح ہو گئے جس کی اپنی رہائش اور مکان رکھنے کے بعد اب حالت سفر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہو اور دونوں معنی قریب قریب ہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا﴾ اور وہ آپ سے کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سن لی ہے ﴿وَعَصَيْنَا﴾ اور ہم نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہود اس پر خوش ہوتے تھے ﴿وَاسْمَعْ﴾ اور ہماری بات سنیے ﴿غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ یہ مخاطب سے حال ہے یعنی آپ ہماری بات سنیے مگر آپ کی نہ سنی جائے اور یہ قول دو مطلب رکھتا ہے: ایک مذمت کا احتمال رکھتا ہے کہ ہماری بات سن لے تمہارے حق میں ہماری یہ دعا ہے کہ تم کسی کی بات کو نہ سن سکو اس لیے کہ اگر ان کی بددعا آپ کے خلاف قبول ہو جاتی تو آپ کچھ نہ سن سکتے اور بہرے ہو جاتے' انہوں نے یہ بات اس بھروسا پر کہی تھی کہ کاش! ان کی یہ بات قبول کر لی جائے یا یہ معنی ہے کہ سن لے تجھے اس بات کا جواب نہ دیا جائے جس کی تم لوگوں کو دعوت دیتے ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ایسا جواب نہ سنایا جائے جو تمہارے مدعا اور تمہارے مشن کے موافق ہو تو گویا تم کچھ نہ سن سکو یا یہ معنی ہے کہ سنیے تمہاری ایسی کوئی بات نہ سنی جائے جس سے تم خوش ہو جاؤ اور دوسرا مطلب مدح کا احتمال رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ہماری بات سنیے تمہیں کوئی تکلیف دہ بات نہ سنائی جائے اور جب کوئی کسی کو گالی دے تو تم کہتے ہو: "اَسْمَعَ فُلَانٌ فُلَانًا" کہ فلاں آدمی نے فلاں شخص کو سنا دیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَّرَاعِنَا﴾ ایک احتمال یہ ہے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے تاکہ ہم آپ سے بات چیت کر سکیں یعنی ہمارا خیال کیجئے اور ہمارا انتظار کیجئے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ عبرانی یا سریانی کلمہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے' جس کے ساتھ یہود گالیاں دیتے تھے اور وہ کلمہ "رَاعِيْنَا" ہے' چنانچہ یہود اس کے ذریعے دین کا مذاق اڑاتے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ذومعانی کلمہ بول کر آپ کا مذاق اڑاتے اور وہ اس کلمہ

سے دل میں گالی دینے اور توہین کرنے کی نیت کرتے تھے جب کہ وہ اس کلمہ کے ذریعے زبان سے تعظیم وتکریم کا اظہار کرتے تھے ﴿لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ﴾ وہ اپنی زبان مروڑ کر تبدیل کر کے بولتے تھے یعنی وہ لوگ اپنی زبانیں حق سے باطل کی طرف گھماتے' چنانچہ وہ ''اُنْظُرْنَا'' (ہم پر آپ نظرِ کرم فرمایئے) کی جگہ ''رَاعِنَا'' بولتے اور ''لَا اُسْمِعْتَ مَكْرُوْهًا'' (آپ کو تکلیف دہ بات نہ سنائی جائے) کی جگہ ''غَيْرَ مُسْمَعٍ'' بولتے تھے یا وہ لوگ اپنی زبانوں کو گھما کر گالی کے معنی کو دل میں پوشیدہ رکھتے اور منافقت سے کام لے کر تعظیم کا اظہار کرتے تھے ﴿وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ﴾ اور وہ دین میں طعنہ زنی کرتے ہیں اور اس سے ان کا یہ قول مراد ہے جو وہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو ضرور انہیں باتوں کی خبر دیتا جن کا ہم عقیدہ رکھتے ہیں ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سن لیا ہے اور ہم نے اس کو مان لیا ہے اور وہ یہ نہ کہتے کہ ہم نے نہیں مانا ﴿وَاسْمَعْ﴾ اور صرف اتنا کہتے کہ ہماری بات سنیے [اور اس کے ساتھ ''غَيْرَ مُسْمَعٍ'' نہ ملاتے] ﴿وَانْظُرْنَا﴾ [''رَاعِنَا'' کی بجائے ''وَانْظُرْنَا'' کہتے کہ ہم پر نظرِ کرم فرمایئے] ﴿لَكَانَ﴾ تو البتہ ان کی یہ باتیں ﴿خَيْرًا لَّهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے حق میں بہت بہتر ہوتیں ﴿وَاَقْوَمَ﴾ اور سب سے زیادہ انصاف پر مبنی ہوتیں اور سب سے زیادہ صحیح اور درست ہوتیں ﴿وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اختیار کر لینے کے سبب ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے' چنانچہ ان میں سے حضرت عبد اللہ ابن اسلام اور آپ کے دیگر ساتھی ایمان لے آئے تھے یا یہ معنی ہے کہ مگر تھوڑا سا کمزور ایمان لاتے تھے جو قابل اعتبار نہیں ہوتا اور وہ یہ کہ وہ لوگ صرف اپنے خالق پر ایمان لاتے تھے باقی سب کا انکار کرتے تھے اور جب یہود ایمان نہ لائے تو (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

اے اہل کتاب! تم اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے جو تمہارے پاس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ دیں' سو ہم ان کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتے کے روز شکار کرنے والوں پر لعنت کی تھی' اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے O بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا' اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ کمایا O کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کر دیتا ہے' اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا

جائے گاO دیکھو! یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں' اور وہ افتراء صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہےO

۴۷۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا ﴾ اے اہل کتاب! تم اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید پر ایمان لاؤ ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ وہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (یعنی قرآن مجید) تورات کی تصدیق کرنے والا ہے ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا ﴾ اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ دیں یعنی ہم ان کی صورتوں کے نقوش مٹا دیں کہ ان کی آنکھیں' ابرو' ناک اور منہ وغیرہ مٹا دیں ﴿ فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ ﴾ پھر ہم ان کو ان کی پیٹھ کی طرف کر دیں اور ہم ان کو پشت کی طرح ہموار کر دیں اور وہ اس طرح کہ ان کے چہروں کو ان کی پشتوں کی طرح برابر کر دیا جائے اور ''فا'' سببیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو برعکس کر کے دُھرا عذاب دیا جائے گا کہ ایک کو دوسرے کی جگہ پر کر دیا جائے گا یعنی چہروں کو بگاڑنے کے بعد پشت کی جگہ لوٹا دیا جائے گا اور اب معنی یہ ہوگا کہ ہم ان کے چہروں کو بگاڑ دیں گے' پھر ان کے بگڑے ہوئے چہروں کو پشتوں کی جگہ الٹا دیں گے اور پشتوں کو چہروں کے مقام پر رکھ دیں گے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ''طَمْسٌ'' سے دلوں کا بگاڑنا مراد ہے جیسا کہ قبطیوں کے مالوں کو تبدیل کر کے پتھر بنا دیا گیا تھا' ''وُجُوْہٌ'' سے ان کے سر اور وجاہت و عزت و سرداری مراد ہے یعنی اس سے پہلے کہ ہم ان کی باعزت سیادت کے احوال بدل دیں اور ہم ان کا اقبال و خوش بختی اور سرداری چھین لیں اور ہم ان کو ذلیل و رسوا اور پست کر کے اوندھا کر دیں ﴿ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ﴾ یا ہم ان پر لعنت کر دیں جیسا کہ ہم نے ہفتے کے دن شکار کرنے والوں پر لعنت بھیجی تھی یعنی ہم ان کو مسخ کر دیں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو مسخ کر دیا تھا [اور اگر ''وُجُوْہٌ'' سے سرداری مراد ہو تو (هُمْ) ضمیر ''وُجُوْہٌ'' کی طرف لوٹے گی یا پھر ''اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ'' کی طرف بطور التفات لوٹے گی اور یہ وعید (دھمکی) اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر وہ تمام یہود ایمان نہیں لائیں گے (تو ان کے چہروں کو مسخ کر دیا جائے گا) اور جب کہ ان میں سے بعض حضرات ایمان لے آئے تھے' چنانچہ جب حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت مبارکہ سنی تو شام سے واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے' اپنے گھر بیوی بچوں کے پاس جانے سے پہلے سیدھے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر مسلمان ہوئے اور عرض کی کہ میں یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ میں اپنا چہرہ بگڑنے سے پہلے اپنے گھر پہنچ سکوں گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے: (۱) چہروں کا بگڑنا (۲) ان پر لعنت کا برسنا' پھر اگر چہروں کے بگڑنے سے ان کی سرداری کے احوال کا تبدیل کرنا مراد ہے تو یہ ایک کام تو ہو چکا اور اگر اس کے علاوہ مراد ہے تو ان پر لعنت ہو چکی ہے کہ ہر زبان ان پر لعنت کرتی ہے اور بعض نے کہا کہ یہود کے بارے میں اس کا انتظار ہے (ممکن ہے کہ یہ عذاب انہیں قیامت میں دیا جائے گا) ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ عذاب الٰہی ہے جس کا یہود سے وعدہ کیا گیا ہے ﴿ مَفْعُوْلًا ﴾ ہر حال میں حکم خدا ہو کر رہتا ہے' سو اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان میں سے ایک امر ضرور واقع ہوگا۔

۴۸۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا اگر وہ شرک کی حالت میں مر گیا ﴿ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ یعنی شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ بخش دے گا اگرچہ کبیرہ گناہ ہو اور بغیر توبہ کے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرک توبہ کرنے کے بعد بخشا جائے گا (ورنہ نہیں) اور بے شک شرک کے علاوہ بخشش کا وعدہ ہر اس گنہگار مسلمان کو شامل ہے جس نے توبہ نہیں کی یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشے گا جو شرک کرتا ہے جب کہ وہ مشرک ہی رہے اور اس شخص کو بخش دے گا جو گناہ کرتا ہے جب کہ وہ گنہگار ہی ہو۔ حضور نبی اکرم رسول معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَلَمْ تَضُرُّهُ خَطِیْئَتُهُ'' جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس نے

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا اور اس کا کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔[1]
﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو وہ چاہے گا اور اللہ تعالیٰ کا مغفرت کے وعدے کو اس ارشاد کے ساتھ مقید کرنا اس کو اس کے عموم سے خارج نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ'' (الشوریٰ:١٩) ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے جس کو چاہتا رزق عطا فرماتا ہے'' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے پورے قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ سب سے زیادہ محبوب ہے اور معتزلہ کا اس آیت کریمہ کو صرف توبہ کرنے والے پر محمول کرنا باطل ہے کیونکہ توبہ کرنے سے تو کفر کرنے والا بھی بخشا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ'' (الانفال:٣٨) ''اے محبوب! کافروں سے فرمادیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو ان کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے'' لہٰذا جو اس سے کم ہے اس کی مغفرت توبہ کے ساتھ بطریق اولیٰ ہوگی اور آیت مبارکہ ان دونوں کے درمیان فرق بیان کرنے کے لیے لائی گئی اور وہ یہی ہے جس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ گھڑا یعنی اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا جس کی وجہ سے وہ دردناک عذاب کا مستحق ہو گیا۔

یہود کی خودستائی ' بے ایمانی ' اسلام دشمنی اور اس کا انجام

شانِ نزول: اور یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ یہود و نصاریٰ میں سے ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اپنے آپ کو پاک باز بتایا تھا اور کہا تھا کہ ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'' (المائدہ:١٨) ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' ''وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' (البقرہ:١١١) اور انہوں نے کہا کہ جنت میں صرف یہودی اور نصرانی جائیں گے''۔

٤٩- ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک باز ثابت کرتے ہیں اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو خود اپنے آپ کو پاک باز ثابت کرتا ہے اور خود ہی اپنے آپ کو پاکیزہ اعمال کے ساتھ موصوف کرتا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ مطیع و فرماں بردار اور متقی و پرہیز گار ثابت کرتا ہے ﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بناتا ہے' اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ معتبر پاکیزگی اسی کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ پاکیزہ بناتا ہے اور اس کے علاوہ کسی کا ازخود پاکیزہ بننا یا کسی کو بنانا کوئی قابل اعتبار حقیقت نہیں کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ ہی پاکیزگی کی اہلیت وصلاحیت رکھنے والوں کو خوب جانتا ہے اور اس کی مثل (درج ذیل ارشاد ہے:) ''فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى'' (النجم:٣٢) ''سو تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ بتاؤ وہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے'' ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ اپنے آپ کو پاکیزہ بتاتے ہیں ان کو پاکیزگی بتانے کی سزا دی جائے گی مگر جتنی سزا کے وہ حق دار ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا یا جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو ان کی پاکیزگی پر ثواب دیا جائے گا اور ان کے ثواب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی ﴿فَتِيْلًا﴾ ذرہ کے برابر اور انگلیوں میں میل کچیل کے جو ذرات پیدا ہو جاتے ہیں انہیں ''فتیل'' کہا جاتا ہے۔

٥٠- ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ دیکھو! یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور وہ اپنے

[1] رواہ مسلم فی کتاب الایمان رقم الحدیث:١٥٠-١٥٣ ' البخاری فی کتاب العلم باب ٤٩ ' الترمذی فی کتاب الایمان باب ١٨ ' النسائی فی کتاب الصلوٰۃ باب ١ ' ابن ماجہ فی کتاب الدیات باب ١ ' احمد فی مسندہ ج ١ ص ٤٧-٣٨٢ ' ج ٢ ص ١٧٠-٣٦٢

خیال میں سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ ترین لوگ ہیں ﴿ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ اور ان کے اس خیال کے باوجود ان کے باقی تمام گناہوں میں یہ افتراء اور یہ بہتان ان کے صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ ؕ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ ۙ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ بت اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو اس کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے O کیا ان کا ملک میں کچھ حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ ایک تل کے برابر بھی کوئی چیز لوگوں کو نہ دیتے O کیا وہ لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے سو بلاشبہ ہم نے ابراہیم کی آل کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور ان کو بہت بڑی سلطنت عطا کی تھی O

۵۱- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ عطا کیا گیا یعنی یہود کو ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ ﴾ جو بتوں پر ایمان لاتے ہیں "جِبْتٌ" سے بت اور ہر وہ چیز مراد ہے جن کی یہود و غیرہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے ﴿ وَالطَّاغُوْتِ ﴾ اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴾ اور وہ کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

شانِ نزول: یہ حُيَيّ ابن اخطب اور کعب بن اشرف یہودیوں نے کہا تھا جو یہود کا ایک وفد لے کر مکہ مکرمہ گئے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے قریش سے باہمی امداد کا معاہدہ کر لیں' جب قریش سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور دین کے اعتبار سے تم ہم سے زیادہ ان کے قریب ہو اور قرابت کے اعتبار سے وہ تم سے زیادہ ہمارے قریب ہیں' لہٰذا ہمیں تم پر اعتبار نہیں ہے' ممکن ہے کہ تم ہم سے دھوکہ کرو اس لیے تم ہمارے اطمینان کے لیے ہمارے خداؤں کو سجدہ کرو تاکہ ہمیں تم پر اطمینان ہو جائے' چنانچہ ان سب یہودیوں نے ان کے خداؤں کو سجدہ کیا اور یہی بتوں اور شیطان پر ان کا ایمان لانا ہے کیونکہ انہوں نے بتوں کو سجدہ کیا اور یہ کام کر کے انہوں نے ابلیس ملعون کی اطاعت کی' پھر ابو سفیان نے کہا کہ بتاؤ! ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں یا (محبوب خدا حضرت سرور کائنات) محمد (ﷺ) زیادہ ہدایت یافتہ ہیں' کعب بن اشرف نے کہا: تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔

۵۲۔﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے یعنی انہیں رحمت سے دور کر دیا ہے ﴿ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴾ اور جس شخص پر اللہ تعالیٰ لعنت کر دے تو تم اس کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے' جو اس کی مدد کر سکے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دو اوصاف بخل اور حسد کو بیان کیا ہے اور یہ دونوں بدترین خصائل میں سے ہیں کہ وہ اپنا مال روک کر رکھتے ہیں اور دوسروں کے مال کی تمنا کرتے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۵۳۔﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ ﴾ پس اس میں ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور ہمزہ کا معنی اس بات سے انکار ہے کہ ان کا ملک میں کچھ حصہ ہے ﴿ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴾ یعنی اگر ملک میں ان کا کچھ حصہ ہوتا یعنی وہ دنیا دار مالک ہو جاتے یا اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کے ملک کا مالک بنا دیتا تو پھر یہ لوگ بخل کی زیادتی کے باعث کسی کو ایک باریک دھاگہ کے برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے اور ''نقیر'' کھجور کی گٹھلی کے باریک شگاف کو کہا جاتا ہے اور یہ قلت وحقارت میں مثال دی جاتی ہے جیسے کپاس کی بٹی ہوئی باریک بتی (جس سے چراغ روشن کیا جاتا ہے)۔

۵٤۔﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ بلکہ کیا وہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں؟ حسد سے روکنے اور اس کی قباحت بیان کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ (یعنی یہودی) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں سے محض اس لیے حسد وبغض رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح ونصرت اور غلبہ وکامیابی عطا فرمائی اور ان کی عزت ووقار میں اضافہ کر دیا اور ان کو دن بہ دن ترقی سے ہمکنار کر دیا ہے ﴿ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور بے شک ہم نے (اس سے پہلے) ابراہیم کی آل کو کتاب یعنی تورات شریف اور حکمت یعنی نصیحت اور فقہ (دستورِ اسلامی) عطا کی ہے ﴿ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴾ اور ہم نے انہیں بہت بڑا ملک عطا فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں) حضرت یوسف' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو بادشاہی عطا فرمائی تھی اور یہ ان پر حجت ہے کہ وہ خود اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کو کتاب وحکمت سے نوازا ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے اسلاف ہیں اور یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب وحکمت سے اسی طرح نوازا ہے' جس طرح آپ کے اسلاف (بزرگوں کو) نوازا گیا تھا۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝۵۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۵٦ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝۵۷

تو ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائے اور ان میں سے کچھ نے اس سے منہ پھیر لیا' اور ان کو بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے○ بے شک جنہوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا ہے ہم عنقریب ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے'

جب کبھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں سے تبدیل کر دیں گے تا کہ وہ ہمیشہ عذاب کو چکھتے رہیں' بے شک اللہ زبردست غالب ہے (اور) بہت بڑی حکمت والا ہےO اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم عنقریب ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے' ان میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی' اور ہم ان کو گھنے سایہ میں داخل کریں گےO

۵۵- ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ﴾ تو یہود میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لے آئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ﴾ اور ان میں سے کچھ نے منہ موڑ لیا اور جاننے کے باوجود اس کی صحت سے انکار کر دیا یا یہود میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے اور ان میں سے کچھ نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور آپ سے اعراض کر لیا ﴿وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا﴾ اور منکرین کے لیے بھڑکتی ہوئی جہنم کافی ہے۔

۵٦- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا﴾ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا ہے ہم عنقریب ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے اور ''نُصْلِيْهِمْ'' کا معنی ''نُدْخِلُهُمْ'' ہے یعنی ہم ان کو داخل کریں گے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ﴾ جب کبھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ''نَضِجَتْ'' کا معنی ''اَحْرَقَتْ'' ہے یعنی جل جانا ﴿بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا﴾ تو ہم ان کے علاوہ دوسرے چمڑے سے تبدیل کر دیں گے اور ان چمڑوں کو تیار کریں گے جو پہلے نہیں جلائے گئے اور تبدیل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی ہیئت وشکل بدل دی جائے گی ان کی اصلیت نہیں بدلی جائے گی اور اہل حق کا یہی مذہب ہے' کرامیہ اس کے خلاف ہیں اور حضرت فضیل سے منقول ہے کہ جل کر پکی کھال کی جگہ کچی کھال چڑھا دی جائے گی ﴿لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ تا کہ وہ لوگ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں اور یہ عذاب کبھی منقطع اور ختم نہ ہو جیسے کسی عزیز کے لیے تمہارا یہ کہنا کہ ''اَعَزَّكَ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ عزت پر قائم رکھے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر بہت غالب ہے وہ مجرموں کو سزا دینا چاہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا ﴿حَكِيْمًا﴾ وہ اس میں بہت بڑی حکمت والا ہے جو وہ کافروں کے ساتھ کرتا ہے۔

اہل ایمان کا انعام' امانت کی اہمیت' اللہ اور رسول کی اطاعت اور قرآن وسنت کی اہمیت

۵۷- ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے' ان میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی یعنی وہ ہر قسم کی نجاست وگندگی اور حیض ونفاس کے خون سے پاک صاف ہوں گی ﴿وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا﴾ اور ہم انہیں خوب گھنے سایہ میں داخل کریں گے' یہ ''ظَلِيْلٌ'' صفت ہے جو لفظ ''ظَلٌّ'' سے مشتق ہے اور یہ معنی کی تاکید کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''لَيْلٌ اَلْيَلُ'' یعنی بہت سیاہ رات اور یہ وہ طویل گھنا سایہ ہے جس میں دھوپ نہیں گزر سکے گی اور یہ سایہ ہمیشہ قائم رہے گا' اس کو سورج نہیں مٹا سکے گا اور خوشگوار سہانا معتدل موسم ہوگا جس میں نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی ہوگی اور یہ صرف جنت کا سایہ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے حکام بالا کی امانتیں ادا کرنے اور عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ

تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ ع

ع ٥

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو' اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو' بے شک اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے' بے شک اللہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے O اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کریم کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کی' پھر اگر کسی چیز میں تمہارا آپس میں اختلاف ہو جائے تو تم اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو' یہ بہت بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے O

٥٨- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس حکم میں فرائض کی ادائیگی بھی شامل و داخل ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس کو انسان نے اپنے ذمے لیا تھا اور حواس کی حفاظت کرنا بھی اس میں شامل ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں ﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو ﴿ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ تو انصاف اور برابری سطح پر فیصلہ کرو (تاکہ کسی فریق کے ساتھ زیادتی نہ ہو) اور کہا گیا کہ حضرت عثمان بن طلحہ بن عبد الدار خانہ کعبہ کے خادم اور چابی بردار تھے اور رسول اللہ ﷺ نے (فتح مکہ کے دن) ان سے چابی لے لی تھی' پھر جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چابی دے کر حکم فرمایا کہ یہ چابی انہیں واپس کر دو اور حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے حق میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ہے اور آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھ کر سنائی تو حضرت عثمان بن طلحہ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام آسمانوں سے نیچے اترے اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خبر دیتے ہوئے عرض کی کہ اب یہ چابی ہمیشہ حضرت عثمان بن طلحہ کی اولاد میں رہے گی ﴿ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ﴾ [اس میں ''مَا'' نکرہ منصوبہ موصوفہ ہے اور ''يَعِظُكُمْ بِهٖ'' اس کی صفت ہے] گویا کہا گیا ہے کہ وہ بہت بہترین چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے [یا یہ ''مَا'' موصولہ محلاً مرفوع ہے اور اس کا صلہ اس کے بعد والا جملہ ہے] یعنی وہ بہت اچھی چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے [اور مخصوص بالمدح محذوف ہے] ''اَیْ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ذَالِكَ'' یعنی اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ بہتر ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے' امانتیں ادا کرنا اور فیصلہ جات میں عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے [اور نافع مدنی ابو عمرو بصری نے نون کو مکسور عین ساکن کر کے (نِعْمَا) پڑھا ہے اور ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی نے نون کو مفتوح اور عین کو مکسور (نَعِمَّا) پڑھا ہے] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا ﴾ بے شک اللہ تمہاری سب باتیں سننے والا ہے ﴿ بَصِيْرًا ﴾ تمہارے تمام اعمال کو وہ دیکھ رہا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حکام کو امانتیں ادا کرنے اور انہیں عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا تو پھر اپنے (درج

ذیل) ارشاد میں عام لوگوں کو بھی ان کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنے کا حکم دیا:

۵۹۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول پاک کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو امیر ہے اس کی (اطاعت کرو) یعنی "اُولِی الْاَمْرِ" سے حکام وقت مراد ہیں یا علمائے دین مراد ہیں جن کا حکم و فیصلہ اور فتویٰ حکام وقت پر بھی نافذ و جاری ہوتا ہے ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ ﴾ پھر اگر تمہارا اور حکام وقت کا دین کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے ﴿ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ تو تم اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم کی طرف لوٹا دو یعنی تم اس مسئلہ میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کرو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یعنی کیونکہ ایمان اطاعت وفرماں برداری کو واجب و لازم کرتا ہے نہ کہ نافرمانی کو اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک حکام وقت حق کے مطابق چلتے رہیں گے اس وقت تک ان کی اطاعت وفرماں برداری رعایا پر واجب و لازم رہے گی اور جب وہ حق کی مخالفت کریں گے تو ان کی اطاعت جائز نہیں رہے گی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ"۔ یعنی خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں' اور حکایت بیان کی گئی ہے کہ مسلمہ بن عبد الملک بن مروان نے ابو حازم سے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" میں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا؟ تو ابو حازم نے کہا کہ کیا حق کی مخالفت کی صورت میں تم سے اطاعت کا حکم چھین نہیں لیا گیا اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کے مطابق "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ اَیْ الْقُرْاٰنِ وَالرَّسُوْلِ فِیْ حَیَاتِهٖ وَاِلٰى اَحَادِیْثِهٖ بَعْدَ وَفَاتِهٖ" یعنی اگر تمہارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو تم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی قرآن مجید کی طرف لوٹا دو اور رسول پاک کی طرف لوٹا دو ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد ان کی احادیث مبارکہ کی طرف لوٹا دو ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ رجوع کی طرف اشارہ ہے یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا ﴿ خَیْرٌ ﴾ دنیا میں بھی بہتر ہے ﴿ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴾ اور آخرت میں اس کا سب سے اچھا انجام ہوگا۔

منافقین کے نفاق' حضور کی شفاعت وحاکمیت اور اطاعت کی اہمیت کا بیان

شانِ نزول: بشر نامی منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہو گیا اور یہودی نے اس کو حضور نبی کریم ﷺ سے فیصلہ کرانے کی دعوت دی کیونکہ یہودی جانتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رشوت نہیں لیتے اور فیصلہ صحیح کرتے ہیں اور منافق نے اس کو یہودیوں کے رشوت خور عالم وسردار کے پاس جانے کی دعوت دی تاکہ اس کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا سکے (مگر یہودی نے انکار کر دیا اور منافق کو حضور کے پاس جانے کے لیے مجبور کر دیا)' چنانچہ یہ دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (اور اپنا اپنا مدعا بیان کیا جس سے یہودی کا برحق ہونا ثابت ہو گیا) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا مگر منافق اس پر راضی نہ ہوا اور یہودی سے کہا کہ آیئے! ہم حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فیصلہ کرا لیتے ہیں (چنانچہ دونوں حضرات ان کی خدمت میں حاضر ہوئے) اور یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ سنا دیا ہے لیکن یہ شخص ان کے فیصلے پر راضی نہیں ہے تو حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کہ کیا اسی طرح ہوا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! (ایسا ہی ہوا ہے) سو حضرت عمر نے فرمایا: تم دونوں یہیں ٹھہرو یہاں تک میں واپس تمہارے پاس آ جاؤں' چنانچہ حضرت عمر گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اپنی تلوار اٹھائی اور پھر واپس گھر سے باہر تشریف لائے اور اپنی اس تلوار کے ساتھ اس منافق کی

گردن کاٹ دی اور فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم کے فیصلہ پر راضی نہیں اس کے لیے میرا یہی فیصلہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید میں (درج ذیل) آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ بے شک وہ ایمان لا چکے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے چاہتے یہ ہیں کہ شیطان سے فیصلہ کرائیں' حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے O اور جب انہیں کہا گیا کہ تم اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول پاک کی طرف آؤ تو آپ نے منافقوں کو دیکھا کہ وہ آپ سے منہ پھیر لیتے ہیں O پھر ان کا کیسا حال ہوگا جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑے گی ان کے اپنے ہاتھوں کے آگے بھیجے ہوئے کرتوتوں کے سبب' پھر وہ لوگ اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے آپ کے پاس آئے کہ نیکی اور باہمی موافقت کے سوا ہمارا اور کوئی ارادہ نہیں تھا O

٦٠- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے خیال میں دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ بے شک عمر نے حق اور باطل میں فرق کر دیا ہے' چنانچہ حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ نے ان کی یہ بات سن کر حضرت عمر سے فرمایا: "اَنْتَ الْفَارُوْقُ. اے عمر! تم فاروق ہو" (اس لیے حضرت عمر کا لقب فاروق ہے) ﴿ يُرِيْدُوْنَ ﴾ [یہ "يَزْعُمُوْنَ" کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی وہ چاہتے ہیں ﴿ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ ﴾ کہ وہ اپنا فیصلہ شیطان سے کرالیں یعنی کعب بن اشرف یہودی کے پاس اپنا مقدمہ لے جائیں' اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان اس لیے کہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عداوت و دشمنی میں اور سرکشی و نافرمانی میں بہت بڑھ چکا تھا یا اسے شیطان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یا رسول اکرم' نبی محترم' سرورِ عالم ﷺ کے پاس اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے جانے کی بجائے کسی اور کو مقدمات کے فیصلے کا اختیار دینا شیطان کو حاکم ماننے کے مترادف ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ﴾ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کر دیں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو حق سے بہکا دے ﴿ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾ بہت دور کی گمراہی یعنی موت تک لے جانے والی گمراہی۔

۶۱- ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ﴾ اور جب ان سے یعنی منافقین سے کہا گیا کہ ﴿ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ ﴾ تم اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب (قرآن مجید) اور رسول کریم کی طرف آؤ ﴿ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴾ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے منہ پھیر کر آپ کے غیر کے پاس اپنا مقدمہ لے جاتے ہیں تاکہ رشوت دے کر اس کو اپنے فریب میں پھنسالیں اور وہ انہی کے حق میں فیصلہ کر دے۔

۶۲- ﴿ فَكَيْفَ ﴾ سو ان کا کیسا حال ہوگا اور وہ اس وقت کیسے کریں گے ﴿ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ ﴾ جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑے گی جیسے حضرت عمر کا بشر منافق کو قتل کر دینا ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ﴾ اس وجہ سے کہ ان کے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے کہ آپ کی بجائے آپ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے کا ارادہ کیا اور آپ کے فیصلے پر الزام لگایا اور آپ کے فیصلے پر راضی نہ ہوئے ﴿ ثُمَّ جَاءُوكَ ﴾ پھر منافقین میں سے مقتول کے ساتھی آپ کے پاس حاضر ہوئے ﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ ﴾ [یہ ''جَاءُوكَ'' کی ضمیر فاعل سے حال ہے] یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہوئے حاضر ہوئے ﴿ إِنْ أَرَدْنَا ﴾ کہ ہم نے آپ کے غیر کے پاس مقدمہ کا فیصلہ کرانے سے کوئی ارادہ نہیں کیا ﴿ إِلَّا إِحْسَانًا ﴾ مگر نیکی کا ارادہ کیا برائی کا نہیں ﴿ وَتَوْفِيقًا ﴾ دو جھگڑنے والے فریقوں کے درمیان موافقت و صلح کا ارادہ کیا تھا آپ کی مخالفت کا ہم نے ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ آپ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور یہ ان کے لیے وعید (یعنی دھمکی) ہے کہ ان کا یہ عمل غلط تھا اور بے شک وہ عنقریب نادم و شرمندہ ہوں گے لیکن ان کی یہ ندامت و شرمساری انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ان کی معذرت انہیں بچا سکے گی اور ایک قول کے مطابق اس منافق کے ورثاء اس کے خون بہا کا مطالبہ کرنے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا خون رائیگاں کر دیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے جانے سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ وہ انصاف پر مبنی فیصلہ کر کے اور دونوں فریقوں کے درمیان موافقت و صلح کرا کے ہمارے ساتھی کے ساتھ نیکی کریں گے اور ہمارے دلوں میں ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ حضرت عمران کے حق میں ایسا فیصلہ کر گزریں گے جو انہوں نے کر دیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿۶۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۶۵﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں نفاق کو اللہ خوب جانتا ہے سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو خوب نصیحت کیجئے اور ان کے دلوں میں اتر جانے والی مؤثر بات کیجئے ○ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی

اطاعت کی جائے' اور اگر بے شک وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کے پاس آ جاتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور یہ رسول بھی ان کی سفارش کر دیتے تو وہ لوگ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا' بے حد مہربان پاتے O تو اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو اپنا حاکم مان لیں' پھر آپ جو فیصلہ فرما دیں اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں رکاوٹ و تنگی نہ پائیں اور (اس کو) خوشی کے ساتھ دل و جان سے تسلیم کر لیں O

٦٣- ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلبی نفاق کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴾ سو ان سے اعراض کیجئے یعنی ان کی معذرت قبول کرنے سے منہ پھیر لیجئے اور ان کو زجر و توبیخ کیجئے اور ان کے غلط عمل سے انکار کر کے انہیں ڈانٹ کر نصیحت کیجئے اور ان کو نصیحت کرنے میں ڈرا دھمکا کر مبالغہ کیجئے یا ان کو سزا دینے سے اعراض کیجئے اور ان کو عتاب کر کے نصیحت کیجئے اور آپ کے دل میں وعظ کا جو جذبہ موجزن ہے اس سے کام لے کر ان کی کنہ کی مراد تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جس کی وجہ سے انہوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے اور بلاغت یہ ہے کہ ناصح اپنی زبانی تبلیغ کے ذریعے کسی کے دل کی گہرائی تک پہنچ جائے [اور ''فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ'' ''قُلْ لَّهُمْ'' سے متعلق ہے] یعنی ان کے نفوس خبیثہ اور قلوب شریرہ جو منافقت سے لبریز ہیں ان میں اتر جانے والی بات ان سے فرمایئے جو ان میں خوب اثر کرے۔

٦٤- ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ اور ہم نے کوئی رسول ہرگز نہیں بھیجا ﴿ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی طرف سے آسانی پیدا کرنے سے اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی جائے یا اللہ کے حکم کے سبب اس کی اطاعت کی جائے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے جن کی طرف رسول بھیجا ہے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رسول کی اطاعت کریں کیونکہ رسول اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے اس لیے اس کے رسول کی اطاعت خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:۸۰) ''اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور اگر انہوں نے فیصلہ کے لیے شیطان کے پاس جا کر جب اپنی جانوں پر ظلم کر لیا تھا ﴿ جَآءُوْكَ ﴾ تو مخالفت کے ارتکاب سے معذرت کرتے ہوئے اور منافقت سے توبہ کرتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہو جاتے ﴿ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ ﴾ سو وہ مخالفت و منافقت کرنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہوئے مغفرت و بخشش مانگتے ﴿ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ اور رسولِ کریم ان کی شفاعت کرتے ہوئے ان کے لیے مغفرت و بخشش طلب کرتے [اور ''اِذْ ظَّلَمُوْٓا'' میں ''اَنَّ'' کی خبر عامل ہے اور وہ ''جَآءُوْكَ'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ ظلم کرتے وقت آپ کے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو ﴿ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا ﴾ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا پا لیتے اور وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا جان لیتے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ''وَاسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ'' کہ آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجئے نہیں فرمایا اور اس سے طریقۂ التفات کی طرف عدول کر کے آپ کے اسم مبارک (الرَّسُوْلُ) کا صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کی رفعت و بلندی کا اظہار ہو جائے اور آپ کے استغفار کی عظمت و کرامت ظاہر ہو جائے اور اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ آپ کے اسم گرامی ''رسول'' کی شفاعت کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند مقام ہے ﴿ رَّحِيْمًا ﴾ ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے' بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد آپ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے ایک اعرابی آیا اور آ کر آپ کی قبر

انور سے لپٹ گیا اور اس کی خاک شفا اٹھا کر اپنے سر پر لگائی اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے ہم نے سن لیا ہے اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس میں یہ آیت مبارکہ بھی ہے کہ "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" الآیۃ اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں' میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں' آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت کی دعا کیجئے تو حضور کی قبر مبارک سے آواز آئی کہ بے شک تجھے بخش دیا گیا ہے۔[1]

[1] میں یہاں قارئین کی روحانی تسکین اور اس واقعہ کی تائید و توثیق کے لیے اپنے مشفق و مربی استاذی المکرم شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی "تفسیر تبیان القرآن" ج ۲ ص ۷۱۴۔۷۱۶ کا مضمون نقل کر رہا ہوں جس کے بعد مزید دلائل کی ضرورت نہیں رہے گی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا جواز

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں عاصیوں اور گناہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کے پاس استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے' مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے ان میں الشیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب "الشامل" میں حضرت شیخ عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" الآیۃ اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں' پھر اس نے دو شعر پڑھے:

اے وہ جو زمین کے اندر مدفونین میں سب سے بہتر ہیں — جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں — اس میں عفو ہے' اس میں سخاوت ہے' اس میں لطف و کرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا' حضرت عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی' میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر خوشخبری دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۸۔۳۲۹' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵' البحر المحیط ج ۳ ص ۲۹۴' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں: یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی شیخ عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۹۔۴۶۰' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۶۵- ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ [اصل میں "فَوَرَبِّكَ" ہے] جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ" (الحجر:۹۲) اور "لا" قسم کے معنی کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور قسم کا جواب ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ہے یا تقدیر اس طرح ہے: "فَلَا اَیْ لَیْسَ الْاَمْرُ كَمَا یَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ" سونہیں یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں' پھر فرمایا: اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہو سکتے ﴿حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ یہاں تک کہ وہ آپ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم مان لیں جن معاملات میں وہ آپس میں اختلاف کر بیٹھیں اور باہم الجھ پڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہو جائیں اور اسی سے "شجو" لیا گیا ہے کیونکہ درخت کی شاخیں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں اور آپس میں خلط ملط ہو جاتی ہیں ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ﴾ پھر آپ جو فیصلہ فرما دیں اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں تنگی اور رکاوٹ محسوس نہ کریں اور "حَرَجًا" کا معنی "ضَيِّقًا" ہے یعنی ان کے دل آپ کے فیصلے پر تنگ نہ ہو جائیں اور کسی قسم کی ناگواری ان کے دلوں پر نہ آئے یا ان کے دلوں میں کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہو کیونکہ شک کرنے والا اپنے معاملے میں تنگ دل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے سامنے یقین واضح ہو جائے ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ اور وہ آپ کے فیصلے کو خوب تسلیم اور قبول کر لیں اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیں اور اس کو پوری طرح مکمل مان لیں یعنی اس کے لیے خالص ہو جائیں اور "تسلیم" مصدر ہے جو فعل کی تاکید کے لیے تکرار کے قائم مقام ہے گویا کہا گیا ہے کہ وہ لوگ آپ کے فیصلے کو اس طرح دل و جان سے تسلیم کر لیں کہ اس کے متعلق نہ ظاہر میں شک و شبہ رہے نہ باطن میں رہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کے حکم اور آپ کے فیصلے پر راضی ہو جائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) معروف دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں: عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے' اسی طرح دیگر متعدد علمائے کرام نے قدیماً و حدیثاً اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ "مواہب" میں بہ سند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد بن حرب ہلالی سے روایت ہے کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ "یَا خَیْرَ الرُّسُلِ" اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوں' پھر دو شعر پڑھے اور اس حضرت محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں' پس حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص ۲۵۴) اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں: پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰) ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعتِ مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء السقام ص ۱۲۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہ کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۶۵-۳۶۶ ملخصاً مطبوعہ ادارہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾

اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر باہر نکل جاؤ تو ان میں سے صرف تھوڑے سے لوگ اس پر عمل کرتے' اور اگر وہ لوگ اس پر عمل کر لیتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور ایمان پر قائم رہنے کے لیے زیادہ مضبوط ہوتا O اور اگر وہ ایسا کرتے تو ہم ضرور ان کو اپنی طرف سے بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرماتے O اور ہم ضرور ان کو سیدھے راستے پر چلاتے O اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا رہے گا تو وہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں' اور یہ بہت عمدہ ساتھی ہیں O

٦٦- ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور اگر ہم منافقوں پر فرض کر دیتے یعنی اگر ہمارا لکھا ہوا حکم ان پر جاری ہو جاتا ﴿اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ کہ تم اپنے آپ کو قتل کر دو (یعنی تمہارے جرم کی یہی سزا ہے) [اس میں حرف ''اَنْ'' مفسرہ ہے] یعنی تم جہاد کی خاطر اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کر دو یا یہ معنی ہے کہ اگر ہم ان پر واجب کر دیتے جس طرح ہم نے بنی اسرائیل پر اپنے آپ کو قتل کرنا واجب کر دیا تھا ﴿اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ یا ہجرت کر کے اپنے گھروں سے باہر نکل جاؤ ﴿مَّا فَعَلُوْهُ﴾ تو وہ لوگ اپنی منافقت کی وجہ سے یہ کام ہرگز نہ کرتے اور اس میں ''ھا'' ضمیر دونوں فعلوں کے مصدروں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹتی ہے اور وہ قتل کرنا یا گھر سے باہر نکل جانا ہے یا یہ ضمیر مکتوب کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''كَتَبْنَا'' دلالت کر رہا ہے ﴿اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ مگر ان میں سے چند لوگ اس پر عمل کرتے [قاری ابن عامر شامی نے اس کو استثناء کی بناء پر ''قَلِيْلًا'' (منصوب) پڑھا ہے اور یہ ''فَعَلُوْا'' کی واؤ سے بدل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے] ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ اور اگر انہیں جس کی نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کر لیتے یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع اختیار کر لیتے اور آپ کے فیصلے کو مان لیتے ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ تو البتہ یہ عمل ان کے لیے دین و دنیا (دونوں جہانوں) میں بہتر ہوتا ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ اور ایمان کو ثابت و قائم رکھنے میں زیادہ مستحکم ہوتا اور اس میں شک و شبہ کو بہت دور کر دیتا۔

٦٧- ﴿وَّاِذًا﴾ یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے' گویا کہا گیا ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ تو کہا گیا کہ اگر وہ ایمان پر ثابت قدم رہے ﴿لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ تو ہم ان کو اپنے پاس سے بہت زیادہ اجر و ثواب عنایت کریں گے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

٦٨- ﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ اور ہم ان کو ضرور سیدھے راستے پر چلائیں گے یعنی ہم ان کو دین حق پر ثابت رکھیں گے اور ''صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا'' (موصوف صفت) ''هَدَيْنَا'' کا دوسرا مفعول ہے۔

٦٩- ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کرتے رہیں گے تو وہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا' وہ انبیائے کرام اور صدیقین ہیں جیسے انبیائے کرام کے افاضل صحابہ کرام اور صدیق وہ جو بہت سچ بولنے والا ہو جس کا ظاہر معاملات میں صداقت وسچائی کے ساتھ آراستہ ہو اور اس کا باطن مراقبہ ومجاہدہ سے آراستہ ہو یا صدیق وہ شخص ہوتا ہے جس کا کردار اور گفتار (نیز عقیدہ) سچا ہو ﴿وَالشُّهَدَآءِ﴾ اور شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کردیئے گئے ﴿وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے احوال اچھے ہوں اور اعمال نیک ہوں ﴿وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ اور یعنی یہ کتنے اچھے ساتھی اور کتنے عمدہ دوست ہیں اور یہ ''رَفِيْقًا'' صدیق اور خلیط کی طرح ہے کہ واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے (کیونکہ یہ لفظاً واحد ہے معنیً جمع ہے)۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾

یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے' اور اللہ کافی ہے جاننے والا O اے ایمان والو! تم اپنے دفاع کی خاطر سامانِ جنگ تیار کر لو پھر دشمن کی طرف الگ الگ گروپ کی شکل میں روانہ ہو جاؤ یا سب مل کر نکلو O اور بے شک تم میں سے البتہ ایک گروہ ضرور تاخیر کرے گا' پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ گئی تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا O اور اگر تمہیں اللہ کا فضل مل جائے تو وہ ضرور کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہیں تھی: کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا O

٧٠- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ﴾ [ہے یا پھر ''الْفَضْلُ'' اس کی صفت ہے ''مِنَ اللّٰهِ'' اس کی خبر ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اطاعت گزاروں کے لیے اجرِ عظیم اور انعام یافتہ حضرات کی رفاقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی فضل وکرم فرمایا ہے یا مراد یہ ہے کہ انعام یافتہ حضرات کی فضیلت و عظمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی ہے' خوب جاننے والا ہے کہ کون صاحبِ فضیلت ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو کر رہا ہے وہ اس کا فضل وکرم ہے مگر معتزلہ اس کے خلاف کہتے ہیں۔

جہاد کا حکم اور مظلوم ومقہور مسلمان قوم کی آزادی کے لیے جہاد کرنے کی اہمیت

٧١- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے دفاع اور بچاؤ کے لیے سامان جنگ لے لو اور

"حِذْرٌ" اور "حَذَرٌ" کا ایک معنیٰ ہے اور وہ ہے: اپنے آپ کو بچانا اور اپنا دفاع کرنا اور یہ دونوں "اِثْرٌ" اور "اَثَرٌ" کی طرح ہیں اور جس وقت کوئی شخص ہوشیار ہو جائے اور خوف دلانے والی چیز سے بچ کر رہے تو کہا جاتا ہے: "اَخَذَ حِذْرَهٗ. کہ فلاں آدمی نے اپنا بچاؤ کر لیا" گویا اس نے اپنے دفاع کو بچنے کا آلہ بنا لیا جس کے ذریعے وہ اپنے نفس کو بچا لیتا ہے اور اپنی روح کی حفاظت کرتا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ہوشیار رہو اور دشمن سے بچنے کا انتظام کرو ﴿فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ﴾ سو تم الگ الگ جماعتیں بنا کر دشمن کی طرف نکل جاؤ اور گروہ در گروہ بن کر نکلو پس "ثبات" کا معنیٰ "جماعات" ہے اس کا واحد "ثُبَةٌ" ہے ﴿اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا﴾ یعنی یا تم سب مل کر نکلو یا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کی قیادت میں نکلو کیونکہ جماعت بغیر امیر کے نامکمل ہوتی ہے جیسے ہار بغیر جوہری کے نہیں پرویا جاتا یا الگ الگ گروپ بن کر نکلو جب کہ دشمن کے مقابلے میں روانگی کا اعلان عام نہ ہو یا سب مل کر نکلو جب روانگی کا عام اعلان ہو جائے۔

٧٢- ﴿وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ﴾ میں لام ابتدا کے لیے ہے جیسے "اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ" (النحل:١٨) میں ہے اور "مَنْ" موصولہ ہے ﴿لَّیُبَطِّئَنَّ﴾ میں قسم کا جواب محذوف ہے اس کی تقدیر یوں ہے: "وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ اَقْسَمَ بِاللّٰهِ لَیُبَطِّئَنَّ" اور بے شک تم میں سے البتہ ایک گروہ وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی کہ وہ ضرور تاخیر کرے گا [اور قسم اور جوابِ قسم "مَنْ" کا صلہ ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر وہ ہے جو "لَیُبَطِّئَنَّ" میں پوشیدہ ہے یعنی وہ ضرور تاخیر کرے گا اور وہ ضرور جہاد سے پیچھے رہ جائے گا اور "بَطُؤَ" کا معنیٰ ہے: "اَبْطَاَ" یعنی تاخیر کی اور "مَا بَطُؤَ بِكَ" کہا جاتا ہے پھر "با" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لشکر کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "مِنْكُمْ" کا مطلب ہے کہ وہ بہ ظاہر تم میں سے ہیں لیکن باطن اور حقیقت میں تم میں سے نہیں ہیں کیونکہ منافقین ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیوں قتل کرتے ہو ٹھہرو اور دیر کرو تا کہ جنگ کا معاملہ واضح ہو جائے ﴿فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ﴾ پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے یعنی تم قتل ہو جاؤ یا تمہیں شکست ہو جائے ﴿قَالَ﴾ تاخیر کرنے والا کہتا ہے: ﴿قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا ورنہ مجھے بھی ویسے مصیبت پہنچتی جس طرح ان کو پہنچی ہے۔

٧٣- ﴿وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور البتہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فضل یعنی فتح و کامیابی یا مال غنیمت مل جائے ﴿لَیَقُوْلَنَّ﴾ تو یہ تاخیر کرنے والا مال غنیمت کے فوت ہو جانے پر افسوس کرتے ہوئے ضرور کہے گا حصول ثواب کے لیے نہیں کہے گا ﴿كَاَنْ﴾ [ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی دراصل "كَاَنَّهٗ" ہے] ﴿لَّمْ تَكُنْۢ﴾[1] [قاری حفص اور ابن کثیر مکی نے اس کو "تا" کے ساتھ پڑھا ہے] ﴿بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ﴾ [یہ فعل اور اس کے مفعول کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور وہ "لَیَقُوْلَنَّ" ہے اور اس کا مفعول ﴿یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ﴾ ہے] اور معنیٰ یہ ہے کہ گویا اس کی تمہارے ساتھ اس سے پہلے کوئی دوستی نہیں تھی کیونکہ منافقین بہ ظاہر مسلمانوں سے دوستی کرتے لیکن اندرون خانہ مسلمانوں کے لیے مصیبتوں اور ہلاکتوں کے طلب گار رہتے ﴿فَاَفُوْزَ﴾ [یہ منصوب ہے کیونکہ تمنّی کا جواب ہے] ﴿فَوْزًا عَظِیْمًا﴾ تو میں مال غنیمت سے بہت زیادہ حصہ حاصل کر لیتا۔

---

[1] واضح رہے کہ قدیم مصری نسخے میں "كَاَنْ لَّمْ یَكُنْ" ہے اور یہ باقی قراء کی قراءت ہے اور اس مفسر کے قول "وَبِالتَّاءِ" کے مناسب بھی یہی ہے لیکن ہم نے قدیم نسخے کی پیروی نہیں کی بلکہ ہم نے امام حفص کی قراءت کے مطابق قرآنِ مجید کے متن کی پیروی کی ہے (کیونکہ قرآن مجید میں "كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ" ہے) الشیخ زکریا عمیرات۔ غوثوی مہاروی

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

پھر وہ لوگ اللہ کی راہ میں ضرور لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض میں فروخت کرتے ہیں' اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑتا ہے' پھر وہ مارا جاتا ہے یا وہ غالب آ جاتا ہے تو ہم عنقریب اس کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے ○ اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی راہ میں بعض ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی آزادی کے لیے نہیں لڑتے جو دعا کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں' اور تو اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی کارساز و حامی بنا دے' اور تو اپنے پاس سے ہمارے لیے مددگار بنا دے ○

۷۴۔ ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ پس ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا چاہیے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں فروخت کرتے ہیں' یہاں ''يَشْرُوْنَ'' بہ معنیٰ ''يَبِيْعُوْنَ'' ہے یعنی بیچتے ہیں اور اس سے وہ مسلمان مراد ہیں جو دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور وہ دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض میں بدلنا چاہتے ہیں یعنی اگر وہ لوگ رک گئے ہیں جن کے دل بیمار ہیں اور ان کی نیتیں جہاد کرنے سے کمزور ہو گئی ہیں تو اسلام پر ثابت قدم رہنے والے مخلص مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں یا یہ معنیٰ ہے کہ جو خرید رہے ہیں اور اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید رہے ہیں اور اب وہ چاہتے ہیں کہ اپنی نفاق کی حالت کو بدل دیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم پر ایمان لانے میں مخلص ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے ﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے' پھر وہ مارا جاتا ہے یا وہ غالب آ جاتا ہے تو ہم عنقریب اس کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے ہر مجاہد سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ کامیاب ہو کر لوٹ آئے یا شکست کھا کر شہید ہو جائے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے دین کے اعزاز میں جہاد کرنے پر اس کو بہت بڑا اجر و ثواب عنایت کیا جائے گا۔

۷۵۔ ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے [یہ مبتدا خبر ہیں اور یہ استفہام نفی میں تاخیر کرنے پر تنبیہ کرنے کے لیے اور اثبات میں انکار کے لیے آتا ہے] ﴿لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں لڑتے [اور یہ حال واقع ہو رہا ہے اور اس میں عامل فعل مستقر ہے جیسے تم کہتے ہو: ''مَالَكَ قَآئِمًا''] اور معنیٰ یہ ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے

تم جہاد کو ترک کر رہے ہو حالانکہ اس کے دواعی و اسباب ظاہر ہو چکے ہیں ﴿ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ ﴾ [یہ ''سَبِیلِ اللّٰہ'' پر معطوف ہونے کی بنا پر مجرور ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کمزوروں کی خلاصی کرانے میں (کفار سے جہاد کرو) [یا یہ اختصاص کی بنا پر منصوب ہے] یعنی کمزور کرنے والے ظالموں سے کمزور مظلوموں کی خلاصی اللہ تعالیٰ کی راہ میں سے مخصوص کر لی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہر کار خیر کو شامل ہے لیکن مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں سے آزاد کرانا سب سے بڑی خیر ہے اور سب سے خاص خیر ہے اور کمزوروں سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر لیا تھا اور مشرکین مکہ نے انہیں ہجرت کرنے سے روک دیا تو وہ ذلیل و کمزور ہو کر ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے پیچھے مکہ مکرمہ میں رہ گئے اور مشرکین انہیں سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے ﴿ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ﴾ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے' یہاں بچوں کا ذکر مشرکین کے مظالم کی زیادتی کو ثابت کرنے کے لیے کیا گیا ہے حتیٰ کہ بچوں کے ماں باپ کو مقہور و مغلوب کرنے کے علاوہ ان غیر مکلّف بچوں تک ان کے مظالم پہنچ چکے تھے اور یہ اس لیے کہ کمزور و مظلوم مسلمان اپنی دعاؤں میں اپنے بچوں کو شریک کر لیتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ ان بے گناہ بچوں کی دعا کی برکت سے ان پر اپنی رحمت نازل فرما دے جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' آپ نے فرمایا کہ میں اور میری ماں کمزور عورتوں اور بچوں میں سے تھے ﴿ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے یعنی مکہ مکرمہ سے ﴿ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ﴾ جس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں [اس میں ''الظالم'' ''قریۃ'' کی صفت ہے مگر اس کو ''اَهْلُهَا'' کی طرف مسند کیا گیا ہے اس لیے اس کو ''القریۃ'' کا اعراب دیا گیا ہے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے اور اس کا ''اھل'' کی طرف اسناد کر کے ذکر کیا گیا ہے] جیسے تم کہتے ہو: ''مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ ظَلَمَ اَهْلُهَا'' کہ اس بستی سے جس کے رہنے والوں نے ظلم کیا ہے ﴿ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴾ اور تو ہمارے لیے اپنی طرف سے کارساز بنا دے جو ہمارے معاملے کا انتظام سنبھال لے اور ہمیں ہمارے دشمن سے نجات دلا دے ﴿ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴾ اور تو اپنے پاس سے ہمارے لیے مددگار مہیا کر دے جو دشمنانِ دین کے خلاف ہماری مدد کرے اور یہ مسلمان بڑے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اس سے مدد طلب کرتے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے لیے مدینہ منورہ کی طرف نکلنے کو آسان فرما دیا اور باقی بعض فتح مکہ تک یہیں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کے لیے بہترین حامی و مددگار مہیا فرما دیا اور وہ (سرکارِ مدینہ' سرورِ قلب و سینہ حضرت) محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ہیں' چنانچہ آپ نے ان کا بہترین انتظام فرمایا اور ان کی زبردست مدد فرمائی اور جب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا حاکم مقرر فرمایا اور انہوں نے ہر فریادی کی فریاد رسی فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے اقتدار اور مدد و نصرت کو ویسے پایا جیسے انہوں نے چاہا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ طاقتور کے مقابلے میں کمزور کی مدد فرماتے تھے یہاں تک کہ تمام اہل مکہ ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے اور سب سے زیادہ معزز ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں کیونکہ وہی ان کا حامی و مددگار ہے اور ان کے دشمن شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں جن کا شیطان کے علاوہ کوئی مددگار نہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾

جولوگ ایمان دار ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں' سو تم شیطان کے دوستوں سے لڑو' بے شک شیطان کا مکروفریب کمزور ہےO کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ اللہ سے ڈرنے کی طرح لوگوں سے ڈرنے لگا یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگا' اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا اور تو نے ہمیں کچھ مہلت کیوں نہ دے دی؟ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے' اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گاO

۷۶- ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ ﴾ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ طاغوت یعنی شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ﴾ سو تم شیطان کے دوستوں یعنی کفار سے لڑو ﴿ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ ﴾ بے شک شیطان کا فریب یعنی اس کے وسوسے' بعض اہل علم نے فرمایا کہ فریبیوں کے طریقے پر حیلہ اور بہانہ کر کے فساد پھیلانا ''کید'' کہلاتا ہے ﴿ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ نہایت کمزور ہے کیونکہ وہ ایک دھوکہ ہے جو کسی نصب العین کی طرف رجوع نہیں کرتا یا یہ معنی ہے کہ شیطان کا مکرو فریب اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد اور اس کی تدبیر کے مقابلے میں بہت کمزور ہے اور مسلمان جب تک مکہ مکرمہ میں رہے انہیں کافروں کے ساتھ جہاد کرنے سے روک دیا گیا تھا اور وہ تمنا و آرزو کیا کرتے تھے کہ انہیں کافروں کے ساتھ لڑنے کی اجازت دی جائے تو ان کے حق میں یہ (درج ذیل) آیت مبارک نازل ہوئی:

۷۷- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ﴾ (اے محبوب!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ تم لڑنے سے اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ ﴾ اور تم نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا یعنی مدینہ منورہ میں جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ﴿ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ اچانک ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے یعنی وہ لوگ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان سے کفار لڑیں گے جس طرح وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر کوئی سختی نازل فرما دے' یہ خوف دین میں شک کی بنا پر نہیں تھا اور نہ جہاد سے روگردانی کی وجہ سے تھا بلکہ دلوں میں خطرات کی وجہ سے اور موت سے خوف کی وجہ سے فرار تھا۔ حضرت الشیخ امام ابومنصور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ خوف طبعی خوف تھا اور ان میں یہ خوف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے آرڈر سے اعتقادی کراہت کی بنا پر نہیں تھا کیونکہ انسان ہر اس چیز سے کراہت

کرنے پر پیدا کیا گیا ہے جس میں اس کی ہلاکت کا غالب امکان ہو[اور ''خَشْیَۃِ اللّٰہِ'' میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے اور وہ ''یَخْشَوْنَ'' میں ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] یعنی وہ لوگوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے مشابہ ہو گئے ہیں ﴿ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً ﴾ یا اس سے زیادہ ڈرتے ہیں، یہ حال پر معطوف ہے یعنی یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے زیادہ لوگوں سے ڈرتے ہیں [اور حرف ''اَوْ'' تخییر کے لیے ہے] یعنی اگر تم یہ کہو کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے تو تمہارا یہ کہنا درست ہے اور اگر تم یہ کہو کہ وہ اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں تو بھی درست ہے کیونکہ ان کو اس کی مثل بھی خوف حاصل تھا اور اس سے زیادہ بھی ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا، ہمیں تھوڑی سی مہلت کیوں نہیں دے دی؟ یعنی تو نے ہمیں مرنے تک مہلت کیوں نہیں دے دی تا کہ ہم اپنے بستر مرگ پر موت کی آغوش میں چلے جاتے (اور جہاد سے بچ جاتے) اور یہ سوال ان پر جہاد فرض کرنے کی حکمت کے بارے میں کیا گیا ہے اس کے حکم پر اعتراض نہیں کیا گیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کو اس سوال پر ڈانٹا نہیں گیا بلکہ ان کو (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کے ذریعے جواب دیا گیا ہے: ﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا سا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت سب سے بہتر ہے (کیونکہ) دنیا کا سامان تھوڑا اور فانی ہے، زائل ہونے والا اور آخرت کا سامان بہت زیادہ اور دائمی ہے، باقی رہنے والا ہے اور جب کثیر مال زوال پذیر ہو تو قلیل اور تھوڑا شمار ہوتا ہے تو پھر قلیل و تھوڑا اور زائل ہونے والا کس شمار میں ہو گا ﴿ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴾ اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ قتل و غارت کی مشقت پر تمہارے اجر و ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے گا، سو تم اس سے اعراض و روگردانی نہ کرو [اور قاری ابن کثیر مکی اور حمزہ اور علی کسائی نے اس کو ''یا'' کے ساتھ (لَا یُظْلَمُوْنَ) پڑھا ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں خبردار کیا ہے کہ موت سے ڈرنا اور جہاد سے بچنا تقدیر سے نجات نہیں دیتا:

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْہُمْ حَسَنَۃٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۚ وَاِنْ تُصِبْہُمْ سَیِّئَۃٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِکَ ؕ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ فَمَالِ ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ؕ وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ حَفِیْظًا ﴿۸۰﴾ؕ

تم جہاں کہیں رہو موت تمہیں پا لے گی اگر چہ مضبوط قلعوں میں رہو، اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی تو کہتے: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی بُرائی پہنچتی تو کہتے: یہ آپ کی طرف سے ہے، (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ سب اللہ کی

طرف سے ہے' سو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات کو نہیں سمجھتے O (اے انسان!) تجھے جو بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو بُرائی پہنچے تو وہ تیرے نفس کی کارستانی ہے' اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے' اور اللہ گواہی کے لیے کافی ہے O جو شخص رسول کریم کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے منہ پھیر لیا تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا O

نیکی و بدی کی نسبت کرنے کا ضابطہ' اطاعتِ رسول کی اہمیت اور منافقین کے نفاق

٧٨- ﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ ﴾ [''مَا'' زائدہ ہے''اَيْنَ'' میں شرط کے معنی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے] یعنی تم جہاں کہیں رہو موت تمہیں پالے گی ﴿ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾ اور اگر چہ تم مضبوط ترین بلند و بالا قلعوں یا محلات میں رہو ﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ﴾ اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے یعنی خوشحالی و زرخیزی اور دولت کی فراوانی کی کوئی نعمت ملتی ہے ﴿ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی وہ لوگ اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں ﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ﴾ اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے یعنی قحط سالی و تنگ دستی کی جب کوئی مصیبت انہیں پہنچتی ہے ﴿ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے یعنی وہ لوگ اسے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے اور یہ سب مصیبتیں آپ کی نحوست کی وجہ سے ہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب منافقین اور یہودیوں کو کوئی بھلائی پہنچتی تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے اور جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی تو سیّد عالم حضرت محمد کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی طرف اس کو منسوب کر دیتے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب و تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ [اور مضاف الیہ محذوف ہے''اَیْ کُلُّ ذٰلِكَ''' یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' سو وہی رزق کشادہ کرتا ہے اور وہی تنگ دست کرتا ہے ﴿ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴾ سو اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اتنی سی بات نہیں سمجھتے ورنہ وہ جان لیتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق کو بڑھاتا اور گھٹاتا ہے اور یہ سب کچھ حکمت و دانائی سے صادر ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

٧٩- ﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ ﴾ اے انسان! تجھے جو بھلائی پہنچے یعنی جو نعمت و احسان ملے اور یہ تمام انسانوں کو عام خطاب ہے اور علامہ زجاج نے کہا: اس کے مخاطب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں مگر اس سے مراد آپ کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں ﴿ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾ تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان میں سے ہے ﴿ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾ اور تجھے جو برائی و مصیبت اور تکلیف و پریشانی پہنچے تو وہ تیرے نفس کی وجہ سے ہے اس لیے وہ تیری ہی طرف سے ہے یعنی تیرے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ '' (الشوریٰ: ٣٠) ''اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تو اس کی وجہ تمہارے ہاتھوں کی کارستانیاں ہیں'' ﴿ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے' یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں حتیٰ کہ وہ تنگ دستی و پریشانی کو آپ کی طرف منسوب کرتے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے' لہٰذا رسالت کی تبلیغ کرنا آپ کے ذمے ہے اور نیکی اور بدی آپ کے ذمے نہیں ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دینے کے لیے کافی ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور بعض نے کہا: یہ پہلے متصل ہے یعنی وہ لوگ بات کی حقیقت کو نہیں سمجھتے (اس لیے) کہتے ہیں کہ جو بھلائی تجھے پہنچے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچے وہ تیری طرف سے ہے اور معتزلہ کا دوسری آیت کریمہ

میں ''حَسَنَةٌ'' اور ''سَيِّئَةٌ'' کو اطاعت اور معصیت پر محمول کرنا کھلم کھلا بے راہ روی ہے اور اس پر ''مَا اَصَابَكَ'' دلالت کرتا ہے کیونکہ افعال میں ''مَا اَصَبْتُ'' کہا جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ خلق اور ایجاد کے اعتبار سے نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں تو ان کے لیے اس میں حجت کہاں ہوگی اور ''شَهِيْدًا'' تمیز ہے۔

۸۰۔﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ جو رسول کریم کی اطاعت کرتا ہے بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکم جاری کرتے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی نہی کے مطابق کسی کام سے منع کرتے ہیں' لہٰذا آپ کے اوامر ونواہی میں آپ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے ﴿وَمَنْ تَوَلّٰى﴾ اور جس نے اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے تو آپ بھی اس سے اعراض فرمالیجئے ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ سو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان پر ان کے اعمال کی حفاظت کریں اور ان پر ان سے حساب لیں اور ان کو سزا دیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۚ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۚ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۚ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

اور وہ کہتے ہیں: ہم نے اطاعت کی' پھر جب وہ آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو اس کے خلاف منصوبہ بناتا ہے' جو آپ فرماتے ہیں اور اللہ لکھ رہا ہے جو وہ رات کو منصوبہ بناتے ہیں' اور آپ ان سے اعراض فرمالیں' اور اللہ پر بھروسا رکھیں اور کارسازی کے لیے اللہ کافی ہے O سو وہ قرآن میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے آیا ہوتا تو البتہ وہ اس میں بہت اختلاف پاتے O اور جب خوف یا امن کی کوئی خبر ان کے پاس آتی تو وہ اس کو عام نشر کر دیتے' اور اگر وہ اس کو رسول پاک اور صاحب اختیار حضرات کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے جو خبر کا تجزیہ کرنے والے ہیں' وہ اس کی حقیقت کو ضرور جان لیتے' اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے O

۸۱۔﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور جب آپ منافقین کو کسی چیز کا حکم دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ﴿طَاعَةٌ﴾ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ہمارا کام اور ہماری شان آپ کے حکم کی اطاعت کرنا ہے ﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ پھر جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو غلط منصوبہ تیار کرتا ہے اور اسے مکمل کرتا ہے [اور ''بَيَّتَ''، ''بَيْتُوْتَةٌ'' سے مشتق ہے] کیونکہ اس کا معنی ہے کہ رات کو کسی معاملہ کا فیصلہ کرنا اور اس کے بارے میں غور وفکر اور تدبیر تیار کرنا یا یہ ''ابیاتِ شعر'' سے ہے کیونکہ شاعر ان کے بارے میں غور وفکر اور تدبیر کرتا ہے اور ان کو درست کر

کے مکمل کرتا ہے [اور قاری حمزہ اور ابو عمرو بصری نے ''تـا'' کو ''طـا'' میں مدغم کر کے پڑھا ہے] ﴿غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ﴾ اس کے برخلاف جو آپ نے انہیں فرمایا تھا اور آپ نے جو ان کو حکم دیا تھا یا اس کے خلاف کیا جو انہوں نے خود آپ کے سامنے اقرار کیا تھا اور جو اطاعت کے اختیار پر مشتمل عہد لیا تھا کیونکہ انہوں نے انکار کو چھپائے رکھا اور قبول و نافرمانی اور اطاعت کے اقرار کو نہیں چھپایا اور بے شک وہ جو کہتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں دلوں میں اس کے خلاف نفاق و بغض رکھتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ﴾ اور وہ لوگ رات کو جو منصوبے تیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو لکھ رہا ہے اور ان کے اعمال کے صحیفوں میں ثبت کر رہا ہے اور ان کو اس پر ضرور سزا دے گا ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان سے انتقام لینے کا اپنے دل میں نہ سوچئے ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور آپ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مضرت کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے اور جب اسلام قوی اور غالب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ان سے انتقام لے لے گا ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے اس لیے جو اس پر توکل اور بھروسا کرتا ہے وہ اس کی کفایت فرماتا ہے۔

۸۲۔ ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ تو وہ لوگ قرآن مجید میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ اس کے معانی اور اس کے حروف میں تأمل و سوچ بچار کیوں نہیں کرتے؟ اور تدبر کا مطلب ہے: کسی معاملے کے انجام میں نظر و تأمل اور غور و فکر کرنا اور یہ سوچنا کہ آخر کار اس کا انجام کیا ہوگا اور نتیجہ کیا نکلے گا' پھر ہر قسم کے تأمل و تفکر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کے ذریعے غور و فکر کر کے دل کو دلائل کی طرف مائل کیا جائے اور یہ آیت مبارکہ روافض کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ قرآن کریم کا معنی اور مفہوم حضور سرور عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امامِ معصوم کی تفسیر کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا اور یہ آیت مبارکہ قیاس کے صحیح ہونے اور تقلیدِ جامد کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ﴾ اور یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور شخص کی طرف سے ہوتا جیسا کہ کفار نے گمان کیا تھا ﴿لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ تو البتہ وہ لوگ اس میں توحید و شرک اور حلال و حرام کی حیثیت سے بہت زیادہ اختلاف یعنی تناقض و تضاد پاتے یا بلاغت کے اعتبار سے اس میں اختلاف پاتے کہ قرآن کریم کا بعض حصہ اعجاز و کرامت کی انتہائی حد تک پہنچا ہوتا اور اس کا بعض حصہ اس سے قاصر ہوتا جس کا مقابلہ کرنا ممکن ہوتا یا معانی کے اعتبار سے اختلاف ہوتا کہ اس کا بعض حصہ غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتا جو مخبر عنہ کے موافق ہوتا اور اس کا بعض حصہ مخبر عنہ کے مخالف ہوتا اور اس کا بعض حصہ علمائے معانی کے نزدیک صحیح معنی پر دلالت کرتا اور اس کا بعض حصہ فاسد اور غیر متفق معنی پر دلالت کرتا لیکن ملحدوں نے چند آیات میں اختلاف کا دعویٰ کیا ہے جیسے ارشاد ہے: ''فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ'' (الاعراف: ۱۰۷) ''تو وہ اژدھا ظاہر ہو گیا'' ''كَاَنَّهَا جَآنٌّ'' (النمل: ۱۰) ''گویا وہ سانپ ہے'' ''فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ'' (الحجر: ۹۲) ''اے محبوب! آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے'' ''فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ'' (الرحمٰن: ۳۹) ''پس اس دن انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا'' تو اہل حق نے ان کے شبہات زائل کر دیئے ہیں اور ان شاء اللہ تم ہماری اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر ان شبہات کے جوابات اور تشریح پڑھ لو گے۔

راز فاش کرنے کی ممانعت

۸۳۔ ﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ﴾ اور جب امن یا خوف کی کوئی خبر ان کے پاس آتی اور یہ کمزور مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تھے جن میں حالات کو پرکھنے اور جانچنے کی مہارت نہیں یا پھر یہ منافقین تھے کہ جب رسول

اللہ ﷺ کے لشکروں کے متعلق امن وسلامتی یا خوف وبیم اور اختلاف وانتشار کی کوئی خبر انہیں پہنچتی تو ﴿ اَذَاعُوْا بِهٖ ﴾ اس کو (تمام لوگوں میں) پھیلا دیتے اور ان کا اسی قسم کی خبروں کے پھیلانے سے فتنہ وفساد برپا ہو جاتا' کہا جاتا ہے: ''اَذَاعَ السِّرَّ وَاَذَاعَ بِهٖ'' یعنی فلاں شخص نے راز کو فاش کر دیا اور اسے پھیلا دیا [اور ''بہ'' کی ضمیر امر یا امن یا خوف کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ حرف ''اَوْ'' ان میں سے کسی ایک کا تقاضا کرتا ہے ﴿ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ ﴾ اور اگر وہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اور معاملات پر گہری نگاہ رکھنے والے بڑے بڑے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کی طرف لوٹا دیتے یا ان حضرات کی طرف لوٹا دیتے جن کو ان پر امیر مقرر کیا گیا تھا ﴿ لَعَلِمَهُ ﴾ انہیں جو خبر دی گئی ہے اس کی تدبیر کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں ﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾ جو ان میں سے اپنی ذہانت اور اپنے تجربے اور جنگی معاملات اور ان کی فریب کاریوں کو خوب جاننے اور پرکھنے کی وجہ سے اس کا نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور ذی اختیار اصحاب رائے سے امن اور وثوق کی کوئی خبر معلوم کر لیتے تو دشمنانِ دین پر ظاہر کر دیتے یا خوف اور جنگ میں انتشار کی کوئی خبر محسوس کرتے تو اس کو لوگوں میں پھیلا دیتے جو دشمنوں تک جا پہنچتی جس سے فتنہ وفساد رونما ہو جاتا اور اگر وہ لوگ اس کو رسول اکرم ﷺ اور ذی اختیار تک محدود رکھتے اور اس کو انہیں کے سپرد کر دیتے اور ایسے ہو جاتے کہ گویا انہوں نے کچھ نہیں سنا تو وہ حضرات اس کی حقیقت کو جان لیتے جو خبر کا تجزیہ کر کے اس کا نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ اس کی تدبیر کیسے کریں اور کیا چیز لے لیں اور کیا چیز چھوڑ دیں' پھر کنواں کھودتے وقت پہلی مرتبہ جو پانی نکلتا ہے اس کو ''نبط'' کہتے ہیں اور ''استنباط'' کا معنی ''استخراج'' یعنی کسی چیز کو نکالنا ہے' پھر آدمی اپنی ذہنی قوت اور علمی تدبر کے ذریعے مشکل الفاظ سے جو معانی حاصل کر لیتا ہے اب ان کے لیے ''استنباط'' استعمال کیا جاتا ہے ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ رسول اکرم رحمت دو عالم ﷺ کو بھیج کر تم پر فضل وکرم نہ فرماتا ﴿ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ اور کتاب (یعنی قرآن مجید) نازل کر کے تم پر اپنی رحمت نہ فرماتا ﴿ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ ﴾ تو تم ضرور شیطان کے پیروکار ہو جاتے اور کفر و شرک پر قائم رہتے ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ماسوا چند لوگوں کے جو شیطان کی پیروی نہ کرتے بلکہ وہ اپنی عقل سلیم کے ذریعے ایمان لاتے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ وغیرہما (ورقہ بن نوفل اور دین حنیف کے پیروکار اہل فترت)۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

النصف — ع ۱۱

تو (اے محبوب!) اللہ کی راہ میں قتال کیجئے' صرف آپ کو اس کا مکلف کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دیجئے'

عنقریب اللہ کافروں کی سختی کو روک دے گا' اور اللہ بہت سخت پکڑ کرنے والا ہے اور بہت سخت عذاب دینے والا ہے O اور جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے' اور جو بُری شفاعت کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اور جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی کو لوٹا دو' بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے O اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ تمہیں قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو O

جہاد کی اہمیت اور اچھی بُری سفارش کی وضاحت

شانِ نزول: جب اس سے پہلی آیات میں ذکر کیا گیا کہ منافقین جہاد سے باز رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے سے جی چراتے ہیں اور زبانی اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف جذبات رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل کر کے اپنے محبوب کو (تنہا جہاد کرنے کا حکم دیتے ہوئے) فرمایا:

٨٤- ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اگر لوگ آپ سے الگ ہو جائیں اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیجئے ﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ﴾ آپ کو صرف آپ کے نفس کا مکلّف کیا جاتا ہے کسی غیر کے نفس کا نہیں' لہٰذا آپ اکیلے جہاد کی طرف قدم بڑھایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر و مددگار ہے کوئی لشکر نہیں۔

شانِ نزول: حضور سرورِ کون و مکان رحمت عالمیان ﷺ نے بدر الصغریٰ میں جانے کے لیے لوگوں کو دعوتِ جہاد دی کیونکہ غزوہ احد میں ابوسفیان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدر الصغریٰ کے مقام میں (جنگ کے لیے) ملاقات کا وعدہ کیا تھا' بہر حال لوگوں کو وہاں جانا ناگوار گزرا اور جنگ میں جانے سے کترانے لگے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ ستر مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے اور اگر ایک شخص بھی آپ کے ساتھ نہ جاتا تو آپ اکیلے روانہ ہو جاتے ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں اور ان کے بارے میں آپ کے ذمے صرف جہاد کرنے کی ترغیب دینا ہے اور بس' ان کو عار دلانا نہیں ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ کافروں کی سختی کو روک دے گا یعنی ان کی پکڑ اور سختی کو روک دے گا اور اس سے قریش مکہ مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی سختی کو ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال کر روک دیا اور وہ بدر الصغریٰ کے مقام پر نہ پہنچے اور ''عَسٰی'' طمع اور امید دلانے کا کلمہ ہے مگر کریم کا طمع دینا یقیناً پورا ہوتا ہے اور لئیم و بخیل کے وعدہ پورا کرنے سے کریم کا وعدہ جلد پورا ہوتا ہے ﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ قریش کی پکڑ سے زیادہ سخت ہے ﴿وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے اور یہ ''بَاْسًا'' کی طرح تمیز ہے۔

٨٥- ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً﴾ جو اچھی سفارش کرے اور وہ شر کے دفع کرنے کی سفارش ہو یا ایسے نفع کے حصول کی سفارش ہو جس کی شریعت میں اجازت ہو ﴿يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا﴾ اس کے لیے اس سے حصہ ہے یعنی سفارش کے ثواب سے ﴿وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾ اور جو بری سفارش کرے یہ وہ سفارش ہے جو اچھی سفارش کے برخلاف ہو۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کی تفسیر میرے سوا کوئی نہیں جانتا' اس کا معنی توحید کا حکم دینا' کفار سے جہاد کرنا ہے اور اس کا برعکس بری سفارش ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صلح کے لیے چل کر جانا اچھی سفارش ہے اور اس کے برعکس چغل خوری کے لیے چلنا پھرنا بری سفارش ہے ﴿يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ اس کے لیے اس سے حصہ ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یہ ''اَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ'' سے ماخوذ ہے (یعنی) وہ شخص فلاں چیز پر قادر ہو گیا ہے یا ''مقیت'' بہ معنی ''حفیظ'' ہے اور ''قُوْتٌ'' (خوراک' روزی دینا' کفالت کرنا'

حفاظت کرنا) سے مشتق ہے کیونکہ خوراک انسان کو قوت وطاقت دیتی ہے اور اس کی حفاظت کرتی ہے (اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے)۔

سلام کی اہمیت' امتناع کذب اور حشر کا تذکرہ

۸۶- ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ ﴾ یعنی جب تم پر سلام کیا جائے کیونکہ "تحیة" ہمارے دین کے مطابق دنیا اور آخرت میں سلام ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) "فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" (النور: ۶۱) "سو تم (گھر میں داخل ہوتے وقت) اپنوں کو سلام کیا کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک دعا ہے" "تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ" (الاحزاب: ۴۴) "جس دن وہ لوگ فرشتے سے ملاقات کریں گے تو وہ ان کو سلام کہہ کر دعائے خیر دے گا" اور اہل عرب ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو "حَيَّاكَ اللّٰهُ" کہا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی دراز کرے' پھر اسلام آنے کے بعد اس کو سلام سے تبدیل کر دیا گیا ﴿ بِتَحِيَّةٍ ﴾ یہ "تَفْعِلَةٌ" (کے وزن پر باب تفعیل) "حَيَّا يُحَيِّيْ تَحِيَّةً" سے ماخوذ ہے ﴿ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ ﴾ تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یعنی جب تمہیں کوئی شخص "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہے تو تم اس کے جواب میں "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کہو اور جب وہ تمہیں "وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" بھی کہہ دے تو تم "وَبَرَكَاتُهٗ" بڑھا کر کہو کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کا ایک منتہیٰ (اختتام) ہوتا ہے' سلام کا منتہیٰ "وَبَرَكَاتُهٗ" ہے ﴿ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾ یا اسی کو لوٹا دو یعنی اس کی مثل جواب دو اور سلام کا جواب اسی کی مانند لوٹا دو کیونکہ جواب دینے والا سلام کرنے والے کے قول کا جواب دیتا ہے اور اس جگہ مضاف محذوف ہے یعنی اس کی مثل جواب دو اور سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے اور اس سے بہتر الفاظ کے ساتھ جواب دینا فضل وکرم اور احسان ہے اور جب کوئی آدمی کسی مسلمان قوم کے پاس سے گزرے اور ان کو سلام کرے اور وہ لوگ جواب نہ دیں تو روح القدس ان سے الگ ہو جاتا ہے اور سلام کرنے والے آدمی کو فرشتے جواب دے دیتے ہیں اور خطبہ اور تلاوت قرآن کے دوران بلند آواز سے سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا اور روایت حدیث اور علم کے مذاکرہ کے وقت' اذان اور اقامت کے دوران بھی سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شطرنج اور نرد وغیرہ کھیلنے والے اور گانا گانے والے اور قضائے حاجت کرنے والے اور کبوتروں کو اڑانے والے' بغیر کسی عذر کے حمام میں ننگا نہانے والے یا اس کے علاوہ ننگے شخص کو سلام نہیں کیا جائے گا اور جب مرد گھر میں داخل ہو تو اپنی عورت کو سلام کرے اور چلنے والے بیٹھے ہوئے کو اور سوار پیدل کو' گھوڑے پر سوار گدھے پر سوار کو (یعنی اعلیٰ سواری والا ادنیٰ سواری والے کو) چھوٹا بڑے کو اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں اور جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں تو سلام کرنے میں جلدی کریں۔ بعض کا قول ہے کہ ہم مذہب کو اس کے سلام سے بہتر سلام کے ساتھ جواب دے اور ذمی کو اس کے سلام کی طرح جواب دے اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ[1] اَیْ وَعَلَيْكُمْ مَا قُلْتُمْ" جب تمہیں کوئی اہل کتاب سلام کرے تو تم کہو: "وَعَلَيْكُمْ" یعنی تم پر وہی کچھ ہو جو تم نے کہا ہے کیونکہ وہ "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" (تم پر موت آئے) کہتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالی شان ہے کہ سلام کرنے میں دھوکہ جائز نہیں یعنی "عَلَيْكَ" نہ کہا جائے بلکہ "عَلَيْكُمْ" کہا جائے کیونکہ آدمی کے ساتھ اس کے اعمال لکھنے والے دو فرشتے بھی ہوتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا یعنی اللہ تعالیٰ

[1] رواہ البخاری فی کتاب الاستئذان باب ۲۲' مسلم فی کتاب السلام رقم الحدیث: ۸۷۷۹' الموطأ فی کتاب السلام رقم الحدیث: ۳' الدارمی فی کتاب الاستئذان باب ۷' احمد فی مسند وج ۲ ص ۹ ج ۳ ص ۹۹

تم سے ہر چیز کا اور سلام وغیرہ کا حساب لے گا۔

۸۷-﴿ اَللّٰهُ ﴾ مبتدا ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ اس کی خبر ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کی خبر ﴿ لَیَجْمَعَنَّكُمْ ﴾ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے قسم اللہ کی! وہ تمہیں ضرور جمع کرے گا ﴿ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ﴾ یعنی وہ تمہیں ضرور قیامت کے دن اکٹھا کرے گا اور "قِیَامَةٌ" اور "قِیَامٌ"، "طِلَابَةٌ" اور "طِلَابٌ" کی طرح ہیں اور اس سے مراد ان کو قبروں سے اٹھانا ہے یا ان کو حساب لینے کے لیے اٹھانا مراد ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) "یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (المطففین:۶) "اس دن سب لوگ پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے" ﴿ لَا رَیْبَ فِیْهِ ﴾ جس میں کوئی شک نہیں ہے [یہ "یَوْمَ الْقِیَامَةِ" سے حال ہے اور ضمیر "هَا" یوم کی طرف لوٹتی ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے "اَیْ جَمْعًا لَا رَیْبَ فِیْهِ" یعنی اس دن لوگوں کے جمع ہونے میں کوئی شک نہیں اور ضمیر "ھــا" جمع کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴾ ["حَدِیْثًا" تمیز ہے اور یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے] یعنی وعدہ اور وعید کرنے میں اور خبر دینے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے) اس لیے کہ اس کا جھوٹ بولنا محال بالذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کے بارے میں خلاف واقع خبر دینا بدترین عمل ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾

سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو حصوں میں بٹ گئے ہو اور اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا ہے' کیا تم اس کو راہِ راست پر لانا چاہتے ہو جس کو اللہ نے گمراہ قرار دے دیا ہے' اور جس کو اللہ گمراہ قرار دے دے تم اس کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پا سکو گے O وہ چاہتے ہیں کہ کاش! تم کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہو گئے ہیں تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ' سو تم ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کے دین میں لوٹ آئیں' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو' اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار O

منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ' منافقوں کی خطرناک تمنا اور ان سے جہاد کرنے کا حکم

۸۸-﴿ فَمَا لَكُمْ ﴾ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ ﴾ ہے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس قوم کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے ہو جنہوں نے کھلم کھلا منافقت کی اور ان کا نفاق ظاہر ہو گیا ہے اور تم پر بھی ان کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہو اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم نے ان کے کفر کے متعلق قطعی فیصلہ نہیں کیا۔

شانِ نزول: اس کی وجہ یہ ہوئی کہ منافقین کی ایک جماعت کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور انہوں نے بیماری کا

بہانہ بنا کر رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ انہیں مدینہ منورہ سے دور جنگل میں جا کر رہنے کی اجازت دی جائے (جہاں کی آب و ہوا موافق ہو) پھر جب اجازت ملنے کے بعد روانہ ہوئے تو منزل بہ منزل چلتے رہے اور سفر جاری رکھا حتیٰ کہ مشرکین کے پاس جا کر ان سے مل گئے جس کی وجہ سے مسلمان ان کے بارے میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئے' کچھ نے کہا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں اور کچھ نے کہا کہ وہ مسلمان ہیں (تو اللہ تعالیٰ نے پہلے گروہ کی تائید میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی) [اور ''فِئَتَیۡنِ'' حال ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''مَالَكَ قَآئِمًا'' علامہ سیبویہ نے کہا کہ جب تم ''مَالَكَ قَآئِمًا'' کہتے ہو] تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ تو کیوں کھڑا ہوا ہے؟ اور اس کا نصب تاویل کی بنا پر ہے یعنی وہ کون سی چیز ہے جس نے تجھے اس حال میں ٹھہرایا ہوا ہے؟ ﴿ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کافروں کے حکم میں تبدیل کر دیا ہے ﴿ بِمَا كَسَبُوۡا ﴾ ان کے ان اعمالِ بد کی وجہ سے جو انہوں نے مرتد ہو جانے اور مشرکین میں جا ملنے کی صورت میں سرانجام دیئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو مسلم سے کافر میں بدل دیا' لہٰذا تم بھی ان کے کفر کے بارے میں اختلاف نہ کرو (بلکہ ان کے کفر پر متفق ہو جاؤ) ﴿ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ﴾ کیا تم ان کو راہِ راست پر لا کر ہدایت یافتہ مسلمانوں میں داخل کرنا چاہتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے (ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے) گمراہ قرار دے دیا ہے؟ یا کیا تم ان کا نام ہدایت یافتہ رکھنا چاہتے ہو جن کی گمراہی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہے' سو آیت مبارکہ کا یہ حصہ ان مسلمانوں کو عار دلانے کے لیے ہے جنہوں نے منافقوں کو ہدایت یافتہ (یعنی مسلمان) قرار دیا تھا اور یہ آیت مبارکہ ہمارے مذہب کی دلیل ہے کہ کسب (اختیار) بندے کے لیے ثابت ہے اور تخلیق رب تعالیٰ کے لیے ثابت ہے جس کی قدرت عظیم ترین ہے ﴿ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دے دے تم اس کے لیے ہدایت کا طریقہ ہرگز نہیں پاؤ گے۔

٨٩- ﴿ وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا ﴾ [کاف مصدر محذوف کی صفت ہے اور ''مَا'' مصدریہ ہے] یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انہیں کی طرح کافر ہو جاؤ ﴿ فَتَكُوۡنُوۡنَ ﴾ یہ ''تَكۡفُرُوۡنَ'' پر معطوف ہے ﴿ سَوَآءً ﴾ یعنی تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ ﴿ فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ﴾ سو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اسلام کے ساتھ مقبول و معتبر ہے ﴿ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا ﴾ پھر اگر وہ ایمان قبول کرنے سے روگردانی کر لیں ﴿ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ ﴾ تو تم ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو جیسا کہ تمام مشرکین کا یہی حکم ہے ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴾ اور تم ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ کسی کو مددگار بناؤ اور اگر وہ تمہارے لیے دوستی اور امداد کی پیش کش کریں تو تم ان کی طرف سے اسے قبول نہ کرو۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ط وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ج فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ لا فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ﴿٩٠﴾

مگر جولوگ ایسی قوم سے مل جائیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو یا وہ تمہارے پاس ایسی حالت میں آ جائیں کہ ان کے دل تمہارے ساتھ لڑنے سے تنگ آ چکے ہوں یا وہ اپنی قوم سے لڑیں' اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر ضرور مسلط کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے' پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہیں صلح کا پیغام دیں' تو پھر اللہ نے تمہارے لیے ان پر لڑنے کے لیے کوئی راہ نہیں رکھی ○

معاہدے کی اہمیت

۹۰۔﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ ﴾ مگر یہ کہ یہ منافقین ایسی قوم کے پاس پہنچ جائیں اور ان سے جا ملیں (جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ'' ''دُوْنَ الْمُوَالَاۃِ'' سے استثناء ہے یعنی تم ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو دوستی نہ کرو ﴿ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ﴾ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو اور قوم سے اسلمیوں کے افراد مراد ہیں کیونکہ ان کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ ہوا تھا اور وہ معاہدہ یہ تھا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے پہلے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ کیا کہ وہ نہ آپ کی مدد کرے گا اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کرے گا اور یہ معاہدہ اس شرط پر ہوا کہ جو شخص ہلال بن عویمر اسلمی کے پاس پہنچ جائے گا اور اس سے پناہ حاصل کر لے گا اس کو ہلال بن عویمر اسلمی کی طرح امان دے دی جائے گی یعنی تم ان کو قتل کر دو ماسوا ان کے جو ایسی قوم سے مل جائیں گے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو ﴿ اَوْ جَآءُوْکُمْ ﴾ [یہ قوم کی صفت پر معطوف ہے] یعنی ماسوا ان لوگوں کے جو معاہدین قوم سے جا ملیں یا وہ قوم جس نے لڑائی ترک کر دی ہے نہ وہ تمہارے لیے لڑتے ہیں اور نہ وہ تمہارے خلاف لڑتے ہیں یا ''اَلَّذِیْنَ'' کے صلہ پر عطف ہے یعنی ماسوا ان کے جو معاہدہ کرنے والوں کے پاس پہنچ جائیں یا ان کے پاس جو تم سے نہیں لڑتے ﴿ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ ﴾ [یہ ''قَدْ'' مضمر کے ساتھ حال واقع ہو رہا ہے] اصل میں ''قَدْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ'' تھا اور ''حصر'' کا معنی تنگ ہونا اور عاجز آ جانا ہے ﴿ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ ﴾ ان کے دل اس سے تنگ آ جائیں کہ وہ تم سے لڑیں یعنی وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے عاجز آ جائیں ﴿ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ﴾ یا وہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑیں ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْکُمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے دلوں کو تقویت دے کر ان کے دلوں سے تنگی کو دور کر کے تم پر مسلط کر دیتا ﴿ فَلَقٰتَلُوْکُمْ ﴾ تو وہ تم سے ضرور لڑتے [اور یہ ''لَسَلَّطَهُمْ'' پر معطوف ہے اور لام تاکید کے لیے داخل کیا گیا ہے] ﴿ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ ﴾ پھر اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں اور تمہارا تعاقب نہ کریں ﴿ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ ﴾ اور وہ تم سے نہ لڑیں اور وہ تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیج دیں یعنی فرماں برداری اور اطاعت گزاری اختیار کر لیں ﴿ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ﴾ تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر لڑنے کے لیے کوئی راہ نہیں رکھی۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ کُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَی
الْفِتْنَةِ اُرْکِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْۤا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوْۤا
اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِکُمْ جَعَلْنَا لَکُمْ

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع

عنقریب تم (منافقوں کی) ایک دوسری جماعت ایسی پاؤ گے جو تمہارے ساتھ بھی امن سے رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں' جب بھی انہیں فتنہ کی طرف واپس بلایا جاتا ہے تو وہ اس میں اوندھے گر پڑتے ہیں' پھر اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو' اور یہی وہ لوگ ہیں کہ ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار دیا ہے O

۹۱- ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ﴾ عنقریب تم ایک اور قوم پاؤ گے جو منافقت کر کے (یعنی بہ ظاہر مسلمان ہو کر) چاہتے ہیں کہ تم سے امن کے ساتھ رہیں ﴿وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ﴾ اور اپنی قوم سے صلح رکھ کر امن کے ساتھ رہیں اور یہ قبیلہ اسد اور قبیلہ غطفان کی قوم ہے' یہ لوگ جب مدینہ منورہ آئے تو اسلام قبول کر لیا اور عہد کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ امن سے رہیں گے لیکن جب یہ لوگ اپنی قوم کے پاس واپس لوٹ کر گئے تو کفر اختیار کر لیا اور اپنا معاہدہ توڑ دیا ﴿كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا﴾ جب انہیں فتنہ کی طرف لوٹایا جاتا یعنی جب ان کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ان کی قوم دعوت دیتی تو اس میں اوندھے گر پڑتے یعنی وہ لوگ قبیح ترین اور بدترین طریقہ پر جنگ میں کود پڑتے اور وہ اس میں تمام دشمنوں سے زیادہ شرارتیں کرتے تھے ﴿فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ پھر اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کش نہ ہوں اور جنگ کرنے سے باز نہ آئیں ﴿وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ [یہ 'لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ' پر معطوف ہے] یعنی اگر وہ صلح حاصل کرنے کے لیے تمہارے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے ﴿وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ﴾ [یہ بھی اسی پر معطوف ہے] یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ سے باز نہیں آتے ﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ تو تم ان کو پکڑو اور ان کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو بشرطیکہ تم ان پر قابو پالو اور ان پر غلبہ حاصل کرو ﴿وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلم کھلا اختیار دے دیا ہے یعنی ہم نے تمہیں ان کی عداوت و دشمنی کے ظاہر ہونے اور کفر میں ان کا حال منکشف ہونے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے ساتھ غداری کرنے کی وجہ سے ان پر واضح حجت بیان کر دی ہے یا ہم نے تمہیں ان پر کھلم کھلا تسلط و غلبہ پانے کا اختیار دے دیا ہے کہ ہم نے تمہیں ان کو قتل کر دینے کی اجازت دے دی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾

اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے ماسوا غلطی کے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور خون بہا ادا کرنا واجب ہے جو مقتول کے وارثوں کو سپرد کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں' پھر اگر وہ مقتول تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا' اور اگر وہ اس قوم سے ہو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے تو مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے گا' پھر جو شخص غلام نہ پائے تو مسلسل دو ماہ روزے رکھے' یہی اللہ کی طرف سے اس کی توبہ ہے' اور اللہ خوب جاننے والا بہت دانا ہے○

قتلِ خطا کے احکام اور قتلِ عمد کی سزا

۹۲- ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ﴾ اور کسی مسلمان کے لیے صحیح نہیں اور نہ اس کو مناسب ہے اور نہ اس کے حال کے لائق ہے ﴿أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا﴾ کہ وہ کسی مسلمان کو پہل کر کے بغیر قصاص کے قتل کر دے یعنی مسلمان اس کافر کی طرح نہیں جس کا خون بہانا اس سے پہلے مباح قرار دیا گیا ہے ﴿إِلَّا خَطَأً﴾ مگر غلطی کی بنا پر اور یہ استثناء منقطع ہے اور ''لٰكِنَّ'' کے معنی میں ہے یعنی اگر غلطی سے قتل واقع ہو جائے اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہو' ای قَتْلًا خَطَأً'' اور معنی یہ ہے کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس سے کسی مؤمن کا ابتداءً قتل نہ ہو مگر یہ کہ بغیر قصد و ارادہ کے غلطی سے قتل ہو جائے اور وہ اس طرح کہ کسی کافر پر تیر (یا گولی وغیرہ) چلائے اور مسلمان کو جا لگے یا کسی شخص کو کافر سمجھ کر اس پر تیر وغیرہ چلا دے لیکن وہ مسلمان نکل آئے ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے [''خَطَأً'' مصدر محذوف کی صفت ہے]''اَیْ قَتْلًا خَطَأً''یعنی غلطی سے قتل کرنا ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ [یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے''اَیْ فَعَلَيْهِ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ''یعنی اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہے اور ''تحریر'' کا معنی آزاد کرنا ہے اور حر اور عتیق شریف النسل آزاد کو کہتے ہیں کیونکہ شرافت آزادوں میں ہوتی ہے جیسا کہ کمینگی اور گھٹیا پن غلاموں میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بہترین پرندوں کو ''عتاق الطیر'' اور اچھے گھوڑوں کو ''عتاق الخیل'' کہا جاتا ہے کہ ان کی نسل عمدہ ہوتی ہے اور ''رَقَبَةٌ'' کا معنی غلام ہے اور اہل عرب کے قول میں اس کو ''رَأْسٌ'' (سر) سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے (اور کہا جاتا ہے:) ''فُلَانٌ يَمْلِكُ كَذَا رَأْسًا مِنَ الرَّقِيْقِ'' کہ فلاں آدمی اس طرح غلام کے سر کا مالک ہو جاتا ہے ﴿مُؤْمِنَةٍ﴾ بعض نے کہا کہ جب قاتل نے ایک مسلمان جان کو قتل کر کے زندوں کی جماعت سے خارج کر دیا تو اس پر لازم ہو گیا کہ وہ اس کی مثل ایک جان کو آزادوں کی جماعت میں داخل کرے اس لیے کہ غلامی کی قید سے کسی کو آزاد کرنا اس کو زندہ کرنے کے مترادف ہے کہ غلام آزادی سے پہلے مردوں میں شامل ہوتا ہے کیونکہ غلام ہونا کفر کی علامات میں سے ایک علامت ہے اور کفر حکمی طور پر موت ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ'' (الانعام:١٢٢) ''کیا وہ شخص جو (پہلے) مردہ تھا (کافر تھا) تو ہم نے اس کو زندہ کر دیا (کہ ہم نے اس کو مسلمان بنا دیا)'' اور اس لیے اس کو آزاد لوگوں کی طرح تصرف سے منع کر دیا گیا ہے اور یہ ایک مشکل بات ہے کیونکہ اگر یہی بات ہے تو قتلِ عمد میں بھی غلام آزاد کرنا واجب ہونا چاہیے لیکن اس میں کہا جا سکتا ہے کہ غلام کا آزاد کرنا قتلِ خطا میں اس لیے واجب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان جان کے عوض میں قاتل کو بچا لیا کیونکہ اس میں قصاص کو واجب نہیں کیا بلکہ اس پر مقتول کی مثل ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا واجب کیا ہے ﴿وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ﴾ اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا کی رقم ادا کی جائے جس کو وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے جس طرح وہ میراث کو تقسیم کرتے ہیں اور

خون بہا اور ترکے میں ہر اعتبار سے کوئی فرق نہیں' لہٰذا خون بہا سے مقتول کا قرض ادا کیا جائے گا اور وصیت نافذ ہو جائے گی اور جب کوئی وارث باقی نہ رہے تو خون بہا کی رقم بیت المال میں جمع کی جائے گی اور رسول اکرم ﷺ نے اشیم ضبابی کی بیوی کو اشیم کی دیت کا وارث بنایا تھا لیکن خون بہا ادا کرنا قاتل کے قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے اور کفارہ ادا کرنا قاتل پر واجب ہے ﴿اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا﴾ مگر یہ کہ مقتول کے وارث خون بہا قاتل پر صدقہ کر دیں یعنی اسے معاف کر دیں اور تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ خون بہا ادا کرنا ہر حال میں لازمی ہے مگر خون بہا صدقہ کر دینے کی حالت میں نہیں ﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ﴾ پھر اگر غلطی سے قتل کیا جانے والا شخص تمہاری دشمن قوم سے ہو یعنی کافروں سے ہو کیونکہ عدو کا لفظ جمع پر بولا جاتا ہے ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ یعنی مقتول مسلمان ہو ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا یعنی جب کوئی حربی شخص (یعنی غیر مسلم ملک کا باشندہ) دارالحرب (یعنی غیر مسلم حکومت کے ملک) میں اسلام قبول کر لے اور ہمارے پاس ہجرت کر کے نہ آئے اور کوئی مسلمان اس کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کے قتل کرنے پر ایک مسلمان کی عصمت و آبرو کے توڑنے کی وجہ سے قاتل پر کفارہ لازم آئے گا اور خون بہا لازم نہیں آئے گا کیونکہ عصمت کی قیمت دارالاسلام (اسلامی ملک) میں ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس مقتول کو حاصل نہیں ہے ﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ اور اگر وہ یعنی مقتول ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کہ تمہارے یعنی تم مسلمانوں کے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو مقتول کا وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہوگا ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا یعنی اگر مقتول ذمی (اسلامی ملک کی شہریت رکھنے والا غیر مسلم) ہو تو اس کا حکم مسلمان شخص کے حکم کی مثل ہوگا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی کا خون بہا مسلمان کے خون بہا کی طرح ہے اور یہی ہمارا قول ہے ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ سو جو قاتل غلام نہ پائے یعنی اس کی ملکیت میں کوئی غلام نہ ہو اور نہ اتنا سرمایہ ہو کہ اس کے ساتھ غلام خرید سکے تو مسلسل دو ماہ روزے رکھنا اس پر واجب ہے ﴿تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت ہے اور اس کی طرف سے رحمت ہے' جب اللہ تعالیٰ کسی کی توبہ قبول کرتا ہے تو اس پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے یعنی روزوں کا مشروع ہونا اس کی طرف سے توبہ کی قبولیت ہے [یا دراصل ''فَلْيَتُبْ تَوْبَةً'' ہے تو اس کا منصوب ہونا مصدر (مفعول مطلق) ہونے کی بنا پر ہے] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ وہ اس میں بڑی حکمت والا ہے جو اس نے مقدر فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾

اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے O اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو خوب تحقیق کر لو اور جو آدمی تم سے سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے' تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو' تو اللہ کے پاس بہت زیادہ غنیمتیں ہیں' اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے تو اللہ نے تم پر احسان فرمایا' سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو' بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے O

۹۳۔ ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے "مُتَعَمِّدًا" ضمیرِ قاتل سے حال ہے یعنی قاتل کسی مسلمان کو اس کے ایمان کی وجہ سے قصداً قتل کر دے اور یہ کفر ہے یا قاتل اس کے قتل کو حلال اور جائز سمجھ کر اس کو قتل کر دے اور یہ بھی کفر ہے ﴿ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا ﴾ تو ایسے قاتل کی سزا دوزخ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "هِيَ جَزَآؤُهٗ اِنْ جَازَاهُ" یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی تو اس کی یہی سزا ہے اور "خلود" سے کبھی طویل قیام یعنی مدتِ دراز مراد ہوتی ہے اور معتزلہ کا یہ قول کہ قاتل ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل ارشاد کے مخالف ہے:) "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى" (البقرہ:۱۷۸) "اے ایمان والو! ناحق مارے جانے والے کے بارے میں تم پر قصاص لینا فرض کر دیا گیا ہے" ﴿ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا اور اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ﴿ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے کیونکہ اس نے بہت بڑے جرم اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ" یعنی ایک مسلمان شخص کے قتل ہونے کے مقابلے میں پوری دنیا کو مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان اور معمولی ہے۔[1]

جہاد کے وقت اسلام ظاہر کرنے والے کو قتل کرنے سے پہلے تحقیق کرنے کا حکم

۹۴۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اے ایمان والو! جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرو یعنی جہاد کی راہ میں چلو ﴿ فَتَبَيَّنُوْا ﴾ [قاری حمزہ اور علی کسائی نے "فَتَثَبَّتُوْا" پڑھا ہے اور یہ دونوں افعال امر بابِ تفعل سے ہیں اور استفعال کے معنی میں ہیں] یعنی تحقیق کرو اور معاملے کی وضاحت اور اس کا ثبوت تلاش کرو اور بے احتیاطی سے ہلاکت میں نہ پڑو ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے [قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور حمزہ نے "اَلسَّلَمَ" پڑھا ہے اور یہ دونوں اطاعت و فرماں برداری کرنے کے معنی میں ہیں] اور بعض نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے اور بعض نے کہا کہ سلام کرنا مراد ہے جو اہل اسلام کی دعا ہے [اور "لَسْتَ مُؤْمِنًا" قول سے محلاً منصوب ہے]۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مرداس بن نہیک مسلمان ہو گیا مگر اس کی قوم میں سے ان کے علاوہ کوئی مسلمان نہ ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی قوم کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر ان کی طرف روانہ فرمایا اور وہ تمام لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے اور حضرت مرداس اپنے اسلام قبول کر لینے کے اعتماد پر وہیں باقی رہے اور کہیں نہ گئے اور

[1] رواہ الترمذی فی کتاب الدیات باب ۷' ابن ماجہ فی کتاب الدیات باب ۱' النسائی فی کتاب التحریم باب ۲

جب انہوں نے اسلامی لشکر کے سواروں کو دیکھا تو اپنی بکریوں کے ریوڑ کو پہاڑ کی وادی کے موڑ کے پاس لے آئے اور خود پہاڑ پر چڑھ گئے' جب لشکرِ اسلام قریب سامنے آ گیا تو انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت مرداس نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا: '' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اور لشکر کو ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' کہا مگر حضرت اسامہ بن زید نے انہیں قتل کر دیا (کہ شاید جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے) اور اس کی بکریاں لے کر واپس مدینہ منورہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو سارا واقعہ سنایا تو آپ انتہائی غمگین ہو گئے اور فرمایا کہ کیا تم نے بکریوں کی خاطر انہیں قتل کر دیا (جس پر حضرت اسامہ نے نادم ہو کر توبہ واستغفار کی) اور حضرت اسامہ کو تنبیہ کرنے کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضور نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو یعنی تم مال غنیمت کے طلب گار ہو جو جلد ختم ہو جانے والا ڈھیر ہے اور یہ تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم جن کو قتل کرنے لگو نہ ان سے ایمان کا ثبوت طلب کرو اور نہ ان کے حالات کی تحقیق وتفتیش کرو (بلکہ انہیں مارو اور مال اکٹھا کرو) اور ''عـرض '' کا معنی مال ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ جلد ختم ہو جانے والا ہوتا ہے [اور ''تبتغون'' حال واقع ہو رہا ہے ''تقولوا'' کی ضمیرِ فاعل سے] ﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت زیادہ غنیمتیں ہیں' وہ تمہیں بہت سا مالِ غنیمت عطا فرمائے گا اور تمہیں اس آدمی کے مال سے بے نیاز کر دے گا جو اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہے اور تمہارے حملہ کے وقت اسلام میں پناہ لیتا ہے جب کہ تمہارا مقصد اس کا مال حاصل کرنا ہے ﴿ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے جب تم ابتدائے اسلام میں داخل ہوئے تھے میں نے تمہاری زبان سے کلمۂ شہادت سنا تو تمہارے مال و جان کی حفاظت کی بغیر اس اطلاع کے انتظار کے کہ تمہارے دل تمہاری زبانوں کے موافق ہو گئے ہیں اور ''كَذٰلِكَ'' میں کاف ''كَانَ'' (كُنْتُمْ) کی خبر ہے جو ''كَانَ'' اور اس کے اسم سے مقدم ہے ﴿ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں دین اسلام پر استقامت بخشی اور ایمان کے اظہار کا موقع عطا کیا' سو تم بھی اسلام میں داخل ہونے والوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرو جیسا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے ﴿ فَتَبَيَّنُوْا ﴾ سو تم خوب تحقیق کیا کرو اور تحقیق کرنے کا دوبارہ حکم محض تاکید کرنے کے لیے دیا گیا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے' لہٰذا کسی کو ناحق قتل کرنے کی جرأت نہ کرو اور اس بارے میں احتراز اور احتیاط کرو۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

ع ۱۰

بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والے مسلمان اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر

نہیں ہیں' اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھے رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے' اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے' اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر بہت بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے○ اس کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور بخشش ہے اور رحمت ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے○

جہاد کے فضائل اور ہجرت کی اہمیت وفضیلت

۹۵- ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ﴾ بغیر عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والے مسلمان (مجاہدوں کے) برابر نہیں ہیں [قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور علی کسائی نے ''غَیْرَ'' کو ''قَاعِدُوْنَ'' سے استثناء یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب (غَیْرَ) پڑھا ہے اور قاری حمزہ نے ''مُؤْمِنِیْنَ'' کی صفت قرار دے کر مجرور (غَیْرِ) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے قَاعِدُوْنَ کی صفت قرار دے کر مرفوع (''غَیْرُ'' جیسے قرآن میں ہے) پڑھا ہے] اور ''اَلضَّرَرِ'' سے بیماری مراد ہے یا اندھا یا لنگڑا یا لنجا ہونا یا اس قسم کی کوئی آفت مراد ہے ﴿وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والے مجاہدین (جہاد نہ کرنے والوں سے افضل ہیں) [اور اس کا ''قَاعِدُوْنَ'' پر عطف ہے] اور مجاہد کے بغیر عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والے کے درمیان مساوات و برابری کی نفی کی گئی ہے اور اگر چہ یہ بات سب کو معلوم ہے مگر جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اور ان میں جہاد کرنے کی تحریک وترغیب پیدا کرنے کے لیے یہ نفی کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ'' (الزمر:۹) ''کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟'' سو اس میں طلب علم کی تحریک وترغیب اور جہالت پر راضی رہنے پر دھمکی دی گئی ہے ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اور اس جملے کو پہلے جملے کے بیان کے لیے اور جہاد سے بیٹھے رہنے والوں اور جہاد کرنے والوں کے درمیان برابری کی نفی کی وضاحت کے لیے ذکر کیا گیا ہے گویا کہا گیا ہے کہ وہ برابر و یکساں کیوں نہیں ہیں؟ تو اس جملے کے ذریعے اس کا جواب دیا گیا ہے ﴿دَرَجَةً﴾ [یہ مصدر کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ یہ تفضیل سے ''مَرَّةً'' کی جگہ پر واقع ہے گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو ایک درجہ میں فضیلت دی ہے جیسے تمہارا یہ قول ''ضَرَبَهٗ سَوْطًا'' ہے] ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرما لیا ہے یعنی جہاد سے بیٹھے رہنے والوں اور مجاہدوں میں سے ہر ایک گروہ سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے [اور ''كُلًّا'' ''وَعَدَ اللّٰهُ'' کا پہلا مفعول ہے اور دوسرا مفعول ''اَلْحُسْنٰی'' ہے] یعنی بہترین ثواب اور وہ جنت ہے اگر چہ مجاہدین بیٹھے رہنے والوں سے ایک درجہ زیادہ فضیلت رکھتے ہیں ﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بغیر عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر مجاہدین کو بہت بڑے ثواب کے ساتھ فضیلت دی ہے [بعض نے فرمایا کہ ''اَجْرًا''، ''فَضَّلَ'' کی وجہ سے منصوب ہے] کیونکہ یہ ''اَجَرَهُمْ اَجْرًا'' کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑا ثواب عطا کیا ہے۔

۹۶- ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً﴾ اس کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور بخشش ہے اور رحمت ہے [اور یہ ''اَجْرًا'' سے بدل ہے یا ''دَرَجَاتٍ'' اس طرح منصوب ہے جس طرح ''دَرَجَةً'' منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی فضیلتیں دی ہیں جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''ضَرَبَهٗ اَسْوَاطًا'' یعنی فلاں آدمی نے اس کو بہت سی ضربیں لگائیں [اور ''اَجْرًا'' نکرہ سے حال ہے اور وہ ''دَرَجَاتٍ'' ہے' وہ اس پر مقدم ہے اور ''مَغْفِرَةً'' اور ''رَحْمَةً'' اپنے پوشیدہ فعلوں کے ساتھ منصوب ہیں] یعنی ''وَغَفَرَلَهُمْ وَرَحِمَهُمْ مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً'' اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا

اور ان پر رحمت نازل کی اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو کسی عذر کی وجہ سے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر ایک درجہ میں فضیلت دی ہے جب کہ حضور نبی کریم ﷺ کی اجازت سے دوسروں پر اکتفا کر کے بغیر کسی عذر کے جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر مجاہدین کو بہت سے درجوں میں فضیلت دی ہے کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کی) معذرت قبول کر کے بہت بخشنے والا ہے ﴿رَّحِیْمًا﴾ (اپنے بندوں کو) وافر اجر و ثواب عطا فرما کر ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

بے شک فرشتے جن کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟' وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے' فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے' سو یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O مگر جن کو عاجز کر دیا گیا مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے وہ نہ نکلنے کی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ وہ راستہ جانتے ہیں O سو یہی وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ ان کو معاف کر دے گا' اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے O

شانِ نزول: یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کی جب کہ اس وقت ان پر ہجرت کرنا فرض تھا اور وہ لوگ مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ مل گئے اور ان کے ساتھ مل کر (مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کے لیے) بدر کے مقام پر پہنچ گئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں کافر ہو کر مارے گئے۔

۹۷- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ﴾ بے شک جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعل ماضی ہو ان قراء کی قراءت کے مطابق جنہوں نے ''تَوَفَّتْهُمْ'' پڑھا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعل مضارع ہو اور ''تَتَوَفَّاهُمْ'' کے معنی میں ہو اور ''تا'' کے اجتماع کی وجہ سے دوسری ''تا'' کو حذف کر دیا گیا ہو] اور ''تَوَفِّی'' کا معنی روح کو قبض کرنا اور بدن سے نکالنا ہے اور ''مَلٰٓئِکَۃُ'' سے ملک الموت اور اس کے معاونین مراد ہیں ﴿ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ [یہ ''تَوَفَّاهُمْ'' میں مفعول کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہجرت ترک کر کے اور کفر اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ یعنی فوت ہونے والوں سے فرشتوں نے کہا: ﴿فِیْمَ كُنْتُمْ﴾ یعنی تم اپنے دین کے معاملے میں کس چیز پر عمل پیرا تھے اور اس کا معنی انہیں ڈرانا دھمکانا اور ڈانٹنا ہے کہ بے شک وہ لوگ اب

دین کے معاملے میں کسی چیز پر نہیں رہے ﴿ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم سرزمین مکہ میں ہجرت کرنے سے عاجز تھے اور کفار مکہ ہمیں مجبور کر کے (مسلمانوں سے لڑنے کے لیے) مکہ سے نکال کر (بدر میں) لے آئے تھے ﴿ قَالُوْۤا ﴾ یعنی فرشتوں نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا: ﴿ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع وعریض اور کشادہ وفراخ نہیں تھی کہ اس میں ہجرت کر کے چلے جاتے اور فرشتوں کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم مکہ مکرمہ سے بعض دوسرے ممالک اور دوسرے شہروں کی طرف ہجرت کر کے نکل جانے پر قادر تھے جن میں تمہیں اپنے دین کا اظہار کرنے سے کوئی ممانعت نہ ہوتی اور نہ تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی کوئی ممانعت تھی [اور استفہام کے جواب واقع ہونے کی بنا پر ''فَتُهَاجِرُوْا'' منصوب ہے] ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾ سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے [اور ''فَاُولٰٓئِكَ''، ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور اس پر ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ ''اَلَّذِيْنَ'' میں ابہام شرط کے مشابہ ہے یا ''اِنَّ'' کی خبر ''قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ'' ہے اور مبتدا کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے؛ دراصل ''قَالُوْا لَهُمْ'' ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ملک یا شہر میں اپنے دین کو قائم رکھنے پر قادر نہ ہو جیسا کہ اس کو قائم رکھنا واجب ہے اور وہ جانتا ہو کہ دوسرے ملک یا شہر میں وہ اپنے دین کو کماحقہ قائم رکھ سکے گا تو پھر اس پر ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کی خاطر ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف بھاگ گیا ہو خواہ وہ ایک بالشت زمین سے بھاگا ہو؛ پھر بھی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جنت میں اس کے باپ کے رفیق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے اور خود اس کے رفیق محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہوں گے۔

۹۸- ﴿ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ ﴾ مگر جن کو زبردستی دبا لیا گیا مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے اور ان کو اہل وعید (جو قدرت واختیار کے باوجود کمزور بنے رہے اور ہجرت نہ کی اور کفار سے مل گئے جس پر انہیں عذابِ دوزخ کی خبر سنائی گئی) سے مستثنیٰ (یعنی الگ) کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ درحقیقت ایسے کمزور وعاجز لوگ تھے جو ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً ﴾ اپنے فقر وفاقہ؛ غربت اور عاجزی وکمزوری کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے نکلنے کے لیے کوئی تدبیر ومنصوبہ اور اسباب وغیرہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے ﴿ وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴾ اور نہ انہیں راستوں کی کوئی پہچان ہے [اور ''وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ''، ''الْمُسْتَضْعَفِيْنَ'' کی صفت ہے یا ''الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَ الْوِلْدَانِ'' کی صفت ہے اور یہ جائز ہے اور یہ جملے بھی نکرے ہیں کیونکہ موصوف میں اگرچہ لام تعریف داخل ہے لیکن اس میں کسی چیز کا تعین نہیں] جیسے شاعر کا قول ہے: ''وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ'' اور البتہ تحقیق میں ایک بخیل کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے گالیاں دیتا ہے۔

۹۹- ﴿ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ﴾ سو یہی لوگ ہیں جن کو عنقریب اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور ''عَسٰی'' اگرچہ امید دلانے کے معنی کے لیے آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین ولزوم کے معنی میں آتا ہے کیونکہ کریم و سخی جب امید دلاتا ہے تو اس کو ضرور پورا کرتا ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی تخلیق سے پہلے بہت معاف فرمانے والا؛ بے حد بخشنے والا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ

يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا' اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے' پھر اس کو موت گھیر لے تو بلاشبہ اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو گیا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم بعض نمازیں قصر سے پڑھو' اگر تمہیں خوف ہو کہ کفار تمہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیں گے' بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں ○

۱۰۰- ﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ پائے گا یعنی ایسے راستے پر ہجرت کرے جو اس کی قوم کے خلاف ہو یعنی ان سے جدا ہو جائے ان کی ناک خاک آلود کرتے ہوئے اور ''رغم'' کا معنی ذلت ونرمی ہے اور اس کا اصل معنی ناک کو زمین پر رگڑنا ہے اور ''رَاغَمْتُ الرَّجُلَ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کو جدا کر دو اور وہ تمہاری جدائی کو اس لیے ناپسند کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے اس کو ذلت لاحق ہو جائے گی ﴿ وَّسَعَةً ﴾ اور وہ رزق میں یا دین کے اظہار کرنے میں یا خوف کے امن کے ساتھ تبدیل ہو جانے سے اپنے دل میں وسعت وفراخی پائے گا ﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا ﴾ اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے [اور ''مُهَاجِرًا'' ''يَخْرُجْ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی طرف یعنی جس طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہجرت کا حکم دیا ہے اس طرف جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے ﴿ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ ﴾ پھر منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہجرت کے راستے میں اس پر موت واقع ہو جائے [اور یہ جملہ ''يَخْرُجْ'' پر معطوف ہے] ﴿ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ تو بے شک اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اس کو اجر وثواب حاصل ہو گیا اور یہ وعدے کی تاکید ہے ورنہ اس کی مخلوق میں سے کسی کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ولازم نہیں ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے انتہا رحم فرمانے والا ہے اور اہل علم اکابر نے فرمایا ہے کہ ہر وہ ہجرت جو طلبِ علم یا حج یا جہاد یا اپنے شہر سے دوسرے شہر میں اس لیے ہو کہ اس میں اطاعت وعبادت یا قناعت یا زہد وتقویٰ یا رزق حلال کے حصول میں اضافہ ہو جائے گا تو یہ ہجرت بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی خاطر ہو گی اور اگر اس کو اس راہِ ہجرت میں موت آ گئی تو اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو جائے گا۔

نمازِ قصر کا بیان اور جہاد جاری رکھنے کی تاکید

۱۰۱- ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ ﴾ اور جب تم زمین میں سفر کرو' سو ''اَلضَّرْبُ فِى الْاَرْضِ'' کا مطلب ہے: زمین میں سفر کرنا ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کر دو یعنی

رکعات نماز کی تعداد میں قصر ہے' سو چار رکعتوں والی نماز (ظہر' عصر اور عشاء) میں دو رکعتیں نماز پڑھو اور آیت مبارکہ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ سفر میں قصر کر کے نماز پڑھنا صرف رخصت ہے اور مکمل نماز ادا کرنا عزیمت ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیونکہ ''لَا جُنَاحَ'' تخفیف اور رخصت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نماز میں قصر کرنا عزیمت (لازمی عمل) ہے رخصت نہیں ہے اور سفر میں مکمل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (مگر جب مقیم نے امام کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنی ہو تو مکمل پڑھی جائے گی) اس لیے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسلمانو! تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر سفر کی نماز بغیر کسی کمی کے دو رکعتیں مکمل نماز ہے' رہی آیت مبارکہ (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) گویا صحابہ کرام میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مکمل نماز کی صورت میں ثواب مکمل ملے گا (تو قصر نماز میں ثواب کم ملے گا) جس سے ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ نمازِ قصر میں ان کا نقصان ہوگا' سو اللہ تعالیٰ نے ''لَا جُنَاحَ'' فرما کر ان کے دلوں کو اطمینان دلایا کہ نمازِ قصر میں کوئی گناہ نہیں ہے (کہ ثواب میں کمی ہو جائے) اور وہ اس پر مطمئن ہو گئے ﴿ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ﴾ اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ کفار تمہیں قتل کرنے یا زخمی کرنے یا گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (تو نماز میں قصر کرنے پر کوئی گناہ نہیں) اور خوارج کے نزدیک ظاہر آیت کے مطابق نمازِ قصر کے جواز کے لیے خوفِ کفار شرط ہے اور جمہور کے نزدیک خوفِ کفار شرط نہیں ہے کیونکہ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم نماز میں قصر کیوں کرتے ہیں حالانکہ اب ہم امن میں ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی تعجب ہوا تھا جس طرح تمہیں تعجب ہوا ہے اور میں نے رسولِ خدا سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء سے اس کے متعلق سوال کیا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ صدقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے' لہٰذا تم اس کے صدقے کو قبول کرو[1] اور یہ حدیث شریف اس بات کی دلیل ہے کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ ایسا صدقہ جو ملکیت کا احتمال نہ رکھتا ہو اسقاط محض ہوتا ہے رد کرنے کا احتمال نہیں رکھتا اگرچہ صدقہ کرنے والا ان میں سے ہو جن کی اطاعت لازمی نہ ہو جیسے قصاص کا وارث جب وہ قصاص معاف کر دے تو جس کی اطاعت لازم ہے اس کا صدقہ قبول کرنا اور رد نہ کرنا بطریقِ اولیٰ لازمی ہوگا اور اس لیے بھی کہ آیت مبارکہ کے نزول کے وقت ان کا حال اس طرح کا تھا (لہٰذا خوفِ کفار اتفاقی قید ہے قصر کے لیے شرط نہیں) اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے کہ ''اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا'' (النور:۳۳) ''اگر وہ کنیزیں (بدکاری سے) بچنا چاہیں'' اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ''مِنَ الصَّلٰوۃِ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمۡ'' یعنی تا کہ کفار تم پر نماز کی حالت میں حملہ کر کے کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں' اس بات کی دلیل ہے کہ آیت کریمہ سے مراد قصر احوال ہے اور وہ یہ ہے کہ خوف کے وقت سوار اپنی سواری پر اشارے کے ساتھ نماز ادا کرے گا یا قراءت اور رکوع اور سجود اور تسبیح کو کم کر دے گا جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ﴿ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴾ بے شک کفار تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں' لہٰذا ان سے بچ کر رہو اور ان سے محتاط رہو۔

وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ ۟ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ۪ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی

[1] رواہ مسلم فی کتاب المسافرین حدیث ۴' ابو داؤد فی کتاب السفر باب ۱' الترمذی فی کتاب تفسیر سورۃ النساء باب ۲۰' النسائی فی کتاب الخوف باب ۱' ابن ماجہ فی کتاب الاقامۃ باب ۷۳' الدارمی فی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۷۹' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۵۔۳۹

لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

اور اے محبوب! جب آپ ان میں تشریف فرما ہوں اور آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور وہ اپنا اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں' پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں' اور دوسری جماعت آ جائے جس نے نماز نہیں پڑھی' اب وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ بھی اپنی حفاظت کریں اور اپنا اسلحہ ساتھ لیے رہیں' کافر تو چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحے اور اپنے ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک دم حملہ کر دیں' اور تم پر کوئی حرج نہیں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس ہو یا تم بیمار ہو جاؤ کہ تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو' اور اپنی حفاظت کرتے رہو' بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

۱۰۲- ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! جب آپ اپنے اصحاب میں تشریف فرما ہوں ﴿فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ اور آپ انہیں نماز پڑھانا چاہیں' اس آیت کریمہ کے ظاہر سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نماز خوف نہیں پڑھی جائے گی جب کہ جمہور علمائے اسلام نے فرمایا کہ ہر زمانے میں ائمہ کرام حضور سید عالم رسول اکرم نبی معظم ﷺ کے نائب و قائم مقام ہوتے ہیں' لہٰذا آپ کو خطاب ہر زمانے کے امام کو شامل ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ'' (التوبہ:۱۰۳) ''اے محبوب! ان سے صدقے کا مال لیجئے (اور) ان کو پاک کیجئے'' اس کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے ﴿فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ﴾ تو آپ ان کی دو جماعتیں بنا لیں اور ان میں ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہو جائے اور آپ ان کو نماز پڑھائیں اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی ہو جائے ﴿وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور وہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہیں یعنی وہ لوگ جو دشمن کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اگر اس سے مراد نمازی ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ اپنا وہ اسلحہ لیے رہیں جو انہیں نماز میں رکاوٹ نہ بنے جیسے تلوار اور خنجر وغیرہ ﴿فَاِذَا سَجَدُوْا﴾ یعنی جب وہ (پہلی جماعت) دونوں سجدوں کے ساتھ اپنی ایک رکعت نماز مکمل کر لے اور ہمارے نزدیک سجود سے اس کا ظاہری معنی سجدے کرنا مراد ہے جب کہ امام مالک مرحوم کے نزدیک سجود سے نماز مراد ہے ﴿فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ﴾ تو یہ لوگ تمہارے پیچھے چلے جائیں یعنی یہ پہلی جماعت جس نے ایک رکعت نماز آپ کے ساتھ پڑھ لی ہے وہ پیچھے لوٹ جائے اور دشمن کے سامنے جا کر کھڑی ہو جائے ﴿وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا﴾ [''لَمْ يُصَلُّوْا'' ''طَآئِفَةٌ'' کی صفت ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے] (ترجمہ یہ ہے:) اور وہ دوسری جماعت آ جائے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ﴿فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ﴾ یعنی وہ دوسری جماعت جو دشمن کے سامنے کھڑی تھی حاضر ہو جائے اور آپ کی دوسری رکعت میں شامل ہو کر آپ کے ساتھ نماز ادا کرے ﴿وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ﴾ اور وہ اپنا

بچاؤ کرتے رہیں جس کی بدولت وہ دشمن سے بچ سکیں جیسے زرہ وغیرہ پہنے رہنا ﴿وَاَسْلِحَتَهُمْ﴾ اور اپنے ہتھیار ساتھ لیے رہیں یہ "سَلَاحٌ" کی جمع ہے اور اس سے ہر وہ ہتھیار مراد ہے جس کے ذریعے جنگ کی جائے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز میں مسلح ہونا شرط ہے اور ہمارے نزدیک مستحب ہے اور نمازِ خوف کی کیفیت مشہور ہے۔[1] ﴿وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً﴾ کافر چاہتے ہیں اگر تم اپنے اسلحہ جات اور اپنے ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک دم حملہ کر دیں یعنی وہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہاری نماز میں بے خبر پائیں تو پوری قوت کے ساتھ وہ تم پر ایک دم حملہ کر دیں ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ اور اگر بارش وغیرہ سے تمہیں تکلیف پہنچے یا تم بیمار ہو جاؤ تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو اور اپنا بچاؤ کرتے رہو اور اگر بارش کی وجہ سے جسم گیلے ہو جانے کے سبب یا بیماری کی وجہ سے ضعف و کمزوری لاحق ہونے کے سبب اسلحہ جات اٹھانا ان پر بھاری ہو جائے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلحہ جات اتار کر رکھنے کی اجازت دے دی ہے اور اس کے باوجود ان کو دشمن سے بچنے کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا بھی حکم دے دیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ مسلمان غافل ہو جائیں اور دشمن بے خبری میں اچانک حملہ کر دے ﴿اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور آیت مبارکہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پیشگی آگاہ کر دیا کہ وہ ان کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرے گا تاکہ مسلمانوں کے دل مضبوط ہو جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ اپنے بچاؤ کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ دشمن کے غلبے کی توقع ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعبدی حکم ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ

[1] حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل السیّد محمد نعیم الدین الشاہ المراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نمازِ خوف کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پوری کر کے دشمن کے مقابل چلی جائے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابل کھڑی تھی وہ آ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے' پھر فقط امام سلام پھیر دے اور پہلی جماعت آ کر دوسری رکعت بغیر قراءت کے پڑھے اور سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابل چلی جائے' پھر دوسری جماعت اپنی جگہ آ کر ایک رکعت جو باقی رہی تھی اس کو قراءت کے ساتھ پورا کر کے سلام پھیر دے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور پہلی جماعت لاحق ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی طرح نمازِ خوف ادا فرمانا مروی ہے' حضور کے بعد بھی صحابہ کرام پڑھتے رہے ہیں' حالت خوف میں دشمن کے مقابل اس اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا کس قدر اہم اور ضروری ہے' مسائل: حالت سفر میں اگر صورت خوف پیش آ جائے تو اس کا یہ بیان ہوا لیکن اگر مقیم کو ایسی حالت پیش آ جائے تو وہ چار رکعت والی نمازوں میں ہر ہر جماعت کو دو دو رکعت نماز پڑھائے اور تین رکعت والی نماز میں پہلی جماعت کو دو رکعت اور دوسری کو ایک رکعت نماز پڑھائے۔ (تفسیر خزائن العرفان سورۃ النساء: ۱۰۲' حاشیہ نمبر ۲۸۲)

يَأْلَمُوْنَ كَمَا تَأْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

جب تم نماز پڑھ لو تو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرو پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز پڑھو' بے شک نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے اور کافروں کے تعاقب میں سستی نہ کروO اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو بھی تکلیف پہنچتی ہے' جس طرح تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اور تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو وہ اس کی امید نہیں رکھتے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت بڑی حکمت والا ہےO

۱۰۳- ﴿ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ پھر جب تم نماز ادا کر لو یعنی جب تم اس سے فارغ ہو جاؤ ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور پہلو پر لیٹے ہوئے یعنی تمام احوال میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری وساری رکھو یا یہ مطلب ہے کہ جب تم نماز ادا کرنا چاہو تو اگر تم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قدرت رکھتے ہو تو کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اور اگر تم کھڑے ہونے سے عاجز ہو تو تم بیٹھ کر نماز پڑھ لو اور اگر تم بیٹھ کر نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو پھر تم لیٹ کر نماز ادا کر لو ﴿ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ ﴾ پھر جب خوف زائل ہو جانے کی وجہ سے تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے اور تم پرسکون ہو جاؤ ﴿ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ تو تم سب مل کر ایک جماعت کے ساتھ نماز پوری کرو یا جب تم مقیم ہو جاؤ تو نماز پوری کر کے پڑھو اور اس میں قصر نہ کرو یا جب تمہیں (بیماری کے بعد) اپنی صحت پر اطمینان حاصل ہو جائے تو تم قیام' رکوع اور سجود کو پورا کرو ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ بے شک نماز مسلمانوں پر مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے یعنی نماز کی فرضیت اوقاتِ معلومہ کے ساتھ محدود کی گئی ہے۔

۱۰۴- ﴿ وَلَا تَهِنُوْا ﴾ اور تم نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ سستی کرو ﴿ فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ﴾ قتل و غارت اور جنگ کرنے کے لیے کفار کی تلاش میں اور ان کا پیچھا کرنے میں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے ان پر حجت قائم فرمائی ﴿ إِنْ تَكُوْنُوْا تَأْلَمُوْنَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُوْنَ كَمَا تَأْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ﴾ اگر تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو انہیں بھی تکلیف ہوتی ہے جیسے تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو امید رکھتے ہو وہ نہیں رکھتے یعنی قتل ہونے اور زخمی ہونے کی وجہ سے صرف تمہیں تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ وہ تو تمہارے ان کے درمیان مشترک ہے وہ ان کو بھی پہنچتی ہے جس طرح تمہیں پہنچتی ہے' پھر جب وہ (کفار) اس پر صبر کرتے ہیں تو تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم ان کی طرح صبر نہیں کرتے اس کے باوجود کہ تم ان سے زیادہ صبر کے حق دار ہو کیونکہ تم تمام ادیان پر اپنے دین کے غالب ہونے اور آخرت میں بہت بڑے ثواب پانے کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' وہ مسلمانوں کی تمام جنگی تکالیف کو جانتا ہے جو انہیں پہنچتی ہیں ﴿ حَكِيْمًا ﴾ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاملات کی تدبیر و منصوبہ بندی کرنے میں بڑی حکمت والا ہے۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ لا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ ج وَلَا

تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

بے شک ہم نے آپ کی طرف برحق کتاب نازل کی ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے' اور آپ خیانت کرنے والوں کے لیے جھگڑنے والے نہ ہو جائیں O اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کیجئے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں' جو اپنے آپ کو خیانت میں ڈالتے ہیں' بے شک اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا' جو بددیانت (اور) گنہگار ہو' وہ لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے O حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو ایسی تجویز کرتے ہیں جس کو اللہ پسند نہیں کرتا' اور اللہ ان کے تمام کاموں کو گھیرنے والا ہے O

یہود کی خیانت' استغفار کی اہمیت اور حضور پر اللہ کے فضل ورحمت کا بیان

شانِ نزول: مروی ہے کہ انصار کے قبیلے بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے ایک پڑوسی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک زرہ آٹے کی بوری میں رکھ کر چوری کر لی' اتفاق سے بوری پھٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس میں سے آٹا راستے میں گرتا گیا اور طعمہ نے زرہ سمیت آٹے کی بوری زید بن سمین یہودی کے گھر میں بطور امانت چھپا دی' پھر جب (شک کی بنا پر) طعمہ کے پاس جا کر زرہ کی تلاش کی گئی تو اس کے پاس نہ ملی اور اس نے قسم اٹھالی کہ اس نے یہ چوری نہیں کی اور نہ اس کو اس کے بارے میں کوئی علم ہے تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور گرے ہوئے آٹے کے نشانات پر چلتے ہوئے یہودی کے گھر جا پہنچے اور اس کو پکڑ لیا (کیونکہ زرہ سمیت آٹے کی بوری اس کے گھر میں پائی گئی تھی) تو اس نے کہا کہ مجھے طعمہ بن ابیرق نے دی ہے اور یہود کی ایک جماعت نے اس کے حق میں گواہی دی جس پر طعمہ کے قبیلہ بنو ظفر نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ رسول خدا سرورِ انبیاء حبیب کبریا ﷺ کے پاس چلو' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جا کر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے آدمی کی وکالت کریں (اور حضور کے سامنے قسمیں کھالیں کہ طعمہ بے قصور ہے اور یہودی چور ہے) اور انہوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہمارا ساتھی بے قصور مارا جائے گا اور ذلیل و رسوا ہو جائے گا اور یہودی بری ہو جائے گا جس کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی حمایت کرنا چاہی تو یہ آیات نازل ہو گئیں۔

۱۰۵- ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کی تصدیق کرنے والی سچی کتاب نازل کی ہے ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلا دیا ہے اور جو آپ کی طرف وحی کی ہے۔ حضرت الشیخ امام ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ اے محبوب! آپ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے گئے اصول میں آپ کو غور و فکر کرنے کا الہام کیا ہے اور اس آیت مبارکہ سے آپ کے حق میں اجتہاد کرنے کے جواز کا ثبوت ملتا ہے ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾

اور آپ خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑا نہ کیجئے یعنی آپ بنوظفر قبیلہ کی خاطر یہود سے جھگڑا نہ کیجئے۔

۱۰۶- ﴿ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ سے طعمہ کی حمایت کے ارادہ کرنے پر مغفرت طلب کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

۱۰۷- ﴿ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں یعنی وہ لوگ گناہ کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں' گنہگاروں کے گناہ کو ان کی اپنی جانوں کے ساتھ خیانت اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کا وبال اور نقصان انہی پر پڑے گا اور اس سے طعمہ اور اس کی قوم میں سے اس کے معاونین مراد ہیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ طعمہ چور ہے یا پھر جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے تا کہ طعمہ کو اور ہر اس شخص کو شامل ہو جائے جو اس کی طرح خیانت کرتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کسی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا اور ''خَوَّانًا'' مبالغہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ طعمہ کو خوب جانتا ہے کہ اس نے خیانت میں زیادتی کی ہے اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور مروی ہے کہ طعمہ بن ابیرق اس فیصلہ کے بعد مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا تھا اور وہاں جا کر چوری کی نیت سے ایک گھر کی دیوار میں نقب لگائی تا کہ گھر والوں کا سامان لوٹ لے مگر وہ دیوار اس کے اوپر گر پڑی جس کی وجہ سے اسی جگہ ہلاک ہو گیا اور بعض نے کہا ہے کہ جب تم کسی شخص کے کسی گناہ پر آگاہ ہو جاؤ تو سمجھ لو کہ اس نے اس سے پہلے کئی گناہ کیے ہوں گے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور اس کی والدہ روتی ہوئی آئی اور آپ سے عرض کی کہ میرے بیٹے نے یہ پہلی چوری کی ہے' لہٰذا آپ اس کو معاف فرما دیں' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلی دفعہ گناہ کرنے پر اپنے بندے کی گرفت نہیں فرماتا۔

۱۰۸- ﴿ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ ﴾ وہ لوگوں سے شرم و حیا اور ان کے ضرر پہنچنے کے خوف کی وجہ سے چھپتے پھرتے ہیں ﴿ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپتے اور نہ اس سے شرم و حیا کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے اور ان کو جانتا ہے اور ان کے حالات سے آگاہ ہے اور اس سے کسی کا کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان میں شرم و حیا اور خوفِ خدا بہت کم رہ گیا ہے اس کے باوجود کہ وہ جانتے ہیں کہ تمام لوگ اس کے سامنے ہیں' اس کے سامنے کوئی پردہ نہیں اور نہ کوئی اس سے غائب ہے ﴿ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ ﴾ جب وہ تدبیریں کرتے ہیں' اس کی اصل یہ ہے کہ رات کو باہم مل کر تدبیریں بنانا ﴿ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ﴾ ایسی تدبیریں جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا اور وہ یہ کہ طعمہ (اور اس کی قوم کا) یہ تدبیر کرنا کہ زرہ زید بن سمین یہودی کے گھر میں پھینک دی جائے تا کہ اس کی بجائے زید بن سمین یہودی کو چور قرار دلوایا جائے اور طعمہ کا قسم اٹھانا کہ اس نے چوری نہیں کی اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کلام وہ معنی ہے جو نفس کے ساتھ قائم ہوتا ہے (اور اسی کو کلامِ نفسی کہتے ہیں) کیونکہ تدبیر کو قول قرار دیا گیا ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴾ اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو گھیرے ہوئے ہے یعنی وہ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم نے لوگوں کے تمام اعمال کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ

يَّظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾ ع

تم آگاہ ہو جاؤ کہ تم نے دنیا میں تو ان کی طرف سے جھگڑا کر لیا' تو قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا یا ان کو بچانے والا کون ہوگا O اور جو شخص کوئی بُرا کام کرلے یا اپنی جان پر ظلم کرلے پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان پائے گا O اور جو شخص کوئی گناہ کماتا ہے تو بلاشبہ اس کی کمائی صرف اسی کی جان پر پڑے گی' اور اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O اور جو شخص کوئی بڑا گناہ یا چھوٹا گناہ کمائے' پھر کسی بے گناہ پر اس کی تہمت لگا دے تو اس نے یقیناً بہت بڑا بہتان اور کھلم کھلا گناہ اپنے ذمے لے لیا O

١٠٩- ﴿ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ [''اَنْتُمْ'' میں اور ''اُولَآءِ'' میں ''ھَا'' تنبیہ کے لیے ہے اور یہ دونوں مبتدا خبر ہیں (یعنی ''اَنْتُمْ'' مبتدا ہے اور ''اُولَآءِ'' اس کی خبر ہے)] ﴿ جٰدَلْتُمْ ﴾ تم نے جھگڑا کیا [اور یہ جملہ ''اُولَآءِ'' کی خبر واقع ہونے کا بیان ہے جیسے کسی سخی کے لیے کہا جائے: ''اَنْتَ حَاتِمٌ تَجُوْدُ بِمَا لِكَ'' کہ تو سخی ہے اپنے مال کی سخاوت کرتا ہے یا ''اُولَآءِ'' اسم موصول ہے ''اَلَّذِيْنَ'' کے معنی میں ہے اور ''جَادَلْتُمْ'' اس کا صلہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ کم عقلو! تم نے جھگڑا کیا ﴿ عَنْهُمْ ﴾ طعمہ اور اس کی قوم کی طرف سے ﴿ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون جھگڑے گا یعنی جب آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں گرفتار فرمائے گا تو اس دن ان کی طرف سے کون جھگڑے گا [اور ''عَنْهُمْ'' کی بجائے ''عَنْهُ'' بھی پڑھا گیا ہے] یعنی طعمہ کی طرف سے (کون جھگڑے گا) ﴿ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴾ یا ان کا وکیل کون ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے انہیں کون بچائے گا اور ان کی حفاظت کون کرے گا۔

١١٠- ﴿ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا ﴾ اور جو شرک کے سوا کوئی اور گناہ کرے ﴿ اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ﴾ یا جو شخص شرک یا کسی بدترین گناہ کے ذریعے اپنی جان پر ظلم کرے جس کا نقصان دوسرے کو پہنچے جیسا کہ طعمہ نے حضرت قتادہ اور یہودی کے ساتھ کیا یا ایسے عمل سے اپنی جان پر ظلم کرے جو صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہو جیسے جھوٹی قسم اٹھانا ﴿ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان پائے گا اور یہ طعمہ کے لیے استغفار و توبہ کرنے کی ترغیب ہے۔

١١١- ﴿ وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ ﴾ اور جو شخص گناہ کمائے گا تو اس کی کمائی اس کی ذات پر پڑے گی کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' بڑی حکمت والا ہے' وہ کسی بے قصور کو کسی کے گناہ کی سزا نہیں دے گا۔

١١٢- ﴿ وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً ﴾ اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کمائے ﴿ اَوْ اِثْمًا ﴾ یا کوئی بڑا گناہ کمائے یا پہلا وہ گناہ ہے جو اس کے درمیان اور اس کے رب کے درمیان ہے اور دوسرا گناہ وہ ہے جو بندوں پر مظالم کے بارے میں ہے ﴿ ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓئًا ﴾ پھر وہ اپنا گناہ کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے جس طرح طعمہ بن ابیرق نے اپنا جرم زید بن سمین کے سر

تھوپ دیا تھا ﴿فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا﴾ تو اس نے بے شک بہت بڑا جھوٹ بولا ﴿وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ اور کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کیا اور یہ اس لیے کہ وہ ایک تو چوری کر کے گنہگار ہوا اور (دوسرا) ایک بے قصور آدمی پر تہمت لگا کر گناہ کیا' سو وہ دوگنا ہوں کا مرتکب ہوا اور بہتان کہتے ہیں کہ کسی بے قصور پر جھوٹا الزام لگا دینا جس سے وہ حیران و پریشان ہو جائے اور وہ اس الزام سے بے خبر ہو۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

اور (اے محبوب!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا' اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے' اور اللہ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے O ان کے اکثر مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے یا نیکی کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے' اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرے گا تو ہم اس کو بہت بڑا ثواب عنایت کریں گے O

۱۱۳- ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ﴾ اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر خطا اور ہر عیب سے معصوم نہ بنایا ہوتا اور ان کے پوشیدہ رازوں اور خفیہ ارادوں پر آپ کو اطلاع دے کر آپ پر اس نے لطف و کرم نہ کیا ہوتا ﴿لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ تو البتہ ان میں سے یعنی قبیلہ بنوظفر میں سے ایک جماعت نے (آپ کو گمراہ کرنے کا) ارادہ کرلیا تھا یا ''طَآئِفَةٌ'' سے خود بنوظفر مراد ہیں [اور ''مِنْهُمْ'' کی ضمیر ''اَلنَّاس'' کی طرف لوٹتی ہے] (یعنی لوگوں میں سے بنوظفر نے ارادہ کرلیا تھا) ﴿اَنْ يُّضِلُّوْكَ﴾ کہ وہ آپ کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے سے بہکا دیں حالانکہ آپ نے عدل و انصاف کا ارادہ کیا ہوا تھا اور وہ جانتے تھے کہ ان کا ساتھی ہی مجرم ہے ﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کرتے ہیں کیونکہ اس کا وبال انہیں پر پڑے گا ﴿وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ آپ نے صرف ظاہری اسباب کی وجہ سے طعمہ کے حق میں عمل کرنا چاہا تھا لیکن آپ کے قلب مبارک میں ناانصافی کا ارادہ بالکل نہیں تھا بلکہ حقیقت اس کے برعکس تھی (یعنی آپ اپنے دل میں تو عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے) ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور حکمت یعنی سنت نازل فرمائی ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب

کچھ سکھا دیا ہے جو کچھ آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے یعنی دین اسلام اور دیگر شریعتوں کے مسائل و معاملات یا مخفی و پوشیدہ اور غیب کے معاملات و مسائل اور دلوں کے اسرار و رموز سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا ہے ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے آپ کو بے شمار علوم عطا فرما دیئے اور آپ پر انعامات و اکرامات کی بارش فرما دی۔

نیک مشاورت کی اہمیت، رسولِ اکرم اور اجماع کی مخالفت کا انجام اور شرک کی مذمت

۱۱۴۔﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ ان لوگوں کی سرگوشیوں میں اور ان کے باہمی خفیہ مشوروں اور سازشوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی ﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ﴾ سوائے اس شخص کی سرگوشی کے جس نے صدقہ دینے کا حکم دیا [اور یہ ''كَثِيْرٍ'' یا ''نَجْوَاهُمْ'' سے بدل واقع ہونے کی بنا پر مجرور ہے یا استثناء منقطع ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ''وَلٰكِنَّ'' کے معنی میں ہے] (یعنی) لیکن جس شخص نے صدقہ دینے کا حکم دیا ہے تو اس کے مشورہ میں بھلائی ہے ﴿اَوْ مَعْرُوْفٍ﴾ یا نیکی کرنے کا حکم دیا یعنی قرض دینے یا کسی مظلوم کی فریاد رسی کرنے یا ہر قسم کی بھلائی کرنے کا حکم دیا یا پھر صدقہ سے زکوٰۃ مراد ہے اور معروف سے ہر قسم کے نفلی صدقات مراد ہیں ﴿اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یعنی آپس میں عداوت رکھنے والے لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دینا اور کوشش کرنا ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص مذکورہ بالا کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرے اور اس سے وہ شخص خارج ہو گیا جو یہ مذکورہ بالا کام دکھاوے کے لیے یا شہرت کے لیے کرتا ہے اور یہ مفعول لہ ہے اور یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ''اِلَّا مَنْ اَمَرَ'' فرمایا، پھر ''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ'' فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعے نیکی کرنے والے پر دلالت کی جائے کیونکہ جب نیکی کا حکم دینے والا نیکوں کی جماعت میں شامل ہے تو نیکی کرنے والا بطریق اولیٰ نیکوں میں شامل ہوگا، پھر ''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ'' فرما کر نیکی کرنے والے کا ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ اس سے بہت بڑا اجر و ثواب عنایت کرنے کا وعدہ فرما لیا یا اس سے ''وَمَنْ يَّاْمُرْ بِذٰلِكَ'' مراد ہے (یعنی جو مذکورہ بالا کاموں کا حکم دے) [لیکن ''اَمر'' کو فعل کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے] ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ تو ہم عنقریب ان کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے [قاری ابو عمرو بصری اور حمزہ نے ''يُؤْتِيْهِ'' پڑھا ہے]۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

ع ۱۷ وقف لازم

اور جو شخص راہِ حق واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے تو ہم اس کو اسی راہ پہ چھوڑ دیں گے جس کی طرف وہ خود پھر گیا ہے اور ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O اور بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا' اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا O وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت نہیں کرتے' مگر عورتوں کی اور وہ عبادت نہیں کرتے مگر سرکش شیطان کی O جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور شیطان نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ضرور لوں گا O

۱۱۵- ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ﴾ اور جو شخص رشد و ہدایت کے ظاہر ہونے اور (راہِ حق کی) دلیل واضح ہونے کے بعد رسول پاک کی مخالفت کرتا ہے ﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور مسلمانوں کی اس راہ کی مخالفت کرتا ہے جس دین حنیف کی راہ میں مسلمان گامزن ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے جس کی مخالفت جائز نہیں جس طرح کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی راہ کی مخالفت کو شرط میں جمع کر دیا ہے اور اس کی جزاء سخت ترین عذاب مقرر فرمایا ہے' لہٰذ سلمانوں کے اجماع کی اتباع اسی طرح واجب ولازم ہے جس طرح رسول اکرم ﷺ کی اتباع اور آپ کی دوستی واجب ولازم ہے ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ وہ گمراہی کی جس راہ کی طرف از خود پھر جائے گا ہم اسے اسی کی طرف موڑ دیں گے اور ہم اس کو دنیا میں اسی راہ پر چھوڑ دیں گے جس کو اس نے خود اختیار کر لیا ہے اور آخرت میں ہم اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ طعمہ بن ابیرق کے مرتد ہو جانے پر اس کے بارے میں نازل ہوئی۔

۱۱۶- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ بے شک اسے نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا' اس آیت کریمہ کی تفسیر اسی سورۃ (کی آیت:۴۸) میں گزر چکی ہے ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بہت دور جا پڑا۔

شیطان کے ہتھکنڈوں کا بیان

۱۱۷- ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت نہیں کرتے مگر عورتوں کی' لفظ ''اِنَاثًا'' ''اُنْثٰی'' کی جمع ہے اور اس سے مراد لات' عُزّٰی اور مناۃ نامی بت ہیں اور عرب کے ہر قبیلے کے پاس ایک بت ہوتا تھا جس کی وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے اور اس کو بنی فلاں کی بیٹی کہا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ اہل عرب اپنے بتوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ) ﴿ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا ﴾ اور وہ صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ اسی شیطان نے ان کو بتوں کی عبادت کرنے کی ترغیب دی اور ان کو فریب دیا تو انہوں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی اس لیے ان کی اطاعت کو شیطان کی عبادت قرار دیا گیا ﴿ مَّرِيْدًا ﴾ اطاعت وفرماں برداری سے خارج وسرکش اور ہر کارِ خیر سے خالی ومحروم اور اسی سے ''امرد'' (بے ریش لڑکا) بنا ہے۔

۱۱۸- ﴿ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرما دی ہے' شیطان کی دو صفتیں ہیں: سرکش اور ملعون (گویا) شیطان سرکشی اور لعنتِ خدا کا جامع ہے اور (شیطان کا درج ذیل) قول بہت بدترین ہے: ﴿ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ

﴿نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ اور شیطان نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر و جدا حصہ ضرور لوں گا کہ ایک ہزار میں نو سو ننانوے (۹۹۹) لازماً میرے ہوں گے اور ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾

اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا اور میں انہیں ضرور آرزوئیں دلاؤں گا اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے اور انہیں ضرور حکم دوں گا تو اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتیں تبدیل کر دیں گے اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیتا ہے تو بے شک وہ کھلم کھلا نقصان میں جا پڑا O وہ ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف پُرفریب وعدے کرتا ہے O یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ اس سے بچنے کی جگہ نہیں پائیں گے O

۱۱۹- ﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ﴾ اور میں ان کو گمراہی کی دعوت دے کر دنیا اور شہوات کو آراستہ کر کے اور وسوسے ڈال کر ضرور گمراہ کروں گا اور اگر اس کو لوگوں کے اندر گمراہی نافذ کرنے کی طاقت ہوتی تو وہ سب لوگوں کو گمراہ کر دیتا ﴿وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ﴾ اور لمبی عمر ملنے اور مال و دولت کے حاصل ہو جانے کی باطل اور ناجائز آرزوئیں ضرور میں ان کے دلوں میں ڈال دوں گا ﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان چیر دیں گے ''بتك'' کا معنی ہے: کاٹنا اور چیرنا اور ''تبتيك'' کا معنی ہے: کثرت سے بار بار کاٹنا اور چیرنا یعنی میں انہیں ضرور ترغیب دوں گا کہ وہ چوپاؤں کے کان کاٹ ڈالیں اور اہل جاہلیت کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جنم دیتی اور پانچویں مرتبہ نر جنتی تو اس کا کان چیر دیتے (اور اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے) اور اس سے نفع اٹھانا اپنے اوپر حرام کر لیتے (اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کا دودھ استعمال کرتے اور نہ اس کو ذبح کرتے) ﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی صورتیں بگاڑ دیں گے جیسے حامی نام کے جانور کی آنکھ نکالنا اور اس پر سوار ہونے کو حرام قرار دینا یا خصی کرنا اور یہ عمل چوپایوں میں جائز ہے لیکن بنی نوع انسان میں جائز نہیں ہے (جب کہ کفار مکہ غلاموں کو خصی کر دیتے تھے) یا جسم کو سوئی وغیرہ کے ذریعے چھیدنا یا کسی قرابت دار (بیٹے وغیرہ) کے رشتے سے انکار کر کے دوسروں کی طرف منسوب کرنا یا بالوں کو سیاہ کر کے بڑھاپے کو تبدیل کرنا یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا یا مردوں کا اپنی شکل وصورت اور گفتار و رفتار کو عورتوں کے مشابہ بنانا (اور عورتوں کا مردوں کے مشابہ بننا) یا اللہ تعالیٰ کی فطرت یعنی دین اسلام کو تبدیل کرنا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ'' (الروم:۳۰) یعنی ''اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز نہ بدلنا'' ﴿وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیتا ہے اور شیطان اس کو جس طرف بلاتا ہے وہ اس کو قبول کر لیتا ہے تو بے شک اس نے دنیا اور آخرت

میں یعنی دونوں جہانوں میں واضح اور صریح نقصان اٹھایا۔

١٢٠۔﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴾ شیطان ان سے وعدے کرتا ہے کہ نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے اور نہ حشر ونشر ہوگا اور نہ حساب و کتاب ہوگا اور ان کو ایسی آرزوئیں دلاتا ہے جو وہ کبھی حاصل نہ کرسکیں گے اور شیطان ان سے پُرفریب وعدے کرتا ہے اور انہیں چیزیں حقیقت کے خلاف دکھاتا ہے۔

١٢١۔﴿ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴾ انہیں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس سے نہ پھر سکیں گے اور نہ بھاگ سکیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ کا وعدہ سچا ہے' اور اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہوسکتا ہےO نہ تمہاری آرزوئیں پوری ہوں گی اور نہ اہل کتاب کی آرزوئیں' جو شخص کوئی بُرا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی' اور وہ اللہ کے سوا کسی کو نہ حمایتی پائے گا اور نہ مددگارO اور جو نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مسلمان ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گاO

نیکوں کا انعام' غیر مسلموں کی باطل تمنائیں' دین میں مخلص کا تعارف اور حضرت ابراہیم کی شان

١٢٢۔﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور کفر اختیار کرنے کے معاملے میں انہوں نے شیطان کی پیروی نہیں کی ﴿ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ﴾ عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے [اور ابراہیم نخعی نے ''سَيُدْخِلُهُمْ'' پڑھا ہے] ﴿ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' یہ دونوں مصدر ہیں پہلا اپنی ذات کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرا اپنے غیر (وَعْدَ) کی تاکید کے لیے ہے ﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں کون سچا ہوسکتا ہے؟ [''قِيلًا'' دراصل ''قَوْلًا'' ہے اور یہ جملہ استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور نفی کے معنی میں ہے] یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہوسکتا اور یہ تیسری تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں سے جو سچے وعدے کیے ہیں ان کی تاکیدیں لانے کا فائدہ شیطان کے ان جھوٹے وعدوں کا مقابلہ کرنا ہے جو اس نے اپنے پیروکار چیلوں سے کیے ہوئے ہیں۔

۱۲۳- ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ﴾ اے مشرکو! تمہاری آرزوئیں اور تمہاری خواہشات کے مطابق معاملہ نہیں ہوگا کہ تمہارے بت تمہیں فائدہ دیں گے ہرگز نہیں ﴿وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اور نہ یہود و نصاریٰ کی خواہشات پر فیصلہ ہوگا جیسا کہ انہوں نے کہا ہے: ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'' (المائدہ:۱۸) ''ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً'' (البقرہ:۸۰) ''ہمیں ہرگز آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن'' ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ یعنی مشرکین اور اہل کتاب میں سے جو شخص برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائے گا اور نہ کوئی مددگار اور یہ کفار کے لیے وعید (یعنی دھمکی) ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا:

۱۲۴- ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ [سو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وَهُوَ مُؤْمِنٌ'' حال واقع ہو رہا ہے اور پہلا ''مِنْ'' ''تبعیض'' کے لیے ہے اور دوسرا ''مِنْ'' ''مَنْ يَّعْمَلْ'' میں ابہام کے بیان کے لیے ہے]اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں (ترجمہ) اور جو شخص نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مسلمان ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے [قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری اور ابوبکر نے ''يُدْخَلُوْنَ'' (فعل مضارع مجہول) پڑھا ہے] ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا'' نقیر'' ''نقرہ'' سے بنا ہے اور ''نقرہ'' کھجور کی گٹھلی کی پشت میں باریک شگاف کو کہا جاتا ہے اور ''لَا يُظْلَمُوْنَ'' میں ضمیر برے عمل کرنے والوں اور نیک عمل کرنے والوں دونوں کی طرف لوٹتی ہے (ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی جائے گی) اور یہ بھی جائز ہے کہ دو فریقوں میں سے کسی ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر کی دلیل قرار پائے اور اہل کتاب کی تمنا کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کے ارشادات ''مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ'' اور ''وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ'' کا ذکر ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشادات ''بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ'' اور ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ'' کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً'' کے بعد کیا گیا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵

اور اس سے زیادہ کس کا دین اچھا ہے' جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا ہے اور وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے ابراہیم کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے' جو ہر باطل سے جدا' صرف حق کے ماننے والے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنا لیا○ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے○

۱۲۵- ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ اور اس سے بہتر کس کا دین ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا ہے یعنی جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور اپنی ذات کو اسی کے سپرد کر دیا ہے اور

اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی ذات کے لیے نہ کسی رب کو جانتا ہے اور نہ کسی معبود کو ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ اور وہ نیکیاں کرنے والا ہو ﴿ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾ اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہو جو تمام باطل ادیان سے منہ پھیرنے والے تھے اور [یہ متبع یا ابراہیم سے حال ہے] ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنالیا ہے' خلیل کا اصل معنیٰ مخلص دوست ہے اور تمہارا خلیل وہ ہے جو تمہاری دوستی میں تمہارے ساتھ مخلص و موافق ہو یا جس کی محبت تمہارے دل کے وسط میں اتر جائے یا تمہاری دوستی ایسی صحیح اور سچی ہو جیسے اس کی دوستی سچی اور کھری ہے اور '' خُلَّةٌ '' کا معنیٰ ہے: خالص و سچی دوستی جو راز دارانہ خالص و گہری دوستی کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے اور محبت اس سے زیادہ خالص اور زیادہ گہری ہوتی ہے کیونکہ یہ دل کی چاہت سے پیدا ہوتی ہے اور [یہ جملہ معترضہ ہے اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں] جیسے یہ قول ہے: '' وَالْحَوَادِثُ جُمَّةٌ '' اور مصائب و آلام بہت زیادہ ہوتے ہیں' اور اس کا فائدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور آپ کے طریقے کی اتباع کے وجوب کی تاکید کرنا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب کی منزل تک پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا خلیل بنالیا تو پھر بہتر یہی ہے کہ اس کی ملت اور طریقے کی اتباع کی جائے اور اگر اس جملہ کو سابقہ جملوں پر معطوف کیا جائے تو اس کا کوئی معنیٰ نہیں رہے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل اس لیے بنایا کہ آپ محتاجوں اور فاقہ کشوں کو کھانا کھلاتے تھے اور سلام کرنے کو عام رائج کیا اور جب لوگ رات کو سو جاتے تو آپ رات کو اٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی کہ میں نے آپ کو اپنا خلیل اس لیے بنایا کہ آپ لوگوں کو دینا پسند کرتے ہیں لیکن لینا پسند نہیں کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ لوگوں کو دیتے ہیں لیکن ان سے آپ سوال نہیں کرتے نہ ان سے آپ کچھ مانگتے ہیں۔

۱۲۶- ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس لیے اپنا خلیل بنایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے خلیل بننے کی احتیاج ہے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی احتیاج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے منزہ ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾

اور یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں' اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے متعلق فتویٰ دیتا ہے کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں جو کتاب میں تلاوت کیا جاتا ہے وہ حق تم ان کو نہیں دیتے جو ان کے لیے ادا کرنا فرض کیا گیا ہے اور چاہتے یہ ہو کہ تم ان سے نکاح کر لو اور کمزور بچوں کے بارے میں' اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو' اور تم جو نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○

یتیم بچیوں کے حقوق کا بیان

۱۲۷- ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ﴾ اور یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں اور افتاء مبہم و نامعلوم اور مشکل چیز کی وضاحت کرنے کو کہتے ہیں ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جو کتاب یعنی قرآن مجید میں یتیم لڑکیوں کے حقوق کے متعلق تلاوت کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى'' (النساء: ۳) تو اللہ تعالیٰ اور اس کا کلام یعنی قرآن مجید یتیم لڑکیوں کے متعلق انصاف قائم رکھنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ تمہارے اس قول جیسا ہے: ''اَعْجَبَنِيْ زَيْدٌ وَكَرَمُهٗ'' یعنی مجھے زید اور اس کی سخاوت دونوں نے تعجب میں ڈال دیا ہے [اور ''مَا يُتْلٰى'' ''يُفْتِيْكُمْ'' میں ''هُوَ'' ضمیر پر یا لفظ ''اَللّٰهُ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور ''فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ'' ''يُتْلٰى'' کا صلہ ہے یعنی ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر قرآنی احکام تلاوت کیے جاتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ'' ''فِيْهِنَّ'' سے بدل ہو اور اضافت بہ معنیٰ ''مِنْ'' کے ہو] ﴿الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ﴾ وہ یتیم لڑکیاں جن کو تم وہ حقوق بھی نہیں دیتے جو میراث وغیرہ کی صورت میں ان کے لیے لازمی مقرر کیے گئے ہیں؛ دراصل اسلام کے زریں عہد مبارک سے قبل زمانۂ جاہلیت میں لوگ یتیم لڑکیوں اور ان کے مالوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے؛ پھر اگر وہ لڑکی حسینہ و جمیلہ ہوتی تو کفیل اس کے ساتھ شادی کر لیتا اور اس کا مال کھا جاتا اور اگر بدصورت ہوتی تو اس کے ساتھ نہ خود شادی کرتا نہ کسی دوسری جگہ کراتا بلکہ اس کو محروم کر کے ہمیشہ روک کر رکھتا یہاں تک کہ وہ بیچاری مر جاتی اور یہ اس کے مال کا وارث بن جاتا ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ اور تم ان میں ان کے حسن و جمال کی بنا پر نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو یا ان کے قبیحہ اور بدصورت ہونے کی بنا پر تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اعراض کرتے ہو ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ﴾ اور کمزور بچوں کے بارے میں یعنی یتیم بچوں کے بارے میں (انصاف سے کام لو) [اور یہ مجرور ہے اور ''يَتٰمَى النِّسَآءِ'' پر معطوف ہے] اور زمانہ جاہلیت میں طاقتور مردوں کو وارث بناتے تھے جب کہ بچوں اور لڑکیوں کو نہیں بناتے تھے ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى﴾ [یہ بھی ''الْمُسْتَضْعَفِيْنَ'' کی طرح مجرور ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یتیم لڑکیوں اور کمزوروں اور یتیموں کے حق میں تمہیں فتویٰ دیتا ہے کہ تم (ان کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے) کھڑے ہو جاؤ [یا پھر یہ منصوب ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم کھڑے ہو جاؤ اور یہ حکام کو خطاب ہے کہ وہ ان کے بارے میں غور و فکر کریں اور ان کو ان کے تمام حقوق پوری طرح ادا کرائیں ﴿بِالْقِسْطِ﴾ ان کے مال اور میراث کے بارے میں انصاف سے کام لو ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ اور جو بھی تم نیکی کرتے ہو' یہ شرط ہے' اس کا جواب ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا﴾ ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر جزا دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا

اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں' اور صلح کرنا ہی بہتر ہے' اور دلوں میں حرص رکھی گئی ہے' اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہےO اور تم ہرگز اپنی عورتوں کے درمیان پورا انصاف نہیں کر سکو گے خواہ تم کتنی حرص کرو تو تم مکمل طور پر ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ تم بے رغبت بیوی کو اس طرح چھوڑ دو کہ درمیان میں لٹکی رہے' اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہےO اور اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا' اور اللہ بڑی وسعت و حکمت والا ہےO

میاں بیوی کے درمیان صلح کے طریقہ کار اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان

۱۲۸- ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا﴾ اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی جدائی کا اندیشہ محسوس کرتی ہے یعنی اس کو اس بات کی توقع ہے کہ اس کا خاوند اس کو الگ کر دے گا کیونکہ خاوند کے متکبرانہ رویے اور دیگر علامات کی وجہ سے اس پر یہ بات عیاں ہوگئی ہے اور ''نُشُوز'' کا مطلب ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے الگ ہو جائے اور اس کے پاس آنا بند کر دے اور خرچ وغیرہ نہ دے اور گالی گلوچ یا مار پیٹ کے ذریعے اس کو اذیت و تکلیف پہنچائے ﴿اَوْ اِعْرَاضًا﴾ یا اس سے روگردانی کرے بایں طور کہ اس سے بات چیت کم کر دے اور اس سے محبت و پیار کم کر دے یہ سب کچھ اس لیے ہو کہ بیوی کی عمر بڑی ہوگئی ہو یا شکل وصورت میں قبیح ہو یا بدخلق و بدسیرت ہو یا بلاوجہ رنج و ملال میں رہتی ہو یا خاوند کو دیکھ کر اس سے آنکھیں پھیر لیتی ہو وغیرہ ذالک ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا﴾ تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس صلح کر لیں [اور یہ اہل کوفہ کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ دوسرے قراء کی قراءت میں ''یَصَّالِحَا'' ہے یعنی اصل میں ''یَتَصَالِحَا'' تھا' ''تا'' کو صاد سے تبدیل کر دیا گیا اور اس تبدیل کردہ صاد کو اصل صاد میں مدغم کر دیا گیا ہے] ﴿صُلْحًا﴾ دونوں فعلوں میں ہر ایک سے یہ مصدر کے معنی میں ہے اور صلح کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنی خوشی سے اپنی باری سوکن کو بخش دے یا اپنا کل مہر یا بعض یا نان نفقہ اپنے خاوند کو بخش دے ﴿وَالصُّلْحُ خَیْرٌ﴾ اور صلح کرنا طلاق دینے اور عورت پر زیادتی کرنے اور باہم لڑنے جھگڑنے وغیرہ سب سے بہتر ہے یا یہ معنی ہے کہ صلح کرنا نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے جس طرح لڑنا جھگڑنا برائیوں میں سے ایک برائی ہے اور یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح معترضہ ہے: ﴿وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ اور حرص و بخل دلوں میں حاضر کر دیا گیا ہے جو ان سے کبھی غائب نہیں ہوتا اور نہ ان سے جدا ہوتا ہے یعنی حرص و بخل دلوں پر چھاپ دیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ نہ عورت اپنے حقوق معاف کرتی ہے اور نہ مرد اپنے حقوق معاف کرتا ہے اور نہ عورت اپنی باری اور مہر وغیرہ سے دست بردار ہوتی ہے اور نہ مرد اس کی باری مقرر کرتا ہے جب اس سے بے رغبت ہو جاتا ہے بلکہ ان میں سے ہر کوئی اپنے فائدے کا طالب ہوتا ہے اور ''اُحْضِرَتْ'' دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے' پہلا مفعول ''انفس''

ہے (اور دوسرا ''شح'' ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے طبیعت کی مخالفت کرنے اور شریعت کی پیروی کرنے کی ترغیب دی ہے ﴿وَاِنْ تُحْسِنُوْا﴾ اور اگر تم اپنی عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور ان کی حفاظت و دیکھ بھال کرتے رہو اگر چہ وہ تمہیں ناپسند ہوں اور ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہیں پسند ہوں اور تم حق صحبت کی رعایت کرتے ہوئے اس پر صبر کرو ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور اگر تم عورتوں پر زیادتی کرنے اور ان سے روگردانی کرنے اور انہیں اذیت دینے اور ان سے لڑنے جھگڑنے سے بچتے رہو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ تو بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے یعنی نیکی اور پرہیزگاری سے آگاہ ہے جن پر تمہیں ثواب عطا فرمائے گا اور عمران خارجی بہت بدصورت شخص تھا اور اس کی بیوی بہت خوبصورت عورت تھی ایک دن اس نے اپنے اس خاوند کو دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اور تجھے جنتی بنایا اس نے کہا کہ کیسے؟ تو عورت نے جواب دیا کہ اس لیے کہ میرے جیسی خوبصورت بیوی تجھے عطا کی گئی جس پر تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (کہ میرے ساتھ حسن سلوک کیا) اور تمہارے جیسا خاوند مجھے عنایت کیا گیا تو میں نے صبر کیا اور جنت کا وعدہ شکر گزار اور صبر کرنے والوں کے لیے کیا گیا۔

۱۲۹- ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ﴾ اور تم اپنی عورتوں کے درمیان اس طرح مکمل اور پورا پورا انصاف اور برابری ہرگز نہیں کر سکو گے کہ تمہارے دل کا طبعی میلان کسی بیوی کی طرف زیادہ نہ ہو اور مکمل انصاف یہ ہے کہ خاوند اپنی تمام بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے میں' نان نفقہ دینے' وعدہ کرنے میں' دیکھنے میں' توجہ کرنے میں' ان کی باتیں برداشت کرنے میں اور خوش طبعی وغیرہ میں برابری کرے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ محبت کرنے میں تمام بیویوں کے درمیان مساوات و برابری کی جائے اور حضور سیّد عالم نبی محتشم رسول معظم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کے درمیان باری مقرر فرمایا کرتے تھے اور ان میں عدل و انصاف قائم رکھتے تھے اور فرمایا کرتے کہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں' اے اللہ! تو میری اس معاملہ میں گرفت نہ فرمانا جس (طبعی محبت و میلان) کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں[1] یعنی محبت کا کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو سب بیویوں میں سے زیادہ پیاری اور محبوبہ ترین بیوی تھیں ﴿وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ اور اگر چہ تم تمام بیویوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنے کی پوری کوشش کرتے رہو (پھر بھی تم ان میں مساوات و برابری نہیں کر سکو گے) ﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ﴾ تو مکمل طور پر تم ایک طرف نہ جھک جاؤ یعنی ناپسندیدہ بیوی پر مکمل ظلم و ستم نہ کرو کہ اس کی رضامندی کے بغیر اس کی باری تم بند کر دو یعنی امکانی حد تک اس سے مکمل میلان و رغبت نہ چھوڑ دو اور اگر ان میں تم سے مکمل انصاف نہیں ہو سکتا تو کم از کم تم ان پر ظلم تو نہ کرو جس میں بار بار مارنا اور بات بات پر ان کو ڈانٹنا شامل ہے [اور ''كُلَّ'' مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ اس کا حکم وہی ہے جو اس کے مضاف الیہ کا حکم ہے] ﴿فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ سو تم اس کو بے بس عورت کی طرح چھوڑ دو (ایسا نہ کرنا) ''معلقة'' وہ عورت ہوتی ہے جو نہ تو شوہردار ہو اور نہ طلاق یافتہ ہو ﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا﴾ اور اگر تم ان تمام بیویوں کے درمیان اصلاح کرو اور سب کے ساتھ نیک سلوک کرو ﴿وَتَتَّقُوْا﴾ اور تم ظلم و ستم کرنے سے پرہیز کرو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے وہ تمہیں تمہاری طبعی اور قلبی محبت و میلان پر بخش دے گا وہ بہت مہربان ہے تم پر رحم فرمائے گا اور تمہیں طبعی میلان پر سزا نہیں دے گا۔

---

[1] رواہ الترمذی فی کتاب النکاح باب ۴۱

۱۳۰- ﴿وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا﴾ یعنی اگر میاں بیوی کسی چیز پر صلح نہ کریں اور خلع کے ذریعے عورت کو خاوند کی طرف سے طلاق دینے اور حق مہر پورا ادا کرنے اور عدت کا خرچ دے دینے کے سبب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں ﴿یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا﴾ تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا ﴿مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ اپنی وسعت اور غنٰی سے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک میاں بیوی کو پہلے ساتھی سے بہتر رزق عطا فرمائے گا اور اس کی زندگی سے زیادہ فراخ زندگی عطا فرمائے گا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نکاح حلال قرار دے کر وسعت و فراخی دینے والا ہے ﴿حَكِیْمًا﴾ وہ طلاق کی اجازت دینے میں بڑی حکمت والا ہے سو وسعت کا مطلب قدرت و غنٰی ہے اور ''واسع'' کا مطلب غنی و مقتدر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و غنٰی کو اپنے (درج ذیل) ارشاد سے بیان فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِؕ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں بھی کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو' اور اگر تم کفر کرو گے تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ بہت بے نیاز ہے' بے حد تعریف کیا ہوا ہے O اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ کافی ہے' وہی کارساز ہے O اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے' اور اللہ اس پر خوب قادر ہے O جو دنیا کا انعام چاہتا ہے' سو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا انعام ہے' اور اللہ سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا ہے O

۱۳۱- ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق مملوک ہے' اور وہ مالک و بادشاہ بننے والے سب اس کے بندے اور غلام ہیں ﴿وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ﴾ ''الكتاب'' اسم جنس ہے جو تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے [اور ''مِنْ قَبْلِكُمْ'' سے گزشتہ تمام امتیں مراد ہیں اور یہ ''وَصَّیْنَا'' کے یا ''اُوْتُوْا'' کے متعلق ہے اور ''اِیَّاكُمْ'' ''اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا'' پر معطوف ہے] (ترجمہ) اور بے شک ہم نے ان کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں یہ حکم دیا ہے ﴿اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو [یا ''اَنْ'' مفسرہ ہے] کیونکہ وصیت قول کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ قدیمی اور پرانی وصیت ہے جو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے بندوں کو کرتا رہا ہے اور صرف تم اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ

کے ذریعے کامیابی وکامرانی حاصل کرتے ہیں ﴿ وَاِنْ تَكْفُرُوْا ﴾ [یہ "اِتَّقُوْا" پر معطوف ہے] کیونکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور ہم نے انہیں اور تمہیں کہا ہے کہ اگر تم کفر اختیار کرو گے ﴿ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے اور ان کی عبادت سے بے پرواہ و بے نیاز ہے ﴿ حَمِيْدًا ﴾ وہ اپنی نعمتیں کثرت کے ساتھ عطا فرمانے کے سبب اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حمد وثناء اور تعریف بیان کی جائے اور "لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" کو مکرر لانے سے تقویٰ کے موجب کی تقریر وتقویت اور اس کو استحکام دینا مقصود ہے کیونکہ جب تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور وہی سب کا خالق و مالک ہے تو اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی اصل اور بنیاد تقویٰ ہے اور تقویٰ کے بعد "اِنْ تَكْفُرُوْا" کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ تقویٰ سے مراد شرک وغیرہ سے بچنا ہے (کیونکہ توحید ہی تمام نیکیوں کی اصل ہے)۔

۱۳۲- ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے وہی کارساز ہے' سو تم اسی کو اپنا حامی وکارساز بنالو اور اس کے علاوہ کسی ذات پر حقیقی بھروسا نہ کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے ان کو خوف دلایا ہے اور اپنی قدرت کاملہ بیان فرمائی ہے۔

۱۳۳- ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے یعنی تمہیں ہلاک کر دے ﴿ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ﴾ اے لوگو! اور (تمہاری جگہ) دوسرے لوگوں کو لے آئے یعنی تمہاری جگہ وہ دوسرے لوگوں کو پیدا کر دے یا انسانوں کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کو پیدا کر دے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کام پر زبردست قدرت رکھتا ہے۔

۱۳۴- ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا ﴾ جو دنیا کا انعام چاہتا ہے جیسے کوئی مجاہد جو اپنے جہاد سے مال غنیمت حاصل کرنا چاہتا ہے ﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر وثواب موجود ہے' پھر اس کو کیا ہوا ہے کہ وہ ان میں سے ایک کو طلب کرتا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ طلب بھی اسی کو کرتا ہے جو خسیس ترین اور حقیر ترین ہے (کیونکہ دنیا کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو آخرت کے مقابلے میں قلیل وحقیر ہے) ﴿ وَكَانَ سَمِيْعًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سننے والا ہے ﴿ بَصِيْرًا ﴾ وہ سب کے کاموں کو دیکھنے والا ہے اور یہ وعدہ (خوشخبری) بھی ہے اور یہ وعید (عذاب کی دھمکی) بھی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ
اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا
تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو! تم ہمیشہ انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ اگر چہ یہ تمہارے یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہو' اگر وہ مال دار ہو یا غریب ہو تو اللہ ان کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہے' سو تم انصاف کرتے وقت حق سے ہٹ کر اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو' اور اگر تم پھر گئے یا تم نے روگردانی کی تو بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے O اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر جو اس نے اس سے پہلے نازل فرمائی تھی ہمیشہ کے لیے ایمان لاؤ' اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرتا ہے تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا O

عدل وانصاف کا حکم

۱۳۵- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ﴾ اے ایمان والو! تم ہمیشہ عدل و انصاف قائم کرنے والے بن جاؤ یعنی عدل وانصاف قائم کرنے میں کوشاں رہو اور اس کی بالا دستی کے لیے خوب جدو جہد اور محنت کرتے رہو اور کبھی کسی پر ظلم نہ کرو ﴿ شُهَدَآءَ ﴾ یہ خبر کے بعد (دوسری) خبر ہے ﴿ لِلّٰهِ ﴾ یعنی تم اپنی گواہیاں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ادا کرتے رہو ﴿ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾ اور اگر چہ یہ گواہی تمہارے خلاف ہو اور اپنے خلاف گواہی دینا یہ ہے کہ اگر اپنی ذات پر اقرار لازم آتا ہو تو اقرار کر لے اور اپنی ذات کو بچانے کے لیے انکار نہ کرے کیونکہ گواہی دینے کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لیے گواہی دینی ہے اس کے لیے اس کا حق ثابت کرنا ہے اور یہ اس لیے کہ دعویٰ' شہادت اور اقرار سب کسی پر کسی کے لیے حق کی خبر دینے میں مشترک ہیں مگر دعویٰ میں کسی دوسرے کے خلاف اپنے حق میں خبر دی جاتی ہے اور اقرار میں کسی کے لیے اپنے خلاف اعتراف کیا جاتا ہے اور شہادت میں کسی کے خلاف کسی دوسرے کے حق میں گواہی دی جاتی ہے ﴿ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ یعنی اگر چہ یہ گواہی تمہارے باپوں' اور تمہاری ماؤں اور تمہارے قرابت داروں کے خلاف ہو ﴿ اِنْ يَّكُنْ ﴾ اگر وہ شخص جس کے خلاف گواہی دی جانی ہے وہ ﴿ غَنِيًّا ﴾ دولت مند اور امیر ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر اس کے خلاف گواہی روکی نہیں جائے گی ﴿ اَوْ فَقِيْرًا ﴾ یا وہ فقیر وغریب ہو تو اس پر رحم کرنے کے لیے اس کے خلاف گواہی نہیں روکی جائے گی ﴿ فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ﴾ سو اللہ تعالیٰ غنی اور فقیر دونوں کا خیر خواہ ہے یعنی ان دونوں پر نظر کرم اور رحمت فرمانے میں [اور ''بِهِمَا'' میں ضمیر تثنیہ لائی گئی ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ واحد کی ضمیر لائی جاتی ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک امیر یا فقیر ہو [کیونکہ یہ ضمیر اس معنی کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا'' دلالت کرتا ہے اور وہ جنس غنی اور جنس فقیر ہے] گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ غنی اور فقیر دونوں جنسوں کا خیر خواہ ہے یعنی امیروں کا بھی اور غریبوں کا بھی ﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ﴾ پس تم اس ارادے سے خواہش کی پیروی نہ کرو کہ تم حق سے روگردانی کرو گے [اور ''تَعْدِلُوْا''، ''عدول'' سے مشتق ہے یا یہ ''عدل'' سے مشتق ہے] یعنی لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تم اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو ﴿ وَاِنْ تَلْوٗٓا ﴾ اور اگر تم گواہی دینے میں کوئی ہیر پھیر کرو گے [قاری

ابن عامر شامی اور قاری حمزہ نے ایک واؤ (ساکن) کے ساتھ لام کو ضمہ دے کر (وَاِنْ تَـلُوْا) پڑھا ہے' اس صورت میں یہ فعل "ولایت" سے مشتق ہے] ﴿ اَوْ تُعْرِضُوْا ﴾ یعنی اگر گواہی کو قائم کرنے سے پھر جاؤ یا اس کی ادائیگی سے اعراض کرو یا ان کے علاوہ کوئی اور ہیر پھیر کرو [اور "تَـلْوُوْا" دو واؤ کے ساتھ اور لام ساکن کے ساتھ ہو تو یہ "لَیٌّ" سے مشتق ہے] یعنی اگر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے سے یا حق کی گواہی دینے سے اپنی زبانیں موڑ لو یا گواہی دینے سے روگردانی کرو اور گواہی ادا نہ کرو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھتا ہے' سو تمہیں ان پر ضرور بدلا دے گا۔

ایمان پر قائم رہنے کی تلقین' کفر و نفاق کا انجام اور قرآن پر تنقید کرنے والوں سے پرہیز کا حکم

۱۳۶- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ یہ مسلمانوں کو خطاب ہے ﴿ اٰمِنُوْا ﴾ ایمان پر ثابت قدم رہو اور اس پر ہمیشہ قائم رہو یا یہ اہل کتاب کو خطاب ہے کیونکہ یہ لوگ بعض کتابوں اور بعض رسولوں پر ایمان لاتے تھے اور بعض کے ساتھ کفر کرتے تھے یا یہ منافقوں کو خطاب ہے یعنی اے نفاق کے ساتھ ایمان والو! اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ ﴿ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول یعنی (سرورِ کون و مکان فخر عالیان حضرت) محمد ﷺ پر ﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ اور اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم ﷺ پر نازل فرمائی ہے یعنی حق و باطل میں' حلال و حرام میں اور نیک و بد میں فرق کرنے والے قرآن پر ﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ اور اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے نازل فرمائی تھی یعنی جنسِ کتاب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن مجید) سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل فرمائی تھیں [اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَکُتُبِهٖ" ہے اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر اور ابوعمرو بصری نے "نُـزِّلَ" اور "اُنْـزِلَ" مبنی للمفعول پڑھا ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء نے یہاں "نَـزَّلَ" اور "اَنْـزَلَ" مبنی للفاعل پڑھا ہے] اور بے شک قرآن مجید کے لیے "نَـزَّلَ عَـلٰى رَسُوْلِهٖ" اور دیگر کتابوں کے لیے "اَنْـزَلَ مِنْ قَبْلُ" اس لیے فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید بیس سال سے زیادہ عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جاتا رہا جب کہ اس سے پہلے دیگر کتابیں بیک وقت اکٹھی نازل کی گئیں ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرتا ہے یعنی جو شخص ان چیزوں میں سے کسی کا بھی انکار کرتا ہے ﴿ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴾ تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا کیونکہ کسی ایک کے ساتھ کفر کرنا سب کے ساتھ کفر کرنا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ

اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے' پھر کافر ہو گئے' پھر ایمان لائے' پھر کافر ہو گئے' پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے ان کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو راہ نجات دکھائے گاO منافقوں کو خبر دار کر دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہےO جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں' کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں' پس بے شک عزت تو ساری اللہ کے لیے ہےO اور بے شک اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے پاس ہرگز نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں' ورنہ بے شک تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے' بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرے گاO

مرتدین اور منافقین کی مذمت

۱۳۷- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر وہ بچھڑے کی عبادت کر کے کافر ہو گئے ﴿ثُمَّ اٰمَنُوْا﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے جب آپ کوہ طور سے واپس لوٹ آئے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے ﴿ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ پھر وہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کر کے کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے ﴿لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو نجات یا جنت کی راہ دکھائے گا یا اس سے مراد منافقین ہیں جو بہ ظاہر ایمان لے آئے اور دل میں بار بار کفر کرتے رہے اور موت تک نفاق پر قائم رہنے سے ان کا کفر مزید بڑھ گیا اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد اس بات کی تائید کرتا ہے:

۱۳۸- ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ ''اَیْ اَخْبِرْهُمْ'' یعنی انہیں خبر سنا دیجئے اور ''اَخْبِرْ'' کی جگہ ''بَشِّرْ'' (خوشخبری سنا دیجئے) اس لیے لایا گیا ہے تاکہ منافقین کا مذاق اڑایا جائے ﴿بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ کہ بے شک ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۳۹- ﴿الَّذِيْنَ﴾ [ذم کی بنا پر منصوب ہے یا مرفوع ہے] اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں یا یہ وہی لوگ ہیں ﴿يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں' کیا یہ لوگ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ دراصل منافقین کافروں سے دوستیاں کرتے تھے اور ان سے نصرت و حمایت اور پناہ طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا کام کبھی پورا نہیں ہوگا ﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ بے شک ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ خود عزت عطا فرما دے جیسے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمان ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ'' (المنافقون:۸)'' اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم اور مؤمنوں کے لیے ہے''۔

۱۴۰- ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ [قاری عاصم نے نون کو مفتوح (''نَزَّلَ'' فعل ماضی معروف) پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے نون کو مضموم (''نُزِّلَ'' فعل ماضی مجہول) پڑھا ہے] (ترجمہ) اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) نازل فرمایا

ہے ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ یعنی قرآن مجید میں ﴿ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ﴾ کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اوران کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کا مذاق اڑانے اور کفریہ گفتگو کے علاوہ کسی اور بات چیت میں شروع ہو جائیں اور ''خوض '' کا معنی شروع ہونا ہے [اور ''اَنْ'' ثقیلہ سے مخفف ہے [''اَیْ اَنَّهٗ اِذَا سَمِعْتُمْ'' یعنی بے شک جب تم سنو' یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا جس کی شان اس طرح ہے اور شان وہ ہے جس کا افادہ جملہ اپنی شرط اور جزا کے ساتھ مل کر کرے [اور ''اَنْ'' اپنی جگہ ''نُزِّلَ'' (فعل ماضی مجہول) کے سبب محلاً مرفوع ہے یا ''نَزَّلَ'' (فعل ماضی معروف) کی وجہ سے محلاً منصوب ہے]اور کتاب (یعنی قرآن) میں ان پر وہی حکم نازل کیا گیا ہے جو مکہ میں مشرکین کے بارے میں ان پر نازل کیا گیا تھا' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ'' (الانعام:۶۸) ''اور جب تم مشرکینِ مکہ کو دیکھو کہ وہ ہماری آیتوں میں بحث کر رہے ہیں تو تم ان سے اعراض کرلو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مشرکین کی مجلس میں قرآن مجید کا ذکر آجاتا تو یہ لوگ اس میں بحث شروع کر دیتے اور قرآن مجید پر طعن کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس وقت تک ان کے پاس بیٹھنے سے منع کر دیا گیا جب تک وہ لوگ اس میں بحث کرتے رہیں اور مکہ مکرمہ میں جو کام مشرکین کرتے تھے وہی کام مدینہ منورہ میں منافقین نے کرنا شروع کر دیا اس لیے مسلمانوں کو ان کے پاس بھی بیٹھنے سے منع کر دیا گیا جس طرح مکہ میں مشرکین کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کیا گیا تھا ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ یعنی ورنہ بے شک تم بھی گناہ میں انہی کی طرح ہو جاؤ گے جب تک ان کے پاس بیٹھے رہو گے اور اس میں تمام وجوہ تمثیل مراد نہیں ہیں کیونکہ منافقین کا قرآن کی آیت میں طعن و تشنیع کرنا کفر ہے اور ان کے پاس بیٹھنا گناہ ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں جمع فرمائے گا کیونکہ کفر کرنے میں اور مذاق اڑانے میں وہ مشترک اور اکٹھے ہوتے ہیں۔

اِلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۧ (۱۴۱)

جو تمہارا انتظار کر رہے ہیں' پھر اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح نصیب ہو تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے' اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا ہے' سو اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے گا' اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں دے گا O

۱۴۱- ﴿ اِلَّذِيْنَ ﴾ [یہ ''اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ'' سے بدل ہے یا منافقین کی صفت ہے یا ذم کی بنا پر منصوب ہے] ﴿ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ﴾ وہ لوگ تمہارا انتظار کرتے ہیں کہ تمہارے لیے کون سی نئی خبر آتی ہے فتح و کامیابی کی یا شکست و ناکامی

کی ﴿ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ پھر اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت اور مال غنیمت حاصل ہو جائے ﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ تو کہتے ہیں: کیا ہم نے تمہارے ساتھ مدد نہیں کی لٰہذا تم ہمیں بھی مال غنیمت کے حصے میں شریک کرلو ﴿ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ﴾ اور اگر کافروں کا حصہ ہو اور مسلمانوں کی کامیابی کو فتح' ان کی شان کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے کہا گیا کیونکہ یہ وہ عالی شان کامیابی ہے جس پر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور کافروں کی کامیابی کو نصیب اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ایک خسیس وذلیل چیز ہے جو ان کو حاصل ہوئی ہے کیونکہ یہ صرف دنیا کا سامان ہے جو ان کو حاصل ہوا ہے ﴿ قَالُوْٓا ﴾ منافقوں نے کافروں سے کہا: ﴿ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ﴾ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم تمہیں قتل کرنے پر قادر نہ تھے لیکن ہم نے تمہیں زندہ رہنے دیا اور قتل نہیں کیا اور ''استیلاء'' کا معنی غلبہ اور قابو پانا ہے ﴿ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا کہ ہم نے انہیں تم پر حملہ کرنے سے روکا اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالے جس سے ان کے دل کمزور ہو گئے اور وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے عاجز آ گئے اور تمہارے خلاف ان کی مدد کرنے میں ہم نے سستی کا مظاہرہ کیا' لٰہذا تم نے جو مال واسباب حاصل کیا ہے اس میں سے ہمارا حصہ نکالو ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ﴾ اے مسلمانو! اور اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ قیامت کے روز کیونکہ منافقوں کو دوزخ میں اور مسلمانوں کو جنت میں داخل کرے گا ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کافروں کو مسلمانوں پر فوقیت ہرگز عطا نہیں کرے گا اور یہ آیت مبارکہ دلیل کے ساتھ مؤول ہے۔ اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یا اس سے حجت ودلیل مراد ہے یعنی کفار کبھی بھی دلائل کے ساتھ مسلمانوں پر غلبہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾

بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ انہیں دھوکے کی سزا دینے والا ہے' اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں' لوگوں کے لیے دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا سا O وہ اس کے درمیان ڈگمگا رہے ہیں' نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے' اور اللہ جس کو گمراہی پہ جانے دے تو تم اس کے لیے کوئی راہ نہیں پاؤ گے O اے ایمان والو! تم مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ' کیا تم اپنے اوپر اللہ کے لیے صریح حجت قائم کرنا چاہتے ہو O

منافقین کی فریب کاریاں اور ان کا انجام ماسوا ان کے جنہوں نے توبہ کر لی

۱۴۲۔﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ بے شک منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یعنی منافقین وہی رویہ اختیار کرتے ہیں جو دھوکے دینے والا اختیار کرتا ہے کہ یہ لوگ ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اور کفر کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں کیونکہ منافق وہ ہوتا ہے جو زبان سے ایمان کا اظہار کرے اور دل میں کفر کو چھپائے رکھے یا یہ معنی ہے کہ منافق اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں جن کو منافق دھوکہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کو اپنی طرف منسوب کر کے ان کی عظمت و شان کا اظہار کیا (کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا) ﴿ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو دھوکہ باز کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے جان اور مال محفوظ کر کے ان کو پُر امن چھوڑ دیا اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ تیار کر رکھا ہے [اور ''خَادِع''، ''خَادَعْتُهُ'' سے اسم فاعل ہے] جس کا معنی ہے کہ تو اس پر غالب آ گیا اور تو اس سے زیادہ تجربہ کار نکلا اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دھوکہ دینے کی سزا دے گا ﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ بوجھل ہو کر کھڑے ہوتے ہیں' ان کا نماز کے لیے جی نہیں چاہتا لیکن غفلت کے ساتھ تو مسلمانوں کو بھی آزمایا جاتا ہے [اور ''كُسَالٰى''، ''کسلان'' کی جمع ہے جیسے ''سکارٰی''، ''سکران'' کی جمع ہے] ﴿ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ﴾ یہ حال ہے' یعنی وہ اپنی نمازیں دکھاوے اور شہرت کے قصد سے پڑھتے ہیں [اور ''مـرآءة'' مفاعلة کے وزن پر ''رؤیـة'' سے مشتق ہے] کیونکہ دکھاوا کرنے والا شخص اپنا عمل لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتا ہے اور وہ لوگ اس کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ﴿ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں یعنی وہ نمازیں بہت ہی کم ادا کرتے ہیں کیونکہ جب وہ لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوتے ہیں تو نمازیں بالکل نہیں پڑھتے یا یہ معنی ہے کہ منافق تسبیح و تہلیل (سُبْحَانَ اللّٰه ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کبھی کبھی اور بہت ہی کم کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ یہ تھوڑا سا ذکر الٰہی بھی اللہ تعالیٰ رضا کی خاطر کرتے تو یہ بہت ہو جاتا (مگر منافق تو دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے تھوڑا سا ذکر کر لیتے تھے)۔

۱۴۳۔﴿ مُذَبْذَبِيْنَ ﴾ حیران ہو کر پھرنے والے' [یہ ذم کی بنا پر منصوب ہے] یعنی شیطان اور خواہشات نفسانی نے انہیں کفر اور ایمان کے درمیان متحیّر و حیران کر دیا ہے' سو وہ ان کے درمیان حیران و پریشان کبھی کفر کی طرف اور کبھی ایمان کی طرف پھرتے رہتے ہیں اور مذبذب کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا آدمی ہر دو جانب سے ایک سے دوسری جانب دفع ہوتا رہتا ہے اور اس کو کسی ایک جانب میں قرار نہیں ملتا [مگر ''ذبذبة'' کے لفظ میں تکرار کا معنی پایا جاتا ہے جب کہ ''ذَبٌّ'' میں تکرار نہیں ہوتا] ﴿ بَيْنَ ذٰلِكَ ﴾ کفر و ایمان کے درمیان ﴿ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ نہ وہ ادھر مومنوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں کہ انہیں مؤمن کہا جائے ﴿ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ اور نہ وہ اُدھر کافروں کی طرف منسوب ہوتے ہیں کہ انہیں کافر کہا جائے ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی پر چھوڑ دے تم اس کے لیے ہدایت کی راہ ہرگز نہیں پاؤ گے۔

۱۴۴۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴾ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر تم کافروں کو دوست نہ بناؤ' کیا تم اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کی واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لیے عذاب کا حکم دے دے [یہاں ''سُلْطَانًا مُّبِيْنًا'' کا معنی صریح اور واضح حجت ہے]۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے' اور تم ان کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے O مگر جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی اور اللہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر لیا تو یہ لوگ مؤمنوں کے ساتھ ہوں گے' اور عنقریب اللہ مؤمنوں کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا O اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور سچے دل سے ایمان لاؤ' اور اللہ شکر کی جزا دینے والا' خوب جاننے والا ہے O

١٤٥- ﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ بے شک منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے یعنی اس طبقہ میں ہوں گے جو دوزخ کی گہرائی میں سب سے نیچے ہوگا اور جہنم کے سات طبقات ہیں جن کو درکات کہا جاتا ہے کیونکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں اور بے شک منافقوں کو کافروں سے زیادہ سخت عذاب ہوگا کیونکہ وہ دنیا میں قتل سے محفوظ رہے اس لیے وہ عدل وانصاف کے اعتبار سے آخرت میں دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کے مستحق ہیں (جہاں سب سے زیادہ عذاب ہوگا) کیونکہ یہ لوگ دینِ حق کو نہ ماننے میں کفار کے مشابہ و مماثل ہیں لیکن اسلام اور اہل اسلام کا مذاق اڑانے اور فریب دینے میں ان سے زیادہ سخت اور بڑھ کر کافر ہیں [اور اعشیٰ کے علاوہ کوفہ کے قراء نے ''دَرْكْ'' میں ''را'' کو ساکن کر کے پڑھا اور ان کے علاوہ باقی قراء نے ''را'' کو مفتوح (دَرَكْ) پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں جائز ہیں اور علامہ زجاج نے ''را'' پر فتح کو اختیار کیا ہے] ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾ اور تم ان کے لیے کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے جو ان کو عذابِ الٰہی سے بچا سکے۔

١٤٦- ﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ﴾ مگر جنہوں نے نفاق سے توبہ کر لی [اور یہ ''وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا'' کی مجرور ضمیر سے استثناء ہے] ﴿ وَاَصْلَحُوْا ﴾ اور انہوں نے حالت نفاق میں اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال واسرار بگاڑ لیے تھے ان کو درست کر لیا اور نیکیاں کرنے لگ گئے ﴿ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہو گئے جس طرح مخلص مسلمان وابستہ ہیں ﴿ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ ﴾ اور انہوں نے اپنا دین اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور وہ اپنی اطاعت وفرماں برداری سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ سو ایسے لوگ مسلمانوں کے ساتھی ہیں اور یہی لوگ دنیا وآخرت میں مؤمنوں کے دوست ہیں ﴿ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا اور یہ لوگ بھی مؤمنوں کے ساتھ اجر وثواب میں شریک ہوں گے [اور یہاں لفظ کا اتباع کرتے ہوئے خط میں ''یا'' کو ساقط کر دیا گیا ہے (کیونکہ ''یا'' ساکن اور لفظ اللہ کا لام مدغم ساکن کی وجہ سے التقائے ساکنین ہو گیا تو تلفظ میں ''یُؤْتِ'' سے ''یا'' کو حذف کرنے کے ساتھ خط میں بھی حذف کر دیا گیا)] پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تقویت کے لیے کہ وہ کسی شکر گزار مؤمن کو عذاب نہیں دے گا سوالیہ جملے کے ساتھ ارشاد فرمایا:

١٤٧- ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ [اور لفظ "ما"، "یفعل" سے منصوب ہے] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کس سبب سے عذاب دے گا؟ لہٰذا "مُنْعِم" (انعام کرنے والے) کو معرفت کے ساتھ ماننا ایمان ہے اور نعمت کا اعتراف شکر ہے اور "مُنْعِم" کا انکار کفر ہے اور نعمت سے عناد ناشکری ہے اس لیے کافر عذاب کا مستحق ہے اور یہاں شکر کو ایمان پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ جب عقل مند آدمی اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں غور وفکر کرتا ہے کہ اس کو پیدا فرمایا گیا ہے اور اسے بے شمار منافع عنایت کیے گئے ہیں تو وہ مبہم شکر ادا کرتا ہے' پھر جب اس کی نظر وفکر مُنعم کی معرفت تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اس پر ایمان لے آتا ہے' پھر تفصیل کے ساتھ اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہتا ہے' لہٰذا شکر ایمان پر مقدم ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے پر جزا دینے والا ہے اس لیے وہ تمہارے شکر ادا کرنے پر تمہیں بہترین جزا عطا فرمائے گا اور تمہارا تھوڑا سا عمل قبول فرما کر بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا ﴿عَلِيْمًا﴾ تم جو کچھ کرتے ہو وہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾

اللہ بُری بات کا اعلان کرنا پسند نہیں فرماتا ماسوا مظلوم کے' اور اللہ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے O اگر تم نیکی کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ یا کسی بُرائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ بہت معاف فرمانے والا زبردست قدرت والا ہے O بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ ہم کفر کرتے ہیں' اور وہ لوگ اس کے درمیان کوئی راستہ بنانا چاہتے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جو پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

ظالم کے ظلم پر مظلوم کا آواز بلند کرنا اس کا حق ہے مگر معاف کرنا جائز ہے اور اللہ و رسول کے درمیان تفریق کرنا کفر ہے

١٤٨- ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اللہ تعالیٰ نہ بری بات کے اعلان کو پسند کرتا ہے اور نہ بری بات کو بغیر اعلان کے پسند کرتا ہے لیکن بری بات کا اعلان کرنا بہت زیادہ برا ہے ﴿اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ سوائے مظلوم کے اعلان کے' اللہ تعالیٰ نے اس کو اس اعلان سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے اور مظلوم کا اعلان یہ ہے کہ ظالم کو بددعا دے اور ظالم میں جو ظلم وستم کرنے کی برائی ہے اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور بعض اہل علم نے کہا کہ بری بات کے اعلان سے گالی دینا مراد ہے سوائے مظلوم کے کیونکہ یہ گالی دینے والے ظالم کے جواب میں اتنی گالی دے دے جتنی اس

نے گالی دی ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: '' وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ '' (الشوریٰ: ۴۱) '' اور بے شک جس نے ظلم سہنے کے بعد انتقام لیا تو ان لوگوں پر مواخذہ کرنے کی کوئی راہ نہیں '' ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی شکایت کو بہت سننے والا ہے ﴿ عَلِيْمًا ﴾ اور وہ ظالم کے ظلم وستم کو خوب جاننے والا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے درگزر اور معاف کرنے کی ترغیب دی اور اس بات کی ترغیب دی کہ کوئی شخص کسی کی برائی کا اعلان نہ کرے اگر چہ وہ بدلا اور انتقام لینے کے طریقے پر ہو اور اس کو اعلان کی اجازت دینے کے بعد افضل و بہتر طریقۂ کار کی ترغیب دی اور نیکی کو ظاہر کرنے اور اس کو چھپانے کا ذکر کر کے عفو ودرگزر کرنے کے ساتھ تشبیہ دی اور فرمایا:

۱۴۹- ﴿ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا ﴾ اگر تم برائی کے اعلان کے بجائے نیکی اور بھلائی کو ظاہر کرو ﴿ اَوْ تُخْفُوْهُ ﴾ یا تم وہ نیکی چھپا کر کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر عفو کو معطوف کر کے فرمایا: ﴿ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ ﴾ یا تم برائی سے درگزر کرو یعنی اس کو اپنے دلوں سے مٹا دو اور اس بات پر دلیل کہ نیکی کو ظاہر کرنے اور اس کو چھپانے کے ذکر سے اصل مقصود عفو ودرگزر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا' بڑی قدرت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انتقام اور بدلا لینے کی قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود ہمیشہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' لہٰذا تم پر واجب ہے کہ تم اس کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے عفو ودرگزر سے کام لو۔

۱۵۰- ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں جیسے یہود حضرت عیسیٰ مسیح اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انجیل اور قرآن کا انکار کرتے ہیں اور جیسے نصرانی حضرت نبی اکرم رسول اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کرتے ہیں ﴿ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴾ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دین اپنالیں حالانکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے۔

۱۵۱- ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جو پورے کافر ہیں کیونکہ کسی ایک پیغمبر کے ساتھ کفر کرنا سب کے ساتھ کفر کرنے کے مترادف ہے ﴿ حَقًّا ﴾ [یہ سابقہ جملے کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے] جیسے تمہارا یہ قول ہے: '' هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ حَقًّا '' یہ شخص یقیناً عبد اللہ ہے یعنی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ یقیناً پورے اور مکمل کافر ہیں [یا یہ کافرین کے مصدر کفر کی صفت ہے] یعنی انہوں نے ایسا کفر کیا ہے جس کا ثبوت یقینی اور پختہ ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ اور ہم نے کافروں کے لیے آخرت میں ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا

عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی ایک کے درمیان ایمان لانے میں فرق نہ کیا تو ایسے لوگوں کو عنقریب اللہ ان کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اے محبوب! اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں' سو انہوں نے موسیٰ سے اس سے بڑھ کر سوال کیا اور کہا کہ آپ ہمیں اللہ کو ظاہر کر کے دکھا دیں تو ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے کڑک نے پکڑ لیا' پھر انہوں نے واضح معجزات آ جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا تو ہم نے یہ معاف کر دیا' اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ عنایت کیا O

۱۵۲- ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ [اور یہاں لفظ ''اَحَدٍ'' پر ''بَیْنَ'' کا داخل ہونا اس لیے جائز ہے کہ یہ لفظ ''اَحَد'' مذکر و مؤنث اور واحد' تثنیہ' جمع سب کے لیے عام ہے] (ترجمہ) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ایمان لانے میں ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا ﴿اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے ساتھ کیے گئے وعدے کے مطابق اجر و ثواب عطا فرمائے گا [اور امام حفص نے ''یا'' کے ساتھ ''یُؤْتِیْهِمْ'' پڑھا ہے] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ تمام گناہوں کی پردہ پوشی فرما دے گا ﴿رَّحِیْمًا﴾ وہ نہایت رحم فرمانے والا ہے' وہ نیکیاں قبول فرمالے گا اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے اس باطل قول کی تردید کر رہی ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خبر دی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اور ایمان لانے میں ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عنایت فرمائے گا (خواہ وہ کیسا گنہگار ہو) لہٰذا وہ اس وعدے کے عموم میں داخل ہے' نیز اس آیت مبارکہ سے ان لوگوں کا قول بھی باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ مغفرت و رحمت قدیم صفات میں سے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (فعل ماضی کے ساتھ) فرمایا: ''وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا'' اور جب کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل میں غفور و رحیم نہیں تھا' پھر بعد میں وہ غفور اور رحیم ہو گیا۔

اہل کتاب کا بے ہودہ سوال و دیگر نافرمانیوں کا ذکر اور حضرت عیسیٰ کو زندہ اٹھا لینے اور اہل ایمان کا بیان

شانِ نزول: جب فنحاص بن عاذورا اور اس کے ساتھیوں نے حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے کہا کہ آپ اگر سچے نبی ہیں تو بیک وقت آپ آسمان سے ایک پوری کتاب اتار کر لائیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مکمل کتاب ایک دم دی گئی تھی تو ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۵۳- ﴿یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ [قاری ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری نے تخفیف کے ساتھ (اَنْ تُنْزِلَ) پڑھا ہے] یعنی اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان کے سامنے آسمان سے مکمل کتاب ایک وقت میں اتار کر پیش کر دیں جیسا کہ تورات شریف کی پوری کتاب ایک دم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کی گئی تھی اور یہودیوں نے یہ سوال عناد و بغض کی وجہ سے کیا تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ یہ سوال رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کرتے تو ان کو سوال کا جواب عنایت کیا جاتا کیونکہ مکمل قرآن مجید کا ایک وقت میں نزول ممکن ہے ﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ [یہ شرط مقدر کا جواب ہے] جس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! انہوں نے آپ سے جو سوال کیا ہے اگر آپ اس کو بڑا سمجھتے ہیں تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر سوال کیا تھا۔

سوال: یہ سوال تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں نے کیا تھا' پھر اس سوال کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس کے یہودیوں کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے اور وہ ان کے ستر سردار تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا۔

جواب: چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس کے یہودی انہی کے مذہب پر قائم تھے اور ان کے سوال پر یہ راضی تھے اس لیے سوال کی نسبت انہی کی طرف کی گئی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں موجود تھے ﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ سو انہوں نے کہا تھا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! آپ اللہ تعالیٰ کو ظاہر کر کے ہمیں دکھا دیجئے یعنی اس کو ہمارے سامنے لایئے تاکہ ہم اس کو اپنے سامنے کھلم کھلا دیکھ سکیں ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ تو ان کو ہولناک عذاب یا جلا دینے والی آگ نے پکڑ لیا ﴿بِظُلْمِهِمْ﴾ ان کے ظلم کی وجہ سے کہ انہوں نے بے محل چیز کا سوال کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا یا انہوں نے دیدارِ الٰہی کے سوال میں تعصب و عناد برتنے اور معجزات کی طلب میں اپنے نبی پر تحکم بازی سے کام لینے کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا لیکن دیدار کے سوال کرنے کی وجہ سے نہیں کیونکہ دیدارِ الٰہی ممکن ہے جس طرح قرآن مجید کا بیک وقت نزول ممکن تھا اور اگر عذابِ خداوندی کا سبب دیدارِ الٰہی کا سوال کرنا ہوتا تو پھر حضرت موسیٰ اس کے زیادہ مستحق ہوتے کیونکہ انہوں نے کہا تھا ''رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ'' (الاعراف:١٤٣) ''اے میرے رب! مجھے اپنا آپ دکھا تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں'' حالانکہ انہیں کسی کڑک یا عذاب نے نہیں پکڑا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو امید دلائی اور اپنے دیدار کو ممکن کے ساتھ مقید فرمایا اور ممکن کے ساتھ اسی کو مقید کیا جائے گا جس کا ثبوت ممکن ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کے بعد زندہ فرمایا ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا [اور یہاں ''اِلٰـهًا'' محذوف ہے] ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح معجزات آ چکے تھے یعنی تورات شریف اور نو معجزات (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے) ﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ﴾ تو ہم نے اپنے فضل و کرم کے سبب ان سے درگزر کیا اور ان کو معاف کر دیا اور ہم نے ان کو ہلاک نہیں کیا ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴾ اور ہم نے موسیٰ کو مخالفین پر کھلم کھلا غلبہ اور واضح تسلط عطا فرمایا تھا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے ان پر کوہِ طور اٹھایا اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور ہم نے ان سے کہا: ہفتے کے روز حد سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا O سو عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے ان پر (ہم نے پاک چیزیں حرام کر دیں) اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق شہید کرنے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں' بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی تو وہ بہت کم

لوگ ایمان لائیں گے O اور اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا O

١٥٤-﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيْثَاقِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے اوپر ان کے عہد کے سبب کوہِ طور کو اٹھایا تاکہ ڈر جائیں اور عہد شکنی نہ کریں ﴿وَقُلْنَا لَهُمُ﴾ اور ہم نے انہیں فرمایا جب کہ پہاڑ ابھی ان کے سروں پر تھا ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ یعنی تم داخلے کے وقت ایلیاں کے دروازے میں اپنے سروں کو جھکا کر داخل ہو جانا ﴿وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا﴾ اور ہم نے ان سے فرمایا کہ تم حد سے تجاوز نہ کرو [قاری ورش نے ''تَعَدُّوْا'' (عین مفتوح اور دال مشدد) پڑھا ہے جب کہ قاری نافع مدنی نے ''تَعْدُّوْا'' عین کو ساکن اور دال کو مشدد کر کے پڑھا ہے اور ان دونوں نے ''تَعْتَدُوْا'' (کی ''تا'' کو دال میں) مدغم کر کے پڑھا ہے اور حضرت ابی کی قراءت میں بھی یہی ہے مگر انہوں نے ''تا'' کو دال میں مدغم کیا' پھر ایک روایت کے مطابق عین کو ساکن رہنے دیا اور دوسری روایت کے مطابق ''تا'' کے فتح کو نقل کر کے عین کو دے دیا] ﴿فِي السَّبْتِ﴾ ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے (حد سے تجاوز نہ کرو) ﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور ہم نے ان سے مضبوط و مستحکم اور مؤکد و پختہ عہد لیا۔

١٥٥-﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ [دراصل ''فَبِنَقْضِهِمْ'' ہے اور اس میں حرف ''ما'' تاکید کے لیے زائدہ ہے اور حرف ''با'' ارشاد باری تعالیٰ ''حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ'' کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی تقدیرِ عبارت اس طرح ہے: ''حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ بِنَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ'' یعنی ہم نے ان پر پاک چیزیں اس لیے حرام کر دی تھیں کہ انہوں نے پختہ وعدہ کرنے کے بعد اس کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا'' ارشاد باری تعالیٰ ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ'' سے بدل ہے] ﴿مِّيْثَاقَهُمْ﴾ اور تاکید کا معنی یہ ہے کہ بے شک پاکیزہ چیزوں کا ان پر حرام کر دینا صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہوا اور اسی پر کفر اور انبیائے کرام کے قتل وغیرہ کو عطف کیا گیا ہے ﴿وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یعنی ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے انکار کرنے کی وجہ سے ﴿وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ﴾ اور ان کا انبیائے کرام کو ناحق قتل کر دینے کی وجہ سے جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ وغیرہما علیہما السلام ﴿بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ بغیر کسی ایسے سبب کے جس کے ساتھ وہ قتل کے مستحق ہوتے ﴿وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ [''غُلْفٌ''، ''اَغْلَفُ'' کی جمع ہے] یعنی ان کے دل پردوں سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں' ان میں کوئی وعظ و نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہود کا یہ کہنا کہ ہمارے دل پردوں سے ڈھانپے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی تردید و انکار کر رہا ہے ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے سے لوگ جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تھے۔

١٥٦-﴿وَّبِكُفْرِهِمْ﴾ [اس کو ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ'' پر معطوف کیا گیا ہے یا اس کے ساتھ متصل ارشاد باری تعالیٰ ''بِكُفْرِهِمْ'' پر معطوف کیا گیا ہے] اور جب ان سے بار بار کفر صادر ہوا کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا' پھر حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا تو ان کے بعض کفر کو بعض پر معطوف کیا گیا ہے ﴿وَّقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ اور حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بہت بڑے بہتان لگانے کی وجہ سے اور وہ یہ کہ انہوں نے حضرت مریم کی طرف زنا کی نسبت کی تھی۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ﴿۱۶۰﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو شہید کر دیا' حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ اسے سولی دیا لیکن ان کے سامنے عیسیٰ کی شبیہ بنا دی گئی' اور بے شک جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا البتہ وہ ان کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں' ان کو اس کا کچھ علم نہیں ماسوا اس کے کہ وہ گمان کی پیروی کرتے ہیں' اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا O بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا' اور اللہ بہت غالب ہے' بڑی حکمت والا ہے O اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا مگر وہ ان کی موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا' اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور اس لیے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے O

۱۵۷- ﴿ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ﴾ اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بے شک ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے' حضرت عیسیٰ کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو برکت کے ساتھ چھوا تھا تو گویا آپ مسیح بہ معنی ممسوح ہوئے یا اس لیے کہ آپ بیماروں اور مادر زاد نابینوں اور کوڑھ کے مریضوں پر اپنا ہاتھ پھیر کر ان کو شفایاب کر دیتے تھے تو آپ کا نام مسیح بہ معنی ماسح ہے یعنی چھو کر شفایاب کرنے والا ﴿ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ یہودی آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں مانتے تھے لیکن انہوں نے آپ کو ''رَسُوْلَ اللّٰهِ'' بطور مذاق کہا تھا جیسے کفار مکہ نے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور مذاق کہا تھا کہ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ'' (الحجر:٦) ''اے وہ شخص جس پر نصیحت آمیز قرآن نازل کیا گیا ہے! تم مجنون ہو' اور ایک احتمال یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وصف رسالت کے ساتھ موصوف فرما کر ''رَسُوْلَ اللّٰهِ'' ارشاد فرمایا ہے اگرچہ انہوں نے آپ کو یہ نہیں کہا ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ﴾ اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کو نہ قتل کیا ہے اور نہ انہوں نے آپ کو سولی پر لٹکایا لیکن ایک آدمی کو آپ کا ہم شکل بنا دیا (جس کو انہوں نے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا) ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ اور آپ کی والدہ حضرت مریم کو قید کر لیا' چنانچہ حضرت عیسیٰ نے ان پر دعائے ضرر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: ''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَبِكَلِمَتِكَ خَلَقْتَنِيْ'' ''اے میرے اللہ! تو میرا رب ہے اور تو نے مجھے اپنے کلمہ ''کُنْ'' سے پیدا فرمایا ہے' اے اللہ! جس نے مجھے اور میری والدہ کو قید کر لیا ہے ان پر لعنت بھیج' چنانچہ جنہوں نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو قید کیا تھا ان سب کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور خنزیر بنا دیا' سو تمام یہودی آپ کو قتل کرنے کے لیے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی اور فرمایا: عنقریب ان کو آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور یہودیوں کی صحبت سے آپ کو پاک کر دیا جائے گا' چنانچہ حضرت عیسیٰ نے اپنے

ساتھیوں سے فرمایا کہ تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ اس کو میرا ہم شکل بنا دیا جائے اور اس کو قتل کر کے سولی دیا جائے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا: میں تیار ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی شبیہ ڈال دی اور اسے قتل کر کے سولی دیا گیا اور بعض نے کہا کہ ایک آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منافقت کرتا تھا' چنانچہ جب لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں' پھر وہ حضرت عیسیٰ کے گھر میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھا لیا اور اس منافق پر آپ کی شبیہ ڈال دی اور جب یہود اس گھر میں داخل ہوئے تو اس منافق کو قتل کر دیا اور انہوں نے یہی خیال کیا کہ یہ شخص حضرت عیسیٰ ہیں اور اس آیت مبارکہ میں جو فرمایا گیا ہے کہ وہ بہت کم ہی ایمان لائیں گے ممکن ہے اس سے وہی بدنصیب قوم مراد ہو جنہوں نے آپ سے بغض و عناد رکھا (اور آپ کے قتل کی سازش کی) جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حکم لگا دیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے [اور ''شُبِّـهَ'' کا اسناد جار مجرور کی طرف کیا گیا ہے اور وہ ''لَهُمْ'' ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''خُيِّـلَ اِلَيْـهِ'' گویا کہا گیا لیکن ان کے لیے تشبیہ واقع ہوگئی یا اس کا اسناد ضمیر مقتول کی طرف کیا گیا جس پر ''اِنَّا قَتَلْنَا'' دلالت کر رہا ہے] گویا کہا گیا کہ لیکن ان لوگوں کے لیے آپ کی ایک شبیہ بنا دی گئی جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ اور بے شک جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا تھا وہ یہودی تھے' انہوں نے کہا تھا کہ اس مقتول کا چہرہ حضرت عیسیٰ کے چہرۂ مبارکہ کی طرح ہے لیکن بدن ہمارے ساتھی کے بدن کی طرح ہے یا پھر عیسائیوں نے اختلاف کیا' انہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ اِلٰہ ہیں اور اِلٰہ کے بیٹے ہیں اور تین خداؤں میں سے تیسرے خدا اور اِلٰہ ہیں ﴿لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ بے شک وہ آپ کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہیں' ان کو آپ کے بارے میں کچھ علم نہیں ماسوا گمان و خیال کی پیروی کے' یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ گمان و خیال کی پیروی علم کی جنس سے نہیں ہے یعنی لیکن وہ لوگ ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور باقی رہا یہ سوال کہ اختلاف کرنے والوں کو پہلے شک کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور شک یہ ہوتا ہے کہ دو طرفوں میں سے کسی ایک کو ترجیح نہ دی جائے' پھر ان کو ظن کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور ظن یہ ہوتا ہے کہ دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف کو ترجیح دی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے مراد یہ ہے کہ انہیں آپ کے بارے میں شک ہے یقینی علم نہیں ہے لیکن ان کے سامنے ایک علامت ظاہر ہوگئی (مقتول کا چہرہ حضرت عیسیٰ کے چہرے کی طرح تھا) جس کی وجہ سے وہ لوگ شک سے ظن کی طرف منتقل ہو گئے اور انہوں نے ظن و گمان سے کام لے کر ایک (قتل کی) جانب کو ترجیح دے دی اور بعض اہل علم نے کہا کہ بے شک جنہوں نے آپ کے قتل کے بارے میں اختلاف کیا وہ لوگ یقیناً آپ کے قتل کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ مقتول حضرت عیسیٰ ہیں تو ہمارے ساتھی کہاں گئے؟ اور اگر یہ ہمارے ساتھی ہیں تو حضرت عیسیٰ کہاں گئے ہیں؟ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ اور یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا [''اَیْ قَتْلًا يَقِيْنًا'' یعنی یقین کا موصوف قتل محذوف ہے یہ اس کی صفت ہے یا ''وَمَا قَتَلُوْهُ مُتَيَقِّنِيْنَ'' ہے] مطلب یہ کہ انہوں نے آپ کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا یا یہ کہ انہوں نے حقیقت میں حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا (بلکہ آپ کے ہم شکل اپنے ساتھی کو قتل کیا تھا) [بہرحال ''يَقِيْنًا'' کو ''وَمَا قَتَلُوْهُ'' کی تاکید قرار دیا گیا ہے] یعنی حضرت عیسیٰ کا مقتول نہ ہونا (اور آسمان پر زندہ اٹھایا جانا) حقیقت میں یقینی طور پر ثابت ہے]۔

۱۵۸- ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر وہاں لے گیا جہاں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کا حکم نہیں چلتا یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ یہودیوں سے انتقام

لینے کے لیے ان پر بہت غالب ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بچانے کے لیے اپنی طرف اٹھا لینے کی بہترین تدبیر فرمائی ہے۔

۱۵۹- ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ [''لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' جملہ قسمیہ ہے جو محذوف موصوف کی صفت واقع ہو رہا ہے] جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اَحَدٌ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' اور اسی کی مثل یہ ارشاد ہے: ''وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الصافات:١٦٤) اور آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کوئی ایسا شخص نہیں مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور اقرار کرے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کے رسول ہیں یعنی جب وہ اپنی روح کے نکلنے سے پہلے موت کا مشاہدہ کرے گا تو ایمان لے آئے گا مگر اس وقت اس کا ایمان لانا اس کو فائدہ نہیں دے گا کیونکہ جان کنی کے وقت مکلّف ہونے کا وقت ختم ہو جاتا ہے [یا دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ کے لیے ہوں] یعنی بے شک ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا مگر وہ حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا اور اس سے وہ تمام اہل کتاب مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں موجود ہوں گے ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے تو اس وقت جتنے لوگ ہوں گے وہ سب آپ پر ایمان لائیں گے یہاں تک کہ ایک ملت رہ جائے گی اور وہ ملت اسلام ہوگی باقی تمام باطل مذاہب ختم ہو جائیں گے یا ''بِهٖ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف یا حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے اور دوسری (''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کی) ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر اہل کتاب مرنے سے پہلے علاماتِ موت کا مشاہدہ کر کے حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے گا ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہودیوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا تھا اور عیسائیوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا تھا۔

۱۶۰- ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ اور یہ وہی چیزیں ہیں جو سورۂ انعام میں ذکر کر دی گئی ہیں یعنی ''وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ'' (الانعام:١٤٦) ''اور ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا ہے'' اور اب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے یہودیوں پر پاکیزہ چیزیں ان کے ظلم عظیم کی وجہ سے حرام کر دیں جس کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا اور یہ وہ ظلم عظیم ہے جس کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ﴿وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے یعنی اس لیے کہ وہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے ﴿كَثِيْرًا﴾ یعنی خلق کثیر کو روکتے تھے یا ان کا روکنا کثیر و زیادہ تھا۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا

عَظِيۡمًا ﴿۱۶۲﴾

اور سود لیتے تھے حالانکہ ان کو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس لیے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ لیکن ان میں سے جو علم میں ماہر ہیں اور ایمان والے ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے ○

۱۶۱- ﴿ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ ﴾ اور ان کے سود خور ہونے کی وجہ سے حالانکہ انہیں سود کھانے سے منع کیا گیا تھا اور ان پر سود حرام تھا جس طرح ہمارے لیے حرام ہے لیکن یہود سود کا کاروبار اور لین دین کرتے تھے ﴿ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ﴾ اور ان کا لوگوں کے مال کو ناحق کھانے کی وجہ سے یعنی رشوت کے ذریعے اور دیگر حرام وجوہ کے ذریعے ﴿ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ ﴾ اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے تیار کر رکھا ہے یعنی مؤمنوں کے لیے نہیں ﴿ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴾ دردناک عذاب یعنی آخرت میں۔

۱۶۲- ﴿ لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ ﴾ یعنی اہل کتاب میں سے جو علم میں ماہر اور پختہ ہیں خدا کا خوف رکھنے والے جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی ﴿ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ یعنی ان (اہل کتاب) میں سے جو مؤمن ہیں اور مہاجرین وانصار میں سے جو مؤمن ہیں اور "اَلرّٰسِخُوۡنَ" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ﴿ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ اس کی خبر ہے یعنی وہ ایمان لاتے تھے ﴿ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ ﴾ اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید پر ﴿ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ﴾ اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے یعنی دیگر آسمانی کتبِ الٰہیہ پر ﴿ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں [یہ مدح کی بنا پر منصوب ہے] اور یہ نماز کی فضیلت بیان کرنے کے لیے ہے [اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں "وَالۡمُقِيۡمُوۡنَ" ہے اور حضرت مالک بن دینار وغیرہ رحمہ اللہ کی بھی یہی قراءت ہے] ﴿ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے [اور یہ مبتدا ہے] ﴿ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں [اور یہ اس پر معطوف ہے اور اس کی خبر ﴿ اُولٰۤئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴾ ہے، قاری حمزہ نے "یا" کے ساتھ (سَيُؤۡتِيۡهِمۡ) پڑھا ہے] (ترجمہ) یہی وہ لوگ ہیں جن کو عنقریب ہم بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اِنَّاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ۚ ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ

بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح نوح اور اس کے بعد نبیوں کی طرف بھیجی' اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی' اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی O اور ایسے رسولوں کو (بھی) ہم نے بھیجا ہے جن کا قصہ ہم نے اس سے پہلے آپ کو بیان کر دیا ہے' اور ایسے رسولوں کو (بھی) ہم نے بھیجا ہے جن کا قصہ ہم نے آپ کو بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ) حقیقتاً کلام فرمایا O ہم نے تمام رسولوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لیے بھیجا تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے' اور اللہ زبردست غالب ہے' بڑی حکمت والا O

وحی الٰہی اور رسولوں کی بعثت کا مقصد

١٦٣- ﴿ اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ﴾ یہ اہل کتاب کے سوال کا جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ آسمان سے ان پر یکبارگی ایک مکمل کتاب اتار کر لا دیں اور اس آیتِ مبارکہ سے ان پر حجت قائم کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی کی وہی شان ہے جو گزشتہ دیگر انبیائے کرام کی وحی کی شان تھی ﴿ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ بے شک ہم نے اے محبوب! آپ کی طرف اس طرح وحی کی ہے جس طرح حضرت نوح اور اس کے بعد دیگر نبیوں کی طرف وحی کی تھی یعنی جیسے حضرت ھود اور حضرت صالح اور حضرت شعیب وغیرہم علیہم السلام ہیں ﴿ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ ﴾ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور اسباط یعنی یعقوب کی اولاد کی طرف وحی کی تھی ﴿ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی [قاری حمزہ نے ''زُبُوْرًا'' (''زا'' کو مضموم) پڑھا ہے' یہ مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے] اور یہ اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔

١٦٤- ﴿ وَرُسُلًا ﴾ [یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے' جس پر ''اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ'' دلالت کر رہا ہے اور وہ پوشیدہ فعل ''اَرْسَلْنَا وَنَبَّأْنَا'' ہے] یعنی ہم نے بہت سے رسول اور نبی بنا کر بھیجے ﴿ قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ جن کے قصے ہم نے اس سے پہلے آپ کو بیان کر دیئے ہیں یعنی اس سورت سے پہلے ﴿ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ اور ہم نے بہت سے ایسے رسول بھیجے ہیں جن کے قصے ہم نے آپ کو بیان نہیں کیے' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول خدا حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام دنیا میں بھیجے گئے' انہوں نے عرض کی کہ ان میں رسول کتنے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ رسول تھے جن میں سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری رسول (سرور کائنات مفخر موجودات حضرت) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان میں سے چار رسول عرب میں سے ہوئے ہیں (١) حضرت ھود (٢) حضرت صالح (٣) حضرت شعیب (٤) حضرت محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام' اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کی صحت کے لیے معین ومقرر انبیائے کرام کی معرفت شرط نہیں بلکہ ایمان کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر ان میں سے ہر نبی کی معرفت شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہر نبی کا قصہ ہم سے بیان کر دیتا ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

١٦٥- ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ [تمام وجوہ سے بہترین وجہ یہ ہے کہ یہ مدح کے طور پر منصوب ہے] یعنی میں نے رسولوں کو بھیجا ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے "وَرُسُلًا" سے بدل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول ہو] یعنی ہم نے رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [میں لام "مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ" کے ساتھ متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک رسولوں کو فرماں برداروں کو خوشخبری دینے والا اور نافرمانوں کو ڈرسنانے والا بنا کر اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ان کی بعث کی علت کی وضاحت کی جائے اور حجت کے الزام کی تکمیل کی جائے تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد وہ لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ اگر تو ہمارے پاس رسول بھیجتا اور وہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کرتا اور اس چیز سے آگاہ کرتا جس چیز سے آگاہ کرنا اس کے لیے ضروری تھا اور ہمیں شریعت کی راہ میں پہچان کراتا جیسے عبادات اور دیگر مشروعات یعنی ان کی مقادیر اور ان کے اوقات اور اصولوں کے علاوہ ان کی کیفیات وغیرہ کیونکہ ان کو عقل وفہم کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے (تو ہم ضرور ایمان لاتے) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو عذاب دینے پر بہت غالب ہے ﴿حَكِيْمًا﴾ خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لیے رسولوں کے بھیجنے میں بڑی حکمت والا ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل کیا ہے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے' اور فرشتے گواہی دیتے ہیں' اور گواہی کے لیے اللہ کافی ہے O بے شک جنہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے O بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا O سوائے جہنم کی راہ کے اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اور یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے O

شانِ نزول: اور جب آیت مبارکہ "اِنَّـآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ" نازل ہوئی تو اہل کتاب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ہم آپ کی نبوت ورسالت کی گواہی نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

١٦٦- ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کی طرف جو کچھ نازل کیا ہے اس کی گواہی دینے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ معجزات کے اظہار کے سبب نزولِ وحی کی صحت کو ثابت کیا جائے جس طرح دعاوی کو دلائل کے ذریعے ثابت کیا جاتا ہے کیونکہ حکیم و دانا کسی جھوٹے کی معجزہ کے ذریعے تائید وتصدیق نہیں کرتا ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل

کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم پر جو وحی نازل کی ہے وہ اس کو خوب جانتا ہے کہ میرا محبوب اس کا اہل اور مستحق ہے کہ اس پر وحی نازل کی جائے اور وہ اس کی تبلیغ کرے گا اور اس وحی کو لوگوں تک ضرور پہنچائے گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کو اپنے بندوں کے مصالح و منافع اور فوائد کے مطابق نازل کیا ہے جس کو وہ ازل سے جانتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں معتزلہ فرقہ کے قول کی تردید ہو جاتی ہے جو وہ صفات الٰہیہ کے انکار میں کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنی ذات اقدس کے لیے صفت علم کو ثابت کر دیا ہے ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ﴾ اور فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہیں ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کافی ہے اگر چہ اس کے علاوہ کوئی اور گواہی نہ دے۔

کافروں کے انجام کا بیان

١٦٧- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک جنہوں نے حضور سرور کونین حضرت محمد کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نبوت و رسالت کی تکذیب کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے اور یہ یہودی ہیں ﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے لوگوں کو راہِ حق سے روکا اور انہیں دین حق قبول کرنے سے منع کیا اور انہوں نے عرب والوں سے کہا کہ بے شک ہم ان کا ذکر اپنی کتاب تورات شریف میں نہیں پاتے ﴿قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا﴾ بے شک یہ لوگ راہِ حق سے بہت دور گمراہی میں جا پڑے۔

١٦٨- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ﴿وَظَلَمُوْا﴾ اور انہوں نے حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت کو تبدیل کر کے اور آپ کی نبوت کا انکار کر کے آپ پر ظلم کیا ﴿لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا جب تک وہ کفر پر قائم رہیں گے ﴿وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا﴾ اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کوئی راہ دکھائے گا۔

١٦٩- ﴿اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ ماسوا دوزخ کی راہ کے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے یعنی ان کو دوزخ میں ہمیشہ کے لیے رکھنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے اور تقدیر عبارت ''يُعَاقِبُهُمْ خَالِدِيْنَ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کی سزا دے گا [اور یہ حالِ مقدرہ ہے] اور یہ دونوں آیات اس قوم کے متعلق ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر مریں گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے یہ رسول حق لے کر تمہارے پاس تشریف لائے ہیں' سو تم اپنی بھلائی کے لیے ان پر ایمان لاؤ' اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے ○

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالتِ عامہ کا بیان

١٧٠- ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یہ رسول حق لے کر تشریف لائے ہیں یعنی دین اسلام لے کر تشریف لائے ہیں یا یہ حال ہے یعنی حق کو ثابت کرنے والے سچے اور برحق رسول بن کر تشریف لائے ہیں ﴿فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ﴾ سو تم اپنی بھلائی کی خاطر ایمان لے آؤ

اور اسی طرح ''اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ'' اپنی بھلائی کی خاطر عقیدۂ تثلیث سے باز آ جاؤ' [فعل مضمر کی وجہ سے ''خَیْرًا'' منصوب ہے] اور یہ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں تین خداؤں کے عقیدہ سے باز آنے اور ایمان قبول کرنے کی ترغیب دی تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی امر پر ابھار رہا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''خَیْرًا لَّکُمْ'' یعنی جس حال میں تم ہو اس سے ہٹ کر اپنی بھلائی کا ارادہ کرو اور اپنی بھلائی کا حکم بجا لاؤ اور کفر اختیار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور عقیدۂ تثلیث کی بجائے عقیدۂ توحید اختیار کرو ﴿ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اگر تم کفر اختیار کرو گے تو بے شک آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے' لہٰذا تمہارا کفر کو اختیار کرنا اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ﴿ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کو بھی جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں ﴿ حَکِیْمًا ﴾ وہ بڑا صاحب حکمت اور بڑا دانا ہے وہ ان دونوں گروہوں کو برابر برابر بدلا اور صلہ نہیں دے گا (بلکہ مسلمانوں کو نیک جزا اور کافروں کو عذاب کی سزا دے گا)۔

یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِهٖ ۚ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۱۷۱﴾

ع ۲۴ وقف لازم

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو' بے شک مریم کا بیٹا عیسیٰ مسیح اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے' جس کو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا' اور اس کی طرف سے ایک روح ہے' سو تم اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ' اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں' تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اس سے باز آ جاؤ' بے شک اللہ ہی واحد معبود ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو' اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ کافی کارساز ہے O

اہل کتاب کے غلو کا بیان

۱۷۱- ﴿ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ ﴾ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو یعنی حد سے آگے نہ گزرو' چنانچہ یہودی حضرت عیسیٰ مسیح کو ان کے مقام سے گرا کر حد سے گزر گئے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو ابن الزنا کہہ دیا (نعوذ باللہ من ذالک) اور عیسائیوں نے ان کو ان کے اصل مقام سے اٹھا کر خدا قرار دے کر حد سے گزر گئے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا (نعوذ باللہ من ذالک) ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے متعلق حق سچ کے علاوہ اور کچھ نہ کہو اور حق یہ ہے کہ وہ شرک اور بیٹے سے پاک ہے ﴿ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ﴾ بے شک حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ مسیح اللہ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ ﴿ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' یہ مبتدا

کی خبر ہے اور وہ مسیح ہے اور عیسیٰ عطف بیان ہے یا بدل ہے ﴿وَكَلِمَتُهٗ﴾ اس کا ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' پر عطف ہے اور بعض نے کہا کہ یہ کلمۃ اس لیے ہیں کہ جس طرح کلام سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح کلمہ سے بھی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے ﴿اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مریم کی طرف بھیجا [اور یہ حال ہے اور اس میں ''قَدْ'' مقدر ہے (دراصل ''قَدْ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ'' ہے) جو اس جملے کے ساتھ مراد ہے]یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ کلمہ حضرت مریم کی طرف پہنچایا اور اس کو حضرت مریم کے بطن میں پھونک دیا ﴿وَرُوْحٌ﴾ [یہ بھی خبر پر معطوف ہے] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد میں ''رُوْحًا'' کہا گیا ہے ''وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا'' (الشوریٰ:٥٢) ''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک جانفزا وحی بھیجی'' کیونکہ قرآن مجید دلوں کو زندگی عطا کرتا ہے ﴿مِّنْهُ﴾ یعنی اس کی تخلیق اور تکوین کے ذریعے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ'' (الجاثیہ:١٣) ''اور اللہ تعالیٰ نے تمہارا تابع فرمان کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے'' اور علامہ علی بن حسین بن واقد مروزی نے ہارون الرشید کے عیسائی غلام کو ان کی مجلس میں یہ آیت مبارکہ سنا کر جواب دیا تھا جب اس نے یہ گمان کر لیا کہ تمہاری کتاب میں دلیل موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جزو (بیٹے) ہیں (کیونکہ جب ''جَمِيْعًا مِّنْهُ'' کہنے سے تمام مخلوق ''اَبْنَآءُ اللّٰهِ'' نہیں ہو جاتی تو حضرت عیسیٰ بھی ''وَرُوْحٌ مِّنْهُ'' کہنے سے ابن اللہ نہیں ہو جاتے) ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو [اور ''ثَلَاثَةٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے] (اور وہ ''اَلْاٰلِهَةُ'' ہے) یعنی تم یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں (بلکہ یوں کہا کرو: اللہ واحد لاشریک ہے) ﴿اِنْتَهُوْا﴾ تین اِلٰہ کہنے سے باز آ جاؤ ﴿خَيْرًا لَّكُمْ ؕ﴾ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور قرآن مجید جس پر صریح دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ' حضرت مسیح اور حضرت مریم تینوں معبود ہیں اور حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے' کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں دیکھتے: ''ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' (المائدہ: ١١٦) ''کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو'' ''وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ'' (التوبہ:٣٠) ''اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں'' ﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ایک معبود ہے [اور اس میں لفظ ''اَللّٰهُ'' مبتدا ہے اور ''اِلٰهٌ'' اس کی خبر ہے اور ''وَاحِدٌ'' خبر کی تاکید ہے] ﴿سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ﴾ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو [دراصل ''اُسَبِّحُهٗ تَسْبِيْحًا مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ'' ہے] یعنی میں اس کی خوب پاکیزگی بیان کرتا ہوں اس سے کہ اس کی کوئی اولاد ہو ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اس جملے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ اور اپنی پاکیزگی بیان کی ہے ان باتوں سے جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور معنی یہ ہے کہ ان دونوں کے اندر جو کچھ ہے وہ سب اس کی مخلوق ہے اور اس کی ملکیت میں ہے تو اس کی بعض مملوک چیز اس کا جزو اور حصہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ ابنیت اور ملک جمع نہیں ہو سکتے' علاوہ ازیں جزو اجسام میں صحیح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے بہت بلند و بالا ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے کہ وہی آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ان کا محافظ و مدبر ہے اور جو معاملات کی کفایت سے عاجز ہوتا ہے وہ ایسے بیٹے کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی مدد کرے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

مسیح اللہ کا بندہ بننے میں کچھ عار محسوس نہیں کرتے اور نہ مقرب فرشتے' اور جو اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو عنقریب اللہ ان سب کو اپنے سامنے جمع کرے گا O سو لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو اللہ ان کو ان کا اجر بھرپور عطا فرمائے گا اور ان کو اپنے فضل سے مزید اجر عطا فرمائے گا' اور لیکن جن لوگوں نے (عبادت میں) عار محسوس کی اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا' اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار O اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا ہے O

اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا باعث عار نہیں' نیکوں اور بُروں کا انجام

شانِ نزول: اور جب نجران کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ ہمارے آقا اور بزرگ حضرت عیسیٰ پر عیب کیوں لگاتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں کیا کہتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا تو کوئی عیب نہیں' انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! یہ عیب ہے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

۱۷۲- ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ﴾ یعنی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار محسوس نہیں کرتے' اس آیت مبارکہ میں عیسائیوں کے عقیدے کی تردید کر دی گئی ہے ﴿وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور نہ مقرب فرشتے اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے میں عار محسوس کرتے ہیں' اس سے عرب کے ان لوگوں کے عقیدے کی تردید کی گئی ہے جو فرشتوں کو اپنا معبود مان کر ان کی پرستش کرتے تھے ﴿الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ یعنی کروبیین جو عرش اعظم کے اردگرد رہتے ہیں جیسے حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور اسی طبقے کے دیگر فرشتے اور معنی یہ ہے کہ مقرب فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے بندے بننے میں عار و عیب محسوس نہیں کرتے پھر ''عَبْدًا لِّلّٰهِ'' کے دلالت کرنے کی وجہ سے اس (معطوف) سے یہ عبارت حذف کر دی گئی اور جو لوگ بنی آدم پر فرشتوں کی فضیلت کے قائل ہیں وہ اور معتزلہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے افضل ہیں کیونکہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص میری خدمت سے عار محسوس نہیں کرتا اور نہ اس کا باپ عار محسوس کرتا ہے' باپ کی جگہ غلام نہیں کہا جاتا (بیٹے سے باپ افضل ہوتا ہے لیکن

غلام آقا سے افضل نہیں ہوتا) کیونکہ یہ بہتر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ'' کا معنی یہ ہے کہ جو ان (حضرت عیسیٰ) سے شان میں بڑھ کر ہیں اور فضیلت میں ان سے زیادہ ہیں بارگاہِ خداوندی میں مقرب فرشتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے بننے میں عار محسوس نہیں کرتے اور اس پر مقربین کی تخصیص بھی دلالت کرتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ثانی اوّل سے افضل ہوتا ہے' لیکن یہ ہمارے موقف کے خلاف نہیں کیونکہ یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام مقربین فرشتے مل کر بصورت جماعت حضرت عیسیٰ سے افضل ہیں اور ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ تمام مقربین فرشتے مجموعی اعتبار سے بنی آدم کے ایک رسول سے افضل ہیں بعض اہل سنت اسی کے قائل ہیں اور یہ اس لیے کہ فرشتے انسان کی قدر سے بڑھ کر اپنی قدرتِ فائقہ اور علومِ لوحی رکھنے اور توالد و ازدواجیت سے یکسر پاک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں عار محسوس نہیں کرتے تو جو دوسرے سے جنم لیتا ہے وہ کیوں کر عار محسوس کرے گا حالانکہ بنی آدم ان تمام چیزوں پر قدرت و اختیار نہیں رکھتے جن پر فرشتے قدرت و اختیار رکھتے ہیں اور نہ یہ ان تمام چیزوں کو جانتے تھے جن کو فرشتے جانتے ہیں اور یہ اس لیے کہ گرفت میں سخت گیری اور علوم میں وسعت اور عجیب و غریب اور نرالی پیدائش احمقوں میں یہ وہم پیدا کر دیتی ہے کہ ایسی شخصیت عبودیت و بندگی کی شان سے بہت بلند و بالا ہے جیسا کہ عیسائیوں کو یہ وہم ہوا کہ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور وہ مادرزاد نابینوں کو بینا کر دیتے ہیں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کر دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں اور لوگ اپنے گھروں میں جو کچھ کھاتے ہیں اور جو کچھ ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں اس کی خبریں من وعن بیان فرما دیتے ہیں تو انہوں نے آپ کو عبودیت و بندگی کی شان سے مبرا و منزہ قرار دے دیا لیکن ان سے کہا جائے گا کہ یہ اوصاف تو حضرت مسیح علیہ السلام سے بڑھ کر فرشتوں میں بھی موجود ہیں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں عار محسوس نہیں کرتے تو حضرت مسیح کیوں عار محسوس کریں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خواص بشر یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خواص ملائکہ یعنی ان میں سے جو رسل ملک ہیں سے افضل ہیں جیسے حضرت جبریل اور میکائیل اور عزرائیل اور ان کی طرح دیگر فرشتے (خواص ملائکہ ہیں جن سے انبیائے کرام افضل ہیں) اور خواص ملائکہ عوام مؤمنین سے افضل ہیں اور عوام مؤمنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور فرشتے پر بشر کی فضیلت کے لیے ہماری دلیل یہ ہے کہ بنی نوع انسان نے شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خواہشات کے اسباب کو مغلوب و مقہور رکھا اس کے باوجود کہ ان کی تخلیق اور پیدائش انہی خواہشات پر کی گئی ہے' چنانچہ انبیائے کرام علیہم السلام ملائکہ علیہم السلام کے عصمت (گناہوں سے پاک ہونے) میں مشابہ و مساوی ہو گئے ہیں مگر نفسانی محرّکات اور جسمانی دواعی کو مغلوب و مقہور کر لینے کی وجہ سے انبیائے کرام فرشتوں سے فضیلت حاصل کر کے افضل ہو گئے ہیں اور بنی نوع انسان کی اطاعت زیادہ مشقت طلب ہے کیونکہ ان کے ساتھ موانع (نفسانی محرکات و خواہشات) موجود ہوتے ہیں جب کہ فرشتوں کی اطاعت ان موانع سے خالی ہوتی ہے کیونکہ ان کی تخلیق اطاعت پر کی گئی' لہٰذا حدیث نبوی کے مطابق انبیاء و مومنین کا ثواب فرشتوں کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے ﴿وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے نفرت کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے یعنی بڑا بنتا ہے اور بڑائی کو طلب کرتا ہے ﴿فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا﴾ تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا اور اس کی بندگی سے نفرت و عار محسوس کرنے اور تکبر کرنے پر ان کو سزا دے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

۱۷۳۔ ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا

﴿وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ سو لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کا اجر و ثواب پورا پورا عطا فرمائے گا اور اپنے فضل و کرم سے ان کو اور زیادہ دے گا اور لیکن جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کی اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ تفصیل مفصّل (جس کی تفصیل بیان کی گئی ہے) کے مطابق نہیں کیونکہ تفصیل دو فریقوں پر مشتمل ہے جب کہ مفصل صرف ایک فریق پر مشتمل ہے۔

جواب: اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ اس طرح ہے جس طرح تمہارا یہ مقولہ ہے: ''جَمَعَ الْاِمَامُ الْخَوَارِجَ'' کہ وقت کے حاکم نے خوارج (باغیوں) کو جمع کر لیا ہے' سو جس نے اس پر خروج نہیں کیا (یعنی بغاوت و سرکشی نہیں کی) اس کو بادشاہ پوشاک پہنائے گا اور بڑے انعام سے نوازے گا اور جس نے اس پر خروج کیا ہے اس کو سزا دے گا اور یہ طریقہ دو وجہ سے صحیح ہے' ایک یہ کہ مفصّل میں دو فریقوں میں سے ایک کے ذکر کو اس لیے حذف کر دیا جاتا ہے کہ اس پر تفصیل دلالت کرتی ہے کیونکہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا ذکر دوسری چیز کے ذکر پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اس آیت مبارکہ کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ'' کے اندر تفصیل میں دو فریقوں میں سے صرف ایک کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے ان کے غیر (یعنی نیک ایمان داروں) کے ساتھ احسان کرنا ان کو غمگین کر دے گا' لہٰذا یہ بھی ان کو عذاب دینے میں داخل ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرے گا اور تکبر کرے گا تو اس کو حسرت و افسوس کا عذاب بھی ہوگا جب وہ نیک عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب کو دیکھے گا اور اس کو دیکھے گا جو اس کو اللہ تعالیٰ کا عذاب پہنچے گا۔

١٧٤- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے لوگو! بے شک تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس ایک مضبوط اور واضح دلیل آ گئی ہے یعنی یہ رسول اکرم جو معجزات کے ذریعے منکر پر غالب آ جاتے ہیں ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے یعنی قرآن مجید جس کے ساتھ حیرت کے اندھیروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا' اور ان کو سیدھی راہ دکھائے گا O (اے محبوب!) آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں' آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص بے اولاد فوت ہو جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے ترکے کا نصف حصہ اس کی بہن کو ملے گا' اور وہ مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی بہن بے اولاد ہو' پھر اگر دو بہنیں ہوں تو بھائی کے ترکے سے ان کا دو تہائی حصہ ہوگا' اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے' اللہ تمہارے لیے واضح بیان کرتا ہے کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ' اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۱۷۵- ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ ﴾ سو لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا یعنی اللہ تعالیٰ کو یا قرآن مجید کو ﴿ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ ﴾ تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں یعنی جنت میں داخل فرمائے گا ﴿ وَفَضْلٍ ﴾ اور زیادہ انعام عطا فرمائے گا ﴿ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ ﴾ اور ان کو اپنی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف یا فضل و کرم کی طرف یا اپنی راہ کی طرف رشد و ہدایت دے گا ﴿ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ سیدھا راستہ [سو صراط مضاف محذوف سے حال ہے]۔

وراثت کا بیان

شانِ نزول: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی بیمار پرسی کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کیا کہ بے شک میں کلالہ ہوں (نہ ماں باپ زندہ ہیں نہ اولاد ہے تو ارشاد فرمائیے کہ) میں اپنے متروکہ مال کے متعلق کیا کروں تو (ان کے اس سوال کے جواب میں) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۷۶- ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ﴾ یہ لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ [''اِمْرُؤٌ'' فعل مضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر (اس کے بعد والا) فعلِ ظاہر (هَلَكَ) کر رہا ہے اور ''لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ'' اس کی صفت واقع ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے] یعنی اگر بے اولاد شخص فوت ہو جائے اور یہاں ''وَلَد'' سے مراد بیٹا ہے اور یہ لڑکا اور لڑکی دونوں پر مشترک بولا جاتا ہے کیونکہ بیٹا (باپ کی) بہن کو محروم کر دیتا ہے اور بیٹی اس کو محروم نہیں کرتی ﴿ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ ﴾ یعنی ماں باپ کی طرف سے (حقیقی) بہن ہو یا صرف باپ کی طرف سے (یعنی علاتی) بہن ہو ﴿ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ﴾ یعنی میت کے ترکے سے اس کی ایک بہن کو نصف حصہ ملے گا ﴿ وَهُوَ يَرِثُهَآ ﴾ یعنی بھائی بہن کے تمام مال کا وارث بن جائے گا اگر موت کا معاملہ برعکس مقدر ہو کہ بہن فوت ہو جائے اور اس کے بعد اس کا بھائی زندہ رہ جائے ﴿ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ﴾ اگر مرحومہ بہن کی اولاد یعنی بیٹا نہ ہو کیونکہ بیٹا (ماں کے) بھائی کو محروم کر دیتا ہے مگر بیٹی نہیں۔

سوال: اگر یہ سوال کیا جائے کہ صرف بیٹا بھائی کو محروم نہیں کرتا بلکہ (میت کا) باپ بھی محروم کرنے میں اس کی مانند ہے تو صرف بیٹے کی نفی کرنے پر کیوں اکتفا کیا گیا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بیٹے کی نفی کا حکم بیان کیا گیا ہے اور والد کی نفی کا حکم سنت نبوی کے بیان کی طرف سپرد کیا گیا ہے اور وہ حضور سیّد عالم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَلِاَوْلٰى عَصَبَةٍ ذَكَرٍ'' یعنی ذوی الفروض (میت کے وہ رشتہ دار جن کے حصے قرآن میں مقرر کر دیئے گئے ہیں) کو ان کے حصص دے دو اور جو باقی رہ جائے

تو وہ اس مرد کا حصہ ہے جو میت کے سب سے زیادہ قریب (عصبہ) ہو[1] اور باپ بھائی سے زیادہ (میت کا) قریبی رشتہ دار ہے ﴿ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ ﴾ یعنی اگر دو بہنیں ہوں اور اس پر ''وَلَهٗ اُخْتٌ'' دلالت کر رہا ہے ﴿ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ﴾ تو ان دونوں کو میت کے ترکے میں سے دو تہائی حصہ ملے گا ﴿ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً ﴾ اور اگر وارث بننے والے بھائی ہوں اور یہاں ''اِخْوَةً'' سے بہن بھائی دونوں مراد ہیں لیکن بطور غلبہ مردوں کا ذکر کیا گیا ہے ﴿ رِّجَالًا وَّنِسَآءً ﴾ مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی ﴿ فَلِلذَّكَرِ ﴾ تو ان میں سے مرد کے لیے ﴿ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ''اَلْحَقَّ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے حق کو واضح بیان فرماتا ہے [اور یہ ''اَلْحَقَّ'' (محذوف) ''يُبَيِّنُ'' کا مفعول ہے] ﴿ اَنْ تَضِلُّوْا ﴾ کہ تمہارا گمراہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کی کنہ اور حقیقت سمیت جانتا ہے' ان کے وجود سے پہلے بھی جانتا تھا اور ان کے موجود ہو جانے کے بعد بھی جانتا ہے۔

(۵) سُورَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | آیاتها ۱۲۰ رکوعاتها ۱۶

سورۃ المائدہ مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی ایک سو بیس آیات' سولہ رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو' تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں' ماسوا ان جانوروں کے جن کا حکم عنقریب تمہیں سنایا جائے گا لیکن احرام کی حالت میں تمہارے لیے شکار کرنا حلال نہیں' بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے ○

معاہدوں کی پابندی کا حکم' حلال وحرام کا ذکر' امورِ خیر میں مدد کرنے کا حکم اور امورِ شر میں مدد کی ممانعت کا حکم

۱۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے عہدوں کو پورا کرو (جب کوئی شخص اپنا عہد پورا کرتا ہے تو) کہا جاتا ہے: ''وَفٰى بِالْعَهْدِ وَاَوْفٰى بِهٖ'' یعنی اس شخص نے اپنا عہد پورا کیا اور ''عقد'' کا معنی ہے: مضبوط اور پختہ عہد' اس کو رسی وغیرہ کی مضبوط گرہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس سے تمام احکام شرعیہ تکلیفیہ اور وہ تمام معاہدے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کر دیئے ہیں اور ان کو اپنے بندوں پر لازم کر دیا ہے یا اس سے وہ وعدے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تم سے فرمائے ہیں (مثلاً نیک اعمال پر اجر وثواب' جنتیں اور ان کے انعامات' رضائے الٰہی و دیدارِ الٰہی وغیرہ) یا پھر تمہارے آپس کے وہ معاہدات و معاملات اور امانات وغیرہ مراد ہیں جو تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ پختہ عقد وعہد کرتے ہو اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے وہ تمام معاہدات مراد ہیں جو اس نے اپنے دین میں حرام کو حرام

[1] رواہ البخاری فی کتاب الفرائض باب ۵-۷-۹-۱۰' مسلم فی کتاب الفرائض رقم الحدیث:۲-۳' الترمذی فی کتاب الفرائض باب ۸' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۳۲۵

جاننے اور حلال کو حلال جاننے کے متعلق مسلمانوں پر واجب و لازم کر دیئے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے پہلے مجمل کلام بیان فرمایا' پھر اس کے بعد اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ چار پاؤں والے جانور تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں اور ''بَهِيمَةٌ'' ہر چار پاؤں والے جانور کو کہتے ہیں خواہ وہ خشکی پر رہتا ہو یا سمندر میں رہتا ہو [اور ''أَنْعَامِ'' کی طرف اس کی اضافت بیانیہ ہے اور یہ ''مِنْ'' کے معنی میں ہے] جیسے ''خَاتَمُ فِضَّةٍ'' (چاندی کی انگوٹھی) ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جانوروں میں سے چوپائے تمہارے لیے حلال ہیں اور یہ آٹھ جوڑے ہیں (جن کا ذکر سورۃ الانعام آیات ١٤٣-١٤٤ میں آئے گا) اور بعض نے فرمایا کہ ہرن اور جنگلی گائے وغیرہما مراد ہیں ﴿إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ ماسوا ان جانوروں کے جن کا ذکر آیت تحریمہ (سورۃ المائدہ آیت ٣ میں) تمہیں سنایا جائے گا اور وہ یہ آیت ہے: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ'' الایۃ ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ﴾ [''لَكُمْ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی تمہارے لیے یہ چیزیں حلال کر دی گئیں لیکن شکار کرنا حلال نہیں ﴿وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ جب کہ تم حالتِ احرام میں ہو [اور یہ جملہ ''مُحِلِّي الصَّيْدِ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بعض جانوروں کو حلال قرار دیا ہے دراں حالیکہ جب تم احرام کی حالت میں ہو تو تمہارے لیے شکار کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے تا کہ تم پر تنگی واقع نہ ہو [اور ''حُرُمٌ'' ''حرام'' کی جمع ہے اور وہ مُحرم ہے] ﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ احکام میں جو چاہتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے یا حلال و حرام کرنے میں جو چاہتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے (لہٰذا ہمارا اہلی فرض ہے کہ اس کے حلال کردہ کو حلال اور اس کے حرام کردہ کو حرام سمجھیں اور اس کے مطابق عمل کریں)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

وقف لازم — الترجمہ

اے ایمان والو! تم اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم کی طرف بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو حرمت والے گھر کا ارادہ کر کے اپنے رب کا فضل اور خوشنودی حاصل کرنے آئیں اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو اور کسی قسم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روکا تھا' ان پر تم زیادتی کرو اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو' اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دینے سے منع کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔

٢۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىٕرَ اللّٰهِ ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو تم حلال نہ کرو اور ’’شعائر ‘‘ ’’شعیرۃ‘‘ کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کا نام ہے جس کو کسی عبادت کی علامت ونشانی قرار دیا جائے جیسے مواقف حج (حج کی خاطر ٹھہرنے کی جگہیں) اور مرامی الجمار (شیطان کو کنکر مارنے کی جگہیں) اور مطاف (طواف کی جگہ) اور مسعیٰ (صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کی جگہ) اور وہ افعال جو حج کی علامات ہیں جن کو اپنانے سے ایک مسلمان حاجی کہلاتا ہے جیسے احرام، طواف، سعی، حلق (سر منڈوانا) اور نحر کرنا (قربانی کرنا) ﴿ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ اور نہ حرمت وعزت والے مہینے کو حلال جانو (جیسے ذی قعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب) ﴿ وَلَا الْهَدْیَ ﴾ اور نہ قربانیوں کو لوٹنا حلال جانو اور یہ وہ قربانی کے جانور ہیں جن کو بیت اللہ شریف (مکہ مکرمہ) میں بھیجا جاتا ہے اور ان کے ساتھ بطور عبادت الٰہی اللہ تعالیٰ کا تقرب ورضا اور خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اور یہ ’’هَدْیَةٌ‘‘ کی جمع ہے ﴿ وَلَا الْقَلَآىٕدَ ﴾ اور نہ قلادہ والی قربانیوں کو حلال سمجھو اور ’’قـلائد‘‘ ’’قلادۃ‘‘ کی جمع ہے اور اس سے جوتے اور چمڑے کے توشہ دان کی رسی یا درخت کی چھال وغیرہ سے بنا ہوا وہ ہار یا پٹا مراد ہے جو قربانی کے جانوروں کے گلے میں ڈالا جاتا تھا ﴿ وَلَاۤ اٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ ﴾ اور نہ حرمت والے گھر یعنی مسجد حرام کا ارادہ کر کے آنے والے زائرین کے مال وآبرو کو حلال سمجھو اور اس سے حج کرنے اور عمرہ کرنے کے لیے آنے والے زائرین حضرات مراد ہیں اور ان چیزوں کو حلال قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کی عزت وحرمت کو قائم رکھنے کی بجائے ان کی توہین کی جائے اور ان چیزوں اور اللہ تعالیٰ کے محترم گھر کے پاس عبادات الٰہیہ اور ارکانِ حج ادا کرنے والوں کے درمیان رکاوٹ ڈالی جائے اور حج کے مہینوں میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کی جائیں کہ جن کی وجہ سے لوگ حج کرنے سے رک جائیں اور لوٹ مار کرنے کے لیے قربانی کے جانوروں کا تعاقب کیا جائے یا ان جانوروں کو ان کے مقام (مکہ معظمہ) میں پہنچنے سے روک دیا جائے لیکن باقی رہا ’’قلائـد‘‘ تو ممکن ہے کہ ان سے مراد قلادہ والے جانور ہوں [اور وہ اونٹ ہیں اور اس کو ’’اَلْهَـدْیُ‘‘ پر اختصاص کے لیے معطوف کیا گیا ہے] کیونکہ قلادہ والے جانور قربانی کے جانوروں میں سے اعلیٰ اور بہتر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ’’وَجِبْـرِیْـلَ وَمِیْكٰلَ‘‘ (البقرہ:٩٨) میں فرشتوں کے ذکر کے بعد حضرت جبریل و میکائل کا ذکر اختصاص کے لیے کیا گیا ہے گویا کہا گیا ہے کہ قربانی کے جانوروں میں خاص کر قلادہ والے جانوروں کی بے حرمتی سے بچو اور یہ بھی جائز ہے کہ عام قربانی کے جانوروں کی لوٹ کرنے کی ممانعت میں مبالغہ کرنے کے لیے قلادہ والے قربانی کے جانوروں کی لوٹ کرنے سے منع کیا گیا ہو یعنی تم قلادہ والے قربانی کے جانوروں کو حلال نہ جانو چہ جائے کہ تم دیگر قربانی کے جانوروں کو حلال سمجھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ‘‘ (النور:٣١) ’’اور مؤمن عورتیں اپنی زیب وزینت اور بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں‘‘ اس آیت مبارکہ میں زیب وزینت کے اظہار سے ممانعت دراصل زیب وزینت والے اعضاء کے اظہار سے منع کرنے میں مبالغہ کرنا مقصود ہے ﴿ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ وہ اپنے رب تعالیٰ کا فضل و کرم یعنی اس کا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں [اور ’’یَبْتَـغُوْنَ‘‘ ’’اٰمِّیْنَ‘‘ میں ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَرِضْوَانًا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان سے راضی ہو جائے لہٰذا تم ان صفات کی حامل قوم کی تعظیم کے پیش نظر ان کی بے حرمتی کے درپے نہ ہو جاؤ (بلکہ ان کا احترام کرو) ﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ﴾ اور جب تم احرام سے نکل آؤ تو تم شکار کر سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ’’غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ‘‘ کے ذریعے حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کے بعد حالتِ احرام سے نکل آنے پر شکار کرنے کی اباحت واجازت بیان کی جارہی ہے ﴿ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ اور کسی قوم کی سخت ترین دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ جنہوں نے تمہیں (حدیبیہ کے

سال عمرہ کرنے سے) روکا تھا ان پر زیادتی کرنے لگ جاؤ] اور ''جَرَمَ''، ''کَسَبَ'' کی طرح (کبھی) ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور (کبھی) دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے (جیسے) تم کہتے ہو: ''جَرَمَ ذَنْبًا کَسَبَهٗ'' کی مثل ہے (یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہونے کی مثال ہے) اور ''وَ جَرَمْتُهٗ ذَنْبًا کَسَبْتُهٗ اِیَّاهُ'' کی مثل ہے (یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونے کی مثال ہے) اور ''لَا یَجْرِمَنَّکُمْ'' کے دو مفعولوں میں پہلا مفعول مخاطبین کی ضمیر (کُمْ) ہے اور دوسرا مفعول ''اَنْ تَعْتَدُوْا'' ہے اور ''اَنْ صَدُّوْکُمْ''، ''شَنَاٰنُ'' کے متعلق ہے اور ''شناٰن'' کا معنی بیماری ہے اور وہ سخت ترین بغض وکینہ ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور ابو بکر کی قراءت میں (شَنْاٰنُ) نون کے سکون کے ساتھ ہے] اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں کسی قوم کا بغض وکینہ ان پر زیادتی کرنے کے لیے نہ اکسائے اور نہ ان سے انتقام لینے پر اُبھارے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں (ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے یعنی) ''اِنْ صَدُّوْکُمْ'' شرط ہے] اور مسجد حرام سے روکنے کا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور دیگر مسلمانوں کو حدیبیہ کے دن عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور ''اعتداء'' کا معنی ہے: ان سے انتقام لینا اور انہیں مکروہ ترین سزا دینا ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ اور نیکی و پرہیز گاری اور درگزر و چشم پوشی کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور زیادتی و گناہ اور انتقام لینے اور دل کی آگ بجھانے کے لیے دشمن پر ظلم و زیادتی کرنے میں تم ایک دوسرے کی مدد نہ کرو یا نیکی حکم کی تعمیل کا نام ہے اور تقویٰ ممنوع و حرام کو ترک کرنے کا نام ہے اور گناہ حکم کی خلاف ورزی کرنے کا نام ہے اور ظلم و زیادتی ممنوع و حرام پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر قسم کی نیکی و تقویٰ اور ہر قسم کے گناہ و زیادتی کے لیے عموم مراد لیا جائے تو اس طرح یہ آیت مبارکہ اپنے عموم کی وجہ سے عفو و درگزر اور انتقام و بدلا لینے کو شامل ہو جائے گی ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں اور اس سے نہ ڈرنے والوں کو سخت ترین عذاب دینے والا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھونٹنے سے مر جانے والا اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرنے والا اور سینگ وغیرہ لگنے سے مرنے والا اور جس کو درندے نے کھایا ہو ما سوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا اور جو تقرب کے لیے بتوں پر ذبح کیا گیا اور فال کے تیروں سے تمہارا قسمت معلوم کرنا یہ سب گناہ کے کام ہیں اب کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ

ہی سے ڈرو آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے دین کے طور پر اسلام کو پسند کر لیا ہے' سو جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو جائے گناہ کی طرف راغب نہ ہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

حرام اشیاء کا بیان

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بیان فرمایا ہے جن کو زمانہ جاہلیت میں لوگ کھایا کرتے تھے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۳۔﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾ تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے یعنی وہ چوپایہ جو بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر جائے ﴿ وَالدَّمُ ﴾ اور خون یعنی بہنے والا خون تم پر حرام ہے ﴿ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ﴾ اور خنزیر کا گوشت تم پر حرام کیا گیا ہے اور خنزیر سر سے لے کر پاؤں کے ناخن تک تمام کا تمام نجس و ناپاک ہے اور گوشت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ مقصد میں یہی اہم ترین چیز ہے ﴿ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾ یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کا نام پکارا جائے تو وہ حرام ہے جس طرح کفار اپنے جانوروں پر ذبح کے وقت ''بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی'' کہا کرتے تھے ﴿ وَالْمُنْخَنِقَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کیا گیا ہے جس کا لوگوں نے گلا دبا دیا ہو یہاں تک کہ وہ (سانس بند ہو جانے کی وجہ سے) مر جائے یا کسی پھندے وغیرہ میں گلا گھونٹ جانے کی وجہ سے مر جائے ﴿ وَالْمَوْقُوذَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کر دیا گیا ہے جس کو لوگوں نے ڈنڈے یا پتھر وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو ﴿ وَالْمُتَرَدِّيَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کر دیا گیا ہے جو بلند پہاڑ وغیرہ سے گر کر یا کنویں میں گر کر مر جائے ﴿ وَالنَّطِيحَةُ ﴾ اور وہ جانور بھی حرام کر دیا گیا ہے جس کو دوسرے جانور نے سینگ وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو یا جو سینگ وغیرہ لگنے سے مر جائے ﴿ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ ﴾ اور جس جانور کو درندہ کھا لے وہ حرام کر دیا گیا ہے یعنی جس کا کچھ حصہ درندہ کھا لے اور وہ زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائے ﴿ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ مگر جس جانور کو (مرنے سے پہلے) تم ذبح کر لو (تو وہ تمہارے لیے حلال ہے) اور شرط یہ ہے کہ وہ ذبح شدہ جانور کی طرح حرکت کر رہا ہو اور تڑپ رہا ہو [اور یہ استثناء ''مُنْخَنِقَةُ'' اور اس کے بعد مذکورہ بالا جانوروں کی طرف راجع ہے] چنانچہ ان جانوروں میں سے جس جانور کو زخمی حالت میں پالیا جائے اور اس میں روح اور زندگی باقی ہو اور ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ کر اس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے ﴿ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ اور جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیے جائیں وہ تم پر حرام ہیں' دراصل کفار مکہ نے بیت اللہ شریف کے اردگرد پتھر کے تراشیدہ بت نصب کیے ہوئے تھے جن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کفار اپنے جانور ان کے نام پر ذبح کرتے تھے اور اس عمل سے وہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے اور وہ اس کے ذریعے ان کا تقرب حاصل کرتے تھے [اور انہوں نے ان کا نام ''اَنْصَاب'' رکھا ہوا تھا جس کا واحد ''نُصُبْ'' ہے یا پھر یہ جمع ہے اور اس کا واحد ''نِصَابْ'' ہے] ﴿ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ﴾ اور یہ کہ تم تیروں کے ذریعے اپنی قسمت معلوم کرو [یہ جملہ مرفوع ہے اور یہ جملہ ''اَلْمَيْتَةُ'' پر معطوف ہے] یعنی تم پر مردار اور اسی طرح دیگر مذکورہ بالا جانور اور تیروں کی فال سے قسمت آزمائی کرنا حرام کر دیا گیا ہے [اور ''اَزْلَام'' مخصوص تیر تھے' اس کا واحد ''زَلَمْ'' اور ''زُلَمْ'' آتا ہے] اور اہل عرب میں سے جب کوئی شخص سفر یا جنگ یا تجارت یا شادی وغیرہ کرنے کا ارادہ کرتا تو پہلے ان تیروں کی طرف قصد کر کے جاتا اور یہ تین تیر تھے' ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا: ''اَمَرَنِيْ رَبِّيْ'' (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے) اور دوسرے تیر پر لکھا ہوتا: ''نَهَانِيْ رَبِّيْ'' (میرے رب نے مجھے منع کر دیا ہے) اور تیسرا تیر خالی ہوتا' پھر اگر حکم والا یعنی پہلا تیر نکل آتا تو وہ شخص اپنے کام کے لیے جاتا اور اگر منع کرنے والا

یعنی دوسرا تیر نکل آتا تو وہ شخص کام پر جانے سے رک جاتا اور اگر خالی تیر نکل آتا تو وہ دوبارہ قرعہ اندازی کرتا اور تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنے کا معنی یہ ہے کہ تیروں کے ذریعے ان چیزوں سے اپنی قسمت ونصیب کی معرفت حاصل کرنا جو اس کے مقسوم میں نہیں ہے۔ علّامہ زجاج نے کہا کہ ان لوگوں کے درمیان اور نجومیوں کے اس قول کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ فلاں ستارے کی وجہ سے کام نہیں نکلے گا اور فلاں ستارے کے طلوع ہونے پر کام ہو جائے گا اور ''شرح التاٗویلات'' میں اس کا رد کر دیا گیا ہے اور اس کے مصنف نے کہا ہے کہ نجومی یہ نہیں کہتا کہ اگر فلاں ستارہ نکل آیا تو فلاں حکم دیا جائے گا اور اگر فلاں ستارہ نکل آیا تو فلاں کام سے روک دیا جائے گا جیسا کہ تیروں سے فال نکالنے والے یہ لوگ کرتے ہیں بلکہ نجومی اللہ تعالیٰ کے احکام پر علامات و دلائل قائم کرتا ہے (پھر ان کی روشنی میں نتیجہ اخذ کرتا ہے) اور یہ جائز ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ستاروں میں ایسے معانی اور علامات مقرر فرما دیتا ہو جن کے ذریعے احکام معلوم کیے جا سکتے ہوں اور ان معانی وعلامات کے ذریعے ستاروں سے بہت سی چیزیں حاصل کی جا سکتی ہوں اور اس میں کوئی ملامت نہیں البتہ اس شخص پر ملامت ہے جو اللہ تعالیٰ پر براہِ راست حکم صادر کرتا ہے اور اس پر گواہ بنتا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہ بھی جوئے کی ایک قسم ہے اور ''وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ'' سے ان کی مراد متعین بتوں پر اونٹوں کو بانٹنا ہے ﴿ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ﴾ یہ گناہ کے کام ہیں یعنی تیروں سے قسمت وغیرہ معلوم کرنے کے لیے فال نکالنا نافرمانی وحکم عدولی ہے اور اطاعت الٰہی سے نکلنا ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور تمام حرام اشیاء کی طرف اشارہ ہو یعنی یہ سب گناہ کے کام ہیں ﴿ اَلْيَوْمَ ﴾ اس سے معین دن مراد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: ''اس وقت اور اب'' (یعنی موجودہ زمانہ) اور یہ اس طرح ہے کہ تم کہو: ''اَنَا الْيَوْمَ قَدْ كَبُرْتُ'' جس سے تمہارا مقصد یہ ہو کہ اب میں بڑا اور جوان ہو گیا ہوں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کا دن مراد ہے اور یہ آیت مبارکہ حجۃ الوداع میں نو ذی الحج بروز عرفہ بعد نماز عصر جمعۃ المبارک کے دن نازل ہوئی تھی [اور ''اَلْيَوْمَ'' ''يَئِسَ'' سے ظرف (کی بنا پر منصوب) ہے] ﴿ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ ﴾ کافر تمہارے دین کو مٹانے اور اس پر غالب آنے سے مایوس وناامید ہو گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما کر اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دیا ہے ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ ﴾ تو تم دین اسلام کے غالب ہو جانے اور خوفِ کفار کے زائل ہو جانے اور ان کے غالب ہونے کے بعد اب ان کے مغلوب ہو جانے پر ان سے نہ ڈرو ﴿ وَاخْشَوْنِ ﴾ اور مجھ ہی سے ڈرو یعنی تم مخلص ہو کر فقط مجھ ہی سے ڈرو [اور اس کو وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یائے (متکلمہ محذوفہ) کے بغیر پڑھا گیا ہے] ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے یعنی بے شک میں تمہارے دشمن کے خوف کے مقابلے میں تمہیں کافی ہوں اور میں نے تمہیں ان پر غالب کر دیا ہے جیسے بادشاہ کہتے ہیں کہ آج ہماری بادشاہی کامل ہو گئی ہے یعنی جس سے ہم ڈرتے تھے اس کے مقابلے میں ہماری کفایت کر دی گئی ہے یا یہ معنی ہے کہ میں نے تمہارے لیے ان چیزوں کو مکمل کر دیا ہے جن کی تمہیں مکلف ہونے کی حیثیت سے حلال وحرام کی تعلیم کے سلسلے میں ضرورت تھی اور میں نے اسلام کے اصول وضوابط اور قیاس کے قوانین پر تمہیں پوری طرح آگاہ کر دیا ہے [اور ''اَلْيَوْمَ'' ارشادِ باری تعالیٰ ''اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' سے ظرف (ہونے کی بنا پر منصوب) ہے] ﴿ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ اور میں نے مکہ معظمہ کی فتح عنایت کر کے اور اس میں امن وامان اور قوت وغلبہ کے ساتھ داخلہ عطا فرما کر اور زمانۂ جاہلیت کی بُری رسمیں مٹا کر اور ارکانِ حج کے غلط طور طریقے ختم کر کے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے ﴿ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ اور میں نے تمہارے لیے بطور ملت ومذہب اسلام کو پسند کر لیا ہے یعنی میں نے تمام ادیان میں سے تمہارے لیے صرف اسلام کو پسند کیا ہے اور تمہیں بھی آگاہ کر دیا ہے کہ صرف یہی

اکیلا اسلام ہی پسندیدہ دین ہے (جیسے ارشاد باری تعالیٰ:) ''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ'' (آل عمران:۸۵) ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا'' [اور ''دِیْنًا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ اس کا تعلق بھی محرمات سے ہے [اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''ذٰلِکُمْ فِسْقٌ'' جملہ معترضہ ہے] جس کے ساتھ تحریم کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ ان تمام خبیث اشیاء کی حرمت دین کامل میں شامل ہے اور ان حرام چیزوں سے بچنا نعمت تامہ اور پسندیدہ دین ہے کیونکہ صرف اسی دین اسلام کی پسند کا اظہار کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے دینوں کی پسند کا اظہار نہیں کیا گیا ہے اور اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ جو شخص (مذکورہ بالا محرمات میں سے) کسی مردار وغیرہ کے کھانے کے لیے مجبور ہو جائے ﴿فِیْ مَخْمَصَةٍ﴾ سخت بھوک میں (کہ اگر کچھ نہ کھایا تو مر جائے گا) ﴿غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ﴾ گناہ کی طرف جھکنے والا اور اس کی طرف رغبت کرنے والا نہ ہو یعنی ضرورت سے زائد نہ کھائے [اور ''غَیْرَ'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ اس مجبوری کی حالت میں بندے کی گرفت نہیں فرمائے گا ﴿رَّحِیْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے' اس نے معذور کے لیے ممنوع کو مباح قرار دیا ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ
اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے؟ آپ فرما دیں کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں' اور وہ شکاری جانور جنہیں تم نے سدھا لیا ہے درآں حالیکہ تم انہیں تعلیم دے کر شکار پر چھوڑتے ہو تم انہیں اس طرح تعلیم دیتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں تعلیم دی ہے' سو تم اس (شکار) میں سے کھاؤ جس کو شکاری جانور نے پکڑ کر تمہارے لیے روک لیا ہے اور اس پر اللہ کا نام لو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے O

حلال ومباح اشیاء کا بیان

٤۔ ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ﴾ اے محبوب! وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں اور یہاں سوال قول کے معنی میں ہے' یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ''مَاذَا'' واقع ہوا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ یہ لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں [اور باقی رہی یہ بات کہ ''مَاذَا اُحِلَّ لَنَا'' کیوں نہیں کہا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ''یَسْـَٔلُوْنَكَ'' کی حکایت ہے جو غائب کا صیغہ ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''اَقْسَمَ زَیْدٌ لَیَفْعَلَنَّ'' زید نے قسم کھائی کہ وہ یہ کام ضرور کرے گا اور اگر ''لَاَفْعَلَنَّ'' اور ''اُحِلَّ لَنَا'' کہا جاتا تو بھی درست ہوتا اور ''مَاذَا'' مبتدا ہے اور ''اُحِلَّ لَهُمْ'' اس کی خبر ہے] جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''اَیُّ شَیْءٍ اُحِلَّ لَهُمْ'' کون سی چیز ان کے لیے حلال کی گئی ہے گویا جب اللہ تعالیٰ نے خبیث و ناپاک چوپایوں کے کھانے کی حرمت ان پر بیان فرمائی اور انہوں نے سوال کیا کہ چوپایوں میں سے کون سے جانور حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں یعنی ان میں سے جو ناپاک نہیں ہیں (وہ تمہارے لیے حلال ہیں) یا

جن کی حرمت کتاب اللہ (قرآن مجید) یا سنت نبوی میں یا اجماع میں یا قیاس میں نہیں آئی (وہ حلال ہیں) ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ﴾ [''اَلطَّيِّبَاتُ'' پر اس کا عطف کیا گیا ہے] یعنی پاک چیزیں اور تمہارے وہ شکار حلال کر دیئے گئے ہیں (جن کے پکڑنے والے شکاری جانوروں کو) تم نے شکار کرنے کی تعلیم دے کر سدھا لیا ہے [اور مضاف محذوف ہے' اصل میں ''صَيْدُ مَا عَلَّمْتُمْ'' ہے یا لفظ ''مَا'' کو شرطیہ اور ''فَكُلُوْا'' کو اس کا جواب قرار دیا گیا] ﴿مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾ یعنی درندوں اور پرندوں میں سے شکار کرنے والے شکاری جانور جیسے کتا' چیتا' عقاب' شکرہ' باز اور شاہین [اور ایک قول یہ ہے کہ ''جوارح'' ''جَرَاحَةٌ'' (زخم) سے مشتق ہے] لہٰذا شکار کیے گئے جانور کا زخمی ہونا حلال ہونے کے لیے شرط ہے ﴿مُكَلِّبِيْنَ﴾ [''عَلَّمْتُمْ'' سے حال واقع ہو رہا ہے اور اگرچہ ''عَلَّمْتُمْ'' کے ذکر نے اس کے لانے سے مستغنی کر دیا ہے لیکن اس حال کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ شکار کرنے والے جانوروں کا تعلیم کے ساتھ موصوف ہونا شرط ہے اور شکار کرنے والے جانوروں کو شکار کرنے کا ادب اور سلیقہ سکھانے اور ان کو شکار کی تعلیم دینے والے کو ''مُكَلِّبٌ'' کہا جاتا ہے اور یہ ''کلب'' سے مشتق ہے کیونکہ کتا بہت جلد ادب سیکھ لیتا ہے اس لیے اسی کے لفظ (كَلْب) سے ''مُكَلِّب'' کو مشتق کیا (بنایا) گیا ہے] کیونکہ اس کی جنس میں ادب و تعلیم کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے یا اس لیے کہ درندوں کو بھی کلب کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر حدیث نبوی ﷺ میں ہے: ''اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ''[1] اے اللہ! اس (کافر) پر اپنے درندوں میں سے کوئی درندہ مسلط کر دے' چنانچہ اس شخص کو ایک شیر حملہ کر کے کھا گیا ﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ﴾ تم انہیں سکھاتے ہو اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ علم حاصل کرنے والے پر لازم ہے کہ علم صرف ایسے ماہرِ فن سے حاصل کرے جس نے اپنی پوری اہلیت و صلاحیت علم کی مہارت میں خرچ کر دی ہو اور اپنی عقل و ذہانت اور فکر و تدبر کو قربان کر کے کامل ماہر ہو چکا ہو کیونکہ اناڑی اور غیر ماہر سے علم حاصل کرنے والے بہت سے لوگوں نے اپنے قیمتی اوقات ضائع کر دیئے اور پھر ماہرینِ فن سے ملاقات کے وقت (حسرت و افسوس کی وجہ سے) اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں [اور یہ جملہ یا حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ جملہ مستأنفہ ہے (یعنی یہ ایک الگ نیا جملہ ہے) اور اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے] ﴿مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾ اس تعلیم سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہے ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ سو تم اس میں سے کھاؤ جو انہوں نے تمہارے لیے روک لیا ہے یعنی شکاری جانوروں نے جو شکار پکڑ کر اپنے مالک کے لیے روک لیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا وہ تم کھا لو اور اگر شکاری جانور نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہے تو پھر وہ شکار کھانے کے قابل نہیں رہا جب کہ شکاری کتا وغیرہ ہو لیکن اگر شکاری جانور باز وغیرہ ہو تو اس کے کھانے سے شکار حرام نہیں ہوگا (یعنی اگر شکاری پرندہ ہو تو اس کا بچا ہوا کھانا جائز ہے اور اگر شکاری درندہ ہو تو اس کا بچا ہوا کھانا جائز نہیں ہے) اور اس کی تعریف اس کی اپنی جگہ میں کر دی گئی ہے ﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [اگر (عَلَيْهِ میں) ضمیر ''مَا اَمْسَكْنَ'' کی طرف لوٹتی ہے] تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب شکاری درندہ یا پرندہ شکار کو پکڑ کر تمہارے لیے روک لے تو تم اس پر ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ کر اس کو ذبح کر لو [اور اگر یہ ضمیر ''مَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ'' کی طرف لوٹتی ہے] تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم شکاری جانور کو شکار پکڑنے کے لیے چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرو (یعنی ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ کر چھوڑو) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ان تمام امور میں اس کے حکم کی مخالفت سے بچتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے

[1] رواہ الحاکم ج۲ ص ۵۳۹

بے شک وہی تمہارے تمام افعال واعمال پر بہت جلد محاسبہ کرنے والا ہے کیونکہ حساب لینے اور محاسبہ کرنے میں اس کو دیر نہیں لگے گی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

آج پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں' اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے' اور مسلمان پاک دامن آزاد عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی پاک دامن آزاد عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں) جب کہ تم ان کو ان کے مہر ادا کر دو (اور) تم ان کو نکاح کے بندھن میں لانے والے بنو اعلانیہ بدکاری کرنے والے نہ بنو اور نہ ان سے چھپ چھپا کر دوستی کرنے والے بنو' اور جو شخص اسلام کا انکار کر دے تو بے شک اس کے تمام عمل برباد ہو گئے' اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا O

٥۔﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ﴾ آج یعنی اب میں نے تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کے اظہار کی خاطر تاکید کے لیے اس کا دوبارہ ذکر کر دیا ہے ﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے یعنی ان کے ہاتھوں سے ذبح کیے ہوئے جانور تمہارے لیے حلال ہیں (بشرطیکہ صرف ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ کر ذبح کریں) کیونکہ باقی تمام کھانوں کی حلت کسی ملت و مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ اور تمہارے کھانے ان کے لیے حلال ہیں' لہٰذا تم ان کو کھانا کھلاؤ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اگر مسلمانوں کے کھانے ان پر حرام ہوتے تو ان کو کھانا کھلانا جائز نہ ہوتا ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ اور پاک دامن آزاد مسلمان عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) اس سے آزاد خواتین مراد ہیں یا پارسا خواتین مراد ہیں اور یہ قید نکاح کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ مستحب (یعنی پسندیدہ عمل) ہے کیونکہ مسلمان کنیزوں اور غیر پارسا عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور یہ قید صرف مسلمانوں کو رغبت دینے کے لیے مخصوص کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے نطفے اور اپنی نسل کی حفاظت کے پیش نظر پارسا آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں [اور اس کو ''اَلطَّيِّبَاتُ'' پر معطوف کیا گیا ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] یعنی اصل میں ''وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ حِلٌّ لَّكُمْ'' ہے کہ پاک دامن آزاد مسلمان عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کی پاک دامن آزاد عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) اور اس سے اہل کتاب کی آزاد عورتیں مراد ہیں یا اہل کتاب کی پارسا عورتیں مراد ہیں ﴿ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ جب تم ان کے حق مہر ان کو ادا کر دو ﴿ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ بشرطیکہ تم صرف پارسائی حاصل کرنے کے لیے ان سے نکاح کرو بدکاری اور عیاشی کرنے کے لیے نہیں ﴿ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ﴾ اور نہ ان سے چوری

چھپے عشق و دوستی کرو [اور ''خِدْنٌ'' کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے] ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ﴾ اور جو شخص ایمان کا یعنی شرائع اسلام کا انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حلال اور حرام کیا ہے اس کے ساتھ کفر کرتا ہے ﴿فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ تو بے شک اس کے تمام اعمال برباد ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

اے ایمان والو! جب تم نماز ادا کرنا چاہو تو تم اپنے چہروں کو اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو' اور اگر تم جُنبی (ناپاک) ہو جاؤ تو نہا کر خوب پاک ہو جاؤ' اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہے یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہے اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو اور تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس پاک مٹی سے مسح کرلو' اللہ تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا اور لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ تم خوب پاک ہو جاؤ اور تا کہ وہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تا کہ تم شکر ادا کرو○

وضو کا حکم' عدل کا حکم اور انعامات کی یاد دہانی

٦- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو (پہلے) اپنے چہروں کو دھولیا کرو یعنی جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرنے لگو (تو پہلے وضو کرلو) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ'' (النحل:٩٨) یعنی جب تم قرآن پاک کی قراءت کا ارادہ کرنے لگو (تو پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' پوری پڑھا کرو)' بہر حال یہاں ارادۂ فعل کو خود فعل کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا ہے کیونکہ ارادہ کرنا سبب ہے اور فعل اس کا مسبب ہے تو اختصار کے پیش نظر ادنیٰ تعلق کی بنا پر مسبب کو سبب کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور اسی طرح ''كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ'' ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے' اس جملے میں پہلے فعل کو جو جزا کا سبب ہے لفظ جزا کے ساتھ جو اصل میں اس کا مسبب ہے تعبیر کیا گیا ہے اور تقدیر عبارت ''وَاَنْتُمْ مُّحْدِثُوْنَ'' ہے (یعنی جب نماز ادا کرنا چاہو) اور تم بے وضو ہو (تو پہلے وضو کرلو) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے یا ''مِنَ النَّوْمِ'' ہے (یعنی جب تم نماز ادا کرنا چاہو اور تم) نیند

ہے (اٹھو تو پہلے وضو کرلو) کیونکہ یہ بے وضو ہونے کی دلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے[1] اور ایک قول یہ ہے کہ ابتدائی دور میں جب وضو فرض ہوا تو ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب تھا' پھر بعد میں یہ حکم منسوخ (ختم) ہوگیا ﴿وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ اور تم اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھولو) ''اِلٰی'' مطلق غایت (انتہا) کے معنی کا فائدہ دیتا ہے [(علم نحو کے فن میں ''اِلٰی'' کے بعد والا کلام غایت اور ''اِلٰی'' سے پہلے والا کلام ''مُغَيَّة'' کہلاتا ہے) لیکن غایت کا (مغیّہ کے) حکم میں داخل ہونا اور اس سے خارج ہونا تو یہ معاملہ دلیل پر موقوف ہے] چنانچہ جس میں خارج ہونے پر دلیل ہے (وہ درج ذیل دو آیات ہیں:) ''فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ'' (البقرہ:٢٨٠) '' (یعنی اگر مقروض تنگ دست ہو) تو اس کے خوش حال ہونے تک مہلت دو'' کیونکہ مفلس و تنگ دست ہونا مہلت دینے کی علت ہے اور خوشحالی آ جانے پر علت زائل ہو جائے گی' لہٰذا اگر ''میسرہ'' کو اس میں داخل کیا جائے تو تنگ دستی اور خوشحالی کی دونوں حالتوں میں مہلت دینا لازم آئے گا اور اسی طرح یہ آیت مبارکہ ہے: ''ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ'' (البقرہ:١٨٧) '' کہ رات کے آنے تک روزہ پورا کرو' اگر رات کو (دن کی طرح) روزے کے حکم میں شامل کر لیا جائے تو صوم وصال (یعنی دن رات مسلسل روزہ رکھنا) واجب ہو جائے گا (لہٰذا رات کے آنے اور دن کے ختم ہونے پر روزہ پورا ہو جاتا ہے) اور جس جگہ داخل ہونے کی دلیل موجود ہے وہ تمہارا ایک یہ قول ہے کہ ''حَفِظْتُ الْقُرْاٰنَ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ'' کہ میں نے شروع سے لے کر آخر تک قرآن مجید یاد کر لیا ہے کیونکہ یہ کلام مکمل قرآن مجید حفظ کر لینے کے لیے بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا'' (الاسراء:١) کیونکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو بیت المقدس میں داخل ہوئے بغیر (شبِ معراج) سیر نہیں کرائی گئی (بلکہ آپ نے بیت المقدس کے اندر داخل ہو کر تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی تھی) اور البتہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِلَى الْمَرَافِقِ'' میں دونوں امروں میں سے (یعنی کہنیوں کا دھونے کے حکم میں داخل ہونے یا اس سے خارج ہونے کے بارے میں) کسی ایک پر دلیل موجود نہیں اس لیے جمہور نے احتیاط کو لیا اور ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں کو دھونے کے حکم میں داخل فرما لیا جب کہ امام زفر اور امام داؤد نے یقین کے ساتھ کہنیوں کو دھونے کے حکم سے خارج کر لیا اور حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ اپنی دونوں کہنیوں پر بار بار پانی کو انڈیل کر بہاتے تھے[2] ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ اور تم اپنے سروں کا مسح کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سر کے ساتھ مسح کو ملا دیا جائے (یعنی دونوں ہاتھوں کو تر کر کے سر پر پھیر لیا جائے) اور اپنے سر کے بعض حصے کا مسح کرنے والا اور اپنے کل سر کا مسح کرنے والا یہ دونوں سر کے ساتھ مسح کو ملانے والے ہیں' چنانچہ امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے پورے سر کے مسح کو فرض قرار دیا اور امام شافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے یقین پر عمل کرتے ہوئے کم از کم اتنے سر کا مسح واجب قرار دیا جس پر مسح کا اطلاق کیا جا سکے (خواہ وہ تین انگلیوں کے برابر ہو) اور ہم نے حضور نبی کریم ﷺ کے بیان پر عمل کیا ہے (اور چوتھائی سر کا مسح فرض قرار دیا ہے) اور وہ یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے پیشانی کے برابر سر کا مسح فرمایا[3] اور اس کو سر کے چوتھائی کے برابر قرار دیا گیا ہے ﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو [قاری ابن عامر شامی' نافع مدنی' علی کسائی اور امام حفص نے ''وَاَرْجُلَكُمْ'' کو

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ٩ ص ١١٢

[2] رواہ الدار قطنی ج ١ ص ٨٣

[3] رواہ مسلم رقم الحدیث: ١٨-٨٣-٢٧٤

(''وُجُوْهَكُمْ'' اور ''اَيْدِيَكُمْ'' پر عطف کر کے) منصوب پڑھا ہے] اور معنی یہ ہے کہ تم اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا کرو اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو' عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے [اور مذکورہ بالا قراء کے علاوہ دیگر قراء نے اس کو ''رُءُوْسِ'' پر عطف کر کے مجرور (یعنی وَاَرْجُلِكُمْ) پڑھا ہے' بہرحال پاؤں بھی تینوں دھوئے جانے والے اعضاء میں سے ہیں اور ممسوح پر عطف پاؤں پر مسح کرنے کے لیے نہیں کیا گیا بلکہ ممسوح پر اس لیے عطف کیا گیا ہے کہ پاؤں پر پانی بہا کر دھونے میں اسراف (فضول پانی خرچ کرنے) کا گمان پیدا ہو جاتا ہے جو کہ ممنوع ہے' بہرحال اس طرح اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ پاؤں پر پانی بہا کر دھونے میں میانہ روی اختیار کرنا واجب ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''اِلَى الْكَعْبَيْنِ'' میں غایت کو بیان کر کے پاؤں پر مسح کرنے کے خیال کو باطل قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ شریعت میں مسح کرنے کے لیے غایت بیان نہیں کی جاتی [اور ''جامع العلوم'' میں فرمایا کہ یہ صرف قرب و جوار کی وجہ سے اس کو مجرور پڑھا گیا ہے] کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم رسول اعظم ﷺ نے ایک قوم کو اپنے پاؤں پر مسح کرتے دیکھا تو فرمایا: ''وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ''[1] یعنی پاؤں کے ٹخنوں کے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے اور حضرت عطاء سے مروی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ میرے علم میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی نے بھی وضو میں پاؤں پر مسح نہیں کیا اور پھر ان اعضاء کو دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ ان کو اس میل کچیل سے پاک صاف کیا جائے جو ان پر چڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر یہی اعضاء ظاہر ہوتے ہیں اور جب کہ نماز اللہ تعالیٰ کی خدمت و بندگی ہے اور اس کے سامنے میل کچیل سے پاک صاف ہو کر کھڑا ہونا تعظیم و تکریم کے زیادہ قریب ہے اور خدمت کے اعتبار سے زیادہ کامل ہے جیسا کہ گواہ کے بارے میں ہے جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑا ہونا چاہے اور اس لیے بعض اہل علم نے فرمایا کہ کہ بہتر یہی ہے کہ آدمی بہترین اور صاف ستھرے لباس میں نماز ادا کرے اور بے شک پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنا ننگے سر نماز پڑھنے سے افضل و بہتر ہے کیونکہ تعظیم و تکریم کے لیے اس عمل میں زیادہ مبالغہ ہے ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ اور اگر تم جنابت کی وجہ سے ناپاک ہو جاؤ تو نہا کر خوب پاک صاف ہو جاؤ یعنی تم اپنے جسموں کو غسل کر کے خوب پاک صاف کر لو ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ﴾ امام رازی نے کہا: ''اَوْ جَآءَ'' کا معنی ''وَجَآءَ'' ہے یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو اور تم قضائے حاجت کر کے آئے ہو (اور پانی نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لو) تا کہ بیمار اور مسافر پر بغیر حدث (بے وضو ہونے کے) تیمم لازم نہ آئے ﴿مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ اطمینان و سکون کی جگہ اور یہ قضائے حاجت سے کنایہ ہے ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہو ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ اور تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو' سو تم اس پاک مٹی سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو' اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے یعنی طہارت و پاکیزگی کے بارے میں ورنہ وہ تمہیں تیمم کی رخصت نہ دیتا ﴿وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے یعنی جب تم پانی سے پاکیزگی حاصل کرنے سے عاجز آ جاؤ تو مٹی سے پاکیزگی حاصل کر لو ﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ عزیمت کی جگہ رخصت دے کر تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دے ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تا کہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو اور وہ تمہیں اس پر ثواب عنایت فرما دے۔

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب العلم باب ٣-٣٠ 'مسلم فی کتاب الطہارۃ رقم الحدیث: ٢٥-٢٨ 'ابوداؤد فی کتاب الطہارۃ باب ٤٦ 'الترمذی فی کتاب الطہارۃ باب ٣١ 'النسائی فی کتاب الطہارۃ باب ٨٨ 'ابن ماجہ فی کتاب الطہارۃ باب ٥٥ ' الدارمی فی کتاب الوضوء باب ٥٥ 'الموطأ فی کتاب الطہارۃ رقم الحدیث: ٥ 'احمد فی مسندہ ج ٢ ص ١٩٣-٢٠١ 'ج ٣ ص ٣١٦-٣٩٠

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس کے مستحکم عہد کو جو اس نے مضبوطی کے ساتھ تم سے لیا تھا' جب تم نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت اختیار کر لی' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اے ایمان والو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ' اور کسی قوم کی عداوت تمہیں ناانصافی کرنے پر نہ ابھارے' تم انصاف کرتے رہو' یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے O

۷- ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے اسلام کی صورت میں تم پر عنایت فرمائی ﴿وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے پختہ عہد لیا تھا جب کہ تم نے کہا تھا: ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک مضبوط و مستحکم عہد لیا اور یہ وہ عہد ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں (یعنی صحابہ کرام) سے بیعت کرتے وقت لیا تھا کہ وہ خوشحالی و تنگ دستی اور دکھ سکھ ہر حال میں اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں گے اور ہر حکم سن کر اس پر عمل کریں گے' چنانچہ صحابہ کرام نے عہد قبول کر لیا اور انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایک قول کے مطابق شب عقبہ اور بیعت رضوان کا عہد مراد ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم اس عہد کے توڑنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سینے کے اندر پوشیدہ اسرار و رموز کو خوب جاننے والا ہے خواہ ان کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے ہو اور یہ (نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے بچنے پر اخروی انعامات کا) وعدہ بھی ہے اور (بُرے اعمال کرنے اور نیک اعمال نہ کرنے پر) وعید (عذاب کی دھمکی) بھی ہے۔

۸- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ﴾ اے ایمان والو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ' "بِالْقِسْطِ" کا معنی "انصاف کے ساتھ" ہے ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو ["يَجْرِمَنَّكُمْ" کو حرف استعلاء (یعنی عَلٰی) کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو متعدی ہوتا ہے] گویا کہا گیا ہے: "وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ بُغْضُ قَوْمٍ عَلٰى تَرْكِ الْعَدْلِ فِيْهِمْ" یعنی تمہیں کسی قوم کا بغض و کینہ ان میں عدل و انصاف کے ترک کرنے پر نہ ابھارے ﴿اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ تم انصاف کرو کہ یہ تقویٰ و پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے یعنی عدل و انصاف کو قائم رکھنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے بغض و عناد کے برانگیختہ کرنے پر ان کے

ساتھ عدل و انصاف نہ کرنے سے منع فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل نیا جملہ استعمال فرما کر ان کے لیے عدل و انصاف کے حکم کی شدید تاکید کے ساتھ صراحت فرمادی' پھر اللہ تعالیٰ نے عدل کرنے کے لیے امر کے طریقے پر ان کے لیے نیا جملہ ذکر فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:''ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی''اور جب اتنے زبردست طریقے پر کفار کے ساتھ عدل و انصاف کرنا واجب و لازم ہے تو مومنوں کے ساتھ عدل و انصاف قائم رکھنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ کس قدر واجب و لازم ہوگا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے' یہ وعدہ بھی ہے اور وعید بھی ہے' اس لیے اس کے بعد وعدہ کی آیت مبارکہ ذکر کی گئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ع

اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمالیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے○ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا وہی دوزخی ہیں○ ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم پر ایک قوم نے دست درازی کرنا چاہی تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا' اور تم اللہ سے ڈرتے رہو' اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا رکھیں○

٩-﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے وعدہ فرما چکا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [اور یہ فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے' پہلا مفعول''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا''ہے اور دوسرا مفعول محذوف ہے] کیونکہ اس کے ذکر سے (درج ذیل) جملے نے بے نیاز کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے اور رہی وعید کی آیت تو وہ اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے:

١٠-﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں یعنی وہ اس سے جدا نہیں ہوں گے۔

١١-﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جب ایک (دشمن) قوم نے (تمہیں قتل کرنے کا) ارادہ کر لیا تھا۔

شانِ نزول: ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو قریظہ کے ہاں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ ''شیخین''یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور''ختنین''یعنی حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ

حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے اور آپ ان سے دو مسلمانوں کے خون بہا کا قرض لینے تشریف لے گئے تھے جن کو عمرو بن اُمیہ ضمری نے مشرک خیال کرتے ہوئے غلطی سے قتل کر دیا تھا اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ اے ابوالقاسم! آپ ہمارے ہاں تشریف رکھیں تا کہ ہم آپ کی مہمان نوازی کریں اور قرض بھی ادا کر دیں' چنانچہ انہوں نے آپ کو بمع ساتھیوں کے ایک چبوترے میں بٹھایا اور انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کا منصوبہ تیار کیا اور عمرو بن جحاش نے ایک بہت بڑی چکی اٹھا کر آپ پر پھینکنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کے ہاتھوں کو روک دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر آپ کو خبر دے دی' چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی [اور ''اِذْ'' ''نعمة'' کا ظرف ہے] ﴿ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ ﴾ کہ وہ قتل کرنے کے لیے تم پر دست درازی کریں' جب کوئی شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''بَسَطَ لِسَانَهٗ اِلَیْهِ'' کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی پر زبان درازی کی اور جب کوئی شخص کسی کو مارنے کے لیے پکڑتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''بَسَطَ اِلَیْهِ یَدَهٗ'' کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی پر دست درازی کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَیَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ'' (الممتحنۃ:٢) ''ورنہ وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ دراز کریں گے'' اور ''بَسْطِ یَد'' کا معنی ہے: کسی کو پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ دراز کرنا ﴿ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کر دیا کہ وہ تمہاری طرف دست درازی کریں ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اہل ایمان صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا کرتے ہیں کیونکہ وہی سب کی کفایت فرمانے والا ہے اور وہی دافع بلا اور مصائب و آلام کا روکنے والا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا' اور ہم نے ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں' البتہ اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور تم نے میرے تمام رسولوں پر ایمان رکھا اور تم نے تعظیم کے ساتھ ان کی مدد کی اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے رہے تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہ مٹا دوں گا اور میں تمہیں ضرور ایسی بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' پھر اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کیا تو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا ○

بنی اسرائیل کے معاہدے کا بیان

۱۲-﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ﴾ اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر فرمائے' نقیب کسی قوم کے سردار اور ضامن کو کہتے ہیں جو اپنی قوم کے حالات و واقعات کی تحقیق و تفتیش اور ان کی نگرانی کرتا ہے اور جب فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل مصر میں سکونت پذیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سرزمین شام میں اریحا کے شہر کی طرف انہیں ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور وہاں کنعانی جبارین مقیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے وہاں کی سکونت و رہائش لکھ دی ہے' تم وہاں چلے جاؤ اور وہاں کے رہنے والے جبارین سے جہاد کرو' ان کی جسمانی قوت سے نہ گھبرانا' بے شک میں تمہارا مددگار ہوں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ ان کی قوم میں بارہ سردار مقرر فرمائیں جو ہر قبیلے کا الگ نگران و نمائندہ ہو گا اور ان سب کی ذمہ داری اسی کے سپرد ہو گی اور جو احکام ان پر نافذ کیے جائیں اور ان احکام پر بنی اسرائیل سے عمل کرانا ان سرداروں کی ذمہ داری ہو گی' چنانچہ آپ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان پر بارہ سردار مقرر فرمائے اور ان سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کی کفالت کا ذمہ لیا اور وہاں سے چل پڑے' جب سرزمین کنعان کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے بھیج دیا' چنانچہ انہوں نے جا کر دیکھا کہ جبارین بڑے بڑے دراز قامت جسیم و ضخیم لوگ ہیں اور بہت طاقتور ہیں' اور یہ سردار کنعانیوں کے یہ حالات دیکھ کر گھبرا گئے اور واپس آتے ہی اپنی قوم کو وہ تمام حالات بیان کر دیئے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کہا تھا کہ ان کے حالات اپنی قوم کو نہ بتانا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی' صرف دو افراد کالب بن یوفنا اور یوشع بن نون اس معاہدے پر قائم رہے اور یہ دونوں بنی اسرائیل کے سرداروں میں سے تھے ﴿ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی میں تمہارا حامی و ناصر اور معاون و مددگار ہوں [اور تم یہاں پر وقف کر کے ٹھہر جاؤ کیونکہ آگے ایسی شرط کے ساتھ آغاز کرو گے جس کے شروع میں لامِ قسم داخل ہے اور وہ یہ ہے] ﴿ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ ﴾ البتہ اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے' دراصل بنی اسرائیل پر نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض تھیں ﴿ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ﴾ اور تم میرے تمام رسولوں پر ان میں سے کسی میں تفریق کیے بغیر ایمان لے آئے ﴿ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ﴾ اور تم نے ان کی تعظیم و توقیر کی یا ان کی مدد کی' وہ اس طرح کہ تم نے ان سے ان کے دشمنوں کو دور بھگایا' دراصل لغت میں ''عـزر'' کا معنی دور کرنا ہے اور رد کرنا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''عَـزَّرْتُ فُـلَانًا'' کہ میں نے فلاں کو ادب سکھایا یعنی میں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جو اس کو قباحت سے دور کر دے گا اور اس کو قباحت سے روک دے گا' اسی طرح زجاج نے کہا ہے ﴿ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا اور قرضِ حسن یہ ہے کہ (اپنا مال رضائے الٰہی کی خاطر کسی ضرورت مند کو شہرت و ریاکاری اور) احسان جتائے بغیر دیا جائے اور ایک قول کے مطابق ہر نیکی قرضِ حسن ہے ﴿ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ میں ضرور بہ ضرور تم سے تمہاری برائیوں کو مٹا دوں گا [اور یہ لامِ قسم کا جواب ہے اور یہ جواب قسم اور شرط دونوں کا قائم مقام ہے] ﴿ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ ﴾ اور میں ضرور بہ ضرور تمہیں ایسی بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' سو اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر اختیار کیا یعنی عظیم ترین وعدے کے ساتھ متعلق تاکیدی شرط کے بعد جس نے کفر اختیار کر لیا ﴿ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ تو یقیناً وہ راہِ حق سے بھٹک گیا' ہاں! جس نے اس سے پہلے کفر اختیار کر لیا وہ بھی یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا لیکن اس کے بعد بھٹک جانا زیادہ

واضح ہے اور بہت بڑی گمراہی ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

توان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دل سخت کر دیئے' وہ کلامِ الٰہی کو اس کی اصل جگہ سے بدل دیتے' اور انہیں جس کی نصیحت کی گئی تھی وہ اس کے بڑے حصے کو بھلا بیٹھے' اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے چند لوگوں کے' سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور درگزر کیجئے' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہےO

۱۳-﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ [معاملے کی عظمت واہمیت کے پیش نظر ''مَا'' کا لفظ تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے] (ترجمہ) توان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ﴿لَعَنّٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو دھتکار دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے نکال دیا یا (یہ مطلب ہے کہ) ہم نے ان کو مسخ کر کے بندر وخنزیر بنا دیا یا (یہ مطلب ہے کہ) ہم نے ان پر جزیہ مسلط کر دیا ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور ایسا خشک کر دیا کہ ان میں نہ رحم رہا اور نہ نرمی رہی' [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''قَسِيَّةً'' ہے یعنی ردی اور کھوٹا جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے: ''دِرْهَمٌ قَسِيٌّ'' یعنی کھوٹا درہم] ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کی اصل جگہ سے بدل دیتے اور نازل کیے گئے مفہوم ومعنی کے برخلاف اپنی من مانی تفسیر بیان کرتے تھے اور یہ ان کی سخت دلی کا بیان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے اور اس کی وحی کو تبدیل کر دینے سے زیادہ قسوتِ قلبی نہیں ہو سکتی ﴿وَنَسُوْا حَظًّا﴾ اور انہوں نے اپنا بہت بڑا حصہ بھلا کر ترک کر دیا اور اپنا وافر حصہ ضائع کر دیا ﴿مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ جس کی ان کو نصیحت کی گئی' اس سے تورات مراد ہے یعنی بے شک بنی اسرائیل کا تورات شریف کو ترک کر دینا اور اس سے روگردانی کرنا بہت بڑے حصے سے غافل ہو جانا ہے یا (یہ مطلب ہے کہ) ان کے دل سخت ہو گئے اور فاسد وخراب ہو گئے جس کی وجہ سے انہوں نے تورات میں تحریف کر دی اور تورات کی بہت سی چیزیں ان کے حافظہ سے زائل ہو گئیں' چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ انسان گناہ کی نحوست سے بعض علوم بھول جاتا ہے' پھر آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی یا (یہ مطلب ہے کہ) انہوں نے اپنا وہ حصہ چھوڑ دیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ یہ کہ (حضور سرورِ کائنات' فخر موجودات حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی شان بیان کرنا ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ اور اے محمد (ﷺ)! آپ ہمیشہ ان کی خیانت سے آگاہ ہوتے رہیں گے یعنی یہ ان کی پرانی عادت ہے اور صرف انہیں کی نہیں بلکہ ان کے اکابر بھی اسی عادتِ بد پر گامزن رہے' چنانچہ وہ لوگ رسولوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے اور یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور آپ کو دھوکہ دے کر قتل کرنے کے منصوبے تیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''عَلٰى خَآئِنَةٍ''

سے مراد یا تو خیانت ودھوکہ دینا ہے یا دھوکہ دہی کا عمل مراد ہے یا دھوکہ دینے والا گروہ مراد ہے یا دھوکہ دینے والے نفوس مراد ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے: ''رَجُلٌ خَائِنَۃٌ'' دھوکہ دینے والا آدمی جیسا کہ بطور مبالغہ اہل عرب کا یہ قول ہے: ''رَجُلٌ رَاوِیَۃٌ لِلشِّعْرِ'' بہت زیادہ اشعار بیان کرنے والا آدمی ﴿ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ﴾ مگر ان میں سے کم لوگ ایسے بھی ہیں جو خیانت ودھوکہ دہی نہیں کرتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ان میں سے ایمان لا کر مسلمان ہو گئے تھے ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ ﴾ سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور ان کی مخالفت پر صبر کیجئے یا یہ کہ ان میں سے مسلمانوں کو معاف فرما دیں اور ان کی گزشتہ کوتاہیوں پر ان سے مؤاخذہ نہ کیجئے ﴿ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ اور آپ ان سے درگزر فرمائیں بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

اور جن لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نصرانی ہیں ہم نے ان سے پختہ عہد لیا' پھر وہ اس کا ایک بڑا حصہ بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی' تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت وبغض ڈال دیا' اور عنقریب اللہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے ○ اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے جو تم پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو تم کتاب میں چھپاتے تھے اور وہ بہت سی معاف کر دیتے ہیں' بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور ایک روشن کتاب ○

نصرانیوں کے معاہدے اور ہمارے رسول کی آمد کا بیان

١٤-﴿ وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ ﴾ اور جن لوگوں نے دعویٰ کیا کہ بے شک ہم نصرانی ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا اور وہ عہد اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا اور نیک اعمال کرنے کا تھا [اور اس آیت مبارکہ میں حرف ''مِنْ''، ''اَخَذْنَا'' کے متعلق ہے] یعنی ہم نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں' چنانچہ [یہاں فعل پر جار و مجرور کو مقدم ذکر کیا گیا ہے اور فعل اور واؤ کے درمیان جار و مجرور کا فاصلہ رکھا گیا ہے] اور باقی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّا نَصٰرٰی'' کی بجائے ''مِنَ النَّصَارٰی'' کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خود عیسائیوں نے اپنا یہ نام رکھا ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی تھی اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد طلب کرنے پر کہا تھا: ''نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ'' کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں' پھر نسطوریہ' یعقوبیہ

اور ملکانیہ تین فرقوں میں تقسیم ہونے کے بعد انہوں نے آپس میں اختلاف شروع کر دیا اور شیطان کے مددگار بن گئے ﴿ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا ﴾ تو انہوں نے اس کے بڑے حصے کو بھلا دیا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی' سو ہم نے (ان کے درمیان دشمنی) لازم کر دی اور ''اَغْرَیْنَا'' کا معنی ہے کہ ہم نے چمٹا دی اور لازم کر دی اور یہ ''غَرِیَ بِالشَّیْءِ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی چیز کسی کو لازم ہو اور اس کو چمٹ جائے اور اسی سے ''الغراء'' ماخوذ ہے یعنی وہ چیز جس کے ساتھ ورق یا کھال کو جوڑا جائے ﴿ بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ مختلف خواہشات کے سبب نصرانیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ کو (لازم کر دیا گیا) ﴿ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾ اور عنقریب یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ جزاء اور سزا کے ذریعے ان کو بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے۔

۱۵- ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ﴾ یہ خطاب یہود و نصاریٰ کے لیے ہے اور ''اَلْکِتَاب'' سے جنس کتاب مراد ہے (ترجمہ) اے کتاب والو! ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا ﴾ بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ تشریف لا چکے ہیں ﴿ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ جو تم پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو تم کتاب میں چھپاتے تھے جیسے رسول اللہ ﷺ کی شان اور اسی طرح سنگسار کرنے کے احکام (چھپاتے تھے اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے) ﴿ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ اور وہ بہت سی معاف فرما دیتے ہیں جن کو چھپاتے ہو اور وہ ان کو بیان نہیں فرماتے یا وہ تمہاری لغزشوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور ان پر تمہاری گرفت نہیں فرماتے (تاکہ تم شرمسار نہ ہو) ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ یہ شک اور شرک کے اندھیروں کو کھولتا اور ظاہر کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ قرآن پاک لوگوں پر حق کی مخفی باتوں کو ظاہر کرتا ہے یا اس لیے کہ اس کا معجزہ ہونا ظاہر اور واضح ہے یا یہ مطلب ہے کہ نور سے حضور سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں کیونکہ آپ کے ساتھ ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آپ کو ''سِرَاجًا مُّنِیْرًا'' (الاحزاب:۴٦) یعنی چمکتا ہوا آفتاب کہا گیا ہے۔[۱]

---

[۱] اہل حق کے نزدیک یہی تفسیر راجح اور اولیٰ ہے کیونکہ جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ نور سے حضور سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مراد ہیں اور کتاب مبین سے قرآن مجید مراد ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'' رَسُوْلٌ یَعْنِیْ مُحَمَّدًا۔ (تفسیر ابن عباس ص ۷۲ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور یعنی محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'' عَظِیْمٌ وَهُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِیُّ الْمُخْتَارُ ﷺ وَاِلَیْهِ ذَهَبَ قَتَادَةُ وَاخْتَارَهُ الزَّجَّاجُ۔

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا یعنی عظیم نور جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔ قتادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی زجاج کا مذہب ہے۔

نیز چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

وَلَا یَبْعُدُ عِنْدِیْ اَنْ یُّرَادَ بِالنُّوْرِ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ النَّبِیُّ ﷺ. (تفسیر روح المعانی الجزء السادس ص ۹۷ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ لاہور)

اور میرے نزدیک یہ بھی بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی کریم ﷺ ہوں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾

اللہ اس کے ذریعے اس کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی مرضی پر چلتا ہے اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور ان کو سیدھی راہ دکھاتا ہے O

١٦- ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یعنی قرآن مجید کے ساتھ ہدایت دیتا ہے ﴿مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ﴾ اس شخص کو جس نے اس کی مرضی کی پیروی کی یعنی جو ان (اہل کتاب) میں سے ایمان لے آیا ﴿سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پانے اور سلامتی کے طریقوں کی یا اللہ تعالیٰ کی راہوں کی سو "اَلسَّلَام" سے سلامتی مراد ہے یا اللہ تعالیٰ مراد ہے ﴿وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ اپنے ارادے اور اپنی توفیق سے ﴿وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور وہ ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

البتہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے' آپ فرما دیجئے کہ اللہ کو کون روک سکتا ہے اگر وہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے اور آسمان اور زمین اور ان کے درمیان سب اللہ ہی کی بادشاہی میں ہیں' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تفسیر جلالین میں ہے: "هُوَ نُوْرُ النَّبِيِّ ﷺ" اس سے نبی کریم ﷺ کا نور مراد ہے۔

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "تفسیر جلالین" کے حاشیہ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَسُمِّيَ نُوْرًا لِاَنَّهٗ يُنَوِّرُ الْبَصَائِرَ وَيَهْدِيْهَا لِلرَّشَادِ وَلِاَنَّهٗ اَصْلُ كُلِّ نُوْرٍ حِسِّيٍّ وَمَعْنَوِيٍّ.
(تفسیر صاوی الجزء الاول مطبوعہ مصر)

اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ لوگوں کے قلوب اور عقول کو روشن کرتے ہیں اور راہِ راست کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور اس لیے کہ آپ ہر حسی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔

مختصر یہ کہ مذکورہ بالا تفاسیر کے علاوہ درج ذیل کتب میں بھی آپ کو نور قرار دیا گیا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نصرانیوں کے شرکیہ عقیدہ کی تردید

١٧- ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیسائیوں میں صرف ایک جماعت یہ بات کہتی تھی یا اس لیے کہ ان کا مذہب اسی کی طرف جاتا ہے کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا کرتے ہیں اور زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادے کو کون روک سکتا ہے ﴿اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام جن کے معبود ہونے کا نصرانی دعویٰ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی ماں کو ہلاک کرنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے کیونکہ حضرت مسیح دوسرے بندوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے محترم بندے اور اس کی مخلوق ہیں [اور ''مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' کا ''الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ'' پر عطف کیا گیا] یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ دونوں حضرات انہی کی جنس سے ہیں اور ان دونوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ جو رحم مادر سے پیدا ہوتا ہے اس سے بشریت بھلا کب جدا ہوتی ہے اور جس شخصیت کی پیدائش پر دلائل ظاہر ہو چکے ہوں وہ رب ہونے کے کب لائق ہوتا ہے اور اگر تمام موجودات کی بقا یقینی تصور کی جائے تو بھی ذات صمدیت (ذات خدا) کی طرف کسی قسم کے نقص کو شمار نہیں کیا جا سکتا ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے یعنی وہی مرد و عورت سے اولاد پیدا کرتا ہے اور وہی بغیر مرد کے صرف عورت سے پیدا کرتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے فقط ماں سے پیدا ہوئے اور وہی بغیر عورت کے صرف مرد سے پیدا کرتا ہے جس طرح حضرت حوا' حضرت آدم علیہما السلام سے پیدا ہوئیں اور وہی بغیر مرد و عورت کے پیدا کرتا ہے جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا یا (یہ مطلب ہے کہ) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھانے کے لیے ان کے ہاتھ پر پرندے پیدا کرتا رہا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تفسیر کبیر ج ٣ ص ٣٨٤ مطبوعہ دار الفکر' بیروت ١٩٧٨ء' تفسیر خازن ج ١ ص ٤٧٧ مطبوعہ مصر' تفسیر مظہری ج ٣ ص ٦٨ مطبوعہ دہلی' تفسیر ابو سعود حاشیہ بر تفسیر کبیر ج ٣ ص ٣٨٢' تفسیر عثمانی ص ١٤٢ مطبوعہ دار التصنیف' کراچی' تفسیر المستقین ص ١٤٢ مطبوعہ حمایت اہل بیت وقف ١٠ ریلوے روڈ' لاہور' شرح اسماء الحسنیٰ ص ١٥٤ مطبوعہ ادارہ اسلامیات ١٩٠۔ انارکلی لاہور' تفسیر روح البیان پارہ ٦ ص ١٤٧ اردو مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور' الشفاء الجزء الاول ص ١٠۔١١ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ' ملتان۔
غوثوی مہاروی

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع

اور یہودیوں اور نصرانیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں' (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے انسان ہو' وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے' اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان میں' اور اس کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہےO اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لا چکے ہیں جو تمہارے لیے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں اس کے بعد کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری سنانے والا آیا اور نہ ڈر سنانے والا آیا' سو بے شک تمہارے پاس خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے والا تشریف لے آیا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہےO

۱۸- ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں یعنی ہم اس کے پیارے ہیں جس طرح بیٹا باپ کو پیارا ہوتا ہے یا (یہ مطلب ہے کہ ہم) اللہ تعالیٰ کے دو بیٹوں حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کی جماعت ہیں جیسا کہ ابوخبیب کی جماعت کو اور وہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر ہیں خبیبیون کہا گیا ہے اور جیسا کہ مسیلمہ کذاب کی جماعت کہتی تھی: ''نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ'' ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے (یعنی پیارے) ہیں یا (یہ مطلب ہے کہ) ''نَحْنُ اَبْنَآءُ رُسُلِ اللّٰهِ'' یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے بیٹے ہیں ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ﴾ یعنی (اے محبوب!) یہود و نصاریٰ سے فرمائیے کہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہو تو پھر اس نے ہفتے کے دن شکار کرنے کی پاداش میں تمہیں مسخ کر کے ذلیل بندر کیوں بنا دیا تھا اور تمہارے گمان کے مطابق آخرت میں تمہیں گنتی کے چند دن آگ کا عذاب دے گا کیا کوئی باپ بھلا اپنے بیٹے کو مسخ (شکل بگاڑنا) کرتا ہے؟ اور کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کو آگ میں ڈالتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں صرف انسان ہو یعنی تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو اس کے بیٹے نہیں ہو ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو وہ چاہتا بخش دیتا ہے یعنی کفر سے توبہ کرنے والے کو اپنے فضل و کرم سے بخش دیتا ہے ﴿وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے یعنی جو شخص کفر کی حالت میں مر جاتا ہے اس کو انصاف کے ساتھ عذاب دیتا ہے ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہیں اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی عبدیت پر تنبیہ ہے کیونکہ ملکیت اور بنوت (بیٹا ہونا) ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

۱۹- ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا﴾ اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول (سیّد عالم فخر

آدم و بنی آدم حضرت) محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں ﴿یُبَیِّنُ لَکُمْ﴾ "اَیْ اَلشَّرَائِعَ" یعنی یہ رسول کریم تمہارے لیے اسلامی احکام وقوانین بیان فرماتے ہیں' اس کو اس لیے حذف کر دیا گیا کہ یہ ظاہر ہے "اَوْ مَا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ" یا جن احکام ومسائل کو تم چھپاتے تھے ہمارے یہ رسول ان کو بیان فرماتے ہیں' اس عبارت کو اس لیے حذف کیا گیا کہ اس سے پہلے اس کا ذکر گزر چکا ہے یا بیان کی کوئی چیز مقدر ومخفی نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ سرکار اپنا بیان تمہارے لیے خرچ کرتے ہیں [اور یہ حال واقع ہو رہا ہے] یعنی دراں حالیکہ آپ اپنا بیان تمہارے سامنے پیش فرمانے والے ہیں ﴿عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ [یہ "جَآءَکُمْ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی ہمارے یہ رسول تمہارے پاس اس وقت تشریف لائے جب عرصہ دراز سے رسولوں کا آنا بند ہو چکا تھا اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد کریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان پانچ سو سال یا پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا﴾ ناپسند کرتے ہوئے تم کہیں یہ کہہ دو کہ ﴿مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ﴾ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری سنانے والا آیا اور نہ ڈر سنانے والا آیا ﴿فَقَدْ جَآءَکُمْ﴾ [یہ محذوف کے متعلق ہے] "اَیْ لَا تَعْتَذِرُوْا فَقَدْ جَآءَکُمْ" یعنی تم بہانہ نہ بناؤ' سو بے شک تمہارے پاس تشریف لائے ﴿بَشِیْرٌ﴾ مسلمانوں کو خوشخبری سنانے والے ﴿وَّنَذِیْرٌ﴾ اور کافروں کو ڈر سنانے والے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ ان کی طرف اس وقت اس رسول مکرم کو بھیجا جس وقت وحی کے آثار مٹ چکے تھے اور ان کو آپ کی اشد ضرورت تھی تا کہ وہ لوگ خوش ہو کر آپ کی طرف راغب ہوں اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین احسان شمار کریں اور اب ان پر حجت لازم ہو گئی ہے اور وہ کل قیامت کے دن یہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے کہ ان کے پاس کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا گیا جو انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتا ﴿وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' سو وہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو بہ وقتِ ضرورت بھیجنے پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اپنے اوپر کی گئی اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا' اور اس نے تمہیں وہ نعمتیں دیں جو جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیں ○ اے میری قوم! تم اس پاک سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور تم اپنے پیچھے نہ پلٹو کہ تم نقصان میں پلٹو گے ○ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بے شک اس میں ایک زبردست طاقتور قوم رہتی ہے' اور بے شک ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے

یہاں تک کہ وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں' سو اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے تو بے شک ہم وہاں چلے جائیں گے O

بنی اسرائیل کو ان پر کیے گئے انعامات الٰہیہ کی یاد دہانی کا حکم اور ان کی سرکشی پر سزا کا ذکر

۲۰-﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ ﴾ اور جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر انعام فرمائی کہ اس نے تمہاری قوم میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا فرمائے کیونکہ جتنے انبیائے کرام بنی اسرائیل میں بھیجے گئے اس قدر کسی امت میں نہیں بھیجے گئے ﴿ وَّجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ﴾ اور اس نے تمہیں بادشاہ بنا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہلاکت کے بعد اس کے ملک کا بنی اسرائیل کو مالک بنا دیا اور جبابرہ قوم کی ہلاکت کے بعد ان کے ملک کا انہی کو مالک بنا دیا اور اس لیے کہ جس طرح بنی اسرائیل میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ بہت پیدا ہوئے اسی طرح ان میں بادشاہ بھی بہت پیدا ہوئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بادشاہ وہ اشخاص ہوتے ہیں جن کی بہت بڑی کوٹھیاں ہوں اور وسیع وعریض بڑے بڑے محلات ہوں جن میں باغات لگے ہوں اور ان میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ بادشاہ وہ لوگ ہوتے جن کے خدام اور نوکر چاکر ہوں اور اس لیے کہ بنی اسرائیل قبطیوں کے غلام تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں سے ان کو آزادی عطا فرمائی' سو ان کی اس آزادی کو بادشاہت کہا گیا ہے ﴿ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ نعمتیں دیں جو جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیں جیسے دریا کا پھٹ کر راستہ دینا' دشمنوں کا ڈوب کر مر جانا' من وسلویٰ کا اترنا' بادل کا سایہ کرنا اور اسی طرح دیگر بڑے بڑے وہ امور جو تمہیں عنایت کیے گئے یا عالمین سے ان کے زمانے میں جہان والے مراد ہیں۔

۲۱-﴿ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ ﴾ اے میری قوم! تم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ یعنی پاک یا مبارک سرزمین اور اس سے بیت المقدس کی یا شام کی سرزمین مراد ہے ﴿ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے یا اس کو تمہارے لیے مقرر فرمایا ہے یا اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ (اگر تم ایمان دار و اطاعت گزار رہے تو) بے شک یہ پاک ومبارک سرزمین تمہارا مسکن ہوگی ﴿ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ ﴾ اور تم جبابرہ قوم کے خوف سے شکست کھا کر اپنے پیچھے نہ ہٹنا یا (یہ مطلب ہے کہ) تم اپنے دین سے پیچھے نہ پھر جانا ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴾ ورنہ تم نقصان اٹھا کر پلٹو گے یعنی دنیا اور آخرت کے ثواب سے محروم ہو جاؤ گے۔

۲۲-﴿ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ﴾ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! بے شک اس میں بہت بڑی طاقتور وسرکش قوم رہتی ہے [(یہ "جَبَّارٌ" کی جمع ہے اور) "جَبَّارٌ"، "فَعَّالٌ" کے وزن پر ہے اور "جَبَرَهٗ عَلَی الْاَمْرِ" سے ماخوذ ہے] جس کا معنی ہے: کسی کو کام پر مجبور کرنا اور یہ ایسا سرکش شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو مجبور کر کے من مانی کرتا ہے ﴿ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا ﴾ اور بے شک ہم ان سے لڑنے کے لیے اس بستی میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے ﴿ حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ﴾ یہاں تک وہ بغیر لڑائی کے وہاں سے نکل جائیں ﴿ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا ﴾ پھر اگر وہ لوگ وہاں سے بغیر لڑائی کے نکل گئے ﴿ فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴾ تو بے شک اس وقت ہم ان کے شہروں میں داخل ہو جائیں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ
الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

خوفِ خدا رکھنے والوں میں سے جن دو مردوں پر اللہ نے انعام فرمایا انہوں نے کہا: تم ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ' سو اگر تم ان پر داخل ہو گئے تو یقیناً تم ان پر غلبہ پا لو گے' اور اللہ ہی پر بھروسا رکھو اگر تم ایمان دار ہو O انہوں نے کہا: ہم وہاں کبھی داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں رہیں گے' سو آپ جایئے اور آپ کا رب' تو تم دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں O آپ نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا' سو تو ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے O

۲۳- ﴿ قَالَ رَجُلٰنِ ﴾ دو آدمیوں نے کہا' یعنی کالب بن یوقنا اور یوشع بن نون ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والوں اور اس سے ڈرنے والوں میں سے گویا کہا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا [اور یہ محلاً مرفوع ہے اور "رَجُلَان" کی صفت ہے] اور اسی طرح ﴿ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ﴾ ہے (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے صرف اپنا خوف انہیں عطا فرما کر ان دونوں پر انعام فرمایا ﴿ ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ﴾ یعنی تم ان پر شہر کے دروازے سے داخل ہو جاؤ ﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ﴾ تو جب تم ان پر داخل ہو گئے تو تم یقیناً غالب رہو گے یعنی وہ شکست کھا جائیں گے اور تمہیں غلبہ حاصل ہو گا' دراصل انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتانے سے معلوم کر لیا تھا ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھو اگر تم مؤمن ہو کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور توکل و بھروسا یہ ہے کہ تمام اسباب سے تعلق ختم کر لیا جائے اور مخلوقات سے وابستہ امیدیں ترک کر دی جائیں۔

۲٤- ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ ﴾ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بے شک ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے [یہ بطور تاکید مستقبل میں داخل ہونے کی نفی ہے] ﴿ اَبَدًا ﴾ [اس کا تعلق نفی مؤکد کے ساتھ ہے] اور طویل زمانہ کے معنی میں ہے ﴿ مَّا دَامُوْا فِيْهَا ﴾ جب تک وہ اس میں رہیں گے [یہ "اَبَدًا" کا بیان ہے] ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ ﴾ سو آپ اور آپ کا رب جائیں۔ کچھ علماء نے اس کو ظاہر پر محمول کیا اور کہا کہ یہ ان سے کفریہ کلمہ صادر ہوا ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ اگر انہوں نے یہ جملہ اعتقاداً کہا ہوتا اور اس کی وجہ سے کافر ہو گئے ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے ضرور جنگ کرتے اور جبارین سے جنگ کرنا ان کے ساتھ جنگ کرنے سے بہتر نہ ہوتا لیکن اس میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کا معنی ہے: (اے موسیٰ!) آپ جائیں اور آپ کا رب لڑائی میں آپ کی مدد کرے گا یا یہ کہ "رَبُّكَ"، "سَيِّدُكَ" کے معنی میں ہے یعنی آپ اپنے بزرگ و محترم بڑے بھائی حضرت ہارون کو اپنے ساتھ لے جایئے اور یہ کہ اس میں "ذهاب" کا حقیقی معنی آنا جانا نہیں ہے' یہ ایسے ہے جیسے تم کہو: "كَلَّمْتُهٗ فَذَهَبَ يُجِيْبُنِىْ" میں نے اس سے گفتگو کی تو وہ مجھے جواب دینے کا ارادہ کرنے لگا یعنی اس کا معنی ارادہ کرنا ہے گویا انہوں نے کہا: (اے موسیٰ علیہ السلام!) آپ اور آپ کا رب دونوں ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لو ﴿ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ سو تم دونوں ان سے جنگ کرو بے شک ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے

یعنی ہم یہیں ٹھہریں گے اور تمہارے دین کی مدد کے لیے ہم ان سے نہیں لڑیں گے' پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اور مخالفت کی تو

۲۵-﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ﴾ انہوں نے عرض کی: اے میرے رب! میں تیرے دین کی مدد کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا ﴿اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ﴾ [''اَخِیْ''،''نَفْسِیْ'' پر یا ''اِنَّ'' کے اسم پر معطوف ہونے کی بنا پر منصوب ہے] یعنی مگر میں صرف اپنا اختیار رکھتا ہوں اور بے شک میرا بھائی بھی صرف اپنا اختیار رکھتا ہے [یا یہ ''اِنَّ'' اور اس کے اسم پر یا پھر ''لَآ اَمْلِكُ'' میں ضمیر پر معطوف ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فصل جائز ہے یعنی میرا بھائی صرف اپنی ذات پر اختیار رکھتا ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] یعنی ''وَاَخِیْ كَذٰلِكَ'' اور میرا بھائی اسی طرح (صرف اپنی ذات پر اختیار رکھتا) ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے انتہائی حزن وغم اور رنج وشکایت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رقت قلبی کا اظہار ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جوش وولولہ پیدا ہوتا ہے اور جلد سے جلد فتح ونصرت کا نزول ہوتا ہے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مذکورہ بالا دو جوانوں پر مکمل اعتماد نہیں کیا اس لیے تو آپ نے صرف معصوم نبی کا اپنے ساتھ ذکر فرمایا یا آپ نے یہ ارادہ کیا کہ دین کے معاملے میں میری کون مدد کرے گا اور کون میرے ساتھ بھائی بندی کرے گا ﴿فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾ پس تو ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے اور یہ اس طرح کہ ہمارے لیے وہ فیصلہ فرما دے جس کے ہم مستحق ہیں اور ان کے لیے وہ فیصلہ فرما دے جس کے وہ مستحق ہیں اور یہ جملہ ان پر دعائے ضرر کے معنی میں ہے یا (یہ مطلب ہے کہ) تو ہمارے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے اور ہمیں ان سے نجات عطا فرما جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ''وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' (التحریم:١١) ''اور مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما''۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٢٨﴾

ع ٧ وقف لازم النصف

اللہ نے فرمایا: بے شک یہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام رہے گی' وہ اس میں حیران پھریں گے' سو آپ نافرمان قوم پر افسوس نہ کریں ○ اور آپ ان پر آدم کے بیٹوں کی سچی خبر پڑھ کر سنائیے' جب ان دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی' اس نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا' اس نے کہا: بے شک اللہ صرف ڈرنے والوں کی قربانی قبول کرتا ہے ○ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا کہ تو مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ میں تجھے قتل کر دوں' بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○

٢٦۔﴿ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک یہ مقدس و پاک سرزمین ان پر حرام کردی گئی ہے' وہ اس میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور یہ حرمت منع کے معنی میں ہے یعنی ان کا داخلہ اس پاک سرزمین میں ممنوع ہے' بہرحال عبادت کی حرمت مراد نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ'' (القصص:١٢) ''اور ہم نے ان پر دودھ حرام کردیا'' اور اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی ''كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدس سرزمین اس شرط پر تمہارے لیے لکھ دی ہے کہ وہاں کے باشندوں کے ساتھ تم جہاد کرو گے لیکن جب انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کردیا تو کہا گیا کہ بے شک یہ سرزمین ان پر حرام کردی ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ سرزمین ان پر حرام کردی گئی ہے ﴿ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾ چالیس سال لیکن جب چالیس سال گزر گئے تو جو ان کی قسمت میں لکھا تھا جائز ہو گیا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے وہ بقایا افراد جو اس وقت زندہ تھے ان کو لے کر (بیت المقدس) روانہ ہو گئے اور حضرت یوشع بن نون آپ کے لشکر کے آگے آگے تھے اور جاتے ہی جبابرہ سے جنگ کی اور فتح یاب ہوئے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا باقی ماندہ زندگی وہیں گزاری' پھر انتقال فرما گئے [اور ''اَرْبَعِيْنَ''، ''مُحَرَّمَةٌ'' کا ظرف (یعنی مفعول فیہ) ہے اور وقف ''سَنَةً'' پر ہوگا یا پھر یہ ﴿ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ﴾ کا ظرف ہے] یعنی یہ لوگ اس جنگل میں حیران و پریشان ہو کر چالیس سال تک بھٹکتے پھریں گے' [اس صورت میں ''عَلَيْهِمْ'' پر وقف ہوگا] اور ان کو مقام تیہ میں اس لیے روک کر رکھا گیا تھا کہ انہوں نے اس جگہ ٹھہرنا خود اختیار کیا تھا' چنانچہ باوجود بہت چلتے رہنے کے صبح کو وہیں ہوتے جہاں سے شام کو روانہ ہوتے تھے اور شام کو وہیں ہوتے جہاں سے صبح روانہ ہوتے تھے اور یہ علاقہ چھ فرسخ (اٹھارہ شرعی میل اور انگریزی ستائیس میل) پر مشتمل تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر دعائے ضرر کرنے کی وجہ سے نادم و پشیمان ہوئے تو ان سے کہا گیا: ﴿ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ سو آپ ان پر غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ فاسق و فاجر اور نافرمان قوم ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ مقام تیہ میں ان کے ساتھ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نہیں تھے کیونکہ یہ سزا تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان دونوں بھائیوں اور ان لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں حضرات بھی ان کے ساتھ تھے لیکن ان کے لیے یہ راحت و فرحت اور سلامتی تھی سزا نہ تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام مقام تیہ میں فوت ہوئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ایک سال بعد اسی مقام میں فوت ہوئے تھے اور بارہ سرداروں میں سے دس سردار یہیں مقام تیہ میں فوت ہوئے تھے سوائے کالب بن یوقنا اور یوشع بن نون کے۔

حضرت آدم کے بیٹوں کا سچا قصہ

پھر اللہ تعالیٰ نے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے حاسدوں کے سامنے وہ قصہ بیان کریں جو حسد کی وجہ سے پیش آیا تاکہ لوگ حسد کرنا چھوڑ دیں اور مسلمان ہو جائیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

٢٧۔﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ﴾ اور آپ ان اہل کتاب کو حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی (حقیقی) بیٹوں کا سچا واقعہ پڑھ کر سنایئے اور وہ حضرت ہابیل اور قابیل تھے اور یہ دو آدمی بنی اسرائیل میں سے تھے' یہ واقعہ سچ پر مبنی ہے جو گزشتہ اور پہلی کتابوں میں بیان کیے گئے کے موافق ہے یا اس کا بیان سچ اور صحت پر مبنی ہے یا (یہ مطلب ہے کہ) آپ ان کو یہ واقعہ پڑھ کر سنا دیجئے دراں حالیکہ آپ حق سچ بیان کرنے والے ہیں ﴿ اِذْ قَرَّبَا ﴾ [یہ ''نَبَاَ'' کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی ہابیل و قابیل کا یہ قصہ اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب انہوں نے قربانی پیش کی [یا یہ ''نَبَاَ'' سے بدل ہے] یعنی آپ ان کو یہ خبر پڑھ کر سنا دیجئے اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب انہوں نے قربانی پیش کی' [اس تقدیر پر مضاف محذوف ہوگا]

﴿قُرۡبَانًا﴾ قربان اس قربانی یا صدقہ کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے صدقہ پیش کیا اور اس کے ذریعے رب کا قرب حاصل کیا کیونکہ مالی قربانی سے بھی قربِ خدا حاصل ہوتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے: جب ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قربانی پیش کی اور اس کی دلیل (درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے:) ﴿فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا﴾ تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی اور وہ حضرت ھابیل تھے جن کی قربانی قبول ہوئی تھی ﴿وَلَمۡ يُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ﴾ اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی اور وہ قابیل تھے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ آپ ان میں سے ہر ایک کا نکاح دوسرے کی جڑواں بہن سے کر دیں اور قابیل کی جڑواں بہن زیادہ حسین وخوبصورت تھی اور اس کا نام اقلیما تھا' چنانچہ ان کے بھائی قابیل کو حضرت ھابیل سے حسد ہو گیا اور ان پر ناراض ہو گئے (اور بہن کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا) تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم اپنی اپنی طرف سے ایک ایک قربانی پیش کرو' چنانچہ تم میں سے جس کی قربانی قبول ہو جائے گی وہ اقلیما سے شادی کرے گا تو ھابیل کی قربانی قبول ہو گئی کیونکہ آسمانی آگ اتری اور قربانی کو کھا گئی (اسلام سے پہلے قربانی قبول ہونے کی یہی علامت تھی) اور قابیل کا حسد اور غصہ اور زیادہ ہو گیا اور اس نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دی ﴿قَالَ لَاَقۡتُلَنَّكَ﴾ یعنی قابیل نے ھابیل سے کہا کہ میں تمہیں ضرور قتل کر دوں گا ﴿قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ﴾ اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: (ترجمہ) جناب ھابیل نے قابیل سے فرمایا کہ تو مجھے کیوں قتل کرے گا؟ قابیل نے جواب دیا کہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری قربانی قبول فرمالی اور میری قربانی قبول نہیں فرمائی تو حضرت ہابیل نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خوفِ خدا رکھنے والوں کی قربانی قبول فرماتا ہے جب کہ تو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتا اور تجھے یہ سزا تیرے نفس کی وجہ سے دی گئی ہے کیونکہ تیرا نفس تقویٰ کے لباس سے خالی ہے میری وجہ سے تجھے سزا نہیں دی گئی اور حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ھابیل وفات کے وقت رو پڑے تو آپ سے کہا گیا کہ آپ کو کس چیز نے رلا دیا حالانکہ آپ تو بہت بڑے عبادت گزار ہیں' آپ نے فرمایا کہ بے شک میں اب بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن رہا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کی قربانی قبول فرماتا ہے۔

۲۸- ﴿لَئِنۡۢ بَسَطتَّ اِلَىَّ يَدَكَ لِتَقۡتُلَنِىۡ﴾ (حضرت ھابیل نے فرمایا کہ) اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر دست درازی کی ﴿مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِىَ اِلَيۡكَ لِاَقۡتُلَكَ﴾ تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی نہیں کروں گا [یاد رہے کہ قاری نافع مدنی' قاری ابوعمرو اور قاری امام حفص نے ''یَدِیَ'' (یا کو مفتوح) پڑھا ہے (جب کہ باقی قراء نے ''یا'' کو ساکن ''یَدِیْ'' پڑھا ہے)] ﴿اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ منقول ہے کہ ھابیل اپنے قاتل قابیل سے قوت و طاقت اور گرفت و پکڑ میں کئی گنا زیادہ تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے بھائی کو قتل کرنے سے پرہیز کیا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کہ کہیں جوابی کارروائی سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے کیونکہ ان کے زمانے میں اپنا دفاع جائز نہیں تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ ان کے زمانے میں بھی اپنا دفاع کرنا واجب وضروری تھا کیونکہ اپنا دفاع نہ کرنے میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور قاتل کے گناہ میں شریک ہونے کے مترادف ہے البتہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ دست درازی اور لڑنے میں پہل نہیں کروں گا جیسا کہ میرے بارے میں تمہارا ارادہ ہے اور جب قابیل نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو آپ نے بھی اپنے دفاع کا پکا ارادہ کر لیا تھا مگر قابیل نے آپ کو اچانک بے خبری میں قتل کر دیا تھا [اور اہل

حجاز اور ابوعمرو نے ''اِنِّیَ اَخَافُ'' (یا کو مفتوح) پڑھا ہے]۔

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

بے شک میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ کا بوجھ خود ہی اٹھائے تو تو دوزخیوں میں سے ہو جائے' اور ظالموں کی یہی سزا ہے O تو اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر اُبھارا تو اس کو قتل کر دیا' پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا O سو اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تا کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے' اس نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا' سو وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا O

۲۹-﴿ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ ﴾ بے شک میں چاہتا ہوں کہ جب تو مجھے قتل کر دے تو میرے قتل کے گناہ کا بوجھ اور اپنے اس گناہ کا بوجھ جس کی وجہ سے تیری قربانی قبول نہیں ہوئی اور وہ باپ کی نافرمانی اور حسد و بغض ہے تو خود اکیلا اٹھائے (یا یہ مطلب ہے کہ میرے اور اپنے گناہ کے ساتھ) تو ہی لوٹ کر جائے اور ھابیل نے یہ اس لیے چاہا تھا کہ قابیل نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر کے کفر کا ارتکاب کیا تھا یا اس لیے کہ وہ ظالم تھا اور ظالم کے لیے سزا کا چاہنا جائز ہے ﴿ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴾ سو تو دوزخیوں میں سے ہو جائے گا اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

۳۰-﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ ﴾ تو قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا' سو نفس نے اس کو وسعت و سہولت دی یہ ''طَاعَ لَهُ الْمَرْتَعُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کسی معاملے میں وسعت و سہولت اور آسانی حاصل ہو ﴿ فَقَتَلَهٗ ﴾ تو قابیل نے اپنے بھائی ھابیل کو کوہِ حرا کے پیچھے یا بصرہ میں قتل کر دیا اور اس وقت مقتول یعنی حضرت ھابیل کی عمر بیس سال تھی جب آپ شہید ہوئے ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ سو قابیل خسارہ پانے اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

۳۱-﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو اس کے سامنے زمین کریدنے لگا تا کہ اللہ تعالیٰ قابیل کو دکھائے (کہ وہ زمین میں گڑھا کھود کر بھائی کی لاش دفن کر دے) یا یہ کہ کوا زمین کھود کر قابیل کو دکھائے ﴿ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ﴾ کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے (کیونکہ مردہ بھائی کی لاش کو چھپانا سترِ عورت کی طرح واجب ہے) اور اپنے بھائی کے جسم کے اس حصے کو کیسے چھپائے جس کا ظاہر کرنا جائز نہیں۔ مروی ہے کہ بنی آدم میں حضرت ھابیل پہلے مقتول ہیں جنہیں روئے زمین پر شہید کیا گیا اور جب قابیل نے ھابیل کو قتل کر دیا تو

ان کی لاش کو میدان میں چھوڑ دیا کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس میت کو کس طرح دفن کرے اور جب اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کو درندے نہ کھا جائیں تو اس نے میت کو چرمی تھیلے میں بند کر کے اپنی پشت پر اٹھا کر ایک سال پھرتا رہا یہاں تک کہ اس میں بو پھیل گئی اور قابیل کے پاس درندے منڈلانے لگے (کہ کہیں لاش رکھے تو اسے کھا جائیں) تو اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس دو کوے بھیجے جو آپس میں لڑ پڑے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا' پھر اس نے اپنے پنجوں اور چونچ سے گڑھا کھودا اور مردہ کوے کو اس گڑھے میں ڈال دیا تو اس وقت ﴿قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ﴾ قابیل نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا[''فَاُوَارِیَ'' کا ''اَكُوْنَ'' پر عطف ہے (اس لیے دونوں کا آخر ''اَنْ'' ناصبہ کی وجہ سے منصوب ہے)]﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ﴾ پھر وہ اپنے بھائی کو قتل کر کے نادم و پشیمان ہو گیا کیونکہ کافی عرصہ تک اس کو اٹھا اٹھا کر تھک گیا اور اس کو ٹھکانے لگانے کے معاملے میں حیران و پریشان پھرتا رہا اس لیے اس کی یہ ندامت و پشیمانی توبہ کرنے والوں کی طرح نہیں تھی یا پھر ندامت و پشیمانی صرف ہم امت محمدیہ کے لیے توبہ ہے اور یہ صرف ہمارے ساتھ مخصوص ہے یا یہ کہ قابیل صرف ھابیل کی لاش اٹھانے پر نادم ہوا تھا ان کے قتل کرنے پر نادم نہیں ہوا تھا۔ مروی ہے کہ جب قابیل نے حضرت ھابیل کو قتل کیا تو اس کا سارا جسم سیاہ ہو گیا جب کہ اس سے پہلے وہ سفید رنگ تھا' پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے اس کے بھائی ھابیل کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے کیا معلوم میں کوئی ان پر نگران تو نہیں تھا' آپ نے فرمایا: بلکہ (اے گستاخ!) تو نے اس کو قتل کر دیا ہے اور اسی (گستاخی) کی وجہ سے تیرا سارا جسم سیاہ ہو گیا ہے' چنانچہ سوڈان کے باشندے انہی کی اولاد میں سے ہیں اور ایک روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے ھابیل کی شہادت پر مرثیہ اشعار کہے تھے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شعر کہنے سے معصوم ہوتے ہیں۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

معانقۃ ۵ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلے کے یا زمین میں فساد پھیلانے کے بغیر کسی آدمی کو قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا' اور جس نے کسی شخص کو ہلاکت سے بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا' اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے' پھر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زیادتیاں کرنے والے ہیں O

۳۲-﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ اس سبب سے اور اس وجہ سے اور ''ذٰلِكَ'' سے مذکورہ بالا قتل کی طرف اشارہ ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا تعلق پہلی آیت کے ساتھ ہے [اور ''ذٰلِكَ'' پر وقف ہے] یعنی قابیل' ھابیل کو قتل کرنے اور اس کی لاش کو اٹھا کر پھرتے رہنے کی وجہ سے پچھتانے والوں میں سے ہو گیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ایک الگ اور نیا

کلام ہے [اور ''نٰدِمِیْنَ'' پر وقف ہے اور اس کا تعلق ''نٰدِمِیْنَ'' سے نہیں بلکہ یہ ''کَتَبْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا اگر چہ تمام بنی آدم اس حکم میں شریک ہیں لیکن بنی اسرائیل کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ تورات شریف پہلی کتاب تھی جس میں احکام بیان کیے گئے ﴿ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ ﴾ بے شک جس شخص نے کسی جان کو قتل کر ڈالا بغیر قتل کرنے کسی جان کے [اور اس میں ضمیر شان کی ہے اور ''مَنْ'' شرطیہ ہے] ﴿ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ ﴾ [اس کا ''نَفْسٍ'' پر عطف ہے] یعنی زمین میں فساد پھیلائے بغیر اور اس سے مراد شرک ہے یا ڈاکہ زنی کرنا مراد ہے یا ہر وہ فساد مراد ہے جو قتل کو واجب کر دے ﴿ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ﴾ تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا یعنی گناہ کے اعتبار سے کیونکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ بے شک کسی جان کو قتل کرنے والے کی سزا دوزخ ہے (دوسرا یہ کہ) اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ولعنت ہے (تیسرا یہ کہ) اس کو بہت بڑا عذاب ہوگا' لہٰذا اگر وہ تمام لوگوں کو قتل کر بھی دیتا تو اس سے زیادہ عذاب نہ ہوتا ﴿ وَمَنْ اَحْیَاهَا ﴾ اور جس شخص نے اس کو زندہ رکھا یعنی اس کو ہلاکت کے بعض اسباب جیسے قتل کرنا' ڈبونا' جلانا اور دیوار کے نیچے سے اور ان کے علاوہ دیگر اسباب ہلاکت سے بچالیا ﴿ فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ﴾ تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی بخش دی اور ایک جان کے قتل کو ڈرانے دھمکانے' خوف خدا دلانے (اور قتل جیسے گھناؤنے گناہ سے بچانے) کے لیے تمام لوگوں کا قتل قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح ہلاکت وموت سے ایک جان کے بچانے کو رغبت دلانے کے لیے تمام لوگوں کو زندگی بخشنا قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب کسی جان کے قتل کے درپے ہونے والا یہ تصور کرے گا کہ اس ایک جان کا قتل تمام لوگوں کا قتل ہے تو اس پر اس کا قتل دشوار ہو جائے گا اور وہ اس کو بہت بڑا گناہ خیال کرے گا اور اس کے قتل سے باز آ جائے گا اور اسی طرح کسی کی زندگی بچانے کا ارادہ کرنے والا جب یہ تصور کرے گا کہ اس کو بچانا تمام لوگوں کو زندگی بخشنا ہے تو وہ اس کے بچانے میں پوری رغبت کے ساتھ دل چسپی لے گا ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا ﴾ اور بے شک ان کے پاس یعنی بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول تشریف لائے [قاری ابوعمرو نے ''رُسْلُنَا'' (سین کو ساکن کر کے) پڑھا ہے] ﴿ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ واضح اور روشن ترین دلائل کے ساتھ ﴿ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ پھر بے شک ان میں سے اکثر لوگ اس کے بعد کہ ہم نے ایک جان کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور ایک جان کی زندگی بچانا پوری انسانیت کی زندگی بچانا ان پر لکھ دیا ہے یا واضح اور روشن ترین دلائل کے ساتھ رسولوں کی تشریف آوری کے بعد ﴿ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴾ وہ قتل کے معاملے میں زمین پر حد سے بڑھنے والے ہیں' انہیں قتل کے بہت بڑے گناہ ہونے کی کوئی پرواہ نہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۵﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ہر ایک کو چن چن کر قتل کر دیا جائے یا ان کو سولی دیا جائے یا ان کی ایک جانب کے ہاتھ اور دوسری جانب کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا اس سرزمین سے نکال دیا جائے' یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے○ مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پالو' سو جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے○ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ○

۳۳-﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک سے جنگ کرتے ہیں یعنی جو لوگ اولیاء اللہ سے جنگ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے کسی ولی کی توہین کی تو بلاشبہ اس نے مجھے جنگ کے لیے للکارا[1] ﴿ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا ﴾ اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں [اور ''فَسَادًا''، ''مُفۡسِدِيۡنَ'' کے معنی میں (''يَسۡعَوۡنَ'' کا حال واقع ہو رہا) ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''يَسۡعَوۡنَ'' کا مفعول لہ ہو] یعنی وہ لوگ زمین میں فساد کے لیے کوشاں رہتے ہیں [اور ''جَزٰٓءُ'' الخ کی خبر ﴿ اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا ﴾ ہے اور اس کے دیگر معطوفات ہیں] اور اس کی تشدید سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا (اور کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ حقِ شرع ہے) اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر انہوں نے صرف قتل کیا ہے تو انہیں بھی صرف قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دیا جائے گا ﴿ اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا ﴾ یا انہیں سولی دیا جائے گا یعنی اگر انہوں نے قتل بھی کیے ہوں اور مال و دولت بھی لوٹی ہو دونوں کام کیے ہوں تو ان کو سولی بھی دیا جائے گا اور اس کے ساتھ قتل بھی کیا جائے گا ﴿ اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ ﴾ یا ان کے ہاتھ اور پاؤں کو کاٹ دیا جائے گا اگر انہوں نے صرف مال و دولت لوٹی ہو (اور کسی کو قتل نہ کیا ہو) ﴿ مِّنۡ خِلَافٍ ﴾ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹا جائے گا [اور یہ ''اَيۡدِيۡهِمۡ'' اور ''اَرۡجُلُهُمۡ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی ان کے ہاتھ پاؤں مختلف اطراف سے کاٹے جائیں ﴿ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ﴾ یا ان کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کر کے وہاں قید کر دیا جائے گا' یہ اس وقت ہوگا جب انہوں نے صرف ڈرایا دھمکایا ہو اس سے زیادہ کچھ نہ کیا ہو (نہ مال لوٹا ہو اور نہ کسی کو قتل کیا ہو) ﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ مذکورہ بالا مختلف سزائیں ﴿ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا ﴾ ان کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے ﴿ وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴾ اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا۔

۳۴-﴿ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ ﴾ مگر جنہوں نے سچی توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاتے تو ان سے یہ حدود (سزائیں) ختم ہو جائیں گی البتہ حقوق العباد (بندوں کے حقوق) معاف نہیں ہوں گے ﴿ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ سو تم یقین رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

وسیلہ کا ثبوت' کفر کا وبال اور چوری کا حکم

۳۵-﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تکلیف نہ دو ﴿ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ ﴾ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو (یاد رہے کہ) وسیلہ ہر اس

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الفتن' باب ١٦

چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے یعنی اطاعت وعبادت یا احسان ونیکی یا اس کے علاوہ جس چیز کے ذریعے قرب حاصل کیا جائے' پھر یہ ان اعمال کے لیے مستعار لیا گیا ہے جن کے سبب اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کی جائے جیسے نیک اعمال اختیار کرنا اور بُرے اعمال ترک کرنا[1] ﴿وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ اور تم اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح ونجات پالو۔

---

[1] یاد رہے کہ ایمان' اعمال صالحہ' فرائض کی ادائیگی' اتباع سنّت اور محرّمات ومکروہات سے بچنا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں لیکن انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین بھی وسیلہ میں شامل وداخل ہیں' چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی نے ''القول الجمیل'' میں اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد لی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا کہ ہم نے اپنے جد امجد حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کے ایک مرید سے سنا کہ ہمارے جد امجد نے واسطے مشروعیت بیعت کے اس آیت (مذکورہ بالا) سے استدلال کیا اور فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلے سے ایمان مراد لیجئے اس واسطے کہ خطاب اہل ایمان سے ہے اور عمل صالح بھی مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ تقویٰ میں داخل ہے' پس متعین ہوگیا کہ وسیلے سے مراد ارادت اور بیعت مرشد ہے۔
(ماخوذ از شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ٣٢۔ ٣٣)

شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں۔ اہل سلوک اس کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں' پس حقیقی نجات کے لیے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈ نا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرح جاری ہے اس واسطے کہ راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر اور کم یاب ہیں۔

چند سطور بعد لکھتے ہیں:

اس لیے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کا فائدہ دنیا سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔

(صراط مستقیم ص ١٠١۔ ١٠٢' مطبوعہ اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں کہ صحیح ترین تفسیر یہ ہے کہ تقویٰ سے فرائض کی ادائیگی اور ممنوعات سے پرہیز مراد ہے اور طلب وسیلہ سے عموم کے طور پر ہر وہ چیز مراد ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکے' چنانچہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے محبت کرنا' صدقات وخیرات کرنا' اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی زیارت کرنا' کثرت سے دعا کرنا' صلہ رحمی کرنا اور کثرت سے ذکر الٰہی وغیرہ کرنا یہ سب چیزیں وسیلہ میں داخل ہیں' اب معنی یہ ہوگا کہ ہر وہ چیز جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردے اسے لازمی طور پر اپنا لو اور جو چیز تمہیں اللہ تعالیٰ سے دور کردے اسے چھوڑ دو' جب تم نے یہ جان لیا'' فَمِنَ الضَّلَالِ الْبَيِّنِ وَالْخُسْرَانِ الظَّاهِرِ تَكْفِيْرُ الْمُسْلِمِيْنَ بِزِيَارَةِ اَوْلِيَآءِ اللّٰهِ زَاعِمِيْنَ اَنَّ زِيَارَتَهُمْ مِنْ عِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ كَلَّا بَلْ هِيَ مِنْ جُمْلَةِ الْمَحَبَّةِ فِي اللّٰهِ الَّتِيْ قَالَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا مَحَبَّةَ لَهٗ وَالْوَسِيْلَةِ لَهُ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ فِيْهَا وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ. تو اولیاء اللہ کی زیارت کرنے والے مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانا کھلم کھلا گمراہی اور واضح طور پر ہلاکت وبربادی ہے محض یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان کی زیارت غیر اللہ کی عبادت ہے' ایسا ہر گز نہیں بلکہ ان کی زیارت اللہ تعالیٰ کی محبت میں سے ہے' جس کے بارے میں رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں وہ ایمان دار نہیں''، نیز ان کی زیارت اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس کی بارگاہِ اقدس میں رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو''۔ (تفسیر صاوی حاشیہ علی تفسیر الجلالین الجزء الاول ص ٢٦٥ مطبوعہ مصر)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾

بے شک جنہوں نے کفر کیا اگر ان کی ملکیت میں تمام روئے زمین کی چیزیں آ جائیں اور اس کے برابر اور بھی ہوتا کہ وہ لوگ قیامت کے دن عذاب سے نجات پانے کے لیے ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں تو ان سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O وہ دوزخ کی آگ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے' اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے O اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو' یہ ان کے کیے کا بدلا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے' اور اللہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O پھر جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے O

۳۶- ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کا سامان ہو یعنی تمام اقسام کا مال ہو ﴿وَمِثْلَهُ مَعَهُ﴾ اور اس کے برابر ان کو اور مال بھی مل جائے اور وہ لوگ ان تمام اموال کو خرچ کر دیں ﴿لِيَفْتَدُوا بِهِ﴾ تا کہ وہ لوگ ان تمام اموال کو اپنی جانیں چھڑانے کے فدیہ (معاوضہ) میں ادا کر دیں [اور حرف ''لَوْ''، ''مَا'' کے ساتھ مل کر ''اَنَّ'' کی خبر ہے اور ''لِيَفْتَدُوْا بِهٖ'' میں واحد ضمیر لوٹائی گئی ہے حالانکہ مرجع میں دو چیزوں کا ذکر ہے کیونکہ اس ضمیر کو اسم اشارہ کے قائم مقام کیا گیا ہے] گویا کہا گیا ہے: ''لِيَفْتَدُوْا بِذٰلِكَ'' تا کہ وہ ان کے ساتھ فدیہ ادا کریں ﴿مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ روزِ قیامت کے عذاب سے (نجات پانے کے لیے زمین بھر تمام اقسام کے اموال فدیہ میں دے دیں تو) وہ تمام ان کی نجات پانے کی راہ نہیں۔

۳۷- ﴿يُرِيدُونَ﴾ وہ کفار چاہیں گے یا آرزو کریں گے ﴿أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ یہ کہ وہ دوزخ کی آگ سے نکل جائیں لیکن وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

۳۸- ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ﴾ [یہ دونوں کلمے مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہیں اور ان کی خبر محذوف ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَفِيْمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ'' اور تم پر جو احکام تلاوت کیے جاتے ہیں ان میں ایک حکم یہ ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت (کے ہاتھ کاٹ دو) [یا پھر ﴿فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ خبر ہے] یعنی تم ان کے ہاتھ کاٹ دو اور دونوں کے دائیں ہاتھ مراد ہیں' اس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت

ہے [اور خبر پر ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ مبتدا شرط کے معنی پر مشتمل ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے تم ان دونوں کے (دائیں) ہاتھ کاٹ دو [اور اسم موصول شرط کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے] اور یہاں چوری کے ذکر میں مرد سے آغاز کیا گیا ہے کیونکہ چوری بڑی جرأت و بہادری سے ہوتی ہے اور جرأت و بہادری مرد میں زیادہ ہوتی ہے اور زنا کے ذکر میں زانیہ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے زانی کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے کیونکہ زنا شہوت سے پیدا ہوتا ہے اور شہوت عورت میں زیادہ ہوتی ہے اور چوری میں ہاتھ اس لیے کاٹا جاتا ہے کہ یہ چوری کا آلہ ہے اور زنا میں زنا کے آلہ کو نسل کی بقا کی خاطر نہیں کاٹا جاتا ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (یہ ہاتھ کاٹنا) اس جرم کی سزا ہے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا [اور ''جزآء'' مفعول لہ ہے] ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے (اور لوگوں کے لیے عبرت ہے) [''نکالا'' ''جزآء'' سے بدل ہے] ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے' اس کے حکم میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ﴿حَكِيْمٌ﴾ بڑی حکمت والا ہے' اس نے چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم حکمت و مصلحت کے مطابق دیا ہے۔

۳۹۔ ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ﴾ سو چوری کرنے والوں میں سے جس نے ظلم کرنے یعنی چوری کرنے کے بعد بھی توبہ کر لی ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور چوری کیا ہوا سامان واپس کر کے اپنی اصلاح کر لی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے اس لیے وہ اس کے گناہ بخش دے گا اور بہت رحم فرمانے والا ہے' اس لیے وہ اس پر رحم فرمائے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے' وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○

۴۰۔ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ اے محمد (ﷺ)! کیا آپ کو معلوم نہیں یا یہ کہ اے مخاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں ﴿اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے یعنی جو کفر پر مرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا ﴿وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کی بخشش فرما دیتا ہے یعنی جو شخص کفر سے توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر اور مغفرت و بخشش کرنے پر نیز ان کے علاوہ بھی ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں اس آیت میں عذاب کو مغفرت سے پہلے ذکر فرمایا ہے کیونکہ توبہ سے پہلے چوری کا ذکر کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

اے رسول! آپ ان لوگوں کی وجہ سے غمگین نہ ہوں جو کفر میں جلد بازی کرتے ہیں' ان میں سے بعض نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ ان کے دل مؤمن نہیں ہیں' اور کچھ یہودی ہیں' جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں دوسرے لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں پہنچے' وہ اللہ کے کلام کو اس کی اصل جگہوں سے بدل دیتے ہیں' کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو لے لو اور اگر نہ دیا جائے تو اس سے بچو' اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنا چاہے تو آپ اللہ کے مقابلہ میں اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتے' یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا' اور دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے' اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

منافقین اور یہود کی مذمت

٤١- ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ﴾ اے رسول! آپ ان لوگوں کی وجہ سے غمگین نہ ہو جائیں جو کفر کی طرف دوڑے جا رہے ہیں یعنی آپ رنجیدہ نہ ہوں اور منافقین کے کفر میں عجلت کرنے پر آپ ان کی پرواہ نہ کریں یعنی کفر کے اظہار کرنے میں کیونکہ اسلام کے خلاف سازشیں تیار کرنے اور مشرکوں سے دوستی کرنے کی وجہ سے ان سے کفر کا اظہار ہو جاتا تھا اس لیے کہ میں ان کے مقابلے میں آپ کی مدد کروں گا اور ان کی شرارتوں سے بچانے کے لیے میں آپ کے لیے کافی ہوں' کہا جاتا ہے: ''اَسْرَعَ فِيْهِ الشَّيْبُ'' یعنی فلاں شخص میں بڑھاپا جلدی سرایت کر گیا ہے' پس اسی طرح منافقین کا کفر میں جلد بازی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کفر بہت جلد سرایت کر گیا ہے کیونکہ وہ جب بھی کوئی موقع پاتے تو کفر سے نہ چوکتے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا﴾ [یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اَلَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ'' کا بیان ہے] ﴿اٰمَنَّا﴾ [یہ ''قَالُوْٓا'' کا مفعول ہے] ﴿بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ [یہ ''قَالُوْٓا'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی جنہوں نے صرف زبان سے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ﴿وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان کے دل ایمان نہیں لائے [اور یہ حال کی بنا پر محلاً منصوب ہے] ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ [یہ ''مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا'' پر معطوف ہے] یعنی منافقین اور یہود میں سے کچھ لوگ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ جھوٹ بہت زیادہ سنتے ہیں [اور یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے دراصل ''هُمْ سَمَّاعُوْنَ'' ہے اور یہ ضمیر دونوں فریقوں (منافقین و یہود) کی طرف لوٹتی ہے یا پھر ''سَمَّاعُوْنَ لِلْكَذِبِ'' مبتدا ہے اور ''مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا'' خبر ہے اور اس صورت میں ''قُلُوْبُهُمْ'' پر وقف کیا جائے گا اور پہلی صورت میں ''هَادُوْا'' پر وقف ہوگا] ''سَمَّاعُوْنَ'' ''لِلْكَذِبِ'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی باتیں بہت غور سے سنتے ہیں تا کہ آپ پر اس طرح جھوٹے

الزام لگائیں کہ آپ سے سنے ہوئے کلام کو گھٹا بڑھا کر اور تغیر و تبدل کر کے اس کو مسخ کر دیں (پھر لوگوں سے کہتے پھریں: یہ سب کچھ آپ نے کہا ہے) ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ﴾ یعنی یہ لوگ یہود کی دوسری قوم کے لیے جو آپ کے پاس حاضر نہیں ہوئی آپ کی باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں تاکہ آپ سے جو کچھ انہوں نے سنا وہ ان تک پہنچا دیں ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ یہ لوگ کلمات الٰہیہ کو ان کی اپنی جگہوں سے تبدیل کر دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے کلمات کو جن مقامات میں مقرر فرمایا ہے ان کو یہ لوگ تبدیل کر دیتے ہیں اور انہیں اصلی مقامات سے پھیر دیتے ہیں اور کبھی مقرر مقام میں سیٹ ہونے کے بعد ان کلمات کو بغیر کسی مناسب مقام میں سیٹ کیے مہمل چھوڑ دیتے ہیں' [اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لَمْ یَاْتُوْكَ'' کی طرح ''یُحَرِّفُوْنَ'' بھی قوم کی صفت ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی دراصل ''هُمْ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ'' تھا ''مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ'' کی ضمیر ''اَلْكَلِمَ'' کی طرف لوٹتی ہے (چونکہ ''اَلْكَلِمَ'' جمع نہیں اسم جنس ہے اس لیے ''مَوَاضِعِهٖ'' میں واحد کی ضمیر راجع کی گئی ہے)] ﴿یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ﴾ وہ (اپنی قوم سے) کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ تحریف شدہ اور اپنی جگہ سے تبدیل کردہ بناوٹی کلام دیا جائے تو اسے لے لو اور یقین رکھو کہ یہی حق ہے اور اس پر عمل کرو' [اور ''یَقُوْلُوْنَ'' بھی ''یُحَرِّفُوْنَ'' کی طرح ''لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ'' کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''یُحَرِّفُوْنَ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہو] ﴿وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ﴾ اور اگر تمہیں وہ کلام نہ دیا جائے اور (سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس (تحریف شدہ کلام) کے خلاف تمہیں فتویٰ دے دیں ﴿فَاحْذَرُوْا﴾ تو اس سے بچو اور (سمجھو کہ) یہ باطل ہے۔ مروی ہے کہ ایک اونچے خاندان کے مرد نے اونچے خاندان کی عورت سے زنا کر لیا اور یہ واقعہ خیبر میں پیش آیا اور یہ دونوں مرد و زن شادی شدہ تھے اور تورات شریف میں ان کی سزا سنگسار کرنا لکھی تھی مگر وہاں کے باشندوں نے ان کو سنگسار کرنا ناپسند کیا کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے' چنانچہ انہوں نے اپنی طرف سے ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ یہ وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق حکم دریافت کرے اور انہوں نے اپنے وفد سے کہا کہ اگر رسول اکرم تمہیں کوڑے مارنے اور منہ سیاہ کرنے کا حکم دیں تو تم قبول کر لینا اور اگر سنگسار کرنے کا حکم دیں تو اسے قبول نہ کرنا (پھر جب حضور سے حکم دریافت کیا گیا) تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس حکم کو لینے سے انکار کر دیا ﴿وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کی گمراہی چاہتا ہے اور یہ آیت مبارکہ ان لوگوں پر حجت ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کو چاہتا ہے اور کفر کو نہیں چاہتا ﴿فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا﴾ تو آپ کو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ اختیار نہیں (حضور سیّد عالم حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ایمان لانے کی جو امید تھی وہ اس آیت سے ختم کر دی گئی ﴿اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ یہی وہ بدبخت لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے پاک کرنا نہیں چاہا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ انہوں نے کفر کو پسند کر لیا ہے اور آیت کا یہ حصہ بھی ان پر حجت ہے ﴿لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ﴾ منافقوں کے لیے دنیا کی رسوائی اور یہودیوں کے لیے ذلت ہے ﴿وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے یعنی دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْــٴًـاؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

جھوٹی باتیں بہت زیادہ سننے والے ہیں بہت زیادہ حرام خور ہیں' پھر اگر یہ لوگ آپ کے پاس حاضر ہوں تو آپ چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں یا ان سے روگردانی فرمالیں' اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں گے تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے' اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۝ اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے' پھر وہ لوگ اس کے باوجود منہ پھیر لیتے ہیں' اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۝

٤٢- ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ﴾ وہ جھوٹ کو بہت زیادہ سنتے ہیں [اس کو تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے' دراصل ''هُمْ سَمَّاعُوْنَ'' ہے] اور اسی طرح ﴿ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ﴾ ہے' وہ بہت بڑے حرام خور ہیں اور ہر وہ چیز جس کا کمانا حلال نہ ہو ''سحت'' ہے اور یہ ''سحته'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سمیت اکھیڑ دینا کیونکہ حرام بھی برکت سے خالی ہوتا ہے (گویا برکت کو حرام سے جڑ سمیت اکھیڑ دیا گیا ہے) اور حدیث میں اس سے مراد فیصلہ جات میں رشوت لینا ہے[1] اور یہود بھی مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت اور حرام کو حلال ثابت کرتے وقت رشوت لیتے تھے [اور قاری ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور علی کسائی نے سین کے ساتھ ''حا'' کو مضموم (اَلسُّحُتِ) پڑھا ہے] ﴿ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ پھر اگر یہود آپ کے پاس کوئی مقدمہ وغیرہ لے کر حاضر ہوں تو چاہیں آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے روگردانی فرمالیں (وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) بعض مفسرین نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جب اہل کتاب آپ کے پاس کوئی مقدمہ وغیرہ لے کر آئیں آپ چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ نہ فرمائیں اور بعض نے کہا کہ (مندرجہ ذیل) ارشاد سے یہ اختیار منسوخ ہو گیا ہے: ''وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' (المائدہ:٤٩) اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ﴿ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ﴾ اور اگر آپ ان سے روگردانی فرمالیں تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور نہ وہ آپ کو نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا ﴿ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو آپ ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

٤٣- ﴿ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ﴾ اور وہ آپ سے فیصلہ کیوں کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' ان پر تعجب کا اظہار ہے کہ وہ آپ سے فیصلہ کرانے کیوں آتے ہیں حالانکہ وہ نہ آپ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ آپ کی کتاب پر اس کے باوجود کہ ان کی اپنی کتاب تورات میں واضح طور پر حکم موجود ہے جس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں [اور ''التوراة'' مبتدا ہے اور ''عِنْدَهُمْ'' اس کی خبر ہے اور ''فِيْهَا حُكْمُ

[1] ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ج ٣ ص ٨١

اللّٰہِ" "اَلتَّوْرٰةُ" سے حال واقع ہو رہا ہے]﴿ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾[یہ "يُحَكِّمُوْنَكَ" پر معطوف ہے]یعنی پھر وہ آپ سے فیصلہ کرانے کے بعد آپ کے فیصلے سے پھر جاتے ہیں حالانکہ آپ کا فیصلہ ان کی اپنی کتاب تورات کے موافق ہوتا ہے کیونکہ وہ اس پر راضی نہیں ہیں ﴿ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور وہ آپ پر ایمان لانے والے نہیں یا وہ اپنی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے جیسا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾

بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں سراسر ہدایت اور نور ہے' اللہ کے فرماں بردار پیغمبر اسی کے مطابق یہود کے فیصلے کرتے اور اللہ والے اور علماء' اس لیے کہ ان سے کتابِ الٰہی کی حفاظت کے لیے عہد لیا گیا اور وہ اس پر گواہ تھے' سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرتے رہو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لو' اور اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کے مطابق جو لوگ فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں O

تورات کی اہمیت اور اس کے بعض احکام کا تذکرہ

٤٤-﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى ﴾ بے شک ہم نے تورات نازل کی ہے جس میں سراسر ہدایت ہے' یہ کتاب حق کا راستہ دکھاتی ہے ﴿ وَّنُوْرٌ ﴾ اور اس میں نور ہے جو ان پر احکام کے وہ امور ظاہر کرتا ہے جو ان سے پوشیدہ ہوتے ہیں ﴿ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ﴾ انبیائے کرام اس کے موافق فیصلہ کرتے رہے جو تورات میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رہے اور یہ صفت ہے جو انبیائے کرام کے لیے بطور مدح بیان کی گئی ہے اور اس کو بیان کرنے کا مقصد یہودیوں پر طعن کرنا ہے کیونکہ یہ لوگ ملت اسلام سے بہت دور ہیں حالانکہ یہی تمام انبیائے کرام کا دین ہے ﴿ لِلَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ یہودیوں کے لیے جنہوں نے کفر سے توبہ کر لی تھی [اور لام "يَحْكُمُ" کے ساتھ متعلق ہے] ﴿ وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ ﴾ [دونوں "اَلنَّبِيُّوْنَ" پر معطوف ہیں] یعنی مشائخ و علماء (بھی تورات کے مطابق فیصلہ کرتے رہے) ﴿ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ اس سبب سے کہ ان سے کتاب الٰہی کی حفاظت طلب کی گئی اور کتاب الٰہی (یعنی تورات) ان کے پاس بطور امانت رکھی گئی [بعض مفسرین نے فرمایا: "بِمَا اسْتُحْفِظُوْا" بدل ہے "يَحْكُمُ بِهَا" میں "بِهَا" سے اور اس میں "هُمْ" ضمیر انبیاء' ربانیین اور احبار سب کی طرف لوٹتی ہے] اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کی طلب یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب کی حفاظت کا مکلّف بنا دیا [یا اس کی ضمیر صرف "ربانیون" اور "احبار" کی طرف لوٹتی ہے] اور انبیائے کرام نے ان سے کتاب کی حفاظت کا مطالبہ کیا تھا [اور "مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ" میں حرف "مِنْ" بیان کے لیے ہے] ﴿ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ﴾

اور وہ اس پر گواہ تھے اور اس کی پوری طرح نگرانی کرتے تا کہ اس کو تبدیل نہ کیا جا سکے ﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ ﴾ سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور اس میں حکام کو فیصلہ جات میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لوگوں سے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے سے منع کیا گیا ہے اور کسی ظالم بادشاہ کے خوف سے یا کسی کے اذیت دینے کے ڈر سے عدل وانصاف کے احکام کے برخلاف مقدمات کے فیصلے جاری کرنے سے منع کیا گیا ہے ﴿ وَاخْشَوْنِ ﴾ اور میرے حکم کی خلاف ورزی میں صرف مجھ ہی سے ڈرو [اور وقف اور وصل دونوں حالتوں میں سہل کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "وَاخْشَوْنِیْ" ہے اور وصل کی حالت میں قاری ابو عمرو بصری نے قاری سہل کی موافقت کی ہے] ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ﴾ اور تم میری آیتوں کو فروخت نہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے احکام کو تبدیل نہ کرو ﴿ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ تھوڑی سی قیمت وصول کر کے' اور اس سے لوگوں کی خوشنودی' مال و جاہ اور رشوت کے طمع میں احکام الٰہی کی تبدیلی کی ممانعت مراد ہے ﴿ وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو خفیف و ہلکا سمجھ کر (یا ان کا انکار کر کے) ان کے مطابق فیصلے نہیں کرتے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ سو وہی لوگ کافر ہیں' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص احکام الٰہی کا انکار کر کے ان کے موافق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر انکار تو نہیں کرتا مگر قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ شخص فاسق و فاجر اور ظالم ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ برائی یہود وغیرہ میں عام ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾

اور ہم نے تورات میں ان پر فرض کر دیا کہ جان کے بدلے جان' اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت' اور زخموں میں بدلا ہے' پھر جو شخص خوشی سے معاف کر دے تو وہ اس (کے گزشتہ گناہوں) کا کفارہ ہے' اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ ظالم ہیں O

٤٥- ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ ﴾ اور ہم نے یہود پر تورات میں فرض کر دیا کہ ﴿ اَنَّ النَّفْسَ ﴾ بے شک (قاتل) جان ماخوذ و گرفتار ہوگی ﴿ بِالنَّفْسِ ﴾ مقتول جان کے بدلے میں جب کہ اس نے اسے ناحق قتل کر دیا ہو ﴿ وَالْعَيْنَ ﴾ اور آنکھ پھوڑ دی جائے گی ﴿ بِالْعَيْنِ ﴾ آنکھ کے بدلے میں ﴿ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ ﴾ اور ناک کے بدلے ناک کاٹ دی جائے گی ﴿ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ ﴾ اور کان کے بدلے میں کان کاٹ دیا جائے گا ﴿ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ﴾ اور دانت کے بدلے میں دانت نکالا جائے گا ﴿ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ﴾ اور زخموں میں بدلا ہے یعنی زخم بھی صاحب قصاص ہیں (جن میں مساوات لازم ہے) اور اس کا معنی ہے: جن زخموں میں قصاص ممکن ہے (ان میں مساوی بدلا لازمی ہے) ورنہ عادل و منصف حاکم کا فیصلہ کافی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ عورت کے بدلے میں مرد کو قتل نہیں کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ" اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی (غیر مسلم شہری)

کے بدلے میں مسلمان کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کیا جائے گا [قاری نافع مدنی' عاصم اور حمزہ کی قراءت میں تمام معطوفات منصوب ہیں کیونکہ ان کو ''اَنَّ'' کے معمول (یعنی ''اَنَّ'' کے اسم) پر معطوف کیا گیا ہے جب کہ قاری علی کسائی کی قراءت میں ان کو ''اَنَّ'' کے محل پر معطوف کر کے مرفوع پڑھا گیا ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان پر فرض کر دیا ہے کہ جان کے بدلے جان ہے اور اس میں ''کَتَبْنَا'' کو ''قُلْنَا'' کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور باقی تمام قرّاء نے سب معطوفات کو منصوب پڑھا ہے اور انہوں نے ''اَلْجُرُوْحَ'' کو مرفوع پڑھا ہے اور ''اَلْاُذُن'' میں ذال کو ساکن پڑھا گیا ہے۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں اسی طرح ہے اور باقی قراء نے ذال کو بھی مضموم پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جس طرح ''اَلسُّحْت'' (''حا'' ساکن کے ساتھ) اور ''اَلسُّحُت'' (''حا'' مرفوع کے ساتھ) ہے] ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ﴾ سو اصحابِ حق میں سے جو صاحبِ حق قصاص کا صدقہ کر دے کہ قصاص نہ لے اور مجرم کو معاف کر دے ﴿فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ تو یہ صدقہ معاف کرنے والے کے لیے اس کے احسان کرنے کی وجہ سے کفارہ ہو جائے گا' حضور سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے خون وغیرہ معاف کر دیا تو یہ معاف کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا کہ گویا اس کی ماں نے اسے آج جنم دیا ہے۔[1] ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ اس سے رک کر ظالم ہو گئے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے ان نبیوں کے بعد ان کے نشانِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو اس سے پہلے تھی' اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے' اور وہ تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھی اور پرہیزگاروں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی O اور انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے' اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ لوگ نافرمان ہیں O

٤٦- ﴿وَقَفَّيْنَا﴾ اور ہم نے پیچھے بھیجا ''قَفَّيْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ'' کا معنی ہے کہ میں نے فلاں چیز کو فلاں چیز کے نشانِ قدم پر لگا دیا گویا اس کے پیچھے بھیج دیا گیا کیونکہ ''قَفَاهُ يَقْفُوْهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو کسی کے پیچھے بھیج دیا جائے ﴿عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار نبیوں کے قدم ہائے مبارکہ کے نشانات پر ﴿بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ عیسیٰ بن مریم کو جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے

[1] ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ج ۳ ص ۹۲

(یعنی ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر بھیجا جو تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو اس سے پہلے تھی)[''مُصَدِّقًا'' ''عِیْسٰی'' سے حال واقع ہو رہا ہے]﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تورات کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھی[یعنی دراصل '' وَاٰتَیْنَاہُ الْاِنْجِیْلَ ثَابِتًا فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا '' ہے اور '' مُصَدِّقًا '' کو '' ثَابِتًا '' پر معطوف کر کے منصوب کیا گیا ہے اور '' فِیْهِ '' '' ثَابِتًا '' کے متعلق ہے اور اس کو حذف کر کے '' فِیْهِ '' کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے اور '' هُدًی وَّنُوْرٌ '' اس '' ثَابِتًا '' کے ساتھ مرفوع ہیں جس کا قائم مقام '' فِیْهِ '' ہے]﴿ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً ﴾ اور (وہ پرہیز گاروں کے لیے) ہدایت ہے اور نصیحت ہے [اور یہ دونوں کلمے حال کی بنا پر منصوب ہیں یعنی '' هَادِیًا وَّوَاعِظًا '' کے معنی میں ہے]﴿ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ پرہیز گاروں کے لیے کیونکہ وہی لوگ ہدایت و نصیحت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

٤٧- ﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ﴾ اور انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ ان احکام کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں نازل کیے ہیں اور ہم نے ان سے فرمایا کہ تم اس کتاب کے اوامر کے موافق فیصلہ کیا کرو [سو '' وَلْیَحْکُمْ '' میں لام امر کا ہے اور اصل میں یہ مکسور ہوتا ہے اور اس لام کو ساکن اس لیے کیا گیا ہے کہ فتحہ اور کسرہ اس کے مقابلے میں ثقیل اور بھاری ہوتے ہیں اور فتحہ اگر چہ اخف الحرکات ہے لیکن سکوت کے مقابلے میں ثقیل ہوتا ہے اور قاری حمزہ کی قراءت میں '' وَلِیَحْکُمَ '' لام مکسور اور میم مفتوح کے ساتھ ہے کیونکہ ان کے نزدیک لام امر کا نہیں بلکہ '' لامِ کَیْ '' ہے] یعنی اور ہم نے بھیجا ہے تاکہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کو دی گئی تعلیمات کے موافق فیصلے کریں ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ اور جو لوگ ان احکام کے موافق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے تو وہ لوگ فاسق و نافرمان ہیں اور اطاعت وفرماں برداری سے خارج ہیں۔ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بھی جائز ہے کہ تینوں آیات کو کفر پر محمول کیا جائے' سو اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والا کافر و ظالم اور فاسق ہوتا ہے کیونکہ مطلق فاسق اور مطلق ظالم ہی کافر ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ کفر کرتا ہے اور وہ اپنے فیصلے میں ظلم کرتا ہے اور وہ اپنے فعل میں فسق و نافرمانی کرتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾

اور اے محبوب! ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے سو آپ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے

اس سے روگردانی کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے' اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہِ عمل مقرر فرما دی ہے' اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اللہ نے جو کچھ عنایت کیا ہے اس میں تمہیں آزماتا ہے تو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو' تم سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم جھگڑتے تھے O

حضور کو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کی تاکید

٤٨- ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ﴾ اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا ہے [سو "اَلْکِتَابَ" میں لام تعریف عہدِ خارجی کے لیے ہے] ﴿بِالۡحَقِّ﴾ حق کے سبب اور اس کو ثابت کرنے کے سبب اور غلطی سے پاک سیدھی راہ واضح کرنے کی وجہ سے ﴿مُصَدِّقًا﴾ یہ تصدیق کرنے والی ہے [اور یہ "اَلْکِتَابَ" سے حال ہے] ﴿لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ﴾ ان آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور بے شک کسی چیز کے ماقبل اور آگے کو "بَیْنَ یَدَیْہِ" اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کے بعد اور پیچھے کو "ورآء" اور "خلف" کہا جاتا ہے' لہٰذا جو کسی چیز سے مقدم اور پہلے ہوگی اسے "قُدَامُہٗ" اور "بَیْنَ یَدَیْہِ" کہا جائے گا ﴿مِنَ الۡکِتٰبِ﴾ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف نازل کردہ کتب کی جنس مراد ہے کیونکہ قرآن مجید یقیناً تمام کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے والا ہے' لہٰذا اس میں حرف تعریف جنس کے لیے ہے اور دیگر آسمانی کتب کی تصدیق کا معنی یہ ہے کہ توحید اور عبادت وغیرہ کے متعلق قرآن مجید کی تعلیمات اس سے پہلی آسمانی کتب کی تعلیمات کے موافق ہیں (جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:) "وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ" (الانبیاء:٢٥) "اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' سو تم صرف میری عبادت کرو' ﴿وَمُہَیۡمِنًا عَلَیۡہِ﴾ اور یہ قرآن مجید ان کتابوں کا گواہ ہے کیونکہ یہ ان کی صحت وصدق اور اثبات کی گواہی دیتا ہے ﴿فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾ سو آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کیجئے ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ﴾ اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے' اس آیت مبارکہ میں آپ کو محض اہل کتاب کی باتوں پر اعتماد کر کے ان کے تحریف کردہ اور تبدیل کردہ احکام کے ساتھ فیصلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے [اور "وَلَا تَتَّبِعْ" انحراف واعراض کے معنی پر مشتمل ہے اس لیے اس کو "عَنْ" کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] تو گویا کہا گیا کہ آپ اہل کتاب کی خواہشات کی پیروی میں حق سے کسی صورت میں انحراف وروگردانی نہ کیجئے یا تقدیر عبارت "عَادِلًا عَمَّا جَآءَکَ" ہے یعنی آپ کے پاس جو حق آچکا ہے اس سے کبھی انحراف وروگردانی نہ کیجئے ﴿لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّمِنۡہَاجًا﴾ یعنی اے لوگو! ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک واضح راستہ مقرر کر دیا ہے اور جن لوگوں نے کہا: ہم سے پہلے کی شریعت ہم پر لازم نہیں' انہوں نے اسی آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا' پھر حضور سیّد عالم محمد کریم ﷺ پر قرآن مجید کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ صرف سن لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے مطابق فیصلہ کرنا بھی ضروری ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت مبارکہ میں فرمایا: "یَحۡکُمُ بِہَا النَّبِیُّوۡنَ" کہ پیغمبرانِ خدا اس (تورات) کے مطابق فیصلہ کرتے رہے اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: "وَلۡیَحۡکُمۡ اَہۡلُ الۡاِنۡجِیۡلِ" کہ انجیل والے (عیسائی)

انجیل کے مطابق فیصلہ کیا کریں اور تیسری آیت مبارکہ میں فرمایا: "فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ" کہ اے محبوب! آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کے مطابق فیصلہ کیا کریں ﴿وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو البتہ تمہیں ایک امت بنا دیتا یعنی تمہیں ایک ایسی جماعت بنا دیتا کہ تم سب ایک ہی شریعت پر متفق ہوتے ﴿وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہیں آزمائے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو امتحان لینے والا ممتحن امتحان دینے والے کے ساتھ کرتا ہے ﴿فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مختلف شریعتیں عنایت فرمائی ہیں ان میں تمہیں آزمائے تاکہ ہر امت اپنی اس شریعت کے مطابق عبادت ادا کرے جس کی حکمت الٰہی تقاضا کرتی ہے ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ سو تم نیکیوں میں سبقت کرو اور ان کو ادا کرنے کے لیے جلدی کرو اور ان کے فوت ہونے سے پہلے ان کو پوری طرح ادا کرنے کے لیے ان کی طرف آگے بڑھتے جاؤ اور خیرات سے وہ تمام نیکیاں مراد ہیں جن کو ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ تم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے' دراصل یہ ایک مستقل الگ نیا جملہ ہے جس کو نیکیوں میں سبقت کرنے اور ان کو جلد ادا کرنے کے لیے علت و سبب بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے [اور "جَمِيْعًا" مجرور ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل مصدر محذوف ہے کیونکہ یہ "اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" کے معنی میں ہے] (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے") ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ پس وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے اور وہ ایسی جزا کے بارے میں تمہیں خبر دے گا جس میں تمہیں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہے گا اور وہ ایسی جزا ہوگی جو حق و باطل میں امتیاز کر دے گی اور عمل میں محنت کرنے والے اور سستی کرنے والے میں فرق واضح کر دے گا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے (آپ پر) نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں وہ آپ کو بعض احکام سے پھیر نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے' پھر اگر وہ لوگ پھر جائیں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے' اور بے شک بہت سے لوگ ضرور نافرمان ہیں O کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں' اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے O

۴۹- ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ [اور "اَنِ احْكُمْ"، "بِالْحَقِّ" پر معطوف ہے] یعنی "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَبِاَنِ احْكُمْ" اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن کریم) حق کے اثبات کے لیے نازل کی ہے اور اس لیے کہ آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام کے موافق فیصلہ کریں ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ﴾ اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی مت کریں اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں وہ آپ کو کسی آزمائش میں نہ

ڈال دیں یعنی کہیں وہ آپ کو (حق کی راہ سے) پھیر دیں [اور ''اَنْ یَّفْتِنُوْكَ'' مفعول لہ ہے] یعنی اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو کسی آزمائش میں ڈال دیں گے اور چونکہ آپ ہر قسم کی برائی اور راہِ حق ترک کرنے سے مامون و محفوظ اور معصوم عن الخطا رسول ہیں اس لیے آپ کو ان سے ہوشیار رہنے کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ کو اس قوم کے ایمان لانے کی جو طمع تھی وہ ختم ہو جائے ﴿عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ﴾ ان بعض احکام سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ لوگ ان احکام سے منہ پھیر لیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں اور وہ ان کے علاوہ کچھ اور چاہیں ﴿فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ﴾ تو آپ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے انہیں عذاب دینا چاہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہ پھیرنے اور اس کے خلاف ارادہ رکھنے کے گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور ''بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ'' اسی مفہوم کو بیان کرنے کے لیے اس کی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کو بعض سے تعبیر کر کے مبہم بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حکم الٰہی سے منہ پھیرنا بہت بڑا جرم اور زبردست گناہ ہے' پھر جب یہ ایک گناہ ان کی ہلاکت و بربادی کا باعث بن گیا ہے تو ان کے تمام گناہوں کا کیا حال ہوگا ﴿وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔

۵۰- ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ﴾ تو کیا یہ لوگ جہالت کے فیصلے چاہتے ہیں [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''تَبْغُوْنَ'' پڑھا گیا ہے] اور اس کے مخاطب قبیلہ بنو نضیر کے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو قبیلہ بنو قریظہ سے افضل و اعلیٰ سمجھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ قتل میں مساوات و برابری واجب ہے' سو بنو نضیر نے کہا کہ ہم اس پر راضی نہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت طاؤس سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی بعض اولاد کو بعض سے افضل و بہتر قرار دیتا ہے تو آپ نے جواب میں یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی [اور ''اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ'' میں فعلِ ناصب (نصب وزبر دینے والا فعل) ''یَبْغُوْنَ'' ہے] ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾ اور یقین رکھنے والی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے [اور ''وَمَنْ اَحْسَنُ'' سوالیہ مبتدا ہے اور یہ نفی کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں' ''مِنَ اللّٰهِ'' اس کی خبر ہے اور ''حُكْمًا''، ''اَحْسَنُ'' کی تمیز ہے اور ''لِقَوْمٍ'' میں لام بیانیہ ہے جیسے ''هَیْتَ لَكَ'' (یوسف:۲۳) میں لام بیانیہ ہے] کیونکہ یہی قوم بیان کرتی ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی انصاف کرنے والا ہے اور نہ اس کے حکم سے بہتر کسی کا حکم ہے [اور ابو علی نے کہا کہ ''لِقَوْمٍ'' کا معنی ''عِنْدَ قَوْمٍ'' ہے کیونکہ لام اور ''عِنْدَ'' قریب المعنی ہیں]۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىٕرَةٌ ؕ فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ﴿ؕ۵۲﴾

وقف لازم
وقف منزل
وقف غفران

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا' بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا○ سو آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ ان کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں: ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے' تو عنقریب اللہ کوئی فتح یا اپنی طرف سے کوئی حکم لے آئے گا' پھر انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہوا ہے اس پر پچھتائیں گے○

یہود و نصاریٰ کی دوستی سے ممانعت' اہلِ ایمان کی پہچان اور مسلمانوں کی دوستی کے حق داروں کا ذکر

اور دشمنانِ دین کی دوستی سے منع کرنے کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی ہے:

۵۱- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ﴾ اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ یعنی ان کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ تم ان کی مدد کرو اور وہ تمہاری مدد کریں اور ان سے برادرانہ تعلقات قائم کرلو اور ان سے ایسے معاملہ کرو جیسے مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ارشاد میں اس نہی و ممانعت کی علت اور وجہ بیان فرمائی ہے کہ ﴿ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ﴾ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن وہ سب کے سب مسلمانوں کے دشمن ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ سارا کفر ایک ملت ہے ﴿ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ﴾ اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو اس کا شمار ان کی جماعت میں ہوگا اور اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو ان کا حکم ہے (یعنی جہنمی ہونے کا حکم) اور دین کے مخالف سے اجتناب و پرہیز کے وجوب میں یہ سخت ترین وعید ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جنہوں نے کفار سے دوستی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کو اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت نہیں دیتا۔

۵۲- ﴿ فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے یعنی جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے ﴿ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ ﴾ وہ ان (یہود و نصاریٰ و دیگر کفار) کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں یعنی یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ان سے تعاون کرنے اور ان سے دوستی کرنے کے لیے ان کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں اور یہ جملہ حال ہے یا دوسرا مفعول ہے اس احتمال کی بنا پر کہ ''فَتَرٰی'' سے آنکھ سے دیکھنا یا دل سے دیکھنا مراد ہو ﴿ یَقُوْلُوْنَ ﴾ یعنی وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''عَلٰی مَا اَسَرُّوْا'' ہے ﴿ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے یعنی گردشِ زمانہ کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش آ جائے اس حالت (نفاق) کی وجہ سے جس پر وہ قائم ہیں ﴿ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ ﴾ پس عنقریب اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب فرمائے گا ﴿ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ ﴾ یا اپنی طرف سے کوئی حکم دے گا یعنی اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو منافقوں کے بھید ظاہر کر دینے کا حکم ارشاد فرمائے گا ﴿ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ﴾ سو منافقین جنہوں نے اپنے دلوں میں نفاق چھپایا ہوا تھا اس پر نادم و پشیمان ہوں گے [اور ''نَادِمِیْنَ''، ''فَیُصْبِحُوْا'' کی خبر ہے]۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِينَ ؗ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

اور ایمان والے کہتے ہیں: کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ بلاشبہ وہ تمہارے ساتھ ہیں' ان کے تمام اعمال برباد ہو گئے' پس وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے O اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے' وہ مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے' وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے' یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا' خوب جاننے والا ہے O

۵۳- ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوٓا﴾ یعنی اہل ایمان اس وقت ایک دوسرے سے کہتے ہیں [ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''وَيَقُوْلَ'' کو ''اَنْ يَّاْتِيَ'' پر عطف کر کے مفتوح (لام پر زبر یعنی ''وَيَقُوْلَ'') پڑھا گیا ہے' قاری ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں بغیر واؤ کے صرف ''يَقُوْلُ'' محض اس بنا پر ہے کہ کسی کہنے والے نے کہا: ''فَمَا ذَا يَقُوْلُ الْمُؤْمِنُوْنَ حِيْنَئِذٍ'' تو مسلمان اس وقت کیا کہتے ہیں؟ تو جواب میں کہا گیا: ''يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا''] ﴿أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ﴾ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ بے شک وہ تمہارے ساتھ ہیں یعنی انہوں نے تمہارے لیے پکی قسمیں کھائیں کہ بے شک وہ تمہارے دوست ہیں اور کفار کے مقابلے میں تمہاری مدد کریں گے [اور ''جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ'' میں ''جَهْدَ'' مصدر ہے اور تقدیراً حال ہے] یعنی وہ اپنی قسموں کو پختہ کرنے کے لیے خوب کوشش کرتے ہیں ﴿حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ ان کے وہ تمام اعمال ضائع ہو گئے ہیں جو انہوں نے ریاء اور دکھاوے کے لیے سرانجام دیئے تھے' نہ ان کا ایمان معتبر ہے اور نہ ان کا عقیدہ درست ہے اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے ان کے بارے میں گواہی ہے کہ ان کے اعمال برباد ہو گئے ہیں اور ان کے بدانجام پر اظہار تعجب ہے ﴿فَأَصْبَحُوا خٰسِرِينَ﴾ سو وہ لوگ امداد الٰہی سے محروم ہو جانے کی وجہ سے دنیا میں اور دائمی عذاب کی وجہ سے آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔

۵۴- ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ﴾ اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا یعنی تم میں سے جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جائے گا جس پر وہ پہلے تھا [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''يَرْتَدَّ'' کی بجائے ''يَرْتَدِدْ'' ہے] ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗٓ﴾ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اعمال کو پسند کرے گا اور ان اعمال پر ان کی تعریف کرے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیں گے اور اس آیت مبارکہ میں ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے ایسی قوم کی خبر دی جو اس وقت موجود ہی نہ تھی' پھر بعد میں ہوئی تھی اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا اثبات ہے کیونکہ انہوں نے مرتدین سے جہاد کیا تھا اور تیسرا یہ کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کی صحت کی دلیل ہے اور حضور نبی کریم ﷺ سے اس آنے والی قوم کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں تو

آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھے پر ہاتھ مبارک رکھا اور اس کے اور اس کے اصحاب کے بارے میں فرمایا: ''لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَآءِ الْفَارِسِ '' کہ اگر ایمان ثریا (نامی ستاروں) سے معلق ہوتا تو البتہ فارس کے رہنے والے مرد اسے ضرور حاصل کر لیتے [اور جزا سے شرط کے معنی پر مشتمل اسم (مَنْ) کی طرف لوٹنے والی ضمیر رابطہ محذوف ہے] دراصل'' فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ مَّکَانَهُمْ '' ہے جس کا معنی ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان (مرتدوں) کی جگہ ایسی قوم لائے گا ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ جو مؤمنوں پر بہت نرم اور مہربان ہوگی [اور ''اَذِلَّة'' ''ذَلِیْلٌ'' کی جمع ہے لیکن ''ذَلُوْلٌ'' کی جمع ''ذُلُلٌ'' ہے اور جس نے یہ خیال کیا کہ ''ذُلٌّ'' سے بنا ہے جو صعوبت کی ضد ہے تو اس نے غلط کہا ہے کیونکہ ''ذَلُوْل'' کی جمع ''اَذِلَّـة'' نہیں آتی ۔علامہ جوہری نے کہا کہ ''ذُلٌّ'' ''عِزٌ'' کی ضد ہے اور رسوا کن شخص کو ''رَجُلٌ ذَلِیْلٌ'' کہا جاتا ہے اور ذلیل قوم کو ''اَذِلَّآءُ'' اور ''اَذِلَّـةٌ'' کہا جاتا ہے لیکن ''ذِلٌّ'' ذال کے نیچے زیر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی نرم و مہربان ہوتا ہے اور یہی صعوبت (سخت) کی ضد ہے اور فرماں بردار اور رام ہو جانے والے جانوروں کے لیے کہا جاتا ہے: ''دَابَّةٌ ذَلُوْلٌ وَدَوَابٌّ ذُلُلٌ '' اور یہاں ''عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ'' کی بجائے ''لِلْمُؤْمِنِیْنَ'' نہیں کہا گیا کیونکہ ''اَذِلَّـةٌ'' نرمی اور مہربانی کے معنی پر مشتمل ہے گویا عاجزی اور مہربانی کے معنی کی وجہ سے کہا گیا کہ یہ قوم مسلمانوں پر بڑی مہربان ہو گی اور ﴿ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴾ کافروں پر بڑے سخت ہوں گے اور ''عزاز'' سخت زمین کو کہتے ہیں تو ان کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہوگا جیسے فرماں بردار بیٹے کا باپ کے ساتھ اور غلام کا اپنے آقا کے ساتھ ہوتا ہے اور کافروں کے ساتھ ان کا رویہ ایسے ہوگا جیسے شکاری درندوں کا اپنے شکار کے ساتھ ہوتا ہے ﴿ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کفار سے جنگ کریں گے [اور یہ جملہ ''لِقَوْمٍ'' کی صفت ہے جس طرح ''یُحِبُّهُمْ'' ''اَعِزَّةٍ'' اور ''اَذِلَّةٍ'' ''لِقَوْمٍ'' کی صفات ہیں] ﴿ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ اور نہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈریں گے [اور ایک احتمال یہ ہے کہ واؤ حال کے لیے ہو] یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے دراں حالیکہ جہادِ الٰہی میں ان کا حال منافقوں کے حال کے برعکس ہوگا کیونکہ منافقین یہودیوں سے دوستی رکھتے ہیں اس لیے جب یہ مسلمانوں کے لشکر میں نکلتے ہیں تو انہیں اپنے دوستوں یہودیوں کا خوف دامن گیر ہوتا ہے' چنانچہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس کے متعلق جانتے ہوں کہ اس کی وجہ سے انہیں یہودیوں کی لعن طعن اور ملامت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن چونکہ مسلمانوں کا جہاد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اس لیے یہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے [اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ واؤ عطف کے لیے ہو] یعنی ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ اپنے دین میں اتنے مضبوط و مستحکم ہوں گے کہ جب وہ امورِ دین میں سے کسی امر میں شروع ہو جائیں گے تو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں خوف زدہ نہیں کرے گی اور ''اَللَّوْمَةُ'' کا معنی ہے: ایک مرتبہ ملامت کرنا [اور اس میں نکرہ لانے میں دو مبالغے ہیں] گویا کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ملامت کرنے والوں میں سے کسی شخص کی ملامت سے کبھی نہیں ڈریں گے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ محبت الٰہی' مسلمانوں سے نرمی' کافروں پر سختی' جہاد فی سبیل اللہ اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے خوف ہونے کی جو صفات مذکورہ بالا قوم کے لیے بیان کی گئی ہیں ''ذٰلِكَ'' سے انہیں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تمام صفات ﴿ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہیں' وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے ﴿ عَلِیْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے جو اس کے فضل و کرم کے اہل اور حق دار ہیں۔

جن (یہود و نصاریٰ) سے عداوت و دشمنی رکھنا واجب ہے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ

نے اپنے درج ذیل ارشاد میں ان کا ذکر فرمایا ہے جن سے محبت و دوستی کرنا واجب ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾

ع ۱۲

بے شک تمہارے دوست اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں O اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے O اے ایمان والو! تم ان اہل کتاب اور کافروں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشا بنا لیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان دار ہو O

۵۵- ﴿ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا ﴾ بے شک تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان ہیں [اور لفظ ''اِنَّمَا'' صرف مذکورہ بالا حضرات کی دوستی کے اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے] (یعنی دوستی صرف اللہ تعالیٰ رسولِ کریم ﷺ اور مسلمانوں سے کی جائے) اگرچہ آیتِ مبارکہ میں ایک جماعت کا ذکر ہے [لیکن ''ولی'' کی جمع ''اَوْلِیَاء'' اس لیے ذکر نہیں کی گئی تا کہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اصل ہے اور اس کے علاوہ باقیوں کی دوستی اللہ تعالیٰ کی دوستی کے تابع ہے اور اگر ''اِنَّمَا اَوْلِیَآءُ كُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کہا جاتا تو اس کلام میں اصل اور تابع اور کوئی محل نہ رہتا] ﴿ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ وہ نماز قائم کرتے ہیں [اور یہ جملہ ''الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے بدل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یا ضمیر مرفوع مبتدا ''هُمْ'' محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے (اصل میں ''هُمُ الَّذِیْنَ'' الخ ہے) یا پھر مدح کی بنا پر منصوب ہے] ﴿ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں [اور ﴿ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴾ میں واؤ حال کے لیے ہے] حالانکہ اس وقت وہ نماز میں حالت رکوع میں ہوتے ہیں۔

شانِ نزول: بعض مفسرین نے فرمایا: یہ آیت مبارکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی' آپ اس وقت نماز میں حالت رکوع میں تھے کہ کسی سائل نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اس کی طرف پھینک دی کیونکہ انگوٹھی آپ کی سب سے چھوٹی انگلی میں ڈھیلی پہنی ہوئی تھی جس کے اتارنے میں عمل کثیر کا تکلف نہیں کرنا پڑا جو مفسدِ نماز ہے اور اگرچہ اس کا سبب واحد ہے لیکن اس قسم کے عمل (صدقات و خیرات) کی لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے جمع کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں تا کہ تمام لوگ اس قسم کا ثواب کمانے کی کوشش کریں اور یہ آیت مبارکہ ایک تو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں صدقہ کرنا جائز ہے' دوسرا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عملِ قلیل نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

۵٦- ﴿ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم اور ایمان داروں کو دوست بنالیتا ہے یا ان کا دوست ہو جاتا ہے ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے

[اور یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے] یعنی اصل میں ''فَاِنَّھُمْ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ'' ہے یا ''حِزْبُ اللّٰہِ'' سے رسول اکرم اور مسلمان مراد ہیں یعنی جو شخص ان کو دوست بنا لیتا ہے اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی جماعت کو دوست بنا لیا اور وہ ایسی جماعت کے ساتھ مضبوط و مستحکم ہو گیا جو ہمیشہ غالب رہے گی اور کبھی مغلوب نہیں ہو گی اور اصل میں حزب اس قوم کو کہا جاتا ہے جو کسی ایسے امر پر مجتمع ہو جائے جو انہیں تکلیف پہنچائے۔

دین کا مذاق اڑانے والے اہلِ کتاب اور دیگر کفار سے دوستی کی ممانعت

شانِ نزول: رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث دونوں اسلام قبول کر لینے کے بعد منافق ہو گئے اور کچھ مسلمان ان سے دوستی رکھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل کر کے ان کی دوستی سے منع فرما دیا:

٥٧- ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو (دوست) نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا لیا ہے یعنی جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشا بنا لیا ہے اس کے مقابلے میں تمہارا ان کو دوست بنانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس چیز کا مقابلہ ان کے ساتھ بغض و کینہ اور عداوت و دشمنی کر کے کیا جائے ﴿مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ﴾ ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی [''مِنَ الَّذِیْنَ'' میں ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے] ﴿وَالْکُفَّارَ﴾ یعنی مشرکین [اور یہ ''اَلَّذِیْنَ'' منصوب پر معطوف ہے اور قاری ابوعمرو اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''وَالْکُفَّارِ'' (را کے نیچے زیر) ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ ''اَلَّذِیْنَ'' مجرور پر معطوف ہے ''اَیْ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ''] یعنی ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کافروں میں سے (جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق و کھیل بنا لیا ہے ان کو) ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ دوست (نہ بناؤ) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ اور تم کافروں سے دوستی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اگر تم سچے ایمان دار ہو کیونکہ سچا ایمان دشمنانِ دین کی دوستی سے روکتا ہے۔

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ ھَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ مَثُوْبَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ؕ مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ وَجَعَلَ مِنْھُمُ الْقِرَدَۃَ وَالْخَنَازِیْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿٦٠﴾

اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل تماشا بنا لیتے ہیں' یہ اس لیے کہ بے شک وہ بے عقل قوم ہے○ آپ فرما دیجئے کہ تم سوائے اس کے ہم پر اور کیا عیب لگا سکتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو پہلے نازل کیا گیا' اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں○ آپ فرما دیجئے کہ کیا میں

تمہیں بتادوں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بدتر کس کی سزا ہے؟ اسی کی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ناک ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر اور شیطان کا پجاری بنا دیا' انہیں لوگوں کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہی لوگ راہِ راست سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں O

۵۸-﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ﴾ اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو ﴿ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ﴾ تو وہ لوگ اس کو یعنی نماز کو یا اذان کو مذاق اور کھیل تماشا بنا لیتے ہیں ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ لوگ بے عقل ہیں کیونکہ دینِ حق کا مذاق اڑانا اور اس کو کھیل تماشا بنانا جہالت اور حماقت کے کام ہیں تو گویا ان میں عقل ہی نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اذان کا ثبوت قرآنی نص سے بھی ثابت ہے صرف خواب والی حدیث سے نہیں۔

۵۹-﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ تم سوائے اس کے ہم پر اور کیا عیب لگا سکتے ہو اور کیا انکار کر سکتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو اس سے پہلے نازل کی گئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تمام کتابوں پر ایمان لائے ﴿ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ اور تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں [اور یہ مجرور پر معطوف ہے] یعنی "مَا تَنْقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ وَبِاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فَاسِقُوْنَ" اور آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے اس لیے دشمن بن گئے ہو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے انبیائے کرام کی صداقت کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے اور اس کے بارے میں تمہارا ہماری مخالفت کرنا تمہارا فسق ہے [اور یہ جائز ہے کہ واؤ بہ معنیٰ "مَعَ" کے ہو] یعنی "وَمَا تَنْقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ مَعَ اَنَّكُمْ فَاسِقُوْنَ" اور تمہیں ہماری طرف سے کچھ برا نہیں لگا سوائے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ بے شک تم نافرمان ہی ہو۔

۶۰-﴿ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ (اے یہودیو!) کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بدتر سزا بتا دوں "مَثُوْبَةً"، "ثَوَابًا" کے معنی میں ہے [اور یہ تمیز کی بنا پر منصوب ہے] اور "مَثُوْبَةً" اگرچہ نیکی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن یہاں "عَقُوْبَةً" کی جگہ سزا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ہے: "فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" (آل عمران:۲۱) "سو آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں" اور یہودی یہ خیال کرتے تھے کہ مسلمان سزا کے مستحق ہیں تو ان کے لیے کہا گیا: ﴿ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے' یہ تمہارے گمان کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے حقیقت میں بدترین سزا ہے [اور "ذٰلِكَ" سے ماقبل یعنی ایمان کی طرف اشارہ ہے] یعنی ہمارے ایمان پر تمہارے ناراض ہونے کی بدترین سزا ہے [اور اس سے پہلے یا "مَنْ" سے پہلے مضاف ضرور محذوف ہے] تقدیر عبارت یوں ہے: "بِشَرٍّ مِّنْ اَهْلِ ذٰلِكَ" یا "دِيْنُ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ" ﴿ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ ﴾ اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر بنا دیا یعنی ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو بندر بنا دیا ﴿ وَالْخَنَازِيْرَ ﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے اہل مائدہ کے کافروں کو خنزیر بنا دیا یا دونوں طرح مسخ ہونے والے اصحاب سبت ہیں (ہفتہ کے دن شکار کرنے والے) سو ان کے جوانوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تھا اور ان کے بوڑھوں کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا گیا تھا ﴿ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ﴾ یعنی بچھڑے کی پوجا کی یا شیطان کی پوجا کی کیونکہ ان کا بچھڑے کو پوجنا شیطان کے ابھارنے سے ہوا [اور یہ "مَنْ" کے صلہ پر معطوف ہے] گویا کہا گیا

کہ ''وَمَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ'' اور جس نے شیطان کی عبادت کی [اور قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَعَبُدَ الطَّاغُوْتِ'' (با پر پیش اور تا کے نیچے زیر) ہے انہوں نے ''عَبُدَ'' کو اسم قرار دیا ہے جو مبالغہ کے لیے وضع کیا گیا ہے جیسے عرب کا مقولہ ہے: ''رَجُلٌ حَذُرٌ وَ فَطُنٌ'' یہ آدمی بڑا ہوشیار اور بڑا سمجھ دار ہے' یہ دونوں اسم ہوشیار رہنے اور سمجھ دار ہونے میں مبالغہ کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں اور یہ ''اَلْقِرَدَۃَ وَالْخَنَازِیْرَ'' پر معطوف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان (یہود) میں سے بعض کو شیطان کا پجاری بنا دیا ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ انہیں مسخ شدہ اور لعنت شدہ لوگوں کا ﴿شَرٌّ مَّكَانًا﴾ بدترین ٹھکانا ہے' یہاں شرارت کو مبالغہ کرنے کے لیے مکان کے لیے قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ مکان میں رہنے والوں کے لیے ہے ﴿وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ اور وہ سیدھے راستے سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور وہ کفر ہی کے ساتھ چلے گئے' اور اللہ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے تھے ○ اور ان میں سے اکثر لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ گناہ اور ظلم و زیادتی اور حرام خوری کی طرف دوڑتے ہیں' البتہ وہ بہت بُرے کام کرتے تھے ○ راہب اور پادری انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے' البتہ وہ بہت بُرے کام کرتے تھے ○

اہل کتاب کے توہین آمیز سیاہ کارناموں کا بیان

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ یہود میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور منافقت سے کام لیتے ہوئے آپ کے سامنے زبان سے ایمان و اخلاص کا اظہار کیا مگر دل میں کفر و نفاق کو چھپائے رکھا۔

٦١- ﴿وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ﴾ [''با'' حال کے لیے ہے] یعنی جب وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں حالانکہ وہ آپ کے پاس داخل ہوتے وقت بھی کافر تھے اور آپ سے روانہ ہوتے وقت بھی کافر تھے (کیونکہ انہوں نے آپ کی تبلیغی تقریر سے اثر قبول نہیں کیا) اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''مُلْتَبِسِيْنَ بِالْكُفْرِ'' کہ وہ کفر سے چمٹے ہوئے ہیں' اور اسی طرح داخل ہوتے وقت بھی وہ کافر تھے اور نکلتے وقت بھی کافر تھے [اور یہی وجہ ہے کہ ''قد'' داخل کیا گیا ہے جو ماضی کو حال کے قریب کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ ''قَالُوْٓا اٰمَنَّا'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی انہوں نے یہ (ایمان لانے کی) بات جس وقت کہی تھی اس وقت بھی کفر کے ساتھ

ملے ہوئے تھے ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے نفاق کو خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے۔

٦٢۔ ﴿وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور اے محبوب! آپ ان یہود میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ گناہ اور زیادتی کے کاموں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں اور ''اِثم'' سے مراد جھوٹ بولنا ہے اور ''عُدْوَان'' سے مراد ظلم وزیادتی کرنا ہے یا یہ کہ ''اثم'' (جھوٹ بولنا) وہ گناہ ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے اور ظلم وہ زیادتی ہے جو ان سے تجاوز کر کے دوسروں کو بھی پہنچتی ہے اور ''مُسَارَعَة'' کا مطلب ہے کہ کسی کام میں جلد از جلد شروع ہو جانا ﴿وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ اور وہ حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ البتہ وہ بہت ہی برے کام ہیں جنہیں وہ کرتے ہیں۔

٦٣۔ ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے انہیں ان کے راہب اور پادری منع کیوں نہیں کرتے [اور ''لَوْ لَا'' کا لفظ کسی کام کے لیے ترغیب دینے اور ابھارنے کے لیے آتا ہے] ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ بے شک وہ لوگ بہت ہی برے کام کرتے تھے' یہ آیت مبارکہ علمائے یہود کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے (جو لوگوں کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے) اور اس سے پہلی آیت مبارکہ میں عوام کی مذمت بیان کی گئی ہے (جو برے کاموں سے باز نہیں آتے تھے) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی خوف دلانے والی آیات میں یہ سخت ترین آیت مبارکہ ہے کیونکہ اس میں برائی سے نہ روکنے والوں کو خود برائی کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾

وقف لازم

اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے' ان کے اپنے ہاتھ باندھے جائیں اور اس کہنے کی وجہ سے ان پر لعنت ہو' بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں' وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے' اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کلام نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے اکثر کے کفر وسرکشی میں اضافہ کرتا ہے' اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت وبغض ڈال دیا' وہ جب بھی جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے' اور وہ زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں' اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا O

٦٤۔ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے' ان کے اپنے ہاتھ باندھے جائیں اور اس کہنے کی وجہ سے ان پر لعنت ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ بے شک جب یہودیوں نے (ان پر خدا کی لعنت ہو) سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مالی وسعت دے رکھی تھی روک لی اور یہ لوگ سب سے زیادہ مال دار تھے تو اس موقع پر فنحاص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ باندھا ہوا ہے اور چونکہ باقی سب لوگ بھی اس کی اس بات پر راضی تھے اس لیے تمام یہودیوں کو اس میں شریک کیا گیا اور ہاتھ کا بند ہونا اور کھلا ہونا بخل اور سخاوت سے کنایہ ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ'' (الاسراء:٢٩) ''اور آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر نہ رکھیں اور نہ اس کو پوری طرح بالکل کھول دیں'' اور متکلم اس کے ساتھ ہاتھ کے ثبوت کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس سے ہاتھ بندھنے اور کھلنے کا ارادہ کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو اس بادشاہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو ہاتھ کو استعمال کیے بغیر صرف اشارے سے عطا کرتا ہے اور روکتا ہے اور اگر کوئی بادشاہ زمین کا کوئی حصہ کسی محافظ کو بڑی بخشش کے طور پر عطا کر دے تو لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہ سلامت نے بخشش میں کس قدر سخاوت کا مظاہرہ کیا ہے اور کبھی ''یَدٌ'' (ہاتھ) کو ایسی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے جہاں ہاتھ کا ذکر صحیح نہیں ہوتا جیسے کہا جاتا ہے کہ درد و تکلیف نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سینے میں گاڑھ دیئے ہیں' چنانچہ اس فقرے میں درد و تکلیف کے لیے دو ہاتھ ثابت کیے گئے ہیں حالانکہ اس کا تعلق اجسام سے نہیں بلکہ معانی سے ہے اور جس شخص نے علم البیان میں غور و فکر نہیں کیا وہ اس قسم کی آیات کے معانی میں حیران ہو جاتا ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ'' (ان کے ہاتھ باندھے جائیں) ان پر بخل کی بددعا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہود تمام مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ بخیل ہیں یا جہنم میں ان کو طوق پہنائے جائیں گویا ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے گئے [اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ (اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) میں ''یَدٌ'' کا تثنیہ ذکر کیا گیا ہے جب کہ یہود کے قول ''يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ'' میں مفرد ذکر کیا گیا ہے] تاکہ یہود کے قول کی تردید کرنے اور اس کے انکار کرنے میں خوب مبالغہ کیا جا سکے اور اللہ تعالیٰ کے لیے سخاوت کے ثبوت اور اس سے بخل کی نفی کو بہت زیادہ واضح کیا جا سکے کیونکہ سخی جب زیادہ سخاوت کرتا ہے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے عطا کرتا ہے ﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے' آیت مبارکہ کا یہ جملہ سخاوت کے وصف کی تاکید ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت کے مقتضیٰ کے مطابق خرچ کرتا ہے ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ اللہ تعالیٰ کا جو کلام آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ یہود میں سے اکثر لوگوں کے کفر و سرکشی میں اضافہ کرتا ہے یعنی نزولِ قرآن کے وقت حسد کی وجہ سے انکار کرنے کے لیے ان کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ ان کا کفر اور زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ فعل کی سبب کی طرف نسبت کے قبیل سے ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ'' (التوبہ:١٢٥) ''سو ان کی نجاست پر مزید نجاست بڑھا دی'' ﴿وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ اور ہم نے قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور کینہ ڈال دیا ہے' چنانچہ ان کی باہمی گفتگو میں ہمیشہ اختلاف رہے گا اور ان کے دل ایک دوسرے سے جدا جدا رہیں گے اور ان میں کبھی اتفاق و اتحاد نہیں رہے گا اور نہ ان میں باہمی تعاون رہے گا ﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ جب وہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے تو اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتا یعنی جب یہود کسی کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں مغلوب و مقہور کر دیا جاتا اور کسی کے خلاف ان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہ ہوتی اور جب اسلام ان کے پاس پہنچا اس وقت یہ لوگ مجوسی بادشاہ کی حکمرانی میں تھے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم کو ان کے خلاف مدد پہنچا کر فتح و نصرت عطا فرمائی اور ان یہود کو مغلوب و مقہور کر دیا اور

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شہر اور جس ملک میں تم کسی یہودی سے ملو گے تو تم اسے تمام لوگوں میں ذلیل ترین انسان پاؤ گے ﴿وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اپنی کتابوں سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کو مٹانے اور لوگوں کو دینِ اسلام سے دور کرنے کے لیے بہت زیادہ کوشش ومحنت میں لگے رہتے ہیں ﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ فسادی لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے گناہ ضرور مٹا دیتے اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغات میں داخل کرتے O اور اگر وہ تورات وانجیل کو اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا اس کو قائم رکھتے تو وہ ضرور اپنے اوپر (آسمان) سے اور اپنے پاؤں کے نیچے (زمین) سے رزق حاصل کر لیتے' ان میں سے ایک گروہ اعتدال پر ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ بہت بُرے کام کرتے ہیں O

٦٥- ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ اور اگر اہل کتاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی ان تعلیمات پر ایمان لائیں جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر تشریف لائے اور تقویٰ اختیار کر لیں یعنی وہ اپنے ایمان کو تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ ملا کر آراستہ کر لیں ان کی ان برائیوں کے باوجود جو ہم نے پہلے ذکر کر دی ہیں تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں مٹا دیں گے ﴿وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ اور ہم ضرور ان کو مسلمانوں کے ساتھ چین کے باغات میں داخل کریں گے۔

٦٦- ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے یعنی اگر وہ ان دونوں کتابوں کے احکام وحدود کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جو ان دونوں کتابوں میں مذکور تھے ان کو صحیح وسلامت قائم رکھتے ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ اور جو دیگر کتب الٰہیہ کے احکام ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کیے گئے ان کو قائم رکھتے' کیونکہ یہ لوگ ان تمام کتب پر ایمان لانے کے مکلّف تھے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس سے قرآن مجید مراد ہے ﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ وہ ضرور اپنے اوپر سے یعنی اپنے سروں کے اوپر سے پھل وغیرہ کھاتے ﴿وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ اور اپنے پاؤں کے نیچے سے یعنی زراعت وغیرہ سے کھاتے اور اس عبارت سے وسعت رزق مراد ہے جیسا کہ اہلِ علم عرب کا قول ہے کہ فلاں آدمی سر سے لے کر پاؤں تک نعمت سے سرشار ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق عمل کرنا وسعتِ رزق کا سبب ہے اور یہ درج ذیل ارشاداتِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: "وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" (الاعراف:٩٦) "اور اگر

بستی والے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ضرور ان پر آسمان وزمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے'' ''وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاOوَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ'' (الطلاق:٢۔٣) ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرما دیتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا'' ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاO'' (نوح:١٠ اور اس کے بعد والی) سو میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے مغفرت و بخشش مانگو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے'' ''وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا'' (الجن:١٦) ''اور اگر وہ لوگ سیدھے راستے پر قائم رہتے تو ہم ضرور انہیں وافر پانی دیتے'' ﴿مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ﴾ ان میں سے ایک گروہ اعتدال کی راہ پر قائم تھا اور ان کی حالت میں میانہ روی تھی کہ اس نے رسولِ خدا ﷺ کی عداوت میں دوسرے یہودیوں کی طرح راہِ اعتدال سے تجاوز نہ کیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مؤمنوں کا گروہ مراد ہے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور اس کے دیگر ساتھی اور نصاریٰ میں سے اڑتالیس افراد ﴿وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ بہت برے کام کرتے رہے اور اس میں تعجب کا معنی ہے گویا کہا گیا کہ ان میں سے بہت سے لوگ کس قدر برے کام کرتے تھے اور ایک قول کے مطابق اس سے کعب بن اشرف اور اس کے دیگر ساتھی وغیرہ مراد ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿٦٨﴾

اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو (لوگوں تک) پہنچا دیں' اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا' اور اللہ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا' بے شک اللہ کافر قوم کو راہِ راست پر نہیں چلاتاO آپ فرما دیجئے: اے اہل کتاب! تم کسی دین پر نہیں ہو یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل اور تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کو قائم کرو' اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کے کفر و سرکشی میں اضافہ کرتا ہے' تو آپ کافر قوم پر افسوس نہ کریںO

تبلیغِ حق پر حفاظت کا ذمہ اور اہلِ کتاب کے کفر و نفاق کا بیان

٦٧۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ سب کا سب اور جو چیز بھی آپ کی طرف نازل کی گئی اس کی تبلیغ میں کسی کا لحاظ اور خیال کیے بغیر پورے کا پورا لوگوں تک پہنچا دیں اور اس بات سے آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں کہ کوئی شخص آپ کو نقصان وغیرہ پہنچائے گا ﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ﴾ اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام تعلیمات

لوگوں تک نہ پہنچائیں ﴿ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ تو آپ نے اس کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا' [قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی اور قاری ابوبکر کی قراءت میں '' رِسَالَاتِهٖ '' ہے] یعنی ایسی صورت میں پیغاماتِ خداوندی کی تبلیغ کا جو آپ کو مکلف ٹھہرایا گیا انہیں آپ نے لوگوں تک نہیں پہنچایا اور آپ نے ان میں سے کچھ بھی ادا نہیں کیا اور یہ اس لیے کہ ادائیگی کے اعتبار سے بعض آیات دوسری بعض سے زیادہ بہتر یا زیادہ اہم نہیں ہیں' لہٰذا جب ان میں سے بعض کو ادا نہیں کیا تو گویا آپ نے تمام آیات و پیغامات کی تبلیغ میں غفلت برتی جس طرح کوئی بعض آیات پر ایمان نہیں لایا تو وہ اس طرح ہے کہ وہ تمام آیات پر ایمان نہیں لایا کیونکہ ایک خطاب کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے وہ ایک چیز کے حکم میں ہیں اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز تبلیغ شدہ بھی ہو اور تبلیغ شدہ نہ بھی ہو اور ایک ہی چیز پر ایمان لایا بھی گیا اور ایمان نہ لایا گیا بھی ہو' ملحدوں پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے کہا کہ یہ کلام غیر مفید ہے' یہ ایسے ہے جیسے تم اپنے غلام سے کہو کہ یہ کھانا کھا لے لیکن تو نے یہ کھانا نہیں کھایا تو بے شک تو نے اسے بالکل نہیں کھایا' اس کا جواب یہ ہے کہ پیغامِ خداوندی کی تبلیغ کا یہ حکم مستقبل کے لیے ہے یعنی آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے مستقبل میں لوگوں تک پہنچا دیں' پھر اگر آپ نے ایسا نہ کیا یعنی اگر آپ نے پیغامِ خدا کی مستقبل میں تبلیغ نہیں کی تو گویا آپ نے بالکل تبلیغ نہیں کی یا یہ کہ اب تک آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے اور شوکت وغلبہ اور تعداد کی کثرت کا انتظار نہ کیجئے' پھر اگر آپ نے تبلیغ نہ کی تو آپ اس کی طرح ہو جائیں گے جس نے بالکل تبلیغ نہیں کی یا یہ مطلب ہے کہ آپ کسی سے خوف زدہ ہوئے بغیر احکاماتِ الٰہی کی تبلیغ جاری رکھیئے' پھر اگر آپ نے اس خوبی کے ساتھ تبلیغ نہ فرمائی تو گویا آپ نے بالکل تبلیغِ دین نہیں فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے تبلیغِ دین کے لیے آپ میں شجاعت و بہادری کا مزید جذبہ پیدا کرنے کے لیے فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کو قتل کرنے پر قادر نہیں ہوں گے اور اگرچہ کفارِ مکہ نے احد کے دن آپ کے رخِ انور کو زخمی کیا اور آپ کے سامنے کے اوپر نیچے دو دو دندانِ مبارک شہید کیے (لیکن آپ کو شہید نہ کر سکے) یا یہ کہ احد کے دن آپ کو جو مصیبت پہنچی تھی وہ اس وعدے سے پہلے پہنچی تھی کیونکہ اس آیت مبارکہ کا نزول اس کے بعد ہوا اور آیت میں '' اَلنَّاس '' سے کفار مراد ہیں' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دے گا اور کفار آپ کو ہلاک کرنے کا جو ارادہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا اور نہ ان کو اس کی قدرت وطاقت دے گا۔

٦٨-﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو یعنی تم کسی معتبر و مستند دین پر نہیں ہو یہاں تک کہ اس کو کوئی چیز قرار دیا جائے کیونکہ ان کا طریقہ باطل ہے ﴿ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ جب تک تم تورات اور انجیل کو اور تمہارے رب کی طرف سے جو تمہاری طرف نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید کو قائم نہیں رکھو گے ﴿ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴾ اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ ان (یہود و نصاریٰ) میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کرتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں کفر وطغیان کے اضافہ کی نسبت قرآن مجید کی طرف سبب کے طریقہ پر ہے (کیونکہ جیسے جیسے قرآن مجید کا نزول ہوتا جاتا تو یہود ونصاریٰ کا کفر وطغیان بھی بڑھتا جاتا) ﴿ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ سو آپ کافر قوم کے کفر سے غمگین نہ ہوں کیونکہ ان کے کفر کا وبال انہیں پر پڑے گا' آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾

بے شک جو لوگ ایمان کے دعوے دار ہیں اور جو لوگ یہودی ہیں اور جو فرشتوں کے پجاری ہیں اور نصرانی جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر سچے دل سے ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا اور ہم نے ان کی طرف رسول بھیجے' جب کوئی رسول ان کے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو ان کے نفس کی خواہش نہ تھی' تو انہوں نے ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا○ اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو کوئی سزا نہیں ہو گی' سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی' پھر ان میں سے بہت زیادہ لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے' اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے○

٦٩- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک جو لوگ زبان سے ایمان لانے کے دعوے دار ہیں اور وہ منافقین ہیں اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ'' (المائدہ:٤١) ''اور آپ ان لوگوں کی وجہ سے غمگین نہ ہوں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں' یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے مونہوں (یعنی اپنی زبانوں) سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے'' ﴿وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى﴾ اور جو یہودی ہیں اور فرشتوں کے پجاری ہیں اور نصرانی ہیں| اور سیبویہ نے کہا کہ تمام بصریوں کے نزدیک ''اَلصَّابِئُوْنَ'' مبتدا مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور ''اِنَّ'' کے اسم اور خبر کے محل سے نیت میں مؤخر ہے گویا کہا گیا ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى'' ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ''وَالصَّابِئُوْنَ كَذٰلِكَ'' یعنی (ان میں سے) جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور ستارہ پرست بھی اسی طرح ہیں' اس کو مقدم کر کے خبر کو حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے:ــ

فَمَنْ یَّكُ اَمْسٰى بِالْمَدِیْنَةِ رَحْلُهٗ — فَاِنِّیْ وَقَیَّارٌ بِهَا لَغَرِیْبٌ

[یہ اصل میں ''فَاِنِّیْ لَغَرِیْبٌ وَقَیَّارٌ كَذٰلِكَ'' ہے اور اس کا لام دلیل ہے کہ یہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور ''اِنَّ'' اور اس کے اسم کے محل پر عطف کے ذریعے مرفوع نہیں ہے کیونکہ خبر کی فراغت سے پہلے یہ صحیح نہیں ہے اور تم ''اِنَّ زَیْدًا وَعَمْرٌو مُنْطَلِقَانِ'' نہیں کہہ سکتے البتہ ''اِنَّ زَیْدًا مُنْطَلِقٌ وَعَمْرٌو'' کہنا جائز ہے اور ''اَلصَّابِئُوْنَ'' اپنی محذوف خبر کے ساتھ مل کر

جملہ معطوفہ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' وغیرہ جملہ پر معطوف ہے اور اعراب کے اعتبار سے اس کا کوئی محل نہیں ہے جیسا کہ اس پر معطوفہ جملہ کا کوئی محل نہیں اور اس کو مقدم کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ ''اَلصّٰبِئُوْنَ'' اس کے باوجود کہ مذکورہ بالا فرقوں سے یہ زیادہ گمراہ فرقہ ہے اور سب سے زیادہ سخت ترین بے عقل واحمق ہے لیکن اگر ان کا ایمان بھی صحیح ہو جائے تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی تو اس کے علاوہ دوسرے فرقوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور ''مَنْ اٰمَنَ'' مبتدا ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے اور ''فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ'' اس کی خبر ہے اور اس پر حرف فا اس لیے ہے کہ اس کا مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے' پھر یہ جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے اور ''اِنَّ'' کے اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے' اصل میں ''مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ'' ہے]۔

۷۰-﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے توحید الٰہی کے متعلق پکا وعدہ لیا ﴿ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ﴾ اور ہم نے ان کے پاس بہت سے رسول بھیجے تاکہ یہ رسول ان کو ان باتوں سے آگاہ کریں جن کو انہوں نے اپنے دین کے مطابق ادا کرنا ہے اور جن کو ترک کرنا ہے ﴿ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ ﴾ [یہ جملہ شرطیہ ہے اور ''رُسُلًا'' کی صفت ہے اور لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے] دراصل ''كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ'' ہے یعنی ان رسولوں میں سے جب کوئی رسول ان کے پاس تشریف لاتا ﴿ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ﴾ ایسے شرعی احکام اور مشقت طلب تعلیمات کے ساتھ جو ان کی خواہشات کے خلاف اور ان کی نفسانی شہوات کے مخالف ہوتے اور [جواب شرط محذوف ہے] جس پر اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد دلالت کر رہا ہے: ﴿ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ﴾ انہوں نے ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا' گویا کہا گیا کہ جب ان رسولوں میں سے کوئی رسول ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی [اور ''فَرِیْقًا كَذَّبُوْا'' ایک نئے سوال کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ پھر انہوں نے رسولوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا (تو جواب دیا کہ انہوں نے ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا) اللہ تعالیٰ نے قتل سے خوف دلانے کے لیے ماضی کی حالت کو بیان کرتے ہوئے لفظ مضارع ''یَقْتُلُوْنَ'' ارشاد فرما دیا ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فعل مضارع ''یَقْتُلُوْنَ'' کو اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ پیغمبروں کو قتل کرنا انہی لوگوں کا کام ہے اور پہلا ''فَرِیْقًا كَذَّبُوْا'' کا اور دوسرا ''فَرِیْقًا یَقْتُلُوْنَ'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] اور ایک قول کے مطابق انبیائے کرام کو جھٹلانا یہود و نصاریٰ کا مشترکہ عمل تھا اور قتل کرنا یہود کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا تھا۔

۷۱-﴿ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ انہیں کوئی سزا نہیں ہوگی یعنی بنی اسرائیل کو یہ گمان تھا کہ انبیائے کرام کو قتل کرنے اور رسولوں کو جھٹلانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کوئی عذاب نہیں پہنچے گا اور ان کے اس گمان کو پختہ ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں علم کے قائم مقام کر دیا گیا (گویا انہیں یقین تھا) [اس لیے ''حَسِبُوْا'' فعل کو حرف ''اَنَّ'' پر داخل کیا گیا ہے جو تحقیق کے لیے آتا ہے' چنانچہ قاری حمزہ' قاری علی کسائی اور قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَنْ لَّا تَكُوْنَ'' کا ''اَنْ'' ثقیلہ (اَنَّ) سے مخفف ہے اصل میں ''اَنَّهٗ لَا تَكُوْنُ'' ہے پھر ''اَنَّ'' کو شد سے خالی کر کے خفیفہ بنا دیا گیا ہے اور (ہٗ) ضمیر شان حذف کر دی گئی ہے اس لیے ان قراء کے نزدیک ''اَلَّا تَكُوْنُ'' (نون پر پیش) ہے اور ''اَنْ'' اور اس کا صلہ جو مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہے ان کو ''حَسِبُوْا'' کے دو مفعولوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] ﴿ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ﴾ سو وہ اندھے ہو گئے کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کے مطابق عمل نہیں کیا اور وہ بہرے ہو گئے کہ انہوں نے جو کچھ سنا اس کو قبول نہیں کیا یا وہ رشد و ہدایت سے اندھے ہو گئے اور وعظ و نصیحت سے بہرے ہو گئے ﴿ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ

نے ان کی توبہ قبول فرمالی یعنی ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائی ﴿ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ﴾ پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے [اور یہ ضمیر سے بدل ہے یعنی واؤ سے اور یہ کل سے بدل البعض ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''اُولٰٓئِكَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ'' ہے] ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان کو ان کے اعمال کی حیثیت کے موافق جزاء وسزا دے گا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾

وقف لازم

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے' اور مسیح نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! تم صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بے شک جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے' اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں O بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے' اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ماسوا ایک معبود کے' اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اگر ان سے باز نہ آئے تو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے ان کو دردناک عذاب ضرور پہنچے گا O

٧٢- ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ﴾ بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اور ان کے درمیان اس بات میں کوئی تفریق نہیں کی کہ بے شک وہ بھی انہیں کی طرح اللہ تعالیٰ کے پروردہ بندے ہیں تاکہ یہ بات نصرانیوں پر حجت ہو جائے ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی عبادت میں کسی غیر خدا کو شریک ٹھہراتا ہے ﴿فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے کیونکہ یہ توحید پرستوں کی رہائش گاہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کا داخلہ حرام قرار دے دیا ہے اور اس کو جنت سے ممنوع قرار دے دیا ہے ﴿وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ اور اس کا ٹھکانا یعنی اس کے لوٹ کر جانے کی جگہ دوزخ کی آگ ہے ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ اور ظالموں یعنی کافروں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے۔

٧٣- ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے تیسرا معبود ہے۔

اعتراض: اور یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اوپر پہلی آیت مبارکہ میں فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح ابن مریم ہے اور اس دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے تیسرا خدا ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کچھ نصرانی کہا کرتے تھے کہ خود حضرت عیسیٰ مسیح بعینہ اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی وجود میں تجلّی فرماتا ہے سو اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کے وجود میں تجلّی فرماتا ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود مبارک سے ایسے افعال ظاہر ہوتے تھے جن پر ماسوا اللہ تعالیٰ کے ان پر کوئی قادر نہیں ہو سکتا تھا اور بعض نصرانیوں کا یہ مذہب تھا کہ تین معبود ہیں (۱) اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مریم (۳) حضرت عیسیٰ مسیح' اور ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں اور حضرت مریم والدہ ہیں [اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ میں حرف ''مِنْ'' استغراق کے لیے ہے] یعنی تمام موجودات میں ہرگز کوئی معبود نہیں مگر ایک معبود ہے جو وحدانیت کے ساتھ موصوف ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے اور وہ اکیلا اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے [اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے (اور اگر وہ مشرکانہ باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب ہوگا) جس طرح ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ'' (الحج:۳۰) میں حرف مِنْ بیان کے لیے ہے (بتوں کی نجاست سے دور رہو)' اور اللہ تعالیٰ نے ''لَيَمَسَّنَّهُمْ'' نہیں فرمایا کیونکہ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر قائم کرنے سے ان کے کفر پر گواہی کا تکرار ہو جاتا ہے یا تبعیض کے لیے ہے] یعنی ان میں سے (دردناک عذاب) ان کو پہنچے گا جو کفر پر قائم رہیں گے کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے نصرانیت سے توبہ کر لی تھی ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ تکلیف دہ اور دردناک عذاب کی قسم ہے۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ط وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

سو وہ اللہ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں مانگتے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O مسیح ابن مریم (معبود) نہیں مگر ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں' اور ان کی ماں بہت سچی ہیں' وہ دونوں کھانا کھاتے تھے' دیکھئے! ہم کیسے روشن ترین دلائل ان کے لیے بیان کرتے ہیں' پھر دیکھئے! وہ کیسے اوندھے جا رہے ہیں O آپ فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے نقصان کا مالک ہے اور نہ نفع کا مالک ہے' اور اللہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے O

۷۴- ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ﴾ تو یہ لوگ اپنے کفر پر اس مکرر گواہی کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں مانگتے اور یہ ان کے کفر پر سخت ترین وعید (دھمکی) ہے اور اس میں ان کے

اصرارِ کفر پر تعجب کا اظہار ہے ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے' وہ ان کو اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بخش دے گا اگر وہ توبہ کر لیں۔

۷۵۔ ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ﴾ حضرت مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں (خدا نہیں ہیں) اس آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے الوہیت کی نفی کی گئی ہے ﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں [یہ "رَسُوْلٌ" کی صفت ہے] یعنی حضرت عیسیٰ نہیں مگر ایک رسول ہیں جو ان رسولوں کی جنس میں سے ہیں جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں اور آپ کا نابینوں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کرنا اور آپ کا مردوں کو زندہ کرنا حقیقت میں آپ کی طرف سے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ مبارک پر نابینوں کو بینا اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے عصا مبارک کو زندگی دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر سانپ بنا دیا اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر مرد کے پیدا فرمایا جس طرح حضرت آدم کو بغیر مرد و عورت کے پیدا فرمایا ﴿ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ﴾ اور ان کی ماں سچی ہیں یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ بھی دیگر ان بعض خواتین کی طرح تھیں جو انبیائے کرام کی تصدیق کرنے والی اور ان پر ایمان لانے والی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کے پیش نظر حضرت مریم کو صدیقہ کا لقب عنایت کیا گیا ہے "وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ" (التحریم:١٢) "اور (حضرت مریم نے) اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی" پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد کے ذریعے ان سے وہ چیز دور فرما دی جو ان دونوں کی طرف منسوب کی جاتی تھی: ﴿ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے اور چونکہ جو شخص کھانا کھانے کے لیے غذا اور دیگر لوازمات یعنی ہضم کرنے اور بھوک پیاس لگنے کا محتاج ہو گا وہ لازماً گوشت' ہڈیوں' رگوں اور پٹھوں وغیرہ سے مرکب ہو گا جو دیگر اجسام کی طرح اس کے مخلوق و مصنوع اور مرکب ہونے کی دلیل ہے (لہٰذا وہ دونوں خدا نہیں عبدِ خدا ہیں) ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ﴾ دیکھئے! ہم ان کے قول کے بطلان پر کس طرح واضح اور روشن دلائل بیان کرتے ہیں ﴿ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ پھر دیکھئے کہ وہ لوگ اس واضح بیان کے بعد حق سننے اور اس میں غور و فکر کرنے سے کدھر پھرتے جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعجب کا اظہار ہے کہ یہ لوگ پروردگار اور اس کے پروردہ بندے کے درمیان فرق کرنے سے منہ پھیر کر کدھر بھاگے جا رہے ہیں۔

۷٦۔ ﴿ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی کوئی چیز تمہیں اس طرح نقصان نہیں پہنچا سکتی جس طرح اللہ تعالیٰ مال و جان میں تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ زرخیزی اور مالی وسعت دے کر اور بدنوں میں صحت دے کر تمہیں نفع پہنچا سکتا ہے کیونکہ ہر انسان جو نفع اور نقصان دے سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے تو گویا وہ ذاتی طور پر کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور یہ یقینی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ کا معاملہ ربوبیت کے منافی ہے کیونکہ اللہ نے ان کو ذاتی طور پر نفع اور نقصان پہنچانے کا مالک نہیں بنایا اور رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ بالذات ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی مقدور اس کی قدرت و اختیار سے خارج نہیں ﴿ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ [یہ "تَعْبُدُوْنَ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو اور اس سے نہیں ڈرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری تمام باتوں کو خوب سن رہا ہے اور تمہارے تمام برے عقائد کو وہ خوب جانتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

ع ۱۱

آپ فرمادیں کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسی قوم کی خواہش کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکی اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے O داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر لعنت کی گئی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا' یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ سرکشی کرتے رہے O وہ آپس میں ایک دوسرے کو ان بُرے کاموں سے نہیں روکتے تھے' جن کو وہ اختیار کر لیتے' بے شک وہ بہت بُرے کام کرتے تھے O

۷۷- ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور "غـلـو" کا معنی ہے: حد سے بڑھنا اور حق سے تجاوز کرنا' چنانچہ نصاریٰ (عیسائیوں) نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی اپنی شان سے بڑھا کر الوہیت کا مستحق قرار دے دیا اور یہودیوں نے غلو کیا کہ ان کو نبوت کے استحقاق سے گرا دیا ﴿غَیْرَ الْحَقِّ﴾ ناحق [یہ مصدر محذوف کی صفت ہے] یعنی ناحق غلو نہ کرو یعنی باطل و ناجائز غلو نہ کرو ﴿وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ﴾ اور تم اس قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی گمراہ ہو چکی ہے یعنی تم اپنے بڑوں اور اپنے پیشواؤں کی پیروی نہ کرو جو حضور نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے گمراہی پر تھے ﴿وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا﴾ اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یعنی اپنے پیروکاروں کو گمراہ کیا ﴿وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ﴾ اور وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گئے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اعلانِ نبوت فرمایا تو اس وقت انہوں نے آپ کو جھٹلا کر اور آپ سے حسد کر کے اور آپ سے بغاوت و سرکشی کر کے راہِ راست سے بھٹک گئے۔

اہل کتاب میں سے ایلہ کے باشندوں اور منافقوں کا انجام اور نجاشی وغیرہ کے اسلام کا بیان

۷۸- ﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ﴾ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ بعض کا قول ہے کہ ایلہ کے رہنے والوں نے جب ہفتے کے دن سرکشی کی اور حد سے تجاوز کیا تو حضرت داؤد نے کہا: اے اللہ! ان پر لعنت فرما اور ان کو عبرت کا نشان بنا' چنانچہ ہفتہ کے شکار کرنے والے تمام سرکش بندر بنا دیئے گئے اور جب مائدہ (کھانے کا دستر خوان) کے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کفر اختیار کر لیا تو آپ نے کہا: اے اللہ! جنہوں نے دستر خوان سے کھانا کھانے کے بعد کفر اختیار کر لیا ہے ان کو تو ایسا عذاب دے جو تمام جہان میں کسی کو نہ دیا ہو اور تو ان پر لعنت فرما جس طرح تو نے ہفتہ

کے دن شکار کرنے والوں پر لعنت فرمائی تھی' چنانچہ وہ سب کے سب خنزیر بنا دیئے گئے اور وہ لوگ پانچ ہزار تھے ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ ان پر یہ لعنت ان کی نافرمانی اور ان کی سرکشی کی وجہ سے کی گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں نافرمانی اور سرکشی کی وضاحت بیان فرمائی کہ:

٧٩- ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ جس برائی کو وہ اختیار کر لیتے اس سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے [اور "مُنْكَرٍ" کو "فَعَلُوْهُ" کے ساتھ موصوف کرنے کا معنی یہ ہے کہ فعل کے بعد نہی نہیں ہوتی] کیونکہ جس برائی کو کرتے اس کے اعادہ سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے یا جس برائی کا وہ ارتکاب کر لیتے اس جیسی برائی سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے یا جس برائی کا وہ ارادہ کر لیتے اس سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ جس برائی کا وہ ارتکاب کر لیتے اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر اصرار کرتے تھے' جب کوئی شخص کسی کام سے رک جائے اور اس کو ترک کر دے تو کہا جاتا ہے: "تَنَاهٰى عَنِ الْاَمْرِ وَانْتَهٰى عَنْهُ" پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے برے عمل پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے قسم کو مؤکد کر کے ارشاد فرمایا ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ البتہ وہ بہت برا کام ہے جس کو وہ کرتے تھے اور آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ برائی سے نہ روکنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہائے افسوس! ان مسلمانوں پر جو برائی کے روکنے سے اعراض کرتے ہیں۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

آپ ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں' البتہ بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے O اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور اس نبی پر اور اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں O البتہ آپ مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے' اور بے شک آپ مسلمانوں کے لیے سب سے قریب دوست ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں' یہ اس لیے کہ ان میں بعض عالم اور راہب ہیں اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے O

٨٠- ﴿تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ آپ ان میں اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اور یہ اہل کتاب میں سے منافقین تھے جو مشرکین سے دوستی کرتے تھے اور ان سے میل جول رکھتے تھے ﴿لَبِئْسَ

﴿مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ البتہ بہت بُرا عمل ہے وہ جو انہوں نے خود اپنے لیے آگے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہو گیا یعنی ان کا برا عمل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن گیا ﴿وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے یعنی وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

۸۱۔ ﴿وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر بغیر نفاق خالص ایمان لاتے ﴿وَالنَّبِيِّ﴾ یعنی اور نبی محمد کریم ﷺ پر ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ﴾ اور اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید پر ﴿مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ تو وہ لوگ مشرکین کو دوست نہ بناتے یعنی مشرکین سے دوستی کرنا ان کے منافق ہونے کی دلیل ہے ﴿وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنے کفر و نفاق پر قائم رہتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ یہود اللہ تعالیٰ پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی یعنی تورات پر ایمان لاتے تو مشرکین کو دوست نہ بناتے جس طرح مسلمانوں نے ان کو دوست نہیں بنایا لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں' اپنے دین سے خارج ہو چکے ہیں' سوا ان کا کوئی دین نہیں۔

۸۲۔ ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ﴾ البتہ آپ مسلمانوں کا سب لوگوں سے بڑھ کر دشمن یہود کو پائیں گے [''اَلْيَهُوْدَ''، ''لَتَجِدَنَّ'' کا دوسرا مفعول ہے اور ''عَدَاوَةً'' اس کی تمیز ہے] ﴿وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ [اس کو ''اَلْيَهُوْدَ'' پر معطوف کیا گیا ہے] (یعنی مسلمانوں کے سب سے بڑھ کر دشمن یہود) اور مشرکین ہیں ﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى﴾ اور بے شک آپ مسلمانوں کا سب سے زیادہ قریب دوست ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں' [اور لام جارہ ''عَدَاوَةً'' اور ''مَوَدَّةً'' کے ساتھ متعلق ہے] اور اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کو سخت طبیعت اور عیسائیوں کو نرم طبیعت قرار دیا گیا ہے اور یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ بدترین دشمنی کرنے میں مشرکین کا ساتھی قرار دیا گیا اور اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ یہودی مشرکین سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ یہ اس لیے کہ ان میں سے بعض عالم اور بعض عابد ہیں ﴿وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے اور عیسائیوں کا مسلمانوں کے لیے قریبی دوست ہونے اور ان کے ساتھ نرم گوشہ رکھنے کی علت بیان کی گئی ہے' ایک یہ کہ بے شک ان میں سے بعض عالم اور بعض راہب ہیں اور دوسرا یہ کہ بے شک ان میں تواضع و انکساری اور عاجزی ہے جب کہ یہودی اس کے برعکس ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور جب وہ اس قرآن کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو آپ ان کی آنکھوں کو دیکھیں گے کہ وہ آنسو بہا رہی ہیں اس وجہ کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے' سوتو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے O اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آگیا ہے' اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے گا O سو اللہ نے ان کے کہنے کے بدلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' اور یہی نیکی کرنے والوں کا بدلا ہے O

۸۳- ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾ اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رقّتِ قلوب (دلوں کی نرمی) کے ساتھ موصوف کیا اور یہ کہ بے شک یہ لوگ قرآن مجید کی تلاوت سنتے وقت روتے ہیں جیسا کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والے مہاجر مسلمان اور مشرکین مکہ اس کی مجلس میں جمع ہوئے اور مسلمانوں نے انہیں قرآن مجید کی تلاوت سنائی تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا تمہاری کتاب میں حضرت مریم کا ذکر ہے؟ حضرت جعفر نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ایک پوری سورت حضرت مریم کے نام سے منسوب ہے' پھر جعفر نے ان کے سامنے سورۃ مریم ارشاد باری تعالیٰ "ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ" (مریم:۳۴) تک تلاوت فرمائی اور سورت طٰہٰ ارشاد باری تعالیٰ "وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى" (طٰہٰ:۹) تک تلاوت فرمائی تو نجاشی رو پڑا' اور اسی طرح اس کی قوم نے کیا جو ایک وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور یہ ستر آدمی تھے' جب ان کے سامنے سورت یٰسین کی تلاوت کی گئی تو وہ سب رو پڑے "تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ" کا معنی ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں تو کثرت سے آنسو بہاتی ہیں کیونکہ "فیض" کا مطلب ہے کہ برتن وغیرہ کو بھر دینا یہاں تک کہ اس کے اندر کی چیز اس کے اطراف سے باہر نکلنے لگے' چنانچہ فیض کو جو بھرنے کا معنی دیتا ہے بھرنے کی جگہ رکھا گیا ہے یا پھر رونے والی آنکھوں کو رونے کے ساتھ متصف کر کے مبالغے کا ارادہ کیا گیا ہے اور ان کی آنکھوں کو بہنے والی قرار دیا گیا ہے یعنی گویا کہ خود آنکھیں رونے کی وجہ سے بہنیں لگیں اور ["مِمَّا عَرَفُوْا" میں حرف "مِنْ" (دراصل "مِنْ مَّا عَرَفُوْا" ہے) ابتدائے غایت کے لیے ہے اس بنا پر کہ آنسوؤں کا بہنا حق کی پہچان کی وجہ سے شروع ہوا اور "مِنَ الْحَقِّ" میں حرف "مِنْ"' "مَا عَرَفُوْا" کے "مَا" موصول کے بیان کے لیے ہے یا وہ تبعیض (یعنی بعض اور کچھ) کے لیے ہے] اس بنا پر کہ انہوں نے حق کا بعض اور کچھ حصہ پہچان لیا تو اس بعض نے ان کو رلا دیا تو جب انہوں نے مکمل حق کو پہچان لیا اور قرآن مجید کو پڑھ لیا اور سنت نبوی کا احاطہ کر لیا اس وقت ان کی کیا کیفیت ہوگی؟ ﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا﴾ اس وقت وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم (سیّد عالم حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں' اس سے ایمان کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ ایمان لانا اور اسلام میں داخل ہونا مراد ہے [اور "يَقُوْلُوْنَ"' "عَرَفُوْا" کی ضمیر سے حال ہے] ﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ سوتو ہمیں گواہی دینے والوں یعنی امت محمد ﷺ کے ساتھ لکھ دے جو قیامت کے روز سابقہ امتوں پر گواہی دے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" (البقرہ:۱۴۳) "تاکہ تم دوسرے تمام لوگوں پر گواہی دینے والے ہو جاؤ" اور انہوں نے یہ بات اس لیے کہہ دی کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب انجیل میں اس امت کا ذکر اسی طرح لکھا ہوا پایا تھا۔

۸۴۔﴿ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں اور اس جملے میں ایمان کی دلیل قائم ہونے کے بعد ایمان نہ لانے پر تعجب اور انکار کا اظہار ہے اور وہ (دلیل) صالحین کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی امید ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حبشہ کا وفد مدینہ منورہ سے واپس ہوا تو ان کی قوم نے انہیں ملامت کیا تو انہوں نے اپنی قوم کو یہ جواب دیا جو آیت میں مذکور ہے [اور ''وَمَا لَنَا'' مبتدا خبر ہیں اور ''لَا نُؤْمِنُ'' حال ہے] یعنی ہم کیوں نہ ایمان لائیں جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''مَا لَكَ قَائِمًا'' ﴿ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ﴾ اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید ﴿ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک قوم یعنی انبیائے کرام اور مومنین کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا [اور ''نَطْمَعُ''، ''نُؤْمِنُ'' کی ضمیر سے حال ہے]۔

۸۵۔﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ یعنی سو ان کے اس کہنے پر کہ ''رَبَّنَا اٰمَنَّا'' اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے' اور حق کی تصدیق کرنے پر انہیں جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزائے خیر ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اقرار ایمان میں داخل ہے جیسا کہ فقہاء کا مذہب ہے اور کرامیہ فرقے نے '' لِمَا قَالُوْا'' سے استدلال کیا ہے کہ ایمان صرف اقرار کا نام ہے لیکن آیت میں آنسو بہانے پر ان کی تعریف کرنا اور آیت میں نیکی اور بھلائی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرنا اس فرقے کے قول کی تردید کر رہا ہے اور بھلا محض اقرار کرنا ایمان کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ'' اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان دار نہیں (البقرہ: ۸) اس آیت مبارکہ میں منافقین کی زبان سے ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' کہنے کے باوجود ان سے ایمان کی نفی کی گئی کیونکہ ان کے دل میں تصدیق نہیں تھی اور اہل معرفت نے فرمایا کہ عارف کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں: (۱) حالتِ اضطراب پر رونا (۲) عطاو بخشش پر دعا کرنا (۳) قضا (رب کے فیصلے) پر راضی رہنا' لہٰذا جو شخص معرفت کا دعوے دار ہے اور اس میں ان تین چیزوں میں سے کوئی نہیں تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا نہیں جھوٹا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور جنہوں نے کفر اختیار کرلیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا وہ دوزخی ہیں O اے ایمان والو! تم پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور تم حد سے آگے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O اور اللہ نے تمہیں جو حلال و پاک رزق دیا ہے تم اس میں سے کھاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو O

۸۶۔﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں اور دشمنانِ دین کے حق میں ان کا یہ انجام ہے اور پہلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے دین

حق کو قبول کرنے کا انجام بیان کیا گیا۔

حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت اور قسم کا بیان

شانِ نزول: درج ذیل آیت مبارکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ وہ دنیا کو ترک کر دیں گے' ٹاٹ کے کپڑے پہنیں گے' پوری رات عبادت میں قیام کریں گے' دن کو روزہ رکھیں گے' زمین کی سیاحت کریں گے' اپنے آلاتِ تناسل کاٹ دیں گے' وہ نہ گوشت کھائیں گے' نہ چربی استعمال کریں گے' نہ وہ عورتوں کے پاس جائیں گے اور نہ خوشبو لگائیں گے۔

۸۷- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم حلال و پاک چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دے دیا ہے یعنی حلال رزق میں سے جو پاک اور لذیذ ہیں انہیں استعمال کرو اور '' لَا تُحَرِّمُوْا '' کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو ان چیزوں کے استعمال سے نہ روکو جیسا کہ حرام سے رُکتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے محض اس بات میں مبالغہ کرنے کی بنا پر کہ تم نے ان کو ترک کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے اور دنیا کے مال و متاع سے دست بردار ہو کر فقر کی زندگی اختیار کر لی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور سیّد عالم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرغی کا گوشت اور حلوہ تناول فرمایا کرتے تھے اور آپ کو حلوہ اور شہد بہت پسند تھے اور آپ نے فرمایا کہ بے شک مؤمن میٹھا ہے اور میٹھی چیزیں پسند کرتا ہے[1] حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ کو ایک دعوت میں بلایا گیا اور اس دعوت میں آپ کے ساتھ فرقد سنجی اور اس کے دیگر ساتھی بھی شریک تھے' چنانچہ سب دسترخوان پر بیٹھ گئے اور دسترخوان پر گھی سے پُر فربہ مرغیوں کا گوشت اور حلوہ وغیرہ رنگ برنگے کھانے چُن دیئے گئے تو فرقد اٹھ کر ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا' حضرت حسن نے پوچھا: کیا یہ روزہ دار ہے؟ اس کے ساتھیوں نے کہا: نہیں لیکن وہ رنگ برنگے مرغن کھانے نہیں کھاتا تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے فرقد! کیا تو نے کوئی ایسا مسلمان دیکھا ہے جو خالص گندم کی روٹی اور خالص گھی اور خالص شہد میں عیب تلاش کرتا ہو؟ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی حلوہ نہیں کھاتا اور وہ کہتا ہے کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا' آپ نے فرمایا کہ کیا وہ ٹھنڈا پانی پیتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر وہ جاہل ہے کیونکہ ٹھنڈے پانی کی نعمت اس کے لیے حلوہ کی نعمت سے بڑھ کر ہے ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ اور تم اس حد سے آگے نہ بڑھو جو اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کے بارے میں مقرر فرما دی ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز کر کے ان حدود کی طرف نہ بڑھو جو اس نے تم پر حرام فرما دی ہیں یا یہ معنی ہے کہ پاکیزہ چیزوں کے استعمال میں حد سے نہ بڑھو (یعنی فضول خرچی نہ کرو) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

۸۸- ﴿ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق عنایت فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ ﴿ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ حلال پاکیزہ۔ [یہ '' مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ '' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ احکامِ خداوندی کی وصیت کی تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی مزید تاکید بیان فرما دی: ﴿ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ جس پر تم ایمان رکھتے ہو کیونکہ اس کی ذات پر ایمان لانا اوامر و نواہی میں تقویٰ اختیار کرنے کو واجب و لازم کرتا ہے۔

---

[1] اس روایت کو دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ (حاشیہ الکشاف ج ۱ ص ۶۷۱)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۖ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۖ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۖ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اللہ تمہاری غلط فہمیوں کی قسموں پر تمہیں نہیں پکڑتا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا' تو ایسی قسم کے توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کے کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے' پھر جو ان میں سے کسی کو نہ پائے تو تین دن روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا بدلا ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)' اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر ادا کرو O

۸۹- ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا۔ یمینِ لغو اس بے مقصد قسم کو کہا جاتا ہے جس پر شرعی حکم جاری نہیں ہوتا اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھائے جس کے بارے میں وہ خیال کرتا ہو کہ وہ اسی طرح ہے لیکن وہ چیز اس کے خیال وگمان کے مطابق نہ ہو اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینے کی قسمیں محض اس گمان پر کھائی تھیں کہ یہ ایک عبادت ہے لیکن جب مذکورہ بالا وہ آیت (۸۷) نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہماری قسموں کا کیا بنے گا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یمینِ لغو وہ ہے جو زبان پر بغیر کسی ارادہ کے جاری ہو جائے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ اور لیکن جو قسمیں تم نے نیت اور ارادے کے ساتھ کھائی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت فرمائے گا یعنی جن قسموں کو تم نے دل کے ارادے کے ساتھ مضبوط و مستحکم اور پختہ کیا ہے [اور امام حفص کے علاوہ کوفہ کے باقی قراء کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے] اور ''عقد'' کا معنی ہے کہ کسی کام کو درست کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور یہ ماضی (گزشتہ زمانہ) میں نہیں ہوسکتا' سو یمینِ غموس میں کفارہ نہیں[1] حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ارادہ دل سے ہوتا ہے اور چونکہ یمینِ غموس میں قصد و ارادہ ہوتا ہے' لہٰذا یہ منعقد ہو جائے گی اس لیے اس میں کفارہ مشروع ہے اور آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ لیکن اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں پر گرفت فرمائے گا جن کو تم نے قصد و ارادہ کے ساتھ مضبوط و مستحکم کر لیا ہے جس وقت تم ان کو توڑ دو گے' سو گرفت کا وقت آیت میں محذوف ہے کیونکہ یہ سب کے نزدیک معلوم و معین ہے (کہ کفارہ قسم کے توڑنے پر

[1] قسم کی تین اقسام ہیں: (۱) یمینِ لغو' کہ آدمی کسی واقعہ کو اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھا لے اور حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو' ایسی قسم پر کفارہ نہیں (۲) یمینِ غموس' کہ ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر قصداً جھوٹی قسم کھائی جائے' ایسی قسم کھانے والا سزا کا مستحق ہے' اس میں کفارہ نہیں توبہ لازم ہے (۳) یمینِ منعقدہ' کہ کسی آئندہ امر پر قصداً قسم کھائی جائے' ایسی قسم توڑنا گناہ بھی ہے اور اس پر کفارہ بھی لازم ہے' قرآن مجید میں اسی قسم کا ذکر کر کے اس کا کفارہ بیان کیا گیا ہے۔

لازم آتا ہے) یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں پر گرفت فرمائے گا جن کو تم نے پختہ کر کے توڑ دیا [سو اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا] ﴿ فَكَفَّارَتُهٗۤ ﴾ یعنی اس (قسم) کو توڑنے کا کفارہ ہے یا یہ کہ دل کے ارادہ سے پختہ کر کے قسم کھانے کا کفارہ ہے اور کفارہ وہ عمل ہے جس کی شان یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے پر گناہ مٹا دیا جائے یعنی اس کی پردہ پوشی کر دی جائے ﴿ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ ﴾ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور یہ کھانا ان کو صبح و شام کھلایا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ کھانا کھلانے کی بجائے ان کو بطور ملکیت کھانا وغیرہ دیا جائے اور وہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک مسکین کو آدھا صاع (دو کلو) گندم یا ایک صاع (چار کلو) جَو یا ایک صاع کھجور دینی ہوگی اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک مُد (پیمانہ) ہر مسکین کو دیا جائے گا ﴿ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ ﴾ درمیانی قسم کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یعنی صبح و شام کا کھانا دیا جائے' جب مالی وسعت زیادہ ہو تو دن میں تین مرتبہ گندم کے کھانے کے ساتھ سالن بھی دیا جائے اور کم از کم دن میں ایک مرتبہ کھجور یا جَو کے ساتھ دیا جائے ﴿ اَوْ كِسْوَتُهُمْ ﴾ یا ان کو کپڑے پہنائے جائیں [یہ ''اِطْعَام'' پر معطوف ہے یا ''مِنْ اَوْسَطِ'' کے محل پر معطوف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''مِنْ اَوْسَطِ'' ''اِطْعَامُ'' سے بدل ہے اور کلام میں بدل مقصود ہوتا ہے] اور ''كِسْوَةٌ'' سے اتنا کپڑا مراد ہے جو بدن کے قابل ستر حصے کو ڈھانپ لے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ تہبند یا قمیص یا بڑی چادر ہو ﴿ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ﴾ یا ایک غلام آزاد کیا جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ اس آیت مبارکہ میں بغیر کسی قید کے مطلق غلام آزاد کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایمان کی شرط لگائی ہے اور انہوں نے قتل کے کفارہ میں مقید غلام پر مطلق غلام کو محمول کیا ہے اور ''اَوْ'' کا معنی تخییر (اختیار دینا) ہے اور تینوں کفاروں میں سے کسی ایک کو جواب قرار دیا گیا ہے ﴿ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ ﴾ سو جو شخص تینوں کفاروں میں سے کوئی کفارہ ادا نہ کر سکے ﴿ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ﴾ ''مُتَتَابِعَةٍ'' تو مسلسل تین دن روزے رکھے [حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قراءت میں اسی طرح ہے] ﴿ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ﴾ یہ مذکورہ بالا چیزیں تمہاری قسموں کا کفارہ (بدلا) ہیں جب تم قسم کھاؤ اور توڑ دو' پھر قسم توڑنے کا ذکر ترک کر دیا گیا کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ کفارہ صرف قسم کھانے پر واجب و لازم نہیں ہو جاتا' یہی وجہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں ﴿ وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ ﴾ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو' سو تم اپنی قسموں کو پورا کرو اور ان کو نہ توڑو جب توڑنے میں بھلائی نہ ہو یا پھر تم بالکل قسم نہ کھایا کرو ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اس مذکورہ بالا وضاحت کی طرح ﴿ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان فرماتا ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے اور اس نے تم پر ان سے عہدہ برا ہونا آسان کر دیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور پتھر کے بت اور فال کے تیر ناپاک ہیں شیطان کے کام ہیں' سو تم ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤO بے شک شیطان تو صرف یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض اور دشمنی ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آ جاؤ گےO اور تم اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ہوشیار رہو' پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہےO

شراب وغیرہ کی حرمت' اطاعت کی تاکید اور پہلے جرائم کی معافی کا اعلان

۹۰- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ﴾ اے ایمان والو! بے شک شراب اور ''میسر'' بہ معنی قمار یعنی جوا ﴿ وَالْاَنْصَابُ ﴾ اور بت کیونکہ بتوں کو پہلے زمین پر نصب کیا جاتا ہے' پھر ان کی عبادت کی جاتی ہے اس لیے ''انصاب'' فرمایا ﴿ وَالْاَزْلَامُ ﴾ اور فال کے تیر' یہ وہ تیر ہیں جن کی تفصیل (اسی سورت کی آیت ۳ میں) گزر چکی ہے ﴿ رِجْسٌ ﴾ ناپاک ہیں یا پلید اور قابلِ نفرت و کراہت گندگی ہیں ﴿ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ شیطانی کام ہیں' چونکہ ایسے کاموں پر شیطان ابھارتا ہے اس لیے گویا یہ شیطانی کام ہیں ﴿ فَاجْتَنِبُوْهُ ﴾ تو اس سے بچو [اور اس میں ''ہ'' ضمیر ''رِجْسٌ'' کی طرف لوٹتی ہے یا ''عَمَلِ الشَّيْطَانِ'' کی طرف یا مذکور کی طرف یا مضاف محذوف کی طرف لوٹتی ہے] گویا کہا گیا ہے کہ شراب اور جوا (کی رقم سے لوگوں کی) خدمت کی جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''رِجْسٌ'' یہ چیزیں ناپاک ہیں ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تا کہ تم کامیابی حاصل کر لو' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کی حرمت کی چند طریقوں سے تاکید فرمائی ہے: (۱) ایک یہ کہ اس آیت کو ''اِنَّمَا'' سے شروع فرمایا (جو حصر کا معنی دیتا ہے) (۲) ان دونوں کا ذکر بتوں کی عبادت کے ساتھ ملا کر کیا گیا اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ''[1] شراب پینے والا بت پرستی کرنے والے کی طرح ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے دونوں کو شیطانی عمل قرار دیا اور شیطان کے عمل سے سوائے شر اور برائی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا (۴) اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس سے بچنے کو فلاح و کامیابی قرار دیا ہے اور جب اس سے بچنا کامیابی ہے تو اس کا ارتکاب نقصان و ناکامی ہوئی۔

۹۱- ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ﴾ بے شک شیطان تمہارے درمیان شراب اور جوے کے ذریعے صرف عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ ڈالنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے سے پیدا ہونے والے وبال کا یہاں ذکر فرمایا ہے اور وہ شراب پینے والوں اور جوا کھیلنے والوں کے درمیان آپس میں عداوت و دشمنی اور بغض و کینے کا پیدا ہو جانا ہے اور شراب اور جوا انسان کے لیے نماز کے اوقات کی رعایت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رکنے کا سبب بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے نماز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ اس کا درجہ سب سے زیادہ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شراب اور جوا اللہ تعالیٰ کے ذکر خصوصاً نماز سے رکنے کا سبب بن جاتے ہیں اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت مبارکہ میں شراب اور جوئے کو بتوں اور فال کے تیروں کے ساتھ جمع فرما دیا' پھر اس آیت مبارکہ میں ان دونوں کو دوبارہ الگ ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خطاب مسلمانوں کو ہے اور ان کو اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ شراب اور جوا کھیلنے اور اس کے کاروبار

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الاشربہ باب ۳ بلفظ مدمن الخمر بدل شارب

سے باز آ جائیں اور بتوں اور فال کے تیروں کا ذکر صرف شراب اور جوئے کی حرمت کی تاکید کے لیے کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ تمام مشرکین کے اعمال ہیں گویا بتوں کی پوجا کرنے والے اور شراب پینے والے اور جوا کھیلنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں' پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا علیحدہ ذکر کیا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ذکر سے یہی دونوں مقصود ہیں ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ تو کیا تم باز آ جاؤ گے اور نہی کا یہی بہترین طریقہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ بے شک شراب اور جوئے کے بارے میں بہت سے موانع اور ڈرانے کی اقسام بیان کی گئی ہیں تو کیا تم ان موانع کی وجہ سے باز آ جاؤ گے یا اسی پرانی حالت پر قائم رہو گے کہ گویا نہ تمہیں کوئی نصیحت کی گئی اور نہ تمہیں ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔

۹۲- ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو اور محتاط رہو اور تم پرہیز کرنے اور ڈرنے والے بن جاؤ کیونکہ جب انہیں ڈرایا گیا تو یہ خوف اور ڈر انہیں ہر برائی سے بچنے اور ہر نیک کام کرنے کی دعوت دے گا ﴿ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ پھر اگر تم اس سے پھر گئے تو جان لو کہ بے شک ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے یعنی تم جان لو بے شک تم اپنے پھر جانے سے رسول اکرم کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے کیونکہ وہ تو صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ اللہ کے احکام و آیات لوگوں تک صاف صاف پہنچا دیں اور جب تم ان مذکورہ بالا احکام سے جن کے تم مکلف ہو روگردانی کرو گے تو اس کا نقصان خود تمہیں کو ہوگا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

ع ۱۲

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں جو کھا پی چکے جب کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے اور نیک کام کرتے رہے' پھر ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے' پھر ڈرتے رہے اور نیک کام کرتے رہے' اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے O اے ایمان والو! اللہ تمہیں بعض ایسے شکار سے ضرور آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ ان کی پہچان کرا دے جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں' سو جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے O

شانِ نزول: (درج ذیل) آیت مبارکہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو شراب اور جوئے کی حرمت سے پہلے ان کو استعمال کرتے رہے ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو شراب اور جوئے کی حرمت سے پہلے شراب پی اور جوا کھیل کر مال کمایا ﴿ اِذَا مَا اتَّقَوْا ﴾ جب کہ وہ شرک سے بچتے رہے ﴿ وَّاٰمَنُوْا ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان قائم رکھا ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور وہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرتے رہے ﴿ ثُمَّ اتَّقَوْا ﴾ پھر وہ حرمت کے حکم کے بعد شراب پینے اور جوا کھیلنے سے بچتے رہے ﴿ وَّاٰمَنُوْا ﴾

اور وہ شراب اور جوئے کی حرمت پر ایمان لائے ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ پھر وہ باقی تمام محرمات سے بچتے رہے یا پہلے شرک سے بچتے رہے دوسرے محرمات سے بچتے رہے اور تیسرے شبہات سے بچتے رہے ﴿وَّاَحْسَنُوْا﴾ اور وہ لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے رہے ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَؕ وَ مَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (۹۵) اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّیَّارَةِۚ وَ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًاؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ (۹۶)

اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار نہ مارو‘ اور تم میں سے جس نے اس کو قصداً قتل کیا تو اس کا بدلا مویشیوں میں سے اسی طرح کا جانور ہے جس کو اس نے مارا ہے‘ تم میں سے دو عادل آدمی اس کا فیصلہ کریں گے یہ قربانی حرم کعبہ میں پہنچائی جائے یا چند مسکینوں کو کھانا دے کر کفارہ ادا کرے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنے جرم کا مزہ چکھے‘ جو گزر چکا اس کو اللہ نے معاف فرمایا‘ اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ اس سے بدلا لے گا‘ اور اللہ بہت غالب انتقام لینے والا ہے O تمہارے لیے بحری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے‘ تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے اور خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے‘ جب تک تم احرام میں رہو گے‘ اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم نے اٹھ کر جانا ہے O

حالت احرام میں شکار کی ممانعت‘ خانہ کعبہ وغیرہ کی فضیلت اور خبیث وطیب کا فرق

شانِ نزول: اور جب (حضور سید عالم ﷺ تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر) چھٹے ہجری کو حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شکار سے آزمایا اس لیے کہ اس وقت مسلمان احرام باندھے ہوئے تھے اور ان کے پاس شکاری جانور کثرت سے جمع ہو جاتے تھے حتیٰ کہ ان کے قریب آ کر کھڑے ہو جاتے اور ان کے کجاووں و دیگر سامان کو ڈھانپ لیتے تھے‘ مسلمان چاہتے تو شکاری جانوروں کو ہاتھوں اور نیزوں سے شکار کر سکتے تھے (لیکن وہ امتحان میں کامیاب ہوئے) تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

۹۴- ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہیں بعض ایسے شکار کے ذریعے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہیں اور ”یَبْلُوْ“ کا معنی ”یَخْتَبِرُ“ (وہ آزمائے گا) ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے بارے میں ازل سے جو جانتا ہے اس کو اپنے علم کے مطابق بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے‘ اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے بعد معلوم کر لیتا ہے پہلے معلوم نہیں ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم بھی دیگر صفات کی طرح قدیم ہے)[اور ”مِنْ“ تبعیض (بعض کے معنی) کے لیے ہے کیونکہ تمام

شکار حرام نہیں کیے گئے یا جنس کے بیان کے لیے ہے] ﴿ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی پہچان کرا دے جو اس سے غائبانہ ڈرتا ہے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ غائبانہ خوف الٰہی رکھنے کے سبب شکار سے رکنے والے اپنے بندے کا خوف (لوگوں پر ظاہر کر کے) موجود کر دے جیسا کہ اس کے وجود سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا تھا کہ بے شک وہ عنقریب موجود ہوگا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کے مطابق اس کو ثواب عطا فرمائے صرف اپنے علم کی بنا پر نہیں ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ سو جس نے اس امتحان و آزمائش کے بعد حد سے تجاوز کر کے شکار کر لیا ﴿ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد '' بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ '' میں قلت کو بیان فرمایا ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی بہت بڑا فتنہ نہیں ہے [اور '' تَنَالُهٗ '' '' شَيْءٍ '' کی صفت ہے]۔

۹۵- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم شکاری جانور کو نہ مارو کیونکہ شکار صرف شکاری جانور کا کیا جاتا ہے یا یہ کہ تم شکار گاہ میں شکار کو نہ مارو کیونکہ شکار اسی جگہ میں ہوتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ حالانکہ تم نے احرام باندھا ہوا ہو یعنی محرم ہو [اور '' حُرُمٌ '' '' حرام '' کی جمع ہے جیسے '' رُدُحٌ '' '' رَدَاح '' کی جمع ہے' یہ جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ '' تَقْتُلُوْا '' کی ضمیر فاعل سے حال ہے] ﴿ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا ﴾ اور تم میں سے جو اس کو قصداً قتل کرے' [یہ '' متعمدًا '' ضمیرِ فاعل سے حال ہے] یعنی دراں حالیکہ اس کو احرام یاد ہو یا وہ جانتا ہو کہ بے شک جس شکاری جانور کو قتل کر رہا ہے محرم پر اس کا قتل کرنا حرام ہے' سو اگر اس نے اپنے احرام کو بھول کر شکاری جانور کو مار دیا' یا اس نے شکار پر تیر پھینکا اور اس کا خیال یہ تھا کہ شکار نہیں تو وہ غلطی سے شکار کرنے والا کہلائے گا کیونکہ آیت کریمہ میں جان بوجھ کر شکار کرنے کی شرط ہے لیکن اس کے باوجود احرام کے ممنوعات میں جان بوجھ کر شکار کرنا اور غلطی سے شکار کرنا دونوں جرم میں برابر ہیں اس لیے کہ آیت مبارکہ کا نزول تو صرف اس شخص کے بارے میں ہوا جو جان بوجھ کر شکار کرے لیکن یہ بھی مروی ہے کہ حدیبیہ کے عمرہ میں مسلمانوں کے سامنے جنگلی گدھا آ گیا تو ایک مسلمان ابوالیسر نے اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا' چنانچہ اس سے کہا گیا کہ تم نے احرام کی حالت میں شکار مار ڈالا ہے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس لیے بھی کہ اصل حکم تو جان بوجھ کر شکار کرنے والے کے لیے ہے لیکن ڈرانے دھمکانے کے لیے غلطی سے شکار کرنے والے کو بھی اس حکم میں شامل کر لیا گیا ہے اور امام زہری سے مروی ہے کہ قرآن مجید کا حکم جان بوجھ کر شکار کرنے والے کے لیے نازل ہوا ہے اور غلطی سے شکار کرنے کے بارے میں سنت نبوی وارد ہوئی ہے ﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ ﴾ [یہ اہل کوفہ قراء کی قراءت ہے] یعنی اس پر بدلا لازم ہے جو شکار کیے گئے جانور کے مساوی ہو اور وہ شکار کی قیمت ہے اور یہ قیمت وہاں مقرر کی جائے گی جہاں جانور کو شکار کیا گیا ہے' پھر اگر اس کی قیمت قربانی کی قیمت کو پہنچ جائے تو محرم کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو قربانی کا ایسا جانور خرید لے جس کی قیمت شکار کی قیمت کے برابر ہو اور چاہے تو اس کی قیمت کا کھانا خرید لے اور ہر مسکین کو گندم ہو تو نصف صاع (دو کلو) اور کوئی اور چیز جَو وغیرہ ہوں تو پورا ایک صاع دے دے اور اگر چاہے تو ہر مسکین کو کھانا دینے کی بجائے اس کی جگہ ایک ایک دن روزہ رکھ لے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شکار کے عوض (اس کی قیمت دینے کی بجائے) مویشیوں میں سے ایسا جانور قربان کرنا ضروری ہے جو اس کی مثل ہو' پھر اگر اس شکار کی مثل مویشیوں میں کوئی جانور نہ پایا جائے تو پھر جس طرح اوپر گزر رہا ہے (اس کی قیمت صدقہ کی جائے گی) [اور کوفہ کے قراء کے علاوہ دیگر (ابوعمرو بصری' ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی اور نافع مدنی) قراء کے نزدیک '' فَجَزَآءُ مِثْلِ '' اضافت کے ساتھ قراءت کی جائے گی اور یہ اصل میں '' فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ '' ہے] یعنی شکاری پر لازم ہے کہ وہ شکار کی مثل اس کا بدلا ادا کرے جس کو اس نے شکار کر کے مارا ہے' پھر اس کو مضاف

کیا گیا ہے جیسے کہو کہ مجھے زید کے مارنے سے تعجب ہوا ہے ﴿مِنَ النَّعَمِ﴾ مویشیوں میں سے [یہ ''قَتَلَ'' کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ مقتول بھی جانوروں میں سے ہے یا یہ ''جَزَآءٌ'' کی صفت ہے] ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ جو شکاری جانور محرم نے مارا یہ اس کی مثل کا فیصلہ تم میں سے دو عادل مسلمان کریں گے اور یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ مثل سے مثل قیمتی مراد ہے (یعنی جو جانور شکار کے عوض میں ذبح کیا جائے گا وہ قیمت کے اعتبار سے شکاری جانور کی مثل ہو کہ دونوں کی قیمت برابر ہو) اور مثل سے مثلِ صوری مراد نہیں ہے (یعنی جو جانور شکار کے عوض میں ذبح کیا جائے گا وہ شکل وصورت اور جسمانی خلقت وساخت میں شکار کیے گئے جانور کی مثل مراد نہیں ہے کیونکہ ہر شکار کا مثل صوری ملنا ناممکن ہے) اور اس لیے کہ قیمت مقرر کرنے میں غور وفکر اور اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے جب کہ مشاہداتی اشیاء میں غور وفکر اور اجتہاد کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس لیے بھی کہ مثل مطلق قرآن وسنت اور اجماع میں مثل صوری اور مثل معنوی (یعنی مثل قیمتی) دونوں کے ساتھ مقید ہوگا یا بغیر مثل صوری کے فقط مثل معنوی کے ساتھ مقید ہوگا یا بغیر مثل معنوی کے فقط مثل صوری کے مقید ہوگا اور جن شکاری جانوروں کی مثل صوری نہ ملے ان میں بالاتفاق ان کی قیمت (یعنی مثل معنوی جسے مثل قیمتی بھی کہتے ہیں) مراد ہوگی' لہٰذا آیت مبارکہ میں مثل معنوی کے علاوہ اور کوئی مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ مشترک میں عموم مراد نہیں ہوتا۔

اعتراض: پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''مِنَ النَّعَمِ'' مثل قیمتی (یعنی مثل معنوی) کی تفسیر کے منافی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے مثل قیمتی کو واجب کیا ہے اس نے محرم کو اختیار دیا ہے چاہے اس سے قربانی کا جانور خرید کر ذبح کردے چاہے تو کھانا خرید کر مسکینوں کو کھلا دے اور چاہے تو روزے رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں محرم کو اختیار دیا ہے' لہٰذا ''مِنَ النَّعَمِ'' تخییر کی وجوہ میں سے قیمت کے ذریعے خریدی گئی قربانی کا بیان ہے (چنانچہ ''مِنَ النَّعَمِ'' میں ''مِنْ'' بیانیہ ہوا) اس لیے کہ جس نے شکار کی قیمت لگوائی اور اس قیمت کا جانور خرید کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کر دیا تو اس نے مویشیوں میں سے اس شکار کی مثل معاوضہ ادا کر دیا جس کو اس نے شکار کر کے مارا تھا' یہ اس لیے کہ آیت مبارکہ میں اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قربانی کے ساتھ معاوضہ ادا کرے خواہ وہ کھانے کے ساتھ کفارہ ادا کرے خواہ وہ روزوں کے ساتھ کفارہ ادا کرے اور یہ تب درست ہوگا جب وہ اس کی قیمت لگوائے اور قیمت لگوانے کے بعد سوچے کہ وہ تین کفاروں میں سے کون سا کفارہ ادا کرے لیکن جب کوئی شخص (محرم) مثلِ صوری کا ہی ارادہ کر لے اور کوئی دوسرا کفارہ ادا کرنے کی بجائے فقط اسی کو اختیار کر لے تو جب وہ ایسا شکاری جانور شکار کر لے جس کا مثلِ صوری نہ ہو تو اس وقت لازماً اس کو مثلِ معنوی (یعنی مثلِ قیمتی) اختیار کرنا پڑے گا' پھر اسے اختیار دیا گیا کہ کھانا کھلا دے خواہ روزے رکھے اور اس میں (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق) انہیں تین چیزوں کا مطالبہ ہے جن کا آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿هَدْيًا﴾ [یہ ''يَحْكُمُ بِهٖ'' میں ''بِهٖ'' سے حال ہے] یعنی تم میں سے اس کا دو منصف آدمی فیصلہ کریں دراں حالیکہ یہ قربانی ﴿بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ کعبہ میں پہنچنے والی ہو [یہ ''هَدْيًا'' کی صفت ہے اس لیے اس کی اضافت حقیقی نہیں ہے] اور کعبہ میں پہنچنے کا معنی یہ ہے کہ اس قربانی کو مکہ مکرمہ لے جا کر حرم شریف کے پاس ذبح کیا جائے پھر جیسے چاہو اس کو صدقہ کر دو اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حرم شریف میں ذبح کیا جائے' ﴿اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ یا چند مسکینوں کو کھانا دے کر کفارہ ادا کرے یا اس کے برابر روزے رکھے' اس میں تین چیزوں کے درمیان کیسے اختیار دیا گیا ہے اور یہ اختیار بغیر قیمت مقرر کیے نہیں ہوسکتا (تو ثابت ہوگیا کہ ''مِثْلُ مَا قَتَلَ'' سے مثلِ معنوی مراد ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے) ﴿اَوْ كَفَّارَةٌ﴾ [یہ ''جَزَآءٌ'' پر معطوف ہے] ﴿طَعَامُ﴾

[یہ ''کَفَّارَۃٌ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''ھِیَ طَعَامٌ'' ہے ''اَوْ کَفَّارَۃُ طَعَامٍ'' اضافت کے ساتھ ہے، چنانچہ قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت بھی اسی طرح ہے اور یہ اضافت مضاف کے بیان کے لیے ہے گویا کہا گیا: ''اَوْ کَفَّارَۃٌ مِّنْ طَعَامٍ''] ﴿مَسٰکِیْنَ﴾ یا چند مسکینوں کو کھانا دینے سے کفارہ ادا کرنا ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو: ''خَاتِمُ فِضَّۃٍ'' یعنی ''خَاتِمٌ مِّنْ فِضَّۃٍ'' ﴿اَوْ عَدْلُ﴾ [اور اس کو مکسور العین (عین کے نیچے زیر دے کر) ''عِدْلُ'' بھی پڑھا گیا ہے، امام فرآء نے کہا کہ ''عَدْلُ'' (عین پر زبر ہو) تو معنی ہوگا: جس شے کا مثل ہے اس کی جنس سے نہ ہو بلکہ دوسری جنس سے ہو] جیسے شکار کیے گئے جانور کے کفارہ میں روزہ رکھنا اور کھانا کھلانا ہے [اور ''عِدْل'' (عین کے نیچے زیر) ہو تو معنی ہوگا: جو ہم جنس کی مثل ہو] (جیسے ہرن کے کفارہ میں بکری وغیرہ جانور) اور اسی وجہ سے لکڑیوں کے گٹھے کو ''عِدل'' کہا جاتا ہے [اور کہا جاتا ہے کہ ''عِنْدِیْ غُلَامٌ عِدْلُ غُلَامِكَ'' عین کے کسرہ کے ساتھ جب وہ اس کی جنس مراد لے] یعنی میرے پاس ایک غلام ہے جو تیرے غلام کی طرح ہے اور اگر اس کی مراد یہ ہو کہ میرے غلام کی قیمت تیرے غلام کی قیمت کے برابر ہے [اور اس کی جنس مراد نہ ہو تو کہا جائے گا: ''هُوَ عَدْلُ غُلَامِكَ'' عین پر فتح کے ساتھ] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ طعام کی طرف اشارہ ہے ﴿صِیَامًا﴾ [یہ تمیز ہے جیسے ''لِیْ مِثْلُهٗ رَجُلًا'' ہے] اور اس میں قاتل (محرم) کو اختیار دیا گیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دو منصفوں کو اختیار دیا گیا ہے ﴿لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ یہ ''فَجَزَآءٌ'' کے متعلق ہے یعنی محرم شکاری پر لازم ہے کہ وہ شکار کا بدلا ادا کرے یا اس کا کفارہ ادا کرے تاکہ وہ احرام کی حرمت کی ہتک وتوہین کی برائی کا مزہ چکھے اور ''وَبَالَ'' اس مکروہ ضرر اور نقصان کو کہا جاتا ہے جو بندے کو شامت اعمال نفس کی وجہ سے پہنچے چونکہ یہ اس پر بوجھ ہوتا ہے اس لیے اس کو وبال کہا جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا. (المزمل:١٦) یعنی سو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیا'' ''اَیْ ثَقِیْلًا شَدِیْدًا'' اور طعامِ وبیل اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو معدہ پر بوجھ بن جائے اور ہضم نہ ہو ﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ﴾ اور حرمت سے پہلے تم نے جو حالت احرام میں شکار کر لیے وہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے معاف فرما دیئے ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ اور جو شخص حرمت کے بعد دوبارہ شکار مارے گا یا اسی احرام میں دوبارہ شکار کرے گا ﴿فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرور بدلا لے گا [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، اصل میں ''فَهُوَ یَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ'' ہے] ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ احکام لازم کرنے پر غالب وقادر ہے اور اسلام کی حدود سے تجاوز کرنے والے کی گرفت فرما کر سخت سزا دینے والا ہے۔

٩٦- ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ﴾ دریاؤں اور سمندروں کے شکار تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں خواہ وہ کھانے کے قابل ہوں خواہ وہ کھانے کے قابل نہ ہوں ﴿وَطَعَامُهٗ﴾ اور جس شکار کو کھایا جا سکتا ہے اور معنی یہ ہے کہ پانی کے جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے ان سب سے نفع اٹھانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے اور کھانا صرف وہی تمہارے لیے حلال ہے جو کھانے کے قابل ہو اور وہ صرف مچھلی ہے (یعنی اس کی تمام اقسام) ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی یہ چیزیں تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے حلال کی گئی ہیں ﴿وَلِلسَّیَّارَةِ﴾ اور مسافروں کے لیے اور معنی یہ ہے کہ اس کا طعام تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے تاکہ تم میں سے مقیمین (گھروں میں رہائشی) اس کو تازہ بہ تازہ کھائیں اور تم میں سے جو مسافر ہیں وہ اسے خشک کر کے زادِ راہ کے طور پر ساتھ لے جائیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس ملاقات کے لیے جاتے وقت سفر کے خرچ کے لیے مچھلی ساتھ لے گئے تھے ﴿وَحُرِّمَ عَلَیْكُمْ صَیْدُ الْبَرِّ﴾ اور تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جو جنگل وغیرہ میں شکار کیا جاتا ہے اور اس سے وہ وحشی جانور مراد ہیں جو خشکی میں پیدا

ہوتے ہیں اگر چہ بعض اوقات پانی میں رہتے ہیں جیسے بطخ اور مرغابی وغیرہ سو یہ خشکی کے جانور ہیں کیونکہ یہ خشکی میں پیدا ہوتے ہیں اور سمندر' دریا' تالاب وغیرہ ان کی چراگاہیں ہیں جیسا کہ یہ انسانوں کے لیے تجارت گاہیں ہیں ﴿مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ جب تک تم حالت احرام میں محرم رہو گے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم حرم شریف میں یا حالت احرام میں شکار کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ جس کے حضور تم نے اٹھ کر جانا ہے سو وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور حرم کی قربانی کو اور گلوں میں علامتِ قربانی کے آویزاں پٹوں والے جانوروں کو' یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ تم جان لو بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ رسول پر صرف حکم پہنچانا لازم ہے' اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ○

۹۷۔ ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرمت وعزت والے گھر کعبہ شریف کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو لوگوں کے دینی امور کی ترقی کا ذریعہ اور ان کے دنیوی معاش اور اخروی فلاح کے اغراض ومقاصد اور فوائد کے لیے قیام کا سبب بنا دیا ہے کیونکہ اسی گھر کی وجہ سے ان کے حج' عمرے کے معاملات اور ہر قسم کے ثمرات ومنافع اور فوائد مکمل ہوتے ہیں' ایک قول کے مطابق اگر یہ لوگ اس گھر کو چھوڑ دیتے تو نہ ان پر نظرِ کرم کی جاتی' نہ ان کی مدد کی جاتی اور نہ ان کو زندگی کی مہلت دی جاتی [اور ''جَعَلَ'' بہ معنیٰ ''صَيَّرَ'' ہے اور ''الْبَيْتَ الْحَرَامَ'' بدل ہے یا عطف بیان ہے اور ''قِيٰمًا'' دوسرا مفعول ہے یا ''جَعَلَ'' بہ معنیٰ ''خَلَقَ'' ہے اور ''قِيٰمًا'' حال ہے] ﴿وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ اور حرمت والے مہینے کو اور اس سے وہ مہینہ مراد ہے جس میں حج ادا کیا جاتا ہے اور وہ ذوالحج شریف ہے اور دیگر مہینوں کے علاوہ صرف اس مہینہ میں ارکان حج ادا کرنے کی خصوصیت کی وجہ سے اس کی بڑی شان ہے جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یا اس سے محترم مہینہ کی جنس مراد ہے اور وہ یہ ہیں: رجب' ذوالقعدہ' ذوالحج اور محرم ﴿وَالْهَدْيَ﴾ اور ہدی وہ قربانی ہے جو مکہ مکرمہ بھیج کر حرم شریف کے پاس ذبح کی جاتی ہے (بہرحال اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کی طرف حرمت والے مہینے اور قربانی کے جانوروں) ﴿وَالْقَلَآئِدَ﴾ اور گلوں میں آویزاں پٹوں والے جانوروں کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا اور ان قلادہ والے جانوروں میں خصوصاً اونٹ زیادہ اہم ہیں کیونکہ ان میں زیادہ ثواب ہے اور حج کی قدر وقیمت انہی کے ساتھ نکھر جاتی ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ کعبہ

معظمہ کو باعث قیام بنانے کی طرف اشارہ ہے یا شکار کو ترک کر کے احرام کی حرمت کی حفاظت وغیرہ کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف اشارہ ہے ﴿ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ تا کہ تم جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ان سب کو یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے یعنی تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب کے مصالح و منافع اور ان کے فوائد کو خوب جانتا ہے اور وہ کیسے نہیں جانے گا حالانکہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۹۸- ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو سخت ترین سزا دے گا جو حرم اور احرام کی توہین کرے گا ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا جو محارم کی تعظیم و حفاظت کرے گا ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ اس مجرم پر بے حد مہربانی فرمائے گا جو جرم کے ارتکاب کے بعد تائب ہو کر حرمت والے شہر میں پناہ لے لے گا۔

۹۹- ﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ﴾ رسول کریم کے ذمے صرف صاف صاف احکام کا پہنچانا ہے۔ آپ کو جن احکام کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے' اس آیت مبارکہ میں ان کے قیام کے وجوب کی تاکید کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ بے شک رسول اکرم ﷺ اس فرض سے سبک دوش ہو چکے ہیں جس کی تبلیغ آپ پر فرض تھی اور تم پر حجت قائم ہو گئی ہے اور تم پر آپ کی اطاعت لازم ہو چکی ہے اور اب کسی قسم کی کوتاہی کے لیے تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو' سو اس پر تمہارا انفاق اور اتفاق پوشیدہ نہیں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

آپ فرما دیں کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو' تو اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ○ اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں' اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت پوچھو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی' اللہ ان کو معاف فرما چکا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بڑے حلم والا ہے○ تم سے پہلے ایک قوم نے ایسے سوالات کیے تھے' پھر وہ لوگ ان کی وجہ سے کافر ہو گئے○

۱۰۰- ﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے' جب اللہ تعالیٰ نے خبر سنائی کہ لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو خوب جانتا ہے تو اب یہ ذکر فرمایا کہ ان میں سے ناپاک اور پاک برابر نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فرق کرے گا اور ناپاک یعنی کافر کو سزا دے گا اور پاک یعنی مسلمان کو ثواب عنایت فرمائے گا ﴿ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾ اور اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت عجیب لگے اور تم

پاک کو اختیار کرو اگر چہ تھوڑا ہو اور خبیث کو پسند نہ کرو اگر چہ بہت زیادہ ہو اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت مبارکہ کا حکم عام ہے حلال مال اور حرام مال اور نیک عمل اور برے عمل اور نیک لوگ اور بُرے لوگ سب کو شامل ہے (لہٰذا تم حلال مال' نیک عمل اور نیک لوگوں کو اختیار کرو) ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ سو تم اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی خالص اور سلامت عقول والے مراد ہیں ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

بے جا سوالات کرنے اور حلال اشیاء کو حرام کہنے کی ممانعت

شانِ نزول: لوگ حضور نبی کریم ﷺ سے بطور امتحان بہت زیادہ اور بے مقصد سوالات کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:[1]

---

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''صحیح مسلم شریف'' کے حوالے سے اس آیت مبارکہ کے دو شانِ نزول بیان کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا'' اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے' سو تم حج کرو' تو ایک شخص اقرع بن حابس نے عرض کی کہ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اس آدمی نے تین بار اپنا سوال دھرایا تو آپ نے فرمایا: ''لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ'' اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے' جب تک میں خود بیان نہ کروں تم نہ پوچھا کرو کیونکہ تم سے پہلی تو میں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے پیغمبروں سے اختلاف کرتی تھیں اور ان سے بے جا سوالات کرتی تھیں' لہٰذا میں جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے تم اس پر عمل کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو تم اس کو چھوڑ دو۔ حضرت ابو ہریرہ نے ذکر کیا کہ اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔

(۲) دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ بے مقصد سوالات کرنا شروع کر دیئے تو ایک روز آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ''لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا بَيَّنْتُهٗ لَكُمْ'' آج تم مجھ سے جو سوال کرو گے میں اس کا جواب تمہیں ضرور دوں گا' جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ڈر گئے کہ کہیں کوئی نیا معاملہ تو پیش نہیں آ گیا' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو ہر آدمی اپنا سر اپنے کپڑے میں جھکا کر رو رہا ہے' چنانچہ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا جس کے باپ کے متعلق لوگ تحفظات کا شکار تھے' اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے' پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں' ہم تمام فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں' پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آج میں نے ہر خیر و شر کو دیکھ لیا ہے کیونکہ جنت و دوزخ کے نقشے اس دیوار کے سامنے کر دیئے گئے یہاں تک کہ میں نے ان میں سے سب کچھ دیکھ لیا ہے' اور ابن شہاب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب گھر واپس لوٹ کر آئے تو ان کی والدہ نے کہا کہ میں نے تجھ سے بڑھ کر نالائق بیٹا نہیں دیکھا' تجھے کیا معلوم کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا کیا حال تھا' خدانخواستہ تیری ماں سے کوئی قصور ہوا ہوتا تو آج کیسی ذلت و رسوائی ہوتی' اس پر حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے کہا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی حبشی کو میرا باپ بتا دیتے تو میں یقین کر لیتا اور بہت سے لوگوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ (تفسیر روح المعانی الجزء ۷ صفحہ ۳۹۔۴۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نوٹ: ممکن ہے کہ دونوں واقعات قریب قریب پیش آئے ہوں' پھر دونوں کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہو۔
واللہ تعالیٰ اعلم. غوثوی مہاروی

۱۰۱- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں گی [علامہ خلیل' سیبویہ اور جمہور بصریوں نے کہا کہ ''اَشْیَاء'' کی اصل ''شَیْئَاءُ'' تھی جس میں دو ہمزے تھے جن کے درمیان الف تھا اور یہ ''فَعْلَاءُ'' کے وزن پر تھا اور یہ لفظ ''شَیْئٌ'' سے ماخوذ ہے اور اس میں دوسرا ہمزہ تانیث کا ہے اس لیے یہ ''حَمْرَآءُ'' کی طرح منصرف نہیں ہوتا اور یہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور جب دو ہمزے اکٹھے ثقیل ہو گئے تو پہلے ہمزے کو جو لام کلمہ ہے مقدم کیا گیا اور اس کو شین سے پہلے کر دیا گیا تو اس کا وزن ''لَفْعَاءُ'' ہو گیا] ﴿ وَ اِنْ تَسْــٴَـلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ﴾ [یہ جملہ اور اس سے پہلے جملہ شرطیہ جس پر یہ معطوف ہے یہ دونوں ''اَشْیَاءُ'' کی صفت ہیں] یعنی اگر تم ان مشکل تکالیف کے بارے میں وحی کے نزول کے زمانہ میں سوال کرتے اور وہ یہ کہ جب تک رسول کریم تمہارے سامنے موجود ہوں تو تمہارے لیے یہ تکالیف ظاہر کر دی جاتیں جو تمہیں بری لگتیں یعنی تمہیں غمگین کر دیتیں اور وہ تم پر دشوار ہوتیں اور تمہیں ان کے برداشت کرنے کا حکم دیا جاتا اور تم ان میں کوتاہی کرتے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب کے لیے پیش کرتے ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے گزشتہ سوالوں کی کوتاہی کو معاف فرما چکا' لہٰذا تم آئندہ اس قسم کی کوتاہی دوبارہ نہ کرنا ﴿ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے' وہ تمہیں خبردار کرنے اور ڈرانے سے پہلے سزا نہیں دے گا۔

۱۰۲- ﴿ قَدْ سَاَلَهَا ﴾ [اس میں ضمیر ''اَشْیَاء'' کی طرف نہیں لوٹتی ورنہ ''عَنْ'' کے ساتھ متعدی ہوتی بلکہ یہ اس سوال کی طرف لوٹتی ہے جس پر ''لَا تَسْــٴَـلُوْا'' دلالت کر رہا ہے] یعنی بے شک اس طرح کے سوال ﴿ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ﴾ تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک قوم نے کیے تھے ﴿ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ﴾ پھر وہ لوگ اس کے سبب کافر ہو گئے جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں مشہور ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اللہ نے کسی جانور کو بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی' لیکن کفار اللہ پر بہتان لگاتے ہیں' اور ان میں بہت زیادہ بے عقل ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے: اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں: ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا' یہ کیا حالانکہ ان کے باپ دادا کچھ نہیں جانتے تھے اور نہ وہ صحیح راہ پر تھے O

۱۰۳- ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ دراصل زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور اس کا آخری بچہ نر ہوتا تو اس کو بحیرہ کر دیتے یعنی اس کے کان چیر دیتے اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کو ذبح کرتے اور نہ اس کو پانی سے روکتے اور

نہ اس کو چراگاہ سے منع کرتے اور انہوں نے اس کا نام بحیرہ رکھا اور ان میں سے کوئی آدمی منت مانتا تو کہا کرتا کہ جب میں اپنے سفر سے صحیح سلامت لوٹ آؤں گا یا میں اپنی اس بیماری سے شفایاب ہو جاؤں گا تو میری یہ اونٹنی سائبہ (بتوں کے لیے آزاد) ہو گی اور وہ اس کو بحیرہ کی طرح کر دیتا اور وہ اونٹنی آزاد پھرتی رہتی اس سے کسی قسم کا نفع لینا حرام کر دیا جاتا تھا اور ایک قول کے مطابق جب کوئی آدمی اپنا غلام آزاد کر دیتا تو کہتا کہ یہ سائبہ (یعنی آزاد) ہے اب ان کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہا اور نہ وراثت رہی اور جب بکری سات بچے جنم دیتی تو پھر اگر ساتواں بچہ نر ہوتا تو اس کو مرد کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو اس کو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور اسی طرح اگر نر اور مادہ دو بچے ہو جاتے تو کہتے: وہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے سو یہ وصیلہ ہے یعنی ملنے والی ہے اور جب نر اونٹ دس بارہ اونٹنیوں کو گابھن کر دیتا تو کہتے کہ اس نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا ہے نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس پر سامان لادتے اور نہ پانی سے روکتے اور نہ چراگاہ سے روکتے اور اس کو حامی (اپنی پشت کو محفوظ کرنے والا) کہتے اور ''مَا جَعَلَ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کا حکم دیا ہے ﴿وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور لیکن کافر لوگ اپنی طرف سے حرام کر کے مذکورہ بالا جانوروں کو حرام قرار دیتے اور ﴿يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہیں کہ خود حرام قرار دے کر ان کی حرمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں ﴿وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور ان میں اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار نہیں دیا اور یہ ان کے عوام ہیں۔

۱۰۴-﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (کتاب) اور رسول کی طرف آؤ یعنی تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف آؤ کہ بے شک یہ چیزیں حرام نہیں ہیں ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ کہتے: ہمیں وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا یعنی ہمیں یہی کافی ہے [''حَسْبُنَا'' مبتدا ہے اور ''مَا وَجَدْنَا'' اس کی خبر ہے اور ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِی'' ہے] ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ [اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور اس پر ہمزہ انکاری داخل کیا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَ حَسْبُهُمْ ذَالِكَ'' ''وَلَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ''] ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ کیا ان کو یہی کافی ہے حالانکہ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ صحیح راہ پر ہوں یعنی اقتدا تو ہدایت یافتہ عالم کی صحیح ہوتی ہے اور اس کا ہدایت یافتہ ہونا حجت و دلیل سے جانا جا سکتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۞

اے ایمان والو! تم پر اپنی اصلاح لازم ہے' جب تم صحیح راہ پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا' تم سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو O اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو وصیت کرتے وقت موت آ جائے تو تمہاری آپس کی گواہی یہ ہے کہ تم میں سے دو انصاف کرنے والے (گواہ) ہوں' یا پھر غیروں میں سے دو آدمی (گواہ) ہوں جب کہ تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کا حادثہ آ پہنچے' تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو اگر تمہیں شک ہو تو وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس کے عوض میں کوئی مال نہیں لیں گے اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں' اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے' بے شک ہم ایسا کریں تو سخت گنہگاروں میں ہوں O

اصلاحِ نفس اور گواہی کی اہمیت کا بیان

۱۰۵- ﴿ يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ﴾ [''اَنْفُسَكُمْ''''عَلَيْكُمْ'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ اسمائے افعال میں سے ہے] یعنی اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی اصلاح کو اپنے اوپر لازم کر لو [اور ''عَلَيْكُمْ'' میں کاف اور میم (یعنی ''كُمْ'') جر کی جگہ پر ہے کیونکہ یہ اسمِ فعل جار مجرور ہے صرف اکیلا ''عَلٰى'' نہیں] ﴿ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ ﴾ کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا جب تک تم خود ہدایت پر قائم رہو گے [اور '' لَا يَضُرُّكُمْ'' مستقل نیا جملہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یا پھر جوابِ امر کی بنا پر مجزوم ہے اور راپر ضمّہ محض ضاد کی اتباع کی وجہ سے دیا گیا ہے]۔

شانِ نزول: مسلمانوں کو عناد پرست کافروں کے کفر و عناد اور ان کی ہٹ دھرمی پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے دل آزردہ رہتے تھے اور ان کی قلبی خواہش ہوتی تھی کہ کاش! یہ کافر عناد و ضد بازی چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جائیں اور پکے سچے مسلمان بن جائیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلّی کے لیے آیت مبارکہ نازل فرمائی اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ تم پر اپنی اصلاح لازم و ضروری ہے اور تم ان کی اصلاح کے ہر حال میں مکلف نہیں ہو اور کسی گمراہ کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ تمہیں دین اسلام سے پھیر سکتی ہے بشرطیکہ جب تک تم خود ہدایت پر قائم رہو گے اور یاد رکھو اس آیت مبارکہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کا فریضہ ترک کر دیا جائے کیونکہ ان دونوں تبلیغی کاموں کی طاقت رکھتے ہوئے ان کو ترک کرنا جائز نہیں ہے ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ تم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے' پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مہاجرین میں سے بدیل جو حضرت عمرو بن العاص کے غلام تھے عدی بن بدآء اور تمیم بن اوس کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے یہ دونوں ساتھی عیسائی تھے اور بدیل ملک شام پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور انہوں نے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے ان سفر کے ساتھیوں کو نہ بتلایا اور ان کو وصیت کی کہ مدینہ شریف پہنچ کر تمام سامان ان کے گھر والوں تک پہنچا دیں اور بدیل کی وفات ہو گئی تو انہوں نے ان کا سامان کھول کر دیکھا (جس میں تین سو مثقال چاندی کا ایک پیالہ ملا جس پر سونے کا کام کر کے منقش بنایا گیا تھا جس کو بدیل نے بادشاہِ شام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرنا تھا) چنانچہ ان عیسائیوں نے وہ پیالہ چوری کر لیا اور باقی سامان مدینہ منورہ پہنچ کر ان کے گھر پہنچا دیا اور ان کے گھر والوں نے سامان میں سے فہرست والا رقعہ برآمد کر لیا (جس کے مطابق چاندی کا پیالہ نہیں تھا) تو انہوں نے ان دونوں سے پیالے کا مطالبہ کیا اور انہوں نے انکار کر دیا تو بدیل کے ورثاء نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں مقدمہ دائر کر دیا جس پر یہ (مندرجہ ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۰۶- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ﴾ اے ایمان والو! جب وصیت کے وقت تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو تمہارے درمیان دو آدمی گواہی دیں [اور "اِثْنَانِ" مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے اور وہ "شَهَادَةُ" ہے جو اصل میں "شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ شَهَادَةُ اِثْنَيْنِ" ہے یا پھر اس لیے کہ یہ "شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ" کا فاعل ہے "اَیْ فِيْمَا فُرِضَ عَلَيْكُمْ اَنْ يَّشْهَدَ اِثْنَانِ" یعنی اس میں تم پر فرض کیا گیا ہے کہ دو آدمی گواہی دیں اور "بَيْنَ" میں توسیع کر کے اس کی طرف مصدر کو مضاف کیا گیا ہے "وَاِذَا حَضَرَ" "شَهَادَةُ" کا ظرف ہے اور "حِيْنَ الْوَصِيَّةِ" اس سے بدل ہے اور اس کو بدل بنانے میں وصیت کے واجب ہونے کی دلیل ہے کیونکہ موت کا حاضر ہونا لازمی امور میں سے ہے اور "حِيْنَ الْوَصِيَّةِ" اس سے بدل ہے] اس لیے موت کا حاضر ہونا وصیت کے واجب و لازم ہونے کی دلیل ہے اور اگر وصیت میں اختیار نہ ہو تو امتحان و آزمائش کا مقصد ختم ہو جائے گا اس لیے اس کو وجوب کی طرف نقل کیا گیا اور موت کے حاضر ہونے کا یہ معنی ہے کہ موت کا وقت قریب آ جائے اور موت کے آنے کی علامات ظاہر ہو جائیں ﴿ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ وہ تمہارے دو گواہ عادل و منصف ہوں [اور یہ "اِثْنَانِ" کی صفت ہے] اور "مِنْكُمْ" کا معنی ہے کہ وہ دو گواہ تمہارے رشتہ داروں میں سے ہوں کیونکہ وہ میت کے حالات کو زیادہ بہتر جانتے ہیں ﴿ اَوْ اٰخَرٰنِ ﴾ [یہ "اِثْنَانِ" پر معطوف ہے] یعنی یا دوسرے گواہ ہوں جو ﴿ مِنْ غَيْرِكُمْ ﴾ تمہارے رشتہ داروں کے بجائے تمہارے غیروں اور اجنبیوں میں سے ہوں ﴿ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ اگر تم زمین پر سفر کرو [اور "اَنْتُمْ" پوشیدہ فعل کا فاعل ہے جس کی تفسیر یہ ظاہر فعل (ضَرَبْتُمْ) کر رہا ہے] ﴿ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ﴾ اور تمہیں موت کا حادثہ آ پہنچے [یا "مِنْكُمْ" کا معنی "مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" اور "مِنْ غَيْرِكُمْ" کا "مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ" ہے] یعنی دو گواہ مسلمانوں میں سے ہوں یا ذمیوں (یعنی اسلامی ملک کی شہریت رکھنے والے غیر مسلموں) میں سے ہوں اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ ذمی کی گواہی مسلمان پر جائز نہیں ہے' یہ صرف شروع اسلام میں جائز تھی کیونکہ شروع میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی (ہر جگہ مسلمان نہیں ملتے تھے) ﴿ تَحْبِسُوْنَهُمَا ﴾ تم انہیں روک لو اور قسم اٹھانے کے لیے تم انہیں ٹھہرا لو اور یہ ایک نیا مستقل علیحدہ کلام ہے [یا یہ ارشاد باری تعالیٰ "اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ" کی صفت ہے یعنی یا تمہارے غیروں میں سے دوسرے گواہ ہوں جن کو روک لیا جائے اور "اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ" موصوف اور صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے] ﴿ مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ ﴾ نمازِ عصر کے بعد (ان کو روک لیا جائے) کیونکہ یہ لوگوں کے اجتماع کا وقت ہوتا ہے اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ نماز عصر کے بعد یا ظہر کی نماز کے بعد اس لیے کہ اہل حجاز ان دو نمازوں کے بعد فیصلہ سننے کے لیے بیٹھتے ہیں اور بدیل کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی اور بعد میں عدی اور تمیم کو بلایا اور منبر کے پاس قسم کھانے کا ان سے مطالبہ کیا اور ان دونوں نے قسم کھالی' پھر بعد ازاں وہ پیالہ مکہ مکرمہ میں پایا گیا اور مکہ والوں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے[1] ﴿ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا ﴾ اگر تمہیں ان دونوں گواہوں کی امانت داری میں شک ہو تو وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اللہ کے نام پر اور قسم کے عوض میں دنیا کا مال و دولت اور اس کی قیمت نہیں خریدیں گے [اور "يُقْسِمَانِ" اور اس کے جواب "لَا نَشْتَرِيْ" کے درمیان "اِنِ ارْتَبْتُمْ" جملہ معترضہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے] جس سے یہ کلام بے نیاز کر دیتا ہے اور اصل میں یوں ہے کہ اگر تمہیں ان کے بارے میں

---

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۹ وقال حدیث غریب۔

شک ہے تو ان سے قسم لو ﴿ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ یعنی جس کے لیے قسم کھائی جا رہی ہے وہ اگر چہ رشتہ دار ہو یعنی ہم مال و دولت کے حصول کی خاطر اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اگر چہ ہم جس کی خاطر قسم کھا رہے ہیں وہ ہمارا رشتہ دار ہی ہو ﴿ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ ﴾ اور ہم اللہ تعالیٰ کی گواہی نہیں چھپائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس گواہی کی حفاظت و تعظیم کا حکم دیا ہے ہم اس کو ہرگز نہیں چھپائیں گے ﴿ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴾ اگر ہم نے گواہی کو چھپا لیا تو بے شک ہم اس وقت ضرور گنہگاروں میں ہو جائیں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اگر ان دونوں سے محض گواہ مراد ہیں تو گواہوں سے حلف لینا منسوخ ہو چکا ہے اور اگر ان سے وصی (جس کو وصیت کی گئی ہو) مراد ہیں تو ان سے حلف لینا منسوخ نہیں ہوا۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ ع

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو ان کی جگہ ان لوگوں کے دو اور قرابت دار کھڑے ہو جائیں جن کا انہوں نے حق ضائع کیا ہے اور وہ دونوں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا' بے شک ہم ایسا کریں تو ظالموں میں ہوں O یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ سچی گواہی دیں یا وہ اس بات سے ڈریں کہ دوسروں کی قسم کے بعد ان کی قسم رد کر دی جائے گی' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو' اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

۱۰۷۔ ﴿ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا ﴾ پھر اگر معلوم ہو جائے اور یہ اطلاع مل جائے کہ بے شک انہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور گواہی میں خیانت کا ایسا کام کیا ہے جس نے ان دونوں پر گناہ کو واجب کر دیا ہے اور وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان کے بارے کہا جائے کہ بے شک وہ دونوں ضرور گنہگاروں میں سے ہیں ﴿ فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ﴾ تو گواہی دینے کے لیے ان کے قائم مقام دو اور گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہو جائیں جن کے سبب پہلوں پر گناہ کا ارتکاب لازم آیا اور اس کا معنی یہ ہے کہ گواہ ان لوگوں میں سے لیے جائیں جن کا حق دبانے کی وجہ سے پہلے گواہ مجرم بنے ہیں اور وہ میت کے وارث اور اس کے خاندان کے افراد ہیں اور بدیل کے قصے میں ہے کہ جب عدی اور تمیم کی خیانت ظاہر ہو گئی تو بدیل کے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے قسم کھا کر گواہی دی تھی کہ وہ پیالہ ان کے ساتھی بدیل کا ہے اور یہ کہ ان کی گواہی پہلوں کی گواہی سے زیادہ درست اور زیادہ صحیح ہے ﴿ الْاَوْلَيٰنِ ﴾ گواہی کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ دونوں مرنے والے کے قرابت دار ہیں یا اس لیے کہ یہ دونوں اسے خوب جانتے ہیں [اور یہ مبتدا محذوف ''هُمَا'' کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے' گویا کہا گیا ہے: ''وَمَنْ هُمَا'' اور وہ دو کون ہیں؟ تو جواب میں کہا گیا:

''هُمَا الْاَوْلَیَانِ'' یا پھر یہ ''یَقُوْمَانِ'' کی ضمیر سے بدل ہے یا ''فَاٰخَرَانِ'' سے بدل ہے اور امام حفص کی قراءت میں ''اِسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیَانِ'' ہے [یعنی جن کا حق جھوٹی گواہی نے چھین لیا ہے ان کے ورثاء میں سے گواہی دینے کے لیے قرابت دار زیادہ حق دار ہیں اور یہ جھوٹی گواہی دینے والوں کی جگہ سچی گواہی دیں اور یہ اپنی گواہیوں کے ذریعے جھوٹ بولنے والوں کا جھوٹ ظاہر کر دیں [اور قاری حمزہ اور ابو بکر کی قراءت میں ''اَلْاَوَّلِیْنِ'' ہے اور ''الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمْ'' مجرور کی صفت ہے یا مدح کی بنا پر منصوب ہے اور انہوں نے ان کا نام ''اَوَّلِیْنِ'' اس لیے رکھا ہے کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ''شَهَادَةُ بَیْنِکُمْ'' کے مطابق ذکر میں اَوَّلِیْنِ ہیں] ﴿ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ﴾ سو یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ بہتر و برحق ہے یعنی ہماری گواہی ان خیانت کرنے والے وصیوں کی گواہی سے قبول کرنے میں زیادہ برحق ہے ﴿ وَمَا اعْتَدَیْنَآ ﴾ اور ہم نے گواہی دینے میں حق سے تجاوز نہیں کیا ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ یعنی اگر ہم قسم کھانے اور گواہی دینے میں جھوٹ بولیں تو بے شک ہم اس وقت ضرور ظالموں میں سے ہو جائیں۔

۱۰۸- ﴿ ذٰلِکَ ﴾ یہ حکم کا بیان ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے ﴿ اَدْنٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجْهِهَآ ﴾ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ گواہی دینے والے اس حادثے کے مطابق گواہی دیں جیسا کہ گواہی کا حق ہے اور جس طرح انہوں نے ذمہ داری قبول کی ہے اسی کے مطابق بغیر خیانت کے گواہی ادا کریں ﴿ اَوْ یَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ﴾ یا وہ اس بات کی وجہ سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد ان کی قسمیں رد کر دی جائیں یعنی ان کی قسموں کے بعد دوسرے گواہوں کی قسم دوبارہ لی جائے اور یہ اپنے جھوٹ کے ظاہر ہو جانے پر رسوا ہو جائیں ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور تم خیانت کرنے اور جھوٹی قسم کھانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿ وَاسْمَعُوْا ﴾ اور تم غور سے سنو اور سن کر قبول کرو اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ فاسق یعنی اطاعت وفرماں برداری سے نکلنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہاں ''اَوْ'' لانے کا کیا معنی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ یہ لوگ مبنی برحق اور سچی گواہی دیں یا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر یا قسم کے رد ہونے پر ذلت و رسوائی اور شرم و عار کے خوف کی وجہ سے اور اس آیت مبارکہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ بدیل کے ورثاء نے عیسائیوں پر دعویٰ کیا کہ انہوں نے خیانت کی ہے جس پر انہوں نے قسم کھالی' پھر جب ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو انہوں نے جو چھپا لیا تھا اس کے بارے میں دعویٰ کیا کہ انہوں نے بدیل سے خرید لیا تھا جس کا ورثاء نے انکار کر دیا لیکن قسم ورثاء پر رکھی گئی کہ انہوں نے خریداری کا انکار کر دیا تھا (جس سے واضح ہو گیا کہ قسم مدعی پر نہیں بلکہ منکر پر ہو گی)۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ
عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا' پھر فرمائے گا: تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا' وہ عرض کریں گے: ہمیں کچھ معلوم نہیں' بے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے ○

روزِ قیامت رسولوں سے سوال' حضرت عیسیٰ پر انعامات کا تذکرہ اور انعامِ خدا کے نزول کے دن عید منانا

۱۰۹- ﴿ یَوْمَ ﴾ [یہ ''اذْکُرُوْا'' یا ''احْذَرُوْا'' کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈرو جس دن ﴿ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا یعنی تم نے جب دنیا میں اپنی امتوں کو ایمان کی دعوت دی تھی تو انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا تھا؟ اور یہ سوال پیغمبروں کے منکرین کو ڈرانے کے لیے ہوگا [اور ''مَاذَا''، ''اُجِبْتُمْ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور مصدر کے معنی پر نصب دی گئی ہے یعنی ''اَیَّ اِجَابَۃٍ اُجِبْتُمْ'' تمہیں کیا جواب دیا گیا؟] ﴿ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ﴾ وہ عرض کریں گے کہ ہمیں اپنی قوم کے اخلاص کا کوئی علم نہیں' اس کی دلیل (درج ذیل ارشاد ہے:) ﴿ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴾ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو خوب جاننے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہمارے وصال کر جانے کے بعد جو کچھ انہوں نے کیا اس کا ہمیں کچھ علم نہیں' اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: ''کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ'' (المائدہ:۱۱۷) ''صرف تو ہی ان پر نگہبان تھا'' یا یہ معنی ہے کہ یہ تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ کے ادب و احترام کے پیش نظر یہ بات عرض کریں گے یعنی یا اللہ! ہمارا علم تیرے علم کے مقابلے میں ساقط اور نہ ہونے کے برابر ہے تو گویا ہمارا علم کچھ نہیں[1]

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْـَٔۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾

جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی والدہ کے اوپر میری نعمت کو یاد کرو جب میں نے پاک روح کے ذریعے تمہاری مدد کی' تم جھولے میں اور پکی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرتے تھے' اور جب میں نے تمہیں کتاب اور

---

[1] واضح رہے کہ یہ جواب قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے شروع میں ہوگا ورنہ بعد میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا ○ (النساء:۴۱)

پھر اس وقت (کافروں کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے (اس کے نبی کو) گواہ لائیں گے (جو ان کے بارے میں گواہی دے گا) اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے ○

حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی' اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی طرح مورت بناتے' پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو تندرست کرتے تھے' اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے' اور جب میں نے بنی اسرائیل کو روک کر تمہیں بچالیا تھا جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تھے تو ان میں سے کافروں نے کہا کہ یہ تو صرف کھلا جادو ہےO

۱۱۰- ﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ [یہ ''یَوْمَ یَجْمَعُ'' سے بدل ہے] یعنی جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ﴿يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ﴾ اے عیسیٰ ابن مریم! اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرے احسان کو یاد کرو کہ میں نے اس کی پاکیزگی بیان کی اور میں نے اس کو تمام جہانوں کی عورتوں پر بزرگی و فضیلت بخشی ﴿إِذْ أَيَّدْتُّكَ﴾ [اس میں ''نِعْمَتِي'' عامل ہے] یعنی جب میں نے تمہیں قوت بخشی ﴿بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ پاک روح یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے اس لیے قوت دی تا کہ آپ اپنی قوم بنی اسرائیل پر حجت قائم کر دیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے ذریعے آپ کو قوت دی جس سے آپ دین کو زندہ فرماتے تھے اور ''القدس'' کی اس کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ پاک کلام گناہوں کے نقصانات سے پاکیزگی کا سبب ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ﴾ [یہ حال ہے] یعنی تم جھولے میں لوگوں سے کلام کرتے تھے حالانکہ اس وقت تم بچے تھے اور یہ ایک معجزہ تھا ﴿وَكَهْلًا﴾ اور تبلیغ دین کے لیے تم اپنی پکی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرتے تھے ﴿وَإِذْ عَلَّمْتُكَ﴾ [یہ ''إِذْ أَيَّدْتُّكَ'' پر معطوف ہے اور اسی طرح ''وَإِذْ تَخْلُقُ'' اور ''وَإِذْ تَخْرُجُ'' اور ''وَإِذْ كَفَفْتُ'' اور ''وَإِذْ أَوْحَيْتُ'' ہیں] یعنی جب میں نے تمہیں تعلیم دی ﴿الْكِتٰبَ﴾ لکھنے کی ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور صحیح اور مضبوط و مستحکم کلام کرنے کی ﴿وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ﴾ اور تورات کی اور انجیل کی ﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ اور جب تم مٹی سے پرندے کی مورت کی طرح ایک مورت بناتے ﴿بِإِذْنِيْ﴾ میری توفیق سے ﴿فَتَنْفُخُ فِيْهَا﴾ پھر تم اس میں پھونک مار دیتے [''هَا'' ضمیر کاف کی طرف لوٹتی ہے] کیونکہ یہ اس ہیئت و مورت کی صفت ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بناتے تھے اور اس میں پھونک مار دیتے اور [یہ ضمیر اس ہیئت کی طرف نہیں لوٹتی جس کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے] کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کی بنائی ہوئی نہیں (بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے) ﴿فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ﴾ تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتی [اور اسی طرح اس کی ضمیر بھی کاف کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ﴾ اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے کو بینا اور برص کے مریض کو تندرست کرتے [یہ جملہ ''تَخْلُقُ'' پر معطوف ہے] ﴿وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ اور جب تم مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے ﴿بِإِذْنِيْ﴾ میرے حکم سے ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب سام بن نوح اور دو اور آدمیوں کو اور ایک عورت کو اور ایک لونڈی کو زندہ کر کے قبروں سے نکالا تھا ﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ﴾ اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روک دیا یعنی یہود کو جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا ﴿إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ جب تم ان کے پاس معجزات لے کر آئے [''إِذْ جِئْتَهُمْ'' ''كَفَفْتُ'' کا ظرف ہے] ﴿فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ تو ان میں سے کافروں نے کہا کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو ہے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''سَاحِرٌ'' ہے]۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ أَنْ آمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا آمَنَّا وَاشْهَدْ

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور جب میں نے حواریوں کی طرف الہام کیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' تو انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم مسلمان ہیں O جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل کر دے' آپ نے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو O انہوں نے کہا: ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں O

۱۱۱- ﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ﴾ اور جب میں نے حواریوں کی طرف الہام کیا یعنی حضرت عیسیٰ کے مخلص یا پاکیزہ ساتھیوں کی طرف الہام کیا گیا ﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ﴾ کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' ﴿قَالُوْا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور تو گواہ ہو جا بے شک ہم مسلمان ہیں یعنی تو اس بات پر گواہ ہو جا کہ ہم مخلص مسلمان ہیں جیسے ''اَسْلَمَ وَجْهَهٗ'' ہے کہ اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا یعنی فرماں بردار ہو گیا۔

۱۱۲- ﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ﴾ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب حواریوں نے کہا: ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ [عیسیٰ منصوب ہے اس بنا پر کہ ''اِبْنَ'' کی حرکت اس کی حرکت کے تابع ہے جیسے ''يَا زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو'' ہے] اے عیسیٰ ابن مریم! ﴿هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ﴾ کیا تمہارا رب کرے گا یا یہ کہ کیا تمہارا کہنا مان لے گا اگر تم اس سے سوال کرو؟ کیونکہ ''اِسْتَطَاعَ'' اور ''اَطَاعَ'' کا ایک معنی ہے: اطاعت کرنا' مان لینا جیسے ''اِسْتَجَابَ'' اور ''اَجَابَ'' کا ایک معنی ہے: قبول کرنا اور جواب دینا۔ [قاری علی کسائی کی قراءت میں ''هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ'' (فعل مضارع حاضر کے ساتھ) ہے جو دراصل ''هَلْ تَسْتَطِيْعُ سُوَالَ رَبِّكَ'' یعنی کیا تم اپنے رب سے سوال کر سکتے ہو؟ پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اپنے رب سے اس کا سوال کر سکتے ہو بغیر کسی ایسی رکاوٹ کے جو تمہیں اس سے سوال کرنے سے روک سکتی ہو؟ ﴿اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان اتار دے [قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''يُنْزِلَ'' (بغیر شد کے باب تفعیل کی بجائے باب افعال سے) ہے] اور ''مآئدہ'' کا معنی ہے: ایسا دسترخوان جس پر کھانا رکھا جائے یہ ''مَادَةٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب عطا کرنا ہے گویا دسترخوان اپنے پاس آنے والے کو کھانا وغیرہ عطا کرتا ہے ﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد آیات الٰہیہ میں جرح و قدح کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم ایمان رکھتے ہو کیونکہ ایمان تقویٰ کو واجب کرتا ہے۔

۱۱۳- ﴿قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا﴾ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے تبرک کے طور پر کچھ کھائیں ﴿وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا﴾ اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمارا یقین مزید بڑھ جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا: ''وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ'' (البقرہ:۲۶۰) ''اور لیکن تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے'' ﴿وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا﴾ اور ہم جان لیں کہ آپ نے یقیناً سچ فرمایا ہے یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آپ کے سچ کو جان لیں جیسا کہ ہم نے اسے دلائل سے جان لیا ہے ﴿وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ اور ہم اپنی آنکھوں سے معائنہ کر کے اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے اس معجزے پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

اور یہ سوال جب اعتراض کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنے علم میں اضافہ کرنے' تبرک حاصل کرنے اور اطمینان قلوب کے لیے کیا گیا تو:

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۵/۵

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! تو ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل فرما جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی' اور تو ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے O اللہ نے فرمایا: بے شک میں اس کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں' پھر اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر کرے گا تو بے شک میں اس کو ایسا سخت عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا O

۱۱۴- ﴿قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے عرض کی: اے اللہ! [اور ''اَللّٰهُمَّ'' اصل میں ''يَـا اَللّٰهُ'' تھا' پھر شروع سے یا کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض آخر میں میم لگا دیا گیا] ﴿رَبَّنَآ﴾ یہ دوسری ندا ہے یعنی اے ہمارے رب! ﴿اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا﴾ ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما دے تا کہ وہ ہمارے لیے عید ہو جائے یعنی اس کے نازل ہونے کا دن عید ہو جائے اور وہ اتوار کا دن تھا اور یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے اس دن کو عید بنا لیا ہے یا ''عیـد'' کا لغوی معنی مراد ہے کہ بار بار لوٹ کر آنے والی مسرت وخوشی کا دن اور اس لیے جشن ومسرت اور خوشی کے دن کو عید کا دن کہا جاتا ہے تو اب اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ دن ہمارے لیے سرور وفرحت اور خوشی کا باعث بن جائے [1] ﴿لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا﴾ [یہ تکرار عامل کے ساتھ ''لَنَا'' سے بدل ہے] یعنی ہمارے زمانے کے ہم مذہب

[1] واضح رہے کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات محسنِ انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو ''عید میلاد النبی ﷺ'' اسی لغوی معنی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے فقہی معنی میں نہیں کہا جاتا' لہٰذا بارہ ربیع الاول کو یوم عید میلاد النبی ﷺ قرار دینا جائز وصحیح ہے اور اس پر یہ اعتراض کرنا کہ (۱) اسلامی عیدوں میں زائد تکبیرات کے ساتھ دو رکعت نماز عید با جماعت واجب ہوتی ہے (۲) نیز مال دار مسلمانوں پر عید الفطر میں صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہوتا ہے اور عید الاضحیٰ میں قربانی واجب ہو جاتی ہے جب کہ عید میلاد النبی ﷺ میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہوتیں' غلط ہے کیونکہ یہ عیدیں فقہی اور اصطلاحی ہیں اور عید میلاد النبی ﷺ لغوی معنی میں عید ہے' نیز شرعی ثبوت کے اعتبار سے عیدین واجب ہیں اور عید میلاد النبی ﷺ منانا مستحن عمل ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوگوں کے لیے اور ہمارے بعد آنے والے لوگوں کے لیے (یہ نزولِ طعام کا دن عید ہو جائے) یا یہ معنی ہے کہ جس طرح پہلے لوگ اس سے کھائیں اسی طرح بعد میں آنے والے لوگ بھی اس سے کھائیں یا یہ کہ ہمارے متقدمین اور متاخرین کے لیے عید ہو جائے ﴿وَاٰيَةً مِّنْكَ﴾ اور تیری طرف سے میری نبوت کی صحت پر دلیل قائم ہو جائے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اس بات کو پختہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) فرمان کے ساتھ مؤکد کیا ہے: ﴿وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور تو ہمیں وہ رزق عطا فرما جس کا ہم نے تجھ سے سوال کیا ہے اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔

۱۱۵- ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں اس کو تم پر نازل کروں گا [قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور عاصم کی قراءت میں تشدید کے ساتھ ہے] اور اللہ تعالیٰ نے مائدہ اتارنے کا وعدہ فرمایا اور اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ساتھ ان پر ایک شرط مقرر فرما دی: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا﴾ سو اس کے نازل کرنے کے بعد تم میں سے جو شخص کفر کرے گا تو بے شک میں اس کو سخت ترین عذاب دوں گا یعنی عذاب تعذیب کے معنی میں ہے جیسے سلام تسلیم کے معنی میں ہے ﴿لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ایسا عذاب میں جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا [اور اس میں (ہٗ) ضمیر مصدر (عذاب) کی طرف لوٹتی ہے] اور اگر عذاب سے مراد وہ چیز ہو جس کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے [تو ضمیر پر حرف ''بـا'' لانا ضروری نہیں ہوگا] حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ بے شک وہ خوان نازل نہیں ہوا تھا (کیونکہ عذاب کا سن کر انہوں نے توبہ کر لی تھی) اور اگر وہ نازل کیا جاتا تو قیامت تک اس دن عید منائی جاتی کیونکہ ارشاد ہے'' وَاٰخِرِنَا'' اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ کھانے کا خوان نازل ہوا تھا اور حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ وہ کھانے کا خوان ڈھکا ہوا نازل ہوا تھا جس کو فرشتے اپنے پروں پر اٹھا کر لائے تھے اور اس پر ماسوا گوشت کے ہر قسم کا کھانا موجود تھا اور بعض کا قول ہے کہ وہ لوگ جو چاہتے وہی کھانا اس پر مل جاتا اور بعض کا قول ہے کہ وہ کھانا صبح و شام ان پر اترتا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؔؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علاوہ ازیں اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ نبوت میں نعمتِ خدا کے ملنے پر عید منانا مستحسن و بہتر عمل ہے اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی نعمتِ کبریٰ اور نعمتِ عظمیٰ (سب سے بڑی نعمت) ہیں اس لیے آپ کی ولادتِ مبارکہ پر عید منانا یعنی شرعی حدود میں رہ کر خوشی کا اظہار کرنا اور جلسے جلوس کرنا مستحسن و بہتر عمل ہے' چنانچہ حضرت صدر الافاضل علامہ السید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس (آیت مبارکہ) سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا اور عبادتیں کرنا' شکر الٰہی بجالانا طریقۂ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سیّد عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔

(خزائن العرفان مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' کراچی' پاکستان' ص ۱۵۳)

عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾

اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ وہ عرض کریں گے: تو پاک ہے میرے لیے جائز نہیں کہ میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے حق نہیں' اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا' جو کچھ میرے دل میں ہے تو اسے خوب جانتا ہے اور جو کچھ تیرے علم میں ہے میں نہیں جانتا' بے شک تو ہی سب غیبوں کو خوب جاننے والا ہے O میں نے ان سے نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' اور میں ان پر اس وقت تک نگہبان رہا جب تک میں ان میں رہا' پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا' اور تو ہر چیز پر گواہ ہے O

اللہ تعالیٰ کے سوال پر حضرت عیسیٰ کا الوہیت سے براءت کا اظہار اور ان کے زندہ اٹھائے جانے پر اعتراض کا جواب اور سچ کا فائدہ

۱۱۶- ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو؟ اور جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا اور اس کی دلیل اس آیت مبارکہ کا انداز بیان ہے اور اس سے پہلی آیت مبارکہ (یعنی ''یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ'' (المائدہ:۱۰۹)) ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سوال کے لیے اس وقت خطاب فرمایا تھا جب آپ کو بہ حفاظت آسمان پر اٹھا لیا تھا اور اس کی دلیل اس آیت کریمہ کا لفظ ''اِذْ'' ہے ﴿قَالَ سُبْحَانَكَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: (اے میرے اللہ!) تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو ﴿مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ﴾ میرے لیے یہ لائق نہیں اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ میں ایسی بات کہہ دوں جس کا مجھے حق نہیں ہے ﴿إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ﴾ اگر یہ صحیح ہو کہ میں نے گزشتہ بات کہی ہے تو تو اس کو ضرور جانتا اور مطلب یہ ہے کہ مجھے معذرت پیش کرنے کی ضرورت و حاجت نہیں ہے کیونکہ تو خوب جانتا ہے کہ میں نے یہ شرکیہ بات نہیں کہی اور اگر میں نے کہا ہوتا تو تجھے ضرور معلوم ہوتا اس لیے کہ تو ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي﴾ جانتا ہے جو کچھ میری ذات میں ہے ﴿وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیری ذات میں ہے بہر حال نفس الشیٔ کا معنی ہے: ذات الشیٔ یعنی نفس' ذات کے معنی میں ہے اور آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ تو میری معلومات کو جانتا ہے اور میں تیری معلومات کو نہیں جانتا ﴿إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ دونوں جملوں کی اکٹھی تقریر ہے اس لیے کہ جن پر نفوس مشتمل ہیں وہ جملہ غیوب میں سے ہے اور اس لیے کہ جن کو علام الغیوب جانتا ہو ان تک کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا ہے۔

۱۱۷- ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ﴾ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی میں نے ان کو

کوئی اور حکم نہیں دیا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تفسیر بیان فرمائی جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا' چنانچہ فرمایا: ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ﴾ ''اَنْ'' تفسیر یہ ہے جس کا معنی ہے: یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے ﴿وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ﴾ اور میں ان پر نگہبان رہا جب تک میں ان میں رہا یعنی جتنی مدت میں ان میں رہا ﴿فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ﴾ پھر جب تو نے مجھے (زمین سے آسمان پر) اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگہبان رہا[1] ﴿وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے میرے قول وفعل پر بھی اور ان کے قول وفعل پر بھی۔

---

[1] واضح ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار جو اپنے آپ کو مرزائی اور احمدی کہتے ہیں وہ اس آیت مبارکہ سے عام مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسیح موعود (قرب قیامت جس کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ) مرزا غلام احمد قادیانی ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وفات پا چکے ہیں اور اس آیت مبارکہ کا معنی کرتے ہیں کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان رہا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں اس لیے تمام مفسرین نے اس آیت کا معنی کیا ہے کہ جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگہبان رہا اور یہ لفظ ''تَـوَفّـِی'' سے مشتق ہے اور ''تَـوَفّـِی'' کا معنی موت ہرگز نہیں ہے اس لیے کہ لغت عرب کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کسی لفظ کا حقیقی معنی معلوم کرنا ہو تو اس لفظ کا مادہ اور مجرد مصدر دیکھا جاتا ہے کیونکہ تمام مشتقات اور ابوابِ متصرفہ میں مصدری معنی کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے اور ''توفی'' کا اصل مادہ اور مجرد مصدر ''وفا'' ہے جس کا معنی ہے: پورا کرنا' کامل کرنا اور درجہ کمال کو پہنچنا پھر ''مَاتَ یَمُوْتُ مَوْتًا'' اور ''وَفٰـی یَفِـیْ وَفَـاءً'' دو الگ الگ ابواب میں سے علیحدہ علیحدہ معنی رکھتے ہیں' دونوں کا حقیقی معنی ایک نہیں ہے البتہ مجازی طور پر موت کو وفات بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اس میں مدت حیات پوری ہو جاتی ہے ورنہ وفات کا حقیقی معنی مرنا نہیں ہے' چنانچہ قرآن مجید میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں' ارشاد ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ. (البقرہ:۴۰)	اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔
بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ. (آل عمران:۷۶)	ہاں! کیوں نہیں! جس نے اپنا عہد اور وعدہ پورا کیا۔
وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (آل عمران:۱۸۵)	اور بے شک قیامت کے دن تمہارے بدلے تمہیں پورے پورے دیئے جائیں گے۔
وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ○ (آل عمران:۲۵)	اور ہر جان کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا○
وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ. (آل عمران:۵۷)	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کا اجر پورا پورا دے گا۔
وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ○ (النحل:۱۱۱)	اور ہر جان کو اس کے عمل پر پورا پورا اجر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا○
اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ○ (الزمر:۱۰)	بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب پورا پورا دیا جائے گا بے شمار○

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اگر تو ان کو عذاب دے گا تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں' اور اگر تو ان کو بخش دے گا تو بے شک تو ہی سب پر غالب' بڑی حکمت والا ہے O اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا' ان کے لیے بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' یہی سب سے بڑی کامیابی ہے O تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ کی سلطنت میں ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O

۱۱۸- ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اگر تو ان کو عذاب دے گا تو وہ تیرے بندے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی O (النجم:۳۷) اور ابراہیم وہ ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا O

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ . (الدھر:۷) وہ اپنی منتیں پوری کرتے ہیں۔

اب ان مذکورہ بالا آیات میں ''وفا'' کا معنی موت کر کے ترجمہ کیجئے تو آیات کا مفہوم ومعنی بدل جائے گا' پھر جب تک حقیقی معنی معتذر و ناممکن نہ ہو اس وقت تک مجازی معنی مراد نہیں لیا جا سکتا جب کہ حضرت عیسیٰ کے لیے حقیقی معنی مراد لینے کی تائید میں احادیث مبارکہ موجود ہیں کہ آپ قرب قیامت میں دنیا میں تشریف لائیں گے' نکاح کریں گے' اولاد ہو گی' چالیس سال بعد آپ کا انتقال ہو گا' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا . (آل عمران:۴۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے جھولے میں اور بڑھاپے میں باتیں کریں گے۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہولت کی عمر تک پہنچنے سے پہلے آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اس لیے یہ آیت مبارکہ دراصل حضرت عیسیٰ کے دوبارہ تشریف لانے کی عمدہ ترین دلیل ہے' لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خواہ زندہ اٹھائے گئے ہوں جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے خواہ وفات پا کر اٹھائے گئے ہوں' پھر زندہ کر کے دنیا میں بھیجے جائیں گے' بہر حال مرزا غلام احمد قادیانی کسی صورت میں مسیح موعود نہیں ہو سکتا' پھر یہ بھی خیال میں رہے کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ ''توفّی'' مجازی معنی وفات یعنی موت کے لیے استعمال ہوا ہے وہاں اس کے ساتھ موت کا ذکر ہوا ہے یا پھر موت کے فرشتوں کا ذکر ہوا ہے یا دونوں کا ذکر ہوا ہے لیکن ''توفّی'' کا لفظ مطلقاً موت کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ نیند طاری کر کے ارواح کو قبضے میں لینے یا ان کو اٹھا لینے یا پھر پورا پورا بدلا دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ O (الانعام:۶۱) یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح نکالتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے O

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو ہی سب پر غالب' بڑی حکمت والا ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ ان لوگوں میں سے بعض ان پر ایمان لے آئے ہیں اور ان میں سے بعض کفر پر قائم ہیں' چنانچہ ان سب کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ﴾ یعنی اگر ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے ان کو تو عذاب دے گا ﴿فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تو خوب جانتا ہے کہ انہوں نے تیری آیات کا انکار کیا اور تیرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ. (الاعراف:۳۷)	یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے آتے ہیں (اور) ان کی روحیں نکالتے ہیں۔
قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ. (السجدہ:۱۱)	اے محبوب تم فرمادو کہ تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔
فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ○ (محمد:۲۷)	تو اس وقت (کافروں کا) کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے رخساروں اور ان کی پشتوں پر ماریں گے○

ان آیات میں غور کیجئے کہ "تَوَفّٰی" کے مجازی معنی وفات کے ساتھ موت اور موت کے فرشتوں کا ذکر ہوا ہے' مطلق "تَوَفّٰی" کا ذکر نہیں ہوا۔

اب مزید صرف دو آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن میں ارواح کو قبضے میں لینے کا معنی مراد ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى. (الانعام:۶۰)	(اللہ) وہ ہے جو رات کو حالتِ نیند میں تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور تم نے جو کچھ دن میں کمایا ہے اس کو وہ جانتا ہے' پھر دن کو تمہیں اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ مدت حیات پوری کی جائے۔
اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى. (الزمر:۴۲)	اللہ تعالیٰ موت کے وقت ارواح کو قبض کر لیتا ہے اور جو نہ مریں ان کو نیند میں قبض کر لیتا ہے' پھر جس پر موت کا فیصلہ فرما چکا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری (روح کو جس کے متعلق موت کا فیصلہ نہیں ہوا) مقررہ مدت تک چھوڑ دیتا ہے۔

نوٹ: اب اگر ان آیتوں میں "يَتَوَفّٰى" کا معنی موت کیا جائے تو پہلی آیتِ مبارکہ کی رو سے روزانہ مرنا اور جینا لازم آئے گا جو قرآن وسنت اور مشاہدہ کے مطابق باطل ہے اور چونکہ ارواح کا قبض کرنا موت اور نوم (یعنی نیند) دونوں حالتوں میں ہوتا ہے تو لہٰذا اگر "تَوَفّٰی" کا معنی موت ہو تو دوسری آیت مبارکہ کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو موت کے وقت مارتا ہے اور جو نہ مریں ان کو سوتے وقت مارتا ہے' اس طرح دوسری آیت مبارکہ میں "وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا" سے ثابت ہو جائے گا کہ حالتِ نیند میں موت اور عدمِ موت دونوں جمع ہو جائیں جو اجتماع ضدین کی وجہ سے محض باطل ہے' نیز سوتے وقت سونے والوں کا زندہ ہونا اور مردہ ہونا دونوں لازم آئیں گے جو کہ باطل ہے' لہٰذا ثابت ہو گیا کہ "تَوَفّٰی" کا معنی موت نہیں بلکہ ارواح کو قبضے میں لینا ہے اس لیے اس آیت مبارکہ میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ (ترجمہ) "پھر جس روح پر موت کا فیصلہ ہو چکا اس کو اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور دوسری روح کو ایک مقررہ مدت تک واپس جسم میں چھوڑ دیتا ہے"۔ غوثوی

پیغمبروں کو جھٹلایا اور تو ان کو عذاب دے کر انصاف کرنے والا ہے کیونکہ انہوں نے حجت واجب ہو جانے کے بعد کفر کیا تھا ﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ﴾ یعنی ان میں سے جنہوں نے کفر کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا اور ایمان لے آئے اگر تو ان کو بخش دے تو یہ تیرا فضل و کرم ہوگا ﴿فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اور تو ہر چیز پر غالب ہے تو جو چاہے اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا' تو بڑی حکمت والا ہے اس لیے تیرے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے یا یہ کہ ''عزیز'' کا معنی ہے کہ قوت والا ہے ثواب عنایت کرنے پر قادر ہے' وہ حکیم ہے کہ وہ کسی کو سزا نہیں دیتا مگر حکمت و دانائی اور حق و صواب پر مبنی سزا دیتا ہے۔

۱۱۹۔﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ﴾ [''یَوْمُ'' اس بنا پر مرفوع اور مضاف ہے کہ یہ ''هٰذَا'' کی خبر ہے اور ''قَالَ'' بہ معنی ''یَقُوْلُ'' ہے] یعنی اس روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا ہمیشہ سچ بولنا ہی دنیا اور آخرت میں نفع دے گا [اور یہ مبتدا اور خبر سے مل کر جملہ ہو کر مفعولیت کی بنا پر محلاً منصوب ہے جیسے تم کہتے ہو کہ ''قَالَ زَیْدٌ : عَمْرٌو مُنْطَلِقٌ'' اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ظرف کی بنا پر منصوب ہے] یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچ بولنے والوں کو ان کا سچ نفع دے گا اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ ان کے لیے بہشت میں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس کی وافر جزائے خیر پر راضی ہو گئے ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ یہ باقی رہنے والی دائمی کامیابی ہے بہ خلاف دنیا کی کامیابی کے کیونکہ وہ فانی ہے' باقی رہنے والی نہیں ہے۔

۱۲۰۔﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ﴾ تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب پر اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو اس سے بلند و عظیم تر قرار دیا جو عیسائیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا خدا بھی ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) ﴿وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ روک لینے اور عطا کرنے اور دینے نہ دینے' نیز پیدا کرنے اور فنا کرنے سب پر قادر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنی بہشتوں کے ساتھ کامیاب ہونے والوں میں سے بنا دے اور اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور ان کی آل پر اور ان کے صحابہ پر رحمت کاملہ اور سلامتی نازل فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

رکوعاتہا ۲۰	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	الانعام مکیۃ

سورۃ الانعام مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے — اس کی ایک سو پینسٹھ آیات' بیس رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ

مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٥﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیروں کو اور روشنی کو پیدا فرمایا' پھر (بھی بتوں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیںO وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا' پھر اس نے موت کے وقت کا فیصلہ فرما دیا' اور قیامت کا معین وقت اسی کے پاس ہے' پھر تم شک کرتے ہوO اور وہی اللہ (معبودِ برحق) ہے آسمانوں میں اور زمین میں' وہ تمہارے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کو بھی وہ جانتا ہےO اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیںO جب حق ان کے پاس آ گیا تو بلاشبہ انہوں نے اسے جھٹلا دیا' تو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھےO

تخلیق سے توحید پر استدلال اور کفار کا حق سے انکار

١- ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ لفظ اور معنی کے ساتھ لوگوں کو تعلیم دی گئی ہے (کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا انہی الفاظ و معانی کے ساتھ کیا کریں) نیز اس کے ساتھ استغناء و بے نیازی کا اظہار بھی کیا گیا ہے یعنی تمام تعریفیں اور سب خوبیاں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں اگرچہ تمام لوگ اس کی حمد و ثنا نہ بھی کریں ﴿الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے' [یہاں آسمانوں کے لیے ''اَلسَّمٰوٰت'' کو جمع لایا گیا ہے] کیونکہ آسمان طشتری نما اوپر نیچے ایک دوسرے سے فاصلے پر الگ الگ قائم ہیں (اور حقیقت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں) اور جمہور کے نزدیک زمین کے طبقات بھی اگرچہ آسمانوں کی طرح سات ہیں لیکن (اس کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ) یہ اوپر نیچے ایک دوسرے سے فاصلے پر الگ الگ نہیں ہیں بلکہ (پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بہ تہ) ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں (اور سب کے سب طبقات مٹی کے بنے ہوئے ہیں) [اور ''جَعَلَ'' جب ''اَحْدَثَ'' اور ''اَنْشَاَ'' کے معنی میں استعمال ہو تو پھر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ اور اس نے اندھیروں اور روشنی کو پیدا فرمایا [اور جب وہ ''صَيَّرَ'' کے معنی میں ہو تو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا'' (الزخرف:١٩) ''اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دے دیا'' اور اس آیت میں ثنویہ فرقہ کے قول کی تردید ہو گئی ہے کیونکہ وہ لوگ نور اور ظلمت کو قدیم مانتے ہیں اور نور کو مفرد اس لیے لایا گیا ہے کہ نور کی جنس (ماہیت و حقیقت) مراد ہے اور اس لیے بھی کہ ہر چیز کی ظلمت اس چیز کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے' جس کی مثال یہ ہے کہ رات اور تاریکی اور سمندر کی تاریکی اور اندھیری جگہ کی تاریکی ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مخالف ہے اور نور ایک ہی قسم ہے وہ تاریکیوں کی طرح مختلف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے ظلمات کو نور سے پہلے ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا' پھر اس کے بعد اس پر اپنے نور کے چھینٹے مارے' سو وہ نور جس کو پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم رہ گیا وہ گمراہ ہو گیا[1] ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اس واضح بیان کے بعد بھی اپنے رب

1. رواہ احمد ج ٢ ص ١٧٦ والترمذی رقم الحدیث: ٢٦٤٢ وقال حدیث حسن

کے ساتھ بتوں کو برابر گردانتے ہیں جیسے تم کہو ''عَدَلْتُ هٰذَا بِذَا'' یعنی میں نے اس چیز کو اس کے برابر کر دیا ہے [اور ''بِرَبِّهِمْ'' میں حرف ''با'' جارہ ''یَعْدِلُوْنَ'' کا صلہ ہے کفر کا نہیں یا ''ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ'' کا معنی ہے کہ کفار اپنے رب سے اعراض کرتے ہیں یعنی وہ اپنے رب سے منہ موڑتے ہیں تو اب حرف ''با'' کفر اور ''یَعْدِلُوْنَ'' دونوں کا صلہ بن جائے گا یعنی ''یَعْدِلُوْنَ'' کے بعد ''عَنْهُ'' محذوف ہے اور ''ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' کو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پر اس معنی کی بنا پر معطوف کیا گیا کہ تخلیقِ کائنات پر ہر قسم کی حمد و ثنا اور تمام تعریفوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ اس کا تخلیق کرنا بہت بڑا انعام ہے (جس پر وہ بجا طور پر تمام محامد کے لائق ہے) پھر بھی کافر لوگ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کے انعام کا انکار کرتے ہیں یا یہ جملہ ''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ'' پر اس معنی کی بنا پر معطوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے وہ ایسا تخلیقی شاہکار ہے کہ اس کی تخلیق پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا' پھر بھی کفار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کی تخلیق پر ذرہ بھر قدرت و اختیار نہیں رکھتے اور ''ثُمَّ'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی واضح نشانیوں کے بعد اس کے ساتھ شرک کرنا عقل و خرد اور عدل و انصاف سے بہت بعید ہے]۔

۲-﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا [اس میں حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے] یعنی تمہاری اصل پیدائش کا آغاز یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا آغاز مٹی سے ہوا ﴿ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے موت کی مدت کا فیصلہ فرمایا ﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ﴾ اور قیامت کی مقررہ میعاد اسی کے پاس ہے یا پہلے ''اَجَل'' کا تعلق تخلیق سے لے کر موت تک ہے اور دوسرے ''اَجَل'' کا تعلق موت سے لے کر روزِ حشر تک ہے اور وہ برزخ ہے یا پہلے سے مراد نوم یعنی نیند اور دوسرے سے مراد موت ہے یا دوسرے سے بھی پہلا اجل مراد ہے اور وہ اصل میں ''وَهُوَ اَجَلٌ مُّسَمًّی'' ہے یعنی اور وہ (پہلا اجل) اس کے پاس معلوم و معین اجل ہے [اور ''اَجَلٌ مُّسَمًّی'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ''عِنْدَهٗ'' ہے اور مبتدا کو مقدم کیا گیا ہے اگرچہ نکرہ ہے اور خبر ظرف ہے جس کا حق مؤخر ہونا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ مبتدا صفت کے ساتھ نکرہ محض نہیں رہا بلکہ وہ مبتدا مخصصہ بن گیا ہے اور معرفہ کے قریب ہو گیا ہے] ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ﴾ پھر تم شک کرتے ہو [یہ ''مِرْیَةٌ'' سے مشتق ہے (جس کا معنی شک کرنا ہے) یا تم جھگڑتے ہو' اس صورت میں یہ ''مِرَاءٌ'' سے ماخوذ ہے اور ''ثُمَّ'' استبعاد کے معنی میں ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ان کو زندہ کرنے والا اور ان کو مارنے والا اور قیامت کے دن ان کو اٹھانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اس کے بعد پھر اس میں شک کرنا عقل مندی سے بہت دور ہے۔

۳-﴿وَهُوَ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿اللّٰهُ﴾ ہے ﴿فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ﴾ [اور یہ جار مجرور اسم اللہ کے معنی کے متعلق ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اور وہ اللہ ہے جو تمام آسمانوں میں اور زمین میں معبود ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ'' (الزخرف:۸۴) ''اور وہی (اللہ) ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے' یا یہ معنی ہے کہ زمین و آسمان میں وہی اِلٰہ ہونے کے ساتھ معروف و مشہور ہے یا وہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ ہے اور پہلا معنی اس بنا پر ثابت ہوگا کہ اسم اللہ مشتق ہو اور دوسرے معنی اس بنا پر ثابت ہوں گے کہ وہ مشتق نہیں ہیں ﴿یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ [یہ پہلی کے بعد دوسری خبر ہے] یا پھر یہ الگ کلام کا آغاز ہے یعنی وہ تمہارے باطن کو اور تمہارے ظاہر کو خوب جانتا ہے ﴿وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾ اور تم جو کچھ نیکی اور بدی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور وہ اسی پر تمہیں ثواب اور سزا دے گا۔

٤-اور ﴿ وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ ﴾ [میں حرف "مِنْ" استغراق کے لیے ہے اور] ﴿ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ ﴾ [میں حرف "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے] یعنی اور ان کے لیے کوئی دلیل ہرگز ظاہر نہیں ہوتی ان دلائل میں سے جن میں غور وفکر کرنا لازم ہے ﴿ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴾ مگر وہ لوگ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور غور وفکر کو ترک کر کے خوف و ڈر کے نہ ہونے کی وجہ سے دلیلِ حق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور وہ اس کے انجام میں غور وفکر اور تدبّر نہیں کرتے۔

٥-﴿ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ﴾ اس کو محذوف کلام پر لوٹایا گیا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اگر کفار نے آیات بینات سے منہ موڑ لیا ہے تو بے شک انہوں نے حق کو بھی جھٹلا دیا ہے جب وہ ان کے پاس آیا یعنی انہوں نے اس کو بھی جھٹلا دیا جو سب سے عظیم ترین اور سب سے بڑی آیت ونشانی ہے اور وہ قرآن مجید ہے جس کے ساتھ انہیں چیلنج کیا گیا اور وہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز آ گئے ﴿ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴾ یعنی سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کے ساتھ وہ لوگ مذاق کیا کرتے تھے اور وہ قرآن پاک ہے یعنی اس کی خبریں اور اس کے احوال مراد ہیں یعنی کفار عنقریب جان لیں گے کہ وہ کتنی بڑی عظیم الشان چیز کا مذاق اڑاتے رہے اور یہ دنیا میں ان پر عذاب بھیجنے پر معلوم ہوگا یا قیامت کے دن یا غلبۂ اسلام کے وقت اور اس کا کلمہ بلند ہونے کے وقت۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ⑥ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ⑦ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ⑧

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے لوگوں کی زندگیاں ختم کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسی زبردست قوت عطا کی تھی جو ہم نے تمہیں عطا نہیں فرمائی' اور ہم نے آسمان سے ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (باغات کے) نیچے نہریں بہا دیں' پھر ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے بعد ایک دوسری قوم پیدا فرما دی O اور اگر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل کرتے اور وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوتے' پھر بھی کفار یہی کہتے کہ یہ صرف کھلا جادو ہے O اور انہوں نے کہا کہ ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا' اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو البتہ ان کا کام تمام ہو جاتا' پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی O

پہلی قوموں کی ہلاکت کے اسباب اور رسولوں کے ساتھ مذاق اڑانے کی سزا کا بیان

٦-﴿ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ ﴾ یعنی کیا ان جھٹلانے والوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر ڈالیں اور قرن کا مطلب ہے: ہر زمانے کے لوگوں کے ختم ہونے تک کی مدت اور وہ اسی یا ستر سال ہیں ﴿ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ ﴾ ہم نے ان کو زمین پر قدرت واختیار دے رکھا ہے [یہ جملہ "قرن" کی صفت ہونے کی وجہ سے خبر کی

جگہ واقع ہے اور اس کو معنی کے اعتبار سے جمع لایا گیا] ﴿ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ ﴾ جو ہم نے تمہیں اتنا تصرف و اختیار نہیں دیا۔ ''تمکین'' کا مطلب ہے: ملک میں قوت و اختیار عطا کرنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کو ویسے قدرت و اختیار اور تصرف و طاقت نہیں دی جیسے ہم نے عاد اور ثمود وغیرہ وغیرہ کو عطا کی تھی یعنی جسموں میں کشادگی و درازی اور مال میں وسعت و فراخی اور اسباب دنیا کے ذریعے غلبہ و قوت ﴿ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ﴾ اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں یعنی بہت زیادہ بارشیں برسائیں [''مِدْرَارًا'' حال ہے ''السماء'' سے] ﴿ وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ ﴾ اور ہم نے ان کے درختوں اور باغوں کے نیچے نہریں جاری کر دیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ بروقت موسلا دھار بارشوں اور نہری نظام اور لہلاتے کھیتوں اور پھلوں کی وجہ سے خوشحال زندگی گزار رہے تھے ﴿ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ﴾ پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا اور دنیا کے مال و اسباب نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا ﴿ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴾ اور ہم نے ان کے بعد ان کے بدلے میں ایک دوسری قوم پیدا فرما دی۔

۷۔﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ ﴾ اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتے ﴿ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ ﴾ اور وہ لوگ اس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے' یہ جملہ صرف تاکید کے لیے لایا گیا ہے تاکہ کفار یہ نہ کہیں: ''اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ'' (الحجر:۱۵)'' کہ بے شک ہماری نظر بندی کی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے'' اور ان پر حجت ان کا اندھا پن ہے ﴿ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ البتہ حق کے ظاہر اور واضح ہو جانے کے بعد صرف حق سے عناد و کینہ رکھنے کی وجہ سے کافروں نے کہا کہ یہ محض کھلا جادو ہے۔

۸۔﴿ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا جاتا جو ہمارے سامنے آکر ہمیں بتائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ﴾ اور اگر ہم فرشتہ نازل کر دیتے تو ضرور ان کا کام تمام ہو جاتا یعنی ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جاتا ﴿ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ﴾ پھر فرشتے کے نازل ہو جانے کے بعد انہیں لحہ بھر کی مہلت نہ دی جاتی کیونکہ جب وہ لوگ فرشتے کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو خوف و دہشت کے مارے ان کی روحیں پرواز کر جاتیں اور مشاہداتی رعب کی وجہ سے اسی وقت مر جاتے اور ''ثُمَّ'' کا معنی ہے کہ ہلاکت کے فیصلے اور مہلت نہ ملنے کے بعد (ان کا خاتمہ ہو جاتا) اور اس آیت مبارکہ میں مہلت نہ ملنے کو ہلاکت کے فیصلے سے زیادہ سخت قرار دیا گیا کیونکہ محض مصیبت سے اچانک آنے والی مصیبت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱

ع ۱

اور اگر ہم اسے فرشتہ بنا دیتے تو ہم اس کو یقیناً مرد کی صورت میں بناتے اور ہم ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں O اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو ان میں سے جنہوں نے مذاق اڑایا تھا ان کو اسی

چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا O

۹- ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا ﴾ اور اگر ہم رسول اکرم (ﷺ) کو فرشتہ بنا دیتے جیسا کہ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کیونکہ کبھی وہ کہتے کہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا (جو ہمارے سامنے آ کر نبوت کی گواہی دے اور ہم اسے دیکھیں) اور کبھی کہتے: یہ (حضرت محمد ﷺ) نہیں مگر تمہاری طرح ایک انسان ہیں اور اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا ﴿ لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا ﴾ البتہ ہم ان کو ضرور انسان کی صورت میں بھیجتے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام عام حالات میں حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں دیکھ کر زندہ نہیں رہیں گے ﴿ وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴾ اور ہم اس کو ان میں ملا دیتے اور ہم اس کا معاملہ ان لوگوں پر مشتبہ کر دیتے جب کہ اس کا طور و طریقہ بھی اے محمد! (ﷺ) آپ کے طور و طریقے کی مانند ہوتا تو جب یہ کفار فرشتے کو انسان کی صورت میں دیکھتے تو یہی کہتے کہ یہ انسان ہے اور فرشتہ نہیں جیسے کہا جاتا ہے: "لَبَسْتَ الْاَمْرَ عَلَى الْقَوْمِ وَالْبَسْتَهٗ" جب تم کسی کام کو قوم پر مشتبہ کر دو اور تم اس میں قوم کو اشکال میں ڈال دو۔

پھر حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی قوم کے استہزا اور مذاق اڑانے کی وجہ سے جو تکلیف اور دکھ پہنچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۱۰- ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو جنہوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے اور وہ حق ہے کیونکہ وہ لوگ اس حق کا مذاق اڑانے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے [اور "مِنْهُمْ" "سَخِرُوْا" کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ" (التوبہ:۷۹) "سو وہ لوگ ان سے مذاق کرتے ہیں" اور ضمیر "رُسُل" کی طرف لوٹتی ہے اور قاری ابوعمرو بصری اور امام عاصم کے نزدیک "وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ" میں دال التقائے ساکنین کی وجہ سے مکسور ہے اور ان کے علاوہ دوسرے قراء کے نزدیک "تا" مضموم کے اتباع کی وجہ سے دال مضموم ہے]۔

عبرت کے لیے سیاحت کا حکم' الوہیّت کے دلائل اور اہل کتاب کا حضور کو پہچاننا

۱۱- ﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ اے محبوب! تم فرما دو کہ اے لوگو! تم زمین میں سیر و سیاحت کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا [اور "فَانْظُرُوْا" اور "ثُمَّ انْظُرُوْا" کے درمیان فرق یہ ہے کہ "فَانْظُرُوْا" میں سیر سبب ہوتی ہے] جب کہ جھٹلانے والوں کے انجامِ بد میں نگاہِ عبرت سے دیکھنا مسبب ہوتا ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ تم عبرت کی نگاہ سے دیکھنے کے لیے سیر کرو اور غافلوں کی طرح سیر نہ کرو اور "سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا" کا معنی ہے کہ زمین میں تجارت وغیرہ کے لیے سیر و سیاحت اور سفر وغیرہ کرنا مباح اور جائز ہے اور ہلاک ہونے والوں کے آثار و نشانیوں میں نگاہِ عبرت سے دیکھنا واجب اور ضروری ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات پر "ثُمَّ" کے ساتھ تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ مباح اور واجب کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔

﴿ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ ﴾

لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٤﴾

آپ فرما دیجئے کہ کس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' فرما دیں کہ اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اس نے اپنے ذاتی کرم پر رحمت کو لازم کر لیا ہے' وہ تمہیں قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں' وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا ہے' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے O رات اور دن میں جو کچھ بستا ہے وہ سب اسی کی ملکیت میں ہے' اور وہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے O آپ فرما دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو معبود و مددگار بنا لوں' وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کھانا کھانے کی حاجت نہیں' فرما دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا میں ہوں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا O

۱۲- ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کی ملکیت میں ہے [اس میں "مَنْ" استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور "مَا" بہ معنیٰ "اَلَّذِیْ" کے ہے اور مبتدا کی بنا پر محلاً مرفوع ہے اور "لِمَنْ" اس کی خبر ہے] ﴿قُلْ لِّلّٰهِ﴾ یہ کفار کے لیے تقریر ہے یعنی وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے جس کے بارے میں تمہارے اور میرے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس میں سے کسی چیز کو تم غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے کا اختیار نہیں رکھتے ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ "كَتَبَ" کا اصل معنی ہے کہ اس نے واجب (یعنی لازم) کیا لیکن اس کو ظاہر پر جاری کرنا جائز نہیں کیونکہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب اور لازم نہیں ہے' لہٰذا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کا پختہ اور پکا وعدہ فرما لیا ہے اور وہ اس کو ضرور ہر حال میں پورا کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے نفس (ذات) کا اختصاص اور واسطوں کا کالعدم قرار دینے کے لیے ذکر فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے غفلت کے ساتھ دیکھنے اور اس کے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرانے پر ڈرایا دھمکایا ہے جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں ضرور جمع فرمائے گا تاکہ شرک کرنے پر تمہیں سزا دے ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اس دن میں یا تمہیں اس روز جمع کرنے میں کوئی شک نہیں ہے ﴿اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ﴾ [ذم کی بنا پر منصوب ہے] اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے از خود کفر اختیار کر کے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ سو وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے [اخفش نے کہا کہ "اَلَّذِيْنَ"، "لَيَجْمَعَنَّكُمْ" میں "كُمْ" ضمیر سے بدل ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ہے ضرور جمع فرمائے گا اور پہلی وجہ سے ہی درست ہے [کیونکہ سیبویہ نے کہا ہے کہ "مَرَرْتُ بِیَ الْمِسْکِیْنِ وَلَا بِكَ الْمِسْكِيْنِ" جائز نہیں ہے کیونکہ "مسکین" کو "یا" سے یا پھر کاف سے بدل بنایا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں بالکل واضح ہیں اور وہ بدل اور تفسیر کے محتاج نہیں ہیں]۔

۱۳- ﴿وَلَهٗ﴾ [یہ "لِلّٰهِ" پر معطوف ہے] اور اسی کے ملک میں ہے ﴿مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ جو کچھ رات اور

دن میں بستا ہے [یہ "سَكَنَ" "سُكُنى" سے بنا ہے جس کا معنی رہنا اور بسنا ہے تا کہ یہ کلام ساکن اور متحرک دونوں کو شامل ہو جائے یا یہ "سکون" سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کہ رات اور دن میں جو ساکن اور متحرک چیزیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں لیکن دونوں ضدوں میں سے ایک (ساکن) پر اکتفا کیا گیا ہے اور دوسرے (متحرک) کو چھوڑ دیا گیا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "تَقِيكُمُ الْحَرَّ" (النحل:٨١) یعنی تمہارا لباس تمہیں گرمی اور سردی دونوں سے بچائے اور سکون اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حرکت سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ مشرکین پر حجت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خالقِ کل اور مدبرِ کل ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اور وہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے' وہ ہر مسموع کو سنتا ہے اور ہر معلوم کو جانتا ہے اور دن اور رات کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

١٤- ﴿قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا﴾ اے محبوب! ان سے فرما دیں کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اپنا مددگار اور معبود بنالوں؟ [اور یہ "وَلِيًّا"، "أَتَّخِذُ" کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول "غَيْرَ" ہے اور باقی رہا یہ کہ استفہام کے ہمزے کو "أَتَّخِذُ" کے مفعول پر داخل کیا گیا ہے خود اس پر داخل نہیں کیا گیا] تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کو معبود بنانے سے انکار کیا گیا ہے محض معبود بنانے سے انکار نہیں کیا گیا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا واجب ہے) اس لیے اس کو شروع میں لانا زیادہ بہتر ہے ﴿فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والا ہے [یہ جر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے] یعنی آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ میں "فاطر" کا معنی نہیں جان سکا تھا یہاں تک کہ دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں اپنا جھگڑا لے کر آئے' ان میں سے ایک نے کہا: "أَنَا فَطَرْتُهَا" یعنی اس کنویں کو سب سے پہلے میں نے بنایا ہے ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾ اور وہی سب کو رزق عطا فرماتا ہے' اور اس کو رزق نہیں دیا جاتا (کیونکہ وہ رزق وغیرہ سے پاک ہے' اسے کھانے پینے کی ضرورت نہیں) یعنی تمام منافع وفوائد اسی ذاتِ واحد لاشریک سے ملتے ہیں اور اس پر نفع لینا جائز ہے ﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ﴾ اے محبوب! اعلان فرما دیں کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا بنوں کیونکہ نبی اپنی امت میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ" (الانعام:١٦٣) "اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں" ﴿وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اور مجھے کہا گیا ہے کہ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور اگر اس کو ماقبل کے لفظ پر معطوف کیا جائے تو کہا جائے گا: اور یہ کہ میں شرک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤں اور مجھے اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے' اس کا مطلب ہے کہ مجھے شرک سے منع کیا گیا ہے (کیونکہ نبی پیدائشی مسلمان ہوتا ہے)۔

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾

فرما دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں یقیناً بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O اس دن جس شخص سے عذاب دور کیا جائے گا تو بلاشبہ اللہ نے اس پر بہت رحم فرما دیا' اور یہی واضح کامیابی ہے O اور اگر اللہ تجھے تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی کھولنے والا نہیں' اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے O اور وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے' اور وہ بڑی حکمت والا' بہت باخبر ہے O

۱۵۔﴿قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے یعنی بے شک میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور وہ قیامت کا دن ہے اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی' [سو شرط فاعل اور مفعول کے درمیان حائل ہے جس کا جواب محذوف ہے]۔

۱٦۔﴿مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىٕذٍ﴾ اس دن جس شخص سے عذاب دور کر دیا جائے گا ﴿فَقَدْ رَحِمَهٗ﴾ تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت بڑی رحمت فرما دی اور یہ یقینی نجات ہے [قاری حمزہ' قاری علی کسائی اور قاری ابوبکر کی قراءت میں ''مَنْ یَصْرِفْ'' (''یا'' پر فتح اور ''را'' کے نیچے کسرہ فعل مضارع معروف) ہے] یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص سے عذاب دور فرما دے گا (تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی رحمت فرما دی) ﴿وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ﴾ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۷۔﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف یعنی بیماری یا فقر و فاقہ یا دیگر مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت پہنچائے ﴿فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ تو اس کے علاوہ اسے کوئی کھولنے والا نہیں ہے اور نہ اس کے علاوہ اسے کھولنے اور دور کرنے پر کوئی اور قادر ہے ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ﴾ اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی یعنی مال و دولت یا صحت و تندرستی پہنچائے ﴿فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' سو وہ اسے ہمیشہ قائم رکھنے اور اس کو زائل کرنے پر قادر ہے۔

۱۸۔﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ﴾ [یہ مبتدا خبر ہیں] یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) غالب اور قدرت و اختیار رکھنے والا ہے ﴿فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ [یہ خبر کے بعد خبر ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر قدرت و اختیار کے ساتھ غالب ہے اور ''قھر'' کا معنی ہے کہ غیر کو مراد تک پہنچنے سے روک کر خود مراد تک پہنچ جانا ﴿وَهُوَ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہ اپنی مراد کو نافذ و جاری کرنے میں بڑی حکمت والا ہے ﴿الْخَبِیْرُ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جبر کرنے والوں سے آگاہ ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

وقف لازم وقف لازم

فرما دیجئے کہ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ فرمائیے! اللہ (کی اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعے تمہیں ڈرسناؤں اور جن کو یہ پہنچے کیا تم یہ گواہی ضرور دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ فرما دیجئے کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا' فرما دیجئے کہ بے شک صرف وہی اکیلا معبودِ برحق ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان سب سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو O جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا' سو ایمان نہیں لائیں گے O

۱۹- ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ [اور ''اَیُّ شَیْءٍ'' مبتدا ہے اور ''اَکْبَرُ'' اس کی خبر ہے ''شَهَادَةً'' تمیز ہے اور ''اَیُّ'' ایک ایسا کلمہ ہے جس سے اس کے مضاف الیہ کا بعض مراد ہوتا ہے (جیسے یہاں ''شَیْءٍ'' سے صرف وہی ہستی مراد ہے جس کی گواہی سب سے بڑی ہو) پھر جب یہ استفہام (سوال) کے لیے ہو تو اس کا جواب مضاف الیہ اسم کا مسمّٰی ہوگا] (جیسے یہاں جواب میں اللہ تعالیٰ کا نام آئے گا کیونکہ تمام اشیاء میں صرف اسی کی گواہی سب سے بڑی ہے) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ اس کا جواب ہے یعنی اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے [اور اسم اللہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] (یعنی دراصل ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ شَهَادَةً'' ہے) سو یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر شَی کا اطلاق کرنا جائز ہے اور یہ اس لیے کہ ہر موجود چیز کا نام ''شَیْئی'' ہے اور معدوم کو ''شَیْئی'' نہیں کہتے اور اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ''شَیْئی'' ہے مگر عام اشیاء کی طرح نہیں (بلکہ تمام اشیاء سے ممتاز و بے مثل اور واحد لاشریک ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے الگ کلام کا آغاز فرمایا ﴿شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ﴾ یعنی ''هُوَ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ'' وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' اور جائز ہے کہ یہ جواب ہو ''اَللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ'' کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کفار کے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے تو سب سے بڑا گواہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ اور میری طرف یہ قرآن مجید وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں ڈراؤں اور ان کو جن تک پہنچے یعنی میں اس قرآن مجید کے ذریعے ان لوگوں کو قیامت تک ڈرسناتا رہوں جن لوگوں تک یہ قرآن پاک پہنچتا رہے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے پاس یہ قرآن مجید پہنچ گیا تو گویا اس نے حضرت محمد کریم رؤف رحیم ﷺ کی زیارت کی[1] [اور ''مَنْ'' ضمیر ''کُمْ'' پر معطوف ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے اور اس سے اہل مکہ مراد ہیں اور ان کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی اصل میں ''وَمَنْ بَلَغَهٗ'' ہے اور ''بَلَغَ'' کا فاعل قرآن مجید کی طرف لوٹنے والی ''هُوَ'' ضمیر ہے (جو ''بَلَغَ'' میں پوشیدہ ہے)] ﴿اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی﴾ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود ہیں؟ یہ استفہامِ انکاری ہے اور دھمکی ہے ﴿قُلْ لَّآ اَشْهَدُ﴾ اے محبوب! تم فرما دو کہ جس کی تم گواہی دیتے ہو میں اس کی گواہی نہیں دیتا اور ''قُلْ'' کو دوبارہ محض تاکید کے لیے بیان کیا گیا ہے ﴿قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ بے شک صرف وہی اکیلا معبود ہے [اور اس میں ''اِنَّ'' پر ''مَا'' کافہ ہے جس نے اس کو عمل کرنے سے روک دیا ہے اور ''هُوَ'' مبتدا ہے اور ''اِلٰهٌ'' اس کی خبر ہے اور ''وَاحِدٌ'' صفت ہے یا پھر ''مَا'' موصولہ ہے ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے اور ''اِنَّ'' کے سبب محلاً منصوب ہے اور ''هُوَ'' مبتدا ہے اور ''اِلٰهٌ'' اس کی خبر ہے اور یہ مبتدا خبر جملہ بن کر ''اَلَّذِیْ'' کا صلہ ہے اور ''وَاحِدٌ'' ''اِنَّ'' کی خبر ہے] اور یہ وجہ موقع کے زیادہ مطابق ہے ﴿وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ﴾ اور بے شک

[1] ذکرہ الزمخشری فی الکشاف ج ۲ ص ۱۱ موقوفاً علی سعید بن جبیر

میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔

۲۰۔﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ یہودیوں کو تورات کی کتاب عنایت کی گئی اور نصرانیوں کو انجیل کی کتاب عطا فرمائی گئی ﴿ یَعْرِفُوْنَهٗ ﴾ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچانتے ہیں یعنی وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک اور آپ کی صفات جمیلہ کی وجہ سے آپ کو پہچانتے ہیں جو ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں ﴿ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ جس طرح وہ لوگ اپنے بیٹوں کو ان کے حلیے اور ان کے کردار سے پہچانتے ہیں (حضور کے بارے میں کفار مکہ کے سوال پر اہل کتاب نے صحیح جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرما کر حقیقت واضح کر دی' لہٰذا) یہ آیت مبارکہ اہل مکہ کے لیے اس بات کی گواہ ہے کہ اہل کتاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس اور آپ کی نبوت کی صحت کو خوب پہچانتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ مشرکین مکہ میں سے اور آپ کی نبوت کے منکر اہل کتاب میں سے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا ﴿ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾ سو وہ لوگ تو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا' بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے O اور جس دن ہم ان سب کو جمع فرمائیں گے' پھر ہم مشرکوں سے فرمائیں گے: کہاں ہیں وہ تمہارے شرکاء جن کو تم خدا کا شریک خیال کرتے تھے O پھر ان کا کفر صرف یہی ہوگا کہ وہ کہہ دیں گے کہ ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہیں تھے O دیکھو! انہوں نے اپنے آپ پر کیسا جھوٹ باندھا اور وہ تمام بہتان تراشیاں ان سے گم ہو گئیں جو بتوں کے بارے میں وہ گھڑا کرتے تھے O

کفارِ مکہ کے جھوٹے الزامات

۲۱۔﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا [اور ''مَنْ'' استفہام (یعنی سوال) کا ہے جو کہ نفی کے معنی پر مشتمل ہے] یعنی اس سے بڑھ کر اپنے آپ پر ظلم کرنے والا کوئی نہیں ہے اور ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کے اپنے محل پر رکھنے کی بجائے غیر محل میں رکھنا اور اس کی بدترین صورت یہ ہے کہ کسی مخلوق کو معبود بنالیا جائے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایسی صفات کے ساتھ موصوف کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ﴿ اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ﴾ یا اس نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا یعنی قرآن مجید کو اور معجزات نبوی کو جھٹلایا ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک واقعہ اور شان یہ ہے کہ ﴿ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ظالم لوگ نجات و فلاح نہیں پائیں گے۔ انہوں نے دو باطل چیزوں کو جمع کر دیا: (۱) کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جس پر کوئی دلیل نہیں ہے (۲) اور انہوں نے اس کو

جھٹلایا جو حجت و دلیل سے ثابت ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کو اور معجزات نبوی کو جادو کا نام دیا۔

۲۲۔﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ﴾ [هُمْ ضمیر مفعول بہ ہے اور ''اُذْكُرْ'' مقدر ہے] یعنی اس دن کو یاد کیجئے جس دن ہم ان سب کو جمع فرمائیں گے [''جَمِيعًا'' مفعول کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا ﴾ پھر ہم ان لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے کہیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرالیا تھا [اور قاری یعقوب کی قراءت میں دونوں جگہ ''یا'' کے ساتھ (''يَحْشُرُ'' اور ''يَقُولُ'') ہے] ﴿ أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ ﴾ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا تھا۔ ﴿ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴾ ''اَیْ تَزْعُمُوْنَهُمْ شُرَكَآءَ'' یعنی جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک خیال کرتے تھے [اس میں دونوں مفعول محذوف کر دیئے گئے ہیں]۔

۲۳۔﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ ﴾ [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (ثُمَّ لَمْ يَكُنْ) ہے] (ترجمہ) پھر ان کا انکار نہیں ہوگا ﴿ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴾ مگر یہی کہ وہ کہیں گے کہ ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے یعنی جس کفر کو انہوں نے زندگی بھر لازمی طور پر اپنائے رکھا اور اس کی وجہ سے لڑائیاں کرتے رہے اس کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اس سے انکار کر دیں گے اور اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور قسم کھا کر کفریہ مذہب کی اطاعت سے انکار کر دیں گے یا یہ کہ پھر ان کا جواب نہیں مگر یہی کہ وہ کہیں گے: ہمیں اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم مشرک نہ تھے اور ان کے کفر کو فتنہ اس لیے قرار دیا گیا کہ یہ ان کا جھوٹ ہے [قاری ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''فِتْنَةُ'' مرفوع ہے' پھر جس نے ''تَكُنْ'' کو ''تا'' کے ساتھ پڑھا اور فتنہ کو مرفوع پڑھا ہے اس نے ''فتنة'' کو ''تَكُنْ'' کا اسم قرار دیا اور ''أَنْ قَالُوْا'' کو اس کی خبر قرار دیا یعنی ان کا کفر نہیں ہوگا مگر ان کا یہی کہنا اور جس نے ''یا'' کے ساتھ (يَكُنْ) پڑھا اور ''فتنة'' کو منصوب پڑھا اس نے ''أَنْ قَالُوْا'' کو ''يَكُنْ'' کا اسم قرار دیا یعنی ''لَمْ يَكُنْ فِتْنَتَهُمْ اِلَّا قَوْلُهُمْ'' ان کا یہ کہنا ان کا کفر ہوگا' اور جس نے ''تا'' کے ساتھ (تَكُنْ) پڑھا اور ''فتنة'' کو منصوب پڑھا اس نے قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت کے مطابق ''رَبَّنَا'' مقولہ پر محمول کیا ہے جو کہ ندا کی وجہ سے منصوب ہے ''يَا رَبَّنَا'' ہے اور ان دونوں کے علاوہ قراء کی قراءت میں مجرور (رَبِّنَا) ہے اور اسم اللہ کی صفت ہے]۔

۲۴۔﴿ انظُرْ ﴾ اے محمد (ﷺ)! دیکھئے کہ ﴿ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ﴾ انہوں نے یہ کہہ کر کہ ہم مشرک نہیں تھے اپنے آپ پر کیسا بڑا جھوٹ باندھا ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع فرمائے گا اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بیکراں کی وسعت و فراخی دیکھیں گے اور مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ملاحظہ کریں گے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے: ہم شرک و کفر چھپا لیتے ہیں' شاید ہم بھی اہل توحید کے ساتھ نجات حاصل کر لیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ''أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ'' (الانعام:۲۲) ''کہاں ہیں وہ تمہارے شریک جن کے بارے میں تم معبود و شفیع ہونے کا گمان کرتے تھے'' تو وہ لوگ جواب میں کہیں گے: ''وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ'' (الانعام:۲۳) ''ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے'' پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے ﴿ وَضَلَّ عَنْهُم ﴾ اور ان سے گم ہو گیا ﴿ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴾ وہ افتراء و بہتان جو وہ اپنے بتوں کی الوہیت و شفاعت کے بارے میں گھڑا کرتے تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور ان میں سے بعض لوگ کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں' اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تا کہ وہ لوگ آپ کی باتیں نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے' اور اگر وہ ہر معجزہ دیکھ لیں پھر بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے' یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑیں گے (اور) کافر کہیں گے کہ یہ قرآن تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ○ اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور وہ خود اس سے دور رہتے ہیں' اور وہ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کو نہیں سمجھتے ○ اور اگر تم دیکھو جب انہیں آگ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں واپس لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مؤمنوں میں سے ہو جائیں گے ○

۲۵- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ اور ان میں سے بعض لوگ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں۔ مروی ہے کہ ابوسفیان' ابوجہل' ولید' نضر اور ان جیسے بڑے لیڈر جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کو غور سے سننے لگے اور ان لوگوں نے نضر سے کہا کہ محمد (ﷺ) کیا کہتے ہیں تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ (حضرت سرورِ کائنات) محمد (ﷺ) کیا کہہ رہے ہیں ماسوا اس کے کہ وہ اپنی زبان کو حرکت دیتے ہیں اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں تم سے گزشتہ قوموں کے قصے کہانیاں بیان کرتا ہوں تو اس پر ابوسفیان نے کہا کہ ان کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ وہ یقیناً سچے نبی ہیں اور ابوجہل نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہے تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی ﴿وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں [یہ ''کِنَان'' کی جمع ہے' اس کا معنی پردہ ہے جیسے ''عنان'' کی جمع ''اَعِنَّةٌ'' ہے] ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ ''كَرَاهَةَ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ'' یعنی اس بات کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ وہ لوگ آپ کی بات کو سمجھ سکیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے جو سماعت کے لیے رکاوٹ بنتا ہے [اور ''وَقر'' کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ مصدر ہے اور یہ ''اَكِنَّة'' پر معطوف ہے] اور یہ معتزلہ فرقہ پر مسئلہ اصلح میں ہماری طرف سے حجت ہے[1] ﴿وَاِنْ يَّرَوْا

[1] یعنی اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ہے' چاہے تو دلوں کو ہدایت کی طرف پھیر دے اور چاہے تو گمراہی کی طرف پھیر دے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہدایت وضلالت اور خیر وشر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور وہی ان سب کا فاعل اور خالق ہے جب کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ہدایت وخیر کا فاعل ہے اور وہ اسی کو عدل قرار دیتے ہیں مگر یہ مذکورہ بالا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۗ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اور اگر وہ لوگ ہر قسم کا معجزہ دیکھ بھی لیں پھر بھی وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں گے تو وہ آپ سے جھگڑا کریں گے (اور) کافر کہیں گے: یہ قرآن تو نہیں مگر اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں [اور ''حَتّٰی'' ایک حرف ہے جس کے بعد جملہ واقع ہوتا ہے اور یہاں جملہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''اِذَا جَآءُ وْكَ'' سے لے کر ''يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' تک ہے اور ''يُجَادِلُوْنَكَ'' حال کی جگہ پر واقع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''حَتّٰی'' جارہ اور ''اِذَا جَآءُوْكَ'' جر کی جگہ پر واقع ہو یعنی ''حَتّٰی وَقْتِ مَجِيْئِهِمْ'' کے معنی میں ہو اور ''يُجَادِلُوْنَكَ'' حال ہو اور ''يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' اس کی تفسیر ہے] اور معنی یہ ہے کہ کفار کا آیات الٰہیہ کو جھٹلانے کا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ وہ لوگ آپ سے جھگڑتے ہیں اور آپ کی نبوت ورسالت کا انکار کرتے ہیں اور ان کے جھگڑنے کی وضاحت اس بات سے ہو جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: یہ قرآن مجید تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں کے سوا کچھ نہیں تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو جھوٹا قرار دیتے تھے اور ''اَسَاطِيْر'' کا واحد ''اُسْطُوْرَةٌ'' ہے۔

۲٦- ﴿ وَهُمْ ﴾ اور وہ یعنی مشرکین ﴿ يَنْهَوْنَ عَنْهُ ﴾ لوگوں کو قرآن مجید سے روکتے ہیں یا رسول سے روکتے ہیں اور ان کی اتباع اور ان پر ایمان لانے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں ﴿ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ﴾ اور وہ خود اپنے آپ کو اس سے دور رکھتے ہیں' سو وہ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہیں ﴿ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ اس حرکت سے کسی کو ہلاک نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں یعنی ان کا یہ ضرر ونقصان انہیں کو پہنچے گا کسی اور کو نہیں اگرچہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس حرکت سے رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد جناب ابوطالب ہیں کیونکہ وہ قریش کو رسول خدا ﷺ کی مخالفت سے منع کرتے تھے اور ان سے حضور کا دفاع کرتے تھے لیکن خود برملا آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے مگر پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے۔

۲۷- ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى ﴾ اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگر آپ دیکھ لیتے تو ضرور آپ بہت بڑا معاملہ مشاہدہ فرماتے ﴿ اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ ﴾ جب انہیں آگ پر کھڑا کیا جائے گا اور ان کو جہنم کی آگ دکھائی جائے گی یہاں تک کہ وہ لوگ اس کا اپنی آنکھوں سے معائنہ کر لیں گے یا ان کو دوزخ کی آگ پر پُل صراط کے اوپر روک لیا جائے گا ﴿ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ ﴾ تو وہ لوگ کہیں گے: کاش! ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے اور وہ لوگ دنیا کی طرف واپس جانے کی تمنا اور آرزو اس لیے کریں گے کہ تاکہ وہ ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی تمنا پوری ہو چکی (کہ دنیا میں ان کی طرف پیغمبر خدا دینِ حق لے کر گئے تھے لیکن انہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا) پھر وہ (درج ذیل) کلام شروع کر دیں گے: ﴿ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم ایمان رکھنے والے مسلمانوں میں سے ہو جائیں گے یعنی وہ لوگ ایمان لانے کا وعدہ کریں گے گویا وہ کہیں گے: اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلائیں گے نہیں بلکہ ان پر ایمان لائیں گے [اور قاری حمزہ اور امام حفص کی قراءت میں واؤ اور ''اَنْ'' مقدر کے ساتھ تمنّی کے جواب کی بنا پر ''وَلَا نُكَذِّبَ وَنَكُوْنَ'' (منصوب) ہیں] اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مسلمان ہو جائیں گے [اور قاری ابن عامر شامی نے ''وَنَكُوْنَ'' میں ان دونوں (مذکورہ بالا قراء) کی موافقت کی ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آیت مبارکہ بھی ان کے خلاف ہے اور ہماری دلیل ہے۔ غوثوی مہاروی

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

ع ۱۰

بلکہ اب ان کے لیے وہ سب ظاہر ہو گیا جس کو وہ پہلے چھپایا کرتے تھے' اور اگر انہیں واپس لوٹا دیا جاتا تو پھر وہی کام کرتے جن سے انہیں روکا گیا تھا اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیںO اور انہوں نے کہا کہ ہماری اس دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گےO اور اگر تم دیکھو جب وہ اپنے رب کے پاس کھڑے کیے جائیں گے' اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ حق نہیں؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمیں اپنے رب کی قسم (یہ حق ہے)! اللہ فرمائے گا کہ تم جو کفر کیا کرتے تھے تو اب اس کے بدلے میں عذاب چکھوO بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات سے انکار کیا' یہاں تک کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آئے گی تو کہیں گے: ہائے افسوس ہے ہمیں اس پر کہ ہم نے اس کے ماننے میں کوتاہی کی' اور اپنے بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے ہوں گے' خبردار! وہ بہت برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیںO

۲۸- ﴿بَلْ﴾ کفار نے دنیا میں واپس جانے کی جو آرزو کی اس کو پورا کرنے سے اعراض کے لیے ''بَلْ'' کو استعمال کیا گیا ﴿بَدَا لَهُمْ﴾ ان کے لیے ظاہر ہو گیا ﴿مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ﴾ جس کو لوگوں سے چھپایا کرتے تھے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے دنیا میں اپنی قباحتیں اور اپنی فضیحتیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں ہے کہ وہ لوگ دنیا میں اپنے نفاق کو چھپاتے تھے مگر قیامت کے دن ان کا نفاق سب لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا یا پھر یہ آیت مبارکہ اہل کتاب کے بارے میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صحت کو دنیا میں چھپایا کرتے تھے مگر قیامت کے روز ان کے سامنے ان کی خیانت و بددیانتی سب لوگوں پر عیاں ہو جائے گی ﴿وَلَوْ رُدُّوْا﴾ اور اگر ان کو آگ پر کھڑا کیے جانے کے بعد دنیا میں واپس بھیج دیا جائے ﴿لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ تو وہ ضرور اسی کفر و شرک کی طرف لوٹ جائیں گے جس سے پہلے انہیں روکا گیا تھا ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک وہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں کہ اپنے بارے میں جو وعدے کرتے ہیں' انہیں پورا نہیں کرتے۔

۲۹- ﴿وَقَالُوْۤا﴾ [یہ ''لَعَادُوْا'' پر معطوف ہے] یعنی اور اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج دیا جاتا تو وہ ضرور کفر کرتے اور وہ یہ ضرور کہتے: ﴿اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ اور کوئی زندگی نہیں ہے ماسوا ہماری دنیا کی زندگی کے جیسا کہ وہ کافر لوگ قیامت کو دیکھنے سے پہلے کہا کرتے تھے [یا یہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَاِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ'' پر معطوف ہے] یعنی بے شک یہ قوم ہر معاملے میں جھوٹی ہے اور یہ وہی قوم ہے جس نے کہا تھا کہ ہماری دنیا کی زندگی کے ماسوا اور کوئی زندگی نہیں [اور ''هِىَ'' سے حیاۃ

(زندگی) مراد ہے یا یہ ضمیر قصہ ہے] ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

۳۰۔ ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ اور اگر آپ دیکھ لیتے جب ان کو اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔اس آیت مبارکہ کا مقصد یہ ہے کہ کفار کو ڈرانے' دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے اور ان سے باز پرس کرنے اور جواب دہی کے لیے ان کو رب تعالیٰ کے سامنے روکا جائے گا جیسے مجرم غلام کو اپنے آقا کے سامنے کھڑا کیا جاتا ہے تا کہ وہ اسے سزا دے یا یہ کہ انہیں ان کے کرتوتوں پر بدلا دینے کے لیے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا ﴿قَالَ﴾ [یہ مقدر سوال کا جواب ہے] گویا کہا گیا کہ جب ان کو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو ان سے رب تعالیٰ کیا فرمائے گا؟ تو جواب میں کہا گیا: ''قَالَ'' یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ حشر ونشر اور دوبارہ اٹھایا جانا حق نہیں ہے اور تمہارے سامنے موجود نہیں ہے؟ اور یہ کہہ کر ان کو قیامت کے انکار کرنے پر عار اور شرم دلائی جائے گی اور ان کو اس بات پر شرم دلائی جائے گی کہ جب دنیا میں یہ لوگ قیامت کے روز دوبارہ اٹھنے کی بات سنتے تھے تو کہہ دیتے تھے کہ یہ حق نہیں ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا ﴿قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا﴾ وہ کہیں گے: ہاں! کیوں نہیں! بخدا! یہ حق ہے' اس دن کفار اقرار کریں گے اور اپنے اقرار کو قسم کے ساتھ مؤکد و پختہ کریں گے ﴿قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب تم اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

۳۱۔ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ﴾ بے شک وہ لوگ ناکام ہو گئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلا دیا یعنی آخرت اور اس کے ساتھ مل کر پہنچنے والی چیزوں کے دن کو جھٹلا دیا یا یہ آیت مبارکہ اپنے ظاہر پر جاری ہے کیونکہ قیامت کے دن لوگوں کے زندہ ہو کر دوبارہ اٹھنے کا منکر ہی دیدارِ خداوندی کا منکر ہے ﴿حَتَّىٰ﴾ [یہ ''كَذَّبُوا'' کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے ''خَسِرَ'' کے لیے نہیں ہے] کیونکہ ان کے خسران (ناکامی) کی کوئی غایت وانتہا نہیں ہے (بلکہ ان کی ناکامی دائمی و باقی اور ابدی ہے) یہاں تک کہ ﴿إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ جب ان کے پاس اچانک قیامت آ پہنچے گی اور قیامت کو ''سَاعَةٌ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ قیامت کے بعد کی مدت کے مقابلے میں اس کے تاخیر کے ساتھ آنے کی مدت ساعت واحد (ایک گھڑی) کی طرح ہے اور ''بَغْتَةً'' کا معنی ہے: اچانک آ جانا [اور یہ حال کی بنا پر منصوب ہے دراصل ''بَاغِتَةً'' ہے یا یہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے: ''بَغَتَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً'' اور اس کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا اپنے صاحب پر اس کی بے خبری میں کسی وقت اچانک آ جانا ﴿قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا﴾ تو وہ لوگ کہیں گے: ہائے افسوس! دراصل یہ دکھ درد کے اظہار کے لیے ندا ہے' اس کا معنی ہے کہ اے حسرت وافسوس! تو حاضر ہو جا کیونکہ یہی تیرے آنے کا وقت ہے ﴿عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا﴾ اس بات پر کہ ہم نے قصور کیا ہے ﴿فِيهَا﴾ دنیا کی زندگی میں یا قیامت کے بارے میں یعنی ہم نے قیامت کے معاملے میں اور اس پر ایمان لانے میں قصور وگناہ کیا ہے (کہ اس پر ایمان لانے کی بجائے اس کو ماننے سے انکار کر دیا) ﴿وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ﴾ اور وہ اپنے گناہوں کو اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے' خصوصیت کے ساتھ پشت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ پشت پر بوجھوں کا اٹھانا مشہور ومعروف ہے جس طرح ہاتھوں کے ساتھ کمانا مشہور ومعروف ہے اور یہ اس بات سے مجاز ہے کہ گناہوں کا بوجھ ان سے کبھی جدا نہیں ہوگا بلکہ لازم وقائم رہے گا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب کافر اپنی قبر سے نکلے گا تو شکل وصورت میں بدترین اور قبیح ترین چیز اس کا استقبال کرے گی' جس سے زبردست بدبو اُبل رہی ہوگی اور وہ چیز کہے گی: اے کافر! میں تیرا بُرا عمل ہوں اور دنیا میں تو مجھ پر سوار ہوتا تھا اور آج میں تجھ پر سوار ہوتا ہوں ﴿أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ﴾ آگاہ ہو جاؤ! بہت بُری چیز ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے

حرف ''اَلَا'' اپنے بعد ذکر کی جانے والی چیز کے عظیم ترین ہونے کا فائدہ دیتا ہے]۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور دنیا کی زندگی ماسوا کھیل تماشا کے اور کچھ نہیں' اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے' کیا تمہیں عقل نہیں O بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کو وہ بات ضرور غمگین کر دیتی ہے جو وہ کہتے ہیں' سو وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں O اور یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انہوں نے جھٹلانے اور تکلیفیں پہنچانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آن پہنچی' اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے' اور بے شک رسولوں کی خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں O

۳۲-﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ﴾ اور دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے' یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ ''اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا'' (الانعام:۲۹) ''وہ تو نہیں مگر صرف یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے'' اور ''لَعِبٌ'' کا مطلب ہے: غیر مفید چیزوں میں مشغول ہو کر مفید چیزوں کو چھوڑ دینا اور ''لَهْوٌ'' کا مطلب ہے: جدوجہد اور محنت و کوشش کو چھوڑ کر کاہلی و سستی اور کمزوری اختیار کر لینا اور بعض مفسرین نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ دنیا کی زندگی اختیار کرنے والے دنیا دار لوگ صرف کھیل کود میں مشغول ہیں اور بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ دنیا کی زندگی کے اعمال اور معاملات اختیار کر لینا (اور آخرت سے منہ موڑ لینا) کھیل کود کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ آخرت کے اعمال اختیار کرنے کے بے شمار فائدے ہوں گے ﴿ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ﴾ اور بے شک آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے سب سے بہتر ہے [اور ''وَلَلدَّارُ'' مبتدا ہے اور ''الْاٰخِرَةُ'' اس کی صفت ہے۔ قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ'' اضافت کے ساتھ ہے یعنی قیامت کا گھر کیونکہ کوئی شے اپنی صفت کی طرف مضاف نہیں ہوتی' بہرحال دونوں قراءتوں کے مطابق ''خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ'' مبتدا کی خبر ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ پرہیز گاروں کے اعمال کے ماسوا جو کچھ ہے وہ لہو و لعب یعنی کھیل تماشا ہے ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم سمجھتے نہیں؟ [قاری نافع مدنی اور امام حفص کی قراءت میں تا کے ساتھ ہے (جب کہ باقی قراء کے نزدیک ''یا'' کے ساتھ فعل مضارع معروف غائب یعنی ''اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ'' ہے)]۔

شانِ نزول: اور جب ایک دفعہ ابوجہل نے حضور سیّد عالم ﷺ سے کہا کہ اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بے شک آپ ہمارے نزدیک سچے انسان ہیں اور ہم تو صرف اس کو جھٹلاتے ہیں جس کو آپ ہمارے پاس لے کر تشریف لائے ہیں تو اس موقع پر (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۳۔﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ ﴾ بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کو یقیناً وہ بات ضرور غمگین کر دیتی ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں [اور اس میں ''ہٗ'' ضمیر شان ہے] ﴿ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ ﴾ سو بے شک وہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے یعنی وہ لوگ آپ کو جھوٹ کی طرف منسوب نہیں کرتے [قاری نافع مدنی اور قاری علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے ''لَا یُكْذِبُوْنَكَ'') ہے یہ ''اَكْذَبَهٗ'' سے ماخوذ ہے جب اسے کوئی جھوٹا پائے] ﴿ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴾ اور لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں [اس میں (هُمْ) ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (الظّٰلِمِیْنَ) رکھا گیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے آیاتِ الٰہیہ کا انکار کر کے ظلم کیا ہے اور اس میں ''با'' کا حرف ''یَجْحَدُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر ''الظّٰلِمِیْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فَظَلَمُوْا بِهَا'' (الاعراف:۱۰۳) ''تو انہوں نے اللہ کی آیتوں سے (انکار کر کے) ظلم کیا ہے'' اور معنی یہ ہے کہ بے شک آپ کی تکذیب (یعنی آپ کو جھٹلانا) ایک ایسا نازک معاملہ ہے جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاتا ہے کیونکہ آپ اس کے رسول ہیں اور معجزاتِ خداداد کے ذریعے آپ کی تصدیق و تائید کی گئی ہے اس لیے وہ لوگ حقیقت میں آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ رسول کی تکذیب دراصل مُرْسِل (بھیجنے والے) کی تکذیب ہوتی ہے۔

۳۴۔﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی و تشفّی دی گئی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ''فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ'' کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے' آپ سے تکذیب کی نفی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تو ایسے ہے جیسے تم اپنے غلام سے کہو جب اس کی لوگ توہین کر دیں کہ بے شک انہوں نے تیری توہین نہیں بلکہ میری توہین کی ہے ﴿ فَصَبَرُوْا ﴾ سو انہوں نے صبر سے کام لیا۔ صبر کا معنی ہے: مصیبت و تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اپنے مقصد پر ڈٹ جانا ﴿ عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا ﴾ جھٹلائے جانے اور تکلیفیں دیئے جانے پر ﴿ حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ﴾ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو آن پہنچی اور اللہ تعالیٰ کے کلمات یعنی فتح و نصرت اور غلبہ و کامیابی کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان جاری ہو چکا ہے کہ ''وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝'' (الصافات:۱۷۱۔۱۷۲) ''اور بے شک ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے ہماری یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ بے شک انہیں کی مدد کی جائے گی'' ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا'' (الغافر:۵۱) ''بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے'' ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکیں یعنی ان میں سے بعض کی خبریں اور ان کے قصے اور وہ واقعات جو انہوں نے مشرکین کی تکالیف پر صبر کر کے ان کو برداشت کیا [اور اخفش نے ''مِنْ'' کے زائد ہونے کو جائز قرار دیا اور ''نَبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ'' کو فاعل قرار دیا اور سیبویہ نے واجب میں ''مِنْ'' کو زائد قرار دینے کی اجازت نہیں دی]۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝۳۵ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ۝۳۶

النصف وقف لازم وقف غفران

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور اگر ان کا روگردانی کرنا آپ پر دشوار ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ یا آسمان میں سیڑھی تلاش کر لیں؛ پھر ان کے پاس معجزہ لے کر آئیں' اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کر دیتا' سو آپ ہرگز نادانوں میں سے نہ ہوناO بے شک (آپ کی دعوت) صرف وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو غور سے سنتے ہیں' اور اللہ مردہ دلوں کو اٹھائے گا' پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گےO اور انہوں نے کہا کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے مطلوبہ معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ آپ فرما دیجئے کہ بے شک اللہ معجزہ نازل کرنے پر قادر ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتےO

شانِ نزول: حضور نبی اکرم رسول معظم فخر دو عالم ﷺ کی قوم کا کفر کرنا اور ان کا اسلام سے روگردانی کرنا آپ پر گراں گزرتا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ روشن ترین نشانیاں دی جائیں تا کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۳۵- ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ اور اگر ان کا اسلام سے منہ پھیرنا آپ پر دشوار و شاق گزرتا ہے ﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ﴾ تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ تلاش کر لیں اور اس میں اتر کر زمین کے نیچے تک چلے جائیں یہاں تک کہ آپ ان کے لیے کوئی نشانی (یا معجزہ) لے کر آئیں تا کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں [اور اس میں "فِي الْاَرْضِ" "نَفَقًا" کی صفت ہے] ﴿اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ یا آسمان میں سیڑھی تلاش کر کے اوپر چڑھ جائیں' پھر اس سے ان کے پاس کوئی نشانی لے کر آئیں تو ایسا کر گزریئے [اور یہ "فَاِنِ اسْتَطَعْتَ" کا جواب ہے اور "اِنِ اسْتَطَعْتَ" اپنے جواب کے ساتھ مل کر "وَاِنْ كَبُرَ" کا جواب ہے] اور معنی یہ ہے کہ بلاشبہ آپ یہ کام نہیں کر سکتے اور مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی قوم کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے اور اگر آپ زمین کے نیچے سے یا آسمان کے اوپر سے کوئی نشانی (یا معجزہ) لا سکتے تو آپ ان کے ایمان لانے کی امید میں اس کو ضرور لے کر آتے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور ان کو ہدایت پر جمع فرما دیتا اور ان کو ایسا بنا دیتا کہ وہ ہدایت کو اپنے آپ اختیار کر لیتے لیکن جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بے شک وہ لوگ کفر کو پسند کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت پر جمع فرمانا نہیں چاہا' چنانچہ امام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں جو اس سے ناواقف ہیں۔

۳۶- پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کا ان کی ہدایت کے لیے حریض ہونا ان کے لیے مفید نہیں کیونکہ وہ لوگ مُردوں کی طرح آپ کی بات سنتے ہی نہیں ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ﴾ یعنی بے شک آپ کی دعوتِ اسلام وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو آپ کی دعوت کو دل کی گہرائیوں سے سنتے ہیں ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ [اور "اَلْمَوْتٰى" مبتدا ہے (اور "يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ" اس کی خبر ہے) اور "موتٰی" سے کفار مراد ہیں] (کہ وہ دل کے مردہ ہیں) یعنی ان مردہ دل کفار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے گا' پھر (وہ سزا پانے کے لیے) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے تو اس وقت وہ سنیں گے لیکن اس سے پہلے وہ نہیں سنتے تھے۔

۳۷۔﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ اور قریش مکہ کے سرداروں نے کہا کہ ان پر ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی جاتی جس طرح ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے اور مکہ مکرمہ کی سرزمین کو وسیع و کشادہ کر دیا جائے اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دی جائیں ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز پر قادر ہے کہ انہوں نے جس طرح مطالبہ کیا ہے اس کے مطابق اپنی قدرت کی نشانی نازل کر دے ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن ان میں سے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ویسی نشانی نازل کرنے پر قدرت رکھتا ہے یا یہ کہ وہ لوگ نہیں جانتے کہ اگر ان کے مطالبہ پر کوئی نشانی نازل کر دی جائے تو (اس کو نہ ماننے کی صورت میں) ان پر کتنا بڑا عذاب آن پہنچے گا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰۤئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور زمین میں کوئی جان دار چلنے والا نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں' ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی' پھر وہ اپنے رب کے حضور میں اکٹھے کیے جائیں گے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں' اللہ جسے چاہتا ہے اسے گمراہی پہ چھوڑ دیتا ہے' اور جسے چاہتا ہے اسے سیدھے راستے پر چلاتا ہے O فرما دیجئے کہ کیا تم بتلاؤ گے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے' اگر تم سچے ہو O

۳۸۔﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰۤئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جان دار نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اڑتا ہے مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں تخلیق و پیدائش میں اور موت و حیات میں اور حشر و نشر یعنی مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے میں اور ضروریات زندگی کے لیے مدبر و خالق کی طرف محتاج ہونے میں جو ان کے معاملات کی تدبیر فرماتا رہتا ہے اور زمین پر چلنے والے ہر جان دار کو ''دَآبَّة'' کہا جاتا ہے اور یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور پرندوں کے لیے بازوؤں اور پروں کی قید محض مجاز کی نفی کرنے کے لیے لائی گئی ہے کیونکہ تیز رفتاری سے چلنے والے کو مجازاً کبھی اڑنے والا کہا جاتا ہے [اور ''فِى الْاَرْضِ''، ''دَآبَّةٍ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے جر کی جگہ پر واقع ہے] ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ﴾ ہم نے اس کتاب یعنی لوح محفوظ میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا کہ ہم نے اسے نہ لکھا ہو اور جس کو ثابت رکھنا واجب ہو ہم نے اسے ثابت نہ رکھا ہو یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور ''مِنْ شَىْءٍ'' سے ضرورت کی تمام چیزیں مراد ہیں (یعنی ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا بلکہ تمام ضروری چیزوں کو بیان کر دیا ہے) سو

یہ قرآن ان تمام مسائل پر مشتمل ہے جن پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ نے ہم پر لازم کر دیا ہے ان کا ثبوت صراحت کے ساتھ ہو خواہ اشارہ کے ساتھ ہو اور نظم قرآن کی دلالت و رہنمائی کی وجہ سے ہو خواہ کلام اس کا تقاضا کر رہا ہو ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ﴾ یعنی پھر روئے زمین پر رینگنے والے جان داروں اور پرندوں میں سے تمام امتیں اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں جمع کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بعض سے بعض کو انصاف دلائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ بغیر سینگ والے جانور کے لیے سینگ والے جانور سے بدلا لیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو مٹی ہو جا [اور باقی رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے ''اُمَمٌ'' (جمع) فرمایا جب کہ ''دآبّۃ'' اور ''طائر'' مفرد ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں استغراق (یعنی جمع) کا معنی پایا جاتا ہے]۔

۳۹- اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے اور اپنی قدرت کے آثار میں سے ایسی چیزوں کا ذکر فرمایا جو اس کی ربوبیت کی گواہی دیتی ہیں اور اس کی عظمت کا اعلان کر رہی ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے وہ بہرے ہیں' انہیں جس کلام الٰہی سے تنبیہ کی گئی ہے اسے فہم و تدبر اور غور و فکر سے نہیں سنتے ﴿وَّبُكْمٌ﴾ اور گونگے ہیں' حق بات نہیں کہتے ﴿فِى الظُّلُمٰتِ﴾ وہ اندھیروں میں دیوانہ وار بھٹک گئے یعنی جہالت و حیرت اور کفر میں بھٹک گئے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے غافل ہو چکے ہیں [''صُمٌّ وَّبُكْمٌ'' یہ ''اَلَّذِيْنَ'' کی خبر ہے اور واؤ کا داخل ہونا اس سے منع نہیں کرتا اور ''فِى الظُّلُمَاتِ'' دوسری خبر ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے' ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جس کی گمراہی چاہتا ہے اسے (اپنے ارادے سے) گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے ﴿وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور جس کو وہ چاہتا ہے اسے سیدھی راہ پر گامزن کر دیتا ہے اور یہ آیت مبارکہ بھی دلیل ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' نیز تمام معاصی اس کی مشیّت و ارادہ کے تحت داخل ہیں (یعنی کوئی نیک و بد عمل اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن اس کی مرضی صرف نیک عمل میں شامل ہوتی ہے) اور اس آیت کریمہ سے اس بات کی بھی نفی ہو گئی کہ صرف نیک عمل ہی اس کی تخلیق و مشیّت میں داخل ہیں۔

٤٠- ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ﴾ [قاری نافع مدنی نے ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ نرم پڑھا ہے اور جب کہ قاری علی کسائی نے تسہیل کو ترک کر دیا ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ان سے فرمائیے کہ کیا تم جانتے ہو کہ معاملہ ایسا ہے جیسا تمہیں کہا جاتا ہے (کہ بت مستحق عبادت ہیں نعوذ باللہ من ذالک) تو تم مجھے خبر دو جو تمہارے پاس ہے [اور اس کی دوسری ضمیر ''کُمْ'' کے اعراب کا کوئی محل نہیں اور ''تا'' فاعل کی ضمیر ہے اور استخبار کا متعلق محذوف ہے اس تقدیر پر اس طرح ''اَرَئَيْتَكُمْ'' ہے] ﴿اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ﴾ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو تم کس کو پکارو گے' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ﴾ یعنی جب تمہیں کوئی مصیبت و تکلیف پہنچے گی تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف اپنے معبودوں کو پکارو گے جیسا کہ تمہاری عادت ہے یا تم سب کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تمہارے بت خدا ہیں تو ان کو پکارو تا کہ تمہیں نجات مل جائے۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

ع ۴ ۱۱ ۱۰

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

بلکہ تم صرف اسی کو پکارو گے' پھر اگر وہ چاہے گا تو جس بات کے لیے تم پکارتے ہو اسے کھول دے گا اور تم جن کو اس کا شریک بناتے تھے ان کو بھول جاؤ گے O اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے امتوں کی طرف رسول بھیجے' پھر ہم نے انہیں سختی اور تکلیف میں گرفتار کر لیا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں O جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے توبہ کے ساتھ عاجزی کیوں نہ کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے اعمال بھلے کر کے دکھائے O پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے' یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر خوش ہو کر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا تو وہ مایوس ہو کر رہ گئے O

۴۱- ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ﴾ بلکہ تم سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے ﴿فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ﴾ سو تم جس مصیبت کو دور کرنے اور کھولنے کی طرف اس کو پکارو گے وہ اس کو کھول دے گا ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر وہ تم پر فضل و کرم کرنا چاہے گا ﴿وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴾ اور تم جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو انہیں بھول جاؤ گے اور تم اپنے معبودوں کو چھوڑ دو گے یا تم اس وقت اپنے معبودوں کو یاد ہی نہیں رکھو گے کیونکہ تمہارے ذہن اپنے واحد لاشریک رب تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جائیں گے کیونکہ وہی مصیبت و تکلیف کو کھولنے پر قادر ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ جائز ہے کہ استخبار کا تعلق ''اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ'' کے ساتھ ہو' گویا کہا گیا ہے کہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے سوا کس کو پکارو گے؟

گزشتہ قوموں کی ہلاکت کی وجہ' قدرت الٰہی کے دلائل اور رسولوں کی آمد کا مقصد

۴۲- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی سابقہ امتوں کی طرف بہت سے رسولوں کو بھیجا لیکن انہوں نے اپنے اپنے رسول کو جھٹلا دیا [اور یہاں ''اَرْسَلْنَا'' کا مفعول ''رُسُلًا'' محذوف ہے] ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ تو ہم نے انہیں سختی اور دکھ کے ساتھ پکڑ لیا یا پہلے سے قحط و خشک سالی اور بھوک و تنگ دستی مراد ہے اور دوسرے سے بیماری اور جانوں اور مالوں کا نقصان مراد ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ عاجزی کریں اور اپنے رب تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں کیونکہ نفوسِ انسانی مصائب و آلام اور شدائد کے نزول کے وقت بارگاہِ الٰہی میں جھک جاتے ہیں۔

۴۳- ﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا﴾ تو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے گڑگڑا کر توبہ کیوں نہیں کی اور اس کا معنی تضرع وزاری کی نفی کرنا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے تضرع وزاری اور توبہ و استغفار نہیں کی لیکن اس کو لفظ ''لَوْلَا'' کے ساتھ اس لیے لائے تا کہ یہ فائدہ حاصل ہو جائے کہ تضرع وزاری اور توبہ و استغفار نہ کرنے کا ان کے پاس کوئی عذر نہیں تھا بلکہ انہوں نے صرف عناد و بغض کی وجہ سے توبہ وزاری نہیں کی ﴿وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تو جس مصیبت میں انہیں مبتلا کیا گیا تھا اس کی وجہ سے وہ نرم نہ ہوئے ﴿وَزَيَّنَ

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ جو کام وہ لوگ کیا کرتے تھے شیطان نے ان کاموں کو ان کے لیے آراستہ کر کے دکھایا اور وہ لوگ اپنے ان اعمال پر خوش ہونے لگے جن کو شیطان نے ان کے سامنے خوبصورت و آراستہ کر کے دکھایا تھا۔

۴۴۔﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾ پھر جب وہ لوگ اس سختی و تکلیف کو بھول گئے جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی یعنی انہوں نے اس سے عبرت حاصل نہیں کی اور انہوں نے نصیحت حاصل کرنا ترک کر دیا اور اس سے خوف زدہ نہ ہوئے تو ﴿ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی صحت و تندرستی اور مال و دولت میں فراوانی اور بے شمار اقسام کی نعمتیں انہیں عطا کی گئیں [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں "فَتَّحْنَا" ("تا" کو مُشَدَّد باب تفعیل سے پڑھا گیا) ہے] ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴾ یہاں تک کہ جب وہ لوگ مال و دولت اور دنیوی عروج و نعمت پر جو انہیں عنایت کیا گیا تھا خوش ہو کر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ لوگ مایوس ہو کر رہ گئے اور حسرت و افسوس کرتے رہ گئے اور اس کا اصل معنی یہ ہے کہ کسی مصیبت و تکلیف کے پہنچنے پر غمگین ہو کر نجات سے ناامید و مایوس ہو جانا یا نعمتوں کے زائل ہو جانے پر نادم و پشیمان ہو جانا [اور "اِذَا" مفاجات (اچانک) کے لیے ہے]۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

سو ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی' اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے○ فرمائیے کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر دے' غور سے دیکھیے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں' پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں○ فرما دیجیے کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا عذاب آ جائے تو ظالموں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے○

۴۵۔﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ تو اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی یعنی شروع سے لے کر آخر تک چھوٹے بڑے سب ہلاک کر دیئے گئے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا گیا ﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' اس آیت میں آگاہ کیا گیا ہے کہ ظالموں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا واجب ہو جاتی ہے اور بے شک یہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے اور یہ بہترین و بزرگ ترین عطیوں میں سے ہے یا یہ کہ تم ان لوگوں کی ہلاکت پر خدا کا شکر بجا لاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہیں کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دلائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۴۶۔﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیں کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے کہ وہ تمہیں بہرا اور اندھا کر دے ﴿ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ﴾ اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے اور تم سے تمہاری عقلیں اور تمیز چھین لے ﴿ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ﴾ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو

تمہاری چھینی ہوئی سماعت و بصارت اور مہر شدہ دل وعقول اور تمیز تمہیں واپس لادے [اس آیت میں ''مَــنْ'' مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور ''اِلٰــہٌ'' اس کی خبر ہے اور ''غَیْرُ''، ''اِلٰہٌ'' کی صفت ہے اور اسی طرح ''یَاْتِیْکُمْ بِہٖ'' دوسری صفت ہے اور پورا جملہ ''اَرَئَیْتُــمْ'' کا محلاً مفعول ہے اور جوابِ شرط محذوف ہے] ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ غور سے دیکھیے کہ ہم اپنی آیات کو ان کے لیے کس طرح بار بار بیان کرتے ہیں ﴿ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴾ پھر بھی وہ لوگ آیاتِ الٰہیہ کے واضح ہو جانے کے بعد ان سے روگردانی کرتے ہیں اور ''صدوف'' کا معنی ہے کہ کسی چیز سے روگردانی کرنا۔

۴۷۔﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ لوگو! تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر تم پر اچانک عذاب آ جائے کہ اس کی علامات بھی ظاہر نہ ہوئی ہوں ﴿ اَوْ جَهْرَةً ﴾ یا علانیہ عذاب آ جائے کہ پہلے اس کی علامات ظاہر ہو جائیں اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ وہ عذاب رات کو یا دن کو آ جائے ﴿ هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ تو سوائے ظالموں کے کون برباد ہوگا؟ یعنی خدا کے غضب اور اس کے عذاب کے ساتھ اور کوئی ہلاک نہیں ہو گا ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے کے لیے' سو جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کو اس وجہ سے عذاب پہنچے گا کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○ فرمادیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں (بغیر وحی کے) غیب جان لیتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' فرمادیجئے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے؟ تو تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے ○

۴۸۔﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر مسلمانوں کے لیے جنت کی خوشخبری دینے والے اور کفار کو دوزخ سے ڈرانے والے بنا کر بھیجتے ہیں اور ہم ان کو محض اس لیے ہرگز نہیں بھیجتے کہ براہینِ قاطعہ اور روشن ترین دلائل کے ذریعے ان کا مشن واضح ہو جانے کے بعد لوگوں پر صرف آیات ظاہر کریں ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ ﴾ سو جو ایمان لایا یعنی وہ اپنے ایمان پر قائم و دائم رہا ﴿ وَاَصْلَحَ ﴾ اور اس نے نیک عمل کیے ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے [یعقوب کی قراءت میں ''فَــلَا خَوْفَ'' (فا پر فتح کے ساتھ)

۴۹۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو عذاب چھوئے گا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کو چھونے والا قرار دیا ہے گویا وہ زندہ اور ذی حیات ہے' وہ جو تکالیف و مصائب چاہے گا ان کو پہنچائے گا ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے یعنی ان کی نافرمانی کے سبب اور کفر کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کی وجہ سے (ان کو عذاب پہنچے گا)۔

۵۰۔ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں یعنی میں مخلوقات میں رزق وغیرہ کے حصص کا مالک بن کر نہیں آیا (کہ تمہاری خواہشات کے مطابق دنیا کے خزانے تمہیں دیتا پھروں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول بن کر آیا ہوں' تم مجھ سے احکامات و نواہی کے بارے میں ہدایات حاصل کرو) [اور "وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ" محلًا منصوب ہے کہ یہ "عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ" کے محل پر معطوف ہے کیونکہ یہ بھی مقولہ کے جملہ میں سے ہے] ﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ گویا آپ نے فرمایا کہ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میرے پاس ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں ازخود اپنے آپ غیب جان لیتا ہوں[1] ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

---

[1] واضح ہو کہ شانِ رسالت مآب ﷺ کے منکرین اس آیت مبارکہ کو تلاوت کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خداداد اختیارات و علوم غیبیہ کی نفی کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں کمالات قرآن و سنت سے ثابت ہیں' اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ کے تحت مفسرینِ کرام نے نفی کی جو حکمتیں بیان کی ہیں وہ اختصار کے ساتھ یہاں بیان کر دی جائیں تاکہ آیت کریمہ کا مطلب واضح ہو جائے' پھر چند آیات اور احادیث بیان کر دی جائیں گی جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات اور علومِ غیبیہ ثابت ہو جائیں گے:

(۱) ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تواضع اور انکساری کے اظہار کے لیے اپنے آپ سے اختیارات اور علومِ غیبیہ کی نفی فرمائی ہے ورنہ آپ حقیقت میں ان دونوں کمالات سے متصف ہیں' چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں:

اَلْمُرَادُ مِنْهُ اَنْ يُّظْهِرَ الرَّسُوْلُ مِنْ نَفْسِهِ التَّوَاضُعَ لِلّٰهِ وَالْخُضُوْعَ لَهٗ وَالْاِعْتِرَافَ بِعُبُوْدِيَّتِهٖ حَتّٰى لَا يَعْتَقِدُ فِيْهِ مِثْلُ اِعْتِقَادِ النَّصَارٰى فِي الْمَسِيْحِ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی کا اظہار کریں اور اپنی عبدیت کا اقرار کریں تاکہ لوگ آپ کے بارے میں وہ عقیدہ اختیار نہ کر لیں جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختیار کر لیا تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۸ مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۹۷۸ء' تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۷ مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر' تفسیر عرائس البیان)

(۲) اس آیت مبارکہ سے تمام مقدورات الٰہیہ اور تمام معلومات الٰہیہ کی نفی مراد ہے ورنہ خداداد اختیارات اور عطا کردہ علوم غیبیہ کی نفی مراد نہیں اور نہ مطلق نفی مراد ہے' چنانچہ شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں منصب رسالت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدوراتِ الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضے میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو وہ فوراً بتلا دیا کرے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷۲ حاشیہ نمبر ۵ مطبوعہ دارالتصنیف' کراچی)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ تمام غیبوں کو (جو کہ معلومات الٰہیہ ہیں) جانتا ہوں (جیسا کہ کبھی کبھی تم بطور عناد اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟)۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۷۸ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

حضرت قبلہ قاضی صاحب لکھتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام مقدورات و اختیارات اور اس کے رزق کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿إِنِّي مَلَكٌ﴾ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں یعنی میں ایسا دعویٰ نہیں کرتا جو انسانی عقول سے بعید ہو وہ یہ کہ انسان ہو کر اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں اور علم غیب کی ملکیت کا از خود دعوے دار ہو اور باوجود انسان ہونے کے اپنے لیے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہو بلکہ میرا دعویٰ وہی ہے جو بہت سے برگزیدہ انسانوں کے لیے ثابت ہو چکا ہے اور وہ نبوت و رسالت ہے ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تمام خزانے میرے پاس نہیں ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں بغیر وحی الٰہی کے (ذاتی طور پر) غیب جان لیتا ہوں۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ ندوۃ المصنفین ' دہلی)

(۳) اس آیت مبارکہ میں مطلق قدرت و اختیار اور علم غیب کی نفی مراد نہیں بلکہ قدرتِ خاصہ الٰہیہ اور خاص علمِ الٰہی کے ساتھ موصوف ہونے کی نفی مراد ہے اور ان دونوں کلاموں کا مقصد آپ سے الوہیت کے دعویٰ کی نفی مراد ہے اور یہی کچھ امام رازی نے فرمایا ہے' ملاحظہ ہو (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۸ (قول ثالث) مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء)

(۴) اس آیت مبارکہ میں مخصوص مستقل اختیارات و تصرفات اور افعال الٰہی سے متعلق مخصوص علم کی نفی مراد ہے' چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سارے خزانے میرے تصرف میں ہیں اور میں خود مستقلاً جیسے چاہوں تصرف کر سکتا ہوں' چند سطور بعد لکھتے ہیں: معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق علم غیب جانتا ہوں تا کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ قیامت کس وقت ہوگی یا عذاب کس وقت نازل ہوگا؟ یا اس طرح کے اور سوال' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ غیب کفار کے انجام کے ساتھ مخصوص ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء السابع ص ۱۵۵ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ لمیٹڈ لاہور)

اختیاراتِ مصطفیٰ (ﷺ) قرآن اور احادیث کی روشنی میں

(۱) وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ. (التوبہ:۵۹)

اور کاش! وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کو عطا فرمایا اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کے رسول ہمیں عطا فرمائیں گے۔

(۲) وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ. (التوبہ:۷۴)

اور ان کو برا نہیں لگا مگر یہی کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا۔

(۳) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ. (الاحزاب:۳۶)

اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو انہیں اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہو۔

(۴) وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ. (الاعراف:۱۵۷)

اور آپ مسلمانوں کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔

(۵) وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ. (التوبہ:۲۹)

اور وہ لوگ اس کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تمہیں صرف وہی خبریں سناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہیں ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ گمراہ اور ہدایت یافتہ کی مثال ہے یا یہ وحی الٰہی کی پیروی کرنے والے اور پیروی نہ کرنے والے کی مثال ہے یا درست وصحیح دعویٰ کرنے والے اور یہ نبوت کا دعویٰ ہے اور ناممکن ومحال کا دعویٰ کرنے والے اور یہ الوہیت کا دعویٰ ہے' کی مثال ہے ﴿أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ تم غور وفکر کیوں نہیں کرتے تا کہ تم اندھوں کی طرح گمراہ نہ ہو جاؤ یا یہ کہ تم جان لو کہ بے شک میں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا جو انسان کے لائق نہ ہو یا یہ کہ تم جان لو کہ بے شک جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کرنا میرے لیے انتہائی ضروری اور لازمی ہے۔

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ
وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم
بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ
وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَ
كَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ
أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

(اے محبوب!) آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیں جن کو اپنے رب کے حضور میں جمع کیے جانے کا خوف ہے کہ اللہ کے سوا وہاں ان کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا تا کہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کر لیں ○ اور ان لوگوں کو دور نہ کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی رضا چاہتے ہیں' ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر کچھ نہیں اور آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر کچھ نہیں آپ انہیں دور کر دیں' سو آپ (نے بالفرض اگر ان کو دور کر دیا تو)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۶) إِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ. — بے شک مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔
(بخاری ج ۲ ص ۵۸۵۔۹۸۵ 'مسلم ج ۲ ص ۲۵۰)

(۷) بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي. (بخاری ج ۱ ص ۴۱۸) — میں سو رہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

(۸) إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَّخَازِنٌ وَاللَّهُ يُعْطِي. (بخاری ج ۱ ص ۴۳۹) — بے شک میں ہی (انعامات الٰہی کا) قاسم اور خازن ہوں اور اللہ تعالیٰ (تمام انعامات) عطا فرماتا ہے۔

(۹) لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ. (مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۱) — اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلتے۔

نوٹ: علم غیب کے دلائل سورۃ الاعراف آیت ۱۸۸ کی تفسیر کے تحت حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

ناانصافی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ یہ کہیں کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ ہم میں سے جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے' کیا اللہ شکر گزاروں کو سب سے زیادہ جاننے والا نہیں O

لوگوں کو ڈرانے کا حکم' عابد فقراء کی شان' اغنیاء کا امتحان اور مسلمانوں کا احترام

۵۱- ﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ اے محبوب! آپ اس قرآن کے ذریعے جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے پروردگار کے حضور اٹھائے جانے سے ڈرتے ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے کا اقرار کرتے ہیں مگر وہ عمل میں کوتاہی کرتے ہیں اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ وحی کے ذریعے انہیں ڈرائیں یا اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) مراد ہیں کیونکہ یہ لوگ بھی حشر ونشر اور بعثت کا اقرار کرتے تھے ﴿لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی حمایتی نہیں اور نہ کوئی سفارش کرنے والا [یہ جملہ ''یُحْشَرُوْٓا'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی وہ لوگ ڈرتے ہیں کہ انہیں اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ ان کا کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا[1] ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کریں اور اہل تقویٰ کی جماعت میں داخل ہو جائیں۔

۵۲- جب حضور نبی کریم ﷺ کو تقویٰ سے محروم نافرمانوں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ تقویٰ اختیار کر کے فرماں

---

[1] واضح رہے کہ اگر اس آیت مبارکہ سے کفار مراد ہوں تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (المؤمن:١٨)　　ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کا کہا مانا جائے (یعنی کفار شفاعت سے محروم رہیں گے)۔

اور اگر اس سے مراد مسلمان ہوں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت کریں گے اور اسی طرح دیگر انبیائے کرام اور فرشتے اور اولیائے عظام اور مؤمنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے جب کہ اس آیت میں ہے: '' لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ '' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ:٢٥٥)　　یعنی کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے اذن اور اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔

لہٰذا ان حضرات کی مدد و شفاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد اور شفاعت ہے تو اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کی اجازت دے دے اور چونکہ مذکورہ بالا جماعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ملے گی اس لیے یہ حضرات مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔

(تفسیر خازن ج ٢ ص ١٨ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر کبیر ج ٤ ص ٤٩ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٣٩٨ھ/١٩٧٨ء' تفسیر مظہری ج ٣ ص ٢٣٩ مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دھلی)۔ غوثوی مہاروی

بردار و پرہیز گار بن جائیں تو اس کے بعد اس آیت مبارکہ میں متقین و پرہیز گاروں کو اپنے قریب کرنے اور ان کو اپنے سے دور کرنے سے منع کیا گیا ہے ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ﴾ اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان کی تعریف کی ہے کہ بے شک یہ لوگ مسلسل اپنے رب سے دعا کرتے رہتے ہیں یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور صبح و شام ذکر کرنے سے دوام و ہمیشگی مراد ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ فجر اور عصر کی نمازیں ادا کرتے ہیں یا پانچوں نمازیں ادا کرتے ہیں [اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''بِالْغُدْوَةِ'' ہے] اور اللہ تعالیٰ نے عبادت میں ان کے اخلاص کی ایک علامت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ ﴾ وہ اپنی عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر سے ذاتِ خدا کی رضا چاہتے ہیں اور ''وَجْهٌ'' کے ساتھ کسی ہستی کی ذات کو اور اس کی حقیقت کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ فقرآء کے حق میں نازل ہوئی تھی جیسے حضرت صہیب' عمار' بلال اور انہی طرح کے دیگر فقرآء (جیسے خباب' سلمان فارسی' ابن مسعود' سعد بن وقاص' مقداد وغیرہ) جب مشرکین مکہ کے سرداروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ اگر آپ ان معمولی فقرآء کو اپنی مجلس سے دور کر دیں تو ہم آپ کی مجلس میں بیٹھا کریں گے (کیونکہ ان کے ساتھ ہمارا بیٹھنا نا مناسب ہے' نیز ان کے اونی کپڑوں سے ہمیں بدبو آتی ہے) حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں ان مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور نہیں کروں گا تو انہوں نے کہا کہ آپ ایسا کریں کہ ایک دن ہمارے لیے مقرر کر دیں اور ایک دن ان کے لیے مقرر کر دیں اور انہوں نے اس کے لیے تحریری دستاویز مانگی' آپ نے (اس امید پر کہ شاید یہ بدبخت ایمان لائیں) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تا کہ تحریر تیار کی جائے اور فقرآء اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے' اتنے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی تو آپ نے دستاویز کو پھینک دیا اور فقرآء کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو گلے سے لگا لیا[1] ﴿ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر کچھ نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ'' (الشعرا:۱۱۳) ''ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے'' ﴿ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ اور آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر کچھ نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے فقرآء مسلمانوں کے دین پر اور ان کے اخلاص پر اعتراض کیا تھا (کہ ان لوگوں نے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی خاطر اسلام قبول کر لیا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے جواب دیا کہ ان کے حساب کی ذمہ داری انہیں پر لازم ہے' ان کا نقصان آپ کو نہیں پہنچے گا جس طرح آپ کا حساب آپ پر لازم ہے ان پر لازم نہیں ﴿ فَتَطْرُدَهُمْ ﴾ [یہ نفی کا جواب ہے اور وہ ''مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ'' ہے] (یعنی چونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر بالکل نہیں ہے اس لیے آپ انہیں دور نہ کریں) ﴿ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [یہ نہی کا جواب ہے اور وہ ''وَلَا تَطْرُدْ'' ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ سبب کی توجیہ بیان کرنے کے لیے اس کو ''فَتَطْرُدَهُمْ'' پر معطوف قرار دیا جائے] کیونکہ ظالم ہونا ان کو دور کرنے کا سبب ہے۔

۵۳- ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ﴾ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ آزمایا اور اتنی بڑی آزمائش کی طرح ہم نے دولت مندوں کو غریب مسلمانوں کے ذریعے آزمائش میں ڈال دیا ﴿ لِّيَقُوْلُوْا ﴾ یعنی تا کہ دولت مند کفار یہ کہیں: ﴿ اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ﴾ یعنی کیا یہی وہ غریب و مسکین مسلمان ہیں کہ ہم میں سے جن پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی نعمت عطا فرما کر احسان کیا ہے' حالانکہ ہم ان سے مقدم اور سردار ہیں جب کہ وہ فقرآء اور ہم سے پیچھے

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۱۴۶

ثانوی حیثیت رکھتے ہیں' دراصل یہ اس بات سے انکار ہے کہ ان کی طرح کوئی اور بھی حق پر گامزن ہوا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے کسی اور پر بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ'' (الاحقاف:۱۱) یعنی کافروں نے مسلمانوں کے لیے کہا کہ اگر اس دین اسلام میں کچھ بھلائی ہوتی تو مسلمان اس تک ہم سے پہلے نہ پہنچتے ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا یعنی ان لوگوں کو جو اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنی ذات پر (محض اپنے کرم سے) رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ بے شک تم میں سے جس شخص نے بھی نادانی سے کوئی بُرا کام کر لیا' پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی' تو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے O فرما دیجئے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا' کیونکہ اس صورت میں بلاشبہ میں راہِ راست سے دور ہو جاؤں گا اور میں ہدایت یافتہ نہیں رہوں گا O

۵٤- ﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے فرمایئے کہ تم پر سلام ہو' یا تو آپ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ان کو پہنچا دیں یا پھر اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان فقرآء مسلمانوں کی عزت افزائی کی خاطر آپ ان سے سلام کہنے میں پہل کیا کریں تاکہ ان کی تکریم کا اظہار ہو جائے اور ان کے دل خوش ہو جائیں اور اسی طرح یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ تمہارے پروردگار نے اپنی ذات اقدس پر (محض اپنے کرم سے) رحمت کو لازم کر لیا ہے' یہ جملہ بھی اللہ تعالیٰ انہیں فقرآء مسلمانوں کے لیے فرما رہا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کی وسعت اور ان کی توبہ قبول کرنے کی انہیں خوشخبری سنائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پکا وعدہ فرما لیا ہے ﴿ اَنَّهٗ ﴾ [یہ ضمیر شان ہے (اس کا کوئی مرجع نہیں ہے)] یعنی بے شک ﴿ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ﴾ تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا کام کر لیا۔ [یہ حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی جس نے یہ برا کام کیا دراں حالیکہ وہ اس کے سبب حاصل ہونے والے نقصان سے جاہل تھا یا اس کو اس لیے جاہل قرار دیا گیا کہ اس نے اطاعت وفرماں برداری پر جرم وگناہ کو ترجیح دی ﴿ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ﴾ پھر جس نے برائی یا عمل کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کرتے ہوئے خالص توبہ کر لی ﴿ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ تو بے شک

اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور قاری عاصم کی قراءت میں ''اَنَّـهٗ'' (ہمزہ کے اوپر فتح کے ساتھ بغیر فا کے) ''فَاِنَّـهٗ'' (ہمزہ کے نیچے کسرہ اور شروع میں فا کے ساتھ) ہے' پہلی صورت میں ''اَلرَّحْمَةَ'' سے بدل ہے اور دوسری صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہے] یعنی اس کی شان یہ ہے کہ بے شک وہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''اَنَّـهٗ'' (ہمزہ پر زبر کے ساتھ بغیر فا کے) فَاِنَّـهٗ (فا کے ساتھ ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ) ہے پہلی صورت میں ''اَلرَّحْمَةَ'' سے بدل ہے اور دوسری صورت میں مبتدا ہے' ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں نیا اور الگ جملہ ہونے کی بنا پر ''اِنَّـهٗ ، فَاِنَّـهٗ'' (دونوں میں ہمزہ کے نیچے کسرہ) ہے' گویا ''الرحمۃ'' کی تفسیر ہے' سو کہا گیا: ''اِنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ'']۔

۵۵۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور ہم اسی طرح آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے [قاری حمزہ' علی کسائی اور قاری ابو بکر کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَلِيَسْتَبِيْنَ'' ہے (واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف) قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''سَبِيْلَ'' منصوب (لام پر زبر) ہے اس کے علاوہ باقیوں نے مرفوع (یعنی لام پر پیش) پڑھا ہے پھر ''تا'' (وَلِتَسْتَبِيْنَ) کے ساتھ اور ''یا'' (وَلِيَسْتَبِيْنَ) کے ساتھ ''سَبِيْلُ'' کو مرفوع (لام پر پیش کے ساتھ) پڑھا گیا ہے (اس صورت میں ''سبیل'' فاعل ہو گا) کیونکہ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور ''تا'' کے ساتھ ''سَبِيْلَ'' کو منصوب پڑھنے پر خطاب رسول اکرم نور مجسم ﷺ کو ہے] (یعنی تاکہ آپ مجرموں کا راستہ واضح طور پر بیان فرما دیں) اور جب کوئی معاملہ واضح اور صاف ظاہر ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ ''اِسْتَبَانَ الْاَمْرُ '' اور ''اِسْتَبَنْتُهٗ'' کا مطلب ہے کہ میں نے اس کو ظاہر کر دیا اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس واضح تفصیل کی طرح قرآن مجید کی آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور ہم مجرموں کے حالات بیان کرنے میں ان آیات کو چن لیتے ہیں کہ کس کے دل پر کفر کی مہر لگ چکی ہے اور کس شخص کے اسلام قبول کرنے کی امید کی جا سکتی ہے تاکہ ان کی راہ واضح ہو جائے اور ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے اس لیے ہم نے یہ تفصیل بیان کر دی ہے۔

بتوں کی عبادت سے ممانعت کا فرمان' معبودِ برحق پر موقفِ نبوی کا اعلان اور صرف اللہ تعالیٰ غیب دان ہے

۵٦۔ ﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک مجھے منع کیا گیا ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' یعنی مجھے روک دیا گیا ہے اور عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے آگاہ کر کے مجھے تمہارے ان بتوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو ﴿قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا یعنی میں تمہارے اس طریقے پر نہیں چلوں گا جس کو تم نے دلیل کی اتباع کے بغیر محض نفسانی خواہشات کی وجہ سے اپنے مذہب میں جاری و ساری کر دیا ہے اور یہ اس سبب کا بیان ہے جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں جا پڑے ﴿قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا﴾ یعنی اگر میں نے تمہاری خواہشات کی پیروی کی تو میں راہِ راست سے دور ہو جاؤں گا ﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ اور میں کسی چیز میں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں ہوں گا یعنی بے شک تم بھی اسی طرح ہو

قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ کَذَّبۡتُمۡ بِہٖ ؕ مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ یَقُصُّ الۡحَقَّ وَ ہُوَ خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۸﴾ وَ عِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ وَ مَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعۡلَمُہَا وَ لَا حَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾

فرما دیجئے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے' جس چیز کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے' حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے' وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O فرما دیجئے کہ جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو وہ اگر میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان اس معاملے کا فیصلہ ہو جاتا' اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے O اور غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اس کے سوا اُنہیں کوئی نہیں جانتا' اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے' اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں نہیں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر وہ ایک روشن کتاب میں (لکھا ہوا) ہے O

اور جب اللہ تعالیٰ نے خواہشات کے لائقِ اتباع ہونے کی نفی فرما دی تو اپنے (درج ذیل) فرمان سے اس چیز پر تنبیہ فرما دی جس کی اتباع و پیروی کرنا واجب و لازم ہے۔

۵۷- ﴿قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے یقیناً روشن اور واضح دلیل پر گامزن ہوں یعنی بے شک مجھے واضح دلیل کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ معرفت یقیناً حاصل ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ﴿وَ کَذَّبۡتُمۡ بِہٖ﴾ اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے کیونکہ تم نے اس کے ساتھ اس کے غیروں کو شریک ٹھہرایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں اپنے رب تعالیٰ کی واضح دلیل کی وجہ سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور وہ قرآن مجید ہے اور تم نے اس واضح اور روشن دلیل کو جھٹلا دیا ہے [اور ''بہ'' میں ضمیر سے برھان یا بیان یا قرآن مراد لینے کی تاویل پر مذکر ذکر کی گئی ہے (ورنہ اس کا مرجع ''بیّنۃ'' مؤنث ہے)] پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسا کلام ذکر فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار یقیناً اس بات کے حق دار ہیں کہ انہیں سخت ترین عذاب کے ساتھ سزا دی جائے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ﴾ یعنی وہ عذاب میرے پاس نہیں جس کو تم اپنے (درج ذیل) قول میں جلدی طلب کر رہے ہو کہ ''فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ'' (الانفال: ۳۲) یعنی اے اللہ! تو ہمارے اوپر پتھروں کی بارش برسا دے یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دے ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ تمہارے عذاب میں تاخیر کا حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے (میرا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل نہیں ہے) ﴿یَقُصُّ الۡحَقَّ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس میں جو فیصلہ کرتا ہے اور جو مقدر میں لکھتا ہے وہ حق اور حکمت کے تابع ہوتا ہے [اور یہ

''قَصَّ اَثَرَهٗ'' سے ماخوذ ہے اور یہ امام عاصم اور حجازی قراء کی قراءت کے مطابق ہے اور باقی قراء کی قراءت میں ''یَقْضِ الْحَقَّ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ جلدی یا بہ دیر جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ حق ہے سو ''اَلْحَقَّ''، ''یَقْضِیْ'' کے مصدر کی صفت ہے یعنی ''القضآء الحق'' ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴾ کا مطلب ہے ''القاضین بالقضاء الحق'' یعنی وہ حق کا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ ''فصل'' کا معنیٰ ''قضا'' یعنی فیصلہ کرنا ہے اور التقائے ساکنین کی وجہ سے لفظ کی اتباع کرتے ہوئے خط سے ''یا'' کو ساقط کر دیا گیا ہے]۔

۵۸۔ ﴿ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اگر میرے پاس یعنی میری قدرت و طاقت میں یہ طاقت ہوتی کہ ﴿ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ﴾ جس چیز یعنی جس عذاب کی تم جلدی کر رہے ﴿ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ﴾ تو البتہ میرے اور تمہارے درمیان اس کام کا جلد فیصلہ ہو جاتا کیونکہ میں اپنے رب تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے تمہیں فوراً ہلاک کر دیتا ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے' سو وہ تم پر اس وقت عذاب نازل کرے گا جو تمہیں ہلاک کرنے کا اس کے علم میں آ چکا ہے (نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد)۔

۵۹۔ ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ﴾ اور غیب کی کنجیاں اسی ہی کے پاس ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا اور کوئی نہیں جانتا [اور ''مَفَاتِحُ''، ''مِفْتَحٌ'' (میم مکسور کے ساتھ) کی جمع ہے اور یہ بہ معنیٰ ''مفتاح'' ہے] یعنی چابی یا یہ رزق اور عذاب کے خزانے ہیں یا بندوں سے جو ثواب و عقاب اور آجال واحوال غائب ہیں وہ مراد ہیں اور ان کو بطور تشبیہ غیب کی چابیاں قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان چابیوں ہی کے ذریعے اس مخفی اور پوشیدہ خزانے تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے جو تالوں اور قفلوں کے ساتھ مضبوطی سے محفوظ کر دیا جاتا ہے اور جو خزانے کی چابیوں اور ان سے کھولنے کی کیفیت کو جانتا ہے وہی خزانے تک رسائی حاصل کر سکتا ہے' سو اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ تمام مغیبات (پوشیدہ چیزوں) تک رسائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اس کے سوا ان تک کسی کی رسائی نہیں ہے اس شخص کی طرح جس کے پاس خزانوں کے تالوں کی چابیاں ہوں اور وہ ان کو کھولنا جانتا ہو تو وہی خزانوں تک رسائی حاصل کرے گا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیب کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور تمہارے پاس عیب کی چابیاں ہیں' سو جو شخص اس کے غیب پر ایمان لائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب پر پردہ ڈال دے گا[1] ﴿ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ اور جو کچھ خشکی میں نباتات و جان دار رہتے ہیں ان کو

[1] چونکہ نبی اکرم رسول اعظم سیّد عالم ﷺ کو تمام کائنات میں سب سے بڑھ کر اور بے شمار علوم غیبیہ اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمائے ہیں' لہٰذا اس آیت مبارکہ کو آپ کے علم غیب کی نفی میں پیش کرنا غلط ہے' چنانچہ مفسرین کرام نے یہاں واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر ان کو کوئی نہیں جانتا' چنانچہ ''تفسیر مظہری'' میں لکھا ہے کہ ان مغیبات میں سے کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ماسوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر واقف و مطلع کر دیا ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۴۵ مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور علم غیب تک پہنچنے کے ذریعے بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہیں' کوئی ان کا مالک نہیں' پس اللہ تعالیٰ جس کو غیب کا علم دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جس کو محروم رکھنا چاہتا ہے اسے محروم کر دیتا ہے اور امور غیب پر آگاہی صرف رسولوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے جن پر علوم غیب کا فیضان فرمایا جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۵۶۳)

فریق مخالف کے جید عالم شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے' کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلاتِ ادراک کے ذریعے سے علومِ غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جو کچھ تری میں حیوانات و جواہر وغیرہما موجود ہیں ان کو وہی خوب جانتا ہے ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا ﴾ اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے [اس میں حرف ''ما'' نفی کے لیے ہے اور حرف ''مِنْ'' استغراق کے لیے ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام پتوں کی تعداد کو اور ان کے احوال کو گرنے سے پہلے اور گرنے کے بعد خوب جانتا ہے ﴿ وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ ﴾ [یہ ''مِنْ وَّرَقَةٍ'' پر معطوف ہے] اور اس کے حکم میں داخل ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ تر اور نہ خشک ﴿ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ مگر ایک روشن کتاب میں (لکھا ہوا) ہے اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِلَّا يَعْلَمُهَا'' کے لیے تکرار کی مانند ہے کیونکہ ان دونوں کا ایک معنی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا علم یا لوح محفوظ۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان میں از خود اضافہ کر لے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہنا چاہیے حق تعالیٰ نے اپنے ہی لیے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷۴ حاشیہ نمبر ا مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

اور دیگر مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کی جو وضاحت کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ''مَفَاتِح''، ''مِفْتَحٌ'' (میم مکسور) کی جمع ہے تو معنی یہ ہے کہ غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اور اگر ''مَفَاتِح''، ''مَفْتَحٌ'' (میم مفتوح) کی جمع ہے تو معنی یہ ہے کہ غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں' پہلی صورت میں تمام معلومات الٰہیہ مراد ہیں اور دوسری صورت میں تمام ممکنات پر قدرت کاملہ مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی الجزء السابع ص ۱۷۰۔۱۷۱ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ لمیٹڈ لاہور' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۵ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء' تفسیر الخازن ج ۲ ص ۲۱۔۲۲ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر)

عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرما دیتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ'' (الجن: ۲۶۔۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے' اور لیکن جس نے یہ کہا کہ ہمارے نبی یا کسی اور نے اپنے علم سے تمام غیبوں کا اس طرح احاطہ کر لیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم تمام غیبوں کو محیط ہے تو وہ یقیناً کافر ہو گیا۔

(تفسیر صاوی حاشیہ علی الجلالین ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ مصطفےٰ البابی الحلبی بمصر' ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء)

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم بے حد و بے شمار ہی سہی لیکن وہ ذاتی نہیں عطائی ہیں اور معلومات الٰہیہ کا بعض ہیں' اسی طرح آپ کے خداداد اختیارات تمام کائنات سے بڑھ کر ہی سہی لیکن وہ ذاتی نہیں عطائی ہیں اور تمام ممکنات پر قدرت کاملہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے' لہٰذا اس آیت مبارکہ میں اختصاص سے حضور کے علوم و اختیارات خداداد کی نفی لازم نہیں آتی' والحمد للّٰہ علی ذالك. غوثوی

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ۚ لَىٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾

اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور تم نے دن میں جو کچھ کمایا ہے اسے وہ جانتا ہے' پھر وہ تمہیں اسی میں اٹھا دیتا ہے تا کہ مقررہ مدت پوری کی جائے' پھر تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھےO اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی تم پر محافظ بھیجتا ہے' یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتےO پھر وہ اپنے سچے مالک اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں' خبردار ہو جاؤ کہ حکم اسی کا ہے' اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہےO فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے جس کو تم عاجزی سے اور آہستہ پکارتے ہو کہ اگر اس نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گےO

٦٠- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ساتھ کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ ﴾ اور وہی تو ہے جو تمہیں رات کو سلا دیتا ہے یعنی وہ نیند کی حالت میں کامل تصرف کرنے سے تمہاری روحیں قبضے میں لے لیتا ہے ﴿ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ﴾ اور تم نے دن میں جو کچھ کمایا اور اس میں تم نے جتنے گناہ کیے وہ سب کو خوب جانتا ہے ﴿ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ ﴾ پھر وہ دن میں تمہیں بیدار کر کے اٹھا دیتا ہے یا تقدیرِ عبارت اس طرح ہے کہ پھر وہ تمہیں دن میں اٹھا دیتا ہے اور اس میں تم نے جو کچھ کمایا ہے اس کو وہ خوب جانتا ہے لیکن کسب کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ اہم ہے اور اس میں اس بات کی نفی نہیں کہ ہم نے رات کے اوقات میں جو کچھ کیا ہے اسے وہ نہیں جانتا اور نہ اس کی نفی ہے کہ وہ دن کے اوقات میں ہم پر نیند طاری کر کے ہماری روحیں قبض نہیں کرتا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی چیز کو ذکر کے ساتھ مخصوص کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کی جائے ﴿ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ تا کہ مکمل طور پر مقررہ مدتِ حیات پوری کی جائے ﴿ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ پھر تم نے مرنے کے بعد اٹھ کر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم اپنی راتوں اور دنوں میں اعمال کرتے تھے' بعض اہلِ کلام نے کہا کہ ان حواس میں سے ہر ایک حاسہ کے لیے ایک روح ہوتی ہے' نیند کے وقت وہ قبض کر لی جاتی ہے' پھر جب نیند ختم ہو جاتی ہے تو وہ روح واپس لوٹا دی جاتی ہے لیکن وہ روح جس سے سانس (زندگی) قائم ہے وہ نیند کے وقت قبض نہیں کی جاتی بلکہ وہ موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اور ارواح سے مراد وہ معانی اور قویٰ ہیں جو حواس کے ساتھ قائم ہیں اور انہیں کے ساتھ سننا' دیکھنا' پکڑنا' چلنا اور سونگھنا ہوتا ہے اور ''ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ'' کا معنی ہے کہ وہ تمہیں بیدار کر دیتا ہے اور تمہارے حواس کی ارواح تمہیں واپس لوٹا دی جاتی ہیں اور اس آیت مبارکہ کے ذریعے بعث کے منکرین کے خلاف استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ جس طرح نیند کے وقت ان حواس کی ارواح چلی جاتی ہیں' پھر نیند ختم ہونے پر واپس لوٹا دی جاتی ہیں اسی طرح موت کے بعد ارواح کو ابدان میں لوٹا کر زندہ کیا جائے گا۔

قدرت وغلبۂ الٰہی کے دلائل' اسلام کا مذاق اڑانے والوں سے بائیکاٹ کا حکم اور ان کا انجام

٦١- ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی

تم پر محافظ ونگہبان بھیجتا ہے یعنی ایسے فرشتے جو تمہارے اعمال کو محفوظ کر لیتے ہیں اور وہ کراماً کاتبین (یعنی اعمال لکھنے والے معزز فرشتے) ہیں تاکہ یہ بندوں کے لیے فساد برپا کرنے سے اور گناہوں کے ارتکاب کرنے سے ڈرانے دھمکانے کا سبب بن جائے کیونکہ جب وہ غور وفکر کریں گے کہ بے شک ان کے اعمال نامے اور صحیفے برسر میدان تمام لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو فتنہ وفساد اور گناہوں کے ارتکاب سے باز آ جائیں گے) ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ اس میں ''حَتّٰی'' اعمال کی حفاظت کی غایت بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے یعنی فرشتوں کا مکلفین کے ساتھ پوری مدت حیات میں یہی طریقہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت اپنی آغوش میں لے لیتی ہے (آیت کا ترجمہ) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ جاتی ہے تو ﴿تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ ملک الموت (موت کا فرشتہ) اور اس کے دیگر معاونین فرشتے مراد ہیں ''توفیہ'' اور ''استوفیہ'' دونوں کا معنی پورا کرنا ہے (کیونکہ زندگی کی مقررہ مدت جب پوری ہو جاتی ہے تو فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور اسی کو وفات کہتے ہیں) [قاری حمزہ کی قراءت میں الف امالہ کے ساتھ ''تَوَفَّاهُ'' ہے قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''رُسْلُنَا'' (سین ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ﴾ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے اور نہ وہ سستی کرتے ہیں اور نہ تقدیم وتاخیر کرتے ہیں۔

٦٢-﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی جزا کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی فرشتوں کے لوٹانے سے مرنے والوں کو (حساب کے لیے میدانِ حشر میں) لوٹایا جائے گا ﴿مَوْلٰىهُمُ﴾ اپنے مالک کی طرف جو ان پر ان کے امور کا متولی ہے ﴿الْحَقِّ﴾ عدل وانصاف جو کبھی حق کے بغیر فیصلہ نہیں کرتا اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں ﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ﴾ خبردار! اس دن صرف اسی کا حکم ہوگا' اس کے سوا اس دن کسی کا حکم نہیں چلے گا ﴿وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ﴾ اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے اور اس کو کسی کا حساب کسی اور کے حساب سے روکنے والا نہیں ہوگا اور وہ صرف ایک بکری کے دودھ دوہنے کی مقدار میں تمام مخلوق کا حساب لے لے گا اور کہا گیا ہے کہ اس ذات کی طرف لوٹ جانا جس نے تمہاری پرورش کی ہے اس ذات کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے جس نے تمہیں تکلیفیں اور دکھ دیئے ہیں۔

٦٣-﴿قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ اس سے خشکی اور تری کی خوفناکیاں اور تکالیف وشدائد مراد ہیں یا پھر خشکی کے اندھیروں سے بادلوں کی گرج وکڑک اور سمندروں سے رات کے وقت ان کی خطرناک موجیں مراد ہیں [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں (''يُنَجِّيكُمْ'' کو مخفف یعنی نون ساکن جیم کو بغیر تشدید کے مکسور) ''يُنْجِيكُمْ'' (پڑھا گیا) ہے] ﴿تَدْعُوْنَهٗ﴾ [یہ ''يُنَجِّيكُمْ'' میں ضمیر مفعول سے حال ہے] یعنی جس کو تم پکارتے ہو ﴿تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ کبھی گڑگڑا کر دھاڑیں مارتے ہو اور کبھی اپنے دلوں میں آہستہ آہستہ' یہ دونوں ''تَدْعُونَهٗ'' کی ضمیر فاعل سے حال ہیں اور حضرت ابوبکر کی قراءت میں ''خِفْيَةً'' (''خا'' کے نیچے زیر) ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں] ﴿لَئِنْ اَنْجٰىنَا﴾ البتہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے [اور یہ امام عاصم کی قراءت ہے جب کہ قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں امالہ کے ساتھ اور باقی قراء کی قراءت میں ''لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا'' ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ البتہ اگر تو ہمیں نجات دے دے گا ﴿مِنْ هٰذِهٖ﴾ ان اندھیروں سے ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ تو ہم ضرور باضرور اللہ تعالیٰ کے لیے شکرادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ

عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝٦٥ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦٦ؕ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٦٧

آپ فرمادیجئے کہ اللہ ہی تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے' پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو○ فرمادیجئے کہ وہی اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا وہ تمہیں گروہ بندی میں لڑادے اور وہ تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے' غور سے دیکھئے ہم کس طرح دلائل کو بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں○ اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلا دیا حالانکہ وہ حق ہے' فرمادیجئے کہ میں تم پر وکیل نہیں ہوں○ ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے' اور عنقریب تم جان لوگے○

٦٤- ﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان اندھیروں سے بھی اور ہر قسم کے رنج وغم سے نجات دیتا ہے [اور کوفیوں کی قراءت میں ''يُنَجِّيْكُمْ'' مشدد ہے] ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾ پھر بھی تم شرک کرتے ہو اور تم شکر ادا نہیں کرتے۔

٦٥- ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ وہی قادر ہے جس کو تم بھی بطور قادر پہچانتے ہو یا وہی کامل قدرت والا ہے [سولام عہد اور جنس کا ہے] ﴿عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ اس پر کہ وہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیج دے جیسا کہ قوم لوط پر اور ہاتھی والوں (یعنی ابرہہ کے لشکر) پر پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے جیسا کہ فرعون کو غرق کیا گیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا یا تمہارے بادشاہوں اور بدمعاشوں کی طرف سے (تم پر عذاب بھیج دیا جائے) یا اس عذاب سے بارش کا رکنا اور کھیتی باڑی کا ویران ہونا مراد ہے ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ یا متفرق خواہشات کی بنا پر تمہیں مختلف گروہوں میں خلط ملط کر دے اور تم میں سے ہر گروہ اپنے اپنے لیڈر کے تابع ہو جائے اور انہیں خلط ملط کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان جنگ برپا کر دی جائے جس میں وہ باہم گتھم گتھا ہو جائیں اور قتل وغارت کے میدان میں ایک دوسرے میں گھس جائیں ﴿وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ اور تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کی سختی کا مزہ چکھائے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ اور ''بَاْس'' سے تلوار یعنی لڑائی مراد ہے' حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت پر اس کے اوپر سے اور اس کے نیچے سے عذاب نہ بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ بات قبول فرمالی اور میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کرنے سے مجھے منع کر دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے آ کر خبر دی کہ بے شک میری امت کی بربادی تلوار (باہمی لڑائی) سے ہوگی [1] ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ

[1] رواہ الترمذی فی کتاب الفتن باب ٢٠' ابن ماجہ فی کتاب الفتن باب ٩' الموطأ فی کتاب القرآن رقم الحدیث:٣٥' احمد فی مسندہ ج ٥ ص ٢٤٠-٢٤٣-٢٤٧

نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ﴾ دیکھیے ہم وعدہ اور وعید کی آیتوں کو کس طرح بار بار بیان کرتے ہیں ﴿ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴾ تاکہ وہ سمجھ سکیں۔

٦٦-﴿ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ ﴾ اور آپ کی قوم یعنی قریشِ مکہ نے اس کو یعنی قرآن مجید کو یا عذاب کو جھٹلا دیا ہے ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ ﴾ اور وہ حق ہے یعنی سچ ہے یا ان پر عذاب نازل ہونا ضروری ہے ﴿ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں: میں تم پر محافظ ونگہبان نہیں ہوں اور نہ تمہارے امور میرے سپرد کیے گئے' بے شک میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔

٦٧-﴿ لِكُلِّ نَبَاٍ ﴾ اور ہر ایسی چیز جس کی خبر دی جا سکے یعنی ان کی یہ خبر ہے کہ ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان کو اس کے ساتھ ڈرایا جائے گا ﴿ مُّسْتَقَرٌّ ﴾ عذاب کے وقوع وحصول کی خبر کا وقت مقرر ہے جس کا وقوع لازمی ہے ﴿ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور عنقریب تم جان لو گے' یہ کفار کے لیے دھمکی ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو کہ ہماری آیتوں میں طنزاً بحث کر رہے ہیں تو تم ان سے منہ پھیر لو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں' اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھا کرو O اور پرہیز گاروں پر ان لوگوں کے حساب کی کچھ ذمہ داری نہیں اور لیکن وہ ان کو نصیحت کرتے رہیں تاکہ وہ باز آ جائیں O

٦٨-﴿ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ﴾ اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں یعنی قرآن مجید میں طنزیہ بحث کر رہے ہیں یعنی وہ قرآنی آیات کا مذاق اڑانے اور اس میں طعن وتشنیع کرنے میں مشغول ہیں اور دراصل قریشِ مکہ اپنی مجالس میں یہ فضول بحث کرتے تھے ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ سو آپ سے منہ پھیر لیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں اور ان کی مجلس سے اٹھ جائیے ﴿ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ﴾ یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں تو اس وقت ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے ﴿ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ ﴾ اور اگر بالفرض تمہیں شیطان وہ بات بھلا دے جس سے آپ کو منع کیا گیا ہے [اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں "یُنَسِّیَنَّكَ" ہے اور "نَسّٰی" اور "اَنْسٰی" ایک چیز ہے ﴿ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى ﴾ تو آپ یاد آ جانے کے بعد نہ بیٹھیے ﴿ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ۔

٦٩-﴿ وَمَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ ﴾ اور تقویٰ وپرہیز گاری اختیار کرنے والوں پر ان لوگوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں جو قرآن مجید کو جھٹلانے اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے اس میں زبان درازی سے بحث کرتے ہیں ﴿ مِّنْ شَیْءٍ ﴾ یعنی قرآن مجید کا مذاق اڑانے والوں کی مجلس میں محض بیٹھنے والے پرہیز گاروں پر ان کے گناہوں میں سے ان پر کچھ نہیں ہوگا البتہ مذاق اڑانے والوں سے حساب لیا جائے گا ﴿ وَّلٰكِنْ ﴾ اور لیکن پرہیز گاروں پر لازم ہے کہ وہ مذاق اڑانے والوں کو نصیحت کریں اور انہیں سمجھائیں ﴿ ذِكْرٰى ﴾ جب پرہیز گار حضرات ان سے سنیں کہ وہ بحث کر رہے ہیں تو ان

کی مجلس سے کھڑے ہو جائیں اور ان سے نفرت کا اظہار کریں اور انہیں نصیحت کریں [اور ''ذِکْرٰی''، ''تَذْکِیْرًا'' کے معنی میں محلًا منصوب ہے] یعنی لیکن یہ حضرات ان لوگوں کو نصیحت کریں اور خوف دلائیں [یا یہ مرفوع ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَلٰکِنْ عَلَیْھِمْ ذِکْرٰی'' ''سو ''ذِکْرٰی'' مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے] ﴿ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ﴾ تا کہ وہ شرم و حیا اختیار کر کے بے جا بحث سے باز آجائیں یا وہ اپنی برائی سے نفرت کر کے بے فائدہ بحث سے بچیں۔

وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّلَھْوًا وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَذَکِّرْ بِہٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا کَسَبَتْ ۖ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا ۗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا ۚ لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور ان کو اس کے ساتھ نصیحت کرتے رہو کہ کوئی جان ان کرتوتوں کے سبب ہلاکت میں نہ پڑ جائے جو اس نے کیے ہیں' اللہ کے ماسوا اس کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا' اور اگر وہ ہر قسم کا معاوضہ دے دے تو اس سے وہ بھی نہیں لیا جائے گا' یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کیے کی وجہ سے ہلاکت میں گرفتار کر لیے گئے' اور ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا اور دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ کفر کرتے تھے O

۷۰-﴿ وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ ﴾ اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے اپنے دین کو (کھیل تماشا) بنا لیا یعنی جس دین کے وہ مکلّف بنائے گئے اور جس کو قبول کرنے کی انہیں دعوت دی گئی تھی اور وہ دین اسلام ہے ﴿ لَعِبًا وَّلَھْوًا ﴾ دین کو کھیل تماشا بنانے کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ تمسخر کیا اور اس کا مذاق اڑایا اور ان کو چھوڑ دینے کا یہ معنی ہے کہ آپ ان سے اعراض کریں اور منہ پھیر لیں اور ان کے جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی بالکل پروا نہ کریں اور لعب ولھو سے ہر وہ خواہش اور ہر وہ خوشی مراد ہے جو انسان کو مفید کاموں سے پھیر کر بے کار کاموں میں مصروف ومشغول کر دے ﴿ وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ﴾ اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے ﴿ وَذَکِّرْ بِہٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا کَسَبَتْ ﴾ اور آپ قرآن مجید کے ذریعے انہیں نصیحت کیجئے اس اندیشے کے سبب کہ کہیں کوئی جان ہلاکت وعذاب میں مبتلا نہ ہو جائے اور انہیں ان کے برے عمل سے ڈرایئے اور ''ابسال'' کا اصل معنی منع کرنا اور روکنا ہے ﴿ لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ ﴾ اس کے لیے اللہ کو چھوڑ کر کوئی مددگار نہیں ہوگا جو قوت وطاقت کے بل بوتے پر اس کی مدد کر سکے ﴿ وَّلَا شَفِیْعٌ ﴾ اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جو سوال کر کے اس کا دفاع کر سکے اور صحیح یہ ہے کہ ''کَسَبَتْ'' پر وقف نہ کیا جائے کیونکہ ''لَیْسَ لَھَا'' ''نَفْسٌ'' کی صفت ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ انہیں قرآن کے ساتھ نصیحت کیجئے اس بات کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ کوئی جان ہلاک ہو جائے نہ مددگار کو پانے والی ہو اور نہ شفاعت کرنے والے کو ﴿ وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ ﴾ [مصدر کی بنا پر منصوب ہے] یعنی اگر وہ جان ہر قسم کا فدیہ دے دے۔''عدل'' کا معنی فدیہ دینا ہے کیونکہ جس چیز کا معاوضہ دیا جاتا ہے' فدیہ دینے والا اس کے مساوی فدیہ ادا کرتا ہے ﴿ لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا ﴾ اس سے وہ فدیہ نہیں لیا جائے گا [اور اس کا فاعل

''عدل'' کی ضمیر نہیں ہو سکتی کیونکہ ''عدل'' یہاں مصدر ہے جس کی طرف ''اَخذ'' کا اسناد نہیں کیا جا سکتا لیکن اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں ''وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ'' (البقرہ:۴۸) تو وہ ''مُفْدٰی بِهٖ'' (جس چیز کے ساتھ فدیہ ادا کیا جائے) کے معنی میں ہے جس کی طرف اس کا اسناد صحیح ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یہ دینِ اسلام کو کھیل تماشا بنانے والوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ مبتدا ہے اور ﴿ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ﴾ اس کی خبر ہے یعنی یہی وہ بد بخت لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے ﴿ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴾ ان کے لیے گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا [یہ ''اُولٰٓئِكَ'' کی دوسری خبر ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: یہی لوگ خدا کے عذاب میں گرفتار ہونے والے ہیں جن کو پینے کے لیے گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا یا یہ جملہ مستانفہ ہے ﴿ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴾ اور ان کے کفر کے سبب ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

فرمائیے کہ کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اس کے بعد کہ اللہ ہمیں ہدایت عطا کر چکا ہم اپنی ایڑیوں پر پھیر دیئے جائیں اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے جنگل میں بھٹکا کر حیران کر دیا' اس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہوں گے کہ ادھر ہمارے پاس آ جا' فرما دیجئے کہ بے شک اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی ہدایت ہے' اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے فرماں بردار رہیں O اور یہ کہ تم نماز قائم رکھو اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے O

غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری کا اظہار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصیرت و توحید کا بیان۔۔۔۔۔ نیز آپ کے والد کے نام کی تحقیق

۷۱- ﴿ قُلْ ﴾ اے محبوب! آپ اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمائیے کہ وہ اپنے بیٹے (حضرت) عبد الرحمٰن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرما دیں کیونکہ وہ (اسلام قبول کرنے سے پہلے) اپنے والد (حضرت ابوبکر) کو بتوں کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے ﴿ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا ﴾ [اس میں ''نَدْعُوْا'' بہ معنیٰ ''نَعْبُدُ'' ہے] کیا ہم نفع و نقصان پہنچانے والے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں یعنی اگر ہم ان کی عبادت کرنا شروع کر دیں تو ہمیں نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر ہم ان کو بالکل چھوڑ دیں تو وہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے ﴿ وَ نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا ﴾ دراصل ''وَ اَنُرَدُّ'' ہے کہ کیا ہم اپنی ایڑیوں پر واپس شرک کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے ﴿ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کے لیے ہمیں ہدایت عطا فرما دی اور ہمیں بتوں کی عبادت سے بچا لیا ﴿ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ ﴾ اس شخص کی طرح جس کو سرکش جنوں اور (قدیم

عرب کے گمان کے مطابق انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف شکلوں کے ساتھ جنگلوں میں رہنے والے خطرناک) شیطانوں نے راہِ راست سے بھٹکا دیا ہو [اور اس میں کاف جارہ ''نُرَدُّ'' کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] یعنی کیا ہم پچھلے پاؤں واپس شرک کی طرف پھر جائیں دراں حالیکہ ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں گے جسے شیطانوں نے راہ سے گمراہ کر دیا ہو [اور ''اِسْتَهْوَتْ'' باب استفعال ہے ''هَوٰی فِی الْاَرْضِ'' سے ماخوذ ہے] جب کوئی شخص بیاباں زمین میں دور نکل جائے گویا اس کا معنی یہ ہے کہ شیاطین و سرکش جنوں نے اس شخص کو جنگل کی سرزمین پر راہ راست سے دور لے جا کر مبہوت و پریشان کر دیا ﴿فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ﴾ [یہ ''اِسْتَهْوَتْهُ'' کی ضمیر مفعول سے حال ہے] یعنی راہِ راست سے بھٹکا ہوا حیران و پریشان اور متحیر و سرگرداں شخص جو نہیں جانتا کہ اب وہ کیا کرے اور کیسے کرے ﴿لَهٗ﴾ اس حیران و پریشان اور گم کردہ راہ کے لیے ﴿اَصْحٰبٌ﴾ دوست و احباب اور ساتھی ہیں جو ﴿یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی الْهُدَی﴾ اس کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں تاکہ وہ اس کو سیدھے راستے پر لگا دیں۔ یہاں طریقِ مستقیم (سیدھا راستہ) کو ''هُدًی'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے' وہ احباب اس شخص سے کہتے ہیں کہ ﴿ائْتِنَا﴾ ادھر ہمارے پاس آ جا جب کہ وہ شخص جنگل میں راستہ بھول چکا ہے اور جنوں اور شیطانوں کے پیچھے لگا ہوا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کی پکار پر نہ ان کو جواب دیتا ہے اور نہ ان کے پاس آتا ہے اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ کہا جائے کہ بے شک جنات انسانوں کو بہکاتے اور پریشان کرتے ہیں اور شیاطین اس پر غالب آ جاتے ہیں' سو یہاں اس شخص کے ساتھ اسلام کے راستے سے بھٹکے ہوئے گمراہ کو تشبیہ دی گئی جو شیطان کا پیروکار ہے اور جب کہ مسلمان اس کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں مگر وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتا ﴿قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت اسلام ہے ﴿هُوَ الْهُدٰی﴾ وہی تنہا ہدایت ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب گمراہی ہے ﴿وَاُمِرْنَا﴾ [یہ ''اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی'' کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اس بنا پر کہ یہ دونوں مقولے ہیں] گویا کہا گیا ہے کہ اے محبوب! آپ یہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت یعنی دین اسلام ہی فقط ہدایت ہے باقی سب گمراہی ہے اور آپ یہ بھی فرما دیں کہ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے ﴿لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہ ہم صرف تمام جہانوں کے پروردگار کی اطاعت کریں۔

۷۲-﴿وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور تقدیرِ عبارت یہ ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سرِ تسلیم خم کر دیں اور یہ کہ تم نماز قائم کرو یعنی ہمیں نماز قائم کرنے اور اسلام کے احکام پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور وہی تو ہے جس کی بارگاہ میں تم قیامت کے روز اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا' اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا' اس کا فرمان سچا ہے' اور اس کی حکمرانی ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا' وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے' اور وہ بڑا حکمت والا' بڑا باخبر ہےO اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (چچا) ابو آزر سے فرمایا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو' بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوںO اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں اور تاکہ وہ آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیںO

۷۳- ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اور (اللہ) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بڑی حکمت کے ساتھ برحق پیدا فرمایا ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اور جس وقت وہ فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے' یہ کلام پاک خبر ہے جواب نہیں ہے ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ اس کا فرمانا حق ہے [یہ جملہ مبتدا ہے اور ''يَوْمَ يَقُوْلُ'' اس کی خبر ہے اور اس پر مقدم ہے جیسے تم کہو کہ ''يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَوْلُكَ الصِّدْقُ'' یعنی تمہارا سچ فرمانا جمعہ کے دن ہوگا اور ''يَوْمَ'' ''حِيْنَ'' کے معنی میں ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو برحق حکمت کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور وہ جس وقت اشیاء میں سے کسی شے کو فرماتا ہے کہ تو ہو جا تو وہ شے ہو جاتی ہے' اس کا فرمانا سچ اور دانائی ہے یعنی آسمانوں اور زمین اور باقی تمام مخلوقات میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ مبنی برحق اور مبنی برحکمت اور مبنی برصواب موجود ہوئی ہے ﴿وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ [یہ مبتدا خبر ہیں] اور اسی کی بادشاہی ہے ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ﴾ [یہ ''لَهُ الْمُلْكُ'' کا ظرف ہے] یعنی جس دن پھونکا جائے گا ﴿فِي الصُّوْرِ﴾ صور میں۔ یمن کی لغت میں ''صور'' سینگ کو کہتے ہیں یا یہ ''صورة'' کی جمع ہے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ﴾ اصل میں ''هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ'' ہے ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ یعنی وہ نہاں اور عیاں اور باطن اور ظاہر اور پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ مارنے اور زندہ کرنے میں بہت بڑا صاحب حکمت و دانا ہے ﴿الْخَبِيْرُ﴾ وہ حساب لینے اور جزا و سزا دینے کے ساتھ بڑا باخبر ہے۔

۷۴- ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ آزر آپ کے باپ کا نام ہے یا اس کا لقب ہے کیونکہ نسب بیان کرنے والوں میں اختلاف ہے کہ بلاشبہ آپ کے باپ کا نام تارخ ہے[1] [اور ''اٰزَرَ'' ''لِاَبِيْهِ'' کا عطفِ بیان ہے اور اس کا وزن ''فَاعَل'' ہے] ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو' یہ سوال زجر و توبیخ کرنے اور ڈرانے دھمکانے کے لیے کیا گیا

[1] خیال میں رہے کہ آزر چونکہ بت پرست تھا اس لیے اس کے دوزخی ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا تھا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور حضرت حوا سے لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک حضور سید عالم ﷺ کے تمام آباء و امہات طیب و طاہر اور مؤمن و موحد تھے' اس کے ثبوت میں بندۂ ناچیز نے ایک جامع اور مختصر کتاب ''دلائل النجات لاصول سیّد الکائنات'' کے نام سے لکھی ہے جس میں تفصیلی دلائل ذکر کر دیئے ہیں تاہم یہاں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے بارے میں گفتگو پر اکتفا کیا گیا ہے' چنانچہ علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (نویں صدی ہجری کے مجدد) لکھتے ہیں کہ بزرگان دین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد آزر نہیں بلکہ وہ تو آپ کا چچا تھا۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ تھا' یہ روایت درج ذیل آنے والی صحیح روایات کی تائید و تصدیق کی وجہ سے ضعیف سے نکل کر قوی ہوگئی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی کیا تم بتوں کو اپنا معبود قرار دیتے ہو حالانکہ یہ بت معبود ہونے کے مستحق نہیں ہیں ﴿اِنِّیٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(۲) امام ابن ابی شیبہ ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے بہت سی اسناد ذکر کی ہیں جن کی بعض اسناد بالکل صحیح ہیں کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں تھا۔

(۳) امام ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن جریج سے اسی آیت کریمہ کے تحت نقل کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں بلکہ ابراہیم بن تیرح یا تارخ بن شاروخ بن ناخور بن فالخ ہے۔

(۴) امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر تھا تو انہوں نے فرمایا: نہیں بلکہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ ہے اور انہوں نے لغت کے اعتبار سے یہ وجہ بیان فرمائی کہ عرب میں چچا کو باپ بھی کہا جاتا ہے اور ان کے نزدیک ''اَبٌ'' کا لفظ ''عَـمٌّ'' کی جگہ بولنا مشہور و معروف ہے اگرچہ یہ مجاز ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ . (البقرہ:۱۳۳)

کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کو موت آئی تو اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت مبارکہ میں ''اَبٌ'' (جس کی جمع ''ابـآء'' ہے) کا لفظ حضرت اسماعیل پر بولا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے چچا ہیں اور اسی طرح یہ لفظ حضرت ابراہیم پر بھی بولا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے دادا ہیں۔

(۵) امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دادا بھی باپ ہوتا ہے اور وہ یہی آیت کریمہ تلاوت کیا کرتے تھے نیز انہوں نے ابو العالیہ سے اسی آیت کے تحت نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں چچا کو باپ کہا گیا ہے پس بزرگان دین کے یہ وہ اقوال ہیں جو صحابہ کرام اور تابعین سے منقول ہیں۔

(۶) نیز وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جس کو امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ گلزار بن گئی جس پر آپ کے چچا آزر نے کہا کہ آپ میری وجہ سے آگ سے محفوظ رہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ اس پر پھینک دیا جس سے جل کر وہ مر گیا چنانچہ اس روایت میں ایک تو حضرت ابراہیم کے چچا ہونے کی وضاحت کر دی گئی ہے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالے جانے کے دنوں میں آزر کے ہلاک ہو جانے کا مسئلہ واضح ہو گیا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم پر آزر کا دشمنِ خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو آپ نے اس کے لیے دعائے مغفرت و بخشش کرنا ترک کر دیا اور آثار و روایات میں وارد ہے کہ جب آزر شرک کی حالت میں مر گیا تو آپ نے اس کے بعد اس کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کی۔

(۷) امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اپنے باپ آزر کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا اور جب وہ کفر کی حالت میں مر گیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۵۔﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ یعنی جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم کو شرک کی قباحت و برائی دکھادی ہے اسی طرح ﴿ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھادی یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے عجائبات ولطائف حضرت ابراہیم کو دل کی آنکھوں سے دکھادیئے [''نُرِیْ'' (فعل مضارع) ماضی کا حال بیان کرنے کے لیے ہے اور ''مَلَکُوت'' کا لفظ ''مُلْك'' سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے کیونکہ اس میں واؤ اور ''تا'' نے مبالغہ کرنے میں اضافہ کردیا ہے] حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے سامنے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے تو آپ نے ان میں سب کچھ دیکھ لیا یہاں تک کہ آپ کی نگاہ مبارک عرش عظیم پر جا ٹھہری اور ساتوں زمینیں بھی آپ پر منکشف کردی گئیں یہاں تک کہ آپ نے ان میں بھی تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھ لیا ﴿ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾ اور تا کہ آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو آپ پر ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کے بعد آپ نے اس کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا نہیں کی اور یہی حضرت محمد بن کعب' حضرت قتادہ' حضرت مجاہد اور حضرت حسن بصری وغیرہم سے مروی ہے کہ آزر کے حالتِ شرک میں مرنے کے بعد آپ اس سے بے زار ہو گئے تھے' پھر حضرت ابراہیم آگ کے واقعہ کے بعد شام کی طرف ہجرت کر گئے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے' پھر عرصۂ دراز کے بعد مصر کی طرف ہجرت کر گئے' وہاں ایک جابر بادشاہ سے ملاقات ہوئی اور حضرت سارہ کی کرامت کے سبب اس نے حضرت ہاجرہ آپ کی خدمت میں پیش کیں (اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا' انہی کے بطن سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے) پھر وہاں سے ہجرت کر کے دوبارہ شام میں تشریف لے آئے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو یہاں سے مکہ مکرمہ میں منتقل کر دیں' چنانچہ آپ حکم الٰہی کے مطابق دونوں ماں بیٹے کو مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے پاس بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر روانہ ہوتے وقت خانہ کعبہ کے پاس دعا کی جس کے آخر میں عرض کی:

رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم:۴۱) اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مسلمانوں کو قیامت کے دن بخش دینا ○

حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آزر کے ہلاک ہونے کے بہت بڑی مدت کے بعد اپنے والدین کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کی جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے (پھر اگر صرف والدہ کے لیے دعا ہوتی تو ''وَوَالِدَتِیْ'' ہوتا) لہٰذا اس سے یہ مسئلہ واضح ہو کر نکل آیا کہ قرآن مجید میں آزر کے کفر کی وجہ سے حضرت ابراہیم کا اس کے لیے دعائے مغفرت ترک کر کے اس سے بے زار ہو جانا دلیل ہے کہ آزر آپ کا چچا تھا' حقیقی باپ نہیں تھا (اس لیے تو پورے قرآن مجید میں آزر کے لیے ''اَبٌ'' کا لفظ آیا ہے والد کا نہیں اور اس کے مرنے کے بہت بڑے عرصے کے بعد آپ نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے) تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس تقریر پر جو اس نے مجھ پر الہام فرمائی۔

(۸) علامہ ابن سعد نے امام کلبی سے نقل کیا ہے کہ بابل سے شام کی طرف ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سینتیس سال تھی' پھر وہاں سے حران میں آ کر آپ نے کچھ عرصہ قیام فرمایا' پھر اردن میں آ کر قیام فرمایا' پھر مصر میں تشریف لا کر کچھ عرصہ قیام فرمایا' پھر دوبارہ شام میں آ کر فلسطین اور ایلیا کے درمیان سبع میں قیام فرمایا' پھر اس شہر کے کچھ لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ نے وہاں سے چل کر رملہ اور ایلیا کے درمیان ایک منزل پر قیام فرمالیا اور علامہ ابن سعد نے علامہ واقدی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کے ہاں حضرت اسماعیل کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر نوے سال تھی تو ان دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ واقعہ آگ کے بعد بابل سے ہجرت کرنے اور مکہ مکرمہ میں آ کر خانہ کعبہ کے پاس دعا کرنے کے درمیان پچاس سال سے زائد (تقریباً ۵۳ سال) کا فاصلہ ہے۔ غوثوی (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۱۳۔۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد)

عین الیقین والوں میں سے ہو جائیں' یعنی ہم نے یہ کام اس لیے کیا تا کہ اس سے استدلال کر کے آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین حاصل کرنے والے ہو جائیں جس طرح آپ نے کانوں سے بیان سن کر یقین کر لیا تھا۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

پھر جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا' فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟' پھر جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتاO پھر جب انہوں نے چمکتا ہوا چاند دیکھا تو فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟' پھر جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت پر قائم نہ رکھتا تو البتہ میں ضرور گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتاO پھر جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے' پھر جب وہ ڈوب گیا تو فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہوO بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کیا ہوا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا' میں دینِ حق پر قائم ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوںO

۷٦- ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ﴾ یعنی پھر جب رات کی تاریکی حضرت ابراہیم پر چھا گئی [اور یہ "قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ" پر معطوف ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ "وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ" معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے] ﴿رَاٰ كَوْكَبًا﴾ تو انہوں نے ایک روشن ستارہ دیکھا یعنی زہرہ یا مشتری دیکھا اور حضرت ابراہیم کے باپ اور اس کی قوم بتوں' سورج' چاند اور ستاروں کی پرستش و عبادت کرتے تھے اس لیے حضرت ابراہیم نے چاہا کہ ان کو اپنے دین میں غلط رویہ اختیار کرنے پر تنبیہ کریں اور استدلال کرنے اور نظر و فکر کے طریقے پر ان کی رہنمائی کریں اور انہیں پہچان کرائیں اور بتائیں کہ صحیح نظر و فکر تو اس بات کی طرف لے جاتی ہے کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز معبود برحق نہیں کیونکہ ان میں حدوث کی دلیل قائم ہے اور اس لیے بھی کہ ان کا ایک محدث و موجد اور خالق ہے جس نے ان کو پیدا کر کے عدم سے وجود بخشا اور ان کا ایک مدبر ہے جو ان کے طلوع و غروب اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنے اور چلانے اور دیگر احوال کی تدبیر و تنظیم فرماتا رہتا ہے' سو جب آپ نے اس ستارے کو دیکھا جس کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے تو ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے گمان و خیال میں یہ میرا رب ہے یا اس سے مراد "اَهٰذَا" ہے یعنی کیا یہ میرا رب ہے؟ دراصل آپ نے ان دشمنانِ دین کا مذاق اڑاتے ہوئے اور ان پر انکار کرتے ہوتے یہ ارشاد فرمایا اور عرب کے لوگ صرف آواز کے لب و لہجے پر اکتفا کر کے حرفِ استفہام (سوالیہ حرف) ترک کر دیتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ بات وہ شخص کہتا ہے جو اپنے دشمن کے ساتھ

بجائے دشمنی کے انصاف کرنا چاہتا ہو اس کے باوجود کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا دشمن باطل پرست ہے' چنانچہ وہ اپنی بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے مذہب میں متعصب نہیں ہے کیونکہ وہ حق کی دعوت دینے والا ہوتا ہے اور وہ فتنہ وفساد اور جھگڑنے سے نجات پانے والا ہوتا ہے' پھر وہ اپنی بات بیان کرنے کے بعد دوبارہ اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے تو پختہ اور مضبوط حجت ودلیل کے ساتھ اس کا مذہب باطل قرار دے دیتا ہے' چنانچہ ﴿ فَلَمَّآ اَفَلَ ﴾ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ﴿ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴾ آپ نے فرمایا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی میں ایسے خداؤں کی عبادت کرنا پسند نہیں کرتا جو ایک حال سے دوسرے میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں کیونکہ یہ بات جسموں کی صفات میں سے ہے۔

۷۷۔ ﴿ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا ﴾ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا یعنی چاند کو طلوع ہوتے دیکھا تو ﴿ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴾ حضرت ابراہیم نے فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں ضرور گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آیت مبارکہ میں اپنی قوم کو آگاہ کیا کہ جس شخص نے چاند کو معبود بنالیا ہے وہ گمراہ ہو گیا ہے اور بے شک آپ نے چاند کے طلوع ہونے کی بجائے اس کے غروب اور ڈوب جانے کے ساتھ اپنی قوم پر حجت قائم فرمائی حالانکہ یہ دونوں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال وتبدیلی ہے اس لیے کہ غروب قمر کے ساتھ حجت ودلیل قائم کرنا زیادہ واضح ہے کیونکہ یہ ڈوبنے اور چھپ جانے کے ساتھ انتقال ہے۔

۷۸۔ ﴿ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ﴾ پھر جب انہوں نے جگمگاتے سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو فرمایا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ [اور بے شک اس (اسم اشارہ ''هٰذَا'') کو مذکر اس لیے ذکر کیا گیا کہ اس سے مراد ''طَالِعٌ'' ہے یا پھر مبتدا کو خبر کے مساوی قرار دیا گیا اور اس کی وجہ رب تعالیٰ کو تانیث کے شبہ سے بچانا ہے کیونکہ ان دونوں (مبتدا اور خبر) کا معنی ایک ہے اور اس لیے مفسرین کرام اللہ تعالیٰ کی صفات میں ''عَلَّام'' ذکر کرتے ہیں لیکن ''عَلَّامَةٌ'' نہیں کہتے (کیونکہ تانیث کا شبہ ہو سکتا ہے) اور اگر چہ دوسرا لفظ زیادہ فصیح وبلیغ ہے مگر اس میں علامتِ تانیث ہے (اگر چہ مبالغہ ہی کے لیے سہی) جس سے بچنے کے لیے اس کی جگہ پہلا لفظ (عَلَّام) بولا جاتا ہے] ﴿ هٰذَآ اَكْبَرُ ﴾ یہ سب سے بڑا ہے اور یہ بھی اپنے دشمن کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے کے باب سے ہے (کہ سورج' چاند اور ستارہ سے جسم وروشنی میں بڑا ہے ورنہ سب سے بڑی ذات خدا کی ہے) ﴿ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ پھر جب سورج غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا: اے میری قوم! میں ان تمام چیزوں سے بری اور بیزار ہوں جن کو تم (اللہ تعالیٰ کا) شریک ٹھہراتے ہو یعنی وہ اجسام جن کو تم ان کے خالق کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ استدلال اور غور وفکر کا یہ نظریہ ذاتی اعتبار سے تھا (نہ کہ دوسرے محتاج وحادث اور فانی اجسام کے اعتبار سے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ'' کے اعتبار سے پہلا قول زیادہ واضح ہے۔

۷۹۔ ﴿ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ بے شک میں نے اپنا چہرہ صرف اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا یعنی اس ذات کے لیے جس کے خالق ومالک ہونے پر یہ تمام محدثات ومخلوقات دلالت ورہنمائی کرتے ہیں ﴿ حَنِيْفًا ﴾ یعنی میں تمام باطل ادیان سے منہ پھیر کر صرف دین اسلام کی طرف راغب ومائل ہو چکا ہوں [اور ''حَنِيْفًا'' ''وَجَّهْتُ'' کی ضمیرِ فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اور میں

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ كَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

وقف لازم ۔ ۱۵ ع ۱۲

اوران کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا' تو فرمایا: کیا تم لوگ مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت پر قائم رکھا ہوا ہے' اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ماسوا اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے' میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے' تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ اور جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے کیوں ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرالیا ہے جن کے بارے میں اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی' تو پھر دونوں فریقوں میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حق دار ہے' اگر تم جانتے ہو ○ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ○

۸۰- ﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ﴾ اور حضرت ابراہیم کی قوم نے آپ سے اللہ تعالیٰ کی توحید میں اور اس کی ذات بابرکات واحد لاشریک سے شریکوں کی نفی کرنے میں جھگڑا کیا تو ﴿قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ﴾ آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو؟ [قاری نافع مدنی اور ابن ذکوان کی قراءت میں ''اَتُحَآجُّوْنِیْ'' (نون مشدد کی بجائے نون تخفیف کے ساتھ) ہے] ﴿وَقَدْ هَدٰىنِ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توحید کی ہدایت عطا فرمادی ہے [اور قاری ابوعمر و بصری کی قراءت میں حالتِ وصل (وقف کرنے کی بجائے ملا کر پڑھنے کی صورت میں) ''یا'' کے ساتھ (وَقَدْ هَدٰنِیْ) ہے] پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ کو ڈرایا اور دھمکایا کہ ان کے معبود (اپنی مخالفت کی وجہ سے) آپ کو کوئی دکھ و تکلیف اور کوئی مصیبت پہنچائیں گے تو آپ نے ان سے فرمایا: ﴿وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا﴾ اور میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ میرا رب تعالیٰ کچھ کرنا چاہے یعنی میں کسی وقت تمہارے معبودوں سے ہرگز نہیں ڈرتا کیونکہ وہ نہ نفع دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں مگر یہ کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو وہ اس بات پر قدرت و اختیار رکھتا ہے چاہے تو نفع دے دے اور چاہے تو نقصان پہنچائے لیکن تمہارے بت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ﴿وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ میرے رب تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے' لہٰذا کسی بندے کو کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچتا مگر وہ اس کے علم میں ہوتا ہے ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا تم نہیں سمجھتے ہو کہ قادرِ مطلق اور عاجزِ محض میں فرق و امتیاز کرو۔

۸۱- ﴿وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ﴾ اور میں تمہارے ان معبودوں سے کیسے خوف زدہ ہو جاؤں جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرالیا ہے جب کہ وہ خود بے خوف ہیں ﴿وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا﴾ اور تم نہیں

ڈرتے کہ تم نے بلاشبہ اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرا لیا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی حجت اور سند نازل نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا ایسا غلط عمل ہے کہ اس پر کوئی حجت و دلیل لانا صحیح نہیں ہو سکتا اور معنی یہ ہے کہ تم میرے بارے میں امن کا انکار کرتے ہو اور خوف زدہ کرتے ہو حالانکہ میں (توحید کی وجہ سے) امن کی جگہ میں ہوں اور تم اپنے بارے میں امن کا انکار نہیں کرتے ہو حالانکہ تم خود (شرک و کفر کی وجہ سے) خوف کی جگہ میں ہو ﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ﴾ سو موحدین اور مشرکین کے دو گروہوں میں سے کون سا گروہ عذابِ الٰہی سے امن و امان کا زیادہ حق دار ہے؟ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''فَاَیُّنَا'' نہیں فرمایا تا کہ اپنی زبان سے اپنی تعریف و تزکیہ سے احتراز کیا جائے' پھر آپ نے نئے سرے سے الگ جملے کے ساتھ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۸۲-﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا' یعنی انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا' یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ﴿اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام مبارک مکمل ہو گیا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝۸۳ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝۸۴ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰى وَعِیْسٰى وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۸۵ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝۸۶

اور یہ ہے ہماری وہ مضبوط ترین دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عنایت فرمائی تھی' ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں' بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا' سب کچھ جاننے والا ہے O اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے' ہم نے سب کو ہدایت دی' اور ہم نے ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی)' اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (ہم نے ہدایت دی)' یہ سب نیکی کرنے والوں میں سے ہیں O اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو (ہم نے ہدایت دی)' اور ہم نے سب کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی O

انبیائے کرام کو دیئے گئے فضائل کا تذکرہ اور حضور کو اصولِ دین میں ان کی روش پر چلنے کا حکم

۸۳-﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ﴾ یہ ان تمام دلائل کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر پیش فرمائے

تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ" سے لے کر "وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" تک ہیں یعنی یہ وہ ہماری قوی ترین دلیلیں ہیں جو ﴿اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ ہم نے حضرت ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی تھیں [یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے] ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ﴾ ہم جس کو چاہتے ہیں علم و حکمت کے ذریعے اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں۔ [اہل کوفہ نے تنوین کے ساتھ "دَرَجَاتٍ" پڑھا ہے] اس آیتِ مبارکہ سے معتزلہ فرقہ کے قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں صرف امورِ خیر داخل ہیں (حالانکہ دنیا کا کوئی کام نیک ہو یا بد ہو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا) ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ﴾ بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا ہے درجوں کو بلند کرنے میں ﴿عَلِيْمٌ﴾ خوب جاننے والا ہے مستحق اور استعداد رکھنے والے کو۔

٨٤- ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمائے ﴿كُلًّا هَدَيْنَا﴾ ہم نے سب کو ہدایت دی [اور دراصل "كُلَّهُمْ" ہے یعنی ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ہدایت عنایت فرما دی اور "كُلًّا"۔ "هَدَيْنَا" کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا﴾ دراصل "وَهَدَيْنَا نُوْحًا" ہے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اور ہم نے ابراہیم سے پہلے نوح کو ہدایت عطا فرما دی تھی ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ اور (ہم نے) ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت عطا فرمائی تھی [اور "مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ" میں ضمیر نوح کی طرف لوٹتی ہے] تو معنی ہوگا کہ نوح کی اولاد میں سے یا یہ ضمیر ابراہیم کی طرف لوٹتی ہے تو معنی ہوگا کہ ابراہیم کی اولاد میں سے اور پہلا احتمال زیادہ واضح ہے کیونکہ یونس اور لوط جناب ابراہیم کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور تقدیر عبارت یہ ہے: "وَهَدَيْنَا مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ هٰٓؤُلَآءِ" (ترجمہ) اور ہم نے ان کی اولاد میں سے ان سب کو ہدایت عطا فرما دی تھی ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں [اور اس میں کاف محلاً منصوب ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے]۔

٨٥- ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [كُلٌّ اصل میں "كُلُّهُمْ" ہے] یعنی (ہم نے زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (ہدایت دی اور) ان میں سے ہر ایک نیکی کرنے والوں میں سے ہے۔

٨٦- ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا﴾ اور (ہم نے) اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو (ہدایت عنایت فرمادی) [قاری حمزہ اور قاری علی کی قراءت میں جہاں بھی "الیسع" آتا ہے وہاں دو لام کے ساتھ "اللیسع" پڑھا جاتا ہے] ﴿وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے یعنی نبوت و رسالت کے سبب (ہم نے ان کو فضیلت دی ہے)۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ع

اور ان کے باپ دادا میں سے اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے (بعض کو فضیلت دی)' اور ہم نے ان کو چن لیا اور ہم نے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی رہ نمائی فرمادیO یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دے دیتا ہے' اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے تمام اعمال ان سے ضرور ضائع ہو جاتےO یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائی' پھر اگر وہ ان چیزوں کا انکار کرتے تو بے شک ہم نے ان پر ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو ان کا انکار کرنے والی نہیں ہےO یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عنایت فرمادی ہے' سو آپ بھی انہی کے طریقے پر چلیں' اے محبوب! آپ فرمادیں کہ میں اس پر تم سے اجرت نہیں مانگتا' یہ تو نہیں ہے مگر تمام جہانوں کے لیے سراسر نصیحت ہےO

۸۷- ﴿وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ﴾ [یہ "كُلًّا" پر معطوف ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] یعنی اور ہم نے ان میں سے بعض کے باپوں کو فضیلت دی ہے ﴿وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ﴾ اور ان کی بعض اولاد اور بھائیوں کو (ہم نے فضیلت دی) ﴿وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور ہم نے ان (تمام نبیوں) کو چن لیا اور ہم نے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت بخش دی تھی۔

۸۸- ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی وہ توحید جس کے ساتھ تمام مذکورہ بالا حضرات لائق قربِ الٰہی ہوئے وہی ﴿هُدَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا دین ہے ﴿يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کو ہدایت دے دیتا ہے اور اس آیت مبارکہ سے معتزلہ کا قول باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ہدایت دینا چاہی لیکن انہوں نے ہدایت نہیں پائی ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا﴾ اور اگر بالفرض یہ حضرات اپنی فضیلت و بزرگی اور تقدم واہمیت اور اپنے بلند و بالا درجے پالینے کے باوجود شرک کرتے تو ﴿لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ضرور ان کے تمام اعمال تباہ و برباد ہو جاتے جو انہوں نے سرانجام دیئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" (الزمر:٦٥) اے محبوب! اگر بالفرض آپ بھی شرک کرتے تو ضرور بالضرور آپ کے عمل ضائع ہو جاتے۔

۸۹- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب عنایت فرمائی' یہاں جنسِ کتاب مراد ہے ﴿وَالْحُكْمَ﴾ اور حکمت یا کتاب کی فہم و فراست ﴿وَالنُّبُوَّةَ﴾ اور نبوت اور یہ انسان کے مراتب میں سب سے بلند و بالا مرتبہ ہے ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا﴾ پھر اگر اس کے ساتھ یعنی کتاب وحکمت اور نبوت یا قرآن مجید کی آیات کے ساتھ کفر کریں ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ وہ لوگ یعنی اہل مکہ ﴿فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا﴾ تو بے شک ہم ان کی ادائیگی کی ذمہ داری ایسی قوم کے سپرد کر دیں گے (جو ان کا انکار نہیں کرے گی) اور وہ مذکورہ بالا انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی جماعت ہے جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے' سو آپ بھی ان کی روش پر چلیں یا حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان مراد ہیں یا ہر وہ شخص مراد ہے جو اس پر ایمان لایا ہے یا اس سے عجم کے لوگ مراد ہیں اور ان کی ذمہ داری ان کے سپرد کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان کو ان پر ایمان لانے اور ان کے حقوق قائم کرنے کی توفیق عنایت فرمائے گا جیسے کسی شخص کو کوئی کام سپرد کیا جائے تاکہ وہ شخص اس کو قائم رکھے اور اس کا خیال رکھے اور اس کی حفاظت کرے ﴿لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ وہ اس کے ساتھ کفر نہیں کریں گے [اور ''بِهَا'' میں ''بَا'' ''کافرین'' کا صلہ ہے اور ''بِكٰفِرِيْنَ'' میں ''بَا'' نفی کی تاکید کرنے کے لیے ہے]۔

۹۰۔﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ یعنی جن انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر مبارک ابھی گزر چکا ہے یہی وہ خوش نصیب حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخش دی ہے ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ سوائے محبوب! آپ ان کے طریقے پر چلیں' پھر صرف انبیائے کرام ہی کی روش پر چلنے کی تخصیص کر دی گئی ہے اور کسی کی اقتدا کا حکم نہیں دیا گیا ماسوا ان حضرات کی اقتدا کے [اور یہ معنیٰ مفعول کی تقدیم سے حاصل ہوا ہے] اور اس آیت مبارکہ میں ''بِهُدَاهُمْ'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اور اس کی توحید پر ایمان لانے میں اور اصول دین میں ان کے طریقے پر چلیے' شرعی احکام و مسائل میں اقتدا کرنا مراد نہیں کیونکہ شریعتیں سب کی مختلف تھیں[1] [اور ''اِقْتَدِهْ'' میں ''ھَا'' وقف میں ثابت رہتی ہے اور حالتِ وصل میں ساقط ہو جاتی ہے اور قرآن مجید میں ''ھا'' کو ثابت رکھنے کے لیے وقف کو ترجیح دینا بہترین عمل ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی وصل کی حالت میں اس کو حذف کر دیتے ہیں اور قاری ابن عامر شامی نے ''ھَا'' کے نیچے بغیر اشباع کے کسرہ پڑھا ہے جس کو قراء کے عرف میں اختلاس کہتے ہیں] ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے وحی پر یا نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اور توحید کی دعوت پر اجرت نہیں مانگتا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور حدیث شریف کی روایت پر (براہِ راست) اجرت لینا جائز نہیں (البتہ اوقاتِ مقررہ کی پابندی پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے) ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ تو نہیں مگر تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے یعنی صرف قرآن مجید ہی تمام جنوں اور تمام انسانوں کے لیے سراسر نصیحت و موعظت ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات ثبوتیہ کاملہ پر ایمان لانے میں اور اس کی ذات و صفات اور اسماء و افعال میں صفات سلبیہ ناقصہ سے تنزیہ پر ایمان لانے میں اور اصول دین میں ان انبیائے کرام کی موافقت کیجئے اور ان کے طریقے پر چلئے کیونکہ تمام انبیائے کرام کے عقائد و نظریات اور اصول دین متفق علیہ اور برحق ہیں البتہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں' یہی معنی صاحب ''مدارک'' نے بیان فرمایا ہے۔

(۲) حضور سیّد عالم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ تمام انبیائے کرام کے اخلاق حسنہ' فضائل عالیہ' صفات کاملہ اور افعال مرضیہ رفیعہ کو اپنانے میں ان کی پیروی کیجئے اور ان کے طریقے پر چلئے تاکہ آپ ذاتی اور انفرادی کمالات کے علاوہ انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے تمام کمالات کے جامع ہو جائیں اور ان سب کے متفرق محاسن و خوبیوں کے ساتھ متصف ہو جائیں اس لیے تمام مخلوق میں افضل الخلق بھی آپ ہیں اور تمام انبیائے کرام میں افضل الانبیاء' خاتم الانبیاء اور سیّد الانبیاء بھی آپ ہیں۔

(تفسیر روح المعانی الجزء السابع ص ۲۱۶۔۲۱۷' مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیۃ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۸۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ' تفسیر الخازن ج ۲ ص ۳۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر' تفسیر صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۲ ص ۲۸' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ مصطفیٰ البابی بمصر' ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

حسنِ یوسف' دمِ عیسیٰ' ید بیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًاۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْؕ قُلِ اللّٰهُۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَاؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور یہودیوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی' آپ فرمادیجئے کہ اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لے کر آئے تھے وہ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنالیے تھے اور تم اس (کی کچھ چیزوں) کو ظاہر کرتے ہو اور اس کی بہت سی چیزوں کو تم چھپاتے ہو' اور تمہیں وہ علم سکھایا گیا ہے جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے' اے محبوب! خود ہی فرمادیجئے کہ اللہ (نے ہی وہ کتاب نازل فرمائی تھی)' پھر انہیں ان کی بے ہودہ بحث میں چھوڑ دیں کہ وہ لوگ کھیل میں مشغول رہیں O اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے بڑی برکت والی ہے' ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو ڈرسنائیں' اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں O

یہود نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی' شانِ قرآن اور نبوت کے دعوے داروں کی مذمت

۹۱- ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اور یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی پہچان کا حق تھا کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے (اور ان کی راہ نمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو بھیجتا ہے) جب کہ ان یہودیوں نے رسولوں کی بعثت و آمد اور ان پر وحی کے نزول کا انکار کر دیا حالانکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین رحمت ہے کیونکہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا: ''وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' (الانبیاء:۱۰۷) ''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر''۔

شانِ نزول: روایت بیان کی گئی ہے کہ یہود کا گروہ جس میں مالک بن صیف بھی شامل تھا (جو بہت زیادہ کھانے پینے کے سبب بہت زیادہ موٹا اور پیٹو عالم تھا) حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر آپ سے جھگڑنے لگے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالک بن صیف سے فرمایا کہ کیا تورات میں یہ نہیں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے (اور نفرت) کرتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: ہاں! یہ لکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو بھی تو موٹا عالم ہے' اس بات پر مالک غضب

ناک ہو گیا اور غصے میں آ کر کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا[1] [اور ''حَقَّ قَدْرِہٖ'' مصدر کی بنا پر منصوب ہے] ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اس کتاب کو کس نے نازل کیا تھا جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے جو سراسر روشنی دینے والی کتاب تھی [اس میں ''نُوْرًا''، ''بِہٖ'' کی ضمیر سے حال ہے یا ''اَلْكِتَابَ'' سے حال ہے] ﴿وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا﴾ اور وہ لوگوں کے لیے سراسر ہدایت تھی جس کو تم نے کاغذ کے الگ الگ ٹکڑوں میں (تقسیم) کر لیا اور تم اس (کے کچھ حصے) کو ظاہر کرتے ہو اور اس کے بہت بڑے (حصے) کو تم چھپاتے ہو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ونعت اور فضائل وکمالات بیان کیے گئے تھے یعنی انہوں نے تورات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور انہوں نے اس کو الگ الگ کاغذوں میں تقسیم کر لیا تھا اور اس کے جدا جدا اوراق بنا لیے تھے تاکہ وہ اپنے مقصد کے مطابق اس کے کسی حصے کے ظاہر کرنے اور کسی حصے کے چھپانے پر قدرت و اختیار حاصل کر لیں [اور قاری ابن کثیر مکی اور قاری ابو عمرو بصری کی قراءت میں تینوں فعلوں میں ''یا'' کے ساتھ (یعنی ''یَجْعَلُوْنَهٗ'' اور ''یُبْدُوْنَهَا وَیُخْفُوْنَ'') ہے] ﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اور اے اہلِ کتاب! تمہیں اس کتاب کی تعلیم دی گئی جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے یعنی تم اپنے دین و دنیا کے احکام و معاملات سے ناواقف تھے ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ یہ جواب ہے یعنی اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا کیونکہ وہ لوگ آپ کی اس بات کا انکار نہیں کر سکتے ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ﴾ پھر انہیں باطل مذہب اور دیگر بے ہودہ کاموں میں چھوڑ دیں کیونکہ وہ انہیں میں مشغول رہتے ہیں ﴿یَلْعَبُوْنَ﴾ وہ کھیل کود میں لگے رہیں [یہ ''ذَرْهُمْ'' سے حال ہے یا پھر ''خَوْضِهِمْ'' سے حال ہے]۔

۹۲- ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کو ہم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے ﴿مُبٰرَكٌ﴾ بڑی بابرکت کتاب ہے جس کے منافع اور فوائد بہت زیادہ ہیں ﴿مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے ﴿وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور تاکہ اہل مکہ اور اس کے گرد ونواح کے رہنے والوں کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرائیں [اور حضرت قاری ابوبکر کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (لِیُنْذِرَ) ہے] یعنی وہ کتاب اہل مکہ اور گرد ونواح کے باشندوں کو ڈرائے [اور یہ کتاب کی صفت ''مبارك'' کے مدلول پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نے یہ کتاب بے شمار برکتوں اور سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے اور لوگوں کے ڈرانے کے لیے نازل فرمائی ہے ''اُمَّ الْقُرٰى'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اس کو ''اُمَّ الْقُرٰى'' اس لیے نام دیا گیا ہے کہ یہ تمام روئے زمین کا مرکز اور وسط ہے اور اہل مکہ اور تمام روئے زمین کی بستیوں میں رہنے والوں کا قبلہ ہے اور سب سے زیادہ عظیم الشان ہے اور اس لیے بھی کہ یہ مکہ مکرمہ تمام لوگوں کے اجتماع کا مرکز ہے کیونکہ تمام حجاج کرام وہاں جا کر جمع ہوتے ہیں اور ''وَمَنْ حَوْلَهَا'' سے مشرق ومغرب کے باشندے مراد ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کا خوف رکھتے ہیں ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ دین کی اصل آخرت کا خوف ہے تو جو شخص آخرت سے ڈر گیا اس کے ساتھ ہمیشہ خوف دامن گیر رہے گا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئے گا ﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں' نماز کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ایمان کی علامت ہے اور دین کا ستون ہے' سو جو شخص نماز کی حفاظت کرے گا ظاہر ہے کہ وہ دیگر ارکانِ اسلام کی بھی حفاظت ضرور کرے گا۔

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۱۴۷

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس نے کہا کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی اور اس نے یہ بھی کہا کہ میں عنقریب ایسا کلام نازل کروں گا جیسا کہ اللہ نے نازل کیا' اور اگر آپ دیکھ لیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں مین مبتلا ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں کہ تم اپنی جانیں نکالو' آج تمہیں ذلت ناک عذاب دیا جائے گا' یہ اس کا بدلا ہے جو تم اللہ کے بارے میں ناحق باتیں کہا کرتے تھے اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے O

۹۳- ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور وہ مالک بن صیف ہے ﴿اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ﴾ یا جس نے کہا کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں کی جاتی اور وہ مسیلمہ کذاب ہے ﴿وَمَنْ قَالَ﴾ [یہ محلا مجرور ہے اور ''مَنِ افْتَریٰ'' پر معطوف ہے اور اصل ''مِمَّنْ قَالَ'' ہے] یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے یہ کہا کہ ﴿سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ عنقریب میں بھی اسی طرح کلام نازل کروں گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یعنی عنقریب میں کلامِ الٰہی کی طرح اپنا کلام بنا کر کہوں گا اور میں اسے لکھواؤں گا اور وہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ہے جو کاتب وحی تھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وحی لکھوایا کرتے تھے' جب حضور نے اس سے ''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ'' آخر آیت تک لکھوایا تو خود بخود اس کی زبان پر یہ آیت کریمہ ''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ'' (المومنون:۱۴) جاری ہوگئی' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہی عبارت قرآن مجید میں لکھ لے کیونکہ مجھ پر بھی اسی طرح نازل ہوا ہے' چنانچہ اس سے عبد اللہ کو شک ہوا کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو مجھ پر اسی طرح نازل ہوا ہے جس طرح ان پر نازل ہوا ہے اور اگر آپ جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) تو میں نے ان کی طرح کہہ دیا تو کیا ہوا' پھر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا[1] یا اس سے نضر بن حارث مراد ہے جو کہا کرتا تھا کہ ''وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًاO فَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًاO فَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا'' یعنی قسم ہے چکی پر دانے پیسنے والیوں کی اور آٹا گوندھنے والیوں کی! اور کھانے پکانے والیوں کی' گویا وہ قرآن مجید کا معارضہ اور مقابلہ کرتا تھا ﴿وَلَوْ تَرٰۤی﴾ اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگر آپ دیکھ لیں تو آپ بہت زیادہ ہولناک معاملہ دیکھیں گے ﴿اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ﴾ جب ظالم لوگ موت کی سکرات اور اس کی تکالیف وشدائد میں مبتلا ہوں گے اور اس سے یہود اور نبوت کے جھوٹے دعوے دار مراد ہیں [اس لیے اس صورت میں لام عہد کا ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ لام جنس کا ہو] اور دیگر ظالموں کے ساتھ یہ مذکورہ بالا لوگ بھی اس میں داخل ہوں کیونکہ اس صورت میں ''الظالمون'' سب کو شامل ہوگا ﴿وَالْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی

[1] رواہ الواحدی فی اسباب النزول ص ۱۴۸

فرشتے اپنے ہاتھوں کو ان کی طرف پھیلا کر کہیں گے کہ تم اپنی روحیں ہمارے پاس لاؤ اور اپنے جسموں سے نکالو اور ہمارے سپرد کرو اور اس عبارت سے مہلت و تسلی کے بغیر یک دم سختی و تکلیف کے ساتھ روحیں نکالنا مراد ہے ﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ آج تمہیں ذلت ناک عذاب کی صورت میں جزا دی جائے گی اور اس سے موت کا وقت مراد ہے جب فرشتے موت کے وقت حالت نزع میں انتہائی تکلیف اور سختی کے ساتھ ظالموں کی روحیں نکالتے وقت انہیں عذاب دیں گے اور ''هُوْنٌ وَهَوَانٌ'' کا معنی انتہائی سخت تکلیف دینا ہے اور اس کی طرف عذاب کو مضاف کیا گیا ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ فلاں آدمی بُرا ہے اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی کمینہ آدمی ہے اور وہ کمینگی میں سخت ہو چکا ہے ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ یہ سخت سزا اس لیے ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہا کرتے تھے اور وہ یہ کہ تم اس کے لیے شریک اور بیوی اور بیٹا ثابت کرتے اور مانتے تھے [اور ''غَيْرَ الْحَقِّ'' ''تَقُوْلُوْنَ'' کا مفعول ہے یا مصدر محذوف کی صفت ''اَیْ قَوْلًا غَيْرَ الْحَقِّ'' یعنی ناحق بات] ﴿وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور ان پر تم ایمان نہیں لاتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور ہم نے جو مال و دولت تمہیں دیا تھا وہ سب کچھ تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے' اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا خیال تھا کہ وہ تمہاری بندگی میں ہمارے شریک ہیں' بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور تم جن کے بارے میں گمان کرتے تھے وہ تم سے گم ہو گئے O بے شک اللہ دانے اور گٹھلی میں شگاف کرنے والا ہے' وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور وہ زندہ سے مردہ کو نکالنے والا ہے' یہی اللہ ہے' پھر تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو O وہ رات کی سیاہی چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے' اور اس نے رات کو سکون کے لیے اور سورج و چاند کو حساب کے لیے بنایا' یہ بہت غالب' بڑے علم والے کا اندازہ ہے O

۹۴- ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا﴾ اور البتہ تحقیق تم حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے میرے پاس آ گئے ہو ﴿فُرَادٰى﴾ اکیلے اور مال و دولت اور مددگاروں کے بغیر تنہا (تم آ گئے ہو) [اور یہ ''فَرِيْدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اُسَارٰى'' ''اَسِيْرٌ'' کی جمع ہے] ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا یعنی تم انہیں حالات و کیفیات پر آ گئے ہو جن پر تم انفرادی طور پر پیدا کیے گئے تھے [اور یہ ''جِئْتُمُوْنَا'' کے مصدر ''مَجِيْئًا'' کی صفت ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] یعنی تم ہمارے پاس اسی طرح آ گئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا ﴿وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ﴾ اور وہ

مال و دولت جس کا ہم نے تمہیں مالک بنا دیا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آ گئے ہو اور اس میں سے ذرہ بھر بھی اپنے ساتھ نہیں لائے ہو ﴿وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم نے گمان کر رکھا تھا کہ وہ تمہاری عبادت و بندگی میں ہمارے ساتھ شریک ہیں ﴿لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ﴾ البتہ یقیناً تمہارے آپس کے تعلق ٹوٹ گئے ہیں اور ''بین'' کا معنی وصل اور ہجر دونوں آتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

فَوَ اللّٰہِ لَوْ لَا الْبَیْنُ لَمْ یَکُنْ وَلَوْ لَا الْھَوٰی مَا حَنَّ لِلْبَیْنِ آلِفُ

''اللہ کی قسم! اگر وصال نہ ہوتا تو محبت نہ ہوتی اور اگر محبت نہ ہوتی تو ہجر و فراق پر عاشق نہ روتا''۔

[زجاج کے نزدیک ''بَیْنُكُمْ'' (نون پر پیش) ہے اور قاری نافع مدنی' قاری علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں ''بَیْنَكُمْ'' (نون پر زبر) ہے] یعنی تمہاری آپس میں جدائی پڑ گئی ﴿وَضَلَّ عَنْكُمْ﴾ اور تم سے گم ہو گئے اور ضائع ہو گئے اور مٹ گئے ﴿مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ جن کے متعلق تم یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری سفارش کریں گے۔

قدرتِ الٰہی کے دلائل اور شرک وغیرہ کی تردید

۹۵- ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پودوں اور درختوں کے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے یعنی خوشوں سے دانے اور کھجوروں سے گٹھلی میں شگاف ڈالنے والا ہے اور ''فلق'' کا معنی کسی چیز کو چیرنا اور اس میں شگاف ڈالنا ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں دو شگاف مراد ہیں جو گٹھلی اور دانے میں ہوتے ہیں ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے یعنی وہ خشک دانے سے تر و تازہ بڑھنے والا مضبوط پودا نکالتا ہے ﴿وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ﴾ وہ زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے یعنی بڑھنے والے تر و تازہ پودے سے خشک دانہ نکالتا ہے یا انسان کو نطفہ سے اور نطفہ کو انسان سے یا مؤمن کو کافر سے اور کافر کو مؤمن سے نکالتا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر اپنی مخلوق میں سے ایسی اشیاء کے ساتھ حجت و دلیل پیش فرمائی ہے جن کا وہ لوگ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ قیامت کے دن مردوں کے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرما دیا ہے کہ جس خدا نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا وہ ان کو مرنے کے بعد زندہ اٹھانے پر بھی قادر ہے [اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسم فاعل کے لفظ کے ساتھ ''وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ'' فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ ''فَالِقُ الْحَبِّ'' (اسم فاعل) پر معطوف ہے نہ کہ فعل پر اور ''یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ'' کا جملہ ایسے جملے کی جگہ پر واقع ہے جو ارشاد باری تعالیٰ ''فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی'' کے لیے بیان کیا گیا ہے] کیونکہ بڑھنے والے پودے اور درخت سے دانے اور گٹھلی کا چیرنا مردے سے زندہ کو نکالنے کی جنس سے ہے کیونکہ بڑھنے والا الحیوان کے حکم میں ہوتا ہے' جس کی دلیل یہ ارشاد ''وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا'' اور اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ فرماتا ہے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ وہی زندگی و موت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جس کے لیے ساری کائنات کی ربوبیت و پرورش ثابت ہو چکی ہے مگر بتوں کے لیے کچھ نہیں ﴿فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو اور اس امر کی وضاحت کے بعد جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تم اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر کر اس کے غیر کی طرف کیوں جا رہے ہو؟

۹٦- ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ﴾ [یہ مصدر ہے] اور صبح کا نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی سے صبح کی روشنی کے ستون چاک کر کے نکالتا ہے یا وہ دن کا نور پیدا کرنے والا ہے ﴿وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون و چین اور آرام حاصل کرنے کے لیے بنایا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ'' (یونس:٦٧) ''تا کہ تم رات میں سکون و آرام حاصل کرو'' یعنی مخلوق خدا رات کو غفلت و بے نیازی کی نیند سو کر دن بھر کی تھکاوٹ و مشقت سے سکون و

آرام حاصل کرے یا دن بھر کی وحشتِ مخلوق سے نجات پا کر رات کو حق تعالیٰ کے ساتھ انس و محبت میں سکون و چین حاصل کرے [اور یہ اہل کوفہ کی قراءت میں ہے (جب کہ دوسری قراءت میں ''فَالِقُ الْاِصْبَاحِ'' کے موافق ''وَجَاعِلُ الَّيْلِ'' ہے) کیونکہ اس سے پہلے اسم فاعل ماضی کے معنیٰ میں ہیں تو جب ''فالق'' (اسم فاعل) ''فَلَقَ'' (فعل ماضی) کے معنیٰ میں ہے تو ''جَعَلَ'' کو اس پر معطوف کر دیا گیا ہے تا کہ دونوں معنیٰ میں ایک دوسرے کے موافق و مطابق ہو جائیں] ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ [یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے، جس پر ''اَلَّيْلَ'' کا فعل دلالت کر رہا ہے یعنی اصل میں ''وَجَعَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ'' ہے] ﴿حُسْبَانًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو حساب جاننے کے لیے بنایا ہے کیونکہ اوقات کا حساب چاند و سورج کے اپنے مدار میں گھومنے اور ان دونوں کے چلنے اور سیر و سیاحت کرنے سے معلوم ہوتا ہے [اور ''حُسْبَان'' حا مضموم کے ساتھ ''حَسَبَ'' (يَحْسُبُ باب نَصَرَ يَنْصُرُ) کا مصدر ہے جیسا کہ ''حِسْبَانٌ'' حا مکسور کے ساتھ ''حَسِبَ'' (يَحْسِبُ باب عَلِمَ يَعْلَمُ) کا مصدر ہے] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اشارہ سورج اور چاند کو حسبان بنانے کی طرف ہے یعنی سورج اور چاند کا سیر کرانا حسابِ معلوم سے ہے ﴿تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ﴾ یہ اس ذات کا مقرر کردہ اندازہ ہے جو سورج اور چاند پر زبردست غالب ہے اور اس نے ان دونوں کو اپنے فرمان کے تابع اور مسخر کر رکھا ہے ﴿الْعَلِيْمِ﴾ وہ سورج اور چاند کی تدبیر و تنظیم اور ان دونوں کے گھومنے پھرنے کو خوب جاننے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تا کہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان کی روشنی سے راستہ پالو بے شک ہم نے علم رکھنے والی قوم کے لیے آیتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے O اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا پھر ایک جگہ ٹھہرایا جائے گا اور ایک جگہ بطور امانت سپرد کیا جائے گا' بے شک ہم نے سمجھ دار قوم کے لیے آیتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے O

۹۷-﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ﴾ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا یعنی ان کو پیدا فرمایا ﴿لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ تا کہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان کے ذریعے راہ پا سکو یعنی خشکی اور تری پر رات کے اندھیروں میں تم راہ حاصل کر سکو [اور ''ظُلُمَات'' کی اضافت بحر و بر کی طرف ملابست کی وجہ سے ہے] یا راستوں کے شبہات کو ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ بے شک ہم نے اہل علم قوم کے لیے آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو توحید پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

۹۸-﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ﴿فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ﴾ [''فَمُسْتَقِرٌّ'' کسرہ کے ساتھ قاری ابن کثیر مکی اور قاری ابو عمرو بصری کی قراءت ہے' سو جس نے قاف پر فتح پڑھا ہے تو ''مُسْتَوْدَعٌ'' اس کی طرح اسم مکان ہے اور جس نے اس کو کسرہ دیا تو پھر وہ اسم فاعل اور ''مُسْتَوْدَعٌ'' اسم مفعول ہے۔] یعنی تمہیں رحمِ مادر میں ٹھہرنا ہے اور باپ کی پشت میں امانت رہنا ہے یا تمہیں زمین

کے اوپر ٹھہرنا ہے اور اس کے نیچے (قبر میں) امانت رہنا ہے یا یہ کہ تم میں سے (ہر ایک نے) ٹھہرنا ہے اور تم میں سے (ہر ایک نے) امانت رہنا ہے ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ﴾ بے شک ہم نے سمجھ دار قوم کے لیے آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں اور بے شک وہاں (پچھلی آیت میں) "یَعْلَمُوْنَ" فرمایا گیا ہے اور یہاں اس آیت میں "یَفْقَهُوْنَ" فرمایا گیا ہے] کیونکہ وہاں دلالت و رہنمائی زیادہ ظاہر و واضح تھی اور یہاں دقیق و مشکل ہے اور اس لیے بھی کہ بے شک تمام انسانوں کا ایک جان سے پیدا ہونا اور پھر ان کا مختلف حالات میں پھرنا زیادہ دقیق و مشکل ہے اس لیے فقہ کا ذکر جو دقیق نظر پر دلالت کرتا ہے زیادہ موافق ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ع ۱۲ ۶ ۱۸

اور وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعے ہر اگنے والی چیز پیدا فرمائی تو ہم نے اس میں سے سبزہ اگایا جس سے ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گھابے سے جھکے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے' تم ذرا اس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھل دار ہو جائے اور اس کا پکنا' بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے ضرور بہت سی نشانیاں ہیں O اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا لیا حالانکہ ان کو اللہ نے پیدا فرمایا اور انہوں نے جہالت سے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں' وہ تو ان صفات سے پاک اور بلند تر ہے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں O

۹۹- ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا یعنی بادلوں سے بارش برسائی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ﴾ پھر ہم نے اس کے ساتھ یعنی پانی کے ذریعے نکالا (اگایا) ﴿نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ہر قسم کی اگنے والی انگوری اور زمین سے پیدا ہو کر بڑھنے والی تمام اقسام میں سے ہر قسم کو "نَبْتٌ" کہا جاتا ہے (خواہ تنا آور ہوں جیسے درخت وغیرہ خواہ تنا آور نہ ہوں جیسے بیل بوٹیاں) یعنی سبب ایک ہے اور وہ ہے پانی اور مسبب کی اقسام مختلف ہیں ﴿فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا﴾ پھر ہم نے اس سے سبزہ نکالا یعنی ہم نے اس انگوری سے سبز ترین سبزہ اگایا جیسے کہا جاتا ہے: "اَخْضَرَ" اور "خَضِرٌ" یعنی بہت سبز رنگ کی سبزی اور یہ دانے سے اگنے والی انگوری سے پھوٹتی ہے ﴿نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا﴾ ہم اس سبزہ سے باہم جڑے اور ملے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور یہ وہ خوشہ ہوتا ہے جس کے دانے آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں (جیسے گندم' مکئی' جوار' باجرہ وغیرہ کے خوشے) ﴿وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ﴾ [یہ "قِنْوَانٌ" مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور "مِنَ

النَّخْلِ "اس کی خبر ہے اور "مِنْ طَلْعِهَا" اس سے بدل ہے] یعنی کھجور کے گابھے اور شگوفے سے گچھے اور خوشے حاصل ہوتے ہیں [اور یہ "قِنْوٌ" کی جمع ہے اور اس کی نظیر "صِنْوٌ" اور "صِنْوَانٌ" ہے] ﴿ دَانِيَةٌ ﴾ کھجور کے گچھے زیادہ پھل دار ہونے کی وجہ سے قریب آ جاتے اور پھل کے بوجھ کی وجہ سے جھکے ہوتے ہیں یا اس کے تنے چھوٹے ہونے کی وجہ سے پھل قریب ہوتے ہیں اور اس میں اسی (چھوٹی کھجوروں کے ذکر) پر اکتفا کیا گیا ہے یعنی کچھ کھجوریں دراز اور لمبی ہوتی ہیں جن کے خوشے قریب نہیں دور ہوتے ہیں (جن پر چڑھ کر پھل اتارنا پڑتا ہے) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ" (النحل:٨١) "کچھ پہناوے ایسے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں" ﴿ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ ﴾ ["نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ" پر معطوف ہونے کی بنا پر "جَنّٰتٍ" منصوب ہے] یعنی ہم نے پانی کے سبب کھجوروں کے ساتھ ساتھ انگوروں کے باغات بھی پیدا کیے ہیں اور اسی طرح ہم نے ﴿ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ ﴾ زیتوں اور انار کے درخت پیدا کیے ہیں [اور اعشی نے "جَنّٰتٌ" کو مرفوع پڑھا ہے] یعنی اور وہاں کھجوروں کے ساتھ انگوروں کے باغات ہیں ﴿ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ﴾ جب دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے سے شکل وصورت میں ملتی جلتی ہوں [تو کہا جاتا ہے: "اِشْتَبَهَ الشَّيْئَانِ وَتَشَابَهَا" جیسے "اِسْتَوَيَا" اور "تَسَاوَيَا" ہیں اور باب افتعال اور تفاعل بہت سی جگہ مشترک ہوتے ہیں] اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زیتون کچھ آپس میں ایک دوسرے سے ملے جلتے ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں اور انار بھی اسی طرح ہوتے ہیں یعنی اس کے بعض ملتے جلتے ہیں اور اس کے بعض مقدار، رنگ اور ذائقے میں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں ﴿ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ ﴾ تم ہر درخت کے پھل کو غور سے دیکھو جب وہ اپنا پھل نکالتا ہے تو کس طرح کچا اور کمزور پھل نکالتا ہے جس سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا ﴿ وَيَنْعِهٖ ﴾ اور اس کے پھل پکنے کی طرف دیکھو یعنی پک جانے کی حالت میں اسے دیکھو کہ وہ کس طرح موٹا تازہ پک کر تیار ہو جاتا ہے اور کھانے کے قابل اور مفید و نفع بخش ہو جاتا ہے اور تم اسے عبرت کی نظر سے دیکھو اور اس کے قادر کی قدرت پر اور اس کے مدبر کی تدبیر پر اور اس کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنے والے مربی وخدا کی ذات پر استدلال کرتے ہوئے غور سے دیکھو ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ بے شک اس میں (قادر وحکیم رب تعالیٰ کی ذات پر) بہت سی قدرت کی نشانیاں ہیں ایمان دار لوگوں کے لیے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "ثُمُرِهٖ" (ثا اور میم پر پیش) ہے اور اسی طرح اس کے بعد (آنے والی آیت ١٤١ میں) یہ "ثمار" کی جمع اور جمع الجمع ہے (یعنی جمع کی جمع ہے) جیسے کہا جاتا ہے: "ثَمَرَةٌ" اور "ثَمَرٌ" اور "ثِمَارٌ" اور "ثُمُرٌ"]۔

١٠٠- ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ﴾ اور انہوں نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا [اور اگر "لِلّٰهِ"، "شُرَكَآءَ" "جَعَلُوْا" کے دو مفعول قرار دیئے جائیں تو "اَلْجِنّ"، "شُرَكَآءَ" سے بدل ہوگا ورنہ "شُرَكَآءَ" اور "اَلْجِنَّ" دو مفعول ہوں گے اس میں دوسرے مفعول کو پہلے مفعول پر مقدم کیا گیا ہے اور مقدم کرنے کا فائدہ یہ ہے] کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا خواہ فرشتہ ہو خواہ جن ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو بہت بڑا جرم ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں نے جنوں کی اطاعت کی جنہوں نے ان کے لیے شرک کا عقیدہ گھڑ دیا تو انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا ﴿ وَخَلَقَهُمْ ﴾ یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا فرمایا تو مخلوق اپنے خالق کی شریک کیسے ہو سکتی ہے [اور یہ جملہ حال ہے] یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تو یہ لوگ اپنے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر کی عبادت کیسے کرتے ہیں ﴿ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ ﴾ اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جیسے یہود نے حضرت عزیز علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض اہل عرب نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں

قرار دیا اور ''خرقوا'' کا معنی ہے: انہوں نے گھڑ لیں جیسے کہا جاتا ہے: ''خلق الافك و خرقه ' واختلقه ' واخترقه'' یعنی ان سب کا ایک معنی ہے: گھڑنا یا یہ ''خرق الثوب'' سے نکلا جس کا معنی پھٹنا اور چاک کرنا ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مان کر عقیدۂ توحید کو چاک کر دیا [اور ''بنین'' اور ''بنات'' کے معنی میں کثرت کے پیش نظر قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''وَخَرَّقُوْا'' تشدید کے ساتھ ہے] ﴿بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ انہوں نے غلط یا صحیح میں امتیاز کیے بغیر جو منہ میں آیا حقیقت کو جانے بغیر کہہ دیا لیکن انہوں نے یہ بات بھی جہالت سے کہہ دی تھی [اور یہ ''خَرَقُوْا'' کے فاعل سے حال ہے] یعنی انہوں نے جو کچھ کہا اس سے وہ جاہل و بے علم تھے ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ وہ اس سے پاک ہے اور وہ اس سے بلند تر ہے جو یہ لوگ اس کے لیے شریک اور بیٹے بیٹیاں بیان کرتے ہیں۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے' اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں' اور اسی نے ہر چیز پیدا کی ہے' اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے O آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں' اور وہ سب آنکھوں کا احاطہ رکھتا ہے' اور وہ بہت باریک بین' پورا خبردار ہے O بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلوں کو روشن کرنے والی دلیلیں آ گئیں' سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا اپنا فائدہ ہے' اور جو اندھا بنا رہا تو اس کا نقصان اسی پر ہے' اور میں تم پر نگہبان نہیں O

۱۰۱- ﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [کہا جاتا ہے: ''بَدُعَ الشَّیْءُ فَهُوَ بَدِیْعٌ'' اور آیت مبارکہ میں صفت مشبہ کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہے] یعنی ''بَدِیْعٌ سَمٰوٰتِهٖ وَاَرْضِهٖ'' ہے کہ اس کے تمام آسمان اور زمین (تخلیق میں) بہترین و بے مثال ہیں یا یہ ''مُبْدِعٌ'' کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی مادہ کے عمدہ اور نرالی طرزِ تخلیق پر پیدا فرمایا ہے [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ﴾ ہے یا یہ ''تَعَالٰی'' کا فاعل ہے] ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد بیوی سے ہوتی ہے اور اس کی بیوی نہیں یعنی اولاد کا ہونا اجسام کی صفات ہیں اور اجسام کو پیدا کرنے والا خود جسم نہیں ہوتا تاکہ اس کی اولاد ہو سکے ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا یعنی کائنات میں کوئی چیز نہیں مگر اس کا خالق اور اس کا عالم صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے اور جو اس طرح ہو وہ ہر چیز سے بے نیاز ہوتا ہے اور اولاد کا طالب محتاج ہوتا ہے۔

١٠٢-﴿ذٰلِكُمُ﴾ [گزشتہ صفات کے موصوف کی طرف اشارہ ہے اور یہ مبتدا ہے اور اس کے بعد آنے والی تمام مترادف خبریں ہیں اور وہ یہ ہیں] ﴿اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ یہ اللہ تمہارا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ مضمون جملہ کا مسبب ہے یعنی جس ذات میں یہ تمام صفات جمع ہیں وہی عبادت کے لائق ہے سو تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے کسی کی عبادت نہ کرو ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے یعنی وہی ان صفات کا جامع ہے اور وہی ہر چیز کا مالک ہے رزق موت وحیات اسی کے اختیار میں ہے وہی تمام اعمال پر نگہبان ہے۔

١٠٣-﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں یا ان لوگوں کی آنکھیں مراد ہیں جن کا اس سے پہلے ذکر گزر چکا ہے اور معتزلہ نے اس آیت مبارکہ سے عدم رؤیتِ باری تعالیٰ پر استدلال کیا ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ ادراک کی نفی کی گئی ہے رؤیت (یعنی دیدار) کی نفی نہیں کی گئی اور ''ادراك'' کا معنی ہے کہ ''مَرْئِيّ'' (جس کو دیکھنا ہے اس) کے تمام اطراف اور حدود کا احاطہ کرنا لہٰذا جس ذات کے لیے حدود اور جہات محال و ناممکن ہوں اس کا ادراک محال ہوتا ہے لیکن اس کا دیدار محال نہیں ہوتا چنانچہ ادراک کو رؤیت (دیدار) کی بجائے علم کے ساتھ احاطہ کرنے کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور اطراف و جوانب کو گھیرنے کا تقاضا کرنے والے احاطہ کی نفی اس کے علم کی نفی کا تقاضا نہیں کرتی سو یہاں بھی اسی طرح ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ کا نزول اللہ تعالیٰ کی مدح وثناء کے لیے ہے جو رؤیت کے ثبوت کو واجب کرتا ہے کیونکہ جس کی رؤیت محال ہو اس کے ادراک کی نفی میں مدح نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ بات واضح ہے کہ ہر وہ چیز جس کو دیکھا نہیں جا سکتا اس کا ادراک بھی نہیں ہو سکتا البتہ جس کی رؤیت ثابت ہو اس کے ادراک کی نفی میں مدح ہوتی ہے کیونکہ رؤیت کے ثبوت کے ساتھ اس سے ادراک کی نفی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذات اقدس حدود اور تناہی کے عیب سے بلند و بالا اور پاک ہے لہٰذا یہ آیت مبارکہ ان کے خلاف ہماری دلیل ہے اور اگر وہ گہری نظر سے اس میں غور و فکر کرتے تو وہ اپنے غلط عقیدے سے نجات حاصل کر لیتے اور جو شخص کسی کی رؤیت (دیدار) کی نفی کرے گا اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس کے معلوم و موجود ہونے کی بھی نفی کرے ورنہ جس طرح وہ بلا کیفیت اور بلا جہت معلوم و موجود ہے بہ خلاف ہر موجود کے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ بلا کیفیت اور جہت اس کا دیدار بھی کیا جائے بہ خلاف ہر مرئی کے اور یہ اس لیے کہ رؤیت کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو آنکھ سے اس طرح دیکھا جائے جس طرح وہ چیز ہے لہٰذا جس کو دیکھتا ہے اگر وہ جہت میں دیکھا جاتا ہے تو اس کو جہت میں دیکھا جائے گا اور اگر وہ جہت میں نہیں دیکھا جاتا تو اس کو بلا جہت دیکھا جائے گا ﴿وَهُوَ﴾ اور وہ اپنے ادراک کی گہرائی اور باریکی کی وجہ سے ﴿يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ تمام آنکھوں وغیرہ کا احاطہ کر لیتا ہے ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ اور وہ بہت باریک بین ہے یعنی وہ تمام امور کے حقائق و دقائق اور ان کی مشکلات کو خوب جاننے والا ہے ﴿الْخَبِيْرُ﴾ وہ بڑا باخبر ہے تمام اشیاء کے ظواہر اور ان کے بواطن کو خوب جاننے والا ہے [اور یہ لف ونشر کے قبیل سے ہے]۔

١٠٤﴿قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلائل آ چکے ''بصائر'' ''بصيرة'' کی جمع ہے بصیرت کا مطلب ہے: دل کا نور جس کے ذریعے دل تمام چیزوں کو دیکھتا ہے جیسا کہ بصر آنکھ کے نور کو کہا جاتا ہے جس سے آنکھیں سامنے نظر آنے والی محسوس چیزوں کو دیکھتی ہیں یعنی تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس وحی آ چکی ہے اور یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ وحی دلوں کے لیے اس طرح مفید ہے جس طرح دلوں کا نور ﴿فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ﴾ سو جس نے حق کو دیکھا (اور پہچان لیا) اور اس پر ایمان لایا تو اس نے اپنی ذات کے لیے دیکھا اور

اس کا فائدہ اسی کو ہوگا ﴿ وَمَنْ عَمِيَ ﴾ اور جو اس سے اندھا بنا رہا اور گمراہ ہو گیا ﴿ فَعَلَيْهَا ﴾ تو اس کا اندھا پن اسی پر پڑے گا اور اندھا بنے رہنے کا نقصان بھی اسی کو ہوگا ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں اور نہ میں تمہارے اعمال کا محافظ ہوں اور نہ میں ان پر تمہیں جزا دوں گا اور بے شک میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی تم پر نگہبان و محافظ ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

اور ہم اسی طرح آیتیں بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ وہ یہ کہہ دیں کہ آپ نے پڑھ دیا ہے اور تا کہ ہم اس کو اہل علم قوم پر واضح کر دیں O آپ اسی کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اور مشرکین سے منہ پھیر لیجئے O اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے' اور ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا' اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں O اور تم ان کو گالیاں نہ دو جن کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر ورنہ وہ جہالت کی وجہ سے اللہ کو بُرا کہیں گے' اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے ان کے عمل خوبصورت بنا دیئے ہیں' پھر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے' سو وہ انہیں سب کچھ بتا دے گا جو وہ کرتے تھے O

۱۰۵- ﴿ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ اور ہم اسی طرح آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں [اس میں کاف محلاً منصوب ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے] یعنی ہم اپنی آیتیں اس طرح بار بار بیان کرتے ہیں جس طرح ہم نے آپ پر یہ آیتیں تلاوت فرمائیں ﴿ وَلِيَقُوْلُوْا ﴾ اس کا جواب محذوف ہے یعنی آخر کار کفار کہہ دیں گے کہ ﴿ دَرَسْتَ ﴾ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اس لیے ہم اپنی آیتوں کو بار بار طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور ''دَرَسْتَ'' کا معنی ہے: ''قَرَأْتَ كُتُبَ اَهْلِ الْكِتَابِ'' کہ آپ نے اہل کتاب کی کتابوں سے پڑھ لیا ہے [اور قاری ابو عمرو بصری اور قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''دَارَسْتَ'' ہے یعنی آپ نے اہل کتاب سے پڑھ لیا ہے اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''دَرَسَتْ'' (واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف) ہے] یعنی یہ آیات پہلے بھی پڑھی جا چکی ہیں اور یہ گزر چکی ہیں جیسا کہ انہوں نے کہا کہ (یہ قرآن مجید) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿ وَلِنُبَيِّنَهٗ ﴾ اور تا کہ ہم قرآن مجید کو پوری طرح واضح کر کے بیان کر دیں اور اگر چہ اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہوا لیکن یہ معلوم ہے [(اس لیے ''ہٗ'' ضمیر کا مرجع بن سکتا ہے) یا ''ہٗ'' ضمیر ''آیات'' کی طرف لوٹتی ہے لیکن وہ قرآن کے معنی میں ہیں اور واحد کے حکم میں ہیں اور کہا گیا ہے: دوسرا لام حقیقت کا ہے اور پہلا لام عاقبت کا ہے]

یعنی کفار کے انکار کا انجام یہاں تک پہنچے گا کہ وہ کہہ دیں گے کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے ''فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا'' (القصص:٨) ''تو حضرت موسیٰ کو فرعون کی آل نے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور غم ہو جائے'' اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دشمنی کے لیے نہیں اٹھایا تھا بلکہ انہوں نے اس لیے آپ کو اٹھایا تھا کہ آپ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں لیکن ان کے اس معاملہ کا انجام کار عداوت ہوا' سو اسی طرح آیات قرآنی وضاحت کے لیے بار بار بیان کی گئیں اور اس لیے وہ بار بار بیان نہیں کی گئیں کہ تاکہ کفار کہہ دیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ جس طرح ''لِنُبَيِّنَهٗ'' ہے اسی طرح ''لِيَقُوْلُوْا'' ہے لیکن ہمارے نزدیک اس طرح نہیں ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے ﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو حق کو باطل سے الگ کرنا جانتے ہیں۔

١٠٦-﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اے محبوب! آپ صرف اسی کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی بالکل نہ کیجئے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' [یہ جملہ معترضہ ہے جو وحی کی اتباع کے وجوب ولزوم کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے' اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے یا پھر ''مِنْ رَّبِّكَ'' سے حالِ مؤکدہ ہے] ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ مشرکین سے اس وقت اعراض واغماض برتئے اور ان سے منہ پھیر لیجئے یہاں تک کہ جہاد کا حکم وارد ہو جائے۔

١٠٧-﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کا ایمان چاہتا [سو یہاں مفعول محذوف ہے] ﴿مَآ اَشْرَكُوْا﴾ تو وہ ہرگز شرک نہ کرتے' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے خلاف شرک نہیں کرتے اور اگر ان کا ایمان کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان کی ہدایت ضرور دیتا لیکن ان کا شرک کو اختیار کرنا ازل سے علم الٰہی میں آ چکا' سو ان کا شرک مشیّت سے ہوا گویا انہوں نے مشیّت الٰہی کے مطابق شرک کیا ﴿وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ اور ہم نے آپ کو ان کے اعمال پر محافظ ونگران نہیں بنایا اس لیے ہم ان کے جرائم پر آپ کو نہیں پکڑیں گے ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اور نہ آپ ان کے وکیل وکارساز ہیں اور نہ ان کے ذمہ دار ہیں۔

شانِ نزول: مسلمان کفار کے بتوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کی برائیاں بیان کرتے تھے تو انہیں اس سے اس لیے منع کر دیا گیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بتوں کی مذمت و برائی کے سبب اس کے جواب میں کفار اللہ تعالیٰ کی شان میں سبّ وشتم شروع کر دیں' ارشاد فرمایا:

١٠٨-﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ﴾ اور تم ان کو گالیاں نہ دو جن کی کفار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ وہ جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہیں گے [اور یہ جواب نہی کی بنا پر منصوب ہے] ﴿عَدْوًۢا﴾ ظلم وزیادتی کریں گے ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ اللہ تعالیٰ سے بے علمی اور جہالت کی وجہ سے اور ان اوصاف سے بے علم ہونے کی وجہ سے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا واجب ولازم ہے ﴿كَذٰلِكَ﴾ جس طرح کفار کے لیے بت پرستی آراستہ کر دی گئی ہے اسی طرح ﴿زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ﴾ ہم نے کفار کی امتوں میں سے ہر امت کے لیے ان کے عمل آراستہ کر دیئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ'' (الفاطر:٨) ''تو کیا وہ شخص جس کا برا عمل اس کے لیے آراستہ کر دیا گیا ہے اور وہ اس کو نیک خیال کرتا ہے (ہدایت یافتہ کی طرح ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں) سو بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور جس کو

چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے' اور یہ اصلح کے مسئلہ میں ہماری دلیل ہے (کہ ہدایت و ضلالت اور تمام اعمال خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور تمام افعال اسی کے ارادہ و مشیت کے تحت داخل ہیں) ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمْ مَّرْجِعُہُمْ﴾ پھر انہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿فَیُنَبِّئُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ انہیں بتا دے گا جو انہوں نے عمل کیے تھے اور ان پر ان کو جزا دے گا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ لَئِنْ جَآءَتْہُمْ اٰیَۃٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِہَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَمَا یُشْعِرُکُمْ ۙ اَنَّہَآ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَہُمْ وَاَبْصَارَہُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖٓ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّنَذَرُہُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

اور انہوں نے پختہ قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے' فرما دیجئے کہ بے شک نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں' اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں ان کے پاس آ جائیں تو وہ ایمان نہ لائیں O اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے O

۱۰۹- ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھائیں [''جَہْدَ'' مصدر ہے جو حال کے موقع پر واقع ہے] یعنی حالانکہ وہ اپنی قسموں کو مؤکد و مضبوط کرنے کے لیے ان کو پوری جد و جہد اور کوشش کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں ﴿لَئِنْ جَآءَتْہُمْ اٰیَۃٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِہَا﴾ البتہ اگر ان کے مطالبے پر کوئی نشانی اور معجزہ ان کے پاس آ جائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے ﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ بے شک تمام آیات و نشانیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور وہی ان پر قادر ہے' وہ میرے پاس نہیں ہیں تو میں ان کو تمہارے پاس کیسے لاؤں ﴿وَمَا یُشْعِرُکُمْ ۙ اَنَّہَآ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب ان کے مطالبے پر کوئی نشانی ان کے پاس آ جائے تو وہ اس پر ایمان نہ لائیں یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ جب کوئی نشانی آ جائے گی تو وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور تم اس بات کو نہیں جانتے اور دراصل مسلمان یہ امید رکھتے تھے کہ جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور وہ اس کے آنے کے آرزومند رہتے تھے جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے' معنی یہ ہے کہ بے شک تم اس کو نہیں جانتے جو میرے علم میں آ چکا ہے کہ بے شک وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور ابوبکر کی قراءت ''اِنَّہَا'' میں ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے اس بنا پر کہ اس سے پہلا کلام مکمل ہو چکا ہے] یعنی تمہیں کیا معلوم کہ ان سے کیا ہو گا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنے علم کی خبر دی اور فرمایا کہ بے شک جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے گی تو وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے [اور ان میں سے بعض قراء نے فتح کی قراءت میں ''لَا'' کو زائد قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَہْلَکْنٰہَآ اَنَّہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ''] اور حرام ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے کہ وہ واپس لوٹ آئیں (الانبیاء:۹۵) [قاری ابن عامر شامی اور قاری حمزہ

کی قراءت میں ''لَا تُؤْمِنُوْنَ'' ہے]۔

۱۱۰۔ ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ﴾ اور جس نشانی کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا اس کے نزول کے وقت ہم ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے اور ان کی آنکھوں کو حق دیکھنے سے پھیر دیں گے اور وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے [بعض نے فرمایا کہ یہ ''لَا یُؤْمِنُوْنَ'' پر معطوف ہے اور ''وَمَا یُشْعِرُكُمْ'' کے حکم میں داخل ہے] یعنی اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور تمہیں کیا معلوم کہ میں ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو پھیر دوں گا تو وہ سمجھ نہیں سکیں گے اور نہ وہ حق کو دیکھ سکیں گے ﴿كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ ہماری آیات کے نزول کے وقت پہلی دفعہ وہ ایمان نہیں لائے تھے اسی طرح وہ اب بھی ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس میں بھٹکتے پھریں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑ دوں گا جس میں وہ بھٹکتے رہیں اور حیران و پریشان پھرتے رہیں۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور بے شک اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کرتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے پاس ان کے سامنے جمع کر دیتے تو وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے اور لیکن ان میں اکثر لوگ بے علم ہیں ○ اور اسی طرح ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو دھوکہ دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف بناوٹی خوش نما باتیں خفیہ القاء کرتے ہیں' اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' سو آپ انہیں اور ان کی من گھڑت باتوں کو چھوڑ یئے ○ اور تا کہ ان لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تا کہ وہ اس کو پسند کریں اور تا کہ وہ ان برائیوں کو کمائیں جن کو وہ کمانے والے ہیں ○

کفار کی ضد اور دشمنی اور حلال و حرام کا ذکر

۱۱۱۔ ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةَ﴾ اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو نازل کرتے جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جاتے ﴿وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى﴾ اور ان سے مردے باتیں کرتے جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ تم ہمارے باپ دادوں کو اٹھا کر لاؤ ﴿وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا﴾ اور ہم ان کے سامنے تمام چیزوں کو جمع کر دیتے جو ہماری طرف سے خوشخبری دینے والے اور ہماری طرف سے ڈر سنانے والے نبی کریم کی نبوت کی صداقت و

صحت کے کفیل ہو جائیں [اور ''قُبُلًا''، ''قَبِیْل'' کی جمع ہے اور اس کا معنی کفیل ہے' قاری نافع مدنی اور قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قِبَلًا'' (قاف کے نیچے زیر اور ''با'' پر زبر) ہے یعنی سامنے اور یہ دونوں (''کُلَّ شَیْءٍ'' اور ''قُبُلًا'') حال واقع ہونے پر منصوب ہیں] (ان تمام چیزوں کے باوجود) ﴿مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا ایمان چاہے تو پھر وہ ایمان لے آئیں گے اور یہ مسلمانوں کے اس قول کا جواب ہے جو انہوں نے آیت مبارکہ کے نزول کے وقت کہا تھا کہ شاید وہ ایمان لے آئیں ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ اور لیکن ان میں اکثر لوگ جاہل و بے علم ہیں کیونکہ یہی وہ بے وقوف لوگ ہیں کہ ان کے مطالبے پر جب کوئی نشانی ان کے پاس آ جاتی تو یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے (نہ آئندہ لائیں گے بلکہ جادو وغیرہ کہہ کر جھٹلا دیتے ہیں)۔

۱۱۲- ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں (سرکشوں) کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے اور جس طرح ہم نے مشرکین میں سے بہت سے لوگوں کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے انبیائے کرام کے لیے بہت سے دشمن بنا دیئے کیونکہ اس صورت میں انبیائے کرام کا بہت بڑا امتحان ہوتا ہے جو ثابت قدمی اور صبر و استقامت کے ظہور کا اور اجر و ثواب کی کثرت کا سبب بن جاتا ہے [اور شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ ''عَدُوًّا'' سے بدل ہے یا یہ پہلا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ''عَدُوًّا'' دوسرا مفعول ہے] ﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ وہ ایک دوسرے کی طرف خفیہ وسوسے ڈالتے ہیں یعنی جنوں کے شیطان انسانوں کے شیطانوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں اور اسی طرح جن آپس میں ایک دوسرے کی طرف اور انسان آپس میں ایک دوسرے کی طرف وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے' فرماتے ہیں کہ انسانوں میں سے شیطان مجھ پر جنوں کے شیطانوں سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ جب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں تو جنوں کے شیطان مجھ سے دور چلے جاتے ہیں اور انسانوں کے شیطان میرے پاس آ جاتے ہیں اور مجھے کھلم کھلا گناہوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں اور حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا کہ بُرے دوست جنوں کے شیطانوں سے بدتر ہوتے ہیں[۱] ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ وسوسے اور جھوٹی باتیں جن کو وہ لوگ خوش نما اور مزین و آراستہ کر کے پیش کرتے اور لوگوں کو گناہوں پر ابھارتے ﴿غُرُوْرًا﴾ دھوکہ دینے کے لیے اور فریب کاری کے ذریعے لوگوں کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ یعنی اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ خفیہ وسوسہ اندازی نہ کرتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شیطانوں اور سرکشوں کو وسوسہ اندازی سے منع کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لیے امتحان لیا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا سبب ہے ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ سو آپ انہیں اور ان کی افترا بازیوں اور بہتان تراشیوں کو چھوڑ دیجئے جو انہوں نے آپ پر اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر تھوپ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و خوار اور رسوا کرے گا اور آپ کی مدد فرمائے گا اور ان کو سخت سزا دے گا۔

۱۱۳- ﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل جھک جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور کفار کے دل خوش نما بناوٹی اور جھوٹی بات کی طرف مائل ہو جائیں [اور یہ ''غُرُوْرًا'' پر معطوف ہے] یعنی تا کہ وہ کافر لوگ اس سے دھوکہ کھائیں اور ان کے دل اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اس کو اپنے لیے پسند کریں ﴿وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾ اور تا کہ وہ ان گناہوں کا ارتکاب کریں جن کا وہ ارتکاب کرنے

---

[۱] انظر الحدیث بنحوہ فی تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۱ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ

والے ہیں۔

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ إِنْ يَّتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾

تو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو طلب کروں حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ بے شک یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے سوائے سننے والے! تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا O اور آپ کے رب کی بات سچ اور انصاف میں پوری ہوگئی ہے اور اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے O اور اگر تم زمین پر رہنے والے اکثر لوگوں کی بات مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے وہ صرف گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور وہ صرف عقلی اندازے سے جھوٹ بولتے ہیں O

۱۱۴- ﴿أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا﴾ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور حاکم کو تلاش کروں جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے اور وضاحت کرے کہ ہم میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے ﴿وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ اور وہی اللہ ہی تو ہے جس نے تمہاری طرف عاجز کرنے والی سراسر معجزہ اور مفصل کتاب نازل فرمائی [اور ''مُفَصَّلًا''، ''الْكِتَاب'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہے اور یہ کتاب میری صداقت کی گواہی دیتی ہے اور تمہارے خلاف جھوٹے ہونے کی گواہی دیتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات پر مضبوط دلیل پیش کرنے کے لیے کہ قرآن مجید اہل کتاب کے علم کے مطابق حق ہے اور اس لیے بھی حق ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے موافق ہے ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دیگر ساتھی مراد ہیں ﴿يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ وہ جانتے ہیں کہ بے شک یہ قرآن مجید آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے [اور قاری ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے جب کہ دیگر کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ باب انفعال سے) ہے] ﴿فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ سوائے سننے والے! تم اس میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا یا اے سننے والے! تم اس بات میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا کہ بے شک اہل کتاب جانتے ہیں کہ یہ قرآن مجید حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے لوگوں کا انکار کرنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا تمہیں شک میں نہ ڈال دے۔

۱۱۵- ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کلام فرمایا ہے وہ سب مکمل ہے [اور اہل حجاز اور قاری ابن

عامر شامی اور قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں "کَلِمٰتُ رَبِّکَ" ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو کچھ خبریں دی ہیں اور اوامر ونواہی بیان فرمائے ہیں اور وعدے اور وعیدیں بیان کی ہیں وہ سب مکمل ہیں ﴿صِدْقًا﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس کی وعیدیں سنانے میں قرآن مجید سچا ہے ﴿وَّعَدْلًا﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ اوامر ونواہی میں عدل وانصاف کرنے والا ہے [اور یہ دونوں تمیز کی بنا پر یا حال واقع ہونے پر منصوب (زبر والے) ہیں] ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے یعنی کوئی شخص اس کے کلمات میں سے کچھ نہیں بدل سکتا ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ﴾ اور وہ اقرار واعتراف کرنے والے کے اقرار واعتراف کو خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِیْمُ﴾ اصرار کرنے والے کے اصرار کو بہت جاننے والا ہے یا وہ لوگوں کی باتوں کو خوب سننے والا اور ان کے دلوں میں پوشیدہ ارادوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۱٦- ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور اگر تم زمین پر رہنے والے اکثر لوگوں کی بات مان لیتے یعنی اگر کفار کی بات مان لیتے کیونکہ وہی اکثریت میں تھے ﴿یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین سے پھیر کر گمراہ کر دیں گے ﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ ان کے باپ دادے حق پر تھے اس لیے وہ ان کی تقلید کرتے ہیں ﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾ اور وہ تو صرف جھوٹ بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس طرح حرام کیا ہے اور ان کے لیے اس طرح حلال کیا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

بے شک آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکتے ہیں' اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے ○ سو تم اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو ○ اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اس نے تمہارے لیے اس کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کو اس نے تم پر حرام کر دیا ہے ماسوا اس کے کہ تم اس کی طرف مجبور ہو جاؤ' اور بے شک بہت سے لوگ بے علمی سے خواہشات کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو جاتے ہیں' بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ○

۱۱۷- ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی وہ کافروں اور مسلمانوں کو جانتا ہے [اور "مَنْ" مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور یہ لفظ استفہام (سوال کرنے) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور "یَضِلُّ" خبر ہے اور یہ جملہ "یَعْلَمُ" مقدر کی وجہ سے نصب کی جگہ پر واقع ہے لیکن "اَعْلَمُ" کی وجہ سے نہیں کیونکہ "اَفْعَلُ" اسم ظاہر کو نصب نہیں جر دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "اَعْلَمُ بِمَنْ یَّضِلُّ" اس کی دلیل اس کے بعد

"بِالْمُهْتَدِیْنَ" میں حرب "با" کا اظہار ہے]۔

۱۱۸۔﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴾ تو تم اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ ان گمراہ لوگوں کی پیروی کے انکار سے مسبب ہے جو حرام کو حلال قرار دیتے ہیں اور حلال کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ بے شک تم خیال کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو پھر جس جانور کو اللہ تعالیٰ نے مار دیا وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اسے کھا لو اس جانور کی بہ نسبت جس کو تم نے خود ذبح کیا ہے؛ چنانچہ مسلمانوں سے کہا گیا کہ اگر تم ایمان پر پختہ یقین رکھتے ہو تو تم فقط ان جانوروں کو کھاؤ جن پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور ان جانوروں کو نہ کھاؤ جن پر بہ وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ کر ان کے معبودوں میں سے کسی معبود کا نام لیا گیا ہو یا اپنی طبعی موت مر گیا ہو۔

۱۱۹۔﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ ﴾ اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اس میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا [اس میں حرف "مَا" استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور مبتدا ہونے کی بنا پر محلاً مرفوع ہے اور "لَكُمْ" اس کی خبر ہے] یعنی تم کس غرض کی بنا پر اس میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو ﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے واضح طور پر وہ چیزیں جو اس نے تم پر حرام فرما دی ہیں بیان کر دی ہیں ان میں سے جو اس نے حرام نہیں فرمائیں؛ چنانچہ ارشاد فرمایا: "حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ" (المائدہ:۳) [امام حفص کے علاوہ کوفی قراء کی قراءت میں "فَصَّلَ" (فعل ماضی معروف) "وَحَرَّمَ" (فعل ماضی مجہول) ہیں اور قاری نافع مدنی اور قاری حفص کی قراءت میں دونوں مفتوح (یعنی دونوں فعل ماضی معروف) ہیں جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں دونوں مضموم (یعنی دونوں فعل ماضی مجہول) ہیں] ﴿ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ﴾ مگر جب تم اس چیز کے کھانے کے لیے مجبور ہو جاؤ جو تم پر حرام کر دی گئی ہے کیونکہ ضرورت کے وقت وہ تمہارے لیے حلال ہے یعنی انتہائی شدت کے ساتھ سخت بھوک لگی ہو (اور اس وقت کھانے کے لیے حلال چیز دستیاب نہ ہو تو) وہی کھا لو ﴿ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآىِٕهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ﴾ اور بے شک بہت سے لوگ اپنی خواہشوں سے بغیر جانے بوجھے گمراہ کرتے ہیں یعنی بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور شریعت سے تعلق رکھے بغیر محض اپنی خواہشوں اور شہوتوں سے جس کو چاہتے ہیں حرام قرار دے دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں حلال قرار دے دیتے ہیں [اور کوفہ کے قراء کی قراءت میں ("یا" مضموم کے ساتھ "اِضْلَال" سے مشتق) "لَیُضِلُّوْنَ" ہے] ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ﴾ بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے والوں کو۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ
بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ
لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓىٕهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ
اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی
النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ

ع ۱۴

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور تم علانیہ اور پوشیدہ (سب) گناہ چھوڑ دو‘ بے شک جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں عنقریب ان کو سزا دی جائے گی جس کا وہ ارتکاب کرتے تھے O اور تم اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بلاشبہ وہ نافرمانی ہے‘ اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں‘ اور اگر تم ان کی بات مان لو گے تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے O اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا‘ پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لیے نور مہیا کر دیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں بھٹک رہا ہے جن سے وہ نہیں نکل سکتا‘ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا گیا ہے جو وہ کرتے تھے O

۱۲۰- ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ اور تم علانیہ اور پوشیدہ سب گناہوں کو چھوڑ دو یا قحبہ خانوں میں زنا کرنا اور چھپ چھپا کر دوستی کرنا یا شرک جلی اور شرک خفی سب چھوڑ دو ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴾ بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ عنقریب آخرت میں سزا پائیں گے اس وجہ سے کہ وہ دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

۱۲۱- ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ اور تم اس میں سے ہرگز نہ کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو ﴿وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ اور بے شک اس کا کھانا نافرمانی اور گناہ ہے ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ﴾ اور بے شک شیاطین (یعنی ابلیس اور اس کے لشکر) اپنے دوستوں یعنی مشرکوں کے دلوں میں وسوسے اور بُرے خیالات ڈالتے رہتے ہیں ﴿لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ تاکہ وہ لوگ تم سے یہ کہہ کر جھگڑا کریں کہ (اے مسلمانو!) تم اس میں سے کیوں نہیں کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ نے مارا ہے (یعنی وہ جانور جو بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر جاتے ہیں) اور اس میں سے کیوں کھاتے ہو جس کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہو اور یہ آیت مبارکہ ان جانوروں کو حرام قرار دے رہی ہے جن پر ذبح کے وقت ”بسم اللہ“ پڑھنا ترک کر دیا گیا ہو اور بوقت ذبح بھول کر ”بسم اللہ“ نہ پڑھنے پر جانور کا حلال ہونا حدیث نبوی کی وجہ سے مخصوص کر لیا گیا ہے یا بسم اللہ شریف بھولنے والے کو حکماً ذکر نہ کرنے والا قرار دیا گیا ہے ﴿وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال قرار دینے میں ان کی پیروی کرو گے تو بے شک تم ضرور شرک کرنے والے ہو جاؤ گے کیونکہ جس نے اپنے دین میں غیر خدا کی اتباع کی اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور دین دار مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس میں سے ہرگز نہ کھائے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ اس آیت مبارکہ میں بڑی سخت وعید کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور جس نے اس آیت مبارکہ کی تاویل کر کے اس سے مرا جانور اور وہ جانور مراد لیا ہے جس پر بہ وقت ذبح غیر خدا کا نام لیا گیا ہو اس بنا پر کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ“ (الانعام: ۱۴۵) یعنی ”یا نافرمانی کا ایسا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو“ [اور اس نے کہا کہ ”وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ“ میں واؤ حال کے لیے ہے کیونکہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر درست نہیں ہوتا] پس تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ اور تم اس میں سے (جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا ہے) نہ کھاؤ دراں حالیکہ وہ فسق و نافرمانی ہے اور اس آیت مبارکہ میں فسق مجمل ہے جس کی وضاحت سورۃ الانعام کی آیت ایک سو پینتالیس میں کر دی گئی ہے تو اب معنی یہ ہوگا: اور تم اس میں سے نہ کھاؤ اس حال میں کہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو‘ سو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عموماتِ محل کی وجہ سے اس کے ماسوا باقی سب حلال ہو جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

''قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ'' (الانعام:١٤٥) ''اے محبوب! فرمادیجئے کہ میری طرف جو کچھ وحی کی گئی ہے اس میں مَیں کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام نہیں پاتا ماسوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ سراپا نجاست ہے یا نافرمانی کا جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو'' (بہرحال جس نے یہ تاویل کی ہے) اس نے یقیناً لفظ کے ظاہر سے انحراف کیا ہے۔

مسلم و کافر کی مثال' سرکش مجرم کی سزا' ہدایت و ضلالت کا مدار اور مسلم و کافر کا ٹھکانا

١٢٢ - ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ ﴾ اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اس کو زندہ کر دیا یعنی وہ کافر تھا تو ہم نے اسے ہدایت عطا فرما دی کیونکہ ایمان دلوں کی زندگی ہے (جس کے بغیر کافر مردہ دل رہتا ہے) [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''مَیِّتًا'' (یا مشدد) ہے] ﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ ﴾ اور ہم نے اس کو نور عطا کر دیا ہے جس کی روشنی میں وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور اس نے اس کے ذریعے اپنے دل کو روشن کر لیا ہے اور اس سے یقین مراد ہے ﴿ كَمَنْ مَّثَلُهٗ ﴾ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ ﴿ فِی الظُّلُمٰتِ ﴾ اندھیروں میں ہے یعنی وہ اندھیروں میں پاگلوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے ﴿ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ اس سے نہ نکلنے والا ہے نہ اس سے جدا ہونے والا اور نہ اس سے نجات پانے والا ہے اور یہ حال ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان دو اشخاص سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو جہل لعین مراد ہیں لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عنایت فرمادی اور ہر اس شخص کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر ڈال دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے واضح بیان فرما دیا کہ ہدایت حاصل کرنے والے کی مثال اس مردہ کی طرح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا اور اسلام کی ہدایت عطا فرما کر اس کو منور کر دیا کہ اب وہ نورِ ایمان اور نورِ حکمت کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور کافر کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کفر و شرک اور گناہوں کے اندھیروں میں مبتلا ہو کر بھٹکتا پھرتا ہے جس سے چھٹکارا نہیں پا رہا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ یعنی جس طرح مؤمن کے لیے اس کا ایمان آراستہ و خوب صورت کر دیا گیا ہے اسی طرح ﴿ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے آراستہ کرنے سے کافروں کے لیے ان کے وہ اعمال آراستہ کر دیئے گئے جو وہ کرتے تھے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ'' (النمل:٤) ''ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال آراستہ کر دیئے''۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو مقرر کر دیا تا کہ وہ مکر و فریب کی کارروائیاں کریں' اور وہ مکر و فریب نہیں کرتے مگر اپنی جانوں پر اور وہ نہیں سمجھتے O اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آ جاتی تو وہ کہتے: ہم ہرگز ایمان

نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں ویسا ہی دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو عنایت کیا گیا' اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے' عنقریب اللہ کے ہاں مجرموں کو ذلت پہنچے گی اور سخت عذاب اس سبب سے کہ وہ مکروفریب کیا کرتے تھے○

۱۲۳- ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے مکہ مکرمہ میں ان کے لیڈر بنائے تا کہ وہ اس میں مکروفریب کریں اسی طرح ﴿جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا﴾ ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو مقرر کر دیا تا کہ وہ اس میں مکروفریب کی چالیں چلیں اور لوگوں کو بُرے کاموں پر مجبور کریں اور خود بھی گناہوں کے کام کریں [اور اہل سنت کے نزدیک لام اپنے ظاہر پر ہے اور عاقبت کا لام نہیں ہے] اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اکابر کو مخصوص فرما لیا ہے کیونکہ ان میں چودھراہٹ اور اختیارات ہوتے ہیں جس کے سبب وہ دوسروں سے بڑھ کر لوگوں کو مکروفریب اور کفر و معاصی کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ'' (الشوریٰ:۲۷) ''اور اگر اللہ تعالیٰ سب بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو وہ ضرور زمین پر فساد پھیلاتے'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو تسلی دی اور اپنے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے آپ سے مدد کا وعدہ فرمایا: ﴿وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ اور وہ مکروفریب نہیں کرتے مگر اپنی ہی جانوں پر کیونکہ ان کا مکروفریب ان ہی کو گھیر لے گا ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ نہیں سمجھتے کہ ان کا مکر انہیں کو گھیر لے گا [اور ''اَكٰبِرَ'' پہلا مفعول ہے اور ''فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ'' دوسرا مفعول ہے اور ''مُجْرِمِيْهَا'' بدل ہے ''اَكٰبِرَ'' سے یا ''مُجْرِمِيْهَا'' پہلا مفعول ہے اور ''اَكٰبِرَ'' دوسرا مفعول ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: ''مُجْرِمِيْهَا اَكٰبِرَ'']۔

شانِ نزول: اور جب ابوجہل نے کہا کہ ہم شرف و بزرگی میں اولاد عبد مناف کے مدمقابل بنے رہے یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح ہو گئے تو عبد مناف کی اولاد نے یہ کہہ دیا کہ ہمارے اندر ایک نبی ہے جس کے پاس وحی آتی ہے' اللہ کی قسم! ہم اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوں گے مگر یہ کہ ہمارے پاس وحی آئے جیسا کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۲٤- ﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ﴾ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آ جاتی یعنی جب ان کے سرداروں کے پاس کوئی معجزہ انہیں دکھایا جاتا یا قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی جس میں انہیں ایمان لانے کا حکم دیا جاتا تو ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ وہ کہتے کہ ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں ویسا ہی دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو عنایت کیا گیا ہے یعنی ہمیں ویسی ہی آیات دی جائیں جس طرح انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی گئیں' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کرتے ہوئے کہ وہ نبوت و رسالت کی صلاحیت رکھنے والے کو خوب جانتا ہے' ارشاد فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے [یہ قاری ابن کثیر مکی اور امام حفص کی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''رِسَالَاتَهٗ'' ہے اور ''حَيْثُ'' مفعول بہ ہے اور اس کا عامل محذوف ہے] اور تقدیر عبارت یہ ہے: ''يَعْلَمُ مَوْضِعَ رِسَالَتِهٖ'' وہی اپنی رسالت کی جگہ جانتا ہے ﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ان کے سرداروں میں سے جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا ان کو عنقریب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت و رسوائی پہنچے گی ﴿وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور انہیں دنیا و آخرت میں بڑا سخت عذاب ملے گا' چنانچہ دنیا میں قتل و غارت اور قید و بند کا عذاب ملے گا اور آخرت میں دوزخ کی آگ کا عذاب انہیں ملے گا ﴿بِمَا

كَانُوا يَمْكُرُوْنَ ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں مکروفریب کی کارروائیاں کرتے رہے تھے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾

سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہی پر ڈالنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ (اور) سخت رُکا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح اللہ عذاب ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے O اور یہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے بے شک ہم نے آیتیں تفصیل سے بیان فرما دیں اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرتی ہے O ان کے رب کے پاس ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے ان اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے O

۱۲۵- ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو کشادہ کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب نور دل میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور کھل جاتا ہے عرض کی گئی: اس کی علامت ونشانی کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ رہنے والے (آخرت کے) گھر کی طرف رجوع کرنا اور دھوکے کے گھر (دنیا) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا[1] ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی پہ ڈالنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ اور سخت رکا ہوا کر دیتا ہے [''حَرَجًا''، ''ضَيِّقًا'' کی صفت ہے اور ''ضَيِّق'' کے معنی میں مبالغہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے] یعنی اس کا سینہ سخت تنگ اور گھٹا ہوا کر دیا جاتا ہے [قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''ضَيْقًا'' (یا ساکن کے ساتھ) ہے اور قاری نافع مدنی اور قاری ابوبکر کی قراءت میں ''حَرِجًا'' (را کے نیچے زیر کے ساتھ) ہے ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''حَرَجًا'' (را پر زبر کے ساتھ) ہے اور مصدر ہونے پر وصف ہے] ﴿ كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ﴾ جب کافر کو اسلام کی دعوت دی جائے تو گویا اس کو آسمان پر چڑھنے کا مکلّف کیا گیا ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کا سینہ اسلام سے تنگ ہو جائے اور جب کسی کے لیے زمین پر رہنا مشکل ہو جائے تو اس سے آسمان پر چڑھ جانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے یا کمزور رائے رکھنے والے ہوا میں اڑنے والے دل کی طرح [قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''يَصْعَدُ'' (صاد ساکن کے ساتھ) ہے اور حضرت ابوبکر کی قراءت میں ''يَصَّاعِدُ'' (صاد مشدد بمع الف زائد کے) ہے اور اس کی اصل ''يَتَصَاعِدُ'' ہے اور باقی قراء کی قراءت میں ''يَصَّعَّدُ'' (صاد وعین مشدد مفتوح) ہے اور اس کی اصل ''يَتَصَعَّدُ'' ہے] ﴿ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

[1] تفسیر ابن جریر ج ٨ ص ٢٧، تنبیہ الغافلین سمرقندی ص ٣٧

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے دنیا میں لعنت مسلط کر دیتا ہے اور آخرت میں ان پر عذاب مسلط کر دے گا اور یہ آیت مبارکہ ہمارے لیے معتزلہ فرقہ کے خلاف مضبوط حجت و دلیل ہے کہ ضلالت و معاصی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت میں داخل ہیں۔

۱۲۶۔ ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ﴾ اور یہ آپ کے رب تعالیٰ کا راستہ ہے یعنی یہ اس کا وہی طریقہ ہے جس کا حکمت تقاضا کرتی ہے اور یہ اس کی سنت ہے کہ جس شخص کے لیے ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کے لیے گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے ﴿مُسْتَقِيمًا﴾ معتدل اور سیدھا اور بہت زیادہ درست [اور یہ تاکیدی حال ہے] ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ﴾ بے شک ہم نے آیتیں وضاحت کے ساتھ ایک ایسی قوم کے لیے بیان کر دی ہیں جو نصیحت قبول کرتی ہے۔

۱۲۷۔ ﴿لَهُمْ﴾ یعنی نصیحت قبول کرنے والی قوم کے لیے ﴿دَارُ السَّلٰمِ﴾ اللہ تعالیٰ کا گھر یعنی جنت ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے جنت کی عظمت کا اظہار کر دیا ہے یا اس کا معنی سلامتی کا گھر ہے جو ہر قسم کی آفت' دکھ درد اور تکلیف سے سلامت و محفوظ ہے یا سلام سے مراد تحیت ہے اور دار السلام کو تحیت اس ارشاد باری تعالیٰ کی بنا پر کہا گیا ہے کہ ''وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ'' (یونس: ۱۰) ''اور بہشت میں ان کی ملاقاتی دعا سلام ہو گی'' ''لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ○ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ○'' (الواقعہ: ۲۵-۲۶) ''وہ جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات مگر سلام سلام کہنا ہو گا'' ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے پاس اس کی ضمانت میں رہیں گے ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ اور وہ (اللہ تعالیٰ) ان کا دوست ہے یا وہ ان کے دشمنوں پر ان کی مدد کرنے والا ہے ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ان کے اعمال کے عوض میں جو وہ لوگ کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ ان کا متولی ہے انہیں ان کے اعمال پر جزائے خیر دے گا یا یہ کہ وہ دنیا میں نیک اعمال کی توفیق عطا فرما کر ہماری مدد فرمانے والا ہے اور آخرت میں انجام بہ خیر ثابت کر کے ہماری مدد فرمائے گا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۗ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا' (تو فرمائے گا:) اے جنوں کے گروہ! بے شک تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر لیا' اور انسانوں میں سے ان کے دوست عرض کریں گے: ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور ہم اس مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی' اللہ فرمائے گا کہ آگ تمہارا ٹھکانا ہے اس میں ہمیشہ رہو گے مگر اللہ جو چاہے' بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا' خوب جاننے والا ہے ○ اور اس طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں ان گناہوں کے سبب جو وہ کرتے رہتے تھے ○

۱۲۸۔﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ﴾[امام حفص کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يَحْشُرُهُمْ'' (فعل مضارع غائب) ہے] یعنی اس دن کو یاد کیجئے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا[''یا'' وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ ہے (جیسا کہ نافع مدنی ابن کثیر مکی ابوعمرو بصری ابن عامر شامی حمزہ اور کسائی کی قراءت میں ہے۔[1] ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور تم نے ان کو اپنا پیروکار و تابع دار بنالیا جیسا کہ تم کہتے ہو: ''اِسْتَكْثَرَ الْاَمِيْرُ مِنَ الْجُنُوْدِ'' کہ بادشاہ نے بہت بڑا لشکر جمع کرلیا ہے ﴿ وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ اور انسانوں میں سے ان کے وہ دوست جنہوں نے ان کی اطاعت و فرماں برداری کی تھی اور ان کے وسوسوں کی طرف کان لگا کر سنتے رہے تھے وہ کہیں گے: ﴿ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ﴾ اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے بہت فائدے حاصل کیے یعنی انسانوں نے جنوں سے فائدے حاصل کیے کیونکہ انہیں جنوں نے شہوتوں پر ابھارا اور ان تک پہنچنے کے اسباب مہیا کیے اور جنوں نے انسانوں سے فائدے حاصل کیے کیونکہ ان کو انسانوں نے ان کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کی تھی اور ان کے اغوا میں آکر ان کے مقاصد پورے کرنے کے لیے ان کی مدد کرتے رہے ﴿ وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ﴾ اور ہم اپنی اس مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی یعنی محشر کا دن اور یہ گفتگو ان کی طرف سے شیطانوں کی پیروی کرنے اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگنے اور قیامت کے دن کو جھٹلانے کا اعتراف و اقرار ہوگا اور اپنی حالت پر افسوس کا اظہار ہوگا ﴿ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تمہاری منزل اور ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ﴾ اس میں ہمیشہ رہو گے [اور یہ حال ہے اس کا عامل اضافت کا معنی ہے] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَنَّ دَابِرَ هٰٓـؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ'' (الحجر:۶۶) ''صبح ہوتے ان کافروں کی جڑ کٹ جائے گی''۔[اس میں ''مُصْبِحِيْنَ'' حال واقع ہو رہا ہے ''هٰٓؤُلَآءِ'' سے اور حال میں عامل اضافت کا معنی ہے اور ''مَثْوٰى'' عامل نہیں کیونکہ اسم مکان کسی چیز میں عمل نہیں کرتا] ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ یعنی وہ لوگ آگ کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ماسوا ان اوقات کے جن میں اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے زمہریر (برف جیسا ٹھنڈا مقام) کے عذاب میں منتقل کرنا چاہے گا ﴿ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ ﴾ بے شک اے محبوب! آپ کا رب بڑی حکمت والا ہے اس میں جو کچھ وہ اپنے دوستوں اور اپنے دشمنوں کے ساتھ کرتا ہے ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ ان کے اعمال کو خوب جاننے والا ہے تو وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

۱۲۹۔﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا ﴾ اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کردیتے ہیں یعنی ہم دوزخ کے عذاب میں ان میں سے بعض کو بعض کا تابع دار بنادیتے ہیں یا ہم ان کو ایک دوسرے پر مسلط کردیتے ہیں یا ہم ان کو ایک دوسرے کا دوست بنادیتے ہیں ﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ اس سبب سے کہ وہ کفر و شرک اور گناہ کمایا کرتے تھے پھر قیامت کے روز ڈرانے اور دھمکانے کے طور پر انہیں کہا جائے گا:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ
يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ

[1] معجم القراءات القرآنیہ ج ۲ ص ۳۱۸

لَمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیتیں پڑھ کر سناتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے' وہ عرض کریں گے کہ ہم اپنی جانوں کے خلاف خود ہی گواہی دیتے ہیں اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا اور وہ خود اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھےO یہ (رسولوں کا مبعوث کرنا) اس لیے ہوا کہ آپ کا رب کسی بستی کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرنے والا نہیں اس حال میں کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوںO اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں جو انہوں نے کیے' اور آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں جو عمل وہ کرتے ہیںO

کفار جن وانس سے غضب ناک خطاب اور کفار کے اعمالِ بد کا بیان

١٣٠- ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ﴾ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جنوں کی طرف جنوں میں سے رسول بھیجے گئے تھے اور انسانوں کی طرف انسانوں میں سے رسول بھیجے گئے تھے کیونکہ ہر گروہ اپنے ہم جنس سے مانوس ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ رسول صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور باقی رہا یہ سوال کہ اس آیت مبارکہ میں '' رُسُلٌ مِّنْكُمْ '' فرمایا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کی دونوں جماعتوں سے خطاب فرمایا تو اس کے مطابق یہی صحیح ہے اگر چہ ان دونوں میں سے صرف ایک (انسان) مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ '' (الرحمٰن:٢٢) '' ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں'' یا ان کے رسولوں سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسول مراد ہیں اس ارشاد کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ O '' (الاحقاف:٢٩) '' پھر جب قرآن کی تلاوت پوری ہو چکی تو جن اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے کے لیے واپس پلٹ گئےO '' ﴿ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ﴾ جو تمہیں میری کتابیں پڑھ کر سناتے ﴿ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ اور وہ تمہیں تمہارے اس دن یعنی قیامت کے دن کی ملاقات سے ڈراتے ﴿ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا ﴾ وہ عرض کریں گے کہ ہم خود اپنی ہی جانوں کے خلاف اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم پر حجت لازم ہو چکی اور رسولوں کی تبلیغ ہم تک پہنچ چکی ﴿ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴾ اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا اور وہ خود ہی اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ رسولوں کے ساتھ کفر کرتے تھے۔

١٣١- ﴿ ذٰلِكَ ﴾ ان کی طرف رسولوں کو بھیجنے کا جو تذکرہ گزر چکا ہے یہ اشارہ اس کی طرف ہے [اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں '' اَلْاَمْرُ ذٰلِكَ '' ہے] ﴿ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴾ [یہ تعلیل ہے] یعنی ہم نے آپ پر رسولوں کے بھیجنے کا معاملہ جو بیان کیا ہے اس کی علت اور سبب یہ ہے کہ آپ کا رب تعالیٰ کسی بستی کو ظلم کے ساتھ ہلاک نہیں کرتا [اس بنا پر '' اَنْ '' مصدریہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ '' اَنْ '' مُثَقَّلَه سے مُخَفَّفَه ہو] اور معنی یوں ہوگا کہ بے شک اصل میں بات یہ ہے کہ آپ کا رب کسی بستی کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں یا یہ معنی ہے کہ آپ کا رب ظالم نہیں کہ اگر وہ کتاب اور رسول کے ذریعے تنبیہ کیے بغیر ان کو غفلت و

بے خبری میں ہلاک کر دے تو وہ ظالم ہوگا حالانکہ وہ اس سے بہت بلند ہے۔

۱۳۲- ﴿وَلِكُلٍّ﴾ اور مکلفین میں سے ہر ایک کے لیے ﴿دَرَجٰتٌ﴾ درجے اور منزلیں ہیں ﴿مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ یہ ان کے اعمال کی جزا ہے جو انہوں نے کیے تھے اور حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ جنوں کو اطاعات و فرماں برداریوں پر اجر و ثواب ملے گا کیونکہ جن و انس کی دونوں جماعتوں کے ذکر کرنے کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور نہ ان کے اعمال کو بھولنے والا ہے [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یـا'' کی بجائے ''تـا'' کے ساتھ (تَعْمَلُوْنَ) ہے]۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ
بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا
تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور آپ کا رب بڑا بے نیاز ہے' بہت رحم فرمانے والا ہے' اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد جس کو وہ چاہے جانشین بنا دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے پیدا کیا O بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے' اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو O آپ فرما دیجئے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں' سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہے' بے شک ظلم کرنے والے نجات نہیں پائیں گے O

۱۳۳- ﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ﴾ اور آپ کا رب اپنے بندوں سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز و بے پروا ہے ﴿ذُو الرَّحْمَةِ﴾ انہیں احکام کا مکلّف بنا کر ان پر بے حد رحم فرمانے والا ہے تا کہ ان پر دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والے منافع و فوائد پیش فرمائے ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ﴾ اے ظالمو! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے ﴿وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ﴾ اور وہ تمہارے بعد فرماں بردار مخلوق میں سے جس کو چاہے جانشین بنا دے ﴿كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی اولاد میں سے پیدا فرمایا جو تمہارے طور طریقوں پر نہیں تھے اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی والے ہیں۔

۱۳٤- ﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آ کر رہے گی [اس میں ''مَـا'' بہ معنیٰ ''اَلَّذِیْ'' ہے] یعنی قیامت کے دن لوگوں کے اٹھنے اور حساب و کتاب دینے اور نیکیوں پر ثواب اور برائیوں پر سزا ملنے کا جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ ضرور پورا ہوگا [اور ''لَاٰتٍ''، ''اِنَّ'' کی خبر ہے] یعنی یہ ضرور ہوگا ﴿وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ اس سے بچ سکتے ہو' اس میں ان کے اس قول کی تردید ہے کہ جو شخص (قیامت سے پہلے) مر گیا وہ بچ گیا۔

۱۳۵-﴿ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو [''مَکَانَۃٌ'' مصدر ہوتا ہے] چنانچہ جب کوئی اپنی جگہ پر متمکن اور قائم و ثابت ہو جائے اور اپنی جگہ خوب جم کر ٹھہر جائے تو کہا جاتا ہے: ''مَکُنَ مَکَانَۃً'' اور مکان کے معنی میں بھی آتا ہے] کہا جاتا ہے: ''مکان'' اور ''مکانۃ'' اور ''مقام'' اور ''مقامۃ'' اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ایک احتمال یہ ہے کہ تم اپنے معاملے (یعنی اسلام کی مخالفت) میں اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ اور پوری استطاعت اور امکان بھر جدو جہد کے ساتھ اپنا کام کرتے رہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ تم جس حال پر اور جس روش پر چل رہے ہو اس کے مطابق تم عمل کرتے رہو' چنانچہ کسی شخص کو اپنے حال پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''عَلٰی مَکَانَتِكَ يَا فُلَانُ'' یعنی اے فلاں شخص! تم جس حال پر ہو اس پر قائم رہو اور ثابت قدم ہو کر ڈٹے رہو ﴿ اِنِّيْ عَامِلٌ ﴾ بے شک میں اپنی جگہ پر عمل کرنے والا ہوں جس پر میں قائم ہوں یعنی تم اپنے کفر پر اور میری دشمنی پر قائم رہو اور میں اسلام پر اور تمہاری صبر آزما تکلیفوں پر صبر کر کے قائم رہوں گا اور یہ ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ﴾ سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہے یعنی عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے سب سے اچھا اور سب سے بہترین گھر کس کو ملتا ہے اور کفار کو ڈرانے کا یہ لطیف اور پیارا طریقہ ہے ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ بے شک ظالم یعنی کافر فلاح نہیں پائیں گے [قاری ابوبکر کی قراءت میں ''مَکَانَاتِکُمْ'' ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''تَکُوْنُ'' کی بجائے ''یَکُوْنُ'' ہے اور لفظ ''مَنْ'' اگر ''اَیٌّ'' کے معنی میں ہو تو پھر یہ محلًا مرفوع ہے اور اس سے علم کا فعل معلق ہے اور اگر یہ ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہو تو پھر یہ منصوب ہے]۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور کھیتی اور مویشیوں میں سے جو کچھ اللہ نے پیدا فرمایا اس میں سے کچھ حصہ انہوں نے اللہ کے لیے مقرر کر دیا اور انہوں نے اپنے خیال میں کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے' پھر جو حصہ ان کے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا' اور جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے' وہ لوگ بہت بُرا فیصلہ کرتے ہیں O اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے ان کی اپنی اولاد کے قتل کو آراستہ کر دیا تا کہ وہ ان کو ہلاک کریں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں' اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' سو آپ انہیں اور ان کے جھوٹے الزامات کو چھوڑ دیئے جن کو وہ

گھڑتے ہیں○

۱۳۶-﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا فرمائے ان میں سے کچھ حصہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کر دیا اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لیے مقرر کر دیا اور اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کے حصے کے ذکر پر اکتفا کیا گیا (اور بتوں کے حصے کا ذکر نہیں کیا گیا) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے: ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے [اس آیت میں اور اس کے بعد قاری علی کسائی کی قراءت میں ''بِزُعْمِهِمْ'' (زا پر پیش) ہے] یعنی یہ ان کا اپنا گمان تھا کہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور یہ بتوں کے لیے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم نہیں دیا اور نہ شریعت نے ان کے لیے یہ تقسیم کی تھی ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا یعنی بتوں کا حصہ اللہ تعالیٰ کی ان مدات میں خرچ نہیں کیا جا سکتا جن میں وہ اللہ تعالیٰ کا حصہ خرچ کرتے تھے جیسے مہمانوں کی مہمان نوازی پر خرچ کرنا اور مسکینوں' ناداروں اور ضرورت مندوں پر بطور صدقہ خرچ کرنا ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ﴾ اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ تو ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کا حصہ بتوں کے نام پر خرچ کر دیتے تھے اور ان کے بت خانوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ مروی ہے کہ عرب کے کفار کھیتوں اور جانوروں میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کر دیتے تھے اور کچھ حصہ اپنے معبودوں کے لیے مقرر کر دیتے تھے' پھر جب وہ دیکھتے کہ انہوں نے جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا ہے وہ صاف ستھرا اور عمدہ ہے تو اس سے رجوع کر لیتے اور اس حصے کو بتوں کے لیے کر دیتے اور جو حصہ وہ بتوں کے لیے مقرر کرتے تھے وہ اگر ستھرا اور عمدہ ہوتا تو اسے بتوں ہی کے لیے چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں اور وہ لوگ یہ کام صرف اپنے بتوں سے محبت کی وجہ سے کرتے تھے اور اپنے بتوں کو ترجیح دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مِمَّا ذَرَاَ'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ عمدہ اور بہترین مال وغیرہ اس کے لیے مقرر کیا جائے کیونکہ یہ سب کچھ اسی نے پیدا کیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنے بتوں کو ترجیح دے کر اور جن اعمال کی شریعت نے اجازت نہیں دی ان کو اپنا کر بہت برا فیصلہ کرتے ہیں [اور حرف ''ما'' محلاً مرفوع ہے (اور ''سَآءَ'' کا فاعل ہے) یعنی وہ فیصلہ بہت بُرا ہے جو انہوں نے کر رکھا ہے یا یہ منصوب ہے (اور ''سَآءَ'' کا مفعول ہے) یعنی انہوں نے بہت بُرا فیصلہ کیا ہے]۔

۱۳۷-﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کا قتل آراستہ کر دیا جس طرح ان کے لیے مال و مویشی کی تقسیم اور بچیوں کو زندہ در گور کرنا آراستہ کر دیا گیا [اور ''قَتْلَ''، ''زَيَّنَ'' کا مفعول ہے اور ''شُرَكَآؤُهُمْ'' کا فاعل ہے] یعنی ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کے قتل کو ان کی نگاہوں میں بھلا کر دیا ہے [اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''زُيِّنَ'' (فعل ماضی مجہول' یا کے نیچے زیر اور زا پر) پیش کے ساتھ ہے اور ''قَتْلُ'' مرفوع ہے (یعنی لام پر پیش ہے کہ یہ ''زُيِّنَ'' کا نائب فاعل ہے) اور ''اَوْلَادَهُمْ'' منصوب ہے ''شُرَكَآئِهِمْ'' اس بنا پر مجرور ہے کہ ''قَتْلُ''، ''شُرَكَآء'' کا مضاف ہے یعنی ''شرکاء'' سے شیاطین مراد ہیں اور فاعل اور مفعول کے درمیان بغیر ظرف کے فاصلہ صحیح ہوتا ہے] اور اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی: ''زُيِّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلُ شُرَكَآئِهِمْ اَوْلَادَهُمْ'' یعنی بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں کا ان کی اولاد کو قتل کرنا بھلا کر دیا

گیا ہے ﴿ لِيُرْدُوْهُمْ ﴾ تا کہ وہ انہیں گمراہ کر کے ہلاک کر دیں ﴿ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ﴾ اور تا کہ وہ ان پر ان کے دین کو مشکوک کر دیں اور وہ ان پر ان کے دین کو خلط ملط اور گڈ مڈ کر دیں اور وہ ان کو دھوکے میں ڈال دیں اور ان کے دین میں ملاوٹ کر دیں' چنانچہ یہ لوگ پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دینِ حق پر قائم تھے' پھر شیطانوں کے اغوا سے ان کے دین سے پھر گئے اور شرک کی طرف مائل ہو گئے ﴿ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' آیت مبارکہ کا یہ جملہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے سے ہو رہا ہے (البتہ اس کی مرضی اور خوشی صرف نیک کاموں میں شامل ہوتی ہے) ﴿ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴾ سو آپ ان کو اور وہ جو جھوٹ گھڑتے ہیں یا ان کے الزامات کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ان کے جھوٹ اور الزام کا نقصان انہیں کو ہو گا' اس کا نقصان نہ آپ کو ہو گا اور نہ ہمیں ہو گا۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٣٩﴾

اور انہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے' انہیں کوئی نہیں کھائے گا مگر جس کو ہم اپنے خیال میں چاہیں گے اور کچھ مویشی وہ تھے جن کی پشت پر سوار ہونا حرام کر دیا گیا اور کچھ مویشی وہ تھے جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے سب اللہ پر جھوٹے الزام تھے' عنقریب اللہ ان کو سزا دے گا اس پر جو وہ الزامات گھڑتے تھے O اور انہوں نے کہا کہ ان مویشیوں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام کر دیا گیا ہے' اور اگر وہ مردہ ہوا تو پھر وہ سب اس میں شریک ہوں گے' عنقریب اللہ ان کو ان کے بیان پر سزا دے گا' بے شک وہ بہت حکمت والا' خوب جاننے والا ہے O

١٣٨- ﴿ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ یہ جانور اور کھیتیاں بتوں کے لیے ہیں ﴿ حِجْرٌ ﴾ حرام ہیں ['' فِعْلٌ '' کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے جیسے '' ذبح '' اور '' طحن '' ، '' مذبوح '' اور '' مطحون '' کے معنی میں ہیں اور یہ مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب کے ساتھ مساوی موصوف ہوتا رہتا ہے کیونکہ اس کا حکم اسماء کے حکم جیسا ہوتا ہے نہ کہ صفات کی طرح] اور جب وہ لوگ جانوروں اور کھیتیوں سے جو چیزیں اپنے بتوں کے لیے مقرر و معین کر دیتے تو کہتے : ﴿ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ ﴾ ان کو کوئی نہیں کھائے گا مگر جسے ہم چاہیں گے اپنے گمان کے موافق اور وہ لوگ اس سے بتوں کے خادموں اور مردوں کو مراد لیتے ہیں عورتوں کو نہیں اور زعم کہتے ہیں : گمان سے ایسی بات کہہ دینا جس میں جھوٹ کی ملاوٹ ہو ﴿ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا ﴾ اور کچھ جانوروں کی پشت پر سوار ہونا حرام قرار دے دیا گیا تھا اور وہ جانور بحائر اور سوائب اور حوامی ہیں (جن کی وضاحت سورت المائدہ کی آیت ١٠٣ میں گزر چکی ہے)

﴿وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا﴾ اور کچھ جانوروں کے ذبح کے وقت وہ لوگ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ وہ ان پر بتوں کے نام ذکر کرتے تھے ﴿افْتِرَآءً عَلَيْهِ﴾ یعنی انہوں نے اپنے جانوروں کو تقسیم کر رکھا تھا ایک قسم حجر کی تھی اور دوسری قسم غیر مرکوب (سوار نہ ہونے کی) اور تیسری قسم وہ تھی جن پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا تھا اور انہوں نے اس تقسیم کو جھوٹ باندھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تھا ﴿سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا اس وجہ سے کہ وہ لوگ جھوٹ گھڑتے تھے اور یہ سخت وعید ہے۔

۱۳۹۔﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا﴾ اور انہوں نے کہا کہ ان جانوروں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ ہماری عورتوں پر حرام ہے دراصل عرب کے کفار کہا کرتے تھے کہ بحائر اور سوائب نامی جانوروں کے جو بچے پیدا ہوں گے اگر وہ زندہ پیدا ہوئے تو وہ صرف مردوں کے لیے ہوں گے' عورتیں اس میں سے نہیں کھا سکیں گی اور اگر مردہ بچے پیدا ہوئے تو اس میں مرد وزن سب شریک ہوں گے [اور ''مَا'' کی خبر ہونے کے باوجود ''خَالِصَةٌ'' کا مؤنث ہونا صرف ''مَا'' کے معنی کی وجہ سے ہوا کیونکہ ''مَا'' سے ''اَجِنَّةٌ'' (جنین کی جمع بچے) مراد ہے اور ''مُحَرَّمٌ'' کا مذکر ہونا ''مَا'' کے لفظ کے اعتبار سے ہے یا پھر ''خَالِصَةٌ'' میں حرف ''تا'' مبالغہ کے لیے ہے جیسے ''نَسَّابَةٌ'' میں ہے۔] ﴿وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً﴾ یعنی ان جانوروں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ اگر مردہ ہوا [ابوبکر کی قراءت میں ''یا'' کی بجائے ''تا'' کے ساتھ ''وَاِنْ تَكُنْ مَيْتَةً'' ہے یعنی اگر ان کے بچے مردہ ہوئے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''وَاِنْ تَكُنْ مَيْتَةٌ'' (''مَيْتَةٌ'' مرفوع) ہے کیونکہ ان کے نزدیک ''كَانَ'' ناقصہ کی بجائے تامہ ہے اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''يَكُنْ مَيْتَةٌ'' (''مَيْتَةٌ'' مرفوع) ہے کیونکہ فعل مقدم ہے (اس لیے ''مَيْتَةٌ'' اس کا فاعل ہے) اور ﴿فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ﴾ میں ضمیر کا مذکر ہونا اس لیے ہے کہ ''مَيْتَةٌ'' ہر مردے کا نام ہے خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو] پس گویا کہا گیا کہ اگر وہ مردہ ہوں تو اس میں وہ سب شریک ہوں گے ﴿سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ﴾ حلال وحرام کرنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی وجہ سے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے بیان پر ان کو سزا دے گا ﴿اِنَّهٗ حَكِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے میں بڑی حکمت والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ ان کی بدعقیدگی خوب جاننے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

بے شک وہ لوگ تباہ ہو گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت میں آ کر بے علمی سے قتل کر دیا اور اللہ نے ان کو جو رزق عطا کیا تھا اس کو انہوں نے حرام قرار دے دیا اللہ پر جھوٹا الزام لگا کر' بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں

تھےO اور وہی ہے جس نے باغات پیدا فرمائے کچھ چھتوں پر چڑھائی گئیں بیلیں اور کچھ بغیر چڑھائے زمین پر بچھائی گئی بیلیں اور کھجور اور کھیتی جس کے کھانے مختلف ہیں اور زیتون اور انار آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا' جب وہ پھل دار ہو جائیں تو اس کے پھلوں میں سے تم کھاؤ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو' اور تم فضول خرچ نہ کرو' بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتاO

١٤٠- ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ﴾ بے شک جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا' وہ تباہ و برباد ہو گئے' دراصل کفارِ عرب جنگ میں قید ہو جانے اور فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "قَتَّلُوْا" ("تا" مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے] ﴿سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے کہ وہ اتنی بات بھی نہ سمجھ سکے کہ بے شک ان کی اولاد کو رزق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ نہیں ہیں ﴿وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بحائر اور سوائب وغیرہ کی صورت میں جو انہیں رزق عطا کیا تھا اس کو انہوں نے حرام قرار دے دیا ﴿افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگا کر کہ اس نے ان کو حرام قرار دیا ہے [اور یہ مفعول لہٗ ہے] ﴿قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ بے شک وہ گمراہ ہو چکے اور وہ راہِ حق کی ہدایت پانے والے نہیں تھے۔

قدرتِ الٰہی کے دلائل کی صورت میں پھلوں اور حلال چوپایوں کا بیان

١٤١- ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے انگوروں کے باغات پیدا فرمائے ["اَنْشَاَ" "خَلَقَ" کے معنی میں ہے' "جَنّٰتٍ" سے انگوروں کے باغات مراد ہیں] ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ بلند و بالا چھتوں پر چڑھائی گئی بیلیں ﴿وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ اور زمین کی سطح پر چھوڑ دی گئی بیلیں جو چھت پر نہ چڑھائی گئی ہوں' جب انگوروں کی بیلوں کے لیے ستون اور چھت بنائے جائیں تو اس وقت کہا جاتا ہے: "عَرَشَتِ الْكَرْمُ" یعنی انگوروں کی بیلیں چھت پر چڑھ گئیں اور انگور کی شاخیں اس پر جھک گئیں ﴿وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا﴾ اور کھجوریں اور کھیتیاں رنگ' ذائقے اور جسمانی ساخت اور خوشبو میں مختلف ہیں [اور یہ حال مقدرہ ہے] کیونکہ کھجوریں نکلتے وقت نہیں کھائی جاتیں حتیٰ کہ رنگ اور ذائقہ وغیرہ مختلف ہوں اور یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: "فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ" (الزمر:٧٣) "سو تم اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ" ﴿اُكُلُهٗ﴾ اس سے اس کا پھل مراد ہے جو کھایا جاتا ہے [اور اس کی ضمیر "نخل" کی طرف لوٹتی ہے اور "زرع" اس کے حکم میں داخل ہے کیونکہ وہ اس پر معطوف ہے یا یہ ضمیر "نخل" اور "زرع" میں سے ہر ایک کی طرف لوٹتی ہے اور اہل حجاز کی قراءت میں "اُكْلُهٗ" (کاف ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا﴾ اور زیتون اور انار رنگ میں باہم ملتے جلتے ﴿وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ اور ذائقے میں مختلف ہیں ایک دوسرے سے نہیں ملتے ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ﴾ ہر ایک کے پھلوں میں سے کھاؤ ﴿اِذَآ اَثْمَرَ﴾ جب وہ پھل دینے لگے' اس کا فائدہ یہ ہے کہ کھانے کی اجازت کا پہلا وقت اس وقت ہوگا جب درخت سے پھل نمودار ہو جائے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس کا کھانا تب مباح ہوگا جب پھل پک کر تیار ہو جائے ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ﴾ اور اس کا حق یعنی اس کا دسواں حصہ ادا کرو اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عشر کے عموم کے لیے حجت و دلیل ہے ﴿يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ اس کی کٹائی کے دن [قاری ابو عمرو بصری' ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت اسی طرح ہے جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں "حا" کے نیچے زیر کے ساتھ "حِصَادِهٖ" ہے اور یہ دونوں لغتیں مباح ہیں] ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اور تم اپنے اہل و عیال کو بھوکا رکھ کر تمام مال صدقہ کر کے فضول خرچی نہ کرو [اور ارشاد باری تعالیٰ "كُلُوْا" سے لے کر آیت کے آخر

''مُسْرِفِیْنَ'' تک جملہ معترضہ ہے]۔ ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۴۲ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۴۳

اور اسی نے مویشیوں میں سے بعض دراز قامت بوجھ اٹھانے والے اور بعض کوتاہ قامت زمین سے لگے ہوئے جانور پیدا کیے' اللہ نے تمہیں جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے تم کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو' بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے ○ اسی نے آٹھ جوڑے پیدا کیے' بھیڑ کی قسم سے دو (نر مادہ) اور بکری کی قسم سے دو' آپ فرمائیے کہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ (بچے) جنہیں دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں' تم مجھے علم کے ذریعے خبر دو اگر تم سچے ہو ○

۱۴۲۔ ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا﴾ [یہ ''جَنّٰتٍ'' پر معطوف ہے] یعنی اور اللہ تعالیٰ نے مویشیوں میں سے بعض ایسے جانور پیدا کیے ہیں جو بوجھ اور بھاری سامان اٹھاتے ہیں اور بعض ایسے جانور پیدا کیے ہیں جو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹائے جاتے ہیں اور ''فَرْشًا'' سے چھوٹے جانور مراد ہیں جیسے اونٹوں کے چھوٹے بچے اور بچھڑے اور بھیڑ بکریاں کیونکہ یہ جانور زمین کے نزدیک ہوتے ہیں جس طرح زمین پر فرش بچھایا جاتا ہے ﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ اس میں سے تم کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس رزق کو تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی طرح تم اسے حرام قرار نہ دو ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ﴾ اور تم شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو یعنی تم حلال وحرام کرنے میں شیطان کے طریقوں پر نہ چلو جس طرح زمانہ جاہلیت کے لوگ کرتے تھے ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے' سو تم اس کے پیچھے چل کر اپنا دین خراب نہ کرو۔

۱۴۳۔ ﴿ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے [یہ ''حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا'' سے بدل ہے] ﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ﴾ بھیڑ کی قسم سے دو جوڑے اور بکری کی قسم سے دو جوڑے' بہر حال دو جوڑے سے ایک نر اور ایک مادہ مراد ہیں اور واحد جب اکیلا ہو تو فرد کہلاتا ہے اور جب اس کے ساتھ اسی کی جنس سے ایک اور مل جائے تو ان میں سے ہر ایک کو زوج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور وہ دونوں زوجان (یعنی دو جوڑے) کہلاتے ہیں جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی'' (النجم: ۴۵) ''اللہ تعالیٰ نے دو جوڑے ایک نر اور ایک مادہ پیدا فرمائے'' اور اس کی دوسری دلیل یہ ارشاد ہے: ''ثَمَانِیَةَ اَزْوَاجٍ'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ بھیڑ کی قسم سے دو جوڑے اور بکری کی قسم سے دو جوڑے اور اونٹ کی قسم سے دو جوڑے اور گائے کی قسم سے دو جوڑے [اور ''ضَاْن'' ''ضَائِن''

کی اور ''مَعْز''، ''ماعز'' کی جمع ہے جیسے ''تَجْر''، ''تاجر'' کی جمع ہے اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''مَعَز'' میں عین پر زبر یعنی ''مَعَز'' ہے اور یہ دو لغتیں ہیں اور ﴿قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ میں ہمزہ انکار کا ہے] (آیت کا ترجمہ) اے محبوب! آپ فرمایئے: کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچے) جن کو دو مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں' اور ''ذَكَرَيْنِ'' ایک بھیڑ کا نر (مینڈھا) اور ایک بکری کا نر (بکرا) مراد ہیں اور ''اُنْثَيَيْنِ'' سے ایک بھیڑ کا مادہ اور ایک بکری کا مادہ مراد ہیں اور ہمزہ سوالیہ سے جو انکار کا معنی بنتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھیڑ اور بکری کی دونوں قسموں میں سے نہ تو ان کے دونوں نر حرام کیے ہیں اور نہ ان کے دونوں مادہ حرام کیے ہیں اور نہ انہیں حرام کیا ہے جن کو دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں اٹھائے ہوئے ہیں۔
دراصل عرب کے کفار کبھی صرف نر جانوروں کو حرام قرار دے دیتے تھے اور کبھی صرف مادہ جانوروں کو حرام قرار دے دیتے تھے اور کبھی نر و مادہ سے پیدا ہونے والے بچوں کو حرام قرار دے دیتے تھے خواہ نر ہوتے یا مادہ ہوتے یا نر و مادہ دونوں کو ملا کر حرام قرار دے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ان کی اس بہتان تراشی کا انکار کر دیا ہے [اور ''اَلذَّكَرَيْنِ''، ''حَرَّمَ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور اسی طرح ''اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ'' ہے یعنی اصل میں ''اَمْ حَرَّمَ الْاُنْثَيَيْنِ'' اور اسی طرح ''اَمَّا اشْتَمَلَتْ'' میں ہے] ﴿نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ﴾ تم مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علمی دلیل کے ساتھ بتاؤ کہ جو کچھ تم نے حرام قرار دیا ہے وہ اس کی حرمت پر دلالت کرے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ان تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

اور اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو' آپ فرمایئے: کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچے) جن کو دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں' کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اس نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا' سو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے' بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

١٤٤- ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو (نر و مادہ) پیدا کیے اور گائے کی قسم سے دو (نر و مادہ) پیدا کیے ﴿قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ اے محبوب! فرمایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دونوں نر حرام کیے یا ان میں سے دونوں مادہ حرام کیے یا انہیں حرام کیا جن کو دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں اٹھائے ہوئے ہیں ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ﴾ [اس میں ''اَمْ'' منقطعہ ہے] یعنی بلکہ کیا تم اس وقت حاضر تھے؟ ﴿اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا یعنی کیا تم اس وقت اپنے رب کے پاس حاضر تھے جب اس نے تمہیں ان جانوروں کو حرام قرار دینے کا حکم دیا تھا اور جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں

لاتے تھے اور وہ خود ہی کہہ دیتے تھے کہ ہم جنہیں حرام قرار دیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا مذاق اڑایا اور فرمایا کہ ''اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ'' اس کا معنی یہ ہے: کیا تم نے براہِ راست (نبی کے توسّل کے بغیر) خود مشاہدہ و معائنہ کر کے اس حکم کو جان لیا ہے؟ کیونکہ تم تو رسولوں پر ایمان نہیں رکھتے ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ سو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور جو جانور حرام نہیں ان کو حرام قرار دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی ﴿لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ تاکہ وہ لوگوں کو اپنی بے علمی اور جہالت سے گمراہ کر دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے علم میں آ چکے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہی ہوگا [اور معدود اور اس کے بعض کے درمیان جملہ معترضہ فاصل ہو گیا ہے لیکن وہ معدود سے اجنبی نہیں] اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا کہ ان کے منافع و فوائد کی خاطر جانوروں کو پیدا فرما کر ان کو اپنے بندوں کے لیے مباح و جائز قرار دے دیا [پس جملہ معترضہ کو ان جانوروں کو حرام قرار دینے والوں پر حجت و دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ جملہ حلال قرار دینے کی تاکید ہو جائے اور کلام میں ہمیشہ جتنے معترضہ جملے ہوتے ہیں وہ سب تاکید کے لیے بیان کیے جاتے ہیں]۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۗ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اے محبوب! فرما دیجئے کہ میری طرف جو کچھ وحی کی جاتی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر کھانا حرام نہیں پاتا ماسوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو یہ تو بلاشبہ نجاست ہے یا نافرمانی کا جانور ہو جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو پھر جو شخص مجبور ہو جائے نہ آپ خواہش کرے اور نہ ضرورت سے بڑھے تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○ اور ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری کی قسم سے ان دونوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی ماسوا اس چربی کے جو ان دونوں کی پیٹھوں پر لگی ہو یا ان کی آنتوں پر یا جو ان کی ہڈی پر لگی ہو یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی ہے اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ○

محرمات و ممنوعات کا بیان

۱۴۵۔ ﴿قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ﴾ اے محبوب! آپ فرمائیے کہ میری طرف جو وحی کی جاتی ہے اس میں میں نہیں پاتا یعنی اس وقت میں یا قرآن مجید کی وحی میں کیونکہ سنت کی وحی نے اس آیت مبارکہ میں مذکورہ محرمات کے علاوہ بھی

کئی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے یا یہ کہ مویشیوں میں سے کیونکہ یہ آیت مبارکہ بحیرہ' سائبہ وغیرہ قسم کے جانوروں کو حرام قرار دینے کی تردید کے لیے نازل کی گئی ہے لیکن پتھر اور ڈنڈے سے اور بلندی سے نیچے گر کر اور دوسرے جانور کے سینگ وغیرہ لگنے سے مارے جانے والے جانور ''مَیْتَـةً'' یعنی مردار میں شامل ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی چیز کو حرام قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی شریعت سے ثابت کیا جا سکتا ہے خواہشِ نفس سے نہیں (جیسا کہ بے ادب لوگ بغیر کسی تفریق کے امور مستحبہ وغیر مستحبہ تمام کو حرام قرار دے دیتے ہیں) ﴿مُحَرَّمًا﴾ ایسا جانور جس کا کھانا حرام قرار دے دیا گیا ہو ﴿عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ﴾ کھانے والے پر کہ وہ اس کو کھائے ﴿اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً﴾ مگر یہ کہ حرام کردہ شے مردار ہو [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی اور حمزہ کی قراءت میں ''اَنْ تَـكُـوْنَ'' ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''مَيْتَةٌ'' ہے (آخر میں دو زبر کی بجائے دو پیش ہیں)] ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ یا بہتا خون یعنی جب اسے گرایا جائے تو بہنے لگ جائے' لہٰذا وہ خون حرام نہیں جو گوشت اور جگر اور تلی میں ہوتا ہے ﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجاست ہے ﴿اَوْ فِسْقًا﴾ نافرمانی کا جانور [اور یہ پہلے منصوب پر معطوف ہے اور یہ ارشاد ''فَاِنَّهٗ رِجْسٌ'' معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے] ﴿اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ یعنی ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے وہ فسق و نافرمانی کا جانور ہے اور اس کو فسق کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ فسق کے باب میں یہ عمل انتہائی غلو اور زیادتی ہے [اور یہ جملہ ''فِسْقًا'' کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ سو جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے کھانے کے لیے انتہائی مجبور ہو جائے (کسی اور چیز کے نہ ملنے کی بنا پر جان بچانے کے لیے) اس کا کھانا ضروری ہو جائے ﴿غَيْرَ بَاغٍ﴾ مجبوری کی مقدار سے زائد کی خواہش نہ کرے اور نہ لذت حاصل کرنے کے لیے کھائے ﴿وَّلَا عَادٍ﴾ اور وہ کھانے کی حاجت و ضرورت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو ﴿فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے' وہ اس پر گرفت نہیں کرے گا۔

١٤٦- ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ اور ہم نے یہودیوں پر ناخن والا جانور حرام کر دیا یعنی وہ تمام جانور یا پرندے جن کی انگلیاں ہوں (خواہ وہ انگلیاں درمیان سے پھٹی اور کشادہ ہوں جیسے کتے' بلے اور دیگر درندے یا پھٹی ہوئی نہ ہوں بلکہ کھر کی صورت میں ہوں جیسے) اونٹ اور بطخ اور شتر مرغ جو اس میں داخل ہیں ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ﴾ اور گائے اور بکری کی قسم سے ان دونوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی یعنی ہم نے ہر ناخن والے جانور کا گوشت اور اس کی چربی اور اس کی ہر چیز ان پر حرام کر دی لیکن گائے اور بکری کی قسم کے جانور کی صرف چربی حرام قرار دے دی ہے ماسوا اس چربی کے جو اوجھڑی اور آنتوں اور گردے پر لگی ہو ﴿اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ﴾ مگر جو چربی کھال کے اندرونی حصے میں سے پیٹھوں اور کروٹوں کے ساتھ لگی ہو ﴿اَوِ الْحَوَايَآ﴾ یا جو چربی آنتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو [اور اس کا واحد ''حَاوِيًا'' یا ''حَوِيَّةٌ'' ہے] ﴿اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا جو چربی ہڈی کے ساتھ لگی ہوئی ہو اور وہ دنبہ کی چکی یا ہڈی کا گودا اور بھیجا وغیرہ مراد ہے ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ [اس میں ''ذَالِكَ''، ''جَـزَيْـنَـاهُـم'' کا دوسرا مفعول ہے] اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''جَزَيْنَاهُمْ ذَالِكَ بِبَغْيِهِمْ'' ہم نے ان کو یہ سزا ان کے ظلم کی وجہ سے دی ہے ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان کی ہر بات کی خبر دینے میں ضرور سچے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کا کما حقہ شکر کس طرح ادا کر سکتے ہیں جس نے حلال کو حرام قرار دینے کی بنا پر یہودیوں کو سزا دی اور ہمارے بزرگوں کو حرام کو حلال قرار دینے کے جرم پر معاف فرما دیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَعَـفَـا عَـنْـكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ'' (البقرہ:١٨٧) ''اور اللہ تعالیٰ نے (ماہِ رمضان کی راتوں میں حرمت کے باوجود

اپنی بیویوں سے صحبت و مباشرت کرنے کے جرم پر) تمہیں معاف فرما دیا' سو اب تم ان سے مباشرت کرتے رہو"۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾

پھر اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے' اور اس کا عذاب جرم کرنے والی قوم سے نہیں ٹالا جا سکتا O عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا یہاں تک کہ انہوں نے عذاب چکھا' آپ فرمائیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے) تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو' تم صرف گمان کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف تخمینوں سے باتیں کرتے ہو O آپ فرما دیجئے کہ مضبوط و مکمل دلیل صرف اللہ کے پاس ہے' سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دیتا O

١٤٧- ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾ پھر اگر وہ لوگ آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو جھٹلا دیں تو آپ ان سے فرما دیں کہ تمہارا رب مہربان' بڑی وسعت والا ہے' اسی وجہ سے وہ جھٹلانے والوں کو مہلت دے دیتا ہے اور ان کو جلد از جلد سزا نہیں دیتا ﴿وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ کا عذاب اس کی رحمت کی وسعت کے باوجود مجرم قوم پر آ جائے گا تو اس کو ٹالا نہیں جا سکے گا' لہٰذا کوئی شخص اس کی رحمت کی وسعت کی وجہ سے اس کے عذاب کے خوف سے دھوکے میں نہ رہے۔

١٤٨- ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ انہوں نے مستقبل قریب میں جو کچھ کہنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے آیت مبارکہ میں آگاہ کر دیا کہ مشرکین عنقریب کہیں گے: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا' سو یہ ہمارا عذر ہے' ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کا شرک کرنا اور ان کے باپ دادوں کا شرک کرنا اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کے لیے حلال فرمایا تھا اس کو ان لوگوں کا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کی مشیّت و ارادہ سے ہوا اور اگر اس کی مشیّت نہ ہوتی تو ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ یعنی مکہ کے مشرکوں نے جس طرح آپ کو جھٹلایا ہے اسی طرح ان سے پہلے متقدمین نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا اور انہوں نے بھی اسی طرح رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان کو اس عذر نے کوئی نفع نہ دیا کیونکہ انہوں نے اپنے اعتقاد کی بنا پر یہ نہیں کہا تھا بلکہ انہوں نے یہ بات محض مذاق اڑانے کی خاطر کہی تھی اور اس لیے انہوں

نے اللہ تعالیٰ کی مشیّت کو اپنے لیے حجت بنا لیا کہ وہ اس کی وجہ سے معذور ہیں حالانکہ یہ مردود ہے مشیّت کا اقرار نہیں یا مشیت کا معنی یہاں رضا ہے جیسا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے باپ دادوں کے شرک سے راضی ہے اور شرک مقصود و مراد ہے لیکن یہ تو ناپسندیدہ ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ '' پس اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا' اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ ان کی ہدایت چاہتا تو وہ سب ایمان لے آتے لیکن اس نے سب کا ایمان نہیں چاہا بلکہ بعض سے ایمان چاہا اور بعض سے کفر' لہٰذا تعارض کو دور کرنے کے لیے یہاں مشیّت کو اس معنی پر محمول کرنا واجب ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے ﴿حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا﴾ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا کہ ہم نے ان پر عذاب نازل کر دیا ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی علمی دلیل ہے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس پر اس دلیل کو بطور حجت پیش کرنا صحیح ہو (اگر ہے) تو تم اس کو ہمارے سامنے پیش کر کے ظاہر کر دو ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴾ تم پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی اور تم تو صرف جھوٹ بولتے ہو۔

۱۴۹- ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ مضبوط و مستحکم حجت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو اس نے اپنے اوامر و نواہی کے ذریعے تم پر قائم کی ہے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ پر اس کی مشیت کے متعلق کوئی حجت نہیں ہے ﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا اور اس آیت مبارکہ سے معتزلہ کا نظریہ باطل ہو گیا۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

آپ فرما دیجئے کہ تم اپنے گواہ پیش کرو جو گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے اس کو حرام کیا ہے' پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دو' اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ (بتوں کو) برابر قرار دیتے ہیں ○

۱۵۰- ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمْ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ تم اپنے گواہوں کو لاؤ اور ان کو میرے سامنے پیش کرو [اور اہل حجاز کے نزدیک اس کلمہ (هَلُمَّ) میں واحد' تثنیہ' جمع اور مذکر و مؤنث برابر استعمال ہوتے ہیں اور بنو تمیم اس کو مؤنث اور جمع لاتے ہیں] ﴿الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا﴾ یعنی جو گواہی دیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دے دیا ہے جس کو انہوں نے اپنے گمان میں حرام سمجھا ہوا ہے ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ﴾ پھر اگر وہ لوگ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور انہوں نے جو گواہی دی ہے آپ اس کو نہ قبول کریں اور نہ اس کی تصدیق کریں کیونکہ جب آپ ان کی بات قبول کر لیں گے تو گویا آپ نے ان کے ساتھ مل کر ان کی گواہی کی طرح گواہی دے دی' سو آپ بھی انہیں میں سے ایک گواہی دینے والے ہو جائیں گے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا [اور اس آیت مبارکہ میں اسم ضمیر کی بجائے

اسم ظاہر بیان کیا گیا ہے] تا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے وہ خواہشات کا پیروکار ہے کیونکہ اگر وہ دلیل کی پیروی کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ضرور تصدیق کرتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر کے موحد بن جاتا ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور نہ ان لوگوں کی پیروی کیجئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ مشرکین ہیں ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب کے ساتھ بتوں کو برابر قرار دیتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِیَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اے محبوب! فرما دیجئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے وہ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو' اور تم اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل نہ کرو' تمہیں اور ان کو رزق ہم ہی دیتے ہیں' اور تم بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ' اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے تم اس کو ناحق قتل نہ کرو' اللہ نے تمہیں یہی حکم دیا ہے تا کہ تم سمجھو O

۱۵۱- ﴿قُلْ﴾ اے محبوب! آپ ان لوگوں کے لیے فرما دیں جنہوں نے کھیتیوں اور مویشیوں کو حرام قرار دے دیا ہے ﴿تَعَالَوْا﴾ تم ادھر (میرے پاس) آؤ۔ [یہ کلمہ خاص سے عام ہو گیا ہے] اور اصل میں یہ لفظ اونچے مکان پر چڑھ کر نیچے والے کو بلانے کے لیے کہا جاتا ہے' پھر اس کا استعمال کثرت سے ہونے لگا یہاں تک کہ ہر طرح بلانے کے لیے عام ہو گیا ﴿اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ﴾ میں تمہیں وہ پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام قرار دیا ہے [''عَلَیْكُمْ'' ''حَرَّمَ'' کا صلہ ہے] ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ [(''اَلَّا'' اصل میں ''اَنْ لَا'' ہے) اس میں حرف ''اَنْ'' تلاوت کے فعل کی تفسیر کرنے کے لیے ہے اور حرف ''لَا'' نہی کا ہے] ﴿وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور جب والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا واجب و لازم ہے تو نیک سلوک کو ترک کرنا اور نیک سلوک نہ کرنا حرام ہوا اس لیے اس کو محرّمات میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی طرح اس کے بعد آنے والے اوامر و احکام کا حکم ہے ﴿وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ﴾ اور تم اپنی اولاد کو فقر و فاقہ اور غربت کی وجہ سے اور غربت کے خوف سے قتل نہ کرو جیسا کہ ارشاد ہے: ''خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ'' (الاسراء:۳۱) ''یعنی غربت کے خوف سے'' ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ﴾ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور ان کو بھی کیونکہ غلام کا رزق آقا کے ذمہ ہوتا ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ اور تم بے حیائی کے کاموں کے نزدیک نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں جو تمہارے اور مخلوق کے درمیان ہوں ﴿وَمَا بَطَنَ﴾ اور خواہ وہ پوشیدہ ہوں جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوں [اور ''مَا ظَهَرَ'' ''اَلْفَوَاحِشَ'' سے بدل ہے] ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور تم کسی شخص کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے مگر حق کے ساتھ جیسے قصاص کے طور پر قتل کرنا اور مرتد ہو جانے پر قتل کرنا اور سنگسار کر کے قتل کر دینا ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ یعنی

مذکورہ بالا جن مسائل کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان کی حفاظت کا تمہارے رب نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مسائل کی عظمت کو سمجھ سکو۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝١٥٢ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝١٥٣

اور تم یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے' اور تم انصاف کے ساتھ ناپ تول پورا کیا کرو' اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتے' اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ کہو خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہو' اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو' اللہ نے تمہیں یہی حکم دیا ہے تاکہ نصیحت قبول کرو○ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے' سو تم اسی کی پیروی کرو' اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے' اللہ نے تمہیں یہی حکم دیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ○

۱۵۲- ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ اور تم یتیم بچوں کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو اور وہ یہ ہے کہ ان کے مال کی حفاظت کی جائے اور اس کو مزید بڑھانے کی منصوبہ بندی کی جائے ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے "اَشُدَّهٗ" کا مطلب ہے کہ یتیم بچہ اپنی جوانی کی حد کو پہنچ جائے (یعنی بالغ و جوان ہو جائے) تو اس کا مال اسے واپس دے دو [اور اس کا واحد "شَدٌّ" ہے جیسے "فَلْسٌ" کی جمع "اَفْلُسٌ" ہے] ﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ﴾ اور تم ناپ تول کو عدل و انصاف کے ساتھ پورا اور برابر کیا کرو ﴿ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ ہم کسی شخص پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتے مگر جس قدر وہ اس کی طاقت رکھتا ہے اور وہ اس کے ادا کرنے سے عاجز نہیں ہوتا اور بے شک ناپ تول کو پورا کرنے کے حکم کے بعد اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ حدود و احکام کی انصاف کے ساتھ رعایت کرنا یہ ہے کہ ان میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی ہو جس سے ان میں حرج واقع ہو' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی وسعت و ہمت اور قدرت و طاقت کی حد تک احکام کی ادائیگی کی ذمہ داری واجب کی ہے اور اس کے ماسوا جو کچھ ہو جائے گا اس سے درگزر کرتے ہوئے معاف کیا جائے گا ﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا ﴾ اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اور سچ بولو ﴿ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ اور اگر چہ جس کے حق میں یا جس کے خلاف گواہی وغیرہ میں بات کہی جائے وہ کہنے والے کا رشتہ دار ہی ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ" (النساء:۱۳۵) "اور وہ گواہی اگر چہ خود تمہارے یا والدین کے اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو' ﴿ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرو یعنی میثاق کے دن اقرارِ ربوبیّت کا عہد اور امر و نہی اور وعدہ و وعید کا عہد اور نذر و منت اور قسموں کا عہد پورا کرو ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ ﴾ یعنی جو کچھ اوپر گزر چکا ہے اس پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا تمہیں اس لیے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو [حمزہ اور علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ایک ''تا'' اور ذال کی تخفیف کے ساتھ ''تَذْكُرُوْنَ'' ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں تشدید کے ساتھ ''تَذَّكَّرُوْنَ'' ہے اور اس کی اصل ''تَتَذَكَّرُوْنَ'' ہے' پھر دوسری ''تا'' کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے]۔

۱۵۳۔ ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ اور اس لیے کہ بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے [لہٰذا یہ لام مقدر کے ساتھ (اصل میں ''لِاَنَّ'' ہے) پیروی کرنے والوں کے لیے علت وسبب ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (وَاَنْ) ہے اور اس کی اصل (وَاَنَّهٗ) ہے اس بنا پر کہ اس میں ''ھا'' ضمیر شان وحدیث کی ہے' قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ابتدا کی بنا پر (وَاِنَّ) ہے اور ''مُسْتَقِیْمًا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ﴾ سو تم صرف اسی کی پیروی کرو اور دین کے معاملے میں تم یہودیت' نصرانیت' مجوسیت اور دیگر بدعت وگمراہی کے مختلف راستوں کی پیروی نہ کرو ﴿ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ﴾ کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے سے جدا کر دیں گے اور تمہیں ہلاکت کی قید میں ڈال دیں گے اور اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ دینِ اسلام ہے اور حدیث شریف بیان کی گئی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی' پھر فرمایا: یہ رشد وہدایت کا راستہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے' پھر آپ نے اس کے ہر دو جانب چھ ٹیڑھی لکیریں کھینچیں' پھر فرمایا: یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان اپنی طرف بلا رہا ہے' سو تم ان سے بچو اور آپ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی'[1] پھر ان بارہ لکیروں میں سے ہر ایک کی چھ لکیریں ہو گئیں تو اس طرح کل ۷۲ بہتر لکیریں ہو گئیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ تمام محکمات ہیں' تمام کتابوں میں سے کسی نے ان کو منسوخ نہیں کیا اور حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک یہ آیات تورات شریف میں سب سے پہلے تھیں ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر عمل کرنے کا تمہیں تاکیدی حکم فرمایا ہے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرنے کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پہلے ''تَعْقِلُوْنَ'' ذکر فرمایا' پھر ''تَذَكَّرُوْنَ'' پھر ''تَتَّقُوْنَ'' ذکر فرمایا کیونکہ پہلے وہ سمجھیں گے تو غور وفکر کریں گے' پھر نصیحت حاصل کریں گے' پھر محارم (حرام چیزوں) سے بچیں گے۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰی طَآىِٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾

ع ۱۹/۶

پھر ہم نے موسیٰ کو اس بندے کی فضیلت وکرامت کی تکمیل کے لیے کتاب عطا فرمائی جو نیکی کرنے' اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں O اور یہ برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے' سو تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے O یہ کہ تم کہہ دو کہ بے شک ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی' اور ہم اس کے پڑھنے سے بے خبر تھے O

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۴۳۵۔۴۶۵' والدارمی ج ۱ ص ۶۷۔۶۸' والحاکم ج ۲ ص ۳۱۸' وابن حبان ص ۷' ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۲

١٥٤- ﴿ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ یعنی پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت فرمائی [یا یہ ''قُلْ'' پر معطوف ہے] یعنی پھر فرما دیجئے کہ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی [یا یہ کہ ''ثُمَّ'' جملہ کے ساتھ واؤ کے معنی میں آتا ہے] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ'' (یونس:٤٦) ''اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام کاموں پر گواہ ہے'' ﴿ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ ﴾ اس پر انعام مکمل کرنے کے لیے جو نیکو کار ہے' اس سے تمام نیکی کرنے والے حضرات مراد ہیں جس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے (عَلَى الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا) ان لوگوں پر انعام مکمل کرنے کے لیے جنہوں نے نیکیاں کیں یا اس سے مراد خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی اس خاص بندے پر انعام واکرام مکمل کرنے کے لیے جس نے تمام احکام کی تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و حکم برداری کا بہترین مظاہرہ کیا ﴿ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ اور لوگوں کو اپنے دین کے معاملے میں جن مسائل و احکام کی ضرورت ہوتی ہے ان تمام کا مفصل بیان اس کتاب میں کر دیا گیا ہے ﴿ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً ﴾ اور (یہ کتاب) سراسر ہدایت و رحمت تھی ﴿ لَّعَلَّهُمْ ﴾ شاید وہ یعنی بنی اسرائیل ﴿ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

نزولِ قرآن کی حکمت' فرقہ بندی کا تذکرہ' نیکی کا دس گنا ثواب

١٥٥- ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ﴾ اور یہ یعنی قرآن مجید بڑی بابرکت کتاب ہے جس میں بے شمار خوبیاں ہیں اس کو ہم نے نازل کیا ہے ﴿ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا ﴾ سو تم اس کی پیروی کرو اور اس کی مخالفت سے بچو ﴿ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

١٥٦- ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْٓا ﴾ یہ کہ تم نفرت سے کہو یا یہ معنی ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ﴿ اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ﴾ بے شک ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی یعنی اہل تورات (بنی اسرائیل) اور اہل انجیل (عیسائی) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مجوس (آتش پرست) اہل کتاب نہیں تھے ﴿ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴾ اور بے شک ہم ان کی کتابوں کی تلاوت سے بے خبر تھے اور ہمیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا [اور ''اِنْ'' ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن کے ساتھ) ہے اور اس کے درمیان اور ''اِنْ'' نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے خبر پر لام داخل کی گئی ہے اور اصل میں ''اِنَّهٗ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ غَافِلِيْنَ'' ہے اس بنا پر کہ ''ھا'' ضمیر شان ہے] اور خطاب اہل مکہ کو ہے اور مقصد یہ ہے کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مجید نازل کر کے اہل مکہ پر حجت و دلیل ثابت کی جائے تاکہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ بے شک تورات اور انجیل ہم سے پہلے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھیں اور ہم ان کتابوں کی تعلیمات سے بے خبر تھے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾

یا تم یہ کہہ دو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت حاصل کر لیتے' سو تمہارے پاس تمہارے

رب کی طرف سے روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آ چکی' تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے منہ پھیر لیا' عنقریب ہم ان لوگوں کو بدترین عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روگردانی کرتے تھے○

۱۵۷- ﴿ اَوْ تَقُوْلُوْا ﴾ یا یہ کہ تم ناگواری سے کہو کہ ﴿ لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ﴾ اگر بے شک ہم پر بھی کتاب نازل کی جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے کیونکہ ہمارے ذہن ان سے تیز ہیں' ہماری فہم و فراست زیادہ روشن ترین ہے اور ایام عرب کے لیے ہمارے حافظے زیادہ مضبوط و مستحکم ہیں ﴿ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ﴾ تو بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن ترین دلیل (قرآن) اور ہدایت اور رحمت آ چکی ہے اگر تم اس (ذہنی برتری) میں سچے ہو جس کو تم اپنے متعلق شمار کرتے ہو تو بے شک تمہارے پاس ایسی کتاب آ چکی ہے جس میں واضح اور روشن بیان ہے اور مضبوط و مستحکم براہین و دلائل موجود ہیں [سو یہاں شرط محذوف ہے اور یہ بہترین محذوفات میں سے ہے] ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ﴾ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی صحت وصداقت کو جاننے اور پہچاننے کے بعد ان کو جھٹلا دیا اور ان سے منہ موڑ لیا اور ''صَدَفَ'' ''اَعْرَضَ'' کے معنی میں ہے یعنی اس نے منہ پھیر لیا ﴿ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ ہم عنقریب ان لوگوں کو بدترین عذاب دیں گے جو ہماری آیتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اور وہ عذاب انتہائی تکلیف دہ اور بہت سخت دکھ پہنچانے والا ہوگا ﴿ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آیات الٰہی سے منہ پھیر لیتے تھے۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں مگر یہی کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا عذاب آ جائے یا آپ کے رب کی کچھ نشانیاں آئیں' جس دن آپ کے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو کسی جان کو ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لائی تھی یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہیں کمائی تھی' آپ فرما دیں کہ تم انتظار کرو بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں○ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں' بے شک ان کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے' پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے○

۱۵۸- ﴿ هَلْ یَنْظُرُوْنَ ﴾ یعنی جب ہم نے توحید اور رسالت کے ثبوت پر واضح دلائل قائم کر دیئے ہیں اور ہم نے ان کے گمراہ اعتقادات کو باطل کر دیا ہے تو اس کے بعد گمراہی کو چھوڑنے میں کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ

الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ مگر یہ کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یعنی ان کی ارواح کو قبض کرنے کے لیے موت کے فرشتے آ جائیں [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''یَاْتِیَهُمُ'' ہے] ﴿ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ ﴾ یا آپ کا رب آئے یعنی آپ کے رب کا حکم آ جائے اور وہ عذاب ہے یا پھر قیامت مراد ہے اور یہ اس لیے کہ رب تعالیٰ کا آنا متشابہات میں سے ہے اور اس کے حکم کا آنا شریعت سے ثابت ہے اور محکم ہے' لہٰذا اس کی طرف لوٹایا جائے گا ﴿ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ﴾ یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں یعنی قیامت کی نشانیاں جیسے سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا اور اس کے علاوہ (جیسے یاجوج و ماجوج کا نکلنا' دھوئیں کا ظاہر ہونا' دجال کا آنا' دابۃ الارض کا نکلنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول فرمانا وغیرہ) ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا ﴾ جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی جان کو اس کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا کیونکہ وہ ایمان اختیاری نہیں اضطراری ہوگا بلکہ وہ عذاب کو دفع کرنے اور اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ایمان لانا ہوگا ﴿ لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ﴾ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لائی [یہ جملہ ''نَفْسًا'' کی صفت ہے] ﴿ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہیں کمائی یعنی اخلاص ۔ جس طرح مغرب سے سورج نکلنے کے بعد کافر کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا اسی طرح اس وقت منافق کا اخلاص اور اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی' مطلب یہ ہے کہ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا اب اس کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور جس نے اس سے پہلے توبہ نہیں کی اب اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی ﴿ قُلِ انْتَظِرُوْٓا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم مذکورہ بالا تینوں نشانیوں میں سے کسی ایک کا انتظار کرو ﴿ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴾ بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ اس ایک نشانی کا انتظار کرنے والے ہیں ۔

۱۵۹ - ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ ﴾ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ یہود کے اکہتر فرقے ہو گئے تھے جو سب کے سب دوزخ میں ہوں گے' سوائے ایک فرقہ کے اور وہی نجات پائے گا اور نصرانیوں کے بہتر فرقے ہو گئے تھے وہ سب کے سب دوزخی ہو گئے ماسوا ایک فرقہ کے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے وہ بھی سب کے سب دوزخی ہوں گے ماسوا ایک فرقہ کے اور وہ سب سے بڑی جماعت ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جماعت اس راہ پر گامزن رہے گی جس راہ پر میں اور میرے صحابہ چلتے رہے[1] اور بعض مفسرین نے فرمایا: انہوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) اپنے دین کے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے کہ وہ اپنی کتاب کے بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا [اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''فَارَقُوْا دِيْنَهُمْ'' ہے] یعنی انہوں نے اپنا اصل دین چھوڑ دیا ﴿ وَكَانُوْا شِيَعًا ﴾ اور وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ نے اپنا ایک الگ امام بنا لیا ﴿ لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ﴾ آپ کا ان میں سے کسی کے ساتھ کچھ تعلق نہیں یعنی نہ تو ان سے متعلق آپ سے سوال کیا جائے گا اور نہ ان کے فرقوں کے بارے میں آپ سے پوچھا جائے گا اور نہ ہی ان کے انجام کے بارے میں آپ سے باز پرس ہوگی ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ بے شک ان کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ لوگ کرتے رہے تھے اور وہ ان کو اس پر سزا دے گا۔

---

[1] رواہ ابوداؤد فی کتاب السنۃ باب ۱' الترمذی فی کتاب الایمان باب ۱۸' ابن ماجہ فی کتاب الفتن باب ۱۷' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۳۱' ج ۳ ص ۱۴۵

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس ہوں گی' اور جو شخص ایک بُرائی لائے گا تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گاO آپ فرمادیں کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھادی ہے' مستحکم دین' ابراہیم کی ملت جو ہر باطل سے الگ ہے' اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھےO آپ فرمادیں: بے شک میری نماز اور میری دیگر تمام عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہےO اس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوںO

۱۶۰- ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی کیونکہ اصل عبارت یہ ہے: ''عَشْرُ حَسَنَاتٍ اَمْثَالِهَا'' [مگر جنسِ ممیّزہ کی صفت کو موصوف کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور جو شخص ایک برائی لائے گا تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی مگر اس برائی کے برابر اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ثواب میں کمی کر کے اور سزا میں اضافہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قریش مکہ کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوابات اور خلافت کا تذکرہ

۱۶۱- ﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھادی ہے [قاری ابو عمرو اور نافع مدنی کی قراءت میں ''رَبِّیَ'' (''یَا'' پر سکون کی بجائے زبر) ہے] ﴿دِیْنًا﴾ [''صراط مستقیم'' کے محل سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ اصل میں ''هَدٰىنِیْ رَبِّیْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا'' ہے] جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا'' (الفتح:۲۰) ''اور وہ تمہیں سیدھی راہ دکھادے'' ﴿قِیَمًا﴾ [فَیعل کے وزن پر ہے اور ''قَامَ'' سے ماخوذ ہے جس طرح ''سَیِّد''، ''سَادَ'' سے ماخوذ ہے اور یہ قائم سے زیادہ بلیغ ہے اور کوفیوں اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قِیَمًا'' (یعنی قاف کے نیچے زیر اور ''یا'' کے اوپر بغیر شد کے زبر) ہے اور یہ مصدر ہے قیام کے معنی میں ہے اور ''دِیْنًا'' کی صفت ہے] ﴿مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ﴾ [''دِیْنًا'' کا عطف بیان ہے] ﴿حَنِیْفًا﴾ [ابراہیم سے حال ہے] ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور اے قریش کی جماعت! حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں تھے (بلکہ وہ توحید پرست تھے)۔

۱۶۲- ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ﴾ اے محبوب فرمادیں کہ بے شک میری نماز اور میری عبادت [یعنی ''نُسُكِیْ'' کا

معنی "عِبَادَتِی" ہے اور "ناسك" کا معنی عابد ہے یا میری قربانی یا میرا حج (مراد ہے)] ﴿وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ﴾ اور میری زندگی اور میری موت اور جو کچھ مجھے میری زندگی میں عنایت کیا گیا اور جس پر میری موت واقع ہو گی یعنی ایمان اور اطاعات و اعمالِ نیک ﴿لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے خالص اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہیں [قاری نافع مدنی کی قراءت "مَحْيَاىْ" میں "یا" ساکن ہے اور "مَمَاتِيَ" میں "یا" پر فتح یعنی زبر ہے اور اس کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک اس کا برعکس ہے]۔

۱٦٣- ﴿لَا شَرِیْكَ لَهٗ﴾ اس میں سے کسی چیز میں اس کا کوئی شریک نہیں ﴿وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ﴾ اور مجھے اسی اخلاص کا حکم دیا گیا ہے ﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں کیونکہ ہر نبی کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے مقدم اور پہلے ہوتا ہے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ
اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ
فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ
وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع

آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے' اور کوئی شخص نہیں کماتا مگر اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے' اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی' پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے' سو وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند فرمایا تا کہ اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے' بے شک آپ کا رب بہت جلد حساب لینے والا ہے' اور بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○

۱٦٤- ﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور رب چاہوں گا (ہرگز نہیں) یہ کفار کی دعوت کا جواب ہے جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے معبودوں کی عبادت کرنے کی دی تھی [اور اس میں ہمزہ انکار کے لیے ہے] یعنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو رب بنانے کا منکر ہوں [اور مفعول کو مقدم لانے میں یہ آگاہ کرنا ہے کہ بے شک یہی سب سے زیادہ اہم ہے] ﴿وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ﴾ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز اس کی پروردہ ہے اور موجودات میں اس کے علاوہ کسی کے لیے ربوبیّت ثابت نہیں ہے ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا﴾ اور کوئی جان نہیں کمائے گی مگر اس کا وبال اسی پر ہو گا۔ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے کہ "اِتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ" (العنکبوت:١٢) "کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہماری راہ پر چلو اور تمہارے گناہ ہم اٹھا لیں گے" ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کے گناہ کے سبب گناہ میں گرفتار نہیں کی جائے گی ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ پھر تم

نے اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے تو وہ تمہیں وہ سب کچھ بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے یعنی ان ادیان کے بارے میں جن کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

۱۶۵-﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ اور وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین پر جانشین بنایا کیونکہ حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں میں آخری امت ہے یا اس لیے کہ لوگ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور جانے والوں کے بعد آنے والے ان کے جانشین بن جاتے ہیں یا یہ کہ بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں کہ اس کی بخشش سے اس کی زمین کے مالک بن جاتے ہیں اور اس میں اپنے اختیارات وتصرفات استعمال کرتے ہیں ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ﴾ اور اسی نے تم میں سے بعض کو عزت وشرافت' مال ودولت اور رزق وغیرہ میں دوسرے بعض پر بلندی وترقی نصیب فرمائی ﴿دَرَجٰتٍ﴾ درجوں میں [یہ ''رَفَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے یا اصل میں ''اِلٰی دَرَجَاتٍ'' ہے یا یہ مصدر کی جگہ پر واقع ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ترقی پر ترقی نصیب فرمائی ﴿لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال ودولت اور شان وشوکت کی جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں تمہیں آزمائے کہ تم ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کرتے ہو اور تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ معزز کمتر کے ساتھ اور مال دار غریب کے ساتھ اور مالک اپنے ماتحت کے ساتھ کس طرح برتاؤ اور رویہ اختیار کرتا ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾ بے شک آپ کا رب ہر اس شخص کو جلد سزا دینے والا ہے جس نے اس کی نعمتوں پر ناشکری کا مظاہرہ کیا ﴿وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور بے شک وہ ہر اس شخص کو بہت بخشنے والا' بے انتہا رحم فرمانے والا ہے جس نے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں سزا کو جلدی کے ساتھ بیان فرمایا کیونکہ وہ بہت جلد آنے والی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ'' (النحل:۷۷) ''اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر پلک جھپکنے کی طرح بلکہ اس سے بھی قریب'' حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص روزانہ صبح کے وقت سورۃ الانعام کی شروع کی تین آیات تلاوت کیا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دے گا جو اس کی حفاظت کریں گے اور قیامت تک اس کے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب لکھا جاتا رہے گا[1]

آیاتہا ۲۰۶ سورۃ الاعراف مکیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	رکوعاتہا ۲۴

سورۃ الاعراف مکی ہے   اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○   اس کی ایک دو سو چھ آیات' چوبیس رکوع ہیں

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ

وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا

بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ

[1] رواہ ابن الضریس فی فضائل القرآن رقم الحدیث: ۲۰۰' وانظر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴۶ وفتح القدیر ج ۲ ص ۱۱۹

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

المص ۝ یہ کتاب آپ پر نازل کی گئی' سو آپ کے سینہ میں اس سے کوئی تنگی نہ ہوتا کہ آپ اس کے ذریعے (لوگوں کو) ڈرائیں اور مؤمنوں کو نصیحت کریں ۝ (اے لوگو!) تم صرف اسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور تم اللہ کو چھوڑ کر اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو' تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو ۝ اور بہت سی بستیاں ہم نے برباد کردیں' سو ہمارا عذاب ان پر رات کو آیا یا جب وہ دوپہر کو سورہے تھے ۝ جب ان پر ہمارا عذاب آ گیا تو ان کی پکار اور کچھ نہیں تھی مگر صرف یہ کہ بے شک ہم ظالم تھے ۝ تو بے شک ہم ان سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے اور بے شک ہم رسولوں سے ضرور پوچھیں گے ۝ پھر ہم اپنے علم سے ان پر بیان کردیں گے اور ہم غائب نہیں تھے ۝

نزول قرآن کی حکمت' قوموں کی ہلاکت کا سبب اور میزان کا قائم ہونا

۱- ﴿ الٓمّٓصٓ ﴾ علامہ زجاج نے فرمایا کہ ان حروف کی تفسیر میں بہترین و پسندیدہ قول وہی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاُفَصِّلُ'' میں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہوں اور میں تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

۲- ﴿ كِتٰبٌ ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''هُوَ كِتَابٌ'' ہے] یعنی یہ کتاب ﴿ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ آپ پر نازل کی گئی ہے اور کتاب سے مراد سورت ہے۔ ﴿ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ﴾ تو اس کے بارے میں آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو اور نہ اس کے حق ہونے میں شک ہو اور شک کو حرج کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ شک کرنے والے کا سینہ اس کے شک کی وجہ سے تنگ ہو جاتا ہے جیسا کہ یقین رکھنے والے کا سینہ اس کے یقین کی وجہ سے کھل جاتا ہے یعنی اس کتاب کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں آپ کو کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے یا یہ کہ اس کتاب کی تبلیغ کرنے میں آپ کو کسی قسم کا رنج و ملال نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ کو اپنی قوم کے بارے میں یہ اندیشہ رہتا تھا کہ وہ لوگ اس کتاب کو جھٹلا دیں گے اور اس سے منہ پھیر لیں گے اور آپ کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائیں گے تو آپ کا سینۂ اقدس ان تکلیفوں کے خوف سے تنگ ہو جاتا تھا' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور آپ کو اطمینان دلایا اور آپ کو کافروں کی پرواہ کرنے سے بے نیاز کر دیا اور ان کی تکلیفوں سے بے نیاز ہو کر انہیں ڈرانے کا حکم دیا [اور اس میں نہی حرج کی طرف متوجہ ہے اور اس میں بہت بڑی بلاغت ہے اور حرف ''فا'' عطف کے لیے ہے] یعنی یہ عظیم الشان کتاب ہے جس کو میں نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اس کتاب کے نازل ہو جانے کے بعد آپ کے سینۂ مبارک میں رنج و ملال اور تنگی نہیں ہونی چاہیے ﴿ لِتُنْذِرَ بِهٖ ﴾ اس میں لام ''اُنْزِلَ'' کے متعلق ہے] یعنی یہ کتاب آپ پر اس لیے نازل کی گئی ہے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں [یا یہ لام نہی کے متعلق ہے] کیونکہ جب آپ ان سے نہیں ڈریں گے تو ان کو ڈرائیں گے اور اسی طرح جب آپ کو یہ یقین حاصل ہو گیا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو لوگوں کو ڈرانے کے لیے یہ یقین آپ کو شجاع و بہادر بنا دے گا کیونکہ صاحب یقین بہادر و نڈر اور بے باک ہوتا ہے اور اسے صرف اپنے رب تعالیٰ پر مکمل بھروسا اور کامل اعتماد ہوتا ہے ﴿ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [''ذِكْرٰى'' اپنے پوشیدہ فعل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے' اصل میں ''لِتُنْذِرَ بِهٖ وَتُذَكِّرَ تَذْكِيْرًا'' ہے کیونکہ ''ذِكْرٰى''

"تَذْكِيْر" کے معنی میں اسم ہے]اور اس کا معنی یہ ہے کہ تا کہ آپ اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ڈرائیں اور مؤمنوں کو خوب نصیحت کریں [یا یہ کتاب پر معطوف ہونے کی بنا پر مرفوع (یعنی اس پر پیش) ہے] یعنی یہ کتاب ہے اور مؤمنوں کے لیے نصیحت ہے [یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا "لِتُنْذِرَ بِهٖ" کے محل پر معطوف ہونے کی بنا پر مجرور ہے اصل میں "لِلْاِنْذَارِ وَلِلذِّكْرٰى" ہے] یعنی لوگوں کو ڈرانے اور نصیحت کرنے کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی ہے۔

۳۔﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو یعنی قرآن وسنت کی پیروی کرو ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوستوں کی پیروی نہ کرو یعنی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جنوں اور انسانوں کے شیطانوں میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں بتوں کی عبادت اور خواہشاتِ نفسانی اور بدعت پر آمادہ کریں گے ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ دیتے ہو اور غیروں کی پیروی کرتے ہو [اور "قَلِيْلًا"، "تَذَكَّرُوْنَ" کی وجہ سے منصوب ہے' اصل میں "تَذَكَّرُوْنَ تَذَكُّرًا قَلِيْلًا" ہے اور لفظ "مَا" قلت کی تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تَتَذَكَّرُوْنَ" ہے]۔

٤۔﴿ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ﴾ اور ہم نے بہت سی بستیاں برباد کر دیں یعنی ہم نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ" (المائدہ:٦) "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو" [اور "كَمْ" مبتدا ہے اور "مِنْ" بیانیہ ہے اور "اَهْلَكْنَاهَا" اس کی خبر ہے] ﴿ فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا ﴾ تو ان بستیوں کے باشندوں پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا [اس میں "بَيَاتًا" مصدر ہے اور حال کی جگہ پر واقع ہے' "بَائِتِيْنَ" کے معنی میں ہے] یعنی ان پر ہمارا عذاب اس وقت آیا جب وہ سو رہے تھے' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "بَاتَ بَيَاتًا حَسَنًا" فلاں آدمی نے رات پُر سکون حالت میں گزاری ﴿ اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴾ یا وہ قیلولہ کر رہے تھے (دوپہر کے سونے کو قیلولہ کہتے ہیں) [یہ "بَيَاتًا" پر معطوف ہو کر حال ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ان پر ہمارا عذاب اس وقت آیا جب وہ رات کو سو رہے تھے یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے [اور بے شک "هُمْ قَآئِلُوْنَ" کو واؤ کے بغیر ذکر کیا گیا ہے اور اس پر یہ نہ کہا جائے کہ "جَآءَنِيْ زَيْدٌ هُوَ فَارِسٌ" میں حال بغیر واؤ کے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ جب کسی کا ماقبل حال پر عطف کیا جائے تو دو حرفِ عطف جمع ہو جانے کی بنا پر ثقل پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے واؤ کو حذف کر دیا جاتا ہے' بہر حال یہاں بغیر واؤ کے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ حال کی واؤ بھی عطف ہی کی واؤ ہوتی ہے جس کو ملانے کے معنی میں لیا جاتا ہے] اور اس آیت مبارکہ میں ان دو وقتوں کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ دونوں وقت غفلت و بے خبری کے ہوتے ہیں تو ان دو وقتوں میں عذاب کا نزول زیادہ سخت ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر خوف زدہ اور پریشان کر دیتا ہے' چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو رات میں سحری کے وقت ہلاک کیا گیا تھا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو قیلولہ کے وقت (یعنی دوپہر کے وقت سوتے میں) ہلاک کیا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "بَيَاتًا" کا معنی رات ہے یعنی انہیں رات کے وقت ہلاک کیا گیا تھا جب کہ وہ غفلت کی نیند سو رہے تھے یا دن کے وقت انہیں ہلاک کیا گیا تھا جب کہ قیلولہ کر رہے تھے۔

۵۔﴿ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ ﴾ جب ان پر ہمارا عذاب شروع ہونے لگا تو ان کی چیخ و پکار اور آہ و زاری نہیں تھی ﴿ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا: بے شک ہم لوگ بہت بڑے ظالم تھے یعنی انہوں نے اس وقت اپنے آپ پر ظلم و شرک کا اعتراف و اقرار کر لیا تھا لیکن اس وقت کے اعترافِ جرم نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا تھا

[اور ''دَعْوَاهُمْ''، ''کَانَ'' کا اسم ہے اور ''اِلَّا اَنْ قَالُوْا'' اس کی خبر ہے اور اس کا برعکس بھی جائز ہے]۔

۶۔﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ﴾ پھر بے شک ہم ضرور پوچھیں گے ان لوگوں سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے کہ انہوں نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیئے تھے اور ان لوگوں سے کہ جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے انبیائے کرام کی امتیں مراد ہیں [اور ''اُرْسِلَ'' کو ''اِلَيْهِمْ'' کی طرف مسند کیا گیا ہے] جس کا مطلب یہ ہے کہ جن امتوں کی طرف رسول بھیجے گئے تھے ہم ان سے ضرور بالضرور باز پرس کریں گے ﴿وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک ہم رسولانِ گرامی قدر سے ضرور سوال کریں گے کہ انہیں امتوں کی طرف سے کیا جواب دیئے گئے تھے۔

۷۔﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ﴾ تو بے شک ہم ان پر یعنی رسولوں پر اور ان کے امتیوں پر جن کی طرف یہ رسول بھیجے گئے تھے ضرور بیان کر دیں گے جو کچھ ان سے ہوا تھا ﴿بِعِلْمٍ﴾ علم کے ساتھ کیونکہ ہم ان کے ظاہر اور باطن کے احوال کو نیز ان کے تمام اقوال و افعال کو خوب جانتے ہیں ﴿وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴾ اور ہم ان سے اور ان کے احوال و اقوال اور افعال سے بے خبر نہیں تھے اور ان سے سوال کرنے کا معنی یہ ہے کہ جب وہ لوگ اپنی زبانوں سے جھوٹ بولیں گے اور انبیائے کرام علیہم السلام ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دھمکائے گا اور ان کو ڈانٹے گا۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

ع ۸

اور اس دن کا وزن برحق ہے' سو جس کے پلّے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ فلاح پائیں گے O اور جس کے پلے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا یہ اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے O اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر ٹھہرنے کی قدرت دی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی گزارنے کے لیے روزیاں مقرر کر دیں' تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا' پھر ہم نے تمہاری شکل و صورت بنائی' پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو' تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا O

۸۔﴿وَالْوَزْنُ﴾ یعنی اعمال کا وزن کیا جائے گا تاکہ بھاری اور ہلکے' زیادہ اور تھوڑے اعمال میں فرق واضح کیا جائے [اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ ہے جو اصل میں ''يَوْمَ يَسْاَلُ اللّٰهُ الْاُمَمَ وَرُسُلَهُمْ'' ہے] یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں اور ان کے پیغمبروں سے پوچھے گا' [پھر جملہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں تنوین لائی گئی ہے] ﴿اِلْحَقُّ﴾ برحق ہے یعنی قیامت کے دن اعمال کا وزن برحق اور عین انصاف ہے' پھر کہا گیا ہے کہ اس کی صفت یہ ہو گی کہ اعمال کے صحیفوں کو ایک ایسے ترازو میں تولا جائے گا جس کی ایک زبان ہو گی اور دو پلڑے ہوں گے تاکہ انصاف

کو واضح کیا جائے اور معذرت کو ختم کیا جائے اور بعض نے فرمایا کہ حق سے بغیر کی بیشی کے مساوی اور برابر فیصلہ کرنا مراد ہے اور عین انصاف پر مبنی فیصلہ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کیفیت کو خوب جانتا ہے ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ سو جس کے تولے گئے اعمال کا وزن اور قدر بھاری ہوگا اور وہ نیکیاں ہوں گی یا جس کے ساتھ نیکیوں کا وزن کیا جائے گا[1] ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ تو یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہوں گے۔

۹۔ ﴿ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ اور جن کے اعمال کے وزن ہلکے ہوں گے' یہ کفار ہوں گے' چونکہ ان کا ایمان نہیں اس لیے ان کے اعمال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' سو ان کے میزان میں کوئی نیکی نہیں ہوگی اس لیے ان کے وزن ہلکے ہوں گے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴾ تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے یعنی ان کا انکار کرتے تھے اور آیات سے دلائل مراد ہیں اور ان کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ مناسب جگہ رکھنے کی بجائے ان کو غیر مناسب جگہ پر رکھنا یعنی ان کا انکار کرنا اور ان کی اطاعت و فرماں برداری نہ کرنا۔

۱۰۔ ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر قدرت دی کہ ہم نے تمہارے لیے اس میں مکان اور رہائش گاہیں بنائیں یا ہم نے تم کو اس میں جماؤ اور کنٹرول دیا اور ہم نے اس میں تصرف کرنے کا اختیار دیا ﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ﴾ اور ہم نے اس میں تمہارے لیے سامان زندگی پیدا کر دیا [''مَعَايِشَ'' ''مَعِيْشَة'' کی جمع ہے اور اس سے کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی کے تمام اسباب مراد ہیں اور اس میں ''یا'' کو ثابت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصلی ''یا'' ہے' بہ خلاف صحائف کے کہ اس میں ''یا'' زائدہ ہے اور نافع مدنی سے منقول ہے کہ وہ ہمزہ ہے صحائف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے] ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو' یہ ''قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ'' (الاعراف:۳) کی طرح ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ

۱۱۔ ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ یعنی بے شک ہم نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر کسی صورت کے مٹی سے پیدا کیا' پھر اس کے بعد ہم نے ان کے نقش و نگار اور ان کی شکل و صورت بنائی جس کی دلیل یہ ہے ﴿ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا یعنی ان میں سے نہ ہوا جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

[1] ''موازین'' ''میزان'' کی جمع ہے یا موزون کی جمع ہے۔

لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْؕ-وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴿۱۷﴾

اللہ نے فرمایا: تجھے کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا' اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہےO اللہ نے فرمایا: تو یہاں سے اتر جا' سو تیرے لیے جائز نہیں کہ تو اس میں تکبر کرے' پس تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہےO اس نے کہا: مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گےO اللہ نے فرمایا: بے شک تجھے مہلت دے دی گئیO اس نے کہا: مجھے قسم ہے اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں ضرور بیٹھوں گاO پھر میں ان کے پاس ضرور آؤں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے' اور تو ان میں اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گاO

۱۲- ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ [''مَا'' مرفوع ہے' اصل میں ''اَیُّ شَیْءٍ مَنَعَكَ مِنَ السُّجُوْدِ'' یعنی تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا ہے اور اس میں ''لَا'' زائدہ ہے] جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ'' (ص:۷۵) ''تجھے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا'' اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ''لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ'' (الحدید:۲۹) [اصل میں ''لِیَعْلَمَ'' ہے] ''یعنی تا کہ اہل کتاب جان لیں'' ﴿اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا' [یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے] پھر اللہ تعالیٰ کا سب کچھ جاننے کے باوجود شیطان سے سجدہ نہ کرنے پر سوال کرنا صرف اسے ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے تھا' نیز اس کے کفر وعناد' تکبر کرنے' اپنی اصل پر فخر کرنے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اصل کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کا اظہار کرنے کے لیے تھا ﴿قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ﴾ اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور یہ نار ایک نورانی اور لطیف جوہر ہے ﴿وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور یہ طین ایک ظلمانی اور کثیف جسم ہے اور دراصل شیطان خبیث نے غلط کہا بلکہ مٹی آگ سے افضل ہے کیونکہ مٹی میں سنجیدگی اور وقار ہے اور اس سے حلم و بردباری اور شرم وحیاء اور صبر پیدا ہوتا ہے اور یہ انسان کو توبہ اور استغفار کی دعوت دیتی ہے اور جب کہ آگ میں طیش وحرارت ہے اور بلندی ہے اور یہ چیزیں تکبر کی دعوت دیتی ہیں اور مٹی مما لک کا سامان ہے جب کہ آگ مہالک کا سامان ہے اور آگ خیانت و بربادی کا خزانہ ہے اور مٹی امانت وترقی کا خزانہ ہے اور مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے اور اسے ختم کر دیتی ہے لیکن آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی اور یہ وہ فضائل ہیں جن سے شیطان لعین غافل و بے خبر تھا یہاں تک کہ فاسد قیاس کر کے پھسل گیا اور قیاس کے انکار کرنے والے کا یہ کہنا کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا قیاس ہے اس بنا پر کہ قیاس کو ثابت کرنے والے کے نزدیک شرعی نص کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا مردود ہوتا ہے اور ابلیس کا قیاس شرعی حکم سے عناد کی وجہ سے تھا اور ''مَا مَنَعَكَ'' کا جواب یہ تھا کہ ابلیس کہتا کہ مجھے میری فضیلت و برتری نے منع کیا ہے لیکن اس نے یہ کہنے کی بجائے ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ'' کہا کیونکہ اس نے ایک نیا قصہ شروع کر دیا اور اس میں اپنی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام پر اپنی فضیلت کی خبر سنا دی اور ان پر اپنی فضیلت کی علت بیان کر دی جس سے اس کا جواب معلوم ہو گیا گویا شیطان نے جواب دیا: ''مَنَعَنِیْ مِنَ السُّجُوْدِ فَضْلِیْ عَلَیْهِ'' یعنی مجھے سجدہ کرنے سے میری ان پر فضیلت اور ان پر میری برتری نے منع کیا ہے اور یہ حکم خداوندی کا

انکار ہے اور اس بات کو بہت بعید قرار دینا ہے کہ اس جیسے کو اس جیسے کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے۔

۱۳۔﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اس سے اتر جا یعنی جنت سے یا آسمان سے (نیچے زمین پر) اتر جا کیونکہ وہ اس میں رہتا تھا جب کہ وہ فرماں برداروں اور عاجزی اختیار کرنے والوں کی آرام گاہ ہے (اس لیے نافرمانی کرنے پر شیطان جنت سے نکال دیا گیا ہے) [اور ''فَاهْبِطْ'' میں ''فا'' ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' کے جواب کے لیے ہے] یعنی اگر تو تکبر و غرور کرتا ہے تو یہاں سے نیچے اتر جا ﴿فَمَا يَكُوْنُ لَكَ﴾ سو تیرے لیے یہ صحیح نہیں ہے ﴿اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا﴾ کہ تو اس میں تکبر کرے اور نافرمانی کرے ﴿فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ پس تو یہاں سے نکل جا بے شک تو ذلت و رسوائی اٹھانے والوں میں سے ہے' چنانچہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیائے کرام کے نزدیک ذلیل ہے' ہر انسان تیری مذمت بیان کرے گا اور ہر آدمی تجھ پر لعنت کرے گا' یہ سب کچھ تیرے تکبر کی وجہ سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر و غرور کو ذلت و رسوائی لازم ہے۔

۱۴۔﴿قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ شیطان نے کہا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے یعنی مجھے حشر کے دن تک مہلت دے دے اور اس سے صور کے نفخۂ ثانی تک کا وقت مراد ہے۔

۱۵۔﴿قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تجھے مہلت دے دی گئی ہے یعنی نفخۂ اولیٰ تک اور بے شک اتنے لمبے عرصے تک اس کی دعا اس لیے قبول کر لی گئی تھی کہ اس میں عام بندوں کی آزمائش ہے اور احباب کے قلوب کو قریب لانا ہے یعنی یہ بھلائی اس کے ساتھ ہے جو مجھے گالیاں دیتا ہے تو اس کے ساتھ میں کیسا برتاؤ کروں گا جو مجھ سے محبت کرتا ہے اور باقی رہی یہ بات کہ شیطان کو باوجود اس کے کہ وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے مقام سے گر چکا تھا یہ سوال کرنے کی ہمت و جرأت کیسے ہوئی؟ تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ بزرگ و برتر خدا کے حلم و بردباری کو جانتا تھا۔

۱۶۔﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ شیطان نے کہا: سو مجھے قسم ہے اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا یعنی مجھ کو تیرے گمراہ کرنے کے سبب [اور ''بـا'' قسم کے محذوف فعل کے متعلق ہے] مطلب یہ ہے: سو میں تیرے گمراہ کرنے کے سبب قسم اٹھاتا ہوں [یا پھر یہ ''بـا'' قسم کے لیے ہے] یعنی تیرے گمراہ کرنے کی وجہ سے میں قسم کھاتا ہوں کہ ﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ البتہ میں ضرور ان کی تاک میں تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا یعنی میں اسلام کے راستے پر ان کا مقابلہ کروں گا اور انہیں مرتد کرنے کے لیے میں ان کی تاک میں رہوں گا اور میں انہیں حق سے روکنے کے لیے ان کا تعاقب کروں گا جیسا کہ دشمن راستے پر گھات لگاتا ہے تاکہ مسافر کو لوٹ کر سر عام سڑک پر مار ڈالے [اور ''صراط'' کا منصوب ہونا ظرف کی بنا پر ہے] جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''ضَرَبَ زَيْدٌ الظَّهْرَ يَعْنِيْ عَلَى الظَّهْرِ''۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ آپ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ ایک قدری عقیدہ کا آدمی آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو خود کھڑا ہوتا ہے یا تجھے کھڑا کیا جاتا ہے تو وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور حضرت طاؤس سے عرض کی گئی کہ کیا آپ یہ بات فقیہ آدمی سے فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ شیطان اس سے زیادہ فقیہ ہے کیونکہ اس نے کہا تھا: ''رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ'' اے میرے رب! تو نے مجھے گمراہ کر دیا' حالانکہ یہ (قدری) آدمی تو کہتا ہے کہ میں خود اپنے آپ کو گمراہ کرتا ہوں[1]

[1] قدری عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق و مختار ہے اللہ تعالیٰ کا انسان کے افعال سے کوئی تعلق نہیں' اس کے برعکس جبری عقیدہ یہ ہے کہ انسان محض مجبور ہے' سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے جب کہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان نہ بالکل خود مختار ہے اور نہ بالکل مجبور ہے بلکہ کسی بھی فعل کا کسب اور ارادہ تو انسان خود کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس ارادے کے مطابق اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے' لہٰذا تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان کا کاسب و مختار انسان ہے۔ غوثوی

۱۷۔﴿ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ ﴾ پھر میں ضرور ان کے پاس ان کے سامنے سے آؤں گا اور ان کے دلوں میں آخرت کے بارے میں شک ڈال دوں گا ﴿ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ ﴾ اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور ان کو دنیا کی رغبت دلا کر دنیا میں مشغول کردوں گا ﴿ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ ﴾ اور ان کی دائیں طرف سے آؤں گا یعنی ان کی نیکیوں کی طرف سے آؤں گا (اور انہیں تکبر وریا میں مبتلا کردوں گا) ﴿ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْ ﴾ اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا یعنی ان کی برائیوں کی طرف سے آؤں گا (اور انہیں گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا کردوں گا) اور یہ شمال کی جمع ہے یعنی پھر میں چاروں سمتوں سے ان پر حملہ آور ہوں گا جن سے عموماً دشمن حملہ آور ہوتے ہیں۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ روزانہ صبح کے وقت شیطان چاروں مورچوں میں میری تاک میں بیٹھا ہوتا ہے' پھر میرے آگے کی سمت سے میرے پاس آتا ہے اور کہتا کہ تو خوف زدہ نہ ہو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے تو میں یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتا ہوں: ''وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی'' (طٰہٰ:۸۲) ''اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں ہر اس شخص کو جس نے توبہ کر لی اور مسلمان ہو گیا اور نیک کام کیے' پھر وہ ہدایت پر قائم رہا'' پھر وہ میرے پیچھے سے آتا ہے اور مجھے میری اولاد کے ضائع ہونے اور ان کے غریب وفقیر ہونے کا خوف دلاتا ہے تو میں یہ آیت مبارکہ پڑھتا ہوں: ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا'' (ھود:۶) ''اور زمین پر کوئی جان دار نہیں رہتا مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے'' پھر وہ میری دائیں طرف سے آتا ہے اور میری تعریف شروع کر دیتا ہے (تاکہ میں تکبر وغرور میں مبتلا ہو کر اپنی نیکیاں برباد کرلوں) تو میں یہ آیت مبارکہ پڑھتا ہوں: ''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ'' (الاعراف:۱۲۸) ''اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے'' پھر وہ میری بائیں طرف سے آتا ہے اور مجھے خواہشات وشہوات کی طرف راغب کرتا ہے (تاکہ گناہوں میں مشغول ہو کر دوزخی ہو جاؤں) تو یہ آیت مبارکہ پڑھتا ہوں: ''وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ'' (سبا:۵۴) ''اور رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ان کے درمیان اور اس کے درمیان جس کو وہ چاہتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے ''مِنْ فَوْقِهِمْ'' اور ''مِنْ تَحْتِهِمْ'' یعنی اوپر اور نیچے کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اوپر کی جہت نزول رحمت کی جگہ ہے اور نیچے کی سمت سجدہ عبادت کی جگہ ہے [پھر اللہ تعالیٰ نے پہلی دو سمتوں میں حرف ''مِنْ'' ذکر فرمایا ہے جو ابتدائے غایت کے لیے آتا ہے اور آخری دو سمتوں میں حرف ''عَنْ'' ذکر فرمایا ہے کیونکہ حرف ''عَنْ'' انحراف پر دلالت کرتا ہے] ﴿ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴾ اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا یعنی بہتوں کو ایمان دار نہیں پائے گا اور شیطان نے ظن اور گمان کے طور پر کہا تھا لیکن یہ گمان درست نکلا' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ'' (السباء:۲۰) ''اور بے شک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا'' یا شیطان نے فرشتوں سے سن لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دے دی تھی۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـٴَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَ یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَاوٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ

هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ۝ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝

اللہ نے فرمایا: تو یہاں سے ذلیل راندہ ہوا نکل جا' البتہ ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا O اور اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے O پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں خطرہ ڈالا تا کہ ان کے سامنے شرم کی چیزیں ظاہر کر دے جو ان سے پوشیدہ تھیں اور اس نے کہا: تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لیے کہ تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے یا تم ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ گے O اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں O

۱۸- ﴿قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا یعنی جنت سے یا آسمان سے نکل جا ﴿مَذْءُوْمًا﴾ سخت عیب دار [یہ ''ذَاَمَهٗ'' سے ماخوذ ہے جب اس کی مذمت کی جائے اور ''ذَاْمٌ'' اور ''ذَمٌّ'' کا معنی عیب ہے] ﴿مَّدْحُوْرًا﴾ مردود اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے راندہ ہوا ﴿لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ خدا کی قسم! ان میں سے جو شخص تیری پیروی کرے گا [اس میں لام قسم کے لیے ہے (اور ''مَنْ'' شرطیہ ہے) اور اس کا جواب ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ﴾ ہے اور یہ جوابِ شرط کے قائم مقام ہے] یعنی میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا ﴿مِنْكُمْ﴾ تجھ سے اور ان سے [پھر غلبہ کے طور پر جمع مخاطب کی ضمیر لائی گئی ہے] ﴿اَجْمَعِیْنَ﴾ سب۔

۱۹- ﴿وَیٰۤاٰدَمُ﴾ اصل میں ''وَقُلْنَا یَا اٰدَمُ'' ہے یعنی ابلیس مردود کو جنت سے نکالنے کے بعد ہم نے آدم سے فرمایا: اے آدم! ﴿اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں اس کو اپنا مسکن بنا لو ﴿فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ سو تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ ورنہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

۲۰- ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ﴾ سو شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں خطرہ ڈالا ''وَسْوَسَ'' کا معنی ہے کہ کسی سے آہستہ اور پوشیدہ طور پر بار بار بات کرنا [اور ''رَجُلٌ مُوَسْوِسٌ'' دوسری واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ کہا جاتا ہے اور ''مُوَسْوَسٌ'' دوسری واؤ پر زبر کے ساتھ نہیں بولا جاتا لیکن ''مُوَسْوِسٌ لَهٗ'' اور ''مُوَسْوَسٌ اِلَیْهِ'' دونوں استعمال ہوتے ہیں] اور اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جس کی طرف وسوسہ ڈالا جائے اور ''وَسْوَسَ لَهٗ'' کا معنی ہے: اس کی خاطر وسوسہ ڈالنے کا کام کرنا اور ''وَسْوَسَ اِلَیْهِ'' کا معنی ہے: اس کی طرف وسوسہ ڈالا ﴿لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ تا کہ وہ ان دونوں کے لیے ظاہر کر دے جس کو ان دونوں سے چھپایا گیا ہے ان کے ستر سے اور اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ شرمگاہوں کا ظاہر کرنا بہت بڑا جرم ہے اور دوسرا یہ کہ شرمگاہوں کا ظاہر کرنا ہمیشہ طبیعتوں اور عقلوں میں برا رہا ہے [پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''وُوْرِیَ'' میں واؤ کو ہمزہ سے کیوں نہیں بدلا گیا جیسا کہ ''واصل'' کی تصغیر ''اُوَیْصِل'' میں بدلا گیا ہے کیونکہ اس کی اصل ''وُوَیْصِل'' تھی' پھر دو واؤں کے اجتماع کی کراہت سے بچنے کے لیے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''وُوْرِیَ'' میں دوسری واؤ مدّہ ہے جس طرح ''وَارِی'' میں الف مدّہ ہے اور جس طرح ''وَاعَدَ''

میں واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کرنا واجب نہیں اسی طرح ''وُوْرِیَ'' میں واجب نہیں اور یہ اس لیے کہ دو واؤ جب متحرک ہوں تو ان دونوں میں ثقل (بوجھ) ہوتا ہے جب کہ ان دو واؤں میں ثقل نہیں ہوتا جب دوسری واؤ ساکن ہو جائے اور یہ بات بداہت سے معلوم ہے' سو نحویوں نے ثقل کی جگہ تبدیلی لازم قرار دی ہے باقی جگہ نہیں اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر کے ''اُوْرِیَ'' پڑھا ہے] ﴿وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ اور شیطان نے کہا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لیے منع کیا ہے کہ تم اس درخت سے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یعنی مگر اس کراہت کی وجہ سے کہ تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے' خیر و شر کو جان لو گے اور تم غذا وغیرہ سے بے نیاز ہو جاؤ گے اور ''مَلِكَيْنِ'' بھی پڑھا گیا ہے (یعنی تم دونوں بادشاہ بن جاؤ گے) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى'' (طٰہٰ:۱۲۰) ''اور ایسی بادشاہی جو کبھی پرانی نہ ہو گی'' ﴿اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعنی ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو کبھی نہیں مریں گے اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۱- ﴿وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ اور شیطان نے ان دونوں کے لیے قسم کھائی کہ بے شک میں تم دونوں کا ضرور خیر خواہ ہوں اور ابلیس کی قسم کو مفاعلہ کے وزن پر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ جب قسم شیطان کی طرف سے کھائی گئی اور تصدیق ان دونوں کی طرف سے کی گئی تو گویا قسم دونوں طرف سے ہوئی۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ
وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ
وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا
تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

تو وہ دھوکے سے ان کو اتار لایا' پھر جب انہوں نے درخت (کا پھل) چکھا تو ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر ہو گئیں اور وہ دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتے چپٹانے لگے' اور ان کے رب نے ان دونوں کو آواز دی کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور میں نے تم سے فرمایا نہیں تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے○ ان دونوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○ اللہ نے فرمایا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے' اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک زمین پر ٹھہرنا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے○ اللہ نے فرمایا کہ تم اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے○

۲۲۔﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ﴾ سو شیطان نے دھوکے سے ان دونوں کو درخت کے کھانے کی طرف اتار لیا اور شیطان ان دونوں کو اس وجہ سے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا کہ اس نے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھالی اور بے شک مؤمن اللہ تعالیٰ کے نام پر دھوکہ کھا لیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''مَنْ خَدَعَنَا بِاللّٰهِ انْخَدَعْنَا لَهٗ''[1] جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر ہمیں دھوکہ دیتا ہے ہم اس سے دھوکہ کھا لیتے ہیں ﴿ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ﴾ پھر جب انہوں نے درخت کو چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں یعنی جب وہ درخت سے کھانے لگے تو انہوں نے اس کا ذائقہ محسوس کیا اور وہ گندم کا خوشہ تھا یا انگور کی بیل تھی اور ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں کیونکہ ان کا لباس ان سے اتر گیا تھا اور ان دونوں نے نہ کبھی اپنی شرمگاہیں دیکھی تھیں اور نہ ایک دوسرے کی شرمگاہیں دیکھی تھیں' بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا جو نہایت لطیف اور نرم اور بہت سفید تھا' جب انہوں نے ممنوعہ درخت کو چکھا تو تمام لباس اتر گیا صرف ناخنوں کی حد تک رہ گیا تا کہ چھینی ہوئی یہ نعمت یاد رہے اور انہیں دیکھ کر ہر وقت ندامت و شرمندگی تازہ ہوتی رہے ﴿ وَطَفِقَا ﴾ اور ان دونوں نے شروع کیا' کہا جاتا ہے کہ ''طَفِقَ يَفْعَلُ كَذَا'' یعنی وہ شخص اس طرح کرنے لگا ﴿ يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ﴾ وہ دونوں اپنی اپنی شرمگاہوں پر کیلے یا انجیر کے پتے چمٹانے لگے اور اپنے جسموں پر پتے پر پتے چسپاں کرنے لگے تا کہ اپنے آپ کو چھپا سکیں جیسے جوتا سینا ﴿ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَا اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ ﴾ اور ان کے رب نے ان کو آواز دے کر فرمایا: کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہار ناراضگی تھا اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: کیا تمہارے لیے اس ممنوعہ درخت کے علاوہ اور کوئی درخت بہتر نہیں تھا؟ حضرت آدم نے عرض کیا: ہاں! کیوں نہیں! اور بھی بہتر درخت تھے لیکن مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ کوئی آپ کے نام کی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت و حرمت کی قسم! میں تمہیں زمین پر اتار دوں گا' پھر تم اپنے ہاتھ اور پسینے کی کمائی کے بغیر عیش نہیں کر سکو گے' پھر آپ کو زمین پر اتارا گیا اور آپ کو لوہے کی صنعت اور کھیتی باڑی کا کام سکھایا گیا' چنانچہ آپ نے کھیتی باڑی کی اور اس کو پانی دیا اور تیار ہونے پر اس کو کاٹا اور اس کو گاہا اور اس کو صاف کیا اور پیسا اور آٹا گوندھا اور روٹیاں پکائیں ﴿ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ اور کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

۲۳۔﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ حضرت آدم و حوا نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے' اور اس آیت مبارکہ میں معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے (کہ چھوٹے بڑے جرم پر گرفت ہو گی) کیونکہ ان کے نزدیک چھوٹے گناہ بخش دیئے گئے اور ان پر گرفت نہیں کی جائے گی۔

۲۴۔﴿ قَالَ اهْبِطُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نیچے اتر جاؤ' حضرت آدم اور حضرت حوا کو جمع کے لفظ سے خطاب کیا گیا کیونکہ ابلیس کو اس سے پہلے اتار دیا گیا تھا اور ایک احتمال یہ ہے کہ اس کو پہلے آسمان پر اتارا گیا' پھر سب کو زمین پر اتارا گیا ہو ﴿ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ [یہ جملہ ''اِهْبِطُوْا'' کے فاعل سے محلاً حال ہے] یعنی دراں حالیکہ تم ایک دوسرے سے عداوت و دشمنی کرنے والے ہو گئے کیونکہ ابلیس ان دونوں سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے اور یہ دونوں اس سے دشمنی رکھتے ہیں ﴿ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ﴾ اور تمہیں زمین پر ٹھہرنا ہے یا زمین تمہارے لیے قرار گاہ اور آرام گاہ ہے ﴿ وَّمَتَاعٌ ﴾ زندگی کے

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۹۵

لیے اس زمین سے نفع اور فائدہ حاصل کرنا ہے ﴿ اِلٰی حِیْنٍ ﴾ تمہاری عمروں کے اختتام کے وقت تک اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین پر اتارے گئے' پھران پر وفات کا وقت آ گیا اور فرشتوں نے انہیں گھیر لیا تو حضرت حوا ان کے اردگرد گھومنے لگیں' حضرت آدم نے ان سے فرمایا کہ تو میرے رب تعالیٰ کے فرشتوں کا راستہ چھوڑ دے کیونکہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے وہ صرف تیری وجہ سے پہنچی ہے' پھران کی وفات ہوگئی تو فرشتوں نے آپ کو پانی اور بیری کے طاق پتوں کے ساتھ غسل دیا اور انہیں خوشبو لگائی اور طاق کپڑوں میں کفن دیا اور انہوں نے آپ کی خاطر ایک گڑھا کھودا اور اس میں لحد بنائی اور سرزمین ہند میں سراندیب کے علاقہ میں آپ کو دفن کر دیا' پھر فرشتوں نے حضرت آدم کے بیٹوں سے فرمایا: کہ ان کی موت کے بعد اب آئندہ کے لیے تمہارے لیے یہی سنت ہے۔

۲۵- ﴿ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تمہیں اسی زمین پر زندگی گزارنی ہے ﴿ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴾ اور تم نے اسی زمین پر مرنا ہے اور اسی سے تمہیں جزاء وسزا کے لیے نکالا جائے گا [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''تَخْرُجُوْنَ'' ہے]۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی
ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ
الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا
سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ
اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہیں چھپاتا ہے' اور تمہارے لیے زینت ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںO اے آدم کی اولاد! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا' اس نے ان کا لباس اتروا دیا تھا تاکہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے' بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم نہیں دیکھ سکتے' بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان دار نہیں ہیںO

اولادِ آدم کو تلقین

۲۶- ﴿ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا ﴾ اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو زمین کی پیداوار سے تیار کیا گیا ہے اور آسمان سے نازل کیا گیا ہے کیونکہ اس کی اصل پانی سے ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے ﴿ یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ ﴾ وہ تمہاری شرمگاہوں کو چھپا دیتا ہے ﴿ وَرِیْشًا ﴾ اور تمہارے لیے زینت کا لباس ہے یہ ''رِیْشُ الطَّیْرِ'' سے لیا گیا ہے کیونکہ پرندے کے پر اس کا لباس بھی ہوتے ہیں اور اس کے لیے زیب وزینت بھی ہوتے ہیں ﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ﴾ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا لباس وہی ہے جو آدمی کو عذاب سے بچائے [اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر جملہ ہے اور وہ ﴿ ذٰلِكَ خَیْرٌ ﴾

ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ تقویٰ کا لباس ہی سب سے بہتر لباس ہے[کیونکہ اسمائے اشارہ ضمیروں سے زیادہ اپنے مرجع کے قریب ہوتے ہیں یا ''ذٰلِكَ'' مبتدا کی صفت ہے اور ''خَيْرٌ'' مبتدا کی خبر ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ پرہیز گاری کا لباس جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سب سے بہتر ہے یا پھر ''لِبَاسُ التَّقْوٰى'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''هُوَ لِبَاسُ التَّقْوٰى'' ہے یعنی شرم کی چیزوں کو چھپائے رکھنا پرہیز گاروں کا لباس ہے' پھر ارشاد فرمایا: ''ذٰلِكَ خَيْرٌ'' یہ سب سے بہتر لباس ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اہلِ تقویٰ کا لباس اونی کپڑے اور دیگر موٹے کھردرے کپڑے پہننا ہے [اور نافع مدنی' ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''وَلِبَاسَ التَّقْوٰى'' (سین پر زبر کے ساتھ) ہے اس کو ''لِبَاسًا'' اور ''رِيْشًا'' پر معطوف کیا گیا ہے] یعنی اور ہم نے تم پر تقویٰ کے لباس کو نازل کیا ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جو اپنے بندوں پر اس کے فضل و کرم اور رحمت کرنے پر دلالت کرتی ہے' یعنی لباس کا نازل کرنا ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور نعمت کی عظمت کو پہچانیں اور یہ آیت مبارکہ شرمگاہوں کے کھلنے اور ان کو چھپانے کے لیے بدن پر پتے چپکانے کے ذکر کے بعد بطور انعام وارد ہوئی ہے' ایک تو لباس پیدا کرنے پر احسان کا اظہار کرنا' دوسرا شرم کی چیزوں کے ظاہر کرنے میں ذلت و رسوائی کا اظہار کرنا مقصود ہے اور تیسرا یہ بتانا مقصود ہے کہ شرم کی چیزوں کو چھپانا پرہیز گاری کی علامت ہے۔

۲۷-﴿يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور وہ تمہیں گمراہ نہ کر دے کہ تم جنت میں نہ جا سکو جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو دھوکہ دیا کہ انہیں جنت سے نکلوا دیا ﴿يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا﴾ یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی شیطان نے ان دونوں کو جنت سے نکلوا دیا درآں حالیکہ اس نے ان کا لباس بھی اتروا دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم وحوا کا لباس اتروانے کا سبب شیطان بنا تھا اس لیے اس کی طرف نسبت کر دی گئی ہے اور یہ ظاہر نہی شیطان کے لیے ہے اور حقیقت میں اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے ہے یعنی تم شیطان کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دے گا ﴿لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا﴾ تاکہ ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر کر دے ﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ﴾ بے شک وہ تمہیں دیکھتا ہے' یہ نہی کی علت ہے اور شیطان کے فتنے سے ڈرانا اور اس کے مکر و فریب سے بچانا مقصود ہے کیونکہ یہ شیطان بغض و کینہ کو چھپا کر دشمنی کرنے والے دشمن کی طرح ہے کہ یہ بھی تمہارے ساتھ اس طرح مکر و فریب کرتا ہے کہ تمہیں شعور بھی نہیں ہوتا ﴿وَقَبِيْلُهٗ﴾ اور اس کی اولاد یا شیطانوں میں سے اس کا لشکر [اور یہ ''يَرٰىكُمْ'' کی ضمیر پر معطوف ہے جو ''هُوَ'' ضمیر سے مؤکد ہے اور اس کو ''هُوَ'' پر معطوف نہیں کیا گیا کیونکہ فعل کا معمول (یعنی فاعل) پوشیدہ ضمیر ہے جب کہ یہ ''هُوَ'' ضمیر بارز یعنی ظاہر ہے اور اس کا عطف صرف فعل کے معمول پر کیا جاتا ہے] ﴿مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بے شک شیطان تمہیں دیکھتا ہے جب کہ تم اسے نہیں دیکھتے تو تم اس ذاتِ اقدس سے مدد مانگو جو شیطان کو دیکھ رہا ہے مگر شیطان اسے نہیں دیکھتا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جو کریم' ستار' رحیم اور غفار ہے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ

بِالْقِسْطِ ۗ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَؕ(۲۹) فَرِیْقًا هَدٰى وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ(۳۰)

اور جب وہ لوگ کسی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا تھا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے' (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا' کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم خود نہیں جانتے O آپ فرمادیجئے: بے شک میرے رب نے انصاف کا حکم دیا' اور تم اپنے چہروں کو ہر نماز کے وقت سیدھا رکھو اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو' جس طرح اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح تم لوٹو گے O اس نے ایک گروہ کو ہدایت عنایت کی اور ایک گروہ پر گمراہی واجب ہوگئی' بے شک انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں O

۲۸- ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ اور جب وہ کسی بے حیائی کے کام کو کرتے جو گناہوں میں انتہائی بدترین ہوتا اور اس سے مراد خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانا ہے ﴿قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا﴾ تو کہتے کہ ہم نے اس پر اپنے باپ دادوں کو پایا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے یعنی جب کفار مکہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے تو عذر یہ پیش کرتے کہ ان کے آباء واجداد بھی یہی کام کرتے تھے اس لیے انہوں نے اس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس نے ہمیں اس پر برقرار رکھا ہوا ہے اس لیے کہ اگر اسے یہ کام ناپسند ہوتا تو اس سے ہمیں الگ کر دیتا لیکن ان کے یہ دونوں عذر باطل و ناجائز تھے کیونکہ ان میں سے ایک جاہل باپ دادا کی پیروی تھی (جس کی کوئی اہمیت نہیں) اور دوسرا عذر اللہ بزرگ و برتر پر بہتان تھا ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مامور کے لیے ضروری ہے کہ حسن اور اچھا ہو اگرچہ محاسنِ افعال کے کئی مراتب ہیں جیسا کہ اصولِ فقہ میں ہر ایک فعل کی تعریف کر دی گئی ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کو تم نہیں جانتے' یہ انکار یہ سوال ہے اور یہ دھمکی آمیز ہے۔

۲۹- ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ میرے رب تعالیٰ نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے اور ہر ایسے عمل کا حکم دیا ہے جو تمام دانشوروں اور عقل مندوں کے نزدیک حسن اور اچھا ہے تو وہ بے حیائی کا حکم کیسے دے گا ﴿وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ اور اصل میں "وَقُلْ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ" ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد و ارادہ کرو اور ہر سجدہ کے وقت یا ہر سجدہ کی جگہ میں تم اپنے چہروں کو بیت اللہ شریف کی طرف سیدھا رکھو اور اس سے ہٹ کر دوسری کسی سمت کی طرف نہ موڑو ﴿وَّادْعُوْهُ﴾ "وَاعْبُدُوْهُ" یعنی اور تم اسی کی عبادت کرو ﴿مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ یعنی تم اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرو اور اس اطاعت کے ذریعے خالص اس کی رضا چاہو ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس طرح پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ لوٹائے گا' کفار مکہ کی طرف سے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پہلی تخلیق کے ذریعے ان پر حجت و دلیل قائم فرمائی اور معنی یہ ہے: جس نے

تمہیں پہلے پیدا کیا ہے وہ یقیناً تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا اور سزا دے گا' لہٰذا تم خالص اس کی عبادت کرو۔

۳۰۔﴿ فَرِيْقًا هَدٰى ﴾ ایک گروہ کو ہدایت عنایت فرمائی اور وہ مسلمانوں کا گروہ ہے ﴿ وَفَرِيْقًا ﴾ ''اَیْ اَضَلَّ فَرِيْقًا'' یعنی ایک گروہ کو گمراہ کیا ﴿ حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ﴾ جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی اور وہ کافروں کا گروہ ہے ﴿ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ بے شک وہ گروہ جس پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو مددگار بنا لیا ﴿ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک ہدایت یافتہ ہیں اور یہ آیت مبارکہ بھی معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ ہدایت اور گمراہی کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (اور بندہ جس کو پسند کرتا ہے' وہی اس کے لیے پیدا کر دی جاتی ہے)۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ع ۱۰

اے آدم کی اولاد! تم مسجد میں نماز کے لیے جاتے وقت خوبصورت لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو' بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اے محبوب! فرمائیے کہ اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق کو' فرما دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن انہیں کے لیے مخصوص ہیں' ہم اہل علم قوموں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں ○ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میرے رب نے صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں سب کو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہہ دو جو تم نہیں جانتے ○

۳۱۔﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ ﴾ اے اولادِ آدم! تم خوبصورت لباس پہنا کرو ﴿ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ جس وقت تم نماز پڑھنے لگو اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ زینت سے مراد کنگھی کرنا اور خوشبو لگانا ہے اور سنت یہ ہے کہ آدمی نماز کے لیے اچھا اور صاف ستھرا لباس پہنے کیونکہ نماز رب تعالیٰ سے مناجات ہے' لہٰذا خوبصورت لباس پہننا اور خوشبو لگانا مستحب ہے جیسا کہ پاک صاف ہونا اور جسم کے ضروری اور قابل شرم وحیا حصوں کا چھپانا واجب و لازم ہے ﴿ وَّكُلُوْا ﴾ گوشت اور چربی وغیرہ کھاؤ ﴿ وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ اور پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو یعنی حرام میں شروع نہ ہو جاؤ یا پیٹ بھرنے کے بعد نہ

کھاؤ ﴿ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پیو اور جو چاہو پہنو لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو' فضول خرچی سے اور تکبر و غرور سے اور ہارون الرشید کا ایک ماہر عیسائی حکیم تھا' ایک دن اس نے حضرت علی بن حسین بن واقد سے کہا کہ تمہاری کتاب قرآن مجید میں علم طب کے بارے میں کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم الابدان (۲) علم الادیان' تو حضرت علی بن حسین بن واقد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پورا طب اپنی کتاب کی نصف آیت مبارکہ میں بیان فرما دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا'' تو عیسائی حکیم نے کہا کہ تمہارے رسول کی طرف سے طب کے بارے میں کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک ہمارے رسول نے طب کو مختصر الفاظ میں بیان فرما دیا اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ''اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّآءِ وَالْحِمْيَةُ رَاْسُ كُلِّ دَوَآءٍ وَاَعْطِ كُلَّ بَدَنٍ مَا عَوَّدْتَهٗ'' یعنی معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز کرنا ہر دوا کی بنیاد ہے اور ہر بدن کو اتنی غذا دو جتنے کا وہ عادی ہے' چنانچہ نصرانی حکیم نے کہا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے جالینوس کا کوئی طبی مسئلہ نہیں چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ کے حلال وحرام کا بیان' رسول کی اتباع میں نجات ہے اور کافروں کی کفر پر سزا

۳۲- پھر اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام قرار دینے والوں پر سوالیہ انکار فرمایا کہ ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کی زینت کو کس نے حرام قرار دیا ہے یعنی کپڑے اور وہ تمام چیزیں جن سے زیب و زینت اور سنگار حاصل کیا جاتا ہے ﴿ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے یعنی اس کی اصل جیسے زمین سے کپاس کو اور ریشم کے کیڑے سے ریشم کو پیدا فرمایا ﴿ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾ اور کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو اور بعض نے فرمایا کہ عرب کے کفار جب احرام باندھ لیتے تو بکری کا گوشت اور اس کے گوشت سے نکلنے والی تمام چیزیں خصوصاً بکری کی چربی اور اس کے دودھ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے ﴿ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ یہ تمام چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں لیکن دنیا میں یہ نعمتیں مسلمان کے لیے خالص نہیں ہیں کیونکہ مشرکین بھی ان نعمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہیں ﴿ خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور ان کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا' بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ نعمتیں دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہیں' تاکہ یہ بات واضح کی جائے کہ یہ نعمتیں حقیقت میں مسلمانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور کفار ان نعمتوں کو مسلمانوں کی وجہ سے ان کے تابع ہو کر استعمال کرتے ہیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''خَالِصَةٌ'' مرفوع (آخری حرف پر پیش) ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' ہے اور ''فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا'' خبر کے لیے ظرف ہے یا ''خَالِصَةٌ'' دوسری خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل ''هِیَ خَالِصَةٌ'' ہے اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک یہ ظرف کی ضمیر سے حال ہے اس لیے منصوب ہے اور وہ ضمیر خبر ہے] یعنی یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں دراں حالیکہ وہ چیزیں قیامت کے دن صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہوں گی ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ﴾ اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور ہم حلال کو حرام سے ممتاز اور واضح کر دیتے ہیں ﴿ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ ایسی قوم کے لیے جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

۳۳- ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ بے شک میرے رب نے صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے اور ''الفواحش'' ان برے کاموں کو کہتے ہیں جن کی قباحت و بے حیائی بہت زیادہ ہو [قاری

حمزہ کی قراءت میں "رَبِّیْ" ("یا" ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ ان میں سے علانیہ اور پوشیدہ ﴿وَالْاِثْمَ﴾ یعنی شراب نوشی کو یا تمام گناہوں کو (اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے) ﴿وَالْبَغْيَ﴾ اور ظلم و تکبر کو ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق [یہ "اَلْبَغْی" کے متعلق ہے] ﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراؤ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل اور حجت نازل نہیں فرمائی ["سُلْطَانًا" کا معنی حجت یعنی دلیل ہے اور یہ جملہ محلاً منصوب ہے] گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو اور شرک کو حرام فرما دیا ہے [قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں "یُنْزِلْ" تخفیف کے ساتھ ہے] اور اس آیت مبارکہ کے اس جملے میں کفار کا استہزاء اور مذاق اڑایا گیا ہے کیونکہ یہ تو جائز ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی برہان اور دلیل نازل کرتا کہ اس کے غیروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ﴿وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہو جس کو تم نہیں جانتے ہو اور تم بناوٹی باتیں اس پر تھوپ دو اور خود چیزوں کو حرام وغیرہ کہہ کر اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے پھرو۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾

اور ہر قوم کے لیے ایک وقت مقرر ہے' پھر جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے ○ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تم پر میری آیتیں بیان کریں' سو جو شخص شرک سے بچ گیا اور نیک ہو گیا تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہی دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

٣٤- ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ اور ہر جماعت کے لیے وقت معین ہو چکا ہے' لہٰذا اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس مقرر و معین وقت پر ہلاکت کا عذاب ان پر آئے گا اور یہ اہل مکہ کے لیے سخت وعید و دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر وقت پر ان پر عذاب نازل ہوگا جیسا کہ وہ دیگر امتوں پر عذاب نازل کرتا رہا ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ سو جب ان کا مقررہ وقت آ جائے گا تو وہ لوگ نہ ایک لمحہ پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے "سَاعَةً" کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ یہ کم از کم وقت ہے جو مہلت دینے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

٣٥- ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول تشریف لے آئیں [اس میں "اِمَّا" شرطیہ ہے (کیونکہ "اِمَّا" اصل میں "اِنْ مَا" ہے) شرط کے معنی کو مؤکد و مستحکم کرنے کے لیے حرف "مَا" اس کے ساتھ ملا دیا گیا اس لیے کہ "مَا" شرط کے لیے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے فعل پر نون ثقیلہ یا نون خفیفہ لازم ہوتا ہے] ﴿يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ﴾ جو تم پر ہماری آیتیں یعنی ہماری کتابیں تلاوت کریں [اور یہ جملہ "رُسُلٌ" کی صفت ہونے کی بنا پر مرفوع کے محل میں واقع ہے اور یہ شرط کا جواب ہے] ﴿فَمَنِ اتَّقٰى﴾ تو جو شرک سے بچ گیا ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور تم میں

سے اس نے نیک عمل کیے ﴿فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ تو ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں "فَلَا خَوْفَ" ہے (یعنی فا پر دو پیش کی بجائے فقط ایک زبر ہے)]۔

۳۶۔﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ﴾ اور تم میں سے جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا اور اپنی عظمت و بڑائی کا خیال کر کے ایمان لانے سے منہ پھیر لیا ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور اس کی آیتوں کو جھٹلایا' ان کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا رہے گا' یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے آئیں گے' تو وہ کہیں گے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ یقیناً کافر تھے ○

۳۷۔﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ پھر اس سے بڑھ کر کون ظام ہوگا جس نے بدترین ظلم کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جو اس نے نہیں فرمائیں یا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس نے اس سب کو جھٹلا دیا ﴿اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کا لکھا نصیب ملے گا یعنی جو کچھ رزق اور زندگی ان کے لیے لکھی جا چکی ہے وہ انہیں ضرور ملے گی ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا﴾ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آئیں گے یعنی ملک الموت اور اس کے معاونین [اور حرف "حَتّٰى" کافروں کا اپنے دنیاوی نصیب کو پالینے اور اپنی عمریں پوری کر لینے کی انتہاء بیان کرنے کے لیے ہے اور یہ وہ حرف "حَتّٰى" ہے جس کے بعد نیا کلام شروع ہوتا ہے اور یہاں وہ کلام جملہ شرطیہ ہے اور وہ یہ ہے "اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا"] ﴿يَتَوَفَّوْنَهُمْ﴾ وہ فرشتے ان کی روحیں قبض کر لیتے ہیں [اور یہ "رُسُل" سے حال ہے] یعنی ہمارے فرشتے اس وقت ان کی روحیں قبض کرنے آتے ہیں] ﴿قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ﴾ [مصحفِ عثمانی کی تحریر کے مطابق اس میں لفظ "مَا"، "اَيْنَ" کے ساتھ موصولہ ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو "اَيْنَ" سے جدا لکھا جائے کیونکہ یہ "مَا" موصولہ ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے جان کنی کے وقت کافروں سے سوال کرتے ہوئے کہیں گے کہ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کی تم پرستش کرتے تھے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تاکہ وہ بت تمہارا دفاع کریں ﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ تو کافر جواب میں کہیں گے کہ وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں اب ہم انہیں نہیں دیکھ رہے ﴿وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ لوگ اپنے ہی خلاف گواہی دیں گے کہ

بے شک وہ کافر تھے اور وہ لوگ لفظ شہادت کے ساتھ اپنے کفر کا اعتراف کریں گے کیونکہ شہادت کا لفظ خبر کی تحقیق کے لیے آتا ہے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸ ۱۱

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ کی آگ میں پہنچ چکی ہیں تم بھی انہیں میں داخل ہو جاؤ' جب ایک جماعت داخل ہو گی تو اپنی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی' یہاں تک کہ جب وہ سب کے سب اس میں داخل ہو جائیں گے' تو ان کی پچھلی جماعتیں ان کی پہلی جماعتوں کے بارے میں کہیں گی: اے ہمارے پروردگار! انہیں لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا' سو تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے' اللہ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے O اور ان کے پہلے ان کے پچھلوں سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے' سو تم بھی عذاب کا مزہ چکھو' یہ ان اعمال کا بدلا ہے جو تم کماتے رہے ہو O

۳۸- ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کافروں سے فرمائے گا کہ تم گزشتہ امتوں میں داخل ہو جاؤ یعنی ان امتوں میں شامل ہو کر تم ان کے ساتھی بن جاؤ [''فِیْٓ اُمَمٍ'' حال کی جگہ پر واقع ہے] ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ﴾ بے شک جنوں اور انسانوں میں سے کفر کرنے والی یہ امتیں تم سے پہلے دوزخ کی آگ میں پہنچ چکی ہیں [''فِی النَّار'' ''اُدْخُلُوْا'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ جب ایک جماعت جہنم کی آگ میں داخل ہو گی تو دین میں ہم خیال جماعت پر لعنت کرے گی یعنی جو ان کی پیروی کر کے گمراہ ہو گئی تھی ﴿حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا﴾ یہاں تک کہ جب وہ سب کے سب جہنم کی آگ میں جمع ہو جائیں گے [اور ''اِدَّارَكُوْا'' کی اصل ''تَدَارَكُوْا'' ہے' پھر ''تا'' کو دال سے تبدیل کیا گیا اور اس کو ادغام کے لیے ساکن کر دیا گیا' پھر شروع میں ہمزہ وصل کا داخل کیا گیا ہے اور ''جَمِیْعًا'' حال ہے] ﴿قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ﴾ ان کی درجے کے اعتبار سے پچھلی جماعت کہے گی اور یہ پیروکاروں اور کمزوروں کی جماعت ہو گی ﴿لِاُوْلٰىهُمْ﴾ درجے میں اپنی پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی اور یہ پہلی جماعت لیڈروں اور سرداروں کی جماعت ہو گی اور ''لِاُوْلٰهُمْ'' کا معنی ہے کہ پہلی جماعت کی وجہ سے کیونکہ ان کا خطاب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو گا پہلی جماعت کے ساتھ نہیں ہو گا ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا﴾ اصل میں ''یَا رَبَّنَا'' ہے' اے ہمارے رب! انہوں نے (یعنی سرداروں نے) ہمیں گمراہ کیا تھا ﴿فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ سو تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے ﴿قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیڈروں کو گمراہی اختیار کرنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی بنا پر اور پیروکاروں کو کفر اختیار کرنے اور کافر سرداروں کی پیروی کرنے پر دگنا عذاب ہو گا ﴿وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ﴾

لیکن تم نہیں جانتے جو تم میں سے ہر فریق کو عذاب ملے گا [اور جناب قاری ابوبکر کی قراءت میں ''وَلٰـکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ'' ہے] یعنی ہر ایک فریق دوسرے فریق کے عذاب کی مقدار کو نہیں جان سکے گا۔

۳۹۔ ﴿ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ اور پہلی جماعت کے لوگ دوسرے لوگوں سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور انہوں نے اپنا کلام ارشاد باری تعالیٰ ''لِكُلٍّ ضِعْفٌ'' کے ساتھ جوڑ دیا ہے یعنی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ ہم سب دگنے عذاب کے مستحق ہونے میں برابر ہیں ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو' یہ بدلا ہے ان اعمال کا جو تم لوگ کماتے رہے تھے یعنی یہ عذاب تمہاری اپنی کمائی اور کفر کا بدلا ہے اور یہ بات کافروں کے سردار اپنے پیروکاروں سے کہیں گے [اور اس صورت میں ''مِنْ فَضْلٍ'' پر وقف نہیں ہوگا یا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام کافروں سے خود یہ بات ارشاد فرمائے گا اور اس صورت میں ''مِنْ فَضْلٍ'' پر وقف ہوگا]۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا تو ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو جائے' اور ہم مجرموں کو ایسے ہی سزا دیں گے ○ ان کے لیے دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اس کا اوڑھنا ہوگا' اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم کسی شخص پر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی طاقت کے مطابق' یہی لوگ جنتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

کافر و مسلم کے انجام اور باہمی مکالمہ کا بیان' نیز اصحابِ اعراف کا بیان

۴۰۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ﴾ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کیا تو ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے یعنی انہیں آسمان پر چڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تاکہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں کیونکہ جنت آسمانوں کے اوپر ہے یا ان کے نیک عمل آسمان پر نہیں جا سکیں گے اور نہ ان پر برکت نازل ہوگی یا جب وہ مر جائیں گے تو ان کی ارواح آسمانوں پر نہیں جا سکیں گی جیسا کہ مؤمنین کی ارواح آسمانوں پر جاتی ہیں [قاری ابوعمرو کی قراءت میں تخفیف ''تا'' کے ساتھ ''لَا تُفْتَحُ'' ہے اور قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' تخفیف کے ساتھ ہے (لَا یُفْتَحُ)] ﴿ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ﴾

اور وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے یعنی کفار جنت میں کبھی داخل نہیں ہو سکیں گے کیونکہ اس کو ناممکن ومحال پر معلق کیا گیا ہے اور "خیاط" اور "مخیط" اس آلہ کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کپڑوں کی سلائی کی جاتی ہے اور وہ سوئی ہوتی ہے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اس رسوا کن سزا کی طرح جو ہم نے بیان کی ہے ﴿نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہم مجرموں یعنی کافروں کو سزا دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کرنا ان کے کفر کی دلیل ہے۔

۴۱- ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ ان کے لیے دوزخ کا بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر اس کا اوڑھنا ہو گا ["غَوَاشٍ"، "غَاشِيَةٌ" کی جمع ہے بہ معنی پردے] ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور ہم اس طرح ظالموں کو سزا دیں گے جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر بہت بڑا ظلم کیا۔

۴۲- ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور تکلیف کا معنی ہے کہ کسی عمل کو لازم کر لینا جس میں محنت و مشقت ہو ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ جنتی ہیں ["اُولٰٓئِكَ" مبتدا ہے اور "اَصْحَابُ الْجَنَّةِ" اس کی خبر ہے اور مبتدا خبر مل کر یہ جملہ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کی خبر ہے] ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ اور ہم کسی شخص کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے مطابق [اور یہ مبتدا اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے] ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ
جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۞ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا
رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ
اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۞

الثلثة

اور ہم ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیں گے ان کے نیچے نہریں بہیں گی اور وہ کہیں گے: سب خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے اور انہیں آواز دی جائے گی کہ یہ جنت جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے تمہارے اعمال کا صلہ ہے O اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے: بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو سچا وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے پالیا ہے تو تمہارے رب نے تم سے جو سچا وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے اسے پالیا ہے وہ جواب میں کہیں گے: ہاں! پھر اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے O

۴۳- ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ اور ہم ان کے سینوں سے وہ بغض اور کینے نکال دیں گے جو دنیا میں

ان کے درمیان پیدا ہو گئے تھے' سو اب بہشت میں ان کے درمیان باہمی محبت و پیار کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہے گا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک مجھے قوی امید ہے کہ میں حضرت عثمان غنی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) انہیں میں سے ہیں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے نیچے نہری بہتی ہوں گی [یہ جملہ "فِیْ صُدُوْرِهِمْ" کی "هُمْ" ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل اضافت کا معنی ہے] ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ اور وہ جنتی لوگ کہیں گے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت عنایت کی کیونکہ وہی اس بڑی کامیابی کا وسیلہ بنا ہے اور وہ ایمان ہے (اور نیک اعمال ہیں) ﴿وَمَا كُنَّا﴾ [قاری ابن عامر شامی کی قراءت واؤ کے بغیر ہے اس بنا پر کہ یہ جملہ ماقبل جملے کی وضاحت کر رہا ہے] ﴿لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ [اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی یہ صحیح نہیں تھا کہ ہم خود ہدایت حاصل کر لیتے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عنایت نہ فرماتا [اور "لَوْلَا" کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے] ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے' سو یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر لطف و کرم اور اس کا احسان تھا اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف سے تنبیہ تھی' چنانچہ ہم نے ہدایت حاصل کی' جب جنتی جنت میں رسولوں کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق اس کی نعمتیں پائیں گے تو مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہیں گے اور اپنے اعتقاد کا اظہار کریں گے ﴿وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ﴾ اور انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ یہ بہشت ہے ["اَنْ" ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے اس کی اصل "وَنُوْدُوْا بِاَنَّهٗ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ" ہے اور "ہٗ" ضمیر شان ہے یا "اَیْ" کے معنی میں ہے] گویا ان سے کہا جائے گا کہ بے شک یہ جنت ہے ﴿اُوْرِثْتُمُوْهَا﴾ تمہیں اس کا وارث بنایا گیا اور تمہیں یہ جنت عطا کی گئی ہے [اور یہ جنت سے حال ہے اور اس کا عامل وہ ہے جو "تِلْكَ" میں اشارے کا معنی دے رہا ہے] ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ تم دنیا میں جو عمل کرتے تھے ان کا یہ صلہ ہے' اس کو میراث اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جنت اعمال صالحہ کے استحقاق میں نہیں ملے گی بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملے گی کہ اس نے عبادات پر وعدہ فرما لیا ہے جیسے میّت کی طرف سے میراث ملتی ہے' بہرحال یہ جنت کسی معاوضہ میں نہیں ملے گی بلکہ یہ خالص صلہ اور انعام ہے اور حضرت شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ معتزلہ (جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ہدایت دیتا ہے) نے اللہ تعالیٰ کی اور حضرت نوح علیہ السلام کی' اہل جنت کی اور دوزخیوں کی اور ابلیس کی مخالفت کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ" (المدثر:۳۱) "اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہدایت دیتا ہے" اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: "وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ" (ھود:۳۴) "اور میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی اگر میں تمہاری بھلائی چاہوں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہے" اور اہل جنت نے کہا کہ "وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ" (الاعراف:۴۳) "اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدات نہ دیتا" دوزخ والوں نے کہا: "لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ" (ابراہیم:۲۱) "اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں ضرور ہدایت کرتے" اور ابلیس نے کہا: "فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِیْ" (الاعراف:۱۶) "کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے"۔

۴۴۔ ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ثواب کا جو سچا وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے پا لیا ہے [اور اس میں "اَنْ" ثقیلہ (نون مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے یا یہ "اَنْ" مفسرہ ہے اور اسی طرح "اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ" میں ہے اور "حَقًّا"

حال ہے] ﴿فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ تو کیا تمہارے رب نے تم سے عذاب کا جو سچا وعدہ فرمایا تھا تم نے اسے پالیا [اور اصل میں "وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ" ہے پھر "وَعَدَكُمْ" سے "كُمْ" ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ "وَعَدَنَا رَبُّنَا" اس پر دلالت کر رہا ہے] اور جنتی لوگ یہ بات دوزخیوں سے ان کی حالت پر خوش ہو کر کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنے کے لیے یہ بات کہیں گے ﴿قَالُوْا نَعَمْ﴾ دوزخی جواب میں کہیں گے: جی ہاں! [قاری علی کسائی کی قراءت میں عین کے نیچے زیر ہے] ﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ﴾ پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا اور وہ ایک فرشتہ ہوگا جس کی آواز اہل جنت بھی سنیں گے اور اہل جہنم بھی سنیں گے ﴿اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے [ابن عامر شامی، ابن کثیر مکی، حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "اَنْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ" (پیش کی بجائے "لَعْنَةَ" پر زبر) ہے]۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے' اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیںO اور جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پردہ ہے' اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچان لیں گے' اور جنت والوں کو پکاریں گے کہ تم پر سلام ہو' وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ آرزو رکھتے ہیںO اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کرO اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جن کو وہ ان کی علامت سے پہچان لیں گے کہیں گے: کیا تمہاری جماعت تمہارے کام آئی اور وہ جو تم تکبر و غرور کرتے تھےO

۴۵- ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی اس کے دین سے روکتے ہیں "يَصُدُّوْنَ" کا معنیٰ "يَمْنَعُوْنَ" ہے کہ وہ روکتے ہیں اور "سبیل" سے مراد دین ہے ﴿وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور وہ اس کے لیے ٹیڑھا اور مخالف راستہ تلاش کرتے ہیں [اور "عِوَجًا"، "يَبْغُوْنَ" کا دوسرا مفعول ہے] ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کے گھر کا انکار کرتے ہیں۔

۴۶- ﴿وَبَيْنَهُمَا﴾ اور ان دونوں کے درمیان یعنی جنت اور جہنم کے درمیان یا دونوں فریق جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ﴿حِجَابٌ﴾ پردہ ہے اور یہ وہ پردہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں موجود ہے: "فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ" (الحدید:۱۳) "سو ان کے درمیان ایک پردہ کھڑا کر دیا

جائے گا' اس کے اندر رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا'' ﴿ وَعَلَى الْأَعْرَافِ ﴾ اور پردے کی بلندیوں پر اور وہ پردہ ایک قلعہ نما مضبوط دیوار ہوگا جو جنت اور دوزخ کے درمیان تعمیر کیا گیا ہے اور اعراف سے اس کی بلند و بالا چوٹیاں مراد ہیں اور وہ عرف کی جمع ہے (جس کا معنیٰ بلندی ہے) اور یہ ''عُرْفُ الْفَرَسِ'' (گھوڑے کی ایال) اور ''عُرْفُ الدِّيْكِ'' (مرغ کی کلغی) سے مستعار لیا گیا ہے ﴿ رِجَالٌ ﴾ مسلمانوں میں سے بہترین کچھ مرد ہوں گے یا جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی یا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے والدین میں سے کوئی ایک ناراض ہوگا یا پھر مشرکین کے بچے ہوں گے ﴿ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا ﴾ وہ نیک بختوں اور بدبختوں کی جماعت میں سے ہر ایک کو پہچان لیں گے ﴿ بِسِيْمٰهُمْ ﴾ ان کی علامت سے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسلمانوں کی علامت یہ ہوگی کہ ان کے چہرے روشن اور چمکتے دمکتے ہوں گے اور تروتازہ ہوں گے اور کافروں کی علامت یہ ہوگی کہ ان کے چہرے سیاہ اور بدنما ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی ﴿ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی اعراف والے جنتیوں کو آواز دے کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو اور یہ سلام اہل جنت کے لیے ان کی طرف سے ہدیۂ تبریک ہوگا ﴿ لَمْ يَدْخُلُوْهَا ﴾ یعنی اعراف والے جنت میں داخل نہیں ہوئے [اور اعراب کے اعتبار سے اس کا کوئی محل نہیں کیونکہ یہ ایک الگ جملہ (مستأنفہ) ہے یا اس کا محلِ اعراب ہے اور وہ یہ کہ یہ جملہ ''رِجَالٌ'' کی صفت ہے] گویا کسی سائل نے اصحابِ اعراف کے متعلق سوال کیا تو کہا گیا کہ ابھی تک جنت میں داخل نہیں ہوئے البتہ ﴿ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴾ اور وہ اس میں جانے کی تمنا رکھتے ہیں۔

۴۷- ﴿ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور جب اعراف والوں کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی اور وہ اس میں لوگوں پر عذاب ہوتا دیکھیں گے تو عرض کریں گے: اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کر' سو وہ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں گے اور وہ گھبرا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سہارا لیں گے کہ انہیں ان ظالموں کے ساتھ نہ کیا جائے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بے شک آنکھیں پھیرنے والا اپنی آنکھیں محض اس لیے پھیرلے کہ وہ غور و فکر اور عبرت کی نگاہ سے دیکھے اور پناہ مانگے [''تِلْقَآءَ'' ظرف ہے' اس کا معنیٰ ''طرف'' ہے]۔

۴۸- ﴿ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ ﴾ اور اعراف والے کافروں کے سرداروں میں سے کچھ مردوں کو پکاریں گے جن کو وہ ان کی علامت سے پہچان لیں گے' کہیں گے کہ تمہاری جماعت نے آج تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا یعنی تمہارے مال نے یا تمہاری کثرت اور تمہاری بڑی جماعت نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا [اور اس میں حرف ''مَا'' نفی کا ہے] ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ اور تم دینِ حق سے اور خلق خدا سے جو کچھ تکبر کرتے تھے اس نے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا' پھر اصحابِ اعراف حضرات ان کافروں سے فرمائیں گے:

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

کیا یہ (جنتی لوگ) وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت ہرگز نہیں پہنچے گی' (جنتیوں سے کہا جائے گا:) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے O دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم ہم پر کچھ پانی انڈیل دو یا اس کھانے میں سے کچھ دے دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے' جنتی کہیں گے: بے شک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے O جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا' سو آج ہم انہیں (عذاب میں) چھوڑ دیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا' اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O

۴۹- ﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ ﴾ کیا یہ (جنتی) لوگ وہی ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے' یہ اشارہ غریب و نادار مسلمانوں کی طرف ہے جیسے حضرت صہیب' حضرت سلمان اور ان دونوں جیسے (حضرت بلال' حضرت خباب) [''هٰؤُلَاءِ'' مبتدا ہے' ''اَلَّذِيْنَ'' مبتدا مضمر کی خبر ہے' اصل میں ''اَهٰؤُلَآءِ هُمُ الَّذِيْنَ'' ہے] ﴿ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ﴾ [یہ ''اَقْسَمْتُمْ'' کا جواب ہے اور یہ ''اَلَّذِيْنَ'' کے صلہ میں داخل ہے] اس کی مقدر عبارت اس طرح ہے:] (ترجمہ) تم ان کے متعلق قسمیں کھاتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں پہنچے گی یعنی اللہ تعالیٰ ان غریب و نادار مسلمانوں کو جنت میں داخل نہیں کرے گا' کفار مکہ ان فقرآء مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے' پھر جب اعراف میں رہنے والے دونوں فریقوں جنتیوں اور دوزخیوں کو دیکھ لیں گے اور ان کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے اور انہوں نے ان سے جو کچھ کہنا تھا وہ سب کچھ کہہ چکیں گے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ اعراف والوں سے فرمائے گا: ﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴾ کہ اب تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر نہ خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے۔

۵۰- ﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ ﴾ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم ہم پر کچھ پانی انڈیل دو اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت دوزخ سے اوپر ہے [اور اس میں حرف ''اَنْ'' مُفَسِّرَہ ہے] ﴿ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ یا پانی کے علاوہ دیگر مشروبات میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے وہ ہم پر بہا دو کیونکہ یہ بھی افاضہ (انڈیلنے اور بہانے) کے حکم میں داخل ہے یا پھر مراد یہ ہے کہ کھانوں اور پھلوں میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق عنایت فرمایا ہے اس میں سے کچھ ہم پر ڈال دو جیسے کسی شاعر کے شعر کا مصرعہ ہے: ''عَلَفْتَهَا تِبْنًا وَمَآءً بَارِدًا'' تم نے اس کو گھاس اور ٹھنڈا پانی کھلایا اور پلایا ہے اور پھر دوزخی جواب سے مایوس ہونے کے باوجود یہ سوال محض اس لیے کریں گے کہ حیران و پریشان آدمی اپنی پریشانی کی وجہ سے مفید و غیر مفید دونوں باتیں بولتا ہے ﴿ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ جنتی جواب میں کہیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام فرما دیا ہے اور یہ حرمت ممنوع کے معنی میں ہے جیسا کہ ''وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ'' (القصص:۱۲) میں ہے [اگر اس کے بعد والے جملے کو مرفوع یا بطور ذم منصوب قرار دیا جائے تو پھر یہاں وقف کیا جائے گا اور اگر اس کو ''كَافِرِيْنَ'' کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھا جائے تو پھر یہاں پر وقف نہیں کیا جائے گا]۔

۵۱- ﴿الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا﴾ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا کہ جس کو چاہا حرام قرار دے دیا اور جس کو چاہا حلال قرار دے دیا ہے یا انہوں نے اپنے دین کو عید بنالیا ﴿وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾ اور دنیا کی زندگی اور دراز عمر کی آرزو نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا ﴿فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ﴾ سو آج ہم ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے ﴿كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا﴾ جس طرح انہوں نے اس دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا ﴿وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ﴾ اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے یعنی قیامت کے دن کو بھولنے اور آیات قرآنی کے انکار کرنے کی وجہ سے (ہم انہیں عذاب میں چھوڑ دیں گے)۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

اور بے شک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جس کو ہم نے اپنے علم کی بناء پر تفصیل سے بیان کیا' وہ ایمان لانے والی قوم کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ وہ کس کا انتظار کر رہے ہیں مگر اس کی وعید کا' جس دن اس کی وعید آئے گی تو وہ لوگ جو پہلے اس کتاب کو بھول چکے تھے کہیں گے: بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے' تو کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہے جو ہماری سفارش کر دے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تو اب ہم ان کاموں کے برعکس کام کریں گے جو پہلے کیا کرتے تھے' بے شک انہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا اور ان سے وہ بہتان گم ہو گئے جن کو وہ تراشتے تھے ○

۵۲- ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ﴾ اور بے شک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جس کو ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور ہم نے اس کے حلال و حرام کے احکام کو اور اس کی نصیحتوں اور اس کے قصوں کو واضح اور ممتاز کر دیا ﴿عَلٰى عِلْمٍ﴾ اس کے احکام کی کیفیت کو جان بوجھ کر ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ یہ کتاب سراسر ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے [اور یہ ''هُدًى وَّرَحْمَةً'' حال ہیں ''فَصَّلْنٰهُ'' کی ضمیر منصوب سے جیسا کہ ''عَلٰى عِلْمٍ'' اس کی مرفوع ضمیر سے حال ہے]۔

۵۳- ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ﴾ ''یَنْظُرُوْنَ'' ''یَنْتَظِرُوْنَ'' کے معنی میں ہے یعنی کفار کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں مگر اس کتاب کے دھمکی آمیز حکم کے انجام کا انتظار کر رہے ہیں اور یہ کہ عنقریب اس کتاب کی صداقت واضح ہو جائے گی اور جو کچھ وعدے اور وعید کے بارے میں اس کتاب نے کہا ہے اس کی صحت ظاہر ہو جائے ﴿یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ جس دن اس کا کہا ہوا انجام آ جائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب کو بھلا کر چھوڑ دیا تھا اور اس سے منہ پھیر لیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہمارے رب تعالیٰ کے تمام رسول حق لے کر آئے تھے یعنی اس دن واضح ہو جائے گا اور صحیح ثابت ہو جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے تمام رسول دنیا میں حق لے کر آئے تھے سو اس دن

کفار اقرار و اعتراف کریں گے مگر اس وقت ان کا اقرار انہیں فائدہ نہیں دے گا ﴿ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ ﴾ تو کیا ہمارے لیے سفارشی ہیں ﴿ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ ﴾ سو وہ ہماری سفارش کر دیں [یہ استفہام و سوال کا جواب ہے] ﴿ اَوْ نُرَدُّ ﴾ یا ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیا جائے [یہ جملہ اپنے مقابل جملے پر معطوف ہے اور اس کے ساتھ استفہام کے حکم میں داخل ہے] گویا کہا گیا ہے کہ کیا ہمارے لیے سفارشی ہیں یا کیا ہمیں واپس بھیج دیا جائے گا؟ [اور یہ مرفوع اس لیے ہے کہ ایسی جگہ پر واقع ہے جو اسم کی صلاحیت رکھتی ہے جیسے شروع میں تمہارا یہ کہنا "هَلْ يَضْرِبُ زَيْدٌ" یا "هَلْ" کی تقدیر پر معطوف ہے] یعنی "هَلْ يَشْفَعُ لَنَا شَافِعٌ اَوْ هَلْ نُرَدُّ" کیا کوئی سفارشی ہماری سفارش کرے گا یا کیا ہمیں دنیا میں بھیج دیا جائے گا؟ ﴿ فَنَعْمَلَ ﴾ [استفہام ثانی کا جواب ہے] سو اب ہم (دنیا میں جا کر توحید اور نیک) عمل اختیار کریں گے ﴿ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ﴾ ان (برے اعمال شرک و نافرمانی) کے علاوہ جو ہم پہلے کرتے تھے ﴿ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ بے شک انہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا اور ان سے گم ہو گئے وہ بت جن کو خدا کا شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرش پر متصرف و غالب ہوا' وہ رات سے دن کو چھپاتا ہے کہ رات دن کو تیزی سے تلاش کرتی ہے' اور سورج اور چاند اور ستاروں کو (اسی نے پیدا فرمایا جو) اس کے حکم کے تابع ہیں' سنو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے لیے ہے' اللہ بڑا بابرکت ہے جو تمام جہان والوں کا پروردگار ہےO تم اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ اور آہستہ دعا کرو' بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتاO اور تم زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور تم اس سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو' بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہےO

قدرتِ خدا کا بیان خصوصاً تخلیق تدریجی کے فوائد اور دعا کی اہمیت

۵۴- ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ﴾ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دنوں میں پیدا فرمایا' اس سے تمام آسمان اور تمام زمینیں اور ان دونوں کے درمیان موجود تمام کائنات مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل سورت حٰمٓ السجدہ میں بیان فرمادی ہے یعنی ہفتہ سے لے کر جمعۃ المبارک تک تاکہ فرشتے تھوڑا تھوڑا اور آہستہ آہستہ کام کرنے سے سبق حاصل کرتے رہیں اور تاکہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے

کہ معاملات اور دیگر تمام امور میں دیر میں خیر ہوتی ہے (اور جلد بازی میں نقصان ہوتا ہے) اور یہ بتانا کہ بے شک ہر کام کے لیے ایک دن ہوتا ہے اور یہ فائدہ بھی ہے کہ کسی کام میں جلد بازی کی بجائے تاخیر کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے کرنے میں خالق و مالک، عالم و مدبر اور مرید و متصرف پر زیادہ دلالت ہے کہ وہ اپنے اختیار کے ساتھ تصرف فرماتا ہے اور وہ اپنی مشیّت و ارادے کے ساتھ آرام سے تمام امور کو سرانجام دیتا ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے معاملات کو چلاتا ہے ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى ﴾ پھر وہ غالب ہوا ﴿ عَلَى الْعَرْشِ ﴾ عرش پر۔ اللہ تعالیٰ نے استیلآء (غلبہ و اقتدار اور تصرف و کنٹرول) کی نسبت صرف عرش کی طرف کر دی ہے حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام مخلوقات پر غالب و قادر اور متصرف ہے کیونکہ عرش تمام مخلوقات میں سے سب سے بڑا اور سب سے بلند و بالا ہے، اس پر کنٹرول و غلبہ اور قدرت و اختیار حاصل کرنا تمام مخلوقات پر غالب ہونے کی دلیل ہے اور "عرش" کا معنی تخت یا کرسی کرنا اور "استوآء" کا معنی "اس پر ٹھہرنا اور بیٹھنا" کرنا باطل و حرام اور ناجائز ہے جیسا کہ "مُشَبِّهه" نے کہا ہے[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ عرش سے پہلے بھی موجود تھا اور اس وقت کوئی مکان نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ جیسے پہلے موجود تھا ویسے آج بھی موجود ہے اور اس لیے کہ تبدیلی مخلوقات کی صفات میں سے ہے اور حضرت امام جعفر صادق، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ استوآء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول (نامعلوم) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت و گمراہی ہے ﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ﴾ اللہ تعالیٰ رات سے دن کو چھپاتا ہے یعنی رات دن کے پیچھے آتی ہے اور اپنی تاریکی سے دن کو چھپا دیتی ہے اور دن رات کے پیچھے آتا ہے اور اپنی روشنی سے رات کو غائب کر دیتا ہے [قاری حمزہ، علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں "يُغَشِّي" (شین ساکن کی بجائے مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے] ﴿ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ﴾ رات دن کو تیزی سے تلاش کرتی ہے [اور یہ جملہ "اَلَّيْلَ" سے حال ہے] اور "حَثِيْثًا" کا معنی تیز اور جلدی کے ہیں اور طالب رات ہے جو دن کا پیچھا کرتی ہے گویا رات جلدی گزر جانے کی وجہ سے دن کی طلب میں اس کا تعاقب کرتی ہے (جیسے موسم گرما میں) ﴿ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ ﴾ اصل میں "وَخَلَقَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ" ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا ﴿ مُسَخَّرٰتٍۭ ﴾ عاجزی کرنے والے، تابع داری کرنے والے، اطاعت گزار و فرماں بردار ہیں [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں "وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ" (چاروں کے آخری پیش) ہیں، اس صورت میں "وَالشَّمْسُ" مبتدا ہوگا اور باقی دو اس پر معطوف ہوں گے اور "مُسَخَّرَاتٌ" اس کی خبر ہوگی جب کہ پہلی صورت میں "مُسَخَّرَاتٌ" حال ہے] ﴿ بِاَمْرِهٖ ﴾ سب اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کے تابع ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ اس نے مذکورہ بالا تمام چیزوں کو اپنے حکم کے تابع پیدا فرمایا ہے تو اب ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ یعنی سنو اور آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے ان تمام چیزوں کو پیدا فرمایا ہے اور سب پر اسی کا حکم نافذ و جاری ہے ﴿ تَبٰرَكَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے اور اس کی خیر خواہی اور بھلائی سب سے زیادہ ہے اور سب پر ہے یا یہ کہ اس کی کرم نوازی اور مہربانی ہمیشہ مسلسل جاری رہتی ہے اور "تَبَارَكَ"، "بَرَكَةٌ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی بڑھنا اور بلند و بالا ہونا ہے یا یہ "بُرُوْكٌ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ثابت و قائم رہنا ہے اور اسی سے برکت ہے ﴿ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

---

[1] "مُشَبِّهه" اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجسم ذات ہے، انسان کی طرح وہ جسمانی اعضاء رکھتا ہے جیسے شیخ ابن تیمیہ تھا۔ (تبیان القرآن جلد چہارم ص ۱۵۹)

۵۵۔ ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ﴾ تم اپنے رب تعالیٰ سے گڑگڑا کر اور چپکے سے دعا کیا کرو[''تَضَرُّعًا'' اور ''خُفْيَةً'' حال کی بنا پر منصوب ہیں] یعنی اس حال میں تم اپنے رب سے دعا کرو کہ تم انتہائی عجز و نیاز کے ساتھ گڑگڑا کر آہستہ سے بولو[اور ''تَضَرُّع'' باب تَفَعُّل کے وزن پر ''ضراعة'' سے ماخوذ ہے] انتہائی عاجزی ظاہر کرنا یعنی گڑگڑانا اور خوشامد کرنا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم نہ کسی بہرے سے دعا کرتے ہو اور نہ کسی دور والے سے بلکہ تم جس سے دعا کرتے ہو وہ سب کچھ سن لیتا ہے اور وہ تمہارے نزدیک ہوتا ہے' وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں رہو[1] حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ علانیہ دعا پر پوشیدہ اور مخفی دعا کو ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے ﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دعا وغیرہ میں سے ہر کام میں دیئے گئے احکام الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں۔ حضرت ابن جریج سے منقول ہے کہ اس سے بلند آواز سے دعا کرنے والے مراد ہیں اور انہی سے منقول ہے کہ چیخ چیخ کر دعا کرنا مکروہ اور بدعت ہے اور بعض نے فرمایا کہ ریا اور نام و نمود کی خاطر لمبی دعا کرنا مراد ہے اور حضور سرور کونین ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی جو دعا کرنے میں حد سے بڑھ جائے گی اور انسان کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ دعا کرتے ہوئے کہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس قول اور عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور اے اللہ! میں دوزخ کی آگ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور ہر اس قول و عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو مجھے دوزخ کے قریب کر دے' پھر آپ نے ''اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ'' کی تلاوت فرمائی[2]

۵۶۔ ﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ اور تم زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یعنی اطاعت وعبادت کے بعد گناہوں کے ذریعے یا توحید کے بعد شرک کے ذریعے یا عدل وانصاف کے بعد ظلم وزیادتی کے ذریعے تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ﴾ [''خَوْفًا وَّ طَمَعًا'' دونوں حال ہیں] یعنی تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو رد ہو جانے سے ڈرتے ہوئے اور قبول ہونے کی امید رکھتے ہوئے' جہنم کی آگ سے ڈرتے ہوئے اور جنت میں جانے کی امید کرتے ہوئے یا فراق سے ڈرتے ہوئے اور ملاقات کی امید رکھتے ہوئے یا انجام کے غائب ہونے سے ڈرتے ہوئے اور ظاہری ہدایت میں رغبت رکھتے ہوئے یا اس کے عدل سے ڈرتے ہوئے اور اس کے فضل و کرم کی امید رکھتے ہوئے ﴿ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے نزدیک ہے [یہاں پر ''رَحْمَةَ اللّٰهِ'' کی خبر ''قَرِيْبٌ'' اس تاویل کی بنا پر مذکر ذکر کی گئی کہ ''رَحْمَة'' رحم یا ترحم کے معنی میں ہے یا پھر یہ محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی ''شَيْئٌ قَرِيْبٌ'' ہے یا اسے فعیل مصدر کے مشابہ قرار دیا گیا ہے جو مفعول کے معنی میں آتا ہے یا اس لیے کہ ''رَحْمَة'' میں تانیث غیر حقیقی ہے یا اس لیے کہ یہ مذکر کی طرف مضاف ہے]۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

[1] رواہ البخاری فی کتاب المغازی باب ۳۸' کتاب الجہاد باب ۱۳۱' کتاب الدعوات باب ۵۰۔ ۶۸' ومسلم فی کتاب الذکر رقم الحدیث ۴۴: ابوداؤد فی کتاب الوتر باب ۲۶' الترمذی فی کتاب الدعوات باب ۵۷' احمد فی مسندہ ج ۴ ص ۳۹۴۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۷

[2] رواہ ابوداؤد فی کتاب الوتر باب ۲۳' کتاب الطہارۃ باب ۴۵' ابن ماجہ فی کتاب الدعاء باب ۱۲' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۱۷۲۔ ۱۸۳

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۴ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

اور وہی ہے جو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے کے لیے ہوائیں بھیجتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اس کو مردہ شہر کی طرف چلا دیتے ہیں' پھر ہم اس سے بارش کا پانی نازل کرتے ہیں' پھر ہم اس پانی کے ذریعے ہر قسم کا پھل نکالتے ہیں' اسی طرح ہم مردوں (کو زندہ کر کے قبروں سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O اور جو زمین اچھی ہوتی ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے خوب نکلتا ہے' اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر بہت تھوڑا' اسی طرح ہم آیتوں کو شکر ادا کرنے والی قوموں کے لیے بار بار بیان کرتے ہیں O بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O

۵۷- ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ اور وہی تو ہے جو (بارش کی خوشخبری دینے کے لیے پہلے) ہوائیں بھیجتا ہے [ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''الرِّيْحَ'' ہے (یعنی جمع کی بجائے واحد ہے)] ﴿بُشْرًا﴾ خوشخبری دینے کے لیے [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''نَشَرَ'' کا مصدر ''نَشْرًا'' (یعنی ''بُشْرًا'' کی بجائے ''نَشْرًا'' نون مفتوح اور شین ساکن کے ساتھ) ہے اور اس کا نصب (آخر میں دو زبر) یا اس لیے ہے کہ ''اَرْسَلَ'' اور ''نَشَرَ'' دونوں قریب المعنی ہیں تو گویا فرمایا گیا ہے: ''نَشَرَ نَشْرًا'' یا حال کی بنا پر ہے یعنی منشورات کے معنی میں ہے اور امام عاصم کی قراءت میں ''بُشْرًا'' (''با'' مضموم اور شین ساکن کے ساتھ) ہے اور یہ ''بُشُرًا'' (باو شین مضموم کے ساتھ) کی تخفیف ہے جو ''بَشِيْرٌ'' کی جمع ہے کیونکہ ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''نُشُرًا'' (نون و شین دونوں مضموم ہیں) اور ''نُشْرًا'' (شین ساکن کے ساتھ) کی تخفیف ہے جیسے ''رُسُلٌ وَ رُسْلٌ'' اور باقی قراء کی قراءت میں بھی یہی ہے اور یہ ''نُشُوْرٌ'' کی جمع ہے یعنی بارش کو نشر کرنے والی] ﴿بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ اپنی نعمت سے پہلے اور وہ نعمت بارش ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی اور اہم ترین نعمتوں میں سے ہے ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں پانی سے بھرے بادلوں کو اٹھاتی ہیں (تو ہم انہیں مردہ اور بنجر شہروں کو سیراب کرنے کے لیے ان کی طرف روانہ کر دیتے ہیں) [''اَقَلَّتْ'' کا معنی اٹھانا اور بلند کرنا ہے اور یہ ''اِقْلَال'' سے مشتق ہے جو ''قِلَّةٌ'' مجرد مصدر کا مزید فیہ مصدر ہے] کیونکہ طاقتور اٹھانے والا جس چیز کو اٹھاتا ہے اس کو قلیل خیال کرتا ہے' اسی طرح ہوائیں پانی سے پُر بھاری بادلوں کو سہولت کے ساتھ ہلکی چیز کی طرح اٹھا کر لے جاتی ہیں [''سَحَابًا''، ''سَحَابَة'' کی جمع ہے] ﴿سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ہم ان بادلوں کو مردہ اور بنجر شہروں کو سیراب کرنے کی خاطر ان کی طرف چلا دیتے ہیں جن میں بارش نہیں ہوئی ہوتی [اور ''ہٗ'' ضمیر ''سحاب'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ لفظ کے اعتبار سے وہ واحد ہے اور اگر اس کو ''ثِقَال'' کی طرح معنی پر محمول کیا جاتا تو ضمیر مؤنث لائی جاتی جیسا کہ اس

کی صفت کو اگر لفظ پر محمول کیا جاتا تو پھر ''ثِـقَـالًا'' کی بجائے ''ثَـقِيْلًا'' کہا جاتا' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ''مَيِّتٍ'' (''یا'' ساکن کے ساتھ) ہے] ﴿فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾ تو ہم بادلوں سے یا بادلوں کو چلانے کے سبب بارش نازل کرتے ہیں اور اسی طرح ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ہم اسی طرح یعنی پھلوں کے اگانے اور نکالنے کی طرح مُردوں کو بھی زندہ کر کے اٹھائیں گے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو اور یہ نصیحت اور یاددہانی مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانے کے لیے تمہیں راغب و آمادہ کرلے۔

۵۸۔ ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ﴾ اور اچھی زمین وہ ہوتی ہے جس کی مٹی اچھی اور زرخیز ہو ﴿يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ اس کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے خوب نکلتا ہے [اور یہ حال کی جگہ پر واقع ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس کا سبزہ خوب وافر مقدار میں نکلتا ہے کیونکہ یہ ''نَـكِدًا'' کے مقابلے میں واقع ہے ﴿وَالَّذِيْ خَبُثَ﴾ [یہ ''بَـلَدٌ'' کی صفت ہے] یعنی اور وہ زمین جو خراب وخبیث اور شور والی ہو ﴿لَا يَخْرُجُ﴾ ''اَیْ نَبَـاتُـهٗ'' یعنی اس کا سبزہ نہیں اگتا [یہاں ''نَبَـاتُـهٗ'' کو پہلے ''نَبَاتُهٗ'' پر اکتفا کر کے محذوف کر دیا گیا ہے] ﴿اِلَّا نَكِدًا﴾ مگر تھوڑا اور یہ ایسا سبزہ ہوتا ہے جس میں کوئی بھلائی اور نفع نہیں ہوتا بے کار رہتا ہے اور یہ ایک مثال ہے کہ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن میں تبلیغ اور وعظ اثر کرتا ہے اور وہ مسلمان ہیں' دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن میں وعظ و نصیحت اثر نہیں کرتا اور یہ کافر ہیں اور بالتبع یہی مثال بارش کی مثال ذکر کر کے اس کے اثر کرنے اور بنجر و ویران زمین پر اس کے برسنے اور اس کے ساتھ سبزہ اگانے پر فٹ ہوتی ہے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اس عجیب و غریب مثال کی طرح ﴿نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ ہم آیتوں کو دھرا دھرا کر بار بار بیان کرتے ہیں ﴿لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴾ شکر ادا کرنے والی قوم کے لیے یعنی جو قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتی ہے اور وہ مسلمانوں کی قوم ہے تا کہ وہ اس مثال میں غور وفکر کریں اور اس سے عبرت وسبق حاصل کریں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم کا ردّ عمل

۵۹۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ [یہ محذوف قسم کا جواب ہے' اصل میں ہے: ''وَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا''] ﴿نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک ہم نے (حضرت نوح) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور آپ کو اپنی قوم کی طرف پچاس سال کی عمر میں رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ نجار (بڑھئی) تھے اور آپ نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ ہیں اور اخنوخ' حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے ﴿فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ سو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں [اور علی کسائی کی قراءت میں ''غَيْرِهٖ'' مجرور (را کے نیچے زیر) ہے (کہ یہ ''اِلٰهٍ'' کی صفت ہے) اور اس کا رفع محل کے اعتبار سے ہے (کیونکہ ''اِلٰهٍ'' مبتدا کی بنا پر محلاً مرفوع ہے) اور ''غیر'' کے آخر میں جر (زیر) لفظ کے اعتبار سے ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' سو تم اس کے ساتھ اس کے غیروں کی عبادت نہ کرو ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں یعنی قیامت کا دن یا ان پر نزولِ عذاب کا دن اور اس سے طوفان کا دن مراد ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

آپ کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کو یقیناً کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں O آپ نے فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں اور لیکن میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں O میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لیے بھلائی چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے O اور کیا تمہیں تعجب ہوا کہ تم میں سے ایک مرد کی معرفت تمہارے پاس رب کی نصیحت آئی تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم ڈرو اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے O سو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو نجات دے دی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا' وہ اندھی قوم تھی O

۶۰- ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ آپ کی قوم کے سرداروں اور لیڈروں نے کہا کہ بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں یعنی واضح گمراہی جو صحیح راستے سے دور لے جانے والی ہو اور یہاں دیکھنے سے مراد دل سے دیکھنا ہے۔

۶۱- ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے اور آپ نے ''ضَلٰلَةٌ'' کی بجائے ''ضَلَال'' نہیں فرمایا جیسا کہ انہوں نے آپ سے کہا تھا کیونکہ ''ضلالة'' ''ضلال'' سے زیادہ خاص ہے' لہٰذا آپ نے اپنی ذات سے گمراہی کی نفی کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ فرمایا گویا آپ نے واضح طور پر بتا دیا کہ میرے اندر کسی قسم کی کوئی گمراہی نہیں ہے' پھر حضرت نوح علیہ السلام نے گمراہی کی نفی کی تاکید کرنے کے لیے حرف ''لٰـكِـنَّ'' استعمال کر کے ہر قسم کے شک وشبہ کی نفی فرمادی' چنانچہ آپ نے فرمایا: ﴿وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور لیکن میں تو یقیناً تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں' اور چونکہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور اس کے احکامات و پیغامات کے مبلغ بن کر تشریف لائے تھے اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صراط مستقیم یعنی سیدھے راستے پر گامزن ہیں' سو آپ تو نہایت ہدایت یافتہ ہیں۔

۶۲- ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ﴾ میں تو تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں جو بسا اوقات مختلف معانی میں مجھ پر بذریعہ وحی بھیجے جاتے ہیں جیسے اوامر' نواہی' مواعظ' بشارتیں اور مثالیں [قاری ابوعمرو کی قراءت میں ''اُبْـلِـغُكُمْ'' (باب افعال ''ابـلاغ'' سے) ہے' یہ جملہ مستأنفہ (نیا الگ جملہ) ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ پروردگار عالم کے رسول ہیں] ﴿وَاَنْصَحُ لَكُمْ﴾ اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور میں اخلاص کے ساتھ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں [اور ''نَـصَـحْـتُـهٗ'' ''وَنَـصَـحْـتُ لَـهٗ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے اور لام کے زیادہ کرنے سے مبالغہ ہو جاتا ہے اور خالص نصیحت پر دلالت ہوتی ہے] اور نصیحت کی حقیقت یہ ہے کہ جو خیر اور بھلائی تم اپنے لیے چاہتے ہو وہ تم اپنے غیر کے لیے بھی چاہو یا کسی پر انتہائی سچی

عنایت کرنا ﴿ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے یعنی اس کی صفات میں سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے یعنی اس کی زبردست قدرت اور اپنے دشمنوں پر اس کی گرفت و پکڑ اور یہ کہ بے شک اس کا عذاب مجرم قوم سے نہیں ٹالا جا سکتا۔

٦٣- ﴿ اَوَعَجِبۡتُمۡ ﴾ [ہمزہ انکار کے لیے ہے اور واؤ عطف کے لیے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ''اَكَذَّبۡتُمۡ وَعَجِبۡتُمۡ'' کیا تم نے جھٹلا دیا اور تعجب کیا ﴿ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ﴾ اصل ''مِنۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ'' اس سے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ﴿ عَلٰى رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ ﴾ تم میں سے ایک مرد کی زبانی یعنی وہ مرد تمہاری نسل سے ہے جس کی معرفت تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت آئی اور دراصل بات یہ تھی کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت پر تعجب کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: ''مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ'' (المومنون:۲۴) ''ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں سے یہ نہیں سنا'' وہ اس سے بشر کا رسول بنا کر بھیجا جانا مراد لیتے تھے کیونکہ ''وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً'' (المومنون: ۲۴) ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو (بشر کو رسول بنانے کی بجائے) فرشتوں کو اتار دیتا'' ﴿ لِیُنۡذِرَكُمۡ ﴾ تا کہ حضرت نوح علیہ السلام تمہیں کفر و شرک کے بُرے انجام سے ڈرائیں ﴿ وَلِتَتَّقُوۡا ﴾ اور تا کہ تم پرہیز گاری اختیار کر لو اور پیغمبر کے ڈرانے کی وجہ سے تمہارے اندر خوفِ خدا پیدا ہو جائے ﴿ وَلَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴾ اور تا کہ تقویٰ و پرہیز گاری کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے اگر تم میں تقویٰ پایا گیا۔

٦٤- ﴿ فَكَذَّبُوۡهُ ﴾ سو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور آپ پر جھوٹا ہونے کا الزام لگا دیا ﴿ فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗ ﴾ تو ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نجات دے دی اور وہ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں اور بعض نے کہا: نو آدمی تھے آپ کے تین بیٹے سام' حام اور یافث اور چھ آدمی وہ تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے ﴿ فِی الۡفُلۡكِ ﴾ [یہ ''مَعَهٗ'' کے ساتھ متعلق ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اور وہ لوگ جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے ﴿ وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا عَمِیۡنَ ﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' بے شک وہ لوگ حق سے اندھے تھے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آنکھوں سے اندھا ہے اور فلاں دل کا اندھا ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَاَنَا لَكُمۡ نَاصِحٌ اَمِیۡنٌ ﴿۶۸﴾

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ھود کو بھیجا' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں خیال کرتے ہیں○ انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی بے وقوفی نہیں ہے اور لیکن میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں○ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لیے ایک

امانت دار خیر خواہ ہوں O

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم عاد کا ردّ عمل

۶۵- ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ اور ہم نے عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ھود کو بھیجا [دراصل ''وَاَرْسَلْنَا اِلٰی عَادٍ'' ہے اور یہ ''نُوْحًا'' پر معطوف ہے اور ''اَخَاهُمْ'' کا مطلب ہے: ان میں سے ایک جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''یَا اَخَا الْعَرَبِ'' اے عرب کے بھائی!] یعنی ان میں سے ایک اور بلاشبہ ان میں سے ایک عاد کو اس لیے مقرر کیا گیا کہ یہ شخص ان کے تمام مردوں میں سے زیادہ ذہین و عقل مند تھا اور ان سب کا سردار تھا تو اس پر حجت پیش کرنا سب پر پیش کرنا ہے [اور ''هُوْدًا'' ''اَخَاهُمْ'' کا عطف بیان ہے] اور حضرت ھود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہیں[1] ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' کیا تم ڈرتے نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ''قَالَ'' کی بجائے ''فَقَالَ'' نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت نوح کے قصے میں ''فَقَالَ'' فرمایا اس لیے کہ یہ سوال کرنے والے کے سوال کی تقدیر پر فرمایا' سوال یہ تھا: ''فَمَا قَالَ لَهُمْ هُوْدٌ'' تو حضرت ھود نے ان سے کیا فرمایا: تو جواب میں کہا گیا: ''قَالَ یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ''۔

۶۶- ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ﴾ آپ کی قوم میں سے کافر سرداروں نے کہا: اور بے شک صرف یہاں ''اَلْمَلَاُ'' کو ''اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا'' کے ساتھ موصوف کیا گیا جب کہ قوم نوح کے قصے میں ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے سرداروں میں کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے جن میں ایک حضرت مرثد بن سعد ہیں تو وصف کے ذریعے ان کو کافروں سے الگ کرنے کا ارادہ کیا گیا جب کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں میں کوئی شخص ایمان دار نہیں تھا ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ﴾ بے شک ہم تمہیں بے وقوف خیال کرتے ہیں یعنی کم حوصلہ اور کم عقل خیال کرتے ہیں کیونکہ تم نے اپنی قوم کے مذاہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے [اور ''سَفَاهَة'' کو مجاز کے طور پر ظرف قرار دیا گیا ہے] یعنی حضرت ھود اس سے مستحکم و پکے ہو چکے ہیں کہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوں گے ﴿وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ اور بے شک ہم آپ کو نبوت و رسالت کے دعویٰ میں جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

۶۷- ﴿قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! میرے اندر کوئی بے وقوفی نہیں ہے اور لیکن میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں۔

۶۸- ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ﴾ میں تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور جس دین کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اس میں مَیں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں ﴿اَمِیْنٌ﴾ میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں اس پر میں امانت دار ہوں اور حضرت ھود علیہ السلام نے کافروں کے قول ''وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِیْنَ'' کے جواب میں ''وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ'' اس لیے فرمایا تا کہ اس اسم کے مطابق ہو جائے اور کافروں کی طرف سے گمراہ اور بے وقوف ہونے کے الزامات انبیائے کرام کی طرف منسوب کرنے کے باوجود ان کے جوابات میں انبیائے کرام کا مبنی بر حقیقت جوابات عنایت فرمانا ان کے حلم و صبر اور برداشت و درگزر کرنے اور مقابلہ بازی سے کنارہ کشی کرنے کی دلیلیں ہیں اور اس کے باوجود کہ انبیائے کرام جانتے تھے کہ ان کے دشمن لوگوں میں بدترین گمراہ اور ذلیل ترین احمق و بے وقوف ہیں لیکن انہوں نے ان سے

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم لکھتے ہیں: ''وَكَانَ نُوْرُ النَّبِیِّ ﷺ سَاطِعًا فِیْ جَبِیْنِ هُوْدٍ'' کہ حضور نبی کریم ﷺ کا نور مبارک حضرت ھود علیہ السلام کی پیشانی مبارک میں چمکتا تھا۔ (تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۳۶۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

جو کچھ فرمایا اس میں حسن ادب کا لحاظ رکھا اور خلق عظیم کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ان کی تعلیم و تبلیغ کے طریقے سے آگاہ فرمایا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ بے وقوفوں اور کم عقلوں سے کیسے خطاب کیا جاتا ہے اور ان سے کیسے چشم پوشی کی جاتی ہے اور ان کی طرف سے تکلیفوں کے پہنچنے پر ان سے اپنا دامن کیسے بچایا جا سکتا ہے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

اور کیا تمہیں اس پر تعجب ہوا کہ تم میں سے ایک مرد کی معرفت تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت آ گئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائیں' اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نوح کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور اس نے تمہیں اپنی مخلوق میں جسمانی وسعت اور قد و قامت میں زیادہ کیا' سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ O انہوں نے کہا: کیا ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم صرف اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے' سو تم ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم سچے ہو O

۶۹- ﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ﴾ اور کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تم میں سے ایک مرد کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آ گئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا یعنی زمین پر تمہیں ان کا جانشین بنا دیا گیا یا ان کے محلات و مکانات میں تمہیں ان کا جانشین بنایا گیا [اور ''اِذْ'' مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے] یعنی تم اپنے جانشین بننے کا وقت یاد کرو ﴿ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں قد و قامت کی درازی اور لمبائی میں زیادہ کیا' چنانچہ ان میں چھوٹے آدمی کا قد ساٹھ ہاتھ ہوتا تھا اور ان میں لمبے آدمی کا قد سو ہاتھ ہوتا تھا [اور اہل حجاز' عاصم اور علی کسائی کی قراءت میں ''بَصْطَةً'' ہے] ﴿ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں جانشین بنایا اور تمہارے جسموں کو دراز و وسیع فرمایا اور ان کے علاوہ اس کے عطیات و عنایات کو یاد کرو [اور ''الآء'' کا واحد ''اِلْیٌ'' ہے جیسے ''اناء'' کا واحد ''اِنْیٌ'' ہے] ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تاکہ تم فلاح و نجات حاصل کر لو۔

۷۰- ﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا ﴾ اس آیت مبارکہ میں آنے کا معنی یہ ہے کہ حضرت ھود علیہ السلام اپنی قوم سے دور ایک الگ مکان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ حضور سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء میں جا کر عبادت کرتے تھے اور آپ کا یہ سلسلہ اعلانِ نبوت تک جاری رہا' اسی طرح حضرت ھود علیہ السلام نے یہ سلسلۂ عبادت الگ مکان میں جا کر جاری رکھا' پھر جب آپ پر وحی نازل کی گئی تو آپ اپنی قوم کے پاس تشریف لائے اور انہیں دین حق کی دعوت دینے لگے تو آپ کی قوم نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے تشریف لائے ہیں ﴿ لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ کہ ہم

صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادے کرتے تھے' چنانچہ انہوں نے آپ کے دین کا انکار کر دیا اور انہوں نے اکیلے اللہ تعالیٰ کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرنے کو عقل سے بعید سمجھا اور انہوں نے بت پرستانہ اور مشرکانہ اپنے آبائی دین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا کیونکہ ان کی نشو و نما اور پرورش و تربیت اسی باطل و مشرکانہ دین پر ہوئی تھی اس لیے ان کے دلوں میں اس کی محبت رچ بس چکی تھی ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ سو آپ ہم پر وہ عذاب لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں اگر آپ اس بات میں سچے ہیں کہ ہم پر عذاب ضرور آنے والا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ ع ۸ / ۱۶

اس نے فرمایا: بے شک تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب آ گیا' کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نامزد کیا ہے؟ اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری' سو تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O سو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے O

۷۱۔ ﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو چکا' یہاں متوقع عذاب کو جس کا نازل ہونا ضروری تھا واقع ہو چکا کے قائم مقام کر دیا گیا ہے جیسے تمہارا اس شخص سے جس نے تم سے کچھ مطلب طلب کیا ہو یہ کہنا کہ تمہارا کام ہو چکا اور ''رِجْسٌ'' کا معنی عذاب اور غضب کا معنی ناراضگی ہے ﴿اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ﴾ کیا تم مجھ سے ایسی اشیاء کے ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جن کے نام تم نے از خود رکھ لیے ہیں جب کہ وہ خالی نام ہی نام ہیں ان کے ماتحت نام والی کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ تم نے بتوں کے نام معبود اور الٰہ رکھ لیے ہیں حالانکہ یہ بت معبودیّت اور الوہیّت کے معنی سے خالی ہیں ﴿اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ یہ نام تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نامزد کر دیئے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند اور حجت و دلیل نازل نہیں فرمائی ﴿فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ سو تم عذاب کے نازل ہونے کا انتظار کرو بے شک میں بھی اس کا انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

۷۲۔ ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ تو ہم نے اپنی مہربانی سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو یعنی آپ پر ایمان لانے والوں کو نجات دی ﴿وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' ''دابر'' کا معنی اصل اور جڑ ہے یا ہر چیز کا پچھلا حصہ اور ان کی جڑ کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کا قصہ یوں ہے کہ عاد کی قوم عمان اور حضر موت کے درمیان کئی شہروں میں پھیلی

ہوئی تھی اوران کے کئی بت تھے صدآء صمود اور ھبآء اور یہ لوگ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے حضرت ھود علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا مگر انہوں نے ان کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سال تک بارش روک دی اور ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو خانہ کعبہ میں جا کر اللہ تعالیٰ سے نجات طلب کرتے' چنانچہ اس دفعہ انہوں نے ایک وفد تیار کیا جس میں قیل بن عنز' لقیم بن ہزال اور مرثد بن سعد شامل تھے اور مرثد بن سعد حضرت ھود علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے مگر اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ چھپاتے تھے اور اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں عمالیق آباد تھے جو عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھے اور ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا' چنانچہ یہ وفد معاویہ بن بکر کے پاس مکہ جا کر ٹھہرا اور مرثد نے ان سے فرمایا کہ جب تک تم حضرت ھود پر ایمان نہیں لاؤ گے بارش نہیں برسے گی تو انہوں نے جناب مرثد کی مخالفت کی اور ان کو پیچھے چھوڑ کر خود خانہ کعبہ روانہ ہو گئے' وہاں جا کر قیل نے دعا کی کہ اے اللہ! عاد پر بارش برسا جیسا کہ پہلے تو ان کو بارش کے پانی سے سیراب کرتا رہا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے بادل بھیج دیئے' ایک سفید بادل' دوسرا سرخ بادل اور تیسرا سیاہ بادل' پھر آسمان سے آواز دینے والے نے آواز دی کہ اے قیل! تو اپنے اور اپنی قوم کے لیے ایک بادل پسند کر لے تو اس نے اس خیال سے کہ سیاہ بادل میں پانی زیادہ ہو گا اسی کو اختیار کر لیا' پھر یہ بادل عاد کی وادی میں پہنچ گئے تو وہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے: یہ بادل ہم پر خوب برسے گا تو ان پر اس بادل سے ایک سیاہ تند و تیز آندھی چلی جس نے سب کو ہلاک کر ڈالا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام اور آپ کے ساتھی مسلمانوں کو نجات دے دی اور یہ سب حضرات وہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ آ گئے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ سب باری باری انتقال کر گئے۔[1]

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾

وقف لازم

اور ہم نے ثمود کی طرف انہیں کی برادری سے صالح کو بھیجا' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ چکی' یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے' سو تم اسے چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین پر کھائے اور تم اسے بُرائی کے ساتھ نہ چھوؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا O اور یاد کرو جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور اس نے تمہیں ملک میں جگہ دی تم نرم زمین میں محل بناتے

[1] تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۹۔۲۲۰' تفسیر کشاف ج ۲ ص ۸۸

ہو اور تم پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے ہو' سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ O

حضرت صالح کی تبلیغ پر قوم ثمود اور حضرت لوط کی تبلیغ پر ان کی قوم کا ردِّ عمل

۷۳- ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ اصل میں ''وَاَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا'' ہے (یعنی) اور ہم نے ثمود کی طرف اس کی برادری سے صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا [اور ''وَاِلٰی ثَمُوْدٍ'' (ایک زبر کی بجائے دو زیر کے ساتھ اسم منصرف) بھی پڑھا گیا ہے اس تاویل کی بنا پر کہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے یا اس کے اصل کا اعتبار کر کے کیونکہ یہ ان کے بڑے سردار اور مورث اعلیٰ کا نام ہے جس کی طرف یہ تمام خاندان منسوب تھے اور یہ قبیلہ کا اسم علم قرار دینے پر غیر منصرف ہے] اور بعض نے کہا کہ اس قبیلہ کا نام ثمود اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہاں پانی کی قلت تھی کیونکہ ''ثمود''، ''ثمد'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: تھوڑا سا پانی اور ان کے مکانات حجاز اور شام کے درمیان حجر کے مقام پر تھے ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک روشن اور واضح اور ظاہر نشانی آ گئی ہے جو میری نبوت کی صداقت اور صحت پر دلیل ہے' پھر گویا کہا گیا کہ وہ کون سی نشانی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے [اور یہ اضافت تخصیص و تعظیم کے لیے ہے] کیونکہ یہ عظیم الشان اونٹنی ماں کے شکم اور باپ کی پشت سے منتقل ہو کر پیدا ہونے کی بجائے بلا واسطہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت و تکوین سے پیدا ہوئی تھی ﴿لَكُمْ اٰیَةً﴾ تمہارے لیے نشانی ہے [یہ ''نَاقَةٌ'' سے حال ہے' اس کا عامل اسم اشارہ ''هٰذِهٖ'' ہے] گویا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے اور ''لَكُمْ'' میں ان کا بیان ہے جن کے لیے یہ اونٹنی نشانی ہے اور وہ ثمود ہے کیونکہ انہوں نے اونٹنی کو دیکھا تھا ﴿فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ سو تم اسے چھوڑ دو کہ زمین میں کھائے یعنی زمین سے مراد اللہ تعالیٰ کی زمین ہے اور ''نَاقة'' سے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی مراد ہے کہ تم اس کو چھوڑ دو یہ اپنے مالک کی زمین میں اپنے مالک کا سبزہ چرے اور کھائے پیئے اور تمہیں اس کی محنت و مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور تم اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ اور اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی تعظیم و تکریم کی خاطر تم اس کو نہ مارو اور نہ اس کی کونچیں کاٹو اور نہ اس کو پانی اور چارہ وغیرہ سے بھگاؤ ﴿فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا اور تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا [یہ نہی کا جواب ہے]۔

۷۴- ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ﴾ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمہیں جگہ دی [''بَوَّاَكُمْ'' کا معنی ہے: ''نَزَّلَكُمْ'' اس نے تمہیں اتارا اور ''مباءة'' کا معنی منزل ہے] ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ حجاز اور شام کے درمیان علاقہ حجر میں ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا﴾ موسم گرما میں تم نرم زمین میں بلند و بالا محلات بناتے ہو ﴿وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا﴾ اور تم موسم سرما میں پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو [اور ''بیوتًا'' حال مقدرہ ہے] جیسے ''خِطْ هٰذَا الثَّوْبَ قَمِیْصًا'' اس کپڑے کی قمیص سی دیجئے کیونکہ پہاڑ تراشنے کے وقت مکان نہیں اور نہ سلائی کی حالت میں کپڑا قمیص ہوتا ہے ﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ مروی ہے کہ جب قوم عاد ہلاک ہو گئی تو ان کے بعد قوم ثمود نے ان کے شہروں کو آباد کیا اور اس علاقہ میں ان کے جانشین بنائے گئے اور انہوں نے بلند و بالا بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں اور انہوں نے مرنے سے پہلے مکانوں کے گرنے کے خوف سے پہاڑوں کو تراش کر ان میں عالی شان مکانات بنائے اور وہ

مالی اعتبار سے بڑے خوشحال تھے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت و سرکشی کر لی اور زمین میں فساد پھیلانا شروع کر دیا اور انہوں نے بت پرستی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا اور قوم ثمود او نچے نسب سے تعلق رکھتی تھی اور حضرت صالح علیہ السلام متوسط گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے' چنانچہ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی تو ان میں سے صرف چند غریب اور کمزور لوگوں نے آپ کی پیروی کی اور آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بہت ڈرایا (مگر وہ ایمان نہ لائے) پھر انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ فلاں معین پتھر سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکال دیں تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی تو وہ پتھر بچہ جننے والی عورت کی طرح اینٹھنے لگا' پھر اس سے اونٹنی برآمد ہوئی جیسا انہوں نے چاہا تھا' چنانچہ اس معجزہ کو دیکھ کر ان کی قوم میں سے جندع اور ایک دوسرا گروہ آپ پر ایمان لے آیا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

اس کی قوم میں سے متکبر سرداروں نے کمزور مسلمانوں سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ بے شک صالح اپنے رب کی طرف سے رسول مقرر کیے گئے ہیں' انہوں نے کہا کہ بے شک وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں○ تکبر کرنے والوں نے کہا کہ جس پر تم ایمان لائے ہو ہم انکار کرتے ہیں○

۷۵- ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا [ابن عامر شامی کی قراءت میں واؤ کے ساتھ ''وَقَالَ'' ہے] ﴿لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ کمزوروں کے لیے یعنی کفار کے سردار جن کو کمزور سمجھتے تھے ﴿لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے مسلمانوں کے لیے [اور یہ ''اَلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا'' سے حرف جار کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بدل جہاں بھی آتا ہے مقدر عامل کے اعادہ کے ساتھ ہوتا ہے اور ''مِنْهُمْ'' میں ضمیر ''مِنْ قَوْمِهٖ'' کی طرف لوٹتی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف مسلمانوں کو کمزور سمجھا گیا یا پھر ''اَلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا'' کی طرف لوٹتی ہے] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمزور مسلمان اور کافر دونوں تھے ﴿اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کیا تم جانتے ہو کہ بے شک (حضرت) صالح اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بات بطور مذاق کہی تھی ﴿قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ مسلمانوں نے کہا کہ جو کچھ دے کر انہیں بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں نے ان کو یہ جواب اس لیے دیا کہ انہوں نے مسلمانوں سے حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت جاننے کے بارے میں سوال کیا تھا' چنانچہ مسلمانوں نے آپ کی رسالت کو امر معلوم اور مسلم و یقینی قرار دیا گویا مسلمانوں نے کہا کہ آپ کی رسالت اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اس کے بارے میں ایسا یقینی علم ہے کہ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں البتہ کلام تو ان پر ایمان لانے کے وجوب میں ہے' سو ہم تمہیں خبردار کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان پر ایمان لا چکے ہیں اور اس پر قائم ہیں۔

۷۶- ﴿قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ تکبر کرنے والوں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے

ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے جس کو امر معلوم اور مسلم قرار دیا تھا اس کی تردید کرنے کے لیے انہوں نے "اُرْسِلَ بِهٖ" کی جگہ "اٰمَنْتُمْ بِهٖ" کو رکھ دیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور انہوں نے کہا کہ اے صالح! جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ اگر تم رسولوں میں سے ہو O تو ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے O پس صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اور میں نے تمہیں نصیحت کی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے O اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کی O بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے جاتے ہو بلکہ تم حد سے بڑھ کر زیادتی کرنے والے لوگ ہو O

۷۷-﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾ پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ کونچیں کاٹنے کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی ہے حالانکہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا صرف قدار بن سالف تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے ان سب کی رضا مندی اور ان کی اجازت اور مشورے سے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں اور قدار کا رنگ سرخ تھا اور آنکھیں نیلی تھیں اور قد چھوٹا تھا جیسا کہ فرعون کہ یہ بھی اسی طرح تھا اور حضور سرور کونین رسول الثقلین ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے علی! پہلے لوگوں میں بدترین و بدبخت وہ شخص ہوا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر ہلاک کیا تھا اور پچھلے لوگوں میں بدترین بدبخت وہ شخص ہے جو تجھے قتل کرے گا[1] ﴿وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ اور انہوں نے اپنے رب کے حکم سے بغاوت و سرکشی کی اور اس سے منہ پھیر لیا اور تکبر و غرور کیا اور ان کے رب کے حکم سے مراد وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی انہیں سنایا تھا اور وہ حکم یہ تھا کہ "فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ" (الاعراف: ۷۳) "سو تم اس کو چھوڑ دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھائے اور پیے اور تم اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا" یا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مراد شان خدا ہے اور وہ اس کا دین ہے (یعنی انہوں نے اپنے رب کے دین سے بغاوت و سرکشی کی) ﴿وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے صالح! تم ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے

[1] رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ ج ۴ ص ۳۰۷' وفی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴-۲۹۹

وعدہ کرتے ہو اگر واقعی تم رسولوں میں سے ہو۔

۷۸- ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس ان کو سخت جھٹکے کے ساتھ زلزلے نے پکڑ لیا' وہ ایک سخت ڈراؤنی کڑک تھی جس سے زمین لرز گئی اور زلزلہ پیدا ہو گیا جس کے خوف سے ان کی جان لبوں پر آ گئی اور سب کے سب ہلاک ہو گئے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ سو وہ لوگ اپنے شہروں اور اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے' کہا جاتا ہے: "اَلنَّاسُ جُثَّمٌ" یعنی لوگ ایسے بیٹھ گئے کہ نہ ان میں حرکت رہی اور نہ وہ بات چیت کر سکتے ہیں۔

۷۹- ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ﴾ جب انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو حضرت صالح علیہ السلام ان سے منہ پھیر کر ہجرت کر گئے ﴿وَقَالَ یٰقَوْمِ﴾ اور آپ نے ان سے جدا ہوتے فرمایا: اے میری قوم! ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بھلائی چاہی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے جو خواہشِ نفسانی کے برعکس راہِ راست پر چلنے کا حکم دیتے ہیں اور نصیحت ایسی خیر خواہی ہے جو ذلت و رسوائی کو دور کر دیتی ہے لیکن یہ سخت چیز ہے جو لوگوں میں بغض و کینہ پیدا کر دیتی ہے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی کہ انہوں نے بدھ کے روز اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اب اس کے بعد صرف تین دن زندہ رہو گے اور پہلے روز تمہارے چہرے زرد اور پیلے پڑ جائیں گے اور دوسرے روز سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے روز سیاہ ہو جائیں گے اور چوتھے روز تمہیں عذاب پہنچے گا جس سے تم سب اسی روز ہلاک ہو جاؤ گے' چنانچہ آپ نے جیسا فرمایا ویسے ہی ہوا اور ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ ایک سو دس مسلمانوں کے ساتھ روتے ہوئے وہاں سے ہجرت کر کے نکل گئے' پھر جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے ہیں تو آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور اپنے گھروں میں رہائش پذیر ہو گئے۔

قومِ لوط کا قصہ

۸۰- ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ﴾ [اصل میں "وَاذْكُرُوْا لُوْطًا" ہے اور "اِذْ" اس سے بدل ہے] یعنی اور تم حضرت لوط علیہ السلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم ایسے بے حیائی اور برائی کے کام کرتے ہو جو قباحت و ذلت میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تم سے پہلے بے حیائی کا یہ کام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے پہلے "اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" فرما کر ان پر انکار کیا اور ان سے نفرت وغصہ کا اظہار فرمایا' پھر آخر میں دوبارہ ان پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ تم پہلے بد بخت ہو جنہوں نے اس بے حیائی کے کام کو شروع کیا ہے [اور "بِهَا" میں "بَا" تعدیہ ہے] اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے کہ "سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ" یعنی اس میں عکاشہ تم سے سبقت کر گیا ہے[1] ["مِنْ اَحَدٍ" میں "مِنْ" زائدہ ہے جو صرف نفی کی تاکید کے لیے اور استغراق کے معنی کا فائدہ دینے کے لیے لایا گیا ہے اور "مِنَ الْعَالَمِیْنَ" میں "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے اور یہ جملہ مستأنفہ (نیا الگ) ہے]۔

۸۱- ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو ["لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ" اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" کا بیان ہے اصل میں "اَاِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ" ہے اور اس کا ہمزہ استفہام "اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" کے ہمزہ کی طرح انکار کے لیے ہے' نافع مدنی اور حفص

[1] رواہ احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۴۰۳-۴۰۴-۴۵۴

کی قراءت میں خبر کی بنا پر ''اِنَّکُمْ'' (زیر والے ایک ہمزہ کے ساتھ) ہے] ''اَتَی الْمَرْاَۃَ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب مرد عورت کو ڈھانپ لے [اور ''شَھْوَۃً'' مفعول لہ ہے] یعنی تم صرف بری خواہش پوری کرنے کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو اور اس سے بڑھ کر برا کام کوئی نہیں ہے کیونکہ ان کی یہ صفت و عادت حیوانیت ہے اور ''مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ'' کا مطلب ہے کہ تم عورتوں کے پاس نہیں جاتے ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم حد سے بڑھ کر زیادتی کرنے والی قوم ہو انکار مذکور سے اعراض کر کے ان کے اصل حال سے خبردار کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ ایسے بدترین جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کی عادت حد سے بڑھنا ہے اور یہ ہر کام میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے شہوت رانی کی تکمیل کے لیے بھی زیادتی کی یہاں تک کہ انہوں نے فطری عمل کو چھوڑ کر غیر فطری عمل کی طرف تجاوز کیا۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾

اور ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ ان کو تم اپنی بستی سے نکال دو' بے شک یہ لوگ پاک بنتے ہیں O سو ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دی ماسوا ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہو گئی O اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی' تو تم غور کرو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا O

٨٢۔ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ﴾ اور ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر صرف یہ کہ انہوں نے کہا کہ ان کو تم اپنی بستی سے نکال دو یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو نکال دو' بہر حال حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے جو گفتگو کرتے ہوئے بے حیائی کے کام پر نفرت و انکار اور حد سے بڑھنے کی بری عادت جو برائی کی اصل ہے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تو انہوں نے ان باتوں کا جواب نہیں دیا بلکہ انہوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکالنے کا جو حکم دیا اس کا آپ کی گفتگو اور آپ کی نصیحت سے کوئی تعلق نہیں ﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ بے شک وہ پاک باز بنتے ہیں کہ پاکیزگی کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارے گندے کام سے بچتے ہیں' حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے مدح کے الفاظ کے ساتھ ان پر الزام لگایا۔

٨٣۔ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ﴾ سو ہم نے ان کو اور ان کے اہل و عیال کو نجات دی یعنی ہم نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مخصوص ساتھی اولاد امجاد اور مسلمانوں کو نجات دی ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ مگر ان کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گئی اور وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہو گئی [اور مردوں کو عورتوں پر غلبہ دے کر ''مِنَ الْغَابِرَاتِ'' کی بجائے ''مِنَ الْغَابِرِيْنَ'' جمع مذکر ذکر کیا گیا ہے] حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی اور اپنے علاقہ سدوم کے رہنے والے کافروں کی حمایت کرتی تھی اور روایت بیان کی گئی کہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس پر ایک بڑا سا پتھر آن گرا جس سے زخمی ہو کر مر گئی۔

٨٤۔ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے ان پر ایک عجیب و غریب قسم کی بارش برسا دی' چنانچہ مفسرین کرام نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر گندھک اور آگ کی بارش برسا دی تھی اور بعض نے فرمایا کہ ان میں سے گھروں میں رہنے والوں کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا اور مسافروں پر پتھر برسا کر ہلاک کیا گیا تھا [اور حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ ''اَمْطَرَ'' عذاب کے لیے آتا ہے اور ''مَطَرَ'' رحمت کے لیے آتا ہے] ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ سو تم غور کرو کہ مجرموں یعنی کافروں کا انجام کیسا برا ہوا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہم نے مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ چکی ہے' سو تم ناپ اور تول پورا کرو اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور تم زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان دار ہو O اور تم ہر راستے پر نہ بیٹھو کہ تم ایمان والوں کو ڈراؤ اور اللہ کے راستے سے روکو اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہو' اور اس وقت کو یاد کرو جب تم بالکل تھوڑے تھے تو اللہ نے تم کو بڑھا دیا' اور غور سے دیکھو کہ فسادیوں کا کیسا بُرا انجام ہوا O

حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ پر ان کی قوم کا ردِّ عمل

۸۵- ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ [اصل میں ''وَاَرْسَلْنَا اِلٰى مَدْيَنَ'' ہے] یعنی ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا اور مدین قبیلہ کا نام ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے کیونکہ آپ حسن ادب کے ساتھ اپنی قوم کی طرف رجوع فرماتے تھے اور آپ کی قوم کے لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ گئی یعنی معجزہ اگرچہ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ﴾ سو تم ناپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ناپ اور تول کے وزن کو پورا کرو [یا پھر ''میزان'' ''مِيْعَاد'' کی طرح مصدر کے معنی میں ہے] ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور نہ تم ناپ اور تول میں کمی کر کے ان کے حقوق کم کرو' دراصل مدین کے لوگ خرید و فروخت کرتے وقت ہر چیز لوگوں کو کم کر کے دیتے تھے (اور خود پوری لیتے تھے) [اور ''بَخَسَ'' دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے' اس جگہ ان دو میں سے ایک

مفعول ''النَّاس '' ہے اور دوسرا مفعول ''اَشْیَاءَ '' ہے جیسے تم کہتے ہو: ''بَخَسْتُ زَیْدًا حَقَّہٗ '' یعنی میں نے زید کو اس کا حق کم کر کے دیا ﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ اور تم زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یعنی انبیاء کرام اور اولیائے عظام و دیگر صالحین نے زمین پر شریعت کے احکام نافذ و جاری کر کے اس کی اصلاح کی اور اس کو درست کر کے سنوار دیا اب تم اس کے بعد کفر و شرک اور ظلم وفتنہ کے ذریعے اس میں فساد نہ پھیلاؤ اور اس کی اضافت ''بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ '' (سبا: ۳۳) کی اضافت کی طرح ہے یعنی بلکہ تمہارا مکر وفریب رات اور دن میں جاری رہتا ہے ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ ناپ اور تول پورا کرنے اور اس میں کمی نہ کرنے اور فساد نہ پھیلانے کا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ہدایات ﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ تمہارے لیے انسانیت اور حسن معاشرت کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اگر تم میری باتوں کی تصدیق کرتے ہو (کہ میں سچ بولتا ہوں)۔

۸۶- ﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ ﴾ اور تم ہر راستے پر اس لیے نہ بیٹھو کہ تم حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو سزا سے ڈراؤ ﴿ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکو ﴿ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ﴾ ان کو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ وہ لوگ ڈاکو تھے وہ راستوں پر گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے اور بعض نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے مال کا دسواں حصہ زبردستی وصول کرتے تھے ﴿ وَتَبْغُوْنَهَا ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ کے لیے (اس کے دین کے لیے) طلب کرتے ہو ﴿ عِوَجًا ﴾ ٹیڑھا پن یعنی تم لوگوں کو بتاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ٹیڑھا ہے اور وہ سیدھا نہیں ہے جس کی وجہ سے تم لوگوں کو اس کی راہ پر چلنے سے روکتے ہو| اور ''تُوْعِدُوْنَ '' اور اس پر معطوفات محلاً حال کی بنا پر منصوب ہیں |یعنی تم لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے اور ٹیڑھا راستہ تلاش کرنے کے لیے نہ بیٹھو ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا ﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب تم بالکل تھوڑے تھے| ''اِذْ '' مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے |یعنی تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے وہ وقت یاد کرو جب تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی ﴿ فَكَثَّرَكُمْ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور تمہاری تعداد بڑھ گئی اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ مدین بن ابراہیم نے حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کی جس سے اولاد ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں برکت رکھی اور اس میں اضافہ فرمایا تو ان کی اولاد در اولاد کثرت سے بڑھ گئی ﴿ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ اور غور سے دیکھو فساد پھیلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا یعنی تم سے پہلے جن امتوں نے فساد پھیلایا تھا ان کا انجام کیسا ہوا جیسے حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی قومیں۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۞

اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس پر ایمان لے آئی ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے' اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O

۸۷- ﴿ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا ﴾ اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس پر ایمان لے آئی ہے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو تم صبر کرو اور انتظار کرو

﴿ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے یعنی اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا کہ حق کا ساتھ دینے والوں کی مدد فرمائے گا اور باطل پرستوں کو شکست دے گا اور حق والوں کو ان پر غالب کر دے گا اور یہ کافروں کے لیے وعید اور دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا اور یہ مسلمانوں کے لیے صبر کرنے پر ترغیب ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچیں گی؛ پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کافروں سے مسلمانوں کا بدلا لے گا یا یہ دونوں فریقوں کو خطاب ہے یعنی تا کہ مسلمان کافروں کی تکلیفوں پر صبر کریں اور کافروں میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کو تکلیفیں دینے سے کفار باز آ جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمادے اور ناپاک کو پاک سے جدا کر دے ﴿ وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہوتا ہے اور اس میں ظلم و زیادتی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کٰرِھِیْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا ؕ وَمَا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْھَآ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

ان کی قوم میں سے تکبر کرنے والے سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ' انہوں نے فرمایا: اور کیا اگر چہ ہم ناپسند کرتے ہوں O بے شک ہم نے اللہ پر بہتان باندھا اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے' اور ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں مگر یہ کہ ہمارا مالک چاہے' اور ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے' اللہ ہی کی ذات پر ہم نے بھروسا کیا ہے' اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O اور ان کی قوم میں سے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بلاشبہ تم اس وقت نقصان اٹھانے والے ہو گئے O

۸۸- ﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ﴾ ان کی قوم میں سے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ضرور ہو گا یا تمہیں نکالنا پڑے گا یا پھر مسلمانوں کو کفر میں لوٹنا پڑے گا ﴿ قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کٰرِھِیْنَ ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اور کیا اگر چہ ہم اس کو ناپسند کرتے ہوں [ہمزہ استفہام (سوال) کا ہے اور واؤ حال کے لیے ہے] یعنی کیا تم ہمیں اپنے دین میں واپس لے جاؤ گے

حالانکہ ہم ناپسند کرتے ہوں اور اس کے باوجود کہ ہم نفرت کرتے ہوں انہوں نے کہا: ''جی ہاں''۔

۸۹۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ ﴾ اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ [یہ لام محذوف کی تقدیر پر قسم ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک ہم نے ضرور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ جائیں ﴿ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے اور ہمیں اس سے نکال لیا ہے' پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ کیسے فرمایا کہ اگر ہم تمہارے دین پر لوٹ جائیں حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام پر کفر محال و ناممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی قوم کا لوٹ جانا مراد لیا ہے مگر آپ نے غلبہ و اکثریت کے حکم پر اپنا کلام جاری کر کے اپنے آپ کو ان کی جماعت میں شامل کر لیا حالانکہ آپ اس سے بری تھے ﴿ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ ﴾ اور ہمارے لیے نامناسب ہے اور نہ ہمارے لیے جائز ہے ﴿ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ﴾ کہ ہم اس میں لوٹ جائیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو ہمارا پروردگار ہے یعنی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں پہلے لکھا جا چکا ہو کہ ہم نے لوٹ جانا ہے کیونکہ تمام کائنات کی بھلائی اور بُرائی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے ﴿ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے [''عِلْمًا'' تمیز ہے] یعنی وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے سو وہ اپنے بندوں کے حالات کو خوب جانتا ہے کہ وہ کیسے تبدیل ہوتے ہیں اور ان کے دل کیسے پلٹتے ہیں ﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا کیا ہوا ہے' وہی ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے گا اور یقین میں اضافہ کی وہی ہمیں توفیق عنایت فرمائے گا ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ﴾ اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کو کھول دے یعنی فیصلہ فرما دے اور ''فتاحة'' کا معنی حکم دینا' حکومت کرنا اور کسی مشکل کام کو حل کرنے کے لیے حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے اس لیے قضا کو فتح کہتے ہیں اور اہل عمان قاضی کو ''فَتَّاح'' کہتے ہیں ﴿ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴾ اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ'' (الاعراف: ۸۷) ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' کی طرح ہے۔

۹۰۔ ﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو پھر تم نقصان اٹھانے والے ہو گے کیونکہ جب تم (حضرت) شعیب کی پیروی کرو گے تو ناپ و تول میں کمی کرنے کے فوائد سے محروم ہو جاؤ گے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام تمہیں ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع کریں گے اور وہ تمہیں پورا اور برابر ناپ اور تول کی ترغیب دیں گے [اور اس قسم کا جواب جس کی وجہ سے ''لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ'' کے شروع میں لام داخل ہوا ہے اور نیز شرط کا جواب ''اِنَّكُمْ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ'' ہے] سو یہ دونوں جوابات کے قائم مقام ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

پھر ان کو ہولناک زلزلے نے پکڑ لیا' سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے ○ انہیں لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں کبھی نہیں رہے' انہیں لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے ○ پھر شعیب نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی' تو اب میں کافروں کی قوم پر کیوں افسوس کروں ○ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف کے ساتھ پکڑ لیا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں ○

۹۱- ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ سو ان کو سخت ترین زلزلہ نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے۔

۹۲- ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر] ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ ہے یعنی جن لوگوں نے (حضرت) شعیب کو جھٹلایا تھا وہ (ایسے تباہ ہوئے کہ) گویا اپنے گھروں میں کبھی رہے ہی نہیں "غَنِىَ بِالْمَكَانِ" کا معنی ہے کہ وہ اپنے گھر میں قیام پذیر رہا ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر] ﴿ كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ہے یعنی جنہوں نے (حضرت) شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اور ایمان والے نقصان اٹھانے والے نہیں جن کے بارے میں کافروں نے کہا تھا کہ اگر تم نے حضرت شعیب کی پیروی کی تو تم نقصان اٹھاؤ گے [اور ابتدا میں اختصاص کا معنی ہے] گویا کہا گیا ہے کہ جنہوں نے حضرت شعیب کو جھٹلایا وہی اس بات کے ساتھ مخصوص تھے کہ انہیں ہلاک کیا گیا' گویا وہ اپنے گھروں میں کبھی نہیں رہے کیونکہ جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کی ان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی اور جنہوں نے حضرت شعیب کو جھٹلایا وہی بہت بڑے خسارے میں مخصوص کر دیئے گئے نہ کہ اتباع کرنے والے کیونکہ وہ تو نفع پانے والے ہیں اور اس کے تکرار میں مبالغہ ہے اور ان کے جھٹلانے کو بہت بڑا جرم ظاہر کرنا مقصود ہے اور ان پر بہت بڑی سزا اس لیے جاری کی گئی ہے۔

۹۳- ﴿ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ ﴾ تو ان پر عذاب کے نزول کے بعد حضرت شعیب نے ان سے منہ پھیر لیا ﴿ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴾ اور حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور میں نے تمہیں نصیحت کر دی' پس ان میں کافر قوم پر افسوس و غم کیوں کر کروں۔ دراصل حضرت شعیب کو اپنی قوم پر بہت سخت غم ہوا' پھر بھی آپ نے غم کا انکار کیا اور فرمایا کہ میرا غم ایسی بد بخت قوم پر کیوں کر ہو گا جو اپنے کفر اور عذابِ خدا کے مستحق ہونے کی وجہ سے اہل نہیں کہ اس پر غم کیا جائے یا آپ نے بطور معذرت فرمایا کہ میں نے تبلیغ کرنے میں اور تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرانے میں پوری کوشش کی لیکن تم نے میری تصدیق نہیں کی تو میں تم پر کیسے افسوس کروں۔

انبیائے کرام کی تکذیب کی وجہ سے کفار پر آفات کا نزول

۹۴- ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ ﴾ اور ہم نے کسی بستی اور شہر میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو سختی و پریشانی اور فقر و فاقہ کے ساتھ پکڑ لیا۔ ہر شہر کو "قَرْيَة" کہا جاتا ہے [اور اس میں کچھ عبارت محذوف ہے' اصل میں "فَكَذَّبُوْهُ" ہے] یعنی نبی کے جھٹلانے کے بعد ان پر عذاب و گرفت ہوئی اور

''بَاْسَآء'' ''بُنُوْسٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: سخت مفلس و محتاج اور مصیبت و آفت ﴿ وَالضَّرَّآءِ ﴾ اور ضرر و نقصان اور بیماری کے ساتھ (ہم نے انہیں پکڑ لیا) کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی پیروی سے تکبر کیا تھا یا پھر دونوں (بَاْسَاءِ وَضَرَّآءِ) کا معنی ہے: جان اور مال کا نقصان ﴿ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴾ تا کہ وہ لوگ گڑ گڑائیں اور عاجزی اور انکساری اختیار کریں اور تکبر و غرور کی چادریں اتار دیں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾

پھر ہم نے بُرائی کی جگہ کو بھلائی سے تبدیل کر دیا یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہمارے باپ دادا کو بھی دکھ اور سکھ پہنچا تھا' پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ سمجھ نہ سکے O اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈر جاتے تو البتہ ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے (دروازے) کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے بداعمال پر پکڑ لیا جن کا وہ ارتکاب کرتے رہے O تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آ جائے جب کہ وہ سو رہے ہوں O

۹۵- ﴿ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ ﴾ پھر ہم نے برائی کی جگہ کو بھلائی سے تبدیل کر دیا یعنی وہ لوگ جن مصیبتوں اور بلاؤں اور بیماریوں میں مبتلا تھے ہم نے ان کے بدلے میں ان کو خوشحالی اور مال و دولت میں فراخی اور صحت و تندرستی عطا فرما دی ﴿ حَتّٰى عَفَوْا ﴾ یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ ہو گئے اور وہ مال و جان میں بہت بڑھ گئے اور جب سبزہ زیادہ ہو جائے تو اہل عرب کہا کرتے ہیں: ''عَفَا النَّبَاتُ'' سبزہ بہت ہو گیا ہے اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے ''وَاعْفُوا اللُّحٰى'' [1] یعنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ ﴿ وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ ﴾ اور انہوں نے کہا: بے شک ہمارے باپ دادا کو بھی تنگدستی اور خوشحالی پہنچی تھی یعنی انہوں نے کہا کہ یہ زمانے کی عادت ہے کہ وہ لوگوں میں کبھی تنگدستی اور رنج کے ساتھ اور کبھی خوشحالی اور راحت و آرام کے ساتھ آگے پیچھے آتا رہتا ہے اور (ہماری طرح) ہمارے باپ دادا کو اسی قسم کی صورت حال پیش آئی تھی اور یہ حالات گناہوں کی وجہ سے نہیں آتے (بلکہ گردشِ زمانہ سے آتے ہیں) لہٰذا تم اپنے نظریہ پر ڈٹے رہو ﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ﴾ سو ہم نے ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیا ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ عذاب کے نازل ہونے سے بے خبر رہے۔

۹۶- ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى ﴾ [''الْقُرٰى'' میں لام عہد کا ہے] اور یہ اشارہ ہے کہ اس بستی سے وہ لوگ مراد ہیں جس پر ''وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ'' دلالت کر رہا ہے گویا فرمایا کہ اگر ان بستیوں کے رہنے والے جنہوں نے اپنے

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۳' والنسائی ج ۱ ص ۱۶' ج ۸ ص ۱۲۹-۱۸۲

پیغمبروں کو جھٹلایا اور تباہ و برباد کر دیئے گئے ﴿ اٰمَنُوْا ﴾ کفر کی بجائے ایمان لے آتے ﴿ وَاتَّقَوْا ﴾ اور کفر و شرک کو چھوڑ دیتے اور اس کے مرتکب نہ ہوتے ﴿ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ ﴾ تو ہم ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیتے [ابن عامر شامی کی قراءت میں "لَفَتَّحْنَا" (باب تفعیل سے "تا" مشدد کے ساتھ) پڑھا گیا ہے] ﴿ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ آسمان اور زمین سے' مقصد یہ ہے کہ آسمان سے بارش برسا کر اور زمین سے کھیتیاں اگا کر یا یہ کہ ہم انہیں ہر قسم کی اور ہر طریقے سے خیر و بھلائی اور خوشحالی عطا فرما دیتے ﴿ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا ﴾ اور لیکن انہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا ﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ سو ہم نے ان کو ان کے کفر و شرک اور ان کے برے کاموں کی وجہ سے پکڑ لیا جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے [اور یہ بھی جائز ہے کہ "اَلْقُرٰى" میں لام جنس کا ہو]۔

۹۷- ﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى ﴾ تو کیا ان بستیوں والے یعنی ان میں سے کفار اس بات سے بے خوف ہو گئے ﴿ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا ﴾ کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے "بَيَاتًا" بہ معنی "لَيْلًا" ہے یعنی رات کے وقت جیسے کہا جاتا ہے: "بَاتَ بَيَاتًا" اس نے رات گزاری ﴿ وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴾ اور وہ اس وقت سو رہے ہوں۔

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

ع ۱۲/۲

اور کیا بستیوں والے اس بات سے نڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آ جائے اور وہ کھیل کود میں مشغول ہوں○ تو کیا وہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے' سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر تباہ و برباد ہونے والے لوگ○ اور کیا ان لوگوں کو ہدایت نہیں ملی جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ڈال دیتے' اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں' سو وہ کچھ نہیں سنتے○ یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں' اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے' سو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے اس لیے تیار نہ ہوئے کہ اس سے پہلے وہ ان کو جھٹلا چکے تھے' اس طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے○

۹۸- ﴿ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى ﴾ اور کیا ان بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت آ جائے یعنی دن کے وقت [کیونکہ "ضُحًى"، "نَهَارًا" کے معنی میں ہے' دراصل "ضُحًى" سورج کی اس روشنی کا نام ہے کہ جب سورج خوب چمکنے لگ جائے اور "اَفَاَمِنَ" میں "فا" اور "اَوَاَمِنَ" میں واؤ

دونوں حروف عطف ہیں اوران پر ہمزہ انکار کا داخل ہے اوران کا معطوف علیہ ''فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً'' ہے اور''وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی'' سے لے کر''یَكْسِبُوْنَ'' تک معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور پہلی آیت کریمہ میں ''فا'' کے ساتھ اس لیے عطف کیا گیا ہے] کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب انہوں نے کفر وشرک کا ارتکاب کیا اور دوسرے برے کام کیے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا تو کیا اس کے بعد ان بستیوں میں رہنے والے اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے اور وہ اس بات سے بھی بے خوف ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر دن کے وقت آ جائے [اہل حجاز اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''اَوْ'' کے ساتھ عطف کر کے ''اَوَاَمِنَ'' پڑھا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ رات یا دن کے وقت عذاب آنے کے متعلق دو وجہوں میں کسی ایک سے بے خوف ہونے کا انکار ہے [پھر اگر یہ کہا جائے کہ حرف عطف پر استفہام کا ہمزہ کیسے داخل ہو گیا ہے حالانکہ وہ استفہام کے منافی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تنافی (خلاف) مفرد میں ہے جملے کے جملے پر عطف میں نہیں ہے کیونکہ جملے کے بعد جملہ مستقل اور الگ جملہ ہوتا ہے] ﴿وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ﴾ اور وہ کھیل کود میں مشغول ہوں جس کا انہیں فائدہ نہیں۔

۹۹- ﴿اَفَاَمِنُوْا﴾ یہ ارشاد باری تعالیٰ'' اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی'' کے لیے تکرار ہے ﴿مَكْرَ اللّٰهِ﴾ تو کیا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں''مَكْرَ اللّٰهِ'' کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو اس طرح گرفت میں لینا کہ بندے کو پتا نہ چلے' حضرت ابو بکر شبلی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ مکر (خفیہ منصوبہ) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور حضرت ربیع بن خثیم کی بیٹی نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں لوگوں کو رات کے وقت سوتا دیکھتی ہوں لیکن میں آپ کو رات کے وقت سوتا نہیں دیکھتی تو اس نے فرمایا کہ میری بیٹی تیرا باپ رات کے وقت خدا کے عذاب کے آنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ان کی مراد یہی آیت مبارکہ''اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا'' تھی ﴿فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر کافر لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ دوزخ کی آگ کے حق دار ہو گئے۔

۱۰۰- ﴿اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ واضح نہیں ہوا جو زمین کے مالکوں کے بعد ان کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے مصیبت میں ڈال دیں [''یَهْدِ''''یُبَیِّنُ'' کے معنی میں ہے اور''اَنْ لَّوْ نَشَآءُ'' مرفوع ہے کیونکہ یہ''یَهْدِ'' کا فاعل ہے اور''اَنْ'' ثقیلہ (مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) ہے] یعنی اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ واضح نہیں ہوا جو ان لوگوں کے بعد آئے جو ان سے پہلے اپنے گھروں میں ہلاک ہو کر گزر چکے اور یہ ان کی سرزمین کے اسی شان کے ساتھ (یعنی کفر وشرک اور معصیت کے ساتھ) وارث ہوئے' لہٰذا اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں ڈال دیں جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا اور ہم ان وارثوں کو بھی ہلاک کر دیں جیسا کہ ہم نے ان کے مورثوں کو ہلاک کر دیا تھا [اور یاد رہے کہ ہدایت کا فعل لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس لیے یہ تبیین کے معنی میں ہے] ﴿وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم ان کے دلوں پر چھاپ لگا دیتے ہیں [اور یہ جملہ مستأنفہ (نیا اور الگ جملہ) ہے] یعنی اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ﴿فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ﴾ سو وہ وعظ ونصیحت کو نہیں سنتے۔

۱۰۱- ﴿تِلْكَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا﴾ ہم ان بستیوں میں رہنے والوں کی کچھ خبریں آپ سے بیان کرتے ہیں [یہ ارشاد باری تعالیٰ'' وَهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا'' کی طرح مبتدا خبر ہیں (یعنی''تِلْكَ'' مبتدا ہے اور''الْقُرٰی'' اس

کی خبر ہے) اور ''نَقُصُّ'' حال ہے یا پھر ''الْقُرٰی'' ، ''تِلْكَ'' کی صفت ہے اور یہ موصوف صفت مبتدا ہے اور ''نَقُصُّ'' اس کی خبر ہے] اور معنی یہ ہے کہ مذکورہ بستیوں کے باشندوں کی کچھ خبریں ہم آپ سے بیان کرتے ہیں اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تک ہیں اور ان کے علاوہ دیگر اقوام کی خبریں ابھی ہم نے آپ سے بیان نہیں کیں ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر تشریف لائے ﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا﴾ سو معجزات لے کر رسولوں کے آنے کے وقت وہ ایمان نہیں لائے تھے ﴿بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ رسولوں کے تشریف لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلا چکے تھے یا وہ آخر عمر تک اس لیے ایمان نہیں لائے تھے کہ جب ان کے پاس رسول تشریف لائے تھے تو انہوں نے پہلی دفعہ ان کو جھٹلا دیا تھا یعنی وہ لوگ رسولوں کی آمد کے وقت سے لے کر آخر دم تک تکذیب (یعنی جھٹلانے) کی روش پر قائم رہے یہاں تک کہ وہ لوگ مسلسل معجزات دیکھنے کے باوجود کفر پر اصرار کرتے ہوئے مر گئے [اور اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح یعنی مہر کی سخت ترین چھاپ کی طرح ﴿يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر چھاپ لگا دیتا ہے کیونکہ وہ ان کے بارے میں جانتا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر کفر پر ڈٹے رہنے کو اختیار کر لیا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور ہم نے ان میں سے اکثر کو عہد کا پابند نہ پایا' اور بے شک ہم نے ان میں اکثر کو نافرمان پایاO پھر ہم نے موسیٰ کو روشن معجزات دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان کے ساتھ ناانصافی کی' تو غور سے دیکھو فسادیوں کا انجام کیسا ہواO اور موسیٰ نے فرمایا: بے شک میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوںO مجھ پر لازم ہے کہ میں اللہ کے متعلق سوائے حق کے کچھ نہ کہوں' بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہوں' سو تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دوO اس نے کہا: اگر تم کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم سچے ہوO

۱۰۲- ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ﴾ اور ہم نے ان میں اکثر کو عہد کا پابند نہیں پایا [اس میں ''هُمْ'' ضمیر ''النَّاس'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اکثر لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدوں کو توڑ دیا اور روز میثاق ایمان کے عہد کو دنیا میں آ کر توڑ دیا [اور یہ آیت مبارکہ جملہ معترضہ ہے یا ''هُمْ'' ضمیر مذکورہ امتوں کی طرف لوٹتی ہے] کیونکہ ان کی عادت

تھی کہ وہ لوگ مصیبت و تکلیف اور خوف وڈر میں جب اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے تو کہتے: ''لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا لَنُؤْمِنَنَّ'' کہ اگر تو نے ہمیں نجات دے دی تو ہم ضرور ایمان لائیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے دیتا تو وہ اپنے وعدے کو توڑ دیتے اور ایمان نہیں لاتے تھے ﴿وَاِنْ﴾ [اصل میں ''وَاِنَّ'' ہے] یعنی اور بے شک شان یہ ہے اور بات یہ ہے کہ ﴿وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾ ہم نے ان میں اکثر کو نافرمان اور اطاعت وفرماں برداری سے خارج پایا ہے [اور ''وَجَدْنَا'' بہ معنی ''عَلِمْنَا'' ہے کیونکہ اس کے شروع میں ''اِنْ'' مخففہ (ساکن) ہے اور ''فَاسِقِيْنَ'' پر لام فارقہ داخل ہے اور یہ صرف مبتدا اور خبر میں جائز ہوتا ہے اور ان افعال میں جائز ہوتا ہے جو ان دونوں پر داخل ہوتے ہیں]۔

حضرت موسیٰ اور فرعون اور ان کے متعلقین کے واقعات

۱۰۳- ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد (حضرت) موسیٰ کو روشن معجزات دے کر فرعون کی طرف اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا [''مِنْ بَعْدِهِمْ'' میں ضمیر ''رسل'' کی طرف لوٹتی ہے] جن کا ذکر ارشادِ باری تعالیٰ ''وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ'' میں ہو چکا ہے یعنی ان رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ کو بھیجا یا پھر مذکورہ بالا امتوں کی طرف لوٹتی ہے (جیسے قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود اور قوم مدین وغیرہ) آیات سے معجزات مراد ہیں ﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ سو انہوں نے ناانصافی اور زیادتی کی کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کر دیا' یہاں ظلم کو کفر کے مقام پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں راہیں ایک ہی وادی (شرک) سے نکلتی ہیں' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ'' (لقمان:۱۳) ''بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے'' یا پھر یہ کہ انہوں نے لوگوں پر اسی شرک کے سبب ظلم وستم کیا کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو انہوں نے ان کو دکھ درد اور تکلیفیں پہنچائیں کیونکہ جب آیتوں پر ایمان لانا ان پر واجب تھا تو انہوں نے ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کیا' لہٰذا ان کا کفر کرنا آیتوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے کیونکہ انہوں نے کفر کو غیر کی جگہ پر رکھا اور وہ ایمان کی جگہ ہے ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ سو غور سے دیکھو فساد برپا کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہوا کہ سب کے سب غرق ہو گئے اور ڈوب کر مر گئے۔

۱۰٤- ﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ﴾ مصر کے بادشاہوں کو فراعنہ (فرعون کی جمع) کہا جاتا ہے جیسا کہ فارس کے بادشاہوں کو اکاسرہ (کسریٰ کی جمع) کہا جاتا ہے تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے مصر کے بادشاہ! اور اس کا نام قابوس تھا یا پھر ولید بن مصعب بن ریّان تھا ﴿اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بے شک میں پروردگارِ عالم کی طرف سے رسول بن کر تیرے پاس آیا ہوں' فرعون نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

۱۰۵- ﴿حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ میرا فرض ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوائے حق کے اور کچھ نہ کہوں یعنی سچ بولنے کا میں مستحق ہوں یعنی میرے لیے حق بات کہنا اور حق پر قائم رہنا واجب و لازم ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''حَقِيْقٌ عَلَيَّ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ماسوا حق اور سچ بولنے کے باقی سب باتوں کو ترک کرنا میرے اوپر واجب ہے اور اس قراءت کی بنا پر ''الْعَالَمِيْنَ'' پر وقف کیا جائے گا اور پہلی قراءت کی بنا پر ''حَقِيْقٌ'' ''رَسُوْل'' کا وصف قرار دے کر وصل کرنا یعنی ملا کر پڑھنا جائز ہے اور حرف ''عَلٰى'' ''با'' کے معنی میں ہے] جیسا کہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے یعنی میں ایسا لائق و فائق رسول ہوں کہ میں سچ کے علاوہ کچھ نہیں بولوں گا [یا پھر حرف ''عَلٰى'' ''رَسُوْل'' کے معنی فعل کے ساتھ متعلق ہے] یعنی بے شک میں رسالت کا مستحق اور اس کے لائق ہوں' میں اس بنا پر رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہوں ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح اور روشن دلیلیں لے کر آیا ہوں جو میری رسالت کو ثابت اور واضح کرتی ہیں ﴿فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے اور تو ان کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ میرے ساتھ پاک سرزمین (ملک شام) کی طرف واپس لوٹ جائیں جو ان کا اپنا وطن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام وفات پا گئے تو فرعون نے ان کی اولاد کی نسل پر غلبہ پا لیا اور ان کو اپنا غلام بنا لیا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو فرعون کے چنگل سے نکال لیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تھے اس کے درمیان اور جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تھے اس کے درمیان کا عرصہ چار سو سال کا ہے [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' (یا ساکن) ہے]۔

۱۰۶۔ ﴿قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ جس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس کی طرف سے اگر آپ کوئی معجزہ پیش کر سکتے ہیں تو اسے میرے سامنے پیش کریں اگر آپ واقعی سچوں میں سے ہیں تاکہ آپ کا دعویٰ صحیح ہو جائے اور اس بارے میں آپ کا سچ ثابت ہو جائے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ اچانک واضح طور پر ایک اژدھا بن گیا○ اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ یکدم دیکھنے والوں کے لیے جگمگانے لگا○ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ بے شک یہ ایک ماہر جادوگر ہے○ یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے' تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو○ انہوں نے کہا کہ انہیں اور ان کے بھائی کو روک لو اور شہروں میں لوگ جمع کرنے والے بھیج دو○ وہ تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں گے○ اور جادوگر فرعون کے پاس آ گئے' انہوں نے کہا: بے شک ہمیں انعام ضرور دینا ہوگا اگر ہم غالب آ گئے○ فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے○ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ ڈالیں اور یا ہم ڈال دیتے ہیں○

۱۰۷۔ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیا ﴿فَاِذَا﴾ پس اچانک [''اِذَا'' مفاجات (اچانک) کے معنی کے لیے ہے اور یہ ظروف مکان میں سے ہے جو ''ثَمَّةَ'' اور ''هُنَاكَ'' کے قائم مقام ہے] ﴿هِیَ ثُعْبَانٌ﴾ وہ بہت بڑا سانپ بن گیا ﴿مُّبِیْنٌ﴾ اس کا معاملہ ظاہر ہو گیا (یعنی بالکل صاف اور واضح طور پر سانپ نظر آنے لگا تاکہ سب کو یقین ہو جائے) مروی ہے کہ وہ سانپ نر تھا اور اس نے اپنا منہ کھولا ہوا تھا جس

کے دونوں جبڑوں کے درمیان اسی ہاتھ کی مسافت تھی' اس نے اپنا نچلا جبڑا زمین پر رکھا اور اوپر والا محل کی دیواروں پر رکھا' پھر فرعون کی طرف دیکھا تو فرعون خوف کے مارے بھاگا اور اس کا بول و براز کپڑوں میں نکل گیا جب کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اور سانپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جس کے خوف کی وجہ سے ان لوگوں میں سے پچیس افراد مر گئے' انہوں نے رش کی وجہ سے ایک دوسرے کو پاؤں کے نیچے روند کر قتل کر دیا' سو فرعون چیخا اور چیخ کر کہنے لگا: اے موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور میں آپ پر ایمان لے آؤں گا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ دوبارہ عصا (لاٹھی بن گیا)۔

۱۰۸- ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے گریبان سے باہر نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے جگمگانے لگا اور وہ حقیقت میں سفید نہیں تھا بلکہ جب وہ خلافِ عادت بطور معجزہ سفید نورانی ہوتا تو عجیب طرح چمکنے لگتا اور لوگ جوق در جوق اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے فرعون کو اپنا ہاتھ مبارک دکھایا اور اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرعون نے کہا کہ یہ آپ کا ہاتھ مبارک ہے تو پھر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے گریبان میں داخل کیا اور باہر نکالا تو وہ ایسا جگمگانے لگا کہ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گہرا گندمی رنگ تھا۔

۱۰۹- ﴿قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ﴾ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ بے شک یہ شخص بڑے علم والا اور بہت ماہر جادوگر ہے' چنانچہ انہوں نے لوگوں کے خیالوں اور نگاہوں میں عصا کو سانپ بنا کر دکھا دیا اور گندمی ہاتھ کو سفید نورانی دکھا دیا اور سورۃ الشعراء میں یہ گفتگو فرعون کی طرف منسوب کی گئی کہ فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے یہ کہا تھا اور یہاں یہ گفتگو سرداروں کی طرف منسوب کی گئی ہے' سو ممکن ہے کہ یہ گفتگو فرعون نے بھی کی ہو اور انہوں نے بھی کی ہو تو یہاں فرعون کی گفتگو بیان کی گئی ہے اور وہاں سرداروں کی گفتگو بیان کی گئی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے فرعون نے یہ گفتگو کی ہو اور اس سے سن کر سرداروں نے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہی گفتگو خود دھرا کر ان کو سنائی ہو۔

۱۱۰- ﴿يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ﴾ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین یعنی مصر سے نکال دے ﴿فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ﴾ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو [اور ''آمَرْتُهٗ فَاَمَرَنِيْ بِكَذَا'' سے ماخوذ ہے] یعنی میں نے اس سے مشورہ طلب کیا تو اس نے مجھے اس طرح کا مشورہ دیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی سے مشورہ طلب کرو اور وہ تمہیں اپنی رائے پیش کرے اور یہ فرعون کا کلام ہے جو اس نے سرداروں کے جواب میں کہا تھا جب کہ سرداروں نے معجزۂ موسوی دیکھ کر کہا تھا: ''اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيۡمٌ'' بے شک یہ شخص بڑے علم والا' بہت بڑا جادوگر ہے۔

۱۱۱- ﴿قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ﴾ انہوں نے کہا کہ ان کو اور ان کے بھائی کو روک لو یعنی انہیں مہلت دے اور روک لے یعنی ان کے معاملے کو مؤخر کر دے اور جلدی نہ کر یا پھر یہ کہ فرعون نے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو درباریوں نے کہا کہ ان کے قتل کے منصوبے کو مؤخر کر دے اور ان کو روک لے اور قتل نہ کرتا کہ ان کا جادو سب مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے [قاری عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''اَرْجِهْ'' ھائے ساکنہ کے ساتھ ہے] ﴿وَاَرۡسِلۡ فِى الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ﴾ اور شہروں میں لوگوں کو جمع کرنے والوں کو بھیج دے [یہاں ''حَاشِرِيْنَ''، ''جَامِعِيْنَ'' کے معنی میں ہے]۔

۱۱۲- ﴿يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ﴾ وہ ہر ماہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں گے یعنی وہ لوگ تیرے پاس ہر ایسے ماہر اور بہت علم رکھنے والے جادوگروں کو لے کر آئیں گے جو حضرت موسیٰ کے برابر یا اس سے بھی بہتر ہوں [قاری

حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''سَحَّارٍ'' ہے]۔

۱۱۳-﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے یعنی مقصد یہ ہے کہ فرعون نے ان کو بلانے کے لیے آدمی بھیجے تو وہ حاضر ہو گئے اور ﴿قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا﴾ انہوں نے کہا کہ بے شک ہمارے لیے انعام ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے (''فا'' کے ساتھ) ''فَقَالُوْا'' نہیں فرمایا کیونکہ سوال کرنے والے کے سوال کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''مَا قَالُوْا اِذَا جَآؤُوْہُ'' یعنی جب جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انہوں نے کیا کہا؟ تو جواب میں یہ سنایا گیا کہ ''قَالُوْا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا'' یعنی انہوں نے کہا: غلبہ کی صورت میں ہمارے لیے انعام ضرور مقرر کیا جائے ''اَجْرًا'' کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے گویا اجر عظیم کے اثبات اور خبر کی بنا پر ''اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا'' کو ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے (جب کہ باقی نے ''اَاِنَّ لَنَا'' پڑھا ہے)]﴿اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ اگر ہم غالب آ گئے۔

۱۱٤-﴿قَالَ نَعَمْ﴾ فرعون نے کہا: جی ہاں! بے شک تمہیں بہت بڑا انعام دیا جائے گا ﴿وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ اور بے شک تم میرے نزدیک مقربین میں سے ہو گے' سو تم ہی سب سے پہلے میرے پاس آیا کرو گے اور سب سے آخر میں جایا کرو گے اور وہ جادوگر ستّر ہزار سے لے کر اسّی ہزار تک تھے یا پھر تیس ہزار سے کچھ زیادہ تھے۔

۱۱۵-﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ﴾ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو پہلے آپ اپنا عصا ڈال دیں ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ﴾ اور یا پھر ہم اپنی چیزیں جو ساتھ لائے ہیں ڈال دیتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جادوگروں کی یہ خواہش تھی کہ وہ حضرت موسیٰ سے پہلے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں [اس لیے انہوں نے ''نَكُوْنَ'' کی ضمیر متصل کو ''نَحْنُ'' ضمیر منفصل کے ساتھ مؤکد کیا اور خبر کو معرفہ لائے]۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

آپ نے فرمایا: تم ڈال دو' سو جب انہوں نے ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرا دیا اور وہ بڑا جادو لائے ○ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا ڈال دیں' تو وہ عصا اچانک ان کی بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا ○ سو حق ثابت ہو گیا اور انہوں نے جو کرتب کیے تھے وہ سب مٹ گئے ○ پس وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر پلٹ گئے ○ اور تمام جادوگر سجدہ میں گرا دیئے گئے ○ انہوں نے کہا: ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

۱۱٦-﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿اَلْقُوْا﴾ تم ڈالو۔ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دے کر حسن ادب کا لحاظ کیا اور انہوں نے آپ کے ساتھ ادب کی رعایت کی

جیسا کہ مناظرین بحث و مباحثہ میں غور و خوض کرنے سے پہلے کرتے ہیں اور آپ نے ان کو پہلے جادو دکھانے کی اجازت دے کر ان کی خواہش اور رغبت کو پورا فرمایا اور آپ نے لوگوں کے ذہنوں سے ان کی شان و شوکت کے رعب کا ازالہ کر دیا اور ان کی اہمیت کو ختم کر دیا اور ان کی پرواہ نہ کرنے کا اظہار کر دیا اور آپ نے اس بات کا اعتماد ظاہر کر دیا کہ معجزہ پر جادوگر کبھی غالب نہیں آ سکتے ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ سو جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈال دیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہوں نے اپنے مکر و فریب اور شعبدہ بازی سے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا' انہوں نے لوگوں کے خیالوں میں بے حقیقت چیزوں کو ان کے برعکس ظاہر کر دیا' چنانچہ مروی ہے کہ جب جادوگروں نے مضبوط و مستحکم رسیاں اور لمبی لمبی لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں تو اچانک وہ سانپوں کی طرح نظر آنے لگیں اور پورا میدان بھر گیا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھنے لگے ﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ اور انہوں نے لوگوں کو ڈرا دیا اور ان کو سخت خوف زدہ کر دیا گویا انہوں نے اپنے مکر و فریب اور شعبدہ بازی سے لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور خوف زدہ کرنا چاہا ﴿وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ اور وہ جادو کے میدان میں یا دیکھنے والوں کی نگاہوں میں بہت بڑا جادو لائے تھے۔

۱۱۷- ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا مبارک زمین پر پھینک دیں تو وہ اچانک ان کی تمام بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا [''مَا يَاْفِكُوْنَ'' میں ''مَا'' موصولہ ہے یا مصدریہ ہے] یعنی جن چیزوں کو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر بدل دیا یعنی انہوں نے ان چیزوں کو حق سے باطل میں تبدیل کر دیا تھا اور انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر بدل دیا یعنی انہوں نے اپنی چیزوں کو حق سے باطل میں تبدیل کر دیا تھا اور انہوں نے ان کو اپنی اصلی حیثیت سے بدل دیا تھا یا ان کی بناوٹی چیزوں کو نگل گیا [اسم مفعول کا نام مصدر کو دے دیا] مروی ہے کہ جب جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں سے بھری ہوئی وادی کی تمام رسیوں اور تمام لاٹھیوں کو حضرت موسیٰ کا عصا مبارک کھا گیا اور آپ نے جب اس کو پکڑ کر اٹھایا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا اور پہلی حالت پر آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان تمام بڑے اجسام کو معدوم کر دیا' یا پھر ان کے اجزائے لطیفہ کو متفرق کر دیا' جادوگروں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ اگر یہ عصا جادو ہوتا تو اس کے ختم ہونے کے بعد ہماری رسیاں اور لاٹھیاں باقی بچ جاتیں۔

۱۱۸- ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ سو حق ثابت اور واضح ہو گیا اور انہوں نے جادو کے زور سے جو کچھ تیار کیا تھا وہ سب کا سب مٹ گیا اور ختم ہو گیا۔

۱۱۹- ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ﴾ پس وہ وہیں میدان میں مغلوب ہو گئے یعنی فرعون اور اس کا تمام لشکر اور تمام جادوگر مغلوب ہو گئے ﴿وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴾ اور وہ تمام لوگ ذلیل و خوار اور مبہوت و پریشان ہو کر واپس پلٹ گئے۔

۱۲۰- ﴿وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ﴾ اور تمام جادوگر سجدہ میں گرا دیئے گئے یعنی وہ جادوگر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ میں گر گئے اور زور سے گرنے کی وجہ سے گویا ان کو کسی گرانے والے نے گرا دیا یا پھر انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کی وجہ سے وہ اپنے اجسام پر کنٹرول نہ رکھ سکے' پس وہ گویا گرا دیئے گئے' پھر یہ لوگ دن کے شروع میں کافر و جادوگر تھے اور اس کے آخر میں شہید و نیک بن چکے تھے۔

۱۲۱- ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے جو

۱۲۲- ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا رب ہے [یہ ماقبل سے بدل ہے]۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۴ / ۱۸

فرعون نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے آئے ہو یقیناً یہ کوئی سازش ہے جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تا کہ اس میں رہنے والوں کو تم نکال دو' سو عنقریب تم جان جاؤ گے O میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں ضرور کاٹوں گا' پھر میں تم کو ضرور سولی دے دوں گا O انہوں نے کہا: بے شک ہم تو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں O اور تو ہم سے انتقام نہیں لے مگر صرف اس بات کا کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آچکیں' اے ہمارے رب! تو ہم پر صبر انڈیل دے اور تو ہمیں مسلمان ہی اٹھا لے O

۱۲۳- ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ فرعون نے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا۔ فرعون نے اپنی اس گفتگو کے ذریعے جادوگروں کو ڈرایا اور دھمکایا [اور حضرت حفص کی قراءت میں ''اٰمَنْتُمْ'' خبر کی بنا پر ایک ہمزہ کے ساتھ ہے اور حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''ءَاٰمَنْتُمْ'' ہے' بہرحال اس صورت میں پہلا ہمزہ استفہام (سوال) کے لیے ہے اور اس کا معنی انکار کرنا ہے اور ان کے ایمان کو بعید از قیاس قرار دینا ہے] ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا﴾ بے شک یہ ایک سازش ہے جو تم نے شہر میں تیار کی ہے تا کہ تم اس شہر سے اس کے باشندوں کو نکال دو یعنی تمہاری یہ کارکردگی کسی حیلہ اور سازش کی وجہ سے کی گئی ہے جس کو تم نے اور (حضرت) موسیٰ نے تیار کیا ہے' گاؤں میں جانے سے پہلے اس میں تمہارا کوئی مفاد ضرور ہوگا اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم مصر کے شہر سے قبطیوں (فرعون کی قوم) کو نکال دو اور ان کی جگہ بنی اسرائیل کو آباد کر دو ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ سو عنقریب تم جان لو گے' یہ مختصر اور مجمل وعید اور دھمکی ہے' جس کی تفصیل درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان کی گئی ہے:

۱۲۴- ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ البتہ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ' دوسری طرف کا پاؤں ضرور کاٹ دوں گا یعنی ہر جانب سے ایک عضو کاٹا جائے گا' ایک دائیں طرف سے اور ایک بائیں طرف سے ﴿ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ پھر میں تم سب کو سولی پر ضرور چڑھا دوں گا۔ سب سے پہلے مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی دینے کا طریقہ فرعون نے ایجاد کیا تھا۔

۱۲۵- ﴿قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم اپنے رب کی طرف واپس پلٹنے والے ہیں یعنی ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ ہم اپنے رب کی ملاقات اور اس کی رحمت کی طرف پلٹنے والے ہیں یا پھر یہ کہ ہم سب یعنی ہم خود بھی اور فرعون بھی اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں' سو وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

۱۲۶- ﴿وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا﴾ اور تو ہم سے انتقام نہیں لے گا مگر اس بات کا کہ

جب ہمارے پاس ہمارے رب کی آیات آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے یعنی تو ہمارا کوئی عیب نہیں نکال سکتا سوائے اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے کے ان کی مراد یہ ہے کہ ہمارے اندر کوئی عیب نہیں ماسوا اس چیز کے جو مناقب اور مفاخر کی اصل ہے اور وہ ایمان ہے جیسا کہ کسی شاعر کا مقولہ ہے:

وَلَا عَیْبَ فِیْهِمْ غَیْرَ اَنَّ سُیُوْفَهُمْ ۔۔۔ بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَآئِبِ

"اور اس قوم میں اور کوئی عیب نہیں ماسوا اس کے کہ ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ سے"۔

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا﴾ یعنی اے ہمارے رب! تو ہم پر بہت بڑا صبر انڈیل دے اور معنی یہ ہے کہ وسیع و کثیر صبر ہم پر بہا دے یہاں تک کہ وہ ہمیں ڈھانپ لے جیسا کہ پانی تیزی سے بہتا ہے ﴿وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ﴾ اور تو ہمیں مسلمان ہی مارنا یعنی ہم موت کے وقت تک اسلام پر ثابت و قائم رہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْۤا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا تا کہ وہ زمین میں فساد برپا کردیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں، فرعون نے کہا: ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں O موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: تم اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور بہترین انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے O انہوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی، آپ نے فرمایا: عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور اس زمین کا تمہیں وارث بنائے گا، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو O

۱۲۷۔ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو (حضرت) موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا تا کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں، زمین سے مصر کی سر زمین مراد ہے یعنی بنی اسرائیل مصر پر غلبہ حاصل کر کے اپنا دین رائج کر دیں گے اور وہاں کے باشندوں کا دین و مذہب بدل دیں گے کیونکہ بنی اسرائیل کے چھ ہزار جادوگروں کی موافقت میں حضرت موسیٰ پر لے آئے تھے ﴿وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ﴾ اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں گے [اور یہ "لِیُفْسِدُوْا" پر معطوف ہے] اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون نے

اپنی قوم کے لیے اپنے مجسمے تیار کرائے اور اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ لوگ فرعون کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان مجسموں کی پرستش کیا کریں جیسا کہ بت پرست بتوں کی پرستش وعبادت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: ''لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی'' (الزمر: ۳) یعنی'' تا کہ وہ بت ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں'' اور اس لیے تو فرعون نے کہا تھا: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی'' (النازعات: ۲۴) یعنی'' میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں'' ﴿قَالَ﴾ فرعون نے قوم کے سرداروں کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ ﴿سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں [حجازی نے ''سَنَقْتُلُ'' (بغیر شد کے مجرد باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے) پڑھا ہے] یعنی اب ہم بیٹوں کو قتل کرنے کا عمل ان پر دھرائیں گے تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہمیں ان پر غلبہ اور کنٹرول یقیناً حاصل ہے اور وہ ہمارے ہاتھوں میں مقہور و مجبور ہیں جیسا کہ وہ پہلے تھے اور تا کہ عوام کو یہ وہم نہ ہو کہ (حضرت) موسیٰ وہی مولود ہے، جس کے متعلق نجومیوں نے بتایا تھا کہ اس کے ہاتھوں ہمارا ملک ہم سے چھن جائے گا ورنہ یہ بات ان کو ہماری اطاعت سے خارج کر دے گی اور (حضرت) موسیٰ ان کو اپنی پیروی کی دعوت دیں گے۔

۱۲۸۔ ﴿قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور صبر کرو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دیتے ہوئے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب بنی اسرائیل فرعون کی قتل کی دھمکی سے گھبرا گئے اور آپ نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ﴾ بے شک ساری زمین اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہے' [اس میں لام عہد خارجی کا ہے] یعنی مصر کی سرزمین مراد ہے [یا پھر لام جنس کا ہے] جو مصر کی زمین کو سب سے پہلے شامل ہے ﴿یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس میں اپنی قوم بنی اسرائیل کے لیے مصر کی زمین کی آرزو کا اظہار کیا ہے ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے' یہ بشارت ہے کہ حسن خاتمہ پرہیز گاروں کے لیے ہوگا خواہ اس کا تعلق بنی اسرائیل سے ہو یا قبطیوں سے ہو [اور اس آیت کو حرف عطف واؤ سے خالی لایا گیا ہے کیونکہ یہ جملہ مستأنفہ ہے بہ خلاف اس ارشاد کے ''وَقَالَ الْمَلَاُ'' کیونکہ یہ اپنے ماقبل ارشاد ''قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ'' پر معطوف ہے]۔

۱۲۹۔ ﴿قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ انہوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں ستایا گیا ہے' ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی پیدائش سے پہلے ان کے بیٹوں کو قتل کیا جاتا رہا آپ کے اعلان نبوت تک اور اب اس کے بعد اس کا پھر اعادہ ہونے لگا ہے اور یہ فرعون کے ظلم کی اور نصرت الٰہی کے وعدہ کی تاخیر کی شکایت تھی ﴿قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں جانشین بنائے گا اور اس سے پہلے اشارہ میں جو بشارت سنائی گئی تھی اس آیت مبارکہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اس کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور وہ ہے فرعون کا ہلاک ہونا اور اس کے بعد سرزمین مصر پر بنی اسرائیل کا جانشین بننا ﴿فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو یعنی وہ تمہارے نیک و بد اعمال دیکھے گا اور یہ کہ تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہو یا ناشکری کرتے ہو تا کہ قیامت کے روز وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزائے خیر یا سزا دے اور عمرو بن عبید سے منقول ہے کہ وہ ایک دفعہ خلافت ملنے سے پہلے منصور کے پاس گئے تو اس کے پاس دسترخوان پر صرف ایک یا دو روٹیاں تھیں اور

منصور نے عمرو بن عبید کی خاطر گھر سے مزید روٹیاں طلب کیں تو نہ ملیں اور عمرو بن عبید نے یہی آیت مبارکہ تلاوت کر کے تسلی دی' پھر عمرو بن عبید خلافت ملنے کے بعد خلیفہ منصور کے پاس گیا اور اس کے سامنے ماضی کا ذکر کر کے موجودہ خلافت وحکمرانی کا ذکر کیا اور خلیفہ منصور نے کہا کہ ابھی ایک کام باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ "فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ"۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحط کے سالوں اور پھلوں کی کمی کے ساتھ پکڑ لیا تا کہ وہ نصیحت قبول کریں O پھر جب ان کو خوشحالی ملتی تو کہتے: یہ ہماری وجہ سے ہے' اور اگر ان کو بدحالی پہنچتی تو وہ اسے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے' خبردار! اللہ کے نزدیک نحوست انہیں کی ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے O اور انہوں نے کہا کہ آپ جب بھی کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس آئیں گے تا کہ آپ اس سے ہم پر جادو کر دیں' پھر بھی ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں O پھر جب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا حالانکہ یہ واضح اور الگ الگ نشانیاں تھیں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی O

۱۳۰ - ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ﴾ اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحط کے سالوں کے ساتھ پکڑ لیا' [" سِنِيْنَ " سے قحط کے سال مراد ہیں اور وہ سات سال ہیں اور " السنة " اسمائے غالبہ میں سے ہے (یعنی اسم علم ہے) جیسے " الدابة " اور " النجم " ہیں] ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور پھلوں کی کمی کے ساتھ' بعض نے فرمایا کہ دیہاتیوں کے لیے قحط سالی کی سزا تھی اور شہریوں کے لیے پھلوں کی کمی کی سزا تھی ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور وہ اس بات سے آگاہ ہو جائیں کہ ان کو یہ سزا کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے ملی ہے اور اس لیے کہ لوگ سختی و مصیبت کی حالت میں زیادہ عاجزی و انکساری اختیار کرتے ہیں اور ان کے دل زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون چار سو سال تک زندہ رہا اور تین سو بیس سال تک اسے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں پہنچی اور اگر اس کو اس مدت میں کبھی درد یا بھوک یا بخار ہو جاتا تو وہ کبھی رب ہونے کا دعویٰ نہ کرتا۔

۱۳۱ - ﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ﴾ پھر جب ان کو صحت و خوشحالی پہنچتی تو کہتے: یہ ہمارے لیے ہے یعنی ہم اس کے مستحق ہیں ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ﴾ اور اگر ان کو قحط یا بیماری پہنچتی تو وہ اس کو حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے اور وہ ان سے بدشگونی لیتے اور کہتے: یہ قحط سالی اور بیماری وغیرہ ان کی

نحوست کی وجہ سے ہے اور اگر یہ لوگ یہاں نہ ہوتے تو ہمیں یہ تکلیفیں نہ پہنچتیں [پھر اس آیت مبارکہ میں ''الحسنة'' کو معرفہ لایا گیا ہے اور اس کے جملہ میں ''اِذَا'' داخل کیا گیا ہے جب کہ ''سَیِّئَةٌ'' کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے اور اس کے جملہ میں ''اِنْ'' داخل کیا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حسنة'' کثرت سے بہت زیادہ وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے لیکن ''سَیِّئَةٌ'' بہت کم واقع ہوتی ہے بلکہ کبھی بالکل واقع نہیں ہوتی اور ''یَطَّیَّرُوْا'' اصل میں ''یَتَطَیَّرُوْا'' تھا پھر ''تا'' کو ''طا'' میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ یہ طرف زبان اور ثنایا علیا (یعنی اوپر کے سامنے کے دو دانت) کی جڑ سے ادا ہوتے ہیں] ﴿ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ ﴾ خبردار! بے شک ان کی بھلائی اور ان کی برائی کا سبب صرف انہیں کی نحوست ہے ﴿ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی اس کے حکم میں اور اس کی مشیت میں اور اللہ تعالیٰ ہی یہ قدرت و اختیار رکھتا ہے کہ انہیں اچھائی پہنچائے یا برائی پہنچائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' (النساء:۷۸) ''اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے'' ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۱۳۲- ﴿ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ آپ جب بھی کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس آئیں گے تاکہ آپ اس سے ہمارے اوپر جادو کر دیں تو بھی ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں [''مَهْمَا'' کی اصل ''مَامَا'' ہے اس میں پہلا ''مَا'' جزا کے لیے ہے اور اس کے ساتھ جزا کی تاکید کے لیے ایک زائد ''مَا'' ملا دیا گیا] جیسے تمہارے قول میں ہے: ''مَتٰی مَا تَخْرُجْ اَخْرُجْ'' جب تو نکلے گا تو میں نکلوں گا: ''اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ'' (النساء:۷۸) ''تم جہاں کہیں رہو موت تمہیں پکڑ لے گی'' ''اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا'' (البقرہ:۱۴۸) ''تم جہاں کہیں رہو اللہ تم سب کو لے آئے گا'' ''فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ'' (الزخرف:۴۱) ''سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو ہم ان سے ضرور انتقام لیں گے'' [مگر اس کے الف کو ''ھا'' سے تبدیل کر دیا گیا' دو ہم جنس حروف مکرر آنے سے ثقل کو دور کرنے کے لیے اور سدید بصری کا یہی مذہب ہے اور یہ ''تَاْتِنَا'' سے محلًا منصوب ہے اور ''مِنْ اٰیَةٍ'' میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے جو ''مَهْمَا'' کی وضاحت کرنے کے لیے ہے اور ''بِهٖ'' اور ''بِهَا'' میں ضمیر ''مَهْمَا'' کی طرف لوٹتی ہے مگر پہلی ضمیر لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر لائی گئی ہے اور دوسری ضمیر معنی کا اعتبار کرتے ہوئے مؤنث ذکر کی گئی ہے کیونکہ وہ آیت کے معنی میں ہے] اور انہوں نے حضرت موسیٰ کے نام کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا نام ''ایة'' رکھا' یا پھر انہوں نے اس سے مذاق اڑانے کا ارادہ کیا۔

۱۳۳- ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ ﴾ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا جس نے بارش یا سیلاب کے پانی کے ساتھ ان کو گھیر لیا اور ان پر غالب آ گیا۔ بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ پانی اتنا زیادہ تھا کہ ان کی کھیتیوں کے اوپر چڑھ گیا اور یہ اس لیے ہوا کہ آٹھ روز تک سخت ترین اندھیرے میں زوردار بارش ہوتی رہی' انہوں نے اتنا عرصہ نہ سورج کو دیکھا اور نہ چاند کو اور نہ کوئی شخص اپنے گھر سے نکل سکا اور بعض مفسرین نے فرمایا: پانی قبطیوں کے گھروں میں داخل ہو گیا اور ان کے گلوں تک پہنچ گیا یہاں تک کہ وہ لوگ پانی میں کھڑے رہ گئے کیونکہ اگر کوئی بیٹھتا تو ڈوب جاتا تھا مگر بنی اسرائیل کے گھروں میں پانی کا ایک قطرہ داخل نہیں ہوا تھا یا پھر چیچک یا طاعون کی بیماری مراد ہے ﴿ وَالْجَرَادَ ﴾ اور ہم نے ٹڈی کو بھیجا جو ان کے کھیتوں اور ان کے پھلوں اور ان کے گھروں کی چھتوں اور ان کے کپڑوں کو کھا گئی اور بنی اسرائیل کے گھروں میں ان میں سے کوئی چیز داخل نہ ہوئی ﴿ وَالْقُمَّلَ ﴾ اور ٹڈیوں کے بچے جو پر اگنے سے پہلے چھوٹے چھوٹے ہوتے جنہیں عربی میں ''دبی'' کہا جاتا ہے یا پسو یا جوئیں یا پھر گندم سے پیدا ہونے والے کیڑے گھن وغیرہ کی طرح مراد ہیں ﴿ وَالضَّفَادِعَ ﴾ اور مینڈک جو

ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں داخل ہو جاتے یہاں تک کہ جب ان میں سے کوئی شخص بات کرنے کے لیے منہ کھولتا تو مینڈک اس کے منہ میں داخل ہو جاتے ﴿وَالدَّمَ﴾ یعنی نکسیر کا خون اور بعض نے کہا کہ ان کے پانی کے چشمے' کنویں سب خون کے بن گئے تھے یہاں تک کہ جب بنی اسرائیلی اور قبطی ایک برتن سے اکٹھے پانی پینے لگتے تو برتن کا جو حصہ بنی اسرائیل کی طرف ہوتا اس طرف پانی ہوتا اور برتن کا جو حصہ قبطی کی طرف ہوتا وہ خون کا ہو جاتا اور بعض نے فرمایا کہ دریائے نیل ان کے لیے خون بن گیا تھا ﴿اٰیٰتٍ﴾ نشانیاں' یہ مذکورہ بالا اشیاء سے حال ہے ﴿مُّفَصَّلٰتٍ﴾ واضح اور ظاہر جو عقل مند کے لیے مشکل نہ ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں یا جدا جدا اور الگ الگ' ہر دو نشانیوں کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ ہوتا تھا ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ سو انہوں نے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے سے تکبر و غرور کیا ﴿وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور وہ مجرم قوم تھی۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے کہ اے موسیٰ! آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے اس عہد کی بناء پر جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے' اگر آپ نے اس عذاب کو ہم سے دور کر دیا تو ہم آپ پر ضرور ایمان لائیں گے اور ہم آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے ○ پھر جب ہم ان سے عذاب کو ایک مدت تک دور کر دیتے جس تک انہیں پہنچنا ہوتا تھا تو وہ فوراً عہد کو توڑ دیتے ○ سو ہم نے ان سے بدلا لیا اور ان کو دریا میں غرق کر دیا اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل رہے ○

۱۳۴- ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ اور جب ان پر عذاب واقع ہو جاتا یعنی آخری عذاب جب ان پر واقع ہوا اور وہ خون کا عذاب تھا یا مذکورہ بالا ہر عذاب جب ایک کے بعد ایک ان پر واقع ہو جاتا ﴿قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ تو وہ لوگ کہتے: اے موسیٰ! آپ اپنے رب سے اس عہد کی وجہ سے ہمارے لیے دعا کیجئے جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے [اس میں ''مَا'' مصدریہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے سبب جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے اور وہ عہد نبوت ہے اور ''بَا''، ''اُدْعُ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے اس عہد نبوت کے توسل سے جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے ﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ البتہ اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کرا دیا تو ہم آپ پر ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ ضرور بھیج دیں گے۔

۱۳۵- ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ﴾ سو جب ہم نے ایک مدت تک ان سے عذاب کو دور کر دیا جس کو وہ پہنچنے والے تھے یعنی ہم نے زمانے کی ایک مقرر و محدود مدت تک عذاب کو دور کر دیا جس کو وہ لامحالہ پہنچنے

والے تھے، پھر انہیں اس وقت عذاب دیا جائے گا' لہٰذا ماضی کی مہلتیں ان کو فائدہ نہیں دیں گی اور نہ ماضی کا محدود وقت کے لیے عذاب کا دور ہونا فائدہ دے گا ﴿اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ﴾ [''لَمَّا'' کا جواب ہے] یعنی جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو اسی وقت فوراً عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اس میں ذرہ بھی تاخیر نہیں کی۔

۱۳۶- ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ سو ہم نے ان سے انتقام لیا' یہ انعام کی ضد ہے جیسا کہ عذاب ثواب کی ضد ہے ﴿فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ﴾ پس ہم نے ان کو دریا میں ڈبو دیا' بحر اس گہرے دریا کو کہتے ہیں جس کی گہرائی معلوم نہ ہو سکے یا اس سے دریا کی بڑی بڑی موجیں مراد ہیں جو پانی سے بہت اوپر تک جوش مارتی ہیں اور یہ ''تیمم'' سے مشتق ہے کیونکہ دریا سے فائدہ اٹھانے والے اس کا قصد و ارادہ کرتے ہیں ﴿بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ﴾ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے بے خبر رہتے تھے یعنی ان کے غرق کا سبب ان کا آیات الٰہی کو جھٹلانا تھا اور ان سے غفلت برتنا تھا اور ان میں غور و فکر نہ کرنا تھا۔

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہم نے اس قوم کو جس کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں' اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا اچھا وعدہ پورا ہو گیا' کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا' اور ہم نے تباہ و برباد کر دیں جو فرعون اور اس کی قوم عمارتیں بناتی تھی اور بلند و بالا محلات تعمیر کرتی تھی ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار گزار دیا اور وہ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کی پرستش میں لگے ہوئے تھے' انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے ایک معبود بنا دیں جیسے ان کے کئی معبود ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک تم جاہل قوم ہو ○ بے شک یہ لوگ جس میں ہیں وہ تباہ و برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں محض باطل ہے ○

۱۳۷- ﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ﴾ اور ہم نے اس قوم کو وارث بنا دیا جس کو کمزور سمجھا جاتا تھا اور وہ بنی اسرائیل ہیں جن کو فرعون اور اس کی قوم قتل اور خدمت لینے کی وجہ سے کمزور سمجھتی تھی ﴿مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا﴾ یعنی سرزمینِ مصر اور شام کے مشرقی اور مغربی تمام علاقوں کا ان کو وارث بنا دیا گیا تھا ﴿الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ جس میں ہم نے بہت برکتیں رکھیں یعنی درختوں اور نہروں کی کثرت اور رزق کی وسعت و کشادگی اور زمین کی زرخیزی کے ذریعے ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہو گیا اور وہ یہ

ارشاد ہے: ''قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ'' (الاعراف:١٢٩) ''عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور زمین میں تمہیں جانشین بنائے گا'' یا یہ ارشاد مراد ہے ''وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ (تا) مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ'' (القصص:٥-٦) تک ''اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین میں کمزور خیال کیا جاتا'' [''اَلْحُسْنٰى''، ''اَحْسَنُ'' کا مؤنث ہے اور ''كَلِمَةٌ'' صفت ہے اور حرف ''عَلٰى''، ''تَمَّتْ'' کا صلہ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ان پر پورا ہو چکا اور گزر چکا جیسے تمہارا یہ قول ''تَمَّ عَلَى الْاَمْرِ'' اس وقت بولتے ہیں جب کام پورا ہو چکا ہو ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا یعنی ان کے صبر کرنے کے سبب اور تمہیں صبر پر قائم رہنا کفایت کرے گا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص مصیبت کا مقابلہ جزع وفزع کے ساتھ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے سپرد کرے گا اور جو شخص اس کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دور کرنے کا خود ضامن بن جائے گا ﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ﴾ اور ہم نے وہ تمام عمارتیں اور محلات تباہ و برباد کر دیئے جن کو فرعون اور اس کی قوم تعمیر کرتی رہی ﴿وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾ اور وہ جن کو وہ لوگ بلند کرتے تھے' باغات یا آسمان کو چھوتی ہوئی دراز و مضبوط عمارتیں جن کو فرعونی بلند سے بلند تر اونچا بناتے تھے جیسے ہامان وغیرہ کے بلند و بالا محلات [ابن عامر شامی اور ابوبکر نے ''را'' کو پیش کے ساتھ ''يَعْرُشُوْنَ'' (باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے) پڑھا ہے] اور یہ فرعون اور قبطیوں کے قصے کا آخر ہے اور ان کا اللہ تعالیٰ کی آیات جھٹلانے کا آخر ہے' پھر اس کے بعد بنی اسرائیل کا قصہ شروع ہو جاتا ہے اور انہوں نے فرعون سے نجات حاصل کرنے اور بڑے بڑے معجزات ونشانات کو دیکھنے اور دریا عبور کرنے کے بعد گائے کی پوجا وغیرہ جیسے کام ایجاد کیے تھے ان کا ذکر آئے گا تاکہ مدینہ منورہ میں بنی اسرائیل کی طرف سے جو رکاوٹیں پیش کی گئیں ان پر رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جائے۔

بنی اسرائیل کی سرکشی

١٣٨- ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پاس گزار دیا۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس محرم الحرام کو فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کو لے کر دریا عبور فرمایا جس کی خوشی میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے دس محرم کو روزہ رکھا ﴿فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾ اور وہ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو بتوں کی عبادت کر رہی تھی اور وہ قوم ہمیشہ اپنے بتوں کی عبادت میں مصروف رہتی تھی اور اس کے بت گائے کی مورتیاں تھیں [اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں کاف کے نیچے زیر (یعنی يَعْكِفُوْنَ) ہے] ﴿قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا﴾ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے ایک معبود یعنی بت بنا دیجئے تاکہ ہم اس کی عبادت و پرستش کریں ﴿كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ جیسا کہ ان کے بت ہیں جن کی وہ ہمیشہ عبادت کرتے ہیں [اور اس میں حرف ''مَا'' کافہ ہے جو کاف کے عمل کو روکتا ہے' اس کے بعد جملہ واقع ہوا ہے] ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم نے اپنے نبی کے انتقال کے فوراً بعد اختلاف کیا حالانکہ ابھی ان کے جسم کا پانی بھی خشک نہیں ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے دریا عبور کر کے فوراً بعد حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہمارے لیے ایک بت کا معبود بنا دیجئے حالانکہ ابھی تمہارے پاؤں بھی خشک نہیں ہوئے تھے' یہودی سن کر لاجواب ہو گیا ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ بے شک تم جاہل قوم ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی اس بات پر تعجب کیا کہ انہوں نے دریا عبور کرنے کا عظیم الشان معجزہ دیکھا' پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کو نہیں سمجھا اس لیے آپ نے ان کو مطلق اور محض جہالت کے ساتھ موصوف کیا اور حرف ''اِنَّ'' تحقیق کا اپنے کلام میں داخل کر کے ان کی جہالت کو پکا ثابت کر دیا۔

۱۳۹- ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ لوگ یعنی ان مورتیوں کی عبادت کرنے والے لوگ ﴿مُتَبَّرٌ﴾ تباہ و برباد اور ہلاک کیے جانے والے ہیں [یہ "تبر" سے مشتق ہے] ﴿مَّا هُمْ فِيْهِ﴾ جو اس مشرکانہ عمل میں مشغول ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور جس باطل دین پر وہ قائم ہیں اس کو میرے ہاتھوں مٹا دے گا [اور "هٰٓؤُلَآءِ" کو "اِنَّ" کا اسم قرار دینے اور مبتدا کی خبر کو اس جملہ سے مقدم کرنے میں جو اس کی خبر واقع ہو رہا ہے] اس بات کی علامت ہے کہ بت پرستی کرنے والے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور وہ اس سے یقیناً نہیں بچ سکیں گے ﴿وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں سب مٹنے والا ہے یعنی انہوں نے بتوں کی عبادت کے جو عمل کیے ہیں وہ سب مٹ جانے والے اور بے کار ہیں۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۗ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ع ۱۶ / ۱۲ / ۶

فرمایا: کیا میں تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی ہے O اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی' وہ تمہیں سخت عذاب دیتے تھے' وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے' اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی آزمائش تھی O اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور ہم نے ان کو دس کے ساتھ مکمل کیا تو اس کے رب کا مقرر کردہ وقت چالیس راتوں میں پورا ہو گیا' اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا: میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے پر نہ چلنا O

۱۴۰- ﴿قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ یعنی کیا میں عبادت کے مستحق خدا کو چھوڑ کر تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں ﴿وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ حالانکہ اسی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہان بھر کے لوگوں پر فضیلت دی ہے' [یہ حال ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے زمانے کے تمام لوگوں پر تمہیں فضیلت دی ہے۔

۱۴۱- ﴿وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ اور جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی [ابن عامر شامی کی قراءت میں "اَنْجَاكُمْ" ہے] ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ وہ تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے [یہ "سَامَ السِّلْعَةَ" سے ماخوذ ہے] جب اس کو طلب کیا جائے [اور یہ جملہ مستأنفہ ہے' اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے یا یہ مخاطبین سے حال ہے یا پھر "مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ" سے حال ہے] ﴿يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے ہیں اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے ہیں [قاری نافع مدنی کی قراءت میں "يَقْتُلُوْنَ" (باب "نَصَرَ يَنْصُرُ" سے) ہے]

﴿ وَفِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ اور اس میں یعنی تمہیں نجات دینے میں یا عذاب دینے میں ﴿ بَلَآءٌ ﴾ احسان ہے یا امتحان ہے ﴿ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑا۔

حضرت موسیٰ کا رب سے ہم کلام ہونے کا تذکرہ

۱۴۲۔ ﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ﴾ اور ہم نے تورات عطا کرنے کے لیے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا ﴿ وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ﴾ اور ہم نے ان کو مزید دس راتوں کے ساتھ مکمل کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایک کتاب ان کو عنایت فرمائے گا' پھر جب فرعون اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا تو حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کتاب کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم دیا اور یہ ذی القعدہ کا مہینہ تھا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس روزے پورے کر لیے اور منہ کی ہوا محسوس کی اور مسواک کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی ہوا میرے نزدیک مشک کی خوشبوؤں سے بہتر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذی الحج کے دس دن کے مزید روزے رکھنے کا حکم دیا ﴿ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ ﴾ سو اس کے رب کا مقرر کردہ وقت مکمل ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے جو وقت مقرر کیا تھا اور اس سے جو بیان کیا تھا ﴿ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ﴾ [یہ حال کی بنا پر منصوب ہے] یعنی چالیس راتوں کا وعدہ مکمل ہو گیا اور یہ عدد اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں چالیس کو مجمل و مبہم ذکر فرمایا اور یہاں اس کی تفصیل بیان فرما دی ﴿ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون سے فرمایا کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ اور نائب رہو اور ان کی اصلاح کرتے رہو یعنی بنی اسرائیل کے معاملات میں ان کی اصلاح کرنا تم پر واجب ہے [اور "هٰرُوْنَ" "اَخِيْهِ" کا عطفِ بیان ہے] ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ اور تم فساد کرنے والوں کے راستے پر نہ چلنا اور ان میں سے جو شخص تمہیں فساد پھیلانے کی طرف بلائے تو تم اس کی پیروی نہ کرنا اور نہ اس کا کہنا ماننا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۫ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا' تو موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھ لوں' فرمایا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا لیکن تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ' سو اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا' پھر جب اس کے رب نے اپنے نور کا جلوہ پہاڑ پر ظاہر فرمایا تو اس کو ریزہ ریزہ

کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا: (اے اللہ!) تو پاک ہے میں نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں O فرمایا: بے شک میں نے لوگوں میں سے تجھے اپنی رسالت اور ہم کلامی کے ساتھ منتخب کر لیا ہے سو میں نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس کو لے لو اور شکر کرنے والوں میں سے رہو O

۱۴۳-﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا ﴾ اور جب موسیٰ ہمارے اس وقت پر حاضر ہوئے جو ہم نے ان کے لیے مقرر اور معین کیا تھا [اور اس میں لام اختصاص کے معنی میں ہے] یعنی حضرت موسیٰ کا آنا ہمارے مقرر کردہ وقت کے ساتھ مخصوص تھا ﴿ وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾ اور اس کے رب نے براہِ راست بغیر کسی واسطے اور بغیر کیفیت کے اس سے کلام فرمایا اور روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کلامِ ربانی ہر جہت اور ہر طرف سے سن رہے تھے اور حضرت الشیخ نے "کتاب التاویلات" میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرتی تھی اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی آواز سنائی جس کو اس نے براہِ راست خود پیدا فرمایا اور وہ آواز نہ تو دنیا میں مخلوق میں سے کسی اور کے لیے تیار کی جائے گی اور نہ وہ آواز اس کے بندوں میں سے کسی اور کو سنائی جائے گی اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آواز سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھتے رہے پھر جب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کا کلام براہ راست سنا تو غلبہ شوق میں اس کے دیدار کی آرزو پیدا ہوئی تو آپ نے دیدار کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ﴾ ["اَرِنِیْ" کا دوسرا مفعول محذوف ہے اصل میں "اَرِنِیْ ذَاتَكَ اَنْظُرْ اِلَیْكَ" ہے] (ترجمہ) حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنی ذاتِ اقدس کا دیدار کرا دے کہ میں تجھے دیکھ لوں یعنی مجھے اپنا دیدار کرنے کی قوت و ہمت اور قدرت عطا فرما یہاں تک کہ جب تو میرے لیے جلوہ فرما ہو تو میں تجھے دیکھ لوں اور یہ آیت مبارکہ اہل سنت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے (اور جنت میں مؤمنوں کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا) کیونکہ حضرت موسیٰ کا یہ عقیدہ تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جا سکتا ہے اس لیے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کا سوال کیا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ پر جو چیز جائز نہ ہو اس کے جائز ہونے کا عقیدہ کفر ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "اَرْنِیْ" (سکونِ را کے ساتھ) ہے اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "اَرِنِیْ" میں رَا مکسور باریک پڑھی جاتی ہے اور ان دونوں کے علاوہ "اَرِنِیْ" میں رَا مکسور پُر پڑھی جائے گی] ﴿ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ مجھے سوال کے ذریعے اس فانی آنکھ کے ساتھ ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے بلکہ آپ مجھے بخشش و عطا کے ذریعے باقی رہنے والی آنکھ کے ساتھ دیکھیں گے اور یہ بھی ہمارے لیے دلیل ہے (کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے ہرگز نہیں دیکھا جائے گا تاکہ جواز کی نفی ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس طرح جواب دیتا کہ مجھے کبھی نہ دیکھا جائے گا کیونکہ سوال کے جواب میں وضاحت و بیان کی حاجت و ضرورت ہوتی ہے ﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ﴾ اور لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھو پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا اور وہ اپنی حالت پر قائم رہا تو عنقریب تم مجھے دیکھ لو گے اور یہ بھی ہمارے لیے دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کو پہاڑ کے اپنی جگہ ٹھہرنے اور اپنی حالت پر باقی رہنے کے ساتھ معلق کیا اور یہ ممکن ہے اور جو چیز ممکن کے ساتھ معلق ہو وہ بھی ممکن ہوتی ہے لہٰذا دیدارِ الٰہی ممکن ہو گیا جیسا کہ ہر وہ چیز جو ممتنع اور محال کے ساتھ معلق ہو وہ بھی ممتنع اور محال ہوتی ہے اور اس پر دلیل کہ پہاڑ کا اپنی جگہ پر ٹھہرنا ممکن ہے یہ ارشاد ہے کہ "جَعَلَهٗ دَكًّا" یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا (اس جملے میں اللہ تعالیٰ نے فعل کی نسبت اپنی طرف کی ہے) اور "اِنْدَكَّ" نہیں فرمایا (کہ پہاڑ خود ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ نے جس کو ایجاد کیا ہے اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ موجود نہ ہوتا اگر اللہ تعالیٰ اس کو ایجاد نہ کرتا کیونکہ اللہ

تعالیٰ اپنے فضل میں مختار ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال سے مایوس نہیں فرمایا اور نہ دیدار کے سوال کرنے پر عتاب و ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اگر دیدار محال و ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر عتاب فرماتا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام پر عتاب کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ'' (ھود:۴۶) ''بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں سے نہ ہو جاؤ'' یہ اس وقت فرمایا جب حضرت نوح نے اپنے بیٹے کے لیے غرق ہونے سے نجات کی درخواست کی تھی ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ﴾ پھر اس کے رب نے جب تجلی فرمائی یعنی اس کا جلوہ ظاہر ہوا اور اس کا نور بے کیف چمکا۔ حضرت الشیخ ابومنصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہاڑ پر تجلی ڈالنے کا معنی جو اشعری نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں حیات' علم اور نظر پیدا فرما دی یہاں تک کہ اس نے اپنے رب کا دیدار کیا (اور پاش پاش ہو گیا) اور یہ کلام بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ثابت ہے' لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر دیدار الٰہی کے منکرین کی جہالت واضح اور ثابت ہو گئی اور ان کا یہ کہہ دینا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی قوم نے ان سے مطالبہ کیا کہ آپ انہیں رب کا دیدار کرائیں جیسا کہ اس کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً'' (البقرہ:۵۵) ''ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ لیں'' چنانچہ حضرت موسیٰ نے دیدار کا سوال کیا تا کہ اللہ تعالیٰ بیان کر دے کہ اس کا دیدار نہیں کیا جا سکتا' یہ بالکل باطل بات ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا جیسا منکرین نے گمان کیا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ''اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ'' (مجھے اپنا دیدار کرا کہ میں تجھے دیکھ لوں) کی بجائے ''اَرِهِمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ'' فرماتے کہ انہیں اپنا دیدار کرا کہ وہ تجھے دیکھ لیں' پھر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کے جواب میں ''لَنْ تَرٰىنِیْ'' (کہ آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے) کی بجائے ''لَنْ یَّرَوْنِیْ'' فرماتا (کہ وہ لوگ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے) اور اس لیے کہ اگر دیدارِ الٰہی جائز نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سوال کی تردید کرنے میں تاخیر نہ کرتے بلکہ جیسے ہی ان کا کلام سنتے فوراً ان کی تردید فرما دیتے ورنہ اس میں کفر پر تائید ہو گی حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کفر کو حق سے بدلنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے نہ کہ اس کی تائید کرنے کے لیے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب بنی اسرائیل نے آپ سے مطالبہ کیا اور کہا: ''اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ'' آپ ہمارے لیے ایک معبود (بت) بنا دیجئے جیسا کہ ان کے کئی معبود ہیں' چنانچہ حضرت موسیٰ نے ان کا یہ کلام سن کر انہیں مہلت نہیں دی بلکہ فوراً ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ'' بے شک تم احمق اور جاہل قوم ہو ﴿ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ [''مدکوك'' کے معنی میں ہے' مصدر بہ معنی مفعول ہے] جیسے ''ضَرْبُ الْاَمِیْرِ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیا [اور ''دَقٌّ'' اور ''دَكٌّ'' ہم معنی ہیں' قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''دَكَّآءَ'' ہے] یعنی اس کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیا' اس میں اونچ نیچ نہیں رہی جیسے ''نَاقَةٌ دَكَّاءُ'' کہا جاتا ہے برابر پشت والی اونٹنی جس کی کوہان نہ ہو ﴿ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ [''صَعِقًا'' حال ہے] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے ﴿ فَلَمَّآ اَفَاقَ ﴾ پھر جب حضرت موسیٰ نے بے ہوشی سے افاقہ پایا اور ہوش میں آ گئے ﴿ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ ﴾ تو عرض کیا: (اے اللہ!) تو ہر عیب سے پاک ہے' میں نے دنیا میں دیدار کے سوال کرنے سے توبہ کر لی ہے ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور میں تیری عظمت و بزرگی پر سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں اور بے شک میرا ایمان ہے کہ تیرا دیدار جائز اور ممکن ہونے کے باوجود دنیا میں کسی کو عطا نہیں کیا جائے گا اور کعبی اور اصم نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ''اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ'' کا معنی یہ ہے کہ مجھ کو ایسی نشانی دکھا جس سے میں تجھے لازمی طور پر جان لوں گویا میں تجھے دیکھ رہا ہوں' ''لَنْ تَرٰىنِیْ'' کا معنی ہے کہ تو مجھے ایسی صفت کے ساتھ

ہرگز نہیں جان سکتا اور نہ تو میری ایسی معرفت کی طاقت رکھتا ہے" وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ "اور لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو کیونکہ میں نشانی سے زیادہ اس پر ظہور فرماؤں گا' پھر اگر پہاڑ اس تجلّی سے اپنی جگہ قائم رہا اور اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تم بھی اس کے لیے قائم رہو گے اور اس کی ہمت وقوت رکھو گے اور یہ بیان کرنا فاسد وغلط ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ" کہ تو مجھے اپنی ذات کا دیدار کرا کہ میں تجھے دیکھ لوں' فرمایا اور آپ نے "اِلَیْھَا" نہیں فرمایا کہ میں اس نشانی کو دیکھ لوں اور اللہ تعالیٰ نے "لَنْ تَرَانِیْ" فرمایا ہے کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا "لن تری ایتی" نہیں فرمایا کہ تو میری نشانی ہرگز نہیں دیکھ سکتا اور اس کا معنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم میری نشانی ہرگز نہیں دیکھ سکتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بڑی بڑی نشانیاں دکھا دیں' چنانچہ پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔

۱۴۴- ﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! بے شک میں نے تجھے تیرے زمانے کے تمام لوگوں میں سے منتخب کر لیا ہے ﴿بِرِسٰلٰتِىْ﴾ اپنے پیغامات کے ساتھ اور اس سے تورات کے اجزا مراد ہیں [اور حجازی کی قراءت میں "بِرِسَالَتِیْ" ہے] ﴿وَبِكَلَامِىْ﴾ اور بلا واسطہ براہ راست تجھ سے کلام کرنے کے ساتھ ﴿فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ﴾ سو میں نے تمہیں حکمت ونبوت کا جو شرف وکمال عطا کیا ہے اسے لے لو ﴿وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اور اس نعمت پر شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ کیونکہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ بعض مفسرین نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ عرفہ کے روز بے ہوش ہو کر گر پڑے اور قربانی کے دن انہیں تورات عطا کی گئی اور چونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے تابع اور ان کے وزیر تھے اس لیے انتخاب و برگزیدگی کے لیے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخصوص کیا گیا۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَاؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَاۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًاۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَیِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًاؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی ہے' سو اس کو مضبوطی سے لے لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں' عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا O میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں' اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے' اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو وہ اس کو اپنا راستہ نہیں بنائیں گے' اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے اپنا راستہ بنا لیں گے' یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے اور ان سے غافل ہو گئے O

۱۴۵- ﴿وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً﴾ اور ہم نے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت لکھ دی۔

''الواح'' ''لوح'' کی جمع ہے اس سے تورات کی تختیاں مراد ہیں اور وہ دس تختیاں تھیں اور بعض نے کہا کہ وہ سات تھیں اور زمرد کی تھیں اور بعض نے کہا کہ وہ لکڑی کی تھیں جو آسمان سے نازل ہوئی تھیں جن میں تورات تحریر تھی [اور ''مِنْ كُلِّ شَيْءٍ''، ''كَتَبْنَا'' کا مفعول ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] ﴿وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ [یہ ''مِنْ كُلِّ شَيْءٍ'' سے بدل ہے] اور معنی یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اپنے دین کے متعلق جن نصیحتوں اور تفصیلی احکام کی ضرورت تھی وہ سب ہم نے تورات میں لکھ دیئے اور بعض نے کہا: جب تورات کی تختیاں نازل ہوئی تھیں تو ان کا وزن ستر اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھا اور اس کتاب کو سوائے چار افراد کے کسی نے نہیں پڑھا اور وہ چار افراد یہ تھے: حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت یوشع علیہ السلام' حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ﴿فَخُذْهَا﴾ سو ہم نے اس سے فرمایا: اسے لے لو [یہ ''كَتَبْنَا'' پر معطوف ہے اور اس کی ضمیر ''الواح'' کی طرف لوٹتی ہے یا ''لِكُلِّ شَيْءٍ'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ اشیاء کے معنی میں ہے] ﴿بِقُوَّةٍ﴾ جدو جہد اور پختہ ارادہ کے ساتھ اور یہ اولوالعزم رسولوں کا کام ہے ﴿وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا﴾ اور آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس کی اچھی چیزیں لے لیں یعنی اس میں جو کچھ ہے اچھا ہے اور بہت اچھا ہے جیسے قصاص' عفو و درگزر' بدلا لینے اور صبر کرنے کے احکام وغیرہ' سو آپ انہیں حکم دیں کہ جو حسن و نیکی میں زیادہ اچھی ہیں اور ثواب میں زیادہ بہتر ہیں انہیں لے لو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ'' (الزمر:۵۵) ''اور تم سب بہترین کلام کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے'' ﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ عنقریب میں تمہیں فاسقوں اور نافرمانوں کے گھر دکھا دوں گا یعنی مصر میں فرعون اور اس کی قوم کے گھر دکھا دوں گا (یعنی ان کا وارث بنا دوں گا) اور عاد و ثمود اور دیگر ہلاک شدہ قوموں کے مکانات کے کھنڈرات دکھا دوں گا کہ کس طرح ان سے خالی کرا دیئے گئے تا کہ تم ان سے عبرت حاصل کرو اور نافرمانیاں نہ کرو جیسا کہ انہوں نے نافرمانیاں کیں ورنہ تمہیں بھی اسی طرح سزا دی جائے گی جس طرح ان کو سزا دی گئی یا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۱۴۶- ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں تکبر کرتے ہیں یعنی لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور انہیں دین حق قبول کرنے سے روکتے ہیں اور عار دلاتے ہیں اور تکبر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ تکلف کے ساتھ کبریائی کی صفت کو اپنا لے جو کہ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جس کی قدرت سب پر غالب ہے۔ حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ روحہ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو پاک فرمائے) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متکبروں کے دلوں کو قرآن مجید کی حکمت اور اس کی فہم و فراست سے محروم کر دیتا ہے اور انہیں قرآن مجید کے معانی مخفیہ اور اسرار و رموز کے ساتھ کبھی معزز نہیں فرمائے گا (یہاں تک کہ تکبر سے توبہ کر کے نیک بن جائیں) ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ یہ حال ہے یعنی وہ ناحق تکبر کرتے ہیں کیونکہ تکبر صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ اور اگر وہ ان تمام نشانیوں کو دیکھ لیں جو ان پر نازل کی گئیں تو وہ پھر بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا﴾ اور اگر وہ رشد و ہدایت اور اصلاح کا راستہ دیکھ لیں تو وہ اس کو اپنا راستہ نہیں بنائیں گے [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''الرَّشَدِ'' ہے یہ دو لفظ ''سُقْم'' اور ''سَقَم'' کی طرح ہیں (یعنی پہلے لفظ میں پہلا حرف مضموم دوسرا ساکن ہے جب کہ دوسرے لفظ میں پہلے دونوں حرف مفتوح ہیں)] ﴿وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا﴾ اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو فوراً اپنا راستہ بنا لیں گے ﴿ذٰلِكَ﴾ [یہ رفع کے محل میں واقع ہے] یعنی یہ آیتوں سے پھیرنا ﴿بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ﴿وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴾ اور

وہ بغض وعناد اور روگردانی کر کے ان سے غافل و بے خبر بن گئے اور وہ بھول کر اور جہالت و نادانی سے غافل نہیں ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

وقف لازم ۷ ع ۷

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے ملنے کو جھٹلا دیا ان کے اعمال برباد ہو گئے' انہیں کیا بدلا دیا جائے گا مگر وہی جو وہ عمل کرتے تھے O اور موسیٰ کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات سے بے جان جسم کا بچھڑا بنا لیا جو گائے کی آواز نکالتا' کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ وہ ان کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے' انہوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ لوگ ظالم تھے O اور جب وہ اپنے ہاتھوں پریشان ہوئے اور سمجھ گئے کہ وہ یقیناً گمراہ ہو گئے' تو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہماری بخشش نہ فرمائی تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O

۱۴۷- ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کے ملنے سے انکار کیا [اس میں مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف ہے] یعنی انہوں نے آخرت کے ملنے اور اس کے حالات دیکھنے کو جھٹلا دیا ﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ان کے تمام اعمال تباہ و برباد ہو گئے [یہ ''وَالَّذِيْنَ'' کی خبر ہے] ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ان کو کیا بدلا دیا جائے گا مگر وہی جو کرتے تھے اور وہ احوال آخرت اور آیات الٰہی اور رسولوں کی تکذیب ہے۔

بنی اسرائیل کی سرکشیاں

۱۴۸- ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا﴾ اور حضرت موسیٰ کے کوہِ طور کی طرف جانے کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات سے بے جان قسم کا بچھڑا بنا لیا اور بے شک زیورات کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یہ زیورات ان کے اپنے نہیں تھے بلکہ انہوں نے فرعونیوں سے مانگ کر لیے ہوئے تھے کیونکہ یہ نسبت ادنیٰ تعلق کی بنا پر کی گئی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں آدمی کے گھر میں داخل نہیں ہو گا' پھر اس کے مانگے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا (یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی) بہر حال زیورات کی بنی اسرائیل کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ان کے مالک بن گئے جیسا کہ ان کے علاوہ ان کی دوسری املاک کے یہ مالک بن گئے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے اموال پر قبضہ کرنا لازمی طور پر ان کی ملکیت ان سے زائل کر دے گا ہاں! البتہ زیورات سے بچھڑا بنانے والا اکیلا سامری تھا لیکن تمام بنی اسرائیل اس پر راضی تھے اس لیے بنانے کے فعل کی نسبت سب کی طرف کر دی گئی [اور ''حُلِيٌّ'' (حا پر پیش لام کے نیچے زیر یا مشدد) ''حَلْيٌ'' (حا پر زبر لام پر سکون یا غیر مشدد) کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کا نام ہے جس کو سونے اور چاندی کے ساتھ آراستہ کیا جاتا ہے۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی

قراءت میں ''عِجلًا'' کی اتباع میں ''حِلِيِّهِمْ'' (حا کے نیچے زیر) ہے اور ''عِجْلًا''، ''اِتَّخَذَ'' کا مفعول ہے اور ''جَسَدًا'' اس سے بدل ہے یعنی باقی اجسام کی طرح گوشت پوست والے بدن کو جسد کہتے ہیں] ﴿لَّهٗ خُوَارٌ﴾ اس کے لیے آواز تھی [''خُوَارٌ'' گائے کی آواز کو کہتے ہیں اور دوسرا مفعول محذوف ہے] یعنی بنی اسرائیل نے اپنے زیورات سے بچھڑے کا بے جان جسم تیار کر کے اس کو معبود بنالیا [یعنی ''اِلٰـهًا'' محذوف ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزور عقل پر تعجب کیا اور فرمایا کہ ﴿اَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا انہوں نے اس وقت دیکھا نہیں جب انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا کہ

﴿اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا﴾ بے شک وہ نہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ وہ ان کی راہ نمائی کرتا ہے یعنی نہ وہ بات کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور نہ وہ رہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر انہوں نے اس بچھڑے کو اس ذات اقدس کے مقابلے میں اختیار کر لیا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمام سمندر اس کے کلمات کو لکھنے کے لیے سیاہی بن جائیں تو تمام سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اور یہ وہی خدا ہے جس نے تمام مخلوق کو عقلی دلائل اور الہامی کتابوں کے دلائل عنایت کر کے راہِ حق کی طرف راہ نمائی فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے آغاز کیا اور فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْهُ﴾ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور انہوں نے اتنے بڑے عمل پر اقدام کیا ﴿وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ اور وہ ظالم تھے۔

۱۴۹- ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ﴾ اور جب وہ لوگ بچھڑے کی پوجا کرنے پر بہت پشیمان اور نادم وشرمندہ ہوئے اور اس کی اصل یہ ہے کہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کی حالت ایسی ہو کہ وہ بہت نادم وشرمندہ ہو اور وہ غم ورنج کے مارے اپنے ہاتھ چبانے لگے تو گویا اس کا ہاتھ اس کے منہ میں گر گیا [کیونکہ منہ اس پر واقع ہو گیا اور ''سُقِطَ'' کی نسبت ''فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ'' کی طرف کی گئی اور یہ کنایہ ہے] اور زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ندامت وپشیمانی ان کے ہاتھوں میں گر گئی یعنی ان کے دلوں اور روحوں میں داخل ہو گئی جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کے ہاتھ میں برائی لگ گئی اور اگرچہ ہاتھ میں ہونے والی چیز کو دل میں حاصل ہونے والی چیز کے ساتھ تشبیہ دینا اور دل میں ہونے والی چیز کو ہاتھ میں حاصل ہونے والی اور آنکھ سے دیکھی جانے والی چیز کے ساتھ تشبیہ دینا محال ہو ﴿وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا﴾ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بے شک وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور ان کی گمراہی بالکل واضح اور ظاہر ہو گئی گویا انہوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا﴾ انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''لَئِنْ لَّمْ تَرْحَمْنَا رَبَّنَا وَ تَغْفِرْ لَنَا'' ہے اور ''رَبَّنَا'' ندا کی بنا پر منصوب ہے] یعنی اے ہمارے رب! اگر تو نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ تو ہم دنیا میں اور آخرت میں ضرور نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ

وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور جب موسیٰ غضب ناک (اور) غم ناک ہو کر اپنی قوم کی طرف واپس پلٹے' تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد میری بہت بُری جانشینی کی' کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی' اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا' اس نے کہا: اے میرے ماں جائے! بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ لوگ مجھے قتل کر دیتے' سو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسی کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں کی قوم کے ساتھ نہ ملائیں O اس نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما' اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا ان کو دنیا کی زندگی میں ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت پہنچے گی' اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلا دیتے ہیں O

۱۵۰- ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ اور جب (حضرت) موسیٰ کوہِ طور سے واپس اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف لوٹ کر آئے ﴿غَضْبَانَ﴾ غضب ناک ہو کر [یہ ''مُوْسٰی'' سے حال ہے] ﴿اَسِفًا﴾ غمگین ہو کر [یہ بھی حال ہے] ﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ﴾ فرمایا: تم نے میرے بعد بہت بری جانشینی کی یعنی تم میرے بہت بُرے قائم مقام اور تم میرے بعد بُرے جانشین ثابت ہوئے اور یہ خطاب بچھڑے کی عبادت کرنے والے سامری اور اس کے دیگر ساتھیوں کو ہے یا پھر حضرت ہارون اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو ہے جس کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ'' (الاعراف:۱۴۲) ''اور حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون سے فرمایا کہ تم میری قوم میں میرے نائب بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور فسادیوں کی پیروی نہ کرنا'' اور ''بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ'' کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی تو تم نے میری بُری جانشینی کی یا یہ کہ جب تم غیر اللہ کی عبادت سے نہیں رکے تو تم نے میری بری جانشینی کی [اور ''بِئْسَ'' کا فاعل ''هُوَ'' ضمیر ہے جو اس کے اندر پوشیدہ ہے جس کی تفسیر ''مَا خَلَفْتُمُوْنِيْ'' کر رہا ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے] اور اصل عبارت اس طرح ہے: ''بِئْسَ خِلَافَةُ خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ خِلَافَتُكُمْ'' یعنی بہت بری نیابت ہے جو تم نے میرے بعد نائب بن کر ادا کی ہے اور ''خَلَفْتُمُوْنِيْ'' کے بعد ''مِنْ بَعْدِيْ'' کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اقدس سے شریکوں کی نفی کرنے میں دن رات محنت کرتے دیکھا ہے یا اس کے بعد کہ میں بنی اسرائیل کو توحید کی رغبت دلاتا رہا ہوں اور میں انہیں اس وقت بھی گائے کی عبادت سے روکتا رہا ہوں جب انہوں نے کہا تھا: ''اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ'' (الاعراف:۱۳۸) ''آپ ہمارے لیے ایک معبود بنا دیجئے جیسا کہ ان کے کئی معبود ہیں'' اور خلفاء کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ بنانے والے کی سیرت پر چلیں ﴿اَعَجِلْتُمْ﴾ کیا تم نے جلدی کی یعنی کیا تم نے بچھڑے کی عبادت میں سبقت کر لی ﴿اَمْرَ رَبِّكُمْ﴾ اپنے رب کے حکم سے اور وہ یہ ہے کہ میں چالیس راتوں کے بعد تمہاری خاطر تورات لے کر آیا ہوں اور ''عجلة'' کی اصل یہ ہے کہ کسی چیز کا وقت سے پہلے طلب کرنا اور بعض نے فرمایا کہ ''عَجِلْتُمْ'' بہ معنیٰ ''تَرَكْتُمْ'' ہے یعنی کیا تم نے اپنے رب کا حکم چھوڑ دیا ہے ﴿وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ﴾ اور حضرت موسیٰ نے غم کی وجہ سے تختیاں نیچے ڈال دیں جب

انہوں نے بچھڑے کو معبود بنانے کی خبر سنی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں بنی اسرائیل پر غضب ناک ہو گئے اور آپ اپنے طبعی جلال کی وجہ سے غصہ بہت کرتے تھے اور حضرت ہارون ان سے بہت زیادہ نرم دل اور حلیم الطبع تھے اور اس لیے حضرت ہارون بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ سے زیادہ محبوب تھے' بہر حال وہ تختیاں ٹوٹ گئیں اور اس کی سات تختیوں میں سے چھے اٹھالی گئیں باقی ایک رہ گئی اور جو اٹھالی گئیں ان میں ہر چیز کی تفصیل درج تھی اور جو باقی رہ گئی تھی اس میں ہدایت ورحمت تھی ﴿ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون پر ناراض ہو کر اس کے سر کے بال پکڑ لیے کہ اس نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے کیوں نہیں منع کیا ﴿ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ﴾ حضرت موسیٰ نے ان پر ناراض ہو کر اپنی طرف کھینچا ان کی توہین کرنے کے لیے نہیں [اور یہ "مُوْسٰی" سے حال ہے] ﴿ قَالَ ابْنَ اُمَّ ﴾ ["اُمَّ" کے ساتھ مل کر "اِبْنَ" مبنی بر فتح آتا ہے جیسے "خَمْسَةَ عَشَرَ" ہے اور قاری حمزہ' قاری علی کسائی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "اُمِّ" کے میم کے نیچے زیر (اُمِّ) ہے اس لیے اس کی اصل "اُمِّیَ" تھی پھر تخفیف کے لیے "یا" کو حذف کر دیا گیا کیونکہ میم کا کسرہ (زیر) "یَ" کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے] اور حضرت موسیٰ حضرت ہارون کے ماں باپ جائے بھائی تھے لیکن حضرت ہارون نے صرف ماں کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ مؤمنہ تھیں دوسرا اس لیے کہ حضرت موسیٰ ماں کا ذکر سن کر بھائی پر نرم اور مہربان ہو جائیں ﴿ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ﴾ بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے یعنی میں نے انہیں بچھڑے کی عبادت سے روکنے میں وعظ ونصیحت اور خوف دلانے اور ڈرانے کے ذریعے کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن انہوں نے مجھے کمزور سمجھا اور انہوں نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ﴿ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ ﴾ سو آپ میرے دشمنوں کو خوش نہ کیجئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی ہے یعنی ایسا عمل میرے ساتھ نہ کیجئے جس سے ان کی آرزو پوری ہو جائے کیونکہ وہ میری توہین اور برائی چاہتے ہیں ﴿ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اور آپ مجھے ظالم قوم کے ساتھ نہ ملایئے یعنی آپ مجھ پر غضب ناک ہو کر ان کے ساتھی قرار نہ دیں' چنانچہ جب حضرت موسیٰ پر بھائی کا عذر واضح ہو گیا تو فرمایا:

۱۵۱۔﴿ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ ﴾ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی دعا میں حضرت ہارون کو اس لیے شریک کیا تا کہ وہ راضی اور خوش ہو جائیں اور دشمنوں کی خوشی کو ختم کر دیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! بھائی کے حق میں مجھ سے جو کوتاہی ہو گئی اسے بخش دے اور میری خلافت و نیابت کو اچھی طرح ادا کرنے میں میرے بھائی سے جو کوتاہی ہو گئی ہے اسے بخش دے ﴿ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ﴾ اور تو ہمیں دنیا میں اپنی رحمت وحفاظت اور عصمت میں اور آخرت میں جنت میں داخل کر دینا ﴿ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

۱۵۲۔﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا عنقریب ان کو ان کے رب کی طرف سے غضب پہنچے گا اور وہ یہ کہ ان کو توبہ کرنے کے لیے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دیں ﴿ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ اور دنیا کی زندگی میں ذلت ورسوائی پہنچے گی اور وہ یہ کہ ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا' سو جلا وطنی گردنوں میں ذلت ورسوائی کا طوق بن جاتی ہے یا یہ کہ ان پر جزیہ (ٹیکس) مسلط کر دیا گیا ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴾ اور ہم اسی طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں اور سامری کے اس قول سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں ہو سکتا کہ اس نے کہا "هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰی" (طٰہٰ:۸۸) "یہ بچھڑا تمہارا معبود ہے اور حضرت موسیٰ کا معبود ہے"۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جن لوگوں نے بُرے عمل کیے' پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے' تو بے شک آپ کا رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو اس نے تختیاں اٹھالیں' اور اس کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے تھے O

۱۵۳- ﴿وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ﴾ اور جن لوگوں نے برے کام کیے یعنی کفر و شرک اور نافرمانیاں کیں ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ پھر انہوں نے ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے پکی توبہ کر لی ﴿وَاٰمَنُوْۤا﴾ اور وہ خالص ایمان لے آئے ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بے شک اس کے بعد یعنی برے کاموں یا توبہ کے بعد آپ کا رب ﴿لَغَفُوْرٌ﴾ ان کی بہت پردہ پوشی فرمانے والا اور ان کے گزشتہ گناہ بہت مٹانے والا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بہت مہربان ہے کہ ان پر جنت کا انعام فرمانے والا ہے [اور ''اِنَّ'' اپنے اسم اور اپنی خبر کے ساتھ مل کر ''اَلَّـذِيْـنَ'' کی خبر ہے] اور یہ حکم عام ہے' اس میں بچھڑے کی پوجا کرنے والے بھی داخل ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے گنہگار توبہ کرنے والے بھی داخل ہیں' اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے گناہوں کی بڑائی کو بیان کیا' پھر اس کے ساتھ اپنی رحمت کی عظمت و بڑائی کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ بے شک گناہ اگرچہ بڑے بڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم و نوازی اور عفو و درگزر اس سے بڑھ کر ہے۔

۱۵٤- اور جب غصہ بہت بڑھ گیا تو گویا وہی حضرت موسیٰ کو حکم دینے والا تھا جو کچھ انہوں نے کیا اور کہا ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ﴾ اور جب حضرت موسیٰ کا غصہ تھم گیا اور زجاج نے کہا کہ سکوت بہ معنی سکون ہے [اور ''سَكَنَ'' کے ساتھ بھی قراءت کی گئی] ﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ اور آپ نے وہ تختیاں اٹھالیں جو غصہ سے نیچے پھینک دی تھیں ﴿وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ اور اس کی تحریر میں اور جو کچھ لوح محفوظ سے نقل کر کے ان تختیوں میں لکھا گیا وہ ہدایت و رحمت تھی [''فُعْلَةٌ'' بہ معنی مفعول ہے جیسے خطبہ ہے] ﴿لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں [اور ''لِرَبِّهِمْ'' پر لام اس لیے داخل کیا گیا کہ مفعول مقدم ہے اور اس میں تقدیم کے اعتبار سے فعل کا عمل کمزور ہو گیا ہے]۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ کے لیے چن لیے' پھر جب زلزلہ نے انہیں پکڑ لیا تو موسیٰ نے عرض

کیا: اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو مجھے اور ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا' کیا تو ہمیں اس عمل کے بدلے میں ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے صرف بیوقوفوں نے کیا ہے؟ یہ تو تیری آزمائش ہی ہے' سو اس سے جس کو تو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو تو چاہے ہدایت دے دے' تو ہمارا مالک ہے' سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے O

۱۵۵- ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنی قوم میں ستر آدمی منتخب فرمائے [یعنی ''قَوْمَهٗ'' اصل میں ''مِنْ قَوْمِهٖ'' تھا' پھر حرفِ جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو ملا دیا گیا] بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ سے چھے افراد چن لیے تو اس طرح کل بہتر آدمی ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے دو آدمی پیچھے رک جائیں' چنانچہ کالب اور یوشع رک گئے باقی ستر آدمی چلے گئے ﴿لِّمِیْقَاتِنَا﴾ ہمارے مقرر کردہ وقت پر بچھڑے کی عبادت کرنے پر معذرت کرنے کے لیے آ گئے ﴿فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پھر جب انہیں سخت ترین زلزلہ نے پکڑ لیا ﴿قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ﴾ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرنے کی نافرمانی پر اور مجھے قبطی کو قتل کرنے پر ہلاک کر دیتا ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ کیا تو ہمیں اس عمل کی وجہ سے سزا دے کر ہلاک کر دے گا جو ہمارے بے وقوف لوگوں نے کیا اور وہ لوگ بچھڑے کے پجاری ہیں ﴿اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ وہ تو نہیں مگر تیری آزمائش اور یہ درج ذیل ارشاد باری کی طرف اشارہ ہے: ''فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ'' (طٰہٰ: ۸۵) ''سو بے شک ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈالا'' چنانچہ حضرت موسیٰ نے کہا: یہ وہی آزمائش ہے جس کی تو نے مجھے خبر دی تھی یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس کے ذریعے اس نے اپنے بندوں کو آزمانا چاہا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً'' (الانبیاء: ۳۵) ''اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی کے ذریعے آزمائش میں ڈالتے ہیں امتحان کی غرض سے'' ﴿تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ﴾ تو جس کو چاہتا ہے اس آزمائش کے ذریعے گمراہ کر دیتا ہے یعنی ان میں سے جس کا گمراہی کو اختیار کرنا تیرے علم میں ہوتا ہے ﴿وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور تو اس کے ذریعے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ان میں سے جس کا ہدایت کو اختیار کرنا تیرے علم میں ہوتا ہے ﴿اَنْتَ وَلِیُّنَا﴾ تو ہمارا مالک ہے جو ہمارے دینی اور دنیاوی امور کا قائم رکھنے والا اور ان کا کفیل ہے ﴿فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ﴾ سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ بہتر بخشنے والا ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۚ

اور تو اس دنیا میں اور آخرت میں ہمارے لیے بھلائی لکھ دے بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے' اللہ نے فرمایا: میرا غضب صرف اس کو پہنچے گا جس کو میں چاہوں گا' اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے' سو میں عنقریب اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں O

۱۵۶- ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ اور تو ہمیں اس دنیا میں ثابت قدم رکھ اور ہمارے لیے خیر و عافیت اور اچھی معاش اور اطاعت کی توفیق لکھ دے ﴿وَّفِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں جنت لکھ دے ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ﴾ بے شک

ہم نے تیری طرف رجوع کرلیا [اور یہ ''ھَادَ یَھُوْدُ'' سے ماخوذ ہے] یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی رجوع کرے اور توبہ کرے اور ''ھُوْد''،''ھَائِد'' کی جمع ہے اور اس کا معنی توبہ کرنے والا ہے ﴿قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے عذاب کی کیفیت یہ ہے کہ میں جس کو چاہتا ہوں اس کو اپنا عذاب پہنچاتا ہوں یعنی میں جس کو معاف نہیں کرتا اس کو عذاب پہنچاتا ہوں ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے یعنی میری رحمت کی کیفیت یہ ہے کہ وہ یقیناً ہر چیز کو پہنچے گی اور دنیا میں مسلمان ہو خواہ کافر ہو ہر ایک پر میری رحمت کا اثر نمایاں پہنچے گا ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ سو میں اس کو یعنی اپنی اس رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے شرک و کفر سے بچیں گے ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ اپنے اوپر فرض کی گئی زکوٰۃ کو ادا کرتے رہیں گے ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ہماری آیتوں یعنی ہماری تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہوں گے اور ان میں سے کسی کا انکار نہیں کریں گے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

وہ لوگ جو بغیر پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول کی پیروی کریں گے جس (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ ان کو نیک کاموں کا حکم دے گا اور بُرے کاموں سے روکے گا اور وہ ان کے لیے پاک چیزیں حلال قرار دے گا اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام قرار دے گا اور وہ ان کے بوجھ اور گلے کے طوقوں کو جو ان پر تھے ان سے اتار دے گا' سو جو لوگ اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا' تو یہی لوگ کامیاب و کامران ہونے والے ہیں O

اوصافِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان اور پیروکاروں کا انعام

۱۵۷-﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ﴾ وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کی طرف ہم ایسی کتاب کی وحی بھیجتے ہیں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ قرآن مجید ہے ﴿النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ بے پڑھے صاحب معجزات پیغمبر ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾ یعنی بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں اس کی نعت کو لکھا ہوا پاتے ہیں ﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ وہ خدا کے شریکوں کی تردید کر کے اور بندوں کی اطاعت و فرماں برداری کی تلقین کر کے انہیں نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور وہ انہیں برائی یعنی بتوں کی پرستش سے اور رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلق سے منع کرتے ہیں ﴿وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ﴾ اور آپ ان کے لیے وہ تمام چیزیں حلال قرار دیتے ہیں جو اس سے پہلے ان پر حرام کر دی گئی تھیں جیسے چربی وغیرہ یا وہ چیزیں جو شریعت میں پاک نہیں

جیسے وہ حلال جانور جن پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور جو حرام کے علاوہ کمائی ہے ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ اور آپ ان پر ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جیسے خون اور مردار اور خنزیر کا گوشت اور جن پر غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو یا جو شریعت کے حکم میں ناپاک ہوں جیسے سود اور رشوت اور ان کے علاوہ دوسری ناپاک کمائیاں ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ﴾ اور آپ ان سے ان کا بوجھ اتارتے ہیں ''اِصْرٌ'' اس کو کہتے ہیں جو اٹھانے والے کو روک دیتا ہے یعنی بھاری ہونے کی وجہ سے بوجھ اٹھانے والے کو چلنے پھرنے اور حرکت سے روک دیتا ہے اور اس سے مشکل ترین امور جیسے توبہ کرنے میں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا اور جسم کے اعضاء میں سے گناہ کے عضو کو کاٹ دینا [ابن عامر شامی کی قراءت میں جمع کے ساتھ ''اٰصَارَهُمْ'' ہے] ﴿وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ ان طوقوں کو اتارتے ہیں جو ان پر تھے اس سے مشکل ترین احکام مراد ہیں جیسے قصاص کا لازم ہونا' قتل قصداً کیا گیا ہو یا غلطی سے دیت یعنی خون بہا کی اجازت نہ دینا اور جسم اور کپڑے پر جہاں نجاست و گندگی لگ جاتی اس کا کاٹنا لازم تھا اور غنیمت کے اموال کو استعمال کرنے کی بجائے آگ میں جلانا ضروری تھا اور گھروں کے دروازوں پر گناہوں کو ظاہر کر دیا جاتا تھا اور ان احکام کو طوق کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ یہ احکام بھی طوق کی طرح ان پر لازم تھے ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ﴾ پس جو لوگ اس پر یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ پر ایمان لے آئے ﴿وَعَزَّرُوْهُ﴾ اور انہوں نے اس کی تعظیم کی یا انہوں نے اس کو دشمن سے بچایا یہاں تک کہ دشمن اس پر غالب نہ آ سکا اور ''عزر'' کا اصل معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور اسی سے تعزیر ہے کیونکہ یہ گناہوں کی عادت سے منع کرتی ہے جیسے حد ہے کہ یہ بھی منع کرتی ہے ﴿وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ اور انہوں نے اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید اور ''مَعَ''، ''اِتَّبَعُوْا'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی جنہوں نے نبی کریم کی اتباع کے ساتھ ان پر نازل کردہ قرآن مجید کی بھی اتباع کی اور آپ کی سنتوں پر عمل کیا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ یہی لوگ ہر بھلائی کے ساتھ کامیاب و کامران ہونے والے اور ہر برائی سے نجات پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے محبوب!) آپ فرما دیں کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور وہ مارتا ہے' سو تم اللہ پر اور اس کے بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول پر ایمان لاؤ جو خود اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور تم اسی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤO اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرتا اور اسی کے ساتھ انصاف کرتاO

۱۵۸- ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ہر پیغمبر اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا لیکن حضرت سرور کونین رسول الثقلین حضرت محمد

مصطفیٰ ﷺ تمام انسانوں اور تمام جنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں [اور ''جَمِیۡعًا'' یہاں ''اِلَیۡکُمۡ'' سے حال ہے]
﴿الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے [یہ جملہ ''اَعۡنِیۡ'' پوشیدہ فعل کی وجہ سے نصب کے محل میں واقع ہے اور یہ بطور مدح منصوب ہے] ﴿لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ﴾
اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے [اور ''لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ'' صلہ سے بدل ہے اور وہ ''لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ'' ہے اور اسی طرح ''یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ'' ہے اور ''لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ'' ماقبل جملہ کا بیان ہے کیونکہ جو سارے جہاں کا بادشاہ ہے وہی حقیقت میں معبودِ برحق ہے اور ''یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ'' الوہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اختصاص کو بیان کرنے کے لیے ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی زندگی دینے اور موت دینے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا
﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمٰتِہٖ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے بغیر پڑھے غیب کی خبریں دینے والے رسول پر ایمان لاؤ جو خود اللہ تعالیٰ پر اور اس کے کلمات یعنی تمام نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتا ہے
﴿وَ اتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ﴾ اور تم اس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت حاصل کر لو اور حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ نے ''اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ'' کے بعد یہ نہیں فرمایا: ''فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَبِیۡ'' کہ اللہ تعالیٰ پر اور مجھ پر ایمان لاؤ تاکہ آپ پر وہ صفات جاری کی جائیں جو آپ پر جاری کی گئیں اور اس لیے کہ التفات و خطاب میں زیادہ بلاغت و فضیلت ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ معلوم ہو جائے کہ جس ذات پر ایمان لانا واجب و ضروری ہے وہ یہ شخص ہے جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے یعنی رسول، نبی اور امی جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے وہ کوئی بھی ہو، میں ہوں یا میرے علاوہ کوئی اور ہو آپ نے انصاف کے اظہار اور اپنی ذات اقدس سے تعصب کو دور کرنے کے لیے یہ بیان فرمایا۔

بنی اسرائیل کی احسانات کے باوجود سرکشیاں ماسوا ایک گروہ کے

۱۵۹- ﴿وَ مِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤی اُمَّۃٌ یَّہۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی رہنمائی کرتا یعنی وہ لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتا جب کہ وہ خود حق والا تھا یا وہ لوگوں کی اس حق کی وجہ سے رہنمائی کرتا جس پر وہ خود گامزن تھا ﴿وَ بِہٖ یَعۡدِلُوۡنَ﴾ اور وہ مقدمہ میں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق انصاف کرتے ہیں وہ ظلم نہیں کرتے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس سے بنی اسرائیل کی وہ قوم مراد ہے جو چین کے آگے رہتی تھی، وہ شبِ معراج حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آئی تھی یا پھر ان سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

وَ قَطَّعۡنٰہُمُ اثۡنَتَیۡ عَشۡرَۃَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اِذِ اسۡتَسۡقٰىہُ قَوۡمُہٗۤ اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ ۚ فَانۡۢبَجَسَتۡ مِنۡہُ اثۡنَتَا عَشۡرَۃَ عَیۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَہُمۡ ؕ وَ ظَلَّلۡنَا عَلَیۡہِمُ الۡغَمَامَ وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی ؕ کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ ؕ وَ مَا ظَلَمُوۡنَا وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

اور ہم نے بارہ قبیلوں میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ گروہ بنا دیئے' اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب اس سے اس کی قوم نے پانی طلب کیا کہ آپ اپنا عصا اس پتھر پر ماریئے' سو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' بے شک ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا' اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا' ہم نے رزق کی جو پاک چیزیں تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ' اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ لوگ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

۱۶۰- ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمُ ﴾ اور ہم نے انہیں بانٹ دیا یعنی ہم نے انہیں گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک گروہ کو دوسرے سے الگ کر دیا ﴿ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا ﴾ بارہ گروہ' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ قَبِیْلَۃً'' یعنی بارہ قبیلے اور ''اسباط'' بیٹے کی اولاد (یعنی پوتوں) کو کہا جاتا ہے' یہ ''سبط'' کی جمع ہے اور یہ بارہ قبیلے تھے اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادوں کی اولاد تھے [ہاں! البتہ ''عَشَرَ'' کے علاوہ (گیارہ سے انیس تک) تمیز مفرد ہوتی ہے' پس یہاں یہی مناسب تھا کہ ''اِثْنَیْ عَشَرَ سَبْطًا'' کہا جاتا] لیکن چونکہ اس سے مراد بارہ قبیلے ہیں اور ہر قبیلہ اپنی جگہ اسباط تھا سبط نہیں تھا اس لیے ''اَسْبَاط'' کو قبیلہ کی جگہ رکھا گیا ﴿ اُمَمًا ﴾ [یہ ''اِثْنَتَیْ عَشَرَ'' سے بدل ہے] یعنی ہم نے انہیں جماعتوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ ہر ''اَسْبَاط'' ایک بڑی امت تھی اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے مفاد کے خلاف چلتا تھا ﴿ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب ان سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا کہ آپ اپنا عصا پتھر پر ماریئے' چنانچہ آپ نے حکم ربّی کے مطابق پتھر پر اپنا عصا مبارک مارا ﴿ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ﴾ تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے ﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ﴾ بے شک ہر گروہ نے اپنے پینے کی جگہ کو جان لیا [اور ''اُنَاس'' اسم جمع غیر مکسر ہے] ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ﴾ اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا یعنی ہم نے ان پر میدان تیہ میں بادل کا سایہ کیا تھا ﴿ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴾ اور ہم نے ان پر ترنجبین (ایک قسم کا حلوہ) اور بٹیر نازل کیے اور ہم نے ان سے فرمایا کہ ﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ہمارے پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا ﴾ اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا یعنی نعمتوں پر ناشکری کی وجہ سے ان کے ظلم کا نقصان ہمیں نہیں پہنچے گا ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ اور لیکن وہ لوگ ظلم کر کے اپنی ہی جانوں کو نقصان پہنچاتے تھے اور ان کے ظلم کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۰ / ۱۰

اور اس وقت کو یاد کرو جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی میں آباد ہو جاؤ اور اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور ''حِطَّۃٌ'' (گناہ معاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے' عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو زیادہ عطا فرمائیں گے O پھر ان میں سے ظلم کرنے والوں نے بات کو اس کے برعکس بدل دیا جو ان کو کہا گیا

و تھا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیج دیا اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے ○

۱۶۱- ﴿ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ﴾ اور یاد کیجئے جب ان سے کہا گیا کہ تم اس بستی یعنی بیت المقدس میں آباد ہو جاؤ ﴿ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ﴾ اور اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور "حِطَّةٌ" (معاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "تُغْفَرْ لَكُمْ" ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں "خَطِيْئَاتُكُمْ" (ہمزہ کے بعد الف کے ساتھ) ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں "خَطِيْئَتُكُمْ" (ہمزہ کے بعد الف کے بغیر) ہے اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں "خَطَايَاكُمْ" ہے] ﴿ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔

۱۶۲- ﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴾ سو ان میں سے ظالموں نے بات کو اس کے خلاف تبدیل کر دیا جو انہیں کہا گیا تھا تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیج دیا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے' پھر اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اُسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا" کے درمیان اور سورت بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ "اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا" (البقرہ:۵۸) کے درمیان کوئی تناقض و تضاد نہیں ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں بستی میں داخل ہونے اور رہائش اختیار کرنے کا حکم ہے خواہ انہوں نے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے "حِطَّةٌ" کہا یا داخل ہونے کے بعد کہا' بہر حال وہ لوگ دونوں کے جامع تھے اور "رَغَدًا" کا ذکر ترک کرنا اس کے اثبات کے مخالف نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ" میں دو چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے' ایک بخشش کا اور دوسرا زیادہ انعام دینے کا [اور واؤ کا ترک اس میں خلل پیدا نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک الگ مستأنفہ جملہ ہے جو کسی کہنے والے کے کہنے پر مرتب کیا گیا کہ بخشش کے بعد کیا ہوگا؟ تو جواب میں کہا گیا: ہم زیادہ عطا کریں گے اور اسی طرح "مِنْهُمْ" کا بڑھانا بیان کے اضافہ کے لیے اور "اَرْسَلْنَا" اور "اَنْزَلْنَا" اور "يَظْلِمُوْنَ" اور "يَفْسُقُوْنَ" ایک چیز ہیں]۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

وقف لازم

معانقة الصمت

اور اس بستی کے بارے میں ان سے پوچھئے جو دریا کے کنارے پر موجود تھی' جب وہ ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرتے جب کہ ہفتہ کے روز ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئیں ان کے پاس آ جاتیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس نہ آتیں' اسی طرح ہم انہیں آزماتے' کیونکہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم اس قوم کو

کیوں نصیحت کرتے ہو؛ جس کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے؛ انہوں نے کہا: تمہارے رب کے حضور معذرت کرنے کے لیے اور تاکہ وہ ڈر جائیں O

۱۶۳-﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ﴾ اور آپ یہودیوں سے ایلہ نامی بستی یا مدین کی بستی کے بارے میں پوچھئے اور یہ سوال ان کے قدیمی کفر پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے ﴿الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ جو دریا کے قریب موجود تھی ﴿اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ﴾ جب وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے تجاوز کرتے تھے کیونکہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتے تھے اور وہ ہفتہ کے دن ان کا شکار کھیلتے تھے حالانکہ ان کو اس دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا [اور ''اِذْ يَعْدُوْنَ ''، ''اَلْقَرْيَةِ'' سے بدل ہونے کی بنا پر محلاً مجرور ہے اور ''قرية'' سے اس کے باشندے مراد ہیں] گویا فرمایا گیا کہ اے محبوب! آپ یہودیوں سے اس بستی میں رہنے والوں کے بارے میں پوچھئے جب وہ ہفتہ میں زیادتی و سرکشی کرتے تھے [اور یہ بدل الاشتمال ہے] ﴿اِذْ تَاْتِيْهِمْ﴾ [یہ ''يَعْدُوْنَ'' کے ساتھ منصوب ہے یا پھر بدل کے بعد دوسرا بدل ہے] یعنی جب ان کے پاس آ جائیں ﴿حِيْتَانُهُمْ﴾ ان کی مچھلیاں [''حِيْتَانٌ''، ''حُوْتٌ'' کی جمع ہے؛ اس میں واؤ ساکن اور ما قبل مکسور ہونے کی وجہ سے واؤ کو ''یا'' سے بدل دیا گیا] ﴿يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ ہفتہ کے دن مچھلیاں تیرتے ہوئے پانی کے اوپر ظاہر ہو جاتیں [''شُرَّعًا''، ''شَارِع'' کی جمع ہے اور ''سَبْتٌ'' مصدر ہے] ''سَبَتَتِ الْيَهُوْدُ'' اس وقت بولا جاتا جب یہودی شکار کو چھوڑ کر ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے اور اس دن عبادت میں مشغول رہتے اور ''اِذْ يَعْدُوْنَ'' کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ لوگ اس دن کی تعظیم میں شکار کر کے زیادتی کا ارتکاب کرتے اور ''يَوْمَ سَبْتِهِمْ'' کا معنی یہ ہے کہ ان کے تعظیم کے دن ہفتہ کا معاملہ (شکار) آ جاتا تھا اور اس پر دلیل درج ذیل کلام ہے: ﴿وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ﴾ اور جس روز ہفتہ نہ ہوتا مچھلیاں ان کے پاس نہ آتیں [اور ''يَوْمَ''، ''لَا تَاْتِيْهِمْ'' کا ظرف ہے] ﴿كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ اسی طرح ہم ان کو آزماتے اس لیے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے یعنی اس سخت آزمائش کی طرح ہم ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے آزماتے تھے۔

۱۶۴-﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ﴾ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: یہ اس بستی کے نیک لوگوں میں سے ایک جماعت تھی جس نے ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو وعظ و نصیحت کی اور انہیں شکار سے منع کیا اور نافرمانی سے روکا مگر انہوں نے ان نیک بختوں کو ذلیل و خوار کیا اور انہوں نے ان کی راہ میں مشکلات پیدا کیں جس کے بعد یہ حضرات ان سے مایوس ہو گئے اس لیے انہوں نے بدبختوں کو وعظ و نصیحت کرنے سے باز نہ آنے والے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ تم اس قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے اور انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ان کو علم تھا کہ ان بدبختوں میں وعظ و نصیحت اثر نہیں کرے گی اور نہ اس سے ان کو کوئی فائدہ ہوگا ﴿قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ ان دوسرے مبلغین نے کہا کہ تمہارے رب کی بارگاہ میں معذرت پیش کرنے کے لیے (ہم تبلیغ کرتے ہیں تاکہ ہم بری الذمہ ہو جائیں) یعنی ہمارا وعظ و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر و توبہ کا امتحان ہے تاکہ ہم نہی عن المنکر (برائی سے روکنے) کے معاملے میں کسی قسم کی تقصیر و کوتاہی کے مرتکب نہ ہو جائیں اور ہمیں قصور وار نہ ٹھہرایا جائے [امام حفص کی قراءت میں ''مَعْذِرَةً'' مفعول لہ ہے] یعنی ہم نے معذرت کرنے کے لیے وعظ و نصیحت کی ہے ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ اور ہمیں طمع ہے کہ شاید وہ (گناہوں سے) بچ جائیں اور پرہیزگار بن جائیں۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾

پھر جب وہ اس بات کو بھول گئے جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو بُرائی سے منع کرتے تھے اور ہم نے ظلم کرنے والوں کو بُرے عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے O سو جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے فرمایا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ O اور جب آپ کے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ یہود پر ایسے لوگوں کو قیامت تک ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بُرا عذاب چکھائیں گے' بے شک آپ کا رب جلد عذاب دینے والا' اور بے شک وہ ضرور بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے O

۱۶۵- ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖۤ﴾ پھر جب وہ لوگ بھول گئے جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی یعنی اس بستی کے سرکش باشندوں نے جب اس کو چھوڑ دیا جو نیک لوگوں نے ان کو نصیحت کی تھی۔ جب بھولنے والا کسی چیز کو بھول جائے تو اسے ترک کرنے اور چھوڑنے والا کہا جاتا ہے ﴿اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو سخت عذاب سے نجات دے دی اور انہیں بچا لیا ﴿وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور ہم نے ظلم کرنے والوں یعنی برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو پکڑ لیا اور جنہوں نے کہا تھا کہ تم کیوں نصحت کرتے ہو وہ نجات پانے والوں میں سے ہیں' چنانچہ حضرت حسن نے فرمایا کہ دو فریقوں نے نجات حاصل کی اور ایک فرقہ ہلاک ہو گیا اور یہ مچھلیوں کا شکار کرنے والے نافرمان لوگ تھے ﴿بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ﴾ سخت عذاب کے ساتھ "بَئُوْسٌ" "بَیْئُوْسٌ" "بَاْسًا" اس وقت بولا جاتا ہے جب عذاب سخت ہو' چنانچہ "بَئِیْسٌ" کا معنیٰ "سخت" ہوا [ابن عامر شامی کی قراءت میں "بِئْسَ" ہے جب کہ نافع مدنی کی قراءت میں "بِیْسَ" ہے اور حماد کے علاوہ ابوبکر کی قراءت میں "فَیْعَل" کے وزن پر "بَیْئَس" ہے] ﴿بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ﴾ اس سبب سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے۔

۱۶۶- ﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ﴾ سو جب انہوں نے اس عمل کو ترک کرنے سے سرکشی کی جس سے انہیں منع کیا گیا تھا ﴿قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ﴾ تو ہم نے انہیں فرمایا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ یعنی ہم نے ان کو ذلیل بندر بنا دیا اور اپنی رحمت سے دور کر دیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "فَلَمَّا عَتَوْا" ارشاد باری تعالیٰ "فَلَمَّا نَسُوْا" کا تکرار ہے] اور "عَذَابٍ بَئِیْسٍ" سے مراد ان کو مسخ کرنا ہے اور بعض نے کہا کہ ان کے نوجوانوں کو بندر اور ان کے بزرگوں اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا تھا اور وہ لوگ اپنے عزیز و اقارب کو پہچانتے تھے اور روتے تھے اور بات چیت نہ کر سکتے تھے اور جمہور کے نزدیک تین دن کے بعد وہ تمام لوگ مر گئے تھے اور جب کہ بعض نے کہا: باقی رہے اور ان کی نسل چلی۔

۱۶۷- ﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ﴾ اور جب آپ کے رب نے اعلان فرمایا یعنی آگاہ کیا' اور اس کو قسم کے فعل کے قائم

مقام کیا گیا ہے اس لیے اس کا جواب ایسے فعل کے ساتھ دیا گیا جس کے ساتھ قسم کا جواب دیا جاتا ہے اور وہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ یہودیوں پر قیامت تک ضرور مسلط کرتا رہے گا ﴿ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ﴾ ایسے لوگ جو ان کو بدترین عذاب پہنچائیں گے' چنانچہ پہلے یہ لوگ مجوسیوں کو جزیہ (مالی تاوان یا ٹیکس) ادا کرتے رہے یہاں تک کہ آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ مبعوث ہوئے' سو آپ نے بھی ان پر جزیہ جاری فرما دیا اور یہ جزیہ ان شاء اللہ ان پر آخر دم جاری و ساری رہے گا ﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ﴾ بے شک آپ کا رب کفار کو ضرور جلد سزا دے گا ﴿ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ اور بے شک وہ مؤمنوں کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اور ہم نے ان کو زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا' ان میں سے کچھ نیک ہیں اور ان میں سے کچھ مختلف ہیں' اور ہم نے ان کو نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ آزمایا تا کہ وہ رجوع کر لیں O پھر ان کے بعد ان کی جگہ بُرے لوگ جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بن گئے کہ وہ اس فانی دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا' اور اگر ان کے پاس اس طرح کا اور مال آ جائے تو وہ اسے بھی لے لیں گے' کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ کے بارے میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں کہیں گے اور انہوں نے تورات میں سب کچھ پڑھ لیا ہے' اور آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے سب سے بہتر ہے' کیا تم سمجھتے نہیں O

۱۶۸- ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ﴾ اور ہم نے ان کو زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا' چنانچہ زمین میں کوئی علاقہ یا ملک ان کے فرقے سے خالی نہیں رہا ﴿ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ ان میں کچھ نیک لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو مدینہ منورہ میں مسلمان ہو گئے تھے یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو چین کے پار رہتے تھے ﴿ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ اس وصف سے عاری ہیں اور ان سے کمتر ہیں اور یہ لوگ فاسق و فاجر اور نافرمان ہیں [اور ''دُوْنَ ذَالِكَ'' محلاً مرفوع ہے اور یہ محذوف موصوف کی صفت ہے] اصل میں ''مِنْهُمْ نَاسٌ مُّنْحَطُّوْنَ عَنِ الصَّلَاحِ'' ہے یعنی ان میں سے کچھ نیکی کے مرتبہ و درجہ سے گرے ہوئے لوگ ہیں ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ﴾ اور ہم نے ان کو نعمتوں اور تکلیفوں اور خوش حالیوں اور قحط سالیوں کے ساتھ آزمایا ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ تا کہ وہ برائیوں سے نیکیوں کی طرف لوٹ آئیں اور اجر و ثواب پائیں۔

۱۶۹- ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ پھر مذکورہ بالا لوگوں کے بعد نالائق اور بُرے لوگ جانشین بن گئے اور یہ وہ بد بخت لوگ ہیں جو رسول اکرم نبی اعظم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں موجود تھے اور ''خَلْف'' (لام ساکن کے ساتھ) بُرے

قائم مقام کو کہتے ہیں جب کہ ''خَلَف'' (لام متحرک کے ساتھ) اس کے برعکس نیک جانشین کو کہتے ہیں ﴿ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ ﴾ وہ کتاب یعنی تورات کے وارث بن گئے اور وہ اس کے اوامر ونواہی اور اس کے حلال کردہ اور حرام کردہ مسائل سے آگاہ ہو گئے لیکن انہوں نے ان پر عمل نہیں کیا ﴿ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى ﴾ [یہ ''وَرِثُوا'' سے حال ہے] اور ''عرض'' کا معنی سامان ہے یعنی وہ لوگ یہ حقیر وخسیس سامان لیتے ہیں' مراد دنیا کا سامان ہے اور دنیا میں جن سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور یہ ''دنو'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: قریب اس لیے کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں جلد اور پہلے ملنے والی ہے اور قریب حاصل ہونے والی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ احکام میں اور کلام کے بدلنے پر لوگوں سے رشوت لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''هٰذَا الْاَدْنٰى'' میں ''اَدْنٰى'' کا معنی خسیس وحقیر ہے ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا یعنی ہم نے جو کچھ لیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ہماری گرفت نہیں فرمائے گا [اور فعل کا اسناد ''اَخذ'' کی طرف ہے یا جار مجرور کی طرف یعنی ''لَنَا'' کی طرف ہے] ﴿ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ﴾ اور اگر ان کو اسی طرح کا اور مال و متاع اور سامان مل جائے تو اس کو بھی لے لیں گے [واؤ حال کے لیے ہے] یعنی وہ مغفرت وبخشش کی امید بھی رکھتے ہیں اور گناہوں پر اصرار بھی کرتے ہیں اور اس قسم کے عمل کی طرف رجوع بھی کرتے ہیں مگر توبہ نہیں کرتے ﴿ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ یعنی کیا ان سے وہ عہد نہیں لیا گیا جس کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے یعنی ان کی کتاب میں ان سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سوائے سچ کے اور کچھ نہیں کہیں گے [اور ''اَلَّا يَقُوْلُوْا'' آخر تک ''مِيْثَاقُ الْكِتٰبِ'' کا عطف بیان ہے] ﴿ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ﴾ اور جو کچھ کتاب (تورات) میں ہے انہوں نے وہ پڑھ لیا ہے [اور یہ ''اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ'' پر معطوف ہے کیونکہ یہ اس کی تقریر وتاکید ہے] تو گویا کہا گیا کہ ان سے کتاب میں پختہ عہد لیا گیا ہے اور انہوں نے اس کو کتابِ تورات میں پڑھ لیا ہے ﴿ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ﴾ اور اس دنیا کے حقیر وخسیس سامان اور مال و دولت سے آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو رشوت اور دیگر حرام چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم سمجھتے نہیں کہ بات اسی طرح ہے [اور نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک ''یا'' کے ساتھ ''يَعْقِلُوْنَ'' ہے]۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

ع ۲۱/۹ ۱۱

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے اور نماز قائم کرتے ہیں' تو بے شک ہم نیکوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتے ○ اور جب ہم نے ان پر پہاڑ اٹھا لیا گویا وہ سائبان ہے اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ بے شک یہ ان پر گر پڑے گا' (تو ہم نے فرمایا:) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے لے لو اور اس میں جو کچھ ہے اس کو یاد رکھو تا کہ پرہیزگار بن جاؤ○

۱۷۰- ﴿ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ ﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں اور ''اِمْسَاك'' اور ''تَمْسِيك'' اور ''تَمَسُّك'' کا معنی ہے: مضبوطی سے پکڑنا اور کسی چیز کے ساتھ جڑ جانا ہے[1] ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ نماز قائم کرتے

[1] ابوبکر کی قراءت میں ''يُمْسِكُوْنَ'' (باب افعال سے) پہلے ہے۔

ہیں' نماز کے ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین کا ستون ہے ورنہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑنا ہر عبادت پر مشتمل ہے [اور "اَلَّذِیْنَ" مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴾ ہے] یعنی بے شک ہم نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مجرور ہو اور "اَلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ" پر معطوف ہو اور "اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ" جملہ معترضہ ہو]۔

۱۷۱۔ ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ ﴾ اور اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے پہاڑ کو زمین سے اکھاڑا اور ان پر بلند کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ" (النساء: ۱۵۴) "اور ہم نے ان کے اوپر کوہِ طور کو بلند کر دیا" ﴿ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ﴾ گویا وہ سائبان ہے اور چھت اور بادل وغیرہ میں سے ہر وہ چیز جو تم پر سایہ کرے اسے "ظُلَّةٌ" کہا جائے گا ﴿ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ پہاڑ ان پر گر پڑے گا یعنی اور انہوں نے جان لیا کہ وہ ان پر گر پڑے گا اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے تورات کے احکام کو مشکل اور سخت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور کو اٹھا کر ان کے سروں کے اوپر بلند کر دیا' یہ ان کے لشکر کے برابر تھا اور پہاڑ ۳×۳ میل تک لمبا چوڑا تھا اور انہیں کہا گیا کہ اس میں جو کچھ ہے قبول کر لو ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا' جب انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو ان میں سے ہر آدمی اپنے منہ کی بائیں جانب سجدہ میں گر گیا اور اپنی دائیں آنکھ سے پہاڑ کی طرف دیکھتے رہے کہ کہیں گر نہ جائے' یہی وجہ ہے کہ یہودی اب تک اپنے چہرے کی بائیں جانب سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہم سے پہاڑ کا عذاب اٹھا لیا گیا تھا اور ہم نے ان سے فرمایا کہ ﴿ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ﴾ ہم نے تمہیں جو کتاب دی ہے تم اس کی مشقت اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے پوری قوت و ہمت اور پختہ عزم کے ساتھ اس کو لے لو ﴿ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ ﴾ اور اس میں جتنے اوامر و نواہی ہیں ان کو خوب یاد رکھو اور ان کو بھول نہ جاؤ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ تم جس حال پر ہو اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور پرہیزگار بن جاؤ۔

> وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

معانقۃ

اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ہونے والی نسل کو نکالا اور ان کو خود اپنی اپنی ذات پر گواہ بنایا' (اور فرمایا) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں' (یہ گواہی اس لیے لی گئی) کہ تم قیامت کے دن کہیں یہ کہو کہ بے شک ہم تو اس سے بے خبر تھے ○ یا یہ کہو کہ بے شک شرک تو ہمارے باپ دادا نے ہی پہلے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے' کیا تو ہمیں اس عمل کی وجہ سے ہلاک کر دے گا جو باطل پرستوں نے کیا ○ اور ہم اسی طرح آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ شرک سے باز آ جائیں ○

اقرارِ ربوبیت کا وعدہ اور یہود وغیرہ کے لیے بلعم بن باعورا کا قصہ اور مکذبین کی مذمت

۱۷۲۔﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ﴾[یعنی اصل میں ''وَاذْكُرْ اِذْ اَخَذَ'' ہے اور ''مِنْ ظُهُوْرِهِمْ''، ''بَنِیْۤ اٰدَمَ'' سے بدل ہے] اور تقدیر اس طرح ہے: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ ظُهُوْرِ بَنِیْۤ اٰدَمَ ذُرِّیَّتَهُمْ'' یعنی اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو لیا اور ان کی پشتوں سے ان کی اولاد لینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آباء واجداد کی پشتوں سے ان کی ہونے والی اولاد کو نکالا ﴿ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خود اپنی اپنی ذات پر گواہ بنایا (اور فرمایا) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں (کہ تو ہی ہمارا رب ہے) یہ تمثیل کے باب سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیّت اور اپنی وحدانیت پر ان کے سامنے دلائل پیش فرمائے اور ان کی عقلوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت وتوحید کی گواہی دی جن کو اللہ تعالیٰ نے ان میں مقرر فرمایا تھا اور ان کو ہدایت وضلالت کے درمیان فرق کرنے والا بنایا تو گویا اللہ تعالیٰ نے خود انہیں کو اپنی اپنی ذات پر گواہ بنا دیا اور ان سے اقرار کرایا اور ان سے فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو گویا ان سب نے اقرار کرتے ہوئے کہا: کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے ہم خود گواہی دیتے ہیں اور تیری توحید کا اقرار کرتے ہیں ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾[یہ مفعول لہ ہے] یعنی ہم نے توحید و ربوبیّت کی صحت پر دلائل قائم کر کے ان کی عقول کو اس لیے گواہ بنایا کہ ہم یہ بات ناپسند کرتے ہیں کہ کہیں تم قیامت کے دن کہو کہ ﴿ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴾ بے شک ہم اس سے غافل و بے خبر تھے' ہمیں اس پر تنبیہ نہیں کی گئی تھی اور نہ ہمیں اس سے آگاہ کیا گیا تھا۔

۱۷۳۔﴿ اَوْ تَقُوْلُوْۤا ﴾ یا اس بات کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ کہیں تم یہ کہو کہ ﴿ اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ بے شک ہمارے آباء واجداد نے ہی پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے اس لیے ہم نے بھی ان کی پیروی کی تھی کیونکہ توحید کے دلائل قائم کر کے ان کو آگاہ کر دیا گیا' لٰہذا اب توحید کے عقیدہ سے منہ پھیرنے اور اپنے باپ دادا کی پیروی کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی عذر نہیں رہا جیسا کہ شرک کرنے کے لیے ان کے باپ دادا کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا کیونکہ ان کے سامنے توحید پر دلائل قائم کر دیئے گئے تھے ﴿ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ کیا تو ہمیں باطل پرستوں کے عمل کی وجہ سے ہلاک کر دے گا یعنی وہی لوگ ہمارے شرک کا سبب بنے تھے کیونکہ انہی لوگوں نے شرک کی بنیاد رکھی تھی اور وہ ہمارے لیے اپنی سنت چھوڑ گئے۔

۱۷۴۔﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ اور اس زبردست بلیغ وفصیح مثال کی طرح ﴿ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ﴾ ہم ان کے لیے آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ﴿ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴾ اور تا کہ وہ لوگ شرک سے توحید کی طرف رجوع کر لیں۔ اب ہم اس عہد کی تفصیل بیان کرتے ہیں' چنانچہ اہلِ تفسیر میں سے محققین کی یہی رائے ہے کہ بنی آدم اور اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ہونے والی نسل کو نکالا گیا تھا (نہ کہ حضرت آدم کی پشت سے) انہیں میں سے شیخ ابومنصور' زجاج اور زمخشری ہیں جب کہ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست حضرت آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی اولاد کو ذروں کی طرح نکالا اور ان سے عہد لیا کہ بے شک وہی ان کا رب ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے ''بَلٰی'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کو جواب دیا۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہی توحید ہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پیدا فرمایا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو

نکالا اور آپ کو وہ تمام اولاد ذروں کی طرح دکھائی اور ان کو عقل وشعور عطا فرمایا اور حضرت آدم سے فرمایا: یہ تمہاری اولاد ہے' پھر ان سے عہد لیا کہ تم صرف میری ہی عبادت کرو گے' بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عہد اور اقرار جنت میں داخل ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان لیا گیا تھا اور بعض نے کہا کہ جنت سے زمین پر اترنے کے بعد یہ عہد لیا گیا تھا اور بعض نے کہا کہ یہ عہد جنت میں لیا گیا تھا اور پہلے گروہ یعنی محققین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ'' (اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا) فرمایا ہے اور ''مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ'' (آدم کی پشت سے) نہیں فرمایا اور چونکہ ہمیں یہ واقعہ یاد ہی نہیں تو حجت و دلیل کیسی [اور نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''ذُرِّیّٰتِهِمْ'' ہے اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَنْ تَقُوْلُوْا'' کی بجائے ''اَوْ یَقُوْلُوْا'' ہے]۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اور آپ انہیں اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تھا' پھر وہ ان سے نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا' سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا○ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کے ذریعے اس کو ضرور بلندی عطا فرما دیتے لیکن وہ زمین کی طرف پستی میں جھک گیا اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی' تو اس کی مثال کتے کی طرح ہے' اگر تم اس پر حملہ کرو تو ہانپ کر زبان نکالتا ہے یا تم اس کو چھوڑ دو تو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالتا ہے' یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' سو آپ (ان سے) یہ قصے بیان کیجئے تا کہ وہ غور سے سوچیں○

۱۷۵-﴿ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا ﴾ اے محبوب! آپ ان یہود کو اس شخص کی خبر پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم عطا فرمایا تھا۔ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے ایک عالم تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ شخص بلعم بن باعوراء تھا جس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کچھ علم عطا کیا گیا تھا ﴿ فَانْسَلَخَ مِنْهَا ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے نکل گیا کہ اس بدبخت نے ان کا انکار کر دیا اور ان کو پس پشت ڈال دیا ﴿ فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ ﴾ پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور اس کو گھیر لیا اور اس کو اپنا ساتھی بنا لیا ﴿ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ تو وہ گمراہوں اور کافروں میں سے ہو گیا۔ مروی ہے کہ اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بددعا کرے' اس نے پہلے انکار کیا مگر انہوں نے اپنا مطالبہ جاری رکھا اور اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے بددعا کی اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا۔

۱۷۶-﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ذریعے اس کو نیک علماء کے مراتب تک بلند کر دیتے ﴿ وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ ﴾ اور لیکن وہ زمین یعنی دنیا کی طرف جھک گیا اور اس میں راغب ہو گیا ﴿ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾ اور وہ آخرت اور اس کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا اور اس کی لذتوں کے اختیار کرنے میں اپنی خواہش کا پیروکار بن گیا

﴿ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ ﴾ سو اس کی مثال کتے کی طرح ہے اگر تم اس پر حملہ کرو یعنی اسے ڈانٹ دو اور اس کو دھتکار دو تو وہ ہانپ کر زبان نکال لیتا ہے ﴿ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ﴾ یا اس کو دھتکارے بغیر اس کے حال پر چھوڑ دو تو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکال لیتا ہے اور مطلب و معنی یہ ہے کہ ذلت و خساست اور کمینگی میں اس شخص کی حالت و کیفیت کتے کی طرح ہے کیونکہ کتے کے احوال سب سے زیادہ خسیس و رذیل اور گھٹیا ہوتے ہیں وہ ہمیشہ زبان نکال کر ہانپتا رہتا ہے اور لمبے لمبے سانس کھینچتا رہتا ہے خواہ اس پر حملہ کیا جائے یعنی اس پر سختی کی جائے اسے جھڑکیاں دی جائیں اور اس کو دھتکار دیا جائے خواہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اسے نہ جھڑکا اور نہ دھتکارا جائے اور یہ اس لیے کہ باقی جانور زبان نکال کر لمبے لمبے سانس نہیں کھینچتے ماسوا تیز چلنے کے جب وہ تیز تیز چلتے ہیں یا دوڑتے ہیں تو اس وقت وہ لمبے سانس کھینچتے ہیں ورنہ نہیں جب کہ کتا ہر حال میں زبان نکال کر سانس کھینچتا رہتا ہے سو اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ کہا جائے: لیکن وہ شخص زمین کی طرف جھک گیا تو ہم نے اس کو پستی میں گرا دیا اور ہم نے اس کا مرتبہ و مقام ختم کر دیا پس یہ مثال اس لیے بیان کی گئی کہ یہ بتایا جائے کہ ہم نے اس کا مرتبہ انتہائی ذلت میں گرا دیا ہے [اور یہ جملہ شرطیہ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ یہ شخص ذلیل کتے کی طرح ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو گیا ہے جو ہر حال میں زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے چنانچہ بعض نے کہا ہے: جب بلعم بن باعورا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کی تو اس کی زبان باہر نکل آئی اور اس کے سینے پر لٹک گئی اور وہ کتے کی طرح زبان نکال کر ہانپنے لگا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے: وہ گمراہ ہو گیا خواہ اس کو وعظ کیا جائے یا نہ کیا جائے اور حضرت شیخ عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جس شخص نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو وہ کتے کی طرح ہے وہ بھونکتا ہے خواہ اس کو جھڑکا جائے یا نہ جھڑکا جائے ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ یہ اس قوم کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اس سے یہود مراد ہیں جنہوں نے تورات میں رسول اللہ ﷺ کی نعت اور شان کو پڑھا اور اس میں قرآن مجید کے بارے میں مذکور تھا کہ وہ بھی آپ کے معجزوں میں ایک معجزہ ہوگا اور اس میں حضور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری دی گئی تھی چنانچہ یہ یہودی لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت و آمد کی خوشخبریاں سنایا کرتے تھے (لیکن جب آپ بنو اسحاق کی بجائے بنو اسماعیل میں تشریف لائے تو وہ آپ کے مخالف ہو گئے) ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ ﴾ یعنی آپ انہیں بلعم بن باعورا کا قصہ بیان کیجئے کہ یہ انہیں کے قصوں کی طرح ہے کیونکہ جو حال اس شخص کا ہے وہی حالات دیگر یہودیوں کے ہیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ تاکہ وہ غور و فکر کریں اور اس کے انجام کی طرح سے بچیں کیونکہ یہ بھی اسی کی سیرت کی طرح چل رہے ہیں۔

سَآءَ مَثَلَا ِۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اس کی قوم کی بُری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے O جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے پس وہی ہدایت پاتا ہے اور وہ جس کو گمراہی پر رہنے دے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O اور بے شک ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں جن سے وہ نہیں سنتے یہی لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ ہیں یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں O

۱۷۷- ﴿سَآءَ مَثَلًا اِلْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اس قوم کی کتنی بری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا [اصل میں ''مَثَلُ الْقَوْمِ'' تھا پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور ''سَآءَ'' کا فاعل اس کے اندر پوشیدہ ضمیر ہے جو ''مثل'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی ''سَآءَ الْمَثَلُ مَثَلًا'' ہے اور ''مَثَلًا'' تمیز کی بنا پر منصوب ہے] ﴿وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ﴾ اور وہ لوگ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے [اور یہ جملہ ''كَذَّبُوْا'' پر معطوف ہے اس لیے یہ صلہ کے تحت داخل ہے] یعنی وہ لوگ جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے کی دونوں خرابیوں کو جمع کر لیا [یا یہ صلہ سے الگ ہے] یعنی انہوں نے کسی اور پر ظلم نہیں کیا مگر آیتوں کو جھٹلا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے [اور مفعول (اَنْفُسَهُمْ) کو اختصاص کے لیے مقدم کیا گیا ہے] یعنی انہوں نے ظلم کو اپنی ہی جانوں کے ساتھ مخصوص کر لیا کسی اور کی طرف نہیں بڑھایا۔

۱۷۸- ﴿مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دیتا ہے تو وہی ہدایت حاصل کرنے والا ہوتا ہے [فعل (یَهْدِیْ کو واحد) ''مَنْ'' کے لفظ پر محمول کیا گیا ہے (کیونکہ ''مَنْ'' لفظاً واحد اور معنیً جمع ہے)] ﴿وَمَنْ یُّضْلِلْ﴾ [اصل میں ''وَمَنْ یُّضْلِلْهُ'' ہے] یعنی جن کو وہ گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ تو وہی نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں [اور یہاں ''مَنْ'' کے معنی پر محمول کر کے جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں] اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا مطلب بیان ہوتا جیسا کہ معتزلہ نے کہا ہے تو کافر اور مؤمن برابر ہوتے کیونکہ بیان تو دونوں فریقوں کے حق میں ثابت ہے سو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا معنی توفیق دینا، عصمت اور معاونت ہے چنانچہ اگر یہ چیزیں کافر کو مل جائیں تو وہ بھی ہدایت پالے جس طرح ایک مؤمن ہدایت پالیتا ہے۔

۱۷۹- ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ اور بے شک ہم نے جنوں اور انسانوں میں بہت سے لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور اس سے دونوں فریقوں کے کفار مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے منہ موڑتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انہوں نے کفر کو اختیار کرنا ہے اس لیے اس کی مشیّت میں ان کا کفر آ گیا اور اس نے ان میں یہی کچھ پیدا فرما دیا اور اسی بنا پر ان کا ٹھکانا دوزخ بنا دیا لہٰذا اس آیت مبارکہ میں اور درج ذیل ارشاد مبارک میں کوئی تضاد نہیں یعنی ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ'' (الذاریات:۵۶) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' کیونکہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا تھا جو اس کی عبادت کریں گے اس لیے ان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرما دیا اور جن کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے ساتھ کفر کریں گے تو ان کو اسی کام کے لیے پیدا فرما دیا جس کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ ان سے یہی کام ہوگا اور بسا اوقات عام سے خصوص مراد ہوتا ہے اور معتزلہ کا یہ کہنا کہ لام عاقبت کے معنی میں ہے یعنی جب ان کا انجام دوزخ ہے تو گویا ان کو اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے یہ ارادہ معاصی سے فرار ہے اور آیت مبارکہ کے ظاہر سے روگردانی ہے ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ ان کے دل ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ حق کو نہیں سمجھتے اور نہ وہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں ﴿وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا

﴿یُبۡصِرُوۡنَ بِهَا﴾ اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان کے ساتھ راہِ حق کو نہیں دیکھتے ﴿وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِهَا﴾ اور ان کے لیے کان ہیں مگر وہ ان کے ساتھ وعظ ونصیحت اور حق کی باتیں نہیں سنتے ﴿اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ﴾ یہی لوگ غور وفکر کے ساتھ حق کی باتیں نہ سننے میں اور نگاہِ عبرت کے ساتھ نہ دیکھنے میں اور حق کو نہ سمجھنے میں جانوروں کی طرح ہیں ﴿بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ﴾ بلکہ جانوروں سے بدترین اور گمراہ ترین ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی عقلوں کی مخالفت کی (اور اپنی عقول سے کام لے کر حق کو نہیں سمجھا) اور رسولِ خدا سے بغض وعناد رکھا اور انہوں نے فضول و بے کار کاموں کا ارتکاب کیا' سو چوپائے تو اپنا نفع اور فائدہ چاہتے اور نفع کی چیزوں کو طلب کرتے ہیں اور اپنے لیے نقصان دینے والی چیزوں سے دور بھاگتے ہیں مگر یہ کفار وفجار اپنا نقصان نہیں پہچانتے کیونکہ انہوں نے دوزخ کی آگ کو اختیار کر لیا ہے اور بھلا احکام شریعت کا مکلّف و ذمہ دار انسان (کافر) اور خالی معذور (چوپایا) برابر کیسے ہو سکتے ہیں' پھر آدمی روحانی' شہوانی اور سماوی' ارضی ہے' سو اگر اس کی روحانیت اس کی خواہشات نفسانی پر غالب آ جائے تو آدمی فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور اگر اس کی خواہشات اس کی روحانیت پر غالب آ جائیں تو ایسے آدمی سے زمین کے چوپائے بھی بہتر ہوتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ﴾ یہی لوگ پورے غافل ہیں اور مکمل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى فَادۡعُوۡهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اَسۡمَآئِهٖ ؕ سَيُجۡزَوۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ﴿۱۸۳﴾

ع ۱۰ / ۲۲ / ۱۲

اور اللہ ہی کے سب نام اچھے ہیں' سو تم انہی ناموں سے اس کو پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں باطل کی طرف جھکتے ہیں' عنقریب انہیں ان اعمال پر سزا دی جائے گی جو وہ کرتے رہے ○ اور ہماری مخلوق میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حق کا راستہ دکھاتا ہے اور اس کے مطابق انصاف کرتا ہے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم عنقریب ان کو آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے وہ جان نہ سکیں گے ○ اور میں انہیں مہلت دوں گا' اور بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مخفوظ ہے ○

۱۸۰- ﴿وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام بہت اچھے ہیں جو سب ناموں سے بہترین ہیں کیونکہ وہ اچھے معنوں پر دلالت کرتے ہیں' پھر ان میں سے بعض نام وہ ہیں جو اپنے حقائق کے اعتبار سے اچھے کہلانے کے مستحق ہیں جیسے قدیم ہے جو ہر چیز سے پہلے اور باقی ہے جو ہر چیز کے بعد ہے اور قادر ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور عالم ہے جو ہر چیز کو جاننے والا ہے اور واحد ہے جس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور ان میں سے بعض نام وہ ہیں جو اپنے آثار ونتائج کے اعتبار سے اچھے کہلانے کے حق دار ہیں اور ان کو ہر شخص اچھا سمجھتا ہے جیسے غفور ہے بہت بخشنے والا اور رحیم ہے بے حد مہربان اور شکور ہے شکر ادا کرنے پر جزائے خیر عطا فرمانے والا اور حلیم ہے بردبار حلم والا اور بعض نام وہ ہیں جو اپنے ساتھ متصف ہونے کو واجب کرتے ہیں جیسے فضل ہے احسان کرنا اور کسی کے ساتھ نیکی کرنا اور عفو ہے معاف کر دینا' درگزر کرنا اور ان میں

سے بعض وہ ہیں جو احوال کی نگرانی کو واجب کرتے ہیں جیسے سمیع ہے سننے والا اور بصیر ہے دیکھنے والا اور مقتدر ہے غلبہ پانے والا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بڑائی کو واجب کرتے ہیں جیسے عظیم ہے بڑی شان والا اور جبار ہے زبردست اور کنٹرول رکھنے والا اور متکبر بلند مرتبہ اور بڑا ہے[1] ﴿ فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ سو تم اسے انہیں ناموں کے ساتھ پکارو اور تم انہیں ناموں کے ساتھ اس کا نام لو ﴿ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ﴾ اور تم ان لوگوں کا نام لینا چھوڑ دو جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں حق وصواب سے روگردانی کرتے ہیں اور وہ اس کے اچھے ناموں کے علاوہ اس کے اور نام رکھتے ہیں اور یہ اس لیے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے نام جائز رکھتے ہیں جو اس کے لیے جائز نہیں جیسے وہ کہتے ہیں کہ اے سخی! اے رفیق! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ نام نہیں رکھے اور الحاد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام جسم' جوہر' عقل اور علت رکھے جائیں [قاری حمزہ کی قراءت میں "يَلْحَدُوْنَ" (یا اور حا پر زبر) ہے اور "لَحَدَ" اور "اَلْحَدَ" کا معنی ہے: وہ مائل ہوا] ﴿ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ وہ جو اعمال کرتے ہیں ان پر ان کو عنقریب سزا دی جائے گی۔

۱۸۱- ﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک گروہ حق کی راہ نمائی کرتا ہے اور اسی کے مطابق اپنے مسائل میں انصاف کرتا ہے یعنی جن کو ہم نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ "وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ" کے مقابلے میں ہے۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس گروہ سے علمائے کرام مراد ہیں جو لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانہ کا اجماع حجت ہے۔

مکذبین کی مذمت' قیامت کا علم اور حضور کا اظہارِ عبودیّت

۱۸۲- ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم عنقریب ان کو آہستہ آہستہ ان چیزوں کے نزدیک کر دیں گے جو ان کو ہلاک کر دیں گی ﴿ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اس طرح سے کہ ان کو علم تک نہیں ہوگا کہ ان کے ساتھ کیا ارادہ کیا جا رہا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر مسلسل نعمتیں بھیجنا شروع کر دے گا باوجود یکہ وہ سرکشی میں مستغرق ہوں گے' پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نئی نعمت عطا کرے گا تو ان کا تکبر وغرور بڑھ جائے گا اور وہ ایک اور نیا گناہ شروع کر دیں گے' چنانچہ مسلسل نعمتوں کے ملنے کے سبب وہ لوگ آہستہ آہستہ گناہوں میں داخل ہوتے جائیں گے اور وہ گمان کریں گے کہ مسلسل نعمتوں کا ملنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز وتکریم اور تقریب ہے حالانکہ یہ اس کی طرف سے ان کے لیے ذلت ہے اور اپنی بارگاہ سے دور کرنا ہے [اور یہ باب استفعال "دَرَجَةٌ" سے مشتق ہے] جس کا معنی ہے: درجہ بہ درجہ اوپر چڑھنا یا ایک درجہ کے بعد دوسرے درجے سے نیچے اترنا ہے اس طرح کہ انہیں معلوم نہ ہو سکے جو ان کے ساتھ ارادہ کیا جا رہا ہے۔

۱۸۳- ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ﴾ [یہ "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ" پر معطوف ہے لیکن یہ سین کے حکم میں داخل نہیں ہے] یعنی اور میں انہیں مہلت دوں گا ﴿ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ بے شک میری خفیہ تدبیر یعنی میری گرفت بہت مضبوط اور سخت ہے اور اس کو "كَيْدٌ" اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ "كَيْدٌ" کے مشابہ ہے کیونکہ بہ ظاہر احسان ہے اور حقیقت میں خذلان ورسوائی ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ

[1] اسمائے حسنیٰ کی تشریح اور تاثیرات فقیر کی تالیف "شرح الاسمآء الحسنیٰ" میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۵ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝۱۸۶

اور کیا انہوں نے غور وفکر نہیں کیا کہ ان کے صاحب کو کسی قسم کا جنون نہیں' وہ تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا O اور کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں غور سے نہیں دیکھا' اور ممکن ہے کہ ان کا وعدہ قریب آ گیا ہو' تو اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے O اللہ جس کو گمراہی پر ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں' اور اللہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں O

۱۸۴- جب کفارِ مکہ نے حضور نبی کریم ﷺ (کو دن رات مسلسل پوری جد و جہد اور تندہی کے ساتھ دیوانہ وار توحید ورسالت اور دین اسلام کی پرزور تبلیغ کرتے دیکھا تو آپ) کی طرف جنون کی نسبت کر کے الزام لگا دیا کہ آپ مجنون ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) تو ان کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ﴾ اور کیا انہوں نے غور وفکر نہیں کیا کہ ان کے صاحب مجنون نہیں ہیں [اور ''مَا'' وقف کے بعد نافیہ ہے] یعنی اور کیا انہوں نے اپنی بات میں غور نہیں کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے جنون کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے صاحب مجنون نہیں ہیں ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾ وہ تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والے ہیں اور اس کی طرف سے ڈرانے کی وضاحت کرنے والے ہیں۔

۱۸۵- ﴿ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ اور کیا انہوں نے استدلال کی نظر سے آسمانوں اور زمین کی بہت بڑی بادشاہت میں نہیں دیکھا؟ ''ملکوت'' سے ملک عظیم مراد ہے ﴿ وَّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ﴾ اور انہوں نے اس میں غور نہیں کیا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا' تمام اجناس میں سے جس جس جنس پر شے کا اطلاق ہوتا ہے' جس کا گنتی احاطہ نہیں کر سکتی ﴿ وَّ اَنْ عَسٰۤى ﴾ [اس میں ''اَنْ'' ثقیلہ (نون مشدد) سے مخففہ (نون ساکن) ہے اور اس کی اصل ''وَاَنَّهٗ عَسٰی'' ہے اور اس کی ضمیر شان کی ضمیر ہے اور یہ ''ملکوت'' پر معطوف ہونے کی بنا پر محلًا مجرور ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: اور کیا انہوں نے اس میں غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک بات یہ ہے کہ شاید ﴿ اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ﴾ ان کی اجل قریب آ چکی ہو اور شاید وہ لوگ عنقریب مر جائیں' لہٰذا وہ لوگ نظر وفکر اور طلب حق اور جو چیزیں انہیں نجات دیں گی ان کی طرف جلدی کریں دیر نہ لگائیں اس سے پہلے کہ ان پر اچانک موت آ جائے اور عذاب نازل ہو جائے ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ تو قرآن مجید کے بعد وہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے جب کہ اس پر ابھی تک وہ ایمان نہیں لائے اور یہ ''عَسٰی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے گویا کہا گیا ہے کہ شاید ان کی موت قریب آ چکی ہو' سو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ فوت ہونے سے پہلے قرآن کریم پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور حق واضح ہونے کے بعد اب وہ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں اور قرآن پاک سے زیادہ کون سی بات حق رکھتی ہے' جس پر وہ ایمان لانا چاہتے ہیں۔

۱۸۶- ﴿ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ ﴾ [اصل میں ''مَنْ یُّضْلِلْهُ اللّٰهُ'' ہے اور عراقی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَذَرُهُمْ'' ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''فَلَا هَادِیَ لَهٗ'' کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے جزم کے ساتھ ''وَیَذَرْهُمْ'' ہے] گویا کہا گیا ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا [اور

''وَیَذَرُهُمْ'' کو استیناف کی بنا پر مرفوع پڑھا گیا ہے یعنی اور وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور باقی قراء نے ''یا'' کی بجائے نون کے ساتھ (فعل جمع متکلم) ''نَذَرُهُمْ'' پڑھا ہے] ﴿فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ وہ اپنی سرکشی میں یعنی وہ اپنے کفر میں حیران وسرگردان بھٹکتے پھریں۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

وقف لازم / وقف منزل / ع ۲۳ / معانقۃ

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ فرمادیں کہ بے شک اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے' صرف وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر فرمائے گا' وہ آسمانوں اور زمین پر بہت بھاری ہے' وہ تم پر نہیں آئے گی مگر اچانک' وہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس کے رازدان ہیں' آپ فرمادیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO آپ فرمادیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے نہ کسی نفع کا خود مالک ہوں اور نہ کسی نقصان کا مگر جو اللہ چاہے' اور اگر (ذاتی طور پر) خود غیب جان لیا کرتا تو ضرور میں بہت زیادہ بھلائی جمع کر لیتا' اور مجھے کوئی تکلیف نہ چھوتی' میں تو نہیں مگر ڈر سنانے والا اور ایمان دار قوم کو خوشخبری دینے والاO

۱۸۷-اور جب یہود نے یا قریش نے قیامت کے بارے میں سوال کیا کہ کب ہوگی؟ تو درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی[1] ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ﴾ وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور (واضح ہو کہ) یہ ''الساعة'' اسمائے غالبہ میں سے ہے جیسے نجم ثریا کے لیے (کہ نجم کا لغوی معنی ستارہ مگر عرف عرب میں یہ نام ثریا یعنی کہکشاں کے لیے غالب ہوگیا ہے' اسی طرح ''سَــاعَـةٌ'' کا لغوی معنی تھوڑا وقت ہے یعنی چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ مگر شریعت میں یہ نام قیامت کے لیے غالب ہوگیا ہے) اور قیامت کا نام ساعت اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ اچانک واقع ہو

[1] حضور سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقوع قیامت کے وقت کا علم عطا فرمایا گیا ہے یا نہیں؟ بعض علمائے کرام ظاہر آیات کے مطابق فرماتے ہیں کہ وقوع قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں البتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرب قیامت کا اجمالی علم حاصل تھا اور آپ نے اس کی خبر بھی دی ہے جب کہ جمہور علمائے کرام اور مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقوع قیامت اور اس کے احوال کا علم تفصیلی طور پر عطا فرمادیا تھا لیکن آپ کو قیامت کی آمد کے معین وقت کو چھپانے اور ظاہر نہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا کیونکہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ کے مطابق اس کو خود اللہ تعالیٰ ہی معین وقت پر ظاہر فرمائے گا تاکہ لوگ نیکیاں کرتے رہیں اور گناہوں سے بچتے رہیں' یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کی علامات کا تفصیلی ذکر فرمادیا' نیز دن اور ماہ اور تاریخ بتادی کہ دس محرم الحرام جمعۃ المبارک کے دن قیامت برپا ہوگی مگر آپ نے سن اور صدی نہیں بتلائی' بہرحال یہاں اختصار کے پیش نظر چند علامات قیامت' نیز دن اور ماہ اور تاریخ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائے گی یا اس میں حساب جلد لیا جائے گا یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو یقیناً طویل اور دراز ہوگی لیکن مخلوق کے نزدیک اوقات میں سے تھوڑا سا وقت ہوگا ﴿ اَيَّانَ ﴾ [''مَتٰی'' کے معنی میں ہے اور یہ ''فَعْلَانَ'' کے وزن پر ہے اور ''اَیٌّ'' سے ماخوذ و مشتق ہے] کیونکہ اس کا معنی ہے: کب اور کس وقت ﴿ مُرْسٰهَا ﴾ [یہ مصدر میمی ہے اور ''اِرْسَاءٌ'' کے معنی میں ہے جیسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بیان کیے جائیں گے۔ اس کی مکمل تفصیل وتشریح ''تبیان القرآن'' جلد چہارم اسی آیت مبارکہ کے تحت مطالعہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو عظیم جماعتوں میں جنگ نہ ہو' ان میں بہت بڑی جنگ ہوگی اور ان کا دعویٰ ایک ہوگا اور حتیٰ کہ تیس جھوٹے دجالوں کا ظہور ہوگا' ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور حتیٰ کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور زلزلے کثرت سے ہوں گے اور زمانہ متقارب ہوگا اور فتنوں کا ظہور اور قتل کثرت سے ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۹' صحیح مسلم کتاب الفتن باب ۱۷ (۲۸۸۰) ۷۱۲۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۹۲۰)

(۲) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' آپ نے فرمایا: تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا: قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو' پھر آپ نے دھوئیں کا' دجال کا' دابۃ الارض کا' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا' حضرت عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا' یاجوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین دھنسنے کا ذکر فرمایا ایک مرتبہ مشرق میں' ایک مرتبہ مغرب میں' ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔
(صحیح مسلم کتاب الفتن ۳۹ (۲۹۰۱) ۷۱۵۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۱' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۱)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی اور زنا عام ہوگا اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح مسلم کتاب العلم ۷ (۲۶۷۱) ۲۶۶۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵)

(۴) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہوگی جب تک کہ عرب کا حاکم وہ شخص نہیں ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہوگا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا' وہ زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۰)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' وہ حاکم عادل ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲' صحیح مسلم کتاب الایمان ۲۴۲ (۱۵۵) ۳۸۲' المشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۵)
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"مدخل" مصدر میمی "اِدْخَال" کے معنی میں ہے یعنی قیامت کے اثبات اور اس کے لانے کا وقت] کیونکہ "اِرْسَاء" کا معنی اثبات ہے یعنی ثابت کرنا اور لانا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کب برپا کرے گا اور اس کو کب لائے گا ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے یعنی اس کے وقوع کے وقت کا علم اسی کے پاس ہے' بے شک اس نے اس کو اپنے ساتھ مخصوص فرما لیا ہے' اس کی کسی کو خبر نہیں دی نہ مقرب فرشتے کو اور نہ نبی مرسل کو تاکہ یہ اخفاء اطاعت وفرماں برداری کرنے کا زیادہ سے زیادہ داعی بن جائے اور گناہ اور نافرمانی سے زیادہ سے زیادہ روکنے والا بن جائے جیسا کہ اس نے اجلِ خاص کو مخفی و پوشیدہ کر رکھا ہے اور وہ موت کا وقت ہے اس لیے کہ ﴿لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ اسے وقت پر ظاہر نہیں فرمائے گا مگر فقط وہی یعنی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے علاوہ اس کے معاملے کو نہ کوئی ظاہر کرے گا اور نہ اس کے مخفی علم کو کوئی کھولے گا ﴿ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ قیامت آسمانوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۶) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد گرامی روایت کیا ہے جس کے آخر میں آپ نے فرمایا: قیامت کا دن محرم الحرام کے مہینہ کی دس تاریخ کو قائم ہوگا۔

(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۳۷' ص ۴۴۱' مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہو گی۔ (صحیح المسلم الجمعۃ ۱۸۔ ۸۵۴۔ ۱۹۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

(انتخاب از "تبیان القرآن" جلد چہارم سورۃ الاعراف' آیت ۱۸۷)

(۸) علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورۃ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو' قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

علامہ احمد قسطلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

(۹) علامہ زرقانی "المواہب" کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کے علم اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورۃ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۶۵)

(۱۰) علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امورِ خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور قیامت کے وقت کا علم اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ (شرح الصدور ص ۳۱۹' مطبوعہ بیروت' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

(۱۱) علامہ عارف باللہ صاوی مالکی لکھتے ہیں:

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم عطا فرما دیئے لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵)

(۱۲) علامہ سید محمد آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم عطا فرما دیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور زمین پر بھاری ہے یعنی ان کے اندر رہنے والے تمام فرشتوں اور جنوں اور انسانوں پر بھاری ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے قیامت کا معاملہ بہت اہم ہے اور ہر ایک تمنا کرتا ہے کہ قیامت کا علم اس پر منکشف ہو جائے اور اس کا مخفی رہنا ہر ایک پر دشوار ہے اور اس پر بہت بھاری ہے کیونکہ ان کے باشندے قیامت کی سختیوں اور اس کی ہولناکیوں سے ڈرتے رہتے ہیں ﴿لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً﴾ قیامت تم پر نہیں آئے گی مگر اچانک کہ تم غفلت میں ہو گے ﴿یَسْــٴَـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا﴾ وہ لوگ آپ سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کے اور اس کی حقیقت کے عالم ہیں گویا آپ نے اس کے بارے میں خوب پوچھ رکھا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے متعلق بار بار خوب سوال کرتا رہتا ہے اور اس کی خوب تحقیق کرتا ہے تو اس کا علم اس کے بارے میں پختہ ہو جاتا ہے [اور اس کی ترکیب کی اصل مبالغہ ہے اور اسی سے ''اِحْفَاءُ الشَّارِبِ'' ہے یعنی مونچھوں کو خوب پست کرنا یا ''عَنْهَا'' ''یَسْــٴَـلُوْنَكَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں گویا آپ نے اس کی خوب تحقیق کر رکھی ہے یعنی آپ اس کو جانتے ہیں ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اے میرے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم (ذاتی طور پر) صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے [اور اللہ تعالیٰ نے ''یَسْــٴَـلُوْنَكَ'' اور ''اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ'' کو تاکید کرنے کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے اور ''كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا'' کے اضافے کی وجہ سے ''یَسْــٴَـلُوْنَكَ'' کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے اور اسی بنا پر علمائے دین کی کتابوں میں کئی مسائل کا تکرار ہوتا ہے اور وہ تکرار فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور انہیں علماء میں سے حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ قیامت کے وقتِ وقوع کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے (اور اس کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا)۔

۱۸۸- ﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا خود مالک نہیں ہوں مگر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے' دراصل یہ عبودیت و بندگی اور تواضع و انکساری اور عاجزی کا اظہار ہے اور یہ ایسے علمِ غیب سے براءت ہے جو ربوبیّت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی میں تو ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں' میں تو غلاموں کی طرح اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنے اور ضرر و نقصان کو دور کرنے کا خود مالک نہیں ہوں مگر میرا مالک و خالق جس قدر مجھے نفع پہنچائے اور مجھ سے نقصان کو دور کرنا چاہے[1] ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛ﴾ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عطا فرما دیا جس کا علم دینا ممکن تھا۔ (روح المعانی ج۱۵ ص ۱۵۴) نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو قیامت کے وقت سے کامل طور پر آگاہ کر دیا ہو لیکن ایسے طریقہ پر نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم محیط و مکمل سے مساوی ہو سکتا ہو مگر اللہ تعالیٰ نے کسی حکمتِ بالغہ کی وجہ سے اپنے رسول مکرم پر اس کا مخفی رکھنا واجب کر دیا ہو اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواص میں سے ہو لیکن مجھے اس پر کوئی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی ج۲۱ ص ۱۱۳)

(۱۳) امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت کے قائم ہونے کے وقت پر کسی کو اطلاع نہیں دیتا البتہ ان کو آگاہ فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (تفسیر کبیر ج۱۰ ص ۶۷۸)

(۱۴) علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج۴ ص ۳۱۹)

نوٹ: علم غیب کی مکمل اور تفصیلی بحث ''تفسیر تبیان القرآن'' ج۴ ص ۴۵۰ تا ۴۸۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

[1] قرآن و احادیث کی روشنی میں اختیارات مصطفےٰ ﷺ کے مختصر دلائل سورۃ الانعام آیت ۵۰ پارہ سات میں ملاحظہ فرمائیں: غوثوی

اگر میں غیب جان لیا کرتا تو بہت بڑی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی یعنی میرا حال ضرور اس کے برعکس ہوتا جس پر میں اب ہوں کہ میں خیر کثیر جمع کر لیتا اور میں برائی و نقصان سے بچ جاتا یہاں تک کہ مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا اور میں جنگوں میں کبھی غالب اور کبھی مغلوب نہ ہوتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ غیب سے موت اور خیر سے عمل اور ''سوءَ'' سے خوف و ڈر مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ ''لَاسْتَكْثَرْتُ'' کا مطلب ہے کہ میں خوشحالی میں قحط سالی کے لیے تیاری کر لیتا اور ''سُوْءَ'' سے فقر و غربت مراد ہے اور بے شک (درج ذیل قرآنی جملے نے اس کی) تردید کر دی: ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ میں تو نہیں ہوں مگر ڈر سنانے والا اور خوشخبری دینے والا یعنی میں تو نہیں ہوں مگر ایک بندہ (نافرمانوں کو) ڈرانے کے لیے اور (فرماں برداروں کو) خوشخبری دینے کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری یہ شان نہیں کہ میں اپنے آپ غیب جان لیا کروں[1] [اور ''لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ'' میں لام ''نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ'' کے متعلق ہے کیونکہ ڈرانا اور خوشخبری دینا صرف مؤمنوں کو فائدہ اور نفع دیتا ہے یا پھر صرف ''بَشِیْرٌ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''نَذِیْرٌ'' کا متعلق محذوف ہے] یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافروں کو ڈرانے والے اور مؤمنوں کو خوش خبری دینے والے ہیں۔

---

[1] واضح رہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ذاتی ودائمی اور محیط و مستقل علم غیب: یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ جن آیات مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان سے یہی علم غیب مراد ہوتا ہے۔

(۲) علم غیب عطائی غیر محیط غیر مستقل: جو محض اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے یہ تمام انبیائے کرام خصوصاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا ہے اور جن آیات سے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے ان سے یہی عطائی علم غیب مراد ہے اس طرح آیات میں تعارض ختم ہو جاتا ہے اور حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے بہر حال یہاں پر پہلے علم غیب عطائی کی چند آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں پھر اس آیت مبارکہ میں علم غیب کی نفی کی وجوہات بیان کی جائیں گی:

(۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ. (آل عمران:۱۷۹)

اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ تمہیں غیب کا علم عطا فرما دے لیکن اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو (علم غیب عطا فرمانے کے لیے) منتخب فرما لیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

(۲) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا○ (النساء:۱۱۳)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا فضل ہے○

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ○ (النحل:۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور جو مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے○

سورۃ النحل کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ترمذی شریف کی حدیث میں ہے: سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش آنے والے فتنوں کی خبر دی صحابہ کرام نے ان سے نجات کا طریقہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کتاب اللہ میں تم سے پہلے کے واقعات کی بھی خبریں ہیں اور تم سے بعد کے واقعات کی بھی اور تمہارے درمیان کا علم بھی۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: جو شخص علم چاہے وہ قرآن کریم کی تعلیم کو اپنے اوپر لازم کر لے کیونکہ اس میں اولین و آخرین کی خبریں ہیں۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امت کے تمام علوم حدیث کی شرح ہیں اور حدیث قرآن مجید (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس نے اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب وہ اس پر چھا گیا تو اس کو ہلکا سا حمل ٹھہر گیا، سو وہ اپنے حمل کو لے کر چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو ان دونوں نے اپنے پروردگار اللہ سے دعا کی کہ اگر تو ہمیں صحیح سلامت بیٹا عطا فرمائے گا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے O پھر اللہ نے ان کو صحیح سلامت بیٹا عطا فرمایا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے شریک بنا لیے، سو اللہ ان کے شرک سے بہت بلند ہے O کیا وہ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں O

تخلیق انسانی کے مبداء کا بیان، شرک کی تردید اور درگزر کرنے کا بیان

۱۸۹- ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کی شرح ہے اور یہ بھی فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے جو بھی کوئی حکم جاری فرمایا وہ وہی تھا جو آپ نے قرآن پاک سے سمجھا۔ حضرت ابو بکر بن مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک روز فرمایا کہ جہاں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب اللہ یعنی قرآن شریف میں مذکورہ نہ ہو۔ حضرت ابن ابو الفضل مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ اولین و آخرین کے تمام علوم قرآن پاک میں ہیں، غرضیکہ یہ کتاب تمام علوم کی جامع کتاب ہے، جس کو اس کا جتنا علم ملا ہے وہ اتنا ہی جانتا ہے۔

(ماخوذ از تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ اولین و آخرین کے تمام علوم قرآن مجید میں ہیں اور قرآن مجید کے تمام علوم حضور ﷺ کو عطا کیے گئے ہیں، لہٰذا اولین و آخرین کے تمام علوم حضور کو عطا فرما دیئے گئے ہیں۔

(۴) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O (یوسف: ۱۱۱)
یہ قرآن من گھڑت کلام نہیں لیکن پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے O

(۵) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن: ۲۶-۲۷)
اللہ تعالیٰ ہی غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا O سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۶) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ O (التکویر: ۲۴)
اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہیں O

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس جان سے حضرت آدم علیہ السلام کی جان مراد ہے ﴿وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس ایک جان سے اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے بتلانے میں بخل نہیں کرتا۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ۷ ص ۷۶۴ مطبوعہ دار التصنیف صدر' کراچی)

(۷) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے' جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا' جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم الجنۃ ۲۳ (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' مسند امام احمد ج ۵ ص ۳۸۵' جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۷۷۷)

(۸) ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرمائے ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' چنانچہ آپ نے اس خطبہ میں ہمیں "مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ" (جو ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے) کی خبریں سنا دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم الجنۃ ۲۶ (۲۸۹۲) ۷۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴ رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۱۳)

(۹) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتدا سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' مسند احمد ج ۴ ارقم الحدیث: ۱۸۱۴۰ عن مغیرہ بن شعبہ' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

(۱۰) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا ہے' سو میں نے اس کے مشارق اور اس کے مغارب کو دیکھ لیا اور میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کی زمین میرے لیے سکیڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیئے گئے ہیں۔ (صحیح مسلم الفتن ۱۹ (۲۸۸۹) ۷۱۲۵' ۷۱۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیب کے بہت سے واقعات کی خبر دی ہے اور یہ صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور یہ آپ کے عظیم ترین معجزات میں سے ہے تو ان میں اور اس آیت "وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ" میں موافقت کس طرح ہو گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور تواضع اور ادب کے یہ فرما دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے آپ غیب نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے غیب پر مطلع اور قادر فرما دے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب پر مطلع ہونے سے پہلے آپ نے یہ فرمایا ہو' پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا تو آپ نے غیب کی خبریں بیان فرما دیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جوڑا (بیوی کو) بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت حوآء کو حضرت آدم کے جسم مبارک سے پیدا فرمایا اور اسے ان کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے نکالا ﴿لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ تا کہ حضرت آدم حضرت حوا کی طرف سے سکون واطمینان حاصل کریں اور آپ اس کی طرف مائل اور راغب ہو جائیں کیونکہ ہر جنس اپنی ہم جنس کی طرف زیادہ رغبت رکھتی ہے خصوصاً جب وہ اس کا حصہ ہو جیسے انسان اپنی اولاد سے سکون حاصل کرتا ہے اور اس سے اس طرح محبت کرتا ہے جس طرح اپنی ذات سے محبت کرتا ہے کیونکہ اولاد اس کا حصہ ہوتی ہے [اور "وَاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا" میں مؤنث ذکر کرنے کے بعد "نَفْس" کے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے "لِيَسْكُنَ" کو مذکر ذکر کیا گیا ہے (کیونکہ "نفس" لفظ کے اعتبار سے مؤنث اور معنی کے اعتبار سے مذکر ہے) تا کہ یہ واضح کیا جائے کہ اس نفس سے مذکر یعنی حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا﴾ پھر جب وہ اس پر چھا گیا یعنی اس سے جماع کیا ﴿حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا﴾ وہ ہلکے سے حمل کے ساتھ حاملہ ہوگئی اور اس کا ابتدائی حمل اس کے لیے ہلکا ثابت ہوا اور اس نے اپنے حمل کے سبب ایسی کوئی چیز نہیں پائی تھی جو بعض حاملہ عورتیں اپنے حمل کی وجہ سے کرب والم اور دکھ درد محسوس کرتی ہیں اور اس کا حمل اس پر بوجھ نہ بنا جیسا کہ حاملہ عورتوں پر بوجھ بنتا ہے ﴿فَمَرَّتْ بِهٖ﴾ پھر وہ اس کو اس کی ولادت کے وقت تک لے کر چلتی پھرتی رہی نہ کوئی نقص واقع ہوا اور نہ اکتاہٹ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ہلکے سے حمل یعنی نطفہ سے حاملہ ہوگئی اور اس کے ساتھ چلتی پھرتی یعنی وہ اس کے ساتھ اُٹھتی اور بیٹھتی رہی ﴿فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ﴾ سو جب اس کے حمل کے بوجھل ہونے کا وقت آ گیا ﴿دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا﴾ تو انہوں نے اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ سے دعا کی یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا نے اپنے پروردگار اور اپنے مالک سے دعا کی جو اس لائق ہے کہ اسی سے دعا کی جائے اور اسی کی بارگاہ میں التجاء کی جائے چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا﴾ البتہ اگر تو نے ہمیں صحیح سلامت مکمل تندرست بچہ عطا فرمایا یا نر بچہ یعنی لڑکا عطا فرمایا کیونکہ نر ہونا سلامتی ہے ﴿لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ تو ہم تیرے ضرور شکر گزار ہوں گے [اور "اٰتَيْتَنَا" اور "لَنَكُوْنَنَّ" میں ضمیر حضرت آدم وحوا اور ان کی اولاد میں پیدا ہونے والی تمام نسل کی طرف لوٹتی ہے]۔

۱۹۰-﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا﴾ پھر جب (بھی ان کی مشرک اولاد کو) اللہ تعالیٰ تندرست بیٹا عطا فرما دیتا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں وہی عطا فرما دیتا جو انہوں نے صحیح سلامت مکمل اعضاء کا حامل بیٹا طلب کیا تھا ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ﴾ تو وہ دونوں میاں بیوی رب تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے یعنی حضرت حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی مشرک اولاد (میں سے جن کے ہاں بیٹا ہوتا تو وہ دونوں میاں بیوی) اس کا شریک ٹھہراتے [مضاف محذوف ہے اور اس کے مقام پر مضاف الیہ کو قائم کیا گیا ہے اور اسی طرح ﴿فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا﴾ میں (مضاف محذوف) ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی مشرک اولاد کو جو کچھ عطا فرمایا اس میں انہوں نے اس کے شریک ٹھہرا لیے جس کی دلیل درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (الجن:۲۶-۲۷) "سو اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔

(تفسیر خازن ص ۱۶۷ الجزء الثانی مطبوعہ مصطفے البابی مصر نیز روح المعانی الجزء التاسع ص ۱۳۷ مطبوعہ المکتبہ الرشیدیہ لاہور)

نیز علامہ آلوسی نے بعض مفسرین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کے استمرار ودوام کی نفی ہے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ "اَلْغَيْب" میں لام استغراق کے معنی میں ہے یعنی علم محیط کی نفی مراد ہے۔

(تفسیر روح المعانی الجزء التاسع ص ۱۳۷)

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: اس آیت مبارکہ میں قدرت کاملہ اور علم محیط کی نفی مراد ہے کیونکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

﴿يُشْرِكُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہاں جمع کی ضمیر ذکر کی گئی جب کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام دونوں شرک سے بری ہیں (تو ثابت ہو گیا کہ ان کی اولاد مراد ہے) اور اللہ تعالیٰ کی عطا میں ان کے شرک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کے نام عبد العزّٰی' عبد المناف اور عبد الشمس وغیرہ رکھ لیے حالانکہ وہ اپنی اولاد کے نام عبد اللہ' عبد الرحمان اور عبد الرحیم رکھتے یا یہ خطاب قریش کو ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں موجود تھے اور وہ قُصیٰ کی اولاد تھے یعنی اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان قُصیٰ سے پیدا فرمایا اور اس کی جنس سے عربیہ قرشیہ عورت کو اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے سکون واطمینان پائے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سلامت بے عیب بیٹا عطا فرمایا جو انہوں نے طلب کیا تھا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے شریک ٹھہرا لیے' کیونکہ قُصیٰ اور اس کی بیوی نے اپنے چاروں بیٹوں کے نام عبد مناف' عبد العزّٰی' عبد قُصیٰ اور عبد الدار رکھ دیئے تھے [اور ''اَیُشْرِکُوْنَ'' میں جمع کی ضمیر ان دونوں اور ان کے بعد آنے والے مشرکوں کی طرف لوٹتی ہے جنہوں نے شرک کرنے میں ان کی پیروی کی تھی اور قاری نافع مدنی اور ابوبکر نے ''شُرَكَآءَ'' کی بجائے ''شِرْكًا'' پڑھا ہے جو اصل میں ''ذَوِیْ شِرْكٍ'' ہے یعنی شرک والے اور وہ شرکاء ہیں]۔

۱۹۱- ﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا﴾ کیا وہ لوگ ان چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے یعنی بت ﴿وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں (یعنی وہ مخلوق ہیں خالق نہیں) ان کے بارے میں مشرکین کے اعتقاد کے مطابق بتوں کو اہلِ علم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ ان کو معبود قرار دیتے تھے اور معنی یہ ہے کہ کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے [اور ''وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ'' میں ضمیر عابدین کی طرف لوٹتی ہے] یعنی کیا یہ عبادت کرنے والے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اپنے خالق کی عبادت کریں [یا یہ ضمیر عابدین یا معبودین دونوں کی طرف لوٹتی ہے اور ان کو اہلِ علم کی طرح جمع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے عابدین کے غلبہ کی وجہ سے]۔

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

اور وہ نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں O اور اگر تم انہیں راہِ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کریں گے' تمہارے لیے برابر ہے کہ آیا تم انہیں بلاؤ یا تم خاموش رہو O بے شک تم اللہ کے سوا جن کی

عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں' سوتم ان کو پکارو' پھر چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہوO کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہوں' کیا ان کے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہوں' کیا ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہوں' کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اپنے شریکوں کو بلاؤ' پھر تم میرے خلاف سازش کرو اور مجھے مہلت نہ دوO

۱۹۲- ﴿وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا﴾ اور وہ اپنے عبادت کرنے والے پجاریوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے ﴿وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ کم از کم وہ اپنا دفاع کر سکیں اور اپنے اوپر طاری ہونے والے حوادث کو دور کر سکیں جیسے توڑنا اور گندگی وغیرہ ڈالنا بلکہ ان کی پوجا کرنے والے پجاری ان سے دفاع کرتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

۱۹۳- ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ اگر تم ان کو یعنی ان بتوں کو رشد و ہدایت کی طرف بلاؤ یا ان کو اس لیے بلاؤ کہ وہ تمہیں ہدایت دیں یعنی جس طرح تم اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت اور رشد و ہدایت طلب کرتے ہو اسی طرح اگر تم ان بتوں سے یہ چیزیں طلب کرو ﴿لَا يَتَّبِعُوْكُمْ﴾ تو وہ تمہاری مراد اور طلب پوری کرنے کے لیے تمہاری پیروی نہیں کریں گے اور نہ وہ تمہیں جواب دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جواب عنایت فرماتا ہے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''لَا يَتْبَعُوْكُمْ'' (تا ساکن اور با مفتوح) ہے] ﴿سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ﴾ تم پر برابر ہے کہ آیا تم ان کو بلاؤ یا تم ان کو بلانے سے خاموش رہو اس لیے کہ ان کی سنگت سے نجات نہیں اور نہ وہ تمہیں جواب دیں گے [اور آیات کے اواخر کی رعایت کے لیے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے]۔

۱۹۴- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو ''اَیْ تَعْبُدُوْنَهُمْ'' یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو' یہاں ''تَدْعُوْنَ''، ''تَعْبُدُوْنَ'' کے معنی میں ہے اور تم ان کو معبود قرار دیتے ہو ﴿عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ وہ تمہاری طرح بندے ہیں یعنی وہ تمہارے طرح مخلوق اور مملوک ہیں ﴿فَادْعُوْهُمْ﴾ سو تم ان کو حصول نفع اور دفع ضرر کے لیے پکارو ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ پس چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ وہ تمہارے معبود ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو باطل قرار دیا کہ ان کے بت بالکل انہیں کی طرح بندے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۹۵- ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ﴾ کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ تمہاری طرح چلتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ﴾ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں' کیا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں یعنی تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو تم سے ادنیٰ' احقر اور کمتر ہیں؟ ﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ مشرکو! تم اپنے شریکوں کو بلا لو اور میری دشمنی میں ان سے مدد مانگو ﴿ثُمَّ كِيْدُوْنِ﴾ پھر تم اور تمہارے شریک سب مل کر میرے خلاف سازش کرو [اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''كِيْدُوْنِيْ'' ہے۔ ابو عمرو بصری نے حالت وصل میں یعقوب کی موافقت کی ہے] ﴿فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ سو تم مجھے مہلت نہ دو کیونکہ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اور دراصل مشرکین مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ساتھ یہی خطاب کرنے کا حکم دیا [اور یعقوب کی قراءت میں یہاں بھی ''یا'' کے ساتھ ''فَلَا تُنْظِرُوْنِيْ'' ہے]۔

اِنَّ وَلِیّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖۚ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے' اور وہی نیکوں کی مدد کرتا ہے O اور تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں O اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنیں گے' اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے O آپ معاف کرنا اختیار کریں اور نیکی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں O

۱۹۶- ﴿ اِنَّ وَلِیّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ﴾ بے شک تمہارے مقابلے میں میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر وحی بھیج کر کتاب نازل فرمائی اور اس نے اپنی رسالت کے ساتھ مجھے منتخب فرما کر میری عزت افزائی فرمائی [اور یہاں ''وَلِیِّیَ'' کا معنیٰ ''نَاصِرِیْ عَلَیْکُمْ'' ہے] یعنی تمہارے خلاف میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے ﴿ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴾ اور وہ نیکوں کی مدد کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت مبارکہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے نیکوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو رسوا نہیں کرتا۔

۱۹۷- ﴿ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

۱۹۸- ﴿ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ ﴾ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنیں گے اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں یعنی وہ بت دیکھنے والوں کے مشابہ ہیں کیونکہ مشرکین نے اپنے بتوں کی تصویریں (انسانی شکل کی بنائی تھیں) اور ان کی آنکھیں ایسی صورت پر بنائی گئی تھیں کہ گویا وہ اپنی آنکھیں گھما کر کسی چیز کی طرف تیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں ﴿ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴾ اور وہ کسی دیکھی جانے والی چیز کو نہیں دیکھتے۔

۱۹۹- ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ درگزر کرنا اور معاف کر دینا اختیار کیجئے۔ عفو' جہد کی ضد ہے یعنی آپ لوگوں کے عادات و افعال پر سختی کی بجائے نرمی کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے اور ان سے محبت و مشقت طلب نہ کیجئے ورنہ وہ متنفر ہو جائیں گے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا'' تم آسانی اور سہولت و نرمی پیدا کرو اور سختی نہ کرو[1] ﴿ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ ﴾ نیکی اور عمدہ اور اچھے افعال و اخلاق کا لوگوں کو حکم دیجئے یا یہ مطلب ہے کہ ہر ایسی خصلت و عادت کا حکم دیجئے جس کو عقل پسند کرے اور شریعت اس کو قبول کر لے ﴿ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴾ اور آپ جاہلوں سے منہ پھیر لیجئے اور آپ بے وقوفوں سے ان کی بے وقوفی پر انتقام اور بدلا نہ لیجئے اور نہ ان سے جھگڑا کیجئے بلکہ ان پر نرمی کیجئے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد سے اس کی تفسیر بیان فرما دی ہے کہ اے محبوب پاک! آپ سے جو تعلق کو توڑ دے آپ اس سے تعلق جوڑ دیجئے

[1] رواہ البخاری (۶۹) و مسلم (۱۷۳۴)

اور جو آپ کو محروم رکھے اسے عطا کیجئے اور جو آپ پر ظلم و زیادتی کرے اسے معاف کر دیجئے [1] حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اور قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے اس آیت مذکورہ بالا سے بڑھ کر جامع ہو۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآىٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور (اے انسان!) اگر شیطان کی طرف سے تم پر کوئی وسوسہ حملہ آور ہو تو اللہ کی پناہ طلب کر' بے شک وہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○ بے شک جو لوگ تقویٰ اختیار کر لیتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی بُرا خیال چھوتا ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○ اور ان کے بھائی بند انہیں گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں' پھر وہ کوئی کمی نہیں کرتے ○ اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے کر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو خود کیوں نہیں گھڑ لیا' (میرے محبوب!) آپ فرما دیں کہ بے شک میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے' یہ تمہارے رب کی طرف سے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں بصیرت افروز دلائل ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے ○

۲۰۰- ﴿وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ﴾ اور اگر تمہیں کوئی شیطانی وسوسہ کسی برائی پر اکسائے اور وہ تمہیں برائی پر ابھارے بایں طور کہ جس کام کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کے خلاف شیطان تم پر اپنے وسوسہ کے ذریعے حملہ آور ہو جائے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو اور شیطان کا حکم نہ مانو اور ''نَزْغٌ'' کا معنی اکسانا اور ابھارنا ہے گویا شیطان جب لوگوں کو گناہوں پر راغب کرتا ہے تو انہیں اکساتا ہے اور ان کو گناہوں کی طرف برانگیختہ کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''جَدَّ جِدُّهٗ'' اس نے پوری کوشش کی یا پھر شیطان کے اکسانے اور وسوسہ ڈالنے سے مراد غصہ اور غضب پیدا کرنا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ فرمایا: بے شک میرا شیطان مجھ پر غصہ طاری کر دیتا ہے ﴿اِنَّهٗ سَمِیْعٌ﴾ بے شک وہی شیطانی وسوسہ اندازی کو بہت سننے والا ہے ﴿عَلِیْمٌ﴾ اس کا دفاع وہی خوب جاننے والا ہے۔

۲۰۱- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی برا خیال چھوتا ہے [قاری ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں ''طَیْفٌ'' ہے یعنی شیطان کا گناہ پر اکسانا' یہ مصدر ہے ان کے قول سے کہ ''طَافَ بِهِ الْخَیَالُ یَطِیْفُ طَیْفًا'' اور ابو عمرو نے کہا: ''طَآئِفٌ''

[1] رواہ الطبری فی تفسیرہ ج ۹ ص ۱۵۵

اور "طَیف" دونوں ایک ہی چیز ہیں] اور وہ وسوسہ ڈالنا ہے اور شیطان کی وسوسہ اندازی کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کے وجوب کی جو اوپر والی آیت میں گزر چکا ہے اس کی یہ آیت مبارکہ تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں اور پرہیزگاروں کی یہ عادت ہے کہ انہیں جب ادنیٰ سا شیطانی وسوسہ لاحق ہونے لگتا ہے ﴿تَذَكَّرُوْا﴾ تو خبردار ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ان کو یاد آ جاتے ہیں ﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ تو یک دم ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ صحیح سلامت راستے دیکھ لیتے ہیں اور وہ شیطانی وسوسہ کو اپنے آپ سے دور کر دیتے ہیں اور درحقیقت وہ لوگ برائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں بصیرت الٰہی زیادہ ہو جاتی ہے۔

۲۰۲۔﴿وَاِخْوَانُهُمْ﴾ اور ان کے بھائی یعنی سرکش انسانوں میں سے شیطانوں کے بھائی کیونکہ شیاطین ﴿يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ﴾ انہیں گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں یعنی شیاطین گمراہی میں ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کو گمراہی میں پکا کر دیتے ہیں [اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں "يُمِدُّوْنَهُمْ" (یعنی یا پر زبر کی بجائے پیش اور میم پر پیش کی بجائے اس کے نیچے زیر ہے یہ باب اِفعال سے ہے) "اِمْدَادٌ" سے مشتق ہے] ﴿ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ پھر وہ کمی نہیں کرتے یعنی پھر وہ ان کو گمراہ کرنے سے رکتے نہیں یہاں تک کہ وہ گمراہی پر پختہ ہو کر اصرار کرتے ہیں اور واپس رجوع نہیں کرتے اور یہ بھی جائز ہے کہ "اخوان" سے شیاطین مراد ہوں [اور اس کی متعلقہ ضمیر "جاھلین" کی طرف لوٹتی ہو اور پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ "اِخْوَانُهُمْ"، "اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا" کے مقابلے میں ہے اور "اِخْوَانُهُمْ" میں ضمیر جمع کی لائی گئی ہے جب کہ "شیطان" واحد ہے اس لیے کہ "شیطان" سے اس کی جنس مراد ہے]۔

۲۰۳۔﴿وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ﴾ اور جب آپ ان کے پاس قرآن کریم کی روشن آیت مبارکہ یا واضح معجزہ نہیں لاتے ﴿قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ تو مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ آپ نے خود کیوں نہیں اسے منتخب کر لیا یعنی آپ نے اسے خود کیوں نہیں گھڑ لیا جیسا کہ اس سے پہلے آپ خود گھڑ گھڑ کر پیش کرتے رہے ہیں ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ بے شک میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں اپنی طرف سے من گھڑت کلام پیش نہیں کرتا ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ یہ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بصیرت افروز آیات ہیں ۔ یعنی قرآن مجید کی یہ آیات ایسے مضبوط دلائل ہیں جو حق کی راہیں تمہارے سامنے کھول کر دکھا دیتے ہیں ﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اور یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو اس پر ایمان رکھتی ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ ۱

اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو پوری توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے O اور تم اپنے دل میں اپنے رب کو عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بلند آواز کے بغیر صبح و شام یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ O

بے شک جو آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ صرف اسی کو سجدے کرتے ہیں O

تلاوت کے وقت خاموش ہو کر اس کو سننے اور ذکرِ خفی کا بیان

۲۰۴۔﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے کان لگا کر غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔اس آیت مبارکہ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں اور نماز کے علاوہ جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اس وقت اس کو غور سے سننا اور خاموش رہنا واجب وضروری ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب قرآن کے نزول کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تلاوت کرنے لگیں تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ مقتدی کے لیے قرآن کی تلاوت کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ خطبہ سننے اور خاموش رہنے کے بارے میں ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ دونوں کے بارے میں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

۲۰۵۔﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ اور آپ اپنے رب کو دل میں یاد کیجئے' یہ حکم تمام اذکار میں عام ہے جیسے قرآن مجید کی تلاوت' دعا' تسبیح اور تہلیل وغیرہا﴿تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً﴾ عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے ﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور بلند آواز سے کچھ کم یعنی بلند آواز سے کم کلام کرے کیونکہ آہستہ ذکر کرنا اخلاص میں زیادہ دخیل ہوتا ہے اور حسن تفکر کے زیادہ قریب ہوتا ہے[1] ﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ صبح وشام (ذکر الٰہی کرتے رہو) ان دو وقتوں کی فضیلت کی بنا پر اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد فکر کو قائم رکھ کر ہمیشہ ذکر کرنا ہے اور ''بِالْغُدُوِّ'' کا معنی یہ ہے کہ صبح کے اوقات میں ذکر کیا جائے [اور ''اصال''، ''اُصُل'' کی جمع ہے اور ''اُصُل''، ''اَصِیل'' کی جمع ہے اور وہ شام ہے] ﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہتے ہیں اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے کھیل تماشا میں مشغول رہتے ہیں۔

۲۰۶۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ بے شک جو آپ کے رب کے پاس ہیں یعنی جو شرف وقرب سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں نہ کہ مکانیت اور مسافت کے اعتبار سے یعنی فرشتے ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ وہ اس کی عبادت سے تکبر وغرور نہیں کرتے اور نہ وہ اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی سے بلند و بالا خیال کرتے ہیں ﴿وَيُسَبِّحُوْنَهٗ﴾ اور وہ اس کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں سے منزہ و پاک تصور کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں ﴿وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴾ اور وہ اسی کو سجدے کرتے ہیں اور وہ اسی اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

---

[1] علامہ نووی قدس سرہٗ نے ذکر جلی اور ذکر خفی کی متضاد احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں ریاء کا خطرہ ہو یا ذکر جہر سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو یا نیند والوں کو تکلیف پہنچتی ہو (جیسے جہر مفرط کے ذکر میں) تو وہاں ذکر خفی افضل وبہتر ہے اور اگر یہ عوارض نہ ہوں تو ذکر جہر افضل وبہتر ہے اس لیے کہ ذکر جہر میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین کو بھی پہنچتا ہے اور ذکر جہر سے حسن سماعت دوسری طرف توجہ نہیں کرتی اور اس سے نیند بھی دور جاتی ہے اور اس سے روحانی کیف وسرور بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر روح البیان الجزء التاسع الاعراف:۲۰۵)

سورۃ الانفال مدنیہ (۸) — بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ — رکوعاتہا ۱۰ آیاتہا ۷۵

سورۃ الانفال مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی پچھتر آیات' دس رکوع ہیں

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ۖ ② الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ؕ ③ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۚ ④

اے محبوب! یہ لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں' فرمادو کہ غنیمت کے تمام مال اللہ اور رسول کے لیے ہیں' سوتم اللہ سے ڈرتے رہو اور تم آپس میں صلح رکھو' اور تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو○ بے شک مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسا رکھتے ہیں○ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے وہ خرچ کرتے ہیں○ یہی سچے مؤمن ہیں' ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہت بڑے درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے○

غزوۂ بدر سے متعلقہ احکام ومسائل کا بیان

۱-﴿یَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ وہ لوگ اموالِ غنیمت کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں''انفال''،''نفل'' کی جمع ہے اور''نفل'' سے مراد غنیمت کا مال ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی عطا سے حاصل ہوتا ہے اور''انفال'' کا مطلب ہے: غنیموں کے مال۔

شانِ نزول: غزوۂ بدر میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم کس طرح مالِ غنیمت تقسیم کریں اور اس کی تقسیم کا فیصلہ کس کے لیے ہوگا' مہاجرین کے لیے یا انصار کے لیے یا ان سب کے لیے؟ تو حضور سے کہا گیا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے لیے ہے اور صرف وہی اس کا فیصلہ کریں گے اور وہ اس میں جو چاہیں گے فیصلہ کریں گے' ان کے علاوہ کسی کو اس کے فیصلے کا حق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو آیت مبارکہ میں جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ مخصوص ہے' اللہ تعالیٰ ہی اس کی تقسیم کا حکم صادر فرمائے گا جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا اور رسول کریم ﷺ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور اس مالِ غنیمت کی تقسیم کا معاملہ کسی

شخص کی رائے کے سپرد نہیں کیا جائے گا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سو تم آپس کے اختلاف اور باہمی جھگڑوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ ﴿وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ﴾ اور تم آپس میں صلح رکھو اور اپنے احوال کی اصلاح کرو یعنی تمہارے ایک دوسرے کے ساتھ جو باہمی تعلقات ہیں انہیں درست کرو یہاں تک کہ تمہارے تعلقات کی بنیاد محبت و الفت اور اتفاق و اتحاد اور اخوت و بھائی چارے پر قائم ہو جائے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ''ذَاتَ بَیْنِكُمْ'' کا مطلب ہے کہ تمہارا حقیقی اتحاد قائم ہو جائے اور ''بین'' کا معنی ملنا' جوڑنا اور متحد ہونا ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم نے تمہیں جو حکم سنایا ہے اس پر متفق و متحد ہو جاؤ۔

شانِ نزول: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب ہم اصحاب بدر مال غنیمت میں جھگڑے اور ایک دوسرے کو سخت سست کہا اور اس موقع پر ہمارے اخلاق بگڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل و کرم فرمایا کہ ہمارا اختلاف ہمارے دلوں سے سلب کر لیا اور مال غنیمت رسول اللہ ﷺ کے لیے قرار دے دیا اور آپ نے تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم فرما دیا ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ﴾ اور اموال غنائم وغیرہ میں تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس میں تم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کی اطاعت کرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اگر تم ایمان دار ہو یعنی اگر تم کامل مؤمن ہو۔

مؤمنوں کی صفات

۲- ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک مؤمن یعنی کامل ایمان دار ﴿الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اس کی عظمت و کبریائی اور جلال و ہیبت اور اس کی سلطنت و شہنشاہی کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے کامل مؤمنوں کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں ﴿وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ﴾ اور جب ان پر اس کی یعنی قرآن کریم کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں ﴿زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا﴾ ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور اس میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس میں ان کا یقین اور اطمینان زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ دلائل کی پختگی قوتِ یقین اور اطمینانِ قلبی میں اضافہ کرتی ہے یا یہ کہ ان آیات کے نزول پر ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اس لیے کہ وہ لوگ ان کے نزول سے پہلے ان کے احکام پر ایمان نہیں لائے تھے ﴿وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں اور اسی پر اعتماد رکھتے ہیں اور وہ اپنے معاملات اپنے پروردگار کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہیں کرتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ کسی سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔

۳- ﴿الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے وہ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی صفات میں دل کے اعمال' خوف' اخلاص' توکل اور اعضاء کے اعمال' نماز اور صدقہ وغیرہ کو جمع کر دیا ہے۔

٤- ﴿اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ یہی لوگ سچے مؤمن ہیں [''حَقًّا'' مصدر محذوف کی صفت ہے' دراصل ''اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ اِیْمَانًا حَقًّا'' ہے یعنی یہی مؤمنین ہی ایمان کے سچے ہیں یا یہ خود مصدر ہے اور سابق جملہ ''اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ'' کی تاکید ہے] اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ کیا آپ مؤمن ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور جنت و دوزخ پر اور حشر و نشر پر اور حساب پر ایمان لانے کے بارے میں سوال

کرتا ہے تو یقیناً مؤمن ہوں اور اگر اس آیت مبارکہ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ'' میں صفات کے حامل مؤمن کے بارے میں تو مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ آیا میں ان میں سے ہوں یا نہیں ہوں؟ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جس نے یہ گمان کیا کہ وہ سچا اور مخلص مؤمن ہے پھر اس نے اپنے بارے میں یہ گواہی نہیں دی کہ وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ صرف نصف آیت پر ایمان لایا ہے یعنی جس طرح یہ بات قطعی اور یقینی نہیں کہ وہ ثواب حاصل کرنے والے سچے اور مخلص مؤمنین میں سے ہے اسی طرح یہ بات بھی قطعی اور یقینی نہیں کہ واقعی وہ سچا اور مخلص مؤمن ہے' اور اسی سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مسلمان کو یوں کہنا چاہیے کہ میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' (یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو) مؤمن ہوں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نہیں کہنا چاہیے (کہ اس سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے) چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت قتادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا کہ آپ اپنے ایمان میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی پیروی کرتا ہوں کہ ''وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ'' (الشعراء:۸۲)'' اور (میرا رب) وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری بھول چوک پر مجھے بخش دے گا'' تو امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ کے اس قول کی پیروی کیوں نہیں کی کہ ''اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی'' (البقرہ:۲۶۰)'' (جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے سوال فرمایا کہ) اور کیا آپ ایمان نہیں رکھتے؟ تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا: کیوں نہیں! میں تو مؤمن ہوں'' اور حضرت ابراہیم تیمی سے منقول ہے کہ تم یہ کہا کرو: ''اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا'' میں سچا مؤمن ہوں' پھر اگر تم نے سچ کہا ہے تو اس پر ثابت قدم رہو اور اگر جھوٹ بولا ہے تو پھر تمہارا کفر تمہارے جھوٹ سے زیادہ سخت گناہ ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص منافق نہیں وہ سچا مومن ہے اور حضرت عبداللہ نے حضرت احمد پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ حضرت احمد نے جواب دیا: میرا نام احمد ہے' تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: کیا تم یہ کہتے ہو کہ میں سچ مچ احمد ہوں یا یہ کہ میں احمد ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا؟ انہوں نے فرمایا: میں سچ مچ احمد ہوں تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: جب تمہارے والدین نے تمہارا نام رکھا تو تم اس میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمہارا نام مؤمن رکھا ہے تو اس میں ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' کہتے ہو؟ ﴿لَهُمْ دَرَجٰتٌ﴾ اعمال کی مقدار کے مطابق ان کے درجات ومراتب ایک دوسرے سے بڑھ کر اور بہتر سے بہترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین ہوں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ﴾ ان کے رب کے پاس اور مغفرت و بخشش ہوگی اور ان کی برائیوں سے درگزر کیا جائے گا ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور عزت کی روزی عنایت کی جائے گی جس میں کمانے کی محنت و مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی اور نہ اس پر کوئی حساب و کتاب ہوگا۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۟ۙ

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا تھا' اور بے شک مؤمنوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا O وہ حق واضح ہونے کے بعد آپ سے اس کے بارے میں جھگڑنے لگے گویا وہ موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں O اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں غیر مسلح گروہ مل جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے O

مدینہ منورہ سے بدر کی طرف روانگی

۵- ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ [اس میں حرف تشبیہ کاف اس بنا پر محلاً منصوب ہے کہ یہ فعلِ مقدر کا مصدر ہے] جس کی تقدیر عبارت (کا ترجمہ) اس طرح ہے کہ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ان مسلمانوں کے ناخوش ہونے کے باوجود مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کے لیے مقرر و ثابت ہو چکا جس طرح کہ ان کے ناخوش ہونے کے باوجود آپ کا رب تعالیٰ آپ کو گھر سے (بدر کی طرف) نکال کر لے گیا تھا ﴿مِنْۢ بَيْتِكَ﴾ آپ کے گھر سے۔ اس گھر سے مدینہ منورہ میں آپ کی رہائش گاہ مراد ہے یا پھر مدینہ منورہ مراد ہے کیونکہ یہی آپ کی ہجرت گاہ اور مسکن بنا تھا اور یہ شہر آپ کے ساتھ اس طرح مخصوص ہو گیا ہے جس طرح گھر اپنے رہائش پذیر مالک کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ آپ کو حکمت و دانائی اور مبنی برحق فیصلے کے ساتھ متصف کر کے (گھر سے بدر کی طرف) برآمد کیا گیا تھا ﴿وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ﴾ اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا [یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حال میں آپ کو برآمد کیا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ دراصل اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ مال تجارت سے بہت بڑا منافع کما کر ملک شام سے (براستہ مدینہ منورہ) واپس آ رہا تھا اور اس قافلے میں چالیس سوار تھے جن میں ایک سردار قافلہ ابوسفیان تھا' حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سیّد عالم ﷺ کو قافلہ کی خبر دی اور آپ نے مسلمانوں کو یہ خبر سنائی' انہیں اس قافلے کو پکڑنے کی خوشی ہوئی کیونکہ مال بہت زیادہ تھا اور اس کے نگران بہت کم تھے' چنانچہ جب مسلمان اس کے تعاقب میں نکلے تو قریش مکہ کو اس کا علم ہو گیا اور ابوجہل اہل مکہ کی جنگجو جوانوں کی ایک بڑی جماعت کو لے کر روانہ ہوا اور یہ لشکر تمام لوگوں میں مشہور جنگجو افراد پر مشتمل تھا' نہ ان جیسے جنگجو قافلے میں تھے اور نہ کسی اور لشکر میں تھے' پھر جب ان کو بتایا گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ راستہ تبدیل کر کے ساحل سمندر سے ہوتا ہوا مسلمانوں سے صحیح و سلامت بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھ تمام لشکر کو لے کر بدر کی طرف چل پڑا اور یہ ایک پانی کا کنواں تھا جس کے پاس اہل عرب سال میں ایک دن خرید و فروخت کے لیے بازار لگا کر میلہ مناتے تھے اور (دوسری طرف) حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا: یا محمد (ﷺ)! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو گروہوں میں ایک پر فتح و نصرت کا وعدہ دیا ہے ابوسفیان کا قافلہ یا قریش کا لشکر' چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا کہ تمہیں قافلہ کو لوٹنا زیادہ پسند ہے یا لشکر کا مقابلہ کرنا؟ سب نے عرض کیا کہ بلکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے قافلے کو لوٹنا ہمیں زیادہ پسند ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا' پھر آپ نے ان کو جواب دیا اور فرمایا کہ قافلہ تو ساحل سمندر سے ہوتا ہوا گزر چکا ہے اور ابوجہل لشکر لے کر تمہارے سروں پر پہنچ چکا ہے' پھر صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! قافلے کا

تعاقب کیجئے اور دشمن کے لشکر کو چھوڑ دیجئے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کو غضب ناک دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھڑے ہوگئے اور ان دونوں حضرات نے بہترین تقریر کی اور آپ کو ہر طرح کا یقین دلایا' پھر حضرت سعد بن عبادہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے عزم اور ارادے کے مطابق عمل کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں' خدا کی قسم! اگر آپ ہمیں اَبین (عدن کا بانی) کے عدن (شہر) تک لے جانا چاہیں تو انصار مدینہ میں سے کوئی شخص آپ سے پیچھے نہیں رہے گا' پھر حضرت مقداد بن عمرو نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے آپ اس پر عمل کیجئے اور آپ جس طرح چاہیں گے ہم آپ کا ساتھ دیں گے' ہم آپ سے ویسا نہیں کہیں گے جیسا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' (المائدہ:۲۴) ''سو تم جاؤ اور تمہارا رب جا کر دشمنوں سے لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں'' لیکن ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ اپنے رب کے ساتھ جا کر دشمنوں سے ضرور لڑیں اور ہم یقیناً ہر حال میں جب تک ہماری آنکھیں حرکت کرتی رہیں گی اور ہمارے جسموں میں جان رہے گی آپ کے ساتھ مل کر شانہ بہ شانہ دشمنوں سے ضرور لڑیں گے' اس بات پر رسول اللہ ﷺ خوش ہو کر مسکرائے اور حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ جو چاہتے ہیں کر گزریئے ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور قسم اس ذات اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر آپ ہم سے سمندر میں کود جانے کا مطالبہ کریں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے اور ہمارا کوئی آدمی پیچھے نہیں ہٹے گا' آپ اللہ کی برکت پر ہمیں اپنے ساتھ لے کر چلئے' اس پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور حضرت سعد کی اس جاں نثارانہ گفتگو نے آپ کو بے حد مسرور کر دیا' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی برکت پر بھروسا کر کے چلے چلو اور تمہیں یہ بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دو گروہوں میں سے ایک پر فتح و نصرت کا مجھ سے وعدہ فرما لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ابھی یہاں سے دشمن قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں[1] البتہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ'' (الانفال:۵) ''اور بے شک مسلمانوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا''۔ حضرت الشیخ ابومنصور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ وہ منافق ہوں جو اپنے اعتقاد سے اس سے ناخوش ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مخلص مسلمان ہوں اور ان کی یہ ناخوشی طبعی اور غیر ارادی ہو کیونکہ وہ لوگ جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں نکلے تھے۔

۶۔ ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ﴾ وہ لوگ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں' حق سے مراد لشکر کفار سے جہاد کرنا ہے جس کے متعلق وہ آپ سے جھگڑتے تھے اور اس کے مقابلے میں قافلے کے پکڑنے کو ترجیح دیتے تھے ﴿بَعْدَمَا تَبَيَّنَ﴾ اس کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر انہیں خوشخبری سنا دی تھی کہ اس مقابلے میں ان کو ضرور فتح و نصرت عطا کی جائے گی اور ان کا جھگڑنا صرف یہی تھا کہ انہوں نے کہا تھا: ہم صرف قافلے کو لوٹنے کے لیے جا سکتے ہیں لیکن ہم لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کے لیے نہیں جا سکتے اور آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا کہ ہم تیار ہو کر نکلتے اور انہوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ وہ کفار سے لڑنا نہیں چاہتے تھے ﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے حال کو انتہائی گھبراہٹ کی وجہ سے اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو قتل گاہ کی طرف کھینچا جا رہا ہو اور اس کو بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اس کے اسباب مشاہدہ کر رہا ہو' اس کی طرف دیکھ رہا ہو جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہ رہا ہو

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۳۱۔ ۳۳

حالانکہ مسلمانوں کو فتح وکامرانی اور مال غنیمت کے حصول کی طرف لے جایا جا رہا تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسلمانوں کو اپنے لشکر کی کمی کی وجہ سے خوف وڈر لاحق ہو گیا تھا اور اس لیے بھی کہ سواریاں ان کے پاس نہیں تھیں' وہ سب لوگ پیدل جا رہے تھے' صرف دو سوار تھے اور بس۔

۷۔﴿ وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہے [اس آیت مبارکہ میں ''اِذْ'' ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور ''اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ'' مفعول ثانی اور ''اَنَّهَا لَكُمْ'' اس سے بدل ہے] اور دو گروہوں سے مراد ایک ابوسفیان کا قافلہ' دوسرا ابوجہل کا جنگجو لشکر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اَنَّ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ لَكُمْ'' اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ بے شک ان دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لیے ہے ﴿ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ ﴾ اور تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہیں مل جائے اور ''ذات الشوکۃ'' کا مطلب ''ذات السلاح'' ہے یعنی ہتھیار والا گروہ اور ہتھیار تو ابوجہل کے لشکر کے پاس تھے' تعداد بھی ان کی زیادہ تھی اور ان کی تیاری بھی مکمل تھی یعنی تمہاری آرزو یہ تھی کہ تمہیں قافلہ مل جائے کیونکہ اس گروہ کے پاس اسلحہ نہیں تھا اور تم دوسرا گروہ نہیں چاہتے تھے ﴿ وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ وہ حق کو سچا کر دے یعنی وہ حق کو ثابت کر دے اور اس کو بلند وغالب کر دے ﴿ بِكَلِمٰتِهٖ ﴾ اپنی ان آیات کے ساتھ جو مسلح جنگ کے بارے میں نازل ہوئیں اور جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مسلمانوں کی فتح ونصرت کے لیے نازل کیا تھا اور جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مقتولوں کو بدر کے کنویں میں پھینکنے کا فیصلہ کیا تھا ﴿ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ اور کافروں کی مکمل جڑ کاٹ دے اور ''دابر'' کا معنی آخر ہے' یہ ''دبر'' سے اسم فاعل ہے' جب کوئی پیٹھ دے کر چل پڑے اور قطع دابر سے مراد ان کا مکمل خاتمہ ہے یعنی تم نقد فائدہ چاہتے ہو اور ہلکے پھلکے کام چاہتے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے کارنامے اور حق کی مدد اور دین اسلام کی سربلندی چاہتا ہے اور ان دو مرادوں میں کتنا فرق ہے اس لیے اس نے تمہارے لیے مسلح گروہ کو اختیار فرمایا اور ان کی طاقت تمہاری کمزوری سے توڑ دی اور تمہیں عزت بخشی اور ان کو ذلیل کیا۔

لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۱۰ ع ۱۵ اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝۱۱

تاکہ وہ حق کو سچا ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے اور اگرچہ مجرم ناخوش ہوں ○ (اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے

رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں یقیناً ایک ہزار لگا تار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گاO اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر بشارت تا کہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں' اور مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہےO وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تم پر نیند طاری کر دی جو اس کی طرف سے تسکین تھی اور تم پر آسمان سے بارش نازل کی تا کہ تمہیں اس کے ساتھ پاک کر دے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دےO

۸-﴿لِیُحِقَّ الْحَقَّ﴾ [لام ''یقطع'' کے متعلق ہے یا محذوف کے متعلق] تقدیر یوں ہے: ''لِیُحِقَّ الْحَقَّ'' یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کر دے ﴿وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ اور باطل کو مٹا دے اور مقدر مؤخر ہے تا کہ اختصاص کا فائدہ دے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دو مقاصد کے لیے یہ کام کیا ہے اور وہ اسلام کا اثبات اور اس کا غلبہ ہے اور کفر کا ابطال اور اس کا مکمل خاتمہ ہے اور لہٰذا یہ تکرار نہیں کیونکہ پہلا دو ارادوں کے درمیان فرق واضح کرنا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی مراد کا بیان ہے کہ اس نے غیر مسلح گروہ پر مسلح گروہ کو مسلمانوں کے لیے کیوں منتخب فرمایا اور کافروں پر ان کو مدد و نصرت کا وعدہ کیوں فرمایا ﴿وَلَوْكَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور اگرچہ مشرکین ان کو ناپسند کریں (یعنی مجرمین سے مشرکین مراد ہیں)۔

مسلمانوں کی فریاد پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ

۹-﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ﴾ یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے [یہ ''اِذْ یَعِدُكُمْ'' سے بدل ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ'' کے متعلق ہے] اور مسلمانوں کی فریاد یہ تھی کہ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ جنگ لازمی ہو گئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے اور عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے دشمن پر فتح و نصرت عطا فرما' اے فریادیوں کے فریاد رس! تو ہماری مدد فرما اور یہ مدد طلب کرنا ہے اور یہ ناگوار عمل سے خلاصی حاصل کرنے کی طلب ہے ﴿فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ سو اس نے تمہاری فریاد قبول فرمالی ﴿اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ﴾ [اور یہ اصل میں ''بِاَنِّیْ مُمِدُّكُمْ'' ہے' حرف جار حذف کر کے اس پر ''فَاسْتَجَابَ'' کو مسلط کر دیا گیا ہے' لہٰذا یہ محلاً منصوب ہے] یعنی بے شک میں تمہاری مدد کروں گا ﴿بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ﴾ لگا تار آنے والے ایک ہزار فرشتے سے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''مُرْدَفِیْنَ'' (دال پر زبر کے ساتھ) ہے] بہر حال کسرہ (زیر) کی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ فرشتوں نے اپنے غیر کو آگے کر دیا اور خود پیچھے رہے اور فتح (زبر) کی صورت میں یہ معنی ہو گا کہ ہر فرشتے کو لگا تار اور مسلسل ایک دوسرے فرشتے کے پیچھے بھیجا جاتا رہا اور جب کوئی شخص کسی کے پیچھے چلے تو ''رَدِفَهٗ'' کہا جاتا ہے اور جب تم کسی کو کسی شخص کے پیچھے لگا دو گے تو کہا جائے گا ''اَرْدَفْتَهٗ اِیَّاهٗ'' کہ تم نے فلاں کو اس کے پیچھے لگا دیا۔

۱۰-﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ﴾ یعنی اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو جس پر ''مُمِدُّكُمْ'' دلالت کرتا ہے نہیں بنایا ﴿اِلَّا بُشْرٰی﴾ مگر تمہارے لیے بشارت و خوشخبری بنا دیا ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ﴾ اور تا کہ تمہارے دل اس کے ذریعے مطمئن ہو جائیں یعنی بے شک تم نے اپنی قلت کی وجہ سے فریاد کرتے ہوئے مدد طلب کی اور گڑ گڑا کر عاجزی کے ساتھ دعا مانگی تو فرشتوں کی امداد کو تمہارے لیے بشارت بنا دیا اور اس کو تم میں سے ہر ایک کے لیے باعث سکون و اطمینان بنا دیا اور اس سے تمہارے دلوں کو مضبوط و مستحکم بنا دیا ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اور حقیقی امداد فرشتوں وغیرہم سے نہیں یہ تو امداد کے ظاہری اسباب ہیں مگر حقیقی امداد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور منصور و کامیاب وہی ہوتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ امداد فرماتا ہے۔

تنبیہ: غزوۂ بدر کے دن فرشتوں کے لڑنے میں اختلاف ہے' چنانچہ بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو

فرشتوں کے ساتھ لشکرِ اسلام کے دائیں حصے میں شامل ہوئے تھے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکرِ اسلام کے بائیں حصے میں شامل ہو گئے تھے جس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے اور یہ سب فرشتے مردوں کی شکل میں سفید لباس اور سفید عمامے پہنے ہوئے نازل ہوئے تھے جن کے شملے ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے اور انہوں نے لشکرِ اسلام کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کی تھی یہاں تک کہ ابوجہل نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تھا کہ یہ کوڑے مارنے کی آواز کہاں سے آتی ہے؟ ہم آواز تو سنتے ہیں مگر ہمیں کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ یہ آواز فرشتوں کی طرف سے آتی تھی' اس پر ابوجہل نے کہا: پھر تو فرشتوں نے ہمیں شکست دی ہے تم نے نہیں دی اور بعض اہلِ علم نے کہا کہ فرشتوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا' وہ تو صرف لشکرِ اسلام کی تعداد بڑھانے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے شریک ہوئے تھے ورنہ ایک فرشتہ پوری دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور وہی اپنے دوستوں کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ وہ بڑا دانا ہے' اپنے دشمنوں کو مقہور و مغلوب کر دیتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے انعامات اور کفار کو قتل کرنے کے سبب کا بیان

۱۱- ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ﴾ وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نیند سے تمہیں گھیر دیا [یہ ظرف ''اِذْ یَعِدُکُمْ'' سے دوسرا بدل ہے یا ''نصر'' سے (مفعول ہونے کی بنا پر) منصوب ہے یا ''اُذْکُرْ'' پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''یُغْشِیْکُمْ'' (غین ساکن اور شین بغیر شد کے) ہے اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یَغْشَاکُمْ'' ہے اور دونوں قراءت میں اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے (کیونکہ وہی مسلمانوں پر نیند طاری کرنے والا تھا)] اور ''نعاس'' کا معنی ہلکی نیند یعنی اونگھ ہے لیکن یہاں نیند مراد ہے ﴿اَمَنَةً﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی جب تم امن کی وجہ سے سو گئے تھے' یہ بہ معنی امن کے ہے یعنی تم پر امن طاری کر دیا [یا پھر یہ مصدر ہے] یعنی تم امن کے ساتھ امن کی نیند سو گئے تھے کیونکہ نیند رعب و خوف کو زائل کر دیتی ہے اور دل و جان کو راحت و سکون پہنچاتی ہے ﴿مِّنْهُ﴾ یہ اس کی صفت ہے یعنی ایسا امن و سکون جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا تھا ﴿وَيُنَزِّلُ﴾ [قاری ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری نے اس کو تخفیف کے ساتھ (باب افعال سے) پڑھا اور ان کے علاوہ نے مشدد (باب تفعیل سے) پڑھا ہے] اور اسی نے نازل کیا تھا ﴿عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ تم پر آسمان سے پانی یعنی بارش ﴿لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ تاکہ وہ تمہیں حدث (بے وضو ہو جانے کی ناپاکی) اور جنابت (احتلام و جماع کی ناپاکی) کو دور کر دے ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ اور وہ تم سے شیطان کی نجاست یعنی مسلمانوں کے دلوں میں اس کے وسوسوں اور ان کو پیاس کا خوف دلانے اور احتلام کی نجاست کو دور کر دے کیونکہ یہ سب شیطانی خطرات تھے جو اس نے وسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیئے تھے اور شیطان نے یہ وسوسہ بھی ڈالا کہ احتلام کی ناپاکی کے ساتھ ان کو فتح و نصرت نہیں ملے گی ﴿وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ اور تاکہ تمہارے دل صبر کے ساتھ مضبوط کر دے ﴿وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾ اور اس کے ساتھ یعنی پانی کے ساتھ تمہارے قدم جما دے کیونکہ بارش سے پہلے مسلمانوں کے قدم ریت میں گھس جاتے تھے یا یہ معنی ہے کہ ربط کے ساتھ قدم جما دے کیونکہ جب دل میں صبر پختہ ہو جاتا ہے تو میدان جنگ میں قدم مضبوط ہو جاتے ہیں۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾

جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو' میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا' سوتم کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان میں سے ہر ایک کی پور پور پر کاری ضرب لگاؤO یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی' اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہےO سوتم اب یہ (عذاب) چکھو اور بے شک کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہےO اے ایمان والو! جب تم کافروں کے لشکر سے لڑو تو ان کو پیٹھ دکھا کر مت بھاگناO

۱۲- ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ بے شک میں مدد کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہوں' سوتم مسلمانوں کو خوشخبری سنا کر ثابت قدم رکھو چنانچہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں اسلامی فوج میں صف کے آگے آگے چلتا اور کہتا کہ مسلمانو! تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تمہارا مددگار ہے [''اِذْ یُوْحِیْ'' تیسرا بدل ہے ''اِذْ یَعِدُکُمْ'' سے یا پھر ''یُثَبِّتَ'' سے منصوب ہے] ﴿سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا یعنی ان کے دلوں کو خوف سے بھر دوں گا جس سے وہ مرعوب ہو جائیں گے [ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَلرُّعُبَ'' (عین پر پیش) ہے] ﴿فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ﴾ کافروں کی گردنوں کے اوپر مارو' یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ کافروں کی گردنیں اڑا دو یا پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ کافروں کی گردنوں پر مارو اور اس صورت میں یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ فرشتوں نے غزوۂ بدر میں قتال و جنگ کی تھی' اور گردنوں کے اوپر مارنے کا مقصد یہ ہے کہ ذبح ہونے کی جگہوں پر مارنا تاکہ ان کے سر ان کے جسموں سے کٹ کر الگ ہو جائیں یا پھر خود سر مراد ہیں کیونکہ وہ گردنوں کے اوپر ہوتے ہیں یعنی ان کے سروں اور ان کی کھوپڑیوں پر مارو ﴿وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ اور ان کی ہر ایک پور پر کاری ضرب لگاؤ' ''بنان'' کا معنی انگلیاں ہے مراد اعضاء و اطراف ہے اور معنی یہ ہے کہ تم ان کی قتل کرنے کی جگہوں پر بھی مارو اور جسم کے باقی اعضاء پر بھی مارو کیونکہ ضرب اور مار یا تو قتل کرنے کی جگہ پر پڑے گی یا پھر اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر پڑے گی تو اس لیے مسلمانوں کو یا فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان دونوں قسموں کو جمع کر کے ان کو مارو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

۱۳- ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی' ''ذَالِکَ'' سے اس مار اور قتل و غارت اور سزا کی طرف اشارہ ہے جو بدر میں ان پر پڑی تھی [اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' ہے] یعنی یہ سزا ان پر اس لیے پڑی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی

یعنی ان کی مشاقت ومخالفت کے سبب یہ سزا انہیں ملی تھی [اور ''شَآقُّوْا''، ''مُشَاقَّةٌ'' سے مشتق ہے اور ''مُشَاقَّةٌ''، ''شَقٌّ'' سے مشتق ہے] کیونکہ دو دشمنوں میں سے ہر ایک اپنے مدمقابل کی مخالف جانب میں ہوتا ہے اور اسی طرح مخالفت ومخاصمت میں ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بھی عداوت ودشمنی میں یعنی مخالفت کی جانب میں ہوتا ہے اور وہ بھی عداوت ودشمنی میں ہوتا ہے ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اور ''ذٰلِكَ'' میں خطاب رسول اکرم ﷺ کے لیے ہے یا پھر ہر ایک کے لیے ہے۔

۱۴۔﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ یہ تمہاری سزا ہے سو تم اسے چکھو اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے [اور ''ذٰلِكُمْ'' میں بطور التفات کفار کی طرف اشارہ ہے اور اس کا اعرابی محل رفع ہے اس بنا پر کہ ''ذٰلِكُمُ الْعِقَابُ'' ہے یا ''اَلْعِقَابُ ذٰلِكُمْ'' ہے (یعنی پہلی صورت میں مبتدا دوسری میں خبر ہے) اور ''وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ'' میں واؤ بہ معنی ''مَعَ'' ہے یعنی یہ دنیا کا عذاب چکھو اس کے ساتھ دوزخ کا عذاب تمہیں آخرت میں ملے گا' پس اسم ظاہر (لِلْكٰفِرِيْنَ) کو اسم ضمیر (لَهُمْ) کی جگہ رکھا گیا ہے]۔

مسلمانوں کے لیے چند لازمی آداب کا بیان

۱۵۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ اے ایمان والو! جب تم کافروں کے کسی بڑے لشکر سے لڑو [''زَحْفًا''، ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' سے حال ہے] اور ''زحف'' اس بڑے لشکر کو کہا جاتا ہے جو اپنی کثرت کی وجہ سے دور سے دیکھا جائے گویا وہ دشمن کی طرف بڑھ رہا ہے یعنی آہستہ آہستہ چل رہا ہے یہ ''زَحَفَ الصَّبِيُّ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بچہ آہستہ آہستہ سرین کے بل پر چل پڑے [اور اس کو مصدر قرار دیا گیا ہے] ﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾ سو تم ان کو پیٹھ دے کر نہ مڑو یعنی ان سے شکست کھا کر نہ بھاگو یعنی جب تم لڑائی کے لیے دشمن سے ملو اور وہ بہت زیادہ ہوں اور تم بہت تھوڑے ہو تو ان سے نہ بھاگو چہ جائے کہ تم تعداد میں ان کے برابر ہو یا ان کی تعداد کے قریب ہو [یا ''اَلْمُؤْمِنِيْنَ'' سے حال ہے یا فریقین سے حال ہے] یعنی جب تم دشمن سے لڑو دراں حالیکہ وہ اور تم آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو چکے (تو اس وقت ان کو پیٹھ دے کر نہ بھاگو)۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور اس دن جو پیٹھ دے کر واپس مڑے گا سوائے اس کے کہ وہ حملہ کرنے کے لیے پہلو بدلتا ہو یا اپنی جماعت میں ملنا چاہتا ہو تو یقیناً وہ اللہ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے O سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا' اور (اے محبوب!) جب آپ نے مٹی پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی لیکن وہ اللہ نے پھینکی تھی' اور تاکہ اللہ اس سے مسلمانوں کو بہترین انعام عطا فرمائے' بے شک اللہ سب کچھ سننے والا' بہت جاننے والا ہے O یہ ہے (تمہارا

ایک انعام) اور بے شک اللہ کافروں کے فریب کو کمزور کرنے والا ہے O

۱۶- ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ اور اس دن جو شخص ان کو پیٹھ دے گا ماسوا اس کے کہ وہ لڑنے کے لیے لوٹنے والا ہو اور وہ یہ کہ فرار کے بعد وہ دوبارہ حملہ کرنا چاہتا ہو تاکہ اس کا دشمن یہ خیال کر لے کہ وہ شکست کھا کر بھاگ گیا ہے اب واپس نہیں آئے گا اور وہ مطمئن و غافل ہو جائے پھر یہ اس پر حملہ کر دے اور یہ جنگ کی ایک چال ہوتی ہے جسے "خدع الحرب" کہا جاتا ہے ﴿اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ یا وہ مسلمانوں کی جماعت سے ملنا چاہتا ہے جو اس گروہ کے علاوہ ہے جس میں وہ موجود تھا [اور یہ دونوں "یُوَلِّھِمْ" کی ضمیر فاعل سے حال ہیں] ﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ تو بے شک وہ شخص اللہ تعالیٰ کے غضب میں لوٹ آیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے [اور "مُتَحَیِّزٌ" کا وزن "مُتَفَیْعِلٌ" ہے "مُتَفَعِّلٌ" نہیں ہے کیونکہ وہ "حازَ یَحُوْزُ" سے مشتق ہے لہٰذا "مُتَفَعِّلٌ" کا صیغہ اس سے "مُتَحَوِّزٌ" آئے گا]۔

۱۷- اور جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے اہل مکہ کی قوت توڑ دی اور بہت سے کافروں کو قتل کیا اور بہت سے کافروں کو قید کیا اور ان میں سے کسی کہنے والے نے فخر سے کہا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا تو ان سے کہا گیا کہ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا ہے [اس میں فا شرطِ محذوف کا جواب ہے] جس کی تقدیرِ عبارت (کا ترجمہ) اس طرح ہے: اگر تم نے ان کو قتل کر کے فخر کیا ہے تو سن لو! ان کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے اور جب حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے مبارک ہاتھ میں مٹھی بھر مٹی لیں اور اس کو کفار کی طرف پھینک دیں تو آپ نے مٹی اٹھائی اور کفار کے چہروں کی طرف پھینک دی اور فرمایا: "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" چہرے سیاہ ہو جائیں چنانچہ تمام مشرکین کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں اور وہ شکست کھا گئے تو آپ سے کہا گیا: ﴿وَمَا رَمَيْتَ﴾ "يَا مُحَمَّدُ"[1] اور اے محمد (ﷺ)! آپ نے وہ خاک نہیں پھینکی ﴿اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ جب آپ نے پھینکی تھی لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی یعنی بے شک وہ کنکریاں جو آپ نے پھینکی تھیں وہ حقیقت میں آپ نے نہیں پھینکی تھیں کیونکہ بنی نوع انسان کی طرح اگر آپ نے وہ کنکریاں پھینکیں ہوتیں تو اس کا اثر وہاں تک نہ پہنچتا جہاں تک اس کا اثر پہنچا لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں پھینکی تھیں اس لیے اتنا بڑا اثر ہوا اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کا بیان ہے کہ بندے کا عمل اس کی طرف کسب اور محنت کے اعتبار سے منسوب ہوتا ہے اور وہ عمل تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے جیسا جبریہ اور معتزلہ فرقوں نے کہا ہے کیونکہ یہ لوگ "اِذْ رَمَيْتَ" سے فعل بندے کے لیے ثابت کرتے ہیں پھر "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" اور "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ" سے بندے سے عمل اور فعل کی نفی کرتے ہیں اور یہی فعل و عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کر دیتے ہیں [اور ابن عامر شامی حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "لٰكِنْ" تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ہے اور اس کے بعد مرفوع (پیش کے ساتھ) یعنی "وَلٰكِنِ اللّٰهُ قَتَلَهُمْ" "وَلٰكِنِ اللّٰهُ رَمٰى" ہے (دونوں جگہ لفظ اللہ کے آخر پر پیش ہے)] ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اپنے فضل و کرم سے بہترین انعام عطا فرمائے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کرنے کے لیے جو کچھ کیا ہے (جیسے نیند طاری کرنا' بارش برسانا' ثابت قدمی عطا فرمانا اور فرشتوں کا بھیجنا) یہ محض ان پر انعام فرمانے کے

[1] رواہ الطبری فی تفسیرہ ج۹ ص ۲۰۵

لیے کیا ہے[اور یہاں "لِيُبْلِيَ" بہ معنیٰ "لِيُعْطِيَ" ہے اور "بَلَآءً حَسَنًا" بہ معنیٰ "عَطَآءً جَمِيْلًا" ہے]﴿إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں خوب سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۸-﴿ذٰلِكُمْ﴾ [یہ "بَلَآءً حَسَنًا" کی طرف اشارہ ہے اور اس کا اعرابی محل رفع ہے] یعنی مقصود و مراد یہی تھا ﴿وَأَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر و فریب کو کمزور کرنے والا ہے[یہ جملہ "ذٰلِكُمْ" پر معطوف ہے] یعنی مقصود و مراد یہی تھا کہ مسلمانوں کو انعام سے نوازا جائے اور کافروں کی سازش کمزور و ختم کی جائے[ابن عامر شامی اور امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں "مُوَهِّنٌ" (یعنی واؤ مفتوح اور "ھا" مشدد مفتوح کے ساتھ) ہے اور امام حفص کی قراءت میں "مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ" (واؤ ساکن "ھا" مکسور مضاف اور "کید" مجرور) ہے' باقی قراء کی قراءت میں "مُوَهِّنٌ كَيْدَ" (یعنی واؤ مفتوح "ھا" مشدد مفتوح اور نون پر تنوین "کَیْدَ" منصوب) ہے]۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ ۚ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

ع ۹ / ۱۶

اگر تم غلبہ چاہتے تھے تو بے شک تم پر غلبہ ہو چکا' اور اگر تم باز آ جاؤ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے' اور اگر تم دوبارہ جنگ کرو گے تو ہم دوبارہ شکست دے دیں گے اور تمہاری جماعت تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی اگرچہ بہت بڑی ہو' اور بے شک اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے O اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ پھیرو حالانکہ تم سنتے ہو O اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا: ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے O بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے O اور اگر اللہ کے علم کے مطابق ان میں کچھ بھلائی ہوتی تو وہ ضرور ان کو سنا دیتا' اور اگر وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور منہ پھیر کر پلٹ جاتے O

۱۹-﴿إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ﴾ اگر تم فتح و نصرت چاہتے تھے تو بلاشبہ تمہارے پاس فتح و نصرت آ چکی اور یہ اہل مکہ کو خطاب ہے کیونکہ انہوں نے جب مکہ مکرمہ سے کوچ کرنا چاہا تو کعبہ معظمہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گئے اور انہوں نے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! اگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ برحق ہیں تو تو ان کی مدد فرما اور اگر ہم حق پر ہیں تو تو ہماری مدد فرما[اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا" سے مؤمنوں کو خطاب ہے اور "إِنْ تَنْتَهُوْا" کافروں کے لیے خطاب ہے]﴿وَإِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ اور اگر تم رسول اللہ ﷺ کی عداوت و دشمنی سے باز آ گئے تو یہ باز آ جانا تمہارے لیے بہتر ہے اور سلامتی و عافیت ہے ﴿وَإِنْ تَعُوْدُوْا﴾ اور اگر تم رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم سے دوبارہ جنگ کرو ﴿نَعُدْ﴾

تو ہم تمہارے خلاف ان کی دوبارہ مدد فرمائیں گے ﴿ وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَیْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ﴾ اور تمہاری جماعت تمہیں ہرگز کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی اور اگر چہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہو ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ فتح و نصرت کے لیے مؤمنوں کے ساتھ ہے [قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''اَنَّ'' کا ہمزہ مفتوح ہے]یعنی اور اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ہے [اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''اِنَّ'' کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کی تائید حضرت عبداللہ کی قراءت سے ہوتی ہے اور وہ یہ ہے: ''وَاللّٰهُ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ''].

مسلمانوں کے لیے تنبیہات

۲۰۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی نہ کرو کیونکہ اصل معنی یہ ہے کہ تم رسول اللہ کی اطاعت کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ'' (التوبہ:۶۲) ''اور اللہ اور اس کے رسول کا زیادہ حق ہے کہ وہ اسے راضی کرتے'' اور اس لیے بھی کہ رسول اکرم کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایک چیز ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:۸۰) ''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' [پس ضمیر کا ان میں سے ایک کی طرف لوٹانا اس طرح ہے جس طرح ان دونوں کی طرف لوٹانا ہے جیسے تمہارا یہ قول ''اَلْاِحْسَانُ وَالْاِجْمَالُ لَا یَنْفَعُ فِیْ فُلَانٍ'' یا ''عَنْهُ'' کی ضمیر اطاعت کے امر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس حکم سے اور اس کی مانند دیگر احکام سے روگردانی نہ کرو اور ''وَلَا تَوَلَّوْا'' کی اصل ''وَلَا تَتَوَلَّوْا'' ہے' پھر تخفیف کے لیے دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ [اصل میں ''وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَهٗ'' ہے] یعنی حالانکہ تم اس کو سنتے بھی ہو یا پھر یہ معنی ہے کہ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی نہ کرو اور نہ ان کی مخالفت کرو حالانکہ تم سنتے ہو یعنی تم تصدیق کرتے ہو کیونکہ تم مؤمن ہو' تم کافروں میں سے تکذیب کرنے والے بہرے گونگے لوگوں کی طرح نہیں ہو۔

۲۱۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا ﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا یعنی انہوں نے سماعت کا دعویٰ کیا اور وہ منافقین اور اہل کتاب ہیں ﴿ وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴾ اور وہ نہیں سنتے کیونکہ وہ لوگ دل سے تصدیق نہیں کرتے تو گویا وہ نہیں سنتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم قرآن مجید اور نبوت کی تصدیق کرتے ہو لیکن جب تم بعض معاملات میں اموالِ غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے متعلق رسول اکرم کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہو تو تمہارا سننا اس شخص کے سننے کی طرح ہو جاتا ہے جو ایمان نہیں لاتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۲۲۔ ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں' جو عقل سے کام نہیں لیتے یعنی روئے زمین پر چلنے والے جان داروں میں سے بدترین چوپائے ہیں اور بے شک چوپایوں سے بھی بدترین وہ لوگ ہیں جو حق سے بہرے ہیں' جو حق کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے انہیں چوپایوں کی جنس میں سے قرار دیا ہے' پھر ان کو چار پایوں میں بدترین قرار دے دیا کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر عناد سے کام لیا اور فہم و فراست اور عقل و دانش رکھنے کے باوجود تکبر کیا۔

۲۳۔ ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان بہرے گونگے لوگوں میں ﴿ خَیْرًا ﴾ سچائی اور دینی رغبت ہوتی ﴿ لَّاَسْمَعَهُمْ ﴾ تو وہ ضرور انہیں سنا دیتا اور اور انہیں سننے والا بنا دیتا یہاں تک کہ وہ لوگ بھی تصدیق کرنے والوں کی طرح سنتے ﴿ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا تو وہ اس سے ضرور پھر جاتے یعنی اور

اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا اور وہ لوگ تصدیق بھی کر دیتے لیکن وہ اس کے بعد دین حق سے مرتد ہو جاتے اور حق پر قائم نہ رہتے ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ روگردانی کرنے والے لوگ تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے' اور جان لو بے شک اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بے شک تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے○ اور تم اس عذاب سے ڈرتے رہو جو مخصوص انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے' اور جان لو! بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○

۲٤-﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کا حکم بجالاؤ جب تمہیں رسول کریم بلائیں [اور یہاں ''اِذَا دَعَا'' میں بھی واحد کی ضمیر استعمال کی گئی ہے جیسا کہ اس سے پہلے (''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ'' میں) واحد کی ضمیر لائی گئی تھی] کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے کی طرح ہے اور استجابت سے اطاعت وفرماں برداری مراد ہے اور دعوت سے ترغیب وتحریک دینا مراد ہے ﴿لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی بخشے جیسے دین و مذہب کے عقائد حقہ اور اعمال صالحہ اور دیگر شرعی احکام کے علوم کیونکہ علم زندگی ہے جیسا کہ جہالت موت ہے۔ شاعر نے کہا:

لَا تُعْجِبَنَّ الْجَهُوْلَ حُلَّتُهٗ فَذَاكَ مَيِّتٌ وَثَوْبُهٗ كَفَنٌ

''اس کا لباس جہالت کو خوشنما نہیں بنا سکتا کیونکہ وہ مردہ ہے اور اس کا لباس کفن ہے''۔

یا یہ معنی ہے کہ جب رسول کریم تمہیں کفار سے جہاد کرنے کے لیے بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ کیونکہ اگر کفار کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو وہ مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کے لیے بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' (آل عمران:۱۶۹) ''بلکہ شہداء اپنے رب تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں'' ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ اور جان لو! بے شک اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یعنی اس کے دل کو موت دے دیتا ہے' جس کی وجہ سے اس کی وہ فرصت جو اسے حاصل تھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ دل کو خالص کرنے پر قدرت واختیار کے لمحات ہیں' لہٰذا تم اس فرصت کو غنیمت جانو اور تم اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے خالص کر لو یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا اور دراز زندگی گزارنے کے لیے اس کے دل کی آرزوؤں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام عزائم اور منصوبے دھرے رہ جاتے ہیں ﴿وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور یقین رکھو کہ بے شک تم سب اس کے حضور جمع کیے جاؤ گے' پھر وہ تمہیں تمہارے دلوں کی

سلامتی اور اطاعت کے اخلاص کے مطابق تمہیں ثواب عنایت فرمائے گا۔

۲۵-﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ اور تم ڈرو اس عذاب سے جو تم میں صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا' یہاں فتنہ سے مراد عذاب ہے اور یہ جواب امر ہے یعنی اگر عذاب تمہیں پہنچے تو تم میں سے صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا بلکہ وہ تم سب کو پہنچے گا [اور ممکن ہے کہ نون مؤکدہ جوابِ امر میں داخل ہو کیونکہ اس میں نہی کا معنی پایا جاتا ہے جیسے تم کہو: ''اِنْزِلْ عَنِ الدَّآبَّةِ لَا تَطْرَحْكَ'' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''لَا تَطْرَحَنَّكَ'' یعنی چوپائے (سواری) سے نیچے اتر آ' وہ تجھے نہیں گرائے گی اور ''مِنْكُمْ'' میں حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] ﴿وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور جان لو! بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے جب وہ کسی کو عذاب دیتا ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ع ۳ / ۱۷

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے' زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے' تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچانک اٹھا لے جائیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت دی اور تمہیں پاک چیزوں میں سے رزق دیا تاکہ تم شکر ادا کرو○ اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو○ اور جان لو! بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں' اور بے شک اللہ کے نزدیک بہت بڑا اجر وثواب ہے○

۲۶-﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾ اور یاد کرو جب تم بالکل تھوڑے سے تھے [''اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ'' مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے] ''اَيْ وَاذْكُرُوْا وَقْتَ كَوْنِكُمْ اَقِلَّةً اَذِلَّةً'' یعنی وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں بالکل تھوڑے سے تھے ﴿مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ تم ہجرت سے پہلے سرزمین مکہ مکرمہ میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ قریش مکہ اپنے غلبہ اور کثرت کی وجہ سے تمہیں کمزور و ماتحت سمجھتے تھے ﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک کر لے جائیں گے کیونکہ وہ لوگ (قریش مکہ) تمہارے دشمن اور مخالف تھے ﴿فَاٰوٰىكُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدینہ منورہ میں پناہ دی ﴿وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد یعنی انصار مدینہ کی امداد اور فرشتوں کی امداد سے بدر کے دن تمہاری قوت و طاقت بڑھا دی اور تمہیں فتح و نصرت عطا فرما دی ﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور اس نے تمہیں پاک چیزوں میں سے رزق عنایت فرمایا کہ تمہیں اموال غنیمت عطا فرمائے جو صرف تمہارے لیے حلال کیے گئے ورنہ تم سے پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم ان نعمتوں پر شکر ادا کرو۔

۲۷-﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے خیانت نہ کرو۔ وہ اس طرح کہ تم اس کے فرائض کو معطل کر دو اور ان پر عمل کرنا ترک کر دو ﴿وَالرَّسُوْلَ﴾ اور نہ رسول کریم سے خیانت کرو کہ تم ان کی سنتوں

پر عمل کرنا چھوڑ دو اور خلاف سنت کام کرنے لگ جاؤ ﴿ وَتَخُوْنُوْٓا ﴾ [یہ مجزوم ہے اور '' لَا تَخُوْنُوْا '' پر معطوف ہے یعنی '' وَلَا تَخُوْنُوْا ''] ﴿ اَمٰنٰتِكُمْ ﴾ اور تم اپنی امانتوں میں یعنی آپس میں ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہ کرو اور وہ اس طرح کہ تم ان کی حفاظت نہ کرو ﴿ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم اس کے تاوان اور وبال کو جانتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تم جانتے ہو کہ یقیناً تم خیانت کرتے ہو یعنی خیانت قصداً اور جان بوجھ کر ہوتی ہے بھول کر خیانت نہیں ہوتی یا یہ معنی ہے کہ تم علم والے ہو' ہر اچھی چیز کی اچھائی کو اور ہر بُری چیز کی برائی کو خوب جانتے ہو اور '' خَوْنٌ '' کا معنی کسی چیز کو کم کرنا ہے جیسا کہ '' وفا '' کا معنی پورا کرنا ہے' اسی سے '' تَخُوْنَهٗ '' ہے جب تم اس کو کم کردو' پھر اس کو امانت اور وفا کی ضد میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جب تم کسی آدمی کے مال میں خیانت کرو گے تو یقیناً تم اس کے مال کا نقصان کرو گے اور اس میں کمی کے مرتکب ہوں گے۔

۲۸۔ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ ﴾ اور جان لو کہ بے شک تمارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں یعنی یہ چیزیں آزمائش میں مبتلا ہونے کا سبب ہیں اور وہ گناہ اور عذاب ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہیں کہ وہ تمہیں آزماتا ہے کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حدود واحکام کی کس طرح حفاظت کرتے ہو ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر وثواب ہے' پس تم پر لازم ہے کہ اس کی طلب میں حرص کرو اور دنیا کی حرص چھوڑ دو اور مال کے جمع کرنے میں اور اولاد کی محبت میں حرص نہ کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۗ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے حق وباطل میں فرق کرنے کے لیے فتح ونصرت مقرر کر دے گا اور وہ تم سے تمہاری برائیاں مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا' اور اللہ بڑا فضل والا ہے O اور اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں' اور وہ تو سازش کر رہے تھے اور اللہ خفیہ تدبیر فرما رہا تھا' اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے O اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتیں تو کہتے: بے شک ہم نے سن لیا اگر ہم چاہتے تو اس طرح ہم بھی کہہ لیتے' یہ تو نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں O

تقویٰ کی اہمیت اور کفار کی سازشیں

۲۹۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے (اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو گے) تو وہ تمہارے لیے فتح ونصرت کو مقرر فرما دے گا کیونکہ یہی نصرتِ الٰہی اہل اسلام کو معزز و کامیاب کر کے اور اہل کفر کو ذلیل ومغلوب کر کے حق اور کفر کے درمیان فرق واضح کر دیتی ہے یا یہ معنی ہے کہ اگر تم اللہ سے

ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے واضح اور کھلم کھلا غلبہ مقرر کر دے گا جس سے تمہارا مشن مشہور ہو جائے گا اور تمہاری آواز اور تمہارے کارنامے تمام روئے زمین میں پھیل جائیں گے اہل عرب کا قول ہے: ''سطع الفرقان ''یعنی فجر طلوع ہو گئی یا یہ معنی ہے کہ اگر تم تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے تمام شبہات سے نکلنے کے لیے راستہ مقرر فرما دے گا اور تمہارے سینوں کو کھول دے گا یا یہ معنی ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے درمیان اور تمہارے علاوہ غیر مذاہب کے درمیان تمہیں ممتاز فرما دے گا اور تمہیں دنیا و آخرت میں فضیلت و عظمت عطا فرمائے گا ﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اور وہ تم سے تمہارے صغیرہ (چھوٹے) گناہ مٹا دے گا ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور وہ تمہارے کبیرہ (بڑے) گناہوں کو بخش دے گا ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

۳۰- ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار مکہ آپ کے خلاف مکر و فریب کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غزوۂ بدر میں فتح و نصرت عطا فرمائی تو آپ کو یاد دلایا کہ جب آپ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے تو قریش مکہ نے آپ کے خلاف مکر و فریب کا منصوبہ بنایا تھا تاکہ آپ ان کے مکر و فریب سے نجات حاصل کرنے اور ان پر فتح و نصرت اور غلبہ حاصل کرنے پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کریں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے اور وہ یہ کہ جب انصار نے سلام قبول کر لیا تو قریش مکہ کو خوف لاحق ہوا کہ حضور سرورِ کائنات مفخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات کا مشن غالب و کامیاب ہو جائے گا' چنانچہ وہ لوگ دارالندوہ میں باہم مشورہ کرنے کے لیے جمع ہوئے اور شیطان مردود ایک بزرگ کی شکل میں ان کے پاس آیا اور کہا: ''اَنَا شَيْخٌ مِّنْ نَجْدٍ ''یعنی میں نجد کا رہنے والا بزرگ ہوں (نجد کا موجودہ نام ریاض ہے جو سعودی عرب کا دارالخلافہ ہے) میں تمہارے اجتماع کی خبر سن کر مکہ آیا ہوں اور میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو کر تمہیں اچھی رائے اور بہتر نصیحت سے نوازوں' چنانچہ ابوالبختری نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط زنجیروں سے باندھ دو اور دروازہ بند کر دو صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جائے اور انتظار کرو کہ وہ وہیں اپنی موت آپ مر جائیں' اس پر ابلیس لعین نے کہا کہ یہ ناقص اور بُری رائے ہے کیونکہ ان کے ساتھی تمہارے پاس آئیں گے اور تم سے لڑیں گے اور ان کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے' پھر ہشام بن عمرو نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ان (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اپنے علاقہ سے نکال دو' پھر وہ جو کچھ بھی کریں تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوگا اور تمہیں ان سے سکون اور نجات مل جائے گی مگر ابلیس لعین (یعنی شیطان مردود) نے کہا کہ یہ رائے بھی غلط ہے کیونکہ اس طرح وہ کسی دوسرے علاقہ میں جا کر تمہارے علاوہ کسی اور قوم کے عقائد و نظریات بگاڑیں گے اور ان کو اپنا ہمنوا بنا لیں گے' پھر وہ تم پر حملہ کر دیں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے' پھر ابوجہل نے کہا: اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو' میری رائے یہ ہے کہ قریش کے ہر ہر خاندان سے ایک ایک جوان لیا جائے اور ان کو تلواریں دی جائیں اور وہ سب مل کر یک دم آپ پر حملہ کر کے مار ڈالیں' پھر ان کا خون بہا تمام قبائل میں تقسیم کر کے بنو ہاشم کو ادا کیا جائے کیونکہ بنو ہاشم کے لوگ تمام قریش کے ساتھ جنگ نہیں کر سکیں گے' آخر کار وہ خون بہا کا مطالبہ کریں گے تو ہم ان کو خون بہا ادا کر دیں گے اور اس طرح ہم سب کو ان سے نجات مل جائے گی' اس پر شیطان لعین نے کہا کہ اس شخص نے ٹھیک رائے دی ہے اور اس کی رائے تم سب کی رائے سے بہتر ہے' چنانچہ ابوجہل کی رائے پر سب متفق ہو گئے اور آپ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو کر اجلاس برخواست کر کے

اپنے اپنے گھروں کو منتشر ہو گئے لیکن حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو ساری خبر سنادی اور آپ کو حکم سنایا کہ آپ آج رات اپنے بستر پر آرام نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ آج رات آپ کے بستر پر سوئیں گے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم میری چادر شریف اوڑھ کر سو جانا تمہیں کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئے گی (اور حضور نے ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں لے کر اس پر سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تلاوت کر کے محاصرہ کرنے والوں پر پھینک دی جس سے سب اندھے ہو گئے اور آپ کو گھر سے باہر تشریف لے جاتے ہوئے نہ دیکھ سکے) اور وہ ساری رات پہرہ دیتے رہے' پھر جب صبح ہو گئی تو وہ لوگ آپ پر حملہ کرنے کے لیے آپ کے بستر کی طرف دوڑ کر گئے اور وہاں حضرت علی کو دیکھ کر مبہوت و پریشان ہو کر رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام کوشش کو ناکام بنا دیا' پھر انہوں نے حضور کے قدم ہائے مبارکہ کے نشانوں کا پیچھا کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو باطل کر دیا ﴿ لِيُثْبِتُوْكَ ﴾ تاکہ وہ لوگ آپ کو قید کر دیں اور آپ کو باندھ دیں ﴿ اَوْ يَقْتُلُوْكَ ﴾ یا وہ اپنی تلواروں سے آپ کو قتل کر دیں ﴿ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ﴾ یا وہ آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیں ﴿ وَيَمْكُرُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ حضور کے بارے میں خفیہ سازش کر رہے تھے ﴿ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو تدبیر تیار کی تھی اس کو مخفی رکھا یہاں تک کہ وہ ان کے اوپر اچانک آن پہنچی ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر دوسروں کی تدابیر سے جلد نافذ ہونے والی اور سب سے زیادہ اثر کرنے والی ہوتی ہے۔

۳۱۔ شانِ نزول: حضور سرورِ کونین رسول الثقلین ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور آپ کی تلاوت میں گزشتہ قوموں کی خبریں مذکور ہوتی تھیں' جب نضر بن حارث نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو اس طرح کا کلام بنا کر کہہ دوں اور یہ فارس کے علاقوں سے رستم وغیرہ اور عجمیوں کے قصے کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا تھا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا ﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن کریم تلاوت کیا جاتا ﴿ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ تو کہتے کہ بے شک ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا کلام ہم بھی کہہ دیں یہ تو نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں' اور دراصل ان کا یہ دعویٰ محض معاندانہ بڑ مارنا اور ڈھیٹ پن کا مظاہرہ تھا کیونکہ جب انہیں دعوت دی گئی تھی کہ وہ اس قرآن مجید کی مثل صرف ایک سورت بنا کر لا دیں تو وہ عاجز آ گئے تھے اور قرآن مجید کی طرح ایک سورت بھی پیش نہیں کر سکے تھے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آO اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے جب تک آپ ان میں تشریف فرما ہیں' اور اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا جب تک وہ مغفرت طلب کرتے رہیں گے O اور اللہ انہیں عذاب کیوں نہیں دے گا جب کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس کے متولی نہیں ہیں' اور اس کے متولی نہیں ہو سکتے مگر صرف پرہیزگار مسلمان اور لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتےO

۳۲۔﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ اور جب انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ یعنی قرآن مجید تیری طرف سے حق ہے [اس میں "هٰذَا"، "كَانَ" کا اسم ہے اور "هُوَ" ضمیر فاصلہ کے لیے ہے اور "الْحَقَّ"، "كَانَ" کی خبر ہے] مروی ہے کہ جب نضر بن حارث نے یہ کہا کہ "اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ" یہ قرآن کریم تو محض پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے' تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا: "وَيْلَكَ هٰذَا كَلَامُ اللّٰهِ" افسوس ہے تیرے اوپر یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' یہ سن کر نضر بن حارث نے اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ" اے اللہ! اگر یہ قرآن کریم تیری طرف سے حق ہے ﴿ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ تو تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یعنی اگر یہ قرآن مجید حق ہے تو اس کے انکار کرنے پر کنکریاں برسا کر ہمیں عذاب دے جیسا کہ تو نے اصحاب فیل (ہاتھی والوں) کو سزا دی تھی ﴿ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ یا تو ہمیں دردناک عذاب دے دے یعنی دردناک عذاب کی جنس میں سے کسی دوسری قسم کے ساتھ' چنانچہ نضر بن حارث کو بدر کے دن گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سبا کے ایک آدمی سے کہا کہ تمہاری قوم کتنی جاہل ہے کہ انہوں نے ایک عورت (ملکہ بلقیس) کو اپنے اوپر حاکم بنا لیا' اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری قوم سے تمہاری قوم زیادہ جاہل ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ" اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے تو پتھروں کی بارش برسا دے اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ "اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ فَاهْدِنَا لَهٗ" اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو اس کے لیے تو ہمیں ہدایت عطا فرما۔

۳۳۔﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب میں مبتلا کر دے جب کہ اے محبوب! آپ ان میں تشریف رکھتے ہیں۔ [اس آیت مبارکہ میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اے محبوب! جب تک آپ ان میں موجود ہیں اس وقت تک ان پر عذاب کا آنا درست اور جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا پیکر رحمت نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی قوم پر اس کا مکمل خاتمہ کرنے والا عذاب اس وقت تک نہیں بھیجتا جب تک اس قوم کا نبی اس میں موجود رہتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب یہ پیکر رحمت نبی ان کے علاقہ سے ہجرت کر جائیں گے تو انہیں عذاب الٰہی کا انتظار کرنا ہوگا ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک وہ مغفرت و بخشش طلب کرتے رہیں گے [اور یہ جملہ حال کی جگہ پر واقع ہے] اور اس کا معنی ان سے استغفار کی نفی کرنا ہے یعنی اگر یہ ان لوگوں میں سے ہوتے جو ایمان لائیں گے اور کفر سے توبہ کر لیں گے تو البتہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیتا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک ان میں مغفرت و بخشش مانگنے والے موجود رہیں گے اور یہ وہ کمزور

مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے سے پیچھے کافروں میں رہ گئے تھے۔

۳۴۔﴿ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ ﴾ اور ان کے لیے کون سی رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک تو انہیں عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں تشریف فرما ہیں لیکن جب آپ ان سے جدا ہو کر تشریف لے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور عذاب دے گا کیونکہ اب ان کے لیے کون سی رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا ﴿ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ اور وہ مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور انہیں عذاب کیوں نہیں دیا جائے گا جب کہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو نکال دیا تھا اور کہتے تھے کہ ہم بیت اللہ شریف اور مسجد حرام کے متولی ہیں اور ہم جس کو چاہیں روک دیں اور جس کو چاہیں داخل ہونے دیں تو ان سے کہا گیا کہ ﴿ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ﴾ اور وہ اس کے متولی نہیں ہیں اور وہ شرک کرنے اور دین حق سے عداوت رکھنے کی وجہ سے اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ وہ مسجد حرام کے معاملات کے متولی ہوں ﴿ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ ﴾ اس کے متولی صرف پرہیزگار مسلمان ہو سکتے ہیں [بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''اَوْلِيَاؤُهُ'' کی ضمیر دونوں جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] (یعنی اولیاء اللہ صرف پرہیزگار مسلمان ہیں) ﴿ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ اور لیکن ان میں اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے گویا اس میں ان کا استثنا کیا گیا ہے جو جانتے تھے کہ وہ اس کے متولی نہیں ہو سکتے مگر بغض وعناد کی وجہ سے بہ ضد تھے یا اکثر سے تمام لوگ مراد ہیں جیسا کہ قلت سے معدوم مراد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

ع ۹/۱۸

اور خانہ کعبہ کے پاس ان کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہوا کرتی تھی' سو تم عذاب چکھو یہ بدلا ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے ○ بے شک جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں' اور وہ عنقریب اور خرچ کریں گے' پھر وہی ان پر پشیمانی کا باعث بن جائے گا' پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے' اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ○ تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ دے اور اس کا ایک ڈھیر بنا دے' پھر اس ڈھیر کو دوزخ میں ڈال دے' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

۳۵- ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً﴾ اور بیت اللہ شریف کے پاس ان کی نماز نہیں ہوتی تھی مگر سیٹیاں بجانا جیسے ''مُکَآء'' کی آواز ہوتی ہے اور یہ ایک پرندہ ہے جس کی آواز سیٹی کی طرح نکلتی ہے [اور یہ فُعَال کے وزن پر ہے ''مَکَایَمْکُوْ'' سے ماخوذ ہے جب کوئی سیٹی بجاتا ہے] ﴿وَتَصْدِيَةً﴾ اور تالی بجانا [یہ ''تَـفْعِلَة'' کے وزن پر ''صدی'' سے ماخوذ ہے] اور یہ اس لیے کہ مشرکین عرب مرد اور عورت سب ننگے ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ پنجہ ملا کر طواف کے دوران سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نماز میں قراءت شروع کرتے تو یہ لوگ اسی طرح آپ کے اردگرد سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے اور یہ لوگ آپ کی نماز میں خلل انداز ہوتے تھے ﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ سو تم بدر کے دن قید ہونے اور قتل ہونے کا عذاب چکھو ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے یعنی تم اپنے کفر کے سبب عذاب کا مزہ چکھو۔

۳۶- شانِ نزول: اور یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے دن لشکرِ کفار کو کھانا کھلایا تھا اور یہ دس آدمی تھے اور سب کے سب قریش میں سے تھے اور ان میں سے ہر شخص روزانہ دس اونٹ ذبح کر کے کھانا کھلاتا تھا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اپنے مال خرچ کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکیں یعنی مال خرچ کرنے سے ان کی غرض و غایت صرف (سرکار دو عالم حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے لوگوں کو روکنا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی راہ ہے ﴿فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً﴾ سو اب عنقریب وہ اپنا مال خرچ کریں گے' پھر یہ خرچ کرنا ان پر پچھتاوا بن جائے گا' یعنی پھر اس خرچ کرنے کا انجام ندامت و افسوس ہو گا تو گویا وہ مال بذاتِ خود ندامت کا باعث بن جائے گا اور حسرت و غم میں بدل جائے گا ﴿ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾ پھر آخر کار وہ مغلوب ہو جائیں گے اور یہ نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے وقوع سے پہلے خبر دے دی تھی' پھر آپ نے جیسے خبر دی ویسے ہوا ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور ان میں سے جو کافر ہیں ﴿إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ ان کو جمع کر کے دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا اس لیے کہ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کا اسلام خوب رہا۔

۳۷- ﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے' یعنی کفار کے ناپاک گروہ کو مسلمانوں کے پاک گروہ سے الگ کر دے [''لِـيَـمِيْزَ'' میں لام ''يُـحْشَرُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''لِيُمَيِّزَ'' (پہلی یا مفتوح کی بجائے مضموم اور دوسری یا ساکن کی بجائے مشدد ہے اور باب تفعیل سے) ہے] ﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کفار کے ناپاک گروہ کو ایک دوسرے کے اوپر تلے کر دے گا ﴿فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا﴾ اور ان سب کو جمع کر کے ڈھیر بنا دے گا ﴿فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ﴾ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے گا ﴿أُولَٰئِكَ﴾ خبیث فریق کی طرف اشارہ ہے یعنی کفار کا یہی ناپاک گروہ ﴿هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ ہی اپنے آپ کو اور اپنے مال کو نقصان میں ڈالنے والا ہے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ

الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۴۰﴾

اے محبوب! کافروں سے فرما دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو معاف کر دیا جائے گا' اور اگر پھر وہی کریں گے تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہےO اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے' پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہےO اور اگر پھر جائیں تو خوب جان لو بے شک اللہ تمہارا کارساز ہے' وہ بہت اچھا کارساز ہے اور وہ بہت اچھا مددگار ہےO

کفارِ مکہ کو تنبیہ' مالِ غنیمت کی تقسیم اور غزوۂ بدر میں فوجوں کا محلِ وقوع

۳۸- ﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا﴾ اے محبوب! کافروں سے فرما دیجئے یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے فرما دیں کہ ﴿اِنْ یَّنْتَهُوْا﴾ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے اور ان سے جنگ کرنے سے باز آ جائیں جس پر اب تک قائم تھے اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو ﴿یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ جو عداوت و دشمنی گزر چکی اس کو بخش دیا جائے گا ﴿وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا﴾ اور اگر وہ دوبارہ جنگ کی طرف لوٹیں گے ﴿فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے کہ ان کے کفار کو دنیا میں ہلاک کیا گیا اور آخرت میں انہیں عذاب دیا جائے گا یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کفار اپنے کفر سے باز آ جائیں اور اسلام کو قبول کر لیں تو ان کا گزشتہ کفر و شرک اور ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ مرتد جب دوبارہ اسلام قبول کرے گا تو اس پر ترک شدہ عبادات کی قضا لازم نہیں آئے گی۔

۳۹- ﴿وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ اور تم ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ ان میں شرک کا فتنہ و فساد بالکل باقی نہ رہے ﴿وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ اور سارا دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے اور باقی تمام باطل دین مٹ جائیں اور ان میں صرف اکیلا دینِ اسلام باقی رہ جائے ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ پھر اگر وہ کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے' اسلام قبول کرنے پر ان کو اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔

۴۰- ﴿وَ اِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور اگر انہوں نے ایمان قبول کرنے سے منہ پھیر لیا اور (کفر و شرک اور اسلام دشمنی سے) باز نہ آئے ﴿فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ﴾ تو خوب جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے اور وہی تمہارا ناصر و مددگار ہے' سو تم اس کی ولایت و نصرت پر بھروسا رکھو ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ وہ بہترین کارساز و مددگار ہے' وہ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا ﴿وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ﴾ اور وہ بہترین مددگار ہے وہ جس کی مدد کرتا ہے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا [اور اس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے]۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ

بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

اور تم جان لو کہ تم جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) رشتہ داروں کے لیے ہے اور یتیموں کے لیے ہے اور ناداروں کے لیے ہے اور مسافروں کے لیے ہے' اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن اپنے خاص بندے پر نازل کیا ہے جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئی تھیں' اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے O

٤١- ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ اور خوب جان لو کہ بے شک تم جو مالِ غنیمت حاصل کرو [اور اس میں ''مَا'' کا لفظ ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے اور اس کو ملا کر لکھنا جائز نہیں ہے بلکہ الگ لکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر اس کو ملا کر لکھا جائے گا تو پھر یہ ''مَا'' کافہ بن جائے گا اور ''غَنِمْتُمْ'' اس کا صلہ ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر رابطہ محذوف ہے اصل میں ''اَلَّذِیْ غَنِمْتُمُوْهُ'' ہے] ﴿مِّنْ شَیْءٍ﴾ [یہ موصول کا بیان ہے] بعض کا قول ہے کہ جو کچھ لڑائی میں حاصل ہو یہاں تک کہ تاگا' سوئی جیسی اشیاء بھی حاصل ہوں تو وہ بھی مالِ غنیمت میں شامل ہوں گی ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ پس اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے [اور یہاں اس لفظ ''مَا'' کے جواب میں ''فَا'' داخل کیا گیا ہے جو ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ''مَا'' جزا کے معنی پر مشتمل ہے اور ''اَنَّ'' اور جس میں اس نے عمل کیا ہے وہ محلاً اس بنا پر مرفوع ہیں کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہیں] جس کی تقدیر ''فَالْحُكْمُ اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ'' ہے' سو حکم یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے ﴿وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں مالِ غنیمت میں سے (چار حصے مجاہدین کے لیے اور) پانچویں حصے کو مزید پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا' ایک حصہ رسول اکرم ﷺ کے لیے اور ایک حصہ آپ کے رشتہ داروں میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لیے ہوتا تھا بنو عبد الشمس اور بنو نوفل کے لیے نہیں اور حضرت عثمان اور حضرت جبیر بن مطعم کے قصے کی بنا پر یہ حضرات نصرت و امداد کرنے اور حضور کے ساتھ دکھ سکھ میں شریک رہنے کی وجہ سے مالِ غنیمت کے مستحق قرار پائے اور باقی تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا حصہ اور اسی طرح آپ کے رشتہ داروں کا حصہ ختم ہو گیا' صرف ان کے فقراء کو فقر و غربت کی وجہ سے دیا جائے گا اور ان کے دولت مندوں کو نہیں دیا جائے گا بلکہ یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم کیا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ پانچویں حصے کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا' دو حصے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کے لیے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے (اور تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوں گے) یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا' پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام خمس (پانچویں حصے) کو تینوں (یتیموں' مسکینوں اور مسافروں) کے لیے جاری فرما دیا اور اسی طرح حضرت عمر فاروق نے اور ان کے بعد دیگر خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا اور ''اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول کے لیے'' کا مطلب صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ'' (التوبہ: ٦٢) اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ

مستحق ہے کہ وہ لوگ آپ کو راضی کریں ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر عمل کرو اور اس تقسیم پر راضی رہو کیونکہ ایمان حکم پر راضی رہنے اور علم کے مطابق عمل کو واجب و لازم کرتا ہے [﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا ﴾ "بِاللّٰهِ" پر معطوف ہے] یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نازل کردہ احکام پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے ﴿ عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ ﴾ اپنے خاص بندے پر فیصلے کے دن یعنی بدر کے دن نازل کیا ہے ﴿ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾ جس دن دو جماعتیں ٹکرائیں' ایک جماعت مسلمانوں کی تھی اور ایک جماعت کافروں کی تھی اور آپ پر نازل کیے گئے کلام سے آیات بینات اور فرشتوں کا نزول اور اس دن فتح و کامرانی کا حصول مراد ہے [اور یہ "يَوْمَ الْفُرْقَانَ" سے بدل ہے] ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر مدد پہنچا کر غالب کر دے جیسا کہ اس نے بدر کے دن تمہارے ساتھ کیا ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ (۴۲)

جب تم (میدانِ بدر میں وادی کے) نزدیکی کنارے پر تھے اور وہ (کافروں کی فوج) دور کے کنارے پر تھی' اور (ابوسفیان کا) قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم آپس میں ایک دوسرے سے وعدہ کر لیتے تو تم میعاد میں ضرور اختلاف کرتے' لیکن (بغیر وعدہ کے تم کو ایک دوسرے کے مقابل جمع کر دیا) تاکہ جو کام ہونا تھا اللہ اس کو پورا کر دے' تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے' اور بے شک اللہ خوب سننے والا' خوب جاننے والا ہے O

۴۲- ﴿ اِذْ اَنْتُمْ ﴾ [یہ "يَوْمَ الْفُرْقَانِ" سے بدل ہے] یا تقدیر عبارت یہ ہے: "اُذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ" وہ وقت یاد کرو جب تم ﴿ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ﴾ نزدیکی وادی کے کنارے پر تھے یعنی مدینہ منورہ کی سمت میں قریبی وادی کے کنارے پر تھے "عُدْوَة" کا معنی وادی کا کنارہ ہے [قاری ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں عین کے نیچے زیر ہے یعنی "بِالْعِدْوَةِ"] ﴿ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ﴾ اور وہ (کافر) مدینہ منورہ سے دور (مکہ معظمہ کی جانب) وادی کے کنارے پر تھے ["قُصْوٰى"، "اَقْصٰى" کی تانیث ہے اور یہ فعل واؤ کی جنس سے ہے اور قانون وقیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی واؤ کو "یا" سے تبدیل کیا جاتا جیسے "عُلْيَا"، "اَعْلٰى" کی تانیث ہے لیکن "قُصوىٰ" کو "قود" کی طرح اصل پر چھوڑ دیا گیا ہے ﴿ وَالرَّكْبُ ﴾ اور اونٹوں کے سوار یعنی ابوسفیان کا قافلہ ["رَكْبٌ"، "رَاكِبٌ" کی جمع ہے (جیسے "صَاحِبٌ" کی جمع مکسر "صَحْبٌ" آتی ہے)] ﴿ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ [ظرف کی بنا پر منصوب ہے] یعنی وہ قافلہ تمہاری جگہ سے نیچے کی جگہ پر تھا یعنی یہ قافلہ صرف تین میل کے فاصلے پر وادی کے نشیب میں سے گزرا [اور یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے] ﴿ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ ﴾ اور اگر تم اور اہل مکہ آپس میں وعدہ کر لیتے اور ایک مقررہ وقت پر اور مقررہ جگہ پر لڑنے کے لیے تم ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ﴿ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ﴾ تو وعدہ میں تم ضرور مختلف ہو جاتے کہ تم ایک دوسرے کے

مخالف ہو جاتے اور تمہاری قلت اور ان کی کثرت تمہیں وعدہ پورا کرنے سے روک دیتی اور رسول اللہ ﷺ کا اور مسلمانوں کا رعب اور خوف جو ان کے دلوں میں ڈال دیا گیا تھا وہ انہیں جنگ کرنے اور وعدہ پورا کرنے سے روک دیتا تو اس طرح تم کبھی لڑائی کے لیے اکٹھے نہ ہوتے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عنایت کی تھی اور آپ کے لیے سبب بنا دیا تھا ﴿وَلٰكِنْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ کے بغیر ایک جگہ جمع کر دیا اور تمہیں آپس میں لڑا دیا ﴿لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ تاکہ جو کام ہونا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دے یعنی اپنے دین کو عزت و سر بلندی اور غلبہ عطا فرما دے اور اپنے کلمۂ حق کو بلند و بالا کر دے [یا اس کا لام محذوف کے ساتھ متعلق ہے ''اَیْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ يَنْبَغِيْ اَنْ يُّفْعَلَ''] یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جس کا کرنا مناسب ہے اور وہ اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور اپنے دشمنوں کو جڑ سمیت مقہور و ہلاک کرنا ہے۔ حضرت شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قضا فیصلے کے معنی کا احتمال بھی رکھتا ہے یعنی تاکہ جس کام کا ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا ہے وہ اس کا فیصلہ فرما دے یا یہ کہ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے جس کے کرنے کا وہ ارادہ فرما چکا ہے اور وہ جس کے ہونے کا ارادہ فرما چکا تو وہ ضرور ہر حال میں ہو کر رہے گا اور وہ ہے اسلام اور اہل اسلام کو عزت و غلبہ عطا کرنا اور کفر اور اہل کفر کو ذلیل و رسوا اور مغلوب کرنا [اور یہ ''یَقْضِیَ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے یعنی تاکہ جس نے کفر اختیار کیا ہے اس کا کفر واضح دلیل کے ذریعے ظاہر ہو جائے' اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے یہاں تک کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور تاکہ جس نے اسلام قبول کر لیا ہے اس کا اسلام بھی یقینِ محکم اور علمِ کامل کے ساتھ ظاہر ہو جائے کہ بے شک یہی اسلام ہی برحق دین ہے جس میں داخل ہونا اور اس کے ساتھ وابستہ رہنا واجب و لازم ہے اور یہ اس لیے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ حقانیت اسلام کے روشن دلائل میں سے ایک واضح اور روشن دلیل ہے کہ جس کے بعد جو شخص کفر پر اڑا رہا وہ تکبر و سرکشی کرنے والا اور اپنے آپ کو مغالطے میں ڈالنے والا ہے اور اس لیے کہ اس واقعہ میں فریقین کے مراکز کا ذکر کر دیا گیا ہے اور یہ کہ قافلہ ان سے نشیب کی جانب تھا اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ بے شک انہوں نے ان تمام چیزوں کو مشاہدہ کر کے جان لیا تھا تاکہ تمام مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ بے شک نصرت و مدد اور غلبہ و فتح فوجی تعداد کی کثرت اور دنیاوی اسباب پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر موقوف ہے اور یہ کہ ''عدوة قصوىٰ'' وہ جگہ تھی جہاں مشرکین نے اپنے اونٹوں کو بٹھایا تھا اور وہیں خیمے لگائے تھے' اس وادی میں پانی بہ کثرت موجود تھا اور اس حصے کی زمین پکی اور مضبوط تھی' اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں تھی اور جب کہ ''عدوة دنیا'' (وہ وادی ہے جہاں مسلمانوں نے خیمے نصب کیے تھے) جس میں پانی کا نام و نشان نہیں تھا اور یہ وادی ریتلی زمین پر مشتمل تھی جس میں پاؤں دھنس جاتے تھے اور اس میں چلا نہیں جاتا تھا مگر نہایت محنت و مشقت اور دشواری کے ساتھ اور قافلہ دشمن کے پسِ پشت موجود تھا اور ان کی تعداد اور تیاری زیادہ تھی اور مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی' نیز مسلمان بہت کمزور تھے' پھر بھی جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ وہ کافر کے کفر کو اور اس کے عذاب کو' نیز ایمان لانے والے کے ایمان اور اس کے اجر و ثواب کو خوب جاننے والا ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

وَ اِذۡ یُرِیۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِكُمۡ قَلِیۡلًا وَّ یُقَلِّلُكُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَ اذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِیۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۴۵﴾ ج

جب اللہ نے آپ کو آپ کے خواب میں انہیں کم کر کے دکھایا' اور اگر وہ انہیں زیادہ کر کے آپ کو دکھا دیتا تو (مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار دیتے اور تم اس معاملے میں آپس میں ضرور جھگڑتے لیکن اللہ نے بچالیا' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اور جب اس نے تمہاری نظروں میں ان کو کم کر کے دکھایا جب کہ تم جنگ کرنے لگے تھے اور تمہیں ان کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تا کہ جو کام ہونا تھا اللہ اس کو پورا کر دے' اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے O اے ایمان والو! جب تم کفار کی فوج سے جنگ کرو تو ثابت قدم رہو اور تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ O

۴۳- ﴿اِذۡ یُرِیۡكَهُمُ اللّٰهُ﴾ [یہ "اُذۡكُرۡ" پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ ارشادِ باری تعالیٰ "لَسَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی اللہ تعالیٰ تمام مصلحتوں کو خوب جانتا ہے' اس لیے اس نے کافروں کو آپ کی نگاہ میں کم کر کے دکھایا ﴿فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلًا﴾ یعنی آپ کے خواب میں تھوڑا کر دیا اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے خواب میں کافروں کی فوجی تعداد کو کم کر کے دکھایا تھا' چنانچہ آپ نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام کو بتایا جس سے ان کے دلوں میں دشمن کے خلاف شجاعت و بہادری کا جذبہ موجزن ہو گیا ﴿وَلَوۡ اَرٰىكَهُمۡ كَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ کر کے آپ کو دکھاتا تو اے مسلمانو! تم (حضور کے خواب سنانے پر) ہمت ہار جاتے اور بزدل ہو جاتے اور تمہارے قدم ڈگمگا جاتے ﴿وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ﴾ اور تم جنگ کے معاملے میں جھگڑ پڑتے اور تم تردّد اور شک و شبہ میں پڑ جاتے کہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھائی جائے یا راہِ فرار اختیار کی جائے ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا اور بزدلی دکھانے اور باہم جھگڑنے اور اختلاف کرنے سے سلامتی عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے تم پر بہت بڑا انعام و احسان فرمایا ﴿اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے' وہ جانتا ہے عنقریب کون جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرے گا اور کون بزدلی دکھائے گا اور کون صبر کرے گا اور کون جزع وفزع کرے گا۔

۴۴- ﴿وَاِذۡ یُرِیۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِكُمۡ قَلِیۡلًا﴾ اور جب تم ایک دوسرے سے لڑائی کے لیے باہم ملے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہاری نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھایا اور کافروں کو مسلمانوں کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے اس لیے دکھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے خواب کی تصدیق ہو جائے اور تا کہ مسلمان اس چیز کا خود مشاہدہ کر لیں جس کی حضور نے انہیں خبر سنائی تھی اور ان کا یقین زیادہ ہو جائے اور وہ لڑائی کے لیے خوب کوشش کریں اور کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک کفار ہماری نگاہوں میں بہت تھوڑے کر کے دکھائے گئے حتیٰ کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے آدمی سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ کفار کے ستر آدمی ہوں گے؟ اس نے جواب میں

کہا کہ میرا خیال ہے وہ ایک سو آدمی ہوں گے حالانکہ وہ ایک ہزار آدمی ہے [اور "یُرِیْکُمُوْھُمْ" میں دونوں ضمیریں ("کُمْ" اور "ھُمْ") مفعول واقع ہو رہے ہیں اور "فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا" حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے] ﴿وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ﴾ اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دکھایا حتیٰ کہ ان میں سے ایک کہنے والے (ابوجہل) نے کہا کہ بے شک مسلمان اتنے تھوڑے ہیں کہ وہ ایک اونٹ کا گوشت کھا کر سیر ہو جائیں گے (یعنی گنتی کے چند افراد ہیں)' بعض نے کہا کہ لڑائی سے پہلے مسلمانوں کو کافروں کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا گیا' پھر اس کے بعد مسلمانوں کو زیادہ کر کے دکھایا گیا تھا تا کہ کفار ان کو تھوڑا سمجھ کر ان پر حملہ کرنے کی جرأت کریں' پھر لڑائی کے دوران اچانک مسلمانوں کو زیادہ کر کے دکھایا تا کہ کفار مبہوت و پریشان ہو جائیں اور خوف زدہ ہو جائیں اور ممکن ہے کہ وہ زیادہ کو تھوڑا دیکھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کو پردہ حائل کر کے ان کی نگاہوں سے مستور کر دیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں کوئی ایسی چیز پیدا کر دی ہو جس سے وہ کثیر کو قلیل دیکھتے ہوں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کانے آدمی کی آنکھوں میں کوئی چیز پیدا کر دی ہے جس سے وہ ایک کو دو دیکھتا ہے اور ان کے بعض کے لیے کہا جاتا ہے کہ کانا آدمی ایک کو دو دیکھتا ہے اور اس کے سامنے ایک مرغ ہوتا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے کیا ہوا کہ میں ان دو مرغوں کو چار نہیں دیکھ رہا ﴿لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ تا کہ جو کام ہونا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پورا کر دے اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے' سو اللہ تعالیٰ جو چاہے گا ان میں فیصلہ فرما دے گا [قاری ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "تَـرْجِعُ" (تا پر پیش کی بجائے زبر اور جیم کے نیچے زیر) ہے]۔

جہاد کی فضیلت اور اس کے احکام اور کفار کا انجام

۴۵- ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً﴾ اے ایمان والو! جب تم کفار کی جماعت سے جنگ کرو [اور یہاں "فِئَةً" کی صفت (کَفَرَةً) کو ترک کر دیا گیا ہے] کیونکہ مسلمان صرف کافروں ہی سے جنگ کیا کرتے تھے [اور "لِقَاء" پر ("لَقِیْتُمْ" کا مصدر ہے جس کا معنی ملنا ہے لیکن یہ اکثر و بیشتر جنگ کے لیے استعمال ہونے کی وجہ سے) قتال کا اسم غالب ہو گیا ہے] ﴿فَاثْبُتُوْا﴾ تو ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ثابت قدم رہو اور ڈٹ کر مقابلہ کرو اور راہِ فرار اختیار نہ کرو ﴿وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو جنگ کے مقامات میں کثرت سے یاد کیا کرو اور اس کے ذکر کی بدولت غلبہ حاصل کرو اور اس سے مدد چاہو اور اپنے دشمن کے خلاف اس سے دعا کرو کہ "اَللّٰهُمَّ اخْذُلْهُمْ' اَللّٰهُمَّ اقْطَعْ دَابِرَهُمْ" اے اللہ! ان کو شکست دے کر رسوا کر' اے اللہ! ان کو جڑ سمیت کاٹ کر ختم کر دے ﴿لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تا کہ تم فتح و نصرت اور اجر و ثواب کی مراد میں کامیاب و کامران ہو جاؤ اور اس میں آگاہ کیا گیا ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کوتاہی نہ کرے اور نہ اس سے غافل ہو بلکہ آدمی کا دل سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور سب سے زیادہ مقصود ذکرِ الٰہی ہونا چاہیے اور اس کی ذات اور اس کی روح اسی کی خاطر مجتمع و متفق رہے اور اگر چہ اس کے غیر سے مختلف و متفرق ہو۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاوا کرتے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے' اور اللہ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے O

۴۶۔ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور تم جہاد کے معاملے میں اور دشمن کے مقابلے میں اور ثابت قدم رہنے میں اور دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کے حکم پر چلو ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا﴾ اور تم آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے [اور یہ ''اَنْ'' مضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے منصوب ہے] اور اس کی دلیل (درج ذیل جملہ یعنی) ﴿وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ ہے ''اَیْ دَوْلَتُكُمْ'' یعنی تمہاری شان و شوکت اور حکمرانی چلی جائے گی اور ''هَبَّتْ رِيَاحُ فُلَانٍ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کے حق میں سلطنت پلٹ جائے اور اس کا حکم نافذ و جاری ہو جائے اور سلطنت کو اس کے حکم کے نافذ ہونے اور اس کے جاری ہونے کو ہوا کے چلنے اور اس کے جاری ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی' مگر ایسی ہوا کے ساتھ جس کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے (جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر ایسی تیز آندھی چلی کہ کافروں کے خیمے اکھڑ کر گر پڑے' ان کی ہانڈیاں الٹ پلٹ ہو کر اوندھی گر پڑیں' کافر بھاگنے پر مجبور ہو گئے) اور حدیث شریف میں ہے کہ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:) ''نُصِرْتُ بِالصَّبَا'' میری بادِ صبا (مشرق سے چلنے والی ہوا) سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور (مغرب سے چلنے والی ہوا) سے ہلاک کیا گیا[1] ﴿وَاصْبِرُوْا﴾ دشمن وغیرہ کے ساتھ جنگ میں صبر سے کام لو ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' اَیْ مُعِيْنُهُمْ وَحَافِظُهُمْ'' یعنی ان کی مدد کرنے والا ہے اور ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔

۴۷۔ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلاوے کے لیے نکلے تھے۔ یہ لوگ اہل مکہ تھے جو ابوسفیان کے قافلے کی حمایت میں نکلے' پھر جب ابوسفیان کا قاصد ان کے پاس آن پہنچا اور کہا کہ تم واپس لوٹ چلو کیونکہ تمہارا قافلہ صحیح سلامت بچ نکلا ہے تو ابوجہل نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم بدر کے مقام تک جائیں گے اور وہاں ہم شرابیں پئیں گے اور ہم اونٹ ذبح کر کے دعوت کریں گے اور بہترین گانے والیوں کے گانے سنیں گے اور ہم اہل عرب کو کھانا کھلائیں گے' سو یہی ان کا اترانا اور تکبر و غرور تھا اور لوگوں کو کھانا کھلانا دکھلاوے کے لیے تھا' بہر حال انہوں نے اس کو پورا کیا' بدر میں پہنچے مگر شراب کی جگہ انہیں موت کے پیالے پلائے گئے اور گانے والیوں کی جگہ نوحہ کرنے والیوں نے ان کی موت پر نوحہ کیا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی طرح ہونے اور اترانے اور بے جا خوش ہونے اور اپنے اعمال کا دکھلاوا کرنے سے منع کیا اور انہیں پرہیزگاروں سے ہونے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے غمگین و رنجیدہ رہنے اور محض اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اعمال خالص کرنے کی تلقین فرمائی اور اس آیت مبارکہ میں لفظ ''بَطَر'' کا معنی ہے کہ انسان کو نعمتوں کی کثرت ان پر شکر ادا کرنے سے

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۳۲۴' البخاری: ۱۰۳۵' مسلم: ۹۰۰

غافل کر دیتی ہے ﴿ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے (لوگوں کو) روکتے تھے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴾ اور وہ لوگ جو عمل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خوب جاننے والا ہے اور یہ وعید اور سخت دھمکی ہے۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾

ع ۴

اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے آراستہ کر دیا اور اس نے کہا کہ لوگوں میں سے کوئی آج کے دن تم پر غالب نہیں آئے گا اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں' پھر جب دونوں لشکر آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو شیطان اپنے الٹے پاؤں بھاگا اور کہا کہ میں یقیناً تم سے بَری ہوں' بے شک میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے' بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں' اور اللہ بہت سخت عذاب دینے والا ہے O جب منافقین نے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا کہا کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے' اور جو شخص اللہ پر بھروسا رکھتا ہے تو بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے O

۴۸- ﴿ وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ ﴾ اور یاد کیجئے جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ آج لوگوں میں سے کوئی شخص تم پر غالب نہیں آئے گا' اصل میں ''وَاذْكُرْ اِذْ زَیَّنَ لَهُمْ'' ہے اور ان کے اعمال سے وہ اعمال مراد ہیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں کیے تھے اور شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا تھا کہ وہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے [اور ''غَالِبَ'' مبنی ہے جیسے ''لَا رَجُلَ'' (مبنی بر فتح) ہے اور ''لَكُمْ'' محلاً مرفوع ہے کہ یہ ''لَا'' کی خبر ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''لَا غَالِبَ كَائِنٌ لَكُمْ''] ﴿ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ﴾ اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں ''اَیْ مُجِیْرٌ لَكُمْ'' یعنی میں تمہیں بچانے والا اور حفاظت کرنے والا ہوں یا یہ کہ شیطان نے ان کے ذہنوں میں یہ وہم پیدا کر دیا کہ شیطان کی اطاعت و فرماں برداری ان چیزوں میں سے ہے جو انہیں شکست سے بچا لیں گی ﴿ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ ﴾ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں ﴿ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ ﴾ تو شیطان الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا یعنی قہقری دوڑ لگا دی (کہ چہرہ اور چھاتی دشمن کی طرف رہی اور الٹے پاؤں بھاگا) ﴿ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ ﴾ اور کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں یعنی میں نے تمہیں جو امان کی ضمانت دی تھی اس سے میں نے رجوع کر لیا ہے۔ مروی ہے کہ ابلیس لعین سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں متشکل ہو کر لشکرِ کفار میں شریک ہوا' شیطان کے پاس جھنڈا بھی تھا لیکن جب اس نے فرشتوں کو اترتے دیکھا تو بھاگنے لگا اور حارث بن ہشام نے اس سے کہا کہ کیا تو ہمیں اس حالت میں رسوا کر کے چھوڑ دے گا تو شیطان نے کہا: ﴿ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ ﴾ بے شک جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یعنی فرشتوں کو اترتا ہوا وہ تم نہیں دیکھ رہے' چنانچہ جب کفار

شکست کھا کر واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے کہا کہ سراقہ بن مالک کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شکست ہوئی ہے' پھر جب یہ خبر سراقہ تک پہنچی تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تو تمہارے سفر تک کا علم نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ جنگ کے بعد تمہاری شکست کی خبر مجھ تک آن پہنچی' پھر جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہیں معلوم ہوا کہ اس روز سراقہ نہیں شیطان تھا ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں ''اَیْ عُقُوْبَتَهٗ'' یعنی میں اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

۴۹-(اے مسلمانو!) یاد کرو ﴿اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جب مدینہ منورہ میں منافقین کہنے لگے: ﴿وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور وہ لوگ (کہنے لگے:) جن کے دلوں میں مرض تھا۔ یہ منافقین کی صفت ہے یا پھر اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کنارے پر تھے اسلام میں ثابت قدم نہیں تھے ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ﴾ ان کے دین نے انہیں مغرور کر دیا ہے۔ کہنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ وہ تین سو تیرہ ہو کر ایک ہزار کے لشکر کے مقابلے میں نکل کھڑے ہوئے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ ﴿وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسا کرتے ہیں (جیسا کہ ان تین سو تیرہ مجاہدین نے کیا) اور اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیتے ہیں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے وہ کمزور اور قلیل جماعت کو طاقت ور اور کثیر جماعت پر مسلط و غالب کر دیتا ہے ﴿حَکِیْمٌ﴾ وہ بڑی حکمت والا اور زبردست دانا ہے' وہ اپنے دوستوں اور اپنے دشمنوں کے درمیان برابر سلوک نہیں کرتا (بلکہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کر کے انہیں کامیاب کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو ناکام کر دیتا ہے)۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۙ ﴿۵۳﴾

اور اگر آپ دیکھ لیتے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں کہ وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہیں' اور (کہتے ہیں کہ) جلانے والا عذاب چکھو O یہ تمہارے ان اعمال کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے O ان کا طریقہ کار بھی ویسا ہی ہے جیسا فرعونیوں' اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا' کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا' بے شک اللہ بڑا طاقت ور' سخت عذاب دینے والا ہے O یہ اس لیے کہ بے شک اللہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو بدلنے والا نہیں جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہیں بدلتے' اور بے شک اللہ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے O

۵۰۔﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىِٕكَةُ ﴾ اور اگر آپ دیکھ لیتے اور مشاہدہ کر لیتے جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں[''تَـرٰی'' فعل ماضی کے معنی میں ہے کیونکہ حرف ''لَـوْ'' فعل مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسا کہ حرف شرط ''اِنْ'' فعل ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اور ''اِذْ'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے اور ''اَلْمَلٰٓئِکَةُ'' ''یَتَـوَفّٰی'' کا فاعل ہے]﴿ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴾ جب یہ کفار سامنے آتے تو فرشتے ان کے چہروں پر گرز مارتے تھے او جب یہ لوگ پشت کر کے چلتے تو فرشتے ان کی پشتوں اور ان کی پیٹھوں پر گرز مارتے تھے' یا یہ معنی ہے کہ کفار کی پیش قدمی کے وقت فرشتے ان کے چہروں پر مارتے اور ان کی ہزیمت وشکست کے وقت فرشتے ان کی پیٹھوں پر مارتے تھے اور یہ کلام اپنے سابق کلام کا حال واقع ہوا ہے[اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یَتَوَفّٰی'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور ''اَلْمَلٰٓئِکَةُ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''یَـضْـرِبُوْنَ'' اس کی خبر ہے](اور اب ترجمہ یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کفار کی روحیں قبض فرماتا اس وقت فرشتے اُن کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے تھے) لیکن پہلی وجہ درست ہے کیونکہ کفار اس بات کے مستحق نہیں کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ خود براہِ راست ان کی ارواح قبض فرمائے[اس کی دلیل ابن عامر شامی کی ''تَـا'' کے ساتھ ''تَتَـوَفّٰـی'' قراءت ہے]﴿ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴾ اور فرشتے کفار سے کہتے ہیں: جلانے والا عذاب چکھو یعنی دوزخ کی آگ کے عذاب سے پہلے یہ (مار مارنے کا عذاب) چکھو یا یہ کہ آخرت کا عذاب چکھو' یہ ان کو بشارت ہے یا قیامت کے روز ان سے کہا جائے گا کہ اب جلانے والا عذاب چکھو[اور حرفِ ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے]''اَیْ لَـرَاَیْـتَ اَمْـرًا فَظِیْعًا'' یعنی (اگر آپ کفار کی ارواح قبض ہوتے دیکھ لیتے تو) ضرور انتہائی ڈراؤنا منظر دیکھتے۔

۵۱۔﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ ﴾ یہ عذاب ان اعمال کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں ''قَدَّمَتْ'' کا معنی ''کَسَبَتْ'' ہے یعنی تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور اس آیتِ مبارکہ سے جبریہ فرقے کی تردید ہو گئی (جن کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے خود کچھ نہیں کر سکتا) اور یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے ہے (کہ اس نے خود براہِ راست کافروں سے کلام کیا) یا پھر یہ فرشتوں کے کلام میں سے ہے (کہ انہوں نے کفار کی ارواح قبض کرتے وقت یہ کلام کیا یا یہ قیامت کے روز خود اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے یہ کلام کریں گے)[اور ''ذٰلِكَ'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ'' اس کی خبر ہے اور ﴿ وَ اَنَّ اللّٰهَ ﴾ اس پر معطوف ہے] یعنی انہیں بتایا گیا ہے کہ اس عذاب کے دو سبب ہیں (ایک یہ کہ) تمہارا کفر و شرک کرنا (اور دوسرا یہ کہ) تمہارا نافرمانی و گناہ کرنا اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴾ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ کفار کو عذاب دینا عدل ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''ظَـلَّـام'' ''عَبِـیْـد'' کی وجہ سے کثرت کے معنی میں ہے (کیونکہ ''عبید'' کثرت کا معنی دیتا ہے) یا پھر ظلم کی تمام اقسام کی نفی کے لیے ہے۔

۵۲۔﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾[اس میں کاف محلًا مرفوع ہے]''اَیْ دَاْبُ هٰـؤُلَآءِ مِثْـلُ دَاْبِ آلِ فِرْعَوْنَ'' یعنی ان کفار کی عادت وطریقہ آلِ فرعون کی عادت وطریقہ کی طرح ہے اور ''دَاْبُهُـمْ'' کا معنی ہے: ان کی عادت اور ان کا وہ عمل اور رویہ جس پر وہ قائم رہے یعنی جس روش پر وہ ہمیشہ چلتے رہے ﴿ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور وہ لوگ جو قریش سے پہلے ہوئے یا وہ لوگ مراد ہیں جو فرعونیوں سے پہلے ہوئے ﴿ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا' یہ آلِ فرعون کے طریقہ کی تفسیر ہے ﴿ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا' بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ لوگ جھٹلانے میں انہیں کی عادت پر چلے تو ان پر اسی طرح کی سزا جاری کی گئی جس طرح ان پر سزا جاری کی گئی تھی۔

۵۳۔﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ عذاب یا انتقام ﴿ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ اس وجہ سے ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کوئی نعمت دے کر اس کو بدلنے والا نہیں' یہاں تک کہ وہ اپنی حالت کو خود تبدیل کر دیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لیے یہ صحیح اور مناسب نہیں کہ وہ کسی قوم کو کوئی نعمت عطا فرما کر تبدیل کر دے جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو تبدیل نہیں کر دیتی' ہاں! البتہ آلِ فرعون اور مشرکینِ مکہ کا حال ناپسندیدہ تھا' پھر انہوں نے اس کو غضب ناک حال میں تبدیل کر دیا لیکن جس طرح پسندیدہ حال کو ناپسندیدہ حال میں تبدیل کیا گیا' اسی طرح انہوں نے غضب ناک حال کو اغضب ناک (یعنی بہت زیادہ غضب ناک) حال میں تبدیل کر دیا اور یہ لوگ رسول اکرم کی بعثت و تشریف آوری سے پہلے کافر و بت پرست تھے' پھر جب آپ کو آیاتِ الٰہی دے کر ان کی طرف بھیجا گیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے قتل کے درپے ہوئے' اس طرح انہوں نے اپنے حال کو پہلے سے زیادہ بُرے حال میں تبدیل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت کی جو نعمت دی تھی اس کو تبدیل کر دیا اور ان کو جلدی عذاب میں گرفتار کر لیا ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ رسولوں کو جھٹلانے والوں کی باتوں کو خوب سننے والا ہے ﴿ عَلِیْمٌ ﴾ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کو خوب جاننے والا ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

جیسے فرعونیوں' اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا اور ہم نے فرعونیوں کو غرق کر دیا' اور وہ تمام لوگ ظالم تھے O بے شک اللہ کے نزدیک تمام جانداروں میں بدترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے O جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے O تو اگر آپ ان کو لڑائی پر پائیں تو ان کے ساتھ ان کے پچھلے کافروں کو بھی بھگا دیں تا کہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کریں O

۵۴۔﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ جیسے آلِ فرعون کا حال ہوا' [یہ تاکید کے لیے تکرار ہے] یا اس لیے کہ پہلے میں ہلاکت کے بیان کے بغیر صرف گناہوں پر پکڑ کا ذکر تھا اور یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گناہوں پر پکڑ ہی ہلاکت اور ان کا خاتمہ کرنا تھا ﴿ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے ﴿ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا اور ارشادِ باری تعالیٰ "بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ" میں حق کے انکار اور کفرانِ نعمت پر زیادہ دلالت ہے ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ﴾ سو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعونیوں کو سمندر کے پانی میں ڈبو دیا ﴿ وَكُلٌّ ﴾ اور وہ سب غرق ہونے والے فرعونی بھی اور قتل ہونے والے قریشِ مکہ بھی ﴿ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴾ کفر و شرک اور نافرمانیوں اور

گناہوں کی وجہ سے اپنے آپ پرظلم کرنے والے تھے۔

۵۵۔ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا' سو وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی جنہوں نے کفر پر اصرار کیا تو ان سے ایمان کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

۵٦۔ ﴿اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ﴾ [یہ ''اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا'' سے بدل ہے] یعنی کافروں میں سے جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بدترین جاندار قرار دیا کیونکہ انسانوں میں بدترین کفار ہیں اور کفار میں بدترین کفر پر اصرار کرنے والے ہیں اور اصرار کرنے والے کافروں میں بدترین عہد کو توڑنے والے ہیں ﴿ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ﴾ پھر وہ ہر بار اپنے ہر عہد کو توڑ دیتے ہیں ﴿وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ عہد شکنی کے انجام سے نہیں ڈرتے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس صورت میں انہیں شرم و عار اور دوزخ کی آگ کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۵۷۔ ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ﴾ پس اگر آپ ان کو جنگ میں اپنے مقابلے میں پائیں اور ان پر فتح حاصل کر لیں ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ تو آپ ان کو بُری طرح قتل کر کے ان کافروں کو جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے سے دور بھگا دیں جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں تا کہ وہ ان کی سزا سے عبرت حاصل کریں اور ان کے بعد آپ پر حملہ کرنے کی جسارت و جرأت نہ کر سکیں اور ان کے حال سے نصیحت حاصل کریں اور زجاج نے کہا کہ آپ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں جس کی وجہ سے ان کی جماعت متفرق و منتشر ہو جائے اور اس عمل کے ذریعے ان کے علاوہ گھروں میں پیچھے رہ جانے والوں کو دور پھینک دیں ﴿لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ﴾ ممکن ہے ان کافروں کے پیچھے گھروں میں رہنے والے بھگائے جانے کی وجہ سے نصیحت حاصل کریں (اور حملہ کی جسارت نہ کریں)۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور اگر آپ کو کسی قوم سے دھوکہ دینے کا خطرہ ہو تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے تا کہ معاملہ برابر ہو جائے' بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا O اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ کر نکل گئے ہیں' بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے O

۵۸۔ ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً﴾ اور اگر معاہدہ کرنے والی قوم کے اطوار اور ارادوں سے عہد شکنی کرنے کا اندیشہ ظاہر ہو جائے ﴿فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ﴾ تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے ﴿عَلٰی سَوَآءٍ﴾ کہ عہد شکنی کا علم آپ کی طرف سے اور ان کی طرف سے برابر ہو جائے [اور یہ عہد پھینکنے والے اور جن کی طرف عہد پھینکا گیا ان سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی دراں حالیکہ عہد شکنی کا علم برابر حاصل ہو جائے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں اور عہد توڑنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۵۹۔ ﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا﴾ اور جنہوں نے کفر کیا ہے' وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ کر نکل گئے اب قابو میں نہیں آئیں گے کہ مسلمان ان کو پکڑنے سے چوک گئے اور وہ لوگ چھوٹ گئے اور ان کو گرفتار کرنے میں فتح و کامیابی

حاصل نہیں کی جا سکی [ابن عامر شامی حمزہ یزید اور امام حفص کی قراءت میں ''یَا'' اور سین مفتوح کے ساتھ ''وَلَا یَحْسَبَنَّ'' ہے جب کہ ابوبکر کی قراءت میں ''تَا'' اور سین کے مفتوح کے ساتھ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ'' ہے اور باقی قراء کی قراءت میں ''تَا'' اور سین مکسور کے ساتھ ''وَلَا تَحْسِبَنَّ'' ہے] ﴿اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ﴾ بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے کیونکہ وہ بچ نہیں سکیں گے اور نہ وہ اپنے تعاقب کرنے والوں کو گرفتار کرنے سے عاجز پائیں گے [ابن عامر شامی کی قراءت میں (الف مفتوح کے ساتھ) ''اَنَّهُمْ'' ہے اصل میں ''لِاَنَّهُمْ'' ہے اور مکسور اور مفتوح میں سے ہر ایک تعلیل کے لیے ہوتا ہے مگر ''اِنَّ'' مفتوحہ استئناف (نئے اور الگ جملے) کے لیے آتا ہے اور مفتوح میں تعلیل واضح ہوتی ہے پھر جس نے ''تَا'' کے ساتھ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ'' قراءت کی اس کے مطابق ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پہلا مفعول ہے اور ''سَبَقُوْا'' دوسرا مفعول ہے اور جس کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ہے تو اس صورت میں ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' فاعل ہے اور ''سَبَقُوْا'' مفعول ہے اور اس کی تقدیر ''اَنْ سَبَقُوْا'' ہے پھر ''اَنْ'' کو حذف کر دیا گیا اور یہ ''اَنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے اصل میں ''اَنَّهُمْ سَبَقُوْا'' تھا پھر اس کو دو مفعولوں کے قائم مقام کیا گیا یا پھر فاعل پوشیدہ (مضمر) ہے]''اَیْ وَلَا يَحْسَبَنَّ مُحَمَّدٌ الْكَافِرِيْنَ سَابِقِيْنَ'' یعنی اور (حضرت) محمد (ﷺ) کافروں کے متعلق یہ خیال نہ فرمائیں کہ وہ بچ کر نکل گئے ہیں [اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ ''یَا'' کے ساتھ قراءت میں حمزہ منفرد ہے تو یہ درست نہیں ہے جیسا کہ ہم نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ اس قراءت میں حمزہ منفرد نہیں ہے] اور امام زہری سے روایت ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو مشرکین کے شکست خوردہ لشکر میں سے بھاگ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝٦٠ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٦١ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝٦٢

اور تم سے جس قدر ممکن ہو تم کافروں کے لیے مکمل سامانِ جنگ اور بندھے ہوئے جنگی گھوڑے تیار رکھو کہ تم اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور آپ اللہ پر بھروسا رکھیں بے شک وہی سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے ۝ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے وہی اللہ جس نے آپ کو اور

مسلمانوں کو اپنی مدد سے تقویت دی○

جہاد کی اہمیت وفضیلت اور دیگر متعلقہ احکام کا بیان

٦٠۔﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ اے مسلمانو! تم سے جس قدر ہو سکے تم عہد توڑنے والوں کے لیے خصوصاً اور دیگر تمام کفار کے لیے عموماً سامانِ جنگ تیار رکھو "مِنْ قُوَّةٍ" سے مراد وہ جنگی سامان ہے جس کے ذریعے جنگ میں طاقت وقوت حاصل کی جائے اور حدیث شریف میں ہے: "اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ" سن لو! جنگی طاقت تیراندازی ہے۔[1] حضور نے اس کو تین بار فرمایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "مِنْ قُوَّةٍ" سے جنگی ہتھیار مراد ہیں ﴿ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ﴾ اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے۔ یہ ان گھوڑوں کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگی تیاری کے لیے باندھے جاتے ہیں [یا یہ "رَبِيْط" کی جمع ہے جیسے "فَصِيْل" اور "فِصَال" ہے] پھر جن ہتھیاروں سے قوت وطاقت حاصل کی جاتی ہے ان میں سے "رِبَاطِ خَيْلٍ" کا خصوصی ذکر ایسے ہے جیسے "وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ". (البقرہ:٩٨) کو "وَمَلٰٓئِكَتِهٖ" کے بعد خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے ﴿ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ تم سے جس قدر ممکن ہو تم جنگی اسلحہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں یعنی اہل مکہ کو ڈراتے رہو ﴿ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ﴾ اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو ڈراتے رہو اور وہ یہودی ہیں یا منافقین ہیں یا اہلِ فارس ہیں یا کفارِ جن مراد ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک شیطان گھوڑے والے آدمی کے پاس نہیں جاتا اور نہ اس گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں اصیل گھوڑا ہوتا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ گھوڑے کے ہنہنانے سے جن ڈر جاتا ہے ﴿ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ﴾ تم ان اشخاص کو معین طور پر نہیں جانتے' اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو تمہیں اس کی پوری جزاء دی جائے گی ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ اور جزا دینے کے معاملے میں تم پر زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ تمہیں مکمل اور پوری جزاء عطا کی جائے گی۔

٦١۔﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا ﴾ ["جَنَحَ لَهٗ" کا معنی ہے: وہ اس کے لیے جھکا اور "جَنَحَ اِلَيْهِ" کا معنی ہے: وہ اس کی طرف جھکا] (تو اب معنی یہ ہوگا) اور اگر کفار جھک جائیں ﴿ لِلسَّلْمِ ﴾ صلح کرنے کے لیے [ابوبکر کی قراءت میں سین مکسور ہے اور اس کی طرف مؤنث کی ضمیر اس لیے لوٹائی گئی ہے کہ اس کی ضد اور نقیض مؤنث ہے اور وہ حرب (جنگ) ہے] ﴿ فَاجْنَحْ لَهَا ﴾ تو آپ بھی صلح کے لیے مائل ہو جائیں ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں اور آپ ان کے بہ ظاہر صلح کی طرف مائل ہونے پر ان کے دلوں میں چھپے ہوئے مکر وفریب سے بالکل نہ ڈریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے اور وہ آپ کو ان کے مکر وفریب سے ضرور بچائے گا ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ ﴾ بے شک وہ آپ کی تمام باتوں کو بہت سننے والا ہے ﴿ الْعَلِيْمُ ﴾ وہ آپ کے تمام حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

٦٢۔﴿ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ﴾ اور اگر وہ کفار چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ مکر وفریب کریں اور آپ کو دھوکہ دیں تو آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ وہی اللہ تعالیٰ جس نے اپنی مدد سے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو یا صرف انصارِ مدینہ کو تقویت پہنچائی۔

---

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ١٥٦۔١٥٧' مسلم: ١٩١٧' ابوداؤد: ٢٥١٤' ابن ماجہ: ٢٨١٣

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

ع ۴

اور اسی نے ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی' اگر آپ تمام روئے زمین کی چیزوں کو خرچ کر دیتے تو آپ ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی' بے شک وہی بہت غالب' زبردست حکمت والا ہے O اے نبی! آپ کو اور آپ کے پیروکار مسلمانوں کو اللہ کافی ہے O اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے' اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو (کافروں) پر غالب آ جائیں گے؛ اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ کافروں میں سے ایک ہزار پر غالب آ جائیں گے اس لیے کہ بے شک وہ ناسمجھ قوم ہے O

٦٣- ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں محبت و الفت پیدا فرما دی کہ ایک سو بیس سال باہمی عداوت و دشمنی کے بعد قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت و الفت پیدا فرما دی ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت بھی خرچ کر دیتے تو پھر بھی آپ ان کے دلوں میں محبت و الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے یعنی ان کی عداوت و دشمنی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اگر کوئی خرچ کرنے والا تمام روئے زمین کی دولت بھی ان کے درمیان باہمی صلح کرانے میں خرچ کر دیتا تو پھر بھی وہ ان میں صلح کرانے پر قادر نہ ہوتا ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ان کے درمیان محبت و الفت پیدا فرما دی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو کلمۂ توحید پر جمع فرما دیا' چنانچہ ان کے درمیان محبت و مودت پیدا فرما دی اور ان کے دلوں سے بغض و عناد اور باہمی عداوت و ناراضگی دور فرما دی ﴿اِنَّهٗ عَزِيْزٌ﴾ بے شک وہ سب پر غالب ہے' جو آپ سے دھوکہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو مقہور و مغلوب فرما دے گا ﴿حَكِيْمٌ﴾ وہ بڑی حکمت والا ہے' آپ کی جو بھی پیروی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا۔

٦٤- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اے نبی! آپ کو اور آپ کے پیروکار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کافی ہے [اس آیت مبارکہ میں واؤ ''مَعَ'' کے معنی میں ہے اور اس کا مابعد منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کی اتباع کرنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ مدد کرنے کے لیے کافی ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ محلاً مرفوع ہو (اور لفظ ''اَللّٰهُ'' پر معطوف ہو)] ''اَیْ كَفَاكَ اللّٰهُ وَكَفَاكَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ کو مسلمان کافی ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تینتیس مرد اور چھ عورتیں اسلام قبول کر چکے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا' جن کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

٦٥- ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ اے غیب کی خبریں دینے والے پیغمبر! مؤمنوں کو جہاد کی

خوب ترغیب دیجئے۔ ''تحریض'' کا مطلب ہے: کسی کام کے لیے ترغیب دینے میں مبالغہ کرنا' یہ ''حرض'' سے بنا ہے اور ''حرض'' یہ ہے کہ کسی کو بیماری اس قدر کمزور کردے کہ وہ موت کے قریب پہنچ جائے ﴿ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو (کافروں) پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ بھی ہے' خوشخبری بھی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اگر صبر کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید سے وہ اپنے سے دس گنا کفار پر غالب آ جائیں گے ﴿ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ کفار جاہل ونادان قوم ہے' یہ جانوروں کی طرح طلبِ ثواب اور حصولِ رضائے الٰہی کے بغیر محض نفسانی خواہشات کے پیش نظر لڑتے ہیں اور یہ لوگ بہت کم ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہتے ہیں' ان کے برعکس جو شخص بصیرت کے ساتھ جہاد کرتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی امید ہوتی ہے' بعض نے فرمایا کہ مسلمانوں پر واجب تھا کہ وہ میدانِ جنگ سے نہیں بھاگیں گے اور ایک مسلمان مجاہد دس کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہے گا' پھر جب یہ حکم ان پر دشوار ہو گیا تو اسے منسوخ کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے ایک مجاہد کو دو کافروں کے مقابلے میں کر کے ان سے تخفیف فرما دی۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖۗ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۶۸﴾

اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی ہے اور وہ جانتا ہے کہ تم میں یقیناً کمزوری ہے' سو اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے' اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں (اور وہ ان کو چھوڑ دیں) یہاں تک کہ ان کا زمین پر خون بہائیں' تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو' اللہ (تمہارے لیے) آخرت کو چاہتا ہے' اور اللہ بہت غالب' زبردست حکمت والا ہے ○ اگر اللہ کا لکھا ہوا پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو تم نے جو کچھ فدیہ لیا ہے اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا ○

٦٦- ﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ﴾ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ بے شک تم میں کمزوری ہے [قاری عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ضاد مفتوح ہے] ﴿ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ ﴾ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''تَکُنْ'' ہے اور پہلے ''یَکُنْ'' میں ابوعمرو بصری نے اس کی موافقت کی ہے] اور ضعف سے بدن کی کمزوری مراد ہے (ترجمہ) اب اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے ﴿ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ

﴿ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان آیات میں مسلمانوں کی جماعت کا اپنے سے زیادہ لشکر کے ساتھ دو مرتبہ تخفیف سے پہلے اور دو مرتبہ تخفیف کے بعد مقابلے کے ذکر کا تکرار اس لیے کیا گیا کہ اس بات پر دلیل قائم ہو جائے کہ فوج کی قلت و کثرت کی وجہ سے جنگ کی جیت یا ہار میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ دو سو کے مقابلے میں بیس اور ایک ہزار کے مقابلے میں ایک سو کے لڑنے سے اور اسی طرح دو سو کے مقابلے میں ایک سو اور دو ہزار کے مقابلے میں ایک ہزار کے لڑنے سے بھی جنگ کی کیفیت میں فرق تو رہے گا۔

۶۷۔﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ ﴾ پیغمبر خدا کے لیے درست نہیں اور نہ اس کے لیے مناسب ہے ﴿ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى ﴾ کہ اس کے پاس قیدی ہوں۔[ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''اَنْ تَكُوْنَ'' ہے] ﴿ حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ﴾ یہاں تک کہ وہ زمین میں خون بہائیں۔''اِثخان'' کا مطلب ہے کہ زیادہ سے زیادہ قتل کرنا اور اس میں مبالغہ کرنا' یہ ''ثخانة'' سے بنا ہے جس کا معنی کسی چیز کا سخت گاڑھا اور کثیف ہونا ہے' یعنی یہاں تک کہ کافروں کے زیادہ سے زیادہ قتل ہو جانے سے کفر ذلیل و کمزور ہو جائے اور اسلام غلبہ و کنٹرول حاصل کرنے کی وجہ سے بلند و بالا ہو جائے' پھر اس قتل و مار کے بعد باقی ماندہ کفار کو قیدی بنایا جائے۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بدر کے ستر قیدی پیش کیے گئے' جن میں حضور کے چچا حضرت عباس اور حضرت عقیل بن ابی طالب بھی موجود تھے' چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ یہ لوگ آپ کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں آپ کے رشتہ دار بھی ہیں' لہٰذا آپ انہیں چھوڑ دیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کفر سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے (اور وہ مسلمان ہو جائیں) اور البتہ ان سے فدیہ (آزاد کرنے کا معاوضہ) لے لیجئے' جس سے آپ کے اصحاب کو تقویت ملے گی جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو آپ کے آبائی شہر مکہ مکرمہ سے نکالا' سو آپ آگے بڑھئے اور ان کی گردنیں مار دیجئے کیونکہ یہ کفر کے سرغنہ اور سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یقیناً فدیہ لینے سے غنی و بے نیاز کر دیا ہے اور آپ حضرت علی مرتضیٰ کو حکم دیجئے کہ وہ عقیل کا سر قلم کر دیں اور حضرت حمزہ کو حکم دیجئے کہ وہ عباس کو قتل کر دیں اور مجھے فلاں رشتہ دار کو قتل کرنے کا حکم دیجئے' تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراہیم کی طرح ہے کہ انہوں نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی امت کے لیے) عرض کی: ''فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○'' (ابراہیم:۳۶) ''سو جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے○'' اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت نوح کی طرح ہے کہ انہوں نے عرض کی: ''رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا'' (نوح:۲۶) ''اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں کا کوئی گھر نہ چھوڑ (سب کو تباہ و برباد کر دے)''۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اگر چاہو تو انہیں قتل کر دو اور اگر تم چاہو تو ان سے فدیہ لے لو اور یاد رکھو تم فدیہ لے کر جتنے آدمی چھوڑو گے اتنے تمہارے مسلمان شہید ہوں گے' چنانچہ مسلمانوں نے کہا کہ بلکہ ہم فدیہ وصول کریں گے' پھر غزوۂ اُحد میں ستر مسلمان شہید ہو گئے اور جب صحابہ کرام نے فدیہ لے لیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی [۱] ﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ﴾ مسلمانو! تم دنیا کا سامان چاہتے ہو یعنی تم فدیہ

[۱] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۰ ص ۴۲

چاہتے ہو اس کو سامان اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی بقا کم ہے اور یہ جلد فنا ہو جانے والا ہے ﴿وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت کو چاہتا ہے یعنی جو جنت کا سبب ہے اور کفار کو زیادہ سے زیادہ قتل کرنے میں اسلام کے لیے اعزاز ہے ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ دشمنانِ دین کو مقہور و مغلوب کرنے پر بہت غالب ہے ﴿حَكِيمٌ﴾ اپنے دوستوں سے اظہارِ ناراضگی کرنے میں بڑی حکمت و مصلحت والا ہے۔

۶۸- ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے یہ حکم نافذ نہ ہو چکا ہوتا کہ اجتہاد کے عمل پر کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور یہ صحابہ کرام کی طرف سے اجتہاد تھا کیونکہ انہوں نے غور و فکر کیا کہ ان کو چھوڑ دینے میں ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن جائے گا اور ان سے فدیہ وصول کر کے جہاد کے لیے (اسلحہ وغیرہ خرید کر) تقویت حاصل کی جائے گی' مگر ان پر یہ بات مخفی رہی کہ کفار کو قتل کرنے سے اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور پیچھے رہ جانے والے باقی ماندہ کافروں کو مرعوب کرنے کا سبب بنیں گے یا یہ کہ لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ اہلِ بدر کو عذاب نہیں دیا جائے گا یا یہ کہ حکم بیان کرنے اور عذر سے پہلے کسی پر گرفت نہیں کی جائے گی اور مشورہ کرنے کے ذکر میں اجتہاد کے جواز کی دلیل موجود ہے' سو یہ قیاس کے منکروں پر حجت ہے [پھر اس میں ''كِتَابٌ'' مبتدا ہے اور ''مِنَ اللّٰهِ'' اس کی صفت ہے] یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے لکھا ہوا ثابت نہ ہو چکا ہوتا [اور ''سَبَقَ'' اس کی دوسری صفت ہے اور مبتدا کی خبر محذوف ہے] یعنی اگر اس صفت کے ساتھ لکھا موجود نہ ہوتا [اور یہ جائز نہیں کہ ''سَبَقَ'' خبر ہو کیونکہ ''لَوْلَا'' کی خبر کبھی ظاہر نہیں ہوتی] ﴿لَمَسَّكُمْ﴾ ضرور تمہیں پالیتا اور تمہیں ضرور پہنچتا ﴿فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے بہت بڑا عذاب۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ خدا حبیبِ کبریاء سرورِ ہر دوسرا خاتم الانبیاء ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ اور ابوبکر صدیق دونوں رو رہے ہیں' عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اگر میں اپنے دل میں رونے کی کیفیت پاؤں تو رونے لگ جاؤں اور اگر میں رونے کی کیفیت نہ پاؤں تو میں بہ تکلّف رونے لگ جاؤں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اپنے ساتھیوں پر رولو جنہوں نے فدیہ وصول کر لیا کیونکہ بے شک اس درخت سے زیادہ نزدیک ان پر آنے والا عذاب میرے سامنے پیش کیا گیا ہے' آپ نے اپنے نزدیک ترین درخت کی طرف اشارہ کر کے یہ ارشاد فرمایا[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر آسمان سے عذاب نازل ہو جاتا تو البتہ حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ کے علاوہ اس عذاب سے کوئی نجات نہ پا سکتا کیونکہ حضرت عمر نے کہا تھا کہ قیدی کافروں کو قتل کرنا مجھے زیادہ پسند ہے[2]

ع ۵

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾

۱ رواہ احمد ج ۱ ص ۳۱' مسلم: ۵۸۔ ۱۷۶۳

۲ رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۰ ص ۳۳

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

سوتم نے جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرلیا ہے اسے کھاؤ وہ تمہارے لیے حلال اور پاک ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہےO اے غیب کی خبریں بتانے والے پیغمبر! جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی (خلوص ایمان) پائے گا تو تمہیں اس سے زیادہ بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہےO اور اگر وہ آپ سے خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بے شک وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں' سو اس نے آپ کو ان پر غلبہ وقدرت عنایت فرما دیا' اور اللہ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہےO

۶۹۔ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ﴾ سو تم نے جو مالِ غنیمت حاصل کرلیا ہے اسے کھاؤ۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابۂ کرام غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت کو استعمال کرنے سے رُک گئے اور انہوں نے اس کی طرف اپنے ہاتھوں کو نہ بڑھایا تو اس موقع پر انہیں مالِ غنیمت کھانے کی اجازت دینے کے لیے یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی اور بعض نے فرمایا کہ فدیہ کو مباح قرار دینے کے لیے یہ آیت نازل کی گئی کیونکہ یہ بھی اموالِ غنائم میں سے ہے [اور اس میں حرفِ ''فا'' سبب کی ہے اور سبب محذوف ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک تمہارے لیے تمام اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں' سو تم انہیں کھاؤ ﴿حَلٰلًا﴾ بغیر کسی عتاب اور سزا کے مطلقاً مالِ غنیمت حلال اور فدیہ کا مال حلال ہے [یہ ''حَلَّ الْعِقَالُ'' سے بنا ہے اور یہ مالِ مغنوم سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا پھر مصدر کی صفت ہے] ''اَیْ اَکْلاً حَلَالًا'' یعنی حلال کھانا ﴿طَيِّبًا﴾ مرغوب ومزے دار اور لذیذ و پاکیزہ یا جو شریعت میں حلال ہو اور طبیعت اس کو خوب پسند کرے اور کسی قسم کی کراہت نہ کرے ﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم کسی ایسی چیز کی طرف پیش قدمی نہ کرو جو تمہارے لیے مقرر نہیں کی گئی ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ تم نے اس سے پہلے جو کچھ کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یقیناً بخش دیا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ تم نے جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اس کو تمہارے لیے حلال کر کے اللہ تعالیٰ نے تم پر بے حد مہربانی فرمائی ہے۔

۷۰۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى﴾ اے نبی کریم! آپ ان سے فرما دیں جو قیدی آپ کے ہاتھوں میں ہیں یعنی آپ کے ملک میں ہیں گویا آپ کے ہاتھ مبارک ان پر قابض ہو چکے ہیں [اور ''اَسْرٰی'' ''اَسِیْر'' کی جمع ہے' ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''مِنَ الْاَسَارٰی'' ہے اور یہ ''اَسْرٰی'' کی جمع الجمع ہے] ﴿اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں خلوصِ ایمان اور نیت کو صحیح پائے گا تو ﴿يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ﴾ تمہیں اس فدیہ کے مال سے زیادہ اور بہتر مال عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا ہے یا تو اس کے بعد اسی دنیا میں تمہیں کئی گنا زیادہ عطا فرما دے گا یا تمہیں آخرت میں ثواب عنایت فرمائے گا ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین کا جو مال آیا تھا' وہ اسّی ہزار تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ ظہر کے لیے وضو فرما چکے تھے' لیکن آپ نے جب تک وہ مال پہلے تقسیم نہ کرلیا' اس وقت تک نماز ادا نہ فرمائی اور آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس مال میں سے جس قدر چاہیں لے لیں' چنانچہ وہ

جس قدر اٹھا سکے اتنا لے لیا اور حضرت عباس کہا کرتے تھے کہ یہ مال اس سے زیادہ اور بہتر ہے جو بدر کے دن بطور فدیہ مجھ سے لیا گیا تھا اور میں مغفرت و بخشش کی بھی امید رکھتا ہوں اور حضرت عباس کے پاس بیس غلام تھے اور ان میں ادنیٰ درجہ کا غلام بیس ہزار کی تجارت کرتا تھا اور آپ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دو وعدوں (مال و دولت اور مغفرت و بخشش) میں سے ایک وعدہ (دنیا میں مال و دولت دینے کا) پورا کر دیا ہے اور مجھے دوسرے وعدے کے پورا ہونے کا بھی مکمل یقین ہے[1]

۷۱۔﴿ وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ ﴾ اور اگر یہ قیدی آپ سے خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جنہوں نے آپ سے اسلام کی بیعت کر لی ہے وہ (رہائی کے بعد) پھر گئے یا فدیہ دینے کی جو ضمانت دی ہے اس کا انکار کر دیا ﴿ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ ﴾ تو یہ لوگ تو اس سے پہلے بھی اسلام کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ سے خیانت کر چکے ہیں اور وہ وعدہ توڑ چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میثاق کے دن (عالمِ ارواح میں) ہر عاقل سے لیا تھا ﴿ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر غلبہ عطا فرما دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر کامیاب و کامران کیا اور فتح و نصرت عطا فرمائی' جیسا کہ تم مسلمانوں نے بدر کے دن دیکھ لیا' لہٰذا اگر انہوں نے پھر دوبارہ خیانت کی تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر پھر غلبہ عطا فرما دے گا ﴿ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ انجامِ کار اور مستقبل کو خوب جانتا ہے ﴿ حَكِیْمٌ ﴾ فی الحال اس نے جو فدیہ لینے کا حکم دیا ہے اس میں وہ بڑی حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں' اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تو تمہیں ان کی سرپرستی و وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کر لیں' اور اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے ماسوا اس قوم کے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے' اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ○

۷۲۔﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی محبت میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ﴿ وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور یہ مہاجرین کہلاتے ہیں ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا ﴾ اور وہ لوگ کہ جنہوں

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۰ ص ۴۹

نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یعنی انہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور انہوں نے مہاجرین کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی اور یہ انصار کہلاتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ یہی لوگ ایک دوسرے کے سرپرست ہیں یعنی وہ میراث میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور دراصل مہاجرین و انصار ہجرت و نصرت کی بناء پر ایک دوسرے کے وراثت میں حصہ دار بنتے تھے' قرابت و رشتہ داری کی بناء پر نہیں یہاں تک کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ و زائل ہو گیا کہ ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ'' (الاحزاب:٦) ''اور رشتہ دار ہی (میراث میں) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں' اور بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ مہاجرین و انصار صرف نصرت و معاونت کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کی ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ تو ان کی میراث میں تمہارا کوئی حق وراثت نہیں [قاری حمزہ کی قراءت میں ''وِلَايَتِهِمْ'' (واؤ مکسور کے ساتھ) ہے اور بعض نے فرمایا: دونوں لغتیں ایک ہیں] ﴿ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کر لیں' سو جس مسلمان نے ہجرت نہیں کی وہ اس کے ترکہ کا وارث نہیں بن سکے گا جس نے ایمان بھی قبول کیا اور ہجرت بھی کی اور جب ہجرت نہ کرنے والے کو مسلمان کہا گیا ہے جب کہ اس وقت ہجرت فرض تھی' لہٰذا یہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو گئے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا ﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾ یعنی جو لوگ مسلمان ہیں اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اگر تم سے دین کے معاملے میں مدد طلب کریں ﴿ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ﴾ تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب و لازم ہے یعنی اگر ان میں اور کفار میں جنگ شروع ہو جائے اور وہ تم سے مدد طلب کریں تو تم پر لازم ہے کہ تم کافروں کے خلاف ان کی مدد کرو ﴿ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴾ ماسوا اس قوم کے جس کے ساتھ تمہارا باہمی ایک دوسرے کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو' سو اس صورت میں تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اس قوم کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرو' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ جنگ شروع نہیں کی اس لیے معاہدہ اس اقدام سے مانع ہے ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے اور اس جملے میں شریعت کی حد سے تجاوز کرنے پر دھمکی دی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ
فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾ ع

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ایک دوسرے کے حامی و سرپرست ہیں' اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں

بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا O اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب سچے اور پکے مؤمن ہیں' ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے O اور وہ لوگ جو ان کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا' سو یہ لوگ بھی تم میں سے ہیں' اور اللہ کی کتاب کے حکم کے مطابق رشتہ دار وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

۷۳- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ایک دوسرے کے وارث و دوست ہیں۔ بہ ظاہر ان کے درمیان باہمی دوستی کو ثابت کیا گیا ہے لیکن اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ان کی وراثت سے منع کیا گیا ہے اور ان سے دور رہنے اور ان سے قطع تعلق کرنے کو واجب کیا گیا ہے اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ کفار کے ساتھ ایک دوسرے کے باہمی وارث بننے کو ترک کر دیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ﴾ یعنی میں نے تمہیں جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کے ساتھ باہمی محبت و دوستی کرنے یہاں تک کہ وراثت میں ایک دوسرے کا وارث ہونے کا جو حکم دیا ہے اگر تم نے اس کو نہ اپنایا (تو زمین میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا) اس آیت مبارکہ میں کفار کی قرابت و رشتہ داری کی نسبت پر دین اسلام کی قرابت کو فضیلت دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر تم نے کفار کی قرابت و دوستی کو کالعدم قرار نہ دیا ﴿تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پھیل جائے گا کیونکہ جب تک مسلمان شرک کے خلاف متحد نہیں ہوں گے شرک غالب ہوتا رہے گا اور فساد بڑھ جائے گا۔

۷۴- ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ سچے پکے مؤمن ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کو سچا ثابت کر دیا اور انہوں نے وطن' اہل و عیال اور مکانات چھوڑ کر اور دین و آخرت کی خاطر مال و دولت اور دنیا کو ترک کر کے اپنے ایمان کے تقاضوں کی تحصیل میں خوب تحقیق کی ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ انہیں کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہو گی جس میں نہ کسی قسم کا احسان جتلایا جائے گا اور نہ محنت و مشقت اٹھانا پڑے گی اور یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ یہ آیت مبارکہ کریم وعدہ کے ساتھ ان کی تعریف میں نازل ہوئی ہے جب کہ پہلی آیت مبارکہ میں باہمی تعلق اور دوستی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

۷۵- ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ﴾ اور وہ لوگ جو (پہلی ہجرت کے) بعد میں ایمان لائے۔ اس آیت مبارکہ میں وہ لوگ مراد ہیں جو ہجرت کی طرف سبقت کرنے والوں کے بعد ایمان لائے ﴿وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ﴾ اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر (کفار کے خلاف) جہاد کیا' سو یہ لوگ بھی تم میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فضیلت عطا کرنے اور ترغیب دینے کے لیے سابقین مہاجرین میں شامل فرما لیا ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ اور رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں یعنی قریبی رشتہ دار وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں اور اس آیت مبارکہ نے ہجرت و نصرت کی بناء پر ایک دوسرے کے ترکے میں وراثت کو منسوخ کر دیا ہے ﴿فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یعنی کتاب الٰہی کے حکم اور اس کی تقسیم میں یا لوحِ محفوظ میں یا قرآن مجید میں اور یہ آیت میراث ہے اور یہ ہماری دلیل ہے کہ قرابت دار ہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ

ہر چیز کو خوب جانتا ہے' اس لیے وہ اپنے بندوں کے درمیان جس طرح چاہتا ہے اپنے احکام نافذ و جاری کر دیتا ہے۔ انسانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے' ایک گروہ ایمان بھی لایا اور اس نے ہجرت بھی کی اور دوسرا گروہ ایمان بھی لایا اور اس نے مہاجرین کی مدد بھی کی اور تیسرا گروہ ایمان تو لایا مگر اس نے ہجرت نہ کی اور چوتھا گروہ کفر پر اڑا رہا اور ایمان قبول نہ کیا۔

آیاتها ١٢٩	٩ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٣	رکوعاتها ١٦
اس کی ایک سو انتیس آیات ہیں	سورۃ التوبہ مدنی ہے	اس کے سولہ رکوع ہیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢﴾ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣﴾

اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے مشرکین میں سے ان لوگوں کی طرف بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے O (لیکن وہ اپنا معاہدہ توڑ چکے ہیں) سو (اے مشرکو!) تم زمین پر چار مہینے چل پھر لو اور جان لو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' اور اللہ کافروں کو یقیناً رسوا کرنے والا ہے O اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کے دن تمام لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول مشرکوں سے بیزار ہیں' پھر اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے' اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے' اور (اے محبوب!) کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں O

سورت توبہ کے اسماء کی وجہ تسمیہ اور "بسم اللّٰہ" کو ترک کرنے کی حکمت

(١) اس سورت کے چند نام یہ ہیں: (١) "براءۃ" (مشرکین سے بیزاری کا اعلان) (٢) "توبہ" (مسلمانوں کی توبہ کا اعلان) (٣) "مُقَشْقِشَه" (نفاق سے بیزار کرنے والی) (٤) "مُبَعْثِرَه" (تہ و بالا کرنے والی) (٥) "مُشَرِّدَه" (ڈرانے دھمکانے اور دھتکارنے والی) (٦) "مُخْزِيَه" (٧) "فَاضِحَه" (دونوں کا معنی ہے: ذلیل و رسوا کرنے والی) (٨) "مُثِيرَه" (٩) "حَافِرَه" (دونوں کا معنی ہے: تحقیق و تفتیش کر کے کسی چیز کی مخفی اصلیت کو ظاہر کرنے والی) (١٠) "مُنَكِّلَه" (عبرت ناک سزائیں بیان کرنے والی) (١١) "مُدَمْدِمَه" (ہلاکت و تباہی والی) کیونکہ اس سورت میں (مشرکین سے بیزاری اور) مؤمنین کی توبہ کا بیان ہے اور اس سورت نے نفاق کا پردہ چاک کر کے اس کو عیاں کر دیا یعنی

اس سے براءت و بیزاری کا اظہار کر دیا اور منافقین کے مخفی رازوں کی تفتیش کر کے ان کو ظاہر کر دیا اور ان کی منافقانہ چال کی پردہ دری کر دی اور ان کی دورخی پالیسی کو تہ و بالا اور نیست و نابود کر دیا اور ان کو شرمندہ کر دیا اور ان کا عبرت ناک انجام بیان کر دیا اور انہیں دھتکار دیا اور ان کو ذلیل و رسوا کر دیا اور ان کے لیے ہلاکت و تباہی کو مقدر کر دیا۔

(ب) اور اس سورتِ توبہ کے شروع میں بسم اللہ شریف کے ترک کرنے میں کئی اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ بسم اللہ شریف امان ہے' جب کہ سورتِ براءت امان کو اٹھانے اور اس کو ختم کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔

(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی سورت یا کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ارشاد فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ رکھ دو' پھر آپ اس جگہ کا ذکر کرتے ہوئے نشان دہی فرماتے کہ فلاں سورت کے بعد اور فلاں سورت سے پہلے اور اس آیت کو فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت سے پہلے رکھ دو' بہر حال رسولِ خدا ﷺ وفات پا گئے لیکن آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ اس سورت کو کہاں رکھنا ہے جب کہ اس سورت کا مضمون سورۂ انفال کے مضمون کے مشابہ ہے اور اس سے ملتا جلتا ہے کیونکہ سورتِ انفال میں معاہدوں کا ذکر ہے اور سورتِ براءت میں معاہدوں کے توڑنے کا ذکر ہے' اس لیے ان دونوں کو اکٹھا رکھا گیا ہے اور یہ دونوں اتصال و اجتماع کا تقاضا کرتی ہیں اور ان کو طوال مفصل سورتوں میں ساتویں سورت شمار کیا جاتا ہے اور وہ سات ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی آراء مختلف ہیں کیونکہ بعض صحابہ نے فرمایا کہ سورتِ انفال اور سورتِ براءت ایک سورت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل کی گئی ہے اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ یہ دو سورتیں ہیں' چنانچہ جنہوں نے فرمایا کہ یہ الگ الگ دو سورتیں ہیں ان کے قول کی بناء پر ان کو الگ الگ نام دے کر فاصلہ رکھا گیا اور جنہوں نے فرمایا: یہ دونوں ایک سورت ہے ان کے قول کی بناء پر بسم اللہ شریف کو درمیان میں چھوڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کا مشرکین سے بیزاری کا اعلان

۱- ﴿ بَرَآءَةٌ ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اصل میں "هٰذِهٖ بَرَاءَةٌ" ہے] یہ بیزاری ﴿ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا تھا["مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" میں حرف "مِنْ" ابتدائے غایت کے لیے ہے' محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور صلہ نہیں ہے] جیسے تمہارا یہ کہنا ہے کہ "بَرِئْتُ مِنَ الدَّيْنِ" میں قرض سے بری ہو چکا ہوں یعنی "هٰذِهٖ بَرَاءَةٌ وَاصِلَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ" یہ بیزاری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو ملنے والی ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا تھا جیسے تم کہو: "كِتَابٌ مِّنْ فُلَانٍ اِلٰى فُلَانٍ" کہ فلاں کی جانب سے فلاں کی طرف خط (یا حکم نامہ) ہے [یا پھر "بَرَآءَةٌ" مبتدا ہے کیونکہ یہ اپنی صفت کے ساتھ مل کر نکرہ مُخَصَّصہ بن چکا ہے (اور نکرہ مُخَصَّصہ مبتدا بن سکتا ہے) اور "اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ" اس کی خبر ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: "رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ فِي الدَّارِ"] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس معاہدہ سے بری ہیں جو تم نے مشرکین سے کیا تھا اور یہ معاہدہ ان کی طرف پھینک دیا جائے۔

۲- ﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ سو تم زمین پر چار مہینے تک جیسے چاہو سیر و تفریح کر لو اور "سَيْحٌ" کا معنی ہے: اطمینان سے سیر کرنا۔ مروی ہے کہ مسلمانوں نے اہل مکہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل عرب کے مشرکین سے امن کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن ان میں سے ماسوا چند لوگوں کے باقی سب لوگ معاہدہ پر قائم نہ رہے اور قائم رہنے والے صرف بنوضمرہ اور

بنو کنانہ تھے' اس لیے عہد شکنوں کا معاہدہ ان کی طرف پھینک دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ چار ماہ تک امن وامان کے ساتھ جہاں چاہیں زمین میں چل پھر لیں' ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا اور ان سے حرمت والے مہینے مراد ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' (التوبہ:٥) ''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو' اور یہ حکم حرمت والے مہینوں کو قتل و غارت سے اور ان میں جنگ کرنے سے محفوظ رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔

شانِ نزول: یہ سورت ٩ھ میں (فتح مکہ کے بعد) نازل ہوئی' جب کہ ٨ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا اور اس میں امیر حج حضرت عتاب بن اسید تھے' پھر رسول اللہ ﷺ نے ٩ھ میں موسمِ حج کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق کو امیرِ حج مقرر فرمایا' پھر ان کی روانگی کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی عضباء پر سوار کر کے حضرت علی مرتضیٰ کو ان کے پیچھے بھیجا' تاکہ وہ حج کے اجتماع میں (جس میں شامل تمام مشرکین اور مسلمانوں کو) یہ سورت پڑھ کر سنا دیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا کہ اگر آپ یہ سورت سنانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کو بھیج دیتے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ کام ہمارا قریبی رشتہ دار ادا کرے گا' پھر حضرت علی مرتضیٰ جب قافلۂ حج کے قریب پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق نے اونٹنی کی آواز سن لی اور رک گئے اور فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی آواز ہے' پھر جب حضرت علی ان سے آ کر ملے تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ تمہیں امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور (یعنی ماتحت) تو حضرت علی نے فرمایا: مجھے ماتحت بنایا گیا ہے' چنانچہ آٹھ ذوالحج سے ایک دن پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور لوگوں سے ارکانِ حج کے مسائل بیان فرمائے اور قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان کیا اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں رسولِ خدا ﷺ کا قاصد ہوں' مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' لوگوں نے کہا: کیوں بھیجا گیا ہے؟ تو آپ نے انہیں اس سورت کی تیس یا چالیس آیات پڑھ کر سنائیں' پھر فرمایا: مجھے چار احکام سنانے کا حکم دیا گیا ہے: (١) اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ شریف کے پاس نہیں جائے گا (٢) اور آئندہ کوئی شخص بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر نہیں کرے گا (٣) مسلمان کے علاوہ کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا (٤) اور ہر عہد کرنے والے کا عہد پورا کیا جائے گا۔ مشرکین نے یہ اعلان سن کر کہا: اے علی! تم اپنے چچازاد سے کہہ دینا کہ ہم نے عہد کو اپنے پسِ پشت پھینک دیا اور اب ہمارے اور ان کے درمیان عہد نہیں رہا' ماسوا نیزہ بازی اور تیغ زنی کے اور چار مہینوں سے شوال' ذوالقعدہ' ذوالحج اور محرم مراد ہیں یا ذوالحج کے بیس دن اور محرم اور صفر اور ربیع الاوّل اور ربیع الثانی کے دس دن مراد ہیں اور یہ حرمت والے مہینے ہیں کیونکہ ان میں لوگوں کو امن دیا گیا تھا اور ان مہینوں میں لوگوں کو مارنا اور ان سے جنگ کرنا حرام قرار دیا گیا تھا یا بطور تغلیب کہا گیا کیونکہ ذوالحج اور محرم انہیں میں سے ہیں اور جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز ہے اور یہ اس لیے کہ حرمت کے مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے ﴿وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ﴾ اور جان لو کہ تم یقیناً اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو' نہ اس سے بچ سکتے ہو اگرچہ اس نے تمہیں (چار ماہ کی) مہلت دے دی ہے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و رسوا کرنے والا ہے کیونکہ دنیا میں قتل و غارت کے ذریعے اور آخرت میں عذاب کے سبب انہیں ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔

٣- ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو اعلان کیا جاتا ہے [پھر ''اَذَانٌ'' دونوں وجہوں کے ساتھ اسی طرح مرفوع ہے جس طرح ''بَرَآءَةٌ'' مرفوع ہے' پھر یہ جملہ اپنے جیسے

(سابق) جملے پر معطوف ہے اور ''اَذَانٌ'' بہ معنیٰ ''اِیْذَانٌ'' ہے اور یہ اطلاع دینے اور اعلان کرنے کے معنی میں ہے' جیسے ''اَمَانٌ''، ''اِیْمَانٌ'' اور ''عَطَآءٌ''، ''اِعْطَآءٌ'' کے معنی میں ہیں] اور پہلے اور دوسرے جملے میں فرق یہ ہے کہ پہلے جملے میں بیزاری کے ثبوت کی خبر سنائی گئی ہے اور دوسرے جملے میں ثابت شدہ اعلان و اطلاع کے واجب و لازم ہونے کی خبر سنائی گئی ہے' پھر بیزاری مشرکین میں سے صرف ان لوگوں کے ساتھ مشروط کی گئی ہے' جن سے معاہدہ کیا گیا تھا (اور انہوں نے اسے توڑ دیا تھا) جب کہ اذان و اعلان کا تعلق تمام لوگوں کے ساتھ ہے کیونکہ بیزاری مشرکین میں سے صرف ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے توڑ دیا تھا جب کہ اعلان تمام لوگوں کے لیے عام ہے' معاہدہ کرنے والوں اور معاہدہ نہ کرنے والوں اور معاہدہ کر کے توڑنے والوں اور معاہدہ کو نہ توڑنے والوں سب کے لیے اعلانِ عام ہے ﴿يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ بڑے حج کے دن یعنی عرفہ کے دن کیونکہ نو ذوالحج کو عرفات میں وقوف کرنا حج کے تمام افعال میں سے سب سے بڑا عمل ہے یا قربانی کا دن (دس ذوالحج) مراد ہے کیونکہ حج کی تکمیل کے افعال طواف' قربانی' حلق (بال تراشنا) اور رمی (تینوں نشاناتِ شیطان پر کنکریاں مارنا) اسی دن میں ادا کیے جاتے ہیں اور اس کو حج اکبر کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ صرف عمرہ کرنے کو حج اصغر کہا جاتا ہے ﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بیزار ہے [یہ دراصل ''بِاَنَّ اللّٰهَ'' تھا اور ''اَذَانٌ'' کا صلہ تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا ہے] ﴿وَرَسُوْلُهٗ﴾ [یہ ''بَرِیْٓءٌ'' میں ضمیر مستتر پر معطوف ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا پھر مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے' اصل میں ''وَرَسُوْلُهٗ بَرِیْٓءٌ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول بھی (مشرکین سے) بیزار ہے اور ''اَنَّ'' کے اسم پر عطف کر کے اس کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے یا جار کے سبب مجرور ہے یا واوِ قسم کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ ''لَعَمْرِكَ'' تیری زندگی کی قسم]۔

حکایت: بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی نے ایک آدمی کو ''وَرَسُوْلِهٖ'' (مجرور) پڑھتے ہوئے سن لیا تو کہنے لگا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں بھی اس سے بیزار ہوں' چنانچہ وہ آدمی یہ بات سن کر اعرابی کو پکڑ کر حضرت عمر فاروق کی خدمت میں لے گیا تو اعرابی نے حضرت عمر فاروق کے سامنے اس آدمی کی قراءت کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت عربی کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دے دیا ﴿فَاِنْ تُبْتُمْ﴾ پھر اگر تم کفر و شرک اور عہد شکنی و دھوکہ بازی سے توبہ کر لو ﴿فَهُوَ﴾ تو وہ یعنی توبہ کر لینا ﴿خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ کفر پر اصرار کرنے سے بہت بہتر ہے ﴿وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ﴾ اور اگر تم نے توبہ کرنے سے روگردانی کی یا تم اسلام سے اعراض کرنے اور روگردانی کی روش پر پلٹ گئے ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ﴾ تو جان لو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکنے والے نہیں ہو' نہ تم اللہ تعالیٰ سے سبقت کرنے والے ہو اور نہ تم اس کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچ سکتے ہو ﴿وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ اور اے محبوب! مؤمنوں کی دائمی نعمت (جنت) کی بشارت کے برعکس اس کی جگہ کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْــٴًـا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝۴

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ

خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

سوائے ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا' پھر انہوں نے تمہارے معاہدے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو تم بھی ان کا معاہدہ ان کی مقررہ مدت تک ان کو پورا کر دو' بے شک اللہ پرہیز گاروں سے محبت رکھتا ہے ۝ پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کرو' اور انہیں گرفتار کر لو اور انہیں قید کر لو اور ہر گزر گاہ پر ان کی تاک میں بیٹھو' پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ۝

٤- ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ماسوا ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ'' سے استثناء ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا تھا (جس کو انہوں نے توڑ دیا ہے) سو تم ان سے کہہ دو کہ تم چار ماہ تک زمین پر چل پھر لو' ماسوا ان لوگوں کے کہ تم نے ان میں سے جن سے معاہدہ کر رکھا ہے ﴿ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا ﴾ پھر انہوں نے تم سے معاہدہ کی شرائط میں سے کچھ کم نہیں کیا یا یہ کہ انہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اسے نہیں توڑا [اور ایک قراءت میں ''لَمْ يَنْقُضُوْكُمْ'' (صاد کی بجائے ضاد) پڑھا گیا ہے یعنی انہوں نے تمہارا عہد نہیں توڑا اور یہی قراءت مناسب ہے لیکن مشہور قراءت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ تمام کے مقابلہ میں ہے] ﴿ وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا ﴾ اور نہ انہوں نے تمہارے خلاف کسی دشمن کی مدد کی ہے ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ ﴾ سو تم ان کا عہد ان کی طرف پورا کر دو اور اسے ان کی طرف مکمل طور پر ادا کرو ﴿ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ ان کی مقررہ مدت پوری ہونے تک [اور استثناء بہ معنی استدراک ہے] گویا عہد توڑنے والوں کے بارے میں حکم دینے کے بعد کہا گیا لیکن جنہوں نے عہد کو نہیں توڑا تو ان کا عہد تم ان کی طرف پورا کرو اور تم ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور تم عہد شکنوں کی طرح عہد پورا کرنے والوں کو نشانہ نہ بناؤ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو پسند کرتا ہے یعنی تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں فریقوں کے ساتھ یکساں سلوک نہ کیا جائے سو تم اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

٥- ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ ﴾ پھر جب گزر جائیں یا نکل جائیں ﴿ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ حرمت والے مہینے جن میں عہد شکنوں کو چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی تھی ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ تو تم مشرکوں کو قتل کرو جنہوں نے تمہارے ساتھ معاہدہ کر کے توڑ دیا ہے اور جنہوں نے تمہارے خلاف (تمہارے دشمنوں کی) مدد کی تھی ﴿ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ تم انہیں جہاں پاؤ خواہ حرم میں پاؤ یا حرم شریف سے باہر پاؤ ﴿ وَخُذُوْهُمْ ﴾ اور تم ان کو گرفتار کر لو اور انہیں قیدی بنا لو [اور ''اَخْذ'' کا معنی قید کرنا ہے] ﴿ وَاحْصُرُوْهُمْ ﴾ اور تم ان کو بند رکھو اور شہروں میں چلنے پھرنے سے انہیں روک دو ﴿ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ﴾ اور تم ان (کو مارنے) کے لیے ہر گزر گاہ میں بیٹھ جاؤ اور ہر آنے جانے والے راستے پر تم ان کا انتظار کرو [اور ''كُلَّ مَرْصَدٍ'' ظرف (مفعول فیہ) ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ پھر اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں ﴿ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو اور انہیں قید کرنے اور بند رکھنے کے

بعد ان کو چھوڑ دو یا یہ کہ تم ان سے باز آ جاؤ اور اب ان کا پیچھا نہ کرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اسلام کے ساتھ دھوکہ دہی اور کفر کی پردہ پوشی فرما کر بہت بخشنے والا ہے ﴿ رَّحِیْمٌ ﴾ وہ بے حد مہربان ہے کہ اس نے ان کے قتل کرنے کا حکم دے کر اس پر لازمی طور پر عمل کرنے سے پہلے (توبہ کرنے کی شرط پر) قتل کا حکم اٹھالیا۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۠﴿۶﴾ كَیْفَ یَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۷﴾ كَیْفَ وَ اِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَیْكُمْ لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو آپ اسے پناہ دے دیں تا کہ وہ کلامِ الٰہی سنے' پھر آپ اس کو امن کی جگہ پر پہنچا دیں' یہ اس لیے کہ یقیناً وہ بے علم قوم ہے ○ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مشرکین کا معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے ماسوا ان کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا' سو جب تک وہ تمہارے معاہدہ پر قائم رہیں تو تم بھی ان کے لیے معاہدے پر قائم رہو' بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے ○ وہ معاہدہ پر کیسے قائم رہ سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ نہ تمہاری قرابت داری کا لحاظ رکھیں گے اور نہ عہد و پیمان کا' وہ صرف زبانی باتوں سے تمہیں خوش رکھتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں' اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ○

٦۔ ﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ ﴾ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دے دیں [''اَحَدٌ'' بشرط مضمر فعل (پوشیدہ فعل) کی وجہ سے مرفوع ہے اور فعل مضمر کی تفسیر فعلِ ظاہر کر رہا ہے یعنی (اصل میں) ''وَاِنِ اسْتَجَارَكَ اَحَدٌ اِسْتَجَارَكَ'' تھا] اور معنی یہ ہے کہ حرمت والے مہینے گزر جانے کے بعد جب کہ آپ کے اور ان کے درمیان عہد ختم ہو چکا ہو اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائے اور وہ آپ سے امان طلب کرے تا کہ آپ جس توحید اور قرآن کی طرف اس کو دعوت دیتے ہیں وہ اس کو سنے تو آپ اس کو ضرور امان دے دیں ﴿ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن و سنت) سنے اور اس میں غور و فکر کرے اور حقیقت امر کو جان لے ﴿ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾ پھر آپ اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں یعنی اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو آپ اس کو اس کے گھر میں پہنچا دیں جس میں وہ امن و سکون کے ساتھ رہے' پھر بعد ازاں اگر آپ چاہیں تو اس سے قتال کیجئے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ امان طلب کرنے والے کو تکلیف نہیں دی جائے گی اور نہ اس کو ہمارے اپنے ملک میں مستقل قیام کی اجازت ہو گی اور اس کو واپس جانے کا اختیار دیا جائے گا ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے ارشاد ''فَاَجِرْهُ'' کے ساتھ پناہ دینے کا حکم دینا ﴿ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اس سبب سے ہوا کہ وہ یقیناً جاہل قوم ہے' وہ کچھ

نہیں جانتے کہ اسلام کیا چیز ہے اور جس چیز کی طرف آپ بلاتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے' سو اس لیے ان کو امان عطا کرنا ضروری ہے تاکہ وہ کلام الٰہی کو سنیں یا وہ حق کو سمجھیں۔

۷۔﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے پاس مشرکین کے لیے معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے [''كَيْفَ'' کا لفظ سوالیہ ہے جو انکار کے معنی میں استعمال ہوا ہے] یعنی ان مشرکوں کے لیے عہد کا قائم رکھنا ناممکن ہے' لہٰذا (اے مسلمانو!) تم اس کی امید نہ رکھو اور نہ اب تم ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنا اور نہ تم ان کے ساتھ جنگ کرنے میں سوچ و بچار سے کام لینا (بلکہ ہر وقت تیار رہنا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے استثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ ﴾ یعنی لیکن ان میں سے جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے اور ان سے کسی قسم کی عہد شکنی ظاہر نہیں ہوئی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ' سو تم ان کے معاملے کا انتظار کرو اور ان کے ساتھ جنگ نہ کرو ﴿ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ مسجد حرام کے پاس ﴿ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ ﴾ سو جب تک وہ تمہارے عہد پر قائم رہیں اور ان سے عہد شکنی ظاہر نہ ہو یعنی جب تک مشرکین ایفائے عہد پر قائم رہیں ﴿ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ﴾ تو تم بھی ان کے لیے ایفائے عہد پر قائم رہو [اور یہاں حرفِ ''مَا'' شرطیہ ہے ''اَیْ فَاِنِ اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ'' یعنی اگر وہ تمہارے معاہدے پر قائم رہیں تو تم بھی ان کے معاہدے پر قائم رہو] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے یعنی مشرکین کے ساتھ معاہدہ پر مقررہ مدت تک قائم رہنا اور اس کا انتظار کرنا پرہیز گاروں کے اعمال میں سے ایک عمدہ عمل ہے۔

۸۔﴿ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ﴾ وہ معاہدے پر کس طرح قائم رہ سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ حلف و قسم اور قرابت داری کا لحاظ رکھیں گے اور نہ عہد و پیمان کا لحاظ رکھیں گے۔ [یہاں مشرکین کی طرف سے معاہدے پر ثابت قدم رہنے کو مستبعد (بعید از قیاس) قرار دینے کے لیے سوالیہ انکار کے لفظ ''كَيْفَ'' کو مکرر ذکر کیا گیا ہے اور فعل کو معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا' اصل میں ''كَيْفَ يَكُوْنُ لَهُمْ عَهْدٌ'' ہے] یعنی ان کا معاہدے پر قائم رہنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں یعنی سابقہ قسموں اور معاہدوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے بعد بھی اگر وہ تم پر کامیاب ہو جائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ حلف و قرابت داری کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد و پیمان کا لحاظ کریں گے ﴿ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ وہ تو صرف زبانی ایمان لانے اور ایفائے عہد کرنے کے وعدے کر کے تمہیں راضی اور خوش رکھنا چاہتے ہیں (ورنہ دل سے جلتے رہتے ہیں) اور یہ کلام ان کے اس وصف کو بیان کرنے کے لیے شروع کیا گیا ہے کہ ان کا ظاہر ان کے باطن کے خلاف ہے اور یہی وصف ان کی طرف سے عہد پر ثابت رہنے کے استبعاد (بعید از قیاس) کو ثابت و مستحکم کرتا ہے ﴿ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ﴾ اور ان کے دل ایمان قبول کرنے اور وعدہ وفا کرنے سے انکار کرتے ہیں ﴿ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ اور ان میں اکثر لوگ نافرمان ہیں کہ عہد کو توڑنے والے ہیں یا یہ کہ وہ کفر میں بہت سرکشی کرنے والے' ان میں کوئی انسانی مروّت نہیں' جو انہیں جھوٹ بولنے سے باز رکھے اور نہ کوئی اچھی عادتیں ہیں جو انہیں عہد شکنی کرنے پر خوف زدہ کریں جیسا کہ ان دونوں (جھوٹ بولنے اور عہد شکنی کرنے) کے عوض یہ چیزیں بعض کافروں میں موجود ہوتی ہیں۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت خریدی' سوانہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا' بے شک وہ بہت بُرے کام کرتے تھے O وہ کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا' اور یہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں O پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں' اور ہم اہل علم قوم کے لیے آیتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں O اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم کفر کے سرداروں سے جنگ کرو' بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آجائیں O

۹- ﴿ اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں یعنی قرآن مجید کو تھوڑی سی قیمت میں فروخت کردیا کہ انہوں نے قرآن مجید کے عوض میں دنیا کا حقیر سامان تبدیل کرلیا اور اس سے خواہشات اور شہواتِ نفسانیہ مراد ہیں ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ﴾ اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا' سو انہوں نے خود بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے منہ پھیر لیا اور لوگوں کو بھی روکا ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک وہ بہت بُرے کام کرتے تھے یعنی ان کے اعمال بہت بُرے اعمال ہیں۔

۱۰- ﴿ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ﴾ وہ کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابت داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا [یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلا خصوص پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''فِیْكُمْ'' صرف تمہارے بارے میں وہ قرابت و عہد کا لحاظ نہیں کرتے اور یہ دوسرا کلام عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فِیْ مُؤْمِنٍ'' کہ مشرکین کسی مسلمان کے بارے میں قرابت داری اور عہد و پیمان کا لحاظ نہیں کرتے] ﴿ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں یعنی یہ لوگ ظلم و شرارت میں انتہائی تجاوز کرنے والے ہیں۔

۱۱- ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ ﴾ پھر اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کرلیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے بھائی ہیں [اصل میں ''فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ'' ہے' مبتدا محذوف کردیا گیا ہے (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے)] ﴿ فِی الدِّیْنِ ﴾ دین و مذہب میں (وہ تمہارے بھائی ہیں) نسب و خاندان میں نہیں ﴿ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ اور ہم اپنی آیتوں کو اہل علم قوم کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو سمجھتے ہیں اور ان آیتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور یہ جملہ معترضہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ بے شک جو شخص ان کی تفصیل میں غور و فکر کرے گا تو وہ عالم اور جاننے والا ہو جائے گا' یہ محض ترغیب دینے کے لیے ہے کہ معاہدہ کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے مشرکین کے تفصیلی احکام میں غور و فکر کیا جائے۔

۱۲- ﴿ وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ ﴾ اور اگر وہ اپنے معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں یعنی اگر وہ

لوگ قسموں کے ساتھ پختہ کیے گئے معاہدوں کو توڑ ڈالیں ﴿وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ﴾ اور وہ تمہارے دینِ حق کے بارے میں طعنہ زنی کریں اور اس میں عیب نکالنے کی کوشش کریں ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ﴾ تو تم کافروں کے سرداروں سے جنگ کرو [''فَقَاتِلُوْهُمْ'' کی بجائے اسمِ ظاہر ''اَئِمَّةَ الْکُفْرِ'' کو ''هُمْ'' ضمیر کی جگہ ذکر کیا گیا ہے] (تاکہ قتل کی وجہ معلوم ہو جائے کہ کفر میں لیڈری کرنے والے ہی قتل کے زیادہ مستحق ہیں) اور اس سے شرک کے سردار مراد ہیں یا پھر قریش کے وہ لیڈر مراد ہیں جنہوں نے رسول اکرم کو مکہ مکرمہ سے نکال دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور مفسرین کرام نے فرمایا کہ جب کوئی ذمی دین اسلام کے بارے میں کھلم کھلا طعنہ زنی اور زبان درازی کرے تو اس کا قتل کرنا جائز ہے کیونکہ اس کے ساتھ معاہدہ اس شرط پر قائم کیا گیا تھا کہ وہ دین اسلام پر طعنہ زنی اور عیب جوئی نہیں کرے گا' پس جب اس نے طعنہ زنی کی تو اس نے اپنا عہد توڑ ڈالا اور معاہدہ سے خارج ہو گیا [کوفیوں اور شامیوں کی قراءت میں ''اَئِمَّةً'' دو ہمزوں کے ساتھ ہے اور باقیوں کی قراءت میں بغیر مد کے صرف ایک ہمزہ کے ساتھ ہے جس کے بعد ''یـا'' مکسور ہے (اَیِمَّةً) اس کی اصل ''اَاْمِمَةٌ'' ہے کیونکہ یہ ''اِمَام'' کی جمع ہے جیسے ''اَعْمِدَةٌ''، ''عِمَاد'' کی جمع ہے' پھر پہلے میم کی حرکت ہمزہ ساکنہ کو دے دی گئی اور اس کو دوسری میم میں مدغم کر دیا گیا' لہٰذا جس نے دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے اس نے اصل کا اعتبار کیا ہے اور جس نے دوسرے ہمزے کو ''یـا'' سے تبدیل کیا اس نے اس کے کسرہ کی وجہ سے کیا] ﴿اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ﴾ بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے ارشاد: ''وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ'' میں ان کی قسموں کو ثابت کیا کیونکہ ان سے وہ (جھوٹی) قسمیں مراد ہیں' جو انہوں نے ظاہر کی تھیں' پھر اس دوسرے ارشاد میں حقیقت کے اعتبار سے ان قسموں کی نفی فرما دی اور یہ آیت مبارکہ ہماری (احناف) کی دلیل ہے کہ کافر کی قسم معتبر نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ کافر اس کو پورا نہیں کرتے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک ان کی قسم قسم ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ''نـکـث'' (توڑنے) کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''لَا اِیْمَانَ لَهُمْ'' ہے یعنی ان کا کوئی دین و ایمان نہیں] ﴿لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ﴾ تاکہ وہ (کفر سے) باز آ جائیں۔ [یہ ''فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے] یعنی کفار سے بڑے بڑے جرائم سرزد ہونے کے بعد ان کے ساتھ جنگ کرنے سے تمہاری غرض صرف ان کو کفر و شرک سے باز رکھنا اور روکنا ہے جس پر وہ اَڑے ہوئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بُرے کام کرنے والے پر انتہائی کرم ہے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط اَتَخْشَوْنَهُمْ ج فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْکُمْ وَیُخْزِهِمْ وَیَنْصُرْکُمْ عَلَیْهِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ لا وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ ط وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۱۵﴾

کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور انہوں نے رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور

انہی لوگوں نے تمہارے ساتھ پہلی بار ابتدا کی ہے' کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو O تم ان سے جنگ کرو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے گا اور انہیں ذلیل و رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مؤمنوں کے سینوں کو شفا دے گا O اور ان کے دلوں کا غصہ دور کر دے گا' اور اللہ جس کو چاہے گا اس کو توبہ کی توفیق دے گا' اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے O

۱۳- پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا: ﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ﴾ کیا تم اس قوم سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا ہے جو قسمیں انہوں نے معاہدہ کرتے وقت کھائی تھیں ﴿ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ ﴾ اور انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا ﴿ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ اور انہوں نے ہی پہلی دفعہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں پہل کی ہے اور پہل کرنے والا ہی ظالم ہوتا ہے تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے تمہیں کون سی چیز مانع ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ جہاد ترک کرنے سے مسلمانوں کو روکا اور ان کو جہاد کی ترغیب دی' پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایسے اوصاف بیان کیے' جو مسلمانوں میں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کو واجب و لازم کرتے ہیں اور وہ اوصاف یہ ہیں کہ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اکرم کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور بغیر کسی سبب کے جنگ کرنے میں پہل کی ﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ﴾ کیا تم ان سے ڈرتے ہو' یہ ان سے ڈرنے پر ڈانٹ ہے ﴿ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اور اس کے دشمنوں سے جنگ کرو [اصل میں "بِاَنْ تَخْشَوْهُ" ہے] ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اگر تم ایمان دار ہو تو صرف اسی سے ڈرو یعنی کامل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن اپنے رب کے بغیر کسی سے نہ ڈرے اور اس کے سوا کسی کی پرواہ نہ کرے۔

۱۴- اور جب اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیتِ مبارکہ میں جہاد ترک کرنے پر مسلمانوں کو ڈانٹا تو اس آیتِ مبارکہ میں انہیں جہاد کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ قَاتِلُوْهُمْ ﴾ (اے مسلمانو!) تم ان سے جنگ کرو۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے مدد کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کے دل ثابت و مطمئن رہیں اور ان کی نیتیں درست رہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں قتل کرا کر انہیں سزا دے گا اور قید کرا کر انہیں ذلیل و رسوا کرے گا ﴿ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾ اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور تمہیں ان پر غلبہ و کامیابی عطا فرمائے گا ﴿ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ اور مسلمان قوم کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا یعنی ان کی ایک جماعت کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا اور اس سے قبیلہ خزاعہ مراد ہے' جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔

۱۵- ﴿ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کا غصہ اور حزن و ملال دور کر دے گا جو کفار (قریشِ مکہ وقبیلہ بنو بکر) کی طرف سے انہیں تکلیفیں پہنچنے پر لاحق ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ تمام وعدے پورے فرما دیئے' پس یہ چیزیں حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کی صحت کی دلیل بن گئیں ﴿ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے۔ یہ ایک الگ کلام کا آغاز ہوا ہے اور اس میں خبر دی گئی ہے کہ بعض کفار اپنے کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں گے اور ہوا بھی اسی طرح' چنانچہ ان میں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئے جیسے حضرت ابوسفیان' حضرت عکرمہ بن ابوجہل اور حضرت سہیل بن عمرو اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ فرقہ کے اس قول کی تردید کر رہی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام کفار کی توبہ چاہی لیکن کفار اپنے اختیار سے توبہ نہیں کریں گے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح وہ ماضی میں گزرے ہوئے

واقعات کو جانتا ہے ﴿حَكِيمٌ﴾ وہ توبہ قبول کرنے میں بڑا دانا اور زبردست حکمت والا ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾

ع ٢/٨

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک ان لوگوں کو ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو راز دار نہیں بنایا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پورا باخبر ہے O مشرکین کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جب کہ وہ اپنے بارے میں کفر کی گواہی دیتے ہوں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال برباد ہو گئے' اور وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے O اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور نماز قائم کرتا ہو اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو' سو اُنہی کے بارے میں امید ہے کہ وہ ہدایت والوں میں سے ہو جائیں گے O

١٦- ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ﴾ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے جہاد کیا ہے۔ [اس آیت میں "اَمْ" منقطعہ ہے اور ہمزہ اس میں گمان کے وجود پر زجر و توبیخ کے لیے ہے] یعنی تم کو اس حال پر نہیں چھوڑا جائے گا جس حال پر تم اب ہو بلکہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کو ظاہر کر کے رہے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جہاد کیا ﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم اور مؤمنوں کے ماسوا کسی کو راز دار نہیں بنایا یعنی ان لوگوں میں سے کسی کو راز دار نہیں بنایا' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے مخالف ہیں [اور "لَمَّا" کا معنی توقع ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا بیان عنقریب متوقع ہے] اور یہ کہ جنہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہیں کیا ان کے درمیان اور مخلصین کے درمیان اللہ تعالیٰ امتیاز واضح کر دے گا [اور "وَلَمْ يَتَّخِذُوا"، "جَاهَدُوا" پر معطوف ہے اور صلہ کے تحت داخل ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین اور مخلصین کو ان لوگوں سے ممتاز نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو رازدان' دوست بنانے والے ہیں اور علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ سب کچھ ظاہر نہیں فرمایا جو میرے متعلق لکھا گیا ہے' جب کہ اس کہنے سے تمہاری مراد یہ ہو کہ ابھی تک یہ سب کچھ مجھ سے معرض وجود میں نہیں آیا اور معنی یہ ہے کہ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تمہیں مجاہدہ کرائے بغیر اور مشرکین سے بَری و الگ کیے

بغیر یونہی چھوڑ دیا جائے گا ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اچھے یا بُرے تمام اعمال سے باخبر ہے' وہ تمہیں ان پر ضرور جزاء دے گا۔

تعمیر مساجد کے حق دار مسلم ہیں غیر مسلم نہیں' نیز ہجرت و ایمان اور اللہ اور رسول سے محبت اور جہاد کی فضیلت

۱۷۔ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ مشرکوں کے لیے نہ صحیح ہے اور نہ ہی جائز ہے ﴿اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو تعمیر و آباد کریں [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت ''مَسْجِدَ اللّٰهِ'' ہے اور اس سے مسجد حرام مراد ہے اور جمع (مَسَاجِدَ اللّٰهِ) کی قراءت میں جمع کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے کہ مسجد حرام تمام مسجدوں کا مرکز و قبلہ ہے اور ان کی امام ہے] سو اس کی تعمیر کرنے والا گویا تمام مسجدوں کی تعمیر کرنے والے کی طرح ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے چاروں اطراف کا ہر حصہ اور ٹکڑا مستقل مسجد ہے یا جنس مساجد مراد ہے اور جب مشرکین یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ وہ جنس مسجد (یعنی کوئی اسلامی عبادت گاہ) آباد کرسکیں تو اس عام حکم کے تحت یہ بھی داخل ہوگیا کہ وہ مسجد حرام کو آباد نہیں کرسکتے جو تمام مساجد کی صدر یعنی سب سے افضل ہے اور یہ زیادہ مؤکد و پختہ نفی ہے کیونکہ یہ طریقہ کنایہ کا طریقہ ہے جیسے تم کہو: فلاں آدمی اللہ تعالیٰ کی کتابیں نہیں پڑھ سکتا تو یہ طریقہ قرآن مجید کی قراءت سے صراحت کے ساتھ منع کرنے سے بڑھ کر نفی کرنے والا ہے ﴿شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دیتے ہوں اور بتوں کی عبادت کا اعتراف کرتے ہوں [اور یہ جملہ ''يَعْمُرُوْا'' کی ''هُمْ'' ضمیر سے حال واقع ہورہا ہے] اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو متضاد چیزوں کو جمع کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کو تعمیر و آباد بھی کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کا انکار بھی کریں ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال برباد ہوگئے اور وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے۔

۱۸۔ ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو صرف وہ تعمیر و آباد کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو (تعمیرِ مساجد کا مطلب یہ ہے کہ) ان کی عمارتیں بنانا اور جو حصے بوسیدہ ہوچکے ہوں' ان کو مرمت کرکے درست کرنا اور ان میں جھاڑو وغیرہ سے صفائی کرکے ان کو صاف ستھرا اور پاک رکھنا اور ان کو چراغوں اور لائٹوں سے روشن رکھنا اور ان کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھنا جن چیزوں کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئیں' جیسے ان میں دنیاوی باتیں کرنا (شور و غل کرنا' ان کو مسافر خانہ بنالینا اور ان میں بدبودار چیزیں کھا کر ان کو متعفن کرنا) اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا رسول کریم پر ایمان لانے کا قرینہ ہے کیونکہ اذان میں' اقامت میں اور کلمۂ شہادت وغیرہ میں دونوں پر ایمان لانے کی گواہی مقترن و متصل ہے' یا اس پر اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد دلالت کرتا ہے: ﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ نماز قائم کرتا ہو اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو ﴿وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہ ڈرتا ہو' اور اس ارشاد میں اخلاص پر تنبیہ ہے اور خشیت سے مراد یہ ہے کہ دین کے تمام معاملات میں مؤمن کسی متوقع خوف کے سبب اللہ تعالیٰ کی رضا پر کسی اور کی رضا کو اختیار نہ کرے کیونکہ مؤمن خطرناک چیزوں (جیسے سانپ' شیر' چیتے وغیرہ) سے بعض اوقات طبعی طور پر خوف زدہ ہوجاتا ہے اور وہ اتنی ہمت و جراءت اور قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ان سے بالکل نہ ڈرے اور بعض مفسرینِ کرام نے فرمایا کہ لوگ بتوں سے ڈرتے تھے اور ان سے امیدیں وابستہ رکھتے تھے' اس لیے اُن سے ڈرنے کی یہاں نفی کی گئی ہے

(یعنی مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے‘ بتوں وغیرہ سے نہیں ڈرتا) ﴿فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ سو قوی امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت والوں میں سے ہو جائیں گے جب کہ مشرکین ہدایت کے راستوں سے دور رہیں گے اور اس آیت مبارکہ میں مشرکین کی اپنے اعمال سے نفع اٹھانے کی امیدیں ختم کر دی گئی ہیں [کیونکہ ''عَسٰی'' کا کلمہ طمع وامید دلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ ان مسلمانوں کے تعمیرات مساجد کے اعمال جائز وصحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف انہیں کے اعمال معتبر ہیں‘ ان کے علاوہ کسی کے نہیں۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام آباد کرنے والے کو اس شخص کے برابر قرار دے دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا‘ وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا O وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا‘ وہ اللہ کے نزدیک درجہ میں سب سے بڑھ کر ہیں‘ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں O

۱۹- ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام تعمیر کرنے والے کو اس کے برابر قرار دے دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا‘ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ [''سقایة'' اور ''عمارة'' دونوں مصدر ہیں ''سَقْی'' اور ''عَمَرَ'' سے ماخوذ ہیں جیسے ''صیانة'' اور ''وقایة'' ہیں اور مضاف کا محذوف ہونا ضروری ہے‘ جس کی تقدیر یہ ہے: ''اَجَعَلْتُمْ اَهْلَ سِقَايَةِ الْحَآجِّ وَعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ'' اور بعض نے کہا کہ مصدر بہ معنی فاعل ہے اور حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت اس کی تصدیق کرتی ہے: ''سُقَاةَ الْحَآجِّ وَعَمَرَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ''] اور معنی یہ ہے کہ مشرکوں کو مسلمانوں کے ساتھ اور ان کے ضائع ہونے والے اعمال کو مسلمانوں کے محفوظ وثابت اعمال کے ساتھ تشبیہ دینے کا اور ان میں برابری کرنے کا انکار ہے اور یہ کہ کفر کرنے کے ظلم کے بعد مشرکوں کو مسلمانوں کے برابر قرار دینا دوسرا بڑا ظلم ہے کیونکہ انہوں نے مدح وتعریف اور فخر کو ان کے غیر محل میں رکھا۔

شانِ نزول: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب (غزوۂ بدر میں) گرفتار کیا گیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے اور قرابت داری کے تعلق کو توڑنے پر ڈانٹنے لگے‘ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے ہماری برائیاں بیان کی ہیں اور ہماری خوبیاں چھوڑ دی ہیں‘ جب ان سے کہا گیا کہ کیا تمہاری خوبیاں بھی ہیں؟

تو حضرت عباس نے فرمایا: (اس وقت تک آپ نے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا) کہ ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور ہم حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور ہم قیدیوں کو رہا کرتے ہیں تو ان کے اس قول کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔

اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضرت عباس نے پانی پلانے پر اور شیبہ نے مسجد حرام کو آباد کرنے پر اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے اور جہاد کرنے پر فخر کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق فرمائی (اور یہ آیت مبارکہ نازل کی)۔

۲۰۔﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''مِنْ اَهْلِ السِّقَایَةِ وَالْعِمَارَةِ''۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا' یہی لوگ پانی پلانے والوں اور مسجد حرام کو آباد رکھنے والوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے درجے پر فائز ہیں ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ اور یہی مسلمان کامیاب و کامران ہیں (اور اے مشرکو!) تم نہیں اور یہی لوگ کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں مشرکین نہیں۔

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

ان کا پروردگار ان کو اپنی جناب سے رحمت اور خوشنودی اور بہشتوں کی خوشخبری سناتا ہے' جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہوں گی ○ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' بے شک اللہ کے نزدیک بہت بڑا اجر وثواب ہے ○ اے ایمان والو! تم اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں' اور تم میں سے جو کوئی بھی ان کو دوست رکھیں گے تو وہ بڑے ظالم ہوں گے ○

۲۱۔﴿ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ ﴾ انہیں ان کا پروردگار اپنی رحمت اور خوشنودی اور بہشتوں کی خوشخبری سناتا ہے۔ [قاری حمزہ کی قراءت میں ''یَبْشُرُهُمْ'' (باب انفعال سے) ہے۔ مُبَشَّرٌ بہ (جن چیزوں کی خوشخبری سنائی گئی ہے) کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ چیزیں کسی تعریف کرنے والے کی تعریف اور کسی وصف بیان کرنے والے کے وصف سے بہت بلند و بالا واقع ہوئی ہیں] ﴿ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ﴾ انہیں لوگوں کے لیے ان (بہشتوں) میں دائمی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔

۲۲۔﴿ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا ثواب ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا تو ہر آدمی اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں سے کہنے لگا کہ بے شک ہمیں ہجرت کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے' چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ تو ہجرت کرنے

کے لیے تیاری کرنے لگے اور وہ اس پر خوش ہونے لگے اور ان میں سے کچھ لوگوں کے بیوی بچے ان سے لپٹ گئے اور کہنے لگے کہ آپ ہمیں بے سروسامان چھوڑ کر چلے گئے تو ہم لوگ ضائع ہو جائیں گے تو وہ لوگ ان کے پاس بیٹھ جاتے اور ہجرت کرنا چھوڑ دیتے' ان کے بارے میں (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۲۳۔﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ' اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں یعنی وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیں اور ایمان کے بدلے میں کفر کو اختیار کر لیں ﴿ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ ﴾ اور تم میں جو شخص ان سے دوستی کرے گا یعنی جو لوگ کافروں کو دوست رکھیں گے ﴿ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ تو یہ لوگ ظالم ہوں گے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾

اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں (یہ سب چیزیں) اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O بے شک اللہ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد فرما چکا ہے' اور حنین کے دن بھی' جب تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور کر دیا' سو وہ تمہیں کچھ کام نہ دے سکی اور زمین فراخ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ گئے O

۲۴۔﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے مسلمانو!) اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے اقارب [حضرت ابو بکر کی قراءت میں ''وَعَشِیْرَاتُكُمْ'' ہے] ﴿ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ اور وہ مال جن کو تم نے محنت سے کمایا اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خوف لگا رہتا ہے اور اس کے بھاؤ کے وقت نرخ کے گرنے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ محلات و مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو' یہ سب چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور وہ جلد آنے والا یا تاخیر سے آنے والا عذاب ہے یا

فتح مکہ مراد ہے ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور یہ آیت مبارکہ لوگوں کے لیے دھمکی ہے کہ وہ دین کے معاملات میں نرم رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور مداہنت سے کام لیتے ہیں اور یقین کی رسی میں مذبذب ہو جاتے ہیں جب کہ تم پرہیزگاروں کو ایسا ہرگز نہیں پاؤ گے کہ وہ دین کے مقابلے میں باپ دادا اور بیٹوں اور مال و دولت اور دنیا کی لذات کو پسند کرتے ہوں۔

غزوۂ حنین، حج و عمرہ سے مشرکین کی ممانعت اور یہود و نصاریٰ سے جہاد کرنے کا بیان

۲۵- ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد فرمائی جیسے جنگ بدر، قریظہ، نضیر، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ مقامات جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اور مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی وہ اسی مقام ہیں اور مواطن حرب سے مراد جنگ کے مقامات اور جنگ کے لیے قیام گاہیں ﴿وَيَوْمَ﴾ ''اَیْ وَاذْكُرُوْا يَوْمَ'' ﴿حُنَيْنٍ﴾ یعنی اور تم حنین کے دن کو یاد کرو اور حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے، جس میں مسلمانوں اور ھوازن و ثقیف کے درمیان جنگ ہوئی تھی اور مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور ھوازن و ثقیف کی تعداد چار ہزار تھی، پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو مسلمانوں میں کسی آدمی نے کہہ دیا کہ آج ہم قلت کی وجہ سے تو ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے (کیونکہ ہماری فوج تین گنا زیادہ ہے) یہ بڑا بول رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا ﴿إِذْ﴾ [یہ ''یَوْم'' سے بدل ہے] جب ﴿أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ تمہارے لشکر کی کثرت نے تمہیں تعجب و غرور میں ڈال دیا تو کثرت تعداد پر تکبر و غرور کے بڑے بول نے مسلمانوں کو اپنی گرفت میں گھیر لیا اور ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی کہ مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لشکر کی کثرت نہیں، چنانچہ شروع میں مسلمان شکست کھا گئے اور مغلوب ہو کر بھاگ پڑے، یہاں تک کہ ان کا شکست خوردہ لشکر مکہ مکرمہ میں جا پہنچا اور رسول اللہ ﷺ اکیلے باقی رہ گئے اور آپ اپنے مرکز میں قائم رہے اور آپ کے ساتھ صرف آپ کے ایک چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہ گئے، جنہوں نے آپ کی سواری کے جانور کی لگام تھام رکھی تھی اور دوسرے آپ کے چچا زاد بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث تھے، جنہوں نے سواری کی رکاب تھام رکھی تھی اور حضور سرورِ عالم ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ تم بلند آواز سے لوگوں کو پکارو اور حضرت عباس کی آواز بلند تھی تو انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ اے (حدیبیہ کے مقام پر ببول کے درخت کے نیچے جہاد کی بیعت کرنے والے) اصحابِ شجرہ! ادھر آؤ، چنانچہ پورا لشکر ''لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ'' کہتا ہوا جمع ہو گیا (اور کفار پر ٹوٹ پڑا) اور مسلمانوں کی مدد کے لیے سفید لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر فرشتے اترے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لی اور کفار کی طرف پھینک دی، پھر فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! کفار شکست کھا گئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفار شکست کھا گئے اور مسلمان لشکر فتح یاب ہو گیا اور اس روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا یہ تھی: ''اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَإِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ'' اور دریا پھاڑ کر راستے بنانے والے دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی دعا کی تھی ﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ تو لشکر کی کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی [''مَا'' مصدریہ ہے اور ''بَا'' ''مَعَ'' کے معنی میں ہے یعنی کشادہ ہونے کے ساتھ اور اس کی حقیقت ''رحب'' کے ساتھ ملتبس ہے اس بناء پر کہ جار مجرور محلاً حال ہے جیسے تم کہو کہ میں فلاں کے پاس سفر کے کپڑوں میں داخل ہوا یعنی میں سفر کے لباس کے ساتھ ملتبس تھا] اور معنی یہ ہے کہ تم نے اپنے دشمنوں سے بھاگنے کے لیے کوئی راہ فرار کی جگہ نہ پائی تو گویا زمین تم پر تنگ ہو گئی ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴾ پھر تم شکست کھا گئے۔

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا
لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ
يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۷﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ
الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ
اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۸﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی تسکین اتاری اور ایسا لشکر اتارا جس کو تم نے (کبھی) نہیں دیکھا تھا اور کافروں کو عذاب دیا' اور کافروں کی یہی سزا ہے O پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق عنایت فرمائے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اے ایمان والو! بے شک مشرکین ہی ناپاک ہیں' سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ جائیں' اور اگر تمہیں غربت کا ڈر ہو تو عنقریب اللہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا اگر وہ چاہے گا' بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O

۲۶- ﴿ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی جس کی برکت سے مسلمان پُرسکون وپُرامن ہو گئے ﴿وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا لشکر اتارا جس کو تم نے نہیں دیکھا یعنی فرشتوں کا لشکر اور وہ آٹھ ہزار (۸۰۰۰) تھے یا پانچ ہزار (۵۰۰۰) یا سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) تھے ﴿وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو قتل و غارت اور قید و بند اور بیوی بچوں کی گرفتاری کے عذاب میں مبتلا کیا ﴿وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

۲۷- ﴿ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ﴾ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا توبہ کی توفیق عنایت فرما دی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان میں سے اسلام قبول کر لیا تھا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اسلام قبول کرنے کی برکت سے دشمنوں کے کفر پر بہت پردہ پوشی فرمانے والا ہے ﴿رَّحِيۡمٌ﴾ اللہ تعالیٰ شکست کے بعد اپنے دوستوں کی نصرت و مدد کر کے ان پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

۲۸- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ﴾ اے ایمان والو! بے شک مشرکین محض ناپاک ہیں" "اَیۡ ذَوُوۡ نَجَسٍ" یعنی نجاست وگندگی والے ہیں [اور یہ مصدر ہے جیسے "نَجِسَ نَجَسًا وَقَذِرَ قَذَرًا" کہا جاتا ہے] کیونکہ ان میں شرک ہے جو نجاست وگندگی کے قائم مقام ہے اور وہ اس لیے بھی نجس ہیں کہ وہ پاک صاف نہیں رہتے اور نہ غسلِ جنابت کرتے ہیں اور نہ وہ گندگیوں سے بچتے ہیں بلکہ وہ لوگ گندگیوں کے ساتھ ملوث ہوتے ہیں یا ان کے وصف میں مبالغہ کرنے کے لیے انہیں خود نجس و پلید قرار دیا گیا ہے گویا وہ لوگ بذاتِ خود نجس و ناپاک اور پلید ہیں ﴿فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ﴾ لہٰذا وہ مسجد حرام کے پاس نہ جائیں اور نہ وہ حج کریں اور نہ وہ عمرہ کریں جیسا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں کرتے

تھے ﴿ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ اپنے اس سال کے بعد اور وہ ۹ھ ہے' جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موسم حج کے موقع پر امیر حج مقرر کیا گیا تھا یا مسجد حرام کے قریب جانے کی نہی سے حج اور عمرہ کی نہی مراد ہے اور یہی ہمارا (یعنی احناف کا) مذہب ہے' چنانچہ ہمارے نزدیک حرم میں اور مسجد حرام میں اور دیگر تمام مساجد میں انہیں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مسجد حرام میں داخل ہونے سے انہیں روکا جائے گا' باقی سے نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام سے بھی اور اس کے علاوہ مساجد میں داخل ہونے سے بھی ان کو روکا جائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مسجد حرام کے قریب جانے سے مشرکین کو نہی کرنا دراصل مسلمانوں کو نہی کرنا ہے (کیونکہ کفار براہِ راست شرعی احکام کے مکلّف نہیں) کہ مسلمان مساجد کا اقتدار و اختیار مشرکین کو نہ دیں ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ﴾ یعنی اگر مشرکین کو حج سے منع کرنے کی وجہ سے تمہیں فقر و فاقہ اور اس نفع اور کمائی کا خطرہ ہے جو مشرکین کے تمہارے پاس آنے سے تمہیں حاصل ہوتی ہے ﴿ فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ ﴾ تو عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہیں غنی کر دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اموالِ غنیمت یا بارش اور زمین کی پیداوار یا حجاج اسلام کے تاجروں کی وجہ سے تمہیں غنی کر دے گا ﴿ اِنْ شَآءَ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ یہ تعلیم دینے کے لیے فرمایا گیا ہے (ورنہ اللہ تعالیٰ حسبِ وعدہ ضرور غنی کر دے گا) کہ تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے کے ساتھ مشروط مانا جائے تاکہ تمام امیدیں (سب سے) منقطع کر کے صرف اسی کی طرف رجوع کیا جائے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ تمہاری امیدوں اور آرزوؤں کی تحقیق میں بہت حکمت والا ہے یا یہ کہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے' وہ اپنے احکام اور اپنے ارادوں میں بڑی حکمت والا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

تم ان لوگوں سے جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ وہ اسے حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ وہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی تھی یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور وہ ذلیل ہو جائیں ○ اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں' اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں' یہ ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں' یہ ان لوگوں کی بات کے مشابہ باتیں بناتے ہیں جو ان سے پہلے کافر گزر چکے ہیں' اللہ ان کو ہلاک کرے' یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں ○

۲۹- یہ آیتِ مبارکہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (اے مسلمانو!) تم ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ یہودی دو خدا مانتے ہیں اور نصرانی تین خدا مانتے ہیں ﴿ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور نہ وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ آخرت کو جس طرح ماننا واجب اور لازم ہے وہ اس طرح نہیں مانتے بلکہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کا گمان ہے کہ جنت میں کھانے اور پینے کی نعمتیں نہیں ہوں گی ﴿ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ اور وہ اس کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ قرآن وسنت میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے' اہل کتاب ان کو حرام نہیں سمجھتے یا یہ کہ وہ تورات اور انجیل کے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتے (بعض نسخوں کے مطابق ترجمہ یہ ہے کہ) وہ لوگ تورات وانجیل کے احکام کو نہیں جانتے ﴿ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ﴾ اور وہ دینِ حق کو قبول نہیں کرتے اور نہ وہ دین اسلام کو مانتے ہیں جو کہ سچا دین ہے' کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ يَدِيْنُ بِكَذَا'' جب کوئی شخص اپنا دین اپنا لیتا ہے اور اس کو قبول کر کے بطور عقیدہ اختیار کر لیتا ہے ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی۔ [یہ جملہ اپنے سے پہلے ''اَلَّذِيْنَ'' کا بیان ہے] اور لیکن مجوس جزیہ قبول کرنے میں اہل کتاب کے ساتھ لاحق ہیں اور اسی طرح ترک اور ہند کے بت پرست وغیرہ بہ خلاف مشرکینِ عرب کے اس لیے کہ امام زہری نے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت پرستوں سے جزیہ قبول کرنے پر صلح کر لی تھی ماسوا ان کے جو عرب سے تھے[1] ﴿ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ ﴾ یہاں تک کہ وہ لوگ جزیہ قبول کر کے ادا کریں اور اس کو جزیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلم ملک میں شہریت حاصل کرنے والے غیر مسلم پر اس کو ادا کرنا واجب اور لازم ہوتا ہے یعنی اس پر لازم ہے کہ وہ اس جزیہ کو لازمی طور پر ہر حال میں ادا کرے یا یہ کہ کافر (امان حاصل کر کے) ذلت ورسوائی سے بچنے کی مہلت کا معاوضہ ادا کرتا ہے ﴿ عَنْ يَّدٍ ﴾ بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے ہاتھ سے خود بخود ادا کرے' اس لیے کہ جس نے انکار کیا اور رکاوٹ ڈالی اس نے اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا نہیں کیا' بہ خلاف مطیع وفرماں بردار کے اور اس لیے کہ جب کوئی مطیع وفرماں بردار ہو کر جزیہ ادا کرے تو کہتے ہیں: ''اَعْطٰى بِيَدِهٖ'' کہ اس نے اپنے ہاتھ سے عطا کیا اور کہتے ہیں کہ فلاں آدمی نے اپنا ہاتھ اطاعت سے کھینچ لیا (یعنی نافرمان ہو گیا) یا یہ معنی ہے: یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے لینے والے کے ہاتھ میں نقد ادا کریں نہ اُدھار ہو اور نہ کسی اور کے ہاتھ سے بھیجا جائے بلکہ براہِ راست دینے والے کے ہاتھ سے لینے والے کے ہاتھ میں ادا کیا جائے ﴿ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ اور وہ ذلیل وخوار ہوں' یعنی ان سے جزیہ اس طرح وصول کیا جائے کہ وہ ذلیل وپست ہو کر ادا کریں اور اس طرح کہ وہ لوگ بذاتِ خود پیدل چل کر جزیہ ادا کریں' سوار ہو کر نہیں اور جب وہ جزیہ ادا کرنے لگیں تو وہ کھڑے ہو کر سپرد کریں اور لینے والا بیٹھ کر وصول کرے اور وہ عاجزی وانکساری اور الحاح وزاری کے ساتھ اپنا جزیہ ادا کرے اور غلاموں کی طرح اس سے جزیہ وصول کیا جائے اور اس سے کہا جائے گا: اے ذمی! جزیہ ادا کر اور جب وہ جزیہ ادا کر چکے تو بغیر پشت کیے پچھلے پاؤں پلٹ جائے اور اسلام قبول کر لینے پر جزیہ ساقط وختم ہو جاتا ہے۔

اہلِ کتاب کی بدعقیدگی وبد عملی کا بیان اور مقصدِ بعثتِ نبوی

۳۰- ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ ﴾ اور تمام یہودیوں نے یا ان میں سے بعض نے کہا کہ ﴿ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ حضرت عزیر (پیغمبر خدا) علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں [یہ جملہ مبتدا خبر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ''اَلْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ'' اور عزیر عجمی نام ہے اور یہ عجمی اور معرفہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور جس نے اس پر تنوین پڑھی ہے وہ عاصم اور علی

[1] قال ابن حجر: اخرجہ عبد الرزاق فی تفسیرہ (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۲۶۳)

کسائی ہیں جنہوں نے اس کو عربی نام قرار دیا ہے] ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ اور نصرانیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں' یہ صرف ان کی اپنے مونہوں کی باتیں ہیں یعنی یہ بناوٹی بات ہے' نہ اس کو کسی برہان و حجت سے مضبوط و مستحکم کیا گیا ہے اور نہ کوئی مستند بیان اس کی تصدیق و تائید کرتا ہے' یہ صرف منہ سے ایسے ہی کہہ دیا گیا ہے جو مہمل و بے معنی الفاظ کی طرح معنی اور مفہوم سے خالی ہے ﴿يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ یہ لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ) پہلے کافروں کی بات جیسی باتیں بناتے ہیں۔[یہاں اس عبارت میں مضاف کا محذوف ماننا ضروری ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''یُضَاهِی قَوْلُهُمْ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' پھر مضاف کو حذف کر کے ضمیر مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے' پھر اس کو (فاعل قرار دے کر) مرفوع کر دیا گیا] یعنی بے شک یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کے عہد مبارک میں تھے' ان کا قول اپنے متقدمین کے قول کے مشابہ ہو گیا ہے یعنی کفر کا عقیدہ ان میں قدیم ہے' کوئی جدید عقیدہ نہیں یا یہ ضمیر نصاریٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی عیسائیوں کا یہ کہنا کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں' یہ یہود کے اس قول کے مشابہ ہو گیا ہے کہ حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کیونکہ یہودی عیسائیوں سے پہلے ہیں [امام عاصم کی قراءت میں ''یُضَاهِئُوْنَ'' (ہمزہ کے ساتھ) ہے اور ''مضاہات'' کا اصل معنی مشابہت ہے اور اکثر قراء نے ہمزہ کو ترک کر دیا ہے (چنانچہ ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی' حمزہ' ابوعمرو بصری' نافع مدنی' علی کسائی' ابوجعفر' خلف اور یعقوب کی قراءت میں ''یُضَاهُوْنَ'' ہے) اور یہ عرب کے قول ''اِمْرَاَۃٌ ضَهْيَاءُ'' سے مشتق ہے' یہ وہ عورت ہوتی ہے جو مردوں کے مشابہ ہو گئی ہو کہ اس کو حیض (ماہواری) نہ آتی ہو۔ علامہ زجاج نے اسی طرح کہا ہے] ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو برباد و ہلاک کرے یعنی وہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان کے بارے میں یہی کہا جائے ﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ برہان و حجت اور مضبوط دلیل قائم ہونے کے بعد یہ لوگ حق سے کیوں پھرے جا رہے ہیں؟

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾

النصف

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے پادریوں اور درویشوں اور مسیح ابن مریم کو رب بنا لیا ہے' حالانکہ انہیں کوئی اور حکم نہیں دیا گیا مگر صرف یہی کہ وہ اکیلے معبود کی عبادت کریں' جس کے سوا کوئی اور مستحق عبادت نہیں ہے' وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں O وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی (پھونکوں) سے بجھا دیں اور اللہ نہیں مانے گا ماسوا اس کے کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں O اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے' اگرچہ مشرک ناپسند ہی کریں O

۳۱-﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی دونوں اہل کتاب نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنالیا کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو حلال کرنے میں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اس کو حرام کرنے میں یہ لوگ انہی کی اطاعت کرتے تھے جیسا کہ اوامر اور نواہی میں آقاؤں کی اطاعت کی جاتی ہے ﴿ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ﴾ [یہ ''اَحْبَارَهُمْ'' پر معطوف ہے] یعنی عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو رب اور معبود بنالیا ہے کیونکہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا ہے ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾ اور انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر صرف یہی کہ وہ اکیلے معبود کی عبادت کریں [اس پر وقف کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا مابعد مبتدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ''وَاحِدًا'' کی صفت بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے] ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اس سے پاک ہے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی شرک وغیرہ سے تنزیہ اور پاک ہونا بیان کیا گیا ہے۔

۳۲-﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ بالکل نہیں مانے گا مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا اگر چہ کافروں کو ناگوار گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم رسولِ معظم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت کو انکار و تکذیب کے ذریعے مٹانے کے لیے کفار کی طلب و خواہش کی' اس شخص کے حال کے ساتھ مثال دی ہے جو چاہتا ہو کہ آفاق میں پھیلے ہوئے عظیم الشان نور کو پھونک مار کر بجھا دے جب کہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھانا چاہتا ہے اور اس نور کی کرنوں کو انتہائی کمال تک پہنچانا چاہتا ہے تا کہ وہ اس نور کے بابرکت دم سے کفر و شرک کو بجھا دے اور ''وَيَاْبَى اللّٰهُ'' کو اللہ تعالیٰ نے ''وَلَا يُرِيْدُ اللّٰهُ'' کے قائم مقام کیا ہے کیونکہ یہ ''يُرِيْدُوْنَ'' کے مقابلے میں واقع ہوا ہے' ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ میں زید کے سوا کسی کو ناپسند نہیں کرتا اور نہ میں زید کے سوا کسی سے ناراض ہوں۔

۳۳-﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو ﴿ بِالْهُدٰى ﴾ ہدایت یعنی قرآن مجید ﴿ وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ اور سچے دین یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ﴿ لِيُظْهِرَهٗ ﴾ تا کہ وہ اپنے رسول کو بلند و بالا اور غالب کردے ﴿ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ تمام اہلِ ادیان پر یا یہ معنی ہے: تا کہ وہ اس دینِ حق کو ہر دین پر غالب و فائق کردے ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ اور اگر چہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ
جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا

کُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝٣٥

اے ایمان والو! بے شک بہت سے پادری اور جوگی لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں' اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں ○ جس دن اس کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی' (اور ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنی اپنی ذات کے لیے جمع کر رکھا تھا تو تم اب اس کا مزہ چکھو جس کو تم جمع کرتے تھے ○

٣٤- ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ﴾ اے ایمان والو! بے شک بہت سے پادری اور جوگی لوگوں کا مال کھاتے ہیں' کھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال لیتے ہیں ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ احکام میں رشوت لے کر ﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ اپنی بے وقوف عوام کو اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی اس کے دین سے روکتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بہت سے پادریوں اور جوگیوں کی طرف اشارہ ہو کیونکہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں بُری خصلتیں انہیں میں جمع ہیں (١) رشوت لینا (٢) اور مال جوڑ جوڑ کر جمع کرنا اور خیر کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہوں جو مال جمع کر کے رکھتے ہیں لیکن خرچ نہیں کرتے اور بخیل مسلمانوں پر سختی کرنے کے لیے ان کا ذکر اہل کتاب کے رشوت خور پادریوں اور جوگیوں کے ذکر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ خزانہ نہیں ہے اگرچہ وہ چھپا کر رکھا جائے اور جو مال زکوٰۃ دینے کی مقدار کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ مال خزانہ ہے اگرچہ وہ ظاہر ہو[1] اور بے شک اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے حضرت عبد الرحمان بن عوف اور حضرت طلحہ وغیرہما مال جمع کرتے تھے اور اس میں تصرف کر کے خرچ بھی کرتے تھے اور جو لوگ مال جمع کرنے سے روگردانی کرتے تھے' ان میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ مال جمع کرنے سے اعراض کرنا افضل و بہتر طریقہ کار اختیار کرنا ہے جب کہ مال جمع کرنا مباح ہے' اس مال کے مالک کو بُرا نہیں کہا جائے گا (بشرطیکہ زکوٰۃ وغیرہ ادا کی جاتی رہے) ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ اُس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اس میں ضمیر معنی کی طرف لوٹتی ہے' کیونکہ سونے اور چاندی میں سے ہر ایک سے مراد دنانیر اور دراہم ہیں اور یہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے کہ ''وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا'' (الحجرات:٩) ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم ان دونوں میں صلح کرا دو''۔ یا اس سے خزانہ اور اموال مراد ہیں یا اس کا معنی ہے: ''وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا وَالذَّهَبَ'' اور وہ لوگ چاندی اور سونے کو خرچ نہیں کرتے جیسا کہ کسی شاعر کے قول کا معنی ہے: ''فَاِنِّيْ وَقَيَّارٌ بِهَا لَغَرِيْبٌ''۔ سو بے شک میں اور قیّار اس میں مسافر ہیں ''اَيْ وَقَيَّارٌ كَذٰلِكَ'' یعنی میں اور قیّار اسی طرح ہیں اور باقی اموال میں سے صرف سونے اور چاندی کے ذکر کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہ دونوں چیزیں مال و دولت کی اصل ہیں اور تمام اشیاء کی قیمتیں انہیں سے وابستہ ہیں' لہٰذا ان دونوں کا ذکر کر دینا باقی تمام اموال کی دلیل ہے ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ سو اے محبوب! آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

[1] رواہ البخاری فی کتاب الزکوٰۃ باب:٤' ابن ماجہ فی کتاب الزکوٰۃ باب:٣' ورواہ الطبرانی فی الاوسط' کما فی مجمع الزوائد ج٣ ص ٦٤

۳۵-﴿ یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ جس دن اس مال کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ جس روز آگ کو اس پر تپایا جائے گا یعنی اس پر آگ جلائی جائے گی [اور یہاں فعل کو مذکر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ جار و مجرور کی طرف مسند ہے' اس کی اصل ''یَوۡمَ تُحۡمَی النَّارُ عَلَیۡهَا'' ہے' جس دن اس سونے چاندی پر آگ کو تپایا جائے گا' پھر جب ''اَلنَّارُ'' کو حذف کیا گیا تو ''یُحۡمٰی'' کہا گیا کیونکہ اسناد ''اَلنَّارُ'' سے ''عَلَیۡهَا'' کی طرف منتقل ہو گیا ہے جیسے تم کہتے ہو: ''رُفِعَتِ الۡقِصَّةُ اِلَی الۡاَمِیۡرِ'' (فعل مؤنث کے ساتھ) اور اگر تم ''اَلۡقِصَّةُ'' کا ذکر نہ کرو تو تم یوں کہو گے: ''رُفِعَ اِلَی الۡاَمِیۡرِ'' (فعل مذکر کے ساتھ)] ﴿ فَتُكۡوٰی بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ﴾ پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی' پھر ان اعضاء کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب دولت مند کسی فقیر کو دیکھتے ہیں تو پیشانیوں پر تیوری چڑھا لیتے ہیں اور جب فقیر و محتاج آدمی زکوٰۃ وغیرہ مانگنے کے لیے ان سے ملتا ہے تو یہ لوگ مجلس سے اٹھ جاتے ہیں اور اس کی طرف پیٹھ کر دیتے ہیں اور اس سے اپنی کروٹیں پھیر لیتے ہیں اور اس کی طرف پشتیں موڑ لیتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ دولت مندوں کو ہر چہار اطراف پر داغا جائے گا' آگے' پیچھے اور دونوں پہلو ﴿ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ ﴾ ان سے کہا جائے گا: یہ ہے وہ مال جس کو تم نے جمع کیا تھا تاکہ تمہارے نفوس اس سے نفع حاصل کریں اور اس وقت تمہیں معلوم نہیں تھا کہ جس کو تم نے جمع کیا ہے اس کی وجہ سے تمہارے نفوس کو اذیت و دکھ اور نقصان پہنچایا جائے گا اور یہ انہیں ڈانٹنے کے لیے کہا جائے گا ﴿ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴾ یعنی تم اس مال کا وبال چکھو جس کو تم جمع کرتے تھے یا یہ کہ تم مال جمع کرنے کا وبال چکھو۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۶﴾

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد کتابِ الٰہی میں بارہ ہے جس دن سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں' یہی دین سیدھا ہے' سو تم ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو اور تم سب مل کر مشرکین سے جنگ کرو جس طرح وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے O

قمری مہینوں کی اہمیت اور مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم

۳۶-﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا ﴾ بے شک مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے بغیر کسی زیادتی کے اور اس سے مراد یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ شریعت کے احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں جن کا حساب چاند دیکھنے پر کیا جاتا ہے شمسی مہینوں پر نہیں ﴿ فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ یہ گنتی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں درج ہے جس کو اس نے اپنی حکمت سے ثبت کیا ہے اور اس کو واجب کیا ہے یا اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے ﴿ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ نے جس وقت سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں' ان میں تین مہینے متصل

اور لگاتار آتے ہیں: (۱) ذوالقعدہ کہ اس میں جنگ سے دست بردار ہو کر اہل عرب گھروں میں بیٹھ جاتے (۲) اور ذوالحجہ حج کرنے کے لیے (۳) محرم الحرام اس لیے کہ اس میں جنگ کرنا حرام قرار دیا گیا تھا اور ایک مہینہ الگ ہے اور وہ رجب شریف ہے جس کا عرب احترام کرتے تھے یعنی اس کی تعظیم کرتے تھے ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یعنی یہی دین مستقیم ہے' وہ نہیں جس کو اہل جاہلیت نے اختیار کر لیا ہے یعنی چار مہینوں کو حرمت والا قرار دینا ہی دین مستقیم ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا دین بھی یہی ہے اور عرب اسی کے ساتھ وابستہ رہے اور وہ ان مہینوں کی تعظیم کرتے تھے اور وہ لوگ ان مہینوں میں جنگ کرنا حرام سمجھتے تھے یہاں تک کہ مہینوں کی تقدیم وتاخیر اور ردّ و بدل کا طریقہ ایجاد ہو گیا' پس انہوں نے تبدل وتغیر شروع کر دیا ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ سو تم ان حرمت والے مہینوں میں یا بارہ مہینوں میں گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ اور تم سب تمام کافروں سے جنگ کرو [''كَآفَّةً'' فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے یا پھر مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ جس طرح وہ تم سب سے لڑتے اور جنگ کرتے ہیں ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے' اللہ تعالیٰ نے اہلِ تقویٰ کے لیے فتح ونصرت کی ضمانت کا وعدہ کر کے لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

ع ۱۱

بے شک مہینوں میں ردوبدل کرنا کفر میں ایک اور اضافہ ہے اس کی وجہ سے کفار کو گمراہ کیا جاتا ہے کہ وہ حرمت والے مہینے کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال اُسے حرام قرار دیتے ہیں تا کہ وہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام قرار دیا ہے' پھر یہ لوگ اُسے حلال قرار دے دیتے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے' ان کے لیے ان کے بُرے اعمال خوش نما بنا دیئے گئے' اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا O اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ تم (جہاد کے لیے) اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر بوجھل ہو جاتے ہو' کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے؟ سو دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں نہیں ہے مگر تھوڑا O

۳۷۔ ﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ﴾ [یہ ہمزہ کے ساتھ ''نَسَاَہٗ'' کا مصدر ہے] جب کسی چیز کو پیچھے کر دیا جائے اور یہاں حرمت والے مہینے کو کسی دوسرے مہینے کی طرف مؤخر کرنا مراد ہے اور وہ یہ کہ عرب کے جنگ وجدال اور قتل وغارت گری کرنے

والے لوگ جب جنگ کر رہے ہوتے اور اس دوران حرمت والا مہینہ آ جاتا تو جنگ چھوڑنا ان پر دشوار ہو جاتا اور وہ لوگ اس حرمت والے مہینے کو حلال قرار دے کر جنگ جاری رکھتے اور اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دے دیتے' یہاں تک کہ انہوں نے حرمت والے مہینوں کی تحریم کی تخصیص ختم کر دی اور وہ سال بھر کے مہینوں میں سے کوئی سے چار ماہ حرمت والے قرار دے دیتے تھے ﴿ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ﴾ یعنی ان کی طرف سے تقدیم و تاخیر کا یہ عمل ان کے کفر میں مزید اضافے کا باعث بنا ﴿ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ حرمت والے مہینوں میں تقدیم و تاخیر کے ذریعے کافروں کو گمراہ کیا جاتا [قاری ابوبکر کی قراءت کے سوا اہل کوفہ کی قراءت میں ''يُضَلُّ'' (فعل مضارع مجہول) ہے] ﴿ يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا ﴾ وہ حرمت والے مہینہ کو مؤخر کر کے اس کو ایک سال حلال قرار دے دیتے اور ایک سال اس کو حرام قرار دے دیتے یعنی جب وہ لوگ حرمت والے مہینوں میں سے کسی مہینہ کو ایک سال حلال قرار دے دیتے تو پھر اس سے رجوع کر کے آئندہ سال اس کو حرام قرار دیتے تھے ﴿ لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ گنتی کے برابر ہو جائیں یعنی تاکہ چار مہینوں کی گنتی کے موافق ہو جائیں اور اس کے مخالف نہ رہیں حالانکہ انہوں نے اس تخصیص (معین مہینوں کی حرمت) کی مخالفت کی جب کہ وہ دو واجب میں سے ایک تھا (کیونکہ چار ماہ کی گنتی پوری رکھنا بھی ضروری تھا جس پر انہوں نے عمل کیا اور معین مہینوں کی حرمت کو قائم رکھنا بھی ضروری تھا مگر انہوں نے ردّ و بدل کر کے اس کی مخالفت کی) [اور ''لِيُوَاطِئُوا'' کا لام ''يُحِلُّونَهُ وَيُحَرِّمُونَهُ'' کے ساتھ متعلق ہے یا فقط ''يُحَرِّمُونَهُ'' کے ساتھ متعلق ہے اور یہی ظاہر ہے] ﴿ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ﴾ اور وہ اس ماہ کو حلال قرار دے دیتے جس کو اللہ تعالیٰ حرام کر چکا یعنی وہ لوگ گنتی کی موافقت میں حلال کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن مہینوں میں لڑائی حرام قرار دی ان کی تخصیص کا وہ لحاظ نہ کرتے تھے یا یہ کہ انہوں نے معین مہینوں کی حرمت کی تخصیص کو ترک کر دیا تھا ﴿ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ﴾ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے آراستہ کر دیئے گئے یعنی شیطان نے ان کے بُرے اعمال کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا' چنانچہ انہوں نے اپنے بُرے اعمال کو نیک خیال کر لیا ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ باطل پر قائم رہنے کو اختیار کیے رہتی ہے۔

مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے انتباہ

۳۸- ﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ﴾ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو [''اِنْفِرُوْا'' بہ معنیٰ ''اُخْرُجُوْا'' ہے یعنی نکلو] ﴿ اثَّاقَلْتُمْ ﴾ تم بوجھل ہو جاتے ہو [یہ اصل میں ''تَثَاقَلْتُمْ'' ہے مگر ''تَا'' کو ''ثَا'' میں مدغم کر دیا تو ''ثَا'' ساکن ہو گئی' اس لیے اس کے شروع میں الف وصل کا داخل کر دیا گیا ہے تاکہ ساکن کے ساتھ ابتدا لازم نہ آئے] اس کا معنی یہ ہے کہ تم دیر کر دیتے ہو ﴿ إِلَى الْأَرْضِ ﴾ [یہ ''میل'' اور ''اخلاد'' کے معنی کو متضمن ہے اس لیے ''اِلٰی'' کے ساتھ متعدی ہے] یعنی تم دنیا اور اس کی شہوات کی طرف مائل ہو جاتے ہو اور تم سفر کی مشقت و تھکاوٹ کو ناپسند کرتے ہو یا یہ کہ تم اپنے گھروں میں اور اپنی سرزمین پر ٹھہرنے کو پسند کرتے ہو اور یہ حالت صرف غزوۂ تبوک میں پیش آئی تھی کیونکہ انہیں سخت تنگی کے وقت اور قحط سالی اور سخت گرمی کے موسم میں جہاد میں چلنے کو کہا گیا تھا اور سفر سخت دشوار تھا اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ سفر دشوار ہو گیا اور بعض نے کہا کہ آپ جب بھی کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اس کا صراحۃً ذکر نہ فرماتے بلکہ اس کا کنایۃً ذکر فرماتے' ماسوا غزوۂ تبوک کے کہ اس کا صراحۃً ذکر فرمایا تاکہ لوگ پوری طرح تیار ہو جائیں ﴿ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾ کیا تم آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ ﴿ فَمَا مَتَاعُ

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴾ سو دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے بدلے میں نہیں ہے مگر بہت تھوڑا۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﳔ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْــٴًـاؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ(۳۹) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَاۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰىؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَاؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ(۴۰)

اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا' اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اگر تم ان کی مدد نہیں کرو گے تو بے شک اللہ ان کی پہلے مدد فرما چکا ہے جب انہوں نے کفار کے سبب مکہ سے ہجرت کی تھی جب کہ دو میں سے ایک آپ تھے جب وہ دونوں غار میں تھے جب آپ اپنے یار سے فرمانے لگے کہ غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے' سو اللہ نے آپ پر تسکین نازل فرمائی اور آپ کی ایسے لشکر سے مدد فرمائی جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا اور اللہ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا' اور اللہ ہی کا بول بالا ہے' اور اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے O

۳۹- ﴿ اِلَّا تَنْفِرُوْا ﴾ اگر تم جنگ کی طرف نہ نکلے ﴿ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﳔ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْــٴًـا ﴾ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ سستی کر کے پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلق دردناک عذاب کی دھمکی سنا دی ہے' جو دونوں جہانوں کو شامل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور ان کی جگہ ان سے بہتر دوسری قوم لے آئے گا جو اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت گزار ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت میں ان سے بے نیاز ہے اور ان کے جنگ سے پیچھے بیٹھے رہنے سے دین اسلام میں کسی قسم کا نقص نہیں ہوگا اور ''وَلَا تَضُرُّوْهُ'' میں ضمیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کی مدد فرماتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہر حال میں ضرور پورا ہو کر رہتا ہے ﴿ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' تبدیل کرنے پر بھی اور عذاب دینے پر بھی اور ان کے علاوہ بھی ہر چیز پر قادر ہے۔

۴۰- ﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ ﴾ اگر تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد نہیں کرو گے تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا جس نے پہلے بھی اس وقت مدد فرمائی تھی جب آپ کے ساتھ ماسوا ایک آدمی (حضرت ابوبکر) کے اور کوئی نہیں تھا' جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی آپ کی مدد فرمائے گا جس طرح اس نے آپ کی اس وقت مدد فرمائی تھی ﴿ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ جب آپ کو کافروں نے مکہ سے ہجرت کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس آیت مبارکہ میں نکالنے کی نسبت کفار کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ جب انہوں نے آپ کو نکالنے کا ارادہ کیا تو اللہ

تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی تو گویا کفار نے آپ کو نکالا (کیونکہ وہی نکالنے کا سبب بنے تھے) ﴿ثَانِیَ اثْنَیْنِ﴾ دو میں سے ایک جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ" (المائدہ: ۷۳) "تین میں سے ایک"[1] اور ان دو سے رسولِ خدا ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں [اور یہ حال کی بناء پر منصوب ہے] ﴿اِذْ هُمَا﴾ [یہ "اِذْ اَخْرَجَهٗ" سے بدل ہے] یعنی جب وہ دونوں حضرات ﴿فِی الْغَارِ﴾ غار میں تھے اور یہ غارِ ثور کے بالائی حصہ میں گڑھا نما سرنگ ہے اور یہ پہاڑ مکہ مکرمہ کی دائیں جانب پیدل ایک گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے جس میں یہ دونوں مقدس حضرات تین دن تک ٹھہرے رہے ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ [یہ دوسرا بدل ہے] جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے یارِ غار سے فرمانے لگے: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ غم نہ کھا بے شک ہماری نصرت و مدد اور حفاظت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ غار کے اوپر مشرکین نے کھڑے ہو کر دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ کے بارے میں خطرہ لاحق ہوا اور کہا کہ اگر آج آپ شہید کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ کا دین رخصت ہو جائے گا' جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ تمہارا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو[2] اور بعض نے فرمایا کہ جب حضور غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دو کبوتریاں بھیج دیں' جنھوں نے غار کے نیچے انڈے دے دیئے اور مکڑی نے اس پر تانا بُن دیا اور رسول اللہ ﷺ نے کہا: "اَللّٰهُمَّ اَعْمِ اَبْصَارَهُمْ" اے اللہ! ان کی آنکھیں اندھی کر دے' چنانچہ مشرکینِ مکہ غار کے اردگرد گھومتے رہے مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غار میں دیکھنے سے ان کی آنکھیں اپنی گرفت میں لے لیں اور تمام علمائے اہلِ سنت نے کہا ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا' کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کیا اور یہ بات باقی صحابہ کرام کے لیے نہیں ہے۔

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے تسکین نازل فرمائی اور آپ کے قلبِ مبارک میں امن ڈال دیا جس سے آپ کو سکون حاصل ہو گیا اور آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ کفار آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے ﴿عَلَیْهِ﴾ حضور نبی کریم ﷺ پر یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر (اللہ تعالیٰ نے تسکین نازل فرمائی تھی) کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی حضور کے بارے میں خوف زدہ تھے (کہ کہیں کفار حضور کو شہید نہ کر دیں) اور جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلبِ مبارک پُرسکون وپُرامن تھا ﴿وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسے لشکر کے ساتھ مدد فرمائی جس کو تم نے نہیں دیکھا اور وہ فرشتوں کا لشکر تھا' جنھوں نے کفار کے چہروں اور ان کی آنکھوں کو آپ کو دیکھنے سے پھیر دیا اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکے یا اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احزاب اور غزوۂ حنین کے دن فرشتوں کے ذریعے حضور کی مدد فرمائی ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کلمہ یعنی کفر کی طرف دعوت دینے کے کلمہ کو پست

---

[1] یہ عرب کا ایک خاص محاورہ ہے جسے تجرید سے تعبیر کرتے ہیں' گویا "ثَانِیَ' اِثْنَیْنِ" میں اور "ثَالِث' ثَلَاثَةٍ" میں اور "رَابِع' اَرْبَع" میں داخل ہی نہیں ہے۔ غوثوی مہاروی

[2] بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں کے اوپر دیکھا اور اس وقت ہم دونوں غار میں تھے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی جگہ کی طرف دیکھ لیا تو یہ لوگ ہمیں دیکھ لیں گے' حضور نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۲۷۲) غوثوی مہاروی

کر دیا ﴿ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ یعنی اس کا اسلام کی طرف دعوت دینے کا کلمہ ہی بلند وبالا ہے [اور ''کَلِمَةَ اللّٰه'' قاری یعقوب کی قراءت میں عطف کی وجہ سے منصوب ہے اور ''ھِیَ'' ضمیر فاصل ہے اور ''كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا'' کو الگ مستقل جملہ قرار دے کر مرفوع پڑھنا سب سے بہتر ہے کیونکہ یہی وہ کلمہ ہے جو ہمیشہ بلند وبالا رہتا ہے اور رہے گا] ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے وہ اہل توحید کو اپنی مدد سے غالب فرماتا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ بڑا دانا ہے' وہ اپنی حکمت ودانائی کے مطابق اہل شرک کو ذلیل و پست کر دیتا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾

ع ۵ ۱۲

ہلکے اور بھاری ہتھیار لے کر جنگ پر نکلو اور تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ اگر مال و دولت فوراً ملنے والا ہوتا اور سفر درمیان ہوتا تو وہ (منافق) آپ کی پیروی میں ضرور چلتے لیکن مشقت بھری مسافرت انہیں دور محسوس ہوئی' اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے' وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں○ اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ نے انہیں اجازت کیوں دے دی یہاں تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو بھی جان لیتے○

٤١- ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا ﴾ (اے مسلمانو!) تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خوشی سے تیار ہو کر جنگ کے لیے سفر پر ہلکے پھلکے روانہ ہوا کرو ﴿ وَّثِقَالًا ﴾ اور سفر کی مشقت اپنے اوپر ڈال کر اس سے بوجھل ہو کر (جنگ کے لیے چلو) یا اہل وعیال کی قلت کی وجہ سے ہلکے پھلکے ہو کر اور اہل وعیال کی کثرت کی وجہ سے بوجھل ہو کر یا جنگی ہتھیاروں سے ہلکے ہو کر یا جنگی ساز وسامان سے بوجھل ہو کر یا سوار ہو کر اور پیدل یا جوان اور بوڑھے یا کمزور اور توانا یا تندرست اور بیمار (ہر حال میں کفر وشرک کا فتنہ وفساد مٹانے کے لیے میدانِ جہاد کی طرف نکلو) ﴿ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ اور تم اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ جہاد کرو' اگر مال و جان دونوں ممکن ہوں تو دونوں کے ساتھ جہاد کرنا واجب وضروری ہو جاتا ہے' ورنہ حسبِ ضرورت اور حسبِ حال کسی ایک کے ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے ﴿ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کا قیام ہی مقصدِ جہاد ہونا چاہیے) ﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ یہ (جہاد کرنا) اس کو ترک کرنے سے بہتر ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اگر تم اس خیر و بھلائی کو جانتے ہو تو اس کی طرف

جلدی کرو۔

۴۲۔یہ آیتِ مبارکہ منافقین میں سے غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا ﴾ اگر مال سہولت سے اور جلد حاصل ہونے والا ہوتا(''عَـرَضٌ'' بہ معنی اسباب یعنی) دنیا کے وہ منافع جو تمہیں حاصل ہوتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے:''اَلدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ'' دنیا نقد سامان ہے جس کو نیک بھی کھاتا ہے اور بُرا بھی یعنی اگر انہیں سہولت وآسانی سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی طرف بلایا جاتا ﴿ وَسَفَرًا قَاصِدًا ﴾ اور سفر درمیانہ قریب کا ہوتا[''قَـاصِد'' اور''قَـصد'' کا معنی معتدل ہے]﴿ لَّاتَّبَعُوكَ ﴾ تو وہ آپ کے ساتھ ضرور چلتے اور وہ جانے کے لیے آپ کے ساتھ ضرور اتفاق کرتے ﴿ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ﴾ اور لیکن پُر مشقت سفر ان کو دراز اور دور محسوس ہوا (جس کی وجہ سے انہوں نے جانے سے تخلّف کیا) ﴿ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ﴾ اور وہ لوگ عنقریب اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے اندر جانے کی ہمت ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ ضرور جاتے' یہ معجزاتِ نبوی میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور دلائل نبوت میں سے ایک قوی دلیل ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد جو کچھ منافقوں نے کہنا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی جانے سے پہلے خبر دے دی' چنانچہ جیسے آپ نے خبر دی تھی ویسے ہی منافقوں نے کہا تھا[اور''بِاللّٰهِ''،''سَيَحْلِفُونَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا یہ بھی انہیں منافقین کے کلام میں سے ہے' بہرحال دونوں صورتوں میں ان کا قول مراد ہے] یعنی غزوۂ تبوک سے آپ کی واپسی کے بعد پیچھے رہ جانے والے منافقین آپ کے پاس آکر معذرت کرنے کے لیے قسم کھا کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر ہم میں مالی جانی طاقت ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ ضرور نکلتے [اور ارشادِ باری تعالیٰ''لَخَرَجْنَا'' حرفِ شرط''لَوْ'' اور قسم دونوں کے جواب کے قائم مقام ہے] اور استطاعت کا معنی جنگی تیاری اور جسمانی طاقت ہے گویا وہ بیمار بن گئے تھے ﴿ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ ﴾[یہ''سَيَحْلِفُونَ'' سے بدل ہے یا اس سے حال ہے] یعنی وہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کرتے ہیں[یا یہ''لَخَرَجْنَا'' سے حال ہے] یعنی ہم آپ کے ساتھ ضرور نکلتے اگرچہ ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیتے اور اتنے پُر مشقت سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہم اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال لیتے ﴿ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹ بولتے ہیں۔

شانِ نبوی اور منافقین کی بُری عادات کا بیان

۴۳۔﴿ عَفَا اللَّهُ عَنكَ ﴾ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے' یہ ایک نامناسب اور خلافِ اولیٰ عمل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عفو و درگزر اس کے بعد ہوتا ہے اور یہ ایک لطیف اور محبت بھرا عتاب ہے' کیونکہ خطاب کا آغاز ہی عفو و درگزر سے کیا گیا اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام باقی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل و اعلیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا پُر لطف اور محبت و پیار سے لبریز خطاب دیگر انبیائے کرام میں سے کسی کے لیے ذکر نہیں فرمایا[1] ﴿ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ ﴾ اے محبوب! آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی؟ عفو کے ساتھ جو کنایہ کیا گیا ہے

[1] شانِ نزول: بعض منافقین نے مصنوعی معذرتیں پیش کر کے حضور رحمت للعالمین علیہ التحیۃ والتسلیم سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے طبعی حلم و رحم کی بناء پر یہ جاننے کے باوجود کہ وہ محض بہانے بنا رہے ہیں ان کی پردہ پوشی فرمائی اور ان کو رخصت عطا فرما دی تھی کیونکہ اس سے پہلے آپ کو اجازت دینے سے منع نہیں کیا گیا تھا بلکہ آپ کو اجازت مانگنے والوں کے لیے اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار دیا گیا تھا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کا یہ بیان ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! جب منافقوں نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی اور آپ کے سامنے مختلف بہانے پیش کیے تو آپ نے ان کو جہاد میں جانے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی اور آپ نے اجازت دینے میں تاخیر کیوں نہیں فرمائی؟ ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ یہاں تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹے لوگوں کو جان لیتے' کیونکہ عذرات پیش کرنے اور بہانے بنانے کی وجہ سے سچے اور جھوٹے آپ کے سامنے واضح ہو جاتے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کام ایسے کیے جن کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا تھا' ایک منافقین کو جہاد میں نہ جانے کی اجازت دے دینا اور دوسرا بدر کے قیدیوں سے فدیہ وصول کرنا' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتباہ فرمایا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دونوں کام اجتہاد سے کیے تھے اور اگر چہ آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا لیکن آپ کو عتاب وانتباہ اس لیے کیا گیا کہ آپ نے جواز پر عمل کر کے افضل واعلیٰ کو ترک فرمایا اور انبیائے کرام کو ترکِ اولیٰ پر عتاب وانتباہ کیا جاتا ہے۔

لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ. (النور:۶۲) سو جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں۔

چنانچہ رخصت دینے کی وجہ سے ان منافقوں کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا کیونکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اجازت نہ دیتے اور پھر وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور جہاد میں نہ جاتے تو ان کا جھوٹا دعویٰ ایمان بھی بے نقاب ہو جاتا اور وہ مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل و رسوا بھی ہو جاتے اور کھرے اور کھوٹے کی وضاحت بھی نہ ہوتی ہو' لہٰذا حضور کے لیے اجازت دینا اگر چہ جائز تھا لیکن بہتر اور زیادہ مناسب اور اولیٰ رخصت نہ دینا تھا' اس لیے اس کے خلاف اولیٰ عمل پر ''لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ'' کی تنبیہ سے پہلے عرب محاورے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تعظیم وتکریم کے کلام کے ساتھ محبت سے لبریز لطیف عتاب سے آغاز فرما کر معافی کا اعلان فرمایا کیونکہ جب کوئی شخص متکلم کے نزدیک بہت معظم ومکرم ہو تو وہ اس سے کہتا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے' آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے اور اللہ آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے اور اللہ آپ کو خیر وعافیت میں رکھے' کیا آپ نے میرا حق پہچانا وغیرہ وغیرہ' چنانچہ اکثر مفسرین کرام نے اس آیتِ مبارکہ کے تحت یہی توجیہ صحیح قرار دی ہے۔

ملاحظہ ہو (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۴۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر روح المعانی جز ۱۰ ص ۱۰۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر الخازن جز ۲ ص ۲۴۶' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر صاوی جز ۲ ص ۱۴۰' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر' تفسیر خزائن العرفان' تفسیر ضیاء القرآن ج ۲' تفسیر تبیان القرآن ج ۵' تفسیر عثمانی)

يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾

جولوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے میں آپ سے رخصت کی اجازت نہیں مانگیں گے' اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے O بے شک آپ سے صرف وہی لوگ جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں وہ اپنے شک میں متردد ہیں O اور اگر وہ جہاد میں جانے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کوئی سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا بھیجنا ہی پسند نہ کیا' سو ان کو پست ہمت کر دیا اور ان کو کہہ دیا گیا کہ تم گھروں میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو O

٤٤- ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے نہ جانے کی رخصت نہیں مانگیں گے کیونکہ مؤمنوں کی یہ عادت نہیں کہ وہ جہاد میں نہ جانے کی آپ سے رخصت مانگیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے جن کے ساتھ اس نے بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

٤٥- ﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ بے شک آپ سے صرف وہ لوگ رخصت مانگتے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر یعنی منافقین اور وہ انتیس آدمی تھے ﴿وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان کے دل شک میں ہیں یعنی وہ لوگ اپنے دین کے متعلق شک میں مبتلا ہیں اور اپنے عقیدہ میں مضطرب و متزلزل ہیں ﴿فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ سو وہ اپنے شک میں حیران رہتے ہیں کیونکہ تردّد و حیرانگی متحیر و مضطرب کی عادت ہوتی ہے جیسا کہ ثبات و اطمینان دانش مند کی عادت ہوتی ہے۔

٤٦- ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ اور اگر انہوں نے نکلنے کے لیے یا جہاد کرنے کے لیے ارادہ کیا ہوتا تو وہ زادِ راہ اور سامانِ جنگ تیار کرتے کیونکہ وہ سفر پر جا رہے تھے اور جب ''وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ'' سے یہ معنی واضح ہو گیا کہ انہوں نے نہ نکلنے کا ارادہ کیا تھا اور نہ انہوں نے جہاد کے لیے تیاری کی تھی تو ان کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاد میں جانے کے لیے ان کا اٹھنا اور ان کو بھیجنا پسند نہیں فرمایا' گویا کہا گیا: وہ جہاد میں جانے کے لیے نہیں نکلے اور انہوں نے سستی کی کیونکہ ان کا جانا پسند نہیں کیا گیا ﴿فَثَبَّطَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو سستی میں مبتلا کر دیا اور ان میں جانے کی رغبت کمزور ہو گئی اور ''تثبیط'' کا معنی ہے: کسی کام سے اس میں رغبت کے بعد رک جانا ﴿وَقِيْلَ اقْعُدُوْا﴾ یعنی انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ یہیں گھر میں بیٹھے رہو یا رسول اکرم ﷺ نے ان سے غضب ناک ہو کر فرمایا: تم یہیں بیٹھے رہو (اور ہمارے ساتھ نہ چلو) یا شیطان مردود نے وسوسہ کے ذریعے ان سے کہا: بیٹھے رہو ﴿مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ یہ ان کی مذمت کرنے کے لیے ہے کہ ان کو معذوروں اور بچوں اور عورتوں کے ساتھ شامل کیا گیا جن کا کام گھروں میں بیٹھنا ہوتا ہے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾

اگر وہ تمہاری جماعت میں شامل ہو کر نکلتے تو وہ تمہارے نقصان میں صرف اضافہ ہی کرتے اور تمہارے اندر فتنہ پھیلانے کے لیے بہت تیزی سے دوڑتے پھرتے' اور تمہارے اندر ان کے جاسوس موجود ہیں' اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O بے شک انہوں نے پہلے بھی فتنہ پھیلانا چاہا تھا اور انہوں نے آپ کے لیے کئی تدبیریں الٹ پلٹ کی تھیں یہاں تک کہ حق آن پہنچا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا حالانکہ وہ اسے ناپسند کرنے والے تھے O اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپ سے عرض کرتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے' سن لو وہ فتنہ ہی میں پڑ چکے' اور بے شک دوزخ کافروں کو گھیرنے والی ہے O

٤٧- ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو شر و فساد کے سوا تم میں اور کوئی اضافہ نہ کرتے [اور یہ استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر منافقین تمہارے ساتھ چلے جاتے تو وہ تم میں فتنہ و فساد کے ماسوا کسی چیز میں اضافہ نہ کرتے [اور یہ استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''مَا زَادُوْكُمْ خَيْرًا اِلَّا خَبَالًا'' اور مستثنیٰ منہ اس کلام میں مذکور نہیں ہے اور جب یہ مذکور نہیں تو استثناء ''اَلشَّيْءِ'' سے ہو گا تو اس طرح استثناء متصل ہو جائے گا کیونکہ ''خبال'' ''شیء'' کا بعض ہے] ﴿وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ﴾ اور وہ تمہارے درمیان فتنہ و فساد پھیلانے اور چغل خوری کرنے اور جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے دوڑتے پھریں گے' مثلاً کہا جاتا ہے: ''وَضَعَ الْبَعِيْرُ وَضْعًا'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ تیز دوڑے اور ''اَوْضَعْتُهٗ اَنَا'' کا معنی ہے: میں نے اس کو تیز دوڑنے کے لیے برانگیختہ کیا اور اب اس ارشاد کا معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ ضرور تمہارے درمیان سواریوں کے دوڑانے میں جلدی کرتے اور مراد چغل خوری کرنے کے لیے جلدی کرنا ہے کیونکہ سوار پیدل چلنے والے سے تیز چلتا ہے [اور مصحف عثمانی میں الف کے اضافہ کے ساتھ ''وَّلَاْاَوْضَعُوْا'' ہے کیونکہ عربی رسم الخط سے پہلے فتحہ (زبر) الف کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور عربی رسم الخط تو قرآن مجید کے نزول کے قریب شروع ہوا تھا اور اس الف کا اثر طبیعتوں میں باقی رہا اور انہوں نے ہمزہ کو الف کی صورت میں لکھا اور دوسرے الف کے ساتھ اس پر زبر دی اور اسی کے مانند ''اَوْلَاَ اذْبَحَنَّهٗ'' (النمل:٢١) ہے] ﴿يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ وہ تمہارے لیے فتنہ طلب کرتے ہیں [یہ ''اَوْضَعُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے] یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں اور وہ اس طرح کہ تمہارے درمیان باہمی اختلاف پیدا ہو جائے اور جہاد کے لیے تمہارے ارادے بدل جائیں ﴿وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ اور تم میں ان کے لیے سننے والے موجود ہیں یعنی ایسے چغل خور موجود ہیں جو تمہاری باتیں سن کر انہیں پہنچا دیتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ منافقوں کو خوب جاننے والا ہے۔

٤٨- ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ بے شک انہوں نے غزوۂ تبوک سے پہلے بھی لوگوں کو روک کر فتنہ برپا کرنا چاہا تھا یا انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے پہلے شب عقبہ میں دھوکے سے قتل کرنا چاہا تھا یا جنگ اُحد کے دن انہوں نے (یعنی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے اپنے ساتھیوں سمیت) واپس لوٹ کر فتنہ برپا کرنا چاہا تھا ﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ اور وہ آپ کے لیے طرح طرح کی کارروائیاں کرتے رہے اور وہ آپ کے خلاف مختلف مکروفریب اور مختلف سازشیں کرنے کے لیے بہت غور وفکر اور کوششیں کرتے رہے اور وہ آپ کے دین کو مٹانے کے لیے بہت سی آراء زنیاں کرتے رہے ﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ حق آ گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد اور تائید الٰہی ہے جو آپ کو حاصل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو گیا اور اس کا دین غالب آ گیا اور اس کی شریعت سر بلند ہوگئی ﴿وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ اور وہ ناپسند کرتے تھے یعنی ان کی طرف سے نفرت و کراہت اور ناپسندیدگی کے باوجود (اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کی مدد فرما کر اپنا دین غالب فرما دیا)۔

٤٩- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ﴾ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ (اے رسول!) مجھے اجازت دے دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے اور یہ فتنہ گناہ کے معنی میں ہے کہ اگر آپ نے مجھے اجازت نہ دی' پھر میں آپ کی اجازت کے بغیر پیچھے گھر میں بیٹھا رہا تو میں گنہگار ہو جاؤں گا یا (فتنہ ہلاکت کے معنی میں ہے یعنی) آپ مجھے ہلاکت میں نہ ڈالئے کیونکہ اگر میں آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلا تو میرے پیچھے میرے اہل وعیال اور مال و دولت ہلاک ہو جائے گا۔

بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ جد بن قیس منافق (جس کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ تبوک کی تیاری فرمائی اور لوگوں کو جہاد میں جانے کی ترغیب دی تو حضور سے اسی منافق) نے کہا تھا کہ تمام انصار حضرات جانتے ہیں کہ میں عورتوں کا شیدائی ہوں' لہٰذا آپ مجھے بنی اصفر کی عورتوں کے فتنہ میں نہ ڈالئے یعنی روم کی گولڈن عورتوں کے فتنہ میں نہ ڈالئے' میں اپنے مال سے آپ کی مدد کر دوں گا' آپ مجھے یہیں چھوڑ دیجئے ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ سن لو! وہ فتنہ میں پڑ چکے یعنی بے شک جس فتنہ میں وہ گر چکے ہیں وہ جہاد سے پیچھے گھر میں بیٹھے رہنے کا فتنہ ہے ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک جہنم کافروں کو اب بھی گھیرے ہوئے ہے کیونکہ گھیرنے والے اسباب (کفر و معصیت کے بداعمال) ان کے ساتھ ہیں یا خود جہنم قیامت کے دن انہیں گھیر لے گی۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۡ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ انہیں بُری لگتی ہے' اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم

نے تو اپنا کام پہلے ہی سنبھال لیا ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہوئے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے' وہی ہمارا حامی و ناصر ہے' اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ ہی پر بھروسا کریں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں انتظار نہیں کرتے مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کا' اور ہم تمہارے بارے میں انتظار کرتے ہیں کہ اللہ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں عذاب پہنچائے' سو تم انتظار کرتے رہو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں O

۵۰۔ ﴿إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ اے محبوب! اگر آپ کو بعض غزوات (یعنی آپ کی زیر قیادت جنگوں) میں فتح و کامیابی اور مال غنیمت کی بھلائی حاصل ہو جاتی ہے تو انہیں بُری لگتی ہے ﴿وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ﴾ اور اگر آپ کو کوئی مصیبت یعنی کسی جنگ میں زخم یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے جیسے جنگ اُحد کے دن حادثات پیش آئے تھے ﴿يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا﴾ تو منافقین کہتے ہیں: بے شک ہم نے تو اپنے معاملات میں احتیاط سے کام لیا اور ہم ہمیشہ سے ہوشیاری اور بیداری اور احتیاط سے کام کرتے ہیں ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس مصیبت کے آنے سے پہلے ﴿وَيَتَوَلَّوْا﴾ اور وہ جہاد کی تیاری کے لیے گفتگو کے مقام سے مُنہ پھیر کر اپنے بیوی بچوں کے پاس چلے جاتے ہیں ﴿وَّهُمْ فَرِحُونَ﴾ اور وہ اپنی اس کارگزاری پر خوش ہوتے ہیں۔

۵۱۔ ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقدر میں لکھ دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے خیر یا شر میں سے جس کا فیصلہ کر لیا ہے (وہی ہمیں پہنچے گا) ﴿هُوَ مَوْلٰنَا﴾ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے یعنی وہی ہماری مدد کرتا ہے' ہم اسی سے مدد لیتے ہیں اور وہی ہمارا کارساز ہے' ہم اسی کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے اور مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسا نہ کریں۔

۵۲۔ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم ہمارے لیے انتظار نہیں کرتے مگر دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کا اور وہ دو بھلائیاں یہ ہیں: (۱) فتح و نصرت (۲) شہادت ﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ﴾ اور ہم تمہارے لیے دو مصیبتوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہیں یا ﴿أَنْ يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہیں عذاب پہنچائے اور وہ دلوں کو دہلانے والی ہیبت ناک سخت کڑک ہے جیسا کہ عاد و ثمود پر نازل کی گئی تھی ﴿أَوْ بِأَيْدِينَا﴾ یا وہ عذاب تمہیں ہمارے ہاتھوں پہنچے گا اور وہ عذاب قتل کے ذریعے کفر پر موت ہے ﴿فَتَرَبَّصُوا﴾ سو تم ہمارے لیے اس کا انتظار کرو جو ہم نے ذکر کر دیا ہے ﴿إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ﴾ بے شک ہم تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں کہ تمہارا کیا اور کیسا انجام ہوتا ہے۔

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِينَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهٖ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ ﴿۵۴﴾

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰـكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ﴿۵۶﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' بے شک تم نافرمان قوم ہوO اور ان سے ان کے خرچ قبول کیے جانے سے کس چیز نے روکا ہے ماسوا اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ نماز ادا نہیں کرتے مگر سستی کے ساتھ اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر وہ ناخوش ہوتے ہیںO اور آپ کو ان کے مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں' بے شک اللہ تو چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں مبتلا رکھے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوںO اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں' حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ڈرپوک قوم ہےO

۵۳- ﴿قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا﴾ اے محبوب! (منافقوں سے) فرما دیجئے کہ تم نیکی کے کاموں میں خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے مجبور ہو کر۔ [یہ حال کی بناء پر منصوب ہیں' قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''کُرۡهًا'' (کاف پر ضمہ) ہے اور ''اَنۡفِقُوۡا'' فعل امر خبر کے معنی میں ہے] اور اس کا معنی یہ ہے: ﴿لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ﴾ تم سے ہرگز کسی صورت میں قبول نہیں کیا جائے گا خواہ تم نے خوشی سے خرچ کیا ہو یا ناخوشی سے اور درج ذیل ارشاد بھی اسی طرح ہے ''اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ'' (التوبہ: ۸۰) ''آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا آپ ان کے لیے مغفرت طلب نہ کریں''۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان (منافقوں) کو ہرگز نہیں بخشے گا خواہ آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں اور اسی طرح یہ شعر ہے:

اَسِیۡٓئِیۡ بِنَا اَوۡ اَحۡسِنِیۡ لَا مَلُوۡمَةً ۔۔۔ لَدَیۡنَا وَلَا مَقۡلِیَّةً اِنۡ تَقَلَّتِ

''تم ہم سے نیکی کرو یا بُرائی کرو ہمارے ہاں اس پر کوئی ملامت نہیں اور نہ ہمارے دل میں بغض ہے اگرچہ تم بغض رکھتے رہو''۔

یعنی ہم تمہیں ملامت نہیں کریں گے خواہ تم ہمارے ساتھ برائی کرو یا نیکی کرو اور تمہارے قول ''رَحِمَ اللّٰهُ زَيۡدًا'' کہ اللہ تعالیٰ زید پر رحم و کرم فرمائے' میں عکس بھی جائز ہے اور منافقین کے صدقات و خیرات قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے صدقات و خیرات کو ان کے منہ پر مار کر رد کر دیا جائے گا اور انہیں قبول نہیں کیا جائے گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کے صدقات و خیرات کرنے پر ان کو اجر و ثواب عطا نہیں فرمائے گا اور ''طَوۡعًا'' کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے لازم و فرض نہ ہو اور ''كَرۡهًا'' کا مطلب ہے: ان پر واجب و لازم ہو' لازمی صدقات کو ''اکراہ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ لوگ منافق تھے اور فرض صدقات ادا کرنا ان پر دشوار گزرتا تھا جیسے مجبور ہوں ﴿اِنَّكُمۡ﴾ یہ ان کے صدقات و خیرات کے مردود کیے جانے کی علّت و سبب بیان ہو رہا ہے کہ بے شک تم لوگ ﴿كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ﴾ فاسق و فاجر ہو اور سرکش و نافرمان ہو۔

۵۴- ﴿وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ﴾ اور ان کی طرف سے ان

کے نفقات وصدقات قبول کیے جانے کو کسی نے نہیں روکا مگر صرف یہی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔[قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''اَنْ یُّقْبَلَ'' (''تا'' کی بجائے ''یا'' کے ساتھ) ہے اور'' اَنَّھُمْ کَفَرُوْا '' جملہ بن کر'' مَنَعَ '' کا فاعل ہے اور'' مَنَعَھُمْ '' میں '' ھُمْ '' اور'' اَنْ تُقْبَلَ'' '' مَنَعَ '' کے دومفعول ہیں یعنی منافقین کے نفقات (فلاحی اخراجات) وصدقات کی قبولیت کو صرف ان کے کفر نے منع کیا ہوا ہے]﴿ وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی ﴾ اور وہ نماز باجماعت ادا کرنے نہیں آتے مگر اس حال میں کہ وہ سستی کے ساتھ آتے ہیں [''کُسَالٰی''، ''کسلان'' کی جمع ہے (جیسے ''سکران'' کی جمع ''سُکٰرٰی'' آتی ہے)]﴿ وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ کٰرِھُوْنَ ﴾ اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور کراہت کے ساتھ خرچ کرتے ہیں کیونکہ منافقین نماز اور صدقہ کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ارادہ نہیں رکھتے اور باقی رہا یہ سوال کہ گزشتہ آیت مبارکہ میں ''طَوْعًا'' فرما کر خوشی کے ساتھ خرچ کرنے کی صفت کے ساتھ ان کو موصوف کیا گیا ہے اور یہاں اس صفت کی نفی کی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں ''طَوْعًا'' کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یا ان کے اپنے سرداروں کی طرف سے ان پر خرچ کرنا لازم وفرض نہیں کیا گیا بلکہ وہ اپنی طرف سے ازخود (دکھاوے کے لیے) خرچ کرتے تھے اور ان کا یہ خرچ کرنا بھی کراہت وناپسندیدگی اور اضطرار ومجبوری سے ہوتا تھا' رغبت وشوق اور اپنی خوشی سے نہیں ہوتا تھا۔

۵۵-﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ﴾ اے محبوب! آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں' بے شک اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔ کسی پر تعجب کرنا یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کر کے اس پر خوش ہو جانا اور اس کے حسن و جمال سے تعجب کرنا اور اس کا معنی یہ ہے کہ منافقین کو دنیا کی جو زیب وزینت دی گئی' آپ اس کو ان کے لیے اچھا نہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہے وہ صرف اس لیے عطا کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مختلف مصائب میں مبتلا کر کے انہیں عذاب دے یا ناپسند کرنے کے باوجود اُمورِ خیر میں ان کا مال خرچ کرانے یا ان کے لوٹے جانے اور ان کی اولاد کے قیدی ہو جانے یا اس کو جمع کرتے رہنے اور اس کی حفاظت کرتے رہنے اور اس کی محبت میں گرفتار رہنے اور اس میں بخل کرنے اور اس کے ختم ہو جانے کے خوف میں مبتلا رہنے کے عذاب میں اُنہیں مبتلا رکھے کیونکہ یہ سب عذاب ہیں ﴿ وَتَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ ﴾ اور ان کی روحیں کفر کی حالت میں نکلیں اور ''زھوق'' کا اصل معنی دشواری کے ساتھ نکلنا ہے اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیّت کو صرف اُمورِ خیر کے ساتھ متعلق ماننا باطل ہے کیونکہ اس آیتِ مبارکہ میں خبر دی گئی ہے کہ منافقوں کو مال واولاد عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینا اور کفر کی موت مارنا چاہتا ہے' نیز یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بندوں کے معاصی کے ساتھ بھی متعلق ہوتا ہے کیونکہ جس گنہگار بندے کو عذاب دینا ہے اس کے عملی ارادۂ معصیّت کے ساتھ ہی عذابِ الٰہی کا ارادہ متعلق ہو جاتا ہے اور اسی طرح کفر پر موت دینے کا ارادہ ہے۔

۵۶-﴿ وَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنَّھُمْ لَمِنْکُمْ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں یعنی وہ بھی مسلمانوں کی جماعت میں سے ہیں ﴿ وَمَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلٰکِنَّھُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ ﴾ حالانکہ وہ (قلبی کفر کی وجہ سے) تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ڈرپوک قوم ہے' وہ قتل ہونے سے اور مشرکین کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ تقیہ کر کے اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اگر وہ لوگ کوئی پناہ گاہ یا غار یا گھسنے کی جگہ پالیں تو وہ اس کی طرف منہ پھیر لیں اور وہ دوڑ لگا دیں O اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں' پھر اگر ان میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں سے انہیں کچھ نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں O اور کاش! وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا تھا' اور کہتے کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں عطا فرمائے گا اور اس کے رسول عنایت کریں گے' بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں O

۵۷- ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً﴾ اگر وہ کوئی پناہ گاہ پالیں یعنی قلعہ یا جزیرہ یا پہاڑ کی چوٹی میں ایسا مکان پالیں جس میں پناہ لے کر محفوظ ہو جائیں ﴿اَوْ مَغٰرٰتٍ﴾ یا غاریں مل جائیں ﴿اَوْ مُدَّخَلًا﴾ یا سرنگیں اور زمین کے اندر بنائے گئے تہ خانے پالیں جن میں چھپ سکیں [اور یہ ''مُفْتَعَل'' کے وزن پر ''دخول'' سے ماخوذ ہے] ﴿لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ﴾ تو وہ (مذکورہ بالا تینوں مقامات سے) کسی ایک مقام کی طرف مُنہ پھیر لیں گے اور اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے ﴿وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ﴾ اور وہ بڑی تیزی کے ساتھ اس کی طرف بھاگ پڑیں گے' انہیں کوئی چیز نہیں روک سکے گی' یہ ''الفرس الجموح'' (تیز رفتار گھوڑا) سے لیا گیا ہے۔

۵۸- ﴿وَمِنْهُمْ﴾ اور ان میں سے (یعنی) منافقین میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں ﴿مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ﴾ جو صدقات کے بارے میں آپ پر الزام لگاتے ہیں (یعنی) صدقات کی تقسیم کے متعلق بعض منافق آپ پر ناانصافی کا عیب لگاتے ہیں اور آپ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں[1]

[1] شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ ذوالخویصرہ تمیمی کی مذمت میں نازل ہوئی' اس شخص کا نام حرقوص بن زہیر ہے اور یہی فرقہ خوارج کا بانی مبانی ہے۔ ''بخاری و مسلم'' کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مال غنیمت تقسیم فرمار ہے تھے کہ ذوالخویصرہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! عدل وانصاف کیجئے' حضور نے فرمایا: تیرے لیے ہلاکت ہو' اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون عدل کرے گا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو ورنہ لوگ کہیں گے: میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں اور اس کے ہم خیال وہم جماعت اور بھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے' یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا اور یہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۱۰ ص ۱۱۹' تفسیر مظہری جز ۴ ص ۲۲۹' لباب التاویل المعروف تفسیر الخازن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴾ پھر اگر ان میں سے انہیں کچھ عطا کر دیا جاتا تو خوش ہو جاتے اور اگر ان میں سے انہیں کچھ عطا نہ کیا جاتا تو وہ یکدم ناراض ہو جاتے [اس میں ''اِذَا'' مفاجات (اچانک' یکدم) کے معنی میں ہے] یعنی اگر انہیں کچھ نہ دیا جاتا تو فوراً آپے سے باہر ہو جاتے اور زبانِ طعن کھول دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان کر کے واضح کر دیا کہ منافقین کی خوشی اور ناراضگی صرف اپنی ذوات کے لیے ہوتی تھی' دین کے لیے نہیں اور نہ اہل اسلام کی خیر خواہی کے لیے ہوتی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اہل مکہ کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے مالِ غنیمت میں سے انہیں عنایت فرماتے تھے جب کہ اس وقت اموالِ غنیمت وافر مقدار میں جمع ہو جاتا تھا مگر منافق اس سے ناراض ہو جاتے تھے۔

۵۹۔ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُوْلُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾ اور اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں عنایت فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول اور دیں گے' بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ [اس آیت مبارکہ میں حرف ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَلَوْ رَضُوْا مَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ''] اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انہیں جو کچھ عنایت فرما دیا تھا' اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے مالِ غنیمت میں سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا تھا اگر چہ وہ تھوڑا تھا' لیکن اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے اور ان کے دل اس کو خوشی کے ساتھ قبول کر لیتے اور کہہ دیتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا احسان کافی ہے اور ہمیں جو کچھ حصہ ملا ہے وہ ہمیں کافی ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ہمیں اور مالِ غنیمت عطا کرے گا' پھر رسول اللہ ﷺ اس سے زیادہ ہمیں عنایت فرمائیں گے' جو آج ہمیں عنایت فرمایا ہے' بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل سے مالِ غنیمت عنایت فرمائے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے (مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں) وہ مصارف بیان کر دیئے ہیں جہاں صدقات و خیرات خرچ کرنے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ج ۲ ص ۲۵۰' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۵۵' تفسیر خزائن العرفان ص ۳۳۵' تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۱۵۹۔۱۶۰)

خیال میں رہے کہ منافقین یہ اعتراض تب کرتے' جب انہیں حسبِ خواہش حصہ نہ ملتا' لیکن جب ان کی خواہش کے مطابق وافر مقدار میں حصہ مل جاتا تو خوش رہتے کیونکہ ان کا نصب العین صرف مال و دولت اور دنیا کی آسائش حاصل کرنا تھا' انہیں دین سے کوئی رغبت نہیں تھی صرف تقیہ کر کے انہوں نے اسلام قبول کیا ہوا تھا۔

اس آیتِ مبارکہ کی تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کو تنقید کا نشانہ بنانا منافقوں کا کام ہے' مسلمانوں کا نہیں' نیز یہ کہ دین سے قلبی تعلق توڑ کر صرف مال و دولت کمانا اور دنیا کی آسائش کو نصب العین سمجھنا منافقوں کا کام ہے' مسلمانوں کا نہیں۔ غوثوی

يَقُولُونَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿٦١﴾

بے شک تمام صدقاتِ واجبہ فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو اور غلاموں کو آزاد کرنے اور مقروض لوگوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے ہیں' اللہ کی طرف سے فرض کر دیا گیا ہے' اور اللہ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے○ اور منافقوں میں سے بعض لوگ نبی کریم کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں' اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے○

مصارفِ صدقات اور منافقین کی گستاخیوں کا بیان

٦٠- ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ﴾ بے شک صدقات وزکوٰۃ فقراء اور مساکین کے لیے ہیں۔ یہاں تمام صدقات کو اس آیتِ مبارکہ میں بیان کردہ اقسام ہی کا حق قرار دیا گیا ہے یعنی صرف انہیں اقسام کے ساتھ صدقات کو مختص کر دیا گیا ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیئے جا سکتے' گویا فرمایا گیا ہے کہ تمام صدقات صرف انہیں حضرات کے لیے مخصوص ہیں' ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں' جیسے تم کہو: "اِنَّمَا الۡخِلَافَةُ لِقُرَيۡشٍ" بے شک خلافت صرف قریش کے لیے مخصوص ہے' جس سے مقصود یہ ہے کہ خلافت قریش سے تجاوز کر کے کسی کے پاس نہیں جائے گی اور ان کے علاوہ اس پر کسی کا حق نہیں' بہرحال اس آیت مبارکہ میں ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدقات وخیرات اور زکوٰۃ کے جتنے مصارف واقسام یہاں بیان کیے گئے ہیں ان تمام مصارف کو فرداً فرداً زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور دوسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ ان سب کو لازماً دینے کی بجائے ان میں سے کسی ایک کو یا کچھ کو بھی دے دی جائے تو ادا ہو جائے گی جیسا کہ ہمارے (احناف) کا مذہب ہے اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر صحابہ اور تابعین سے یہی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ دے دی جائے تو ادا ہو جائے گی جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مصارف کو زکوٰۃ دینا واجب وضروری ہے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے' پھر فقیر وہ ہوتا ہے جو کسی سے سوال نہ کرے کیونکہ اس کے پاس ایک وقت کا کھانا وغیرہ موجود ہوتا ہے اور مسکین وہ ہوتا ہے جو لوگوں سے سوال کرے کیونکہ وہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا' لہٰذا یہ مسکین فقیر سے زیادہ کمزور اور زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے' جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا برعکس ہے ﴿وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا﴾ (یہ زکوٰۃ وصدقات) ان لوگوں کے لیے ہیں جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیے گئے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کوشش کر کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں (خواہ وہ حکومت کے خزانہ میں جمع کراتے ہوں' خواہ کسی دینی یا رفاہی ادارے میں جمع کراتے ہیں) ﴿وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ﴾ اور یہ زکوٰۃ وغیرہ عرب کے سرداروں میں سے ان لوگوں کو دی جائے گی' جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود ان کو اسلام قبول کرنے کی طرف راغب کرنے کے لیے زکوٰۃ دے کر ان کے دلوں کی

اسلام کے خلاف عداوت وسختی کو نرم کرتے تھے' چنانچہ ایک قوم نے (اس فراخ دلانہ رواداری سے متاثر ہو کر) اسلام قبول کر لیا تھا' پھر آپ نومسلموں کو اسلام پر قائم و دائم رکھنے کے لیے ان کو زکوٰۃ عنایت فرمایا کرتے تھے ﴿ وَفِي الرِّقَابِ ﴾ اور یہ زکوٰۃ گردن کو چھڑانے (یعنی غلام آزاد کرانے) کے لیے ادا کی جائے گی۔ اس سے وہ غلام مراد ہیں جن کو مکاتب بنا دیا گیا ہو (یعنی جن کے مالکوں نے مقررہ رقم ادا کرنے پر ان کو آزادی نامہ لکھ دیا ہو' چنانچہ آزادی دلانے کی حیثیت سے) زکوٰۃ سے ان کی مدد کی جائے گی ﴿ وَالْغٰرِمِيْنَ ﴾ اور یہ زکوٰۃ مقروض حضرات کے لیے ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر مال داروں کے قرض کا بوجھ سوار ہو (ان کو قرض کی ادائیگی کی حیثیت سے زکوٰۃ دی جائے گی) ﴿ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور (یہ زکوٰۃ) اللہ تعالیٰ کی راہ میں دی جائے۔ اس سے بے سروسامان فقراء مجاہدین مراد ہیں (کہ ان کو اسلحہ' سواری اور کھانے پینے کا سامان خرید کر دیا جائے تاکہ جہاد کر سکیں) یا اس سے نادار حجاج مراد ہیں (کہ اخراجاتِ حج میں ان کی مدد کی جائے تاکہ زکوٰۃ کی رقم سے حج کر سکیں) ﴿ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ اور وہ مسافر جس کے پاس دورانِ سفر مال و دولت ختم ہو جائے' وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے (مصارفِ زکوٰۃ کل آٹھ بیان کیے گئے ہیں: (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملین (۴) تالیف قلوب (۵) رقاب (۶) غارمین (۷) فی سبیل اللہ (۸) ابن السبیل) ان میں سے آخری چار کے شروع میں ''لام'' کے بجائے ''فِيْ'' اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ یہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف کی بہ نسبت زکوٰۃ لینے کے زیادہ پختہ حق دار ہیں' [کیونکہ ''فِيْ'' کا لفظ ظرف کے لیے آتا ہے] سو اس کے ذریعے تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ آخری چار مصارف زیادہ مستحق ہیں کہ ان پر صدقات و زکوٰۃ خرچ کیے جائیں اور انہیں کو زکوٰۃ کا زیادہ مستحق خیال کیا جائے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ'' میں ''فِيْ'' کا تکرار اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ رقاب اور غارمین پر ترجیح اور فضیلت رکھتے ہیں اور اس آیت مبارکہ کو منافقین کے ذکر کے دوران اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ دلیل واضح ہو جائے کہ یہی آٹھ اقسام کے لوگ ہی مصارفِ زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے' نیز یہ واضح کیا گیا کہ منافقین ان میں سے نہیں ہیں تاکہ ان کی امید اور لالچ ختم کی جائے اور انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ بے شک وہ لوگ زکوٰۃ اور اس کے مصارف سے بہت دور ہیں' لہٰذا وہ ان کے لیے نہیں ہے اور نہ یہ لوگ اس کے مستحق ہیں اور انہیں صدقات و خیرات اور زکوٰۃ کی تقسیم میں تنقیدی گفتگو کرنے اور صدقات کے تقسیم کرنے والے کی ذاتِ اقدس پر زبان درازی کرنے پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا اور یاد رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے آغاز میں تمام صحابہ کرام کے اجماع اور متفقہ فیصلہ سے تالیف قلوب والوں کا حصہ ختم کر دیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور کفار سے بے نیاز کر دیا اور جب کوئی حکم کسی خاص مقصد کے تحت جاری کیا جائے تو مقصد پورا ہو جانے پر حکم کا اجرا اُٹھ جاتا ہے اور اس مقصد کے مکمل ہو جانے پر حکم ختم ہو جاتا ہے ﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کر دیا گیا ہے۔ [یہ مصدر مؤکد کے معنی میں ہے] کیونکہ ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ'' کا معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کو ان کے لیے فرض کر دیا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرضیتِ زکوٰۃ کی مصلحت کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ تقسیم میں بہت بڑا صاحبِ حکمت ہے۔

۶۱- ﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ﴾ اور ان (منافقین) میں سے بعض لوگ نبی کریم ﷺ کو ایذاء اور دکھ پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کانوں کے کچے ہیں۔ ''اُذُنٌ'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ہر ایک کی بات سن کر تصدیق کر دیتا ہے اور ہر ایک کی بات قبول کر لیتا ہے اور آلۂ سماعت کو بھی ''اُذُنٌ'' کہا جاتا ہے (کہ اس سے ہر بات سنی جاتی ہے)' گویا آپ سراپا سننے والے ہیں اور منافقین کا آپ کو ایذاء دینا یہی تھا کہ انہوں نے آپ کے بارے میں

کہا: ''هُوَ اُذُنٌ'' آپ کانوں کے کچے (یعنی بھولے بھالے ہیں' ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک) اس کلمے سے ان کی مراد آپ کی مذمت کرنا ہوتی تھی حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو روشن دل اور سلامت دل کے مالک تھے (ہر قسم کے کھوٹ سے پاک) اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور کی مدح سرائی کی اور آپ کی تعریف بیان فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے کان ہیں' جیسے تم کہتے ہو: فلاں آدمی سچ ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کھرا اور درست وصحیح آدمی ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ ہاں! آپ کان ہیں (کہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں' کسی کی دل شکنی نہیں کرتے) لیکن آپ بہترین اور مفید کان ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ کلمۂ خیر اور حق بات کے سننے میں اور جن باتوں کا سننا اور قبول کرنا ضروری ہوتا ہے' ان میں آپ بہترین کان ہیں اور ان کے علاوہ میں نہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بہترین کان ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ حضور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں یعنی آپ اپنے پاس قوی دلائل رکھنے کی بناء پر دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کی توحید کا اقرار کرتے ہیں ﴿وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور آپ مؤمنوں کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ مہاجرین وانصار میں سے مخلص مؤمنوں کی باتیں قبول فرما لیتے ہیں اور یہاں ایمان کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف ''بَا'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا ہے' جو کفر کی ضد ہے اور مؤمنین کی طرف لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مقصود مؤمنوں کی باتیں سننا ہے اور ان کی کہی ہوئی باتوں کو تسلیم کرنا ہے اور اس بات کی تصدیق کرنا ہے کہ یہ حضرات آپ کے نزدیک سچے ہیں' کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں دیکھتے: ''وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا'' (یوسف:١٧) ''اور آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے''۔ اس طرح ''بَا'' کی بجائے لام کے ساتھ متعدی ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ اصطلاحی ایمان ''بَا'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور لغوی ایمان لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے) ﴿وَرَحْمَةٌ﴾ [''اُذُنٌ'' پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے اور قاری حمزہ کی قراءت میں ''خَيْرٍ'' پر عطف کرنے کی وجہ سے ''وَرَحْمَةٍ'' (یعنی مکسور) ہے] یعنی حضور خیر کے کان ہیں اور رحمت کے کان ہیں' نہ اس کے علاوہ سنتے ہیں اور نہ اس کو قبول کرتے ہیں ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ یعنی حضور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں' یعنی اے منافقو! تم نے ایمان کا اظہار کیا تو حضور نے تمہارے ظاہری اور زبانی ایمان کو قبول کر لیا اور تمہارے اندرونی ارادوں کو ظاہر نہیں فرمایا (بلکہ پردہ پوشی سے کام لیا) اور تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو سلوک مشرکین کے ساتھ کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ حضور مؤمنوں کے لیے رحمت ہیں کہ انہیں کفر سے نکال کر ایمان کی طرف لے آئے اور دنیا میں ان کے ایمان لانے کی وجہ سے آخرت میں ان کی شفاعت فرمائیں گے ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء اور دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے دونوں جہانوں میں دردناک عذاب ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ

تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِءُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾

وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کر لیں' حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ یہ لوگ انہیں راضی رکھیں اگر یہ واقعی مسلمان ہیںO کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے یقیناً اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' یہ بہت بڑی رسوائی ہےO منافقین ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان پر ایسی سورت نازل ہو جائے جو انہیں بتا دے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' (اے محبوب!) فرما دو کہ تم مذاق اڑاتے رہو' بے شک اللہ اس کو ضرور ظاہر کر دے گا جس سے تم ڈرتے ہوO اور اگر آپ ان سے پوچھ لیں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے' آپ ان سے فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھےO

۶۲- ﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ﴾ وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ وہ تمہیں راضی رکھیں۔ یہ مسلمانوں سے خطاب ہے اور منافقوں کی عادت تھی کہ وہ طعن و تشنیع اور زبان درازی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے' نیز جہاد میں جانے کی بجائے پیچھے گھروں میں بیٹھے رہتے' پھر مسلمانوں کے پاس آتے اور ان سے معذرتیں کرتے' جھوٹے بہانے بناتے تھے اور اپنی معذرتوں کو مؤکد و مضبوط بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے تھے' تا کہ مسلمان ان کی معذرتیں قبول کر لیں اور ان سے راضی رہیں' چنانچہ ان سے فرمایا گیا: ﴿ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے کریم و رحیم رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں راضی کرتے اگر وہ ایمان دار ہوتے یعنی اگر تم ایمان دار ہوتے جیسا کہ تمہارا خیال ہے تو سب سے بڑھ کر حق یہ تھا کہ تم اطاعت و فرمانبرداری اور اپنی اصلاح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو راضی کرتے۔

سوال: ''اَنْ یُّرْضُوْہُ'' میں ضمیر واحد ہے جب کہ اس کے مرجع اللہ تعالیٰ اور رسول کریم دو ہیں۔

جواب: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی رضا میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ایک چیز کے حکم میں ہیں جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ زید کے احسان اور اس کے حسن کردار نے مجھے اس کے آنے پر اٹھا دیا یا ''وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ وَرَسُوْلُہٗ کَذٰلِكَ'' ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ وہ اسے راضی کرتے اور اسی طرح اس کے رسول ہیں۔

۶۳- ﴿ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ ﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک حقیقت اور شان یہ ہے کہ ﴿ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﴾ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی مقرر کردہ حدود سے مخالفت کے سبب تجاوز کرتا ہے [اور یہ باب مفاعلہ سے ''حد'' سے مشتق ہے جیسا کہ ''مشاقّۃ'' ''شقّ'' سے بنا ہے] ﴿ فَأَنَّ لَهُ ﴾ [خبر محذوف ہے] یعنی پس حق یہ ہے کہ اس شخص کے لیے ﴿ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴾ دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

۶۴- ﴿ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ ﴾ یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی منافقوں کو چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں ﴿ أَن تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ ﴾ کہ ان کے خلاف کوئی سورت نازل کر دی جائے۔ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں

''تـنـزِلَ'' تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ہے] ﴿تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوْبِهِمْ﴾ جو ان کے دلوں میں چھپے کفر و نفاق کو ظاہر کر دے [اس میں تمام ضمیریں منافقین کے لیے ہیں] کیونکہ جب کوئی سورت ان کی مذمت میں نازل ہوئی تو گویا انہیں پر نازل ہوئی' جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''قُلِ اسْتَهْزِءُوْا'' [یا یہ کہ پہلی دو ضمیریں (عَلَيْهِمْ اور ''تُنَبِّئُهُمْ'' کی ضمیریں) مسلمانوں کے لیے ہیں اور تیسری (قُلُوْبِهِمْ کی) ضمیر منافقوں کے لیے ہے] اور اب معنی یہ ہوگا کہ جب کوئی سورت مسلمانوں پر نازل کی جائے جو انہیں بتا دے جو کچھ منافقوں کے دلوں میں کفر و نفاق چھپا ہوا ہے اور یہی صحیح ہے (اور انتشارِ ضمائر بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ تمام ضمیریں واضح اور غیر مبہم ہیں) کیونکہ معنی اسی کی طرف سبقت کرتا ہے ﴿قُلِ اسْتَهْزِءُوْا﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ تم مذاق اڑاتے رہو۔ [یہ امر کا صیغہ صرف منافقوں کو ڈرانے اور دھمکانے کے کے لیے ہے (عمل کرانے کے لیے نہیں)] ﴿إِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرمانے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو یعنی تم اپنے نفاق کے اظہار سے ڈرتے ہو (مگر اللہ تعالیٰ اسی کو ظاہر کر کے رہے گا) اور دراصل منافقین ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کی مذمت میں اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ان کی مذاق اڑانے والی باتوں کی مذمت میں وحی نازل کر کے انہیں رسوا نہ کر دے حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے کہا تھا کہ میں یہ تو پسند کرتا ہوں کہ میں کوئی اقدام کر لوں جس پر مجھے سو کوڑے مارے جائیں لیکن یہ پسند نہیں کرتا کہ میری مذمت میں کوئی سورت نازل ہو جائے جس سے میں ہمیشہ ذلیل و رسوا ہو جاؤں۔

۶۵- ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ بے شک ہم تو صرف دل لگی کرتے تھے اور ہم ہنسی مذاق کرتے تھے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے رواں دواں تھے اور آپ کے آگے منافقین کا ایک دستہ سفر کر رہا تھا کہ دورانِ سفر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اس آدمی کو دیکھو جس کا ارادہ ہے کہ وہ شام کے محلات اور اس کے قلعوں کو فتح کر لے گا' توبہ توبہ یہ بہت بعید ہے یہ بہت بعید ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و محترم نبی کو اس سے آگاہ کر دیا' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس دستہ کو میرے آنے تک روک لو' پھر آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے' لیکن انہوں نے جواب دیا: اے اللہ تعالیٰ کے نبی! خدا کی قسم! ہم نے آپ کی شان میں کوئی نازیبا بات نہیں کہی اور نہ آپ کے صحابہ کرام کی شان میں کوئی بات کہی ہے بلکہ ہم تو صرف خوش طبعی کرتے ہوئے دل لگی کی باتیں کرتے رہے جیسے سفر کے سوار آپس میں سفر کاٹنے کے لیے ایک دوسرے سے خوش طبعی کرتے ہیں' یعنی اے محبوب! اگر آپ ان سے پوچھیں اور ان سے کہیں کہ تم نے یہ باتیں کیوں کہی ہیں؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف ہنسی مذاق کر رہے تھے اور خوش طبعی کرتے تھے[1] ﴿قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اے محمد (ﷺ)! آپ فرما دیں کہ (اے منافقو!) کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کی معذرت پر اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس میں جھوٹے تھے' نیز انہیں ایسا قرار دیا گیا کہ گویا انہوں نے مذاق اڑانے کا اعتراف کر لیا تھا اور یہ کہ آپ ان میں موجود تھے' حتیٰ کہ انہیں مذاق اڑانے کی غلطی کرنے پر ڈانٹا گیا کیونکہ جن کا مذاق اڑایا گیا تھا' ان کے ذکر سے پہلے حرف تقریر (سوالیہ) کے ساتھ آغاز کیا گیا ہے اور یہ مذاق اڑانے کے ثبوت کے بعد ہی صحیح ہو سکتا ہے۔

---

[1] ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ ج ۲ ص ۴۵۵

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾

ع ۷ وقف لازم

اب تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے‘ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (توبہ کر لینے پر) معاف بھی کر دیں گے تو دوسرے گروہ کو ہم ضرور سزا دیں گے‘ کیونکہ وہ یقیناً مجرم لوگ ہیں○ منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں یک جان ہیں‘ وہ بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں‘ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے ان پر رحم کرنا ترک کر دیا‘ بے شک منافق لوگ ہی نافرمان ہیں○ اور اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے‘ وہی ان کو کافی ہے‘ اور اللہ نے ان پر لعنت فرما دی ہے‘ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے○

٦٦- ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا﴾ تم بہانے نہ بناؤ اور نہ تم جھوٹی معذرتیں پیش کرنے میں مشغول رہو کیونکہ یہ معذرتیں تمہارا راز فاش ہو جانے کے بعد تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گی ﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ بے شک تم نے اپنے ایمان کا اظہار کرنے کے بعد مذاق اڑا کر اپنے کفر کا اظہار کر دیا ہے ﴿اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ﴾ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو توبہ کر لینے پر اور نفاق کے بعد اخلاص کے ساتھ ایمان لانے پر معاف کر دیں گے ﴿نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ تو ہم نفاق پر اصرار کرنے والے اور نفاق سے توبہ نہ کرنے والے گروہ کو ضرور عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم لوگ ہیں۔ [امام عاصم کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ”اِنْ يُّعْفَ وَتُعَذَّبْ طَائِفَةٌ“ (فعل مضارع مجہول غیر متکلم) ہے]

منافقوں کے اعمال اور ان کا انجام بد

٦٧- ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ﴾ منافق مرد تین سو (٣٠٠) تھے اور منافقہ عورتیں ایک سو ستر (١٧٠) تھیں ﴿بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾ وہ ایک دوسرے سے ہیں یعنی گویا ایک جان ہیں اور اس آیت میں ان کے مسلمانوں میں سے ہونے کی نفی کی گئی ہے اور ان کے اس قول کی تکذیب کی گئی ہے کہ ”وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ“ اور منافقین اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بے شک وہ تم (مسلمانوں) میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ“ کی تقریر و تائید ہے کہ وہ (منافقین) تم میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے حال کے ساتھ متصف بیان کیا ہے‘ جو مسلمانوں کے حال کے برعکس ہے‘ چنانچہ فرمایا: ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ﴾ وہ بُرائی کا یعنی کفر و نافرمانی کا حکم دیتے ہیں ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ اور وہ نیکی یعنی اطاعت و فرماں برداری اور ایمان سے روکتے ہیں ﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ اور وہ اپنے

ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں کہ وہ نیکیوں میں اور صدقات و خیرات میں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت بخیل ہیں ﴿نَسُوا اللّٰہَ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیا یا اس کے ذکر سے غافل ہو گئے ﴿فَنَسِیَهُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل اور اپنی رحمت کرنا چھوڑ دی ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ بے شک منافق ہی فاسق ہیں کہ وہ مکمل فاسق و فاجر اور نافرمان ہیں اور کفر میں بہت سرکش ہیں اور ہر خیر سے محروم ہیں اور مسلمان کے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جب وہ کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرلے جس کی وجہ سے اس پر یہ بدترین نام (فاسق) چسپاں ہو جائے' جو منافقوں کا اس وقت وصف بیان کیا گیا' جب ان کی مذمت میں مبالغہ کیا گیا۔

۶۸- ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیونکہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا کافروں کے لیے مقدر ہو چکا ہے ﴿هِیَ﴾ وہی یعنی دوزخ کی آگ ﴿حَسْبُهُمْ﴾ ان کو کافی ہے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو بہت بڑا عذاب دیا جائے گا اور وہ اتنا بڑا عذاب ہوگا کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا ﴿وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور انہیں عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل کیا جائے گا اور انہیں مذموم و بدترین مجرم قرار دیا جائے گا اور انہیں ملعون شیطانوں کے ساتھ شامل کیا جائے گا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی دائمی عذاب ہے' جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور وہ یہی ہے کہ یہ منافق لوگ نفاق کی محنت کی سختی برداشت کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے باطن کے خلاف ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے ذلت و رسوائی سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان پر عذاب کا نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھپے بھیدوں اور رازوں اور خطرناک مخفی منصوبوں سے بروقت مسلمانوں کو آگاہ کر دیتا ہے' جن سے ان کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔

كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ۬ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

جیسے وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زیادہ طاقت ور تھے اور وہ تم سے مال اور اولاد میں بھی زیادہ تھے' سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم ناحق کاموں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ وہ ناحق کاموں میں مشغول ہو گئے تھے' انہی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت

میں برباد ہو گئے' اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O کیا ان کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی نوح اور عاد اور ثمود کی قوم' اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں اور جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا' ان کے پاس ان کے رسول روشن ترین دلائلِ حق لے کر آئے تھے' سو اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

۶۹-﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ ﴾ ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے گزر چکے' وہ تم سے سخت طاقت ور تھے اور وہ مال اور اولاد میں بھی تم سے زیادہ تھے' سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا اور تم نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا۔[اس آیت مبارکہ میں کاف تشبیہ کا محلاً مرفوع ہے] یعنی ''اَنْتُمْ مِثْلُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'' کہ تم بھی انہی لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں [یا یہ محلاً منصوب ہے جو ''فَعَلْتُمْ مِثْلَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'' کے معنی میں ہے] تم نے ویسے ہی کیا جیسا تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا اور وہ یہ کہ تم نے اپنے حصہ اور نصیب سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ انہوں نے اپنے حصہ کا فائدہ حاصل کیا تھا یعنی تم دنیا کی چیزوں سے لطف اندوز ہوئے اور ''خلاق'' کا معنی نصیب اور حصہ ہے اور یہ ''خلق'' سے مشتق ہے' بہ معنی مقدر ہے یعنی ''ما خلق للانسان'' کا معنی ہے: جو انسان کے لیے بھلائی مقدر کی گئی ﴿ وَخُضْتُمْ ﴾ اور تم باطل و بے ہودہ کاموں میں مشغول ہو گئے ﴿ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ﴾ اس فوج کی طرح جو باطل میں مشغول ہو گئی یا اس گروہ کی طرح جو باطل اور بے ہودہ کاموں میں مشغول ہو گیا ہو اور ''خوض'' کا معنی ہے: باطل اور کھیل تماشا میں گھس جانا [اور ''فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ'' کو مقدم کیا گیا جب کہ ''كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ'' اس چیز سے بے نیاز ہے] تاکہ پہلے لوگوں کو فائدہ اٹھانے پر مذمت کی جائے کیونکہ دنیا کی نعمتیں پہلے انہیں کو دی گئی تھیں اور پہلے وہی لوگ آخرت کی فلاح طلب کرنے اور اپنے انجام کے بارے میں غور و فکر کرنے سے غافل ہو کر فانی شہوات میں مشغول ہو گئے تھے' پھر اس کے بعد مخاطبین کے حال کو ان کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ انہیں لوگوں کے اعمال دنیا میں اور آخرت میں تباہ و برباد ہو گئے اور سب کے سب ضائع ہو گئے' اس کے مقابلے میں (نیک آدمی کو دنیا و آخرت میں انعامات سے نوازا جاتا ہے جیسا کہ) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ'' (العنکبوت:۲۷) ''اور ہم نے ان کو دنیا میں ان کا ثواب عطا فرمایا اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیکوکاروں میں سے ہوں گے''۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین سے پہلے گزری ہوئیں سابقہ امتوں کی خبر ذکر کی' چنانچہ فرمایا:

۷۰-﴿ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ کیا ان کے پاس ان سے پہلے نوح کی قوم کی خبر نہیں پہنچی؟ [یہ ''اَلَّذِيْنَ'' سے بدل ہے] ﴿ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ ﴾ اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں کی قوم' اس سے حضرت شعیب کی قوم مراد ہے ﴿ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ﴾ اور حضرت لوط کی قوم کے شہر مراد ہیں اور ان کے ''ائتکاف'' سے مراد ان کے احوال کا نیکی سے بدی کی طرف تبدیل کرنا ہے ﴿ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ ﴾ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل و معجزات لے کر تشریف لائے تھے اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس نے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم کیا ہے کیونکہ وہ بہت بڑا صاحبِ حکمت ہے' سو اس نے ان کو بغیر جرم کے سزا نہیں دی ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ اور لیکن وہ خود رسولوں کو

جھٹلا کر اور کفر اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے رہے تھے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۷۲

وقف لازم — ع ۱۵

اور مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتیں ایک دوسرے کے لیے معاون و مہربان ہیں' وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا' بے شک اللہ بہت بڑی حکمت والا ہے O اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور عدن کی بہشتوں میں نفیس و پاکیزہ محلات (کا وعدہ فرمالیا ہے)' اور اللہ کی رضا سب سے بڑی (نعمت) ہے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

مسلمانوں کے اعمال اور ان کے انجام خیر کا بیان

۷۱- ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نصرت و مدد کرنے میں اور ہمدردی و مہربانی کرنے میں آپس میں ایک دوسرے کے کارساز ہیں ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ وہ نیکی کرنے یعنی اطاعت و فرماں برداری کرنے اور ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور وہ بُرائی یعنی کفر و شرک اور نافرمانی و سرکشی سے روکتے ہیں ﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی اطاعت کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ عنقریب رحم فرمائے گا۔ اس میں سین رحمت کے یقینی ہونے کا فائدہ دے رہی ہے' اس لیے وعدۂ الٰہی کو مستحکم کرتی ہے جیسا کہ ''سَاَنْتَقِمُ مِنْكَ يَوْمًا'' ہے کہ میں آج تم سے ضرور انتقام لوں گا' اس میں حرف سین وعید (دھمکی) کو پختہ کر رہا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ جزاء اور سزا دینے پر بھی قادر ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ بے حد حکمت والا ہے' وہ ہر چیز کو اس کے مناسب و موزوں مقام پر رکھنے والا ہے۔

۷۲- ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ محلات کا (وعدہ فرمالیا ہے) جن میں پاکیزہ زندگی ہوگی اور موتیوں اور سرخ یاقوت زبرجد کے عالی

شان محلات ہوں گے ﴿فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ﴾ عدن نامی بہشتوں میں۔ یہ نام ہے جس کی دلیل درج ذیل ارشاد ہے: ''جَنّٰتِ عَدۡنِ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ'' رحمان نے اپنے بندوں سے عدن کی جنتوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔(مریم:۶۱)[اور تم یقیناً جانتے ہو کہ ''اَلَّذِیۡ'' اور ''اَلَّتِیۡ'' معرفہ جملوں کے وصف کے لیے وضع کیے گئے ہیں] اور ''عدن'' جنت میں ایک شہر ہے ﴿وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوڑی سی رضا بھی ﴿اَکۡبَرُ﴾ ان تمام جنتوں سے بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کی رضا ہی ہر قسم کی فوز وسعادت اور کامیابی وکامرانی کا ذریعہ ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے یا پھر ''رضوان'' کی طرف اشارہ ہے ﴿هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ﴾ یہی تنہا بہت بڑی کامیابی ہے نہ کہ وہ کامیابی جس کا لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۷۳﴾ یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ یَنَالُوۡا ۚ وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ فَاِنۡ یَّتُوۡبُوۡا یَكُ خَیۡرًا لَّهُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّتَوَلَّوۡا یُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۷۴﴾

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے' اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بہت بُری جگہ ہے O وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کہا' حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کا کلمہ کہا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے ایک ایسے کام کا ارادہ کر لیا تھا جس کو وہ حاصل نہ کر سکے' اور انہیں بُرا نہیں لگا مگر یہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا' پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو وہ ان کے حق میں بہتر ہوگا' اور اگر وہ روگردانی کر لیں گے تو اللہ انہیں دنیا میں اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا' اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا O

کفار و منافقین سے جہاد کی تاکید اور منافقوں کی مذمت

۷۳۔﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ﴾ اے نبی کریم! کافروں سے تلوار سے جہاد کیجئے ﴿وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ﴾ اور منافقوں سے حجت و دلیل کے ساتھ جہاد کیجئے ﴿وَاغۡلُظۡ عَلَیۡهِمۡ﴾ اور دونوں جہادوں میں ان سب پر سختی کیجئے اور ان سے مت ڈریئے اور اس شخص سے جہاد کیجئے جس کے عقیدہ میں فساد آنے پر آگاہی حاصل ہو جائے' پس یہ حکم اس شخص میں ثابت ہے' اس کے ساتھ حجت و دلیل سے جہاد کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا' اس کے ساتھ سختی استعمال کی جائے گی ﴿وَمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں دو ماہ قیام فرمایا' اس دوران قرآن مجید کا نزول بھی آپ پر ہوتا رہا' جس میں جنگ سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کی مذمت کی گئی تھی اور آپ یہ حاضرین کو پڑھ کر سناتے رہے' چنانچہ جو منافقین آپ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے' انہوں نے بھی یہ کلامِ الٰہی سنا اور ان میں سے جلاس بن سوید نے کہا کہ

ہمارے پیچھے رہ جانے والے بھائیوں کے بارے میں جو کچھ (حضرت) محمد (ﷺ) کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر وہ سچ ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جنگ میں حاضر نہ ہونے والے ہمارے سردار ہیں۔ حضرت عامر بن قیس انصاری نے جلاس سے فرمایا کہ ہاں! واقعی تم گدھوں سے بدتر ہو اور اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک حضور سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے سچ فرمایا ہے اور جلاس کی یہ گفتگو نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچائی گئی تو آپ نے جلاس کو حاضری کے لیے بلا لیا تو اس نے حاضرِ خدمت ہو کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھالی کہ اس نے کچھ نہیں کہا' اس پر حضرت عامر بن قیس انصاری نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا: اے اللہ! تو اپنے عبد مقدس اور اپنے نبی معظم پر سچے کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب میں وحی نازل فرما' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل فرمائی:

٧٤- ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا' حالانکہ انہوں نے یقیناً کفریہ کلمہ کہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر (حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے تو پھر ہم گدھوں سے بدتر ہیں یا ان کا مذاق اڑانا مراد ہے' چنانچہ اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے پر جلاس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے یہ گفتگو کی تھی اور حضرت عامر نے سچ کہا ہے' پھر جلاس نے توبہ کی اور ان کی توبہ بہت اچھی رہی ﴿وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ﴾ اور انہوں نے اسلام کے بعد کفر کیا ہے اور انہوں نے زبانی اسلام ظاہر کرنے کے بعد قلب میں پوشیدہ کفر کو ظاہر کر دیا اور یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہیں کیونکہ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اسلام کے بعد کفر کیا ﴿وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ اور انہوں نے ایسے (خطرناک) کام کا ارادہ کر لیا تھا جس کو پورا نہ کر سکے اور وہ سرورِ کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو (غزوۂ تبوک سے واپسی پر) شہید کرنے کا منصوبہ مراد ہے یا حضرت عامر کو شہید کرنے کا منصوبہ مراد ہے' کیونکہ انہوں نے ان کے آدمی جلاس کی تردید کی تھی اور بعض نے کہا کہ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ راضی نہ بھی ہوئے تو پھر بھی وہ (رئیس المنافقین) عبد اللہ ابن اُبَی کو اپنا سردار بنالیں گے (لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے) ﴿وَمَا نَقَمُوْا﴾ اور انہوں نے انکار نہیں کیا اور نہ انہوں نے بُرا منایا ﴿اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے انہیں غنی کر دیا اور یہ اس لیے کہ جب رسول اکرم نبی اعظم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے' اس وقت یہ لوگ نہایت تنگ دست تھے' یہ لوگ نہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور نہ مالِ غنیمت حاصل کرتے تھے' پھر آپ کی آمد کے بعد اموالِ غنیمت حاصل کرنے کی وجہ سے دولت مند ہو گئے اور اسی دوران جلاس کا غلام قتل کر دیا گیا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خون بہا کے بارہ ہزار درہم قاتل سے جلاس کو دلوا دیئے جس سے وہ غنی ہو گیا[1] ﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا﴾ پھر اگر وہ نفاق سے توبہ کر لیں اور مخلص مسلمان بن جائیں ﴿يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ تو اس پر ملنے والا ثواب ان کے لیے بہتر ہوگا اور یہی وہ آیت کریمہ ہے جس کے نازل ہونے پر جلاس بن سوید نے نفاق سے توبہ کر لی تھی ﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا﴾ اور اگر انہوں نے منہ پھیر لیا اور نفاق پر اصرار کرتے رہے ﴿يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور وہ عذاب دنیا میں قتل اور آخرت میں دوزخ کی آگ ہوگا ﴿وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ اور زمین میں نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا' جو انہیں عذاب سے نجات دلا سکے۔

---

[1] ذکرہ الزمخشری فی تفسیرہ ج ٢ ص ٢٩٢

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۷۸﴾

اور ان میں سے کوئی وہ ہے جس نے اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ اپنے فضل سے ہمیں (مال و دولت) دے گا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ دیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے O پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا کر دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے منہ پھیر لیا اور وہ روگردانی کرنے والے ہی تھے O سو اللہ نے اس کے بعد ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق پیدا کر دیا جس دن وہ لوگ اس سے ملاقات کریں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے O کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ ان کے قلبی رازوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے اور بے شک اللہ تمام پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے O

۷۵- ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ﴾ اور ان میں سے کوئی وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال و دولت عطا فرمائے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا شکر ادا کیا جائے اس زیادہ مال سے بہتر ہوتا ہے' جس کا شکر ادا نہ کیا جائے لیکن اس نے آپ سے بار بار دعا کے لیے رجوع کیا اور عرض کیا کہ اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر اللہ تعالیٰ مجھے مال و دولت عطا کرے گا تو میں ضرور بہ ضرور ہر صاحبِ حق کا حق ادا کروں گا' چنانچہ حضور نے اس کے لیے دعا فرما دی اور اس نے بکریاں پال لیں' وہ اتنی تیزی سے بڑھنے لگیں جس طرح موسم برسات میں کیڑے مکوڑے بڑھ جاتے ہیں یہاں تک کہ مدینہ میں گنجائش نہ رہی اور وہ بکریوں کو لے کر جنگل میں جا کر ایک وادی میں رہنے لگا اور وہ پنجگانہ نماز باجماعت اور نمازِ جمعہ سے غیر حاضر رہنے لگا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ سے عرض کی گئی کہ اس کا مال اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب تو وادی میں بھی گنجائش نہیں رہی تو آپ نے سن کر فرمایا کہ آہ! ثعلبہ پر افسوس! پھر رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تو سب لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور اپنے اپنے صدقات ادا کیے' پھر وہ ثعلبہ کے پاس گئے اور اس سے صدقہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ تو صرف جزیہ (ٹیکس) ہے اور کہا: تم واپس جاؤ یہاں تک کہ میں کچھ سوچ لوں' جب وہ لوٹ کر واپس آئے اور آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی گفتگو کرنے سے پہلے ان سے فرمایا: آہ! ثعلبہ پر افسوس! آپ نے دو مرتبہ فرمایا تو یہ آیاتِ مبارکہ اس کی مذمت میں نازل ہوئیں[1]

[1] حضرت ثعلبہ بن حاطب کے متعلق اتفاق ہے کہ آپ بدری صحابی ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص غزوۂ بدر یا حدیبیہ میں شریک ہوا' وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا' نیز آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر ثعلبہ صدقہ لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے (تیرے نفاق کی وجہ سے) مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے' پس اس نے اپنے سر پر مٹی ڈالی (اور روتا ہوا واپس چلا گیا) پھر جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو یہ اپنا صدقہ لے کر حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر آپ نے بھی اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا' پھر وہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ان کے دورِ حکومت میں صدقہ لے کر حاضر ہوا مگر آپ نے بھی اسے قبول نہ فرمایا اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں فوت ہو گیا۔[1]

﴿ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ البتہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فضل یعنی مال و دولت عطا فرمائے گا ﴿ لَنَصَّدَّقَنَّ ﴾ تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ نکالیں گے [اور اصل میں یہ ''لَنَتَصَدَّقَنَّ'' تھا لیکن ''تا'' کو صاد میں قرب کی وجہ سے مدغم کر دیا گیا ہے] ﴿ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور ہم صدقہ نکال کر ضرور نیکوں میں سے ہو جائیں گے۔

٧٦- ﴿ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں مال عطا فرما دیا اور انہوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ﴿ بَخِلُوْا بِهٖ ﴾ تو انہوں نے اس کے ساتھ بخل سے کام لیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق روک لیا اور اپنا عہد پورا نہ کیا ﴿ وَتَوَلَّوْا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے سے پھر گئے ﴿ وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ اور وہ اعراض کرنے پر اصرار کرنے والے لوگ ہیں۔

٧٧- ﴿ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے نفاق کو ان کے دلوں میں ان کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بخل اور نفاق کو جما دیا کیونکہ یہی نفاق بخل کا سبب بنا ﴿ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ ﴾ اس دن تک جس سے وہ ملیں گے یعنی ان کے عمل کی جزا کا دن اور وہ قیامت کا دن ہے ﴿ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے صدقہ دینے اور نیک بننے کا جو وعدہ کیا تھا اس کا خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی جھوٹے تھے اور اسی وجہ سے وعدہ خلافی کو منافقت کا تہائی قرار دیا گیا ہے۔

٧٨- ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا ﴾ کیا انہیں یعنی منافقین کو معلوم نہیں کہ ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انہوں نے منافقت سے وعدہ کر کے اب اس کے خلاف کرنے کا پختہ ارادہ اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے ﴿ وَنَجْوٰىهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی ان تمام سرگوشیوں کو بھی خوب جانتا ہے جو وہ آپس میں دین کے متعلق طعنہ زنی کرتے ہیں اور صدقہ کو جزیہ قرار دینے اور اسے نہ دینے کی تدبیر کرتے ہیں ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) متعلق فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو' میں نے تم کو بخش دیا۔ (صحیح البخاری: ٣٠٠٧' صحیح مسلم: ٢٤٩٤) پس جس بدری صحابی کی یہ شان ہو وہ ان آیات کا کیسے مصداق ہو سکتا ہے جن میں مذکور ہے کہ قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا' پس ظاہر ہے کہ اس قصہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہ شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تھا۔ اس کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ٥ ص ٢٠٢ تا ٢٠٩۔

[1] رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ ج ٥ ص ٢٩٠' وفی اسنادہ ضعفآء لا یحتج بحدیثھم۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۸۰﴾ ع

جو لوگ بہ خوشی صدقہ دینے والوں کو طعنہ دیتے ہیں اور ان کو بھی جن کے پاس ماسوا اپنی محنت مزدوری کے کچھ نہیں' سو وہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں' (لیکن) عنقریب اللہ ان کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا ضرور دے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O آپ ان کے لیے مغفرت چاہیں یا آپ ان کے لیے مغفرت نہ چاہیں' اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ مغفرت طلب کریں تو بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا' یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے' اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

۷۹- ﴿ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ ﴾ جو لوگ خوشی سے صدقات و خیرات کرنے والے مسلمانوں کو طعنے دیتے ہیں۔[''اَلَّذِیْنَ'' مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہے یا مرفوع ہے یا پھر ''سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ'' کی ضمیر سے بدل ہونے کی بناء پر مجرور ہے اور ''مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ''، ''یَلْمِزُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہیں] مروی ہے کہ ایک مرتبہ (غزوۂ تبوک کے لیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی تو (حضرت ابوبکر صدیق نے کل مال' حضرت عمر نے نصف مال' حضرت عثمان نے کثیر مال دیا' اسی طرح دیگر صحابہ کے علاوہ) حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار درہم صدقہ دیا اور عرض کیا کہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے جن میں سے چار ہزار درہم میں نے اپنے رب تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا ہے اور چار ہزار درہم میں نے اپنے بیوی بچوں کے لیے رکھ لیے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ دیا ہے اس میں بھی اور جو کچھ تم نے اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے[1] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں برکت عطا فرمائی اور ان کا مال اتنا بڑھا کہ ان کی وفات پر ان کی (چار بیویوں میں سے ہر) ایک بیوی کو آٹھویں حصے میں سے ایک چوتھائی حصہ ملا جو اسّی ہزار درہم تھا اور حضرت عاصم نے اس موقع پر ایک سو وسق کھجوریں صدقہ میں دی تھیں۔

﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ ﴾ اور (منافقین) ان لوگوں کو بھی طعنہ دیتے ہیں جو اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے سوا کچھ نہیں پاتے۔[''وَالَّذِیْنَ'' ''اَلْمُطَّوِّعِیْنَ'' پر معطوف ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''جَهْدَهُمْ'' (جیم مفتوح) ہے اور دونوں ایک چیز ہیں اور ''جَهْدٌ'' (جیم مفتوح کے ساتھ) مشقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے] روایت میں ہے کہ ابو عقیل انصاری ایک صاع کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج رات میں نے محنت و مزدوری کر کے دو صاع کھجوریں کمائی ہیں اور ایک صاع اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور ایک صاع آپ کے پاس لایا ہوں' اس پر

[1] رواہ البزار کما فی کشف الاستار: ۲۲۱۶' وانظر: مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۲

منافقین نے طعن و تشنیع کی اور الزام لگایا اور کہا کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت عاصم نے اتنا ڈھیر سارا مال صدقہ کر کے ریاکاری کی ہے تاکہ شہرت حاصل کر لیں اور رہا ابوعقیل انصاری کا ایک صاع (تین سیر) کھجوریں تو اتنے حقیر صدقہ کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے' وہ اس سے بے پرواہ ہے (تو ان طنز کرنے والے منافقوں کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی) ﴿ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ﴾ سو منافقین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا ضرور دے گا اور یہ دعائے ضرر نہیں ہے' بلکہ منافقین کو سزا دینے کی خبر سنائی گئی ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔

شانِ نزول: اور جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بیمار ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ (صحابی) نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کے باپ کے لیے دعائے مغفرت کریں تو درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۸۰- ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ اور بے شک یہ گزر چکا ہے کہ یہ فعلِ امر یقیناً خبر کے معنی میں ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقین کو ہرگز نہیں بخشے گا خواہ آپ نے ان کے لیے استغفار کی ہے خواہ آپ نے ان کے لیے استغفار نہیں کی ﴿ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ واضح رہے کہ ''سبعون'' (ستر) کا عدد عرب کے کلام میں تکثیر (بے حد زیادہ اور بے شمار) کے معنی میں بطورِ مثال بیان کیا جاتا ہے اور یہ عدد کی حد بندی اور انتہاء بیان کرنے کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منافقین کے لیے (عموماً اور عبداللہ بن اُبی کے لیے خصوصاً) تمام زندگی استغفار کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشتا اور نہ ہی بخشے گا' اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! اگر آپ ان کے لیے استغفار میں مبالغہ کریں اور ستر سے زیادہ بار استغفار کریں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور بلاشبہ ''سَبْعِيْنَ'' کے ذکر میں احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں اور وہ تمام کثرت کے معنی پر دلالت کرتی ہیں' عدد کی حد بندی اور اس کی انتہاء پر دلالت نہیں کرتیں اور باقی تمام اعداد میں سے ''سبعین'' کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عدد کی دو قسمیں ہیں: ایک قلیل اور دوسرا کثیر' سو قلیل وہ ہے جو تین سے کم ہے اور کثیر وہ ہے جو تین یا تین سے زیادہ ہو' لہٰذا ادنیٰ ترین کثیر عدد تین ہے اور اس کی انتہاء کی کوئی حد نہیں ہے اور نیز عدد کی دو قسمیں اور ہیں یعنی جفت اور طاق اور پہلا جفت عدد دو ہے اور پہلا طاق عدد تین ہے' کیونکہ واحد عدد نہیں ہے' لہٰذا ''سَبْعَةٌ'' (سات کا عدد) دونوں قسموں میں سے جمع کثیر کا پہلا عدد ہے کیونکہ اس میں طاق کے عدد بھی تین ہیں (تین' پانچ' سات) اور جفت کے عدد بھی تین ہیں (دو' چار' چھ) اور ''عَشَرَةٌ'' (دس کا عدد) حساب کا کامل عدد ہے کیونکہ جو ''عَشَرَةٌ'' (دس) سے زائد ہے وہ ''عَشَرَةٌ'' (دس) کے ساتھ احاد (اکائیوں) کا اضافہ ہے' مثلاً ''اِثْنَا عَشَرَ'' (میں دس کے ساتھ دو کا اضافہ ہے) اور ''ثَلَاثَةَ عَشَرَ'' (میں دس کے ساتھ تین کا اضافہ ہے) یونہی ''عِشْرِيْنَ'' تک اور ''عِشْرُوْنَ'' (بیس) میں ''عَشَرَةٌ'' (دس) کا دو دفعہ تکرار ہے اور ''ثَلَاثُوْنَ'' (تیس) میں تین دفعہ دہائیوں کا تکرار ہے' یونہی ایک سو تک' پس ''سَبْعُوْنَ'' (ستر کا عدد) کثرت اور جفت و طاق کی انواع کا جامع ہے اور کثرت اس میں ہے اور حساب کا کامل عدد اور کثرت اس میں سے ہیں' چنانچہ ''سَبْعُوْنَ'' ہر لحاظ سے عددِ کثیر کے زیادہ قریب ہے اور اس کی انتہاء کی کوئی حد نہیں ہے اور ممکن ہے کہ اسی معنی کی بناء پر ''سَبْعِيْنَ'' کی تخصیص کی گئی ہو۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ) اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ مغفرت و بخشش کے نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ بے شک ان کی مغفرت و بخشش نہ ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ ﴿ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور کافروں کے لیے مغفرت و بخشش نہیں ہے ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ایمان سے خارج قوم کو ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر و سرکشی کو اختیار کرتے رہتے ہیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾

جنگ کے لیے رسول اللہ کے چلے جانے کے بعد پیچھے بیٹھے رہنے والے خوش ہو گئے اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور انہوں نے (دوسروں سے) کہا کہ گرمی میں جہاد کے لیے نہ نکلو' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ سخت ترین گرم ہے' کاش! وہ سمجھتے ہوتےO سو انہیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں' یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے رہے تھےO پھر جب اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لائے گا تو وہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگیں گے تو آپ فرما دینا کہ تم ہرگز میرے ساتھ کبھی بھی نہیں نکلو گے اور تم میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہرگز جنگ نہیں کرو گے' بے شک تم پہلی دفعہ گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے تھے' پس تم پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہوO

٨١- ﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ﴾ جنگ سے پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے' اس سے وہ منافقین مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ میں نہ جانے کی رخصت مانگی تھی اور حضور نے ان کو اجازت دے دی تھی اور آپ ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے تھے یا وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی سستی اور اپنے نفاق اور شیطان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے کی بجائے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے ﴿ بِمَقْعَدِهِمْ ﴾ غزوۂ تبوک سے پیچھے بیٹھے رہنے پر ﴿ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ رسولِ خدا ﷺ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے۔ [یہ مفعول لہٗ ہے یا پھر حال ہے] یعنی وہ لوگ حضور کی مخالفت کرنے کے لیے جنگ میں جانے کی بجائے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے درآں حالیکہ وہ آپ کی مخالفت کرنے والے تھے ﴿ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا یعنی مسلمانوں نے اپنے اموال اور اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا جو کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ کارنامہ منافقین نے نہیں کیا اور وہ جہاد کو کیسے ناپسند نہ کرتے حالانکہ ان میں ایمان کا جذبۂ صادقہ اور یقین کامل کا وہ داعی ہی نہیں تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں موجزن تھا ﴿ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ﴾ اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ گرمی میں جہاد کے لیے نہ چلو یا انہوں نے مسلمانوں کا جذبۂ جہاد کمزور کرنے اور ان میں

بزدلی و کاہلی پیدا کرنے کے لیے ان سے کہا کہ تم بھی گرمی میں جہاد کرنے کے لیے نہ نکلو ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھ دار ہوتے۔ ان کو جاہل قرار دیا گیا ہے کیونکہ جو تھوڑی اور عارضی محنت و مشقت سے جی چرا کر بچ جائے' پھر اس عارضی آرام کے سبب دائمی اور ہمیشہ کی مشقت میں پڑ جائے' وہ تمام جاہلوں سے بڑھ کر جاہل ہے۔

۸۲۔ ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ سو وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں یعنی منافقین دنیا میں جنگ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اپنی خوشی پر تھوڑا ہنسیں گے اور آخرت میں اس کی سزا پر بہت زیادہ روئیں گے' یہ کلام پاک خبر کے معنی میں ہے' مگر امر کے لفظ سے اس لیے لایا گیا ہے تا کہ یہ دلالت کرے کہ اس کا ہونا یقینی اور واجب و لازم ہے اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ منافقین دوزخ کی آگ میں تمام زندگی روتے رہیں گے' نہ ان کے آنسو خشک ہوں گے اور نہ وہ کبھی سو سکیں گے ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ یہ ان کے نفاق کی سزا ہے جو ساری زندگی وہ کماتے رہے۔

۸۳۔ ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ آپ کو غزوۂ تبوک سے ان میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے گا۔ ان میں سے ایک گروہ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے نفاق سے توبہ کر لی تھی اور ان میں سے کچھ ہلاک ہو چکے تھے ﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ تو وہ آپ سے غزوۂ تبوک کے بعد کسی اور غزوہ میں جانے کی اجازت مانگیں گے ﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ تو اے محبوب! آپ ان سے فرما دیجئے کہ اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں چلو گے۔ [حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں ''مَعِیْ'' یا کے سکون کے ساتھ ہے] ﴿وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا﴾ اور تم میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے ہرگز جنگ نہیں کرو گے۔ [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' (''یا'' مفتوح کے ساتھ) ہے] ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ بے شک پہلی دفعہ جب تمہیں غزوۂ تبوک کی طرف بلایا گیا تو تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے تھے ﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ﴾ سو اب تم بہانہ بنا کر پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں اور نہ آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں' بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ فسق کی حالت میں مر گئے○ اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو

تعجب میں نہ ڈال دیں' بے شک اللہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے ان کو دنیا میں عذاب میں مبتلا کر دے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں O اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مند لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیں ہم جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ جائیں گے O وہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں گے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے' پس وہ نہیں سمجھیں گے O

شانِ نزول: عبداللہ بن اُبی کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مخلص مسلمان تھے' انہوں نے درخواست کی کہ حضور نبی کریم ﷺ اس کے باپ کو کفن پہنانے کے لیے اپنی قمیص مبارک عطا فرمادیں اور آپ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں' چنانچہ حضور نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر اعتراض کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرا یہ حسنِ سلوک اس کو نفع تو نہیں دے گا لیکن میں قوی امید رکھتا ہوں کہ اس کی قوم میں سے ایک ہزار آدمی ایمان لے آئے گا[1] تو اس پر درج ذیل آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تھی:

۸۴- ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ یعنی اے محبوب! آپ منافقین میں سے کسی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ ابن اُبی نے حضور نبی کریم ﷺ کی قمیص مبارک سے تبرک حاصل کرنا چاہا ہے تو اس کی قوم قبیلۂ خزرج کے ایک ہزار آدمی نے اسلام قبول کر لیا[2] ﴿مَّاتَ اَبَدًا﴾ مر جائے کبھی۔ [''مَاتَ'' ''اَحَدٍ'' کی صفت ہے اور ''اَبَدًا''، ''تُصَلِّ'' کا ظرف ہے] جب میت کو دفن کر دیا جاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی قبر پر ٹھہر جاتے اور اس کے حق میں دعائے مغفرت فرماتے' اس لیے آپ کو منع کرتے ہوئے فرمادیا گیا کہ ﴿وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں کیونکہ بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالتِ فسق میں مر گئے [یہ نہی کی علّت بیان کرنے کے لیے ہے] یعنی بے شک منافقین اس کے اہل نہیں کہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے' اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

۸۵- ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور آپ ان کے مال اور ان کی اولاد سے متعجب نہ ہوں' بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ انہیں ان چیزوں کے ذریعے عذاب میں مبتلا رکھے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ اموال و اولاد سے نفرت میں مبالغہ کرنے اور اس کی تاکید کرنے کے لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ مخاطب اس کو کبھی نہ بھولے اور وہ یقین رکھے کہ یہ اہم ترین و ضروری ہے اور یہ کہ ہر آیت مبارکہ ایک گروہ کے بارے میں ہوتی ہے لیکن وہ دوسرے گروہ کے بارے میں نہیں ہوتی۔

۸۶- ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے پوری سورت مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سورت کا بعض حصہ مراد ہو جیسا کہ قرآن اور کتاب مکمل قرآن و کتاب پر بھی بولا جاتا ہے اور بعض پر بھی (ترجمہ) اور جب کوئی سورت نازل کی

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج۱۰ ص۲۰۶

[2] واضح رہے کہ یہ دونوں روایات اسی آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں درج ذیل کتب میں بھی بیان کی گئی ہیں' ملاحظہ فرمائیں: تفسیر کبیر ج۴ ص۸۲ ۴ تا ۸۳ ۴' تفسیر روح المعانی جز۱۰ ص۱۵۴' روح البیان ج۱ ص۹۳۲ مطبوعہ قدیم' تفسیر لباب التاویل المعروف تفسیر الخازن ج۲ ص۲۶۹' تفسیر مظہری ج۴ ص۲۷۷' تفسیر صاوی جز۲ ص۱۵۱' تفسیر تبیان القرآن ج۵ ص۲۱۱ بہ حوالہ عمدۃ القاری ج۸ ص۵۴۔

جاتی ہے ﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لاؤ [اصل میں "بِاَنْ اٰمِنُوْا" ہے یا پھر یہ "اَنْ" مُفَسِّرہ ہے] ﴿وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے مال دار اور دولت مند لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں ﴿وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں چھوڑ دیں' ہم ان لوگوں کے ساتھ رہیں گے جو معذوری کی وجہ سے پیچھے رہ کر گھروں میں بیٹھنے والے ہیں جیسے بیمار اور لنگڑے لوگ ہیں۔

۸۷- ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ وہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے یعنی عورتوں کے ساتھ [کیونکہ "خوالف" جمع ہے "خَالِفَةٌ" کی] ﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ان کے دلوں پر اس لیے مہر لگا دی گئی کہ انہوں نے کفر و نفاق کو اختیار کر لیا تھا ﴿فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ سو وہ لوگ جہاد میں حاصل ہونے والی فوز و فلاح اور سعادت و نیک بختی کو اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں حاصل ہونے والی ہلاکت و بدبختی کو نہیں سمجھتے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

ع ۹ / ۱۷

لیکن یہ رسول اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا' اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے تمام بھلائیاں ہیں' اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں O اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

۸۸- ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ لیکن یہ رسول اکرم اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا یعنی اگر یہ منافقین جہاد سے پیچھے رہ گئے تو کیا ہوا' ان سے بہترین لوگوں یعنی مسلمانوں نے اپنے اموال اور جانیں قربان کر کے جہاد کے مشن کو قائم رکھا ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ﴾ اور انہیں لوگوں کے لیے تمام بھلائیاں ہیں۔ "الخیرات" کا لفظ مطلق ہونے کی وجہ سے دنیا و آخرت دونوں جہانوں کے منافع و فوائد کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے حوریں مراد ہیں' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ" (الرحمٰن: ۷۰) "ان میں نیک خصلت حوریں ہیں"۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہر مطلوب میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

۸۹- ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہشتیں تیار کر رکھی ہیں' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اَعَدَّ" اس بات کی دلیل ہے کہ بہشتیں بن چکی ہیں۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى

الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾

اور بہانا بنانے والے کچھ دیہاتی آئے تا کہ انہیں جنگ پہ نہ جانے کی رخصت دی جائے اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ (گھروں میں) بیٹھے رہے' ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے ان کو عنقریب دردناک عذاب ہوگا O نہ کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہیں' نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

جھوٹے عذر پیش کرنے والوں کی مذمت اور سچے معذوروں کی فضیلت' نیز صدقہ دینے والوں میں ریاکاروں کی مذمت اور رضا کاروں کی فضیلت

۹۰- ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ﴾ اور بعض دیہاتی بہانا بنانے والے آئے تا کہ انہیں اجازت دی جائے۔ [یہ ''عَذَّرَ فِی الْاَمْرِ'' سے بنا ہے] یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے کام میں کوتاہی اور سستی کرے اور عذر کی حقیقت اس قدر ہے کہ آدمی یہ خیال کرے کہ اس نے جو کام کیا ہے اس میں اس نے کوتاہی کی ہے اگر چہ اسے بہ ظاہر معذرت و کوتاہی محسوس نہ ہو [یا یہ ''اَلْمُعْتَذِرُوْنَ'' ہے' پھر تاء کو ذال میں مدغم کیا گیا ہے اور اس کی حرکت عین کی طرف منتقل کر دی گئی ہے] اور اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو جھوٹی معذرتیں پیش کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت مبارکہ سے بنو اسد اور بنو غطفان مراد ہیں کیونکہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ ہم بہت عیال دار ہیں اور ہم بہت تنگ دست ہیں' ہم جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' لہٰذا آپ ہمیں جنگ پہ نہ جانے اور پیچھے رہ جانے کی رخصت عنایت کر دیں ﴿وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور وہ لوگ جنگ میں جانے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ اس سے دیہاتیوں میں سے وہ منافقین مراد ہیں جو نہ تو جنگ میں جانے کے لیے حاضر ہوئے اور نہ انہوں نے معذرت کی اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے اپنے ایمان کے دعوے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ ﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ان دیہاتیوں میں سے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' ان کو عنقریب دنیا میں قتل کے ذریعے اور آخرت میں دوزخ کی آگ کے ذریعے دردناک عذاب ہوگا۔

۹۱- ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ﴾ نہ کمزوروں پر' جیسے بوڑھے لوگ اور ہاتھوں سے لنجے اور پاؤں سے لنگڑے لوگ ﴿وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو غربت کی وجہ سے مال و دولت نہیں رکھتے جس کو خرچ کر سکیں' اس سے قبیلہ مزینہ' قبیلہ جہینہ اور بنی عذرہ کے غریب لوگ مراد ہیں ﴿حَرَجٌ﴾ (ان سب پر) کوئی گناہ نہیں ہے اور پیچھے رہ جانے پر کوئی الزام (نہیں) ہے ﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کریں' وہ اس طرح کہ یہ لوگ پوشیدہ اور علانیہ ایمان پر قائم رہیں اور اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں جیسا کہ ایک خیر خواہ اپنے ساتھی کے ساتھ کرتا ہے ﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے معذوروں پر کوئی راہ نہیں یعنی ان پر کوئی گناہ نہیں اور ان پر عتاب و ناراضگی

کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سچے عذر کی وجہ سے جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کو بخش دے گا اور ﴿رَّحِيْمٌ﴾ ان پر رحم و کرم فرمائے گا۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

اور ان پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس جب حاضر ہوئے تا کہ آپ ان کو سواریاں عطا فرما دیں تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی ایسی سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر دوں' تو وہ اس حال میں واپس لوٹے کہ ان کی آنکھیں اس غم کی وجہ سے آنسو بہا رہی تھیں کہ وہ (جنگ میں) خرچ کرنے کے لیے اپنے پاس کچھ نہیں پاتے ○ بے شک مواخذہ صرف ان لوگوں پر ہے جو مال دار ہوتے ہوئے آپ سے (جنگ میں نہ جانے کی) رخصت مانگتے ہیں' وہ اس پر راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں بیٹھے) رہیں گے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' پس وہ کچھ نہیں جانتے ○

٩٢- ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ﴾ اور ان لوگوں پر (بھی کوئی گناہ نہیں) جو آپ کے پاس جب آئے تا کہ آپ ان کو سواری عطا فرما دیں ﴿قُلْتَ﴾ [یہ ''اَتَوْكَ'' میں کاف ضمیر سے حال ہے اور اس کے شروع میں ''قَدْ'' پوشیدہ ہے' اصل میں ''قَدْ قُلْتَ'' ہے] یعنی جب وہ لوگ آپ کے پاس یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ آپ انہیں سواری عطا فرما دیں' درآں حالیکہ آپ نے فرمایا: ﴿لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ میں ایسی سواری کوئی نہیں رکھتا جس پر میں تمہیں سوار کر دوں ﴿تَوَلَّوْا﴾ تو وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ [یہ ''اِذَا'' شرط کا جواب ہے] ﴿وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ حالانکہ اُن کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''تَفِيْضُ دَمْعًا'' وہ آنکھ آنسو بہا رہی تھی اور یہ کلام الٰہی ''يَفِيْضُ دَمْعُهَا'' سے زیادہ بلیغ ہے' یہ اس لیے کہ آنکھوں کو قرار دیا گیا کہ گویا وہ خود تمام تر آنسو بن کر بہہ رہی ہیں [اور ''مِنَ الدَّمْعِ'' میں ''مِنْ'' بیانیہ ہے اور یہ جار مجرور تمیز کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ '' قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ '' مستقل نیا (مستأنفہ) جملہ ہو] گویا فرمایا گیا: جب وہ لوگ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو سواری عطا فرما دیں تو وہ واپس لوٹ گئے' پس کہا گیا کہ ان کو کیا ہوا کہ وہ روتے ہوئے واپس لوٹ گئے تو جواب میں کہا گیا کہ ''قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ'' آپ نے فرمایا: میں کوئی سواری نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کر دوں [مگر جملہ معترضہ کی طرح اس کو شرط اور جزا کے درمیان بیان کیا گیا] ﴿حَزَنًا﴾ غم کے سبب۔ [یہ مفعول لہٗ ہے] ﴿اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اتنا مال و دولت نہیں رکھتے تھے جس کو وہ خرچ کرتے (اور جنگ کے لیے سواریاں اور اسلحہ وغیرہ خرید لیتے) [اور یہ بھی مفعول لہٗ کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور اس کا ناصب ''حَزَنًا'' ہے] اور سواریاں مانگنے والے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان

کے دیگر ساتھی تھے یا رونے والے مراد ہیں اور وہ انصار میں سے چھ افراد تھے۔

۹۳- ﴿إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ﴾ بے شک پیچھے رہ جانے کی وجہ سے صرف ان لوگوں پر عتاب و ناراضگی اور گناہ ہے جو آپ سے جنگ میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں' حالانکہ وہ دولت مند ہیں [اور ارشادِ باری تعالیٰ ''رَضُوا'' بمع اپنے متعلق کے جملہ مستأنفہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ انہیں کیا ہوا کہ انہوں نے جنگ میں نہ جانے کی اجازت طلب کی حالانکہ وہ تو دولت مند لوگ ہیں تو جواب میں فرمایا گیا کہ ﴿رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ گھر کے انتظام میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں گے ﴿وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی' سو وہ کچھ نہیں جانتے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

جب تم ان کی طرف واپس لوٹ کر آؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم بہانے نہ بناؤ ہم تمہاری بات کا ہرگز یقین نہیں کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری خبریں بتا دی ہیں' اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے' پھر تمہیں ہر پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹایا جائے گا' سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے ○ عنقریب وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے جب تم ان کے پاس واپس لوٹ کر آؤ گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو' سو تم ان سے درگزر کرو' بے شک وہ محض پلید ہیں' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' یہ ان اعمال کا بدلا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے ○

۹٤- ﴿يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ﴾ منافقین تمہارے سامنے اپنے آپ کے لیے باطل عذر اور جھوٹے بہانے پیش کرنے کے لیے کھڑے ہوں گے ﴿إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ جب تم اس سفرِ تبوک سے واپس ان کی طرف لوٹ کر آؤ گے ﴿قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرما دیں کہ تم اب باطل عذر اور جھوٹے بہانے نہ بناؤ ﴿لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ﴾ ہم تمہاری بات کا ہرگز یقین نہیں کریں گے اور نہ ہم تمہاری بات کی کبھی تصدیق کریں گے اور یہ کلام معذرت سے نہی کی علت ہے کیونکہ عذر پیش کرنے والے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس نے جو کچھ معذرت میں بیان کیا ہے' اس کی تصدیق کی جائے ﴿قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام باتیں ہمیں بتا دی ہیں۔ یہ کلام پاک ان کی تصدیق نہ کرنے کی علت اور وضاحت ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو ان کی باتوں کی اور ان کے دلوں میں پوشیدہ منصوبوں اور رازوں کی بذریعہ وحی اطلاع دے دی تو اب اس کے ساتھ ان کی معذرتیں قبول کرنا اور ان کی تصدیق کرنا جائز نہ رہا ﴿وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے' آیا تم توبہ

کرتے ہو یا تم اپنے کفر پر قائم رہتے ہو ﴿ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ پھر تمہیں غیب وعیاں سب کچھ جاننے والے کی بارگاہ میں لوٹایا جائے گا یعنی تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی طرف لے جایا جائے گا کہ وہ ہر پوشیدہ اور علانیہ چیزوں کا بہت جاننے والا ہے ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ پس وہ تمہیں وہ سب کچھ بتادے گا جو کچھ تم اعمال سرانجام دیتے تھے اور وہ اسی کے مطابق تمہیں سزادے گا۔

۹۵- ﴿ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ﴾ عنقریب وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف واپس لوٹ کر آؤ گے تاکہ تم ان کو چھوڑ دو اور نہ ان کو ڈانٹو اور نہ ان پر ناراض ہو ﴿ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ﴾ سو تم ان سے اعراض کرلو اور ان کی طلب ان کو عطا کرو ﴿ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ﴾ بے شک وہ محض پلید و ناپاک ہیں۔ یہ ان کو عتاب نہ کرنے کی علت اور وضاحت ہے یعنی بے شک عتاب وڈانٹ ان کو نفع نہیں دے گی اور نہ انکی اصلاح کرے گی کیونکہ وہ لوگ محض پلید وناپاک ہیں' ان کو پاک کرنے کی کوئی سبیل نہیں ﴿ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور انہوں نے (آخرکار) دوزخ کی آگ کی طرف لوٹ کر جانا ہے یعنی عتاب وتوبیخ کرنے اور ڈانٹنے کے لیے ان کو دوزخ کی آگ کافی ہے' لٰہذا تم ان کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے لیے تکلّف نہ کرو ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ یہ بدلا ہے اس کا جو وہ کماتے تھے یعنی انہیں ان کی کمائی کی سزا ضرور دی جائے گی۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ
الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا
حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ
مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۗ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ
السَّوْءِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ' پھر اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ یقیناً نافرمان قوم سے راضی نہیں ہوگا○ بدّو لوگ کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں اور وہ اس لائق ہیں کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس کی حدود کو نہ جانیں' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے○ اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور وہ تم پر زمانہ کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں' بُری گردش تو انہیں پر آتی رہتی ہے' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' بہت جاننے والا ہے○

۹۶- ﴿ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ﴾ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھانے سے ان کی غرض صرف تمہاری رضامندی حاصل کرنا ہے تاکہ یہ چیز انہیں ان کی دنیا میں نفع دے ﴿ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ پھر اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً نافرمان قوم سے کبھی راضی نہیں ہوگا' یعنی بلاشبہ تمہاری تہارا رضا ان کو فائدہ نہیں دے گی جب کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی سزا کا دنیا اور آخرت دونوں میں نشانہ بنیں گے (یا یہ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی سزا کا جلد یا بہ دیر ضرور نشانہ بنیں

گے)اور یہ اس لیے کہا گیا ہے تا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مسلمانوں کی رضا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کا تقاضا کرتی ہے۔

٩٧- ﴿ اَلۡاَعۡرَابُ ﴾ گاؤں کے رہنے والے ﴿ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّ نِفَاقًا ﴾ شہر کے رہنے والوں سے کفر و منافقت میں زیادہ سخت ہوتے ہیں' اس لیے کہ وہ ظالم و سخت دل ہوتے ہیں اور وہ علم و علماء سے دور ہوتے ہیں ﴿ وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا ﴾ اور وہ اسی کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ نہ جانیں ﴿ حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ان حدود کو جو اس نے اپنے رسول پر نازل کیں یعنی دین کی حدود کو اور جو مسائل و احکام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''اِنَّ الۡجَفَآءَ وَالۡقَسۡوَةَ فِي الۡفَدَّادِيۡنَ'' بے شک ظلم و ستم اور سخت دل ہونا چیخنے چلّانے والوں میں ہوتا ہے[1] یعنی کاشت کاروں میں کیونکہ وہ چیختے چلاتے ہیں یعنی وہ اپنے کھیتوں میں چیختے چلاتے ہیں اور ''فدید'' کا معنی چیخنا چلانا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو خوب جانتا ہے ﴿ حَكِيۡمٌ ﴾ ان کو مہلت دینے میں بہت بڑا صاحب حکمت ہے۔

٩٨- ﴿ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا ﴾ اور دیہاتیوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ لوگ جو کچھ صدقہ وخیرات کرتے ہیں' اسے تاوان اور نقصان قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کے ڈر سے اور ریا کاری کے لیے صدقہ وغیرہ دیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے خرچ نہیں کرتے ﴿ وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ﴾ وہ تمہارے لیے گردشوں کا انتظار کرتے ہیں یعنی یہ منافقین زمانہ کی گردشوں اور دنوں کی گردش سے حالات کے تبدیل ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں تا کہ تمہارا غلبہ ان پر ختم ہو جائے اور وہ صدقہ خیرات دینے سے نجات حاصل کر لیں ﴿ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ﴾ بُری گردش انہیں پر پڑے گی یعنی مصائب و آلام اور جنگوں کی گردش انہیں پر پڑے گی' جن کی وہ مسلمانوں کے بارے میں توقع کرتے ہیں [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''اَلسُّوۡءِ'' (سین مضموم کے ساتھ) ہے اور اس کا معنی عذاب ہے اور ''اَلسَّوۡءِ'' (سین مفتوح کے ساتھ) کا معنی گردش کی بُرائی اور مذمت ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''رَجُلٌ سَوۡءٌ'' فلاں آدمی بہت بُرا ہے' تمہارے اس قول کے مقابلے میں کہ ''رَجُلٌ صِدۡقٌ'' فلاں آدمی سراپا سچ ہے] ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی تمام باتیں خوب سننے والا ہے جو وہ اس وقت کہتے ہیں جب انہیں صدقہ میں مال و دولت خرچ کرنی پڑتی ہے ﴿ عَلِيۡمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کی وہ تمام باتیں اور ارادے خوب جاننے والا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿٩٩﴾ ع وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ

[1] رواہ البخاری: ٣٣٠٢' مسلم: ٥١

﴿الْعَظِيمُ ۝١٠٠﴾

اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور رسول کریم سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں' سن لو! بے شک وہ ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے' عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور مہاجرین وانصار (صحابہ) میں سے سب سے پہلے (ایمان لانے میں) سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی' اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ سب اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے بہشتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

۹۹-﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جہاد اور صدقات میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو قربت کے اسباب سمجھتے ہیں ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک [یہ ''یَتَّخِذُ'' کا دوسرا مفعول ہے] ﴿وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول کریم ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صدقات و خیرات دینے والوں کے حق میں خیر و برکت کی دعا کیا کرتے تھے اور ان کے لیے آپ مغفرت و بخشش طلب کرتے تھے' جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِىْ اَوْفٰى''[1] اے اللہ! ابی اوفیٰ کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما ﴿اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ سن لو! بے شک یہ یعنی صدقات وغیرہ خرچ کرنا یا رسول کریم کا دعائیں کرنا ان کے لیے قربِ الٰہی کا سبب ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ دینے والوں کے حق میں ان کے اس اعتقاد کی صحت کی گواہی ہے کہ ان کا صدقات وغیرہ کی صورت میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور رسول کریم کی دعاؤں کا ذریعہ ہے اور یہ کلام الٰہی مستقل الگ جملے کی صورت میں ان کی امید کی تصدیق کر رہا ہے کیونکہ اس کے شروع میں تنبیہ اور تحقیق کے دو حرف (اَلَآ اور اِنَّ) ذکر کیے گئے ہیں جو ان کے کارِ خیر کے ثابت و متحقق ہونے کی خبر دے رہے ہیں اور درج ذیل کلام بھی اسی طرح ہے: ﴿سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب اپنی رحمت میں یعنی اپنی جنت میں داخل کرے گا [اور اس جملہ میں جو سین ہے' وہ وعدہ کی تحقیق کے لیے ہے] اور صدقات و خیرات کرنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے پر اس کلام کی جو دلالت ہے' وہ یہ ہے کہ صدقہ اس بلند ترین مقام پر اس وقت رسائی حاصل کرتا ہے جب صدقہ دینے والوں کی نیت خالص ہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ دوست کے عیب کی پردہ پوشی فرماتا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ تھوڑی سی محنت کو قبول کر کے بڑی مہربانی فرماتا ہے۔

صحابۂ کرام کی فضیلت اور منافقین کی مذمت' نیز پانی کے ساتھ طہارت کی فضیلت

۱۰۰-﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ اور سبقت کرنے والے [یہ مبتدا ہے] ﴿الْاَوَّلُوْنَ﴾ پہل کرنے والے [یہ ان کی صفت ہے] ﴿مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ یہ ان کا بیان ہے اور اس سے وہ صحابۂ کرام مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیں یا وہ صحابۂ کرام مراد ہیں' جو غزوۂ بدر میں یا پھر بیعت الرضوان میں شریک

[1] رواہ البخاری فی کتاب الدعوات باب: ۳۲' ابوداؤد فی کتاب الزکوۃ باب: ۷' النسائی فی کتاب الزکوۃ باب: ۸' احمد فی مسندہ ج ۴ ص ۳۵۳-۳۵۵

ہوئے تھے ﴿ وَالْاَنْصَارِ ﴾ [یہ مہاجرین پر معطوف ہے] یعنی بعض انصار میں سے اور اس سے بیعتِ عُقبہ اولیٰ کے صحابہ کرام مراد ہیں اور یہ سات افراد تھے اور نیز اس سے عُقبہ ثانی کے صحابہ کرام بھی مراد ہیں اور یہ ستر (۷۰) افراد تھے ﴿ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾ اور مہاجرین وانصار میں سے جنہوں نے ان سابقین کی بھلائی کے ساتھ اتباع کی پس تمام صحابہ کرام مراد ہوئے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے قیامت تک ایمان واطاعت میں مہاجرین وانصار کی بھلائی کے ساتھ پیروی کرنے والے اہل اسلام مراد ہیں ﴿ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کے سبب ان سے راضی ہوگیا۔ [یہ مبتدا کی خبر ہے] ﴿ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ اور وہ (صحابہ کرام) اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دینی اور دنیوی تمام نعمتیں ان کو عطا فرمادیں ﴿ وَاَعَدَّ لَهُمْ ﴾ [یہ ''رَضِیَ'' پر معطوف ہے] اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں ﴿ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ایسی بہشتیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں [قاری ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''مِنْ تَحْتِهَا'' (مِنْ کے اضافہ کے ساتھ) ہے] ﴿ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۳﴾

اور تمہارے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں میں سے بعض منافق ہیں' اور اہل مدینہ میں سے' کچھ لوگ نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں' آپ انہیں نہیں جانتے' ہم انہیں خوب جانتے ہیں' عنقریب ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے' پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا اور انہوں نے نیک عمل اور بُرے عمل کو ملا دیا' عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ (اے محبوب!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے جس کے ذریعے انہیں پاک صاف کیجئے اور ان کا تزکیہ فرمائیے اور ان کے لیے دعائے خیر کیجئے' بے شک آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے' اور اللہ سب کچھ سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○

۱۰۱۔ ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ﴾ اور تمہارے شہر مدینہ منورہ کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں میں سے بعض لوگ منافق ہیں اور ان سے جُہینہ' اسلم' اشجع اور غفار کے قبائل مراد ہیں اور یہی لوگ مدینہ شریف کے اردگرد رہائش پذیر تھے ﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ﴾ [یہ مبتدا کی خبر پر معطوف ہے اور وہ ''مِمَّنْ حَوْلَكُمْ'' ہے اور ''مُنَافِقُوْنَ'' مبتدا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا اور خبر پر جملہ معطوفہ ہو جب کہ تم ''وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ قَوْمٌ'' مقدر مانو] اور مدینہ منورہ

میں رہنے والوں میں سے ایک قوم ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ منافقت پر ڈٹ چکی ہے یعنی وہ اس میں ماہر اور پختہ ہو چکے ہیں [اس بناء پر کہ "مَرَدُوْا" محذوف موصوف (قَوْمٌ) کی صفت ہے اور پہلی وجہ پر یہ کلام مبتدا ہونے سے خالی نہیں ہے یا پھر یہ "مُنٰفِقُوْنَ" کی صفت ہے اس کے درمیان اور اس کے موصوف کے درمیان خبر پر معطوف (مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ) کے ساتھ فاصلہ کر دیا گیا ہے] اور منافقت میں ان کی مہارت پر یہ ارشاد دلیل ہے کہ ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ اے محبوب! آپ انہیں نہیں جانتے یعنی آپ کی ذہانت اور سچی فہم وفراست کے باوجود ان کا حال آپ پر مخفی ہے کیونکہ وہ لوگ منافقت میں مہارت رکھنے کی وجہ سے ہر اس کام سے بہت بچتے رہتے ہیں جو آپ کو ان کے معاملے میں شک میں ڈال دے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ ہم ان کو خوب جانتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ انہیں کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ ان کے بھید پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا کیونکہ وہ لوگ اپنے دلوں کی گہرائی میں کفر کو چھپاتے ہیں اور آپ کے سامنے مخلص مسلمانوں کی طرح اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں [1] ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ عنقریب ہم ان کو دو دفعہ عذاب میں مبتلا کریں گے اور وہ یہ ہے کہ قتل ہونا اور قبر میں عذاب کا ہونا یا ذلت ورسوائی اور قبر کا عذاب یا ان کے مال سے صدقات کا وصول کرنا اور ان کے ابدان کو سخت سزا دینا ﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ پھر انہیں بڑے عذاب یعنی دوزخ کی آگ کے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

۱۰۲- ﴿وَاٰخَرُوْنَ﴾ یعنی مذکورہ بالا قوموں کے علاوہ دوسری قوم کے لوگ ﴿اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا یعنی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی طرح انہوں نے جھوٹے بہانے نہیں بنائے' بلکہ انہوں نے اپنے بارے میں اعتراف کیا کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت بُرا ہوا ہے' اس پر وہ نادم ہیں اور یہ دس آدمی تھے' ان میں سے سات صحابہ وہ تھے کہ جن کو جب یہ خبر پہنچی کہ جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت میں قرآن نازل ہو چکا ہے تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا' پھر جب رسول اللہ ﷺ سفرِ تبوک سے واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی کیونکہ آپ کی یہ

---

[1] واضح رہے کہ عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں منافقین کے حال سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کی نفی کیسے کی گئی ہے' جب کہ دوسری آیت مبارکہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ:

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ. (محمد: ۳۰) اور آپ ان کو ضرور بات کے لہجے سے پہچان لیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت پہلے کی ہے اور اثبات کی آیت بعد میں نازل ہوئی تھی (اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین کے بارے میں قطعی علم عطا فرما دیا گیا تو آپ نے ان کو پہچان لیا تھا) چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ جمعۃ المبارک کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے' اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے۔ آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر بہت سے منافقوں کو مسجد سے نکال دیا اور حضرت ابن مسعود انصاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے چھتیس (۳۶) منافقین کو نام لے کر مسجد سے نکال دیا تھا اور اس آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں: تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۵۴ مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر' روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۱ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۹۳ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۸۹ مطبوعہ دہلی' تفسیر لباب التاویل المعروف خازن ج ۲ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' خزائن العرفان ص ۲۴۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ' ۲۱ حوالہ جات کے ساتھ' تفسیر عثمانی ص ۲۶۲ مطبوعہ دار التصنیف' کراچی۔

(نوٹ) اس کی مزید تفصیل سورۂ محمد: ۳۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عادتِ شریفہ تھی کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرماتے' چنانچہ آپ نے ان حضرات کو ستونوں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا تو آپ نے صحابہ کرام سے ان کے بارے میں پوچھا' انہوں نے عرض کیا کہ ان حضرات نے قسم کھالی ہے کہ یہ خود اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفسِ نفیس ان کو کھول کر آزاد فرمائیں' آپ نے سن کر فرمایا کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان حضرات کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک ان کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں دیا جائے گا' اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ نے ان کو کھول کر آزاد کر دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہی مال تھے جنہوں نے ہمیں آپ کے ساتھ جنگ پر جانے سے محروم رکھا' لہٰذا ہم اپنے مال آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتے ہیں' آپ ان کو صدقہ میں خرچ کر دیں اور ہمیں اس گناہ سے پاک کر دیں' اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے تمہارے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں دیا گیا تو ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ'' نازل ہوئی کہ اے محبوب! آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے اور ان کو پاک کیجئے[1] ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا﴾ انہوں نے اپنے نیک عمل (یعنی) جہاد میں جانے کے عمل کو ملا دیا ﴿وَّاٰخَرَ سَیِّئًا﴾ دوسرے بُرے عمل کے ساتھ (یعنی) جہاد میں نہ جانے کے عمل کے ساتھ یا توبہ اور گناہ مراد ہیں اور یہ عرب کے اس مقولہ سے ماخوذ ہے کہ ''بِعْتُ الشَّاةَ وَدِرْهَمًا'' یعنی میں نے بکری کو ایک درہم کے عوض میں فروخت کر دیا [پس واؤ بہ معنی ''با'' کے ہے کیونکہ واؤ جمع کرنے کے معنی کے لیے آتی ہے اور ''با'' الصاق (ملانے) کے معنی کے لیے آتی ہے' لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں یا یہ معنی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مل گیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک مخلوط اور مخلوط بہ ہوا جیسے ''خَلَطْتِ الْمَآءُ وَاللَّبَنُ'' کہ پانی اور دودھ آپس میں ایک دوسرے سے خلط ملط یعنی مل جُل گئے' جب اس سے مقصد یہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مکس ہو گیا بہ خلاف اس مقولہ کے کہ ''خَلَطْتِ الْمَآءُ بَاللَّبَنِ'' کہ پانی دودھ میں مل گیا' گویا پانی کو مخلوط اور دودھ کو مخلوط بہ قرار دیا گیا اور جب واؤ کے ساتھ ہو تو ''مـاء'' یعنی پانی اور ''لبـن'' یعنی دودھ دونوں مخلوط ہوں گے اور دونوں مخلوط بہ بھی ہوں گے اور معنی یہ ہوگا کہ پانی دودھ میں اور دودھ پانی میں دونوں آپس میں ایک دوسرے میں مکس ہو گئے ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کرنے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں پر ان کے اعتراف کرنے کا ذکر کر دیا ہے اور وہی ان کی توبہ کی دلیل ہے۔

۱۰۳۔ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ اے محبوب! ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کیجئے تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ اس سے زکوٰۃ مراد ہے ﴿تُطَهِّرُهُمْ﴾ آپ ان کو گناہوں سے پاک کیجئے [اور یہ ''صَدَقَةً'' کی صفت ہے اور ''تا'' کے ساتھ خطاب کے لیے ہے اور یا یہ ''تا'' مؤنث غائب کے لیے ہے (کہ صدقہ ان کو پاک کر دے گا)] اور ﴿وَتُزَكِّیْهِمْ﴾ [میں ''تـا'' بہرحال یقیناً خطاب کے لیے ہے] اور آپ ان کا تزکیہ کیجئے ﴿بِهَا﴾ صدقہ کے ذریعہ اور تزکیہ طہارت و پاکیزگی میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے یا اس کا معنی مال میں خیر و برکت اور اس میں نشو و نما کی ترقی کرنا ہے ﴿وَصَلِّ عَلَیْهِمْ﴾ اور آپ ان کے لیے دعا فرما کر ان پر لطف و کرم کیجئے اور ان پر مہربانی فرمائیے اور صدقہ وصول کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ جب وہ صاحبِ صدقہ سے صدقہ کا مال وصول کر لے تو اس کے لیے دعائے خیر کرے ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ بے شک آپ کی دعائے خیر و برکت ان کے لیے باعثِ

[1] قال الحافظ: اخرجہ البیہقی فی الدلائل وابن مردویہ۔ (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۳۰۷)

تسکین واطمینان ہے کیونکہ وہ لوگ اس سے راحت وسکون محسوس کرتے ہیں اوران کے دلوں کواطمینان حاصل ہوجاتا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔[ابوبکرکوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''صَلَوٰاتِكَ'' ہے بعض نے فرمایا کہ ''صَلٰوۃ'' کا استعمال ''صَلَوَات'' سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جنس کے لیے ہے] ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو خوب سننے والا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ گناہوں پر ان کے اعتراف کرنے کو اوران کی دعا کو خوب سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ندامت وشرمندگی اورغم ورنج کو خوب جاننے والا ہے جو ان کی کوتاہی کی وجہ سے ان کو لاحق ہوئی تھی۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور صدقات لے لیتا ہے اور بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' نہایت مہربان ہے O اور (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ تم عمل کرتے رہو' سو عنقریب اللہ اوراس کے رسول اور مسلمان تمہارے عمل دیکھیں گے' اور عنقریب تمہیں اس کی طرف لوٹایا جائے گا جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے' پھر جو کچھ تم کرتے رہے اس سے وہ تم کو آگاہ کردے گا O اور دوسرے وہ ہیں جن کو اللہ کے حکم آنے تک مہلت دی گئی یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمالے گا' اور اللہ سب کچھ جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O

١٠٤۔﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا﴾ کیا انہیں معلوم نہیں۔اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی توبہ قبول کی گئی یعنی کیا ان کی توبہ قبول ہونے اوران کے صدقات وخیرات قبول ہونے سے پہلے انہیں معلوم نہیں تھا کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح طریقے پر کی جائے ﴿وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ اور جب صدقات وخیرات خلوصِ نیت سے نکالے جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں لے لیتا ہے اور قبول فرمالیتا ہے اور یہ تخصیص کرنے کے لیے ہے یعنی بے شک یہ کام رسول اللہ ﷺ کے سپرد نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو توبہ کو قبول کرتا بھی ہے اوراس کو رد بھی کرتا ہے' پس تم توبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کا قصد کرو اور تم توبہ کرتے وقت اسی کی طرف متوجہ رہو ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ وہ بے حد مہربان ہے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

١٠٥۔﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اے محبوب! آپ ان توبہ کرنے والوں سے فرمادیجئے کہ تم عمل کرتے رہو' سو عنقریب تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول اور تمام مسلمان دیکھ لیں گے یعنی بے شک تمہارے اعمال نیک ہوں یا بد ہوں وہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے بندوں سے پوشیدہ نہیں ہیں' جیسا کہ تم نے خود دیکھ

لیا اور تم پر تمہارا عمل ظاہر ہو گیا یا یہ معنی ہے کہ اے محبوب! توبہ کی ترغیب دینے کے لیے آپ توبہ نہ کرنے والوں سے فرمادیں کہ تم عمل کرتے رہو عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمان تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے۔ مروی ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول کر لی گئی تو جنہوں نے توبہ نہیں کی تھی‘ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہے کل تک تو ہمارے ساتھ تھے‘ ان سے نہ گفتگو کی جاتی تھی اور نہ ان کو اپنے قریب بٹھایا جاتا تھا اور اب ان کو کیا ہو گیا (کہ انہوں نے توبہ کر لی) تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا‘ تنقید کرنے والوں کے لیے وعید اور دھمکی ہے اور توبہ کرنے سے غافل رہنے اور غلط روش پر اصرار کرنے کے انجام سے انہیں ڈرانا مقصود ہے ﴿وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ﴾ اور عنقریب تم کو (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے) غیب کے جاننے والے (خدا) کے پاس لوٹایا جائے گا یعنی جو چیزیں لوگوں سے غیب اور پوشیدہ ہیں‘ ان کو بھی اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ اور ظاہر کا جاننے والا ہے یعنی جن چیزوں کا لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو تم جو کچھ اعمال کرتے رہے ہو ان کو قیامت کے دن تمہیں یاد دلانے اور ان پر تمہیں جزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ تمہیں سب کچھ بتادے گا۔

۱۰۶- ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ اور دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک موقوف رکھا گیا ہے [اور ''اَرْجَيْتَهُ وَاَرْجَاْتَهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو مؤخر کر دو اور اسی سے ''مرجئه'' ماخوذ ہے] یعنی جنگ میں جانے کی بجائے پیچھے رہ جانے والوں میں دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا معاملہ موقوف رکھا گیا ہے یہاں تک کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو جائے۔ [قاری نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''مُرْجَوْنَ'' بغیر ہمزہ کے ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت ''مُرْجَؤُوْنَ'' (ہمزہ کے ساتھ) ہے] ﴿اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ﴾ یا تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا اگر انہوں نے اصرار جاری رکھا اور توبہ نہ کی ﴿وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ اور یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے گا‘ اگر انہوں نے توبہ کر لی اور وہ تین حضرات ہیں: حضرت کعب بن مالک اور حضرت ہلال بن اُمیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا ارشادِ باری تعالیٰ ''وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا'' میں ذکر کیا گیا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کی امید کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ ان کو مہلت دینے میں بڑی حکمت والا ہے [اور ''اِمَّا'' شک کے لیے آتا ہے] اور یہ (اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ) بندوں کے لیے ہے یعنی بندے اپنے آپ عذابِ الٰہی کا خوف بھی رکھیں اور اپنے لیے اس سے رحمت وکرم کی امید بھی رکھیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دے دیا تھا کہ ان تینوں حضرات سے نہ کوئی سلام دعا کرے اور نہ کوئی ان سے بات چیت کرے اور ان حضرات نے اس دوسرے فریق کی طرح نہیں کیا تھا کہ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا تھا اور انہوں نے جزع فزع اور اپنے رنج وغم کا اظہار کیا تھا (بلکہ یہ حضرات خاموش رہے) اور جب انہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص ان کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تو انہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اپنی نیتوں اور ارادوں کو خالص کر دیا اور ان کی توبہ بہت اچھی رہی کہ اللہ تعالیٰ کو خود ان پر رحم آ گیا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے نقصان پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے ایک مسجد بنائی اور اس شخص کی تیاری کے لیے جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا رہا' اور وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں کیا' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O آپ اس مسجد میں کبھی بھی (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوں' البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں' اس میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں' اور اللہ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے O

۱۰۷- ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا﴾ اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے ''وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا'' اور ان میں سے بعض لوگوں نے ایک مسجد بنائی۔ [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں واؤ کے بغیر ''اَلَّذِيْنَ'' ہے اور یہ مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے ''اَیْ جَازَيْنَاهُمْ'' یعنی ہم نے ان کو سزا دی]۔

شانِ نزول: ایک اور روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی عمرو بن عوف نے جب مسجد قبا بنائی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا کہ آپ ان کے ہاں تشریف لائیں' سو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے' اور آپ نے مسجد قبا میں نماز ادا فرمائی جس کی وجہ سے ان کی برادری بنو غنم بن عوف نے حسد کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم بھی مسجد بنائیں گے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی بلانے کے لیے بھیجیں گے کہ آپ اس مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھیں اور (دشمنِ اسلام) ابو عامر راہب بھی اس میں نماز پڑھے گا جب وہ ملک شام سے واپس آئے گا اور یہ وہ شخص ہے جس نے رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غزوۂ اُحد کے دن کہا تھا کہ ہر وہ قوم جو آپ سے جنگ کرے گی' میں اس کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف جنگ لڑوں گا' چنانچہ وہ اس وقت سے لے کر غزوۂ حنین تک ہمیشہ آپ کے خلاف جنگ کرتا رہا' پھر جب ان لوگوں نے مسجدِ قبا کے پاس ایک اور مسجد ضرار بنائی اور انہوں نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے کہا کہ ہم نے اپنی ضرورت کے لیے ایک مسجد بنائی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری خاطر اس میں تشریف لا کر نماز ادا فرمائیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب تو ہم سفر پر جا رہے ہیں جب ہم غزوۂ تبوک سے واپس آئیں گے تو ان شاء اللہ اس میں نماز پڑھیں گے' پھر جب آپ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے اس مسجد میں تشریف لانے کی درخواست کی تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ نے حضرت امیر حمزہ کے قاتل حضرت وحشی اور حضرت معن بن عدی وغیر ہما سے فرمایا کہ تم ان ظالموں کی اس مسجد میں جاؤ اور اس کو توڑ کر زمین کے برابر کر دو اور اس کو جلا دو' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا

اور حکم دیا گیا کہ اس کی جگہ بیت الخلاء بنا دیئے جائیں جن میں لوگ مردار اور گندگی ڈالا کریں اور ابو عامر راہب ملک شام میں ہی مر گیا ﴿ضِرَارًا﴾ [یہ اور اسی طرح اس کے بعد والے مفعول لہٗ ہیں] یعنی ان لوگوں نے مسجد قبا میں نماز پڑھنے والے اپنی برادری کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مسجد ضرار بنائی ﴿وَّكُفْرًا﴾ اور اپنے نفاق کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے ﴿وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف برپا کرنے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کے لیے کیونکہ تمام مسلمان مسجد قبا میں جمع ہو کر باجماعت نماز پڑھتے تھے اس لیے منافقین نے چاہا کہ وہ ان میں پھوٹ ڈال دیں اور ان کے اتفاق و اتحاد کو ختم کر کے ان میں اختلاف برپا کر دیں ﴿وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور یہ مسجد اس شخص کی وجہ سے پناہ گاہ کے طور پر تیار کی گئی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا رہا اور وہ ابو عامر راہب تھا جس کے لیے منافقوں نے یہ مسجد تیار کی تھی تاکہ وہ اس مسجد میں نماز پڑھایا کرے اور وہ رسول اللہ ﷺ پر غلبہ حاصل کر لے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ ہر وہ مسجد جو فخر و مباہات کے لیے یا ریاء اور دکھاوے کے لیے یا شہرت و عزت حاصل کرنے کے لیے یا اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے علاوہ کسی دوسری غرض کے لیے یا ناپاک مال سے تعمیر کی جائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں شامل ہے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ [یہ "حَارَبَ" کے متعلق ہے] یعنی اس مسجد کی تعمیر سے پہلے یعنی غزوۂ خندق کے دن ﴿وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى﴾ اور یہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے اس مسجد کی تعمیر سے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور وہ یہ کہ یہ مسجد صرف نماز اور ذکر الٰہی کرنے اور نمازیوں کی سہولت کی خاطر بنائی گئی ہے ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ منافقین اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں۔

۱۰۸- ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ اے محبوب! آپ منافقین کی اس مسجد میں ہمیشہ کے لیے کبھی بھی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے نہ ہوں ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ البتہ مسجد قبا جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوں۔ ["لَمَسْجِدٌ" میں لام ابتداء کے معنی کے لیے ہے اور "اُسِّسَ" اس کی صفت ہے اور اس سے مسجد قبا مراد ہے] جس کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے رکھی تھی اور قبا بستی میں اپنے قیام کے دوران آپ اسی مسجد میں نماز پڑھتے رہے یا پھر اس سے مسجد نبوی مراد ہے جو مدینہ منورہ میں ہے۔ "مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ" کا مطلب ہے کہ اس کی بنیاد و تعمیر پہلے ابتدائی دنوں سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی [اور بعض علماء نے کہا کہ اس میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں "مُذْ" ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ زمانے کی ابتداء کے لیے آتا ہے جب کہ حرف "مِنْ" مکان کی ابتداء کے لیے آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرف "مِنْ" عام ہے یہ ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں کی ابتداء بیان کرنے کے لیے آتا ہے] ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ قبا میں رہنے والے بہت سے مسلمان مرد ہر قسم کی نجاست و غلاظت سے خوب پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے اور بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر قبا تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ مسجد قبا کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہر گئے اور دیکھا کہ انصار قبا مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم مؤمن ہو؟ وہ لوگ خاموش رہے پھر آپ نے دوبارہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک یہ لوگ یقیناً مؤمن ہیں اور میں بھی انہیں میں سے ہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: کیا تم تقدیر پر راضی رہتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم خوشحالی میں شکر کرتے ہو؟

انہوں نے کہا: جی ہاں! اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! تم واقعی مؤمن ہو اور ان کے پاس بیٹھ گئے پھر فرمایا: اے انصار کی جماعت! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے' تم وضو کے وقت اور قضائے حاجت کے وقت کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم لوگ قضائے حاجت کے بعد صفائی کے لیے تین پتھروں کے ساتھ استنجاء کرتے ہیں' پھر پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد ہم پانی سے استنجاء کر لیتے ہیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی شان میں نازل شدہ اسی آیتِ مبارکہ کی تلاوت کر کے سنائی اور بعض نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ تمام نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے عام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ توبہ کے ذریعے گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے ہے اور طہارت و پاکیزگی سے ان کی محبت کا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو بہت چاہتے ہیں جیسے ایک محبّ اپنی محبوب چیز کو بہت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان سے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوتا ہے اور ان سے راضی رہتا ہے اور ان کی تحسین کرتا ہے' جیسے محبّ محبوب کی تحسین و تعریف کرتا ہے۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

تو کیا جس شخص نے اپنی مسجد کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والے گڑھے کے کنارے پر رکھی' پھر وہ اس کو اپنے ساتھ لے کر دوزخ کی آگ میں جا گرا' اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا O ان کی وہ عمارت جس کو انہوں نے بنایا تھا وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں' اور اللہ خوب جاننے والا' بے حد حکمت والا ہے O

۱۰۹- ﴿ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ ﴾ تو کیا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا پر رکھی وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والے گڑھے کے کنارے پر رکھی۔ یہ تقریری سوال ہے اور اس کے جواب کے واضح ہونے کی بناء پر اس سے خاموشی اختیار کر لی گئی ہے اور معنی یہ ہے کہ تو کیا جس نے اپنے دین (اور مسجد) کی عمارت کو مضبوط و مستحکم بنیاد پر تعمیر کیا اور وہ بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی رضا مندی ہے وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنے (دین اور مسجد) کی تمام بنیادوں میں سے کمزور ترین بنیاد پر عمارت کھڑی کی اور وہ کفر و نفاق اور باطل ہے' جس کی ناپائیداری اور غیر مضبوطی کی مثال گرنے والے گڑھے کے کنارے سے دی گئی ہے اور گرنے والے کے کنارے کو تقویٰ کے مقابلے میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کو مجازی طور پر تقویٰ کے منافی و مقابل قرار دیا گیا ہے اور ''شَفَا'' کا معنی کنارہ ہے اور ''جُرُف'' وادی کی اس جانب کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد کو پانی کے بہاؤ نے کھود کر گہرا کر دیا ہے اور سیلابوں نے اس کی مٹی کو بہاؤ کے سبب دور کر دیا ہو' اب وہ کمزور ہو چکی ہو اور ''هَارٍ'' اور ''هَائِر'' کا معنی ہے: گرنے والا اور وہ منہدم ہونے اور گرنے کے قریب پہنچ چکا ہو [اور اس کا وزن فعل قصر

کے ساتھ فاعل سے ماخوذ ہے جیسے "خلف" "خالف" سے ماخوذ ہے اور اس کا الف فاعل کا نہیں ہے اور اس کا عین کلمہ واؤ ہے کیونکہ اس کی اصل "هَوِرٌ" ہے پھر واؤ کو الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ واؤ متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے اور باطل کی حقیقت اور اس کی کنہ پر اس کلام سے زیادہ بلیغ اور زیادہ دلالت کرنے والا کلام تم کہیں نہیں دیکھو گے۔ ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں "اَفَمَنْ اُسِّسَ بُنْیَانُهٗ" ("اُسِّسَ" فعل مجہول اور "بُنْیَانُهٗ" کو مفعول کی بجائے نائب فاعل مضموم پڑھا گیا) ہے نیز ابن عامر شامی حمزہ اور یحییٰ کی قراءت میں "جُرْفٍ" ("را" کو مضموم کی بجائے ساکن پڑھا گیا) ہے اور ابو عمرو بصری اور یحییٰ اور ایک روایت کے مطابق حمزہ کی قراءت میں "هَارٍ" کو امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے]

﴿فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ سو وہ عمارت اپنے بنانے والے کے ساتھ دوزخ کی آگ میں جا گری' پس باطل اس کے ساتھ دوزخ کی آگ میں گر کر ختم ہو گیا [اور جب "جُرُفٍ هَارٍ" کو مجازاً باطل قرار دیا گیا اور مجاز کو بطور استعارہ لیا گیا تو لفظ "اِنْهَارَ" کو لایا گیا جو "جُرُفٍ" کے مناسب ہے] تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ باطل پرست نے اپنی عمارت کی بنیاد دوزخ کی وادیوں میں سے کمزور گرنے والی وادی کے کنارے پر تعمیر کی تو وہ کمزور وادی اسے لے کر دوزخ کے گڑھے میں جا گری۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے مسجدِ ضرار کے گرنے کے وقت اس سے دھواں نکلتے ہوئے دیکھا تھا ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ ان کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے ایمان کی بجائے منافقت اختیار کرنے پر سزا ہوتی ہے۔

١١٠- ﴿لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ان کی وہ عمارت جسے انہوں نے تعمیر کیا تھا ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی اور اس کا منہدم ہو جانا ہمیشہ ان کے شک اور نفاق پر مزید شک و نفاق کے اضافہ کا سبب بنا رہے گا کیونکہ اس کے گرانے کی وجہ سے ان کا غیظ و غصہ بڑھ گیا ہے اور اس کا منہدم ہونا ان پر دشوار اور گراں گزرا ہے ﴿اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ﴾ مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ہو جائیں [اصل میں "اَنْ تَتَقَطَّعَ" ہے اور یہ ابن عامر شامی' حمزہ اور یحییٰ کی قراءت ہے' ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت "اَنْ تُقَطَّعَ" (فعل مجہول کے ساتھ) ہے] یعنی مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے اور ان کے اجزاء اور حصے مختلف سمتوں میں بکھیر دیئے جائیں گے' پھر ان سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا لیکن جب تک ان کے دل صحیح سلامت اور مجتمع رہیں گے اس وقت تک شک و نفاق ان کے دلوں میں باقی اور قائم رہے گا' پھر یہ بھی جائز ہے کہ ان دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا ذکر محض ان کے دلوں سے شک زائل ہونے کے حال کو بیان کرنا مقصود ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقت میں ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جانا مراد ہو اور وہ اس طرح ہے کہ جنگوں میں قتل و غارت کے ذریعے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے یا پھر قبروں میں یا دوزخ کی آگ میں ان کے دلوں کے ٹکڑے کیے جائیں گے یا اس کا معنی یہ ہے: مگر یہ کہ وہ لوگ ایسی سچی توبہ کر لیں جس کے سبب ان کے دل ندامت و شرمندگی اور اپنی کوتاہی پر افسوس کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہو جائیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَکِیْمٌ﴾ انہیں ان کے جرائم پر سزا دینے میں بہت بڑی حکمت والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں عوض میں ان کے لیے یقیناً بہشت ہے' وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' پھر کبھی قتل کرتے ہیں اور کبھی قتل کیے جاتے ہیں' اس کے ذمۂ کرم پر سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں' اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے' سو تم اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس سے کیا ہے' اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے O توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' حمد کرنے والے' روزہ رکھنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں' اور (اے محبوب!) آپ مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیں O

صحابہ کرام کے فضائل اور مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت

۱۱۱- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے' جن کے عوض میں ان کے لیے جنت ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اپنے اموال اور اپنی جانیں اس کی راہ میں خرچ کرنے پر انہیں جنت عطا کرنے کی خرید و فروخت کے ساتھ مثال بیان کی ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے مالوں اور ان کی جانوں کی تجارت میں اعلیٰ ترین اور مہنگی ترین قیمت عطا کی ہے۔

اور حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور مال بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے (پھر کرم دیکھئے کہ یہ چیزیں خرید کر عوض میں جنت بھی عطا فرما دی) ' ایک دفعہ ایک اعرابی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس سے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے گزرا اور کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ سودا بہت نفع بخش ہے' ہم اس کو نہ چھوڑیں گے اور نہ ہم اس سے پیچھے ہٹیں گے' پھر وہ ایک غزوہ میں شریک ہوا اور وہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا ﴿ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ یہ مقام تسلیم و رضا کا بیان ہے ﴿ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ﴾ سو وہ قتل کرتے ہیں اور وہ قتل کیے جاتے ہیں یعنی کبھی وہ دشمنانِ دین کو قتل کر دیتے ہیں اور کبھی دشمنانِ دین ان کو قتل کر دیتے ہیں (گویا وہ غازی بھی ہیں اور شہید بھی)۔ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں اس کے برعکس "فَيُقْتَلُوْنَ وَيَقْتُلُوْنَ" (پہلا فعل مضارع مجہول' دوسرا فعل مضارع معروف کے ساتھ) ہے] ﴿ وَعْدًا عَلَيْهِ ﴾ [یہ مصدر ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے جہاد فی سبیل اللہ پر جنت کا وعدہ فرمالیا ہے اور یہ وعدہ ﴿ حَقًّا ﴾ سچا ہے۔ [یہ "وَعْدًا" کی صفت ہے] اس میں خبر دی گئی ہے کہ بے شک یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ کیا ہے' یہ وعدہ ثابت و قائم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ثابت رکھا ہے ﴿ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ﴾ تورات اور انجیل اور قرآن میں اور یہ اس بات کی

دلیل ہے کہ تمام اہلِ ملت کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے جہاد کرنے پر بہشت کا وعدہ کیا گیا تھا ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے کیونکہ وعدہ خلافی کرنا قبیح اور برا ہے' ہم انسانوں میں سے کوئی کریم ورحیم شخص ایسا کام نہیں کرتا تو جو سب سے زیادہ کریم ورحیم ہے وہ خلاف وعدہ کیونکر کرے گا اور تم جہاد کے لیے اس سے زیادہ حسین وبلیغ ترغیب نہیں دیکھو گے ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ﴾ سو تم اپنے سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے' پس تم اس پر بہت زیادہ جشن وخوشی مناؤ کیونکہ تم نے بلاشبہ فانی کو باقی کے عوض میں فروخت کیا ہے ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بدنوں کی قیمت صرف جنت ہے' پس تم اپنی جانوں کو اس کے سوا کسی اور چیز کے عوض میں فروخت نہ کرنا۔

۱۱۲۔ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ﴾ [یہ مدح کی بناء پر مرفوع ہے] یعنی وہ مؤمنین جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ توبہ کرنے والے ہیں [یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ﴿الْعٰبِدُوْنَ﴾ ہے] یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کی عبادت کرنے والے ہیں اور انہوں نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرلیا ہے [اور اس کے بعد آنے والی صفات خبر کے بعد خبر ہیں] یعنی وہ حقیقت میں کفر وشرک سے توبہ کرنے والے ان تمام خوبیوں کے جامع ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر وشرک سے توبہ کرلی اور وہ نفاق سے بری و بیزار ہو چکے ﴿الْحٰمِدُوْنَ﴾ وہ لوگ نعمتِ اسلام عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے والے ہیں ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ وہ روزے رکھنے والے ہیں کیونکہ حضور سیّد عالم نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: ''سِيَاحَةُ اُمَّتِي الصِّيَامُ''[1] میری امت کی سیر وتفریح روزے رکھنا ہے یا علم دین حاصل کرنا ہے کیونکہ طلباء زمین میں سیر وسیاحت کرتے ہیں اور علم کو اس کے مراکز میں جا کر حاصل کرتے ہیں یا عبرت حاصل کرنے کے لیے زمین میں سیر وسیاحت کرنے والے مراد ہیں ﴿الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ وہ رکوع وسجود ادا کرنے والے یعنی تمام نمازوں کی پابندی سے حفاظت کرنے والے ہیں ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ وہ (ہر قسم کی) نیکی کا حکم دینے والے ہیں (خصوصاً) ایمان اور معرفت اور اطاعت وفرماں برداری کا حکم دینے والے ہیں ﴿وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور وہ کفر وشرک اور گناہوں سے روکنے والے ہیں [اور یہاں واؤ یہ بتانے کے لیے داخل کی گئی ہے کہ سات عقد تام ہے یا امر اور نہی کے درمیان تضاد کی وجہ سے داخل کی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا'' (التحریم:۵) ''شادی شدہ اور کنواریاں''۔] ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی تمام حدود یعنی اس کے اوامر ونواہی اور شریعت کے تمام شعائر کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ان صفات کے ساتھ متصف ہونے والے مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ

[1] رواہ ابن جریر موقوفاً عن عائشۃ (الدر المنثور ج ۴ ص ۲۹۷)' ورواہ مرفوعاً من حدیث ابی ہریرۃ بلفظ ''اَلسَّآئِحُوْنَ هُمُ الصَّآئِمُوْنَ''۔

أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوّٰهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

نبی کریم اور مسلمانوں کے لیے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کی بخشش مانگیں اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں اس کے بعد کہ ان پر ظاہر ہو گیا کہ بلاشبہ وہ جہنمی ہیں○ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو آپ نے اس سے کر لیا تھا' پھر جب ان پر واضح ہو گیا کہ بے شک وہ تو اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والے' بے حد بردبار تھے○ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم پر گمراہی کا حکم لگا دے اس کو ہدایت دینے کے بعد جب تک ان کے لیے وہ چیزیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہیے' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○

شانِ نزول: جب حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مشفق چچا ابوطالب کے لیے (ان کے مرنے کے بعد) دعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس پر (درج ذیل) یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

۱۱۳- ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى﴾ حضور نبی کریم اور مسلمانوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت و بخشش کا مطالبہ کریں' اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں یعنی آپ کے لیے مشرکین کے حق میں استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم میں اور اس کی حکمت میں صحیح نہیں ہے ﴿مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ﴾ اس کے بعد کہ ان (مسلمانوں) کے لیے ظاہر ہو گیا کہ بے شک وہ جہنمی ہیں یعنی اس کے بعد کہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا ہے کہ بے شک وہ شرک پر مر گئے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عذر کا ذکر کیا اور فرمایا:

۱۱۴- ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ (یعنی اپنے چچا آزر) کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی بناء پر تھا' جو آپ نے اس سے کیا تھا یعنی ان کے باپ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے گا یا خود حضرت ابراہیم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ استغفار کریں گے اور وہ آپ کا یہ قول ہے: "لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ" (الممتحنۃ:۴) "کہ میں تیرے لیے ضرور استغفار کروں گا"۔ اور اس کی دلیل حضرت حسن کی یہ قراءت ہے: "وَعَدَهَا أَبَاهُ" کہ حضرت ابراہیم کے استغفار کرنے کا معنی یہ ہے کہ آزر کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے مغفرت کی درخواست کریں گے یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے آزر کو اسلام عطا کرنے کی درخواست کریں گے جس سے اس کو بخش دیا جائے گا ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ﴾ پھر جب حضرت ابراہیم پر وحی کے ذریعے یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ (چچا آزر) اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور وہ کفر کی موت مرے گا اور آپ کی اس سے اسلام قبول کرنے کی امید ختم ہو گئی تو ﴿تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے اور اس کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا ﴿إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوّٰهٌ﴾ بے شک حضرت ابراہیم بہت آہیں بھرنے والے' نہایت شفقت کرنے والے' بے حد مہربان تھے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم بہت زیادہ رحم دل اور بہت زیادہ نرم دل تھے' اس لیے آپ اپنے

کافر باپ پر بھی بہت شفقت فرمایا کرتے تھے ﴿حَلِیْمٌ﴾ آپ بہت حلم والے بردبار تھے' مصیبتوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور اذیت و دکھ دینے پر بہت درگزر کرنے والے' یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے باپ کے لیے استغفار کرتے رہتے تھے حالانکہ وہ کہتا تھا کہ میں تمہیں ضرور سنگسار کردوں گا۔

١١٥- ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ ہونے دے' جب تک اس کے لیے اس چیز کو بیان نہ کردے جس سے انہوں نے بچنا ہے یعنی جس چیز سے بچنے اور اس سے پرہیز کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جیسے مشرکین وغیرہ کے لیے استغفار کرنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کردیا ہے اور بیان کردیا ہے کہ یہ ممنوع و حرام ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کا مواخذہ نہیں کرے گا جن کو اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے اور نہ ان کو رسوا کرے گا مگر جب وہ اس کی حرمت واضح ہونے کے بعد اس کا ارتکاب کریں گے اور ان کے معلوم کرلینے کے بعد کہ اس نہی پر عمل کرنا واجب و لازم ہے لیکن معلوم کرنے اور بیان ہو جانے سے پہلے ارتکاب کرنے پر کوئی مؤاخذہ نہیں اور یہ ان لوگوں کے عذر کا بیان ہے جو مشرکین کے لیے استغفار کرنے پر مؤاخذہ سے ڈر گئے تھے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿١١٧﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے O بے شک اللہ نے نبی کریم اور مہاجرین اور انصار پر نظر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت آپ کی پیروی کی اس کے بعد کہ ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہونے کے قریب تھے' پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی' بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے O

١١٦- ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ﴾ بے شک تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

١١٧- ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی یعنی منافقین کو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دینے (کے خلاف اولیٰ عمل) کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ". (التوبہ:٤٣) "اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرما چکا ہے"۔ ﴿وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ اور مہاجرین و انصار پر نظر کرم فرمائی۔ اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو توبہ

کی ترغیب دی گئی اور یہ کہ ہر ایک مسلمان توبہ اور استغفار کا محتاج ہے حتیٰ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مہاجرین و انصار کو بھی توبہ واستغفار کی ضرورت ہے (کیونکہ یہ دونوں چیزیں رضائے الٰہی اور اجر وثواب کا باعث ہیں) ﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ جنہوں نے تنگی کے وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی اور اس کا معنی یہ ہے کہ مہاجرین و انصار نے غزوۂ تبوک میں شریک ہو کر مشکل وقت میں آپ کی پیروی کی تھی [اور "سَاعَة" کا لفظ مطلق زمانہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے] اور یہ حضرات ایک تو سواریوں کی وجہ سے تنگی میں مبتلا تھے یہاں تک کہ دس آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے اور دوسری سامانِ سفر کی کمی کی وجہ سے تنگی تھی چنانچہ صحابہ کرام اپنے سامانِ سفر میں کھانے پینے کے لیے ردی کھجوریں اور گھن زدہ جَو اور ادنیٰ قسم کا تیل لے کر چلے تھے اور ان کی تنگ دستی اس قدر شدت کی حد تک پہنچ چکی تھی کہ دو دو آدمی ایک ایک کھجور تقسیم کر کے استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات تو صرف ایک کھجور کو پوری جماعت گیلا کر کے باری باری صرف چوستی تھی تا کہ اس کے بعد پانی پی سکیں اور خود پانی کی تنگی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھڑی اور گوبر نچوڑ کر پانی نکالا اور اسے صاف کر کے پیا اور وہ زمانہ شدید گرمی' سخت خشک سالی اور انتہائی قحط سالی کا تھا ﴿مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل اس غزوہ میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے ایمان پر ثابت رہنے سے یا رسول اکرم کی اتباع سے کج ہونے کے قریب ہو گئے تھے [اور "كَادَ" میں ضمیر شان کی ہے اور اس کے بعد کا جملہ محلاً منصوب ہے اور یہ اہل عرب کے اس مقولہ کی طرح ہے: "لَيْسَ خَلَقَ اللّٰهُ مِثْلَهٗ" یعنی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسا پیدا نہیں فرمایا۔ امام حفص اور حمزہ کی قراءت میں "يَزِيْغُ" ہے ("يَا" کے ساتھ اور جب کہ باقی قراء کی قراءت میں "تَا" کے ساتھ ہے)] ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل وکرم کے ساتھ رجوع فرمایا۔ [توبہ کی تاکید کے لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے] ﴿اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ ان پر بہت شفقت فرمانے والا' بے حد مہربان ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور ان تینوں پر (بھی نظر کرم کے ساتھ توجہ فرمائی) جن کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ ان پر زمین وسیع و عریض ہونے کے باوجود تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ کے سوا انہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی' پھر اللہ نے انہیں توبہ کی توفیق دی تا کہ وہ توبہ کر لیں' بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا' بے حد مہربان ہے O

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ O

۱۱۸- ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ﴾ "اَیْ وَتَابَ عَلَى الثَّلَاثَةِ" یعنی اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں (حضرات کعب بن مالک' مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ) پر فضل وکرم کے ساتھ توجہ فرمائی [اور یہ "اَلنَّبِيِّ" پر معطوف ہے] ﴿الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾

جن کوغزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا ﴿ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ﴾ یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہوگئی اس کے باوجود کہ وہ کشادہ تھی یعنی باوجود اس کے کہ زمین فراخ اور کشادہ تھی اور یہ مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے معاملے میں بے انتہاء حیران تھے گویا (مسلمانوں کے بائیکاٹ کی وجہ سے) وہ اپنی سرزمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں پاتے تھے جس میں پریشانی اور گھبراہٹ کی وجہ سے سکون وقرار حاصل کرتے ﴿ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں یعنی ان کے دل ایسے تنگ ہو گئے کہ ان میں انس ومحبت اور سرور کی گنجائش باقی نہ رہی کیونکہ غم ورنج اور وحشت کی کثرت کی وجہ سے انس وسروران کے دلوں سے نکل گیا ﴿ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ﴾ اورانہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کے لیے اس سے مغفرت وبخشش طلب کیے بغیر کہیں جائے پناہ نہیں ہے ﴿ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے نظر کرم فرماتے ہوئے انہیں توبہ کی توفیق عنایت فرمادی ﴿ لِیَتُوْبُوْا ﴾ تاکہ وہ توبہ کرلیں اور تاکہ وہ توبہ کرنے والوں کی جماعت میں سے ہوجائیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا' بے حد مہربان ہے۔ حضرت ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ توبہ نصوح (سچی توبہ) یہ ہے کہ توبہ کرنے والے پر زمین فراخ ہونے کے باوجود اس پر تنگ ہوجائے اور اس پر اس کی اپنی جان تنگ ہوجائے جیسے ان تین حضرات کی توبہ تھی۔

جہاد کی اہمیت اور علم دین کی فضیلت

۱۱۹- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تم ایمان لانے میں سچوں کے ساتھ (مخلص مسلمان) ہوجاؤ' منافقوں کے ساتھ نہیں یا تم ان کے ساتھ ہوجاؤ جو غزوۂ تبوک سے پیچھے نہیں رہے (بلکہ جنگ میں شریک ہوکر اپنے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت فراہم کیا) یا یہ کہ تم ان کے ساتھ ہوجاؤ جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نیّت وعقیدے اور قول وعمل کے اعتبار سے سچے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجماعِ امت حجت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے' لہٰذا ان کا قول قبول کرنا لازم ہوگیا ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ کے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ جائز تھا کہ وہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھتے' یہ اس لیے کہ انہیں اللہ کی راہ میں پیاس کی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ان کو کوئی تھکاوٹ ہوگی اور نہ ان کو بھوک لگے گی اور نہ وہ کسی ایسی جگہ پر جائیں گے جس سے

کافروں کو غضب ناک کریں اور نہ وہ دشمن سے کچھ حاصل کریں گے مگر ان کے لیے اس کے عوض میں نیک عمل لکھا جائے گا‘ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا O

۱۲۰۔﴿ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ ﴾ اہلِ مدینہ اور ان کے ارد گرد رہنے والے دیہاتیوں کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جاتے (بلکہ وہ ہر حال میں جنگ میں شریک ہوتے) اس نفی سے نہی مراد ہے اور اگر چہ تمام لوگ اس میں برابر ہیں کہ کوئی مسلمان حضور کے ساتھ جنگ میں جانے سے پیچھے نہ رہے‘ لیکن ان لوگوں کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ حضور کے قریب رہنے والے تھے اور حضور کا جنگ کے لیے تشریف لے جانا ان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں تھا ﴿ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ﴾ اور وہ لوگ حضور کو پہنچنے والی مصیبتوں میں اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز نہ رکھتے یعنی وہ لوگ مصائب و شدائد میں حضور کی جان پر اپنی جانوں کی بقاء کو اختیار نہ کرتے بلکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر قسم کی تکلیف و مصیبت اور جنگ وغیرہ میں آپ کا ساتھ دیں گے اور ہر مصیبت میں حضور کی ذات پر اپنے آپ کو قربان کر دیں گے ﴿ ذَٰلِكَ ﴾ حضور کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کی بجائے پیچھے رہ جانے سے یہ روکنا ﴿ بِأَنَّهُمْ ﴾ اس سبب سے ہوا کہ بے شک انہیں ﴿ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ ﴾ کوئی پیاس نہیں پہنچے گی ﴿ وَلَا نَصَبٌ ﴾ اور نہ کوئی تھکاوٹ پہنچے گی ﴿ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ اور نہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی جہاد میں انہیں کوئی بھوک لگے گی ﴿ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا ﴾ اور وہ کفار کے علاقوں میں سے کسی علاقہ کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں اور اپنے اونٹوں اور اپنے پاؤں سے طے نہیں کریں گے ﴿ يَغِيظُ الْكُفَّارَ ﴾ جس سے کافروں کو غضب ناک کریں گے اور ان کے دل تنگ ہوں گے ﴿ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا ﴾ اور وہ دشمن سے کوئی مصیبت نہیں پائیں گے جیسے قتل و غارت یا قید و بند یا زخمی وغیرہ ہونا یا پھر شکست اٹھانا ﴿ إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ﴾ مگر اس کے عوض میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی گئی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں پہنچنے والی ہر مصیبت پر ستر ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ”نَالَ مِنْهُ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی دشمن سے نقصان پالیتا ہے اور یہ ہر اس مصیبت و تکلیف کے لیے عام ہے جو بندوں کو پہنچتی ہے اور اس آیت مبارکہ میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ جو شخص کسی نیکی کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اس کی محنت رائگاں نہیں جاتی بلکہ وہ ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے (اگر چہ وہ اس نیکی کو عملی طور پر نہ پا سکے) خواہ اس کا تعلق کھڑا ہونے سے ہو خواہ بیٹھنے سے ہو اور چلنے پھرنے سے ہو یا گفتگو سے ہو وغیرہ وغیرہ اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جہاد میں کمک پہنچانے والے کو بھی جنگ ختم ہونے کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم میں مجاہدین کے لشکر کے ساتھ شریک کیا جائے گا کیونکہ اس نے بھی کفار کے علاقوں کا سفر طے کر کے ان کو غضب ناک کیا ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عامر کے دونوں بیٹوں کو حصہ عطا فرمایا تھا حالانکہ وہ دونوں جنگ ختم ہو جانے کے بعد پہنچے تھے [اور ”مَوْطِئًا“ یا تو مصدر ہے جیسے ”مَوْرِدًا“ ہے یا پھر ظرف مکان ہے‘ پھر اگر ظرف مکان ہے تو ”يَغِيظُ الْكُفَّارَ“ کا معنی ہے کہ مجاہدین کا کفار کی سرزمین کو روندنا انہیں غضب ناک کرتا ہے] ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا یعنی مجاہدینِ اسلام نیکی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔

وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ

لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

اور نہ وہ کوئی چھوٹا خرچ کریں گے اور نہ کوئی بڑا خرچ اور نہ وہ کوئی مسافت طے کریں گے مگر ان کے لیے وہ عمل لکھا جائے گا تا کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلا عطا فرمائے O اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہوسکتا کہ وہ سب کے سب (علم دین کی طلب میں) روانہ ہو جائیں تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹی جماعت روانہ ہو جاتی تا کہ وہ دین کا علم حاصل کرتے اور تا کہ وہ اپنی قوم کو (عذابِ الٰہی سے) ڈراتے جب وہ واپس لوٹ کر ان کے پاس آتے تا کہ وہ (برائیوں سے) بچتے O

۱۲۱- ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی خرچ نہیں کرتے ﴿صَغِيْرَةً﴾ چھوٹا سا ہو اگرچہ ایک ہی کھجور کا دانہ ہو ﴿وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ اور نہ وہ کوئی بڑا خرچ کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیشِ عُسرہ (غزوۂ تبوک) میں بہت سا مال خرچ کیا تھا ﴿وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا﴾ اور وہ کوئی وادی اور سرزمین آتے جاتے طے نہیں کرتے اور وادی ہر اس راستے کو کہا جاتا ہے جو پہاڑوں اور ریت کے ٹیلوں کے درمیان سیلاب کی گزرگاہ بن جاتا ہے [اور یہ اصل میں ''وَدٰی یَدِیْ'' سے اسم فاعل ہے جس کا معنی بہنا ہے اور اسی سے ''وادی'' ماخوذ ہے اور پھر یہ مطلق زمین کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے] ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ مگر راہِ خدا میں خرچ کرنے اور وادی کو طے کرنے کا یہ نیک عمل ان کے لیے لکھا جاتا ہے ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزا عنایت فرمائے [یہ ''کُتِبَ'' کے متعلق ہے] یعنی ان کے صحیفوں اور اعمال ناموں میں یہ نیکیاں اس لیے لکھی جاتی ہیں اور ثابت و قائم رکھی جاتی ہیں تا کہ انہیں ان نیکیوں پر جزائے خیر دی جائے ﴿اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وہ جو اعمال کرتے رہے ان پر انہیں اللہ تعالیٰ بہترین جزا عطا فرمائے گا یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہر عمل پر ان کے بہترین عمل کی جزا عطا فرمائے گا اور ان کے ادنیٰ اعمال کو احسن و بہترین عمل کے ساتھ لاحق کر کے ان کو بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرمایا جائے گا۔

۱۲۲- ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ اور مسلمانوں کے لیے یہ تو جائز نہیں کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں یعنی تمام مسلمانوں کا علم کے حصول کے لیے اپنے اپنے وطن سے نکلنا درست نہیں کیونکہ ایسا طریقہ معاش کے فساد کا سبب ہے ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ﴾ پھر جب تمام لوگوں کا نکلنا درست و جائز نہیں تو ان کے ہر گروہ میں سے ایک گروہ کیوں نہ روانہ ہوا یعنی ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی سی جماعت علم دین کے حصول کے لیے روانہ ہو جاتی تو ان کا جانا سب کے لیے کفایت کرتا ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ تا کہ وہ دین میں فہم و فراست اور سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے علم دین کی طلب میں خوب محنت و مشقت سے کام لیں اور علم دین کی تحصیل میں مشقت و تکلیف کو برداشت کریں ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کے پاس لوٹ کر آئیں اور تا کہ علمِ دین کے حصول سے ان کا مقصد و مشن صرف اپنی قوم کو ڈرانا اور ان کی بروقت راہ نمائی کرنا ہو' خسیس و رذیل اور گھٹیا اغراض و مقاصد پیش نظر نہ ہوں جیسے لیڈری چمکانے اور چودھراہٹ حاصل کرنے اور عالی شان گاڑیوں اور قیمتی ملبوسات میں

ظالموں کی مشابہت اختیار کرنے کے لیے علم حاصل کرنا ﴿ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ اس امید پر کہ قوم کے لوگ ان چیزوں سے بچیں جن سے پرہیز کرنا ان پر واجب ولازم ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے بعد اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت میں شدید آیات کے نزول کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی لشکر جنگ کے لیے بھیجتے تو تمام مسلمان جہاد کے لیے روانہ ہو جاتے اور سب کے سب علم دین سیکھنے سے محروم رہ جاتے تو ان کو حکم دیا گیا کہ ان کے ہر بڑے گروہ میں سے ایک گروہ بقدرِ ضرورت جہاد کے لیے روانہ ہوا کرے اور باقی تمام مسلمان علم دین حاصل کریں تاکہ علم دین سے محروم نہ رہ جائیں کہ یہی جہادِ اکبر ہے کیونکہ دلائل کے ساتھ جہاد کرنا' نیزوں کے ساتھ جہاد کرنے سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے [اور اس تفسیر کی بناء پر "لِيَتَفَقَّهُوْا" میں ضمیر مسلمانوں میں سے جہاد کے لیے جانے والے گروہوں کے بعد علم دین حاصل کرنے کے لیے باقی گروہوں کی طرف لوٹتی ہے] اور "وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ" کا معنی یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے لیے باقی رہنے والے گروہ جہاد میں جانے والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس لوٹ آئیں گے ان علوم کے ذریعے ڈرائیں گے جو انہوں نے ان کی غیر موجودگی میں حاصل کیے تھے [اور پہلی تفسیر کی بناء پر دونوں کی ضمیریں اس گروہ کی طرف لوٹتی ہیں جو علم حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے شہر میں چلا گیا ہے]۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾

الربع

اے ایمان والو! تم ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں' اور تم یقین کرو کہ بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے O اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے' پس لیکن جو ایمان دار ہیں' اس سورت نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوش ہو جاتے ہیں O اور لیکن جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اس سورت نے ان کی نجاست پر نجاست بڑھا دی اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے O

جہاد کا حکم' منافقین کی مذمت اور شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۲۳- ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ﴾ اے ایمان والو! تم ایسے کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں۔ جنگ کرنا اگرچہ دور و نزدیک رہنے والے تمام کافروں سے واجب ولازم ہے لیکن جو کافر نزدیک رہتے ہیں ان سے جنگ کرنا زیادہ واجب ولازم ہے' چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی قوم کے کفار سے جنگ کی' پھر حجازِ مقدس کے دوسرے عرب کفار سے جنگ کی' پھر ملک شام کے کافروں سے جنگ کی اور ملک شام' عراق

وغیرہ سے زیادہ مدینہ شریف قریب ہے اور اسی طرح ہر علاقہ کے مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ پہلے اپنے قریب رہنے والے کافروں سے جنگ کریں ﴿وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً﴾ اور انہیں چاہیے کہ وہ تمہارے اندر جنگ سے پہلے بات چیت اور گفتگو میں شدت وسختی پائیں ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ مدد کرنے اور غلبہ عطا کرنے کے لیے پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

۱۲٤- ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ [اس میں "مَــا" موصولہ اپنے صلہ کی تاکید کرنے کے لیے ہے] (ترجمہ) اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا﴾ تو منافقین میں سے کچھ لوگ مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور وحی کا انکار کرنے کے لیے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ترغیب دینے اور تنبیہ کے لیے یہ بات مسلمان کہا کرتے تھے [اور "اَيُّكُمْ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور مابعد اس کی خبر ہے] ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ سو لیکن جو ایمان لا چکے ہیں تو یہ سورت ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہے اور ان کے یقین وثبات کو یا خشیتِ الٰہی کو یا اس سورت پر ایمان لانے کو بڑھا دیتی ہے کیونکہ وہ لوگ اس سورت کے نزول سے پہلے اس پر تفصیلی ایمان نہیں لائے تھے ﴿وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ اور وہ نزولِ سورت پر خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگ زیادہ احکام کے مکلف ہونے کو بزرگی کے لیے بشارت شمار کرتے ہیں۔

۱۲۵- ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور جن لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ اور نفاق کی بیماری ہے اور یہ ایسا روحانی فساد ہے جو علاج کا اشد محتاج ہے جیسا کہ بدن میں فساد ہوتا ہے ﴿فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ تو اس سورت نے ان کی نجاست میں نجاست کا اضافہ کر دیا کیونکہ اس سورت کے انکار کے کفر نے ان کے کفر میں مل کر ان کی کفریات میں اضافہ کر دیا ﴿وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ مر گئے حالانکہ وہ کافر ہی تھے اور یہ ان کے موت تک کفر پر اڑے رہنے کی خبر دینا مقصود ہے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ انہیں آزمایا جاتا ہے' پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں O اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) کیا تمہیں (مسلمان) دیکھ تو نہیں رہا' پھر وہ وہاں سے پھر جاتے ہیں' اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے اس لیے کہ وہ ایسی بدنصیب قوم

ہے جو کچھ نہیں سمجھتے O بے شک تمہیں میں سے بڑی شان والے ایک رسول تمہارے پاس تشریف لائے ہیں جن پر تمہارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں گزرتا ہے وہ تمہارے بہت بڑے خیر خواہ ہیں' مؤمنوں پر بے حد شفقت فرمانے والے' بہت بڑے مہربان ہیں O سو اگر وہ لوگ منہ پھیر لیں تو آپ فرما دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' صرف اسی پر میں نے بھروسا کیا ہوا ہے اور وہی بہت بڑے عرش کا مالک ہے O

۱۲۶- ﴿ اَوَلَا يَرَوْنَ ﴾ کیا وہ لوگ یعنی منافقین دیکھتے نہیں؟ [قاری حمزہ کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''اَوَلَا تَرَوْنَ'' ہے] اور یہ مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اے مسلمانو! کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ﴿ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ﴾ بے شک ان (منافقین) کو سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ قحط و تنگ دستی اور بیماری وغیرہ میں مبتلا کر کے آزمایا جاتا ہے ﴿ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ ﴾ پھر بھی وہ لوگ اپنے نفاق سے توبہ نہیں کرتے ﴿ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ اور نہ وہ نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں یا یہ کہ وہ لوگ جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شوکت اسلام کو دیکھنے کے باوجود اپنے نفاق سے توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ ان مصیبتوں اور تکلیفوں سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں جو ان پر واقع ہوتی ہیں۔

۱۲۷- ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی تو وہ لوگ وحی کا انکار کرنے اور اس کا مذاق اڑانے کے طور پر آنکھوں سے اشارے کر کے ایک دوسرے کو دیکھنے لگ جاتے اور کہتے کہ ﴿ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ﴾ کیا تمہیں مسلمانوں میں سے کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ تاکہ ہم یہاں سے اٹھ کر نکل جائیں کیونکہ ہم اس کی سماعت پر صبر نہیں کر سکتے اور ہم پر ہنسی مذاق غالب ہو رہا ہے' سو ہمیں ان کے درمیان ہنسنے پر رسوائی کا خوف ہے یا یہ معنی ہے کہ جب کوئی سورت منافقین کے عیب بیان کرنے کے لیے نازل ہوتی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو اشارہ کر کے کہتے کہ کیا تمہیں کوئی مسلمان دیکھ تو نہیں لے گا' اگر تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس سے اٹھ جاؤ ﴿ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ﴾ پھر وہ لوگ رسوائی کے خوف کے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل پاک سے اٹھ کر اِدھر اُدھر پھر جاتے ﴿ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قرآن سمجھنے سے پھیر دیا ہے ﴿ بِاَنَّهُمْ ﴾ اس سبب سے کہ بے شک وہ ﴿ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴾ ناسمجھ قوم ہے' وہ غور و فکر اور تدبر نہیں کرتے تاکہ قرآن پاک کو سمجھ لیتے۔

۱۲۸- ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ﴾ بے شک تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تشریف لا چکے ہیں [''رَسُوْلٌ'' میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی عظیم الشان رسول] ﴿ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ تمہاری جنس (بنی نوع انسان میں) سے ہیں (جنات و ملائکہ میں سے نہیں) اور آپ تمہارے خاندانِ عرب سے تعلق رکھتے ہیں' تمہاری طرح وہ بھی عربی قرشی ہیں[1] ﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ ان پر شاق و دشوار اور گراں گزرتا ہے' تمہارا کسی مشقت میں پڑنا اور کسی تکلیف دِہ مصیبت میں مبتلا ہونا کیونکہ وہ تم میں سے ہیں اور وہ تمہارے عذاب میں پڑنے پر فکر مند رہتے ہیں اور اس وجہ سے انہیں خوف لگا رہتا ہے ﴿ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ وہ تمہارے ایمان پر بڑے حریص ہیں وہ بہت چاہتے ہیں کہ تم تمام لوگ مسلمان ہو جاؤ ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ تم میں سے جو مسلمان ہیں اور تمہارے علاوہ دیگر اقوام میں سے جو مسلمان ہیں ان سب پر آپ ﴿ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ بہت شفقت فرمانے والے' بے حد مہربان ہیں اور بعض علماء نے فرمایا (جیسے حضرت العلامہ حسن بن فضل کا قول ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے گرامی میں سے دو نام رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی میں جمع نہیں فرمائے۔

[1] واضح رہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنوں یا فرشتوں کی جنس سے تشریف لاتے تو آپ سے استفادہ کرنا ہمارے لیے مشکل و دشوار ہو جاتا کیونکہ جنوں اور فرشتوں کے تقاضے اور اعمال و افعال وغیرہ بنی نوع انسان سے مختلف ہوتے ہیں' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

١٢٩ - ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر یہ لوگ آپ پر ایمان لانے سے روگردانی کرتے ہیں اور آپ سے بغض و کینہ اور عداوت و دشمنی کرتے ہیں ﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ تو آپ فرمادیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے' سو آپ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں اور اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کردیں' پس وہی ان کی تکلیف دہ شرارت سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے کافی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیز ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے استفادہ ناممکن ہو جاتا' اس لیے اس پیکرِ نور کو سراپا خیر البشر بنا کر بھیجا گیا تا کہ ہمارے لیے آپ سے استفادہ کرنا اور آپ کی اتباع کرنا اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا آسان ترین ہو جائے' نیز اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام رازی نے بیان کیا ہے کہ خود رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں اور علامہ پانی پتی اور علامہ آلوسی اور علامہ خازن نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور امام زہری اور ابن محیصن رحمہما اللہ کی قراءت میں "مِنْ اَنْفَسِكُمْ" "فا" پر فتح (زبر) ہے یعنی تم سب سے نفیس ترین اور افضل و اعلیٰ اور عظیم الشان رسول تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اس سے آپ کا افضل الخلق ہونا واضح ہو گیا اور اس عظیم الشان موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف چند آیاتِ قرآنیہ اور چند احادیثِ نبویہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

(١) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O (الانبیاء:١٠٧) اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر O

اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رب العالمین اور حضور کے لیے رحمۃ للعالمین فرمایا' جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کا رب ہے' حضور اس کے لیے رحمت ہیں' پھر "عالمین" جمع ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا رب ہے' اسی طرح حضور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں' نیز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی طرح حضور کی رحمت مطلق ہے' تام ہے' کامل ہے' سب کو شامل ہے اور تمام مخلوقات کے لیے عام ہے اور یہ فضیلت صرف حضور کے ساتھ خاص ہے۔

(٢) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ O (الکوثر:١) بے شک ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمادیں O

اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضائلِ کثیرہ عنایت کر کے تمام مخلوق پر افضل کیا' حسنِ ظاہر بھی دیا' حسنِ باطن بھی' نسبِ عالی' نبوت و رسالت بھی' کتاب بھی' حکمت بھی' علم بھی' شفاعت بھی' حوضِ کوثر بھی' مقامِ محمود بھی' کثرتِ امت بھی' اعلائے دین پر غلبہ بھی' کثرتِ فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔ (خزائن العرفان' زیر بحث آیت)

(٣) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (الاعراف:١٥٨) اے محبوب! فرمادیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سبا:٢٨) اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر ایسی رسالت عامہ کے ساتھ جو تمام لوگوں کو محیط ہے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔

ان دونوں آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سابق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح کسی خاص قوم یا کسی علاقہ کے نبی و رسول بن کر تشریف نہیں لائے بلکہ آپ تمام بنی نوع انسان کے نبی و رسول بن کر تشریف لائے ہیں اور آپ تمام اقوامِ عالم اور پوری کائنات اور قیامت تک کے لیے آخری رسول بن کر تشریف لائے ہیں' چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور وہی ان کے خلاف آپ کی نصرت و مدد کرنے والا ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' میں نے اسی پر بھروسا کیا ہوا ہے اور میں نے اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا ہے ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ﴾ اور وہ عرش کا مالک ہے اور یہ عرش مخلوقِ خدا میں سب سے بڑا ہے اور اس کو آسمانوں میں رہنے والوں کے لیے طواف گاہ بنایا گیا ہے اور یہی دعاؤں کا قبلہ ہے ﴿الْعَظِیْمِ﴾ بڑا۔ [یہ عرش کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے] یعنی اللہ تعالیٰ بڑے عرش کا مالک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۞ (الفرقان:۱)　　بہت بابرکت ہے وہ جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والے قرآن کو اپنے محبوب بندے پر نازل کیا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرسنانے والا ہو جائے۞

اس آیت مبارکہ میں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی نبوت و رسالت کا عام ہونا بیان کیا گیا ہے کیونکہ ''عالمین'' جمع ہے جس کا واحد ''عالم'' ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام کائنات عالم میں داخل ہے' لہٰذا آپ تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں خواہ وہ انسان ہوں خواہ وہ فرشتے ہوں' جنات ہوں یا حیوانات ہوں' نباتات ہوں یا جمادات ہوں' چنانچہ ''صحیح مسلم شریف'' میں حدیث نبوی ہے کہ ''اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَآفَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ'' میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر نبیوں کا سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف' باب: فضائل سید المرسلین' فصل اوّل) اور رسالتِ عامہ کی یہ فضیلت بھی آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۴) وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۞ (الضحیٰ:۵)　　اور بے شک عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۞

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں کیونکہ آپ کو بے شمار معجزات عطا فرمائے بلکہ آپ کو سراپا معجزہ بنا کر بھیجا اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمایا اور مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک دین اسلام کو پھیلایا اور آپ کو اوّلین و آخرین کے علوم عطا فرمائے اور تمام غزوات میں شاندار فتوحات عنایت فرمائیں' آپ کے ذکر کو بلند فرمایا اور ختمِ نبوت کا تاج آپ کے سرِ انور پر سجایا اور آپ کی مرضی پر قبلہ تبدیل فرمایا اور اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اور اس کے فرشتے آپ پر درود شریف پڑھتے ہیں اور آپ کی قبر مبارک پر قیامت تک جن و انس اور فرشتے درود و سلام پڑھتے رہیں گے اور عالمِ برزخ میں آپ کی معرفت و گواہی کو کامیابی کے لیے لازمی قرار دیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعتِ عامہ و خاصہ' مقامِ محمود' حوضِ کوثر اور قیادت و سیادت اور لوائے حمد عطا فرمائے گا۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اولادِ آدم میں یکے بعد دیگرے بہترین گروہ میں بھیجا جاتا رہا ہوں' یہاں تک کہ میں اس گروہ سے ظاہر ہوا ہوں جس میں میں پہلے سے تھا (اس کو امام بخاری نے بیان کیا)۔

(۶) واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا' آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا اور قریش سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔ (صحیح مسلم و سنن ترمذی)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر مبارک کھلے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے [اور یہ "رب" کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے] حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت مبارکہ یہی "لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ" الخ ہے۔

❁❁❁❁❁

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم شریف)

(۸) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام نبیوں سے زیادہ میرے پیروکار ہوں گے اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ (مسلم شریف)

(۹) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ خوبیاں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے رعب و ہیبت کے ساتھ میری مدد کی گئی (۲) اور تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزگی کا ذریعہ بنا دی گئی' سو میرے امتی کے لیے جس جگہ نماز کا وقت ہو جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیے گئے (۴) اور مجھے شفاعت کرنے کا منصب عطا کیا گیا ہے (۵) اور نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (متفق علیہ)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جامع کلام دے کر بھیجا گیا ہے اور میری رعب و ہیبت کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور جب میں سو رہا تھا تو اس دوران میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ (متفق علیہ)

(۱۱) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب کو دیکھ لیا اور بے شک میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی اور مجھے دو خزانے سرخ و سفید عطا کیے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور ان پر ان کی مسلم جماعت کے سوا کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کرے جو ان کی جڑ اکھیڑ دے (بالکل تباہ کر دے) اور بے شک میرے رب نے فرمایا: اے محمد ﷺ! جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو اس کو رد نہیں کیا جا سکتا' بے شک میں نے آپ کو آپ کی امت کے لیے یہ وعدہ عطا فرما دیا ہے کہ میں ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ میں ان پر ان کی جماعت کے سوا کوئی ایسا دشمن مسلط کروں گا جو ان کی جڑ اکھیڑ دے' اگرچہ وہ دنیا کے تمام اطراف سے جمع ہو کر حملہ کر دے یہاں تک کہ میرے امتی خود ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ (مسلم شریف)

(نوٹ:) یہ تمام احادیث "مشکوٰۃ شریف' باب فضائل سیّد المرسلین' فصل اوّل" سے ماخوذ ہیں۔ والحمد للّٰہ علٰی ذالك

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج بروز جمعۃ المبارک ۹ بجے' ۲ ذیقعد ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۲۰۰۳ء کو تفسیر مدارک التنزیل مطبوعہ لاہور جلد اوّل کا شروع سے لے کر سورۂ توبہ کے اختتام تک ترجمہ و حاشیہ مکمل ہو گیا ہے۔ فالحمد للّٰہ علی ذالك

الفقیر المذنب: محمد واحد بخش غوثوی مہاروی